چولا راجگان

مصنفہ

کے اے نیلکنٹھ شاشتری۔ ایم اے

امیر رٹس پروفیسر تاریخِ ہند و علمِ آثارِ قدیمہ

یونیورسٹی آف مدراس

پروفیسر آف انڈولاجی، یونیورسٹی آف مدراس

مترجمہ

شریمتی رِ پدمن سیٹھی۔ ایم اے



ترقی اردو بیورو نئی دہلی

CHOLA RAJGAN
By : K. A. NILAKANTA SHASTRI
Translated by : Smt. RIPADMANI SETHI

سنہ اشاعت: جنوری تا مارچ 1984 شک 1905

پہلا اڈیشن: 1000
قیمت: -/60
سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو - 460

اشتراک: انڈین کاؤنسل آف ہسٹاریکل ریسرچ نئی دلی

اس کتاب کی طباعت کے لیے حکومت ہند نے رعایتی قیمت پر کاغذ فراہم کیا

ناشر: ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی 110066
طابع: سپر پرنٹرس دہلی ۵۱

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہرین اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔

ترقی اردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیشِ نظر اب تک اردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کر چکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید ہے اردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو

مدراس یونیورسٹی کی تاریخی سیریز نمبر ۸

چولا راجگان

طبع دوم

دیباچہ طبع دوم

یہ کتاب کئی برسوں سے مطبوعہ صورت میں نایاب تھی۔ مَیں مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور سنڈیکیٹ کا اِس امر کے لیے شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اِس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی غرض سے اِس پر نظرِ ثانی کے لیے مجھے دعوت دی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا تھا اور ہر جلد کے ساتھ منتخب کتبوں کا ایک ضمیمہ بھی شائع کیا گیا تھا جس میں کچھ غیر مطبوعہ کتبات کے اقتباسات بھی شامل تھے۔ موجودہ ایڈیشن میں یہ ضمیمہ عدم گنجائش کے باعث حذف کر دیا گیا ہے اور کچھ حد تک اِس لیے بھی کہ اب قارئین متعلقہ شہادتوں سے بخوبی روشناس ہو چکے ہیں۔ ایک اور وجہ بھی اس کے لیے ذمہ دار ہے۔ محکمہ آثارِ قدیمہ سے متعلق مرکزی مشاورتی بورڈ نے ایک قرارداد میں مرکزی حکومت کے محکمہ آثارِ قدیمہ کو یہ مشورہ دیا کہ یہ محکمہ بہت جلد جنوبی ہند کے تاریخی کتبوں کی تا دمِ تحریر ایک تازہ فہرست مقام وار شائع کرے جو مدراس پریسیڈنسی کی اُس مشہورِ عام فہرستِ کتبات کی ایسی ہو جیسے پروفیسر وی۔ رنگاچاری نے مرتب کیا تھا۔ جہاں تک مجھے علم ہے اِن فہرستوں پر کام شروع ہونے والا ہے۔ اِس کے علاوہ اِن کتبات کے متن شائع کرنے کے کام میں بھی تیز رفتاری لانے کے لیے ضروری اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

طبعِ اوّل کے دیباچے میں چولا آرٹ کے علیٰحدہ جائزے کا جو وعدہ کیا گیا تھا اُس کی تکمیل نہیں کی جا سکی۔ بد قسمتی سے اب بھی اِس کے مکمل جائزے کی راہ میں بہت سی مشکلات حائل ہیں۔ یہ مشکلات اسی وقت دُور ہوں گی جبکہ محکمہ آثارِ قدیمہ یا جنوبی ہند کی کوئی یونیورسٹی تاریخی یادگاروں کے باضابطہ جائزے اور باوضاحت تشریح کا بیڑہ

اٹھائے اور اُن کے فوٹوگراف، نقشے اور تمام رُخوں کی بُلندی وغیرہ بھی اُن کے ہمراہ اسی نمونے پر شائع کریں جس نمونے پر فرانسیسی اور ولندیزی ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے کمبوجا، انام، اور جاوا میں کام کرتے ہوئے اُن ملکوں کی تاریخی یادگاروں کے متعلق شائع کیے ہیں۔ یہ کام اِس مصنّف کے بس کا نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس ضروری وسائل موجود نہیں ہیں۔ البتّہ اس نے مدراس یونیورسٹی کے حکّام کی اجازت سے اِس کتاب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے جس میں مختصر طور پر چولا آرٹ کی تاریخ کے اہم پہلو کا فی وضاحتی تصاویر کے ساتھ واضح کر دیے گئے ہیں۔ مصنّف کو اِس باب کی تیاری کے لیے جناب کے۔ آر۔ سری نواسن اور محکمہ آثارِ قدیمہ کے کیمیائی شعبے کے ماہر ڈاکٹر ایس۔ پرماشون سے قابلِ قدر امداد ملی ہے۔ یہ امداد اُن کی تحریروں سے بھی ملی ہے اور اُن کے ساتھ گفتگو سے بھی۔

تمام متن پر احتیاط کے ساتھ نظرِ ثانی کی گئی ہے اور جزوی طور پر اِس کے بعض حصّوں کو تازہ انکشافات اور تاویلوں کی روشنی میں از سرِ نو بھی لکھا گیا ہے۔ چند جاگیردارانہ خاندان سے متعلق کچھ ضمنی مواد، جو بیان میں کچھ رکاوٹ ڈالتا دکھائی دیتا تھا، چھوڑ دیا گیا ہے اور حاشیے اب ہر باب کے خاتمے پر یکجا کر دیے گئے ہیں۔ پہلے یہ حاشیے ہر صفحے کے نیچے بکھرے ہوئے تھے۔

اِن حاشیوں سے مجھ سے پہلے لکھنے والے مصنّفین کے تئیں میری احسانمندی ظاہر ہوگی۔ آرٹ پر لکھے گئے نئے باب کے لیے میں نے مرحوم جُوو لوڈبریل ... اور بالخصوص پرسی براؤن کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے۔ تصاویر اور وضاحتی اشکال کے مآخذ تختیوں کی وضاحت کے تحت درج کر دیے گئے ہیں۔ زیادہ تر اشکال و تصاویر میں نے ڈائرکٹر جنرل محکمہ آثارِ قدیمہ کی مہربانی سے حاصل کی ہیں۔ جناب کے۔ آر۔ سری نواسن نے مجھے اجازت دی کہ میں اُن سے نجی مجموعۂ تصاویر سے کچھ تصاویر زیرِ نظر کتاب میں چھاپ لوں۔ جناب این۔ لکشمی نارائنا راؤ نے جو ہندوستان کے سرکاری کتبہ شناس ہیں، نہ صرف کتبوں کے متنوں کے مطالعے کے لیے کافی سہولیات فراہم کیں بلکہ کچھ قیمتی حوالے بھی مہیّا کیے۔ اُنھوں نے اپنا کرن دئی کی تختیوں کا قلمی نسخہ بھی استفادے کے لیے میرے حوالے کر دیا۔ نیز ان تختیوں کی دو مہروں میں سے ج

بہتر حالت میں تھیں، اس کے چھاپنے کی اجازت بھی دی۔ پہلے ایڈیشن کے پہلے حصے میں جو ترووالنگاڈو کی تختیوں کی مُہر شامل تھی اب اُس کی جگہ یہ نئی چھاپ نئے ایڈیشن میں شائع کی جارہی ہے۔

مدراس کے عجائب گھر کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر اے۔ آئیّن، اُن کے آثارِ قدیمہ سے متعلق اسسٹنٹ جناب پی۔ آر۔ سری نواسن، نیز عجائب خانۂ مدراس کے تاریخی سکّوں کے شعبے کے اسسٹنٹ نے بخوشی مجھے دھولیشورم کے سکّوں کے انبار سے استفادہ کرنے کی اجازت دی، اگرچہ اِس سے کئی مرتبہ اُن کے کام کے اوقات کا کافی ہرج ہوا۔ جناب پی۔ آر۔ سری نواسن نے ازراہِ نوازش تمام تصاویر کی تشریح و وضاحت کا کام اپنے ذمّے لے لیا۔ اور یہ اُنہی کے نام سے اِس کتاب میں شامل کیا جارہا ہے۔

میں ان سب دوستوں کا ممنون ہوں۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر اے لکشمن سوامی مُدالیار اِس کتاب کی صحیح شکل میں اور بہ عجلت اشاعت میں ذاتی دلچسپی کا اظہار کرتے رہے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ میں کس زبان سے اُن کا شکریہ ادا کروں۔ یونیورسٹی کے رجسٹرار جناب آر۔ روی ورما بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کیونکہ مختلف مواقع پر انھوں نے دفتری انتظامیہ فیصلوں کو جلد کروانے اور دیگر کئی متعلقہ معاملوں میں میری فوری مدد کی۔ جی ایس پریس کے مالک جناب جی سری نواساچاری نے اِس کتاب کو جلد از جلد اور نہایت نفیس اور پُرسلیقہ شکل میں چھاپنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، جو بطور طابع اُن کی حاصل کردہ اعلیٰ شہرت کے عین شایاں ہے۔ میں اُن کا بھی شکر گزار ہوں۔

میسور — کے۔ اے۔ نیلکنٹھ شاستری

۲۲ر جنوری ۱۹۵۵ء

دیباچہ طبعِ اوّل

چولوں کے دورِ حکومت میں جو جنوبی ہند کی تاریخ کا بہترین تخلیقی دور تھا، تمام

جنوبی ہند پہلی مرتبہ ایک واحد حکومت کے زیرِ نگیں لایا گیا اور نئے حالات سے پیدا ہونے والے عام نظم و نسق کے مسائل کا سامنا کرنے اور انھیں حل کرنے کی سنجیدگی سے کوشش کی گئی۔ تامل ریاست نے اس دور میں شہری اور دیہی انتظامیہ، آرٹ، مذہب اور لٹریچر کے میدانوں میں عروج کی اُن بلندیوں کو چھوا جن تک پھر آنے والے زمانوں میں دوبارہ رسائی نہ ہو سکی۔ ان تمام میدانوں میں، نیز غیر ملکی تجارت اور جہاز رانی میں، اُن تحریکوں اور سرگرمیوں کے کو چولا عہد کے دَوران عروج پر پہنچایا گیا جن کا آغاز چولوں کے پیش رو پلّو راجاؤں کے عہد میں ہوا تھا۔

چولوں کی تاریخ ایک عظیم اور یادگار عہد کا پہلا باضابطہ اور باقرینہ مطالعہ ہے اور یہ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا (محکمہ آثارِ قدیمۂ ہند) کے پچاس برسوں کے مسلسل کام کے باعث ممکن ہو سکا ہے۔ میں ان فضلا کا احسان مند ہوں جنھوں نے اس محکمے کی متعدد مطبوعات میں چولا تاریخ کی بنیادیں رکھیں جو اگلے صفحات میں ہمیں ہر صفحے پر دکھائی دیں گی۔ تاہم میں نے اپنے تذکرے کی بنیاد اصل ماخذ کے آزاد مطالعے پر رکھی ہے جس کے لیے مجھے ڈائرکٹر جنرل آف آرکیالوجی اور اُن کے مدراس کے دفتر کے نگران افسروں نے کافی سہولیات فراہم کیں۔

کتبے، اِس تاریخ کو مرتّب کرنے میں کہیں نویں صدی میں جاکر وجیالہ کی تخت نشینی کے دنوں سے معاون ہوتے ہیں، اور اُس وقت بھی زمین و زماں کے اعتبار سے ان کی تقسیم بڑی غیر مساوی دکھائی دیتی ہے۔ اس سے پہلے کے قدیم زمانے کی اطلاعات کے لیے ہمیں اس وقت تک موجود تامل لٹریچر پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے جو مختلف ٹکڑوں اور شعری تالیفات کی شکل میں بکھرا پڑا تھا اور جس کی تصنیف کی تاریخیں بھی صحیح طور پر معلوم نہیں تھیں۔ اس کام کے دوران میں بعض مراحل پر مجھے چولا تاریخ کے ماخذوں پر وہ ابتدائی بحث کرنی پڑی ہے جو ان کی صحیح تشریح کی کسی بھی کوشش سے قبل کر لینی لازمی ہوتی ہے۔ میں نے

میں جن موضوعات پر مفصّل بحث کی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اُن کا صرف سرسری جائزہ لیا ہے۔

اِس کتاب کی پہلی جلد جو اِس وقت شائع کی جا رہی ہے، چولا عہد کی داستان کو

کُلوتنگا اوّل کی تخت نشینی تک پہنچاتی ہے۔ دوسری جلد میں سیاسی تاریخ مکمل ہوجائے گی اور اس میں چولا سلطنت کے نظم ونسق اور مجلسی زندگی کا بیان بھی آجائے گا۔ میں نے کونگو چولا راجاؤں کے سوائے باقی تمام متعلقہ شاہی خاندانوں کے مقام وحیثیت کی نشاندہی بھی کردی ہے۔ اِس کتاب میں چولا آرٹ کے مطالعہ کو شامل نہیں کیا جاسکا اور یہ کوتاہی وضاحت طلب ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اس دلچسپ موضوع پر اتنا قلیل کام ہوا ہے اور میرے پاس اِس کے متعلق اِس قدر وسیع اور مختلف النوع مواد تھا کہ میں جو کچھ اس موضوع پر کہنا چاہتا تھا، اُسے ایک ایسی کتاب کے جو پہلے ہی سے کچھ زیادہ ضخیم ہوچکی تھی، محض ایک باب میں محدود نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں اِس موضوع پر ایک علیٰحدہ مقالے میں بحث کروں گا۔

ضمیمے میں کچھ منتخب کتبوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جن پر اس تاریخ کی بنیاد ہے۔ جو خلاصے یہاں شامل کیے گئے ہیں، خصوصًا غیر مطبوعہ کتبات کے، وہ حتی الامکان ایسے معاملات کی بھی تفصیلات مہیّا کرتے ہیں جو دوسری تصنیفات میں نہیں ملتیں۔

کے۔اے۔نیلکنٹھ شاستری

شعبۂ تاریخِ ہند
یونیورسٹی آف مدراس
۲۲ر جولائی ۱۹۳۴ء

فہرست مضامین

نقشوں اور خاکوں کی فہرست

بابِ اوّل

مآخذ

تمہید

بھارت کی قدیم تاریخ کے متعدد دوسرے موضوعات کی طرح چولا خاندان کی تاریخ کے بارے میں بھی ہماری واقفیت جس کو معتبر اور مستند کہا جا سکے، بہت کم تھی۔ گذشتہ صدی کے ابتدائی دور میں کرنل میکنزی نے صوبۂ مدراس کے قدیم آثارِ باقیہ کا جائزہ لینے اور اُن کو جمع کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، تاہم ضلع تنجور میں اُس کے کارندے قدیم چولا حکمرانوں کے متعلق "چولا ونسا کرتم" نامی کتاب سے زیادہ نمایاں کوئی اور مآخذ دریافت نہ کر سکے۔ یہ کتاب زمانۂ مابعد کا ایک "سنھل پُران" ہے جس میں زیادہ تر فرضی افسانے اور معجزے مذکور ہیں۔ پُرانی روایتوں سے اِس خطے کے قدیم حکمرانوں کی تاریخ معلوم ہونا تو درکنار یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ چولا خاندان کے چوراسی راجہ ہوئے ہیں یا سولہ۔ علم کتبات میں گذشتہ پچاس سال کے دوران جنوبی ہند میں نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ ہلتش، وینکیا اور کرشنا شاستری جیسے مؤرخین نے بیشتر کتبات کی عالمانہ تفسیریں شائع کی ہیں۔ سنگم لٹریچر کا جو اب تک محفوظ تامل تصانیف میں قدیم ترین مجموعۂ تصانیف ہے، بیشتر حصہ دستیاب ہو کر شائع ہو چکا ہے، لہٰذا اب یہ ممکن ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے کہ چولا حکمرانوں کی تاریخ کا ایک سیر حاصل مطالعہ کیا جائے تاکہ اب تک کے برآمد شدہ نتائج کی روشنی میں اس خاندان کی صحیح تاریخ مرتب کی جا سکے۔

اس نوعیت کے کام کا بیڑہ اٹھانا گویا ایک بڑا خطرہ مول لینا ہے بالخصوص

انسانی علوم کی ایسی شاخ جس میں تازہ انکشافات اور پرانے مواد کی جدید تفسیر و تاویل کے پیشِ نظر یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ ہماری معلومات کی عمارت تعمیر ہونے سے پہلے ہی منہدم نہ ہو جائے۔ اِس کی بنیادوں کا نئے نئے انکشافات کے باعث گاہے گاہے متزلزل ہو جانا قدرتی امر ہے۔ لیکن جہاں تک چولا خاندان کی تاریخ کا تعلق ہے، اِس طرح کے خدشات بے بنیاد ہیں۔ اِس لیے کہ اب تک کے حاصل کردہ نتائج مستقل اور معتبر نوعیت کے ہیں۔ اگر ان اقدامات کو بہ نظرِ غور دیکھا جائے جن سے چولا خاندان کی تاریخ کی ترتیب تو اس وقت سے ہو رہی ہے جب سے مشرقی چالوکیہ خاندان کے تانبے کے کتبوں سے حاصل شدہ معلومات اور تنجور اور تامل پردیش کے دوسرے مقامات کے کتبوں سے ملنے والی شہادت کا باہمی تعلق دریافت ہوا ہے تو تشکی سے تشکی دانشور بھی اِس امر کا قائل ہو جائے گا کہ جنوبی ہند کی تاریخ میں اکتسابی علم کے ایک مستقل باب کا اضافہ ہوا ہے۔ حال ہی میں راجندر اوّل کے کرن دئی کے کتبے اور ویر راجندرا کے عہد کے "چارالا" کتبے[1] دریافت ہوئے ہیں مگر ان سے بھی چولا خاندان کی سیاسی تاریخ کے عمومی خاکے میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آ سکی۔ اس لیے اب چولا حکمرانوں کی سیاسی تاریخ کا واضح بیان نہ صرف ممکن ہے بلکہ اُس کی ایک مستقل افادیت بھی ہے۔ ایسے کام کو شروع کرنے کا جواز اور بھی مل جاتا ہے جب ہمارے مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ اپنے نظامِ حکومت اور ادبی اور فنی ترقی کے اعتبار سے دسویں صدی سے تیرھویں صدی عیسوی تک چولا سلطنت کا زمانہ تامل تہذیب کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ اِسی سلطنت کے زمانۂ اقتدار میں جنوبی ہند کے لوگوں نے فنِ جہاز رانی میں اتنا کمال حاصل کیا کہ مشرقِ بعید کے ممالک میں نہ صرف اپنی تجارت کو فروغ دینے میں کامیاب ہوئے بلکہ خاصے عرصے تک سمندر پار کے ممالک پر بھی حکمراں رہے۔ ایک داستان کے سنانے میں جو ملک کی گذشتہ زندگی کے ایک طویل حصّہ پر حاوی رہی ہو اور رنگینی اور واقعات سے بھرپور ہو دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں اِس حقیقت پر بھی نظر رکھنی ہوگی کہ اِس داستان کے چند پہلو ابھی تک تشنۂ تحقیق ہیں۔ یہ تحقیق اگر مکمل ہو چکی ہوتی تو اُس سے استفادہ کرنا ہمارے لیے ممکن ہوتا۔ تاہم مجموعی طور پر ہم اِس داستان کی جو تصویر پیش کریں گے وہ نہ صرف اِس تحقیق کی ضرورت و اہمیت

کی نشان دہی کرے گی بلکہ اُس کو بروئے کار لانے میں بھی معاون ہوگی ۔

موضوع کی تقسیم

قدرتی طور پر چولان خاندان کی تاریخ چار حصّوں میں منقسم ہے :-
(۱) سنگم لٹریچر کا زمانہ (۲) سنگم کے اختتام اور وجیالہ خاندان کی ابتدا کا درمیانی وقفہ (۳) وجیالہ خاندان کی حکومت جس کو نویں صدی عیسوی میں عروج حاصل ہوا اور (۴) کلوتنگا اوّل اور اس کے جانشینوں کا زمانہ' گیارہویں صدی کے تیسرے ربع سے تیرہویں صدی کے وسط تک ۔ تنجور کے نواح میں وجیالہ راجاؤں کے برسرِ اقتدار آنے سے تقریباً دو صدی پہلے کوڈپاہ ۔ کرنول اور اننت پور کے تیلگو اضلاع میں جس چولا ریاست کا عروج[۲] تھا اُس کے حکمران خود کو کاریکل کی نسل سے منسوب کرتے تھے ۔ لیکن قدیم چولا راجاؤں سے اُن کے تعلق کا کوئی صاف پتہ نہیں چلتا ۔ اس کے علاوہ بارہویں صدی عیسوی سے متعدد مقامی شاہی خاندانوں کا بھی پتہ چلتا ہے جو خود کو کاریکل کی اولاد اور اپنا گوتر کیشپ بتاتے تھے ۔ لیکن سوائے روایتی شجرۂ نسب کے اُن کا تامل خطّے کے چولا حکمرانوں سے کسی حقیقی واسطے کے موجود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ لہذا زمانہ مابعد کے اِن تیلگو چوڈا راجاؤں کا محض سرسری ذکر ہی اِس تاریخ میں کافی ہوگا ۔ اِن راجاؤں نے تانبے اور پتھر کی تختیوں پر کندہ تحریروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے ۔

قدیم زمانہ کے مآخذ

قدیم چولا حکمرانوں کے متعلق ہماری معلومات کا سب سے اہم مآخذ قدیم تامل زبان کا وہ لٹریچر ہے جو تیسرے سنگم کے نام سے موسوم ہے ۔ "پیریپلس" اور مؤرخ ٹالیمی کے یہاں چولا سلطنت اور اُس کے شہروں، بندرگاہوں اور تجارت کے متعلق جو مختصر حوالے ملتے ہیں، سنگم لٹریچر کی روشنی میں اُن کی بہترین تشریح ملتی ہے ۔ کلاسیکی مصنّفین کی تحریروں اور سنگم لٹریچر میں حیرت انگیز ہم آہنگی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ لٹریچر عیسوی سن کی ابتدائی صدیوں کی تخلیق ہے ۔ اس زمانے کی ایک قابلِ ذکر کتاب "مہاوںساہ" میں سری لنکا کے اصلی باشندوں اور تامل علاقے سے وہاں گئے ہوئے مہاجروں کے

درمیان کچھ تنازعات کا ایک دھندلا سا ذکر ملتا ہے۔ سنگم لٹریچر کی نظموں اور "مہاومسا" میں افراد و مقامات کے جو نام دیے گئے ہیں، اُن کے باہمی تقابل سے اِن تنازعات کی اچھی خاصی وضاحت مل جاتی ہے۔ ہلتش نے راجا گج باہو اوّل اور چیرا خاندان کے حکمران شینگوٹوّن کے ہم عصر ہونے پر کچھ شبہات کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اِس کا ثبوت صرف بات سے ہی نہیں ملتا کہ "مہاومسا" اور "شلپدیکارم" جیسی کتابوں میں شری لنکا کے حکمرانوں کے نام ایک جیسے دیے گئے ہیں بلکہ اس بات سے بھی اِس کی تصدیق ہوتی ہے کہ جنوبی ہند اور اُس کے پڑوسی جزیرہ شری لنکا کے مابین گہرے سیاسی اور ثقافتی تعلقات موجود تھے۔

اب تک سنگم لٹریچر سے جو اِس وقت موجود ہے کتنی مدّت کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، بدقسمتی سے اِس امر کی صحیح نشان دہی کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن اغلب ہے کہ یہ مدت پانچ یا چھ پشتوں سے زیادہ نہیں ہے۔ "شلپدی کارم" اور "منی میکلائی" کی ایسی طویل رزمیہ داستانوں کو چھوڑ کر[3] جو متفقہ طور سے سنگم زمانے کے بعد کی تصانیف ہم تک منظّم شعری مجموعوں کی شکل میں پہنچی ہیں۔ اُن میں سے "اہنانورُد" کی طرح کی بعض کتابوں کی ترتیب نہایت پیچیدہ ہے۔ اِن کی ہر نظم کے ساتھ نظم کے خالق اور اُس کے موضوع کے متعلق ایک تتمّہ بھی شامل ہے۔ اس لٹریچر کے "پورم" نامی حصّے میں وہ نظمیں دی گئی ہیں جن میں واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان نظموں میں متعلقہ راجاؤں اور سرداروں کے نام بھی دیے گئے ہیں۔ اُن حالات کا ذکر بھی ہے جو اُن کی مدح کے محرّک ہوئے۔ دراصل ان نظموں کے تتموّں ہی سے راجاؤں اور سرداروں کے ناموں اور اُن شاعروں اور شاعرات کے ناموں کا پتہ لگتا ہے، جو اُن کی زیرِ سرپرستی رہے۔ ان نظموں سے شاذ ہی اُن ناموں پر کوئی روشنی پڑتی ہے۔ ان ناموں کی ایسی ترتیب وار فہرستیں تیار کرنا جن کی مدد سے مختلف دور کے ہم عصر شعرا اور حکمران ایک دوسرے سے ممتاز ہوسکیں کوئی آسان کام نہ تھا۔ بعض مصنفین نے محض تخیّل کے زور پر ایسے شجرۂ نسب گھڑ دیے ہیں جن کی تاریخی ماخذ سے کوئی تصدیق نہیں ہوتی۔ دوسروں نے اِس لاحاصل کوشش میں اپنی ناکامی کا اعتراف کیا ہے اور ان نظموں کے تتموّں کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ یہ بعد کی غیر معتبر اور من گھڑت قیاس آرائیاں ہیں۔ جن پر جدید مؤرخوں کو اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے[4]۔ اس سے پیشتر کہ ہم اِس مشورے کو قبول کریں اِس بات کو یاد رکھنا بہتر ہوگا کہ "مدکالینو گائی" جیسے بعض شعری مجموعوں

کے متعلق یہ تسلیم شدہ ہے کہ وہ ایسے شاعر نے مرتب کیے ہیں جس کا اپنا کلام بھی اس میں شامل ہے۔ اور یہ بھی کہ ان شعری تصانیف اور اس میں شمولہ نظموں سے متعلق ادبی روایات کی صحت سے انکار کی کوئی مدلّل وجوہ اب تک سامنے نہیں آئی ہیں[5]۔ ان نظموں سے جو معلومات بہم پہنچی ہیں ان کو زیرِ بحث لاتے ہوئے ہمیں یہ بات بھی نظر میں رکھنی ہوگی کہ ان کی حیثیت اتفاقی ہے، نیز یہ کہ ان کے مؤلف کا۔ جس نے اِن کو ایک شعری مجموعے کی شکل میں یکجا کیا، جو مقصد تھا وہ تاریخ کے جدید محقق کا نہیں ہے۔ اگر یہ فرق ہمارے پیشِ نظر رہے گا تو ہم منتشر مواد سے ایک مربوط افسانہ تیار کر دینے کی غلطی کے آسانی سے مرتکب ہو جائیں گے۔

وِجیالا خاندان

وِجیالا کے چولا حکمرانوں کے بارے میں ہمیں کثیر قابلِ اعتبار مواد مختلف مآخذ سے مل جاتا ہے۔ اِس سے اُن کی تاریخ بیان کرنا مقابلتاً آسان ہو گیا ہے۔ لیکن زمانۂ سنگم کے اختتام سے سلطنت وجیالا کی ابتدا تک کے درمیانی وقفے یعنی پانڈیا پلّوکے تسلط کے زمانے میں چولا حکمرانوں کے حالات کے متعلق ہمارے پاس کوئی تاریخی دستاویز نہیں ہے۔ پلّوا اور چالوکیہ عہد کے کتبات میں ان کے متعلق دو ایک حوالے ملتے ہیں۔ اُن پر اُس زمانے کے شِوَمت اور وشنومت کے رشیوں کے سوانح حیات سے کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔

کتبات

وِجیالا خاندان نے پتھر پر کندہ تحریروں کی ایک بڑی تعداد اور تانبے کی تختیوں پر کھُدے ہوئے چند عطیہ نامے جو ایک مورخ کے لیے بہت بیش قیمت ہیں اپنے پیچھے چھوڑے ہیں۔ نامور حکمران راجَ راجا اوّل کو جس کے عہد میں جنوبی ہند کی بادشاہت کو اتنا عروج حاصل ہوا جتنا کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا ایک ترکیب یہ سوجھی کہ اپنے تمام کتبات کے آغاز میں ایک غیر متبدل تاریخی تمہید کندہ کروائی جس میں اس کے عہد کے اہم کارنامے ایک مرصّع اور شاعرانہ طرز میں بیان کیے جائیں۔ اور اِن میں گاہے گاہے اضافے کرکے تازہ واقعات بھی شامل کر دیے جائیں۔ راجَ راجا کی تخت نشینی سے صدیوں پہلے راجاؤں اور سرداروں میں یہ عام رواج تھا کہ وہ کتبات میں اپنے حسب و نسب اور ضمناً اپنے اور اپنے بزرگوں کے

نمایاں کارناموں کا ذکر کرتے تھے۔ ایسا کرنے میں وہ اُن قواعد کی پابندی کرتے تھے جو رعایا کے حقوق کے متعلق فرمان جاری کرنے اور عطیے دینے کے لیے ملک کے دھرم شاستر اور سمرتی نے وضع کیے تھے۔ لیکن اس طرح کی تحریریں عموماً صرف تانبے کی تختیوں پر کندہ منظوری ناموں (اتہاسں) ہی میں پائی جاتی ہیں اور یہ ہر نئے موقع پر از سرِ نو لکھی جاتی تھیں۔ اِس سے جہاں منظوری نامے (پرستی) کو شعری سانچے میں ڈھالنے والے شاعر کو پروازِ تخیّل کے لیے وسیع میدان مِل جاتا تھا وہاں مختلف منظوری ناموں میں ایک ہی راجا کے متعلق متضاد اور گمراہ کن بیانات بھی ملتے تھے۔ اِس لیے راج راجا نے پتھر پر اپنے عہدِ حکومت کے اہم واقعات کا سرکاری اور معتبر بیان ایک غیر متبدّل صورت اور عوام کی زبان میں کندہ کروانے کے احکام صادر کر کے جسے اُس کے جانشینوں نے بھی جاری رکھا ایک ایسا رواج ڈالا کہ اُس سے نہ صرف اُس نسل کے حکمرانوں کی خود پسندی کو تسکین ملی بلکہ مؤرّخ کو بھی اُن میں سے ہر راجا کے عہدِ حکومت کے بارے میں غیر معمولی اہمیت کی تاریخی دستاویزیں دستیاب ہوگئیں[1]۔ اِن میں سے بیشتر تاریخی تمہیدیں "جنوبی ہند کے کتبات" نامی کتاب کے ابتدائی حصص میں مؤرّخین ہلتش اور وینکیا کی عالمانہ بحث اور تشریح کا موضوع رہی ہیں اور اگرچہ اِن "مے کیرتی کل" تمہیدوں کو کبھی ازراہِ مذاق "پوئے کیرتی کل" بھی کہہ دیا گیا ہے یہ عموماً اُس عہد کے ملکی واقعات اور عام تاریخ کی نگارش کے لیے رہنمائی کرتی اور خاص خاص واقعات کا بڑا دلکش اور معتبر موقع پیش کرتی ہیں۔

اِن میں سے بہت کم کتبات اپنے مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے واقعی تاریخی ہیں مگر چند جو ایسے ہیں اُن میں "ترُوِ ویندی پُورم" کا وہ کتبہ ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے جس میں راج راجا سوئم کی مصیبتوں اور اُس کے ہم عصر ہولسیا لا حکمران کے بیچ میں پڑ کر اُسے اُن سے نجات دلانے کا تفصیلی ذکر ہے۔ عام طور پر ان کتبات میں سرکاری اور نجی اوقاف اور عطیوں کا ذکر ہے جو مندروں، اور برہمنوں کو دیے جاتے تھے۔ کبھی کہیں مندر کی تعمیر یا مرمّت یا کسی نئی مورتی کی ستھاپنا کے لیے امداد اِن کتبات کا موضوع ہے۔ کسی مندر میں چراغ جلائے رکھنے کے لیے انتظام عام طور پر ثواب کمانے یا گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اِس کے اخراجات کے لیے کوئی رقم یا چند مویشی فی چراغ دیے جاتے تھے۔ یہ بھی ہوتا تھا کہ دو یا اُس سے زیادہ افراد مشترکہ طور پر ایک چراغ کے لیے عطیہ میں اور اُس کا ثواب

اپنے اپنے حصّے کے مطابق تقسیم کرلیں۔ اکثر یہ چراغ تمام دن اور تمام رات روشن رہتے تھے اور یہ دوامی طریقہ (نندا وِلکو) بن جاتا تھا۔ صرف دن کے چراغوں کا رواج بھی تھا اور تہوارات کے چراغوں کا بھی جو عبادت والی راتوں (شندی) ہی میں جلائے جاتے تھے۔ جب چراغوں کا انتظام مویشیوں کے عطیہ سے ہوتا تھا تو اُس کے لیے "شاوا مُووا پراڈُو" کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی جس کے معنی ہیں وہ جسیم بھیڑیں جو نہ کبھی مرتی ہیں اور نہ بوڑھی ہوتی ہیں۔ دراصل اِس اصطلاح کے استعمال سے اوقاف اور عطیات کی دوامی حیثیت کا بیان کرنا مقصود ہوتا تھا۔ یہ اِس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جہاں بھیڑوں کی بجائے گائیں عطیہ میں دی گئی ہیں وہاں بھی یہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ اگر عطا شدہ مویشیوں کی تعداد بعد میں کسی وجہ سے کم ہوجاتی، جیسے ایک واقعہ میں گایوں کی تعداد تین سال کے اندر پچاس سے گھٹ کر چھبیس رہ گئی تھی تو معطی کی آئندہ ذمہ داری معیّن کرنے کے لیے اِس کمی کا لحاظ کیا گیا تھا۔ عطیے دینے والوں میں محض راجاؤں اور اُن کے عہدہ داروں ہی کا ذکر نہیں ملتا بلکہ اکثر انجمنوں کا ذکر بھی ملتا ہے جس میں کاروباری ادارے، پیشہ ور جماعتیں، ذات برادریاں، فوجی گروہ، دیہی پنچایتیں ہی نہیں بلکہ انفرادی طور سے مرد اور عورتیں بھی شامل ہیں۔ حُسن فروشوں کا ایک طبقہ "دیوراڈیار" (خدائی خدمت گار) بھی اکثر مندروں کے لیے قابلِ قدر عطیات دیتا تھا جس کے اعتراف میں مندر میں ہونے والی عبادتوں اور میلوں میں اُن کو خاص حقوق دیے جاتے تھے۔

بعض کتبات صریحاً ایسے فیصلوں اور اقرار ناموں کی اشاعت اور اُس کے مستقل تحفظ و بقاء کے لیے کندہ کرائے گئے تھے جو عوام کے لیے اہمیت رکھتے تھے۔ اِس قسم کے کتبات کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ تاریخ کے طالب علم کے عطیات کے کتبوں کے مقابلہ میں زیادہ دلچسپ اور مفید ہیں۔ اِن میں مالگذاری اور دیگر ٹیکسوں سے متعلق شاہی فرمان دیہی پنچایتوں کی اپنے آئینی انتظامات کے متعلق قرار دادیں مختلف برادریوں اور جماعتوں کے تنازعات میں پنچایتوں کے فیصلے۔ چوری، زنا، قتل اور دیگر جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو دی گئی سزائیں، اور خاص خاص علاقوں کے با اقتدار جاگیرداروں کے باہمی سیاسی معاہدے درج پائے جاتے ہیں۔ اکثر اوقات مندروں کی دیواروں پر منقش تحریریں عوامی دفترِ اخراجات کا کام دیتی تھیں۔ کیونکہ اُن کے ذریعہ سے دیہی اراضی کے حقوق کے انتقال، رہن اور بیع وغیرہ کا معتبہ یادداشت محفوظ کردی،

جاتی تھی[11]۔ کئی جگہ ایسی یادداشت کے متعلق واضح طور پر درج ہے کہ یہ کسی اور تحریر کی نقل ہے۔ جو تانبے کی تختی پر کندہ ہے[12]۔ تروِوڈانے وائل (تنجور) کے ایک بے نظیر کتبے میں ایک مقامی مندر کے "ناناسم بندر" کی غیر معروف "دیوارم" کو اِس طرح محفوظ رکھا گیا ہے۔

چولا کتبات کی زبان اور رسم الخط

چولا کتبات کی زبان اور رسم الخط اُن کے مقام اور وقت کے لحاظ سے بدلتے رہے۔ عام طور پر اُن میں تامل زبان استعمال کی گئی ہے کئی کتبات سنسکرت میں بھی ہیں اور بعض میں سنسکرت اور تامل دونوں زبانوں میں کام لیا گیا ہے۔ کرناٹک اور تیلگو علاقوں میں کنڑا اور تیلگو زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔ اکثر یہ فرض کر لیا گیا ہے[13] کہ جن علاقوں میں چولا حکمرانوں کے ایسے کتبات پائے جاتے ہیں جو تامل زبان میں کندہ ہیں۔ اُن سب میں چولا عہدِ حکومت میں تامل ہی مروّجہ زبان تھی جو چولا عہد کے بعد اِن علاقوں سے رفتہ رفتہ معدوم ہو گئی۔ یہ کتبات کم سے کم اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ چولا حکمرانوں نے کچھ عرصہ کے لیے جن غیر تامل علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ اُن میں کچھ تامل آکر آباد ہو گئے تھے۔ وجے نگر کے حکمرانوں اور اُن کے "نائک" نائبینِ سلطنت کے کتبوں کا کنڑا اور تیلگو زبان میں تحریر ہونا اور پھر ہوئیسالیہ خاندان کی تیلگو اور کنڑ تحریروں کا ایسے علاقوں سے دستیاب ہونا جو واضح طور پر تامل علاقے تھے یہ ثابت نہیں کرتے کہ تامل علاقوں نے اِن کتبات کی تحریر کے وقت اپنی زبان بدل کر تیلگو یا کنڑ کر لی تھی۔ ۱۸۰۳ء کا تنجور کا طویل مراٹھی کتبہ اِس کی ایک اور مثال ہے۔ سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں پانڈیہ اور کیرا تامل زبان کے لیے "واٹے لُتّو" رسم الخط رائج تھا۔ پانڈیہ کے علاقوں پر چولا راجاؤں کا قبضہ ہو جانے کے بعد اس کی جگہ تامل نے لے لی[14]۔ البتہ "ملائے ناڈو" یعنی مالابار کے علیٰحدہ خطّے میں یہ اٹھارہویں صدی کے وسط تک رائج رہی۔ سنسکرت زبان کے لیے "گرنتھا" رسم الخط استعمال کیا جاتا تھا، جو تامل رسم الخط سے ملتا جلتا تھا۔ بہت سے ایسے کتبات شائع ہو چکے ہیں جن سے رسم الخط کی ارتقائی منزلوں کا صحیح پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن قدیم کتبات کی روشنی میں سلسلہ وار تاریخ مرتّب کرنا اِس کی صحت کی قطعی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اس لیے اِس پر بھروسہ کرنے میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ تانبے کی تختیوں کے مقابلے میں پتھر پر کندہ کتبات کے جعلی ہونے کا امکان کم ہے اور سچی

بات تو یہ ہے کہ چولا کتبات میں بہت کم کتبے غیر معتبر ہیں۔ اس کی ایک بہت نمایاں مثال ایک ایسی تحریر ہے جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ راجا راجندر چولا راج کیسری کے عہدِ حکومت کے اُنتیسویں[۲۹] سال میں کندہ کرائی گئی تھی[۱۵]۔ اس تحریر کی تاریخی تمہید میں مختلف راجاؤں کے عہدِ حکومت کے واقعات خلط ملط کر دیے گئے ہیں۔ جس کے باعث اِس کا معتبر ہونا شبہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اِس کی قدامت چودھویں صدی عیسوی کی ہے اور یہ ایک ایسے مندر میں پائی گئی جس کی دیواروں پر راجہ راجندر سوئم کے زمانے سے قبل کی کوئی تحریر نہیں ملتی۔

منادر (مندر)

چولا عہد میں عمارتی پتھر کے مندروں کی تعمیر کا سنہری زمانہ دسویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا تھا نئے تعمیر ہونے والے مندروں کی دیواریں، ستون اور کرسیاں کندہ عبارتوں سے پُر ہوتی جاتی تھیں۔ اِس ضمن میں تنجور میں راج راجیشور کے بڑے مندر سے اُس زمانے کے ایک عام رواج سے پتہ چلتا ہے[۱۶] کہ جب کبھی کسی پُرانے مندر کو اُس کی از سرِ نو تعمیر کی غرض سے مسمار کیا جاتا تھا۔ تو اُس کی دیواروں پر کندہ عبارات کو کتابوں میں نقل کر لیا جاتا تھا اور بعد میں نئی عمارت کی دیواروں پر ثبت کر دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی اینٹ کے مندروں کی دیواروں پر بھی کتبے ہوتے تھے[۱۷]۔ یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ حال میں ان قدیم عبادت گاہوں کی مرمت کرانے والوں کی جاہلانہ پارسائی نے اِن کتبوں کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے[۱۸]۔ اِس طرح کے نقصان کا سدِ باب کرنے میں ناروا تاخیر ہوتی ہے۔ بلکہ اُس نے تو ایسا طریقہ کار تک وضع نہیں کیا جس پر عمل کر کے اِن عمارات کی مرمت کرنے والے اِن کو کم سے کم نقصان پہنچا سکیں۔ بعض جگہوں پر کچھ عبارات چٹانوں اور ایسے بڑے بڑے پتھروں پر کندہ ملی ہیں جو کسی مندر کا حصّہ نہیں ہیں۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔

قدیم داستانوں میں مذکور راجگان

تانبے کی تختیوں پر منقوش کچھ عطیات کے فرامین ہیں جنھیں "ان بل"، "ترووالنگاڈو"

اور "کرن دائی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، نیز کنیا کماری کے پتھر کے کتبوں اور راجادیراجہ کی "چارالا" تختیوں میں کچھ طویل فرضی شجرۂ نسب درج ہیں، جن کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ چولا حکمران سورج ونشی خاندان سے ہیں۔ پرتھوی پتی دوئم ہستی مل کے زمانے کے کتبات میں وجیالہ کے روایتی اسلاف کی مقابلتاً بہت مختصر فہرست ملتی ہے۔ ان روایتی فہرستوں میں جو ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں[20]۔ مذکور ناموں سے صرف دو باتیں ہی تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ اِن میں سے صرف کاریکل، کوچن گنان اور شاید کِلی بھی اِن ناموں سے مشابہت رکھتے ہیں جن کا ذکر ہمیں سنگم لٹریچر میں ملتا ہے۔ اِن بادشاہوں کے ناموں اور چند قصّوں کے علاوہ مثلاً منو نے اپنے بیٹے کو رتھ کے پہیّوں کے نیچے کچل کر ایک بچھڑے کو مار ڈالنے پر موت کی سزا دی۔ یا شبی نے اپنا گوشت دے کر ایک فاختہ کی گِدھ سے جان بچائی، ایسی کسی بات کا پتہ نہیں چلتا جس سے یہ معلوم ہو کہ چولا خاندان کی وجیالہ شاخ کا اِن قدیمی چولاؤں سے کیا واسطہ تھا جس کا ابتدائی تامل لٹریچر میں ذکر ہے۔ "کاریکل" اور "کوچن گنان" کے بارے میں بھی تانبے کی تختیوں میں درج شدہ حالات کی نوعیت تاریخی کم اور افسانوی زیادہ ہے اور اِس سے قبل کے ادبی تذکروں کے ساتھ ان کی کوئی کڑی مشترک نہیں ہے۔

علم ہیئت پر مبنی حقائق

پتھر کے کتبات میں بیشتر ایسے ملکی اعداد و شمار دیے گئے ہیں جو بعد کے پانڈیا عہد کے کتبات سے کم پیچیدہ ہیں اور جن سے کیاہارن اور دوسرے مؤرخین نے چولا تاریخ کے سلسلہ وار واقعات کے تعین کے لیے بہت مفید نتائج برآمد کیے ہیں۔ لیکن ان اعداد و شمار کے اہمیت کے بارے میں مبالغہ آرائی کرنا بھی آسان ہے۔ "اگر کوئی تاریخ کسی تحریر میں صحیح درج کر دی گئی ہے تو اِسی طرح کسی تذکرے میں غلط تاریخ کے اندراج سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ تذکرہ ہی جھوٹا ہے"[21]۔ بہت کم کتبات میں شک سمت یا کلی یگ سمت دیا گیا ہے[22]۔ لیکن اکثر اوقات اِن میں دی ہوئی تفصیلات اتنی مکمل اور صحیح ہیں کہ اُن کی اور تاریخی تمہیدوں کی جو اکثر راج خصوصیت سے درج کراتے تھے اِن کی مدد سے اہم اور سلسلہ وار تاریخی حقائق معلوم ہو جاتے ہیں۔ جو نتائج اِن کتبات سے اخذ کیے گئے ہیں اُن سے پتہ چلتا

ہے کہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا چولا حکمران اپنے جانشین کا انتخاب خود ہی کرتے تھے اور اپنی حیات ہی میں اُن کو ملک کے نظم ونسق میں شریک کر لیتے تھے۔ اِس سے دو فائدے ہوتے تھے۔ ایک تو جانشینی کے وقت کسی تنازعہ کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ دوسرے ملک کے حکمرانوں کو اوائل عمر ہی میں انتظامِ سلطنت کی تربیت کے مواقع حاصل ہو جاتے تھے۔

نظم ونسق

اکثر کسی شاہی فرمان کے جاری ہونے یا کسی معاملے کے طے ہونے کے بعد اس کو پتھر پر کندہ کرانے تک برسوں کا وقفہ ہو جاتا تھا۔ مثال کے طور پر راجہ پرانتکا اوّل کے عہد کے تیسویں[30] سال میں ایک رقم بطور وقف منظور[31] کی گئی تھی لیکن پتھر کے کتبے میں[32] بتایا گیا ہے کہ اِس رقم کا کچھ حصّہ اِس راجہ کے عہد کے پینتیسویں برس میں[33] پڑوس کے ایک گاؤں کی پنچایت میں لگایا گیا۔ چند اہم کتبات میں اُن مختلف مراحل کا ذکر آیا ہے جو کسی شاہی فرمان، بالخصوص محکمۂ مال کے معاملات سے متعلق کسی حکم کے صادر ہونے اور اُس کی تعمیل کیے جانے کے درمیان پیش آتے تھے۔ ان کے بغور مطالعہ سے اُس کے انتظامیہ ڈھانچے اور کام کے طریقوں کی بابت کافی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان سے بہت سے ٹیکسوں، محصولوں اور دیگر کئی طرح کے واجبات کا بھی پتہ چلتا ہے، اگرچہ ان ٹیکسوں کے لیے جو نام استعمال کیے گئے ہیں وہ بعض جگہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ اکثر جگہوں کے ناموں کی تبدیلی کا بھی پتہ چلتا ہے جو چولا عہدِ حکومت کی ایک امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ ان کتبات سے اُس وقت کی سوسائٹی، مذہب اور علوم وفنون کے متعلق بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

دیگر خاندانوں کے عہد کے کتبات

پڑوسی خاندان کے کتبات سے بھی چولا حکمرانوں کی تاریخ پر براہِ راست روشنی پڑتی ہے۔ چولا عہدِ حکومت کی یادداشتیں جو تصوّرات دیتی ہیں، ان کی تصدیق اور تصحیح میں کرشنا سوئم کے عہد کے "راشٹرکتا" کتبات، مشرقی چالوکیہ خاندان اور مشرقی گنگا خاندان کے کتبات اور مغربی چالوکیہ خاندان کے کتبات سے کافی مدد ملتی ہے۔ چولا اقتدار کے زوال کے وقت تک تو بعض ممتاز جاگیردار خاندانوں اور کوپرن چنگا جیسے بعض مقتدر افراد کے

کے متعلق ریکارڈ بھی کافی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ چولا عہد کے زوال کے وقت کی سیاست کا کچھ پتہ ہوئیالہ خاندان کے عہد کی یادداشتوں سے بھی چلتا ہے۔

عمارتی یادگاریں

کتبات کے بعد جو تاریخی ماخذ سب سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہے وہ عمارتیں ہیں۔ مندر، اُن کے منقش وسیع کمرے اور اُن کے بُرج چولا عہد پر سب سے زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جب کانسے کی مورتیاں ڈھالنے کا فن اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ چولا عہد کے بہت سے مندر اگرچہ ابھی تک اچھی حالت میں ہیں لیکن ان کے فن تعمیر اور فن بُت گری کی بابت باضابطہ تحقیق کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے۔ "ایم جوویوڈوبریل" نے اپنی کتاب "آرکیالوجی ڈو سُٹڈ ڈیل انڈی" میں اُس عہد کے اِن فنون کے عام خصوصیات بڑی خوبصورتی سے بیان کی ہیں۔ لیکن مزید معلومات کے لیے ہمیں محکمہ آثارِ قدیمہ کی رپورٹوں پر جگہ جگہ بکھرے ہوئے بے ترتیب تذکروں ہی پر اکتفا کرنی پڑتی ہے۔ جب سطح زمین پر استادہ عمارتوں کی طرف اتنی کم توجہ دی گئی ہے تو اُن قدیم عمارتوں کی کھدائی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے جو زیرِ زمین دفن ہیں پھر بھی جنوبی ہند کی قدیم تاریخ کے لیے علمِ آثارِ قدیمہ کی اس شاخ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔[۲۴]

سِکّے

سِکّوں کی چھان بین یا قیماندہ ہندوستان کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے علمِ آثارِ قدیمہ کی ایک اہم اور دلچسپ شاخ ہے۔ لیکن جنوبی ہند کی عام تاریخ کے بارے میں، صرف چند مثالوں کو چھوڑ کر ان سے کچھ زیادہ استفادہ حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ جنوبی ہند کے سکّوں کا "ابھی تک اتنا سائینٹفک مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے۔ جتنا کہ شمالی ہند کے سکّوں کا جس سے ان کے متعلق بیش بہا تاریخی معلومات حاصل ہوئی ہیں"[۲۵] رومن سکّوں اور مدورا کے سلاطین کے عہد کے سکّوں کی مقابلتاً زیادہ چھان بین کی گئی ہے اور اُس سے خاصی اچھی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ جنوبی ہند میں چولا حکمرانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں سونے اور چاندی اور تانبے کے سکّوں کے ٹکڑے تو آئے دن دستیاب ہوتے رہتے ہیں: مجموعی طور پر ان

سکّوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ ہے جس میں سکّے کے دونوں طرف بیچ میں چولاؤں کا علامتی شیر کا نشان ثبت کیا گیا ہے اور اس کے دائیں بائیں، تحت ریاستوں کے نشان ہیں، یعنی چیرا خاندان کی کمان کا اور پانڈیہ خاندان کا مچھلی کا نشان، اس کے علاوہ حکمران کا نام بھی سکّوں پر پرو دیا ہوا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جنھیں مؤرخین پرنسپ اور ایلیٹ نے "لنکا چھاپ" سکّے کا نام دیا ہے۔ جن کے سیدھے رُخ پر ایک کھڑے ہوئے نیم مہذب انسان کی شبیہہ اور پشت کی طرف اِسی انسان کی شبیہہ بیٹھی ہوئی حالت میں دی گئی ہے۔[26] چونکہ "لنکا چھاپ" سکّے پہلے پہل راجا راجندر اوّل کے زمانے میں ملتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ اِس چھاپ کے سکّے کافی بعد تک، یعنی راجہ کلوتنگا اوّل کے عہدِ حکومت تک رائج رہے۔ اِس لیے اِس خیال کو کہ یہ "لنکا چھاپ" سکّے اوّل الذکر قسم کے سکّوں سے بعد کے زمانے کے ہیں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابھی اِس بات میں بھی شبہ ہے کہ راج راجا اوّل سے پہلے کے سکّوں کے نمونے دستیاب ہوئے ہیں یا نہیں۔ اِس لیے "لنکا چھاپ" اور دوسری قسم کے سکّوں کو ایک ہی زمانے کا ماننا پڑے گا۔[27] چولا حکمرانوں کے جو بھی سکّے ہمارے علم میں آئے ہیں اُن کا ابھی تک اُس وقت کے کتبات میں مذکور سکّوں کے ساتھ موازنہ نہیں کیا گیا ہے۔

لٹریچر

دوسرے ممالک میں لٹریچر تاریخ کا سنگِ بُنیاد سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اکثر اِس اصول کو تسلیم کرنے سے دھوکا ہوا ہے۔ کئی جدید مؤرخین نے افسوس ظاہر کیا ہے کہ قدیم تاریخ کے کسی بھی حصّے کی صرف لٹریچر کی شہادتوں پر بنیاد قائم کرنا ناممکنات سے ہے۔ نہ صرف یہ کہ ہمارے پاس ایسی تصانیف کی جن کو تاریخی کہا جا سکے کمی ہے۔ بلکہ بہت تھوڑی قدیم تصانیف ایسی ہیں جن کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ کب اور کہاں تصنیف کی گئیں۔ رامائن اور مہابھارت جیسی عظیم تصانیف پر بھی جو صدیوں سے ہماری قومی ثقافت کا سرمایہ سمجھی جاتی رہی ہیں، بار بار نظرثانی کی گئی ہے۔ لیکن اِس پر نظرثانی کرنے والے کون تھے اور کب اور کس حد تک انھوں نے اِن پر نظرثانی کی، اِس کی تصویر اِس قدر دھندلی ہے کہ اِن تصنیفات سے اخذ کردہ نتائج کا تاریخ نگاری میں ہوش مندی سے استعمال کرنا

تقریبًا ناممکن ہے۔[۲۸] آخر میں اُن چند تصانیف میں بھی، جن کے مصنفین اور مقامِ تصنیف کا ہمیں علم ہے، زیادہ تر صفحات اسی قسم کے بیانات میں ضائع کیے گئے ہیں اور شاذ ہی ان میں کوئی بات صاف کہی گئی ہے۔

تامل لٹریچر میں سنگم کے زمانے کی نظمیں حقیقت پر مبنی ہیں اور ظاہرًا دیکھنے میں معتبر بھی ہیں۔ ان میں خامیاں نہیں ہیں جو کسی طویل عہد کے لٹریچر میں دَر آتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اِن میں واقعات کا تاریخ وار بیان بہت مبہم ہے۔ نیز اِن نظموں میں بالخصوص جو چولا عہدِ حکومت میں لکھی گئیں اور جن کے مصنفین اور لکھے جانے کی تاریخیں ہمارے علم میں ہیں، درباری شاعری کے تمام نقائص بدرجہ اتم موجود ہے۔ پھر بھی ان خامیوں کو ممکن حد تک نظر انداز کرنے کے بعد اس ملکی لٹریچر سے یا چولا سلطنت کی تاریخ کے متعلق جو شہادتیں ملتی ہیں اُن کو بہت حقیر نہیں کہا جا سکتا اور یہ عِلم آثارِ قدیمہ سے ملنے والی شہادتوں کی کمی کو پورا کر سکتی ہیں بشرطیکہ احتیاط سے ان کا استعمال کیا جائے۔

دِجیالَا اور اُس کے جانشینوں کا عہدِ حکومت جنوبی ہند میں ایک عظیم ادبی اور مذہبی تجدید واحیا کا زمانہ تھا۔ دسویں یا گیارہویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند کے شیومت کی کتابوں کو نامبی آندار نامبی نے موجودہ شکل میں ترتیب دیا۔ وہ اس دور کا پہلا ہی مصنف تھا اور اس کی ان تصانیف کی بنا پر ایک زیادہ مفصّل کتاب "تِرُو تونڈر پُرانم" جسے عام طور پر "پیریا پُرانم" کہا جاتا ہے۔ شیکّی لار بارہویں صدی میں راجہ کلوتنگا دوم کا ہم عصر تھا۔ اُن مصنّفوں نے جن روایات کو کتابی شکل دے کر محفوظ کر دیا ہے وہ بے شک بڑی اہمیت رکھتی ہیں لیکن اِن کی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ وہ اس عہد کے عقائد کی شہادت دیتی ہیں۔ نہ کہ اس لیے کہ ان کے شیومت کی ابتدائی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ اِس فرق کو وہ مؤرخین نہیں سمجھ سکے ہیں جنھوں نے ان معاملات کے متعلق جی کھول کر شیکلّار سے استفادہ کیا ہے۔ جو اس کی زندگی کے سینکڑوں برس پہلے پیش آچکے تھے۔ اِس کے علاوہ "پیریا پُرانم" کا اگر احتیاط سے مطالعہ کیا جائے تو اِس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نامبی آندار نامبی نے سنتوں کے متعلق جو مختصر یادداشتیں مرتّب کی ہیں اُن میں بعض تفصیلات نہیں پائی جاتیں جو سیکّی لر کی تصانیف میں پہلے پہل دیکھی گئی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ شیکّی لار نے اپنے تخیّل اور عوامی عقائد ہی کو اپنے لیے شمعِ راہ بنایا ہو۔ یہ تفصیلات اِس لحاظ سے کتنی ہی اہم ہوں کہ یہ شیومت

کی مقدّس کتابوں کے فروغ کی نشاندہی کرتی ہیں، تاہم اُنھیں ہندوستان میں شیومت کی ابتدائی تاریخ کا اس وقت تک حصّہ تسلیم نہیں کرنا چاہیے جب تک کتبات یا ایسے ہی معتبر ذرائع سے اِن کی تصدیق نہ ہو جائے۔ اِس لیے مناسب یہ ہے شیکی لار کی عظیم تصنیف میں جو خوبصورت قلمی تصاویر افراط سے ملتی ہیں ہم اُنھیں ایک گزرے ہوئے عہد کا حقیقی عکس ماننے کے بجائے اُس زمانے کی زندگی اور معاشرے کی، جو مصنّف نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی، صرف ایک مثالی تصویر سمجھیں۔ اِس طرح اچھوت سنت نندا کی کہانی میں برہمنوں کے گاؤں آدنور اور اُس سے ملحق اچھوتوں کے گاؤں کا جو ذکر آیا ہے، اُسے چولا عہد کی دیہاتی زندگی کی تصویر کھینچنے میں استعمال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس وقت کی اُن جانی بوجھی ادبی روایات کا جن کا ایسے بیانات کی تخلیق میں بہت بڑا حصّہ ہوتا ہے، لحاظ رکھا جائے۔

ایک ایسی ہی کتاب "چار ہزار مقدس بھجن" ہے جس میں وشنو دھرم کے عقائد یکجا کیے گئے ہیں۔ یہ بھی لگ بھگ اُسی زمانے کی ہے جب نامبی آندار نامبی نے شیو دھرم کے اصول یکجا کیے تھے۔ "دِویہ سوری چرتیا" اور "گورو پرم پرائے"، "پیریہ پُرانم" وشنو نقطۂ نظر سے تکمیل کرتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ وشنو دھرم کے سنتوں کی جنھیں "آلوار" کہا جاتا تھا، زندگی کی ایک مفصّل لیکن ناقابلِ یقین سلسلہ وار تاریخ پیش کرتی ہیں۔ یہ کتابیں جہاں اپنے زمانے کے مذہبی عقائد اور روایات بیان کرتی ہیں وہاں راتاریخ کی قدر و قیمت اور شیو دھرم کی تاریخ میں اُن کا مقام متعین کرنے کے لیے ضروری پس منظر بھی فراہم کرتی ہیں۔ ان آلوار کتابوں میں جو تبصرے کیے گئے ہیں وہ ایک مبہم زبان میں ہیں جو سنسکرت زیادہ اور تامل کم ہے۔ یہ تبصرے اگرچہ چولا عہد کے کچھ عرصے بعد لکھے گئے ہیں، ہمارے لیے خاصے اہم ہیں کیونکہ اُن میں چولا عہد کے بعض واقعات کا سرسری ذکر بھی ملتا ہے۔ اُن کی یہ خصوصیت اور زبان جو اِن میں استعمال کی گئی ہے اکثر ہمیں چولا عہد کے کتبات کی تشریح میں مدد دیتی ہے۔

غیر مذہبی لٹریچر میں، جن کتابوں کے سنِ تصنیف کا ہمیں صحیح علم ہے، اُن میں ہمارے نقطۂ نظر سے دلچسپ ترین کتابیں بُدھ متر کی "ویراشولیَم"، جین گونڈا... م کا لنگتو پرانی" اور "اوٹا کوتن" کی تینوں "اُلائیں" اور "کُلوتنگن پلیّت تامل" ہیں، ... کتاب

ویرراجندر کے عہد کے ایک بُدھ مصنّف کی لکھی ہوئی تامل کی گرامر ہے۔ گرامر اور علمِ عروض کی دوسری کتابیں "یپّارنگلم" اور "یپّارنگلک کاریکائی" ہیں جو ایک جین مصنّف ایتاساگر نے کچھ عرصہ پہلے لکھی تھیں۔ ان تینوں کتابوں میں، بعد کے زمانے کے لکھے ہوئے کچھ حاشیے بھی شامل ہیں جن میں گرامر کے بعض خاص اصولوں کی وضاحت کے لیے اُن کے لکھنے والوں نے جو مثالیں دی ہیں وہ غیر معمولی دلچسپی کی حامل ہیں۔ یہ حاشیے نہ صرف کتبات سے جو کچھ ہم کو معلوم ہوا ہے۔ اِس میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ اس کی تصدیق اور وضاحت بھی کرتے ہیں)۔ جے انگودار کی کتاب "کالنگاتو پرانی" روایتی "پرانی" صنف کی ایک رزمیہ نظم ہے جس میں راجہ کلوتنگا اوّل کے مشہور سپہ سالار "کروناکرت تونداِمان" کی کالنگ دیش کی فتح کا ذکر ہے۔ یہ نظم اپنے اندازِ بیان کی خوبی اور بحر کی موزونیت کے باعث بجا طور سے تعریف کی مستحق ہے۔ اس نظم نے شاعر کو "کاوِک چکرورتی" (شاہنشاہِ نظم) کا خطاب دلوایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اُس وقت کے ملک الشعراء کو دیا جاتا تھا۔ اوتاکُتّن کو بھی یہ خطاب دیا گیا تھا۔ وہ اگرچہ خود بھی کچھ کم پایہ کا شاعر نہیں تھا۔ لیکن اُس نے مشہور دیوالائی موضوع پر ہی اپنے پیش رو کے اندازِ بیان کی ہو بہو نقل کر کے اُسے شاندار خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ یہ کتاب من گھڑت اور مافوق الفطرت بیانات اور بے معنی مبالغہ آرائی کے باوجود ایک مؤرخ کے لیے بہت کارآمد ہے کیونکہ اس سے چولا خاندان کے شجرۂ نسب اور راجا کلوتنگا کی کالنگ دیش کو فتح کرنے کی مہم کی تفصیلات اور اُس کی فوجوں کے اختیار کردہ کالنگ دیش کے راستے کے متعلق بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ چند سال پہلے دی کناکاسا بھائی نے اس طویل نظم کے بعض حصوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ جو "انڈین اینٹکویری" میں شائع ہوا تھا۔ "اوتا کُتّن" نے کلوتنگا اوّل کے یکے بعد دیگرے تین جانشینوں کی مدح کے لیے "اُلا" کی صنف کا انتخاب کیا۔ "اُلا" بھی "پرانی" کی مانند شاعری کی ایک روایتی صنف ہے۔ اگر "پرانی" ایک بہترین رزمیہ نظم ہے تو "اُلا" اُس کی قدر ہے۔ اس میں کچھ ایسا دکھایا جاتا ہے کہ اپنے بلند عہدے کی [illegible] سے بے نیاز اور [illegible] کی اور رنجیر کی جھگڑوں سے بے فکر ہو کر راجا اپنے امرا و وزرا کے ہمراہ اپنی راجدھانی میں سیر کے لیے جا رہا ہے۔ "اُلا" کے ابتدائی حصے میں حکمران اور اُس کے اسلاف کے کارناموں کا [illegible] سے بیان کیا جاتا ہے۔ نیز ان درباریوں سے متعلق [illegible] کے بارے میں معلومات دیے جاتے ہیں، جو راجہ کے ہمراہ سیر کے لیے جاتے [illegible] بتایا جاتا

ہے کہ ان میں سے کون کون ملک کے انتظامیہ ڈھانچے میں کیا کیا مقام رکھتا ہے۔ نظم کے اِس حصہ کی کافی تاریخی اہمیت ہے۔ "اُلا" میں بعد کو جو باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ ہمارے لیے براہِ راست کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھتیں۔ تاریخ کے جدید طالب علم کی نظر میں "اُلا" کا یہ حصہ شہر کی بیواؤں کی عاشقانہ نگاہوں اور محبت کی غمّازیوں کی غیر دلچسپ داستان کے سوا کچھ نہیں ہے جس میں راجہ پر نظر پڑتے ہی یہ عورتیں اُس کی محبت میں دیوانی ہو جاتی ہیں۔ وکرم۔ کلوتنگا دوم اور راجا راج دوم پر لکھی گئیں تینوں "اُلاؤں" کے علاوہ اوٹا کوتن نے ایک اور کتاب "کلوتنگا شولن پلائت تامل" لکھی ہے جو کلوتنگا دوم کی بال کتھا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اپنی پرزور فصاحت اور اعلیٰ جذبات نگاری کے اعتبار سے ایک قابلِ ذکر کارنامہ ہے لیکن مؤرخ کے لیے یہ "اُلاؤں" کی مانند کارآمد نہیں ہے۔

بعد کے زمانے کے سوانح اور "ستھل پُرانوں" کی تعداد بے شمار ہے۔ کنڑ زبان میں دیر شیوا کی کتاب "نوچولا چریتا" اور اُس کا تیلگو ترجمہ، سنسکرت میں "چول ونس چریتا" یا "برہا دلیشور مہاتما" (جس کا تامل ترجمہ میکنزی کے قلمی نسخوں میں موجود ہے) اور "کونگو دلشارا ماکل" جو انھیں نسخوں کے مجموعے میں شامل ہے۔ ان کی قابلِ ذکر مثالیں ہیں۔ لیکن جیسا کہ فلیٹ کا خیال ہے[29] اگر ذرا بھی غور سے اُن پر نظر ڈالی جائے تو قدیم تاریخ نگاری کے مقصد کے لیے اُن کا افسانوی اور غیر معتبر ہونا فوراً ظاہر ہو جاتا ہے۔

غیر ملکی شہادتیں

چینی تصنیفات سے جو شہادت ملتی ہے گو وہ تھوڑی ہے لیکن اس اعتبار سے بہت کارآمد ہے کہ اِس کی بنیاد سلسلہ دار واقعاتی مواد پر ہے۔ عرب سیّاحوں، مسلمان مؤرخوں اور مارکوپولو جیسے قدیم یورپین سیّاحوں کے سوانح میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند اُس زمانے کے غیر ملکی مشاہدین کو کس قسم کا تاثر دیتا تھا۔ اِس قسم کی خارجی شہادت اِس زمانے کی غیر ملکی تجارت کی نوعیت اور اُس کی وسعت کو سمجھنے کے لیے کافی اہمیت رکھتی ہے۔

پہلا باب

حاشیے

۱ کرن دئ کی تختیاں (غیر مطبوعہ)۔ میں بھارت کے سرکاری کتبہ شناس شری این ایل راؤ کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اِن تختیوں کے متن کا ایک قلمی نسخہ مجھے فراہم کیا۔ چار آلا تختیوں کے متعلق دیکھیے ای آئی - ۲۵ - xxv صفحات ۲۴۱ تا ۲۶۶ء

۲ ای۔سی۔ iii x - (۷) اور ای آئی۔ (x۱)۔ مالے پاڈو کی تختیاں۔

۳ معلوم ہوتا ہے کہ اِس نظم کی ایک مقابلتاً بعد کی تاریخ تصنیف، یعنی ۴۰۰ عیسوی کے بعد ہی، قبول کرنے کے لیے ہم کو مجبور کیا گیا ہے۔ اِس نظم کے انیسویں باب اور "نیائے پرویش" دونوں تصانیف کے باہمی تعلق پر چھڑی ہوئی بحث کا رُجحان کچھ ایسا ہی تھا۔ دراصل جب تک یہ فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ بالا اُنتیسویں باب پر بعد میں محض نظرِ ثانی کی گئی تھی، ہمیں اِسی تاریخ کو ماننا پڑے گا۔ ملاحظہ ہو "نیائے پرویش" (بڑودہ) صفحات xvi - xviii جہاں شری اے۔بی۔ دھرُوا کی بحث پر جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔

۴ پی ٹی سری نواسا آئینگر۔ ہسٹری اف دی تاملز، صفحات ۱۶ - ۱۷

۵ اِس موضوع پر مفصّل بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے سٹڈیز حصّہ اوّل

۶ کچھ کتبوں میں یہ تمہیدیں جگہ کی قلّت کے باعث جزوی طور پر حذف کر دی گئی تھیں مثلاً ۱۹۲۵ کے ۹۶ میں، جو راجندر دوم کے گیارھویں سالِ حکومت کا ہے۔ مزید دیکھیے

ARE - ۱۹۳۵ - ۳۶ / ۳۹ - II

۷ ۱۹۰۲ کا ۴۲ — EI - vii - صفحہ ۱۶۱۔

۸ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ پرتی میلا لگر "پویا دکّم" کے جملے کی جو "کرل" ۷۵۳ میں آیا ہے، تشریح "نندا دلکو"، بتلاتا ہے۔

۹ مجھ کو یقین ہے کہ یہ "شنڈی ولکو" کے جملے کی صحیح تشریح ہے جو کتبوں میں اکثر استعمال ہوا ہے اور عام طور پر اس کا ترجمہ "شفق کے وقت کا چراغ" کیا جاتا ہے۔ دیکھیے فرہنگ تامل"

۱۰ ۱۹۲۶ کا ۱۲۰ (راجندر اوّل کا چھٹا سالِ حکومت)

۱۱ ۱۹۲۶ کا ۱۴۴ (راج کیسری - ۱۶) ہماری نظر میں ایک مندر کی مثال ہے جس نے اپنی کچھ اراضیات مہارانی کی ایک خادمہ کے پاس رہن رکھ کر ضروری رقم حاصل کی۔

۱۲ ۱۸۹۴ کا ۱۸۰ (کلوتنگا اوّل - ۲۳)

۱۳ ARE ۱۸۹۵ - I - ۷، اور ۱۹۰۸ - II - ۴۹ - مزید دیکھیے وینکیا JA - xxxvii - صفحات ۱۹۹ - ۲۰۰

۱۴ TAS - i - صفحہ ۲۸۹

۱۵ ۱۹۲۶ کا ۴۹۰ : ARE ۱۹۲۷ - II - ۳۲

۱۶ A.S.I - ۱۹۰۹ - ۱۰ - صفحات ۱۲۸ - ۲۹ : نیز ۱۸۹۵ کا ۹۲ - اور A.R.E ۱۹۲۰ - II - ۱۷

۱۷ ۱۹۰۰ کا ۱۲۳ : EI - vii صفحات ۱۴۵ - ۴۶

۱۸ ARE - ۱۹۰۲ - ۱۸، اور جی۔او۔ (مدراس)۔ ۷۶۳ پبلک مؤرخہ ۱۶ اگست ۱۹۰۲ء ترونامنلور کے باشندوں کی طرف سے کلی نرسی ایشورا کے مندر کی تباہی کی جانب توجہ دلانے کے بعد سرکاری کتبہ شناس نے اپنی رپورٹ میں یوں لکھا ہے : ناٹوکوٹائی کے "چیٹی" لوگ ہر سال اپنی کثیر کمائی کا ایک حصہ جنوبی ہند کے قدیم شیو مندروں کی مرمت پر خرچ کر رہے ہیں۔ اس مرمت کے دوران میں انھوں نے مندرجہ ذیل مندروں اور اُن کے تمام کتبوں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا ہے اور کونجیورم کا ایکامرناتھ مندر۔ شری رنگم کے جزیرے پر واقع جمبوکیشورا مندر۔ ترووناملائی کے مندر کی مرکزی عبادت گاہ۔ اور ترووڈیئی نلور اور تروویگلور (ضلع تنجور) کے مندروں کی مرکزی عبادت گاہیں۔ پہلے دو مندروں کے کتبوں کی تو میرے دفتر میں روشنائی لگا کر حاصل کی ہوئی چھاپ موجود ہے۔ باقی ماندہ کتبے ہمیشہ کے لیے تلف ہو گئے۔ کیونکہ کندہ شدہ پتھروں کو مندروں کو از سرِ نو تعمیر کرنے سے پہلے پھر سے گڑھ لیا گیا ہے۔ اب بہت سے اور مندروں کا بھی یہی حال کیا جانے والا ہے۔" حکومت نے مندروں کی تجدید اور مرمت کرنے والوں کی کارروائیوں

کے خلاف حکمِ امتناعی جاری کرنے سے انکار کر دیا ہے جیسا کہ محکمہ کتبات شناسی نے صلاح دی تھی۔ اس پر محکمہ نے اُن "کتبوں کی چھاپ حاصل کرنے کی کوششیں تیز کر دیں جن کے مسمار کیے جانے کا خطرہ تھا" اس کے نتیجے میں کتبہ شناس کے دفتر میں کتبوں کی چھاپ کے ہزاروں نسخے جمع ہو گئے ہیں جن کے موجودہ حالات میں شائع کیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہاں تک کہ یہ اُس سادہ شکل میں بھی شائع نہیں کیے جا سکتے جو SII (Texts) قلمی نسخوں کے لیے اپنائی گئی تھی۔ ایک حقیقی خطرہ اس بات کا بھی ہے کہ ان چھاپوں کو جمع کرنے اور شائع کرنے کی باہمی دوڑ میں اشاعت کو بھی فائدہ نہ ہوگا اور انھیں جمع کرنے کے کام کو بھی نقصان پہنچے گا۔

۱۹ SII - ii، ۴۷

۲۰ ان فہرستوں کے باہمی موازنے اور تنقید کے لیے دیکھیے TAS III اور XV-EL

۲۱ فلیٹ، کا حوالہ رائس نے دیا ہے XIV-EL صفحہ ۴۰

۲۲ پرانتکا اوّل کے گرامم کے کتبے کے بارے میں لکھتے ہوئے، جس کی تاریخ تحریر کلی سمت میں درج ہے اور جس میں اس کے کندہ کیے جانے کا دن اِس حساب سے بنایا گیا ہے کہ اُس وقت کلی یگ شروع ہونے کے بعد کتنے دن گزر چکے تھے۔ کیلہارن لکھتا ہے:۔
"میں یہ بھی بتا دوں کہ یہ قدیم ترین چولا تاریخ ہے جس کا ہمیں علم ہے اور جس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ نیز اب تک جن ۱۳۶ تاریخوں کی تحقیق کی گئی ہے، اُن میں یہی واحد تاریخ ایسی ہے جس میں کلی یگ کے سمت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان تاریخوں میں سے ۱۸ تاریخیں شک سمت میں بتائی گئی ہیں۔ اُن میں بارہ کنڑ بھاشا کے کتبوں کی تاریخیں ہیں، ۴ تاریخیں تیلگو زبان کے اور صرف ۲ تامل کے کتبوں میں دی ہوئی تاریخیں ہیں۔ ایک تامل کتبے کی تاریخ میں شک سمت ۹۹۱ درج ہے۔ یہ کتبہ ویر راجندر کے عہد کا ہے اور اس کی تصدیق ممکن نہیں ہے۔" E-I-VIII صفحہ ۲۶۱ -

۲۳ ۱۹۱۲ کا ۱۶۴

۲۴ ARA - ۱۹۱۲ - ۱۳ - I - ۱۰، ۱۹۱۵ - ۱۶ - A-I

۲۵ رَیپسن کی تصنیف "تاریخِ ہند کے مآخذ: سکّے" صفحہ ۱۲۳

۲۶ ایلیٹ۔ صفحہ ۱۰۸

ہمیں چولوں کی تاریخ کے بارے میں اُس وقت بہت کم علم تھا جب ایلیٹ نے اپنی عظیم کتاب " جنوبی ہند کے سکّے " تصنیف کی۔ اصل میں وہ لنکا کی طرز کے سکوّں کی شروعات گیارہویں صدی بتاتا ہے (صفحہ ۱۰۸) اور اسے پہلے کی قسم کے مقابلہ میں "معرکہ خیز تبدیلی" بتاتا ہے۔ اُس نے جن چولا سکوّں کی تصویر کشی کی ہے اور حال بیان کیا ہے (جن میں سے کچھ سکوّں پر ہلتش نے بھی بحث کی ہے I-TA xx1 صفحہ ۲۲۳) وہ اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔

ریپسن (حوالہ سابقہ سیکشن ۱۲۶) نے بھی ایلیٹ کے نظریے ہی پر صاد کیا ہے اور بلاشبہ اُس نے سہواً ۱۰۲۲ عیسوی کو نہ صرف لنکا کے طرز کے سکوّں کے چولا سلطنت میں اجرا کا سال قرار دیا ہے بلکہ راج راجا چولا کے عہدِ حکومت کے آغاز کا سال بھی۔ وہ لنکا چھاپ کے سکوّں کی وضاحت اس طرح کرتا ہے :- سیدھی طرف راجہ کھڑے ہونے کی وضع میں۔ اُلٹے رُخ پر راجہ بیٹھی ہوئی حالت میں۔ یہ بات مشکوک ہے کہ وہ اُجڈ انسانی شکل (ایلیٹ) جسے ٹف نیں نے (اشارات صفحہ ۱۱) ایک راکھشس سمجھا ہے، دراصل راجہ کی شبیہہ ہے۔ ایک نادر چاندی کے سکّے میں جس پر یہ عبارت لکھی ہے : " شری راج راجا دیوا " (ہلتش IA-۷xx صفحہ ۳۱۷) سکّے کی پیشانی پر دی ہوئی بیٹھے ہوئے راجہ کی شبیہہ اور پشت پر دیے ہوئے نشانات اور عبارت کو مخلوط کر دیا گیا ہے۔

۲۸ " ہندوستانی زمانہ سلف کی تحقیق " میں فولکیس کے مقالے جو " دکن کی تہذیب' چھٹی صدی قبلِ مسیح سے لے کر " Civilization of the Deccan down To the 6th century B.C. کے زیرِ عنوان تحریر کیے گئے ہیں (iii)x-ص ص۔ ا۔ صفحاتِ ذیل) اِس امکان کا پیمانہ ہیں کہ ہمارے دستیاب شدہ محدود ماخذ سے کیا استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۹ I.A xxx صفحات ۶۔ ۷۔

دوسرا باب

ابتدائی معلومات

حدودِ ملک

روایتوں کے مطابق چولا ریاست کے حدود یہ تھے :-

شمال اور جنوب میں دو دریا جن کا دونوں کا نام ویلارُو تھا۔ مشرق میں سمندر اور مغرب میں "کوٹائی کرائی"۔ اس رقبے میں موجودہ ترچناپلی و تنجور اضلاع کے علاوہ سابق ریاست "پڈوکوٹاہ" کا کچھ حصّہ بھی شامل تھا۔ اِس قریب قریب ہموار خطہ کا نشیب سمندر کی طرف ہے اور دریائے کاویری اور اُس کی شاخیں جن میں کولرون (کولی ڈم) بھی شامل ہے۔ اگر کہیں ہموار سطح نہیں ہے تو صرف وتم کی نشیبی سطح مرتفع ہیں۔ جنوب اور جنوب مغرب میں ریتیلے پتھر اور کنکر کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے سلسلے ہیں اور چند ابھری ہوئی چکنی شفاف چٹانیں ہیں جن میں قلعے کے مرکز میں ابھری ہوئی ترچناپلی کی چٹانیں بہت نمایاں ہے۔ اہم پہاڑیاں ہمیں ترچناپلی ضلع کے شمالی حصّہ میں ملیں گی۔ یہ علاقہ چولا ملک سے بالکل باہر نہیں، تو اس کی سرحد پر ضرور ہے۔ کاویری ندی کا ڈیلٹا ایک سیلابی زمین ہے جو قدرتی بلندیوں سے یکسر خالی ہے۔ البتہ اُس میں آندھیوں سے اُڑ کر آنے والی ریت کے ٹیلے ہیں جو شمال سے ملحق تنگ میدان کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ "سمندر کی لہریں ڈھلوان ریتیلے ساحل پر جس میں چٹانیں بالکل نہیں ہیں جاتی اور واپس آتی رہتی ہیں" اس طرح ساحل کا منظر بالکل غیر دلچسپ ہے۔ ڈیلٹا کی سطح دھان کے کھیتوں کی ایک ہموار چادر ہے جس میں کہیں کہیں ناریل، آم اور دوسرے پھلوں کے پیڑ نظر آجاتے ہیں۔ یہاں نہ بن ہیں اور نہ بلند درختوں کے جنگل[2]۔ یہاں کی مٹی بانس اور کیلے کی پیداوار

کے لیے بڑی موافق ہے۔

دریائے کاویری

دریائے کاویری کی عظمت ایک ایسا پائیدار اور لازوال موضوع رہا ہے جس پر تامل شاعر کا قلم لکھتے لکھتے تھکتا نہیں۔ یہ عظیم دریا سورج دیوتا کی اولاد کی سرفرازی کے لیے راجہ کانت کی دعا پر اگستیہ رشی کے ذریعہ سے وجود میں آیا۔ یہ چولا راجاؤں کی عادل نسل کا خصوصی نشان تھا۔ اور طویل سے طویل خشک سالی میں بھی اُس نے کبھی انھیں دھوکا نہیں دیا۔ ہر سال کاویری میں جب باڑھ آتی تو سالانہ جشن منایا جاتا جس میں راجہ سے لے کر حقیر ترین کاشتکار تک شرکت کرتے۔

شہر

سمندر کے ساحل پر کاویری پٹنم، ٹرانکیے بار کے آٹھ میل شمال کی طرف واقع تھا۔ یہ شہر اصل دریائے کاویری کو اُس کی زیادہ بڑی شاخوں سے الگ کرتا ہے، جو آگے جاکر سمندر میں مل جاتی ہیں۔ یہ چھوٹا سا گاؤں اُس جگہ کی نشاندہی کرتا ہے جہاں چولا عہدِ حکومت کی مشہور قدیمی منڈی واقع تھی[4]۔ ساحلی میدان میں کاریکل سے دس میل جنوب کی طرف "ناگاپٹم" جس سے غالباً ٹالیمی واقف تھا، ایک اہم شہر تھا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ قبل اس کے کہ اِس شہر پر فرنگی تاجروں اور عیسائی مذہب کے مبلغوں کی نظریں پڑیں، یہ تجارت اور کئی مذہبی فرقوں کی جن میں بدھ دھرم بھی شامل ہے سرگرمیوں کا مرکز بن چکا تھا۔ تنجور، ترچناپلی اور کمباکونم چولا ملک کے دوسرے قابلِ ذکر شہر ہیں۔ ترچناپلی دراصل قدیم شہر اُرایور کی جدید شکل ہے جو اب ترچناپلی کی صرف ایک نواحی بستی رہ گئی ہے۔ گنگائی کونڈا، چولاپورم اس جگہ واقع ہے جہاں موجودہ اضلاع ترچناپلی، تنجور اور جنوبی ارکاٹ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ یہ شہر گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں چولا سلطنت کے دارالخلافہ کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اب یہ ایک چھوٹا سا مقام ہے۔ جہاں ایک شاندار مندر کے کھنڈر ہیں۔

چولا خاندان کی وجہ تسمیہ

چولا نام کیسے پڑا اس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں۔ مشہور عالم پاریمی لالہ گرگی رائے میں پانڈیہ اور چیرا کی طرح چولا بھی ایک بہت قدیم اور مشہور حکمران خاندان یا قبیلہ[۵] تھا۔ اس قبیلہ سے تین بھائی چیرن۔ شولن اور پانڈین تھے۔ جن کے نام پر شاہی خاندانوں کا نام پڑا۔ ان کی کہانی بلاشبہ ایک فرضی داستان کو تاریخی قالب دینے کی کوشش ہے[۶]۔ چولا نام جس طرح بھی پڑا ہو[۷]، زمانہ قدیم ہی سے یہ لفظ اُس علاقے اور اُن لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جو چولا حکمرانوں کے زیرِ نگین تھے۔ کرنل گیرینی کا یہ کہنا کہ اس لفظ کا رشتہ سنسکرت کے لفظ 'کالا' (سیاہ) سے ہے، یا 'کول' سے، جس نام سے زمانہ قدیم میں آریوں سے پہلے کے جنوبی ہند کے سیاہ فام باشندے پکارے جاتے تھے، اتنا ہی غیر قابلِ وثوق ہے جتنا کہ یہ کہنا کہ یہ لفظ تامل زبان کے لفظ "چولم" (جوار باجرہ) یا سنسکرت کے لفظ "چورا" (چور) سے نکلا ہے[۸]۔

اور دوسرے نام

یہ چولا راجاؤں کے لیے عام طور پر جو دوسرے نام استعمال کیے گئے ہیں وہ کِلّی۔ ولّون اور شیمبیّن ہیں۔ کِلّی غالباً "کِل" لفظ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں کھودنا یا چیرنا اور اس سے مراد "کھودنے والا" ہو سکتا ہے[۹]۔ یہ لفظ شروع شروع میں چولا ناموں کا ایک لازمی حصہ تھا۔ جیسے نیڈن کِلّی۔ نالن کِلّی وغیرہ۔ لیکن بعد کے زمانے میں اِس کا استعمال متروک ہو گیا۔ "ولّون" غالباً "ولم" سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا مطلب ہے "زرخیزی"۔ جس کا مفہوم "ایک زرخیز مُلک کا حکمران" ہو سکتا ہے۔ جیسے کاویری کی سرزمین فی الواقعی زرخیز تھی۔ "شیمبیّن" کے معنی عام طور پر شبیّ کی اولاد[۱۰] دیے جاتے ہیں جو ایک روایتی ہیرو تھا، جس کے ایثار کا ذکر جو اس نے باز کے تعاقب سے ایک فاختہ کو بچانے کے لیے کیا تھا۔ قدیم چولا داستانوں میں ملتا ہے اور بُدھ دھرم کی "جاتکا" کہانیوں میں سے ایک مشہور کہانی "شبیّ جاتکا" کا مرکزی موضوع ہے[۱۱]۔

شاہی نشان

چولا راجاؤں نے شیر کی شبیہہ کو اپنا شاہی نشان بنالیا تھا۔ اُن کے جھنڈے پر بھی اسی جانور کی شبیہہ ہوتی تھی۔ اگرچہ چولا خاندان کے اِس شاہی نشان کے متعلق تامل کتابوں میں بے شمار حوالے آئے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک میں بھی اِس نشان کے آغاز کے متعلق وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ تیلگو علاقے کے بعد کے کچھ مقامی سرداروں نے بھی، جو کاریکل خاندان کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرتے تھے شیر کی شبیہہ کو اپنا نشان بنایا۔ ناگ خاندان کے "سِندا" راجاؤں کے بارے میں بھی جو "دیا گھرلانچن" کو قومی نشان کے طور پر استعمال کرتے تھے، ایک روایت یہ بھی تھی کہ اُن کے جس بزرگ سندا کے نام پر اُن کے خاندان کا نام پڑا، وہ سندھو پردیش کے مقام پہ ہی چھتر پر سانپوں کے راجہ دھرنیندر کے یہاں پیدا ہوا تھا، اور اُس کی پرورش ایک شیرنی نے کی تھی اِس کہانی سے ذرا سی مختلف ایک اور کہانی میں یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ شوجی اور سیندھو کے جسمانی ملاپ سے پیدا ہوا تھا اور سانپوں کے راجہ نے شیرنی کے دودھ پر اُس کی پرورش[13] کی تھی۔ ان اختراعی کہانیوں سے اِس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شیر کے نشان کی اصلیت اُن لوگوں ہی نے بہت پہلے فراموش کر دیا تھا جنھوں نے اسے اپنی شاہی علامت قرار دیا تھا۔

ابتدائی حوالے

گرامر کے عالم کاتیائن کے یہاں چوڈا راجاؤں کا ذکر ملتا ہے[14]۔ سب سے قدیم دستاویزات جن میں چولا راجاؤں کا تذکرہ آیا ہے اور جن کی تاریخ کا ہم کو صحیح علم ہے مہاراجہ اشوک کے کتبات ہیں[15]۔ اِن میں چولوں کا ذکر ایک ایسی سلطنت کے طور پر آیا ہے جو اشوک کی مطیع نہیں تھی بلکہ جس کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ اشوک کے مختلف کتبات میں پانڈیہ راجاؤں کی طرح چولا راجاؤں کا ذکر بھی صیغۂ جمع میں کیا گیا ہے۔ جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اشوک کے زمانے میں پانڈیہ اور چولا حکمران ایک سے زیادہ تعداد میں تھے[16]۔

"سنگم" کے دو تین شاعروں نے جنوبی ہند پر موریار (موریہ خاندان) کے حملے کے کچھ ایسے حوالے دیے ہیں جو مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں ان شعراء میں سے "ماموُلنار"

نامی ایک شاعر نے پاٹلی پُتر شہر میں دریائے گنگا کے زیرِ زمین چھپے ہوئے نند خاندان
کے خزانوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ تینوں شعراء اِس بات پر متفق ہیں کہ اِس حملے کے دوران میں
موریاؤں نے پتھریلے پہاڑوں کو عبور کرنے کے لیے اپنے رتھوں کے واسطے ایک نیا راستہ
نکال لیا تھا۔ صرف " مامولنار " نے کچھ مزید تفصیل بھی دی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ " واڈوگر " موریاؤں
کے ہراوّل دستے میں تھے (حوالہ کے لیے اہم ۲۸۱ دیکھیے)۔ ایک اور مقام پر وہ لکھتا ہے کہ
" کوسروں " نے جنوبی ہند کی تسخیر اپنے ذمہ لی تھی اور چونکہ " موہور " سردار نافرمانی سے باز
نہیں آیا موریاؤں نے جنگی مہم کے طور پر اپنی عظیم فوجوں کے ساتھ جنوبی ہند پر یلغار کر دی۔
اب چونکہ اشوک نے صاف صاف تسلیم کیا ہے کہ تامل سلطنتیں سیاسی طور پر اس کی
اطاعت گزار تھیں اِس بات کا بھی بہت کم امکان ہے کہ اشوک کے بعد جنوب بعید پر موریا
حملہ ہوا ہو۔ ہمیں لازمی طور پر ماموُلنار کے بیان کردہ واقعات کو اشوک کی تخت نشینی سے
قبل کے زمانے سے منسوب کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھنا چاہیے کہ اس شاعر
نے موریا راجہ بندوسار کی دکن اور جنوبی ہند کی فتوحات کی اُن کہانیوں کی قدرے مختصر لیکن
زیادہ قابلِ یقین تصدیق کی ہے جو تبتی مؤرخ تارا ناتھ نے تحریر کی ہیں۔ کوسر راجہ جن کے زیرِ
نگیں تلو کا پردیش تھا، غالباً جنوبی ہند میں موریا سلطنت کی فوجوں کی پیش قدمی کے نگران
بننے پر رضا مند ہو گئے تھے لیکن جب " موہور " سرداروں نے اُن کو دِق کیا اور وہ ان کی تسخیر
نہ کر سکے تو اُن کی مدد کے لیے موریا فوجیں پہنچیں، جن کے ہراوّل دستے میں " واڈوگا " لوگ
تھے۔ آج " موہور " کے قائم مقام غالباً ضلع جنوبی ارکاٹ میں اِس کے موجودہ ہم نام ہیں یہ
ضلع مشہور درّہ " آتور " سے زیادہ دور نہیں ہے جس سے گزر کر مستقبل قریب میں حیدر علی
نے کئی بار جنوبی میدانوں پر حملے کیے تھے۔[18]

موریا سلطنت سے تعلقات

اگر جنوبی ہند کی ریاستوں کے ساتھ موریا راجاؤں کے تعلقات کے متعلق مذکورہ
بالا رائے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جنوبی ہند میں موریا اقتدار کو راجہ
بندوسار کے عہدِ حکومت کے آخر میں یا مہاراجہ اشوک کے عہدِ سلطنت کے شروع میں کچھ
دھکا لگا۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا کہ اُن ریاستوں نے خاص طور پر " ستیہ پوت " نے اشوک

کے کتبات نمبر ۱۵ اور نمبر XIII کی تعبیر سے پیشتر موریا سلطنت سے تعلقات میں اپنے سیاسی رتبہ کو بہتر بنا لیا تھا۔

پیری پلس

چھٹی صدی قبل مسیح سے جنوبی ہند نے مغربی ممالک اور چین تک پھیلے ہوئے مشرقی ممالک کے درمیان بڑھتی ہوئی تجارت میں جو حصّہ لیا اس کا کافی علم ہو چکا ہے۔[19] اس تجارت کے رخ اور نوعیت اور اس کی اقتصادی اہمیت کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ پیشتر اسی تجارت سے ہمیں دو بیش بہا معلومات جن میں نصف صدی کا وقفہ ہے جنوبی ہند اور چولا ریاست کے بارے میں حاصل ہوئی ہیں۔ "پیری پلس ماریس ایری تھرائے" اسکندریہ کے ایک تاجر کی دلچسپ یادداشت ہے جو ڈومیشین کے عہدِ حکومت (۸۱ تا ۹۶ عیسوی) میں پلینی دی ایلڈر (بزرگ) کے مشاہدات کی مدد سے تحریر کی گئی ہے۔[20] اس تحریر کے گمنام مصنف نے چولا ریاست کے بارے میں خصوصاً کچھ باتیں بتائی جو کارومنڈل ساحل کے متعلق ابتدائی معلومات کی کمی کے پیشِ نظر تاریخ کے طالب علم کے لیے غیر معمولی دلچسپی رکھتی ہیں۔ یہ مصنف رقم طراز ہے، کولچی سے آگے ایک اور ضلع ہے جسے ساحلی علاقہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک خلیج پر واقع ہے جس کے اوپر ایک خطّہ ہے جسے "ارگارو" کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ چولا ریاست دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک ساحلی ضلع اور ایک ضلع اندرونِ ملک۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا اس بات کی شہادت موجود ہے کہ چولا ریاست کی حکومت کے اس زمانے میں دو مرکز تھے۔ ایک "پُہار" یا "کاویری پٹنم" تھا جو ساحلی ضلع میں تھا اور دوسرا "اُرائیور" جو اندرونِ ملک کے ضلع میں تھا۔ "پٹنم" کے معنی ہیں بندرگاہ اور یہ ساحل پر واقع چولا راجدھانی کا نام تھا۔ "پیری پلس" میں مذکورہ جملے میں "ساحلی علاقہ جو خلیج کے کنارے واقع ہے" یقیناً "پٹنایلی" کے "پٹنم" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔[21] خاص طور سے اس لیے کہ یہ "ارگارو نامی اندرونِ ملک کے خطّہ" سے جو کہ بلاشبہ "اُرائیور" ہی تھا اس کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ مصنف نے ہر ضلع کا نام اُس کے مشہور ترین شہر کے نام پر رکھا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ جہاں وہ "چیر۔ بوتھرا" اور "پانڈین" کے ناموں سے واقف ہے وہ "چولا" کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس کی

معلومات ہندوستان کے مشرقی ساحل کے بارے میں بہت قلیل ہیں اور بظاہر سُنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔[۲۲] دو تین منڈیوں اور بندرگاہوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔" جہاں سمندری جہاز ڈامریکا سے اور شمالی علاقوں سے آتے رہتے ہیں" اور" جو اس ترتیب سے لنگر انداز ہوتے ہیں کہ پہلے" کامرا" پھر" پروڈوکا" پھر" سوپتما" اب اِن ناموں کو آسانی سے پہچانا نہیں جاسکتا۔[۲۳] ممکن ہے کہ" سوپاتما" وہی" شوپٹنم" ہو جس کا ذکر تامل لٹریچر میں ہے جس کو اب" مارکانم" کہتے ہیں۔

ٹالیمی

گو جغرافیہ دان ٹالیمی نے اپنی یادداشت تقریبًا نصف صدی بعد تحریر کی ہے لیکن اِس سے ہمیں چولا ریاست اور اُس کے اندرون ملک شہروں و بندرگاہوں کی بابت زیادہ تفصیلی حالات ملتے ہیں۔[۲۴] اِن تمام مبہم ناموں سے قطع نظر کرکے جن کی شناخت اب ممکن نہیں ہے وہ ہمیں کاویری پٹنم (کھابیریس) جو کاویری کے دہانے پر واقع تھا اور نیگا پٹنم (نکاما) کے جائے وقوع کے متعلق کافی صحیح تفصیلات فراہم کرتا ہے۔ جیسا کہ کنگم نے کہا ہے ٹالیمی کو جس کا نام معلوم تھا اُس کا" ارتھورا ریجیا سورناتی" ضرور" اُرائیور" ہی ہوگا جو" سورناتھ" یا" سورنگائی" کے راجہ کی راجدھانی تھا۔ سورنگائی، سورا، " چورا" یا" چولا" ایک ہی بات ہے۔[۲۵] ٹالیمی سورائی خانہ بدوشوں کا ذکر کرتے ہوئے" سورا" کو" ارکاٹس" راجدھانی بتاتا ہے۔ جیسا کالڈویل کہتا ہے" یہ یقین کر لینے کو جی چاہتا ہے کہ یہاں کے دیسی باشندوں نے اپنے پوچھنے والے کو جگہوں کے جو نام بتائے تحریر میں لاتے وقت اُن میں اُلٹ پھیر ہوگیا" اور یہ کہ اس کے نتیجے میں ہمیں ارکاٹاس کو سورائی خانہ بدوشوں کا دارالخلافہ سمجھنا چاہیے۔" ارکاٹ" اصل میں اتنا دورِ حاضر کا نام نہیں ہے جتنا کہ سمجھا جاتا ہے۔[۲۶] کہتے ہیں ایک چولا جاگیردار نے جس کا نام آیشی تھا ارکاڈو کو جو کہ دھان کے کھیتوں سے گھرا ہوا تھا اپنا رہائشی مقام بنایا۔[۲۷] غالبًا" ارکاڈ" کے معنی ہیں" آر کا جنگل" آریا آتی چولاؤں کا شاہی نشان تھا۔ ارکاڈ ضروری نہیں ہے کہ ارکاٹ ہو جو بعد میں کرناٹک کے نوابوں کے دارالخلافہ کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ لیکن یہ غالبًا وہی" ارکاٹس" ہے جس کا ذکر ٹالیمی نے کیا ہے۔[۲۸] سورائی خانہ بدوشوں اور" ارکاٹاس" کے بارے میں ٹالیمی کے بیان

سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے[29] کہ دو مختلف ریاستیں ایک ہی زمانے میں تھیں۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ خود چولا ریاست کے اندر سوراآئی نام کا کوئی خانہ بدوش قبیلہ رہتا ہو۔ تامل کتابیں اِس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ اس طرح کے قبیلے اُن دنوں موجود تھے اور بعض ابتدائی چولا حکمرانوں بالخصوص کاریکل نے انھیں مہذب بنانے اور ایک جگہ آباد ہو کر زندگی گزارنے کی تعلیم دینے کی کوشش بھی کی تھی۔

پالی کتابیں

مشہور پالی کتاب "مہاوامسا" کے ابتدائی ابواب میں ریاست چولا اور جزیرہ لنکا کے مابین قدیم باہمی میل جول کی کافی صحیح اور معتبر شہادتیں ملتی ہیں۔ پالی بُدھ مت کی قدیم کتابوں میں عام طور پر چولا ملک اور اُس کی نامور منڈی کاویری پٹنم کے بارے میں کم لیکن بہت بیش بہا حوالے ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض حوالے اگر زیادہ نہیں تو اتنے قدیم ضرور ہوں گے جتنے کہ "پیری پلس" کے حوالے۔ سن عیسوی کے آغاز میں لکھی گئی بُدھ مت کی "راجہ ملیندہ کے سوالات" نامی کتاب میں کولاتیسن کا ذکر اُس زمانے کی مشہور بندرگاہوں میں کیا گیا ہے۔ رہس ڈیوڈس کہتا ہے کہ کولاتیسن کارومنڈل ساحل پر واقع کوئی مقام[30] ہوگا۔ غالباً یہ اشارہ کاویری پٹنم کی طرف ہے جو کارومنڈل ساحل پر واقع ایک شاندار بندرگاہ تھی۔ اور جس کا ذکر پالی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ ایم سلوین لیوی نے اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ "پُہار" جو جنوبی ہند اور مجمع الجزائر مشرق الہند کے درمیان آمدورفت کا عظیم مرکز تھا۔ سمندر کی ایک غیر معروف دیوی "منی میکھلا" کی اصلی اقامت گاہ تھا۔ منی میکھلا کے معنی ہیں "جواہرات کی پیٹی" اِس دیوی کے نام پر مادھوی کی مشہور بیٹی اور اس کی روحانی زندگی کی کہانی بیان کرنے والی نظم "شاتن" کا نام پڑا۔[31] "جاتکا کی کہانی" کے مطابق "اکتی" نے اپنے مداحوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے بنارس کے نواح کو چھوڑ کر تامل دیش کا رخ کیا اور وہاں اس نے کچھ وقت کاویری پٹنم کے نزدیک باغ میں گزارا۔

"مہاوامسا" میں لکھا ہے کہ لنکا کا جزیرہ اپنی تاریخ کے شروع سے طاقتور چولا راجاؤں کے زیرِ اثر آنے لگا تھا۔ ڈمیلا خاندان اور اِس جزیرہ کے باشندوں کے تعلقات اِس بیش قیمت سرگذشت کا خاص عنصر ہیں۔ اِس سرگذشت سے ایک ہی زمانے میں وقوع پذیر

ہونے والے جن واقعات کا پتہ چلتا ہے وہ ہمارے لیے تامل تاریخ اور اس کے تعین سنین کے اہم مآخذ ہیں۔ اگرچہ اس سرگذشت میں اکثر ڈمیل راجاؤں ہی کا نام آتا ہے۔ تاہم "مہاوامسا" میں تامل دیش کے "پانڈیہ" اور چولا خطوں کے امتیاز کا ذکر وضاحت سے موجود ہے۔ دوسری صدی قبل مسیح کے وسط میں ایلارا نامی ایک عالی خاندان ڈمیل راجہ چولا ملک سے (چولا رتھا) سے لنکا میں وارد ہوا۔ وہاں حکومت کی۔ قانونی تنازعات فیصل کرنے میں راجہ کی منصف مزاجی دوست اور دشمن میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتی تھی۔[۲۲] اس کے عہد کے انصاف کی بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں ایک مثال یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنے اکلوتے بیٹے کو غیر ارادی طور پر ایک چھوٹے بچھڑے کو اپنے رتھ کے پہیئے سے کچل کر مار ڈالنے کے جرم میں سزائے موت دے دی تھی۔ یہ راجہ اگرچہ بدھ مت کا پیرو نہیں تھا لیکن ریاست کے بُدھ بھکشوؤں کے ساتھ اُس کے تعلقات دوستانہ تھے۔[۲۳] اُس کے تمام دورِ حکومت میں رعایا ہمیشہ اُس سے راضی رہی۔ اُس کی سلطنت جزیرۂ لنکا کے انتہائی شمالی حصے میں ہی محدود تھی۔ جنوب میں اس کی سلطنت صرف مہاگنگا تک تھی جو اب مہاویلی گنگا کہلاتی ہے۔[۲۴] بعد ازاں "ایلارا" اور "دُتھاگامنی" کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ "دُتھاگامنی" اس نام سے اِس لیے پکارا جاتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے ناراض ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ ڈمیل راجاؤں سے اُس کو جنگ کرنے نہیں دیتا تھا "دُتھاگامنی" کے پیشِ نظر اِس جنگ چھیڑنے کے دو مقاصد تھے۔ پہلا لنکا کو سیاسی طور پر متحد کرنا۔ دوسرا باطل عقائد رکھنے والے ڈمیل راجاؤں کو باہر نکال کر بُدھ دھرم کو عروج دینا۔ اس سلسلے میں جو معرکے ہوئے۔ ان کی تفصیلات "مہاوامسا" میں صاف درج ہیں۔[۲۵] "دُتھاگامنی" کو فتح نصیب ہوئی۔ اُس نے اپنے مفتوح دُشمن کا انورادھاپور تک تعاقب کیا۔ اور "ایلارا"، "دُتھاگامنی" کے ساتھ بہادری سے لڑتا ہوا اُس شہر کی فصیل کے نیچے مارا گیا۔ اب دُتھاگامنی شہر میں داخل ہوا اور ایک "یوجن" تک آباد رعایا کو بلانے کے بعد اس نے ایلارا کی آخری رسومات ادا کیں۔ ایلارا اُسی جگہ جہاں وہ کام آیا تھا ارتھی سمیت آگ کے سپرد کیا گیا۔ دُتھاگامنی نے وہاں ایک سمادھی بنوائی اور پوجا کے احکام جاری کیے۔ یہاں تک کہ "مہاوامسا" کے اِس حصّے کے مصنّف مہانامن کے دنوں میں بھی یعنی چھٹی صدی عیسوی میں جب کبھی لنکا کے شہزادے اس مقام کے نزدیک پہنچتے تھے تو اس پوجا کی تعظیم میں اپنے باجے

بند کرادیتے تھے۔ ان واقعات کا جو لنکا کی قدیم تاریخ میں اس قدر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں تامل کتابوں میں کوئی بھی ذکر نہیں ہے[36] سوائے راحکمار اور بچھڑے والے قصّے کے جسے ان کتابوں میں منو کے عہد سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اِس لیے ہمارے پاس یہ فیصلہ کرنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ لنکا میں راجہ ایلارا کے اقتدار کو قائم کرنے یا اُس کا تختہ الٹنے میں برِّصغیر کے چولا حکمرانوں کا کس حد تک ہاتھ تھا۔

دوسرا باب

حاشیے

کُڈل کلکٹ تیرُتگ کری پُرل ویلاڑو

کُڈا۔ تستائیل کوٹیا کریم وڈا اِتستائیل

اینا ٹو ویلاڑی رُپتو ُناڑ کادم

شوناٹک کیلائیے عج۔ چول

اگرچہ اس دینیا کو بعض لوگ کو کمبن سے منسوب کرتے ہیں (مثال کے طور پر دیکھیے "شوالا منڈل شتکم" کا صفحہ ۵۶) لیکن اس کی اصل و ابتدا بہت قدیم معلوم ہوتی ہے۔ کچھ دوسرے لوگ اِسے آدَ تیاڑ کی تخلیق بتاتے ہیں (شیلر [illegible] ۴۲۔ "کوٹائک کری" کے معنی ہیں "حفاظتی باندھ" اور روایات کے مطابق اُس عظیم باندھ کی طرف اشارہ ہے جس کے آثار ضلع ترچناپلی کے کُلِتلائی تعلقہ میں ابھی باقی ہیں۔ (تنجور کا گزیٹیر صفحہ ۱۵۔

تنجور مینوَل، صفحات ۴-۵ : ترچناپلی مینوَل صفحات ۲-۳

"منی میکلائی"۔ : ۹-۱۲ : ۲۳-۴

بعض لوگوں کے خیال میں بن ٹا[illegible] [illegible] کی قبرص کی مشہور منڈی کا ذکر کیا ہے۔ موجودہ کاوِیری پٹنم اور اس کے گرد و نواح سے دستیاب شدہ کتبات اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ یہ دراصل کاویری پٹنم غرض پہار کی منڈی تھی۔ اگرچہ پلوّ ن چرم اور شایا و نیشور کی یادگار عمارتیں اتنی قدیم نہیں ہیں جتنی کہ ان کے بارے میں امید کی جا سکتی تھی۔ [illegible] A R E [illegible] ۲-۱۱-

دیکھیے [illegible] عشقہ اور اُس پر اُس مؤلف کا تبصرہ۔

کالڈویل کی "تینے ویلی" - صفحہ ۱۲

جب میں نے ایل وی۔ راما سوامی آئر کی رائے اس معاملے میں پوچھی تو انھوں نے مجھے لکھا: "تامل چولا لفظ ضروری نہیں ہے کہ موجودہ تامل یا کسی دراوڑ بنیاد سے براہِ راست وابستہ ہو۔ البتہ اس حقیقت سے ہم کو یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ اس لفظ کا منبع کسی ودیشی زبان میں ہے ..... اگر یہ قیاس صحیح ہو کہ "ل" بعض حالات میں "ن" میں بدل گیا ہے (جس کی متوازی مثالیں ہمارے پاس دراوڑ بھاشا میں موجود ہیں)، تو "چولا" کو "چُول" سے منسوب کرنے کی بات ہماری سمجھ میں آسکتی ہے۔ "چُول" کے معنی ہیں چکر کاٹنا یا منڈلانا۔ لہذا چولا کا مفہوم منڈلانے والا ہوسکتا ہے۔

دیکھیے "جیریئی ریسرچز" ص ۸۵، اور اس کے بعد کے صفحات، نیز صفحات ۱۰۱ تا ۱۰۳۔

تاہم جیریئی کے نظریے کی تائید کچھ اور شہادتوں سے بھی ہوتی ہے کہ جنوبی ہند سے نیگریٹو نسل کے سیاہ فام مہاجروں کا ایک سیلاب ملایا میں آگیا۔ یہ لوگ زمانۂ قدیم کے نام نہاد راکھشسوں کی اولاد تھے۔ ان کے بعد اُن کے ابتدائی دور کے جانشین دراوڑ ان کے پیچھے پیچھے آئے جو آریوں سے قبل کے ہندوستانی باشندے تھے۔

مقابلہ کیجیے ایلیٹ سمتھ کی "ہیومن ہسٹری" ص ص ۶۹۔۱۰۷ سے۔ لیکن جیریئی نے زمانۂ قبل از تاریخ کی آبادی کی ان ہجرتوں کی تمدنی اہمیت بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اس نے ان ہجرتوں کو بعد کی ہجرتوں سے خلط ملط کر دیا ہے جو تاریخی زمانے میں وقوع پذیر ہوئیں جبکہ جنوبی ہند تمدنی اعتبار سے کم و بیش سارے کا سارا ہی آرین رنگ میں رنگا جاچکا تھا۔ اور وہ یہ رائے دینے کی حد تک بھی چلا جاتا ہے کہ سیام، کمبوج اور دوسرے بدیشی مقامات کے ہندوستانی تمدن کی جڑیں بھی زمانۂ قبل از تاریخ میں تھیں (صفحہ ۱۰۱)۔ چولا یا چورا کے معنی چور بھی بتائے گئے ہیں۔ اس کے لیے دیکھیے بھنڈارکر کی تصنیف "کارمائیکل لیکچرز" ۱۹۱۸ء ص ص ۸۔۹

ڈاکٹر پوپ نے ایک خیالی مساوات سمجھائی ہے کہ کِلَی = پلّوان ۔۔۔ (صفحہ ۲۵۰)۔ اگر پلّو کی بجائے پلّوا (پیڑ دال) کو ہی لفظ کی صحیح شکل تسلیم کر لیا جائے (سنسکرت "اُگنا")، تو اس کا زیادہ معقول مفہوم ہوگا "پالم" یعنی نشیبی علاقے

میں بسے ہوئے لوگ" نہ کہ "کھودنے والے"۔ اس بات میں شبہ ہو سکتا ہے کہ پلّو
لوگ ابتدا ہی سے جنوبی ہند کے باشندے تھے اور جب تک یہ بات مسلّم نہ ہو کہ وہ
یہیں کے اصل باشندے تھے، اُس وقت تک ان کے نام کا کوئی منبع دراوڑ زبان
میں تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ لیکن یہ کسی طرح وہ لوگ نہیں تھے جو چولا کہلاتے
تھے۔

۱۰ مثال کے طور پر "ویر شوئیم" میں دیا ہوا "تِتّا" پر تبصرہ۔ جلد سوم Bora Budur

۱۱ یزدانی کی تصنیف "اجنتا" حصّہ اوّل ص ص ۴-۷ کروم کی "بورو بُدر" جلد اوّل۔ ص ص ۲۷۵-۷

۱۲ ص ۳۳۸

۱۳ ۲۳۱-۲

۱۴ "مہا بھاسیہ"۔ مؤلف کیلہارن۔ II ص۔ ۲۷۰

۱۵ ہلتش کی "اشوک کے کتبات" اشاریہ۔ ایس وی چولا۔ Ashok Inscriptions

۱۶ ڈی آر بھنڈارکر۔ "اشوک" ص ۳۸۔

۱۷ سمتھ کی تصنیف EHI-۴- ص ۱۴۷۔ اس موضوع پر شہادتوں کے مختصر اور جامع خلاصے کے لیے ملاحظہ ہو ایم ایس راماسوامی آئر کی تصنیف "سٹڈیز آف ساؤتھ انڈین جینزم۔ ص ص - ۱۴۷۔ اور اس کے آگے۔ ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی تصنیف "بگننگز" ص ص ۸۸۔ اور اس کے آگے۔ پنڈت ایم راگھو آئنگر کی تقلید کرتے ہوئے ایم ایس راماسوامی آئر "ویمبا موریر" کے جملے میں لفظ "ویمبا" پر غیر ضروری زور دیتا ہے (دیکھیے سابقہ حوالہ والی تصنیف کا صفحہ ۱۳۴ و آگے کے صفحات) اور دا ہم ۲۵۱) اپنے اس نظریے کی تائید میں بہت بعد کی غیر معروف اور مبہم "گتا" کی کہانیوں کے حوالے دیتا ہے جو دسویں صدی عیسوی کی ہیں، کہ ماموُلنا نے گپتا شہنشاہوں کو اپنے سے پہلے کے قدیم موریوں سے خلط ملط کر دیا ہے اور اُس نے ماموُلنار اور اُس کے دورِ سنگم کے ہم عصروں سے پانچویں صدی عیسوی کی ایک تاریخ منسوب کرنے کی کوشش کی ہے۔ پنڈت راگھو آئینگر کو ان دلیلوں میں اب وہ اہمیت نظر نہیں آتی جو کبھی وہ سمجھتے تھے اور اُنھوں نے اپنی کتاب

شیرن شینگو ٹنوان(اکی طبع دوم میں اُن کو حذف کر دیا ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر
مذکورہ نظریات پر اب کوئی بھی مفصل بحث بے مصرف ہو جاتی ہے۔ مامولنار نے "ویمبا
موریئر" کا جملہ صرف ایک بار استعمال کیا ہے۔ ایک اور جگہ پر خود اس نے صرف "موریئر"
کی بات کی ہے اور اسی طرح دوسرے شعراء پرن کوڑنار (اہم۔ ۶۹) اور آتریئیلد
ریورم۔ ۵ ۷ ۱) نے صرف موریئر کا ذکر کیا ہے۔ لہذا اس جملے کو زیادہ اہمیت نہیں دی
جا سکتی۔ بالخصوص اس لیے کہ " ویمبا " ایک اسم صفت ہے جس کے مختلف مفہوم ہیں اور
جن میں سے غیر مستقل مزاج یا مضطرب مسلمہ طور پر ایک ہے۔ اور اگر ایک لمحہ کے
لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ مولنار کے ذہن میں موریا شہنشاہوں کا خیال تھا تو اُسے نند
شہنشاہوں اور ان کی دولت کا بھی پتہ تھا۔ لہذا اُسے ان موریوں کے " اضطراب "
سے زیادہ واقعی کوئی چیز متاثر نہیں کر سکتی تھی جو ہندوستان کی تمام ریاستوں
کو اپنی سلطنت میں ملانے کے لیے بہت زیادہ خواہش مند تھے۔ اگر بالغرض ہم
" ویمبا " کے دوسرے معنی یعنی " نیا " کو بھی تسلیم کر لیں تو بھی یہ فرض کرنے میں
کوئی ناقابلِ حل دشواری نظر نہیں آتی کہ جب مامولنار اپنی کتاب تصنیف کر رہا تھا
اُس وقت جنوب کی جانب موریا سلطنت کی توسیع تاریخ کا ایک واقعہ بن چکی
تھی۔ مزید براں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ موریا اور گپتا خاندانوں کے متعلق
الجھن جس نے شمالی ہند کے ایک معروف حکمران خاندان کے افسانوی نسب نامے
کو متاثر کیا ہے، کس طرح غیر متعین زمانے کے جنوبی ہند کے ایک تامل شاعر کے
ذہن میں غلط فہمی پیدا کر سکتی ہے اور اس کو ایک شاعر کے دورِ حیات اور اس کی
تصنیفات کی تاریخ متعین کرنے کے لیے بنیاد بنانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا۔ ایم ایس راماسوامی آئینگر ہندوستان کے نپولین، سمدرگپت کی جنوبی ہند
کی فوجی مہم کے متعلق سمتھ کے اس نظریے سے شدید طور پر متاثر تھا کہ الہ آباد کے
ستون کے کتبے میں مذکور پلکا واقعتاً پال گھاٹ تھا۔ لیکن یہ شناخت اب صحیح
نہیں مانی جاتی۔ "اہم" ۲۸۱ کے بارے میں پی ٹی سری نواس آئینگر کا کہنا ہے "دیہالا
کوشر کو" وڈوگر" کہا گیا ہے" ہو سکتا ہے کہ یہ درست ہو۔ اس صورت میں اس
اشلوک میں " وڈوگر منترا " موہور کو مغلوب کرنے میں کوشر کی ناکامی کی طرف

مختصر اشارہ ہونا چاہیے۔ یہ واقعہ "اہم" ۲۵۱ میں زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن شری آئینگر کا یہ دعویٰ ہمیں قائل نہیں کرتا کہ کونکن موریا وہی راجہ ہو سکتا تھا جس نے کوشر کے ساتھ مل کر تامل خطے پر فوج کشی کی تھی۔ دیکھیے اسی مصنف کی تصنیف "تامِلز" ص ص ۵۲۲ - ۲۳

۱۸ سٹڈیز ان ساؤتھ انڈین جینزم صفحہ ۱۴۰۔ بہت سے اور مقامات کا نام بھی موہور ہے۔ لہٰذا اس مقام کی موجودہ شناخت کو عارضی تصور کرنا چاہیے۔

۱۹ اس موضوع پر مکمل بحث کے لیے ملاحظہ ہو کینیڈی کی ۱۸۹۸۔ ص ص ۲۴۸ - ۸۷۔ پروفیسر جولس بلاخ نے اپنے مقالے "نام۔ ڈو : رر" میں (جو ایوڈز ایشیاٹکیز کی جلد اوّل میں صفحات ۳۷ تا ۴۷ میں دیا گیا ہے) اس بات کو غلط قرار دیا ہے کہ چاول کے لیے مستعمل یونانی لفظ، تامل زبان کے لفظ "اَرِشی" سے لیا گیا ہے۔ اس کی رائے میں اس تجارت میں جنوبی ہند کا بھی حصّہ ہونے کی کچھ زیادہ شہادتیں موجود نہیں ہیں۔ دونوں ملکوں کی یہ تجارت کافی مدّت بعد تک صرف بری راستوں سے شمالی ہندوستان ہی میں محدود رہی ہوگی۔ یونانی لفظ "اورزون" کے ماخذ کے متعلق بلاخ کے نظریے کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ایل وی راما سوامی آئر نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "دَرِگی" یا "وَرِزی" کو دراوڑ لفظ قیاس کیا جا سکتا ہے جس میں روایتی رد و بدل کے بعد یونانیوں نے اسے مستعار لیا ہوگا۔ کینیڈی کا یہ خیال کہ جنوبی ہند اور مغربی ممالک کے درمیان بحری تجارت چھٹی یا ساتویں صدی قبل مسیح سے جاری تھی، آج بھی درست معلوم ہوتا ہے۔

۲۰ روز تودرف کی کتاب سوشل اینڈ اکنامک ہسٹری آف دی رومن ایمپائر صفحہ ۹۱۔

۲۱ یہ حوالے سکاف کی کتاب "پیری پلس" سے ہیں۔ سکاف کا کہنا ہے کہ لفظ کوسٹ (ساحل) لفظ چولا سے نکلا ہے۔ یعنی چولا کوسٹ۔ چولا منڈلم (صفحہ ۲۴۱)۔ لیکن یہ خیال تسلی بخش نہیں ہے کیونکہ چولا منڈلم کے معنی صرف چولا دیش ہیں نہ کہ ساحل۔

۲۲ وارمنگٹن کی کتاب "انٹرکورس بٹوین انڈیا اینڈ دی ویسٹرن ورلڈ" کے صفحات ۱۲۱ - ۱۲۲ دیکھیے۔

۲۳ سکاف۔ ص۔ ۲۴۲۔ کنکا سبھائی ص۔ ۲۹۔ علاوہ ازیں دیکھیے صفحہ ۱۴۹

حاشیہ۔ صفحات ۴۱۳-۴۰۔

دیکھیے میں کے کے ایڈیشن میں پہلے باب کے حصص ۱۲-۱۱-۱۳-۶۸- اور ۹۱- مزید دیکھیے کالڈویل کی "گرامر" ص ص ۹۲-اور اُس کے آگے۔ کنکاسبھائی (ص۔ ۲۹) میں ٹالیمی کی ناموں کی شناخت کے متعلق بہت سی دانش مندانہ رائیں دی گئی ہیں۔

قدیم جغرافیہ، صفحہ ۶۲۱- مزید دیکھیے کالڈویل کی "گرامر" صفحہ ۹۳-

کالڈویل لکھتا ہے: جنرل کننگھم اس شناخت پر معترض ہے کہ ارکاٹ ایک بالکل جدید نام ہے۔ لیکن جیسا کہ کرنل یول نے واضح کیا ہے کہ یہ اتنا قدیم ضرور ہوگا کہ ۱۳۴۰ء میں موجود تھا، کیونکہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرناموں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ نام اصل میں "آر۔ کاڈ" ہے۔ تامل زبان کے اس لفظ کے معنی ہیں "چھ جنگل" اس مقام کے ہندو لوگ اسے بہت زیادہ قدیم شہر مانتے ہیں گو اس کا ذکر پرانوں میں کہیں بھی اس نام سے نہیں آیا ہے اور وہ اُن چھ جنگلات کی نشان دہی بھی کرتے ہیں جن میں زمانۂ سلف کے چھ رشیوں نے اپنے آشرم بنائے تھے (صفحات ۹۳-۹۴ میں حوالہ دیا گیا ہے)۔ لیکن اس سے پہلے جن زیادہ مضبوط شہادتوں کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ ان کے مقابلے میں ان مقامی روایات اور قصے کہانیوں کی زیادہ وقعت نہیں ہے۔ ٹالیمی، ارکاٹس کا محلِ وقوع ماؤنٹ بیٹگو اور ادی ساتھرس کے درمیانی خطّے میں بتاتا ہے۔ (دیکھیے جلد - ا- ۶۸) لیکن چونکہ وہ ان ناموں میں سے دوسرے نام پر جاکر ایک ناقابلِ ازالہ غلط فہمی میں پڑجاتا ہے (صفحہ ۳۴۷) لہذا اس سے جدید نقشے میں ارکاٹس کا مقام وقوع ڈھونڈنے میں ہمیں کچھ مدد نہیں ملتی۔ البتہ تامل زبان کے قدیم لٹریچر میں دیے ہوئے حوالے اس معاملے میں زیادہ کارآمد ہیں۔ کننگھم بلاشبہ اس وقت چُولین کے متعلق یُواں چُوانگ کے فراہم کردہ اعداد و شمار سے متاثر تھا جب اُسنے ارکاٹس کے دارالخلافے کی جس کا ذکر ٹالیمی نے سورا کے نام سے کیا ہے، شناخت کرتے ہوئے اسے زورا یا یورا سمجھ لیا تھا (جس کا نام جغرافیائی نقشوں میں جوریٔن درج ہے) اور جو کرنول کی فصیلوں کے نیچے ہی آباد تھا (دیکھیے "قدیم جغرافیہ" صفحہ ۶۲۶)

۲۷ "نرّای نئ" کی نظم نمبر ۱۹۰ (مصنّف نامعلوم) میں مندرجہ ذیل اشعار بھی ہیں :۔

تینگ مل وِرِتار ایاڑ یرلیشی

ونڈو موُ سُو نئے دانیلی ڈ ئی ملرؤ

مریالنگلِی ۔ یار کاڈ ّنا ۔

اِس میں اتفاقیہ ایک " وینیا" بھی ہے (" پرُ ندوُگئ " نمبر ۹۸۸) جس میں " الشی کاڈوُ " یعنی الشی کے کاڈوُ (جنگل) کا ذکر آیا ہے ۔ اِس راجہ کا ایک بیٹا شیندن نامی تھا جسے بعض اوقات چولا راجدھانی اُرّایئور سے منسوب کیا جاتا ہے (" کُرندوگئ " نمبر ۲۵۸) ۔ " ٹری نئ " کے مؤلّف نے بھی آرکاڈو کا مقامِ وقوع چولا ریاست میں بتایا ہے ۔

۲۸ ملاحظہ ہو یوُل اور برنیل کی تصنیف " ہابسن یابسن " ارکاٹ، جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس نام کے متعدد مقامات میں سے جو جنوبی اضلاع میں واقع تھے، ایک مقام ارکاٹ تو ویلور کے نزدیک تھا ۔ اس کے علاوہ ایک تنجور میں واقع تھا، وہی ابن بطوطہ کے " ہرکاتُو " سے سب سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے ۔

۲۹ ڈی آر بھنڈار کر کی تصنیف ۔ " اشوک " صفحہ ۳۹

۳۰ رہائس ڈیوڈز کی تصنیف

صفحہ ۲۶۹ ۔

۳۱ ۵۹۷، اور اس سے آگے کے صفحات ۔ معاملے پر تفصیل سے بحث کرنے کی بجائے ایم سیلوین لیوی " تامل قوم پرستی " کو اس نظریے کے لیے ذمہ دار گردانتا ہے جو اس نظم کو ایک بہت پہلے کی پُرانی تاریخ سے منسوب کرتا ہے (صفحہ ۶۰۷) ۔ اور یہ ایک آسان جواب میں ہی قصہ ختم کرنے کی ہے ۔ دِنّاگا کی تصنیف " نیائے پرویش " اور منی میکلائی کا باہمی رشتہ آسان نہیں ہے جیسا کہ پروفیسر کرشنا سوامی آئینگر کی تصنیف " منی میکلائی اِن اِٹس ہسٹاریکل سیٹنگ " سے معلوم ہوگا ۔ اِس باب میں جن دوسرے فلسفوں کی تشریح کی گئی ہے، ان کے محتاط جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت سے نظریات ایسے ہیں جنھیں چھٹی صدی عیسوی جیسی بہت بعد کی تاریخ سے منسوب کر کے پھر اُن کی وضاحت کرنا آسان

نہیں ہوگا۔ دیکھیے ایس ایس سُوریہ نرائن تاستری۔

مجھے اِس بات پر خود اپنے بھی کچھ شکوک ہیں کہ باب ۲۹ کی نئے سرے سے تشکیل نہیں کی گئی۔

۳۲ اِس بیانیہ نظم کے لیے دیکھیے جیجر کی "مہاوسا" ابواب   جیجر کی رائے میں "چولا دیش" کا مطلب ہے "جنوبی ہند" (صفحہ ۱۴۳۔ حاشیہ ۴) یہ غیر ضروری ہے اور یہ اُن جملوں کے خلاف ہے جو چولا دیش کے بارے میں اصل متن میں دیے ہوئے ہیں مثلاً چولا رتھ (۱۳) اور "دکشنم مدھرم پوم پانڈو راجتا" وغیرہ (۵۰)۔ یہ جملے اس مشترک لفظ "ڈمیلا" کے علاوہ ہیں جو دونوں دیشوں کے متعلق استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ نیز "مہاوسا" میں ایلار کے متعلق جو اُس گائے کے ساتھ انصاف کرنے کی کہانی آتی ہے جس کا بچھڑا مارا گیا تھا، اُس کا مقام وقوع ترُووارُور ہے جو برصغیر ہند میں بتایا گیا ہے اور اس مقام پر ایک پتھر کی یادگار بھی موجود ہے جو اس کہانی کے مرکزی واقعے کی یاد دلاتی ہے۔ ملاحظہ ہو "   "۔ ص ص ۱ تا ۴۷، جو "مہاوسا" کی تاریخ کے بارے میں ہے۔ راجہ ایلار کے عہدِ حکومت کی مدت صحیح تسلیم کرنی چاہیے۔ ایضاً۔ ص ۵۔ حاشیہ ۱

۳۳ مہاوسا: ۶ تا ۲۱

۳۴ مہاوسا   ۸۶۔ اور   ۴۰۔

۳۵ جیجر کے   (ترجمہ) ص ص۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱ پر اس جنگ کی تفصیلات دی دی گئی ہیں۔ ایک موقعے پر ایک ہی دن میں ڈمیلا کے سات راجاؤں کو شکست ہوئی تھی (۱۰)۔ اور لگ بھگ بتیس ۳۲ راجاؤں کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ سب جنگ میں مغلوب ہوئے۔ (ایضاً ۷۵)۔ یہ غالباً راجہ ایلار کی فوجوں کے سپہ سالار تھے۔ یہ فوجیں سرحدوں کے نزدیک اور دیگر مقامات کے قلعوں میں رہتی تھیں۔

۳۶ دیکھیے   ۱۹۱۳۔ ص ص ۵۲۹۔ ۳۱۔ کچھ مبہم کہانیاں جو عوام میں مشہور تھیں، "کرل" کے شاعر ترُووتُومُور کو ایک بیوپاری راجہ ایلیل سِنگا سے منسوب

کرتی ہیں د وی آر آر دکشتار کی
کا صفحہ ۱۲۹ - اور ذیل صفحات) لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں کہ یہ قصّے کہانیاں کہاں سے
آئی ہیں - وہ غیر معتبر ہیں اور تِرُدُو وتوُور کا زمانۂ حیات متعیّن کرنے کے لیے بنیاد نہیں
مانی جاسکتیں - لنکا میں تاملوں کے اثر کی، جیسے خصوصی طور پر چولوں کا اثر نہیں سمجھا
گیا ہے، اور مثالیں دیکھنی ہوں تو ملاحظہ فرمائیے " مہاومسا : - ۱۰ " سینا اور گُرتکا "
- ۵۶ - مُلِتّا اور دوسرے صفحہ ۱۹ اور بعد کے صفحات - جن میں
اُنلا دیوی کی غیر معروف زندگی کے بارے میں بتایا گیا ہے جس نے اپنی ریاست
اپنے چند آشناؤں کو جانشین بنا کر ان کے حوالے کر دی -

تیسرا باب

قدیم تامل کتابوں میں مذکور چولا حکمران

قدیم کتابوں کی نوعیت

سب سے پرانے چولا حکمران جن کے متعلق ہمارے پاس واضح شہادتیں موجود ہیں، وہ ہیں جن کا ذکر "سنگم" میں آیا ہے۔ اب عام طور پر فضلا اس بات پر متفق ہیں کہ یہ لٹریچر عیسوی سن کی شروع کی چند صدیوں میں تیار ہوا تھا۔ اس کی اندرونی تاریخ وار ترتیب کا ہنوز تعین نہیں ہو سکا ہے اور اس زمانے کی تاریخ کا کوئی مربوط بیان پیش کرنے کے راستے میں یہ بات اس وقت ایک بہت بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ سنگم لٹریچر سے ہمیں راجاؤں اور راجکماروں کے نام معلوم ہوتے ہیں اور ان شاعروں کے نام بھی جنھوں نے اُن کی تعریف میں نظمیں لکھیں۔ اس سے ہمیں رعایا کی زندگی اور مشاغل کے متعلق بھی بہت سی غیر معمولی دلچسپی کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بلاشبہ ان میں سے بعض راجہ حقیقی امتیازی خصوصیات کے مالک اور شہرت کے مستحق تھے۔ شاعر بھی ایسے فنکار تھے کہ اپنے زورِ بیان سے سچائی میں حسن پیدا کر دیتے تھے۔ اِس قدیم تامل لٹریچر میں جن افراد کا بیان ہے اُن کی بہت صاف تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور اُن کے خصوصی خدوخال ہم پر بلا کم و کاست ظاہر کیے گئے ہیں۔ اس لیے یہ اور بھی قابلِ افسوس ہے کہ ہم ان مشاہدات کو ایک مربوط تاریخ کی شکل میں پیش نہیں کر سکتے۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ وجیالہ شاخ کے چولا راجاؤں تک پہنچتے پہنچتے جب تاریخ کا سلسلہ وار تعین ہو جاتا ہے، یہ لٹریچر اپنی حقیقت نگاری اور زورِ بیان کی ابتدائی خوبیاں کھو بیٹھتا ہے اور درباری شاعری کا جامہ پہن لیتا ہے۔ خاص طور سے اس وقت جب افراد کی تصویر کشی منظور ہوتی ہے۔

دو عظیم راجگان

سنگم لٹریچر میں جن راجاؤں کا ذکر آتا ہے ان میں دو بہت نمایاں ہیں۔ ان کو بعد کی نسلیں گیتوں اور کہانیوں میں محبت سے یاد کرتی رہی ہیں۔ یہ راجہ کریکال اور "کوچن گنان" ہیں۔ ان میں سے کون پہلے ہوا اور کون بعد میں اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی یقینی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ اُن کا آپس میں اور اُس زمانے کے دوسرے راجاؤں اور سرداروں سے، کیا رشتہ تھا یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا۔ اگر پُہار یا کاویری پٹنم کو صرف کریکال کے عہد میں اہمیت حاصل ہوئی تو چولوں کی دونوں شاخوں کے درمیان خانہ جنگی جن میں سے ایک اُرائیور میں رہتی تھی اور ایک پُہار میں کاریکل کے عہدِ حکومت کے بعد کے زمانے میں ہوئی ہوگی۔ کچھ بھی ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں شاخوں کا یہ جھگڑا سنگم زمانے کے چولوں کی تاریخ کا ایک مستقل باب تھا۔ یہاں تک کہ راجہ کری کال کو بھی جو ان راجاؤں میں سب سے نامی راجہ ہوا ہے، ابتدا میں کچھ ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔[۳]

راجاؤں کے افسانے

اس سے پیشتر کہ ہم زمانۂ سنگم کے راجاؤں پر بحث کریں، ہمیں سنگم لٹریچر میں مذکورہ چند فرضی چولا راجاؤں کے افسانوں پر بھی توجہ کرنی ہوگی۔ اس زمانے میں بھی چولوں کو سوریہ دیوتا کی اولاد مانا جاتا تھا۔[۴] یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس پر بعد کے زمانے میں بہت زور دیا گیا ہے۔ بالخصوص ان روایتی نسب ناموں میں جو تانبے کی تختیوں پر کندہ شاہی فرمانوں میں (جو دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں جاری ہوئے)، ویررا جندر کے تعمیر کردہ کنیا کماری کے پتھر کے کتبے میں اور "کالنگا تو پرانی" اور "وکرم چولن الا" جیسی ادبی کتابوں میں درج ہیں۔ اگستیہ رشی اور پرشورام کا ہم عصر راجہ کانتن تھا، جس کی اوّل الذکر کے ساتھ عقیدت کے صلے میں دریائے کاویری کا ظہور ہوا[۵] اور جس نے پاروتی (کنّی) کے کہنے پر کچھ عرصے کے لیے اپنی سلطنت اپنے ناجائز بیٹے کندن کے حوالے کر دی تھی تاکہ وہ رشی پرشورام کے عتاب سے بچ جائے جس نے چھتریوں کے خلاف نہایت بے رحمی سے جنگ کی تھی۔[۶]

وہ "چمپا" جسے بعد میں "کاکنڈی" کہا جانے لگا) "پُہار" اور "کاویری پمپاتینم" سے حکومت
کرتا رہا۔ پرانی روایتوں کا ایک اور ہیرو "تُنگیلِ ندا لوڈی توٹ چیمبیاں" تھا جس نے اسرؤں
کا ایک پُراسرار اُڑنے والا قلعہ مسمار کردیا تھا اور اگستیہ رشی کے ایما پر پُہار میں اندر دیوتا
کی خوشنودی کے لیے ایک سالانہ تیوہار کی بُنیاد ڈالی جو اٹھائیس روز تک رہتا تھا۔
اِس پُرانے لٹریچر میں اُس راجہ کی کہانی بھی درج ہے جس نے اپنے بیٹے کو رتھ تیز چلا کر ایک
بچھڑے کو کچلنے کے جرم میں سزائے موت دی تھی۔ اور ایک راجہ کی بھی جس نے باز کے پنجے
سے فاختہ کو چھڑایا تھا۔ لیکن یہاں منو اور شبی کے نام نہیں پائے جاتے۔ البتہ پرندوں کی
کہانی والے راجہ کا نام ایک جگہ سیمبیان[11] درج ہے۔ ان میں سے کچھ قصے مثلاً شہزادے اور
بچھڑے کی روایت[12]، یا دریائے کاویری کے ظہور اور اندر دیوتا کے ساتھ عقیدت کا تیوہار
جاری کرنے کی کہانیاں "سنگم" لٹریچر میں نہیں پائی جاتیں اور ان کا ذکر پہلی بار
"شیلپادی کارم" اور "منی میکھلا" نامی دو رزمیہ نظموں میں آیا ہے۔

راجہ کری کال

سنگم عہد کے چولوں کا عظیم ترین حکمران کری کال تھا۔ کری کال "النجیٹ چینی"
کا جو اپنے بے شمار جنگی رتھوں کی خوبصورتی کے لیے مشہور تھا[13] بیٹا تھا "کری کال" کے معنی ہیں
"جلی ہوئی ٹانگ والا آدمی"۔ یہ نام ہمیشہ اُس آگ کے حادثہ کی یاد دلاتا ہے جو اس کی زندگی
کے ابتدائی دور میں پیش آیا تھا[14]۔ بعد کے زمانے میں سنسکرت زبان کے زیرِ اثر اس نام کے معنی
"دشمنوں کے ہاتھیوں کی موت" بتائے جانے لگے۔ کیونکہ 'کال' کے معنی موت ہیں اور
"کالی" کے معنی ہاتھی۔

تخت نشینی

کری کال کو اپنے پیدائشی حقوق سے محروم کردیا گیا تھا اور اس کے دشمنوں نے اسے
چند سال کے لیے قیدخانے میں ڈال دیا تھا۔ اُس کی حوصلہ مندی اور جرأت جن سے وہ قید
سے بچ نکلا اور برسرِ اقتدار آیا، شاعروں کی طبع آزمائی کے لیے پسندیدہ موضوع رہی ہیں[15]
ایک شاعر کہتا ہے:-

" شیر کی طرح جس کے تیز ناخن اور خمدار دھاریاں، پنجرے میں قوی ہوتے رہتے ہیں اس کی طاقت (دھاریوں کی طرح جو لکڑی میں ہوتی ہیں) دشمنوں کی قید ہی پختہ ہوگئی۔ جس طرح لمبی سونڈ والا ہاتھی اُس گڑھے کے کناروں کو مسمار کردیتا ہے، جس میں وہ گرفتار ہوجاتا ہے، اور گڑھے کو پاٹ کر بچ نکلتا اور اپنی مادہ سے جا ملتا ہے۔ اسی طرح خوب غور و خوض کے بعد اُس نے اپنی تلوار سونت لی اور قید خانے کے محافظی دستے کو مغلوب کر کے بچ کر نکل گیا۔ اور کچھ ہی عرصے میں اپنی پُرشوکت میراث کو دوبارہ حاصل کرلیا۔"

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے :۔

یہ راجہ جس سے اُس کے دشمن اس طرح ڈرتے تھے جس طرح مروگن کے غصّے سے، اپنی ماں کے بطن سے تخت کا وارث بنا۔ اُس نے اپنے دشمنوں کو مجبور کردیا کہ اس کی اطاعت کریں اور جنھوں نے اطاعت قبول نہیں کی، اُن کو ہمیشہ لرزاں اور ترساں رکھا۔ جس طرح صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے نور کی کرنیں سمندر پر پھیلا دیتا ہے، اسی طرح جس دن سے اس نے زمین پر بچوں کی طرح گھسٹنا شروع کیا اسی دن سے اپنے شاداب ملک کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھالی اور روز بروز اس کی خوشحالی میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ جیسے شیر کا بچہ جو خود کو موت سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے اپنے پہلے ہی شکار میں ہاتھی کو مار گراتا ہے حالانکہ اُس وقت اُس نے ماں کا دودھ بھی نہیں چھوڑا ہوتا۔

وینی کی لڑائی

چنانچہ "چولا راجہ کری کال نے "آر" کی آنکھوں کو بھانے والی مالا پہن کر "وینی" کے مقام پر ایک گھمسان کی لڑائی لڑی جس میں "پانڈیہ" اور "چیرا" دونوں ریاستوں کو شکست فاش ہوئی۔ وینی آج کل کا "کوول وینی" ہے۔ جو تنجور کے پندرہ میل مشرق میں واقع ایک گاؤں ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کے بارے میں بہت کم معلوم ہے کہ کن وجوہ سے یہ جنگ ہوئی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لڑائی کری کال کی زندگی میں ایک موڑ ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں اس نے اپنے خلاف ایک بہت بڑی جتھے بندی کو ختم کردیا۔ "چیرا" اور "پانڈیہ" تاجداروں کے علاوہ اس مہم میں گیارہ چھوٹے رجواڑے اور بھی ان کی طرف سے شریک تھے اور انھیں کری کال کے ہاتھوں شکست

نصیب ہوئی[18]۔ چیراراجہ کی پیٹھ میں زخم لگا۔ یہ ایک بہت بڑی ذلت تھی جو کسی سپاہی کی میدانِ جنگ میں ہوسکتی تھی اس بزدلی کے داغ کو دھونے کے لیے چیراراجہ نے خودکشی کر لی[19]۔ کری کال کے ایک دوست شاعر "وینی کیتیار" نے جو غالباً وینی کا باشندہ تھا اور اُس جنگ کا عینی شاہد تھا، راجہ کو اس طرح خطاب کیا ہے[20]:-

"اے اس سورما کی اولاد جس نے وسیع سمندر میں سفر کرتے ہوئے ہواؤں کو مجبور کر دیا کہ وہ اس کے جہازوں کے بادبانوں کو بھریں[21]۔ اے طاقتور ہاتھیوں کے والی راجہ کری کال ولّو! اِس عظیم فتح سے تو نے اپنی شجاعت کا جو تو نے جنگ میں دکھائی اور جو تیری فتح کا باعث ہوئی سکہ بٹھا دیا ہے۔ کیا وہ شخص تجھ سے بہتر نہیں ہے جس نے دُنیا میں عظیم شہرت کا حامل ہونے کے باوجود پیٹھ میں زخم کھایا اور اُس کی شرم سے وینی کے میدان میں جسے کاویری سیراب کرتی ہے فاقہ کشی کر کے مر گیا؟"

جنگیں

اگرچہ وینی کی لڑائی کری کال کے عہدِ حکومت کی پہلی لڑائی تھی جس نے اُسے اپنے تخت پر مستحکم کر دیا، اور اُسے تامل دیش کے "تینوں تاجداروں" میں ایک طرح کا اقتدارِ اعلیٰ بخش دیا، تو دوسرے جنگی کارناموں کے مواقع کی بھی اس کے لیے کمی نہ تھی اس نے "واکئی پراندلائی" کی لڑائی میں نو چھوٹے راجواڑوں کی ایک گروہ بندی کو شکست دی "پرانار"، جو کری کال اور اس کے والد دونوں کا ہم عصر تھا اس کا ذکر کرتا ہے[22]۔ لیکن نہ وہ اِس لڑائی کی وجہ ظاہر کرتا ہے اور نہ کری کال کے دشمنوں کی بابت کچھ بتاتا ہے "پیٹنا پلائی" جس شاعر نے لکھی ہے وہ اس تباہی اور غارت گری کا مفصل بیان کرتا ہے جو کری کال نے اپنے دشمنوں کے ملکوں میں کی تھی اور اُس خوف پر اس کا ذکر کرتا ہے جو اس کے بہادری کے کارناموں کی وجہ سے طاری ہو گیا تھا[23]۔

فتوحات

آگے چل کر یہ شاعر کہتا ہے کہ اُس کی مہموں کے نتیجے میں "لاتعداد اولیا" کری کال

کے مطیع ہو گئے۔ قدیمی "ارُووالار" بھی اُس کے فرمان بجالانے لگا۔ شمالی راجاؤں کی شان وشوکت ختم ہو گئی اور مغربی راجگان بھی دل شکستہ ہو گئے۔ اپنی کثیر فوج کے بل بوتے پر جو دشمن راجاؤں کے گڑھوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے تیار تھی، کری کال نے اپنے غیظ و غضب کی نظر پانڈیہ ریاست پر ڈالی۔ جس نے ہتھیار ڈال دیے۔ راجہ "ارُن گوویل" کے خاندان کو جڑ سے اُکھاڑ دیا اور اِس طرح نیج گوالوں کے خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اگر ہم "پٹنیا پلائی" میں درج شمالی اور مغربی راجاؤں کے متعلق اس مبہم بیان کو نظر انداز کر دیں تو ہم دیکھیں گے کہ میدان جنگ میں اس قدر جوانمردی دکھانے کے باوجود کری کال کی مستقل فتوحات دریائے کاویری کے خطے سے زیادہ آگے نہیں بڑھیں۔ "آرُووالر"، "ارُووانا ڈ" کے باشندے تھے جو دریائے کاویری کے ڈیلٹا کے شمال میں نیّار کی نشیبی وادی میں واقع ہے۔ "اولیار" غالباً ناگ نسل کا ایک جنگلی قبیلہ تھا جس کو کری کال نے ایک جگہ قیام کر کے رہنا سکھایا تھا۔[۲۴] "پٹناپلائی" میں "کاویریپ پمپاٹنم" اور اس کے زرخیز شاداب ساحلی علاقوں کی بابت بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ جس سے کری کال عہد کی صنعت و تجارت کی حالت کا صحیح اندازہ لگ جاتا ہے۔ کری کال کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے جنگلوں کو صاف کرا کے اُن کی اراضی کو قابلِ کاشت بنایا اور آبپاشی کے تالابوں میں اضافہ کر کے ملک کی خوشحالی میں اضافہ کیا۔[۲۵]

نجی زندگی

کری کال کی نجی زندگی کے بارے میں ہم بہت کم جانتے ہیں۔ جہاں "پٹنا پالائی" کا مصنف "اُرُتی رنگا ننار" مبہم طور پر یہ بتاتا ہے کہ وہ عورتوں اور بچوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا تھا۔[۲۶] وہاں بعد کا ایک مفسر "نچی نارکنی یار" غالباً ایک صحیح روایت کو ازسرِنو بیان کرتے ہوئے، لکھتا ہے کہ کاری کال نے نانگور کی ایک دلیر لڑکی کو اپنی بیوی بنایا۔[۲۷] "تیرومنگائی آلوار" نے اپنی نظموں میں نانگور کے ہیراؤں کی شجاعت کا بیان کیا ہے۔ کری کال کی ایک لڑکی "آدی مندی" بھی بہت سی نظموں کا موضوع ہے۔ اُس کا شوہر آٹن اَتی ایک چیرا شہزادہ تھا جو کاویری میں ڈوب کر مرگیا تھا۔ لیکن آدی مندی نے اپنی عصمت مآبی کی طاقت سے اُسے پھر سے زندہ کر دیا۔[۲۸]

مذہب۔موت

کرن گلدن آدنار اپنی مندرجہ ذیل سطور میں کری کال کی ویدک دھرم سے عقیدت اور اس کی موت پر اپنے غم کی شدت نہایت اثر انگیز پیرائے میں بیان کرتا ہے۔[29]

" وہ شخص جس نے اپنے دشمنوں کے قلعوں پر بے باکی سے یلغار کی۔ جو اپنے بھائیوں اور اُن کے کنبوں کی ضیافتیں کرتا تھا اور انھیں جی بھر کے تاڑی پلاتا تھا۔ جس نے برہمنوں کی سبھا میں جو دھرم گیان اور اپنی زندگی کی پاکیزگی کے باعث ممتاز تھے اور اپنے فاضل پروہتوں کی رہنمائی اور اپنی نیک اور پاکدامن مہارانی کی موجودگی میں ویدک قربانیاں دیں۔ جن میں قربان گاہ ایک لمبے احاطہ میں ایک پرندنما چبوترے پر نصیب ہوتی تھی۔ اس کے چاروں طرف ایک بلند چار دیواری تھی جس پر گول بُرج تھے۔ افسوس آج وہی عظیم مہاراجہ نہیں رہا۔ دنیا اس کو کھو کر نقصان میں رہی۔ اُس کی حسین رانیوں نے اپنے جواہرات اور زیور اُتا پھینکے اور وینگئی درخت کی شاخوں، کی طرح ہوگئیں جن کو گڈریے اپنے مویشیوں کے لیے چارے کی فکر میں پتیاں توڑ کر برہنہ کر دیتے ہیں۔"

قدیم افسانوی روایات

اگلے وقتوں ہی سے کری کال افسانوں کا موضوع بن گیا تھا جن کو اُس زمانے میں بھی تاریخی اہمیت دے گئی ہے۔" سلپدی کارم" میں جس میں تینوں راجا تامل راجاؤں نے شمالی آرین راجاؤں کے مقابلہ میں جو امتیازی کامیابیاں حاصل کیں، ان کا منصفانہ اعتراف کیا گیا ہے، کری کال کی شمالی مہم کا بڑا شاندار تذکرہ ہے۔[30] اس میں بتایا گیا ہے کہ اس مہم کے سلسلے میں کری کال ہمالیہ تک جا پہنچا تھا اور وجر، مگدھ اور اونتی ریاستوں کے راجاؤں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ کری کال کاویری ندی کی باڑھ روکنے کے لیے اس کے کنارے اونچے کروائے۔ اِس کا ذکر سب سے پہلے ساتویں یا آٹھویں صدی کے تیلگو چوڑا راجہ پنیہ کمار[31] کی جاری کردہ " مالی پاڈو" تانبے کی تختیوں میں آیا ہے۔ افسانے کس طرح آگے بڑھتے ہیں اِس کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی کہ مذکورہ بالا افسانہ ماضی کی داستانوں کے ایک اور سلسلے سے جا ملتا ہے۔ جس کا تعلق تری نیتر[32] سے ہے اور پھر

آگے بڑھ کر تیلگو عہدِ حکومت کے آخر کی تانبے کی تختیوں پر حسبِ ذیل منترنم عبارت پر ختم ہوتا ہے:۔

"چرناسروروہا۔ وہاتا ویوچینا بلّوا ترلوچنا۔ پرمکھا کھلا۔ پرتھویشوراکارِتا۔ کاویری تیرا"[۴۲]

اسی کو جنوبی ہند کی قدیم سلسلہ وار تاریخ کے متعلق جو اہم نتائج اخذ کیے گئے ہیں اس کا سنگِ بنیاد بنایا گیا ہے۔ چولا ریاست کے تخت کے لیے کری کال کا ایک ہاتھی کے ذریعے انتخاب جو اس مقصد کے لیے "کاؤملم" سے چھوڑا گیا تھا اور جس نے کارور میں کری کال کو ڈھونڈ نکالا تھا، پھر کری کال کی کانچی کی فتح اور "تونڈائمانڈلم" میں اس کا زرعی بستیاں بسانا اس سے منسوب افسانوں کے کچھ عناصر ہیں، جن کی کوئی تصدیق اس کے عہد کے مآخذ سے نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کری کال کے زمانے میں "تونڈائے ناد" پر "تونڈائمان السندپرائن" حکومت کرتا تھا۔ مگر اس خیال کی تصدیق میں کوئی معتبر شہادت موجود نہیں کہ یہ سرط کری کال کا پوتا تھا یا اس کا نائب تھا جسے اس نے کانچی کی فتح کے بعد تعینات[۴۳] کیا تھا۔

خانہ جنگی

آگے چل کر نلن گلّی اور نیڈن گلّی کا ذکر آتا ہے۔ ان کی آپس کی خانہ جنگی سے نیڈن گلّی کی موت تک جو "کاریارو" کے مقام پر واقع ہوئی چھڑی رہی، اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں راجہ چولا خاندان کی دو مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے ہوں گے جن میں باہمی رقابت[۴۴] تھی اور جن کی الگ الگ راجدھانیاں "پہار" اور "اُرائیور" تھیں۔ نلن گلّی کا ایک چھوٹا بھائی مادلتان تھا جس کی یاد تامیل کنتار نامی شاعر نے اپنی ایک نظم میں محفوظ کر دی ہے۔ ایک بار جب مادلتان چوسر کی بازی اس شاعر سے ہار گیا تو اس نے غصے میں پانسہ اٹھا کر اسے [illegible] مارا۔ اس پر مادلتان نے اس کو ایسی ملامت کی کہ وہ معافی مانگنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے ایک مختصر سی نظم کہی۔[۴۵] یہ نظم اس غصیلے شہزادے اور اس کے معاصر [illegible] شاعر [illegible] کی واحد یادگار ہے۔[۴۶] "منی میکلائی" میں ایک بڑی لڑائی کا جو "[illegible]" [illegible] جس میں "مادن گلّی" [illegible] نیڈونڈی گلّی کے عہدِ حکومت

میں پانڈیہ اور چیرا راجاؤں کو ایک معمولی چولا شہزادے 'النگون' نے شکست دے دی۔ یہ وہی معرکہ ہے جس میں نیڈن گلی کا انجام موت کی شکل میں ہوا اور خانہ جنگی ختم ہو گئی۔[38] اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ 'النگون' جس کا ذکر "منی میکھلائی" میں ہے۔ دراصل نلن گلی تھا اور یہ کہ نلن گلی، نیڈو مڈک گلی کا چھوٹا بھائی تھا بعض مصنفین اس سے بھی آگے جا کر یہ دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ نلن گلی کا پورا نام "شیت چینی نلن گلی" بتایا گیا[39] ہے وہ الن جیت چینی کا پوتا ہو سکتا ہے۔ جو کہ کری کال کا والد تھا اس طرح نیڈو موڈک گلی، نلن گلی اور ماولتان تینوں کری کال کے بیٹے ہوئے۔ لیکن نام کے علاوہ 'کاردیارو' کی شناخت کی جس کا ذکر "پورنا نورو" اور "منی میکھلائی" نامی کتابوں میں ہے اور کوئی معتبر دلیل نہیں ہے۔ "کاردیارو" میں "نیڈن گلی" کی موت کن حالات میں ہوئی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے اور اس موت کا ذکر بھی پورم نمبر ۴۷ کے ضمیمے میں سرسری انداز سے کیا گیا ہے۔ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چونکہ نلن گلی اور نیڈن گلی میں خانہ جنگی ہوئی اور کاریارو کی لڑائی میں موخر الذکر ہلاک ہو گیا۔ ~~اس لیے یہ خانہ~~ جنگی ختم ہو گئی ہو گی۔ اس کے برعکس "منی میکھلائی" میں کاریارو کی لڑائی کی مختصر مگر ایسی چلتی پھرتی تصویر دکھائی گئی ہے کہ یہ لڑائی ریاست چولا کے بدیشی تعلقات کا ایک نہایت اہم واقعہ معلوم ہوتی ہے، نہ کہ محض دونوں کے رشتہ داروں کے آپس کے تنازعوں کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ چیرا اور پانڈیہ ریاستیں اس لڑائی میں ایک چولا حکمران کو دوسرے کے خلاف مدد دے رہی تھیں۔ "شیت چینی نلن گلی" کی روشنی میں یہ آخری تاویل بھی بے وزن نہیں معلوم ہوتی اور اس بات کا کافی امکان ہے کہ وہ اور اولتان دونوں کری کال کے بیٹے رہے ہوں۔

نلن گلی

"پدرنا نورو" میں نلن گلی پر کم از کم چودہ باب لکھے گئے ہیں۔ اور "کوڈور کلار" کا جو اس میں سے لیقف کا مصنف ہے یہ کہنا ہے کہ راجا نلن گلی خود کری کال کی طرح تامل ریاستوں میں ایک طرح کا غیر واضح اقتدار اعلیٰ رکھتا تھا۔ وہ مبالغہ کے ساتھ جس کا واقعی جواز ہے یوں اس کی عظمت کے گیت گاتا ہے:[40]

"جس طرح کہ دولت اور مسرت راست بازی کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔ اسی طرح

تیرے دو حریفوں پانڈیہ اور چیرا چھتریاں، تیرے لاثانی چھتر کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔ اور جو آسمان میں پورنماشی کے چاند کی طرح آب وتاب کے ساتھ بلند ہوتا ہے۔ تو شہرت کی اس قدر امنگ رکھتا ہے کہ سوائے فتح ونصرت کے پڑاؤ کے اور کہیں قیام نہیں کرتا۔ تیرے ہاتھی جن کے لمبے نوکدار دانت تیرے دشمنوں کے قلعوں کی فصیلوں کو منہدم کرنے میں کند ہو گئے ہیں، غصّے میں بپھرے ہوئے ہیں۔ تیرے جنگجو سپاہی جو ٹخنوں میں آہنی حلقہ پہنے ہوئے ہیں۔ دشمن کے مُلک تک پہنچنے کی غرض سے وسیع جنگلوں کو قطع کرنا ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ تیرے جنگی گھوڑے مشرقی سمندر سے روانہ ہو کر اس وقت تک نہیں رکتے جب تک مغربی سمندر کی لہریں ان کی پابوسی نہ کرلیں۔ مختصر یہ کہ شمال کے راجہ اطمینان کی نیند نہیں سوتے کیونکہ انھیں اپنے مُلک میں ہر وقت تیری پیش قدمی کے امکان کا خوف رہتا ہے۔"

یہ شاعر جس نے اتنی بلند آہنگی سے اپنے آقا کی تعریف کی ہے کوئی ذلیل خوشامدی نہیں تھا کیونکہ اس کے بالکل برعکس اس نے راجہ کو جب وہ نیڈن گلی کو مطیع کرنے کے لیے "اُرائیور" کا محاصرہ کر رہا تھا۔ بڑے مؤثر پیرائے میں صلح کی تلقین بھی کی ہے[41]!

"وہ (تیرا حریف) نہ کھجور کے سفید پھولوں کی مالا پہنتا ہے اور نہ گہرے رنگ کی ٹہنیوں والی نیم کا ہار۔ تیرا گجرا بھی "آر" کی بنی ہوئی مالا ہے اور اس کا ہار بھی وہی ہے جس نے تیرے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ تم دونوں میں سے کوئی بھی جنگ ہارے، وہ تمھارے ہی خاندان کی ہار ہے۔ قانونِ قدرت کے مطابق تم دونوں کا جیتنا ناممکن ہے لہٰذا تمھاری کارروائی سے تمھاری نسل کے لیے کسی بھلائی کی امید نہیں ہو سکتی۔ اس تنازعے سے تو صرف دوسرے راجہ خوش ہوں گے جو تمھاری ہی طرح جھنڈے والے رتھوں میں سوار ہیں۔"

معلوم ہوتا ہے شاعر کی یہ نیک صلاح سُنی اَن سُنی کر دی گئی۔ کیونکہ نیڈن گلی کے لیے جو لقب "کاریاٹرت تُنجیا" استعمال کیا گیا ہے، اُس سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ اس کی موت پر ہی جنگ کا خاتمہ ہوا۔

اس عہد کے متعدد دیگر راجاؤں کی مانند نلن گلّی نے بھی خود ادب کی تخلیق کی۔ اور

اُس کی تخلیقات میں سے جو دو نظمیں محفوظ ہیں، اُن میں سے ایک اِس رونگٹے کھڑے کر دینے والی قسم کی شکل میں ہے[42]

"اگر شرافت سے میرے قدموں میں آکر کوئی مجھ سے کسی احسان کی درخواست کرے تو میں اُسے اپنی قدیم ریاست بھی خوشی سے دے دوں گا، نہیں بلکہ اس کی خاطر میں اپنی جان تک دے دوں گا۔ اور اگر ایک اندھے آدمی کی طرح جو کھُلے میدان میں سوئے ہوئے شیر سے ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ کوئی شخص میری طاقت کی تحقیر کرے اور میری مرضی کی مخالفت کرے تو وہ جان بچا کر نہیں جا سکتا۔ اگر میں جنگ کے لیے پیش قدمی نہ کروں اور اپنے دشمنوں کی وہی حالت نہ کروں جو ایک بڑے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلے ہوئے لمبے بانس کی ہوتی ہے تو خدا خیر کرے میری شاہی مالا اُن سیاہ زلفوں والی حُسن فروشوں کے شہوانی آغوش میں مسلی جائے۔ جو کبھی خلوص دل سے محبت نہیں کرتیں۔"

ہمارے ماخذوں سے اس کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے کہ "کاویرپپمپاٹینم" مع اپنی وسیع تجارت کے نلن کِلّی کے قبضے میں تھا[43] اور ویدک قربانیاں اس کے عہدِ حکومت میں عام تھیں[44]۔ نلن کِلّی کے بارے میں اُرائیور مدوکنّن شاتنار نامی شاعر کی بعض نظموں میں شدید افسردگی کا رنگ پایا جاتا ہے[45] اور یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ یہ شاعر کے اپنے رجحانِ طبع کا نتیجہ ہے یا خانہ جنگی کے سانحات کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ نلن کِلّی کی موت "اِلاڑوریگائے پِلّی" کے مقام پر ہوئی[46]۔

نیڈن کِلّی

خانہ جنگی میں نلن کِلّی کا حریف نیڈن کِلّی تھا۔ شاعر کوُوُرکلار نے اپنی جو نظمیں اُسے مخاطب کر کے لکھی ہیں۔ یہ وہ شاعر تھا جس نے اپنی ایک نظم میں دونوں راجاؤں کو اپنا تنازعہ ختم کرنے کی تلقین کی تھی۔ ان نظموں سے جنگ کے واقعات کے متعلق ہماری واقفیت میں صرف ایک معمولی سا اضافہ ہوتا ہے۔ ایک نظم میں یہ ذکر ہے کہ ایک بار نیڈن کِلّی کو آدوُر میں محصور کر دیا گیا تھا۔ جس کو اُرائیور کی مانند نلن کِلّی کی فوجوں نے گھیر لیا تھا۔ اس نظم میں محاصرے کے اثرات کی ہو بہو منظر کشی کی گئی ہے[47]:

"نر ہاتھی جنھیں ہتھنیوں کے ساتھ قلعے سے باہر بڑے تالابوں میں نہلانے کے لیے

نہیں لے جایا جاتا اور نہ گھی ملائے ہوئے چاول کھانے کو دیے جاتے ہیں ، اپنے تھانوں پر زنجیروں میں بندھے ہوئے بھرتے اور لمبی آہیں بھرتے ہیں اور اپنی سونڈوں کو زمین پر لڑھکاتے ہوئے بادل کی گرج کی طرح چنگھاڑتے ہیں۔ بچّے دودھ کی قلت کے باعث بلبلاتے ہیں۔ عورتیں بغیر پھولوں کے اپنے بال گوندھ لیتی ہیں۔ شہر کے عالیشان مکانات پانی کی نایابی سے بلکتے ہوئے لوگوں کی چیخ و پکار سے گونجتے ہیں۔ آئے تیز گام گھوڑوں کے والی ! اب یہاں زیادہ دیر تک مقابلہ جاری رکھنا غیر ممکن ہے۔ اگر تم مہربانی کرو تو قلعے کے دروازے دشمنوں کے لیے کھول دو اور کہو کہ " یہ سب کچھ تمھارا ہے " اگر تم بہادری دکھاؤ تو فتح حاصل کرو اور اگر تم نے یہ چاہتے ہو نہ وہ تو بہتر ہے کہ قلعے کے مستحکم دروازوں کو اچھی طرح بند کر کے خود کو بلند فصیل کی اوٹ میں کسی کونے میں بند کر لو۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ بڑی شرمناک بات ہوگی "

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نیڈن کلّی حوصلہ تو رکھتا تھا۔ لیکن جرأت سے عاری تھا۔ چنانچہ اس کی بزدلی کے باعث اُس پر اور اس کی رعایا پر بہت مصیبتیں پڑیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام بزدلوں کی طرح وہ بھی غدّاری اور فریب دیے جانے کے مستقل اندیشے میں مبتلا رہتا تھا۔ جن دنوں وہ اُرائیور میں محصور تھا۔ اِلندتن نامی ایک بھاٹ نلن کلّی کے پڑاؤ کی سمت سے اُرائیور میں داخل ہوگیا۔ اُسے جاسوس سمجھ کر قتل کیا جا رہا تھا کہ کوؤور کلار نے اس کی طرف سے ایک عذر پیش کیا اور اُس کی جان بچانے میں کامیاب ہوا مندرجہ ذیل نظم سنگم عہد کے بھاٹوں کی زندگی کی ایک عمدہ تصویر پیش کرتی ہے[49] :-

" وہ پرندوں کی طرح تیز رفتار ہیں اور سرپرستوں کی تلاش میں بڑے بڑے طویل اور بے آب و گیاہ راستے طے کرتے ہیں۔ بغیر کسی کے سکھائے ہوئے اُن کی تعریفیں کرتے ہیں۔ جو کچھ مل جائے اُسی میں خوش رہتے ہیں۔ خود کھاتے ہیں اور کنبے کو کھلاتے ہیں۔ خرچ کرنے سے ہاتھ نہیں روکتے۔ اپنے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھتے وہ صرف عزت کے بھوکے ہیں۔ اُن کی زندگی جس کا دار و مدار اُن کے سرپرستوں کی فیاضی پر ہے، کیا اس سے کبھی کسی کی دل آزاری ہوتی ہے ؟ - یقیناً نہیں۔ اپنے حریف بھاٹوں کو ہرا کر البتہ وہ مسرور ہوتے ہیں اور جب اُن کے حریف ہار کر منہ لٹکا لیتے ہیں، تب وہ فخر سے تن کر چلتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ انھیں اپنے ہی ڈھنگ کی ایک فضیلت حاصل ہے جو

آپ جیسے لوگوں سے کسو طرح کم نہیں جنھیں اِس زمین کی حکمرانی عطا ہوئی ہے۔"

کلّی وتّون

نلن کِلّی اور نیڈن کِلّی کے قریب ترین زمانے میں راجہ کلّی وتّون ہوا ہے جس کی وفات کُلامُرسم کے مقام پر ہوئی۔ قریب ترین زمانہ اس لیے کہ اوّل الذکر دو راجاؤں کی توصیف جن شاعروں نے کی ہے انھوں نے راجہ کلّی وتّون کی تعریف بھی کی ہے۔ ایک اور کلّی وتّون تھا جو کووُور کِلاور کی ایک نظم کا موضوع تھا۔ جس کی موت کہا جاتا ہے کہ آپ پِلّی کے مقام پر ہوئی۔ غالباً یہ دونوں ہم نام راجہ تھے۔[50] اور اگر یہ صحیح ہے تو کووُور کلار کی یہ نظم جو راجہ کے کارُوور فتح کرنے کے بعد تحریر کی گئی ہے۔ ایک ایسے قلعہ کا بیان کرتی ہے جو چیروں کے خلاف اس کی جنگ میں اس واقعہ کے بعد پیش آیا تھا۔ جس کا ذکر آلتور کلار کی نظم میں ہے[51] اور جس میں کارُوور کو محاصرے میں دکھایا گیا ہے۔ کلّی وتّون کی تعریف دس مختلف بھائیوں نے اٹھارہ گیتوں میں کی ہے۔ خود اُس نے ایک نظم کہی ہے جس میں اپنے دوست پتّن کی تعریف کی ہے[52] جو "شیر وکُدّی" کا راجہ تھا۔ اور اپنے دارالخلافہ اُرائیور سے حکومت کرتا تھا۔[53] کلّی وتّون ہمارے خیال میں کافی قابلیت کا مالک تھا وہ بہادر اور فیاض تھا۔ لیکن قدرے خودسر بھی تھا۔ لیکن بھائیوں نے بڑی فراست سے ان گیتوں میں اسے کچھ نصیحتیں کی ہیں اور ان سے اس نے نصیحت بھی پکڑی۔ مندرجہ ذیل اشعار" ولائی کُڈی ناکنار[54] کے ہیں۔ جسے ان اشعار کے پیش کرتے ہی فوراً انعام سے نوازا گیا۔ یہ انعام اُس کے لگانِ اراضی کے بقایا کی معافی کی شکل میں تھا:-

" سہانی تامل ریاستوں کی زمینوں کی سرحد وسیع سمندر بناتا ہے۔ ان زمینوں کی پیشانی پر آسمان جس میں طوفانوں کی عملداری نہیں ہے ایک تاج کی طرح رکھا ہوا ہے۔ یہاں کی زمین جو کاشت کی جاتی ہے وسیع اور زرخیز ہے۔ زبردست افواج کے مالک تین راجاؤں میں یہ ملک تقسیم ہے۔ لیکن ان تینوں میں سے میدانِ کارزار کا تیر غیظ ہنگامہ بپا کرنے کے لیے کس کے نقارے بجتے ہیں؟ وہ تو ہی ہے اے جلیل القدر ہستی!

درخشاں آفتاب چاہے مختلف سمتوں سے طلوع ہو اور یہ نقرئی ستارہ چاہے جنوب میں غروب ہو۔ تیرا ملک جہاں گہری گھاٹیوں میں دریائے کاویری کا تابندہ اور فرحت بخش

دھارا بہتا ہے اور جس کے کنارے پرگنّے کے سفید پھول ایسے لہراتے ہیں جیسے میدانوں میں نیزوں پر پھریرے، ہمیشہ پھلے پھولے گا۔ میں اس پُر حشمت ملک کے تاجدار سے اتنا صاف صاف عرض کر دوں کہ مناسب اوقات میں تجھ تک سائلوں کی رسائی ہونی چاہیے۔ جیسے کہ انصاف کا دیوتا فریاد سننے اور انصاف کرنے کے لیے بیٹھتا ہے ایسے بادشاہوں کی سلطنت میں بارش ان کی مرضی سے ہوتی ہے۔ گھرے بادل سورج کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور آسمان کے گنبد میں آرام کرتے ہیں۔ تو ایسا بن کہ تیری حکومت کا چھتر آسمان کا مقابلہ کرے اور اپنے اردگرد میں امن وسکون کی چھاؤں بکھیرے نہ کہ غم کے اندھیرے تیری تمام فتوحات سے محنت کش کسان کا فائدہ ہو۔ بارشیں کم ہوں یا باڑھ آئے ہر بات کا الزام راجاؤں پر آتا ہے اُن کی تعریف کم ہوتی ہے۔ دنیا کا یہی دستور ہے۔ اگر تو نے اچھی طرح اس بات کو دیکھ سمجھ لیا ہے تو بدباطنوں کے عیّارانہ مشوروں کو ٹھکرا کر ان لوگوں کے بوجھ کو ہلکا کر جو زمین جوتتے ہیں۔ اور اپنے باشندوں کی رکھوالی کر۔ اگر تو ایسا کرے گا تو ضدی اور سرکش دشمن تیرے قدموں پر عاجزی سے جُھک جائیں گے۔"

چیرا کی راجدھانی "کارور" کا محاصرہ اور اس کی فتح بلاشبہ اس راجہ کا عظیم ترین فوجی کارنامہ تھا۔ جو بے شمار منظومات کی تخلیق کا سبب ہوا جیسے آلنوتُر کِلاّر نے نرمی سے ملامت کر کے وہ ایسے دشمن کا مقابلہ کر رہا ہے جو شجاعت میں اس کے سامنے بالکل ہیچ ہے، راجہ کی توجہ مہم جوئی سے ہٹائی اور "کارور" کو غارتگری سے بچا لیا:[55]

"تو انھیں تباہ کرے یا چھوڑ دے تُو ہی اس پر غور کر کہ تیرے نام کے شایانِ شان کیا ہے۔ سیاہ ہاتھوں والے لوہار کی ریتی سے تیز کیا ہوا، لمبے دستے اور تیز دھار والا کلہاڑا، اِردگِرد کے ہر باغ میں درختوں کی نکہت بار ٹہنیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔ وہ زور سے ٹوٹ کر گرتی ہیں اور "آن پورنتھم" ندی کی سفید ریت کو بکھیر دیتی ہے۔ جہاں خوبصورت طلائی بازو بند باندھے حسینائیں رقص کرتی ہیں۔ ان کی گونج شہر بھر میں اور محلوں میں جن کی رکھوالی ہوتی ہے سُنائی دیتی ہے اور پھر بھی اُن کا راجہ عیاشیوں میں مست پڑا سو رہا ہے۔ اپنے تیرانداز لشکر کے ساتھ، جس کا جنگی نقارہ بلند آہنگ سے بج رہا ہے۔ ایسے کمزور دشمن سے لڑ کر تجھے ندامت محسوس ہوگی۔"

لیکن بچاؤ کی یہ کوشش ناکام رہی اور شہر فتح ہو گیا۔ تب ایک شاعرہ "ماروکتّونیّار" نے یہ گایا:

نے اپنے افسوس کا اظہار ان الفاظ میں کیا :۔ [۵۶]

" اے اُس چولا تاجدار کے فرزند جس نے ایک فاختہ کو مصیبت سے چھڑایا تھا۔ اے غضبناک فوجوں کے سربراہ جو تباہی خیز چمکیلے نیزوں سے مسلح ہیں، جو ایسی تباہی مچاتے ہیں جیسے کوئی غضبناک خونخوار اور آتش بار اژدہا اپنے چمکتے ہوئے زہریلے دانتوں والے پانچ پھن اٹھائے پہاڑ کی کسی کشادہ گپھا میں گھس جائے۔ جہاں سنہری رنگ والی بیلیں بل کھاتی ہو اور آسمانوں سے آگ برستی ہے اور بجلی کڑکتی ہے۔ تُو نے اس شاہانہ نگر کو دیکھا جس کے راجہ کے گرد کمربستہ ہاتھیوں کا پہرہ لگا تھا۔ وہاں گہری اور اندھیری خندق میں مگرمچھ جمع ہیں۔ جھیل کے پھیلے ہوئے پانی میں جس کے چاروں طرف پہرا لگا ہے تند اور لڑاکے گھڑیال ان پرچھائیوں پر جھپٹتے ہیں جو نصف شب میں پہرے کے سنتری کی مشعل کی روشنی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی دیواریں چمکائے ہوئے تانبے کی مانند دمکتی ہیں۔ اے پُرشوکت راجہ ! یہ سب تیری آنکھوں کو بھلا نہیں لگا کیونکہ تو نے پوری شدّت کے ساتھ تباہی و بربادی کی۔"

مغرور فاتح (کلی ولون)، کو مخاطب کر کے فرعون مزاجی کے خلاف اسے انتباہ دیتے ہوئے آوور کے رہنے والے مُولم کلار نے جو نظم کہی، کارُودر فتح ہونے کے فوراً بعد لکھی گئی ہوگی :۔ [۵۷]

" تُو وہ زور آور راجہ ہے جو محفوظ قلعے کی تباہی سے باز نہیں آیا۔ تو اسے توڑ کر اندر گھسا۔ اِس کے حکمران کو قتل کیا اور زرد سونے کو جو قبل ازیں اُس کے تاج میں لگا تھا، اپنے پاؤں کی پازیب بنایا۔ اے سورما ! تیرے نصرت مآب قدموں کے کیا کہنے !

تیری زمین اتنی زرخیز ہے کہ اس کا ایک چھوٹا سا قطعہ جس میں ایک ہتھنی بیٹھ سکتی ہے۔ سات بڑے ہاتھیوں کی پرورش کے لیے کافی ہے۔

خدا کرے کہ ہم آج کی طرح ہمیشہ یہی دیکھیں کہ تیرے بدخواہوں کی گردنیں جُھکتی رہیں اور تیرے خیرخواہ سرفراز ہوں۔ اے عظیم حکمران تو شیریں زبان بن اور آسانی سے تجھ تک رسائی ممکن ہو۔"

کودرُو کلار نے بھی اپنی ایک نظم میں اس واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لیکن یہ نظم تسلسل کے ساتھ کہیں محفوظ نہیں ہے۔ [۵۸]

"پورنا نورو" میں شامل نظمیں کلّی وتون اور اس کے جنوبی ہمسایہ پانڈیہ راجاؤں کے مابین تعلقات کے متعلق خاموش ہیں۔ لیکن شاعر نکّی رار کی ایک نظم میں جو "اہنا نورو" میں شامل ہے، پانڈیہ سپہ سالار پلائین ماریّن کے ہاتھوں، مدورائی کی فصیلوں کے باہر کلّی وتون کی فوجوں کی شکست کے متعلق واضح اشارات ملتے ہیں۔ اس کی تردید میں چونکہ کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ اس لیے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جس راجہ کی ہزیمت کی طرف نکّی رار نے اشارہ کیا ہے، وہ وہی ہے جو "کلامرّم" میں فوت[90] ہوا تھا۔ کلّی وتون نے غالباً ایک محاذ پر ملاڈو کے سردار ملائے یمن کے خلاف جنگ چھیڑ دی تھی۔ ملاڈو دریائے پنّار کے کنارے پر واقع ایک ضلع تھا جس کا صدر مقام "تیرو کوئیلور" تھا۔ اگرچہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے لیکن ملائے یمن جس کے خلاف یہ مہم چھیڑی گئی تھی، دراصل ملائے یمن ترودُمڈِک کاری تھا جس کی تعریف 'پورم' میں دی ہوئی کپلار اور ماروکتونپاتشالیسار' کی متعدد نظموں میں کی گئی ہے۔ یہ تعریف اس لیے کی گئی ہے کہ وہ بھائیوں کی سرپرستی نہایت فراخدلی سے کرتا تھا۔ اس کی اس خوبی کو کارور کلار نے بھی اپنی مندرجہ ذیل نظم میں اُجاگر کیا ہے۔ اس نظم کے طفیل میں شاعر ملائے یمن کے بچّوں کی اس بے رحمی کی موت سے بچانے میں کامیاب ہوگیا جس کے لیے فاتح چولا راجہ نے حکم دے دیا تھا۔[91]

"تو اُس شاہی خاندان سے ہے جس نے ایک فاختہ کو دکھ درد سے چھڑایا اور بہت سے دوسرے مظلوموں کو بھی۔

تو اُس خاندان سے ہے جس کے راجہ دانشوروں اور عالموں کی ہمدردی میں انھیں اپنے دسترخوان میں شریک کر لیتے ہیں اور انھیں مفلسی سے بچاتے ہیں۔ جن کے زیرِ سایہ لوگ سُکھ کی زندگی گزارتے ہیں۔

ان معصوموں کی طرف دیکھ کہ کس طرح وہ پہلے تو تیرے ہاتھیوں کو دیکھ کر سہمے کھڑے تھے اور پھر انھیں بھول کر، تیرے دربار کے رعب و داب سے خوفزدہ ہوئے اور اب وہ دوسرے نئے خطروں سے کانپ رہے ہیں۔

میری بات سُن اور پھر اپنی خواہش کے مطابق عمل کر۔"

ماروکتونپاتشالائیار کے لکھے ہوئے ایک قصیدے میں اُس راجہ کی فیاضی، انصاف پسندی اور مردانگی کی ایسی تعریف، لیکن ایک بڑے فنکارانہ انداز میں کی گئی ہے۔[92]

"اے اس عظیم شخص کی اولاد جو ایک فاختہ کو دکھ سے بچانے کے لیے خود اس ترازو میں بیٹھ گیا۔ جس کی ڈنڈی کے دونوں سروں پر بھاری پیروں والے ہاتھی کے منقش دانت مڑھے ہوئے تھے۔ سخاوت تیری پیدائشی خصلت ہے اور یہ کوئی تیری خاص ثنا خوانی نہیں۔

اور جب ہم غور کرتے ہیں کہ کیسے تیرے قدیمی بزرگوں نے اس قلعے کو تباہ کر دیا جو آسمان میں معلق تھا اور دشمن جس تک پہنچنے سے خوف کھاتے تھے تو پھر تیرا اپنے دشمنوں کو قتل کر دینا تیرے لیے کوئی بڑی بات نہیں اور چونکہ "اُرائیور" جو بہادر شولاز کا ناقابلِ تسخیر شہر ہے انصاف کی مجلسِ شوریٰ کا مسکن ہے۔ انصاف پسندی تیری کوئی خاص تعریف کی بات نہیں۔"

اے وِلّوَن! اے برق پا شہسوار جن کے قوی بازو قلعے کی سلاخوں کی طرح ہیں اور جس کا سہرا جاذبِ نظر ہے۔ میں کس طرح تیری تعریف کر سکتی ہوں؟ میں تیری شہرۂ آفاق بہادری کے نغمے گاؤں گی جس نے لازوال "وِنجی" کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور اس کے چیرا راجہ کو جس نے اپنا دھنش والا پرچم ہمالیہ کی ناقابلِ پیمائش بلند اور سنہری چوٹیوں پر نصب کر دیا تھا اُس کی خوبصورت اور مضبوط رتھ سمیت غارت کر دیا۔"

راجہ کی موت پر لکھے گئے دو مرثیے بھی اپنی انوکھی خود بینی کے باعث قابلِ توجہ ہیں گو یہ کُلاٗمُرّم کی جائے وقوع کے متعلق، جہاں راجہ کی موت ہوئی یا اس کی موت کے حالات اور اسباب کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے اُن میں سے ایک مرثیہ خدا داد ملکہ رکھنے والی شاعرہ مارو کُتّو نیاشالا یار کا ہے:- [۶۳]

"اگر اپنے دل میں بھی وہ تجھ سے خفا ہوتا
یا اپنے ظاہری اقدامات سے اپنے عتاب کا اظہار کرتا
یا اگر تجھے وہ کبھی اپنے ایذا رساں ہاتھ سے چھو لیتا
تو اے موت! تو بچ کر نہیں جا سکتی تھی۔
تو عظیم وِلّوَن کو اُچک لے گئی

بھائیوں کی طرح اس کی خدمت میں التجا کر کے، اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر اور میٹھی میٹھی باتیں کر کے تو نے اُس شخص کی جان لی جو ان لشکروں کا سردار ہے جن کا میدانِ کارزار میں ہجوم ہے۔ جو زبردست رتھ کا مالک ہے۔ جس کا سر سونے کے

سہرے سے مزین ہے !"

دوسرا مرثیہ جو "آڈ تورائی" کے رہنے والے شاعر ماشاتنار کا لکھا ہوا ہے، اگرچہ ڈاکٹر پوپ کے قول کے مطابق معمولی سا ہے، پھر بھی اثر سے خالی نہیں :-[۶۴]

"اے بے رحم موت ! تو بھی کیسی احمق ہے،
اپنی عقل کی کمی کے باعث تو اپنے بونے والے تخم کو کھا جاتی ہے
تُو دیکھے گی کہ جو میں نے کہا ہے صحیح ہے
چمکتی ہوئی تلواروں والے جنگجو سپاہی، ہاتھی اور گھوڑے
میدانِ جنگ میں کٹ مرتے تھے، جس میں خون کی ندیاں بہتی تھیں
لیکن کبھی اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ وہ روزانہ اپنے دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارتا تھا اور تیری بھوک مٹاتا تھا۔
اس میں تیری ہی سی طاقت تھی جو رحم کرنا نہیں جانتی تھی
اور نہ کسی انتقام سے ڈرتی تھی
یہ دلون جو سونے کے بھاری زیورات پہنتا تھا
جس کے پھولوں کے گجرے میں شہد کی مکھیاں بھنبھناتی رہتی تھیں
تو اُسے لے گئی
اب تیری بھوک کون مٹائے گا ؟"

کوپے رُنجولن

اس زمانے کا ایک نامور چولا تاجدار کوپے رُنجولن تھا۔ وہ بھی اُرائیور سے حکومت کرتا تھا۔ خود شاعر ہوتے ہوئے وہ دو شاعروں، "پشر" (ازم) کے رہنے والے آندائیاں اور پوئی ٹیار کا گہرا دوست تھا۔ "آندائی" جس کے معنی ہیں اُلو، عرفیت معلوم ہوتی ہے[۶۶] لیکن شاعر کے کسی اور نام کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ وہ پانڈیہ ریاست کا باشندہ تھا اور اس نے اپنے ملک کے راجہ اریوڈئی کو کچھ نیک مشورے دیئے۔[۶۷] پوئی ٹیار چولا ریاست کا باشندہ تھا اور اُرائیور شہر میں رہتا تھا۔ ان شعراء اور راجہ کوپے رنجولن کی دوستی بعد کے لٹریچر میں ڈیمن اور پائی تھیاس کی طرح ایک مثالی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔[۶۸] آندائی ایک

خوش طبع شخص تھا۔ اُس کی نظموں میں زندگی کی سچی لطف اندوزی جھلکتی ہے۔ ایک بار جب اس سے دریافت کیا گیا کہ ضعیف ہو جانے کے باوجود بھی اُس کے بال کیوں سفید نہیں ہوئے تو اس نے جواب دیا:[69]

" میری عمر بہت ہو گئی ہے۔ پھر بھی میرے بال سفید نہیں ہوئے
تم اس کی وجہ دریافت کرتے ہو۔ وجہ یہ ہے
کہ میری ایک لائق بیوی ہے اور میرے بچے بھی ہیں۔
میرے خادم میرے منشا کے مطابق چلتے ہیں
میرا راجہ مجھے نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ میری حفاظت کرتا ہے۔
اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے پڑوس میں اچھے لوگ بستے ہیں
جو نیک اور راستباز ہیں پاکیزہ روحوں والے اور ذی علم ہیں "

ذیل میں ایک اور نظم دی جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کو اپنے وطن کے راجہ کے مقابلہ میں کوپے رُنجولن سے زیادہ اُنس تھا:[70]

" اگر تم مجھ سے پوچھو کہ تمہارا راجہ کون ہے؟
تو ہمارا راجہ وہ ہے جو مزدوروں کو تیز۔ پکی۔ چھنی ہوئی کھجور کی شراب پلاتا ہے۔
اور کھجوروں کی چربی سے ان کی بھوک مٹاتا ہے
اور بھنی ہوئی تیار " لیری " مچھلی سے ان کے منہ بھر دیتا ہے۔
وہ دعوت کھانے کے لیے اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں اور دعوت دیر تک چلتی ہے۔
اس اچھے زرخیز ملک میں بھاٹ اور ان کے کنبے ہمارے راجہ کو بھوک اور افلاس کا دشمن پاتے ہیں۔
وہ راجہ " کولی " کا والی، تو ی کا چولا راجہ ہے۔
وہ پوتی (شاعر کا نام) کے ساتھ گفتگو پسند کرتا ہے جس کی دوستی میں کوئی خامی نہیں[71] اور تمام دن وہ مسرت بھرے دل سے ہنستا رہتا ہے "

پُلاّتُورَ ایڑی یانار کی لکھی ہوئی ایک خوبصورت[72] نظم جس کے ذریعے سے اس نے راجہ کی پدری شفقت کے جذبات کو اُبھار کر اُس کو خانہ جنگی سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے اس تنازعے کی شہادت ہے جو کوپے رُنجولن اور اُس کے دو بیٹوں کے مابین ایک خطرناک صورت

اختیار کر گیا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ یہ ہر دلعزیز راجہ، جسے زندگی بھر اور مرنے کے بعد بھی دو شاعروں کی محبت حاصل رہی، اپنی اولاد کے ساتھ اپنے اختلافات ختم نہ کر سکا۔ خودکشی کے بارے اس کالاادری قول اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ وہ زندگی کی تکالیف سے خودکشی کو ذریعہ نجات سمجھنے[۲۳] لگا تھا:-

"وہ لوگ جنھوں نے ابھی تک یقینِ محکم حاصل کرکے اپنے قلوب کو تسکین نہیں دی
یہ نہیں کہتے کہ ہم اچھے کام کریں یا نہ کریں
جو ہاتھی کا شکار کرتا ہے وہ ہاتھی پا سکتا ہے
جو بٹیر کا شکار کرتا ہے، وہ خالی ہاتھ واپس آسکتا ہے
اس لیے اگر لوگوں کے عزائم بلند ہوں
تو انھیں ان کو عملی جامہ پہنانا چاہیے۔
تاکہ وہ اس دنیا کا عیش حاصل کر سکیں جو محسوسات سے ورے ہے۔
اگر انھیں یہ حاصل نہ ہو سکے تو کسی اگلے جنم میں انھیں نجات حاصل ہو جائے گی۔
اور اگر کوئی اگلا جنم نہ ہو تو ہمالیہ کی بلند چوٹی کی طرح زمین پر اپنی شہرت کی بنیاد ڈالنا
اور گناہ سے بے داغ رہ کر اس دنیا سے رحلت کر جانا یقیناً ریاضت کا سب سے اچھا صلہ ہے۔"

دو اور مختصر نظموں میں[۲۵] آندائی سے اپنی موت سے پہلے ملنے کے اشتیاق اور اس یقین کا اظہار ملتا ہے کہ اس کا دوست اس کی توقع ضرور پوری کرے گا۔ جب آندائی وقت سے پہنچ گیا اور راجہ کے اس فیصلے میں شریک ہو گیا کہ اس بدخصلت دنیا کو چھوڑ دیا جائے تو پوتی یار نے راجہ کی شرافت اور آندائی کی فراست کی بہت تعریف[۲۶] کی اور اس ریاست کے لیے بے حد تشویش کا اظہار کیا جو اس راجہ سے محروم ہو رہی تھی۔ جس کے اعلیٰ محاسن نے آندائی کا دل جیت لیا تھا، حالانکہ اس پر راجہ کی اطاعت لازمی نہیں تھی۔ وہ چھوٹی نظموں میں آندائی کی راجہ کی رفاقت میں خودکشی کی یادگار زندگی رکھی گئی ہے۔[۲۷] ان میں سے ایک میں یہ ہے کہ آندائی نے دریا کے کنارے ایک درخت کے سائے میں فاقہ کشی سے اپنی زندگی ختم کر دی۔ جب پوتی یار نے اس کی تقلید کرنی چاہی تو راجہ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ اپنے ہاں بیٹا

*

پیدا ہو جانے تک وہ اپنے خودکشی کے ارادے کو ملتوی کر دے[77]۔ لہٰذا پونٹ یار کو واپس جانا پڑا۔
جب شاعر اُرائیور کو واپس لوٹا تو اس نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا :-[78]

" نگہبان جو اس بڑے ہاتھی سے محروم ہو گیا ہو جسے وہ روز ڈھیر ساری خوراک کھلاتا تھا،
اور برسوں تک جس کی پرورش کی ہو
وہ اس کھمبے کو خالی دیکھ کر، جہاں وہ بندھتا تھا، بہت غمگین ہوتا ہے
اور روتا ہے ـــــ اسی طرح کیا میرا دل خون نہیں ہو گیا۔
جب میں نے اس قدیم شہر کے صحن کو خالی دیکھا
جہاں کِلّی رہتا تھا اور مرا ؟
کِلّی جس کے پاس رتھوں کی دولت تھی
جن پر فاتح کی مالا لہراتی تھیں ؟ "

جب کچھ عرصہ بعد اُس نے اس مقام کی زیارت کی جہاں راجہ فوت ہوا تھا اور جہاں ایک پتھر بطور نشان رکھا گیا تھا تو اس کے دل پر مرحوم کے نیک اوصاف کو یاد کر کے رقت طاری ہو گئی۔[79]

بُھاٹ اور شاعر جن کی ضروریات پوری کرتا تھا اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔
وہ رقاصوں کا محبوب تھا جنھوں نے اس کے دربار کا رخ کیا تھا۔
وہ رشیوں کی تعلیم کے مطابق اپنے شاہی عصا کو گھماتا تھا۔ اس کی دوستی میں وہ استحکام تھا جس کے دانشمند معترف تھے۔ وہ عورتوں کے لیے نرم تھا اور زبردستوں کے سامنے بہادر۔
وہ بے داغ عالموں کے لیے جائے پناہ تھا۔
ایسے شخص کو موت نے ہنیدر لکھا اور اُس کی نیک روح کی ہمراہ لے گئی۔ اس لیے آؤ میرے غمزدہ عزیزو
ایک دوسرے کے گلے لگ کر موت کو کوسیں آؤ سارے بھاٹو جن کے اقوال سچے ہیں وہ ویرانے میں نصب کیا ہوا ایک ستون بن چکا ہے
لازوال توصیف کا تاج پہنے ہوئے۔

جبکہ یہ وسیع دنیا اس کے غم میں مصروفِ ماتم ہے
اس شخص کا یہ حشر ہوا ہے جو ہمارا مربیّ تھا۔"

پیرونارکلیّ

پیرونارکلیّ یقیناً بہت ہی طاقتور حکمران ہوا ہوگا۔ کیونکہ "سنگم" عہد کے تامل خودمختار حکمرانوں میں وہ واحد حکمران تھا جس نے راجو یگیہ منعقد کیا۔ اغلب ہے کہ پیرونارکلیّ کی حکومت کے اس شاندار افتتاح میں چیرا راجہ ماری وینکو اور پانڈیہ راجہ اُگر پیرو ولُوڈی دونوں شریک تھے جیسا کہ کنکا سبھائی کا خیال ہے۔ آیو وائیار کا آشیرواد جس میں ان تینوں کے نام شامل ہیں اسی موقع پر دیا گیا ہوگا۔[۱۱]

"یہ جنتِ ارضی مع اپنے طبقات کے خواہ یہ تمہاری ہو یا ان کی جو تمہارے ساتھ نہیں بلکہ تمہارے خلاف ہیں، حقیقت میں درویشوں کی ہے۔ خدا کرے تم اپنی زندگی میں برہمنوں کے ہاتھوں میں جو انھوں نے تمہارے سامنے پھیلائے ہیں پانی کے ساتھ پھول اور سونا بھی ڈالو اور وہ میٹھی شراب پیو جو تمہاری کنیزیں درخشاں جواہرات پہنے، سنہرے جاموں میں تمہارے سامنے پیش کریں اور تم فرطِ شادمانی میں ضرورت مندوں کو بیش قیمت تحفے بے حساب عطا کرو۔ تمہارے نیک اعمال ہی جو تم اس وقت کرو گے موت کے وقت تمہارے کام آئیں گے۔ اے سفید چھتر اور جھنڈے والے رتھ کے مالک راجاؤ! یکجا بیٹھے ہوئے تم ؤیہ کی تین مقدس اگنیوں کی طرح معلوم ہوتے ہو۔ جنھیں برہمن دوامی ہوشیاری سے دن ات روشن رکھتے ہیں۔ میں تو اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تمہاری عمر کے دن اتنے ہوں جتنے آسمان ہں ستارے یا برسات کی جھڑی میں بوندیں۔"

اِس راجہ کے عہدِ حکومت کے واقعات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ یہ کہ جنگ و جدل میں اُس نے بھی حصّہ لیا، اُس کا اندازہ ہم ایک نظم سے لگا سکتے ہیں جس میں اُس کی فوجوں نے جس طرح دشمن ممالک کو تباہ و برباد کیا اس کا ذکر ہے۔[۱۲] ایک دوسری نظم کے خاتمے سے پتہ چلتا ہے کہ اس راجہ اور چیرا راجہ ماندرن چیرال اُرامپوُرائے کے درمیاں بھی جنگ ہوئی تھی۔ جس میں تیرون ملائین نامی سردار چولا راجہ کی طرف سے شریک ہوا تھا۔ اس جنگ میں کون چولا راجہ کے دشمن تھے اور کون دوست،[۱۳] اس کا پتہ نہیں چلتا

چھوٹے چولا راجواڑے

کوچن گنان کا حال بیان کرنے سے پہلے جو سنگم لٹریچر میں مذکور چولا راجاؤں میں اگر بالکل آخری نہیں تو آخری راجاؤں میں ضرور تھا، ہم چولا خاندان کے چند چھوٹے مگر مشہور سرداروں کا ذکر کریں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں سے بیشتر معمولی سردار تھے۔ یہ شاہی خاندان کے افراد تھے نہ کہ خود راجہ۔ ان میں دو شہزادوں کا ایک ہی نام تھا۔ یعنی "الن جیت چینی" ان دونوں میں امتیاز ان کے القاب نیڈا لنگائل اور شیر و پالی پیرندا سے کیا جاتا تھا۔ ان کی تعریف ایک گمنام شاعر اُون پوڈی پاشنگو ڈایار نے کی ہے۔ نیڈا لنگائل نے پاموکور کے چیرا قلعہ کو فتح کر کے ناموری حاصل کی۔[۹۳] لیکن یہ لقب اُس نے کیسے حاصل کیا اُس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ شیر و پالی جس کا دوسرے شہزادے نے تختہ اُلٹ دیا تھا، محض ایک نام ہی ہے۔ چولا راجہ مُدیتا لائیک کو پیرونار کلی جس کے معنی ہیں (عظیم اور نیک نام راجہ کلی جس کے سر پر تاج ہے) کی یاد شاعر مُدموشیار (موشی لنگ) کی واحد نظم ہی میں محفوظ ہے۔ یہ شاعر اُرائیور کے ایک حصے 'اینی چیری' میں رہتا تھا۔ اس کی نظم شاعری کا ایک عمدہ نمونہ ہے[۹۴] جس میں چولا راجہ کی سلامتی کے متعلق شاعر کی شدید تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ راجہ ایک ہاتھی پر سوار تھا، جو یکایک پاگل ہو گیا تھا اور راجہ کو کارووُور سے بھی آگے لیے جاتا تھا۔ شاعر اس وقت ایک چیرا شہزادے کے ساتھ تھا اور اُس نے شہزادے کو بتایا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے کیا ہو رہا ہے۔ بھاگتے ہوئے ہاتھی کو اُس نے سمندر کی بلند لہروں پر تیرتے ہوئے جہاز سے تشبیہہ دی ہے۔

پیرم ترِدماووُن[۹۵] جس کی وفات "کُراپلی" میں ہوئی پانڈیہ شہزادہ پیرووُوڈی کا ہم عصر اور حلیف تھا، جس کی موت 'ویلی یمبلم' میں ہوئی۔ کاویریپ پپاٹنم کے شاعر کاریک کنّانار نے ان کے اتحاد کی تعریف کرتے ہوئے، ان کو غلط مشورے دینے والوں سے ہوشیار بھی کیا ہے جو ان میں نفاق ڈالنے کے درپے رہتے تھے۔[۹۶]

• تم دریائے کاویری اور اُس کے سرد پانی کے والی ہو۔ یہ راجہ پنچوا کی جنگجو نسل کا شیر ہے، جو اپنے بزرگوں کی موت سے پست ہمت نہ ہو کر، اپنی خیر خواہ رعایا کی بہادر سے حفاظت کرتا ہے۔ جیسے برگد کی لمبی سایہ دار ٹہنیاں جو زمین میں اپنی جڑیں گاڑ دیتی

ہیں اور چاہے منہ سوکھ بھی جائے وہ درخت کو زندہ رکھتی ہیں۔ یہ راجہ اگرچہ کم عمر ہے لیکن اُس نے بہت جلد اپنے دشمنوں کو یوں منتشر کر دیا ہے جیسے بجلی سانپوں کے پورے جھنڈ کا صفایا کر دیتی ہے۔ تو اُرانداڈی کا جنگجو سورما ہے جو نیکی کا مسکن ہے۔ اس راجہ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ دھان اور پانی تو سستے ہیں خود کو ڈنکے کی چوٹ پہاڑ کے صندل اور سمندر کے موتیوں کا مالک بنا لیا ہے اور رحمدلی کے ساتھ کوڈل پر جو تامل دیش کے علم کا مرکز ہے حکومت کرتا ہے۔ تو باوقار ہے ان دو دیوتاؤں کی طرح جو ایک ساتھ کھڑے ہیں جن میں سے ایک گورے رنگ کا ہے جس کے ہاتھ میں کھجور والا جھنڈا ہے اور دوسرا سانولا ہے جس کے پاس چکر ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے دہشت کا سامان ہے۔ کیا اس سے زیادہ اچھی بھی کوئی بات ہو سکتی ہے؟ پھر بھی میری بات سُن۔ خدا کرے کہ تیری شہرت ہمیشہ قائم رہے۔ تم ایک دوسرے کے ساتھ متحد رہو اور اگر تم اپنی دوستی برقرار رکھو گے تو تم سمندر سے گھری ہوئی اس تمام دنیا کو فتح کرنے میں ناکام نہیں ہو گے۔ لہٰذا خدا کرے کہ ناعاقبت اندیش لوگوں کے دکھاوے کے الفاظ سے تم دھوکا نہ کھاؤ۔ جو دیکھنے میں اچھے، دانش مندانہ اور پرانی روایات کے مطابق معلوم ہوتے ہیں لیکن جن کا مقصد تمھارے دلوں کو متحد رکھنے والی محبت میں رخنہ ڈالنا ہے، تمھاری دوستی عین اسی طرح برقرار رہے جیسے کہ آج ہے۔ خدا کرے تمھارے نیزے جنگ کے خونیں میدان میں ظفرمند ہو کر بلند ہوں اور تمھارے دشمنوں کی ریاستوں میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھاری دار شیر اور سیم ماہی کے شاہی نشان بلند ہوں۔"

ترومالون کی یہ بدقسمتی تھی کہ اُسے ایک جھلائے ہوئے شاعر نے جس کو انعام کے لیے بہت انتظار کرنا پڑا تھا، مجرموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ ایک بہت ہی دلکش اور اثر انگیز گیت میں یہ ناراض شاعر فخر سے اعلان کرتا ہے کہ ایک شاعر بے رحم راجاؤں کی متکبرانہ شان و شوکت کے مقابلے میں چھوٹے قدر شناس سرداروں کی مفلسی کا زیادہ احترام کرتا ہے۔

کری کال اور اس کے والد کے زمانے کا ایک اور چولا شہزادہ جس کی ثنا خوانی پرانار اور کلاتندیار نامی شعرا نے کی ہے، وہ پہراؤ کا ٹپ۔ پیرو ورار کلی نامی تھا۔ پورنا نورو کی تین نظموں میں اس شہزادے اور اس کے مخالف چیرا شہزادے کُدکو نیڈ چیرال کی جستجو اور انجام کا بیان ہے۔ یہ دونوں میدانِ جنگ میں کام آئے۔ خصوصی انفرادیت کا مالک ایک

اور شہزادے پوروانگ کو پیرُونارک کِلی تھا۔ جس کا ذکر نصف درجن نظموں میں آیا ہے۔ ان میں سے تین تو چھوٹے چھوٹے گیت ہیں۔ جنھیں نکا نامی شاعر[89] نے لکھا ہے، جو معلوم ہوتا ہے کہ اس سیلانی شہزادے پر دل وجان سے فدا تھی۔ ستاتن دایار نے جو باقی تین نظموں کا مصنف[90] ہے شہزادے کی گٹکے بازی کے فن میں مہارت اور شہر کو فتح کرنے میں اس کی تیزی کی بڑی مدح کی ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کے اور اس کے باپ تیتن کے درمیان اختلاف تھا۔ تیتن کا ذکر دسنگم کے) شعری مجموعوں کی کئی نظموں[91] میں اُرائیور کے ایک نامور راجہ کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس نے ایک دفعہ سردار کتی اور اُس کے ساتھی پانن کو ان کی ارائیو کے خلاف پیش قدمی پر شکست دے کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا[92]۔ چونکہ اس واقعہ کو پارانار نے تحریر کیا ہے، اس لیے تیتن اور اس کا سنگی بیٹا کری کال سے پہلے ہوئے ہوں گے۔ تیتن کی آئیا ئی نامی ایک بیٹی بھی تھی[93]۔ شولن تلوُر تی رن اور نامبی نیڈن جیلین کا ذکر علیحدہ علیحدہ ایک ایک نظم میں ہے۔ اوّل الذکر شہزادہ تو خود بھی شاعر تھا اور درحقیقت سوائے اس کے کہ وہ مصنف تھا اس کے بارے میں ہم کو اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ "کالتوگائی" نامی شعری مجموعے میں سترہ[94] گیتوں پر مشتمل "مُلائی" کا ایک پورے کا پورا حصہ ہی اس کی تخلیق مانا جاتا ہے۔ "پورنانورا" میں شامل ایک مختصر نظم میں[94] وہ بے فکری کی زندگی بسر کرنے کے لیے بخیلوں سے دور رہنے اور شریف اور طاقتور دوستوں کی رفاقت حاصل کرنے کا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ شہزادہ نامبی نیڈن جیلین ایک اعلیٰ پایہ کے قصیدے کا ممدوح[95] ہے جسے پیرئیل مُرِدِ دلار (بڑے قلعے کا ہنستا ہوا آدمی) نے لکھا ہے۔ یہ نظم چھوٹے چھوٹے جملوں کی ترتیب اور ہوبہو تصویر کشی کا ایک نادر نمونہ ہے۔

کوچن گنان

کری کال کی طرح کوچن گنان کی زندگی کی تصویر بھی افسانوں میں گھِر کر دھندلی ہو گئی ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس زمانے کے مآخذ سے حاصل کردہ نتائج کو بعد کے زمانے کے عقیدوں سے الگ رکھا جائے۔ "پورنانور" کا ایک گیت[96] اور چالیس اشعار جن پر پوئیگیا کی نظم "کلا دلی" مشتمل ہے، اس راجہ کی زندگی کے بارے میں سب سے قدیم شہادت مہیا کرتے ہیں۔ نرِدُمنان سمنبدار، ترومنگائی آلوار اور سندرآمورتی کے بھجن جن میں راجہ کا

ذکر ہے۔ اس کی زندگی کے مذہبی پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ چولا عہد کی گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی کی تانبے کی تختیوں پر لکھے ہوئے افسانوی شجروں میں بھی اس کا نام ہے۔ اگرچہ اس فہرست میں اس کا سلسلہ وار مقام کہیں کہیں بدل گیا ہے[97]۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ بُدھ دھرم کی "جاتک" کہانیوں کے طرز کی ایک کہانی جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ راجہ اپنے پچھلے جنم میں ایک مکڑی تھا، سب سے پہلے اَپّار کی تختیوں میں ملتی ہے[98]۔ بعد ازاں راجہ راجندر چولا کے عہد کے تیروالنگاڈو کی تختیوں میں[98] اس کہانی کو دہرایا گیا ہے۔" کالنگا تو پرانی" اور "وِکرما شولن اُلا" بھی کم و بیش اس کہانی پر متفق ہیں جو ان تختیوں پر درج ہے۔ لیکن اِن افسانوں کا اصل چشمہ نامبی اندار نامبی" کی کتاب" اندادی" میں سے بہتا ہوا شیکی لر کی تصنیف "پیریا پُرانم" میں گرتا ہے جو ایک سمندر ہے۔ جس میں تامل دیش کے شیو افسانوں کے تمام دھارے مل جاتے ہیں۔

"کلاوِلی"[99] ایک چھوٹی نظم ہے جس میں کونگو ریاست میں "کارووُر" کے نزدیک "کالُومالم" کی ہولناک لڑائی کا روایتی بیان ہے۔ اس لڑائی میں شینگا نن نے چیرا راجہ کنائیکل اِرُمپورائے کو شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا۔ پوئیگائی نامی شاعر نے جو فاتح چولا راجہ کا دوست تھا اُس کی شجاعت کے گیت گا کر اُسے راضی کر لیا اور اس طرح چیرا راجہ کو قید سے رہائی دِلائی۔ "پورنا نور" کی نظم جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے، اسی چیرا تاجدار کی کہی ہوئی ہے۔ یہ ان دنوں کہی تھی جب "کُڈوائر کونم" (مغربی پھاٹک والا جیل خانہ) میں چولا راجہ کی قید میں تھا۔ یہ نظم اُس چیرا راجہ کی بزدلی کا ایک دگیر اعتراف ہے جو اتنی ذلت اٹھا کر بھی زندہ رہا۔

" اور تو اور کوئی بچہ بھی مرتا ہے یا کوئی چھچھوندر بھی بیدار ہوتی ہے، تو انھیں بھی تہ تیغ کر دیا جاتا ہے[101]۔ حالانکہ یہ مرد نہیں ہوتے۔ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا خاندان ایک اس طرح کے فرد کو جنم دے جو تسمے سے بندھے کُتّے کی طرح ذلت میں گرفتار ہو اور پھر بھی اپنے نامہربان قید کرنے والوں سے پانی مانگے اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اپنی کمزوری سے اسے پی جائے ؟ "

کہا جاتا ہے کہ اس نے اس طرح سے مانگا ہوا پانی پینے سے انکار کر دیا اور سو کر اپنی پیاس بجھائی[102]۔ پوئیگائی کی کامیاب سفارش اُس کے فوراً بعد کا واقعہ معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت

کی کتابوں سے ہم کو یہ شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں۔ ان میں جس صورتِ حال کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ غیر معتبر نہیں معلوم ہوتی۔ ان دونوں راجاؤں کے اقدامات کسی عمومی اصول کے تحت نہیں ہوتے تھے اُن کے آپس کے تعلقات نجی سطح پر ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں یہ امر بالکل قدرتی معلوم ہوتا ہے کہ ایک راجہ جو اپنے زمانے کے معیارِ شجاعت پر پورا نہ اُترا ہو، اور جو اسیری کے غم میں گھُل رہا ہو، ایک ہوشیار شاعر کی سفارش پر رہا کر دیا گیا ہو جس نے فاتح راجہ کو اس کی کامرانی پر شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کر کے راضی کر لیا ہو۔[۱۰۳] اگر کوچین گنان کے مذہبی عقائد کے متعلق ہمارے پاس کوئی اس وقت کی شہادت نہیں ہے۔ تاہم اس کی مذہبی سرگرمیوں کے بارے میں ستروّ منگائی اور سمبندار نے جو اشارے کیے ہیں وہ غالباً صحیح ہیں۔ یہ قیاس اور بھی پختہ ہو جاتا ہے کہ پوئیگار جو "کلا ولی" کا مصنف ہے اور آلوار دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔[۱۰۴] تیروّ منگائی آلوار نے تِروّ نارائیور کے متعلق اپنے ایک بھجن[۱۰۵] میں کوچین گنان کے کارناموں اور اس کی "تروِ نارائیور" ہیں پوجا کو ٹیپ کا مصرع بنایا ہے۔ اب اس بات میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی کہ آلوار دراصل اس ممتاز چولا حکمران کو اس کی میدانِ کارزار میں بہادری کی وجہ سے اُس شیو بھگت کے روپ میں دیکھ رہا ہے جس نے تِروِنارائیور میں وشنو کی پوجا کرنے کے علاوہ شیو کے ستر خوبصورت مندر تعمیر کروائے تھے۔ اس نے شینگانن کے حریف کی ہاتھیوں کی پلٹن، خود اُس کے گھوڑ سوار دستے، اور جنگلوں میں اُس کے کردار کا جو خصوصی ذکر کیا ہے، وہ ایک اہم کڑی ہے جو اس تذکرے کو "کلاولی" سے ملا دیتی ہے۔[۱۰۶] جس میں اس طرح بار بار اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ چیرا راجہ کے ہاتھیوں کے مقابلے میں چولا راجہ کی کامیابی کی بڑی وجہ اس کی فوج کے پیدل اور گھوڑ سوار دستے تھے۔ تِروّ منگائی سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ سنگانن کی حکومت چولا ملک کے باہر بھی بہت دُور تک پھیلی ہوئی تھی،[۱۰۷] "آلندا" اور "وینی" کے مقامات پر اُس نے لڑائیاں لڑی تھیں اور ولیندائی ویل نام کے ایک سردار کو جنگ میں مار ڈالا تھا۔ نانا سمبندا اور سندر موَرتی کے بھجنوں میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ آمبر، وائیگل اور نیّ لم کے شو مندر شینگانن ہی نے تعمیر کرائے تھے۔ راجہ سُندر چولا کے عہد کی[۱۰۸] "اَن بِل" کی تانبے کی تختیوں میں یہ ذکر عام ہے کہ کوچین گنان نے سارے ملک میں گوزیش کے مندر بنوائے۔ جب کہ تِروُ النگاڈو کی تختیوں میں مکڑی والی کہانی کی طرف اشارہ ہے۔ اَن بِل میں شینگانن کے بیٹے تلاڈِکن کا ذکر بھی

ہے۔ "پیریا پُرانم" تک پہنچتے پہنچتے یہ نام اتنا بدل جاتا ہے کہ پہچانا نہیں جاسکتا۔ یہاں اس کا ذکر شبھ دیو اور کملاوتی کے بیٹے کی حیثیت سے آتا ہے جس نے "جمبوکیشورا" کی تعمیر کرائی تھی۔ شیکی لار کے تذکرے میں یہ بے بُنیاد واقعہ بھی درج ہے کہ مصنوعی ذرائع سے شینگانن کی پیدائش میں تاخیر کرادی گئی تھی۔ تاکہ وہ ایک خاص مبارک گھڑی میں پیدا ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بعض بھولے بسرے قصوں کو یہاں مبالغہ آرائی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ شیکی لار کے تذکرے میں شینگانن کا نام اُس کی چولا خاندان میں پیدائش اور "جمبوکیشورا" کے علاوہ بہت سے شِو مندروں کی تعمیر، چند ایسے عناصر ہیں جو نائینار کی شخصیت کی قطعی طور سے نشان دہی کرتے ہیں۔

تاریخ وار سلسلۂ واقعات

اس سے پیشتر کہ ہم قدیم چولا راجاؤں کی منتشر سوانح کا ذکر کریں، یہ ضروری ہے کہ ہم ان کے عہد کا تعین جیسا کہ اب تک کر چکے ہیں اس سے زیادہ قطعیت کے ساتھ کریں۔ ایک بات البتہ صاف ہے کہ یہ راجہ اس قدیم عہد سے بھی بہت پہلے گزرے ہیں جہاں تک موجودہ تاریخی دور کی یادگاروں کی مدد سے ہماری رسائی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اُرآئیور اور کاویری پٹنم کے نام ابھی تک باقی ہیں۔ لیکن ان مقامات پر ابھی تک کوئی ایسی چیز دریافت نہیں ہو سکی ہے جو ان کی گذشتہ عظمتوں کا تھوڑا سا بھی سراغ دے[109]۔ اب صرف ادبی کتابوں کی شہادتیں اور پاس کی ہم عصر ریاستوں کی تاریخ ہی ہمارے علم کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ جب پہلی بار یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ لنکا کا راجہ گجا باہو جو چیرا راجہ شینگو ٹوون کا ہم عصر تھا، دراصل "مہاوسا" میں مذکور راجہ گجا باہو اوّل تھا جس نے ۱۱۳ عیسوی سے ۱۳۵ عیسوی تک حکومت کی تو ڈاکٹر ہلتش نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا[110] کہ "شری کمارا سوامی کی دانش مندی کے مناسب احترام کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ میں اس نظریے کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جب تک کہ ان دونوں گجاباہو راجاؤں کا ایک ہی شخص ہونا محض ان کے ناموں کی مطابقت ہی سے نہیں بلکہ داخلی وجوہ سے بھی تصدیق نہ ہو جائے اور تاوقتیکہ لنکا کے تاریخ وار سلسلۂ واقعات کا تنقیدی جائزہ نہ لیا جائے۔" اس تاریخ وار سلسلہ واقعات پر اب بہت کافی بحث کی جا چکی ہے اور اس کے نتیجہ میں[111] لنکا کے قدیم راجاؤں

کے عہد کا تعین جتنا ممکن تھا کیا جا چکا ہے۔ لنکا کے راجاؤں کی فہرست میں بارہویں صدی عیسوی سے پہلے صرف ایک ہی گجا باہو کا ذکر آیا ہے، جس نے ۱۷۳ء سے ۱۹۵ عیسوی تک حکومت کی۔[۱۱۲] لہذا سوال صرف یہ ہے کہ نظم "شلپدی کارم" میں راجہ "شینگوتون" اور راجہ "گجا باہو" میں جو مطابقت ظاہر کی گئی ہے اس سے تسلیم کر لیا جائے یا اس کے رومانی اور مافوق الفطرت عناصر کے پیش نظر اس کو غیر معتبر قرار دے کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر ہمارے پاس کوئی اور حقائق نہ ہوتے جن پر غور کیا جا سکتا تو ایسے سوال کا ہم کوئی شافی جواب نہ دے سکتے۔ لیکن کئی ایسی باتیں ہیں جو اس مطابقت کو اور اس سے جو تاریخ وار سلسلۂ واقعات معلوم ہوتا ہے اس کو، رد کر دینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور بنا دیتی ہیں۔

سنگم کی شعری تصانیف، سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں کی کلاسیکی کتابوں مثلاً پیری پلس اور ٹالیمی کے جغرافیہ میں جنوبی ہند کے تذکرے اور وہاں کے متعدد واقعات سے قدیم رومن سلطنت کے سکے جو کثیر تعداد میں برآمد ہوئے ہیں، ان میں مکمل مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس سے تاریخ کا کوئی بھی غیر متعصب طالب علم اس نتیجے پر پہنچے گا کہ تامل شعری تصانیف، مذکورہ بالا کلاسیکی کتابیں اور رومن سکے سب ایک ہی زمانے کی تخلیق ہیں۔[۱۱۳]

اس بات کی جانب پہلے بھی توجہ دلائی جا چکی ہے کہ "مہاوامسا" میں جہاں تامل دیش اور لنکا کے قدیمی تعلقات کا ذکر ہے۔ وہاں کئی جگہ تامل سرداروں اور راجواڑوں کے نام آتے ہیں۔ یہی نام حالات کے تقاضے کے مطابق قدرے بدلی ہوئی صورت میں "پورنا نورو" اور "پتو پالٹو" نامی کتابوں میں مذکور ہیں۔ "مہاوامسا" میں ایلارا کی کہانی بلاشبہ تامل دیش کے اس چولا راجہ کی کہانی ہے جو لنکا میں دہرائی گئی اور جس میں ایک بچھڑے کو کچل دینے کے جرم میں راجہ نے اپنے بیٹے کو سزائے موت دی تھی۔ "مہاوامسا" راجہ ایلارا کے عہدِ حکومت کا تعین دوسری صدی قبلِ مسیح کے دوسرے نصف اور دوسرے تامل راجاؤں کا عہد پہلی صدی قبل مسیح کے دوسرے نصف میں متعین کرتی ہے۔ اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ "مہاوامسا" کے ابتدائی باب پانچویں صدی عیسوی میں اور پہلے کے تذکروں کی مدد سے تالیف کیے گئے تھے،[۱۱۴] تو ہم دیکھیں گے کہ جزیرۂ لنکا کی قدیم تاریخ کے اس حصے

میں تامل راجاؤں کے اس جزیرے پر حملوں کے بے ترتیب تذکرے محض بے بنیاد افسانے نہیں ہیں بلکہ یہ ہمارے لیے اصل واقعات کی ایک دھندلی تصویر فراہم کرتے ہیں اور ان واقعات کی جو تاریخیں بتائی گئی ہیں وہ تامل دیش کی سلسلہ وار تاریخ مرتب کرنے کے لیے بے کار نہیں ہیں۔[115]

اس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ تینوں "دیورم" بھجن لکھنے والوں، اور پیترو منگائی الوا کی تاریخیں جو ساتویں صدی میں اور اس کے بعد تعین کی گئی ہیں، اس کے لیے کافی وجوہ ہیں۔ آپار جوان میں سب سے پرانا مصنّف ہے اس صدی کے ابتدائی حصّے میں رہا ہوگا۔ تامل لٹریچر کا ایک بالکل سرسری مطالعہ کرنے والا طالب علم بھی ان متبرک نفوس کی تصنیفات اور سنگم لٹریچر میں جو فرق زبان، الفاظ، اندازِ بیان کا ہے اس کو ضرور محسوس کرے گا۔ اِس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سنگم لٹریچر کی تصنیف کئی صدیوں میں ہوئی ہے۔ آپار کو سنگا نن کے ایک مکڑی سے چولا راجہ بن جانے کی کہانی کا علم ہونا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی شخصیت پہلے ہی سے قدیم افسانوں کا موضوع بن چکی تھی، اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جن قدیم چولا راجاؤں کا ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے شینگانن بظاہر اُن کے متاخرین میں سے ایک تھا۔

مندرجہ بالا باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ گجا باہو نام کے دو راجاؤں کو ایک ہی شخص صرف ناموں کی مطابقت ہی پر منحصر ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ نتیجہ ناگزیر ہوگا کہ چونکہ شینگوتون اور اس کے ہم عصروں کی کچھ نسلیں پہلے گزر چکی تھیں اور کچھ بعد میں ہوئیں اس لیے سنگم کا زمانہ عیسوی سن کی پہلی تین یا چار صدیوں میں رہا ہوگا۔

منی میکھلائی اور دِنّاگا

"منی میکھلائی"، نامی نظم کے انتیسویں باب کا دِنّاگا کے "نیائے پرواسا" سے کیا تعلق تھا، اس پر جو بحث حال میں چھڑی تھی وہ اتنی تصفیہ کُن نہیں ثابت ہوئی جتنا کہ پہلے سمجھی جاتی تھی یہ باب اور "نیائے پرواسا"، اس طرح ایک دوسرے سے مشابہ ہیں کہ یا تو "نیائے پرواسا"، "منی میکھلائی" سے مستعار لی گئی ہے یا "منی میکھلائی" میں

اُس کا اضافہ کیا گیا ہے۔[116] ایسے بھی قرینے ہیں جن کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ "منی میکھلائی" میں "نیائے پرواسا" شامل کر دی گئی ہے۔[117] لیکن یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ انتیسویں[29] باب کے شروع میں منطقی اصولوں کی ایک سادہ تشریح دی ہوئی ہے[118] اور یہ کہ "نیائے پرواسا" میں جس طرح مغالطوں کا پردہ فاش کیا گیا ہے وہ بعد کی ایک بھونڈی توجیہہ ہے جس کی بنیاد اس غیر ممکن مفروضے پر ہے[119] کہ "ورشٹانت" میں "اُپنائے" اور "نگمن" شامل ہیں۔ ہماری رائے میں تو یہ بیان خود اس باب کی اصل حقیقت ظاہر کر دیتا ہے۔ اپنی اصلی صورت میں اس باب کے شروع میں محض تشریح ہی شامل تھی۔ جو اپنے مواد کے اعتبار سے "دِنّاگا" سے پہلے تھی اور پانچ بند کے ایک قطعہ کی صورت میں تھی۔ "دنّاگا" کے کسی عقیدت مند طالب علم نے تامل دنیا کو "نیائے پرواسا" سے روشناس کر کے اپنے گورو کی شہرت کو چار چاند لگانے کے لیے یہ ترکیب سوچی کہ اُسے تامل بُدھ مت کی معیاری داستانوں میں شامل کر دیا جائے۔ لیکن پانچ قطعے میں جب ایسا کرنے میں مشکل پڑی تو اس نے اس مشکل کو بڑے بُرے طریقے سے حل کیا۔ یعنی یہ کہ مغالطوں کے متعلق ایک بحث جس کی بُنیاد تین بند کے قطعہ پر تھی اصل باب میں شامل کر دی۔

تیسرا باب

حاشیے

اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے تاہم دیکھیے

۱ ص ص ۱۶ صفحاتِ ذیل اور " " ص ص ا تا ۱۸ اور ۷۰ تا ۷۲۔

جدید مصنّفین نے ایک مبہم اور مہمل سطر " پڑنگو۔ نلیَ - باڈ تو۔ اُڑاندیَ۔ پوکی " کا

۲ مفہوم عام طور پر یہی سمجھا ہے۔ یہ عبارت " پٹنّا پالائیَ " کے پہلے باب کی سطر ۲۸۵

۔لیکن کاکندی کے نام سے (جو "منی میکھلائیَ " ۲۲ × ۱۰، ۳۷ میں دیا ہوا

ہے) یہ شہر قدیم زمانے ہی سے بہت مشہور تھا۔ مقابلہ کیجیے "پتّو پاٹو ۳ " (۱۹۳۱)

کے صفحہ ۵۶۱ پر حاشیہ نمبر ۲ سے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کی ایک سوما نامی راہبہ

کا ذکر دوسری صدی قبل مسیح کے برہُت کے کتبوں میں آیا ہے (لُودرس۔ نمبر ۸۱۷)۔

"شلبدی کارم " میں اُرائیور (کولی) کے آباد ہونے کا باعث یہ بتایا گیا ہے کہ اس

مقام پر ایک مُرغ ایک ہاتھی کے ساتھ لڑائی میں جیت گیا تھا (۱۱ × ۲۴۷-۸

کنکا سبھائیَ کی تصنیف

۳ (۱۹۰۴) آج بھی کئی لحاظ سے ۔ لیکن چونکہ اسے تنہا ایسے مسوّدات پر

کام کرنا پڑا جو اُن دنوں میں ٹھیک طرح سمجھے نہیں جا سکے تھے، اس لیے وہ ان سے

کچھ نتائج اخذ کرنے کی فطری خواہش کا شکار ہو گیا۔ ان مسوّدات پر اس وقت تک

کوئی صحیح تنقید نہیں ہو سکی تھی۔ پنڈت ایم راگھوا آئینگر کی تصنیف "شیرن شینگوٹونَ"

(طبع دوم۔ ص ص ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ حاشیہ) میں چیرا اور چولا خاندانوں کے ان شجرہ

ہائے نسب کی ترتیب پر کئی معقول اور جائز اعتراضات اٹھائے گئے ہیں جو کنکاسبھائی

نے فراہم کیے ہیں۔ لیکن پنڈت نے چولا شجرۂ نسب کی جو ترتیب پیش کی ہے خود وہ

بھی یقین کے قابل نہیں ہے، گویہ ماننا پڑے گا کہ اب تک پیش کیے گئے خاندانی شجروں میں سے یہ بہترین شجرہ ہے۔ مندرجہ ذیل حقائق اور بیانات محض ایسے مفروضات پر مبنی ہیں جو بظاہر خواہ کتنے ہی معقول اور مدلل ہوں، یقینی شہادتوں کا درجہ نہیں رکھتے مثلاً یہ کہ کری کال کے دو بیٹے تھے منارکلی اور پیروُورڈکلی۔ اور یہ کہ نیڈن کلی بھائی تھا نڑچونئی کا۔ اور یہ دونوں منارکلی کی اولاد تھے اور یہ بھی کہ پیروُنڑکلی جو "راجسوئم" کے باعث مشہور تھا، (پورم نمبر ۱۶) نیڈن کلی کا بیٹا اور وہی شہزادہ تھا جس نے ملائیامان ترووُمڈی کاری کے پاس پناہ لی تھی۔ (پورم نمبر ۱۷۴) اور یہ کہ کلی وتون جس کا ذکر "منی میکھلائی" میں ہے اور نلن کلی جو نیڈن کلی کا دشمن تھا، دونوں ورزکلی کے بیٹے تھے۔ پھر یہ بات بھی غیر ممکن دکھائی دیتی ہے کہ ارائے سوئم وبیٹا پیرونرکلی کی امداد یک وقت شینگوٹون اور ملائیامان ترووُمڈی کاری دونوں نے کی ہو۔" شلپدی کارم"

۱۱ : ص ۱۱۸-۲۲ : اور پورم نمبر ۱۷۴ کی عبارتوں میں کوئی بھی یہ تاثر نہیں دیتی کہ یہ شناخت درست ہے بلکہ ان میں اس کے برعکس دونوں میں فرق ظاہر کرنے والی باتیں زیادہ ہیں۔

۴ منی میکھلائی : شینگدِرچ چیلوَن ترُوکلم - پدِگم - ۱ - ۹ - شل - ۲۷ :
۱۱ : نمبر ۱-۲

۵ منی میکھلائی - پدِگم، ۱۱ : ۱۰ - ۱۲

۶ منی میکھلائی آ ا x x ۱۱ - ۲۵ تا ۲۷

۷ پورم ۳۹ - اور اُس کے تحت حوالہ۔ اس میں شبو کے ترپُرراکھشس کے قتل کرنے کی کہانی کا حوالہ ہے۔

۸ منی میکھلائی۔ ا، ۱۱ - ۱ تا ۹

۹ منی میکھلائی۔ آ ا x x - ۱، ۱۰ ۲ - اور حاشیہ - یہ بات قابلِ غور ہے کہ مذکورہ کہانی کا پہلی تالیفات میں ذکر نہیں آیا۔

۱۰ پورم ۳۷ - ۱۱، - ۶ - اور حاشیہ

۱۱ ایضاً ۱، ۶

۱۲ اس کہانی کا مقامِ وقوع "پیریاپرُانم" میں، جوکہ بارہویں صدی عیسوی کی تصنیف

تھی، ترو وار وُر بتایا گیا ہے۔

۱۳ اُرُو وپہریر "پرنار (پوُرم ۴) اور پیرّن گنُرور کلار نے (پوُرم) ۲۶۶ میں) اس کی تعریف کی ہے "پورنرآرُو پڈی" کی سطر نمبر ۱۳۰ میں اس کا کرِی کال کے ساتھ رشتہ واضح کیا گیا ہے۔

۱۴ "پورُونرآرُوپڈی" کے آخری حصّے میں شعر نمبر ۳

۱۵ "پٹنا پالائی" ۔ ۲۲۰ تا ۲۲۸ ۔ اور پورُنر ۱۱ ۔ ۱۳۱ وصفحاتِ ذیل ۔ جن کا ترجمہ نیچے دیا گیا ہے ۔" پلمول " میں ایک وینبا ، میں بتایا گیا ہے کہ پڈرتلانی نامی ایک شخص نے کرِی کال کی بہت مدد کی تھی ۔

۱۶ نچھی نار کنیار نے ایک مہمل سی کہانی کے ذریعے اس کی وضاحت کی ہے ۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہی ہے کہ وہ بالواسطہ چولا خاندان کی اولادِ نرینہ میں سے نہیں تھا اور یہی حقیقت اس کی ابتدائی مصیبتوں کا باعث بنی اور اس کے والد کے نام الائیون کا باعث بھی ، جس کے معنی ہیں " شہزادہ " ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی تصنیف " قدیم بھارت " صفحہ ۹۲

۱۷ اصل متن میں یہ عبارت یوں ہے ۔" ارُو پیرُو ویندرُم اورُوکلت توِیا " رپورونار کا صفحہ ۱۴۲) ۔ نچھی نار کنیار اس کے یہ معنی لیتا ہے کہ وہ مر گئے ۔ (پڈرُم پڈی) لیکن ہم جانتے ہیں کہ چیرا حکمران کی پیٹھ میں زخم لگا تھا اور اس نے دانستہ بھوکے رہ کر خودکشی کر لی ۔" وڈکرُتل " اس پر ملاحظہ ہو پوُرم نمبر ۶۵ ۔ ۔ ۹ تا ۱۱ ۔ اور اس کے نیچے پنڈت وی سوامی ناتھ نائر کا حاشیہ ۔ نیز دیکھیے کا صفحہ ۲۰ اور اس کا حاشیہ ۔

۱۸ " اہم " ۵۵ - ۲۴۶ ، نیز پورم ۶۵ - ۶۶

۱۹ " وال وڈکرُندنن " (پورم ۶۵ ، ۱ ، - ۱۱) کے معنی یہ معلوم نہیں ہوتے کہ راجہ نے اپنا گلا تلوار سے کاٹ لیا (پی ٹی ۔ سری نواسا آئینگر کی تصنیف " تامِلز " صفحہ ۳۳۶) بلکہ یہ کہ جب وہ فاقہ کشی سے مر رہا تھا تو اس کے ہاتھ میں تلوار تھی جس سے اس کے اقدام کا سبب ظاہر ہو جاتا ہے ۔ والوڈو وڈکرمدان " (تفسیر)

۲۰ میں یہ بات ایک بار قطعی طور پر کہہ دوں کہ ذیل کے ترجموں میں میں نے تمام

موجودہ تراجم سے استفادہ کیا ہے۔ کنکا سبھائی۔ پوپ۔ پی ٹ۔ سری نواس آئینگر۔

۲۱ یہ قصّے کہانیوں میں مذکور ایک اور چولا راجہ کا حوالہ ہے۔

۲۲ "اہم" ۱۲۵

۲۳ ۱۱، ۲۲۸ تا ۲۷۳۔ مندرجہ سطور نمبر ۲۷۴ تا ۲۸۲ کا یہاں ترجمہ درج کیا گیا ہے۔

۲۴ "اہم" ۱۴۱۔ "شیلکڈی ہزمتا پیڑ مبیارک کری کال"۔ اس نظم کے بارے میں غلط طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ اس میں کُڑمبر کی جانب اشارہ ہے۔

۲۵ کاڈو کونٹرو ناڈا کی کُلندو ٹو ولم بیُرتی یعنی قابلِ آبادی رقبے میں اضافے اور توسیع کے لیے جنگلات کو کاٹنا اور اراضی کی زرخیزی بڑھانے کے لیے تالاب کھودنا پٹنا پالائی۔ ۲۸۳۔ ۸۴

۲۶ ایضًا۔ ۲۹۵۔ ۹۹

۲۷ تولکا پیّم۔ پورل۔ اہم۔ ۳۰۔ باب ۸

۲۸ شِلپدی کارم۔ ۱۱، ۱۱ صفحہ کے آگے اور حاشیہ

۲۹ پورم ۲۲۴

۳۰ شِلپدی کارم ، ۸۹۔ ۱۱۰

۳۱ کاویر۔ تنیا۔ ویلونگھنا۔ پرتسنا۔ پڑکھا۔ دیا ینکا تشائے کارِناد۔ کریکالسیہ۔ نمبر ۳۵، ۱۱، ۳ تا ۵

۳۲ "وہ جس نے اپنے تمام مطیع راجاؤں سے کاویری کے کنارے تعمیر کروائے۔ اور ان راجاؤں کا سربراہ پلّو حکمران تری نیتر تھا جس کی تیسری آنکھ اس کے کنول جیسے پاؤں نے اندھی کر دی تھی۔"

۳۳ ان نکات پر مفصّل بحث کے لیے دیکھیے "" مقالہ نمبر

۳۴ اگرچہ بعض حاشیوں میں نیڈُن رگلّی کا ذکر بغیر اُس کے اوصاف کے کیا گیا ہے تاہم ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے یہ غلط معلوم ہو کہ وہ وہی حکمران تھا جو کاریاڑ دُ میں مارا گیا تھا۔

۳۵ پوڑم ۴۳

۳۶ پوُرنا نورُو کی تمہید۔ ص ص۔ ۳۹۔ ۴۰۔

۳۷ X I X II ئے ۱۲۵ - ۲۷

۳۸ پنڈت ایم راگھو آئینگر - حوالۂ سابقہ ص ص ۱۰۱ - ۲ -

۳۹ پوُرم ۲۷ - ۱ - ۱۰

۴۰ پوُرم ۳۱ - کنکا سبھائی - ص - ۳۷

۴۱ پوُرم ۴۵ - کنکا سبھائی - ص - ۳۷ تار کا درخت چیرا خاندان کا اور نیم کا درخت پانڈیا خاندان کا شاہی نشان تھا -

۴۲ پوُرم ۳۷ - کنکا سبھائی - ص ص - ۴۷ - ۷۵

۴۳ پوُرم ۳۰، ۱۱، ۱۰ - ۱۲

۴۴ ایضاً ۴۰۰، ۱ - ۱۹

۴۵ ایضاً ۲۷، ۲۹

۴۶ پوُرم ۶۱ کے حاشیے میں دیکھیے جہاں اس کا ذکر نلن کلّی شیت چینی کے نام سے کیا گیا ہے -

۴۷ پورم ۴۴ - کنکا سبھائی ص ص ۳۷ - ۴۷

۴۸ پورم ۴۷ - کنکا سبھائی ۳۷

۴۹ پورم ۳۷۳

۵۰ ص ۲۵۰ حاشیہ نمبر ۲ - ڈاکٹر پوپ کا کہنا ہے کہ کُراپ پال اور "کُل مُرَم" (تالاب کے کنارے کی حویلی) ایک ہی چیز ہیں -

۵۱ پورم ۳۶

۵۲ پورم ۱۷۳

۵۳ پورم ۶۹ - ۱ - ۱۲

۵۴ ص ص ۲۵۱ - ۵۲ ؛ پورم ۳۵ : میں نے پوپ کا کیا ہوا ترجمہ جوں کا توں لکھ دیا ہے -

۵۵ پوُرم ۳۶ - A I ایضاً - ص - ۲۵۲

۵۶ پوُرم ۳۷ - A I ایضاً

۵۷ پوُرم ۴۰ A I ایضاً ۲۵۴

۵۸ پورُم ۳۷۳

۵۹ اہم ۴۴۵

۶۰ یہ شناخت سب سے پہلے کنکا سبھائی نے صفحہ ۷۶ پر کی تھی۔ لیکن جب وہ اس راجہ کی شناخت کرتے ہوئے اُسے ذیل کے دو حکمرانوں میں سے ایک قرار دینے کی مزید کوشش کرتا ہے تو اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی (۱) وَلوتن کلی جو چیرا راجہ شینگوُٹن کا "میتُنن" تھا اور جسے چیرا حکمران ہی نے ایک بغاوت کو فرو کرنے کے بعد تخت پر بٹھایا تھا جس میں شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے نو شہزادوں نے حصّہ لیا تھا، لیکن جو نیری وائل کی جنگ میں ہار گئے تھے (صفحہ ۷۵) (ب) منی میکھلائی میں مذکور چولا راجہ جو اُدیے کمارن کا والد تھا۔ یہ یقینی نہیں ہے کہ پاؤں کے کڑے اور جواہرات کے کمر بند والی دونوں رزمیہ داستانیں بھی اسی عہد کی تخلیقات تھیں جس عہد میں "پورنا نورُو" اور دیگر تالیفات قلم بند کی گئیں۔ اور یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ کس حد تک ان داستانوں میں بیان کیے گئے واقعات تاریخی حقائق قرار دیے جانے کی بجائے ایک رومانی افسانہ سمجھے جا سکتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر ان مختلف حکمرانوں سے تعلق رکھنے والے واقعات میں کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی جن کی شناخت کنکا سبھائی کو مقصود ہے۔ "شلپدی کارم" (۱۱۸) کی اصطلاح "میتُنا دلوں کلی" دراصل کلی دلون کے ہم معنی نہیں ہے اور چونکہ پورُم میں کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ موخر الذکر کی تخت نشینی متنازعہ تھی لہذا ہمیں اس شناخت کو درست تسلیم کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جیسے پنڈت ایم راگھو آئینگر نے واضح کیا ہے۔ (حوالہ سابقہ صفحہ ۲۳) شینگوُٹن کا چولا ہم عصر "شلپدی کارم" کے مطابق پیرُن کلی تھا جسے ادیار کنلار نے پیرُو نرکلی کے نام سے موسوم کیا ہے اور خود پنڈت نے اسے راجہ سُویم دیٹ پیرونٹر کلی شناخت کیا ہے اور یہ خیال کنکا سبھائی کی رائے کے مقابلہ میں زیادہ معقول ہے۔ کاریاڑو کی لڑائی کے ذکر کی اس تصنیف میں عدم موجودگی اور کُل مُڑ تو تُنجیا کلی ولون کے خلاف پانڈیہ اور چیرا حکمرانوں کا ایک ساتھ ہونا اور ورنجی کے محاصرے اور تسخیر، نیز مدُورا میں اس کی شکست

ان سب باتوں کے ذکر کا نہ آنا اُس کے دوسرے نظریے کی یکسر تردید کرتا ہے، کیونکہ یہ تمام باتیں کنکا بھائی نے درست تسلیم کی ہیں (مزید ملاحظہ ہو پی ٹی سری نواس آئینگر کی (ص ص ۴۳۰ - ۳۱ -

۶۱ پورم ۴۶ : ص ۲۵۶

۶۲ پورم ۳۹ : ص ص ۲۵۳ - ۵۴

۶۳ پورم ۲۲۶ : ۲۸۳

۶۴ پورم ۲۲۷ : ۲۸۴

۶۵ کرُندوگائی نمبر ۲۰ - ۵۳ - ۱۲۹ - اور ۱۴۷ کا مصنّف

۶۶ لیکن گرامر کے ماہر اس کی تشریح "آدن تندئی" (یعنی آدن کا باپ) کرتے ہیں

۶۷ پورم ۱۸۴

۶۸ "کرُل" پر پریمیلا لگر کا اظہار خیال صفحہ ۷۸۵ - اور "تولکا پیسّم" پر پنجھی نار کنیار کا اظہارِ رائے - کرپوُ - سُوتر - ۵۲

۶۹ پورم ۱۹۱ : ص ۳۰

۷۰ پورم ۲۱۲ : ایضاً

۷۱ الفاظ کی شعبدہ بازی ہے۔ "پوتی" کے معنی ہیں کھوکھلا - لیکن اس "پوتی" میں کوئی کھوکھلا پن نہیں ہے -

۷۲ پورم ۲۱۳ : ایضاً - ص - ۲۹

۷۳ پورم ۲۱۴ : ص ص ۲۹ - ۳۰

۷۴ پورم ۲۱۵ - ۲۱۶

۷۵ پورم ۲۱۷

۷۶ پورم ۲۱۸ - ۲۱۹

۷۷ پورم ۲۲۲ - واضح طور پر اس کا مطلب ہے کہ حاملہ بیویوں کے شوہر "وڈکرُتّل" کا استحقاق نہیں رکھتے

۷۸ پورم ۲۲۰ - ص ۳۲

۷۹ پورم ۲۲۱ - ایضاً

۸۰ پورم ۳۶۷- کنکا سبھائی -ص ۸۷

۸۱ پورم ۱۶ - پی ٹی سری نواس آئینگر نے یہ قیاس کیا ہے کہ یہ نظم اس جنگ کی روداد ہے جس میں "راجہ کو تمام کی تمام چولا سلطنت کو اپنے قبضے میں لانے سے پہلے سرکش چولا حکمرانوں کو شکست دینی پڑی تھی" "تامِلز" صفحہ ۴۳۲ - اوپر جس دوسری نظم کا ذکر کیا گیا ہے وہ "پورم" ۱۲۵ ہے۔

۸۲ درحقیقت پنڈت وی سوامی ناتھ آئر نے یہ رائے ظاہر کی ہے (آئینگرُو نورُو" کی تمہید ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵ پر) کہ دشمن چیرا راجہ وہی تھا جس کا نام یا نائیکت چماندرن جیرل اِرُمپورائے - بتایا گیا ہے اور جسے پانڈیہ راجہ نیڈن جیلین نے جوتلا ئیا لنگنم کا کا فاتح تھا، شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا - اگرچہ اس مؤرخ کی رائے بہت بڑا وزن رکھتی ہے لیکن یہاں مجھے اُس کی یہ رائے ماننے میں تامّل ہے - تاہم دیکھیے سُری کے وی ایس نائر کی کتاب صفحہ ۲۰۲

۸۳ پورم ۲۰۳

۸۴ پورم ۱۳

۸۵ کنکا سبھائی نے اس راجہ کو غلطی سے کری کال شناخت کیا ہے - ملاحظہ ہو پی ٹی سری نوا سا آئینگر کی تصنیف صفحہ ۳۶۷ - حاشیہ

۸۶ پورم ۵۸ : کنکا سبھائی ۶۸ - ۶۹

۸۷ پورم ۱۹۷

۸۸ پورم ۶۲ - ۶۳ - ۳۶۸

۸۹ پورم ۸۳ - ۸۴ - ۸۵

۹۰ پورم ۸۰ - ۸۲

۹۱ پورم ۸۰ - ۳۵۲ - ۳۹۵ : اہم ۶ - ۱۲۲ - ۱۵۲ - ۱۸۸ - ۲۲۶

۹۲ اہم ۲۲۶

۹۳ اہم ۶ - پرنار

۹۴ پورم ۱۹۰

۹۵ پورم ۹۳۹

۹۶ پورم ۴۷

۹۷ اس پر کہلتش کی بحث دیکھیے۔ ص ص۔ ۱۵۲ - ۵۴، ۲۵۳، ۲۷۷-۷۹

۹۸ " اپڑ کرڈو کئی "۔ - ۴ - ترُو پاشوُر (ترُوتانڈکم)۔ ۷ - ۶ - بنیز " سندرر ترُو واڈ توُرائی " ۷ - ۲ : ترُو والنگاڈو کی تختیاں ۔ ۷ - ۴۳ - لوُنا ۔ لوُتانگ بندھا۔

۹۹ اس نظم کے ترجمے اور تنقید کے لیے جو کنکا سبھائی نے قلم بند کی ہے، دیکھیے ص ص۔ ۲۵۹ - ۶۵

۱۰۰ دیکھیے شیرن آشینگوٹن ۔ص۔ ۱۸۳ : اہم ۴۴ میں لڑائی سے قبل کی کچھ تفصیلات دی گئی ہیں۔

۱۰۱ یہ اشارہ اس رواج کی طرف ہے جس کے تحت وہ راجگان جو طبعی مر جاتے تھے۔ " ویر سوُرگ " کو پراپت تبھی سمجھے جاتے تھے اگر ان کی لاشوں کا آخری سنسکار کرنے سے پہلے اُن کو تلوار سے کاٹ دیا جاتا تھا۔م۔ یہ۔ منی میکھلائی ۱۱، ۱۴

۱۰۲ اس پورم کے حاشیے میں درج لفظ " تنجیا " کے معنی " سوگیا " لینے چاہئیں نہ کہ " مرگیا "۔ صرف یہی طریقہ ہے جس سے اس حاشیے اور " کل ولی " کے حاشیے میں باہمی معنوی مطابقت ڈھونڈی جا سکتی ہے۔ دیکھیے ص ص۔ ۱۴-۱۶

۱۰۳ اگر اہم ۴۴ میں ہم " کنا ئیبن " کو کنائی کا لی رُمپورائے کا مخفف قرار دیں تو زیادہ پریشانی سے بچا جا سکتا ہے۔ اس کے خلاف دیکھیے پنڈت انت راما آئرکی " کل ولی " کی تمہید۔ صفحات ۶-۷

۱۰۴ لیکن یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ بہت سے نامور علما دونوں پوتیگئیوں کو ایک ہی پوتیگئی قرار دینے کے نظریے کے مخالف ہیں۔ ان عالموں میں پنڈت ای۔ وی۔ انت راما آئر بھی ہیں جن کی رائے میں تینگنان بھی دو تھے (ملاحظہ ہو " کل ولی " کے اس کے لکھے ہوئے ایڈیشن کی تمہید۔ ص ۹) یہ بحث تمام تر علمی نوعیت کی نہیں ہے کیونکہ اس میں کسی نہ کسی طرح مذہب بھی خلط ملط ہو گیا ہے جو ایک اشتعال انگیز موضوع ہے۔ دسویں صدی یا زیادہ سے زیادہ گیارہویں صدی عیسوی کی ایک تصنیف " یاپرُنگلا ورُتی " کے اعداد و شمار کی بنا پر پنڈت ایم راگھو آئینگر نے

Sen Tamil

عہد سنگم کے مشہور پوئیگئی کو آلوار قرار دیا ہے (دیکھیے "تمین تامل" جلد اوّل - ا -
Alwar kal Kala
صفحہ ۶ - نیز "آلوار کل کال نلئی" طبع دوم ص ص ۲۳ - اور اس کے بعد کے صفحات)۔
"وِرُتی" کا مصنّف متعدد ایسے اشلوکوں کے حوالے دیتا ہے جن کو وہ پوئیگئیا آر کی
تخلیق بتاتا ہے اور ان میں سے بعض اشلوک آلوار کی پہلی "ترُووندادی" میں سے
لیے گئے ہیں (دیکھیے وِرُتی - صفحہ ۲۲۰ - جہاں متن قدرے مسخ شدہ معلوم ہوتا ہے -
صفحات ۳۵۰ - اور ۴۵۹ -- ۴۶۰ - وہ مذکورہ شاعر کو ان رِشیوں میں شمار کرتا
جن کی بصیرت میں ابدیت تھی (۳۵۰) - تاہم اس پوری کتاب میں جن اشعار کے
حوالے دیے گئے ہیں ان میں ایک بھی اشلوک "کل ولی" سے نہیں ہے اور
ترُومنگائی کا "پاشرمُ" بھی "کلُومَلم" اور "کل وَلی" کے متعلق یکسر خاموش ہے۔
لیکن اس بات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کہ پوئیگئی آلوار کے مذہبی بھجن سبھی "وینبا"
بحر میں لکھے ہوئے ہیں اور "کلوَلی" بھجنوں کی طرح ہیں، یہ امر قرینِ قیاس دکھائی
دیتا ہے کہ وہ ایک ہی مصنّف کی تخلیقات ہیں۔ (بالخصوص اس لیے کہ دونوں کی طرزِ
تحریر میں کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آتا)۔ اس رائے کے خلاف جو دلیل پیش کی جاتی
ہے وہ بھی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے، یعنی یہ ہے کہ پوئیگئی آلوار جیسا بھگت
اس حد تک نہیں گر سکتا کہ وہ دنیاوی حکمرانوں کی بیکار خوشامد کرنے لگتا۔ اور آلوار
نے خود بھی اس بات کا اظہار اپنے بھجنوں میں واضح طور پر کیا ہے۔ اس گتھی کا
مکمّل حل اس حقیقت میں مل جاتا ہے کہ "یاپرُنگلا وِرُتی" میں جن چند اشعار
کا حوالہ دیا گیا ہے اور جو اس آلوار سے منسوب کیے گئے ہیں، دراصل غیر بنیادی
موضوعات پر کہے گئے ہیں اور اُن میں راجاؤں کی ثنا و توصیف بھی شامل ہے۔ ہم یہ
قیاس کر سکتے ہیں کہ آلوار کا یہ بیان کہ اس نے اپنی زندگی کُلّی طور پر وشنو کے لیے
وقف کر دی ہے، دراصل اس کی زندگی کے کافی بعد کے مرحلے کا ہے جب اس
نے اپنی حقیقت کو پہچان لیا تھا۔ اس لیے جب تک ہم اس کی عمر کے متعلق
"گورُپرمپرائی" کی کافی دیر بعد کی روایات کو "یاپرُنگلا وِرُتی" کے مصنّف گن ساگر
کی قطعی گواہی کا تردیدی حربہ نہ بنائیں تب تک ہمیں پنڈت راگھو آئینگر کے نظریے
کی صداقت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ دوسری جانب کے بی سری نواسن پلّے کی تصنیف

تامل ورلاڑو" کے صفحات ۱۷۶ - ۷۷ - ملاحظہ کیجیے اور پنڈت ایس ایم وینکٹا سمی ناتار کا پونیگیار پر قلم بند کیا ہوا مقالہ پڑھیے جو "شین تامل چیلوی" نامی تصنیف کی جلد دوم میں دیا گیا ہے۔ نیز پنڈت اننت رام آئر کی تالیف کردہ "کل وَلی" کے ایڈیشن کی تمہید پڑھیے - پنڈت اننت رام آئر کا نیا خیال کہ شیو نائنار شینگنان دراصل کل وَلی" میں مذکور کو چنگنان سے ایک مختلف شخصیت ہے،" کل وَلی" کے متعلق "پیریا پُرانم" کی خاموشی پر مبنی ہے۔ پنڈت نے اپنی یہ رائے قائم کرنے کے لیے بڑی معصومیت سے ایک اور سبب بھی ڈھونڈا ہے۔ اس کے قول کے مطابق شیکی لار نے بھی مذکورہ نائینار کو دوسری شخصیت سے اس طرح ممیّز کیا ہے کہ وہ موخر الذکر کو سابقہ شینگنان یا شینگنان اوّل کہہ کر پکارتا ہے۔

۱۰۵ پیریا ترڈ مولی - ۶

۱۰۶ اس بھجن کے تیسرے بند کی تیسری سطر بحر اور وزن کے فرق کی گنجائش چھوڑ کر تقریباً "کل وَلی" کی نقل ہے۔ "کوائی - ماکلِرندی - وینی - پیر گلل منرّمنی مُڈی میل کاک میرا" نیز دیکھیے شعر نمبر ۴ - ۱ - ۳

۱۰۷ تین تاملن وڈ پلکون شولن (۵) : تینا ڈن کُڈّ کونگن شولن (۶) : ملاحظہ ہو بھجن کی سطر نمبر ۴ - ۶ - ۹ - نیز پنڈت راگھو آئینگر کی "آلوار کل کالنائی" کا صفحہ ۱۵۵ - اور اس کے بعد کے صفحات ولندائی کا "ویل" یقیناً چیرا کا ایک سپہ سالار کا ہوگا۔

۱۰۸ اکھلا - جن پدا - کلپتا - گوریشا - دھاما (:۱۳) صفحہ ۶۰

۱۰۹ - ۱۹۰۹ - ۱۹۱۰ صفحات ۱۶ - ۱۷

۱۱۰ صفحہ ۳۷۸

۱۱۱ دیکھیے صفحات ۱ تا ۴۷

۱۱۲ ایضاً - صفحہ ۹ - شمار ۴۳

۱۱۳ اوپر صفحہ ۲۸ پر ہم نے "پیری پلس" اور "ٹالیمی" کا جائزہ لیا ہے۔ (۱۹۰۴) میں جنوبی ہند میں رومن آثار کی دریافت پر جو بحث کی گئی ہے وہ جامع تر (ہ) ہے شمار ۲ - ص ص ۱۱۶ - ۲۱ بھی دیکھیے۔ رومن سلطنت کے غیر ملکی تجارت کی نوعیت اور سمت سے ہماری رائے کی صحت کی توثیق ہوتی ہے۔

۱۱۴ جیجر کا انگریزی ترجمہ ص ص

۱۱۵ پچھلا صفحہ ۲۳ اور اس کے بعد کے صفحات دیکھیے۔ نیز لنکا کی فہرست میں پنیا مار مارک اور پلینیا مارک کے ناموں پر غور کیجیے جو تامل لٹریچر میں مذکور پلینین مارن کی یاد دلاتے ہیں۔

۱۱۶ اے بی دھروا کی "نیائے پرویش" کا صفحہ

۱۱۷ اس نظریے کی وجوہات مختصراً یہاں بیان کی جارہی ہیں۔ "نیائے پرویش" کے سنسکرت کے متن کے شائع ہوجانے سے "منی میکھلائی" کی داستان اس وقت کی نسبت سے زیادہ قابلِ فہم ہوگئی ہے جب ڈاکٹر ایس کے آئینگر نے اپنی کتاب تصنیف کی تھی۔ حالانکہ "نیائے پرویش" میں تمام مغالطوں اور غلط فہمیوں کو لفظ بلفظ شائع کیا گیا ہے پھر بھی "منی میکھلائی" بعض اہم پہلوؤں میں اس سے اختلاف رکھتی ہے (دیکھیے منی میکھلائی ۴۶۸)۔ کہیں کہیں اس میں "نیائے پرویش" کے کچھ حصّوں کو سمیٹ کر اختصار کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے اور کہیں کہیں اسے وسعت دے کر زیادہ مفصّل کر دیا گیا ہے جیسے "ویدھرمیا درشٹانت بھاش" میں "ابھے ویاورتی" پر بحث کرتے ہوئے سنسکرت متن کی ڈھائی سطروں کو یہاں ۱۱ - ۴۲۹ - ۴۹ پر پھیلا دیا گیا ہے۔ پھر تامل مصنّف نے اس میں بعض لطیف نکتوں کا اضافہ بھی کیا ہے جو "نیائے پرویش" میں ملتے تو نہیں لیکن ان کی طرف اشارہ ضرور ہے۔ اوپر دی ہوئی مثال اس کی بھی ایک اچھی مثال ہے۔ "آکاشوت" کو "اودیہ مان ابھایا سِدّھ سادھرمیہ درشٹانت بھاش" کی مثال قرار دے کر اُس پر بحث کرتے ہوئے "نیائے پرویش" اس کی تشریح محض "استووادی" کی مثال کی حیثیت سے کرتی ہے۔ لیکن "منی میکھلائی" میں اس مثال کا اطلاق "ستووادی" پر بھی کیا گیا ہے۔ پھر اصطلاحوں میں بھی کئی طرح کے فرق دیکھنے میں آتے ہیں۔ جو بلا تنقید ہی نوٹ کیے جانے چاہئیں کیونکہ ان میں سے بعض محض تامل کتاب کے متن میں املاکی غلطیاں ہیں۔ (۱) منی میکھلائی میں "پکش بھاشوں" کا شمار کرتے ہوئے نویں قسم میں "اپرسِدّھ سمبندھ" کو رکھا گیا ہے۔ جبکہ "نیائے پرویش" کے مطابق نویں قسم میں

"پرسدھ سمبندھ" آتا ہے (ب) "نیائے پرویشں" میں ہیت بھاشوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے "اپیتر سدّھ" اور "سندِگدھ سدّھ" کے بجائے "منی میکھلائی" میں "اپتھا سدّھ" اور "سدّھا سدّھ" کو رکھا گیا ہے۔ (ج) "نیائے پرویش" کے ودُّدھا وِیَبھچاری" کی جگہ ہم "منی میکھلائی" میں ودُدّھ۔ وِیَبھ چاری" کی اصطلاح دیکھتے ہیں (د) درشٹانت بھاشوں کے نام گنواتے ہوئے "نیائے پرویش" میں جہاں "سادھن دھرم اسدّھ" وغیرہ کا ذکر آیا ہے وہاں "منی میکھلائی" میں "سادھن دھرم وکل" وغیرہ مذکور ہیں۔ یہ بات قابلِ توجّہ ہے کہ "دھرم کیرتی" میں بھی "اسدّھ" کی بجائے "وکل" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ دیکھیے "نیائے پرویش" (دھرُوا ایڈیشن) کے تبصرے کے لیے مصنفہ ایس ایس سوریہ نارائن شاستری

۱۱۸ ۱۱ - ۴۵ - ۱۰۸

۱۱۹ ۱۱ - ۱۰۹ - ۱۱۰ - اس پر شری دھرنے یوں اظہار رائے کیا ہے: "منی میکھلائی" کا مصنّف یہ محسوس نہیں کرتا کہ آخری دو "اوایبو" درشٹانت میں شامل نہیں کیے جا سکتے جیسا کہ وہ نادانی سے سمجھتا ہے" (صفحہ)

۱۲۰ شری ایس ایس سوریہ نارائن شاستری نے "منی میکھلائی" میں سانکھیہ شاستر کا مطالعہ کیا ہے اور اس کی قدیم نوعیت کو ثابت کر دیا ہے۔ دیکھیے ۔ جلد ہشتم (۱۹۲۹) "بدھسٹ لاجک اِن منی میکھلائی" پر اس کے مقالے کے لیے اور دیکھیے۔

چوتھا باب

سنگم عہد میں سماجی زندگی اور حکومت

اپنی واقفیت کی موجودہ حالت میں ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم سنگم عہد کے سیاسی واقعات کا ایک "مربوط کل" جائزہ لے سکیں اور ان کا ترتیب وار مطالعہ کر سکیں۔ یہ ہمارے سامنے سے ایک متحرک اور منقلب منظر کی طرح گذرتے ہیں اور راجاؤں اور سرداروں کی اولوالعزمی اور خدشات، امیدوں اور حماقتوں کے ایک ہی قسم کے اتفاقیہ نتائج ہیں جو ان کے ہمعصروں کو نظر آتے ہیں۔ ان کے باہمی ربط اور پس منظر کا ہم کو پتہ نہیں چلتا جن کی بنیاد پر تاریخ ماضی کے واقعات کو ترتیب دیتی ہے۔ اس سمت میں ہمارے ہاں جو کمی ہے وہ دوسری طرف پوری ہو گئی ہے۔ کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گذرتا جس کا سماجی اور ثقافتی خیالات میں اپنا ایک مخصوص پس منظر نہ ہو۔ یہ ایک طرح کی قومی نفسیات ہوتی ہے۔ جو انسانوں کے خیالات پر چھائی رہتی ہے۔ بڑی حد تک ان کے قوانین کو جواز بخشتی ہے اور ان کے اقدامات کی محرک بنتی ہے۔ اس نفسیاتی پس منظر کی سچی اور مکمل تصویر ہمیں "سنگم" لٹریچر میں ملتی ہے۔

مخلوط تمدن

اس عہد کی ثقافت کا سب سے نمایاں پہلو اس کی مخلوط نوعیت ہے یہ تامل اور آرین دو ثقافتوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے جو ابتدا میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ جنوبی ہند کے تاریخی دور سے پہلے کے مطالعات میں اس سے زیادہ دلچسپ لیکن مشکل کام کوئی اور نہیں ہے۔ کہ ان جداگانہ تمدنوں کے ابتدائی عناصر کو الگ الگ پہچانا جائے، ان مختلف مراحل کا جائزہ لیا جائے جن سے گذر کر ان میں اختلاط ہوا اور یہ دیکھا جائے کہ اس اختلاط سے کیا نتائج برآمد

ہوئے۔ ہمارا کام نسبتاً سہل ہے اور وہ ہے دونوں تمدنوں کے اختلاط سے جو مشترکہ تمدن وجود میں آیا، اور جس کی سنگم لٹریچر میں منظر کشی کی گئی ہے، اس کا مطالعہ کرنا، تاریخ وار سلسلۂ واقعات اور اس عہد میں تامل زبان کے متعلق معتبر اعداد و شمار کی غیر موجودگی میں نظموں کی تاریخیں وثوق سے انفرادی طور سے متعین کرنا مشکل ہے۔

طریقہ

کریکال کی حکومت کے پانچویں صدی میں تعین کی، یا اس مفروضے کو کہ اس کا عہد ختم ہونے پر راجگان کا دور شروع ہوا، یا اس خیال کو کہ چھوٹے چھوٹے سردار اس وقت صفحۂ تاریخ پر ابھرے جب کلابھرا کی تینوں نسلوں کا زوال ہو چکا تھا، اگر نتائج کی بنیاد بنایا جائے تو اسے شبہ کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہم کو سنگم لٹریچر کے پورے مجموعے کو تین صدیوں پر پھیلے ہوئے ایک مخصوص زمانے کے تمدن کی عکاسی کرنے والے ادب کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔ اس مجموعے میں "شاہدی کا مرم" اور "منی میکھلائی" بھی شامل ہیں۔ لیکن ان سے کام لینے میں دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط برتنی ہوگی۔ اس سے ہم کو اس پس منظر کی کچھ واقفیت حاصل ہوگی جو گذشتہ باب میں بیان کی ہوئی جنگوں، تنازعوں، دوستیوں اور رقابتوں سے متعلق ہے۔

تمدنوں کا اختلاط

آریں زمانے سے پہلے کے تامل تمدن کے ان عناصر کا پتہ لگانے کے لیے جن کا وجود زمانے کے تاریخی دور کے شروع ہونے تک قائم رہا۔ ہم کو سنگم عہد کے لٹریچر کا تقابلی طریقوں سے جائزہ لینا پڑے گا۔ لیکن ایسا کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ یہ عناصر اکثر ان رسوم و رواج کے جو بعد میں اختیار کیے گئے پہلو بہ پہلو اس طرح موجود نظر آئیں گے جیسے کہ بجلی سے چلنے والی ٹرین اور دیہاتی بیل گاڑی دونوں آج زیر استعمال ہیں۔ اسی طرح "منی میکھلائی" سے مُردوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے کم از کم پانچ مختلف طریقوں کے بیک وقت رائج ہونے کا پتہ چلتا ہے جن میں لاش کو جلا دینا، اس کو کھلا چھوڑ دینا یا اس کو دفن کر دینا شامل تھے۔ دفن یا تو لاش یا کسی ظرف میں رکھ کر اس کی جلی ہوئی خاک کی جاتی تھی۔ بعض دوسری مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرانے اور نئے رواجوں کو ملانے کی، اور ایسے طریقوں کو جو ابتدا ہی سے متأثر اور بذات خود مکمل تھے ایک

دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کی دیدہ و دانستہ کوشش بھی کی جاتی رہی۔ یہ مشہور بات ہے کہ سب سے قدیمی دھرم سوتروں میں آٹھ قسم کی شادیاں مذکور ہیں، جو کہ آرین قوانین کا ایک حصہ ہیں۔ ان آٹھوں قسموں کا ذکر "تولکا پیم" اور "ارائینار کلاویل" کے سوتروں میں بھی کیا گیا ہے اور انھیں تامل قوانین میں جگہ دینے کے لیے بڑی خوش تدبیری سے کام لیا گیا ہے۔ تامل سماج میں شادی کا تصور مقابلتاً سادہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مرد اور عورت قدرتی طور پر ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں۔ (کام کوٹم) ان کے اظہار محبت کے طریقے میں جو فرق تھا وہ مختلف حصوں کے مختلف جغرافیائی حالات کے باعث ہو سکتا ہے۔ ان ازدواجی رواجوں کو وہ پانچ "تنائے" کہتے تھے۔ ان کے یہاں یک طرفہ محبت کا نام "کائیکلائی" تھا اور خلاف رواج محبت کا نام "پیرندِ نائی"۔ اس سادے ڈھانچے میں آٹھ آرین ازدواجی رواجوں کو شامل کر دینے کا نتیجہ کچھ بہت خوشگوار نہیں نکلا۔ مذکورہ پانچ "تنائے" کو وہ گندھرو کی پانچ قسمیں مانتے تھے اور "اسر" راکھشش اور "پشاچ" طریقوں کو وہ "کیکلائی" زمرے میں شامل کرتے تھے۔ یہ تقسیم کچھ بہت معقول نہیں تھی۔ لیکن باقی ماندہ آرین ازدواجی رواجوں یعنی برہم، پرجاپتیہ، ارس اور دیو "کو" "پیرندنائی" کے زمرے میں شامل کرنا اور بھی غیر معقول تھا اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ امتزاج نہ تو آسان تھا اور نہ فطرت کے مطابق۔ البتہ آرین اور تامل قوموں کے یکجا ہونے کا ایک یہ نتیجہ ہوا کہ تامل زبان کے محاورات کو بہت وسعت اور نمو حاصل ہو گیا اور ایک ایسے ادب کی بنیاد پڑی جس میں ایک بلیغ لطافت بھی تھی اور ملکی زبان کا زور اور استحکام بھی۔ یہی ادب سنگم عہد کا لٹریچر ہے۔

دیہات کی زندگی

"پیٹنا پلائی" کے مصنف شاعر نے قدیم چولا ملک جس میں لاتعداد چھوٹے چھوٹے گاؤں چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں کی تصویر اپنے قلم کی چند جنبشوں سے ہمارے سامنے کھینچ دی ہے دریائے کاویری اپنے پانی سے کھیتوں کو سیراب کر کے زرخیز بناتا کہ وہ سنہری فصلیں اگلتے شاداب کھیتوں میں لہرانے والے سفید کنول کے پھول گرم چولہوں سے نکلنے والے دھوئیں کے مرغولوں میں جھلس جاتے تھے جن پر گہرے رنگ کے گنے کا میٹھا رس ابالا جاتا تھا۔ بھینس غلے کے موٹے بھٹوں سے اپنا پیٹ بھرتی تھیں۔ ان کے بچھڑے کھلیانوں کی چھاؤں میں سوتے تھے۔ ہر گاؤں

کے چاروں طرف ناریل کے درخت، پھلوں سے لدے ہوئے کیلوں کے جھنڈ، سپاری کے درخت، خوشبودار ہلدی کے پودے، قسم قسم کے آم، کھجور کے ثمردار پیڑوں کے جھنڈ، نرم ادرک اور چوڑے تنے والے سیمبو کے درخت بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ روشن مکھڑوں والی دوشیزائیں، خوبصورت جواہرات پہنے، اپنی معصوم نگاہوں سے کھلیانوں میں سوکھنے والے دھان کی نگرانی کرتی تھیں۔ جب پرندے اناج کھانے کے لیے آتے تو یہ دوشیزائیں چونکتیں، جس سے ان کے کانوں کی طلائی بالیاں ہلنے لگتیں۔ ننھے منے بچے اپنے پاؤں میں پازیب پہنے گھروں کے چبوتروں پر اپنی تین پہیوں مگر بغیر گھوڑے والی گاڑیوں سے کھیلتے اور لوگوں کو پکار کر کہتے کہ وہ راستے سے ہٹ جائیں۔ ایسے تھے وہ کثیر تعداد گاؤں جن میں وسیع چولا ملک کے امیر خاندان بستے تھے۔ زمین کی حیرت انگیز زرخیزی شاعروں کا محبوب موضوع رہی ہے اور ان کی، بالخصوص درباری شاعروں کی، مبالغہ آرائی کے لیے گنجائش رکھ کر کوئی بھی کو ودر کلار کے ان اقوال کی صداقت سے منکر نہیں ہو سکتا:-[10]

"اے سب کچھ دینے والے! جس کی پیشانی پر دینے کی مشقت سے پسینہ نہیں آتا بلکہ کھانا کھلانے سے جس طرح بارش کی بوندیں جھیل میں گرتی ہیں اسی طرح گوشت سے جو تیرے خادم کھانے کے لیے پیش کرتے ہیں چربی ٹپکتی ہے۔

بھنا ہوا گوشت کاٹ کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔

اپنے خالی کیے ہوئے کٹوروں سے دودھ کے لمبے لمبے گھونٹ پیتے ہیں۔

تیرے دھان کے کھیت —— ان کی سرحدیں بہت وسیع ہیں۔

جہاں شیریں گنے کے پودے پھولتے ہیں۔

تیری چراگاہوں میں

جہاں مویشیوں کے گلوں کے لیے تھان بنے ہیں

مویشی چرتے ہیں ——

قلعہ بند مورچوں سے تیرانداز گلوں کی حفاظت کرتے ہیں

اور ساحل کے گھنے درختوں کی چوٹیوں سے جہازوں کو گنتے ہیں جن سے تیرا سمندر ڈھکا ہوا ہے۔

کھاڑی میں جہازوں پر کثیر مقدار میں نمک لادا جا رہا ہے

جو تیرے پہاڑوں کی چٹانوں میں بھرا پڑا ہے"
"آدور موکم کلدر[14] اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں جس پر ایک ہاتھی بیٹھ جائے اتنی پیداوار ہوئی تھی جس سے سات آدمی پل سکتے تھے۔ ایک اور شاعر[14] نے کہا ہے کہ اراضی کی ایک "ویلی" سے ایک ہزار "کلم" دھان پیدا ہوتا تھا۔

بادشاہت

ملک کی حکومت ایک طرح کی موروثی بادشاہت کی تھی۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، جانشینی کی خاطر تنازعے اور خانہ جنگیاں کوئی نئی بات نہ تھی اور اگر فتح کے بعد ہونے والی غارتگری کے تذکروں میں جو ہمارے علم میں ہیں کچھ بھی سچّائی ہے تو جنگ، جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے، محض پیشہ وروں کی وقتی تفریح کا سامان نہیں تھی جو کسی ریاست کی روزمرّہ کی زندگی پر اثر انداز نہ ہو۔ حکومت کا تسلیم شدہ سنسکرتی تصوّر یہ تھا کہ وہ ایک جسم ہے جس کے سات اعضا ہیں۔ "کرل"[15] میں اس میں ایک معمولی لیکن اہم تبدیلی یہ کی گئی کہ چھ اعضا کو ساتویں یعنی راجہ کے تابع قرار دیا گیا۔ دوسرے کئی پہلوؤں سے بھی سیاست کے تصوّرات کو تیرو ولوور نے ایک ایسی وضاحت اور قطعیت عطا کر دی تھی جو ان کے مآخذ میں نہیں تھی۔ وہ دس اشعار جن میں تردو لوور نے "ناڈو" (راشٹر) کے لوازم پر بحث کی ہے، ریاست کی زندگی کی فطری بنیاد کا تجزیہ کرنے میں ان توضیحات سے جو ارتھ شاستروں میں، جن کا ہم کو علم ہے، دی گئی ہیں، کہیں زیادہ واضح ہیں اور ان کے اختتامی اعلان[15] :-

"چاہے اسے دوسری ہر طرح کی برکتیں حاصل ہوں، ناڈو (ریاست) کے لیے سب کچھ بے مصرف ہے۔ اگر راجہ اور پرجا کے درمیان صلح و آشتی نہ ہو" ———

سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنّف سیاسی آزادی کی حقیقی اخلاقی بنیادوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ آگے چل کر جہاں اس نے ریاست کی زندگی میں خزانے کے مقام کے متعلق بحث کی ہے[16] وہاں بھی اپنی عملی ذہانت اور اعلا سیاسی اصولوں کی پابندی کا ثبوت دیا ہے۔ یہیں ہم کو یہ قابل ذکر بیان ملتا ہے کہ راجہ کا خزانہ نہیں ذرائع[17] سے پر ہوتا ہے: لگان اراضی، درآمد اور برآمد پر محصول اور راہداری ٹیکس اور فتوحات (سے حاصل کردہ دولت)۔ کوٹلیہ کے "پرنیہ" (پرجا کی جانب سے دان) کے اصولوں کے خلاف تردو لوور کا صحیح فیصلہ یہ ہے۔[18]

ایک شاہی عصا رکھنے والا راجہ جو عطیے کے لیے التجا کرتا ہے، ایک ایسے لٹیرے کی مانند ہے جو ہاتھ میں نیزہ لیے کر دھمکاتا ہے کہ "لاؤ" "ادو"۔ اس ضمن میں یہ بات بھی بتا دی جائے کہ "اسنا نورو" کے ایک شعر میں یہ ذکر ہے کہ چولا راجاؤں کا خزانہ کمبا کونم میں تھا جس پر بہت سخت پہرہ رہتا تھا۔[20]

بادشاہت کی نوعیت

راجہ ہر اعتبار سے ایک مطلق العنان فرمانروا تھا جس کی مطلق العنانی کو دانشمندوں کے مقولے اور وزیر کی گاہے بگاہے سفارشات حدِ اعتدال میں رکھتی تھیں۔ لیکن ریاست کی سرگرمیوں کا دائرہ محدود تھا اور ایک ایسے سماج میں جہاں موروثی رسم و رواج کے احترام کی جڑیں بہت مضبوط تھیں، سرکش سے سرکش راجہ بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اس زمانے کی کتابیں بھی ہم کو عام طور پر یہی تاثر دیتی ہیں کہ رعایا کو چین و اطمینان حاصل تھا۔ وہ اپنے راجہ کی وفادار تھی، اور اس پر فخر کرتی تھی۔ "کیرل" نامی کتاب کا عظیم مصنف جس کی تصنیف کے بیشتر حصّہ میں سیاست کے امور پر بحث کی گئی ہے۔ اس زمانے میں رائج نظریات کا ایک قابلِ اعتبار رہبر ہو سکتا ہے، کیونکہ نظریہ اور عمل میں اتنا مکمّل تضاد کبھی نہیں ہوتا کہ ایک سے دوسرے کے متعلق کوئی اندازہ نہ لگایا جا سکے۔ تامل بادشاہت کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے متعلق تروولوور کے کچھ نمایاں اقوال پر بحث کی جائے۔ مثال کے طور پر وہ راجاؤں کو غیر محدود طاقت کے مخرّب اخلاق اثرات کے خلاف ان الفاظ میں تنبیہ کرتا ہے![20]

"جس راجہ کو تنبیہ کرنے والا کوئی نہیں، وہ ہر طرح کے تحفّظ سے محروم ہے، کوئی اور اس کو برباد نہیں کرے گا۔ لیکن وہ خود ہی تباہ و برباد ہو جائے گا"

ظلم و ستم کے امکانات اور ظالم راجہ کے لیے اس کے نتائج چند نظموں کا موضوع ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناقابلِ برداشت بدنظمی کے باوجود رعایا کے لیے کوئی چارہ کار نہیں تھا:[21]

"اس کی رعایا کے غم کے آنسو جو ان کی برداشت کے باہر ہیں، کیا وہ ایسے تیز ہتھیار نہیں ہیں جو راجہ کی دولت کے پرخچے اڑا دیں؟"

"جہاں رعایا دکھ سے یہ کہتی ہے ——— ہائے ہمارا راجہ ظالم ہے، اس راجہ کی عمر کم ہوگی اور جلد اس کی زندگی کی مسرتیں ختم ہو جائیں گی۔"

اسی طرح جاسوسی کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ راجہ کے پاس رائے عامہ کا پتہ چلانے کے لیے براہ راست ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے[۲۲]

"ملکی قانون اور جاسوس. ان دو پر راجہ کو اپنی آنکھیں سمجھ کر بھروسہ کرنا چاہیے۔"

یہ فرض وزیر کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے کہ نااہل راجہ کی ناراضگی کا خطرہ مول لے کر وقت پڑے تو بھلا برا اس کو سمجھائے:[۲۳]

"اگرچہ کم عقل ہونے کے باعث راجہ اس کی دانشمندانہ صلاح نہ مانے، پھر بھی وزیر کا فرض ہے کہ وہ اس کے سامنے کھری بات کرے۔"

سب سے آخر میں "کرل" میں ریاست کے انتظام میں دانشوروں کا اہم مقام اور ملک اور دربار میں ان کے اثر و رسوخ کی قوت صاف صاف بیان کی گئی ہے:[۲۴]

"چاہے تم ان کی نفرت مول لو جن کے ہتھیار ان کی کمانیں ہیں۔ لیکن ان لوگوں کو دشمن مت بناؤ جن کے الفاظ ان کے ہتھیار ہیں۔"

راجہ اور پرجا کے درمیان جو خلیج حائل تھی، اس کا ثبوت اس دہشت سے زیادہ کیا ہو گا جو رعایا پر راجہ کی مطلق العنانی کی رو سے طاری تھی۔ اصولاً وہ نہ صرف اندرونی اور بیرونی مادی خطروں سے اپنی رعایا کا تحفظ کرنے والا تھا بلکہ وہ قانونِ قدرت کا نگہبان بھی تھا۔ اس کی منصفانہ حکومت پر ہی رشی کی ریاضت، بیوی کی عصمت[۲۵] بلکہ موسموں کے تغیر و تبدل کا بھی دار و مدار تھا۔ "کرل" اس کی یوں تصدیق کرتی ہے:[۲۶]

"رشیوں کا علم اور حسنِ سیرت راجہ کے شاہی عصا سے برآمد ہوتے ہیں۔
جہاں اس کی حکومت ہے۔
جو راستبازی کے قوانین کا احترام کرتا ہے۔
وہاں بارش ہوتی ہے اور کھیت زرخیز ہوتے ہیں
ہنر سے راجہ کو رنج نصیب نہیں ہوتی
بلکہ انصاف کے ساتھ اپنے شاہی عصا کا استعمال کرے۔"

تو یہ معلوم ہوا کہ ظلم اور بے انصافی کا نتیجہ بغاوت کی نہیں بلکہ قحط کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ان میں سے اگرچہ اتنی واضح شکل میں نہیں، کچھ افکار ان سنسکرت مقالوں میں پائے جاتے ہیں۔ جو دستورِ حکومت پر لکھے گئے ہیں۔ ان میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو صرف اس کے لفظی معنوں ہی میں

نہیں لینا چاہیے۔ ان کا مدعا صرف ایک منصفانہ حکومت کی عظمت اور اہمیت پر زور دینا ہے۔ یہ اُن پند و نصائح کے خزینے کا ایک حصہ ہیں جن کا مقصد راجاؤں کی رہنمائی اور رعایا کی بھلائی ہے۔ لیکن بادشاہت کے اس عارفانہ تصور سے اس منزل تک کا سفر جہاں بادشاہ کی طاقت پر عوامی نمایندگی کے ذریعہ سے روک لگائی جاسکے بہت لمبا ہے۔ قدیم سنسکرتی سیاسی مفکرین نے بھی سولھویں صدی کے رومن کیتھولک مصنفین کی طرح مخصوص حالات میں راجہ کا قتل جائز قرار دیا ہے۔ لیکن تامل کتابوں میں راجہ کے منشا کی مزاحمت کی اجازت کہیں نہیں دی گئی ہے۔

کُلو اور آیم

"شلپدی کارم" اور "منی میکھلائی" میں کچھ جماعتوں کا ذکر آیا ہے جنھیں "ایمپیر نگلو" اور "اینپیرائم" کہتے تھے۔ پانچ طرح کے لوگوں کی ایک جماعت بعض اوقات ان میں شامل کردی جاتی ہے جس سے اٹھارہ "کلائی پالور" بن جاتے ہیں۔ یہ نام قدیمی فرہنگ "دواکرم" میں ملتا ہے۔ عوامی زبان میں انھیں "اٹھارہ شٹرم" کہا جاتا ہے۔ "ایمپیرنگلو" اور "اینپیرائم" میں کون کون لوگ شامل ہیں، اس بات پر قدیم مستند ماخذوں میں اختلاف ہے۔[25] فرہنگوں سے باہر جماعتوں کا جس جس ضمن میں ذکر آیا ہے ان سے اور ماخذوں کی اختلافی عبارات سے تامل لٹریچر کے طالب علم پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ مختلف جماعتیں شاہی جلوس کا حصہ ہوتی تھیں جو ہر رسمی موقع پر راجہ کے ہمراہ ہوتا تھا۔ "کرل" میں ان کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ کنکا سبھائی کو[26] جنھوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "اینپیرائم" "شاہی ملازموں کی وہ آٹھ جماعتیں تھیں جو راجہ کی شان و شوکت بڑھانے کے لیے اس کی جلو میں رہا کرتی تھیں، .... کسی طرح اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ "ایمپے رنگلو" ایک اور تنظیم کا حصہ تھا اور اس نے اس ضمن میں متعدد ایسے بیان دیے ہیں جن میں سے کسی کی توثیق ان کے ماخذوں سے نہیں ہوتی۔ مثلاً "مجلس نمایندگان رعایا کے حقوق اور مراعات کی حفاظت کرتی تھی۔ مذہبی رسومات کی ادائیگی پروہتوں کے زیر ہدایت ہوتی تھی، طبیب راجہ اور رعایا کی صحت سے متعلق تمام دیکھ بھال کرتے تھے، نجومی عوامی رسومات کے لیے مبارک تاریخیں طے کرتے اور اہم واقعات کی پیشگوئیاں کرتے تھے۔ اور وزرا سرکاری آمدنی کی فراہمی اور خرچ نیز مقدموں کے فیصلوں کا کام سرانجام دیتے تھے۔ ان تمام اداروں کے اجلاس اور کارروائی کے لیے دارالخلافہ میں الگ الگ جگہیں مخصوص ہوتی تھیں۔ حکومت

کی جملہ طاقت راجہ اور" پانچ بڑی مجالس" کے ہاتھوں میں مرکوز تھی۔ سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس طرح کا نظام سلطنت چیرا، چولا اور پانڈیہ تینوں ریاستوں میں رائج تھا گویہ تینوں خود مختار ریاستیں تھیں۔ اس لیے یہ بات ناقابل یقین نہیں ہے کہ انھوں نے اس نظامِ حکومت کی تقلید کی جو اس ملک میں رائج تھا جہاں سے ان کے بانی ہجرت کر کے آئے تھے "یعنی مگدھ کی شہنشاہی"۔ ان تعجب انگیز دعووں کی طویل لڑی میں ہم کو یہی نظر آتا ہے کہ ان جماعتوں کے ناموں کے علاوہ اور سب فرضی باتیں ہیں اور ان بیانات کی توثیق کی تلاش کتابوں میں بے سُود ہوگی۔ یہاں جس تنظیم کو "مجلسِ نمائندگان" کہا گیا ہے، اس کے لیے ایک مبہم سی اصطلاح "ماشنم" استعمال کی گئی ہے جس کے معنی ہیں "بزرگ"۔[۲۹]

مجلسِ نمائندگان

عوامی مجلس کی بنیاد کس طرح پڑی اس کے معلوم کرنے کے لیے ہمیں ان اداروں کی طرف توجہ کرنی ہوگی، جنھیں اس قدیم لٹریچر میں "منرم" (بڑا کمرہ یا ہال) اور "پوڈی پل" (عوام کے جمع ہونے کی جگہ) کہا گیا ہے۔ یہ ادارے نمایندگی کی کسی سائنٹیفک بنیاد پر منظم نہیں کیے گئے تھے لیکن وہ رائے عامہ کی، جیسی بھی اس زمانے میں تھی، فی الواقعی نمایندگی کرتے تھے۔ "کرل" میں دو حصے جو "اوائی" (سبھا) پر ہیں۔ ان میں عام باتیں ہی کہی گئی ہیں اور ان میں کچھ اشعار سے تو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اداروں کا مقصد سوائے عالمانہ بحثوں کے لیے اکٹھا ہونے کے اور کچھ نہ تھا۔ لیکن "اوائی" کی اصطلاح کا استعمال چند دوسری کتابوں میں "منرم" کے لیے کیا گیا ہے اور خود "کرل" میں "اوائی" کو صاف طور پر سیاست کی مشنری کا ایک حصہ بتایا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں پرکیے لالگر کی

شہری ادارے

اس رائے سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ ان حصوں میں جو حوالے ہیں وہ راجہ کی سبھا (مجلس) کے بارے میں ہیں گو اس زمانے کی تصانیف میں سبھا یا "منرم" کی طرف اکثر اشارے کیے گئے ہیں لیکن اس کی نوعیت اور طریقۂ کار کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ عدل گستری میں اس کے مقام کی خاص طور سے راجہ کے دارالخلافہ میں، بخوبی تصدیق ہوتی ہے ارائیور کی "منرم" میں ملائے یمن کے بیٹوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا اور سزا کا اعلان کیا گیا تھا جو بعد میں شاعر کوودر کلار کی سفارش پر رہا کر دیے گئے تھے[۳۰] اور اسی "منرم" کو اپنے دوست کوپیرُ نجولن سے اس کی موت کے بعد خالی دیکھا پوتی یار کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔

"پورونار آرُدوپدائی" میں[31] ایک بڑا پُرمعنی بیان ہے کہ "سبھا" میں داخل ہوتے ہی لوگ اپنے تنازعات کو فراموش کر دیتے تھے جس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ یا تو ان تنازعوں کا فیصلہ کر دیا جاتا تھا یا وہ اپنے عام فرائض کی تکمیل تک ان جھگڑوں کو بھول جاتے تھے۔ اس سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ راجہ سبھا یا منرم سے معمولی مشورے بھی کیا کرتا تھا۔ ترووَلوور مجلس میں فی البدیہہ تقریر کی اہمیت پر بڑا زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس آدمی کی علمیت جو مجلس میں بولنے سے ڈرتا ہے، اس ننگی چمکتی ہوئی تلوار کی طرح ہے جو میدانِ جنگ میں کسی ہیجڑے کے ہاتھ میں ہو۔[32]

دیہی ادارے

دیہی علاقوں میں جو "منرم" تھے وہ کچھ بہت کار آمد ادارے نہ تھے اور گاؤں کی زندگی کے معاشرتی اور مذہبی نظام میں الجھے بھی رہتے تھے۔ ہر گاؤں میں گاؤں والوں کے بیٹھنے کی ایک جگہ ہوتی تھی جو عام طور سے کسی بڑے درخت کی چھاؤں میں ہوتی تھی۔ یہاں مرد، عورتیں اور بچے گاؤں کے مشترک کاموں کے لیے جمع ہوتے تھے۔ یہیں لوک ناچ ہوتے تھے۔ جن میں عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔ یہ ناچ جنگ یا محاصرہ کے دنوں میں بند کر دیے جاتے تھے۔[33] اگرچہ اس بات کی بہت کم شہادت ہے کہ "منرم" کا دیہات کی سیاسی زندگی میں کیا مقام تھا۔ تاہم انھیں عوامی اجتماعوں سے کم سے کم جزوی طور پر، اس اعلا ترقی یافتہ دیہی حکمران ادارے کی بنیاد پڑی جو بعد کے چولا عہد میں وجود میں آیا اور نہایت کامیابی سے سرگرم عمل رہا۔[34]

ٹیکس

معلوم ہوتا ہے کہ شاہی آمدنی کے سب سے بڑے ذرائع اراضی اور تجارت تھے۔ زمین کے پیمانے "ما" اور "ویلی" پہلے سے لوگوں کے علم میں تھے۔[35] لیکن ہمارے پاس صحیح طور پر یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ زرعی پیداوار میں راجہ کا حصہ کتنا ہوتا تھا۔ ریاست کی خوشحالی میں کسان کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی تھی اور اسے بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ "کرل" کے مصنف کا قول ہے کہ حقیقت میں زندگی صرف کسان ہی کی تھی۔ باقی طبقوں کی زندگی غلامی اور چاپلوسی کی زندگی تھی۔[36] "پٹنا پلائی" میں اس زمانے کی غیر ملکی تجارت کی اہمیت، اور اشیائے درآمد و برآمد پر جو محصول لیا جاتا تھا اس کے متعلق سرکاری ملازموں کی سرگرمیوں کا ذکر بہت حد تک اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ ذرائع آمدنی میں اس محصول کو ایک بہت اہم مقام حاصل تھا۔

"ساحل سمندر کے قریب کی چوڑی سڑک پر جہاں لمبی پتیوں والے "قلائی"
(Paudanus) کے جھنڈ نظر آتے ہیں، معتبر سرکاری ملازمین شفیق راجہ کی
دولت کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر روز محصول وصول کرتے ہیں، گرم کرنوں والے
سورج دیوتا کے رتھ میں جُتے ہوئے گھوڑوں کی طرح وہ کبھی تکان محسوس نہیں کرتے
اور برسات کی بوچھاروں کی طرح جب کہ بادلوں کا جذب کیا ہوا پانی پہاڑوں
پر برستا ہے اور پہاڑوں پر برس کر پھر سمندر کی جانب چل پڑتا ہے، بہت سی اشیا
بے اندازہ مقدار میں سمندر سے ساحل پر لائی جارہی ہیں۔ اور خشکی سے سمندر کی طرف
لے جائی جارہی ہیں۔ اس میں کبھی کسی طرح کی کمی نہیں آتی۔ بھاری گانٹھوں میں بیش
قیمت اشیا محفوظ احاطوں میں ایک لامنتہی سلسلے میں چلی آتی ہیں اور پھر تند اور
طاقتور شیر کی مہر ثبت کرنے کے بعد گودام میں بھیج دی جاتی ہیں۔"

قید خانے

قید خانے انتظامیہ کے نظام کا حصّہ تھے۔[۳۸] "چیرا" راجہ کنّائی کال ارمپورائے کو راجہ شنگنان
نے ایک قید خانہ میں قید کر دیا تھا۔ اس کے نام "کڈاوائر کوٹم" کی وجہ سے خیال جاتا ہے کہ یہ
قید خانہ "کمبا کونم" یا اس کے نزدیک کسی چھوٹے سے مقام پر واقع تھا جسے آجکل "کوڈا واشل"
کہتے ہیں۔[۳۹]

فوج

ماہر اور پیشہ ور سپاہیوں کی ایک مسلح فوج مستقل طور پر رکھی جاتی تھی اور بلا شبہ اس زمانے
میں جب جنگ کرنا فخر سمجھا جاتا تھا وہ بے کار نہیں رہ سکتی تھی۔ فوج کے کپتانوں کو "ایا دی" کا لقب
دیا جاتا تھا جو ایک رسمی تقریب میں عطا کیا جاتا تھا۔ اس تقریب میں راجہ اپنے منتخب سردار فوج
کو ایک انگوٹھی اور اعلیٰ فوجی عہدے کا تمغہ پیش کرتا تھا۔[۴۰] "پورنا نورد" میں ایسے فوجی سرداروں
کے متعلق جو چولا راجاؤں کی ملازمت میں تھے دو نظمیں ہیں۔[۴۱] ان میں سے ایک نظم میں ایک
اچھا سپاہی جنگ کے جس تصور کو عزیز رکھتا تھا اس کا بیان ہے:۔

"تم ـــ جب تم کوئی لڑائی دیکھتے ہو تو تم فوراً آگے بڑھتے ہو۔ اپنے دشمن کی

فوجوں کو منتشر کر دیتے ہو۔ ان کے مقابلے پر ڈٹ جاتے ہو اور ان کی تلواروں کے گہرے چرکوں سے تمہارا جسم چھلنی ہو جاتا ہے۔ اس طرح تمہاری شہرت کانوں کو بھلی لگتی ہے۔ لیکن تمہارا جسم آنکھوں کو بھلا نہیں لگتا۔ جہاں تک تمہارے دشمنوں کا تعلق ہے۔ وہ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو پیٹھ دکھاتے ہیں اور ان کے بے داغ جسم جن پر زخموں کے نشان نہیں ہوتے چاہے دیکھنے میں بھلے لگیں لیکن کانوں کو ان کی رسوائی بھلی نہیں لگتی۔ لہٰذا ایک طریقے سے تم بھلے لگتے ہو اور دوسرے طریقے وہ اور کسی بات میں وہ تمہاری برابری نہیں کر سکتے۔ پھر بھی اے عالی مرتبہ شخص ایسا کیوں ہے کہ دنیا تجھ سے پیار کرتی ہے؟ اے کلّی! برق رفتار گھوڑے والے! فتح مندی بڑھ کر جس کے پازیب سے آراستہ پاؤں لیتی ہے۔"

سورماؤں کے یادگاری پتّھر

ایک معمولی سپاہی بھی جب لڑتا لڑتا مارا جاتا تھا تو اس کے ہم وطن اس کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اس کی موت کے مقام پر پتھر کا کتبہ نصب کرتے تھے جس پر اس سورما کا نام اور کارنامے لکھے جاتے تھے۔ یادگاری پتّھروں کی بعض اوقات پرستش ہونے لگتی تھی[۴۲]۔ یہ رواج کنڑ اور تامل ملکوں میں کم از کم دسویں صدی تک باقی رہا۔ جہاں اس طرح کے کندہ یادگاری پتھّر کافی تعداد میں ملے ہیں۔ ان پر نویں اور دسویں صدی کی تاریخیں درج ہیں اور سنگم لٹریچر میں ان کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس سے وہ مطابقت رکھتے ہیں اور دوسرے مقاصد کے لیے بھی یادگاری کتبے نصب کرنا اتنا عام تھا کہ ایسے مواقع پر جو کچھ کیا جاتا تھا۔ اس کا ایک مدت سے ادبی روایتوں کے ذریعے ایک معیار قائم ہو گیا تھا[۴۳]۔

جنگ

راجہ اکثر میدانِ جنگ میں خود فوجوں کی کمان کرتا تھا اور عام سپاہیوں کے ساتھ ان کی [illegible] کی خوشیوں میں شریک ہوتا تھا۔ دوسری طرف اگر راجہ لڑائی میں مارا جاتا یا شدید طور پر زخمی ہوتا تھا تو اس کی فوج لڑائی ترک کر دیتی اور اپنی ہار تسلیم کر لیتی تھی[۴۴]۔ لیکن میدانِ جنگ کی موت ہی راجہ کے شایانِ شان سمجھی جاتی تھی۔ ایک چیرا راجہ نے جیسا کہ

ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں، اپنی پیٹھ میں زخم کھانے کی ندامت سے بھوکا رہ کر خودکشی کر لی تھی۔ ایک دوسرے نے جو اتنا باہمت نہیں تھا۔ بڑے ترحم انگیز الفاظ میں اپنی اسیری کا ماتم کیا ہے۔ یہ ایک عام رواج تھا کہ جن راجاؤں کی موت لڑائی میں نہیں ہوتی تھی ان کی لاشوں کو کشا گھاس پر لٹا کر دفن کرنے یا جلا دینے سے پہلے تلوار سے چیر دیتے تھے تاکہ ان کا داخلہ اس میں جس میں سورما مرنے کے بعد داخل ہوتے ہیں یقینی ہو جائے۔[45] فاتح اپنے غرور میں اکثر مفتوح دشمن کو بری طرح ذلیل کرتا تھا جس کی تلخ یادیں مزید جھگڑوں کا باعث ہوتی تھیں۔ شکست خوردہ راجاؤں کے تاجوں میں لگے ہوئے سونے سے فاتح راجہ کے لیے پازیب بنوائے جاتے تھے۔[46] اس زمانے کے لٹریچر میں جن جنگی لوازمات کا بار بار ذکر آیا ہے ان میں گھوڑا، ہاتھی، جنگی رتھ، تلوار، نیزہ، کمان اور جنگی نقارہ شامل ہیں۔ ہاتھی اکثر جھنڈے لہراتے میدان جنگ میں لے جائے جاتے تھے۔ جو بلاشبہ فریقین کے شاہی نشان ہوتے تھے۔ پھولوں یا کسی خاص قسم کے گجروں کی شکل میں ان سے کم درجے کے نشان بھی ہوتے تھے۔ جن تذکروں میں تامل دیش کے میدانِ جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے ان میں سے ایک تذکرہ "کلاولی" ہے۔ یہ نظم میں ہے اور ضمناً جنگی معاملات کے متعلق بہت سی مفید معلومات بہم پہنچاتی ہے۔[47] سوار اور پیدل سپاہی دونوں اپنے پیروں کی حفاظت کے لیے چمڑے کے جوتے پہنتے تھے۔[48] شہزادے اور سردار ہاتھیوں پر اور کمان والے افسر علم بردار رتھوں میں سوار ہو کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے۔ پوتی گائیار کا کہنا ہے کہ "کلومالم" کے میدان میں جن عورتوں کے شوہر مارے گئے تھے وہ ان کی موت پر نوحہ کناں تھیں۔[49] اگر یہ محض مبالغہ نہیں ہے تو ضرور اونچے درجہ کے سرداروں کی بیویاں کبھی کبھی میدانِ جنگ میں شوہروں کے ہمراہ جاتی ہوں گی۔

بھاٹ یا شاعر

حکومت کا سربراہ اور جنگ میں سردارِ اعلیٰ ہونے کے علاوہ راجہ کا سماجی زندگی میں بھی سب سے اونچا مقام تھا۔ وہ شاعری اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کرتا تھا اور اس کی مہمان نوازی عام تھی۔ سماج کے اونچے اور خوشحال طبقے شراب اور موسیقی کے علاوہ جنگ اور عورتوں سے شغل رکھتے تھے۔ راجہ اور اس کے "اینادیول" اور ان کے مصاحبوں

نے سماج میں بے فکروں کا ایک اونچا طبقہ بنا لیا تھا۔ جو زندگی کی ادنا خوشیوں، جیسے شراب و کباب، میں مست رہتے تھے۔

ضیافتیں

ضیافت کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا جاتا تھا۔ شاعروں نے ان لذیذ کھانوں کی تعریف میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ہیں جن پر انھیں اکثر مدعو کیا جاتا تھا۔ ایک شاعر اپنے سرپرست سے کہتا ہے:۔[۵۰]

"میں آپ سے ملنے آیا تھا تاکہ ہم مل بیٹھیں اور اُبال کر ٹھنڈے کیے ہوئے چربی دار گوشت کے ٹکڑے کھائیں جو چرخہ کاتنے والی عورت کے ہاتھوں دھنی ہوئی روئی کی طرح نرم ہو اور تاڑی کے بڑے بڑے پیالے پئیں۔"

ایک اور شاعر عظیم چولا راجہ کریکال کی جانب سے دی ہوئی فرحت بخش دعوت کی تفصیل بڑے تشکر آمیز پیرائے میں بیان کرتا ہے:۔[۵۱]

"اس کے ایوان میں، عمدہ جواہرات سے سجی ہوئی اور لبوں پر شیریں تبسم لیے حسینائیں، نشہ آور شراب سے بھر کر سنہری جام پیش کرتی تھیں جس کا دور برسات کی طرح جاری رہتا تھا۔ اس طرح جی بھر کر پینے اور اپنی تکان اور شدید مصیبت کو دل سے دور کرنے کے بعد میں نے ایک نئے انبساط کا احساس کیا —— ان لمحات عیش میں وہ مجھے میٹھی گھاس پر پلی ہوئی بھیڑ کی نرم ابلی ہوئی رانیں کھانے کے لیے پیش کرتا تھا اور گرم کباب جو بڑی بڑی بوٹیوں کی شکل میں سیخوں کی نوکوں پر تیار کیا جاتا تھا اور جس کو منھ میں ایک طرف سے دوسری طرف چکر دے کر ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔ جب میں کہتا کہ بس اب میں اور نہیں لوں گا تو وہ اصرار کر کے کھلاتا اور مجھے قسم قسم کی ذائقے دار مٹھائیاں دیتا۔ اس طور سے شیریں ڈھول کی موسیقی اور روشن چہرے والی "وڑالیا" کی خوش آہنگ ستار کی نوایں میں نے خوشگوار دن گذارے۔ اکثر وہ مجھ سے چاول سے بنا ہوا پکوان کھانے کے لیے اصرار کرتا تو میں عمدہ قسم کے چاول دودھ سے تیار کی ہوئی شیریں کرھی کے ساتھ اتنی مقدار میں کھا جاتا کہ میرا پیٹ گلے تک

بھر جاتا ۔ یہ چاول جو ٹوٹے نہیں ہوتے تھے اور انگلیوں کی طرح سیدھے ہوتے تھے مُلّائی (پھول) کی کلیوں کی مانند تھے ۔ اس طرح میں بہت چین سے اس کے یہاں رہا اور دن رات گوشت کھا کھا کر میرے دانتوں کی نوکیں کند ہو گئیں، جیسے خشک زمین پر ہل چلا کر ہل کا پھل کند ہو جاتا ہے ۔ چونکہ مجھے کھانے میں مشغول رہنے سے آرام کے لیے وقت نہیں ملتا تھا میں کھانے سے بیزار ہو گیا اور ایک دن میں نے کہا اے خوشحال راجہ جو اپنے غضب ناک دشمنوں سے خراج حاصل کرنے میں طاق ہے! اب مجھے یہاں سے اپنے پُرانے نگر واپس جانے دے "

پان

کھانا کھانے کے بعد پان کھایا جاتا تھا ۔ عورتیں جن کے شوہر جنگ میں مارے جاتے تھے پان کھانا اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا چھوڑ دیتی تھیں[۵۲] کوولن کی بیوی کنکی نے اپنے شوہر کو آخری بار کھانا کھلانے کے بعد پان کے پتے اور سپاری پیش کی تھی جب وہ مدورا میں پازیب فروخت کرنے کے لیے روانہ ہو رہا تھا[۵۳] اور جہاں سے وہ واپس نہیں آسکا ۔

لٹریچر

تفریح کے مشغلوں میں سوسائٹی کے اونچے طبقات کے لیے اس زمانے میں مہذب ترین مشغلے شاعری، رقص اور موسیقی تھے ۔ شاعر ہر طبقے سے اور مرد اور عورت دونوں ہوتے تھے ان کی شاعری موقع کے لحاظ سے ہوتی تھی اور انھیں اپنی ادبی کاوشوں کے لیے اکثر انعامات دیے جاتے تھے ۔ ہم ان مختلف مواقع پر کہے ہوئے اشعار کے جنھیں بعد میں جمع کر کے سنگم کے آٹھ شعری مجموعوں میں ترتیب دی گئی کتنے ممنونِ احسان ہیں یہ ان متعدد مثالوں سے بخوبی واضح ہے جو ہم اوپر دے چکے ہیں ۔ اس زمانے میں شاعری کا جو معاوضہ ملتا تھا اس کو کم سے کم بعد کے لوگ زیادہ سمجھتے تھے[۵۴] "کلنگلو پرانی" کا مصنف بتاتا ہے کہ کاڈیا لور رودرانکن نار کو اپنی تصنیف "پٹینا پلائی" کے صلے میں راجہ کری کال نے پندرہ لاکھ سے کچھ زیادہ سونے کے سکے دیے تھے[۵۵] اگر قدیمی روایتیں صحیح ہیں تو قدیمی تامل شاعری کا ایک قلیل حصہ ہی ہمارے ہاتھوں تک پہنچا ہے ۔ لیکن اس میں سے جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اس شاعری کی عمدہ خصوصیات

کی گواہی دیتا ہے۔ نظمیں بالخصوص وہ جو مختصر ہیں بڑی رنگین ہیں اور زندگی کی سچی تصویریں ہیں۔ وہ ایسے نفیس جملوں سے پر ہیں جن میں شاعر کے مادی اور روحانی تجربات کا مختصر لیکن فصیح بیان ہے۔ اس وہ یکسانی اور تصنع نہیں ہے جس نے بعد کے زمانے کی تامل شاعری کو بگاڑ دیا ہے۔ ان میں خیالات کی وسعت ہے۔ مختصر نظم، طویل قصیدہ، ڈرامائی طرز کی رزمیہ نظم، بھجن غرض یہ سبھی اصناف شاعری میں موجود تھے۔ تردوکودر کی تصنیف "کرل" ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جو زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔

مغنی شعراء

ان شعراء کے علاوہ، جن میں سے بعض راجاؤں اور سرداروں کے مصاحب ہوتے تھے، اور انھیں کے ہاں رہتے تھے بعض ادنیٰ درجے کے شاعر بھی تھے جو سرپرستی کی تلاش میں ایک دربار سے دوسرے دربار کا چکر لگانے رہتے تھے، کچھ موسیقاروں کی گشتی ٹولیاں بھی ہوتی تھیں جن کے ساتھ عورتیں ہوتی تھیں جو موسیقی کی گت پر ناچتی تھیں۔ یہ لوگ "پانز" اور "ویرالیار" کہلاتے تھے اور ٹولیاں بنا کر عجیب عجیب آلاتِ موسیقی لیے ملک بھر میں گشت لگاتے پھرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ قدیم قبائلی گروہوں سے تعلق رکھتے تھے[55]۔ جن میں پرانے زمانوں کے رقص اور لوک گیت محفوظ چلے آتے تھے۔ ان کی کثیر التعداد اور مفلسی اس زمانے کی شاعری کا عام موضوع تھی اور تمام تذکروں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا گذارہ مشکل سے ہوتا تھا اور شاذونادر ہی انھیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ دوسرے وقت کا کھانا انھیں کہاں ملے گا۔ یہاں ایک فیاض سرپرست سے ان کی ملاقات کا مزاحیہ انداز میں[56] بیان کیا گیا ہے:۔

> "چولا راجہ نے بہت سی دولت عمدہ اور قیمتی جواہرات کی شکل میں دی۔ جو ہمارے مصرف کے نہیں تھے۔ اس پر بیرے لیے چوڑے قبیلے کے کچھ لوگوں نے جو انتہائی مفلسی کے خوگر تھے، وہ زیورات جو انگلیوں کی آرائش کے لیے تھے، اپنے کانوں میں آویزاں کر لیے اور کچھ اوروں نے کانوں کے زیورات انگلیوں میں پہن لیے۔ چند اوروں نے جو جواہرات کمر کے لیے تھے وہ اپنی گردنوں میں ڈال لیے اور گردن میں پہنے جانے والے زیورات سے اپنی کمر آراستہ کرلی اور ہم لوگ

اسی طرح لوگوں کے تمسخر کا سامان بن گئے۔ جس طرح زود آور راکھشس کے تیز رفتار رتھ والے رام کی پتنی سیتا کو اٹھائے جانے کے بعد، لال منھ والے بندروں کی بھاری ٹولی نے زمین پر گرے ہوئے سیتا کے جواہرات اپنے بدن پر سجا لیے تھے۔"

نظموں کی ایک صنف میں جو "آرّو پڈائی" کہلاتی ہے۔ شاعر اپنے سرپرست کے متعلق اپنے تجربات بیان کرتا ہے اور دوسروں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بھی اپنے سے اس کو روشناس کرائیں۔ ان میں سے کچھ نظمیں پانر کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک مختصر نظم یہاں نقل کی جاتی ہے:-

"اے مطرب جس کے پاس میٹھی آواز والا ستار ہے، جو قدیم حکمت و دانش سے لبریز الفاظ میں اپنا مدعا عرض کرتا ہے۔
تم مجھ سے کچھ دیر اطمنان سے بیٹھ جانے اور اپنی ڈھولک کی خوش آہنگ موسیقی سننے کے لیے اصرار کر رہے ہو۔
لیکن میں جو تم سے کہتا ہوں غور سے سنو!
ننّن جس کے ہاتھ تحفوں سے بھرے ہوئے ہیں کا سادہ گھر وسیع شہر کے قریب واقع ہے۔
وہاں جنوری کے چاند کے نیچے تالاب کے ٹھنڈے پانی کی طرح خوراک ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ جہاں خوشبودار کنول کے پھولوں میں گنگناتی ہوئی شہد کی مکھیاں شیرینی تلاش کرتی ہیں۔
وہاں وہ کلّی دلون کی تعریف و عظمت پر غور کرتا ہے۔ جو ایسے سرسبز ملک کا مالک ہے جہاں چاول اور پانی کی افراط ہے اور جہاں آگ پکاتی ہے جلا کر برباد نہیں کرتی۔
اگر اس طرف تو اپنی روشن جبیں اور شیریں تبسم والی مطربہ کو، جس کی زلفوں سے جوہی کے پھولوں کی خوشبو آتی ہے ہمراہ لے کر جائے تو تو آسودہ و خوشحال ہو جائے گا۔
اس کی داد و دہش محض اتفاقیہ نہیں ہوتی جیسے جنگل میں لکڑ ہارے کو اچانک

سونا مل گیا تھا۔
تامل نہ کر ——
پرماتما کرے وہ مدتوں تک پھولے پھلے!"

رقص و موسیقی

موسیقی اور رقص کے فنونِ لطیفہ بہت ترقی کر چکے تھے۔ اس بات کی تصدیق نظم "شلپدی کارم" کے مشہور تیسرے باب "ارنگیرو کادئی" سے ہوتی ہے جس میں رقص، تھیٹر، اور رقص کی موسیقی اور اس کے ساتھ بجائے جانے والے سازوں کی تکنیک کا پورا حال دیا گیا ہے۔ اگر ہم "شلپدی کارم" کے اس بے حد مشکل باب کے اس قدیم شارح پر بھروسہ کریں، جس تک ہماری رسائی ہے، تو رقص و موسیقی، اعلا سوسائٹی میں جن کی نمایندگی مادھوی جیسی حسن فروش عورتیں کرتی تھیں کم سے کم دو الاپوں پر مشتمل تھے جو آپس میں مل کر ایک دوسرے پیچیدہ اسلوب میں تبدیل ہو گئے۔ یہ دونوں الاپ "دیسی" اور "مارگ" تھے جن میں سے پہلا بلاشبہ ملک کا اپنا راگ تھا، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اور دوسرا ایک دلکش آرین راگ تھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس زمانے میں ان فنون کے متعلق ایک وسیع لٹریچر موجود تھا۔ جس میں سے بہت سا معدوم ہو چکا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آرین دیومالا سے گیارہ سین[58] اسٹیج پر کھیلے جانے کے لیے منتخب کیے گئے تھے اور ان کو اس فن میں کلاسیکی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ واتسائن کی تصنیف "کام سوتر" کی طرح "منی میکھلائی"[59] سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ناٹک کا مگالیر (حسن فروش عورتیں) کئی سال تک باقاعدہ نصابی تربیت حاصل کرتی تھیں جس میں درباری رقص، لوک ناچ، گانا، ستار بجانا، بانسری بجانا، کھانا پکانا، عطریات، مصوری اور پھولوں کی اشیا بنانا وغیرہ شامل تھے۔ "دینا" اور "یال" کی متعدد قسموں کا ذکر ان کتابوں میں آیا ہے۔ اب ان کی صحیح شکل یا ہیئت کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ سب فنون بتدریج ترقی کر کے ایک اعلا سطح پر پہنچ گئے تھے۔

مکانات اور اعلا طبقات کی زندگی

سماج کے امیر طبقوں کے لوگ اینٹ اور چونے کے مسالے سے تعمیر شدہ مکانات

میں رہتے تھے۔[60] جن کی دیواروں پر اکثر دیوی دیوتاؤں یا جنگل کی زندگی کی تصاویر بنائی جاتی تھیں[61] اور جن کے ارد گرد تفریح کے لیے نفاست سے باغ لگائے جاتے تھے۔ ان باغات میں واقع محلات کے مکینوں کی تفریح کے لیے ان میں کم گہرے کنوئیں یا تالاب جن میں کلیں لگی ہوتی تھیں، مصنوعی پہاڑیاں، ندیاں، آبشار، پھولوں کے کنج، شیشے کے مکان وغیرہ تعمیر کیے جاتے تھے۔ آئینوں سے بھی لوگ واقف تھے اور انھیں استعمال میں لاتے تھے۔[63]

بیاہ شادی

"شلپدی کارم" کے پہلے باب میں ایک شادی کی تقریب کا ذکر آیا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ مبالغے سے کام لیا گیا ہے پھر بھی اس میں حقیقت کا شائبہ موجود ہے۔ دلہن جس کا نام کننگی تھا بارہ برس کی تھی اور دولہا جس کا نام کوولن تھا سولہ برس کا تھا۔ ان کی شادی ان کے ماں باپ نے طے کی تھی جو مالدار سوداگر تھے۔ "پہار" کے شہریوں کی واقفیت کے لیے اس کا اعلان کچھ عورتوں نے ہاتھی پر سوار ہو کر کیا تھا:۔

> "اس دن جب کہ چاند روہنی نکھشتر میں تھا پھولوں اور موتیوں سے آراستہ منڈپ میں جو جواہرات سے جڑے ہوئے ستونوں پر جن کی چوٹیوں پر پھولوں کے گجرے بندھے تھے، استادہ تھا، نیلگوں چھتر کے نیچے کوولن نے، ویدک رسومات بجالانے میں ایک معمر برہمن کی ہدایات کی پیروی کرتے ہوئے اگنی کے گرد اس کے ساتھ پھیرے کیے جو اروندھتی کی ہمسری کرتی ہے۔ مبارک ہیں وہ آنکھیں جنھوں نے یہ منظر دیکھا۔"

بیاہ کی رسومات کی ادائیگی کے بعد عورتیں پھول بکھیرتی تھیں اور جوڑے کی عمر بھر کی خوشی اور راجہ کی ترقی و خوشحالی کے لیے دعا کرتی تھیں۔ اس کے بعد پھر خلوت ہوتی تھی۔[64]

عوامی زندگی

قدیم کتابوں میں عوام کی زندگی کے متعلق اور بھی تفصیل ملتی ہے۔ "پٹینا پالئی" میں "پاراڈاور" لوگوں کی جو پہار کے سمندری ماہی گیر تھے، زندگی اور ان کی فرصت کی تفریحات کا مفصل بیان دیا گیا ہے، سیاہ ریت کے اونچے اونچے ٹیلوں پر محنت کش "پاراڈاور" قبیلے کے

لوگ سمندری مچھلی اور ابلے ہوئے کچھوے کا گوشت کھاتے تھے۔" اُدمبو" اور کنول کے پھولوں سے سج کر وہ لوگ وسیع "منزم" میں یوں جمع ہوتے تھے جیسے نیلے آسمان میں گردش کرتے ہوئے ستارے اور سیارے۔ ان میں سے جو زیادہ قوی تھے وہ اکھاڑے میں اترتے تھے اور زبردست کشتیاں لڑتے تھے جس میں وہ ایک دوسرے کو گھونسوں اور ہتھیاروں سے مغروب کرتے تھے۔ غلیلوں سے پھینکے ہوئے پتھروں سے خوفزدہ ہو کر پرندے کھجور کے درختوں سے جن پر دھبے پڑے ہوتے تھے اڑتے تھے۔ باہر کے راستوں پر حسب دستور اپنے بچوں کے ساتھ گندے پانی کے گڑھوں میں لوٹتے تھے وہیں کئی طرح کی مرغابیاں بھی تیرتی تھیں اور مینڈھے اور بٹیر لڑتے نظر آتے تھے۔ ان کے جھونپڑوں کی چھت نیچی اور پھوس کی ہوتی تھی جس میں بنسیوں کے لمبے لمبے دستے لگے ہوئے ہوتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یادگاری پتھروں کے اردگرد نیزوں اور ڈھالوں کی قطاروں سے ایک حلقہ بنا دیا گیا ہو۔ ان جھونپڑوں کے بیچ میں مچھلی پکڑنے کے جال ریت کے چبوتروں پر سوکھتے ہوئے یوں دکھائی دیتے تھے جیسے اجلی چاندنی میں اندھیرے کے دھبے۔ کیتکی کے پودے کے قدموں میں اگنے والے "ہرن پدی" کے سفید اور خنک پھولوں کے گجرے پہنے ہوئے وہ کٹار مچھلی کے جبڑے کی ہڈی کو گاڑ کر طاقتور دیوتا کو بلاتے تھے کہ وہ اس میں آن بسے۔ لمبی پنکھڑیوں والے "تالئی" کے پھولوں سے آراستہ سرخ بالوں والے مچھیرے اپنی سیاہ فام عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر جو ہرے پتوں کی پوشاک پہنتی تھیں، تاڑ جن کے پتوں کو ہوا کھڑکھڑاتی رہتی تھی کی تاڑی پیتے تھے۔ وسیع نیلے سمندر میں مچھلی پکڑنے کے لیے کبھی کبھی نہ جا کر وہ ریتیلے ساحل پر، جس سے مچھلی کی تیز بو آتی تھی کھیل کود اور کھانے پینے میں وقت گذارتے تھے۔ کاویری کا سرخ پانی اپنے دہانے پر گرجتے ہوئے سمندر کے نیلے شفاف پانی کے ساتھ یوں ملتا تھا جیسے سرخ رنگ کا بادل کسی اونچے پہاڑ سے بغل گیر ہو رہا ہو، یا کوئی بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے چمٹ رہا ہو۔ وہاں پاراڈاور قبیلے کے لوگ سمندر میں اپنے گناہ دھوتے تھے اور پھر سمندر کا نمک دریا میں جا کر دھوتے تھے۔ سمندر کی پھیلتی ہوئی لہروں میں ریت کی گڑیاں بناتے اور دوسرے طریقوں سے بھی لطف حاصل کرتے ہوئے سارا دن کھیل کود میں گذار دیتے۔ رات کو وہ موسیقی سنتے، اونچے ستونوں پر کھڑی ہوئی عمارتوں پر ناٹک دیکھتے تھے۔ عاشق مزاز ریشمی ملبوسات تبدیل کر کے ہلکے کپڑے پہنتے اور خوب شراب پی کر اور نشہ میں چور ہو کر رات کے آخری پہر وہیں ریت پر سو جاتے تھے۔

پُہار

"پُہار" یا "کاویری پمپانَم" اس زمانے کے چند بڑے شہروں میں سے ایک تھا اور ساحلِ سمندر پر واقع ہونے کے باعث ریاست کی ایک عظیم منڈی بھی تھا۔ اس شہر، اس کی بندرگاہ اور اس کی تجارت کی مکمّل تفصیل نظموں میں بیان کی گئی ہے۔ "شلپدی کارم" کا مصنّف کہتا ہے کہ دانشمند لوگ پُہار کی خوشحالی کو ہمالیہ اور پوڈیا پہاڑوں کی طرح مستحکم سمجھتے تھے۔ "مشہور شہر، جس میں دولت کی فراوانی ہے جس پر راجہ حریص ہیں جو سمندری سفر کرنے والوں سے پٹا پڑا ہے۔ اس کے بھنڈاریوں بھرے ہوئے ہیں، کہ اگر تمام دنیا بھی جس کا احاطہ کرتا ہوا سمندر کیے ہوئے ہے، آکر اس کی مہمان بن جائے تو بھی اس کو مہمان نوازی میں مشکل نہیں ہوگی۔ درحقیقت جہازوں اور بیل گاڑیوں میں لائے ہوئے تجارتی سامان کے انباروں میں یہ شہر یوں لگتا ہے، جیسے دنیا کی بیش قیمت اشیائے تجارت پیدا کرنے والے بدیشی خطے سب یکجا ہو گئے ہوں۔"

بازار

ایک شاعر "چولا" راجہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ بڑے بڑے جہاز اپنے بادبانوں کو ڈھیلا کیے بغیر "پُہار" کی بندرگاہ میں داخل ہوتے تھے اور ساحل پر، جہاں عام جنتا رہتی ہے سمندر پار کے ممالک سے لایا ہوا بیش قیمت تجارتی سامان اگل دیتے تھے۔ "پٹینا پالئی" کا مصنّف بتاتا ہے کہ "پُہار" کے وسیع بازاروں میں چبوتروں سے گھیری ہوئی بلند عمارات دکھائی دیتی تھیں، جن تک پہنچنے کے لیے اونچے اونچے زینے ہوتے تھے۔ عمارات کے بہت سے حصّے ہوتے تھے۔ جن میں چھوٹے بڑے دروازے لگے ہوتے تھے، وسیع برآمدے اور راہداریاں ہوتی تھیں۔ بالائی منزل کی کھڑکیوں سے زیورات اور جواہرات میں ملبوس خوش پوش دوشیزائیں جھانکتی تھیں اور "مروگا" کی تعظیم میں ان کی سامنے جڑی ہوئی ہتھیلیاں یوں معلوم ہوتی تھیں جیسے پربتوں کی اونچی ڈھلانوں پر "تینگاندل" کے پھولوں کے گچھے۔

جھنڈے

جب بازاروں میں "مرُدگا" کی جھانکی نکالی جاتی تھی، جیساکہ اکثر ہوتا تھا، تو ناچنے گانے والی ٹولیاں اس کے ہمراہ ہوتی تھیں اور بانسری، ستار اور ڈھول کی صدا بھی سڑک کے شور و غل میں شامل ہوتی تھی۔ شہر کے تمام حصّوں میں مختلف انواع و اقسام اور مختلف شکلوں کے جھنڈے لہراتے رہتے تھے۔[۶۹] کچھ ایسے جھنڈے ہوتے تھے جن کی بہت سے لوگ دیوتا سمجھ کر پرستش کرتے تھے اور جن احاطوں میں وہ بلند ہوتے تھے ان میں داخلے کے دروازوں کو پھولوں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ سفید جھنڈے ہوتے تھے، جن کو کھمبوں کے سہارے کھڑے کیے گئے، چوکھٹوں کے اوپر نصب کیا جاتا تھا۔ جس کے نیچے چاول اور شکر سے لے کر قیمتی تجارتی اشیا کے صندوقوں تک کی نذر دی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ وہ جھنڈے ہوتے تھے جو عظیم شہرت یافتہ استادوں کے، جنھوں نے بہت سے علموں میں مہارت حاصل کرلی تھی دعووں کے اعلان کے لیے نصب کیے جاتے تھے۔[۷۰] "پُہار" کی بندرگاہ میں داخل ہونے والے جہازوں کے مستولوں پر بھی جھنڈے یوں لہراتے تھے جیسے گرانڈیل ہاتھی اپنے تھانوں پر پیچ و تاب کھا رہے ہوں۔ کچھ دوسرے جھنڈے ان دکانوں پر لہراتے تھے جہاں گوشت اور مچھلی کے ٹکڑے کاٹے اور تلے جاتے تھے اور جن کی دہلیزوں پر تازہ ریت اور پھول بکھیر دیے جاتے تھے۔ یہ جھنڈے دکان کے لاتعداد گاہکوں کی اطلاع کے لیے ہوتے تھے کہ یہاں اعلا قسم کی شراب فروخت ہوتی ہے۔

سوداگر یا بیوپاری

اس نظم میں جس میں شہر کی ظاہری صورت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس کے سوداگروں کی خوبیاں اور ان کی اخلاقی حالت یوں بیان کی گئی ہیں:[۷۱] "وہ قتل سے بچتے تھے۔ چوری سے گھبراتے تھے۔ اگنی کو بھینٹ دے کر دیوتاؤں کو خوش کرتے تھے۔ اچھے گائے بیل پیدا کرتے تھے۔ برہمنوں کی عظمت کا پرچار کرتے تھے۔ اپنے مہمانوں کی مٹھائی اور بعض اوقات خام جنس سے تواضع کرتے تھے۔ اس طرح ان کی زندگی اَن گِنت بھلائی کے کاموں سے معمور تھی۔ وہ ہر چیز میں اعتدال کا راستہ اختیار کرتے تھے، جھوٹ سے ڈرتے اور ہمیشہ سچ بولتے تھے، دوسروں کے حقوق کا اتنا ہی خیال کرتے تھے جتنا کہ اپنے حقوق کا، اپنے حق سے زیادہ نہیں

لیتے تھے اور دینے میں کبھی کسی قسم کی کمی نہیں کرتے تھے اس طرح وہ بہت سی اشیا کی تجارت کرکے اپنے باپ دادا کی مانند خوشحال رہتے اور ایک دوسرے سے میل ملاپ کے ساتھ رہتے تھے۔"

شہر کی تقسیم

"پُہار" شہر کا خاکہ" شلپدی کارم" کے پانچویں باب میں کافی تفصیل سے دیا گیا ہے۔ یہ شہر جو دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر دریا کے دہانے کے قریب تعمیر کیا گیا تھا، دو حصّوں میں منقسم تھا۔ ایک حصّہ "مارُودر پاکم" تھا جو سمندر سے متّصل تھا اور دوسرا حصّہ پٹنپ پاکم۔ اس کے مغرب میں واقع تھا۔ دونوں حصّوں کے بیچ میں ایک کھلا میدان تھا۔ جو انھیں ایک دوسرے سے جدا کرتا تھا۔ اس میدان میں درختوں کا ایک باغ تھا جن کے سائے میں روزانہ شہر کی منڈی لگتی تھی۔ "ماروور پاکم" میں ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ اونچے چبوتروں والی عظیم الشان عمارات اور گودام تھے جن کی کھڑکیاں ہرن کی آنکھوں کی شکل کی ہوتی تھیں۔

مارُوو ُر

مارُودر میں دولت مند "یُونوں" کے گھر تھے جن کے خوبصورت خدّوخال دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ یہاں دوسرے غیر ملکیوں کے مکانات تھے۔ جو اپنی بحری تجارت سے منافع حاصل کرنے کی خاطر ایک دوسرے کے نزدیک نہایت دوستانہ طریقہ سے رہتے تھے۔ خوشبودار غازے اور ابٹنے فروخت کرنے والے، پھولوں اور عطریات بیچنے والے، سوتی اور اونی کپڑے بننے والے، صندل، آگل (اگر) مونگے، موتیوں، سونے اور قیمتی نگینوں کے بیوپاری، غلّے کے سوداگر، دھوبی، مچھلی اور نمک کا کاروبار کرنے والے، پان اور مسالہ بیچنے والے، قصّاب، جہازوں پر کام کرنے والے۔ ٹھٹھیرے۔ تانبے کا کام کرنے والے، بڑھئی، لوہار، مصوّر اور بت تراش (نقلی سنگ مرمر کا کام کرنے والے)، زرگر، درزی، اور موچی، کپڑے اور گودڑے سے کھلونے بنانے والے اور بے شمار "پانز" جو بانسری اور ستار بجانے میں مشّاق ہوتے تھے، یہ سب لوگ اور دیگر کئی ہستیوں کے لوگ ماروور پکّم میں آباد تھے۔

پٹنم

"پٹی نپ پالم" میں کشادہ شاہی سڑک تھی اور ایک سڑک گاڑیوں کے لیے اور ایک بازار کی سڑک تھی۔ وہاں مالدار بیوپاری، برہمن، کسان، طبیب اور نجومی اپنے اپنے مکانوں میں رہتے تھے۔ شاہی محل کے ارد گرد رتھ بانوں، گھوڑ سواروں، فیل بانوں اور شاہی محافظ دستے کے سپاہیوں کے مکانات تھے۔ بھاٹ، قصیدہ خواں، مراثی، اداکار، موسیقار اور مسخرے، پتی کاٹنے والے، پھولوں کے گجرے اور موتیوں کے ہار بنانے والے، وقت کا اعلان کرنے والے جن کے ذمے یہ کام ہوتا تھا کہ "نالیکائیاں" یا وقت کے پہر اور گھڑیاں جوں جوں گذرتی جائیں، ساتھ ساتھ پکار کر لوگوں کو بتاتے جائیں۔ یہ سب لوگ اور ان کے علاوہ شاہی محل کے دیگر ملازمین بھی "پٹی نپ پالم" کے حدود میں رہتے تھے۔[۳۵]

غیر ملکی تجارت

سنگم عہد میں چولا ریاست کی سمندر پار کے دیشوں سے تجارت کا ایک اچھا اندازہ ہمیں "پٹنا پالئی" کی چند سطروں میں مل جاتا ہے۔ "پُہار" شہر میں دنیا کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے غیر ملکی تاجروں کی ایک بڑی آبادی موجود تھی۔

> "جیسے پرانے مشہور شہروں میں کسی تہوار کے روز بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو جاتا تھا جب کہ مختلف مقامات سے لوگ اپنے عزیز و اقربا کے ساتھ شہر میں آتے تھے ویسے ہی بہت سے اچھے ملکوں کے رہنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے اپنے وطن کو چھوڑ کر پُہار میں آباد ہو گئے تھے اور یہاں باہمی میل جول اور دوستی کے ماحول میں رہتے تھے۔"[۳۶]

سی ماخذ سے ہمیں غیر ملکی تجارت کی اشیا کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل دستیاب ہوئی ہے:[۳۷]

> "پائدار شوکت و عظمت والے دیوتاؤں کے تحفظ میں خوبصورت چال والے گھوڑے سمندر کے راستے سے لائے گئے تھے۔ کالی مرچ کی بوریاں چھکڑوں میں لاد کر لائی گئی تھیں۔ شمالی پہاڑوں سے نکلا ہوا سونا اور جواہرات، مغربی پربتوں سے لایا ہوا صندل اور اگر، جنوبی سمندر کے موتی، مغربی سمندر

کے موتی، گنگا کی وادی کی مصنوعات، دریائے کاویری سے حاصل کی ہوئی چیزیں، لنکا کی اشیائے خوردنی اور کالا گم (ملایا) کا مال[51] اُن سب قیمتی اور کثیر التعداد اشیا کے انبار کشادہ سڑکوں پر جن میں دولت کی فراوانی تھی لگے رہتے تھے۔
تامل ریاست کے دیگر حصوں کی بندرگاہوں کی بھی ایسی ہی تفصیل سنگم لٹریچر میں ملتی ہے[52]۔ مدورا جیسے شہروں میں بھی جو اندرونِ ملک واقع ہوئے تھے زرہ بکتر میں ملبوس "گونگے یلچھوں" اور "یونوں" پر مشتمل محافظ دستے راجہ کے محلوں پر پہرہ دیتے تھے۔ اسی عہد کی ایک نظم "پیرم بانارپڈئی"[53] میں ساحل سمندر پر واقع بلند روشنی کے میناروں کا ذکر ملتا ہے جو رات کو جہازوں کو بندرگاہ کا راستہ دکھاتے تھے۔"

کلاسیکی مصنّفین

اگر ہم مذکورہ بالا کتابوں کی فراہم کردہ شہادتوں کا موازنہ ان معلومات سے کریں جو عیسوی سن کی ابتدائی صدیوں کے کلاسیکی مصنّفین نے مہیا کی ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ ان دو مختلف نوع کے مآخذ سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار ایک دوسرے سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ ان کا ایک ہی زمانۂ تاریخ سے وابستہ ہونا صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے۔
"پیری پلس" کا مصنّف قطعی طور سے کہتا ہے کہ روم کے سوداگر ہر سال ہندستانی راجاؤں کے حرم کے لیے حسین دوشیزائیں فراہم کرتے تھے۔ اس امر کی تصدیق بعض ہندستانی ناٹکوں کے مناظر[54] سے بھی ہوتی ہے۔ پیوٹنگر کے نقشے کے جو سلطنت سوم کے عروج کے زمانے میں بنایا گیا تھا۔ اس ورق میں جو ہندستان سے متعلق ہے تنڈس اور موسی رس کے ناموں کے پہلو بہ پہلو "آگسٹس کا مندر"[55] کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ تامل ملک کے اندرونی علاقوں میں رومن سکوں کی کثیر تعداد میں دستیابی[56] سے رومن آبادکاروں کی تامل ریاست میں موجودگی، ان کی تجارت کی وسعت اور اس تجارت کی ابتدا، عروج و زوال کے زمانوں کا علم ہوتا ہے۔
کلاسیکی مصنّفین کے اتفاقیہ بیانات، بالخصوص قدیم چینی تذکروں کی شہادتوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مشرق بعید سے مغرب تک کے کل بحری راستے پر جو تجارت ہوتی تھی وہ کئی نسلوں تک ہندستان کے واسطے سے ہوتی تھی۔ ابتدائی عیسوی صدیوں میں بحر ہند

کی سمندری تجارت بذاتِ خود اتنا وسیع موضوع ہے[1] اور اس کے بارے میں معتبر شہادتیں بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ ان پر قلم اٹھانا یہاں ممکن نہیں۔ صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ اس کے چند پہلوؤں کو جو جولا تاریخ کے طلبا کے لیے باعثِ دلچسپی ہو سکتے ہیں اجاگر کر دیا جائے۔

سمندر پار ملکوں سے تجارت کی تاریخ

سلطنت روم اور ہندستان کے درمیان تھوڑی بہت تجارت، گو یہ پہلے پہل صرف سامانِ تعیش تک محدود تھی، اگسٹس کے عہد میں شروع ہو گئی تھی۔ پہلے پہل رومی سلطنت کی مشرق کی جانب توسیع اور استحکام کا ایک بڑا مقصد مشرقی ممالک سے تجارت تھی اور آئلیس گالس کی عرب کے خلاف مہم اگرچہ مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکی، تاہم اس ملک کے جنوب میں واقع بہت سی عمدہ بندرگاہیں اس کے ہاتھ لگیں جو مصر سے ہندستان جانے میں رومن تاجروں کے راستے میں پڑتی تھیں۔ آگسٹس کے عہدِ حکومت میں باوجود اس کے کہ پانڈیہ راجہ نے اس کے پاس اپنے سفیر بھیجے یہ تجارت کچھ زیادہ وسیع اور اقتصادی اعتبار سے اہم نہ تھی۔ بعض معصر مصنفوں کے بیانات سے جنھوں نے اس تجارت کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ آجکل کے بعض دانشوروں کو اکثر دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ اس تجارت کی اہمیت کے متعلق مبالغہ آرائی کرنے لگتے ہیں۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد یہ تجارت بہت بڑھ گئی اور اب یہ رومن تجارت کی ایک برائے نام شاخ نہ رہی جیسی کہ پہلے تھی۔ جولیانی اور کلاڈیائی کے عہدِ حکومت میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا اور اگرچہ بری راستے سے بھی بہت کافی تجارت ہوتی تھی پھر بھی مصر کی بحری تجارت عرب سے اور عرب کے راستے سے ہندستان سے اس کی مشرقی ممالک سے تجارت کا ایک بہت بڑا حصہ بن گئی۔ جب تک یہ تجارت صرف سامانِ تعیش تک محدود تھی اور عرب تاجروں کے توسط سے ہوتی تھی۔ اس وقت تک رومی اس کی قیمت زیادہ تر سونے اور چاندی میں ادا کرتے تھے اور پلینی کلاں کا یہ بیان جس کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا تھا جس میں رومن سلطنت ہندستان[2]، چین اور عرب کو دس کروڑ سسٹرسیز (دس لاکھ ستاسی ہزار پانچ سو پونڈ) زرِ مبادلہ ادا نہ کرتی ہو[3]، غالباً اسی ابتدائی زمانے کے متعلق ہے۔ آگسٹس کے بعد ہندستان کے ساتھ تجارت میں قدرتی طور پر اس لیے اور اضافہ ہوا کہ رومی سلطنت کی طاقت و ثروت کی وجہ سے حالات بہت سازگار

ثابت ہوئے۔ ٹالیمی کے زمانے کے آخر میں یا ابتدائی رومن عہد میں اسکندریہ کے ایک باشندے ہیپرکس نے موسمی ہواؤں کی دریافت کیا۔ نیز ایک ترقی پذیر تجارت کے قدرتی رجحان نے جو محض اشیائے تعیش پر قانع نہیں رہ سکتی تھی بلکہ اس سے اور آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی، مصر اور ہند کے درمیان ایک سیدھا بحری راستہ دریافت کرنے میں مدد کی۔ اب (تجارتی مال کی) آمد و رفت کا خاص مرکز اسکندریہ بن گیا۔ عرب کی بندرگاہیں اپنی اہمیت کھو بیٹھیں۔ "پیری پلس" کے زمانہ یعنی ڈومیشین کے عہد حکومت تک، یہ نیا بحری راستہ اچھی طرح قائم ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے ساتھ تجارت بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ مختلف اقسام کے مال کے تبادلے کا ایک باقاعدہ سلسلہ قائم ہو گیا جس میں عرب اور ہندستان کے مال کا تبادلہ مصر کے مال سے ہوتا رہتا تھا۔ کپاس ہندستان سے باہر جانے والی اہم ترین اشیائیں سے ایک تھی۔[83] دوسری غالباً ریشم تھی۔ ان دونوں سے اسکندریہ کے کارخانوں میں مصنوعات تیار کی جاتی تھیں۔ جہاں سے تبادلہ میں شیشہ، دھات کا سامان اور غالباً سوتی کپڑے ہندستان بھیجے جاتے تھے۔[84] ہندستان کے ساتھ رومن سلطنت کی تجارت کی روز افزوں ترقی کا اس سے بہتر کوئی ثبوت نہیں کہ "پیری پلس" کے مصنف نے ہندستان کے ساتھ تجارت کے راستے کا ایک بہت مختصر نقشہ کھینچا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ٹالیمی نے دوسری صدی عیسوی کے پہلے نصف میں اسی راستے کو بہت زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے ٹالیمی کے تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ رومن تجارت اب ہندستان سے آگے بڑھ کر ہند چینی اور سماترا تک پہنچ گئی تھی۔ نیز یہ کہ ہندستان اور چین کے درمیان تجارت بہت ترقی پا گئی تھی اور پابندی سے ہونے لگی تھی۔ رومن تاجر عام طور سے خود بہت کم مشرق بعید کے ملکوں کو جاتے تھے۔ کیونکہ چین اور مغربی ممالک کے درمیان تجارت ہندستان کے راستے سے ہوتی تھی۔ مشرق میں جزیرہ نمائے ملایا اور سماترا اور مغرب میں ساحل مالابار کے مابین، مال لے جانے کا کام بیشتر تامل لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔[85] روم اور جنوبی ہندستان کے درمیان براہ راست بیوپار تیسری صدی عیسوی میں رومی سلطنت کے اندر فوجی بدنظمی کی وجہ سے کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گیا۔ ہندستان میں تیسری صدی کے رومن سکے بالکل دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ یہ کاروباری تعلقات اس وقت بحال ہوئے جب بزنطینی عہد میں دوبارہ نظم و نسق قائم ہوا اور سونے کے سکے کو پھر استحکام حاصل ہوا۔[86] لیکن اس [illegible]ت بھی

زیادہ تر دوسروں ہی کے ذریعے سے تجارت ہوتی رہی۔

چولوں کا حصّہ

بحرِ ہند اور بحرۂ عرب میں مال لانے اور لے جانے کے کام میں چولا حکمرانوں کا بہت بڑا حصّہ تھا اور ساحل کارومنڈل کی وسیع ترین جہازرانی ان کے تسلط میں تھی۔[۸۷]

تامل جہازرانی

"پیری پلس" کا مصنّف کہتا ہے کہ چولا ریاست کی بندرگاہوں میں ریاست کے جہاز اور "سنگارا" جو شہتیروں کو ایک ساتھ باندھ کر بنائے جاتے تھے۔ "ڈماریکا" تک ساحل کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔[۸۸] لیکن جو جہاز چرائسی اور گنگا کی جانب سمندری سفر کرتے ہیں وہ "کولندیا" کہلاتے ہیں اور بہت بڑے ہوتے ہیں۔[۸۹] "پیری پلس" کے مصنّف نے یہاں تین قسم کے جہازوں کا حال بیان کیا ہے۔ ساحلی کشتیاں جو مقامی آمدورفت کے لیے استعمال کی جاتی تھیں، زیادہ باربرداری کی اہلیت رکھنے والے پیچیدہ ساخت کے بڑے جہاز اور وہ بحری جہاز جو ملایا، سماترا اور دریائے گنگا تک سفر کرتے تھے۔ غالباً یہی ہلکی ساحلی کشتیاں شاعر جوردرانگن نار کے ذہن میں اس وقت تھیں جب اس نے ایسی کشادہ کشتیوں کا ذکر کیا ہے جو سفید نمک فروخت کر کے اس کی بجائے غلّے سے لدی ہوئی واپس آتی تھیں، اور پُہار کی بندرگاہ کے ٹھہرے ہوئے پانی میں کھونٹوں کی قطاروں سے بندھی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے بے شمار جنگی گھوڑے بندھے ہوئے ہوں۔[۹۰] ایک اور مقام پر یہی مصنّف بڑے جہازوں کا ذکر کرتا ہے۔ جن کے مستولوں پر جھنڈے لہرا [illegible] تھے۔ اور جنھیں اس نے دراز قامت ہاتھیوں سے تشبیہ دی ہے۔ گہرے سمندر [illegible] جہازرانی میں ناموافق موسم کی وجہ سے جو خطرات لاحق ہوتے تھے ان کی [illegible] "منی میکھلائی" میں ایک بڑی زوردار تشبیہ سے کی گئی ہے [illegible] "منی میکھلائی" [illegible] تلاش میں اُدے کماری مجنونانہ کوششوں کو[۹۱] سمندری طوفان [illegible] جہاز کی بدوجہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

[illegible] کا بادبان نیچے [illegible] تھا۔ مضبوط گرہ [illegible] اور طوفانی ہوا سے رسی ٹوٹ گئی تھی۔ ڈھانچے کے نقصان

پہنچ چکا تھا۔ بادبان پھٹ گئے تھے اور ان سے شور بلند ہو رہا تھا۔ جیسے ایک
بڑے طوفان میں پھنسا ہوا جہاز جیسے سمندر کی چڑھتی ہوئی موجیں اِدھر سے اُدھر
پھینک رہی ہوں۔"

سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ہندستانی سمندروں کے ذریعے سے ہونے والی تجارت کے
حالات جو تامل لٹریچر میں ملتے ہیں یا جو "پیری پلس" کے تذکروں میں پائے جاتے ہیں حیرت انگیز
حد تک ہم آہنگ ہیں۔ اگر ہم ہند چینی اور مجمع الجزائر مشرقی میں زمانۂ قدیم سے ہندستانی تمدنی
اثرات کے مرتب کرنے کی اس شہادت کی روشنی میں جو ہم کو ان ممالک سے دستیاب ہوئی ہے
غور کریں تو ہم کو وہی نتیجہ صحیح معلوم ہوگا جس پر اسکاف پہنچا[۹۲] یعنی "عیسوی سن کے آغاز سے
پیشتر اور بعد میں بھی ہندستان سے ہند چینی کی جانب کثرت سے ہجرت ہمارے لیے اس
یقین کا باعث ہے کہ جنوبی ہندستان اور لنکا کی بندرگاہیں درحقیقت جیسا کہ "پیری پلس" میں
تحریر ہے، مشرق بعید کے ساتھ تجارت کا مرکز تھیں، جس میں مصر سے آنے والے جہازوں
سے زیادہ بڑے اور زیادہ کثیر تعداد میں جہاز استعمال ہوتے تھے"—————ہم
دیکھیں گے کہ جب ایک طویل عرصہ تک زائل رہنے کے بعد چولا راجاؤں کا اقتدار دسویں اور
گیارھویں صدی عیسوی میں پھر بحال ہوا تو معلوم ہوا کہ لوگوں کی جہاز رانی کا فن ابھی ان کے
پاس موجود ہے اور انھوں نے اس وقت کے سازگار حالات میں اپنے پہلے کارناموں کے مقابلے
میں کہیں زیادہ جوکھم کے کام دکھائے۔

لمپساکس کی چاندی کی طشتری

اس سے پیشتر کہ ہم چولا ریامت کی اندرونی تجارت اور صنعت کے مطالعہ کی طرف توجہ
کریں۔ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کے دوران رومی سلطنت کے تمدن اور فنونِ لطیفہ
پر ہندستان کے اثر انداز ہونے کا ذکر ضروری ہے۔ ہندستان میں گندھارا اور امراوتی کے
فنِ سنگ تراشی پر یونان و روم کے وسیع اثرات اب عام طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ لمپساکس
میں ایک چاندی کی طشتری ملی ہے جس کے کچھ حصے پر سونے کا جڑاؤ کام ہے اور کچھ پر میناکاری
کی ہوئی ہے[۹۳]۔ یہ اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ رومی ہندستان کے بارے میں اچھی واقفیت
رکھتے تھے اور اس ملک میں دلچسپی لیتے تھے۔ اس طشتری پر نسوانی شکل میں "ہندستان کا ایک

مجسمہ کندہ ہے جس کی نشست ایک خاص قسم کی ہندستانی کرسی پر ہے۔ اس کرسی کے پائے ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ہیں۔ اس مجسمہ کا دایاں ہاتھ پرارتھنا کی علامت کے طور پر اوپر کو اٹھا ہوا ہے۔ اور اس کے بائیں ہاتھ میں ایک دھنش ہے۔ اس کے ارد گرد چند ہندستانی جانور ہیں۔ جن میں ایک طوطا۔ ایک گنی مرغی اور دو پالتو بندر ہیں۔ اس مجسّمے کے قدموں میں دو ہندستانی سلام کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں جو ایک پالتو شیر اور ایک پالتو تیندوئے کو جو آپس میں لڑنے کے لیے تیار ہیں' لا رہے ہیں"[94]۔ بہت ممکن ہے کہ اس طشتری پر بنے ہوئے جانور ہندستان سے بڑی راستے کے ذریعے رومن سلطنت کو برآمد کیے جاتے رہے ہوں۔

زراعت وصنعت

چولا ریاست کی صنعتوں میں ہمیشہ کی مانند اس زمانے میں بھی جنوبی ہند کی عام صنعتوں کی طرح سب سے اہم مقام زراعت کو حاصل تھا۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے قومی اقتصادیات میں زراعت کا اہم ترین مقام اور دریائے کاویری کی گھاٹی میں اراضی کی زرخیزی کا واضح ذکر اس عہد کی تصانیف میں ملتا ہے۔ زراعت کے بہت سے کام کاج عورتیں کرتی تھیں بالخصوص نچلے طبقے کی عورتیں جن کو "پورنا نورو" کے شاعروں میں سے ایک نے سب سے آخری طبقات (کڈائی شیار) کہا ہے[95]۔ زرعی غلامی اس عہد میں موجود ہونے کی کوئی واضح شہادت نہیں ملتی۔ البتہ اس بات کا امکان ہے کہ ان "آخری طبقات" کے مزدوروں کا سماجی مقام غلاموں سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ اراضی کا بہت بڑا حصّہ "ویلالار" طبقے کی ملکیت تھا جو بہترین کاشتکار شمار کیے جاتے تھے۔ اُن کا سماج میں ایک باعزّت مقام تھا۔ بعد کے ایک مبصر نچی نارکنیارنے "امیر" ویلالوں" اور "غریب" ویلالوں" میں امتیاز کیا ہے[96]۔ امیر" ویلال "مزدوروں سے زراعت کا کام لیتے تھے اور غریب ویلال خود زمین جوت کر اپنی گذر اوقات کرتے تھے؛ اوّل الذکر کے متعلق اس کا کہنا ہے کہ وہ زمین کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ راجہ کے ماتحت شہری اور فوجی نظم ونسق میں سرکاری عہدوں پر بھی فائز ہوتے تھے۔ چولا ریاست میں انھیں "ویل" اور "ارشو" کے القاب حاصل تھے اور پانڈیہ ریاست میں "کاویڈی" کا لقب ملا ہوا تھا۔ اور انھیں شاہی خاندان کے ساتھ شادی بیاہ کا شرف حاصل تھا۔ بلاشبہ یہ طبقہ ریاست کے امراء وشرفاء کا تھا جو جنگ' شکار اور کھانے پینے کے مشاغل میں راجہ کے

شریک تھے۔ غریب "ویلال" جسمانی مشقت سے بھی اعتراض نہیں کرتے تھے لیکن بیشتر اپنی ہی زمینوں میں کام کرتے تھے۔ دوسروں کی زمینوں پر اُجرت پر مزدوری نہیں کرتے تھے۔ درحقیقت ہر ملک کے کسانوں کا وہ طبقہ تھا جو خود کام کرتا تھا اور ضرورت پڑنے پر اجرت پر مزدور لگا کر ان کی مدد لے لیتا تھا۔ "پورنا نورو" میں ایک جگہ یہ ذکر ہے[97] کہ غریب کسانوں کو جنھیں اپنی زمین سے کوئی آمدنی نہیں ہوئی تھی بونے کا بیج ہی کھا کر گذارہ کرنا پڑتا تھا اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خشک سالی اور پیداوار کا نہ ہونا انوکھی بات نہ تھی۔ اس زمانے میں مزارعوں کے حقوق اور اراضی کے لگان کے متعلق ہمیں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔

روئی سے سوت کی کتائی اور بنائی اور شاید ریشم کے کپڑے کی تیاری بھی حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ بعد کے زمانوں کی طرح اس وقت بھی کتائی عورتوں کا ایک ضمنی مشغلہ تھا۔[98] سوتی کپڑے اور ریشم پر پیچیدہ نمونوں کی بنائی کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے اور "پیری پلس" کی مستند شہادت کے مطابق ارائیور کا شہر عمدہ سوتی مال کی تجارت کا عظیم مرکز تھا۔ "پورونا آر پدئی" نامی نظم میں ایسے سوتی کپڑے کا ذکر ملتا ہے[99] جو سانپ کی کینچلی کی طرح باریک ہوتا تھا۔ اس پر پھولدار ڈیزائن بنے ہوتے تھے اور وہ اس قدر نفاست سے بُنا ہوا ہوتا تھا کہ اس کے سُوت پر نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اسی نظم میں ایک اور مقام پر ایک ریشمی کپڑے کا ذکر ہے[100]۔ جس کے دونوں کناروں پر دھاگے چھوٹی چھوٹی گانٹھوں کی صورت میں بندھے ہوتے تھے۔ "منی میکھلائی" میں کپڑے کے خوبصورت نمونوں کا ذکر ملتا ہے[101] جس سے ماہر بافندوں کی حیرت انگیز چابکدستی کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ روئی اور ریشم کی تجارت آبادی کے ایک بہت بڑے حصے کی روزی کا ذریعہ تھی۔

دوسرے پیشوں کے بارے میں کوئی مفصّل اور واضح بات معلوم نہیں ہوتی البتہ ان کے متعلق شہر کی عام زندگی کی اوپر دی ہوئی کیفیت سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چمڑے کے تسموں سے بُنی ہوئی چارپائیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جن کے لکڑی کے چوکھٹوں پر چمڑے کے تسموں سے جال بُنا جاتا تھا۔ چمڑے کے کام کرنے والے نچلے طبقے کے "پُلائیا"۔ لوگ ہوتے تھے[102]۔ اگر "منی میکھلائی"[103] میں مگدھ کے دستکاروں، مراٹھا سناروں، "اونتی" کے لوہاروں اور "یون" ترکھانوں کا ذکر جو تامل دستکاروں کے ساتھ کام کرتے تھے، محض زیبِ داستان کے لیے نہیں آیا ہے تو ہم یہ باور کر سکتے ہیں کہ ہندستان کی دیگر ریاستوں اور باہر کے ملکوں سے آئے ہوئے تاجروں کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسے بدیشی کاریگر بھی تھے جنھیں اپنے مخصوص ہنر میں غیر معمولی استعداد حاصل ہونے کے باعث

تامل ریاست میں کم و بیش مستقل روزگار ملا ہوا تھا۔

بدلے کی تجارت

بیشتر اندرونی تجارت اشیا کے باہمی تبادلہ کی صورت میں ہوتی تھی۔ دھان کی جنس تبادلے کا ایک عام مروج پیمانہ تھی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ نمک دھان کے عوض فروخت ہوتا تھا۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے[104] کہ شہد اور جڑیں مچھلی کے تیل اور تاڑی کے عوض اور میٹھا گنا اور "اَوَل"[105] ہرن کے گوشت اور شراب کے عوض ملتا تھا۔ پانڈیہ ریاست کے خوشحال کاشتکار گھرانوں کی عورتیں اپنے کھلیانوں سے سفید دھان نکال کر شکاریوں کے ان برتنوں میں ڈالتی تھیں جن میں وہ جنگل سے ہرن کا گوشت لاتے تھے یا گوالنیں جن میں دہی لاتی تھیں۔[106] دسویں صدی میں اور اس کے بعد چولا سلطنت کے دیہات کی اقتصادیات میں عام طور سے دھان قیمت مقرر کرنے کا پیمانہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس عہد کے کتبات اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ روزمرہ کے لین دین میں سکّے کو محض ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ تامل پردیش کے دیہاتی علاقوں میں تو زمانۂ حال تک یہ طریقہ رائج رہا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عیسوی سن کی ابتدائی صدیوں میں اندرونی تجارت کے لیے دھان ہی قیمتوں کے تعیّن کا مروّجہ پیمانہ تھا۔ دھات کے سکّے غیر مُلکی تجارت کے لین دین ہی میں کام آتے تھے تاہم یہ بات قابلِ توجّہ ہے کہ اکثر شہادتوں سے جو بالکل قطعی تو نہیں ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر مدورا میں، لیکن کہیں اور نہیں، اس وقت کچھ ایسے غیر ملکی آباد تھے جو اپنے روزمرہ کے لین دین میں باقاعدگی سے تانبے کے چھوٹے سکّے استعمال کرتے تھے۔[107]

مذہب اور دیومالا

قدیم تاریخی زمانے میں تامل تمدّن کے کسی اور دائرۂ کار میں آریہ افکار کا اثر اس قدر واضح نہیں تھا جتنا کہ مذہب اور اخلاقیات پر۔ یہ افکار قدیم قصّے کہانیوں، افسانوں اور رسوم و رواج کی صورت میں، جو کہ تمام ہندستان کا مشترکہ سرمایہ ہیں، تامل تہذیب کا ایک اہم جزو بن چکے تھے اور سنگم لٹریچر کی فراہم کردہ لاتعداد مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تامل شاعر سنسکرت کی ویدک اور رزمیہ دیومالا سے بخوبی واقف تھے اور دھرم شاستر کے اخلاقی تصوّر سے بھی آگاہ تھے۔ اس بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ ہندستانی دیومالا کے افسانوں کی ابتدا کیوں کر

ہوئی، اپنی ارتقائی منازل میں انھوں نے کیا کیا روپ بدلے، اور ان کی آخری شکل کیا ہے جو اب ہمیشہ قائم رہے گی اگر ہم اس کا مطالعہ کریں تو ہم کو بعض ایسے کارآمد نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جو سنگم لٹریچر کی تاریخوں کے سلسلہ وار تعین میں معاون ہوں گے۔ یوں بھی اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ "شلپدی کارم" اور "منی میکھلائی" جیسی نظمیں، جو سنگم تصانیف کی دیگر نظموں سے مختلف ہیں، نہ صرف اپنے طول اور ادبی صورت کے اعتبار سے، بلکہ اس لیے بھی کہ ان میں شمالی ہند کے قصّے اور قدیم افسانے دل کھول کر استعمال کیے گئے ہیں، اگر سنگم تصانیف کے بعد کی تخلیق نہیں ہیں تو کم از کم اس عہد کے آخری حصّے میں لکھی گئی ہیں۔ بہر حال بہتر یہی ہے کہ ہم ان معاملات میں ان شعری مجموعوں کی فراہم کردہ شہادتوں کو "شلپدی کارم" اور "منی میکھلائی" کی شہادتوں کے ساتھ مخلوط نہ کر دیں بلکہ انھیں جدا جدا رکھیں۔

شیوجی کا تین شہروں (ترپورا) کے جلانے کا واقعہ، جو ایک افسانوی چولا راجہ سے بھی وابستہ کیا جاتا ہے، راجہ شبّی کا ایک فاختہ کو عقاب کے چنگل سے چھڑانا۔ ساگرس کا مشرقی سمندر کی کھدائی کرنا اور رامائن اور مہابھارت کی کہانیاں، ان قدیم افسانوں میں ہیں جو "سنگم کے شاعروں کے علم میں تھیں۔ "شلپدی کارم" اور "منی میکھلائی" میں ہمیں مقابلتاً بہت زیادہ تعداد میں آرین خیالی افسانوں کے حوالے ملتے ہیں، جو مصنّفین نے مختلف مواقع پر بہت آزادی سے استعمال کیے ہیں۔ کرشن جی سے وابستہ تمام افسانے جن میں گوپیوں کے ساتھ ان کے عشق و محبّت کے کارنامے شامل ہیں، وشوامتر کا کتّے کا گوشت کھانا، اہلیا کے ساتھ اندر کی بدچلنی اور گوتم کی بد دعا۔ بھگوان وشنو کا ایک بونے کے روپ میں اوتار لے کر دیتوں کے راجہ بلی کو تباہ و برباد کرنا۔[108] یہ اور دوسرے افسانے ان رزمیہ داستانوں میں اس سرسری انداز سے استعمال کیے گئے ہیں کہ تامل دیش میں اُن کا اِن ادبی شاہکاروں کی تصنیف کے زمانے میں عام طور سے لوگوں کے علم میں ہونا شبہ سے بالاتر ہے۔

کچھ سماجی رسومات

جس لٹریچر سے ہم بحث کرتے رہے ہیں اس میں کچھ انوکھے رسوم و عقائد کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو اصلاً غیر تامل علاقوں کے ہیں۔ مہمان کو رخصت کرتے وقت چند قدم ساتھ جانے کی رسم "پورُونار آروپڈائی" میں صاف طور پر مذکور ہے۔[109] اس میں بتایا گیا ہے کہ راجہ کریکال اپنے

مہمان کے ہمراہ سات قدم چلا اور اس کے بعد اس سے سفید رنگ کے سات گھوڑوں والے رتھ پر سوار ہونے کی درخواست کی۔ ہر گرہست کوّوں کے کھانے کے لیے روزانہ اپنے کھانے سے پیشتر کچھ گوشت ملے چاول، نکال کر رکھ دیتا تھا[110]۔ گائے کا ذبیحہ، اسقاطِ حمل اور برہمن کا قتل سنگین ترین جرائم میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن احسان فراموشی ان سب سے بدتر جرم سمجھا جاتا تھا[111]۔ عصمت فروش عورتیں اگر کبھی کسی غیر پیشہ ورانہ حرکت کی مرتکب ہوتی تھیں تو انھیں سزا کے طور پر سر پر سات اینٹیں رکھ کر عوامی جلسہ گاہ (ارانگو) کا چکّر لگانا پڑتا تھا اور بعد میں برادری سے خارج کر دیا جاتا تھا[112]۔ کنیا کماری میں سمندر کا اشنان عورت کو کسی رشتہ دار کے ساتھ زِنا کے گناہ سے پاک کر سکتا تھا اور نہیں تو اس گناہ کی مرتکب عورتوں کے لیے یہ کفارہ ضرور سمجھا جاتا تھا[113]۔ بچّہ پیدا ہونے کے دسویں دن زچّائیں رات کے وقت تالابوں میں غسل کرتی تھیں[114]۔ بھوت پریت اور بُری نظر لگ جانے پر لوگ اعتقاد رکھتے تھے[115] اور بچوں کے بالوں میں گھی اور سفید سرسوں لگا کر ان سے حفاظت کی جاتی تھی۔ پیشنگوئیاں کرنے کا رواج تھا[116]۔ اور اچھّے بُرے شگون پر عام اعتقاد تھا۔ "شلیدی کارم" کا مصنف بڑے دلکش انداز میں کہتا ہے کہ راجہ اندر کے جشن کے دِن کنگّی کی بائیں آنکھ اور مادھوی کی دائیں آنکھ پھڑکنے[117] سے پیش آنے والے واقعات کا پہلے سے پتہ چل گیا تھا۔

مُردوں کو ٹھکانے لگانا

مُردوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے کوئی ایک طریقہ رائج نہیں تھا۔ لاشوں کو جلانے اور راکھ کے برتن کے ساتھ یا اس کے بغیر دفن کر دینے کا عام ذکر ملتا ہے اور ایک ہی گھرانے میں مختلف مواقع پر ان طریقوں سے کسی ایک پر عمل کرنے کی آزادی تھی[118]۔ "منی میکھلائی" میں اینٹوں سے مختلف شکلوں کی سمادھیاں تعمیر کرنے کا ذکر ملتا ہے جو مرنے والے کے اعزّا بناتے تھے چاہے مرنے والا رشی رہا ہو یا راجہ یا کوئی عورت جو ستی ہو گئی ہو[119]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سمادھیوں کی شکلیں مرنے والوں کی ذات، اور مرتبے کے حساب سے مختلف ہوتی تھیں۔ اسی نظم میں ماتمی ڈھول کا بھی ذکر ملتا ہے جو سننے والوں کے دلوں میں ہراس پیدا کر دیتا تھا[120]۔

ستی

ستی کا اکثر ذکر ملتا ہے اور اس کا رواج کافی عام تھا لیکن ہمہ گیر نہیں تھا۔ بھوتا پانڈیہ کی

رانی کے مشہور الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ عام رواج تھا کہ جن عورتوں کے شوہر مر جاتے تھے۔[121] ان کو ستی ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی اور اس رسم کو جبراً نافذ کرنا تو کیا اس کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ستی ہونے والی عورت کی دلیری اور خلوص کو تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ سچّی بیوی وہی ہوتی تھی جو اپنے شوہر کی موت پر اس کی جلتی چتا میں اس طرح داخل ہو جائے جیسے ٹھنڈے پانی کے تالاب میں نہانے کے لیے اتر رہی ہو۔[122] اس سے قدرے کم دلیرانہ لیکن مقابلتاً زیادہ انسانیت نواز نصب العین کا اظہار جس کو اختیار کرنے کی امید عورت سے کی جاتی تھی، شاید "منی میکھلائی" کی سطور میں بہترین طریقہ سے کیا گیا ہے۔[123] ان سطور میں ایک گھریلو اور ایک عصمت فروش عورت کی روزمرّہ کی زندگی کے فرق کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ اوّل الذکر اپنی دوشیزگی کے دنوں میں اسی طرح زیرِ حفاظت رہتی ہے، جیسے کہ اپنی شادی شدہ زندگی میں یا اپنے شوہر کے مرنے کے بعد۔ وہ ہمیشہ اپنے جذبات پر قابو رکھتی ہے، اجنبیوں سے نہیں ملتی، اور وہ شوہر کے علاوہ کسی دوسرے دیوتا کی پوجا نہیں کرتی۔ "کُرل" میں ستی کی رسم کا ذکر نہیں ملتا۔ بیوگی کے زمانے میں خُدا سے لَو لگا کر زندگی بسر کرنا سبھی طبقوں کی عورتوں کے لیے مناسب سمجھا جاتا تھا۔ ستی کا ان دنوں عام رواج نہیں تھا۔ شاذونادر ہی کوئی عورت ستی ہوتی تھی۔ ہم کو ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں کسی عورت کو اس کی مرضی کے خلاف ستی ہونے پر مجبور کیا گیا ہو۔

برہمنی عقیدہ

قدیم زمانے کے چولا فرمانرواؤں کی جانب سے قیمتی قربانیوں کی رسومات کی ادائیگی۔ جن کے بارے میں پہلے بھی کئی حوالے دیے گئے ہیں، یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس قدیم زمانے میں بھی برہمنی ہندو دھرم تامل ریاست میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ "منی میکھلائی" میں برہمنوں کی روزانہ بلاناغہ آگ کی پرستش کا ذکر ملتا ہے۔[124] "پُورنانورو" میں بھی آوُور مولم کلار کے ایک گیت میں کونڈنیہ گوتر کے ایک برہمن وِنندائن کی بہت تعریف کی گئی ہے جو پنجاورر میں رہتا تھا۔[125] جس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اونچے "شروتریہ" گھرانوں کو سماج میں کتنا اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا:-

"آئے اُن دانشمندوں کی نامور نسل کے نونہالو، جنھوں نے شیوجی کی قدیم تعلیم کی مخالفت کرنے والوں کی طاقت کو نیچا دکھایا۔ جو جھوٹے نظریات کی غلط

دلیلوں کی تہ تک پہنچ گئے اور جنھوں نے حق کو مقدم سمجھتے ہوئے اور باطل سے بچتے ہوئے ویدک قربانی کے اکیس طریقے پورے کر دیے[126] - گھاس کھانے والے بارہ سنگھے کی کھال جو تم قربانی کے وقت اوڑھے ہوئے ہوتے ہو کندھوں پر پڑے ہوئے جنیو پر جھلملاتی رہتی ہے - تمھاری بیویاں تمھاری ہم رتبہ ہیں نیک اور بڑی خوبیوں والی ہیں، شاستروں کی ہدایت کے مطابق جالی دار کپڑے کی پوشاک پہنتی ہیں جو ایسے مواقع کے لیے مخصوص ہے، کم گو ہیں، چھوٹی پیشانی، بھاری کولھے اور گھنی زلفیں رکھتی ہیں - مقررہ فرائض تن دہی سے انجام دیتی ہیں - جنگل سے اور شہر سے چودہ[127] "پشو" والی جو پانی سے بھی زیادہ افراط سے گھی مہیا کرتی ہیں - تم اتنی قربانیاں دیتے ہو جنھیں ہندسے گن ہی نہیں سکتے اور تم اپنی شہرت اس طرح دور دور پھیلاتے ہو کہ تمام دنیا تم سے حسد کرنے لگتی ہے اور قربانی کے اختتام کے وقت تمھارے مرتبے میں ایک اور اضافہ ہو جاتا ہے - پرماتما کرے کہ ہم اسے اسی طرح دیکھتے رہیں - جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو ٹھنڈے دریائے کاویری کے کنارے آباد اپنے گاؤں میں جا کر کھاؤں پیوں گا، شہسواری کروں گا اور موج اڑاؤں گا - وہ کاویری جس میں اس وقت باڑھ آتی ہے جب مغربی گھاٹ کے پربت کی سنہری چوٹیوں پر بجلی والا بادل گرجتا ہے - تم بھی اپنی طرف سے، اسی طرح غیر منقلب اور مستحکم کھڑے رہو جیسے بلند ہمالیہ جو بادلوں سے اونچا ہے اور جس کی ڈھلانیں بانس کے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔"

اس قصیدے سے نہ صرف ویدک ارکان عبادت کی بالادستی کا پتہ چلتا ہے بلکہ ویدوں اور دوسرے مذاہب کے پیرؤوں کے درمیان نزاع کی طرف اشارے بھی ملتے ہیں - دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو باطل کے پرستار اور غلط استدلال کرنے والے، جو باطل کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں، کہہ کر رسوا کیا گیا ہے - دیگر مذاہب کیا تھے اس کے متعلق قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے - اغلب ہے کہ یہ بدھ مت اور جین مت تھے جو قدیم زمانے سے تامل ریاستوں میں رائج تھے - "آپ نیئن" کی رسم کا ذکر "منی میکھلائی" میں آیا ہے جس میں ایسے برہمنوں کا ذکر کیا گیا ہے جو جنیو پہننے کی رسم کے فوراً ہی بعد ویدوں کا مطالعہ شروع کر دیتے تھے[127] - "پورم" میں دو بار جنم لینے والوں کا ذکر موجود ہے[128] - جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں تاجروں کے گھروں تک میں شادیاں ویدک رسوم کے

مطابق ہوتی تھیں۔" تولکاپیم "میں "کرپو" کی تعریف جس طرح سے کی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک اعتبار سے "کلاوُو" اور "کرپو" کے درمیان جو فرق کیا گیا ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ اوّل الذکر تامل پردیش میں شادی کی ملکی صورت ہے، اور مؤخر الذکر غیر ملکی آرین صورت، جو اس پر مسلط کر دی گئی ہے۔" کرپو" شادی کا وہ طریقہ ہے جس میں دولہا جو ایسے خاندان کا ایک فرد ہوتا ہے جس کو دلہن کو قبول کرنے کا حق ہے، دوسرے خاندان کے افراد کی دی ہوئی دلہن کو جس کو دینے کا ان کو حق ہوتا ہے قبول کرتا ہے اور ویدک رسوم کے مطابق اس کو اپنی بیوی بناتا ہے۔"[129]

اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ شادی کی رسوم ایسی حالت میں ادا ہو سکتی تھیں جب قابلِ شادی لڑکی کو دینے والا کوئی نہ ہو اور جو رسوم صرف تین اونچی ذاتوں کے لیے مخصوص تھیں۔ اکثر ان کو چھوٹی ذاتوں والے بھی ادا کر سکتے تھے۔[130] مختصر یہ کہ ہم کو بتایا جاتا ہے کہ رشیوں (آئروں) نے یہ رسوم اس وقت متعیّن کیں جب جھوٹ اور گناہ نے سر اٹھایا۔[131] یہ بات ان افسانوں کی یاد دلاتی ہے جو یہ بتاتے ہیں کہ انسانی شادی کی ابتدا کس طرح سے ہوئی اور جن کا ذکر سنسکرت مصنفین نے اکثر کیا ہے اور جن کی تفصیل مہابھارت میں دی گئی ہے جیسا کہ صحیح کہا گیا ہے کہ[132] "ایسے دیومالائی افسانے دلچسپ تو ضرور ہیں لیکن ان کی کوئی سائنٹیفک قیمت نہیں ہے۔ جب لوگ شادی کے نظام اور اس کے رسوم کے بارے میں غور کرنے بیٹھے ہوں گے تو قدرتی طور پر انھوں نے اس زمانے کا تصور بھی کیا ہوگا جب نہ صرف یہ کہ کوئی رسوم ادا نہیں کی جاتی تھیں بلکہ سرے سے شادی کا ادارہ ہی نہیں تھا۔"

ہندومت کے دیوتا

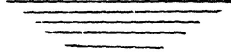
تمام تذکروں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہندومت ہی اس عہد میں تامل پردیش کے زیادہ لوگوں کا مذہب تھا۔ اس کے وسیع دامن میں لاتعداد دیوتا پناہ لیتے تھے۔ جن کی پرستش کی جاتی تھی اور جن میں پیشانی پر ایک آنکھ رکھنے والے عظیم خدا سے لے کر چوراہے کے معمولی دیّتہ (بھوت) تک شامل تھے۔[133] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چار دیوتاؤں کو اوروں کے مقابلے میں فوقیت حاصل تھی۔[134] یہ دیوتا تھے شیو جن کا دیوتاؤں میں سب سے اعلیٰ مرتبہ تھا، بلرام اور کرشن جن کا ذکر اکثر ایک ساتھ کیا جاتا ہے اور "مروگن" تامل لوگوں کا مقبول دیوتا تھا۔ مروگن کی پوجا میں "ویل ناڈل"

کی طرح کچھ ملکی رسوم بھی شامل تھیں۔ اِندر کی بھی خاص خاص مواقع پر پوجا کی جاتی تھی جیسے کہ تہوار کے جشن میں جو اس کے اعزاز میں ہوتا تھا۔ "شلپدی کارم" میں "دیٹوور" کے "کوروائی" کی پوجا کرنے کا، گوپیوں کے کرشن کی پوجا کرنے کا اور "کرُوُوں" کے "مُروگن" کی پوجا کرنے کا جو ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رقص اور موسیقی قدیم زمانے سے مذہبی رسوم کا جزو تھے۔ "منی میکھلائی" میں سرسوتی کے ایک مندر کا ذکر آیا ہے[135] "جو کاپالکوں" کی موجودگی کی خبر دیتا ہے[136]۔ اگر "کلاولی" کا مصنف وشنو دھرم کا مشہور سنت پوئی گیارہی تھا جیسے تین قدیمی "الواروں" (بھگتوں) میں شمار کیا جاتا ہے تو وشنو دھرم کی بھگتی تحریک کی ابتدا ہمیں اسی قدیم زمانے سے ماننی پڑے گی، اور یہ بات غیر ممکن بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "منی میکھلائی" میں "وشنو پُران" کا ذکر بھی آیا ہے[137]۔

بُدھ مت کے اثرات

تناسخ ارواح۔ ایک جنم کے اعمال کا آنے والے تمام جنموں پر اثر اور قسمت کی طاقت، یہ تین اعتقادات ہندستان کے تمام مذاہب کی مشترک بنیاد کا حصہ تھے۔ تامل پردیش میں بھی لوگ انھیں پر عامل تھے۔ رہبانیت کو مستحسن خیال کیا جاتا تھا اور سمجھا جاتا تھا کہ اس سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں[138]۔ سنگم عہد کی نظموں میں خوش دلی سے زندگی بسر کرنے پر اعتقاد دکھائی دیتا ہے اس پر رفتہ رفتہ قنوطیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ بُدھ دھرم کی تعلیمات میں زندگی کے مصائب پر جو زیادہ زور دیا گیا ہے اور ان سے نجات کا صرف ایک راستہ بتایا گیا ہے کہ زندگی کی خواہش کو دبایا جائے یہ قنوطیت دراصل ــــــ اسی کی دین ہے۔ حُزن ویاس کا یہ احساس جو "اُرائیو رمدُو کنّن شاتنار" میں پہلے ہی سے موجود ہے[139]۔ "منی میکھلائی" میں اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جس میں ان کم عقلوں کی مذمت کی گئی ہے جو موت کی سنگدلی پر غور و فکر نہیں کرتے اور اپنا وقت نفسانی لذات سے لطف اٹھانے میں صَرف کرتے ہیں[140]۔ تامل پردیش کے تمام اہم مراکز میں جینیوں کے مندر اور بُدھوں کے "چیتیہ" اور خانقاہیں تھیں جن میں بُدھ اور جین راہب رہتے تھے اور اپنے عقیدوں کی تبلیغ ان لوگوں میں کرتے تھے جو اُن کی باتیں خوشی سے سننے کو تیار ہوتے تھے[141]۔ نامور بُدھ بھکشو اراو نوادیگل، جسے "منی میکھلائی" میں یکے بعد دیگرے پُہار۔ وانچی اور کانچی سے وابستہ بتایا گیا ہے، خواہ کوئی تاریخی شخصیت نہ رہی ہو[142] پھر بھی ہم اسے کم از کم ان بھکشوؤں کا نمایندہ سمجھ سکتے ہیں جن سے

اس زمانے کے شہری باشندے واقف تھے۔ ان مذاہب کے کتنے پیرو تھے۔
اور ان کا کس قدر اثر سماج پر تھا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی
ذریعہ نہیں ہے۔



چوتھا باب

حاشیے

۱ "دراوڑ" کی پرانی اصطلاح جسے اب چند اہل قلم حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس سے الگ کوئی خاص معنی نہیں رکھتی۔ زبان یا تمدّن سے نسل یا قوم کے متعلق رائے قائم کرنا جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔

۲ اس موضوع پر میری حالیہ تحریریں وِنگ فیلڈ سٹرٹیفور

کے اس اظہارِ رائے کے جواز پر غور کرنے پر مجبور کرتی ہیں جو اس نے کسی اور ضمن میں کیا تھا۔ یہ ایک ایسا میدان ہے جو اس سے پہلے زیادہ تر آزاد اہلِ قلم کے لیے خالی چھوڑ دیا گیا تھا، اور غالباً یہ ایک ستم ظریفی ہے کہ قدامت پرست مؤرّخین اور اُن بلند تخیّل رہنماؤں کے مابین کوئی رابطہ قائم نہیں رکھا گیا جن کے اخذ کیے ہوئے جرأت مندانہ نتائج ہم کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور ایسی تنقیدی صلاحیتوں کے متقاضی ہوتے ہیں جن سے خود مصنّف بھی اکثر عاری ہوتا ہے۔ الفاظ سے پیدا کیے ہوئے دلائل کو جو آزاد اہل قلم اپنی طبّاعی سے روز ایجاد کرتے رہتے ہیں، استعمال کرنے میں ہم کو بہت احتیاط برتنی چاہیے اور اس بات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ کس طرح ذرا سی ہوشیاری سے بڑی سے بڑی مہمایت کو لسانیات کا ایک مسئلہ بنا دیا جاتا ہے۔ (دیکھیے The History of

۱۔ صفحہ ۱۴)

۳ دیکھیے پی ٹی سری نواس آئینگر کی کتاب "تاملز" (Tamils) کا صفحہ ۴۸۵۔ اگے منّن سے قبل یقیناً ہیرو ہوتے تھے۔

۴ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۰

۵ ۷۱-۱۱: ۶۶-۶۷

۶ -گوتم ۱۰- صفحہ ۶ اور بعد کے صفحات (میسور ایڈیشن)

۷ مٹرائیوُر- تے- ایتُو- منزل- اتنل "پوُرل" کا سُوتر ۹۲ اڑائینار- سُوتر نمبر ۱

۸ تولکا پیّم- پوُرل ۱۰۴ تا ۱۰۶

۹ ۱۱ - ۱ تا ۲۸

۱۰ پورم ۳۶۸- ص ص ۲۸۲-۸۳

۱۱ پورم-۴-۱۱، ۱۰-۱۱

۱۲ "پورُونزآڑ پدئی" ۱۱-۲۴۵-۴۶

۱۳ نمبر شمار ۳۸۱

۱۴ نمبر شمار ۷۳۱-۴۰

۱۵ نمبر شمار- ۷۴۰

۱۶ نمبر شمار ۷۵۱-۷۶۰

۱۷ نمبر شمار ۷۵۶- پریمیلا لگرنے" اُرُوپورل" کے معنی ضبطی بحق سرکار اور دفینہ لیے ہیں لیکن "دواکرم" کا نواں حصّہ دیکھیے۔

۱۸ نمبر شمار ۵۲۲

۱۹ نمبر شمار ۶۰-۱۱: ۱۳ تا ۱۵ کورچ- چولر- کُڈ ندئی دیت ناڈُوترُ ندی ینن جیریا درن گڈی۔

۲۰ نمبر ۴۴۶: پوپ کا ترجمہ

۲۱ نمبر شمار ۵۵۵-۵۶۴

۲۲ نمبر شمار ۵۸۱

۲۳ نمبر شمار ۶۲۸

۲۴ نمبر شمار ۸۷۲

۲۵ منی میکھلائی

۲۶ نمبر شمار ۵۴۳-۵۴۵-۵۴۶- منی میکھلائی- ۱۱- صفحہ ۸۰ اور بعد کے صفحات سے بھی مقابلہ کیجیے۔

۲۷ دیکھیے ۔ا۔ صفحات ۲۲-۲۳

۲۸ دی تاملز ایٹین ہنڈرڈ ایئرز اگو۔ صفحات ۱۰۹-۱۱۰

۲۹ جیسا کہ خیال تھا وہ علما جو کنکا سبھائی کے بیانات کو اس کے ماخذوں تک نہ پہنچنے کے باعث سمجھ نہیں سکے ہیں بہت تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آر۔ سی مجمدار اپنی پُر فکر تصنیف ( ) میں اس مقام سے ایک بہت بڑا قدم آگے بڑھاتا ہے جہاں پہلے اسے کنکا سبھائی نے پہنچایا تھا اور وہ تصدیق کرتا ہے کہ "مجھے ایسا لگتا ہے کہ نام نہاد پانچ اسمبلیاں دراصل ایک بڑی اسمبلی کی پانچ چھوٹی کمیٹیاں تھیں۔ مصنف نے ان کا آغاز مگدھ سامراج کے دنوں سے بتایا گیا لیکن میرے نزدیک یہ ویدوں کے زمانے کی "سمتی" کی جدید شکلیں تھیں، جن سے اپنے آثار ہندستان کے ہر حصے میں چھوڑے ہیں" اور یہ قدیم اسمبلیاں شاید کسی معجزے کے تحت سیاسی تنظیم کی جدید ترین تبدیلیوں کو پہلے ہی سے سمجھ گئی تھیں، کیونکہ مجمدار آگے چل کر کہتا ہے "بہر صورت ان تنظیموں یا اسمبلیوں کی نمایندہ حیثیت اور انتظامیہ پر ان کا اثر انداز ہونا صاف ثابت ہے۔ یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ ان میں سے ایک اسمبلی صرف وزرا پر مشتمل ہوتی تھی۔ اجتماعی طور پر ان اسمبلیوں کو مذکورہ بالا "پریوی کونسل" سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ وزرا کی اسمبلی کو جو چند منتخب اور ممتاز افراد پر مشتمل ہوتی تھی۔ کابینہ کا ہم منصب قرار دیا جا سکتا ہے" (طبع دوم ص ص ۱۲۰-۲۱)۔ اہو نہ گشت دم آتپر کیھ شاباہ!

۳۰ ۔ پُورم ۲۶

۳۱ ۔ ۱۱۲ - ۱۸۷ - ۸۸ ۔ مدی یور۔ اَدَیٔ ٹَکّد۔ پولدر رم۔ پکّی مرن شیادم۔ یہاں "مدی یور" کا مفہوم "الائیور" کا متضاد سمجھنا چاہیے جو "الائیور وندل آنرادم" کے جملہ میں "مدی یور" سے فوراً پہلے آتا ہے۔ حقیقت میں نچنی نار کینیار اس کے یہ معنی نہیں لیتا۔ وہ "مدی یور" کے معنی "بوڑھے لوگ" سمجھتا ہے اور یہاں اسے کریکال کا قصہ بیچ میں لانے کا موقع مل جاتا ہے کہ وہ مصنوعی سفید بال اپنے سر میں لگاتا تھا تا کہ وہ ان لوگوں سے زیادہ بزرگ دکھائی دے جو اس کے سامنے اپنے تنازعات کا فیصلہ کروانے آتے تھے۔

۳۲ نمبر شمار ۲۰۷

۳۳ پورم ۳۷۳

۳۴ ملاحظہ ہو ص ص ۴۷ و صفحاتِ ذیل

۳۵ پوُرونر - ۱۱، ۱۸۰ - ۲۴۶

۳۶ نمبر شمار ۱۰۳۳

۳۷ نمبر شمار ۱۱، ۱۱۸ - ۱۲۷

۳۸ منی میکھلائی - ۱۱ - ۴۲ - ۴۳

۳۹ ملاحظہ ہو "کلوَل" کا اننت رام آئر کا ایڈیشن صفحہ ۱۰ - (تمہید)

۴۰ دیکھیے مار ایم پیئر یندو مولیا ئم (تولکا پیم - پورل - پُرتنائی - سوتر ۸) پر کھی نار کنیار کا تبصرہ -

۴۱ نمبر شمار ۱۶۷ - ۳۹۴

۴۲ کُرل ۱۷۷ : اہم ۱۳۱ ؛ پورم ۲۰۶، ۴۰۱

۴۳ تولکاپیم - پوُرل - سوتر ۶۳ (خاتمہ)

۴۴ پورم ۶۲ + ۱ - ۱۳

۴۵ منی میکھلائی iii x x - ، صفحہ ۱۳ - اور بعد کے صفحات نیز حاشیہ

۴۶ پورم ۴۰ - جدید جنگ بھی اس طرح کے خلافِ مردانگی طریقوں سے ناآشنا نہیں ہے - دشمن کی توپوں کو یادگاری ڈھالوں میں بنا ہوا دیکھیے -

۴۷ نظم صفحہ ۲۵۸ کا کنکا سبھائی نے تالیف و ترجمہ کیا ہے - ایک پُرانے تبصرے کے مطابق "کلوَل" شہنشاہ وجیالیہ کو مخاطب کر کے لکھی گئی تھی اگر یہ بات صحیح ہو تو اس نظم کی تاریخ تحریر بدل جائے گی جس میں شینگنان کا کوئی واضح حوالہ موجود نہیں ہے -

۴۸ "کلوَل" ۹

۴۹ مصرعہ ۲۹۰

۵۰ پورم ۱۲۵

۵۱ پوُرنر آڑوُپڈئی ۱۱ - ۸۴ - ۸۹ - اور ۱۰۲ تا ۱۲۱ ، نیز دیکھیے پُورم ۳۴ ترجمہ پوپ

صفحہ ۲۵۱

۵۲ پورم ۲ ۶'۔ ۱-۱۴

۵۳ شلپدی کارم۔ ۱۔ ۵۵-۱

۵۴ مصرعہ ۱۸۵۔ اس میں دی ہوئی تعداد ۱۶ لاکھ ہے"۔ یتوڈارڈو نورائرم"

۵۵ پورم ۳۳۵

۵۶ پورم ۸ ۷ ۳' ۱۱-۱۰-۲۲

۵۷ پورم ۷۰۔ ۱۹'۔ ۱x x x۔ صفحہ ۲۸۱

۵۸ شلپدی کارم۔ ۷۱۔ صفحہ ۲۹۔ اور اس کے بعد کے صفحات میں ان کی تفصیل دی گئی ہے۔

۵۹ منی میکھلائی۔ ii۔ ۱۱ '۱۸-۲۲

۶۰ پورم ۸ ۷ ۲

۶۱ منی میکھلائی iii۔ ۱۱۔ صفحہ ۱۲۷۔ اور اس کے بعد کے صفحات

۶۲ منی میکھلائی۔ xix۔ ۱۲' صفحہ ۱۰۲۔ اور اس کے بعد کے صفحات

۶۳ منی میکھلائی xix۔ صفحہ ۹

۶۴ مزید دیکھیے" ابم" ۸۶ جس کا حوالہ پی ٹی سرنی نواس آئینگر کی تصنیف" "کے صفحات ۷۸۔۸۰ میں دیا گیا ہے

۶۵ ii۔ ۹۵ تا ۱۱۷

۶۶ i۔ ۱۱ـ ۱۴ تا ۱۹؛ ii' ۲ صفحہ ۱۰۱ اور اس کے بعد کے صفحات

۶۷ پورم ۳۰۔ ۱۱' ۱۱ تا ۱۴

۶۸ " پٹناپالائی" ۱۱ ۱۴۲ تا ۱۵۸

۶۹ ایضاً ۱۱' ۱۵۹ تا ۱۶۳

۷۰ عام بحث و مباحثہ میں اپنی علمیت کا مظاہرہ کرنے کا یہ طریقہ "منی میکھلائی" i۔ ۱۱ ۶۰-۱۶ میں بھی درج ہے۔ یورپ میں یہ رواج حالیہ وقتوں تک بھی عام رہا ہے اور ہندوستان میں تو پنڈتوں میں اب تک مشہور اور رائج ہے۔

۷۱ - ۱۹۹ تا ۲۰۲

۷۲ ملاحظہ ہو "منی میکھلائی" کا صفحہ ۷۵

iii ۷ x x ۷ ، اا ' ۱۲تا ۷۰ میں کانچی پورم کا مفصل احوال درج ہے جو بظاہر پہار کے اس احوال سے ملتا جلتا ہے جو ہم نے شلپدی کارم سے لے کر اوپر کے پیراگرافوں میں درج کیا ہے لیکن کانچی پورم کا یہ تذکرہ اتنا روایتی لگتا ہے جیسے حقائق سے اسے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ لیکن شلپدی کارم والا تذکرہ زیادہ معتبر اور قابلِ اعتماد دکھائی دیتا ہے۔

۷۳ اا۔ ۲۱۳تا ۲۱۷

۷۴ اا۔ ۱۸۴تا ۱۹۳

۷۵ حاشیہ نگار اسے ملایا میں واقع کڈارم (کیدہ) قرار دیتا ہے

۷۶ ۔ k. p۔ صفحہ ۳۵۔ کنکا سبھائی۔ حوالۂ سابقہ باب ii ' iii۔

۷۷ اا ' ۲۴۶تا ۲۵۰

۷۸ رےناڈ (مختصر ۹۶۲)

ا۔ ص ص ۲۰۱ - ۲۰۲۔ پیری پلس کے حصّہ نمبر ۴۹ سے مقابلہ کیجیے۔

۷۹ ایضاً۔ صفحہ ۱۸۳

۸۰ تھرسٹن ( ) کی " فہرست نمبر ۲ (عجائب خانۂ مدراس، طبع دوم ۱۸۹۴ء - سی وِیل (

" نمبر ۲ ۱۹۰۴ء۔"

۸۱ وارمنگٹن (

(مطبوعہ کیمبرج ۱۹۲۸ء)

۸۲ وارمنگٹن ( )حوالۂ سابقہ۔صفحہ ۲۷۴۔ اور آگے کے صفحات۔

وارمنگٹن کا خیال ہے کہ پلینی ( ) نے جن "شیرا" راجاؤں کا ذکر کیا ہے وہ دراصل چیرا حکمران تھے۔ لیکن اس کے مقابلے میں مطالعہ کیجیے ہڈسن ( ) کی "یورپ اینڈ چائنا" (آرنلڈ کی تالیف ۱۹۳۱ء) ص ص ۱۰۰ - ۱۰۲ - رومن سکّوں کے چین پہنچنے کی اصل میں کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔

۸۳ "پیری پلس" (حصّہ ۵۹

۸۴ روسٹووزف ( )کی تصنیف (سوشل اینڈ اکنامک ہسٹری آف رومن ایمپائر)

صفحہ ۹۲۔(آکسفورڈ ۱۹۲۶ء ایڈیشن)۔مقابلہ کیجیے وارمنگٹن حصہ اول باب ۱۱۔

۸۵ وارمنگٹن حوالہ سابقہ ص ص ۱۲۸-۳۱

۸۶ روستوویزف حوالۂ سابقہ صفحہ ۴۲۱-وارمنگٹن ص ص ۱۲۹-۴۰

۸۷ وارمنگٹن۔صفحہ ۶۵

۸۸ اس کا مطلب ہے ہندستان کا مغربی ساحل۔ نورا ایند ٹنڈرس،دی فرسٹ مارکٹس آف ڈمریکا" حصہ ۵۲

۸۹ حصہ ۶۰۔اور اس پر اسکاف کے حاشیے۔البر"پیری پس" میں ہندستانی کشتیوں کی ساخت سے متعلق اس عبارت پر بحث کا مطالعہ کرنا ہو تو ہارنیل (کی کتاب) کا صفحہ ۲۱۵۔اور اس کے بعد کے صفحات دیکھیے۔اس کی رائے کے مطابق پہلی صدی کا"چولندیا" جاوا کے دو مستولوں والے جہازوں کا (جن کا کنارے باہر کو نکلے ہوئے ہوتے ہیں) قریب قریب ہم شکل ہوتا تھا جن کی شبیہہ بورُوبُدر کے سنگتراشی کے نمونوں میں دکھائی گئی ہے۔ لیکن آندھرا اور گرمبر کے سکوں پر باہر کو نکلے ہوئے کنارو! کے بغیر جو دو مستولوں والے جہاز دکھائے گئے ہیں، وہ یقیناً اُن جہازوں سے زیادہ ملتے جلتے ہیں جن کا ذکر"پیری پلس" میں آیا ہے، نہ کہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے جاوا کے سنگتراشی کے نمونوں دکھائے گئے جہازوں سے۔

۹۰ پٹنا پالائی۔۱۱-۲۹ تا ۲۲

۹۱ ۱۷-۱۱-۲۹ تا ۳۴

۹۲ پیری پلس صفحہ ۲۶۱

۹۳ روستوویزف۔حوالۂ سابقہ ص۔۱۲۶

۹۴ اس کی قدرے مختلف تاویل کے لیے دیکھیے وارمنگٹن کی تصنیف۔حوالۂ سابقہ ص ۱۴۳

۹۵ پورم۔۶۱-۱-۱

۹۶ ۔تولکاپیم۔پورُل-اہتی نائی۔سوتر ۳۰

۹۷ ۔نمبر ۲۳۰-۱۱، ۱۲-۱۳

۹۸ پورم ۱۲۵-۱-۱

۹۹ ۱۱۔۸۲۔۸۳

۱۰۰ ۱۰۔۱۵۵

۱۰۱ iii ۔ ۱۶۷۔۶۸

۱۰۲ پورم ۸۲

۱۰۳ ix ۔ ۱۱، ۱۰۷۔۱۰۹

۱۰۴ پورونر۔ ۱۱۔ ۲۱۴۔۱۷

۱۰۵ چاول جو بھنی ہوئی دان کی بالیوں کو کوٹ کر تیار کیا جاتا تھا

۱۰۶ پورم ۳۳۔۱۱۔ ۱ تا ۷

۱۰۷ سی ڈیل (۔۔۔۔۔۔) ۔
۱۹۰۴۔ صفحات ۶۹ تا ۶۱۵

۱۰۸ منی میکھلائی۔ xi ۔ ۸۴ تا ۸۷، xviii ۔ صفحہ ۹۔ اور بعد کے صفحات،
صفحہ ۵۱ ۔ اور بعد کے صفحات

۱۰۹ ۱۱۔ صفحات ۱۶۵ تا ۱۶۷

۱۱۰ پورونر۔ ۱۱، ۱۸۲۔۸۴

۱۱۱ پورم ۳۴۔۱۱، ۱ تا ۷

۱۱۲ منی میکھلائی viii ۔ x ، ۲۳۔۲۴: مقابلہ کیجیے "شلپدی کارم" ۱۷ ۔ ix، ۱۴۶

۱۱۳ منی میکھلائی v ۔ ۲۷، xiii ۔ ۵ تا ۷

۱۱۴ ایضاً vii صفحات ۷۵۔۷۶۔ اور حاشیہ

۱۱۵ ایضاً vi ۔ ، ۱۲۷، iii ۔ ۱۳۴

۱۱۶ ایضاً xxi ۔ ۱۲۸۔۲۹

۱۱۷ شلپدی کارم v ۔ صفحات ۲۲۷ تا ۲۴۰

۱۱۸ پورم ۲۳۹۔۱۱۔ ص ۲۰۔۲۱

۱۱۹ منی میکھلائی۔ vi ۔ ۵۴۔۵۹

۱۲۰ ایضاً۔ ۱۔۱۷

۱۲۱ پورم ۲۴۶

۱۲۲ پورم ۲۴۶-۲۴۳-اور منی میکھلائی ii-۱۱-۴۲-۴۵-۴۵: xvi - صفحہ ۲۳-اور بعد کے viii x صفحات۔ -ص ۱۱تا ۱۵

۱۲۳ -viii x-۱۱، صفحات ۹۸ تا ۱۰۲

۱۲۴ ۷-۱-۱۳۳

۱۲۵ پورم ۱۶۶

۱۲۶ یعنی اس نے اکیس قسموں کی ویدک بلی دی (قربانیاں دیں)

۱۲۷ x iii -۱۱، ۲۳-۲۴

۱۲۸ نمبر ۳۶۷-۱-۱۲

۱۲۹ تولکا پیّم-پورُل-کرلُو-سوتر-۱

۱۳۰ ایضاً-سوتر ۲-۳

۱۳۱ ایضاً-سوتر ۴

۱۳۲ کیراَلے ( ) کی تصنیف -ii-صفحہ ۲۵۹

۱۳۳ منی میکھلائی-i-۱۱، ۵۴-۵۵

۱۳۴ شلپدی کارم ۷-۱۱، ۱۶۹-۱۷۲، ۱۷x۱ -۱۱، ۷ تا ۱۰

۱۳۵ xiii-۱-۱۰۶

۱۳۶ vi - ۸۶

۱۳۷ ii xxvii، ۹۸ - دیکھیے PK -صفحات ۲۰-۲۱

۱۳۸ پورونر-۱۱، ۹۱-۹۲

۱۳۹ پورم ۲۷- دیکھیے گذشتہ صفحہ ۲۹ پر

۱۴۰ -۹۷- اور اس کے آگے کے صفحات

۱۴۱ شلپدی کارم اور منی میکھلائی کے اشاریہ جات-نیز" مدورائی کانجی" -کے صفحات ۴۷۵-۸۷

۱۴۲ اسے ناکافی اسباب کی بنا پر دھرم پال شناخت کیا گیا ہے -ITOR-۱۹۲۷-صفحہ ۱۹۷-اور اس کے آگے کے صفحات۔

پانچواں باب

سنگم عہد سے وجیالہ تک

سنگم عہد کے بعد

سنگم عہد سے اس زمانے تک کی تبدیلیاں جس میں تامل پردیش تین صدیوں تک "کڈن گون" کے پانڈیہ راجاؤں اور سمہا وشنو نسل کے پلّو راجاؤں کے درمیان تقسیم رہا، ہماری نظروں سے بالکل پوشیدہ ہیں۔ بعد کی تین صدیوں تک بھی جب تک کہ نویں صدی کی دوسری چوتھائی میں وجیالا تخت نشین نہیں ہوا چولا راجاؤں کے حالات پر یوں ہی تاریکی کا پردہ پڑا رہا۔ اس طویل وقفے میں قدیمی راجاؤں کی اس نسل نے جو دلچسپ انقلابات دیکھے، ان کی جھلکیاں ہم ان چند دریچوں سے دیکھ سکتے ہیں جو اس زمانے کے ادب اور کتبات نے ہم پر وا کیے ہیں۔ البتہ ایک بات یقینی ہے کہ جن دنوں چولا راجاؤں کا اقتدار زوال پذیر ہوا اور پلّو پانڈیا راجاؤں کی سلطنت کی توسیع ان کے شمال اور جنوب میں ہوئی تو اس قدیم شاہی نسل کی اولاد نے خود کو اپنے سے زیادہ کامیاب حریفوں کی سرپرستی اور ملازمت حاصل کرنے پر مجبور پایا۔ ایسا حشر ہندستانی راجاؤں کے اکثر خاندانوں کا عام طور سے مصیبت کے زمانے میں ہوا ہے۔ راشٹرکوٹا راجاؤں کے زمانے میں مغربی چالوکیہ خاندان، راج راجا کی وینگی کی فتح اور کلوتنگا اول کے چولا ریاست کا تخت نشین بننے کے درمیانی زمانے میں مشرقی چالوکیہ خاندان، خود پانڈیہ اور پلّو خاندان، اور وجیالا کے جانشینوں کے عہد میں چولا اقتدار کی توسیع کے بعد گنگا اور بان خاندان ہندستانی تاریخ کی اس مشترک خصوصیت کی بہت نمایاں مثالیں ہیں۔

قدیم یادیں دلوں سے محو نہیں ہوتیں اور بڑے بڑے خاندانوں کے نام چاہے کچھ عرصے کے لیے دنیا ان کو بھول جائے قسمت کا پانسہ پلٹنے سے اکثر اقتدار و شوکت کی تجدید اور بحالی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس زمانے میں چولا راجاؤں کی تمام مشکلات و مصائب کے باوجود

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے ارائیوُر پر اپنا غلبہ مکمل طور پر کھو دیا ہوگا۔ وجیالا کا جب عروج ہوا تو وہ بھی اس نواح سے ہوا۔ اور تیلگو پردیش ہی کے نہیں بلکہ دور شمالی پردیش والے' بھی جو چولا خاندان سے دور کا واسطہ رکھنے کے دعویدار ہیں کاویری اور ارائیور کے نام پر فخر کرتے ہیں۔ عصری کتبات کی شہادت بھی ہمیں اس نتیجے کی طرف لے جاتی ہے۔

چولوں کا منتشر ہونا

اپنے زمانۂ انحطاط میں چولوں کے منتشر ہو جانے اور ان میں سے مفلس اور معزول راجاؤں اور شہزادوں کے روزگار کی تلاش میں باہر چلے جانے کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ چولا خاندان سے تعلق رکھنے کے دعویدار راجاؤں اور سرداروں کے ناموں کا ذکر بعض ایسے مقامات پر آیا ہے جو ایک دوسرے سے بہت دُور دُور واقع ہیں۔ مثلاً کوڈمبا لور (پڈوکوٹاہ) شیالی (شیالی) اور مالے پاڈو۔ آچنگی کے پانڈیا راجگان۔ کونکن کے موریا اور گنٹل (بمبئی) کے گتا راجگان! تیلگو پردیش کے چولا راجاؤں کی طرح ہندستان کی تاریخ میں خاندانوں کے انتشار کی چند اور مثالیں ہیں ؎

کلابھرا خاندان

پانڈیا حکمرانوں کے دیلوی کڈی کے عطیہ اور پلّو راجاؤں کے کچھ فرامین میں کلابھرا نامی ایک غیر معروف خاندان کا ذکر آتا ہے جو ملک میں بیشتر سیاسی ناپائیداری کے ذمے دار تھے، اور چھٹی صدی عیسوی کے اختتامی سالوں میں پانڈیا اور پلّو اقتدار کی تجدید داحیا کے لیے پہلا قدم اسی (کلابھرا) خاندان کا تختہ الٹنا تھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کلابھروں ہی کی لوٹ مار قدیم چولا خاندان کے اقتدار کے خاتمے کا باعث بنی، چولا کتبات اور وجیالا خاندان کی تختیوں میں اس امر کی طرف اگر اشارہ نہیں ہے تو اس کی وجہ ڈھونڈنا مشکل نہیں۔ پانڈیا اور پلّو خاندان کے برعکس جنھوں نے کلابھروں سے جو کچھ ان سے چھین لیا گیا تھا جلد ہی واپس لے لیا، چولا خاندان پانڈیہ اور پلّو خاندانوں کے اقتدار کے چڑھتے طوفان میں تین سو سال تک کھویا رہا۔ یہ خاندان اس وقت تک اپنے قدم پھر سے نہ جما سکا جب تک یہ نوخیز طاقتیں باہمی رقابت میں خود اپنی طاقت نہ گنوا بیٹھیں۔

بدھ دت

بدھ دت کی تحریروں سے ہمیں چولا ریاست میں کلابھروں کی حکومت کی ایک دلچسپ شہادت ملتی ہے۔ بدقسمتی سے بدھ دت کا زمانہ اتنا قطعی نہیں ہے جتنا کہ اکثر سمجھا جاتا ہے۔ وہ روایت جو اسے بدھ گھوش کا ہمعصر بتاتی ہے کافی بعد کی ہے اور ان دونوں مقدس ہستیوں کی کثیر تصانیف میں سے کسی میں بھی کوئی بیان ایسا نہیں پایا جاتا جس سے اس کی تصدیق ہوتی ہو ان میں سے بدھ دت ہی غالباً بدھ دھرم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پہلے لنکا گیا ہوگا۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ وہ جنوبی ہند کی تاریخ کے اس دور کا باشندہ تھا جس پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس وقت سنگم تصانیف کی روشنی بجھ چکی تھی اور پانڈیا اور پلوشاہی فرمانوں کی صبح ابھی طلوع نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کی شہادت اور بھی قابلِ لحاظ ہو جاتی ہے۔ اپنی تصنیف "ابھی دھمااوتار" کے آخر میں بدھ دت نے "کاویری پٹین" کا حال بڑی خوبصورتی سے تحریر کیا ہے۔ اس نے اس شہر میں بیوپاریوں کے ہجوم اور تفریحی باغوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس نے کانہاداس کے تعمیر کردہ ایک عظیم وہار (خانقاہ) میں کچھ عرصہ قیام کیا اور سمتی کی درخواست پر جو غالباً اس کا چیلا رہا ہوگا اس کتاب کو تصنیف کیا۔ اسی طرح "ونے ونچیا" کے آخر میں وہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے اسے بدھ سبھا کی خاطر ان دنوں تصنیف کیا جب وہ دریائے کاویری کے کنارے پر واقع "بھوت منگلم" نامی شہر میں وینیو اس کے خوبصورت وہار میں قیام پذیر تھا۔[16] اس شہر کو وہ چولا رٹھ یعنی چولا سلطنت کا دھرا کہتا ہے۔

راجہ اچیوت کلابھا

آگے چل کر وہ بتاتا ہے کہ اس نے یہ تصنیف ان دنوں کی تھی جب کلابھرا خاندان کے راجہ اچیوت وکنتا کا راج تھا۔ یہ راجہ اسی نام والے اس حکمران کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا جس کے متعلق ادبی حلقوں میں مذکور ہے کہ اس نے چیرا۔ چولا اور پانڈیا تینوں تاجداروں کو قید میں رکھا تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں امتیا ساگرار نے "یاپرنگلک کاریکائی" کا مصنف تھا، اس راجہ کے متعلق کچھ گیتوں کا ذکر کیا ہے۔ اچیوت غالباً خود بدھ دھرم کا داعی تھا۔ "پوری کلوی" کے کہتے میں کلابھراؤں کو "کلی راجاؤں کا ایک قبیلہ بتایا گیا ہے۔ جس نے بہت سے

ادھیر راجر" (آدھی راجاؤں) کو برباد کر دیا تھا اور" برہمدیہ" حقوق میں مداخلت کی تھی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان غاصبوں اور ان کے تاخت و تاراج کیے ہوئے علاقے کے باشندوں کے درمیان آن بن رہتی تھی۔ بدتعدت کی تصانیف کے ضمیموں میں اسے "اُراگ پورہ" کا باشندہ بتایا گیا ہے۔ جس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ اُرائیور اس کا آبائی وطن تھا۔

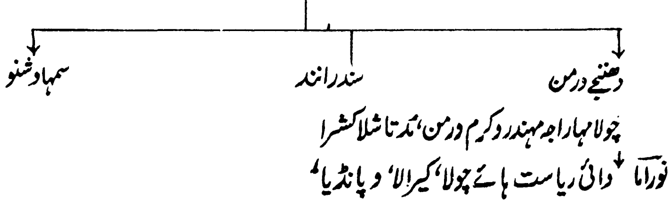
چولوں کی گمنامی کا دور

راجہ اچیوت کے دورِ حکومت کے کچھ دنوں بعد، مگر یہ نہیں معلوم کہ کتنے دنوں بعد پکوا اور پانڈیا حکمرانوں نے کلابھروں کا تختہ الٹ کر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ لیکن وہ اپنی آزاد حیثیت از سرِ نو حاصل نہ کر سکے اور دریائے کاویری کے ساحلی علاقوں میں گمنامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال اور جنوب میں نئی ابھرنے والی طاقتوں نے بہت حد تک انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ البتہ انھوں نے غالباً ان خاندانوں کی دیرینہ شہرت کے پیشِ نظر ان کی لڑکیوں کے رشتے ضرور قبول کیے اور بعض ایسے چولا شہزادوں کو اپنی ملازمت میں بھی رکھا جنھوں نے ان کی ملازمت کرنا منظور کیا۔

چولیا جس کا بیان یوآن چوانگ نے کیا ہے

چینی سیاح چوآن چوانگ نے جس نے ۶۳۹ء اور ۶۴۰ء میں کئی مہینے امراوتی اور کانچی پورم میں گذارے، جنوب کی طرف جاتے ہوئے چولیا (چولیکا ؟) ریاست کی سیاحت بھی کی۔ اس کے سفرنامے کے اندراجات کی روشنی میں کننگھم نے موجودہ ضلع کرنول کو اس ریاست کا علاقہ قرار دیا ہے[9]۔ ضلع کڈاپہ میں جو پتھر کے کتبات دستیاب ہوئے ہیں[10] اور تانبے کی تختیوں پہ کندہ دو دلچسپ منظوری نامے جن میں حکمران خاندانوں کی چار پشتوں کے نام درج ہیں، چولا نام رکھنے والے ایک خاندان کی حکمرانی کی توثیق کرتے ہیں۔ ان کا نسب راجہ کریکال سے ملاتے ہیں اور مذکورہ خطے میں ان کی عملداری کی تصدیق کرتے ہیں۔ جس علاقے پر ان کی حکومت تھی، وہ ریناندو ۔ ۔ ۔ ، کہلاتا تھا اور کڈاپہ اور کرنول اضلاع کے ان علاقوں پر مشتمل تھا جو دریائے کنڈیرو کے کنارے واقع تھے[11]۔ قدیم کتبات کے مطالعہ کے فن کی مدد سے دیکھا جائے تو پتھر کے مذکورہ کتبات آٹھویں صدی عیسوی سے پہلے کے کندہ کیے ہوئے

معلوم ہوتے ہیں[13] اور ان کتبات نیز "مالی پاڈو" کی تانبے کی تختیوں کا زمانۂ تحریر ساتویں صدی عیسوی قرار دینے کے لیے ہمارے پاس معقول وجوہ ہیں[13]۔ ان راجاؤں کے القاب سے ظاہر ہے کہ پلّو اور چالوکیہ حکمرانوں کے ساتھ ان کے گہرے سیاسی تعلقات تھے ہرچند کہ وہ خود مختاری کے مدعی تھے، انھوں نے اس حیثیت کو برقرار بھی رکھا تھا؛ لیکن اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ حکمتِ عملی کے تقاضوں کے پیشِ نظر قدرے موہوم انداز سے اپنے سے زیادہ طاقتور ہمسایوں کی برتری تسلیم کرتے تھے۔ ان کا شاہی نشان جو مالی پاڈو تختیوں میں دکھایا گیا ہے، شیر کی بجائے ایک گھنی ایال والا شیر ببر ہے جس کی دُم اس کی پیٹھ پر گولائی میں مُڑی ہوتی ہے۔ یہ نشان وشنو کنڈن اور پلّو خادانوں کے نشانوں سے مشابہ ہے اور شاید اس کی ابتدا بدھ دھرم سے متعلق ہے۔[14] مالی پاڈو تختیوں میں رینا نڈو کے چولوں کا جو شجرۂ نسب درج ہے وہ یوں ہے:-[15]



ان میں سے دھننجے کا ذکر ضلع کڈاپہ کے صرف ایک پتھر کے کتبے میں کیا گیا ہے۔[16] اگرچہ مذکورِ بالا پتھر کے کتبات اکثر چولا مہاراجہ کے تحریر کروائے ہوئے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اس حکمران کے عہدِ حکومت کے متعلق ہماری واقفیت میں اضافہ نہیں کرتا اور اس کے القابات کی وضاحت کے لیے ہمارے پاس کوئی براہِ راست ذریعہ موجود نہیں ہے۔ ان القابات میں جنوبی ہند کی تینوں تامل ریاستوں کا تاجدارِ اعلا ہونے کا بلند بانگ دعوا کیا گیا ہے۔[17] پنیہ کمار کے لقب "پرتھوی ولبھ" سے اور اس کی مہارانی وسنت پوری چولا مہادیوی کے نام سے چالوکیہ خاندان سے اس کے رشتے کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ جب ہیوان چوانگ آیا تو یہاں یہی راجہ حکومت کرتا تھا یا اس کا باپ۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس خاندان کے حکمران اس عہد کے پلّو اور چالوکیہ تاجداروں کے جھگڑوں میں شریک تھے۔ راجہ چولا مہاراج

ادھیراج وکرمادتیہ ستیہ آدتیہ اور اس کی ماں چولامہادیوی[18] بلاشبہ اس خاندان کے وہ ارکان ہیں جن کا ذکر مالی پاڈو کی تانبے کی تختیوں میں دیے ہوئے شجرہ نسب میں نہیں ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دوسرے چولامہاراجاؤں کے مقابلے میں اس تاجدار کا لقب اعلا ہے۔ اس کی حدودِ سلطنت میں رینانڈو ۰۰۰، کے علاوہ سدھی ۰۰۰۱ (سدھاؤٹ پردیش) بھی شامل تھا۔ پلو راجہ نندی ورمن سوم کے عہد حکومت کے چھٹے سال میں کندہ کرائی گئی ویلور پالائم تختیوں میں ایک چولامہاراجہ کماران گش کو "وجناپتی" بتایا گیا ہے۔[19] لیکن جب تک کچھ اور معلومات حاصل نہ ہو جائیں اس خاندان کی تاریخ مکمل طور پر سمجھنا ممکن نہیں ہے لیکن اس میں البتہ واضح ہے کہ اس نسل کے راجگان تامل خطے کے قدیم چولا راجاؤں اور تیلگو اور کرناٹک کے متعدد چھوٹے راجواڑوں کے درمیان جن کو کشیپ گوہر سے تعلق رکھنے اور راجہ کری کال کی اولاد ہونے اور ارائیور پر حکومت کر چکنے کا دعوا تھا ایک کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔[20]

تامل پردیش کے چولا

تامل پردیش کے چولا راجاؤں کے متعلق ہماری معلومات رینانڈو کے چولا حکمرانوں کے مقابلہ میں بھی قلیل تر ہیں۔ کتبات اور اس عہد کی معلومات بہم پہنچانے والی تصانیف میں کچھ سرسری حوالے تو ان چولوں کے متعلق ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام عرصے میں دریائے کاویری کے ساحلی علاقوں میں ان کی حکومت تھی۔ لیکن ان سے اور کوئی تاریخی انکشاف نہیں ہوتا۔ اس عہد کا کوئی بھی یادگاری کتبہ یا عمارت اس وقت تک دریافت نہیں ہوئی ہے۔ جسے براہِ راست چولوں سے منسوب کیا جا سکے۔ سمدرگپت کے تعمیر کردہ الہ آباد کے ستون پر کندہ عبارت میں چولا سلطنت کا کوئی ذکر اگر نہیں ہے تو محض اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کیونکہ سمدرگپت کی فتوحات کی وسعت جتنی کسی زمانے میں خیال کی جاتی تھی۔ اس سے کہیں محدود ثابت ہوئی ہے۔[21] اس عہد کے چولوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے والے کتبات زیادہ تر پلو راجاؤں کے فرامین ہیں۔ مغربی چالوکیہ اور پانڈیا راجاؤں کے منظوری ناموں نے ان معلومات میں کارآمد اضافے کیے ہیں۔" ویلور پالائیم " کی تختیوں میں چوتھی صدی عیسوی کے اواخر یا پانچویں صدی کے آغاز میں حکومت کرنے والے راجا بدھو

علم کتبات | ورما کو چولا فوج کے سمندر کی "آبدوز آگ" بتایا گیا[22] ہے۔ سمہا وشنو (۵۷۵ تا

۶۰۰ء) کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس نے دریائے کاویری سے سیراب ہونے والے سپاری کے پیڑوں کے جھنڈوں اور دھان کے کھیتوں سے بھرے ہوئے تامل علاقے کو بزور چھین لیا تھا۔[23] تقریباً اسی زمانے میں چولوں کو تسخیر کرنے کا دعوا چالوکیہ تاجداروں نے بھی کیا ہے۔[24] اب یا تو یہ دعوا جھوٹا ہے' یا یہاں چولوں سے مراد" ریناڈو" کے چولا راجگان ہیں۔ مہندر ورمن (۶۰۰ء تا ۶۳۰ء عیسوی) کو بھی اس بات پر ناز تھا کہ چولا علاقے پر اس کا قبضہ ہے۔ اور اس کے کتبات میں ترچناپلی کی چٹان کو چولا خطے کا تاج بتایا گیا ہے[25]، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیو جی نے مذکورہ راجہ کو ہدایت کی تھی کہ اس چٹان پر وہ اِن کا مندر تعمیر کرے ورنہ وہ چولا ریاست کے تجمل اور شان وشوکت کا منظر نہیں دیکھ سکے گا۔[26] راجہ پرمیشور ورمن اوّل کے "کورم" کے منظوری نامے کے کتبے میں پُر شوکت لیکن بے معنی الفاظ میں ان حکمرانوں کی ایک فہرست دی گئی ہے۔ جنھیں نرسمہا ورمن اوّل (۶۳۰ء تا ۶۶۰ء عیسوی) نے تخت وتاج سے محروم کر دیا تھا۔ ان مفتوحہ ریاستوں میں چولا ریاست بھی شامل کی گئی ہے[27] راجہ پلکشن دوم (۶۲۴ء عیسوی) کے "ایہول" کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے پلوّوں کی طاقت کو کانچی پورم کی چار دیواری کے اندر محدود کر دیا تھا اور اس طرح چولا' کیرل' اور پانڈیا ریاستوں میں خوشحالی ~~کا دور دورہ ہوگیا~~ تھا۔[28] پلکشن دوم کے جانشین وکرمادتیہ اوّل نے بھی چولا ریاست کی تسخیر کا دعوا کیا ہے اور اس کی تحریر کردائی ہوئی (۶۷۴ء) گڈوال کی تانبے کی تختیوں میں کاویری کے جنوبی کنارے پر واقع چولا دار لخلافے اُرائیور میں اس کے فاتحانہ قیام کا ذکر کیا گیا ہے۔[29] "ویلوی کڈی" کے منظوری نامے میں بتایا گیا ہے کہ پانڈیا راجہ کوچاڈائین رندھیر (۷۱۰ء تا ۷۴۰ء) نے کچھ دوسرے القابات کے علاوہ شمبتیان کا لقب بھی اختیار کیا تھا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ قدیم چولا ریاست کا ایک حصہ اس کی علداری میں شامل کر لیا گیا تھا۔ ترچناپلی کے راجہ مارنجادائن کے کتبے میں اُسے[30] سورج ونشی اور چندر ونشی دونوں نسلوں کا تلک کہا گیا ہے۔ شمنوّ کی تختیوں میں چولوں کا شمار پلوّوں کے اتحادیوں میں کیا گیا ہے جنھیں "کنبا کونم" کے مقام پر راجہ شری مار شری ولبھ (۸۱۵ء تا ۸۶۲ء) کے ہاتھوں شکست کاش ہوئی تھی۔

لٹریچر

قدیم مذہبی روایات سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ چولا راجگان اگرچہ

اقتدار کھو بیٹھے تھے، پھر بھی ان دنوں وہ دریائے کاویری کے ساحلی علاقوں سے مکمل طور پر معدوم نہیں ہوئے تھے۔ بارھویں صدی عیسوی کی تصنیف "پریہ پرانم" میں کچھ کارآمد قدیمی معلومات ملتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ تیرونانا سمندر کے پانڈیا ہمعصر راجہ کی رانی ایک چولا خاندان کی شہزادی منگائرک کرشی تھی۔ پگل چولا نائینار ارائیور کا ایک چولا حکمران تھا۔ کارودر اس کے زیرنگیں تھا۔ اس نے ایک آدی گن پر فتح پائی اور شیو دھرم کو فروغ دیا۔ "پرانم" سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ جب کالندائی نامی ایک معمولی سردار نے، جو بعد میں کوڑوانا ئینار کے لقب سے مشہور رہا، چدمرم کے برہمنوں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اسے شاہی تاج سے سرفراز کریں اور اس کی وسیع فتوحات کے اعتراف میں اس طرح اسے شاہی مرتبے سے نوازیں تو انھوں نے اس بنا پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ صرف قدیم چولا خاندان ہی اس اعلا مرتبے کو پانے کا مستحق تھا۔ اس انکار کے بعد مزید پریشانیوں سے بچنے کے لیے تمام برہمن اجتماعی طور پر چیرا ریاست کو ہجرت کر گئے۔ ایک اور نائینار جس کا نام ایار کون کلیکامن تھا، کا خاندان، دریائے کاویری کے کنارے پر واقع ایک گاؤں میں تھا اور زراعت کے پیشہ کے ساتھ چولا راجاؤں کے یہاں فوجی ملازمت بھی کرتا تھا۔[۲۳] آخری بات یہ کہ ایک چولا شہزادے نے ایک پانڈیا شہزادی کے ساتھ شادی کی اور جب سندر مورتی نے شیرمان پیرومل کے ہمراہ مدورا کا سفر کیا تو یہ شہزادہ مدورا میں[۲۴] رہتا تھا۔ اگرچہ ان بیانات کے لیے ہماری سند "پریہ پرانم" کا مصنف شیکلار ہے لیکن ان میں سے بیشتر بیانات نمبی آنداد نمبی کی مختصر تصنیف "اندادی" میں بھی موجود ہیں، یہی تصنیف "پرانم" کی سنگ بنیاد ہے اور اس میں دیے ہوئے کم از کم راجاؤں اور سرداروں کے نام تو سندر مورتی کے زمانے تک پرانے نام ہیں جو آٹھویں صدی عیسوی میں ہو، گزرا تھا۔ ویشنو گرنتھوں میں "دویہ سوری چرتا" اور "گورو پرمپرا" بھی اسی کہانی کو دوہراتے ہیں۔ دیو دیوی نامی ایک طوائف جس نے آلوار تونڈرا ڈپودی کو اپنے دام عشق میں اسیر کر لیا تھا اس مقدس شخص سے پہلی بار اس وقت ملی تھی جب وہ ارائیور میں چولا راجہ کے دربار سے واپس آرہی تھی۔ ارائیور ناچیار بھی ایک چولا شہزادی تھی جس نے کسی فانی انسان سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور خود رنگاناتھ دیوتا کے ساتھ ازدواجی رشتے کے لیے اصرار کر کے اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئی تھی۔ یہ شہزادی ارائیور کے سورج ونشی راجہ دھرم ورما کی بیٹی تھی۔

ترومنگائی آلوار نے بھی اپنی زندگی چولا راجہ کے مقرر کردہ ایک فوجی افسر کے طور پر شروع کی تھی
یہ ممکن ہے کہ چولوں کے متعلق ان میں سے بعض ادبی حوالے اس وجہ سے آئے ہیں کہ یہ کتابیں چولوں
کے زمانۂ اقتدار میں تصنیف کی گئی تھیں۔ لیکن ان میں جو واضح حوالے "آلواروں" اور نائیناروں
نے ہمعصر پلّو راجاؤں کے متعلق دیے ہیں اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کچھ قدیمی اور صحیح روایات
اس زمانے تک باقی تھیں اور ان کتابوں میں چولوں کے متعلق جو حوالے دیے گئے ہیں وہ سب
نہیں تو کچھ تو ضرور معتبر ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے لے کر نوی صدی
تک چولا حکمرانوں کے اردگرد تاریخی ظلمت کا ایک پردہ پڑا ہوا ہے جسے ہم عارضی تعطل کہہ سکتے ہیں۔
انھوں نے کسی نہ کسی طریقے سے، جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، رنیانڈو کے خطّے میں اپنے لیے
ایک دوسرے گھر کا بندوبست کرلیا تھا۔ اپنے اصلی وطن میں تو وہ ہر طوفان کے آگے جھکتے چلے گئے
اور سازگار وقت کا انتظار کرتے رہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ اپنی اولاد کے لیے مناسب رشتے
ڈھونڈنے میں مصروف رہے۔ بیشتر ان اقدامات کی غرض اپنے کامیاب حریفوں میں سیاسی اثر و رسوخ
بڑھانا ہوتی تھی اس کے علاوہ وہ اس وقت کی مذہبی تحریکوں کو بھی فروغ دیتے رہے۔ کچھ عرصے تک
اس خطّے میں بدھ اور جین دھرموں کا غلبہ رہا۔ کلابھرا راجہ اچیوت بُدھ دھرم کا معتقد تھا اور پانڈیا
و پلّو راجاؤں میں سے کچھ جین دھرم کے پیرو تھے۔ "گُرو پرمپرا" میں لکھا ہے کہ نیگا پٹم کی مالدار خانقاہ
کو جس میں بُدھ کی خالص سونے کی مورتی موجود تھی ترومنگئی آلوار نے لُوٹا تھا۔ بدھ دت بھی اس امر
کا شاہد ہے کہ اس سے قبل کے ایک زمانے میں چولا ریاست میں دو بڑی بدھ خانقاہیں تعمیر کی گئی
تھیں۔ آلواروں اور نائیناروں کی کوششوں کی بدولت جنھوں نے ہندو دھرم کے احیا کی
ایک عظیم تحریک کی قیادت کی، اور عوام کی زبان میں بھگتی کے عقیدے کا پُرجوش اظہار کیا، ان
اصلاح پسند مذاہب کی توسیع رک گئی اور قدامت پرست مذاہب کو از سرِ نو غلبہ حاصل ہو گیا
چولوں نے ویشنومت اور شیومت دونوں کے مبلّغوں کی غیر جانب داری سے حمایت کر کے
نہایت خاموشی سے ہندو دھرم کے احیا میں ہاتھ بٹایا۔

پانچواں باب

حاشیے

وینکیا یوں اظہارِ رائے کرتا ہے۔ فی الحال یقین سے بتانا ممکن نہیں ہے کہ مذکورہ تیلگو راجاؤں نے کریکال کے ساتھ اپنی رشتہ داری کا دعوا کس بنا پر کیا (ARE - ۱۹۰۰ - پیراگراف ۴۵) لیکن واقعی یہ بات صحیح ہے۔ تاہم جہاں تک میں اس معاملے کو سمجھ سکا ہوں، تیلگو خطے (ریناڈو) کے چولوں اور تامل چولا حکمرانوں کے درمیان ایک جیتا جاگتا رشتہ موجود تھا۔ میرے خیال میں اور شہادتوں کے علاوہ اس کے ثبوت میں پُنیہ کماری کی مالے پاڈو کی تختیاں ایک اہم حیثیت رکھتی ہیں اور یہ ظاہر کرتی ہیں کہ سمہا وشنو کی نسل کے مقبوضات وہ وسیلہ بنے ہوں گے جن کے باعث شمال کی جانب چولوں کی پیش قدمی عمل میں آئی ہوگی۔ تیلگو چوڑوں کی اصل و ابتدا کی وضاحت کرنے کے لیے یہ فرض کر لینا کہ تیلگو خطہ بھی قدیم چولا شہنشاہ کریکال کی سلطنت کا حصہ تھا، محض ایک سعیٔ رائیگاں دکھائی دیتا ہے۔ ہم گیارھویں اور بارھویں صدی کے قصے کہانیوں کو تیسری یا چوتھی صدی کی تاریخ کیسے تصور کر سکتے ہیں۔ مطالعہ کیجیے" ص ص۔ ۲۲۔ ۲۶، ۶۱ تا ۶۶۔ اس کے خلاف دیکھیے۔

وینکیا۔ A S I ۔ ۱۹۰۵۔ ۶۔ ص۔ ۱۷۵۔ حاشیہ ۸

۲ ۔ دیکھیے PK ۔ ص ص ۴۷۔ ۴۹

۳ ۔ بدھ دتا کے مسوّدات حصۂ اول (مطبوعہ ۱۹۱۵ء) اور حصۂ دوم (مطبوعہ ۱۹۲۸ء)۔ اے پی۔ بدھ دتا (پالی ٹیکسٹ سوسائٹی)

۴ مقابلہ کیجیے۔ اے پی بدھ دتا کے مسوّدات حصۂ دوم کی تمہید۔ اس کے خلاف دیکھیے پی ٹی سری نواس آئینگر کی تصنیف ص۔ ۵۲۸۔ اس سطر کا ترجمہ کرکے اس نے اسے

خرافات میں تبدیل کر دیا ہے۔" آیم سُمتنا سادھویا چتین کتوتتو " ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔
اسے میں نے، جو ذہین، نیک اور گداگر ہوں، تصنیف کیا اور تفصیل سے بیان کیا۔

۵ اس نفیس اور خوبصورت بیان سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا جوار بھاٹے کی ایک لہر سے مذکورہ شہر کی تباہی کی داستان کو حرف بحرف سچ سمجھا جائے۔ (بحوالہ منی میکھلائی xxv - ۱۱ صفحات ۱۹۴ تا ۲۰۴)

۶ اس مقام کی شناخت بطور بُدتُور (پی ٹی۔ سری نواس آئینگر۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۵۲۱) مشکوک ہے۔ اصل میں یہ کوردچیری۔ ہمنرگدی سڑک کے کنارے واقع ایک گاؤں ہے

۷ اچُت اچتا دِکنتے کلبھ گل ودھنے
مہم سمُنسا سنتے آردھو پ سماپتو۔
اے پی بُدھ دتّا کلبھ گل کی عبارت کو قبول کر کے انھیں "کڈمبا" قرار دیتا ہے۔

۸ " تمل ناولر چرتائی " ۷۷۔ ۱۵۴۔ ۵۷

۹ واٹرز۔ جلد دوم۔ صفحات ۲۲۵۔ اور ۲۴۱

۱۰ رنگاچاری۔ Cα۔ نمبر ۳۰۹۔ ۳۱۸۔۔ ۲۵۰۔ ۴۰۵۔ ۴۰۹۔ ۴۲۵۔ ۴۵۳۔۔ ۵۵۰۔ نیز ۴۵۵۔۔ ۵۶۰۔

۱۱ EI - xI - ص - ۲۴۲، xxvii - صفحہ ۲۶۸

۱۲ ARE - ۱۹۰۵ - II، ۷۰۵

۱۳ مدراس کرسچین کالج میگزین کا جنوری ۱۹۲۹ء کا شمارہ۔ صفحات ۷ تا ۱۸۔ مقابلہ کیجیے۔
EI - xxvii - صفحہ ۲۴۸۔ اس کے خلاف دیکھیے ایضاً صفحہ ۲۷۱

۱۴ EI - xi - صفحہ ۲۴۲-۴۴

۱۵ EI - xi - صفحہ ۲۴۵

۱۶ ۱۹۰۴ کا ۲۸۰ (رنگاچاری - Cα - ۴۲۵)

۱۷ ۱۹۰۴ کا ۳۴۴ (رنگاچاری - Cα - ۵۶۰)

۱۸ ۱۹۰۴ کے نمبر ۳۹۳۔ وغیرہ۔ وکرمادتیہ دوم نے دوسرے مفتوحین کے ساتھ چولوں کو بھی مطیع کرنے کا دعوا کیا ہے۔ SII - i صفحہ ۱۴۶: EI-v صفحہ ۲۰۴

۱۹ SII - ۹۰۵۔ ۷۔ ۲۶

۲۰ ۱۹۰۸ کا ۲۲۱ (بستر) EI - XI - صفحہ ۲۲۸ - بعض مرتبہ تو کاکتیوں ( ) نے بھی کریکال کے ساتھ رشتے کا دعوا کیا ہے - مزید دیکھیے EI - V - صفحہ ۱۲۲ - حاشیہ اور تانبے کی تختیوں کی فہرست (عجائب خانۂ مدراس) شری کنٹھا کی بلا تاریخ تختیوں کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴ -

۲۱ گوتمی پُترا کی فتوحات کے متعلق ساتواہن کے جن کتبوں میں ذکر آیا ہے، ان کی خاموشی کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا - اس کے خلاف دیکھیے وینکیا - ASI - ۱۹۰۵ - ۶ ص ۱۷۶ - حاشیہ

۲۲ SII - آ - ص ۵۰۸ - ۱ - ۱۴

۲۳ ایضاً - ۱۱، ۱۶ - ۱۷

۲۴ کیلہارن کی SI کی فہرست - نمبر سلسلہ ۵ (EI - آ V)

۲۵ SII - ا - ۳۳

۲۶ وِبھوتم چولانام کھم اہم او یکشیپا وِپلام - ایضاً ۲۴ - ہلتش نے "وبھوتم چولانام" کے معنی "چولوں کی عظیم طاقت" لیے ہیں - لیکن چونکہ یہ اس وقت کی چولوں کی حالت وحیثیت کا صحیح بیان نہیں ہے کیونکہ سمہا وشنو نے انھیں مطیع کر لیا تھا' اس لیے پلو حکمرانوں کے کسی فرمانِ عطیہ میں اس طرح کا کوئی تذکرہ شامل ہونا قرینِ امکان نہیں ہے، لہٰذا میں "چولانام" کا مفہوم چولا ریاست سمجھتا ہوں -

۲۷ SII - ا - صفحہ ۱۵۱ ۱۱ ۱۴ - ۱۵

۲۸ EI - آ V، ص - ۶ - اشعار ۲۹ تا ۳۱

۲۹ EI - X - صفحہ ۱۰۳ - اُرگ پورا حقیقت میں ناگ پٹنم نہیں ہے جیسا کہ ہلتش نے سمجھا تھا' بلکہ یہ ترچناپلی کے قریب واقع اُرائیور ہے

۳۰ ASI - ۰۳ - ۱۹۰۴ - صفحہ ۲۷۵

۳۱ تگدور کے سرداروں کا خاندانی نام ہے -

۳۲ "پیریا پُراتم" کے کسی بھی ایڈیشن میں اس کے حوالے بآسانی مل جائیں گے - ASI - ۱۹۰۵ - ۶ کے صفحات ۱۷۶ - ۷۷ بھی ملاحظہ کیجیے - میں پتہ نہیں لگا سکا کہ اس دور کے چولوں کے حالات میں وینکیا نے کوناڈو (پڈوکوٹہ) کے ایک "ویل" سردار اڈ نگلی

، کا ذکر کیوں کیا ہے۔ تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ اڈنگلی کو راجادتیہ کے
اسلاف میں سے ایک بتایا جاتا ہے جس نے کونگو سے لوٹ کر لائے ہوئے سونے سے
چدامبرم کے مندر کو ڈھک دیا تھا۔ یہ اشارہ آدتیہ اوّل کی جانب بھی ہو سکتا ہے جس
نے کونگو کو تسخیر کر کے تونڈائی ناڈز   کو چولا سلطنت میں ملا لیا تھا۔
اڈنگلی نے یقیناً چولوں سے اپنا ناطہ اس طرح قائم کر لیا ہوگا کہ اس نے چولا شہزادے
کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی ہوگی۔ بہر حال ہمارے پاس اس بات کی تصدیق کے
لیے کوئی شہادت نہیں ہے کہ چولا راجگان "دیل" خاندان کے حکمرانوں کی نسل سے تھے۔
۲۳ شیر مان پیر دمال۔ نائنار پُرانم ۔ ۷-۹۲

چھٹا باب

وجیالہ خاندان کا عروج

راجہ آدتیہ اوّل (850ء تا 907)

سری پورمبیم

سری پورمبیا کی عظیم جنگ کی کمان کر کے پرتھوی پتی اوّل نے پانڈیا خاندان کے والی راجہ ورگن کو جلد شکست دے دی اور اپنی جان دے کر اس نے اس بات کا تحفظ کر دیا کہ اس کا دوست واقعتاً اور اپنے نام کے مطابق اپراجت (غیر مفتوح) رہے گا اور خود عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گیا[1] ان الفاظ میں گنگا پرتھوی پتی دوم کے عہدِ حکومت کی اد تندرم کی تانبے کی تختیوں پر اس جنگ میں اس کے پیش رو کے کردار کو بیان کیا گیا ہے۔ جنوبی ہند کی تاریخ میں یہ جنگ ایک اہم موڑ ثابت ہوئی کیونکہ پانڈیا اس کاری ضرب سے پھر کبھی سنبھل نہ سکے اور پلّو اگرچہ جنگ میں فتح یاب ہو گئے لیکن ان کی یہ فتح دراصل ان کی اپنی قوّت کے بجائے ان کے اتحادیوں کی مرہونِ منت تھی۔ مسلسل جنگ آزمائی سے تھک کر، جو انھیں دو محاذوں پر جاری رکھنی پڑی تھی، یعنی چالوکیہ اور پانڈیا دونوں کے خلاف، وہ اب خود ایسی حالت میں نہیں رہے تھے کہ اس فتح سے کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔ پلّووں کے اتحادیوں میں گنگا خاندان کے باجگذار راجہ کے علاوہ، چولا راجہ آدتیہ اوّل بھی تھا جو شاید شری پورمبیم کی لڑائی میں زیادہ حصّہ نہ لیتا۔ لیکن چونکہ جلد ہی اسے یہ احساس ہو گیا کہ اس لڑائی میں اس کا مفاد پنہاں ہے اس لیے اس نے اس جنگ کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ پرتھوی پتی اوّل کی سب سے آخری تاریخ جو ہمارے علم میں ہے 879ء ہے[2] جس لڑائی میں وہ مارا گیا وہ لگ بھگ اسی کے قریب ہوئی ہوگی۔

وجیالہ

آدتیہ اوّل چولا شہنشاہوں کی نسل کے اوّلین تاجدار وجیا لیہ کا بیٹا تھا۔ ضلع ترچناپلی کے ایک کتبے میں[82] پراکیسری وجیا لیہ کے ایک فرمان کے مطابق دیے ہوئے زمین کے ایک عطیے[83] کا ذکر آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چولا اقتدار کا از سرِ نو عروج ارائیور کے مضافات ہی سے ہوا جو دریائے کاویری کے کنارے ان کا قدیمی وطن تھا۔

تنجور کی تسخیر

" تروالنگاڈو " کی تختیوں میں[84] تنجور کی تسخیر ان الفاظ میں کندہ ہے کہ " وجیا لیہ نے تنجور کو اپنی راحت و آسائش کے لیے یوں اپنے قبضے میں لیا جیسے وہ شہر اس کی قانونی بیوی ہو اور وہاں اس نے دیوی نشمبھ سودنی (درگا) کا ایک مندر تعمیر کیا۔ ہلتش کی رائے ہے کہ پراکیسری کے بعض دُور و دراز مقامات مثلاً کانچی پورم اور سچندرم میں پائے جانے والے کتبات وجیا لیہ ہی سے متعلق ہیں[85] اگرچہ یہ بات شبہ سے بعید نہیں ہے کہ وہ اس قدر طاقت ور ہو گیا تھا کہ اس نے چولوں کے زمانۂ عروج کے بالکل ابتدا ہی میں اتنے وسیع علاقے میں اپنے پتھر کے کتبات چھوڑے۔ لیکن ایسی شہادتیں مل رہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ واقعی بہت طاقتور تھا۔ جنوبی ارکاٹ کے تعلقہ " ترو کوئیلور " میں واقع ایک مقام " ویر چولا پورم " میں اس کی حکومت کے تیسرے سال کی ایک یادداشت میں تو اسے واضح طور پر " تنجائی کونڈا پراکیسری " یعنی " پراکیسری تنجور " کہا گیا ہے[86] تنجور کے گرد و نواح میں دستیاب ہونے والی بعض پراکیسری یادداشتیں یقیناً اسی سے تعلق رکھتی ہیں[87] ضلع شمالی ارکاٹ کے ایک مقام کلپتو سے ملی ہوئی ایک یادداشت میں جو راجہ وکرم چولا کے عہد کے پانچویں برس کی ہے، وجیا لیہ عہد کے چوتھے برس کے ایک پتھر کے کتبے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ وجیا لیہ نے، اگرچہ وہ پلّو حکمران کا باجگزار تھا، اپنے دورِ حکومت میں یادداشتوں پر تاریخیں لکھوائی ہوں کیونکہ یہ خاص استحقاق بعض باجگزاروں کو ہمیشہ حاصل رہا اور جب کبھی اقتدارِ اعلیٰ رکھنے والے کی طاقت زوال پذیر ہوتی تھی تو سبھی باجگزار اس استحقاق کو استعمال کر لیتے تھے۔

وجیالیہ کا سیاسی مقام

وجیالیہ کا سیاسی مقام کیا تھا اور تنجور کا شہر اس نے کس سے فتح کیا ان سوالات کے جواب کے لیے ہمیں وجیالیہ عہدِ حکومت کی امکانی تاریخ تعین کرنی ہوگی۔ وجیالیہ کے پوتے پرانتکا اوّل کی تخت نشینی کے سال سے پیچھے کی جانب شمار کر کے مطلوبہ تاریخ کا بآسانی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

تاریخ وار سلسلۂ واقعات

کیلہارن نے راجہ پرانتکا اوّل کی تخت نشینی کی تاریخ کا تعین ۹۰۷ء کی پندرہ جنوری اور ۲۵ جولائی کے درمیان کیا ہے[۸] یہ تاریخ لاتعداد پتھر کے کتبات سے حاصل کیے گئے شبہ سے بالاتر ان اعداد و شمار کی شہادت پر مبنی ہے جو اس وقت کے سیّارگان کی تقویم بتاتے ہیں یہی شہادت اس زمانے کی چولا ترتیبِ سنین میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ پرانتکا کے والد راجہ آدتیہ اوّل کی حکومت کی مدت کم از کم ۲۷ سال یا غالباً اس سے کچھ زیادہ تھی۔ راج کیسری کے عہدِ حکومت کے ستائیسویں برس کی محررہ "تروکلوکُندم" کی ایک دلچسپ یادداشت[۹] کو آدتیہ راجہ سے منسوب کرنے کے لیے چند معقول وجوہ ہیں۔ علمِ کتبات قدیم کے مطابق یہ یادداشت یقیناً پرانتکا کے عہدِ حکومت سے پہلے کی ہے اور مقامی مندر کے نام کچھ زمین کے وقف کے حکم کی تجدید کے متعلق ہے۔ جو ابتداً میں راجہ سکند شِشیہ نے کیا تھا جس کو بعد میں راجہ پاداد کونڈا نرسنگھ پوترامیار نے برقرار رکھا۔ یہ دونوں نامور راجہ پلّو خاندان سے تھے۔ اس طرح کی تجدید کسی بھی فتح کے بعد معمولاً کی جاتی تھی اور چونکہ آدتیہ اوّل کے متعلق یہ معلوم ہے کہ اس نے پلّووں پر فتح پاکر "توندائی منڈلم" کو چولا سلطنت میں ملایا تھا۔ لہٰذا یہ بات بالکل یقینی ہے کہ یہ کتبہ آدتیہ راجہ کے کتبات میں سے تھا۔ اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ اس نسل کے راجاؤں کے قدیم ترین فرامین وقف میں اب تک جو ہمارے علم میں آئے ہیں، راجہ آدتیہ اوّل کو صرف راج کیسری کے نام سے یاد کیا گیا ہے[۱۰] اور دوسرا کوئی نام اس کے لیے استعمال نہیں کیا گیا ہے آدتیہ نے "تروکلوکندم" کے کتبے کی تحریر کے بعد مزید کتنے عرصہ تک حکومت کی، اس کے

متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن راج کیسری، جو بلاشبہ راجہ آدتیہ اوّل ہی تھا' کے عہدِ حکومت کے چوبیسویں برس میں لکھوائے گئے ایک کتبے میں ایک سورج گرہن کا ذکر آیا ہے جو ۸۹۴ء یا ۸۹۵ء میں لگا تھا۔[11] اس تاریخ سے حساب لگا کر آدتیہ کی تخت نشینی کا سال ۸۷۰ء یا ۸۷۱ء ہوتا ہے اور اس کی مدّت حکومت ۳۶ سال جس کا سال اختتام ۹۰۷ء میں ہوتا ہے۔ اس طرح وجیالیہ کے دورِ حکومت کا خاتمہ ۸۷۰ء میں قیاس کر سکتے ہیں اور اس کی ابتدا ۸۵۰ء سے کچھ قبل۔[12]

وجیالہ کے ہم عصر

اس طرح وجیالیہ کی حکومت کے آغاز کی جو تاریخ نکلتی ہے وہ ورگن ورمن کے پانڈیا ریاست کے تاجدار بننے کی تاریخ سے چند سال پہلے کی ہے جسے تنجور میں" کمبا کونم" کے نزدیک "شری پورا جیئم" کے مقام پر شکست ہوئی تھی۔ ورگن کی تخت نشینی کے وقت پانڈیا خاندان کافی طاقتور تھا۔ گو اس کے والد کے زمانے میں اری شل کے معرکے میں اس خاندان کا وقار مجروح ہو چکا تھا۔[13] اس کے علاوہ اس زمانے میں کچھ باہمت سردار جو تاریخ میں "مترئیار" کے نام سے موسوم ہیں۔ ضلع تنجور کے زرخیز دریائی دہانے کی زمین کے کچھ حصّے پر قابض تھے۔ "شیند لائی" میں ان کے جو کتبات دستیاب ہوئے ہیں[14] ان میں انھیں تنجور کا بھی حکمراں بتایا گیا ہے۔ اگرچہ ان کا دارالحکومت "سیند لائی" یا "تیتم" میں تھا۔ چولوں کی طرح مترئیاروں نے بھی محسوس کیا کہ خود مختار حکومت قایم کرنا غیر ممکن ہے۔ لہٰذا پانڈیوں یا پلوّوں کا سہارا لے کر ہی وہ اپنے اقتدار کو قائم رکھ سکے۔

مُترئیار راجگان

ان راجاؤں کے کتبات اور القاب سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے بڑی شاطرانہ چالیں چلیں اور وہ ہمیشہ اپنے مفاد کے مطابق بدلنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ورگن کے عہدِ حکومت میں، یا تو اپنی رضامندی سے اور یا ورگن کی جانب سے لالچ دیے جانے پر، انھوں نے اپنی قسمت پانڈیوں کے ساتھ وابستہ کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تنجور سے ہاتھ دھو بیٹھے جسے پلوّوں کے لیے راجہ وجیالیہ نے تسخیر کر لیا۔ پلوّ حکمران

کو کبھی یہ گمان بھی نہ تھا کہ اپنے چولا ماتحت راجہ کو اس فتح کا کام سپرد کر کے وہ شیر کے بچے کو خون کے ذائقے سے آشنا کر رہا تھا۔ وجیا آلیہ کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اس کی یہ فتح ہندستان کی تاریخ میں ایک عظیم الشان سلطنت کے آغاز کی بانی ہوگی۔

وجیا آلیہ کی کامیابی پانڈیا تاجدار ورگن ورمن کے اتحادی مترئیا سرداروں کی طاقت کے زوال کے مترادف تھی۔ لہٰذا اس واقعہ سے طاقت کے بگڑے ہوئے توازن کو بحال کرنے کے لیے ورگن نے ایک جنگی مہم شروع کی۔ اس مہم کا آغاز بہت اچھا رہا اور وہ چولا ریاست میں دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر واقع "اڈوائی" کے مقام تک پیش قدمی کر گیا۔[15] لیکن پلّو راجہ اپراجت نے، جو اس حملے سے پہلے تخت نشین ہوا تھا۔ مزاحمت کی۔ اس نے اپنے تمام اتحادیوں کو یکجا کیا جن میں سب سے ممتاز گنگا خاندان کا حکمران پرتھوی پتی اوّل تھا۔ گنگا اور پلّو خاندان کے درمیان اتحاد بہت قدیم تھا اور باوجود یہ کہ اس امر کا کوئی قطعی ثبوت موجود نہیں ہے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ چولا راجہ آدتیہ بھی، جو اس اثنا میں اپنے والد کے بعد تخت نشین ہو چکا تھا' اپراجت کی طرف سے "شری پورمبئم" کی جنگ میں شریک ہوا۔[16] گنگا راجہ جنگ میں مارا گیا لیکن اپراجت خوش قسمت نکلا اور اس فتح سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہ زندہ رہا۔ اغلب ہے کہ اپنے چولا اتحادی آپراجت کو اظہارِ احسانمندی کے لیے اس نے صرف وہ علاقے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے دی جو اس کے والد نے مترئیا راجاؤں سے حاصل کیے تھے۔ بلکہ اس کی حدودِ سلطنت میں کچھ اور قریبی علاقے بھی اپنی جانب سے شامل کر دیے۔

آدتیہ اوّل

آدتیہ (۸۷۱ تا ۹۰۷ء) کے متعلق "انبل" کی تختیوں میں صرف اتنا درج ہے کہ اس نے دریائے کاویری کے دونوں کناروں پر شیو جی کے احترام میں پتھر کے بلند قامت مندروں کی قطاریں تعمیر کرادیں جو سہادری کے پہاڑوں سے لے کر سمندر تک اس کی کامرانی کی یادگاریں پھیلی ہوئی تھیں۔[17] "تروو النگاڈو" کی تختیوں میں درج ہے کہ اس نے طاقتور پلّو تاجدار اپراجت کا تختہ الٹ دیا[18] اور اس کی ریاست اس سے چھین لی۔ کنیا کماری کے کتبے میں اس کا لقب "کودنڈ راما" بتایا گیا ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک معرکے میں وہ ایک بلند و بالا ہاتھی پر سوار پلّو تاجدار پر ٹوٹ پڑا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔[19]

"تلائی ستھانم" کی ایک یادداشت[۲۰] بھی واضح طور پر یہ کہ کر اس واقعہ کی توثیق کرتی ہے کہ راج کیسری نے اپنی حدودِ سلطنت کو تونڈائی ناڈ تک بڑھا لیا تھا۔

اپراجت کی معزولی

لہٰذا یہ یقینی سمجھنا چاہیے کہ آدتیہ نے "تونڈائی منڈلم" کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے پلّو اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا اور چولا سلطنت کی اس حد تک توسیع کی تھی کہ وہ راشٹر کوٹوں کی حدود کو چھونے لگی تھیں۔ اپراجت کے زمانے کی تختیوں میں اس کی حکومت کے آٹھویں برس کا ذکر ملتا ہے۔[۲] "تونڈلی منڈلم" سے آدتیہ سے منسوب کوئی بھی ایسی یادداشت دستیاب نہیں ہوئی جس میں اس کے عہدِ حکومت کے تیئسویں[۲۳] برس سے پہلے کی کسی تاریخ کا حوالہ ملتا ہو۔ لیکن ایک "دیودان" یا عطیہ اس کے عہد کے اکیسویں سال میں دیا گیا تھا۔[۲۱] اس لیے اندازاً پلّو ریاست کی تسخیر اور الحاق کی تاریخ ۸۹۰ فرض کی جا سکتی ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ تونڈئی منڈلم کے نو تسخیر علاقے کے بندوبست میں کئی برس لگ گئے ہوں گے اور اس کے لیے تازہ مہم آرائی کی ضرورت پڑی ہوگی۔ کرن دائی کی تختیوں میں درج ہے کہ آدتیہ اوّل کے جانشین اور بیٹے راجہ پرانتکا اوّل نے جن حکمرانوں کا تختہ الٹ دیا تھا ان میں پلّو راجہ بھی شامل تھا۔ یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ پلّو راجہ کے ساتھ جو لڑائی پرانتکا نے لڑی تھی وہ اپنے والد کے دورِ حکومت میں بطور ولی عہد لڑی تھی یا پلّو خودمختاری کی کچھ نشانیاں خود اس کے دورِ حکومت میں برقرار رہ گئی تھیں۔ (۲۲-الف) کا پلّور (شمالی ارکاٹ) سے ملی ہوئی سمت ۸۲۶ (۹۰۴ء) کی ایک یادداشت میں کسی حکمران راجہ کا ذکر کیے بغیر ایک سردار کی جانب سے کسی مقامی مندر کو دیے گئے عطیے کا اندراج موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دنوں میں حالات غیر مستحکم تھے۔

گنگا راجاؤں سے تعلقات

گنگا راجہ نے اس فتح میں غالباً راجہ آدتیہ کی مدد کی ہوگی۔ جو صورت بھی ہو ہم دیکھتے ہیں کہ اس فتح کے فوراً بعد اس نے آدتیہ کے اقتدارِ اعلا کو تسلیم کر لیا۔ مارسنگیار کے فرزند پرتی پتیارنے جو "ادائیندرم" کے منظوری نامے میں درج مارسمہا کے پسر پرتھوی پتی دوم کے

علاوہ اور کوئی نہیں تھا، راج کیسری (آدتیہ) کے عہد حکومت کے چوبیسویں سال میں تکولم کے مندر کو ایک چاندی کے برتن (کینڈی) کا نذرانہ پیش کیا[22]۔ چولوں کے اقتدار اعلا کو نہ صرف "ادائینندرم" کی تختیوں میں راجہ پرانتکا کے عہد میں واضح طور سے تسلیم کیا گیا ہے بلکہ اس حجری کتبے میں بھی راج کیسری ورمن کا سن جلوس دے کر مختصراً اس کا اعتراف کیا گیا ہے۔

"تروکلوکندم" کے کتبے کی طرف پہلے ہی توجہ مبذول کرائی جا چکی ہے جس میں پلوّ راجہ کی جانب سے ایک مقامی مندر کو دیے گئے ایک عطیے کے پرانے فرمان کی تجدید کا اندراج کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آدتیہ کے عہد کے تئیسویں[23] سال میں کندہ کرائے گئے ایک کتبے سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اس راجہ کی شادی ایک پلوّ شہزادی سے ہوئی تھی۔ کتبے میں درج ہے کہ چولا مہارانی کی والدہ ایک "کاڈوپتیل"[24] تھی۔ آدتیہ کے عہد کے ستائیسویں برس کی ایک تحریر میں وتورائیار (راشٹرکوٹا راجہ کرشنا دوم) کی ایک بیٹی النگون پچی کو آدتیہ کی سب سے بڑی رانی بتایا گیا ہے۔[23-الف]

"نیامم" سے دستیاب ہوئی ایک اور یادداشت میں ذکر آیا ہے کہ پلوّتلک نسل کے راجہ نندی پوترئیار کی مہارانی اڈیگل کنڈن مارمپاوئی نے مقامی مندر کے واسطے چند مخصوص مقاصد کے لیے کچھ رقم منظور کی تھی۔ راج کیسری (آدتیہ اوّل) کے عہد کے اٹھارھویں سال میں اس خاتون نے اسی مقام کے "پڈاری" مندر کو کچھ اور عطیہ دیا[25] تھا۔ اس کے شاہی القاب کے باوجود اس خاتون اور اس کے پلوّ شوہر کی شناخت قدرے مشکوک ہی رہی ہے[26]۔

کونگو کی تسخیر

"کونگو دیش راجہ کل" نامی تصنیف سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ تنجاوور ٹیلم کے مقام پر اپنی تاجپوشی کے بعد راجہ آدتیہ کونگو دیش میں آیا تھا اور اس کو فتح کر کے اپنی ریاست کے علاوہ اس پر بھی حکومت کرتا رہا۔ اس تصنیف میں یہ بھی درج ہے کہ اس نے تلکاڈ شہر کو بھی فتح کر لیا تھا۔ یہ یادداشت بہت بعد کے زمانے کی ہے اور عام طور پر غیر معتبر ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ بیان بظاہر درست معلوم ہوتا ہے۔ البتہ ایک بات ہے کہ پرانتکا کی یادگاریں گو کونگو دیش میں ملتی ہیں لیکن وہ اسے فتح کرنے کا دعوے دار نہیں ہے۔ اُس کے ایک ایسے افسر کا ذکر ملتا ہے جو اس کے عہد کے ابتدائی حصے میں کونگو دیش میں مندروں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا[27]۔ لہٰذا یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ آدتیہ نے کونگو دیش فتح کر لیا تھا۔ تلکاڈو کے ذکر سے

ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آدتیہ نے اس خطے کو مغربی گنگا خاندان سے حاصل کیا تھا۔ یہ کوئی ناممکن بات نہیں تھی اور ہم یہ تو دیکھ ہی چکے ہیں کہ پرتھوی پتی دوم نے بھی آدتیہ کے اقتدارِ اعلا کا اعتراف کیا تھا۔ قریب قریب انھیں دنوں میں کونگو دیش میں جنگ آزمائی کا دعوا پانڈیا تاجدار شری پرانتکا ویر نارائن نے بھی کیا ہے۔ آدتیہ نے کانگو علاقے کا کچھ حصّہ اسی سے حاصل کیا ہوگا۔ "ان بِل" کی تختیوں سے بھی جن میں درج ہے کہ آدتیہ نے دریائے کاویری کے کنارے سہادری سے سمندر تک مندر بنوا دیے تھے، کونگو راجاؤں کی تاریخ کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔

چیر راجاؤں کے ساتھ تعلقات

"تلائی ستھانم" کے ایک کتبے سے جس پر تاریخ درج نہیں ہے[28] پتہ چلتا ہے کہ آدتیہ سے اس کے چیر ہمعصر ستھانوروی کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس کتبے میں کاڈمب مادیوی کی جانب سے دیے گئے ایک نذرانے کا اندراج ہے۔ اس عورت کے شوہر وگی اتّن کو دونوں راجاؤں یعنی چیرا و چولا نے مشترکہ طور پر "تخت، چنور، پالکی، نقارے، محل" پونکم (؟) شنکھ اور فیل سوار دستے" کے استعمال کی مراعات عطا کی تھیں اور موروثی لقب "شیمبئن تامل ویل" بھی بخشا تھا۔ یہاں ایک واضح اشارہ ملتا ہے کہ وگی اتن نے، جسے اس طرح اعزاز بخشا گیا تھا، کوئی ایسا امتیازی کارنامہ انجام دیا ہوگا جس سے یہ دونوں راجگان بہت خوش ہوئے ہوں گے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ ایک چیر فوجی جرنیل رہا ہو جسے ستھانوروی نے پانڈیوں کے خلاف راجہ آدتیہ کی کونگو دیش پر چڑھائی کی مہم میں مدد کرنے کے لیے تعینات کیا ہو۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ آدتیہ کے بیٹے پرانتکا نے چیر راجہ کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اس لیے یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ان دو قدیم نسلوں کے راجگان کے مابین دوستی کا آغاز چولا حکومت کی کونگو تک توسیع کے ساتھ ہوا ہوگا۔[29] اس عہد کے ایک گنگا راجہ کے لکھوائے ہوئے کتبے میں پرتھوی پتی کے فرزند وِگی ین کا ذکر ملتا ہے۔[30]

عبادت گاہیں

آدتیہ کے تعمیر کروائے ہوئے مندروں کی وثوق کے ساتھ نشاندہی کرنا ممکن نہیں۔ ہمیں

کچھ ایسے پتھر کے مندروں کے بارے میں علم ہے جن کی رسم افتتاح آدتیہ کے بیٹے اور جانشین کے عہد حکومت میں ہوئی۔ ان میں سے بعض کی تعمیر راجہ آدتیہ کے عہد میں شروع ہوئی ہوگی۔

وفات

راجہ آدتیہ کا انتقال ضلع چتور میں کال ہستی کے نزدیک تونڈائیمانا ڈ کے مقام پر ہوا۔ اس کے جسدِ خاکی کی راکھ پر اس کے دیندار بیٹے پرانتکا نے ایک مندر تعمیر کروایا، جس کا نام "کورنڈرمیشورا" یا "آدتیشیور" رکھا گیا[۳۲] اس نے وہاں مخصوص تہواروں پر ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلانے کا انتظام بھی کیا۔ پرانتکا کے علاوہ آدتیہ کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام کنّر دیو تھا۔[۳۳]

شیودھرم

یہ بات قابلِ غور ہے کہ وجیالیہ کی نسل کے تمام راجگان کٹر شیو تھے۔ وجیالیہ نے خود بھی تنجاوور کو فتح کرنے کے بعد وہاں درگا کا ایک مندر قائم کیا۔ آدتیہ نے شیو جی کے مندر تعمیر کروائے۔ اس کے بیٹے نے اس کی سمادھی پر ایک عبادت گاہ تعمیر کی اور اس میں "لنگ" نصب کیا جو بودھوں کے یادگاری ستوپ بنانے کے رواج کی نقل تھی۔

چولا خاندان کے متعلق خیالی داستانیں

چولا راجاؤں نے اپنا الگ شجرۂ نسب وضع کرنے میں دیر نہیں لگائی اور جلد ہی ان کو سورج دیوتا کی اولاد ثابت کرنے کے لیے ایک فرضی نسب نامہ تیار کر لیا گیا۔ اس نسب نامے میں کچھ چندر ونشی راجاؤں کو بھی شامل کر دیا گیا۔ اس کی سب سے پرانی صورت "اَن بِل" کی تختیوں میں درج ہے جن میں وجیالیہ کے پندرہ[۱۵] پیش رو بزرگوں کا ذکر ہے۔ ان ناموں میں کچھ واقعی تاریخی راجاؤں مثلاً کری کال۔ کِلّی اور کوچن گنان کے نام بھی شامل ہیں۔ "ترووالنگاڈو" کی تختیوں میں یہ تعداد بڑھا کر چوالیس[۴۴] کر دی گئی ہے۔ کنیا کماری کے کتبات میں دی ہوئی ایک ایسی ہی فہرست باون[۵۲] ناموں پر مشتمل ہے جب کہ لیڈن کے فرمانِ وقف میں صرف ایک درجن نام ہیں۔ ایسے ہی بعض چھوٹے بڑے دوسرے شجروں کا پتہ ادبی تصانیف مثلاً

"کالنگا توپرانی" اور آدتا کوتن کے "الاؤن" وغیرہ سے چلتا ہے۔ ان میں سے کوئی دو شجرے بھی ایک دوسرے سے متفق نہیں ہیں۔ گوان تمام شجروں میں کچھ نام اور تفصیلات ضرور مشترک ہیں۔ ایک قدیم چولا نام جس سے خاندان شروع ہوا ہوگا تمام تختیوں میں شامل کیا گیا ہے اور کنیا کماری کے کتبے میں تو جنوبی ہند میں اس بانی خاندان کے وارد ہونے کا واقعہ ایک خوبصورت کہانی کی صورت میں[۳۴] بیان کیا گیا ہے۔ اسے جنوب کی سمت ایک راکشش کے تعاقب میں آنا پڑا جس نے ہرن کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کے کچھ فوجی افسر بھی اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے تب اس نے مذکورہ راکشش کو مار دیا اور دریائے کاویری کے ساتھ ساتھ چلتا رہا جو پانی کی شکل میں اس امرت کو زمین پر لاتا ہے۔ جو دیوتاؤں نے دُودھ کے سمندر کو بلو کر حاصل کیا تھا۔ اس کے پانی میں غسل کر کے جب اس نے دان دینے کے لیے برہمنوں کی تلاش کی، تو وہاں اسے کوئی برہمن نہیں ملا۔ لہٰذا اس نے آریہ ورت سے بہت سے اچھے اچھے برہمن بلوائے اور انھیں دریا کے کناروں پر بسا دیا۔ اس کے بعد اس نے جنگل صاف کیے، سپاری کے درخت اور پھلوں کے باغات لگائے اور اس علاقے کو ہر طرح سے ترقی دی۔ یہ ہے چولا ریاست کی ابتدا کی عجیب سی سرگذشت جو راجہ دیر راجندر کے درباری شاعر کے تخیّل کی رہین منت ہے[۳۵]

چھٹا باب

حاشیے

۱ SII-ii. سلسلہ نمبر ۷۶ - V ، ۱۸ - ۱۹۱۲ کا ۳۳۷

۲ رنگاچاری - A.N. سلسلہ نمبر ۵۳۶ - ۳۷، EI- IV- ص ص ۱۸۰ - ۸۳

۳ ۱۹۰۹ کا ۵۷۶ - ایک وجیالیہ چتر ویدی منگلم کا ذکر ان "برہم دیہ" دیہاتوں میں آیا ہے جن کو اس بات کا پابند کیا گیا تھا کہ راج راجا کے عہد میں تنجور کے مندر کی ملازمت کے لئے آدمی مہیا کریں۔ (SII-ii - ۶۹ - پیراگراف ۱۲۹) ضلع شمالی ارکاٹ میں وجیالیہ کے چوتھے سال حکومت کے "کلویڈو" ( ) کے حوالے کے لیے مزید دیکھیے ۱۹۱۵ کا ۱۶۴ (وکرم چولا ۵)۔ نارتا ملائی (پڈوکوٹہ ۲۸۲) سے دستیاب شدہ تیرھویں صدی کے پانڈیا راجاؤں کے ایک کتبے میں ایک ایک وجیالیہ چولیشورا مندر کا ذکر آیا ہے۔ دیکھیے ۱۹۴۳ - ۴۴ کا سلسلہ نمبر ۱۲۵، ۱۲۶ جو ترو تنی ( ) ضلع چتور سے ملے ہیں۔ اگرچہ وجے نگر کے صرف بعد کے کتبوں میں ہی ایک ایسے مندر کا ذکر آتا ہے جس کا نام وجیالیہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔

۴ SII -iii - نمبر ۲۰۵ - ۷۷ - ۴۵ - ۴۶ - ویر راجندر کے کنیا کماری کے کتبے (TAS -iii- صفحہ ۱۴۲، ۷ - ۵۴) میں اس کے متعلق کافی مبالغہ آرائی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وجیالیہ ہی نے تنجور کی بنیاد رکھی تھی۔ انبل ( ) کی تختیوں میں میدانِ جنگ میں اس کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے نام کو دو معنی بنا کر پیش کیا گیا ہے (۷ - ۱۶)

۵ SII -iii - صفحہ ۱۷ - حاشیہ نمبر ۱۴ ET- V صفحہ ۴۲، SII -iii سلسلہ نمبر ۱۱ - آدتیہ چولا کے عہدِ حکومت کا معلوم ہوتا ہے۔ ARE - ۱۹۳۹ - ۴۰، ۱۹۴۲ - ۴۳، II - ۳۰

۶ ۱۹۳۶ کا ۵۱-ARE ۱۹۳۵-۳۶، II - ۲۴، پیراکیسری کے آٹھویں سال حکومت کا ایک اور کتبہ بھی جس کا عنوان نہیں ہے اور جو دیر چولاپورم کے ۵ میل شمال میں واقع کاپلور سے ملا ہے، اسی کا ہو سکتا ہے۔ ۱۹۲۸-۲۹ کا ARE-۲۸۳-
II ۱۲-MAR-۱۹۰۹- پیراگراف ۲۸ میں میسور کے خطے میں کُودلور سے دستیاب شدہ ایک واحد سطر والے ٹکڑے پر قیاساً تبصرہ کیا گیا ہے۔ مزید دیکھیے ARE-۱۹۰۹- پیراگراف ۳۵- اور ۱۹۱۶- II-۱۷

۷ و - E ۱۹۰۸ کا ۴۳۶- اور ۱۹۰۸ کا ۴۳۹ جو تِرو دیلی ملائی سے ملے ہیں

۸ EI - viii - صفحہ ۲۶۰

۹ ۱۸۹۴ کا ۱۶۷، EI - iii - صفحہ ۲۷۹

۱۰ انبل کی تختیاں (EI - XV - ۷۷-۱۷-۱۸)

۱۱ EI - XIX - نمبر ۱۲

۱۲ کے وی سُبر ہمنا آئر لکھتا ہے۔ " اگر وجیالیہ اسی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جو چولا مہاراجہ کُماران کش کا خاندان تھا تو یہ بات عین قرین امکان ہے کہ وہ موخرالذکر کا پوتا تھا۔" TAS - iii - صفحہ ۱۰۸- جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں نندی ورمن سوم کی ویلوپالیم کی تختیوں میں کُمارن کش کا ذکر وجنا بتی کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ تاہم یہ امر انتہائی مشکوک ہے کہ وہ اور وجیالیہ چولا خاندان کی ایک ہی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو پچھلا صفحہ

۱۳ AK - صفحہ ۷۳- اور اس کے بعد کے صفحات

۱۴ EI - xiii - صفحہ ۱۳۴- اور اس کے بعد کے صفحات جن میں عارضی طور پر ان کتبوں کو آٹھویں صدی کے پہلے نصف حصے سے وابستہ کیا گیا ہے، (صفحہ ۱۳۶) ان صفحات میں مذکور مندرجہ ذیل الفاظ کو خصوصی طور پر نوٹ کیجیے :- تنجائی ترم پاڑی نٹرار، تنجائیک کون، تنجائی نر پو گلالن "

۱۵ ۱۹۰۵ کا ۶۰۹ (رنگا چاری MR ۸) - بعد کے ایک کتبے (۱۹۱۴ کا ۴۲) میں جو شاکا سمت ۱۳۶۹ کا ہے، اس مقام کا نام پانڈیائی و نبکنڈ شولاچتر ویدی منگلم درج ہے۔ یہ ورگن ورمن کی شکست کا حوالہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے خلاف دیکھیے رنگا چاری صفحہ ۱۸۵-

۱۶ پردوئیا کا ۱۹۱۲ کا نمبر ۳۳۷ کتبہ (رنگا چاری ۲۲۶) جس میں چولا راجہ کا ذکر آیا ہے
اتنا بے ربط اور ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے کہ اس سے متعلقہ عہد کے سیاسی تعلقات پر کوئی
روشنی نہیں پڑتی۔ اس کے خلاف دیکھیے ڈبریل کی تصنیف ''پلوّاز''
(صفحہ ۸۲۔ ٹی اے گوپی ناتھ راؤ لکھتا ہے (ملاحظہ ہو EI - XV -
صفحہ ۴۹) کہ دوسرے کتبوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ راجا آدتیہ اور پانڈیا حکمران ورگن
نے پلوّ راجہ نرپتنگا ورمن کے خلاف پیش قدمی
کی، اسے شکست دی اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ پلوّ راجہ اپراجت ورمن کے
نام سے بھی موسوم تھا۔" اپراجت اور نرپتنگا کو ایک ہی شخص قرار دیے جانے کے
باوجود، جس کا کر کوئی ثبوت نہیں ہے، یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ جو فوجی مہم اپراجت کا
تختہ الٹنے کے لیے ذمہ دار تھی، اس کا ورگن ورمن کی فوجی مہم سے بھی کوئی تعلق تھا۔
جہاں تک میں مختلف شہادتوں کی بنا پر سمجھ سکا ہوں یہ ایک مختلف جنگی مہم تھی جو
غالباً کچھ سال بعد بھیجی گئی تھی۔ (دیکھیے ڈبریل کی کتاب پلوّا (صفحہ ۸۴)
لیکن ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وجیالیہ کے زمانے میں اور آدتیہ اوّل کے عہدِ حکومت کے ابتدائی
سالوں میں چولوں اور پلوّوں کے باہمی تعلقات کے متعلق ہماری رائے قطعی اور آخری
نہیں ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ مترئیار ، کا نقصان کرکے وجیالیہ
کی عظمت و ترقی کا پانڈیوں اور پلوؤں کی باہمی کشاکش سے قطعاً کوئی تعلق نہ ہو۔
اس صورت میں وجیالیہ نے پانڈیا اور پلوّ ریاستوں کے درمیانی سرحدی علاقوں
میں انتشار کا فائدہ اٹھایا اور اس کے بیٹے نے بھی شری پومبئم کے بعد دونوں ریاستوں
کے کمزور ہونے کا پورا فائدہ اٹھایا۔ تاہم دیکھیے EI-XIX - صفحہ ۸۷۔ حاشیہ ۶۔
اس کے متعلق ایک اور رائے بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ چونکہ مترئیار پلوّوں کے اتحادی
تھے۔ اس لیے وجیالیہ کے تحت چولوں کو یہ موقع ملا ہوگا کہ پانڈیوں کے ساتھ اشتراک
کریں اور پلوّوں کے جُوئے کو اتار پھینکیں۔ اس قیاس کی بنا پر وجیالیہ کی جانب سے
تنجور کی تسخیر ایک ایسا اقدام تھا جو بیک وقت پلوّوں کے خلاف جارحیت بھی تھا، جس
سے پانڈیوں کو مدد ملتی تھی، اور پلوّوں کے غلبے سے چولوں کی آزادی کے دعوا کا ایک
فیصلہ کن اقدام بھی۔ اس مفروضے کی بنیاد پر یہ غیر ممکن نہیں ہے کہ آدتیہ نے ورگن

کی طرف سے شری پورمبئم میں جنگ کی ہو۔ لیکن اس موقعے پر شکست کھانے کے بعد آدتیہ نے ازسرنو خود کو اتنا مضبوط بنا لیا کہ بعد میں اس نے اپراجت کا تختہ الٹ دیا۔ یہ کیسے ممکن ہوا، اس امر کی وضاحت کرنا مشکل ہے اور یہ بتانا بھی آسان نہیں ہے کہ شری پورامبئم میں اپنی کامیابی کے بعد دوبارہ چولوں پر غلبہ حاصل کرنے میں اپراجت کیوں ناکام ہوا۔

۱۷ - ۱۸۰۔۷

۱۸ - ۷۔۱۹

۱۹ - ۷، ۵۵

۲۰ - ۱۹۱۱ کا ۲۸۶

۲۱ - SII - iii نمبر ۱۴۲

۲۱ الف)۔ ۱۹۲۸-۲۹ کا ۲۷۱، ۱۲۔ دیکھیے xix - صفحات ۱۴۸-۴۹ - اور پوتدار

تبصرے کی جلد۔ ص ص ۲۹-۲۱

۲۲ ۱۸۹۷ کا ۵ - EI xix، - نمبر ۱۲

۲۳ ۱۹۲۸ کا ۱۶۱

۲۳ -(-1-)۔ ۱۹۲۰ کا ۱۴، EI - xxvi - ص ۲۳۲

۲۴ - ۱۸۹۹ کا ۱۶ - کرشن شاستری نے چوبیسواں سالِ حکومت بتایا ہے (آ آ نمبر ۹۴) لیکن کتاب کے متن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

۲۵ ۱۸۹۹ کا ۱۳

۲۶ اپراجت کا مقام بخوبی واضح اور مصدقہ ہے اگرچہ اپنے پیش رَو نرپتنگا کے ساتھ اس کے رشتے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس کے کتبوں کے ماخذ کے محدود حلقے کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ شری پورمبئم کے فاتح نے کانچی پورم کے جنوب میں اپنی کوئی یادگار کتبوں کی شکل میں نہیں چھوڑی۔ غالباً میدانِ جنگ میں پرتھوی پتی کی موت نے اپراجت کو اپنے ضرورت سے زیادہ طاقتور اتحادی کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جس نے اپنے تعاون کی قیمت اس طرح وصول کی کہ جنوبی تو[illegible]ئی

تونڈئی منڈلم کو اپنے قبضے میں لے لیا اور پلّوؤں کی تباہی کو مکمّل کرنے کے لیے پھر اس نے اگلے موقعے کا انتخاب کیا۔

یہ ممکن ہے کہ ماڑمباوئی (تیلاڑو کے راجہ نندی سوم کی رانی ہو۔ اس راجہ کا عہد حکومت ۸۶۰ء تک رہا۔ قدیم ترین چولا کتبہ جس میں اس رانی کا ذکر آتا ہے۔ راج کیسری کے اٹھارہویں سالِ حکومت ۸۸۹ء کا ہے۔ اس کا ذکر راجہ نرپتنگا کے دو کتبات میں بھی آتا ہے۔ یہ دونوں کتبے ضلع تنجور سے ملے ہیں (۱۹۰۱ کا ۳۰۰۔ اور ۳۰۲)۔ ملاحظہ کیجیے ARE۔ ۱۹۰۱، پیراگراف ۱۰، II SI۔ II ص ۵۱۳۔ حاشیہ

۲۷ ۔ ۱۹۰۷ کا ۲۵۸۔ یہ کتبہ راجا کے دسویں سالِ حکومت کا ہے نہ کہ تیسویں سال کا

۲۸ ۱۹۱۱ کا ۲۸۶

۲۹ ARE - ۱۹۱۲ - II ، ۱۱ میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ قدیم دستاویز شناسی کی رو سے ستھانو ی روی اور چندر ادتیہ خاندان کا کوکندن روی) دونوں حقیقت میں ایک ہی شخص تھے (۱۹۱۰ کا ۱۴۸)۔ تلائی ستھانم کے کتبے کے عنوان "پل۔ یانی۔ کوک۔ کنڈن" کا اطلاق بھی دراصل "تونڈئی۔ ناڈو۔ پاونا۔ شولن" کے جملے کی طرح راج کیسری ہی پر ہوتا ہے نہ کہ ستھانو روی پر۔ جیسا کہ ARE (ایضاً) سے اندازہ ہوتا ہے "یہ غیر ممکن نہیں ہے کہ ستھانو روی نے پلّوؤں پر فتح پانے اور ان کے علاقے پر قبضہ کرنے میں آدتیہ کی اچھی خاصی مدد کی ہو اور وکّی انن نے اس موقعے پر بطور ایک قابل فوجی جرنیل کے خود کو ممتاز کیا ہو" (ایضاً)۔ اسی پیراگراف ہی میں ہم اس رائے سے بھی دوچار ہوتے ہیں کہ اپنی بیوی کا ... ب مادیوی کی طرح وکّی انن بھی کرناٹک خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور یہ کہ ... کوڈمبالور (پڈوکوٹہ) کا ایک ویلر (...) سردار تھا

۳۰ ۱۹۱۳ کا ۲۴۳۔ شیمبئین مہابلی ..

جس کا ذکر اس کتبے میں کیا گیا ہے، پرانتک پتی دوم کے ... کوئی اور شخص نہیں تھا۔

۳۱ ARE. 8 ۷۸۔ صفحہ ۵۰

۳۲ - ۶-۶-۱۹۰ کا ۲۸۶، نیز ۳-۱۹۰۲ کا ۲۳۰- جب کنیا کماری کے کتبے سے ہمیں یہ علم ہوا کہ آدتیہ کا دوسرا نام کودنڈراما بھی تھا، اس سے قبل جو کودنڈراما کے نام سے مشہور تھا وہ اس کا پوتا راج آدتیہ تھا۔ لیکن راج آدتیہ اپنے والد کے عہدِ حکومت کے چونتیسویں[۳۴] سال میں ضرور زندہ رہا ہوگا۔ E I - xviii - صفحات ۲۲-۲۴

۳۳ ۱۸۹۵ کا ۳۸

۳۴ ۷۷، ۲۸-۳۵

۳۵ اس کتبے میں مذکورہ پرانے قصّے کہانیوں پر مفصّل بحث کے لیے دیکھیے TAS - iii - نیز تانبے کی تختیوں میں دیے ہوئے قصّے کہانیوں پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو S D - iii - تمہید - صفحات ۴-۵ - اور E I - xviii - صفحہ ۲۶ - اور اس کے آگے کے صفحات

ساتواں باب

راجہ پرانتکا اوّل

(۹۰۷ تا ۹۵۵ء)

چولا سلطنت کی توسیع

شری پورامبیئم کی لڑائی کے وقت چولا ایک چھوٹی سی جاگیر کے مالک تھے جو تنجور اور اُرائیور پر مشتمل تھی اور وہ غالباً پلّو تاجداروں کے اطاعت گزار تھے۔ لیکن پچیس برس کے اندر اندر وہ ایک زبردست طاقت کے مالک بن گئے۔ ان کی طاقت کی یہ توسیع آدتیہ اوّل کا کارنامہ تھی جو ایک زبردست جنگ جو سورما اور صاحب فراست سیاستداں تھا۔ حالات نے اس کا ساتھ دیا اور اس نے ملے ہوئے موقعوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ شری پورامبیئم کی جنگ کے بعد پانڈیا اپنے گھریلو جھگڑوں میں الجھ گئے۔ اس لڑائی کے بعد ہی ورگن کا انتقال ہوگیا اور اس کے جانشیں سری پرانتکا ویرنارائن کو ایک زبردست بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑ گیا جو مغرور اگر کی زیر سرگردگی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شری پورامبیئم کے بعد کچھ سالوں تک پلّو راجہ اپراجت کے ساتھ آدتیہ کے تعلقات دوستانہ رہے۔ پھر وہ اس کے خلاف ہوگیا اور اس نے اپراجت کا "اگر تمام علاقہ نہیں" تو اس کا زیادہ حصہ اس سے چھین لیا۔ ممکن ہے کہ اس کے ہمعصر گنگا خاندان کے راجہ نے اس کی مدد کی ہو اور کچھ غیر واضح تنازعات جن میں بان، وائی دمبا، گنگا اور نولمبا خاندانوں کے حکمرانوں الجھے ہوئے تھے اور جن کا مرکزی واقعہ سورے متی کی لڑائی تھی، بالواسطہ طور پر آدتیہ کی کامیابی میں معاون ہوئے ہوں۔ اپنے عہد کے خاتمے سے پہلے آدتیہ نے کونگو کا خطہ بھی فتح کر لیا تھا اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اس طرح ۹۰۷ء میں اس کے بیٹے پرانتکا کی جانشینی کے وقت چولا ریاست کی حدود میں

شمال میں مدراس اور کال ہستی کے درمیان کا تمام علاقہ شامل ہو چکا تھا' اور جنوب میں یہ حدود دریائے کاویری تک پھیلی ہوئی تھیں البتہ میسور کی سطح مرتفع اور مغربی ساحلی علاقے ان میں شامل نہیں تھے۔ گنگا طاقت کی حیثیت ایک اطاعت گزار اتحادی کی ہی رہی اور میر راجاؤں سے بھی دوستانہ تعلقات قائم رہے۔ پانڈیا طاقت کے ساتھ اولین معرکہ شاید کوتگودیش میں پہلے ہی ہو چکا تھا۔[2]

پرانتکا اوّل

پرانتکا اوّل نے اڑتالیس سال تک حکومت کی۔ کیونکہ اس کے عہد کا سب سے آخری کتبہ اس کے سن جلوس سے اڑتالیسویں سال کا ہے۔[3] اپنی حکومت کے ابتدائی سالوں میں اس نے راشٹر کوٹا راجہ کرشن دوم کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا جو اس نے اپنے پڑپوتے کنڑ دیو کو چولا ریاست کے تخت پر بٹھانے کے لیے کی تھی۔ بعد ازاں پرانتکا کے دورِ حکومت کا بیشتر حصہ کامیابی اور خوشحالی کا دور ثابت ہوا۔ پانڈیوں کی آزادی و خود مختاری کا خاتمہ کر کے اور جنوب میں اپنی حدودِ سلطنت کو کنیا کماری تک بڑھا کر اپنے والد کی فتوحات میں اور اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ اس نے سری لنکا پر بھی حملہ کر دیا' اگرچہ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے اس کا حملہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ دوسری طرف اس نے بان حکمرانوں کو مطیع کیا اور گنگا راجہ ہستی مل نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اب پلّو اقتدار کی آخری نشانیاں معدوم ہو گئیں اور شمال میں پرانتکا کے زیرِ نگیں علاقہ نیلور تک پھیل گیا۔ لیکن اس کے عہدِ حکومت کے آخری حصے میں شمال مغرب کی جانب سے کرشن سوم نے چولا سلطنت پر زبردست حملہ کیا اور اس جنگ میں پرانتکا کا سب سے بڑا بیٹا راجادتیہ (راج آدتیہ) اپنی جان گنوا بیٹھا۔ پرانتکا خود بھی اس تباہی کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا۔ اس کے بعد تیس برس سے کچھ زیادہ عرصے تک چولا سلطنت پر تاریکی کے بادل چھائے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آن پہنچا جب نامور حکمران راج راجہ اوّل کی ۹۸۵ء میں تاجپوشی ہوئی۔

پانڈیوں سے جنگ

پرانتکا نے اپنی تخت نشینی کے بہت جلد بعد پانڈیا ریاست پر حملہ کر دیا تھا۔ اس کے عہد حکومت کے تیسرے سال سے ہی مدورائی کونڈا (فاتح مدورائی) کا لقب اس کے نام کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا۔ تاہم پانڈیہ ریاست کی تسخیر رفتہ رفتہ ہوتی رہی پانڈیا ریاست کی حدود کے اندر راجہ پرانتکا کا سب سے پرانا کتبہ، جو اب تک ہمیں دستیاب ہو سکا ہے، اس کے عہد حکومت کے چوبیسویں برس کا تحریر کیا ہوا ہے۔ شنمنور اور ادائیندرم کی تختیاں اس بات پر متفق ہیں کہ پانڈیا راجہ راج سمہا ہی تھا جو پرانتکا کے ہاتھوں حکومت سے محروم اور ریاست سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ "مہاوامسا" میں لکھا ہے:-[6]

"جن دنوں لنکا کے حکمران (کیشپ پنجم ۹۱۳ء تا ۹۲۳ء) کی منصفانہ حکومت قائم تھی، چولا راجہ نے پانڈو راجہ کو جنگ میں ترغیب دی۔ فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے اس نے بہت سے تحائف بھیجے۔ لنکا کے حکمران راجہ نے اپنے افسروں کے ساتھ مشورہ کیا۔ اپنی فوجوں کو مسلح کیا اپنے "سکسیناپتی" کو فوجوں کا سردار مقرر کیا اور خود مہاتیتھ چلا گیا۔ سمندر کے ساحل کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے اپنے لشکر کو پچھلے حکمرانوں کی فتوحات کی یاد دلائی اور اس طرح لشکر میں جوش پیدا کر کے اس کو جہاز پر سوار کرایا۔ اس کے بعد سکسیناپتی نے اپنی فوج سمیت سمندر کو سلامتی سے عبور کر لیا اور پانڈو ریاست میں پہنچ گیا۔ جب پانڈو راجہ نے اسے اور اس کی فوج کو دیکھا تو خوش ہو کر کہا "میں تمام جمبودیپ کو ایک ہی چھتر کے نیچے یکجا کر دوں گا۔" راجہ نے دونوں فوجوں کو لے کر مہم آرائی کی لیکن چونکہ سکسیناپتی چولا راجہ کو مغلوب نہیں کر سکا تھا، وہ ایک بار پھر اس کے خلاف مزید نبرد آزمائی کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس نے ایک جگہ پر قیام کیا اور طاعون کے عارضے سے مر گیا جس سے پانڈو راجہ کی سب امیدیں خاک میں مل گئیں۔ جب لنکا کے حکمران نے یہ سنا کہ فوج بھی اسی بیماری سے مر رہی ہے تو رحم

کھا کر اس نے اپنے لشکر کو واپس بلا لیا۔"

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنازعہ تین مرحلوں سے گذرا۔ پہلے مرحلے میں پانڈیہ راجہ چولا حکمران پرانتکا کے ہاتھوں شکست کھا جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے کا آغاز اس کی لنکا کے راجہ سے مدد کی درخواست سے ہوتا ہے اور اختتام اس لڑائی سے ہوتا ہے جس میں پانڈیا اور لنکا کی فوجیں چولا فوج سے شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ لنکا کے فوجی کمانڈر کی ایک آخری کوشش بھی طاعون کی وبا کے باعث بیکار ہو گئی۔ جس میں وہ خود موت کا شکار ہو گیا اور جس کے باعث لنکا کی فوجوں کو واپس جانا پڑا۔ کتبات کا جہاں تک تعلق ہے وہ ان تمام واقعات کی تصدیق کرتے ہیں۔ صرف اتنی کمی ہے کہ ان میں سکسیناتہی کی دوسری مہم اور طاعون کی وبا کا ذکر نہیں ملتا۔

"مہاوامسا" کے بیان کے مطابق پہلا مرحلہ بلا شبہ پرانتکا کی حکومت کے ابتدائی سالوں میں مدورائی" پر اس کے حملے سے متعلق ہے جو اس کے "مدورانتکا" کا لقب اختیار کرنے کا باعث ہوا۔ جنگ کے دوسرے مرحلے کی ہو بہو منظر کشی پرتھوی پتی کی ادرائیندرم کی تختیوں میں ۹۲۱-۹۲۲ء میں اس طرح کی گئی ہے:۔

"اس (پرانتکا) کی فوج نے ایک لڑائی میں فتح پا کر پانڈیا راجہ کو مع اس کے ہاتھیوں، گھوڑوں اور پیدل سپاہیوں کے کچل دیا اور ہاتھیوں کا ایک جھنڈ اور مدورائی کا شہر اپنے قبضے میں کر لیا۔ ایک لڑائی میں غلبہ پا کر اس نے کثیر تعداد میں اس فوج کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو لنکا کے حکمران نے بھیجی تھی، جس میں بہادر سپاہیوں کی افراط تھی اور جس میں فیل سوار اور گھوڑ سوار دستے بھی شامل تھے۔ ایسا کر کے اس نے دنیا میں "سنگرام راگھور" (رام میدانِ جنگ میں) کا لقب پا لیا ہے جو پر معنی ہے جب اس نے پانڈیہ راجہ راج سمہا کو شکست دی، تو دو (شخصوں) کو بیک وقت ایک ہی خوف لاحق تھا۔ دولت کے دیوتا کبیر کو اپنے دوست کی موت کے باعث اور وبھیشن کو چولا حدود سلطنت کے لنکا کے نزدیک پہنچ جانے کے باعث۔"

یہ واقعات ادا ئیند رم کے فرماین وقف سے چند سال پہلے ہی پیش آئے ہوں گے۔ پرانتکا سے متعلق ایک یادداشت میں تو ہم ۹۲۳ء ہی سے" مدورائیم ایلم کونڈا" کا لقب اس کے نام کے ساتھ دیکھتے ہیں۔[8]

ویلور کی لڑائی

اس کے دورِ حکومت کے بارھویں سال کے دو کتبات میں ویلور کی لڑائی کا واقعہ سرسری طور پر مذکور ہے جس میں چولا تاجدار نے پانڈیا راجہ اور لنکا کی افواج کو شکست دی تھی۔ ایک کتبہ عطیے کی شکل میں پلّو دیترئیار کنڈن امدنار کی فتح کی یادگار میں ہے جو اس موقعے پر حاصل ہوئی تھی جب پانڈیا راجہ نے لنکا کے راجہ کی مدد سے ویلور کی لڑائی میں چولا راجہ پر حملہ کیا تھا۔[9] دوسرا کتبہ چار سپاہیوں (شیوکار) کی اعلا کارکردگی کے عوض عطا کی گئی جاگیر کا فرمان ہے جو ویلور یں نشینی پیرارائین کے حملے میں مارے گئے تھے۔ یہ اس موقعے کی بات ہے جب پانڈیا راجہ اور لنکا کی افواج نے چولا حکمران کے ساتھ گھمسان کی لڑائی لڑی تھی۔[10] یہ بات واضح ہے کہ ویلور میں ایک زبردست اور فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں چولا افواج کو فتح حاصل کرنے کے لیے جان توڑ کر لڑنا پڑا اور اس لڑائی کی یاد اس کے بہادری کے کارناموں کے باعث برسوں تازہ رہی۔ اغلب ہے کہ یہ لڑائی ۹۱۵ء میں لڑی گئی تھی۔

پرانتکا کی ویلور کی فتح نے پانڈیا ریاست کی بتدریج تسخیر اور چولا ریاست میں اس کے شمول کے لیے راہ ہموار کر دی۔ چولا حملے کے سیلاب کو روکنے کی تمام مساعی ناکام ہونے کے باعث مایوس اور بدقسمت راج سمہا اپنی قدیم وراثت کو دشمن کے لیے چھوڑ کر خود بھاگ نکلا۔ راجہ دپولا چہارم کے عہد (۹۲۳ء تا ۹۳۴ء) میں تحریر کردہ حسبِ ذیل یادداشت" مہاوامسا" میں ملتی ہے:[11]

> "اس وقت پانڈو راجہ نے چول حکمران کے خوف سے اپنی ریاست کو خیرباد کہا اور ایک جہاز میں بیٹھ کر مہاتیتھ کی طرف چلا گیا۔ راجہ نے اسے اپنے پاس بلوایا اور جب اسے دیکھا تو بہت مسرور ہوا۔ اس کے لیے ایک کثیر وظیفہ مقرر کر دیا اور شہر سے باہر ایک رہائش گاہ اسے دے دی۔ جب لنکا کے راجہ نے اس ارادے سے خود کو مسلح کیا کہ" میں چولا راجہ سے جنگ

کردوں گا اور اس کے دو بیوں تختِ حکومت اس سے چھین کر پانڈیہ راجہ کو
دے دوں گا" تو اس جزیرے کے امرائ بگڑ کھڑے ہوئے اور پانڈو راجہ کی
امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اس نے سوچا کہ اب یہاں اس کا قیام بے مصرف
ہے۔ لہٰذا وہ اپنا تاج اور دیگر قیمتی اشیا وہیں چھوڑ کر "کیرلوں" کے یہاں
چلا گیا"[13]

اس واقعے کی تصدیق ترووالنگاڈو کی تختیوں میں لکھے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار سے بھی ہوتی ہے:

"راجہ پرانتکا کی شجاعت کی آگ سے محصور ہو کر اس کی تپش سرد کرنے کے لیے
وہ اپنی ورثے میں ملی ہوئی شاہی ریاست کو خیرباد کہہ کر سمندر میں کود پڑا
(لنکا کا قصد کیا)"

راج سمہا پھر لنکا سے کیرالا کی جانب روانہ ہو گیا کیونکہ وہاں اس کی ماں وانون مہادیوی کا گھر تھا۔[14] اس زمانے میں چولا راجاؤں کے ساتھ کیرل کے راجاؤں کے سیاسی تعلقات اتنے زیادہ استوار تھے کہ راج سمہا پہلے تو لنکا سے مدد کا طالب ہوا اور کیرل اس وقت گیا جب اس کے لیے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ پھر بھی وہ اپنا تاج اور دیگر بیش قیمت اشیا لنکا میں ہی چھوڑ آیا۔ "مہاوامسا" کے بتائے ہوئے سنین کے مطابق راج سمہا کے فرار کی تاریخ راجہ پرانتکا کے عہد کے سولہواں اور تیسویں برس کے درمیان متعین ہو سکتی ہے۔

لنکا کی لڑائی

نو تسخیر علاقے کو مکمل طور پر مطیع کرنے میں راجہ پرانتکا کو کئی برس لگ گئے اور جب اس نے محسوس کیا کہ اس کا کام تکمیل کے قریب ہے تو اس نے اپنی اس کامیابی کا جشن مدورائی میں تاجپوشی کی صورت میں منانا چاہا جس میں وہ پانڈیا حکمران کے عہد کے نشانات اختیار کرتا۔ لیکن یہ نشانات راج سمہا اپنے ساتھ لے گیا اور انھیں اس نے لنکا کے راجہ کی تحویل میں چھوڑ دیا تھا۔ پرانتکا نے لنکا کے کاہل اور بے اعتدال راجہ اودئے چہارم کے عہدِ حکومت (۹۴۵ تا ۹۵۳ء) کے دوران میں ان نشانات کو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔[15]

"اس کی (لنکا کے حکمران کی) کاہلی کی خبر پاکر چولا تاجدار بہت خوش ہوا اور
چونکہ وہ پانڈو ریاست کا تاجدار بننے کی رسم باقاعدہ طور پر ادا کرنا چاہتا تھا
اس نے اپنے قاصد بھیج کر تاج اور دیگر متعلقہ نشانات واپس طلب کیے
جو پانڈو راجہ لنکا میں چھوڑ گیا تھا۔ راجہ نے انھیں واپس نہیں کیا۔ چنانچہ
قوی چولا حکمران نے اپنی فوج کو مسلح کر کے لنکا بھیجا تاکہ وہ بزور ان نشانات
کو لا کر حاضر کرے۔ ان دنوں میں لنکا کا سپہ سالار غیر حاضر تھا کیونکہ وہ ایک
سرحدی صوبے میں بغاوت کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ راجہ نے اسے واپس
بلوا لیا اور جنگ شروع کرنے کے لیے آگے بھیج دیا۔ سپہ سالار روانہ ہوگیا
اور لڑائی چھیڑ دی لیکن خود اس میں مارا گیا اس پر راجہ (اور دیے) تاج
اور دیگر اشیا لے کر روہن کی طرف چلا گیا۔ چولا افواج بھی اس طرف
بڑھیں لیکن روہن اس داخلے کا کوئی راستہ نہ پا کر واپس ہوگئیں اور خوف
کے مارے انھوں نے اپنے وطن کا رخ کیا۔"

ان واقعات کی صحیح تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی۔ لنکا والوں کا بیان جس میں انھیں
پرانتکا کے عہد کے آخری سالوں کے واقعات بتایا گیا ہے، بلاشبہ صحیح ہے[16]۔ اس کی
اس ناکامی کی اس کے طاقتور جانشیں راجندر اوّل نے کئی برس بعد اس کی تلافی کر دی۔

پرانتکا کے اتحادی

پانڈیا راجہ کے خلاف مہم آرائی میں کیرل کے حکمرانوں اور کلیلو ور کے "پلو ویتریار"
سرداروں کے علاوہ "کوڈمبالور" کے ویلیر سرداروں نے بھی راجہ پرانتکا کی مدد کی
تھی۔ اس کے بالکل ابتدائی زمانے کی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے بیٹوں
میں سے شہزادہ اری کل کیسری کی شادی پہلے ہی کوڈمبلور خاندان کے راجہ تینون
انگو ویلار کی بیٹی پودی آدچ پڈاری سے ہو چکی تھی[17]۔ اسی زمانے میں چولا خاندان
اور کوڈمبلور سرداروں کے مابین قریبی تعلقات کی ایک اور شہادت ضلع ترچناپلی
اور پدوکوٹاہ سے دستیاب شدہ یادداشتوں سے ملتی ہے[18]۔ پانڈیا راج سمہا سے
کوڈمبلور خاندان کی عداوت راج سمہا کے عہد کے سولہویں سال (۹۱۶ء) کے شمنو مر کے

کتبات سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ پرانتکا کے عہد کے اوائل میں چولوں کے ساتھ راج سمہا کے تعلقات کا حال بیان کرتے ہوئے پانڈیا راجاؤں کے لکھوائے ہوئے کتبات بتاتے ہیں کہ راج سمہا نے تنجائی (تنجور) کے حکمران کو "نائی پور" کے مقام پر شکست دی۔ کوڈمبئی (کوڈمبلور) میں ایک لڑائی لڑی، جو کہ چولوں کے ایک طاقتور اطاعت گذار راجہ کی راجدھانی تھی۔ اس نے دنجی شہر کو آگ لگا دی، اور جنوبی تنجائی کے حکمران کو "تادل" میں تباہ و غارت کر دیا[19] جو کہ غالباً چولوں کا ایک اور ماتحت سردار تھا۔ پانڈیا کی جانب سے ابتدائی مراحل کا یہ موہوم اور مبالغہ آمیز بیان دو پہلوؤں سے بہت اہم ہے یہ "مہاوامسا" اور راجہ پرانتکا کے کتبات سے حاصل شدہ اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ اس کی جانب سے مدورائی کی تسخیر ایک تدریجی اور دشوار مہم تھی جس کی خاطر بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں اور جس میں کافی سال لگ گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان تنازعات میں کون سی طاقت کس کے ساتھ تھی اور اس خیال کی بھی تائید ہوتی ہے کہ چیرا اور کوڈمبالور سرداروں کا چولوں کے ساتھ اتحاد تھا[20] اور وہ ان کی جانب سے لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔

دیگر لڑائیاں

راجہ پرانتکا نے پانڈیوں کے خلاف جو جنگیں لڑیں ان کے درمیانی وقفے دیگر علاقوں میں اپنی طاقت بڑھانے میں صرف کیے۔ اس کے عہد کے نویں برس کی تھولنگور کی چٹان کی تحریریں[21] یہ ذکر آتا ہے کہ راجہ پرانتکا کی جانب سے گنگا راجہ پرتھوی پتی دوم کو "باناد ھیراجا" کا خطاب دیا گیا تھا اور اس نے ایک لڑائی میں "جودلال" کے مقام پر ہوئی امتیازی شہرت حاصل کی تھی۔ پرتھوی پتی کے عہد کی ادائیندرم کی تختیوں میں درج[22] ہے کہ راجہ پرانتکا نے دو "بان" حکمرانوں کا خاتمہ کر دیا اور "ویڈمبوں" کو فتح کر لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ پرانتکا کے عہد کے ابتدائی سالوں میں راشٹر کوٹا راجہ کرشن دوم نے پرانتکا کو معزول کر کے اپنے نواسے کنڑ دیو کو چولا تخت پر بٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے شمال مغرب سے چولا ریاست پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں اس کے ساتھ اس کے باجگزار "بان" حکمرانوں کی فوجیں بھی شامل ہو گئیں۔ ادھر پرانتکا کی مدد اس کے اطاعت گزار

گنگا راجہ پرتھوی پتی دوم نے کی۔ وللال کے مقام پر ۹۱۰-۱۱ء میں ایک فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ یہ مقام جہاں آجکل ترودتم ہے وہاں واقع تھا۔ کرشن دوم اور اس کے اتحادیوں کو زبردست شکست ہوئی اور ویرراجندر کے عہد کا کتبہ واضح طور پر اس بات کی تائید کرتا ہے کہ پرانتکا کو "ویرچولا" کا لقب "ناقابل تسخیر" کرشن راجا پر فتح پانے کے باعث حاصل ہوا[۲۳]۔ اس طرح کرشن کی کوشش رائیگاں ہوئی۔ پرانتکا کا تخت وتاج محفوظ ہوگیا اور آخر اس نے بان حکمران اور کرشن کے دوسرے اتحادیوں کو اس کی چھیڑی ہوئی لڑائی میں شریک ہونے کی سزا دی۔

بان حکمرانوں کا خاندان ایک قدیم خاندان تھا جس نے دو صدیوں سے کچھ زائد عرصہ تک اس خطے پر حکومت کی جو "پیرم بان پاڈی" یعنی عظیم بان ریاست کہلاتا تھا[۲۴]۔ یہ خطہ پالار کے شمال میں تھا اور پچھم طرف پنگنور اور پورب طرف کال ہستی کے درمیانی رقبے پر مشتمل تھا۔ یہ باور کرنے کے لیے معقول وجوہ ہیں کہ اس سے پہلے وہ شمال سمت میں اور بھی علاقے پر حکمران رہے تھے اور انھیں بادامی کے چالوکیہ خاندان کے زمانہ عروج میں جنوب کی طرف ہٹنا پڑا تھا۔ خودمختار راجاؤں کی حیثیت سے اپنے آخری دور میں ان کا دارالخلافہ پیریوی تھا[۲۵] جس کا ذکر سب سے پہلے سولنگور کے کتبات میں آیا ہے اور جو غالباً ضلع اننت پور کے ہندوپور تعلقہ میں واقع موجودہ "پرگی" کا قصبہ رہا ہوگا۔ اس خاندان کا آخری حکمران وکرمادتیہ سوم وجے باہو تھا جو کرشن راجہ کا عزیز دوست بتایا جاتا ہے۔ یہ کرشن راجا بلاشبہ اس کا قومی راشٹرکٹا ہمسایہ کرشن سوم تھا۔ ان تاریخی واقعات کا واضح الفاظ میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے لیکن جو تاریخیں خوش قسمتی سے کتبات میں واضح طور سے درج ہیں ان کے مطالعے سے ان کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔

بان حکمرانوں کے خلاف جنگیں

شولنگور کے کتبے کے مطابق ہستی مل کو "بانادھیراج" کا خطاب راجہ پرانتکا کی جانب سے ۹۱۶ء میں عطا کیا گیا تھا۔ ۹۰۹ء تک بان علاقے پر وجے آدتیہ دوم پربھا میرو کی خودمختار حکومت تھی[۲۶]۔ پرانتکا نے بانوں کو چھ سات برس کے درمیانی وقفے میں مطیع کیا ہوگا۔ اداینیدرم کی تختیوں سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ وجے آدتیہ

پربھامیرد کا پڑپوتا راشٹر کوٹا کرشن راجہ سوم کا دوست تھا۔ درمیانی وقفے میں دو اور بان راجہ ہوئے وکرمادتیہ دوم اور وجے آدتیہ سوم پگلوی پورگنڈرا۔ اگر ہم اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھیں کہ راشٹرکٹا راجہ کرشن سوم کا عہدِ حکومت ۹۴۰ء سے زیادہ عرصہ قبل شروع نہیں ہوسکتا تھا تو یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ وہ دونوں بان راجہ جنھیں پرانتکا نے سلطنت سے محروم کرکے راشٹرکتوں کی ریاست میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا یہی وکرمادتیہ دوم اور وجے آدتیہ سوم تھے۔ پرتھوی پتی دوم کا "بان ادھیراج" کا لقب ایک خالی نام ہی نہیں تھا بلکہ یہ کچھ برسوں تک بان سلطنت پر اس کے اقتدارِ اعلا مظہر تھا۔ بانوں کی یہ بیخ کنی ہی جس کا اعلان اِس سے فائدہ اٹھانے والے گنگا حکمران نے کمال غرور ونخوت سے کہا تھا، چولا ریاست پر کرشن سوم کے حملے کا محرک بنی اور جو چولوں کے لیے اس قدر تباہ کن ثابت ہوئی۔

وئیڈمبوں کے خلاف لڑائیاں

وئیڈمبوں کے خلاف جنگ دراصل بانوں کے خلاف مہم آرائی ہی کا حصہ تھی یا کم ازکم اس سے گہرا تعلق رکھتی تھی۔ یہ ایک تیلگو خاندان تھا جس نے تیلگو اور کنڑ زبانوں میں اپنے پیچھے بعض یادداشتیں چھوڑی ہیں۔ ان کے دعوے کے مطابق نویں صدی عیسوی میں ریناناڈو۔۔۔ کا علاقہ ان کی عملداری تھا۔ ان کے کتبات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۸۸۵ء کی سوری متی کی جنگ میں انھوں نے نولمبا اور گنگا حکمرانوں کے خلاف بان راجاؤں کی مدد کی تھی۔ بان راجاؤں کے ساتھ ان کا یہ اتحاد یا بہ الفاظ دیگر ان کی اطاعت گزاری اس زمانے تک جاری رہی جب پرانتکا اور بان حکمرانوں کے مابین جنگ ہوئی۔ پرانتکا کے مخالفوں کی واضح طور پر شناخت کے لیے ہمارے پاس براہ راست کوئی ذرائع موجود نہیں۔ ضلع جنوبی ارکاٹ سے ملنے والی کچھ یادداشتوں میں جو کنڑ دیو (کرشن سوم) کے زمانے کی ہیں[27] ویڈمبا مہاراجہ سنداین ترودائن اور ترودائن شری کنٹھا کا ذکر ملتا ہے۔ ویڈمبوں کا وہ راجہ جسے ۹۱۵ء کے لگ بھگ پرانتکا نے مطیع کیا یا تو خود سند آئن ترودائن ہوگا یا اس کا پیش رو۔ بانوں کی مانند وئیڈمبوں کو بھی چولوں کی یورش سے بچنے کے لیے راشٹر کوٹا راجاؤں کے پاس پناہ لینی پڑی۔

بعد کے زمانے میں راج راجا اور راجندر کے زیرِ سایہ چولا سلطنت کو دوبارہ عروج حاصل ہوا تو ترووائن کے بیٹے اور پوتے نے چولوں کے اطاعت گذاروں کی حیثیت قبول کر لی ۔[۲۸]

شیت پُلی ناڈو

ترووڑیور کے دو کتبات میں ضلع نیلور میں بھیجی گئی ایک مہم کا بہت سرسری سا ذکر آتا ہے ۔ راجہ پرانتکا کے ایک افسر ماڑن پرمیشورن نے جو شروکلتور کا باشندہ تھا شیتپلی کا تختہ الٹ دیا اور نیلور کو برباد کر دیا ۔ جنوب کی طرف واپس آتے ہوئے اس نے بھگوان مہادیو کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ترووڑیور میں قیام کیا ۔ یہ شکرانہ زمین کے ایک عطیے کی صورت میں دیا گیا تھا ۔ اس زمین کو چار سال بعد لگان سے بھی مستثنیٰ کر دیا گیا ۔ اصل عطیہ پرانتکا کی حکومت کے چونتیسویں برس (۹۴۱ء) میں دیا گیا تھا ۔ یہ فوجی مہم غالباً وینگی کے حکمران چالوکیہ بھیم دوم کی طاقت ختم کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی ۔ شیت پلی مشرقی چالوکیہ سلطنت کے جنوبی خطے میں واقع ایک ضلع تھا ۔[۲۹] اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ ترووڑیور کے شمال کی جانب مشرقی ساحلی خطے میں پرانتکا کے کتبات دستیاب نہیں ہوئے ، یہ بھی غیر یقینی سا لگتا ہے کہ مذکورہ مہم سے کوئی مستقل نتائج برآمد ہوئے ہوں گے ۔

مشکلات میں اضافہ

تقریباً ۹۴۰ء سے پرانتکا کو اپنی سلطنت کے دفاع میں کئی مقامات پر مشکلات کا احساس ہوا ۔ پچاس سال سے بھی کم عرصے میں ایک معمولی سا راجواڑہ ہمسایہ ریاستوں کو ملیا میٹ کر کے ایک وسیع سلطنت بن چکا تھا ۔ جس سرعت کے ساتھ اس سلطنت کی توسیع ہوئی تھی اس میں خطرہ مضمر تھا ۔ جن شاہی خاندانوں کو تخت و تاج سے محروم کیا گیا تھا ان سب سے مزید جد و جہد کے بغیر ہار مان لینے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اور نہ یہ قرین قیاس تھا کہ راشٹر کوٹا اور مشرقی چالوکیہ جیسی دوسری طاقتیں چولا اقتدار کے عروج کو تشویش کی نگاہ سے نہ دیکھتیں ۔ ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ ۹۴۵ء

کے کچھ عرصہ بعد پرانتکا کو لنکا میں شکست ہوئی اور وہ لنکا کے راجہ ادئے چہارم سے
پانڈیا راجہ کا تاج واپس لینے میں ناکام رہا۔ اب ہم دوسرے مقامات پر وقوع پذیر ہونے
والے چند واقعات کا ذکر کریں گے جو راجہ پرانتکا کی لنکا میں لڑائی سے دست کشی اور
اپنی ناکامی پر قناعت کرنے کے بہت حد تک باعث ہوئے۔

پرتھوی پتی کی وفات

پرانتکا اوّل کے معتمد دوست و باجگذار گنگا راجہ پرتھوی پتی دوم کی وفات
تقریباً ۹۴۰ء میں ہوئی [۳۱] اور اسی وقت سے اس کی مشکلات کا آغاز ہوا۔ پرتھوی پتی نے
کوئی بیٹا نہیں چھوڑا کیونکہ دِکّی یان اس کی وفات سے قبل ہی مرچکا تھا [۳۲]۔ گنگا ریاست میں
اقتدار اعلا کا مالک اب بھُوتو گا دوم ہی رہ گیا تھا جس کی شادی راشٹر کٹا خاندان کی
ایک شہزادی ریوکا سے ہوئی تھی جو راجہ کرشن سوم کی بہن تھی۔ اس شخص نے ایک ...
سے جو اس کے تخت پر قابض ہوگیا تھا، بادشاہت کی بازیابی کے لیے کرشن سوم کی مدد
کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی راچمل کو قتل کرکے اس نے پہلے ہی ٹھکانے لگا دیا تھا اور اس
کے ملک پر قبضہ کرلیا تھا [۳۳]۔ بان اور وئیڈمب راجگان پہلے ہی کرشن سوم کے حمایتی تھے
اور طاقتور چولا راجہ کے خلاف اپنے دفاع کے لیے اس کی دست گیری کے طالب تھے۔
کرشن کی نوجوانی کا زمانہ تھا اور وہ ابھی ابھی اندرونی ملک اپنے حریفوں سے مقابلہ
کرکے انھیں دبانے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس لیے اسے بھی موقع ملنے پر جنوب کی جانب
پیش قدمی کرنے میں کوئی تامل نہ تھا [۳۴]۔

راجادتیہ

بہت ممکن ہے کہ پرتھوی پتی کی زندگی ہی میں راجہ کرشن کے راشٹر کوٹا گدی پر
بیٹھنے سے پہلے مستقبل میں پیش آنے والے یہ حالات منعکس ہوچکے ہوں۔ ضلع شمالی ارکاٹ
سے دستیاب شدہ ایک یادداشت [۳۵] ایک ایسے بہادر کی موت کی یادگار میں لکھی گئی ہے۔
جو ۹۳۶ء میں مغربی گنگا خاندان کے راجہ پرومانڈیگل کی جانب سے مویشیوں کے اغوا
کے لیے حملے میں مارا گیا تھا۔ یہ واقعہ آنے والے طوفان کا ایک پیش خیمہ تھا۔

ترومیائی پادی میں

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے شہادتیں موجود ہیں کہ انھیں دنوں میں راجہ پرانتکا کا سب سے بڑا بیٹا راجادتیہ ایک کثیر فوج کے ساتھ اس ضلع میں مقیم تھا[36] جو کتبات اور تصانیف میں "ترومُنائی پادی ناڈو" کے نام سے مذکور ہے۔ اس کی فوج میں ایک فیل سوار دستہ اور کچھ گھوڑ سوار بھی شامل تھے۔ اس کا ایک جرنیل ویلنگو مُرن جو کیرل کا رہنے والا تھا، ۹۳۶ء ہی سے گرالم میں موجود تھا[37] جہاں سات برس بعد اس نے بینار ندی کے کنارے شیوجی کا ایک پتھر کا مندر تعمیر کروایا۔[38] گرالم کے نزدیک تردناو نُور نامی ایک گاؤں جو تقریباً ۱۱۶ء تک راجادتیہ پورم کے نام سے موسوم رہا۔ بہت برسوں تک راجادتیہ کی جائے سکونت رہا۔ اسی خطے میں لگ بھگ اسی زمانے میں راجادتیہ کا چھوٹا بھائی اریکل کیسری[40] اس کی مدد کر رہا تھا۔

پرانتکا کی پالیسی

یہ بات واضح ہے کہ پرانتکا بانوں اور ویدمبوں کے خلاف اپنی جارحانہ پالیسی کے ردِ عمل سے غافل نہیں تھا اور پرتھوی پتی دوم کی وفادارانہ امداد سے بھی اسے کافی امیدیں تھیں، تاہم اس نے ہر بات کے لیے اسی پر انحصار نہیں کیا۔ بلکہ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے انتظامات بھی مکمل رکھے۔

کرشن کے حملے کی تاریخ کا تعین

چولوں کے خلاف کرشن کی مہم کی تاریخ کے تعین میں مؤرخین میں کافی اختلاف رہا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس تاریخ کا صحیح تعین نہ ہو سکتا ہو۔ شولاپورم کے کتبے[41] میں یہ تاریخ تین مختلف طریقوں سے دی گئی ہے۔ اس کتبہ پر جس پر شا کا سمت ۸۷۱ (۹۴۹ء) کی تاریخ درج ہے ایک اور راجہ کے عہدِ حکومت کے دوسرے برس کی تاریخ بھی درج ہے لیکن اس راجہ کا نام درج نہیں کیا گیا ہے چونکہ کنڑ دیو کی حکومت کا آغاز ۹۴۰ء کے قریب ہوا[42] مذکورہ دوسرا برس اس کی حکومت کا نہیں ہو سکتا۔ تاہم وینکیّہ کا خیال ہے کہ

بدیہی [43] طور پر یہ یادداشت راشٹرکٹا راجہ کرشن سوم کے وقت کی ہے اور یہ تاریخ غالباً اس کی تونڈائی ناڈو کی فتح کے دو سال بعد کی ہے۔ لیکن اس قیاس کی تردید خود اس کتبے ہیں سے ہو جاتی ہے کیونکہ اس ہیں لکھا ہے کہ یہ واقعہ اس سال کا ہے جب کرشن سوم توندائمنڈلم میں داخل ہوا اور اس کی ریاست میں سے ملنے والے کثیر التعداد کتبات میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ اس نے توندائمنڈلم میں اپنے وارد ہونے کی تاریخ کو اپنے عہد کا آغاز مانا ہو بلکہ ان میں ہمیشہ اس کی تخت نشینی سے منسوب کر کے سالوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اب واحد صورت یہی رہ جاتی ہے کہ ہلتش کی رائے کے مطابق ہم قیاس کریں کہ یہ عبارت راجادتیہ کے دورِ حکومت کی جانب اشارہ کرتی ہے کیونکہ یہ کتبہ بھی ایک ایسے مقام سے ملا ہے جو بطور وائسرائے اس کی حدود اختیار کے اندر واقع تھا۔
یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ راجادتیہ نے اپنے والد کی موت کے بعد ہی باقاعدہ حکومت شروع کی تھی اور اپنے نام کے کتبے جاری کرنے شروع کیے تھے کیونکہ چولا کتبات میں یہ عام خصوصیت ہے کہ یکے بعد دیگرے حکمرانوں کی یادداشتوں میں ان کے عہدِ حکومت کے سال اکثر غلط ملط ہو جاتے ہیں۔ ۹۴۸ء تک راجادتیہ ماتحت حیثیت میں اپنے والد کی خدمت ایک درجن سے زائد برس تک کر چکا تھا اور یہ قیاس غلط نہیں ہوگا کہ راجادتیہ کو ۹۴۸ء ہی میں اپنے والد کے شمول میں بادشاہت کے اختیارات سونپ دیے گئے [45] تھے۔
شولاپورم کے کتبے میں جس تیسرے طریقے سے تاریخ درج کی گئی ہے وہ ہے مذکورہ برس کو وہ سال قرار دینا جب چکرورتن کنڑ دیو ولبھن، راجادتیہ کو معزول کر کے توندائمنڈلم میں داخل ہوا۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ یہ کتبہ راج آدتیہ کی موت کے جلد بعد کندہ کروایا گیا تھا جب ابھی تکولم کی لڑائی کے نتائج پوری طرح واضح نہیں ہوئے تھے۔ اس کتبے کی شہادت کے مطابق راجہ کرشن کا کامیاب ۔ ۹ میں ہوا تھا۔
راجہ بھونگادم کے آنکور کے کتبے سے حیرت انگیز طور پر اس تاریخ کی تصدیق ہوتی ہے اس کتبے میں بھی تکولم کی لڑائی کی تاریخ جس میں راجہ بھونگا نے راجادتیہ کو ہلاک کر دیا تھا شاکا سمت ۸۷۲ یعنی ۹۴۹۔۹۵۰ء درج کی گئی ہے [46] خود پرانتکا کے کندہ کروائے ہوئے کتبات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ۹۴۸ء کی تاریخ کے حامل اس کے کتبات ضلع جنوبی ارکاٹ اور شمالی ارکاٹ میں ملتے ہیں [47] اور یہ بات قابلِ توجہ ہے

کہ نہ صرف اس تاریخ کے بعد کا اس کا کوئی کتبہ ان اضلاع میں نہیں ملتا بلکہ اس کے سنہ جلوس ۴۲-۴۴ کا بھی کوئی کتبہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا باعث کوئی سخت حادثہ ہی ہو سکتا ہے جیسے کہ ٹکولم کا معرکہ۔ اس طرح تمام شہادتیں ایک ہی تاریخ کی نشان دہی کرتی ہیں یعنی ۹۴۹ء جس میں پرانتکا اور کرشن کے مابین جنگ میں ان کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا۔

ایک جعلی کتبہ

راجہ کرشن کے عہدِ حکومت کے پانچویں سال کے ایک کتبے میں جو سدّھ لنگمڈم (جنوبی ارکاٹ)[48] میں ملا ہے۔ ۴۴-۹۴۵ء ہی میں اس کو "کاچیئم تنجائی مکندا" کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس سے کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں اور بعض مؤرخین نے یہ خیال کیا ہے کہ تونڈائی منڈلم پر راجہ کرشن کا حملہ اور قبضہ تکولم کی لڑائی سے پہلے ہی ہوا تھا۔[49] لیکن اس بات کو باقی شہادتوں سے تطبیق دینے میں ایسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے جن کو حل نہیں کیا جا سکتا اور ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی غلطی کا شکار ہو گئے ہیں کیونکہ اگر کرشن ۴۵-۹۴۴ء میں تونڈائی منڈلم میں آ چکا تھا تو ہم پرانتکا کے کتبات کی ارکاٹ کے اضلاع میں ۹۴۸ء تک موجودگی ۹۴۹ء میں ٹکولم میں راجادتیہ کی موجودگی اور خود ٹکولم کی لڑائی کو کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔ مزید برآں ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا کہ سدّھ لنگمڈم کے اس واحد کتبے کو چھوڑ کر شمالی اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع میں راجہ کرشن کا کوئی بھی کتبہ اس کے عہد کے سولہویں سال یعنی ۹۵۶ء سے قبل کا نہیں ملتا۔ ان حالات میں ہمارے لیے کوئی اور چارہ کار نہیں ہے کہ اس کتبے کو کم سے کم اس کی تاریخ کی حد تک جعلی قرار دے کر مسترد کر دیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ "دیاگوہ پدیشور" کے مندر جہاں سے یہ کتبہ ملا ہے کی تجدید راجہ کلوتنگا اوّل کے عہدِ حکومت میں اس کے ایک افسر کے ہاتھوں ہوئی تھی[50] اور یہ اغلب ہے کہ اس قدیم کتبے کی تحریر کے ایک صدی بعد مندر کی نئی دیواروں پر اس کی نقل کرنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ اس طرح حل ہو سکتی ہے۔[51]

حملہ

اب ہم راشٹر کوٹا حکمران کے حملے سے متعلق اصل واقعات کی طرف توجہ کریں گے۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ پرانتکا اس خطرے سے جو اسے اپنی ریاست کے شمال مغرب کی

جانب سے تھا، ہوشیار تھا اور اس نے ابتدا ہی سے ایک قوی سرحدی فوج اُدھر تعینات کرنے کے اقدامات کر لیے تھے جو اس کے دشمنوں کی مخاصمانہ کاردائیوں کا سدِ باب کر سکے معلوم ہوتا ہے کہ پرانتکا کے یہ انتظامات برسوں تک اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیاب ثابت ہوئے۔

تکولم کا معرکہ

لیکن ۹۴۹ء میں وہ ٹکراؤ آخر ہو ہی گیا جس کا بہت مدت سے خطرہ چلا آتا تھا اور ایک فیصلہ کن معرکہ شمالی ارکاٹ میں ارکونم سے چھ میل جنوب مشرق کی طرف ٹکولم کے مقام پر ہوا۔[۵۲] "اَتکور" کے کتبے میں بیان کیا گیا ہے کہ کنر دیو "ٹکولا" کے نام سے موسوم ایک مقام پر موُدی چولا راجادتیہ سے لوہا لے کر اسے ہلاک کر دینے کے بعد جشنِ فتح منا رہا تھا۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "جب کنر دیو کی چولا راجہ سے لڑائی ہو رہی تھی، بھوتنگا نے چولا راجہ کے ہاتھی کی عماری کو ہی میدانِ جنگ بنا لیا اور راج آدتیہ پر تیر چلا کر اسے ہلاک کر دیا۔" اسی کارنامے کے لیے راجہ کرشن نے اسے بن واسے ۱۲۰۰۰ اور بیل وولا ۳۰۰ کے اضلاع انعام میں دیئے۔[۵۳] اس موقع پر جو کچھ ہوا چولا فریق کی جانب سے بھی اس کا بیان کچھ اس سے مختلف نہیں۔ تردالنگاڈو کے کتبات میں[۵۴] بتایا گیا ہے کہ کرشن راجا کو فتح کرنے کے بعد راجادتیہ بہشت کو سدھار گیا۔ لیڈن کا مقابلتاً بڑا فرمان نسبتاً زیادہ واضح ہے اور اس میں درج ہے:[۵۵]

> "جواں مرد راجادتیہ جو سورج بنسی خاندان کا زیور تھا اور جس نے میدانِ جنگ میں کرشن راجا اور اس کی افواج کو مختلف اطراف میں پرواز کرنے والے اپنے تیروں سے ہلا کر رکھ دیا تھا، خود اپنے گرانڈیل ہاتھی پر بیٹھا ہوا دشمن کے تیز تیروں کا شکار ہو گیا اور اس طرح تینوں جہانوں سے خراجِ تحسین حاصل کر کے ایک اونچے ومان (فضائی جہاز) میں بہادروں کی جنت میں چلا گیا۔"

اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہاں گھمسان کا رن پڑا تھا اور چولا فوج کو محض اس وجہ شکست ہوئی کہ بھوتنگا کے تیر بہدف نے راجادتیہ کو بُری طرح گھائل کر کے ہلاک کر دیا

اور اُس کے بعد

اِس فیصلہ کن لڑائی کے بعد بھی کرشن کی پیش قدمی کے خلاف مزاحمت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی اور اسے مزید کچھ برسوں تک سخت لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس بات کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے عہد کے کتبات اس کی حکومت کے سولہویں سال یعنی ۹۵۶ء سے شروع ہوتے ہیں یا زیادہ اس سے اور پہلے ۹۵۳ء سے۔ شاکا سمت ۸۷۴-۸۷۶ (۹۵۲-۹۵۴ عیسوی) کے جنوبی ارکاٹ سے دستیاب ہونے والے کتبات سے بھی[56] اس قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ ان میں کچھ چھوٹے چھوٹے سرداروں کے عطیات درج ہیں لیکن کہیں بھی چولا یا راشٹر کوٹا اقتدار اعلا کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم تکولم کے معرکے کے بعد کے واقعات یقینی طور سے بیان نہیں کیے جا سکتے۔ اس لڑائی کے کئی برس بعد تک کے کوئی بھی کتبات شمالی ارکاٹ جنوبی ارکاٹ اور چنگل پٹ کے اضلاع سے دستیاب نہیں ہوئے۔ البتہ اس خطّے میں راجہ کرشن کے عہدِ حکومت کے سولہویں سے اٹھائیسویں برس تک کے کتبات موجود ہیں۔ "کانچیم تنجائیم کونڈا" کا لقب اختیار کر کے راجہ کرشن نے کانچی پورم اور تنجاور کی تسخیر کا دعوا کیا۔ سُدی کے جعلی کتبات میں[57] درج ہے کہ بھونگانے راجا دتیہ پر فتح پانے کے بعد تنجور۔ نال کوٹ اور متعدد دیگر قلعوں پر یلغار کی اور ان مقامات سے قبضے میں کیے گئے بہت سے ہاتھی۔ گھوڑے اور کثیر مال و خزانہ کرشن راجا کے حوالہ کیے۔ کرہاد کا ۹۵۹ عیسوی کا کتبہ جس میں بتایا گیا ہے کہ جنوبی ہند کی اپنی فوجی مہمات کے خاتمے پر بھی کرشن "میلا پاڈی"، ضلع شمالی ارکاٹ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ یہ بھی بتاتا ہے کہ جنوب میں اپنی "دِگ وجے" کے دوران اس نے چولا خاندان کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔ ان کے علاقے کو اپنے پیروؤں میں تقسیم کر دیا۔ بہت سے راجاؤں سے خراج وصول کیا جن میں لنکا کا حکمران بھی شامل تھا اور رامیشورم میں اپنی فتح کی یادگار میں ایک ستون تعمیر کیا۔[58] ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ محض لاف زنی ہے یا واقعی جنوبی ریاستوں میں اس کی فتوحات کی روداد ہے۔ راجہ کرشن یا اس کے باجگذاروں کا کوئی بھی کتبہ پانڈیچری کے عرض البلد سے جنوب کی جانب نہیں ملتا[59]

نو لمب پول چور اددم اور اس کے فرزند دیر مہندر

کے کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ چولوں کے خلاف راجہ کرشن کی مہم میں شریک تھے اور انھوں نے مالِ غنیمت میں بھی حصّہ کیا۔ ۶۶-۹۶۵ء کے کتبے میں پول چورانے خود کو" وایپے کا نچی" کا لقب دیا ہے اور ایک بغیر تاریخ کے کتبے میں بیان کیا ہے کہ چول ناڈو کی تسخیر سے واپسی پر ویر مہندر نے کولار میں پراؤ ڈالا تھا۔ ۵۹۔الف

اثرات

اس بات میں قطعاً شبہ نہیں کہ چولوں پر راجہ کرشن کے حملے کا اثر تباہ کن ثابت ہوا اور شمال کی شکست کے نتیجے میں جنوب کا بھی بہت سا علاقہ پرانتکا کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ چول سامراج معدوم ہو گیا اور اسے پھر شروع سے دوبارہ تعمیر کرنا پڑا۔

پرانتکا کے دورِ حکومت کا اختتام

تنجور کے نواحی علاقے سے دستیاب شدہ صرف چند کتبات سے راجہ پرانتکا کے عہد کے اختتام کی تاریخ معلوم ہوتی ہے اور یہ کتبات اس کی تاجپوشی سے بنیتالسویں یا چھیالیسویں برس کے ہیں۔ ۶۰ ضلع چتور کے بنگنور تعلقہ میں واقع ونمالاڈ نے کے ایک کتبے پر کندہ عبارت میں راجہ پرانتکا کے عہد کے اڑتالیسویں برس (۹۵۵ء) کی تاریخ درج ہے۔ اس کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ یہ راجہ کم از کم اس سال تک ضرور حیات تھا۔ اس کی بہت سی بیویاں تھیں جن میں سے کم از کم گیارہ کے نام کتبات میں درج ملتے ہیں۔ کوکلان

راج آدتیہ کی والدہ کا نام تھا۔ جو کونڈرا ما کے

نام سے بھی موسوم تھا۔ یہ پرانتکا کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو تکولم کے معرکے میں کام آیا۔ پرانتکا کی ایک اور رانی جو ایک کیرل شہزادی اور ارنجیہ کی ماں تھی ۶۲ خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ کیونکہ اس کی شادی جو غالباً آدتیہ کی حیات ہی میں ہوئی تھی نہ صرف چولوں اور کیرلوں کے مابین دوستانہ سیاسی تعلقات کا ثبوت فراہم کرتی ہے بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چولا عملداری کے اندر ملیالیوں کی ایک کثیر تعداد کے آنے کے لیے راستہ بھی کھل گیا جو راجہ پرانتکا اور اس کے بیٹوں کے زیرِ سایہ ملازمتوں کی تلاش میں آئے تھے۔ راج آدتیہ کا کیرل نژاد جرنیل ویلن گمرن جس نے گرامم

میں ایک مندر تعمیر کیا تھا، ان غیر معروف مہاجروں کی کثیر تعداد کی ایک نمایاں مثال ہے
جن کا ذکر اس دور کے کتبات میں چھوٹے عطیات، کے دینے والوں کے طور پر آیا ہے
راجادتیہ کے علاوہ پرانتکا کے چار بیٹے اور تھے۔ گندھر آدتیہ آریکل
کیسری اتماسلی اور ارندگائی یا ارن جیہ
جن کا ذکر کتبات میں ملتا ہے۔ اس کی ایک بیٹی ویر مادیوی،
کا ذکر بھی چلتا ہے جو گوودند تو ارایار کی مہارانی بھی کہلاتی
تھی اور اغلب ہے کہ اس کی ایک اور بیٹی انوپما ریاست کوڈمبالور کے حکمران سے بیاہی
ہوئی تھی۔ کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانتکا بلند بانگ القابات کا شوقین تھا[65] ان
کتبات میں اس کے عہد کے بارھویں اور چودھویں برسوں کے مشہور کتبات میں اعتبار
سے نیز دیگر پہلوؤں سے بھی نمایاں ہیں۔ ان کتبات میں اتر امیرور کی سبھا کے آئینی انتظامات
ذکر شامل ہے[66]۔ "کرن دئی" کے کتبات میں ملک بھر میں آبپاشی کے لیے نہریں کھدوا کر
راجہ کے زراعت کو فروغ دینے کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس نے متعدد "ہم گربھ"
"تلا بھار" کیے اور کئی "برہم دیہ"[67] دیتے۔ تروالنگاڈو کے کتبات میں پرانتکا کو شیو جی کے
چرن کملون کا طواف کرنے والی شہد کی مکھی کہا گیا ہے۔ ان کے علاوہ لیڈن کے کتبات
بھی اس کی تائید کرتے ہیں، اس راجہ نے چدامبرم کے شیو مندر کو سونے سے ڈھک دیا
تھا۔ حقیقت میں پرانتکا کا عہد حکومت جنوبی ہند میں مندروں کے فن تعمیر کی تاریخ کا ایک
یادگاری دور تھا۔ اور آدتیہ نے عبادت گاہوں کی تعمیر کا جو کام شروع کیا تھا وہ اس
کے عہدِ حکومت کے بیشتر حصے میں پوری تندہی سے جاری رکھا گیا تھا۔ مذکورہ کتبات سے
ہمیں مرکزی اور دیہی نظم ونسق اور اس عہد کے مذہبی اعتقادات کے بارے میں بہت
سی دلچسپ اور بیش قیمت تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ ان پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

ساتواں باب

حاشیے

۱ پی کے صفحہ ۷۸

۲ کیا یہ محض ایک اتفاقیہ حادثہ تھا کہ آدتیہ کا پانڈیا خاندان کا ہم عصر پرانتکا ویر نارائن تھا اور آدتیہ کے بیٹے کے نام بھی پرانتکا اور ویر نارائن تھے؟ یا کیا یہ عام رواج تھا کہ آجکل کے برعکس ان دِنوں گھرانے کے سب سے بڑے بیٹے کا نام اپنے ننھیال کے نام پر رکھا جاتا تھا؟

۳ ۱۹۱۸ کا ۴۵ء، پینتالیسویں سال کا ہے۔ کرشن شاستری کو پورا یقین ہے کہ ۱۸۹۵ کے نمبر ۵ ایس چھیالیسویں سال صاف واضح ہے اور ۱۹۳۱-۳۲ کا نمبر ۲۰۰- اڑتالیسویں سال سے منسوب ہے ... ۱۱-۱ اے ایس رام ناتھ آئر کے مطابق یہ غلطی کتبہ کندہ کرنے والے کی جہالت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔ صفحہ ۳۸

۴ ۱۹۰۷ کے نمبر ۲۹ پر دی ہوئی تاریخ صاف واضح نہیں ہے لیکن دیکھیے ۱۹۲۸ کا نمبر ۱۵۷ اور ۱۹۳۱ کا نمبر ۱۱

۵ ۱۹۱۷ کا ۴۴۶۔ ان مہمات کے مطالعے میں تانبے کی تختیوں سے بہت کم مدد ملتی ہے، البتہ ترووالنگاڈو کی تختیوں سے کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کی تصدیق اس معصر تذکرے سے ہوتی ہے جو گنگا پرتھوی پتی دوم کی اُدائیندرم کی تختیوں میں درج ہے۔ پرانتکا کے حجری کتبات اور "مہاوامسا" دونوں ان واقعات کے متعلق خاصی واضح اور معقول معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔

۶ ۷۶-۷۸-۷۲-۷۷، صفحہ ۷۰، اور اس کے آگے کے صفحات

۷ S.II- نمبر ۷۶-۷۷، ۹-۱۱

۸ ۱۹۲۷ کا ۳۱ ۱۳۳، ARE - ۱۹۲۷، II - ۱۰ اڈینکیا اپنے تصنیف کردہ جنگوں کے حالات اور جدید شہادتوں کے مابین یہ نظریہ پیش کرکے مصالحت کروانے کی ایک کمزور سی کوشش کرتا ہے کہ مذکورہ لقب ویلور کے معرکے کے بعد اختیار کیا گیا تھا اور اس کا جواز مکمل طور پر بعد میں سامنے آیا۔ علمی قدامت پسندی کی یہ ایک طرفہ مثال ہے۔ مزید مطالعہ فرمائیے II S - iii - تمہید۔ ص۔ ۱۱، ۱۹۲۷ کا ۳۲۲ پرانتکا کا نہیں بلکہ راج کیسری کا کتبہ ہے جیسا کہ ARE - ۱۹۲۷، ضمیمہ ج (C) میں بتایا گیا ہے۔

۹ ۱۹۲۶ کا ۲۳۱ - جیسا ARE - ۱۹۲۶ - II - ۱۶ میں بتایا گیا ہے پانڈیا کی وفات نہیں ہوئی۔ یہاں ضرور کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ کتبوں میں اصل جملہ یوں لکھا ہوا ہے: "استی گڈی شیدا ناڑو" ر

۱۰ II S - iii - نمبر ۹۹ یہاں ایک اور غلطی ہے۔ لنکا کا راجہ "مہاوامسا" کے مطابق خود میدانِ جنگ میں نہیں آیا۔

۱۱ C v - باب ۵۳ - ۷۷، صفحہ ۵۰ اور اس کے بعد کے صفحات

۱۲ بظاہر اس کا مفہوم ہے۔ اس کے تازہ فتح کئے ہوئے پانڈیا تخت کے علاوہ اس کا اپنا چولا تخت۔ ملاحظہ ہو جیجبر C v - i - صفحہ ۱۰۲ - حاشیہ نمبر ۱

۱۳ نمبر ۱۵

۱۴ P.K - صفحہ ۷۹

۱۵ C v - باب ۵۲، ۷۷ - ۱۴ - اور اس کے بعد کے صفحات

۱۶ دیکھیے جیجبر - C v - i - صفحہ ۱۰۶ - حاشیہ ۴ - نیز iii - ص xx - حاشیہ ۱۸ - اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ وینکیا کا یہ ثبوت کہ پرانتکا نے اپنے آخری کتبوں سلسلہ نمبر ۹۴۳/۴۴ اور ۹۴۷/۴۸ ہی میں "لنکا کا فاتح" کا لقب اپنے نام کے ساتھ شامل کیا ہے، یہاں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اور جیجبر نے اس حملے کی جو تاریخ (۹۴۸ء) صحیح مانی ہے وہ اتنی معتبر اور قابلِ اعتماد نہیں ہے جتنی کہ شروع میں ہلتش کا خیال تھا (دیکھیے ۱۹۲۷ کے نمبر ۱۳۱، ۳۲۲ یعنی پرانتکا کے بالترتیب آٹھویں اور سولہویں برس کے کتبات)۔ "مہاوامسا" میں آگے چل کر بتایا گیا ہے کہ "ادیا" کے ایک نئے سپہ سالار نے چولا حکمران کے

سرحدی علاقے کو تباہ و برباد کر دیا اور اسے دھمکیوں سے مجبور کر دیا کہ وہ جو کچھ مالِ غنیمت لے گیا تھا واپس کر دے۔ یہاں "سرحدی علاقے" سے کیا مراد ہے، یہ کچھ واضح نہیں ہے۔

۱۷ ۔ SII ۔ iii ۔ ۹۶

۱۸ ۔ دیکھیے ARE ۔ ۰۸ ۔ ۱۹، II ۔ ۸۴ ۔ اور آگے کے صفحات

۱۹ ۔ SII ۔ iii ۔ صفحہ ۴۴۹

۲۰ ۔ ہمارے پاس صرف ایک ہی کتبہ ہے (۱۹۰۷ کا ۱۲۹ + ۱۴۰-Pa)، جس کا شروع کا حصہ غائب ہے۔ اس میں لگ بھگ آٹھ پشتوں تک مذکورہ سرداروں کا شجرۂ نسب درج ہے۔ یہ اغلب ہے کہ اس خاندان کی کچھ متوازی شاخیں چل رہی تھیں جن کے متعلق ہنوز ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے، لیکن اگر ہم اس کو خارج از امکان قرار دے کر، اس واحد کتبے کے شجرۂ نسب ہی میں سب کتبوں کو سمونے کی کوشش کریں تو ہمیں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو آسانی سے حل نہیں ہو سکتیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ "تینون النگو ویلار" کا لقب متعدد اشخاص بھی اختیار کر سکتے تھے اور مختلف کتبوں میں اس القاب کا بار بار ذکر آنے کی بنا پر ان کو اختیار کرنے والے اشخاص کی شناخت نہیں کی جا سکتی۔ بہرحال اگر پودی وکرم کیسری آدتیہ دوم کا ہم عصر تھا جسے باور کرنے کے لیے مضبوط وجوہ موجود ہیں، یعنی اس آدتیہ کا جس نے ویر پانڈین کو قتل کیا تھا، تو یہ ماننا دشوار ہے کہ یہی شخص تینون النگو ویلار تھا جس کی بیٹی آدِچ پڈاری پرانتکا اوّل کے تیسرے سال حکومت ۹۱۰ء میں اریکل کیسری کی بیوی بن چکی تھی۔ یہ سردار کلر کہلاتے تھے (۱۹۲۸ کا ۱۴۰ جو پرانتکا کے سترھویں سالِ حکومت کا کتبہ ہے) اور مترئیاروں کے ساتھ ان کے خاندانی رشتے تھے (۱۹۰۴ کا ۳۲۷ ۔ ۵۹ ۔ ۴۵)۔ اڈنگلی نائینا کو "پیریا بیرانم" کے مطابق اسی خاندان کا چشم و چراغ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے خلاف دیکھیے نمبی آندر انمبی

۲۱ EI ۔ xv ۔ صفحات ۲۲۱ ۔ ۲۵

۲۲ SII ۔ ii ۔ نمبر ۷۶، ۔ ۷ ۔ ۹

۲۳ ۷ ۔ ۵۸ ۔ "اجیتم نرادھیایہہ" کا جملہ نوٹ کیجیے۔ نیز دیکھیے EI ۔ xxvi ۔ صفحات

۲۱۲-۱۴-یہ نیا لقب پرانتکا نے اپنے عہد حکومت کے چوتھے برس میں اختیار کیا تھا۔ (۱۹۴۳-۴۴ کا نمبر ۲۴۱)

۲۱ بان راجاؤں کے متعلق دیکھیے EI-ix-صفحات ۲۲۹ تا ۲۴۰-اور XVIII-صفحات ۱ تا ۷۔ بان راجاؤں کی تعداد بتانے کے لیے میں نے ہلتش کے گوشوارے کی تقلید کی ہے۔

۲۵ پیڑوی اور تندا گری کا آخری بان کتبوں میں وہی مقام ہے جو تیلگو چوڑا کتبوں میں اڑائیور اور کاویری کا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ پرگی بان ریاست کے تذکرے کے بالکل مطابق ہے کیونکہ یہ آندھرا کے مغرب میں واقع ہے۔

۲۶ ۱۸۹۹ کا ۹۹

۲۷ ۱۹۰۲ کے نمبر ۲۳۵-۲۶۷-۲۶۸ (EI-VII صفحہ ۴۲-اور آگے کے صفحات) اور ۱۹۰۵ کے ۱۶، ۷۴۳-ARE-۱۹۰۵-II۔

۲۸ ۲۸-۱۹۱۲ کے ۱۶۰-اور ۲۳۶-اوّل الذکر SII-iii-۱۰۸ ہے۔

۲۹ ARE-۱۹۱۳-II-۱۸، نیز SII-iii-۱۰۸ (تمہید) میں شیت پلی ایک نجی نام بتایا گیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ شیت پلی' راجہ بھیم کا سپہ سالار تھا لیکن ۱۹۲۱ کے نمبر ۹۷ (راج کیسری کے نمبر ۶) میں شیت پلی ناڈ وا ور پاکی ناڈو کا ذکر آیا ہے۔ موخر الذکر پاک راشٹر کے نام سے بھی مشہور ہے۔
یہ امر مشکوک ہے کہ چالوکیہ راجہ بھیم کی عملداری شیت پلی ناڈو تک پھیلی ہوئی تھی جو دینکٹا گری اور گوودر (تعلقہ رپور) کے درمیان میں واقع تھا۔ شاید پرانتکا کی تیلگو چوڑوں کو مطیع کرنے کی یہ ایک کوشش رہی ہو۔ NT-R/-۴۷ (صفحہ ۱۲۶۷) ۱-۳۴ میں چیڈوپلی ناڈو کا ذکر آیا ہے

۳۰ ارنجیا کے نیچے باب viii ملاحظہ ہو

۳۱ رنگا چاری کا کہنا ہے کہ پرتھوی پتی راجہ کرشن سوم کا باجگزار بن گیا تھا اور ۹۵۲ء میں بقید حیات تھا۔ (NA-۵۸۶) یہ کہتے ہوئے وہ ہلتش کے اس انتباہ کو نظر انداز کر گیا ہے کہ اس کتبے میں مذکورہ اگی ملز ایک مختلف شخص ہے (EI VII-صفحہ ۱۹۵)۔

۳۲ ۱۹۱۲ کا ۳۳۲

۳۳ ۔ رائس کی تصنیف "میسور اور کورگ" صفحہ ۴۵

۳۴ اے ایس رام ناتھ آئر نے یہ دلیل دی ہے (EI - آVI XX - صفحات ۲۳۰۔۵) کہ جب گووندا چہارم کو راشٹر کوٹا تخت سے معزول کیا گیا تو اس نے اپنے خسر پرانتکا اوّل کے پاس جاکر پناہ لی۔ پرانتکا نے گووندا چہارم کو پھر سے تخت پر بٹھانے کی ایک ناکام کوشش کی۔ اس کوشش کا انجام یہ ہوا کہ گووندا کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس کی دلیل کے مطابق چولا ریاست پر کرشن سوم کا حملہ دراصل پرانتکا کی جانب سے گووندا کو مدد دینے کی کوشش کی جوابی کاروائی تھی۔ کیونکہ گووندا کرشن سوم کے والد اموگھ ورش کا دشمن تھا۔ ۱۹۲۱ کے ۲۴۵۔ اور ۲۴۶ سے اس بات کا امکان واضح ہو جاتا ہے کہ پرانتکا کی ایک بیٹی دیر مادیوی واقعی گووندا چہارم کی ایک مہارانی تھی۔ لیکن یہ وجہ اتنی معمولی ہے کہ اس سے اس قیاس کے لیے کوئی جواز نہیں ملتا۔ کرشن کے حملے کا جواز بعض دوسرے وجوہ کی بنا پر بہ آسانی مہیّا کیا جا سکتا ہے۔

۳۵ ARE - ۱۸۹۶ کا ۱۔۱۸۹۶' پیراگراف ۶ - EI - ص ص ۱۷۸۔۷۹

۳۶ ASI - ۱۹۰۵۔ ۶' صفحہ ۱۸۱۔ نیز ۱۹۲۱ کا ۱۸۰ - ARE - ۱۹۲۱' II - ۲۵

۳۷ - ۱۹۰۵ کا ۳۹۷

۳۸ - ۱۹۰۵ مؤرخہ سنیچر وار ۱۴ جنوری ۹۴۳ کا ۳۵۷

۳۹ - ۱۹۰۲ کا ۳۷۴

۴۰ - ۱۹۰۲ کا ۲۸۰

۴۱ - ۱۹۰۲ کا ۲۸۴' EI - آVII۔ صفحہ ۱۹۴

۴۲ - ۱۹۱۳ کے سلسلہ نمبر ۲۳۶ میں اس کی موت کا سال شاکا سمت ۸۸۹ (۹۶۷ء) درج ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ اس نے اپنی حکومت کچھ برس پہلے شروع کی ہوگی۔ تاہم اس کا سب سے قدیم کتبہ ۹۴۰ عیسوی کا ہے۔ غالباً اس کے عہد کے ابتدائی سال اپنے حریف لالیا کے ساتھ رسّہ کشی میں گزرے ہوں گے جو تخت کے حصول کے لیے اس کا مخالف دعویدار تھا۔

۴۳ ASI - ۱۹۰۸۔ ۹' صفحہ ۱۲۲۔ حاشیہ ۲

۴۴ اس کے خلاف دیکھیے ٹی اے گوپی ناتھ راؤ - EI - V x - صفحات ۵۱ - ۵۲ - اور EI - XVIII - صفحہ ۲۴ - مزید ملاحظہ کیجیے ARE - ۱۹۱۱ - II - ۲۲

۴۵ اگرچہ یہ کوئی بڑی اچھی اصطلاح نہیں ہے' لیکن چونکہ یہ جنوبی ہند کی کتبات شناسی کے طلبا کے لیے ایک مانوس اصطلاح ہے اس لیے اسے برقرار رکھنا ہوگا۔

۴۶ EI - VI - صفحہ ۵۱

۴۷ ۱۹۰۳ کا نمبر ۴۱۹ - ۱۹۰۶ کا ۱۸۴' ۳۱۳ — ۱۹۱۶ کا ۱۴۹

۴۸ ۱۹۰۹ کا ۲۷۵ - ۱ - اے ایس رام ناتھ آئر نے چولوں اور راشٹر کوٹوں کے باہمی تعلقات کی خیالی تجدید کے اپنے نظریے کو پیش کرنے میں اس کتبے سے استفادہ کیا ہے EI - XXVI - صفحہ ۲۳۲ - ۱۹۴۱ - ۴۲ کے نمبر ۱۸ کے متعلق بنایا جاتا ہے کہ ساتویں سال کا کندہ شدہ ہے لیکن یہ بہت مشکوک بات ہے ARE - ۱۹۳۹ - ۴۰' ۱۹۴۲ - ۴۳' II ۲۲

۴۹ کے وی - ایس آئر - EI - XII' صفحہ ۱۲۳' XIX - صفحہ ۸۲ - اور آگے کے صفحات ARE - ۱۹۲۶' II - ۱۴

۵۰ دیکھیے رنگاچاری کی تصنیف صفحہ ۲۱۷ کے صفحات ۸ - ۱۷ - ۹ - ۷ نیز ۱۹۷

۵۱ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جہاں کچھ کتبوں میں کنر دیو ( ) کا لقب "کچیئم - تنجائیم کونڈا" درج ہے' وہاں بعض دوسرے کتبات میں اس کا ذکر تنہا اس کے نام ہی سے کیا گیا ہے اور اس میں کوئی امتیازی لقب نام کے ساتھ استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ متعلقہ کتبات کے دونوں گروہوں کی تاریخیں اور ماخذ ایک ہی ہیں اور ان کے مابین قدیم دستاویزات کی شناخت کی بنا پر کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا' اس لیے ان دونوں کو کرشن سوم کے زمانے ہی سے متعلق سمجھنا چاہیے۔

۵۲ EI - VII - صفحہ ۲۳۱ - حاشیہ ۳

۵۳ فلیٹ ([1]) نے اس اہم کتبے کی تالیف دوبار کی ہے - EI - II - صفحہ ۱۶۷ - اور اس کے آگے کے صفحات' VII - صفحات ۵۰ تا ۵۷ - متن میں یہ لکھا ہے: "مُوودّی - چولا راج اُدتیا نا میلے (با) نڈ وتکولل - ددل کادی کونڈو بجیئم جے بتّو الدُو" (۴۳) اور کنر دیوم چولنم کا دُونڈو بُوتگم راجا دتیانم لسو گیے کلّن - آگی گری (سری)۔ گردو

کادی کونڈوبن واسے پنر چاسرم۔ وغیرہ (۱۱، ۲۰۔ ۲۱)
دونوں مواقع پر فلیٹ نے دوسرے اقتباس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اس سے پولگا(
کی غداری کا مفہوم پایا جاتا ہے اور ۱۹۱۲ کے سلسلہ نمبر ۱۸۱ پر بحث ۔ ۱۹۱۲، ۔
۱۷ میں ایک بالکل بے بنیاد قیاس پیش کیا گیا ہے کہ چیترا نن پنڈت نے اپنے آقا اور
دوست راجا دتیہ سے غداری کر کے اسے دشمنوں کے حوالے کر دیا لیکن "بسُوگے پے
کلن آگی" کے جملے کو دراصل "بسُوگے یے کلناگی" پڑھا جانا چاہیے۔ "بسوگے" اور "کلن"
دونوں الفاظ کے معنی بالترتیب یہ ہیں:۔ سواری کے لیے ہاتھیوں کی پیٹھ پر بندھا ہوا
ہودج۔ اور میدان جنگ۔ پولگا نے راجا آدتیہ کے ہاتھی کے ہودج ہی کو میدان جنگ
بنا دیا تھا۔ اس تاویل کی تصدیق چولا کتبوں سے بھی ہوتی ہے۔ لیڈن کے فرمان کبیر
میں لکھا ہے:۔ "راجادتیں۔ سادیرورَوی کل تلکاہ کرشن راجم سیئے نم سمکھ شو
بھیاک شوبھیم آجیو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ناکیند رسکندھ۔ درتی ودلیتاہر دیاہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ویرلوکن جگا ما" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ایک نہایت واضح بیان ہے جس سے راجا آدتیہ کے
حریف کی طرف سے غداری کے شک وشبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ملاحظہ
ہو ۔ ۱۹۰۹، صفحات ۴۴۳۔ ۴۶۔ دیگر کتبوں میں جو کمنا کونم اور ترُونا گیشورم
سے ملے ہیں، یوں لکھا ہے:۔ "وہ راجہ جو ہاتھی کی پیٹھ پر ہی مر گیا"۔ ۱۹۱۲، ۔ ۔
۱۴۔ فلیٹ کی سابقہ غلطی ہی کا اعادہ "کدمب گلا" میں
پھر کیا گیا ہے (بمبئی ۱۹۲۱) صفحہ ۸۶

۵۴ ۔ ۵۴۔۷

۵۵ صفحات ۲۶۔۲۷، II ۴۲۔۴۵،

۵۶ ۔ ۱۹۰۲ کے نمبر ۳۳۸۔ ۳۵۶ (ترُونامنلکوُر) نیز دیکھیے ۔ ۱۹۳۹۔ ۴۰۔ ۱۹۴۲، ۴۲، II۔ ۲۸

۵۷ I E۔ iii۔ صفحات۔ ۱۷۹۔ ۸۰ نیز مار سمہا کی کودلور کی
تختیاں (۴۹۶۳) ۱۱۔ ۸۸، اور آگے کے صفحات، ۔ ۱۹۲۱۔ صفحات ۱۱۔ ۲۶

۵۸ ۔ ۔ صفحہ ۲۸۰

۵۹ البیرونی کچھ اس طرح کہتا ہے کہ تنجور کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا

تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کر چولا تاجدار نے ایک نئی راجدھانی تعمیر کروائی۔ دیکھیے سی وی ایل
کی کتبات صفحہ ۱۵۵۔کیا یہ کرشن راجہ کے
حملوں کے اثرات سے متعلق ایک بعد کا حوالہ ہے یا گنگائی کونڈ شولاپورم میں نئی
راجدھانی کی بنیاد رکھے جانے کے لیے بتائی گئی ایک غلط وجہ ہے ؟

۵۹ ۔الف) ۔۔ ۱۹۱۳۔ ۱۴

۶۰ ۱۹۱۸ کا نمبر ۴۶۵؛ ۱۸۹۵ کا نمبر ۱۵؛ ۱۹۳۱ کا ۱۳۵۔کرشنا شاستری کا کہنا ہے (
صفحہ ۲۲۰۔حاشیہ) کہ ۱۸۹۵ کے ۱۵ میں ۷ کا ہندسہ پتھر پر صاف درج ہے اور اس
سے متعلقہ حقیقت کے بارے میں کسی شک کا لازمی طور پر ازالہ ہو جاتا ہے۔مزید دیکھیے
۱۹۰۸- ۹، ص ۱۲۲۔حاشیہ نمبر ا۔لیڈن کے فرمانِ کبیر (۱۹۰۷) میں واضح
طور پر بیان کیا گیا ہے کہ راجا دتیہ نے پرانتکا کی وفات کے بعد حکومت کرنی شروع
کی اس سے آگے کرشن راجہ کے ساتھ راجا دتیہ کی لڑائی کا حال بیان کیا گیا ہے میں ہم
عصر حجری کتبات کو ان تختیوں کے مقابلہ میں زیادہ معتبر گواہی سمجھتا ہوں جو نصف
صدی کے ایک انتہائی پُر انتشار دور کے بعد کندہ کی گئی تھیں۔

۶۰ ۔الف) ۔۱۹۲۱۔۳۲ کا نمبر ۲۰۰؛ ۱۹۳۱ - ۳۲ - ۱۱ - ۷؛ ایس رام ناتھ آئر نے
صفحہ ۳۵۔اور اس کے آگے کے صفحات میں) دور از قیاس ممکنات کو
چھوڑتے ہوئے اس طرح بحث کی ہے کہ پرانتکا اوّل نے جنوب میں ویر پانڈیا کے
خلاف لڑتے ہوئے، جس نے چولا حکمران کا سر کاٹ دیا تھا جنگ میں جان دیدی
اور یہ واقعہ ۹۵۳۔۵۴ عیسوی کا ہے۔اس کا قیاس یہ ہے کہ ونمل دنئے
کے کتبے میں جو سالِ حکومت بطور سالِ تحریر درج ہے وہ اس سبب سے
ہے کہ جب یہ کتبہ کندہ کیا گیا تو اس وقت تک چولا حکمران کی وفات کی حالیہ خبر اتنی
دور شمالی خطے تک نہیں پہنچی تھی (صفحہ ۳۸)۔لیکن اتنی ہی معقولیت کے ساتھ یہ بھی کہا
جا سکتا ہے کہ یہ کتبہ اس بات کا ایک گراں قدر ثبوت ہے کہ اس علاقہ کے لوگوں
نے کرشن راجا کی دخل اندازی کے خلاف مسلسل مزاحمت کی اور وہ پرانتکا کے وفادار
رہے جو اس وقت تک بقیدِ حیات اور حکمران تھا۔

۶۱ ۱۹۰۲ کا ۲۲۵۔گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ ترِوُولاّ (کی محفوظ خزانے

) کی تختیوں میں اس مہارانی اور راجہ پرانتکا کے نام معطیوں میں
درج ہیں (-آ آ-۱۴۱) لیکن یہ بات مشکوک ہے۔

۶۲ انبل ؛ ۲۲-۲۳ ؛ - آ آ-صفحہ ۳۸۳ -۸

۶۳ چیرا حکمران وِجَیہ راگ کی بیٹی اروی نیلی ( ) ایک دوسری ہے۔ اس نے ترُودوریُور کے مندر میں ایک چراغ جلائے رکھنے کے لیے تیس کلنجُو سونا دان دیا تھا۔

۶۴ ۱۹۲۱ (اکتیسویں سالِ حکومت) کا نمبر ۲۴۵-۴۶

۶۵ ٹی اے گوپی ناتھا راؤ صفحہ ۵۰)- ۱۸۹۵ کے سلسلہ نمبر ۱۱ کو اپنی رائے کی بنیاد بنائے ہوئے کہتا ہے کہ اس کتبے میں مذکور دکرم شولا النگو ویلار یقیناً راجہ پرانتکا ہی ہوگا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پلُو ویترَیار کے نام سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ کتبہ آدتیہ اوّل کا ہے۔ کیونکہ کسی بھی دوسرے راجہ کے کتبے میں پرانتکا کے لیے "النگو ویلار" کا لفظ استعمال نہیں ہوگا۔ پھر ایک بات اور بھی ہے کہ جس کتبے میں پرآنتکا کی شادی کا ذکر ہے اور پھر جس میں اس کی موت کا ذکر ہے ان دونوں کے درمیان کم از کم ۸۰ برس کا وقفہ آجاتا ہے (۳۴+۴۶) جو قطعاً ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ پلو ویترَیار تو کتنے ہی ہوئے ہیں اور "النگو ویلار" ایک ہی چیز نہیں ہے۔ غالباً دِکرم شولا النگو ویلار کسی باجگذار خاندان کا کوئی معمولی سردار ہوگا۔

۶۶ ملاحظہ ہو ۔صفحہ ۱۶۳-اور اس کے آگے کے صفحات

۶۷ -آ آ-۳۸۳

۶۸ کرن دئی کی تختی -۱۸ : کوئیل پرگند ھر آدتیہ کی ترُودشئی یا تین ناڈم الم کونڈ اتر ڑچینگو رچولن کولی ویندن شیمیئن پون نندا ...... تلائیم بلتو (-۸)

آٹھواں باب

پرانتکا اوّل کی وفات (۹۵۵ء) سے
راج راجہ اوّل کی تاج پوشی (۹۸۵ء) تک کا زمانہ

تاریخ وار سلسلۂ واقعات اور جانشینی کی ترتیب

راجا پرانتکا کی وفات اور راج راجا اوّل کی تخت نشینی کے درمیان ۳۰ برس کا مختصر وقفہ جو لاتاریخ کے سفر کی مشکل ترین منزلوں میں سے ایک ہے اس سے متعلقہ شہادت کسی واضح بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی اور اس کی تشریح کوئی دو عالم ایک سی نہیں کرتے۔ لہٰذا تمام امکانات پر مکمل بحث کیے بغیر راجاؤں کی سلسلہ دار جانشینی کی تاریخ پیش نہیں کی جا سکتی۔

کتبات

جو شہادتیں موجود ہیں اُن کی نوعیت کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ہم اس بحث کا آغاز کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ہماری معلومات کا اہم ترین ماخذ حجری کتبات ہیں اور ان میں سے بہت سے کتبات ایسے ہیں جو یقیناً زیر بحث زمانے سے ہی تعلق رکھتے ہیں[1] ان یادداشتوں کے پہلے زمرے میں کنّر دیو (راجہ کرشن سوم) کے عہد کے دہ کتبات آجاتے ہیں جن پر اس کی تخت نشینی کے تیئسویں[23] سال کے بعد کی تاریخ درج ہے اور جو شمالی اسکاٹ اور چنگلی پٹ کے اضلاع سے دستیاب ہوئے ہیں۔ اُن میں سب سے آخری تاریخ اس کی تخت نشینی کے اٹھائیسویں برس کی ہے یعنی ۹۶۵ عیسوی کی[2]

مدورائی کونڈاراج کیسری

مذکورہ عہد کے باقی ماندہ حجری کتبات میں سے بہت سے مدورائی کونڈاراج کیسری کے ہیں اور اس کی تاجپوشی کے ۵ برس بعد سے لے کر ستارہ برس بعد تک کے درمیانی عرصہ کے کندہ کروائے ہوئے ہیں۔

سُندرا کے کتبات

ان میں سے چار کتبات سندر چولا راجہ کے تحریر کروائے ہوئے ہیں جن میں اسے "مدھو رانتکا" اور پانڈیا تا پخ چورم ارکنا کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ دو پر اس کی تاجپوشی کے بعد کی پانچویں اور ساتویں سال کی تاریخیں درج ہیں اور باقی ماندہ دو کی تاریخیں معدوم ہیں۔

ویر پانڈین تلئی کونڈا پر اکیسری کے کتبات

تاجپوشی کے دوسرے اور پانچویں سال کے درمیانی عرصے کے کتبات کی ایک خاصی تعداد پر اکیسری کی دین ہے جس نے پانڈین تلئی کونڈا کا لقب اختیار کر رکھا تھا اور اس سے کہیں زیادہ تعداد پارتھو ینڈرا ورمن کے کتبات کی ہے جس کا

پارتھو ینڈرا کے کتبات

لقب بھی یہی تھا۔ اس کے دوسرے القاب ویندرادی ورمن، پارتھو ینڈرادھی پتی ورمن وغیرہ بھی تھے

اُتم چولا کے کتبات

آخر میں پر اکیسری اُتم چولا کے کتبات ہیں جن کی تواریخ تحریر اس راجہ کی تاجپوشی کے دوسرے سے لے کر سولھویں سال تک کی ہے۔ ان میں سے دو پر تو ٹھیک ٹھیک تاریخیں درج ہیں جو اس حکمران کے عہدِ حکومت کا تعین کرتی ہیں۔ پر اکیسری کے لقب اور اس کے کتبات کی تواریخ تحریر سے جو کلی سمت ۴۰۸۳ (۹۸۱-۸۲ عیسوی) کو اس کی تخت نشینی کا تیرھواں برس

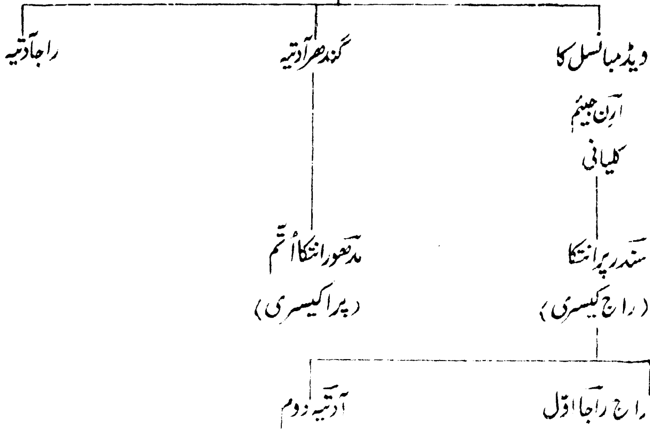
ظاہر کرتی ہیں، یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُتم چولا راج کیسری، راج راجا اوّل کا فوری پیش رو تھا۔

غیر شناخت شدہ راجاؤں اور پر اکیسریوں کے کتبات

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان بے شمار کتبات میں سے کچھ بلاشبہ اسی زمانے کے ہیں جس میں حکمرانوں کو راج کیسری یا پر اکیسری قرار دینے کے علاوہ ان کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ لیکن موجودہ بحث میں انھیں زیادہ تر نظر انداز کرنا پڑے گا۔

تانبے کی تختیاں

حجری کتبات کے علاوہ ہمارے پاس تانبے کی تختیوں کی شہادتیں بھی ہیں۔ سندر چولا کے عہد حکومت کے چوتھے برس کی ان بل کی تانبے کی تختیاں ہی اُس واحد عطیہ کی شاہد ہیں جو اس دور سے تعلق رکھتا ہے۔ بد قسمتی سے مادھو بھٹ کو، جو ان تختیوں کی سنسکرت "پرشستی" کا لکھنے والا تھا، ان واقعات کو جو اس کو معلوم تھے، ان تختیوں میں درج کرنے کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی اپنے اشعار میں تشبیہات پر اپنے مکمل عبور کی نمائش کی۔ اس لیے یہ دریافت کرنے کے لیے بھی کہ سندر چولا ایک راج کیسری تھا، ہمیں تامل یادداشتوں کے ابتدائی دور پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ترو النگاڈو کی تختیوں سے معلوم ہوتا ہے اور لیڈن کی تختیاں بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ راج آدتیہ کے بعد اس کے جانشین مندرجہ ذیل ترتیب سے ہوئے:۔ گندھر آدتیہ، ارندما، پرانتکا، آدتیہ، اور مدھورانتکا۔ راجندر اوّل کے زمانے کی کرن دلی کی تختیوں میں نیز کنیا کماری کے کتبات اور ویر راجندر اکی چارال کی تختیوں میں محض ارندما اور پرانتکا دوم کے نام ہیں۔ پرانتکا اوّل اور راج راجا کے درمیان رہ گئے ہیں کیونکہ بظاہر ان تختیوں کی "پرشستی" کے پیش نظر صرف ایک ہی مقصد تھا کہ ان حکمرانوں کا براہِ راست وجیالہ کی نسل سے ہونا ثابت کیا جائے۔ راجہ پرانتکا اوّل سے لے کر راج راجہ تک چولوں کا شجرہ نسب جو ان تختیوں میں دیا ہوا ہے، اس طرح ہے:۔



دورِ حکومت جو ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو گئے ہیں

ایک واضح بات جس کو ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے یہ ہے کہ ہم حجری کتبات سے دستیاب ہونے والے تاجپوشی کے سنین کو یکے بعد دیگرے اور باقاعدہ طور پر سلسلے وار تخت نشین ہونے والے راجاؤں کے سنین، جو تانبے کی تختیوں میں مذکور ہیں، نہیں مان سکتے کیونکہ اس صورت میں اگر ہم پارتھی ویندرومن کو اس شمار سے نکال دیں اور مدورانی کو

گندھر آدتیہ کا عہدِ حکومت

راج کیسری یعنی سندر، آدتیہ اور اُتم کی زیادہ سے زیادہ مدتِ حکومت کو جو ہمیں معلوم ہے اس میں شامل کر دیں تو یہ کل مدت ۴۸ برس کی ہو جائے گی جو کہ پرانتکا اوّل اور راج راجا کی درمیانی مدت کے لیے بہت طویل ہے۔ پھر یہ امکان بھی موجود ہے کہ گندھر آدتیہ اور ارن جیہ نے بھی حکومت کی ہوگی۔ غالباً راج کیسری کے دورِ حکومت کے ایک کتبے میں گندھر آدتیہ عرف مدر دی چولادیو کے دوسرے برس کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ ذکر اس موقع پر آیا ہے جہاں اس کی مہارانی سیمبین مہادیوی کی جانب سے ترووینکاڈو کے مندر کو مختلف اوقات پر

*

دیے گئے عطیات کا ذکر ہے۔ راج کیسری کے عہد کے آٹھویں برس کے کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ پرانتکا کا بیٹا اری کُل کیسری رشتے میں حکمران راجا کا "پلئیار" یا "آلوار" تھا (یہ اصطلاح عموماً شاہی خاندان کے ادنیٰ افراد کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔) اور یہ حکمران راجہ گندھرآدتیہ کے سوائے اور کوئی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہی راج کیسری تھا۔

ارن جیہ

جہاں تک ارنجیہ کا تعلق ہے، تانبے کی تختیوں میں اس کے عہد حکومت کے حوالے ملتے ہیں اور اس کے علاوہ اس کے عہد کے بارھویں برس کا ایک کتبہ بھی موجود ہے جس میں ارنجی گئی ورمن کی دو مہارانیوں کا ذکر ہے جو آرور کے مقام پر فوت ہوئیں۔ راج راجا اوّل کی حکومت کے آخری زمانے کی "میل پاڈی" کی تختیوں میں مذکور ہے کہ راج راجا نے چولیشور مندر کی تعمیر کی جو آرور تُجن دیو کی یادگار میں بنوایا گیا تھا۔ ان حوالوں سے خیال ہوتا ہے کہ ارن جیہ خاصے طویل عرصے تک زندہ رہا تھا اور اس نے تھوڑے ہی عرصہ کے لیے سہی، لیکن حکومت بھی کی تھی۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ حجری کتبات میں دیے ہوئے تاجپوشی کے سال بُری طرح گڈمڈ کر دیے گئے ہیں۔

تلئی کونڈا کے معنی

ایک اور ابتدائی سوال جو غور طلب ہے یہ ہے کہ "تلئی کونڈا" کی اصطلاح کا صحیح مطلب کیا ہے۔ یہ اصطلاح زیرِ مطالعہ دَور کی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ ویر پانڈیا کا یہ دعوٰے ہے کہ اس نے چولا راجہ کا "تلئی کونڈا" کیا اور دیگر کئی لوگوں نے یہی عمل خود ویر پانڈیا کے ساتھ کرنے کا دعوٰے کیا ہے۔ اس جملے کا مطلب بالعموم "سرکاٹ دینا" سمجھا گیا ہے اور اس چولا راجہ کی شناخت پر کافی بحث کی جا چکی ہے جو پانڈیا تاجدار کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس جملے کے صحیح معنی یہ ہیں کہ ہزیمت خوردہ راجہ کو فاتح راجہ کے رُوبرو ایک خاص انداز سے جھک کر اپنی شکست تسلیم کرنی پڑتی تھی جیسے کہ وہ اپنے سر کو فاتح کے رحم و کرم پر چھوڑ رہا ہو۔ ہلتش نے اِس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ کُلوتنگا سوم کے کتبات میں جو "پانڈِینائی مُڈی تلئی کونڈرُیا" کا جملہ استعمال کیا گیا ہے اس کی تشریح ایک اور جملے "اے دَن

مُڈی میل اُڈی وَیتُو" سے کی گئی ہے جو اُسی دورِ حکومت کے کچھ دیگر کتبات میں درج ہے۔ چنانچہ "سرلینے" کی کارروائی دربارِ عام میں فاتح راجہ کے سامنے مفتوح راجہ کے جھکنے اور اپنے سر سے فاتح کے پاؤں کو چھونے پر مشتمل ہوتی تھی۔ وجے نگر کے نامور راجہ کرشن دیورائے نے اس قدیم روایتی کارروائی میں ایک معمولی تبدیلی کی جب اس نے یہ مطالبہ کیا عادل شاہ والی بیجاپور امن کی قیمت اُس کی قدم بوسی کر کے ادا کرے۔ چولا زمانے کے رواجوں کی صحیح تصویر "گورُو پرم پرئی" نامی تصنیف میں دی ہوئی ہے اُس میں یہ ذکر کہ گنگئی کونڈا شولا پورم کا راجہ اپنے باجگزار راجہ کے سر پر پاؤں رکھ کر اپنے شاہی ہاتھی پر سوار ہوتا تھا۔ تلئی کونڈا کی مذکورہ بالا تشریح کا اس عہد کی بحث سے گہرا تعلق ہے کیونکہ اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ جب کسی راجہ کا سر کوئی دوسرا راجہ "لے لیتا تھا" تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اول الذکر اسی وقت مر جاتا تھا۔ البتہ جہاں کسی کے مارے جانے کا صاف صاف ذکر ہے وہ ایک بالکل علاحدہ مسئلہ ہے۔ اس دَور کے واقعات پر اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ ترُوو النگاڈ کی تانبے کی تختیاں اس امر کی شاہد ہیں کہ آدتیہ دوم نے وِیَر پانڈیا کو جنگ میں موت کے گھاٹ اتارا اور اُس کا سر تن سے جُدا کر کے چولوں کی راجدھانی میں لے آیا۔ لیکن یہاں بھی متعلقہ شہادت کی تاخیر سے اس واقعہ کی صداقت میں کچھ شبہ معلوم ہوتا ہے اور اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ کسی چولا تاجدار نے وِیَر پانڈیا کے ہاتھوں اپنی جان گنوائی ہو۔ بظاہر وِیَر پانڈیا کے اس متکبرانہ لقب کا اتنا ہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک چولا حکمران کی عارضی طور پر ذلت و تحقیر کی۔

مدورائی کونڈا راج کیسری کی شناخت

گندھر آدتیہ کے راج کیسری ہونے کے متعلق کچھ شہادتوں کے حوالے اُدپر دیے گئے ہیں اور اس امر کے بھی کہ اس نے آٹھ برس تک حکومت کی۔ اس کا عہد راجادتیہ کی وفات کے وقت سے شروع ہوا ہوگا اور وہ ولی عہد کی حیثیت سے پرانتکا کے زمانۂ حیات ہی میں راجادتیہ کی جگہ تخت و تاج کا وارث بن گیا ہوگا۔ اکثر یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ گندھر آدتیہ ایک پراکیسری تھا اور اَرندما جسے ترُووالنگاڈو کی تانبے کی تختیوں میں گندھر آدتیہ کا فوری جانشین بتایا گیا ہے، دراصل مدورائی کونڈا راج کیسری تھا۔ اس رائے کی

بنیاد دراصل مندرجہ ذیل دو قیاسات پر مبنی ہے، ایک یہ کہ راج آدتیہ نے پرانتکا کی وفات کے بعد حکومت کی، دوسرا یہ کہ چونکہ موصوف راج کیسری تھا لہٰذا اُس کا فوری جانشین گندھرآدتیہ ایک پراکیسری ہوگا۔ لیکن یہ بتایا جا چکا ہے کہ پہلا قیاس صحیح نہیں ہے۔ اس بات کے کافی امکانات ہیں کہ جب راج آدتیہ کو ولی عہد مقرر کیا گیا تو اسی وقت سے اس نے راج کیسری کا لقب اختیار کر لیا۔ لیکن بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ وہ اپنے باپ سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ گندھرآدتیہ نے جو اس کی جگہ حکمران بنا، وہی لقب اختیار کر لیا ہو تا کہ پرانتکا کیسری کے بعد تخت نشیں ہونے والا حکمران ایک راج کیسری ہی ہو۔ حقیقت میں اس وقت اس رائے پر سب کا اتفاق ہے کہ گندھرآدتیہ ایک راج کیسری تھا۔ حالانکہ اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ راج آدتیہ اپنے والد سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ اس بحث میں آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اس اصول کے اطلاق سے کہ ولی عہد خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ، اپنے پیش رو راجہ کے لقب کے مطابق اپنے نام کے ساتھ راج کیسری یا پراکیسری کا لقب شامل کر لیتا تھا، ہماری بہت سی مشکلات جو کسی اور طریقہ سے حل نہ ہوں حل ہو جاتی ہیں۔

اس لیے گندھرآدتیہ کے راج کیسری کے لقب کو تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وینکیا نے سب سے پہلے جس رائے کا اظہار کیا تھا کہ گندھرآدتیہ مدورائی کونڈا راج کیسری کے سوا کوئی اور نہیں تھا، اس رائے کو بغیر کسی چھان بین کے درست مان لیا گیا ہے۔ "مدورائی کونڈا" کے لقب سے یہ معنی نکال لیے گئے ہیں کہ موصوف راجہ دراصل مدورائی کونڈا پراکیسری پرانتکا اول کا فرزند تھا۔ لہٰذا جب گندھرآدتیہ کو پراکیسری مانا گیا تو مدورائی کونڈا کو راجہ ارنجیہ راج کیسری تصور کیا گیا۔ بعد میں جب گندھرآدتیہ خود بھی راج کیسری بن گیا تو اسے بھی مدورائی کونڈا راج کیسری ہی سمجھ لیا گیا۔ لیکن اس قیاس کو ہرگز ایک قطعی دلیل نہیں مانا جا سکتا اور اگر ایسا کرنے کے لیے مناسب وجوہات موجود ہوں تو ہمیں اس قیاس کو ترک کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ اب ہم مدورائی کونڈا راج کیسری کے کتبات کے اصل ماخذوں پر غور کریں گے۔ چودھویں اور سترھویں برسوں کے تین کتبات کو چھوڑ کر یہ تمام کتبات شمالی ارکاٹ اور چنگلی پٹ کے اضلاع سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں سے تین موصوف راجہ کی تخت نشینی کے پانچویں برس کے ہیں اور چوتھے کتبے پر جانشینی سے ساتویں برس کی تاریخ درج ہے۔ پانچویں برس کا ایک کتبہ ضلع شمالی ارکاٹ کے دلجاپیٹ تعلقہ میں واقع

ایک مقام کاریکل سے دستیاب ہوا ہے۔ یہ مقام شولنگور کے قریب واقع ہے۔ اس کی تاریخ تحریر ۹۵۴ء کے قریب ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ راجہ پرانتکا اوّل کی وفات ۹۵۵ء میں ہوئی اور گندھر آدتیہ نے اپنی سلطنت اس واقعہ کے بعد شروع کی تو اس کتبے کی تاریخ تحریر زیادہ سے زیادہ ۹۶۵ء ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کی مطابقت اس حقیقت سے کیونکر کی جا سکتی ہے کہ کرشن سوم ۹۵۹ء میں میلپاڑی میں اپنے مفتوحہ علاقوں کو اپنے پیروؤں میں تقسیم کر رہا تھا۔ اور اس کے تقریباً ۹۶۵ء تک کے کتبات توندئی منڈلم میں پائے جاتے ہیں۔ گندھر آدتیہ کو مدورائی راج کونڈ قرار دینے پر عائد کردہ یہ اعتراضات کافی وزنی ہیں۔ اور اگر اس زمانے کے بعد کے کتبات سے کوئی شناخت ممکن نہ ہو تو بھی ان اعتراضات کو بجا سمجھنا ہو گا۔ لیکن حسن اتفاق سے ہمارے اس سوال کا ایک آسان اور صحیح حل موجود ہے جو سب کے لیے بخوشی قابل قبول ہو گا بشرطیکہ اس مفروضے کو ترک کر دیا جائے کہ مدورائی کونڈا لازمی طور پر کسی دوسرے مدورائی کونڈا ہی کا بیٹا ہو گا یعنی پرانتکا اوّل کا۔ کوڈمبالور سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں، جس پر سے تاریخ تحریر مٹ چکی ہے، ابتدائی الفاظ یہ درج ہیں۔ "اڈئیار مدورانتکن سندر اشولن"۔ اس بے مثل کتبے سے اس مفروضے کی قطعی تردید ہو جاتی ہے کہ مذکورہ عہد کے کتبات میں "مدورانتکا" (مدیرائی کونڈا) کا لقب محض پرانتکا اوّل کا کوئی بیٹا ہی اختیار کر سکتا تھا کیونکہ سندر اشولن نام کا کوئی ایسا شخص ہمارے علم میں نہیں ہے جو اس کا بیٹا رہا ہو۔ اس کتبے سے مدورائی کونڈا راج کیسری کی اصلیت کا سراغ مل جاتا ہے۔ "انبل" کی تانبے کی تختیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ارن جینئہ کا بیٹا سندر چولا ایک راج کیسری تھا اور اس کا ایک لقب "مدورانتکن" تھا۔ اس کا ایک اور لقب بھی تھا جس سے اس کی پانڈیوں کے ساتھ لڑائی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ لقب تھا "پانڈیا نائیک چرم ارکنا"۔ ان حقائق سے واضح طور پر یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ سندر چولا پرانتکا دوم وہی راجہ تھا جو اپنے بعض کتبات میں مدورائی کونڈا راج کیسری کے نام سے مذکور ہے۔

اُتم چولا کے ساتھ اُس کے مراسم

مدورائی راج کیسری کا ایک کتبہ ایسا ہے جس کے دیکھنے سے پہلی نظر میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں جس راجہ کا ذکر ہے وہ سندر چولا نہیں بلکہ گندھر آدتیہ ہے۔ ترُدوور گور سے ملے

ہوئے اس کتبے پر اس عہد حکومت کے پانچویں برس کی تاریخ درج ہے اور اس میں اُڈئیار شری اُتم چولا دیو کے ایک سردار کی جانب سے مندر کو دیے گئے ایک چراغ کے عطیئے کا ذکر ہے۔ سردار موصوف راجہ کے ہمراہ مندر میں گیا تھا۔ اس کتبے کو شائع کرتے ہوئے کرشنا شاستری نے لکھا ہے۔" ایک بجا اعتراض یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہاں اُتم چولا کو بجائے شہزادے کے ایک حکمران راجہ کا خطاب کیوں دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت گندھر آدتیہ نے اس کو اپنا جانشین چن لیا تھا۔ پھر بھی ہمیں اتنا معلوم ہے کہ وہ اس وقت تخت نشیں ہوا جب اس کے والد کے انتقال کے بعد دو ایک اور راجہ حکمرانی کر چکے تھے۔" لیکن اگر ایسا تھا کہ اُتم چولا اپنے والد کے عہدِ حکومت کے پانچویں برس میں اس قدر بڑا ہو چکا تھا کہ اسے ولی عہد منتخب کر لیا گیا تھا، اس نے شاہانہ طور طریقے بھی اختیار کر لیے تھے۔ وہ مندروں میں اپنے امرا کے ہمراہ جاتا تھا اور اس کے والد نے اس کے بعد مزید بارہ برس تک حکومت کی۔ تو پھر وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد فوراً تخت نشیں کیوں نہیں ہوا اور راجہ بننے کے لیے اسے کیوں اس وقت تک انتظار کرنا پڑا جب تک غالباً ارن جیہ اور سندرا اور شاید آدتیہ دوم بھی اپنا دورِ حکومت ختم کر چکے۔ کرشنا شاستری نے نہ صرف اس بات کی وضاحت نہیں کی بلکہ ایک اور مقام پر بتایا ہے کہ "گندھر آدتیہ کی وفات کے وقت اُتم چولا کا لڑکپن رہا ہوگا کیونکہ اسے اس وقت تک نظر انداز کیا جاتا رہا جب تک گندھر آدتیہ کے بعد تین راجہ اپنی اپنی حکومت کر کے مر نہیں چکے۔" یقیناً ان دونوں نظریوں کو ہم آہنگ کرنا آسان نہیں ہے۔ اوّل یہ کہ ترووڈر یور کے کتبے میں جس راجہ کا ذکر ہے وہ گندھر آدتیہ ہی ہے، دوسرے یہ کی اس کی وفات کے وقت اس کا ایک کم عمر لڑکا تھا اور وہ بھی اتنا صغیر سن کہ اسے اپنی تاجپوشی کے لیے گندھر آدتیہ کے تین اور جانشینوں کی حکومت کے خاتمے تک انتظار کرنا پڑا۔ ایک اور بڑا تضاد بھی یہاں نظر آتا ہے۔ اگر یہی فرض کر لیا جائے کہ گندھر آدتیہ نے اپنے سنین جلوس کا شمار راج آدتیہ کی وفات کے وقت (۹۴۹ء) سے کیا تھا اور ہم اسے مدورائی کونڈا راج کیسری ہی مان لیں جو کم از کم سترہ برس تک حکمران رہا تو اس کا عہدِ حکومت ۹۶۶ء تک چلا جائے گا۔ اور مدھور انتکا اُتم چولا نے ۹۶۹ء تک حکمرانی شروع کی۔ صرف تین برس کا درمیانی عرصہ اس قدر مختصر ہے کہ اس میں تین حکمرانوں کا عہدِ حکومت تو کیا صرف سندر چولا کا عہد بھی نہیں سما سکتا جو اس کے کتبات سے بلاشبہ سات برس کا ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا ترووڈر یور کا کتبہ جس کا حوالہ اس پیراگراف کے شروع

میں دیا گیا ہے، گندھر آدتیہ سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر ہم اسے سندر چولا کا کتبہ بھی قرار دیں تو اتم چولا کے شاہی لقب کی وضاحت کرنے کی دقّت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ سندر چولا کا ایک بیٹا آدتیہ نامی تھا جو اس کی جنگی مہمات میں نہایت قابلیت سے اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا، یہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی سالوں ہی میں اس نے اپنے خاندان کی ایک دوسری شاخ سے کسی شہزادے کو اپنا ولی عہد تسلیم کر لیا ہو گا۔ اس گورکھ دھندے کا واحد حل جس کی تائید اسی نوع کے دوسرے چولا کتبات میں مل سکتی ہے، یہ ہے کہ اگرچہ اس کتبے میں درج شدہ عطیہ راجہ سندر چولا کے عہد کے پانچویں سال ہی میں مندر کو دیا گیا تھا جبکہ اتم کی عمر اتنی ہو چکی تھی کہ اس کی نجی مصاحبین اور امرا بھی تھے جن کی معیت میں وہ ملک کا دورہ کرتا تھا، لیکن اس عطیے کو پتھر پر اس وقت تک کندہ نہیں کیا گیا جب تک کہ اتم چولا نے بہ اختیارِ خود حکومت کرنا شروع نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے اس نے اپنی حکومت سندر چولا کے فوراً بعد شروع کی تھی۔

دو پرا کیسری راجاؤں کی یکے بعد دیگرے تخت نشینی

اب دو بحث طلب مسائل اور ہیں۔ ویر پانڈیا تلئی کونڈا کا مقام وحیثیت اور پارتھی ویندرا ورمن کی اصلیت جس نے پرا کیسری کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ اوّل الذکر تو بلاشبہ آدتیہ تھا جو سندر چولا کا بیٹا تھا اور تر ووالنگاڈو کی تانبے کی تختیوں اور لیڈن کے فرمانِ عطیہ کی شہادتوں کے مطابق ویر پانڈیا سے نبرد آزما ہوا تھا۔ لیکن آدتیہ دوم کا جانشین ایک اور پرا کیسری مدھورا نتکا اتم چولا بھی تھا۔ پہلی نظر میں یہ راج کیسری کے عام رواج سے انحراف معلوم ہوتا ہے جس کے مطابق چولا خاندان کے حکمران راج کیسری اور پرا کیسری کا لقب باری باری اختیار کرتے تھے۔ کرشنا شاستری اتم چولا کے بارے میں کہتا ہے کہ "عام رواج کے مطابق اتم چولا کو "راج کیسری ورمن" ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس کا پیش رو آدتیہ دوم ایک "پرا کیسری ورمن" تھا لیکن اس رواج کے برعکس وہ بھی ایک "پرا کیسری ورمن" کہلایا۔ ایسا غالباً اس لیے ہوا کہ وہ ایک "راج کیسری ورمن" کا بیٹا تھا اور وہ محض اپنے موروثی حق کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے چچیرے بھائی کے فرزند راج راجا اوّل کی درخواست پر حکمران بنا جو کہ خود منتخب شدہ جانشین تھا۔ اس وضاحت کے متعلق دو رائیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس میں ہمارے مفروضے سے نہیں بلکہ

کرشنا شاستری کی اس رائے سے تضاد پایا جاتا ہے کہ اُتم چولا کو گندھر آدتیہ کے عہدِ حکومت ہی میں جانشین چُن لیا گیا تھا اور محض اس کی صغیر سنی کی وجہ سے اس کی تخت نشینی کو عارضی طور پر ملتوی کر دیا گیا تھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کیوں کر کہا جا سکتا کہ وہ اپنے موروثی حقوق کی وجہ سے تخت نشیں نہیں ہوا بلکہ راج راجا کی درخواست پر اس نے حکومت سنبھالی۔ پھر راج راجا اوّل کی مثال سے اس مفروضہ کی بھی تردید ہوتی ہے کہ ایک راج کیسری کا بیٹا ضروری طور پر پراکیسری ہوگا۔ کیونکہ ایک راج کیسری کا بیٹا ہو کر بھی وہ خود راج کیسری تھا۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ ارنجیہ نے بھی جو خود ایک پراکیسری کا بیٹا تھا، یقیناً کچھ عرصے تک ایک پراکیسری کی حیثیت سے حکومت کی ہوگی۔ یکے بعد دیگرے دو پراکیسریوں کے تخت نشیں ہونے کی صحیح وجہ دراصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ آدتیہ دوم جو پراکیسری تھا، ور ولی عہد منتخب ہو چکا تھا، کا انتقال اپنے باپ سندر چولا کی حیات ہی میں ہو گیا تھا اور اس کے بعد ولی عہد چنے جانے والے شہزادے نے بھی پراکیسری کا لقب اختیار کیا تاکہ راج کیسری سندر چولا کی موت کے بعد ایک پراکیسری ہی تخت نشیں ہو۔ آدتیہ دوم کا انتقال ہو جانے پر سندر چولا کو اپنا جانشین اتم چولا کو منتخب کرنا پڑا نہ کہ اپنے چھوٹے بیٹے راج راجا کو۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یا تو اتم چولا نے خانہ جنگی کی دھمکی دے کر اسے اس فیصلے پر مجبور کر دیا یا راج راجا نے اپنی مرضی سے جانشینی کے لیے انتظار کرنے کو ترجیح دی۔ ترُووالنگاڈو کی تانبے کی تختیوں میں مندرج اشعار سے جو اس ضمن میں ہماری معلومات کا واحد ماخذ ہیں، ان دونوں تاویلوں کی تائید ہو سکتی ہے۔ ایک طرف تو ان اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ اُتم چولا حکومت سنبھالنے کے لیے بیتاب تھا اور دوسری طرف ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا اتنا سعادت مند کھشتری تھا کہ جب اس کے والد کا چچیرا بھائی حکومت کرنے کا آرزومند ہوا تو اس نے خود تخت نشیں ہونے کا خیال بھی دل میں نہیں آنے دیا۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ اتم چولا نے حکمران بننے کے لیے اپنی خواہش کا اظہار غالباً ایک سیاسی قتل کا باعث بن کر کیا۔

پارتھی ویندر ورمن

پارتھی ویندر ورمن کی ہستی بھی وہم و گمان کے دھندلکے میں مستور ہے۔ اس حکمران کے کتبات شمالی اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع اور چینگل پیٹ میں پائے گئے ہیں۔ اس رائے کا اظہار

بھی کیا گیا ہے کہ یہ شخص دراصل پرتھوی پتی دوم ہی تھا جو راجہ پرانتکا کا گنگا خاندان والا باجگذار تھا لیکن اس رائے کی بنیاد پرتھوی پتی اور پارتھی وینڈر ناموں کے ہم معنی ہونے پر رکھی گئی ہے جزوی طور پر اس کی وجہ ایک اور غلط فہمی بھی ہے جس کے باعث گنگا راجہ پرکرشن سوئم کے ایک باجگذار راجہ ہونے کا دھوکا ہو گیا ہے۔ موخر الذکر کا نام کنّر دیو پرتھوی گنگر ئیار ہونے کے باوجود وہ گنگا راجہ سے ایک بالکل مختلف شخص تھا۔ آدتیہ دوم اور پارتھی وینڈر ورمن دونوں کے کتبات دیکھنے کے بعد کرشنا شاستری نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دونوں حکمران "پانڈیا یا ویر پانڈیا کا سر اُتارنے والے" کے لقب کا دعوا کرتے ہیں۔ بظاہر یہ پانڈیا وہی حکمران تھا جس نے سندر چولا پرانتکا دوم سے لوہا لیا تھا۔ دونوں نے پراکیسری ورمن کے لقب کا دعوا بھی کیا ہے۔ اوّل الذکر کے کتبات بہت ہی کم ملتے ہیں اور وہ بھی صرف جنوب کی طرف ان کتبات کا آخری سال تحریر اس کے عہدِ حکومت کا پانچواں سال ہے۔ لیکن موخر الذکر کے کتبات تونڈئی منڈلم میں بکثرت ملتے ہیں اور اُن کا آخری سنِ تحریر اس کے عہدِ حکومت کا تیرھواں سال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پارتھی وینڈر آدتیہ ورمن شاہی خاندان ہی کا ایک فرد ہو اور تونڈئی منڈلم کا نائب السلطنت رہا ہو۔ آدتیہ کریکال اصلی وارث معلوم ہوتا ہے۔ پانڈین تلئی کونڈا پراکیسری کے کتبات اتنے کم نہیں ہیں، اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ وہ صرف جنوبی حصّے تک محدود نہیں ہیں، اگر اس جنوبی حصّے کو وہ علاقہ سمجھا جائے جو تونڈئی منڈلم کی حدود کے باہر اس کے جنوب کی جانب واقع تھا۔ اس کے کم از کم پانچ کتبات تو شمالی ارکاٹ میں ملے ہیں اور اس سے زیادہ جنوبی ارکاٹ میں۔ ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ پارتھی وینڈر ورمن کے کتبات آدتیہ پراکیسری کے کتبات سے اپنی اصل کے اعتبار سے محض اس حد تک مختلف ہیں کہ اوّل الذکر چنگل پیٹ کے ضلع میں بھی پائے گئے ہیں۔ نیز یہ کہ تونڈئی منڈلم کے جنوب کی جانب یہ کہیں دستیاب نہیں ہوئے۔ مندرجہ ذیل خصوصیات بھی مذکورہ حکمران کی شناخت پر غور و خوض کرنے میں ایک اجتماعی اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ ایک پراکیسری ہے۔ اس نے شاہی لقب بھی اختیار کر رکھا ہے اور اپنے آپ کو کوو راج مارائیار" کہتا ہے۔ ایک پہلے کے کتبے میں جو اس کے عہد کے تیسرے سال کا تحریر شدہ ہے" وہ پارتھی وینڈر آدِتیا پرومار" کے نام سے بھی مذکور ہے۔ اس کی رانیوں کو بھی پورے شاہی القاب حاصل ہیں مثلاً "اڈئیار دیویار دِلون مہادیویار" "پیرومانا ڈگل دلویارت تمپونار آگیا ترے لوکیہ

مہادیویار“

غالباً وہ آدتیہ دوم ہی تھا

یہ بات تو واضح ہے کہ چولا راجہ کا باجگذار ہونا تو کُجا، یہ حکمران جو اس قدر ممتاز اور سرکردہ حیثیت کا مدعی ہے، دراصل خود ہی ایک عظیم چولا راجہ تھا اور اپنے نام آدتیہ اور لقب پراکیسری کی وجہ سے وہ راجہ آدتیہ کریکال پراکیسری کے علاوہ کوئی اور نہیں معلوم ہوتا۔ پارتھی ویندر آدتیہ درمن“ کا نام اور اس نام کی مختلف شکلیں اس کے کتبات میں بار بار استعمال ہوئی ہیں۔ ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس نے ”پارتھی وبندر“ کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ چولا راجگان بلند بانگ الفاظ (برُدُوں) کے خاصے شائق تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے نام کے ساتھ اسی نوعیت کے القاب شامل کر رکھے تھے۔ چونکہ اس کا سب سے آخری کتبہ اس کے عہد کے تیرھویں برس کا ہے“ اس لیے اسے اپنے والد سندر چولا کی تاجپوشی کے جلدی بعد نائب السلطنت چن لیا گیا ہوگا۔ یہ بات اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ لیڈن کے فرامین عطیات میں اس کی کم سنی کے وقت ہی اس کے سرویر پانڈیا پراس، کے کامیاب حملے کا سہرا باندھا گیا ہے۔ اس کامیابی کے فوراً بعد اُسے چولا سلطنت کے شمالی حصّے پر حکومت کرنے کے لیے بطور نائب السلطنت تعینات کر دیا گیا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا اس لیے ولی عہد کا منصب پراکیسری اتّم چولا کو مل گیا۔

لہٰذا اس دَور کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم اوپر کی بحث کے نتائج کو اختصار سے یوں مرتّب کرتے ہیں:۔

راج کیسری گندھر آدتیہ۔ سنہ ۹۴۹ء سے سنہ ۹۵۷ء تک

پراکیسری ارنجئیہ۔ سنہ ۹۵۶ء سے سنہ ۹۵۷ء تک

راج کیسری سندر چولا (مدورائی کونڈا)۔ سنہ ۹۵۶ء سے سنہ ۹۷۳ء تک

پراکیسری آدتیہ دوم پارتھی ویندر کریکال۔ سنہ ۹۵۶ء سے سنہ ۹۵۹ء تک

پرندوُر کا کتبہ

پارتھی ویندر ورمن کا صرف ایک کتبہ ضلع چینگلی پیٹ سے ملا ہے جو اس کے عہد کے

پندرھویں برس کا ہے۔ اگرچہ یہ کتبہ شکستہ حالت میں ہے پھر بھی اس کی تحریر کے عکس کے محتاط مطالعہ سے دو باتیں ثابت ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کتبہ کا سنِ تحریر متعلقہ عہدِ حکومت کا پندرھواں برس ہے اور اگرچہ حروف کی کھدائی اچھی نہیں ہے اور پتھر بھی بظاہر بہت بوسیدہ ہوچکا ہے۔ پھر بھی اس کتبے کے اصلی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس دور کے کتبات کے بیشتر خصوصی خدوخال اس میں نمایاں ہیں۔ اگر اس میں دیے گئے سن کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اوپر دی ہوئی ترتیب سنیں غلط ہوجائے گی جو زراصل اس مفروضے پر قائم ہے کہ آدتیہ دوم اور پارتھی ویندر ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ لیکن اس صورت میں اتم چولا کی تخت نشینی سے قبل کے ان پندرہ سالوں کی گنجائش نہیں رہے گی جو سندر کے عہدِ حکومت ہی کا حصّہ تھے۔ تیرہ برس کی مدت ہمیں اس عہد کی آخری حد پر لاکھڑا کرتی ہے اور اس قیاس کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ سندر چولا نے اپنی تخت نشینی کے جلد ہی بعد اپنے بیٹے آدتیہ کو امورِ سلطنت سے وابستہ کردیا تھا اور یہ قیاس غیر ممکن بھی نہیں ہے۔ دوسری طرف پرندور کا یہ کتبہ جو متعلقہ عہد کے پندرھویں برس کا ہے، پارتھی ویندر کا واحد کتبہ ہے جس پر اس کے عہدِ حکومت کے تیرھویں برس سے زائد عرصے کی تاریخ درج ہے۔ اس کے تیرھویں برس کے متعدد کتبات دستیاب ہوئے ہیں، لیکن چودھویں برس کا ایک بھی نہیں اور پندرھویں برس کا یہی ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے۔ اس معمے کا اس سے بہتر کوئی حل نہیں ہے جو ہم اوپر دے چکے ہیں، کیونکہ اگر مان لیا جائے کہ پارتھی ویندر اور آدتیہ دو مختلف اشخاص تھے تو پھر ہم ان سے وابستہ ایک ہی جیسے تاریخی واقعات کی وضاحت کس طرح کریں گے جن کی طرف ہماری توجہ پہلے ہی مبذول کرائی گئی ہے۔ یہ ایک جیسے واقعات محض اتفاقیہ نہیں ہوسکتے لہٰذا یہ رائے بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ ہندسہ کا اندراج کرنے میں پرندور کے کتبے میں سنگتراش سے کچھ غلطی ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس کتبے پر یقین کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے جب تک کہ تیرھویں سال سے بعد کی تاریخ کے مزید کتبات دستیاب نہ ہوں۔

اب تک جن نکات پر غور کیا جاچکا ہے، ان کے علاوہ ایک نکتہ اور ہے جس پر غور کرنا باقی ہے۔ اگر آدتیہ اور پارتھی ویندرورمن ایک ہی فرد کے نام نہ ہوں تو آدتیہ کے عہدِ حکومت کا آخری سال وہی ہوگا جو ویرپانڈیا کا "سر اتارنے والے" پراکیسری کے کتبات میں درج ہے، یعنی پانچواں سال۔ لہٰذا قدرتی طور پر ہم ان پانچ برسوں کو اتم چولا کی تخت نشینی

یعنی ۷۰-۹۶۹ء سے فوری پہلے کے پانچ برس تصوّر کریں گے۔ گویا آدتیہ کے عہدِ حکومت کا آغاز ۹۶۴-۶۵ء میں ہوا۔ یعنی اوپر بنائی گئی ترتیب سنین کے مطابق سندر چولا کے عہد کے آٹھویں یا نویں برس میں۔ یہ حقیقت کہ سندر چولا اپنے عہد کے ساتویں برس (۹۶۳ء) سے پہلے ہی پانڈیا کے خلاف جنگ میں فتحیاب ہو چکا تھا، نیز لیڈن کے فراین میں مندرج یہ بیان کہ آدتیہ نے اپنی کم سنی ہی میں شیوؤر کی لڑائی میں شرکت کی تھی، اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ سندر کے عہدِ حکومت کے شروع ہی میں آدتیہ نائب السلطنت بن چکا تھا۔ لیکن اس دلیل پر زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ حکومت میں شریک ہوئے بغیر ہی اس نے لڑائی میں حصّہ لیا ہو یا پانڈیہ حکمرانوں سے دوسری جنگ کچھ بعد میں ہوئی ہو یعنی ۹۶۴-۶۵ء کے آس پاس۔

۲۔ تاریخ

گندھرآدتیہ

راج کیسری گندھرآدتیہ کی حکومت ترووالنگاڈو کی تختیوں سے بھی ثابت ہوتی ہے اور لیڈن کے فراین سے بھی، جو مبہم ہوتے ہوئے بھی اس امر کا صاف اظہار کرتے ہیں کہ وہ آزاد اور خود مختار حکمران کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ ان ماخذوں کے علاوہ ضلع ترچناپلی سے دستیاب ہونے والے متعدد راج کیسری کتبات سے بھی اس کی حکومت کی توثیق ہوتی ہے۔ یہ سب کتبات اس کے عہدِ حکومت کے آٹھویں برس کے کندہ شدہ ہیں اور ان میں پلّیآریا آلوارا ری کُل کیسری دیو کا ذکر آیا ہے۔ ضلع ارکاٹ سے ملنے والے ایک کتبے سے اس کی حکومت کی مزید توثیق ہوتی ہے جو موڈی چولا گندھرآدتیہ کے عہد کے دوسرے برس کا ہے۔ اس کے زمانے میں چولا سلطنت کی حدود وسیع نہیں تھیں اور ۹۵۰ء میں اس کی وفات کے وقت کرشن سوم غالباً تونڈئی منڈلم ہی میں تھا اور اپنی بکھری ہوئی طاقت کو مجتمع کر رہا تھا، نیز اپنے اتحادیوں اور ملازموں میں مفتوحہ علاقوں کو تقسیم کر رہا تھا۔ گندھرآدتیہ کے عہد کے دوسرے برس (۹۵۱ء) کے ایک کتبے میں ضلع جنوبی ارکاٹ کے پہاڑی علاقے میں اس کے ایک سردار سدھ واڈون نے جو عہد سنگم میں راجہ پاری کی بیٹیوں سے شادی کرنے والے مشہور جنگ جُو اودری کی نسل سے تھا، دیر چولا پورم میں کچھ نامعلوم دشمنوں پر ظفر یابی کا دعوا کیا ہے۔ یہ وہی ملاڈ سردار

نرسمہا ورمن ہوگا جس نے کرشن سوم کے عہد کے سترھویں برس میں اس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ گندھر آدتیہ اس علاقے کی بازیابی میں کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکا جو اس سے کرشن سوم نے چھین لیا تھا۔ کرشن سوم اس وقت بھی چولا علاقے میں اپنی طاقت اور مرتبے کو بڑھا رہا تھا۔

اُس کی مہارانی

گندھر آدتیہ کے پسماندگان میں اس کا ننھا سا بیٹا اتم چولا تھا جو اس کی مہارانی سیمبین مہادیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ خاتون جو اپنے خاوند کی وفات کے بعد بلکہ اپنے بیٹے کے انتقال کے بعد بھی ۱۰۰۱ء تک بقید حیات تھی، یقیناً اپنی جوانی کے آغاز ہی میں بیوہ ہو گئی ہوگی۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کی زندگی دھرم اور دان میں وقف ہو کر رہ گئی تھی۔

آدتیہ کا ترُووشئی پا

شو کے کثیر التعداد مندر جو اس مہارانی نے تعمیر کروائے اور ان کے اخراجات کے لیے اپنے بیٹے کی حکومت کے آغاز کے بعد جو بھاری اوقاف و عطیات بخشے، ان کا ذکر آگے آئے گا۔ غالباً چدامبرم کے مندر کے متعلق تصنیف کیے ہوئے بھجن کا مصنف گندھر آدتیہ تھا۔ اس بھجن میں واضح طور سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ پرانتکا اوّل نے پانڈیا ریاست اور "ایلم" کو فتح کیا اور نٹ راج کے مندر کو سونے سے ڈھک دیا تھا۔ اس بھجن کا مصنف خود کو بھی پرانتکا کی طرح کولی (اُرئیور) کا راجہ اور تنجیار (یعنی تنجور کی جنتا) کا والی بتاتا ہے۔ گندھر آدتیہ کا ایک اور نام تھا "میرکیلن درولینا زیور" یعنی وہ راجہ جو مغرب کی طرف گیا۔

ارنجیہ

"اری کُل کیسری" اور ارنجیہ یا ارندما کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے اکثر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ یہ القاب ایک ہی فرد کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو پرانتکا اوّل کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ بہر صورت ارنجیہ پراکیسری اپنے بھائی گندھارآدتیہ کے بعد تخت پر بیٹھا اور اس نے تھوڑے عرصے ہی حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت کے واقعات کے

متعلق ابھی تک ہم کو کوئی شہادت نہیں ملی ہے۔ اس کی دو مہارانیاں ویمن کندوئیار اور کودئی پراٹیار اس کے انتقال کے بعد بھی زندہ رہیں اور انھوں نے اپنے بیٹے کے دورِ حکومت میں کئی عطیات بھی بخشے۔ اگرچہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ویمن کندوئی چالوکیہ راجہ بھیم دوم والیئے "وینگی" کی دختر تھی، تاہم اس زمانے میں جب چولا راجگان عملی طور پر راشٹر کتا حکمرانوں کے اطاعت گزار بن کر رہ گئے تھے، چولوں اور چالوکیوں کے درمیان اس طرح کا باہمی رشتہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ اگر کندوئی ایک مشرقی چالوکیہ شہزادی بھی رہی ہو تو بھی ارنجیا کے ساتھ اس کی شادی چولا ریاست پر راجہ کرشن کے حملے سے پہلے اور پرانتکا اوّل کے دورِ حکومت میں نیلوئر پر ماڑن پرمیشورن کے حملے کے تھوڑے عرصے بعد ہوئی ہو گی۔ لیکن ترڈیلنم کے دو کتبات میں جو پراکیسری کے عہد کے دوسرے برس کے ہیں، ایک شخص ارائین آدتن ویمن کے مقامی مندر کو کچھ عطیات دینے کا ذکر آتا ہے اور یہ بات خارج از امکان نہیں کہ یہی عالی خاندان شخص ارائین راجہ ارنجیہ کی مہارانی کا باپ رہا ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ پراکیسری کتبات ارنجیہ ہی کے کتبات قرار دیے جا سکتے ہیں اور ترتیب سنین کے حساب سے چونکہ ارنجیہ کے عہد کی میعاد نہایت مختصر تھی، ہم یقیناً یہی نتیجہ نکالیں گے، جو بعید از قیاس بھی نہیں ہے کہ ارنجیہ کو پرانتکا اوّل کی وفات کے بعد جلد ہی گندھرآدتیہ کا ولی عہد منتخب کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ارنجیہ کی موت آڑور کے مقام پر ہوئی تھی جس کے محلِ وقوع کی صحیح شناخت نہیں کی جا سکتی۔ راج راجا اوّل کے ایک کتبے میں درج ہے کہ اس نے آڑور کے مقام پر فوت ہونے والے راجہ کی یادگار میں میل پاڈی میں ایک مندر تعمیر کرایا تھا اور اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ آڑور کہیں میل پاڈی کے نواح ہی میں ہو گا۔ غالباً ارنجیے نے شمال میں ان چولا مقبوضات کو واپس لینا شروع کر دیا تھا جو پہلے کرشن سوم نے چھین لیے تھے۔ ترونا گیشورم کے ایک کتبے سے اس خیال کو مزید تقویت ملتی ہے۔ اس کتبے میں مذکور ہے کہ ارنجی گپ پراتیار، شہزادہ اری کُل کیسری کی بیٹی تھی جس کی بیوی ایک بان راجہ کی دختر تھی۔

چولا اقتدار کا احیاء

یہ نتیجہ راجہ کیسری ورمن کے عہد کے دوسرے یا تیسرے برس کا کندہ شدہ ہے،

یہ راجہ دراصل گندھر آدتیہ ہی تھا۔ اس کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ گندھر آدتیہ کے زمانے میں ہی ان نقصانات کا ازالہ کرنے کی کوششیں شروع ہو گئی تھیں جو اس کے والد کے عہد کے آخری سالوں میں اٹھانے پڑے تھے اور غالباً بان خاندان کے سرداروں کو یا ان میں سے بعض کو کرشن سوم کی اطاعت سے روگرداں کر لیا گیا تھا۔ بانوں کے ساتھ اس اتحاد کو چولا طاقت کے اس زوال سے ابھرنے کے ابتدائی آثار میں شمار کیا جا سکتا ہے جس کی وہ وقتی طور پر شکار ہو گئی تھی۔ گندھر آدتیہ کے انتقال کے بعد ارن جئے نے ان مساعی کو جاری رکھا۔ وہ خود آڑ ور کے مقام پر لڑتا ہوا مارا گیا۔ اگر گندھر آدتیہ کے عہدِ حکومت کے متعلق یہ رائے صحیح ہے تو ضرور اس نے جنوب کی طرف بھی اپنے کھوئے ہوئے مقام کو از سرِ نو حاصل کرنے کی کوشش کی ہو گی، اگرچہ شروع میں اسے اس میں بہت کم کامیابی ہوئی ہو گی۔ نیز ویر پانڈیا کی طرف سے ایک چولا راجہ کا سر قلم کرنے کا جو فخریہ بیان کیا گیا ہے وہ شاید اسی عہدِ حکومت کے متعلق ہو۔

سندر چولا

ارن جئے کے بعد اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ یہ ارن جئے کی رانی کلیانی کے بطن سے تھا جو دئیڈمبا خاندان سے تھی۔ انبل کی تختیوں میں صرف اسی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بیٹا سندر چولا پرانتکا دوم تھا جو مدورائی کونڈاراج کیسری کے لقب سے بھی معروف تھا۔ سب سے پہلے سندر چولا نے اپنی توجہ جنوب کی جانب مبذول کی۔ ویر پانڈیا پانڈیا ریاست میں چولا اقتدار کی بحالی کے لیے گندھر آدتیہ کی کوششوں کو ناکام بنا کر ایک آزاد اور خود مختار فرمانروا کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا۔

معرکۂ چیوور

لیڈن کے فرمان میں مذکور ہے کہ چیوور کے مقام پر ایک بڑی لڑائی میں پرانتکا نے اپنے دشمن کے ہاتھیوں کو بری طرح مجروح کر کے خون کی ندیاں بہا دیں اور اس کا بیٹا آدتیہ جو ابھی خورد سال تھا، میدان جنگ میں ویر پانڈیا سے یوں کھیلا جیسے کوئی شیر کا بچہ کسی گرانڈیل ہاتھی سے کھیلتا ہے۔ کرن دئی کی تختیوں (شلوک ۲۴-۲۵) میں چیوور کے

معرکے کا تذکرہ اس اضافہ کے ساتھ موجود ہے کہ ویرپانڈیا کو شکست ہوئی اور اسے بھاگ کر مہیادری پہاڑ کی چوٹیوں پر پناہ لینی پڑی۔ آدتیہ نے چیوور کے میدان ہی میں اپنی شجاعت کا مظاہرہ کیا جو سیوئلی کی پہاڑیوں کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ پہاڑیاں پدوکوٹاہ کی جنوبی سرحد پر واقع ہیں اور اسی معرکے کی بنا پر اسے یہ دعوا کرنے کا موقعہ حاصل ہوا ہو گا کہ اس نے ویرپانڈیا کا "سر اتارا"۔

پانڈیا سے جنگ

لیڈن کے فرمان میں ترووالنگاڈو کی تختیوں کی طرح یہ مذکور نہیں ہے کہ آدتیہ نے ویرپانڈیا کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور یہ ممکن ہے کہ ترووالنگاڈو کی تختیوں کے لکھنے والے نے لیڈن کے فرمان میں دی ہوئی زوردار تشبیہہ سے متاثر ہو کر ویرپانڈیا کے ساتھ آدتیہ کی زور آزمائی کا بیان قدرے مبالغہ کے ساتھ کیا ہو۔ آدتیہ کی حکومت کے متعلق بھی اس کے تذکرے سے ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ چیوور کی لڑائی کے بعد جس میں ویرپانڈیا کو شکستِ فاش ہوئی، چولوں کی افواج نے دیگر سرداروں کے علاوہ کوڈمبالور کے والی پرانتکن شریا ویلار کی سرکردگی میں پانڈیا عملداری میں اپنی مہم کو جاری رکھا اور ویرپانڈیا کو جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

لڑائی کی لنکا تک توسیع

چولا جارحیت کی مزاحمت کرنے میں اس موقع پر لنکا کی افواج نے پانڈیا تاجدار کا ساتھ دیا۔ کیونکہ شریا ویلار نے لنکا پر فوج کشی کی اور سندر چولا کے عہد کے نویں برس یعنی [illegible] سے قبل ہی وہاں لڑتے ہوئے مارا گیا۔ "مہاونسا" میں اس واقعہ کی تصدیق [illegible] کے عہدِ حکومت میں ان الفاظ سے کی گئی ہے:-

"[illegible] راجہ نے ہمارے اس ملک کو اپنے زیرِ نگیں لانے کے لیے ناگ دیپ کی جانب [illegible] نے جب یہ سنا تو [illegible] نامی سپہ سالار کو ادھر بھیجا اور ولبھ راجہ کی [illegible] ایک بڑی فوج اس کے ساتھ کر دی۔ سپہ سالار ادھر جا پہنچا [illegible] راجہ [illegible] انھیں شکست دی اور میدانِ جنگ اس کے ہاتھ رہا۔

چونکہ ولبھ راجہ کی قیادت میں لڑنے والے حکمران ہمارے تاجدار کو شکست نہیں دے سکے، انھوں نے لنکا کے حکمران کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرلیا۔ اس طرح ہمارے راجہ کی شہرت سمندر کو عبور کرکے لنکا میں پھیل گئی اور جمبو دیپ تک پہنچ گئی۔"

اس تاریخی کتاب اور چولوں کے کتبات میں جو بیانات درج ہیں ان کی تحریری تصدیق راجہ مہندر کے دلیگری کے حجری کتبے سے بھی ہوتی ہے جس میں ڈمیلاؤں کے خلاف سیناپتی سین کی کامیاب مہم کا ذکر کیا گیا ہے۔

چولوں کے اتحادی

آدتیہ دوم کے علاوہ دو اور افراد بھی ویرپانڈیا پر فتحیابی کے دعویدار رہیں۔ ان میں سے ایک پارتھی ویندر ورمن ہے جس کے متعلق پہلے بھی تھوڑا بہت بتایا جاچکا ہے۔ دوسرا کوڈمبالور کا دالی بھوتی وکرم کیسری ہے، جو ویرپانڈیا کو جنگ میں شکست دینے کا مدعی ہے۔

وکرم کیسری

جس کتبے سے یہ بات ہمارے علم میں آئی ہے، اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ میدانِ جنگ میں پلوؤں کی فوج نے جو خون بہایا اس سے وکرم کیسری نے دریائے کاویری کے پانی کو سرخ کردیا۔ اس نے ویجی ویل کا خاتمہ کردیا اور کوڈمبالور سے حکومت کرنے لگا۔ اس کی دو مہارانیاں کرلی اور ورگنا تھیں۔ راج کیسری کے ایک کتبے میں، جس سے تاریخ تحریر مٹ گئی ہے، یہ درج ہے کہ کرلپ پرتی، راجہ تین ڈن انگو ویلار عرف متروتن پودیار کی بیوی تھی۔ یہ شاید وکرم کیسری کے دوسرے نام ہوں گے۔ راج کیسری کے تیرھویں سال کے دو دیگر کتبات میں ورگنا پیرُ دمانار کا ذکر آیا ہے جو غالباً راجہ وکرم کیسری کی دوسری رانی تھی۔ تلئی ستھا تم سے ملے ہوئے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ وہ پرانتکا انگو ویلار کی بیوی تھی۔ یہ لقب بلاشبہ اس ماتحت درجے کی نشان دہی کرتا ہے جو راجہ پرانتکا سندر چولا کے مقابلے میں وکرم کیسری کو حاصل تھا۔ ایک اور کتبے میں جو لال گڈی سے دستیاب ہوا ہے، یہ درج ہے کہ نَنگئی ورگنا پیرُ دمانار چولا راجہ کی بہن تھی۔ وکرم کیسری نے اپنی بیوی کرلی کے بطن سے پیدا دونوں بیٹوں کے نام چولا تاجدار اور اس کے بیٹے کے نام پر پرانتکا اور

آدتیہ دربار رکھتے۔ آخری بات یہ ہے کہ جیسا پہلے بتایا جاچکا ہے، پرانتکن شریادیلاروالی
کوڈمبالور جنوبی مہمات جنگ میں چولا فوج کے سربراہوں میں سے ایک تھا۔ جب ان
واقعات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پرانتکا اوّل کے زمانے میں
جو دوستانہ تعلقات کوڈمبالور کے سرداروں اور چولا راجاؤں کے درمیان تھے اس کے
جانشینوں کے عہدِ حکومت میں بھی برقرار رہے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ باغی ویر پانڈیا کی
سرکوبی کرنے میں وکرم کیسری نے راجہ سندر چولا اور اس کے بیٹے کی مدد کی تھی۔

وکرم کیسری کی ویر پانڈیا کے ساتھ لڑائی کے علاوہ اس کے دیگر کارہائے نمایاں
اتنی آسانی سے بیان نہیں کیے جاسکتے۔ ونجی ویل پر اس کی معمولی فتح کو نظرانداز بھی کر دیا جائے
تو بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وکرم کیسری نے دریائے کاویری کے کنارے پلوؤں کے
ساتھ کیسے نبردآزمائی کی ہوگی۔ اگر اس بات کو سچ مانا جائے تو وکرم کیسری کے کوڈمبالور
کے کتبے کی قدامت تسلیم کرنے کے لیے جواز پیدا ہو جائے گا۔ لیکن علم کتبہ خوانی کے اصولوں
کے مطابق اس کتبے کو گنتدھر آدتیہ سے قبل کی کسی تاریخ سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ
یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ہمیں کتبے میں دیے ہوئے لفظ پلّو سے "ولبھ" ~~مراد لینی چاہیے~~
اس طرح ہم اس جنگ کی وضاحت کر سکتے ہیں جس میں وکرم کیسری نے ایک نمایاں کردار
ادا کیا تھا اور ویسی ہی کامیابی حاصل کی تھی جیسی کہ راشٹرکتا راجہ کرشن کو چولا ریاست
پر حملہ کر کے حاصل ہوئی تھی اور جس کے نتیجے میں وہ رامیشورم تک جا پہنچا تھا۔

پانڈیا جنگ کے ادھورے نتائج

سندر چولا کا عہدِ حکومت راشٹرکتا حملے کی تباہ کاریوں کے بعد چولا حکومت کے
دوبارہ ابھرنے کا زمانہ تھا۔ تاہم جنوب میں جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ان میں پانڈیا حکمران اور
ان کے لنکا کے اتحادی اپنی طاقت سنبھالے رہے اور پھر کہیں راج راجا اوّل کے زمانے
میں جا کر پانڈیا علاقے میں چولا راجاؤں کے کتبات دوبارہ نظر آتے ہیں۔ اصل میں راج
راجا کا یہ دعوا ہے کہ اس نے پانڈیا راجاؤں کو اس وقت مطیع کیا جب ان کی حکومت
اپنے عروج پر تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا باپ اور بڑا بھائی آدتیہ ایڑی چوٹی کا زور
لگانے کے باوجود اُن کا کچھ بگاڑ نہیں سکے تھے۔

شمال میں فتوحات

دوسری طرف خود آدتیہ، پارتھی ویندرا اور سندر چولا کے کتبات ہی سے یہ بات عیاں ہے کہ شمال کی جانب چولوں کو زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ آگے چل کر جیسے جیسے راجہ کرشن کے کتبات کی تعداد جنوبی ارکاٹ، شمالی ارکاٹ اور چنگلی پیٹ کے اضلاع میں کم ہوتی جاتی ہے ویسے ہی ویسے دوسرے راجاؤں کے کتبات کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ تبدیلی بتدریج کس طرح ہوئی۔ شمالی خطّے کے انتظامیہ معاملات میں سندر چولا نے سرگرم حصّہ لیا۔ یہ اس سے ثابت ہے کہ اس کی موت کانچی پورم میں اس کے سنہرے محل میں ہوئی اور وہ بعد میں "پون مالیگئی تنجن دیو" کے نام سے موسوم ہوا۔ وآن ون مہادیوی نامی اس کی ایک رانی جو ملائیامان خاندان سے تھی، اس کی موت پر ستی ہو گئی اور اس کی بیٹی کُندوئی نے تنجور کے مندر میں غالباً اس کی ایک مورتی نصب کی تھی۔ سُندر کے مرنے کے بعد ایک دوسرے منو کی حیثیت سے اس کی بڑی شہرت ہوئی اور کہا جانے لگا کہ وہ دُنیا کو بُرائی سے پاک کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا۔ سندر چولا کی ایک اور رانی اس کی موت کے بعد ۱۰۰۱ء تک زندہ رہی جو کہ اس کے بیٹے راج راجا کے عہدِ حکومت کا سولھواں برس تھا۔

لٹریچر

سندر چولا کے زمانے میں سنسکرت اور تامل دونوں زبانوں کے لٹریچر کو فروغ حاصل ہوا۔ چولوں کا قدیم ترین کتبہ جو ہمارے علم میں ہے، وہ بھی سندر چولا کے عہد کا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ "دیرشولئم" کے تبصرے میں ایک اعلا درجے کا قصیدہ اس امر کا شاہد ہے کہ وہ علم وادب کا سرپرست بھی تھا۔ یہ قصیدہ جس میں سندر چولا کو نندی پور کا راجہ کہا گیا ہے، بُدھ کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے اور اس میں ان سے راجہ کی خوشحالی اور طاقت کے لیے دعا کی گئی ہے۔ اس سے چولا راجاؤں اور جنوبی خطّے کے بُدھ سنگھ کے مابین جو دوستانہ مراسم کا پتہ چلتا ہے جو لیڈن کے بڑے فرمان کی تاریخ تحریر سے کئی برس پہلے سے قائم تھے۔ اس فرمان میں "ناگ پٹم" کی ایک بدیشی بُدھ عبادت گاہ کو ایک گاؤں دان دینے کا ذکر ہے۔

آدتیہ دوم کا قتل

سندر چولا کے آخری دنوں پر ایک ذاتی المیہ کا سایہ پڑ گیا تھا۔ راج کیسری کے عہد کے دوسرے برس کے اڈئیا رگڈی کے ایک کتبے میں ان اقدامات کا ذکر آیا ہے جو راجہ کے احکام کے تحت شری ویر نارائن چترویدی منگلم کی سبھا نے ان چند لوگوں کی جائدادوں کی ضبطی اور فروخت کے سلسلہ میں کیے تھے جو "ویرپانڈیا کا سر قلم کرنے والے کریکال چولا" کو قتل کر کے غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔ یہ کتبہ اس امر کی صاف گواہی دیتا ہے کہ آدتیہ دوم قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کتبے کو کندہ کروانے والا خود سندر چولا ہو سکتا ہے یا آدتیہ کا چھوٹا بھائی راج راجا جو ایک پرا کیسری اتم چولا کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ لیکن چونکہ اس کی تاریخ تحریر پہلے کی ہے لہٰذا یہ سندر چولا کا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم یہ فرض نہیں کر سکتے کہ آدتیہ نے، جس کے عہد کے کم از کم پانچویں برس تک کے کتبات موجود ہیں، اپنے باپ سے پہلے اپنی حکومت کا آغاز کیا ہوگا۔ بلاشبہ یہ کتبہ راج راجا کے زمانے کا ہے۔ اگر یہ نتیجہ صحیح مان لیا جائے (علم نجوم اور علم کتبات سے حاصل شدہ اعداد و شمار اس کی تصدیق کرتے ہیں) تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُن سولہ برسوں میں آدتیہ دوم کے قتل کا کوئی انتقام نہیں لیا گیا، جن میں اتم چولا نے حکومت کی۔ کیونکہ سندر چولا یا تو اس قتل کے غم میں جلدی مر گیا یا اس نے یہ محسوس کیا کہ ایک طاقتور سازش کی وجہ سے انصاف کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں اور قاتلوں کو سزا دینا ممکن نہیں ہے۔

کیا قتل میں اتم چولا کا ہاتھ تھا؟

ان حالات میں اتم چولا کو اس سازش میں شرکت کے الزام سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا جس کے نتیجے میں ولی عہد کا قتل ہوا۔ اتم کو تخت و تاج کی آرزو تھی اور سلطنت کے انتظامیہ معاملات میں راجہ سے خون کا رشتہ رکھنے والے شہزادوں کو جو ماتحت مقام حاصل تھا اس سے وہ ہرگز مطمئن نہیں تھا۔ چونکہ وہ شاہی خاندان کی ایک اعلا شاخ کا نمائندہ تھا، اس لیے شاید اس نے اپنے آپ کو قائل کر لیا تھا کہ تخت پر اس کا حق ہے اور اس کا چچیرا بھائی اور اس کی اولاد ناجائز طور پر اس پر قابض ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنا ایک گروہ بنا لیا اور اس کے ذریعے سے آدتیہ دوم کو قتل کروا دیا اور ایسا کر کے اس نے سندر چولا کو مجبور کر دیا کہ وہ اسے ولی عہد نامزد کر دے۔

اور چونکہ ایسا کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، لہٰذا سندر جس کام کو روک نہیں سکتا تھا، اس کے لیے اسے راضی ہونا پڑا۔ ترودالنگاڈو کی تختیوں میں جان بوجھ کر اس کہانی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس طرح کے بیانات درج کیے گئے ہیں جو اگرچہ بذاتِ خود ایک معمہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن اگر انھیں اڈیار گڈی کے کتبے کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے ساتھ دیکھا جائے تو ان سے صحیح واقعات کی طرف کافی اشارہ مل جاتا ہے۔ ان تختیوں میں یوں لکھا ہے:۔

"آدتیہ غائب ہوگیا کیونکہ اُسے سورگ دیکھنے کی خواہش تھی۔ ہر چند کہ ارُومولی درما کی رعایا نے طاقتور کالی (گناہ) کے پھیلائے ہوئے اندھیرے کو دُور کرنے کے لیے اس کی بہت منت سماجت کی لیکن کشتری دھرم کے اس جاننے والے نے دل میں بھی اپنے لیے سلطنت کی خواہش نہیں کی جب تک کہ اس کے چچا کو اس کی (ارُومولی ورما کی) ریاست کی خواہش رہی۔"

آدتیہ کا سورج غروب ہو چکا تھا۔ گناہ کی تاریکی مسلط ہو چکی تھی۔ رعایا چاہتی تھی کہ ارُومولی اس ظلمت کا خاتمہ کر دے۔ لیکن اُتم کی حرص کی فتح ہوئی کیونکہ ارُومولی نے خود صبر کیا۔ ارُومولی بزدل نہیں تھا اور نہ اس میں قانونی حق یا سیاسی تدبر کی کوئی کمی تھی۔ چونکہ وہ خانہ جنگی سے بچنا چاہتا تھا اس نے سمجھوتہ منظور کر لیا اور جب تک اُتم کی حکومت کرنے کی خواہش کی تسکین نہ ہو جائے، انتظار کرنے کے لیے راضی ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ سمجھوتے میں یہ شرط بھی تھی کہ اُتم کی جانشین اس کی اولاد نہیں ہوگی بلکہ ارُومولی اس کا جانشین ہوگا۔ ترودالنگاڈو کی تختیوں ہی کے الفاظ میں:۔

مدھورانتکا نے ارُومولی کے جسم پر خاص قسم کے نشانوں ہی سے یہ بھانپ لیا کہ وہ تینوں جہانوں کی حفاظت کرنے والا وشنو ہے جو دھرتی پر اتر آیا ہے، اور اسے ولی عہد کے منصب پر فائز کر دیا اور خود حکومت کا انتظام سنبھالے رکھا"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مدھورانتکن گندھرادتن، جو یقیناً مدھورانتکن اُتم چولا کا بیٹا ہوگا، راج راجا کے عہد حکومت میں ایک اعلا عہدے پر تعینات تھا اور انتظام سلطنت میں کمال وفاداری سے اس کی مدد کر رہا تھا۔ اگر اُتم چولا کے اس طرح تخت پر بیٹھنے کی یہ کہانی صحیح ہے تو اُتم چولا کی ذات تاریخ میں ایک ایسی مثال پیش کرتی ہے کہ خود غرض اور

غلط کار اولاد ایسے والدین کے یہاں بھی پیدا ہو سکتی ہے جو اپنی پاکبازی اور نیک طینتی کے لیے ممتاز ہوں۔ اُتم چولا کی خود غرضی جس کے لیے اسے خون بہانے میں بھی باک نہیں ہوا، اس کے بعد تخت نشیں ہونے والے حکمران راج راجا کی سچی شرافت اور سیاسی تدبّر کے مقابلے میں ایک نمایاں تضاد پیش کرتی ہے۔

اُتّم کی تخت نشینی

آدتیہ پراکیسری جس نے ویر پانڈیا کا سر اتارا تھا اور پارتھی ویندر ورمن کے کتبات مظہر ہیں کہ اُتم چولا کی تخت نشینی کے وقت تک چولوں نے شمال کی جانب بہت سا علاقہ دوبارہ فتح کر لیا تھا جو پہلے راشٹر کُتوں کے حملے کے باعث ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ یہ کتبات اتر میرور، کانچی پورم، تکولم اور ترووناملئی میں ملتے ہیں اور جنوبی ارکاٹ، شمالی ارکاٹ، اور چنگلی پٹ کے اضلاع پر چولوں کے از سرِ نو تسلّط کے شاہد ہیں اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ ان میں سے بیشتر کتبات میں معمولی کاروبارِ حکومت مثلاً اوقاف، بیعنامہ جات اور ذرائع آبپاشی کی تعمیرات کا ذکر ملتا ہے، ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ امن قائم ہو چکا تھا اور جنگ کے اثرات سرعت سے عوام کے ذہنوں سے معدوم ہو رہے تھے۔

اُتم چولا کے عہدِ حکومت سے متعلق بہت سے حجری کتبات محفوظ ہیں اور تانبے کی تختیوں کا ایک سلسلہ بھی۔ تختیوں کا ابتدائی حصّہ بدقسمتی سے ضائع ہو چکا ہے اس حصّے میں غالباً سنسکرت زبان میں چولا خاندان کا شجرۂ نسب درج تھا۔ البتہ ان کا آخری نثری حصّہ بچا ہوا ہے جس میں عطیہ جات کا مقصد درج ہے۔ بعض حجری کتبات اور ایک تانبے کی تختی میں راجہ کا ذکر واضح طور پر پراکیسری اتم چولا کے نام سے کیا گیا ہے لیکن اکثر حجری کتبات ایسے بھی ہیں جن میں راجہ کا ذکر صرف پراکیسری کے لقب سے کیا گیا ہے۔ انھیں اُتم چولا کے عہدِ حکومت سے صرف نجوم کی بنا پر وابستہ کیا جا سکتا ہے یا اس لیے کہ ان میں اتم کے بعض رشتہ داروں کا ــــ مثلاً اس کی ماں اور اس کی ایک رانی کا ذکر آیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں اس کے بعض ملازموں اور افسروں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

چولا خاندان کا قدیم ترین سکّہ

ہمارے علم میں چولا خاندان کا جو سب سے قدیم سکّہ آتا ہے وہ اتّم چولا کے عہدِ حکومت کا ہے۔ یہ ایک سونے کا ٹکڑا ہے اور ایک لاثانی نمونہ ہے جو کبھی سر والٹر ایلیٹ کے قبضے میں تھا۔ انھوں نے اس سکّے کی ہو بہو شبیہہ بنالی ہے۔ اصل سکّہ گم ہو چکا ہے۔ اس کے دونوں جانب ایک ہی طرح کے نقوش ہیں۔ مرکز میں ایک بیٹھا ہوا شیر ہے۔ اس کے عین دائیں طرف ایک مچھلی۔ اور ایک لکیر اسے شیر سے جدا کرتی ہے۔ گول کنارے پر "اتّم چولن" گرنتھ حروف میں منقّش ہے اور مدار کے ساتھ ساتھ منکوں کی ایک مالا بنی ہوئی ہے۔ ایلیٹ کے اندازے کے مطابق اس سکّے کا وزن ۲۵۔ اور ۳۰ رتی کے درمیان تھا اور یہ سکّوں کے وزن کے اس معیار کے مطابق ہے جو راج راجا کے عہد سے قبل دکن اور جنوبی ہند میں رائج تھا۔

مدراس کے عجائب گھر کی تختیاں

اگرچہ مدراس کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی اُتّم چولا کے عہد کی تختیاں سیاسی تاریخ کے متعلق ہماری واقفیت میں کوئی خاص اضافہ نہیں کرتیں لیکن یہ اُتّم چولا کے عہد کی سماجی زندگی اور انتظام مملکت کے متعلق بہت دلچسپ اطلاعات فراہم کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ اس دور کے علم کتبات کے خوبصورت ترین نمونے ہیں۔ اس عہد کے حجری کتبات میں بھی سیاسی معاملات کے متعلق کچھ زیادہ مواد نہیں ملتا۔ پرا کیسری کے عہد کے بارھویں برس کے کچھ کتبات جو ضلع ترچناپلی میں ملے ہیں ہمیں اُتّم چولا کی حکومت میں کولالم (کولار) کے ایک اعلا افسر سے روشناس کرتے ہیں جس کا نام امبلوَن پلوور نکن تھا۔ "وہ پیرندرم" کے مرتبے کا ایک افسر تھا جس نے وجے منگلم کا قدیم مندر پتھر سے تعمیر کروایا تھا۔ ترُوناوکرشو نے اس کو مندر کہہ کر شہرت دی جو شوجی کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ارجن (وجے) کی تپسیا کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس افسر کو راجہ اُتّم چولا نے وکرم شولا مارائیار کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اُتّم نے خود بھی وکرم کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ بعد میں یہ افسر راج راجا کی ملازمت میں بھی رہا۔ راج راجا کے عہد کے کتبات میں اس کے ذاتی نام سے پہلے موڈی شولا کا خطاب بھی ملتا ہے، اور "راج راجا پلّو آرائین" کا دوسرا

خطاب بھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے معلوم ہوا کہ اُتم چولا کا تسلط میسور میں کولار تک پھیلا ہوا تھا اور جن کتبات میں اس افسر اعلا کا ذکر آیا ہے، وہ سب ایک ہی علاقے سے دستیاب ہوئے ہیں یعنی ضلع ترچناپلی سے۔ لہذا یہی قیاس کرنا پڑے گا کہ کچھ نامعلوم وجوہ سے یہ افسر اپنے وطن کولار سے ہجرت کرکے چولا ریاست کی حدود میں آگیا تھا اور شاہی ملازمت میں اعلا عہدے تک پہنچ گیا۔ (۱۵)

اُتّم چولا کی رانیاں

ان کتبات میں اتم چولا کی (۱۶) درانیوں کے نام ملتے ہیں ان میں سے پانچ کے نام تو ایک ہی کتبے میں اکٹھے دیے ہوئے ہیں۔ اُتم کے پورے عہد حکومت میں سب سے اونچا مقام اس کی مہارانی اورتتن (ارتائن) سورییّار کو حاصل رہا جو کہ کنڑی زبان کا ایک نام ہے اس مہارانی کا ذکر راجہ اُتم چولا کے عہد کے پانچویں اور پندرھویں برس کے کتبوں میں اگر مہادیویارا اور موتنم براتیار کے ناموں سے بھی کیا گیا ہے۔ اس مہارانی کا ایک لقب ترِبھون مہادیویار بھی تھا۔ جس سے اس کا سب سے بڑی رانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اُتم چولا کی تقریباً سبھی مہارانیوں کی جانب سے ضلع تنجور کے ایک خاص گاؤں میں اوقاف قائم کرنے کا ذکر کتبات میں ملتا ہے۔ اس گاؤں کا نام ان کی خوشدامن شیمبین مہادیوی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس خاندان کے افراد گندھرآدتیہ کی پارسا بیوہ کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

اُتّم کا فرزند

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، اتم چولا کا ایک بیٹا مدھورانتکن گندھرآدتیہ تھا جو راج راجا کے ماتحت ایک اعلا منصب پر مامور تھا۔ (۱۷)

راج کیسری کے عہد کے پانچویں برس کے ایک کتبے میں ایک پانڈیا شہزادی پلچآئن شامی ابیٔ کا ذکر دکرم شولا ملاڈ دٹوئیار کی بیوی کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس ملاڈ سردار نے جو ضلع جنوبی ارکاٹ کے پہاڑی علاقے میں چولوں کا باجگذار تھا مذکورہ بالا خطاب اتم چولا سے حاصل کیا ہوگا۔ جس کا خود دکرم لقب تھا۔ اگر یہ رائے درست ہے تو یہ کتبہ یقیناً راج راجا اوّل ہی کا ہے۔

آٹھواں باب

حاشیے

تین کتبے جو سب پرانتکا دیوا کے نویں سال حکومت کے ہیں، چولا کتبات نویسی کے کچھ ادنا مسائل میں سے ایک مسئلہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ ۱۸۹۶ کے کتبہ نمبر ۱۶ میں جو ترُووالنگاڈو (ضلع شمالی ارکاٹ) سے ملا ہے، راجہ کا ذکر پرا کیسرا اور تربھووَن چکرورتی کے القاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کوئیل تیورائن پٹیائی (Koyil-Tewa sayanpettai) ضلع تنجور سے دستیاب شدہ ۱۹۲۳ کے کتبہ نمبر ۲۶۱ میں بھی یہی کہا گیا ہے اور اس کے علاوہ ایک تاریخی تمہید بھی دی گئی ہے جو "پومنگائی ولرتو" سے شروع ہوتی ہے۔ ۱۹۲۹ کے کتبہ نمبر ۲۲۵ میں بھی جو ترُووڈُتورائی، ضلع جنوبی ارکاٹ سے ملا ہے، یہی تمہید دی گئی ہے لیکن حکمران کا ذکر راج کیسری اور چکرورتن کے القاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر یہ کتبے اصلی ہیں تو یا تو پرانتکا اوّل پراکیسری کے زمانے کے ہو سکتے ہیں یا پرانتکا دوم پراکیسری کے عہدِ حکومت کے۔ لیکن ان کتبوں میں راج راجا اوّل سے پہلے کے دیگر چولا راجاؤں کی پرشستیوں کی عدم موجودگی اور ان میں سے دو کتبوں میں راجہ کے نام کے ساتھ تربھووَن چکرورتی کا لقب شامل ہونے کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ ان میں سے تیسرا کتبہ ایک مندر میں ملتا ہے جہاں ویر راجندر سے قبل کے زمانے کا کوئی بھی اور کتبہ موجود نہیں ہے۔ یہ کتبات مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے تاریخی اہمیت کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی اور ممکن ہے کہ یہ بعد کے زمانے کے کسی گمنام چولا راجہ کے ہوں۔

کرشنا شاستری (S II-ii- تمہید-۱۲) کا کہنا ہے "شاید کنّر کرشن (Krishan

(-Kannara) کے تامل کتبوں میں جن برسوں کا ذکر ہے وہ ۹۴۹۵ عیسوی سے شمار کیے گئے ہوں۔" اسی صفحے پر ہی وہ تسلیم کرتا ہے کہ کرشن کا انتقال شاکا سمت ۸۸۹ یعنی ۹۶۷ عیسوی میں ہوا۔ اس نے اس امر کی وضاحت نہیں کی ہے کہ اس تاریخ کے بعد بھی اس کے کتبوں میں اس کا نام اور اس کے سالہائے حکومت کا شمار لگ بھگ ۹۷۷ عیسوی تک کیوں چلتا رہا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ۹۴۹/۶ کرشن کے تونڈائی منڈلم میں داخل ہونے کا سال نہیں تھا، بلکہ اس سے اگلا برس تھا۔ تو پھر اس کے تامل کتبوں کے لیے اسی سال کو سالِ آغاز کیوں مانا گیا ہے۔ تامل کتبوں میں سب سے آخری سالِ حکومت جو درج ہے وہ تیسواں نہیں ہے جو ابھی تک مانا جاتا رہا ہے بلکہ اٹھائیسواں ہے (۱۹۰۲ کا ۳۶۴ : ۱۹۲۱:۲۱ کا نمبر ۱۵۹)۔ ۱۹۰۲- کے نمبر ۲۳۲ (کیلور) میں دی ہوئی تاریخ اب ۲۰ پڑھی جاتی ہے نہ کہ ۳۰ جیسی کہ ARE ۔۱۹۳۰- میں دی ہوئی ہے۔ SII-vii-۸۵۹

۳ لیکن دیکھئے پرندور (Parandur) سے ملے ہوئے پندرھویں سال کے ایک کتبے پر تحریر صفحہ ۱۵۰ (Part)

۴ دیکھئے SII-iii-۱۳۵، ۱۳۸

۵ راج راجا اوّل کے چھٹے سالِ حکومت کا ۱۹۱۸ کا کتبہ نمبر ۴۴۴۔ پھر ۱۹۲۶-۲۷ کا نمبر ۲۵۲، ممودی چولا گندھر آدتیہ کا براہِ راست ریکارڈ ہے۔

۶۔ SII-iii-111-112۔

۷۔ کرشنا شاستری کا کہنا ہے۔ "آلوار کا لقب ایک احترام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوسکتا ہے کہ اس وقت موصوف فوت ہوچکا تھا۔" آگے وہ کہتا ہے کہ "اگر اری کل کیسری۔ اری کیسری، ارنجیا اور ارندما، جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے، گندھر آدتیہ کے آٹھویں سال حکومت سے پہلے پہلے وفات پا گئے تو اگلا حکمران ضروری طور پر اری کل کیسری کا بیٹا ہونا چاہیے تھا، جو انبل (Anbil) کی تختیوں کے قول کے مطابق شہزادی ویدمبا (Vaidamba) کے بطن سے پیدا ہونے والا شہزادہ سندر چولا تھا (SII-iii۔ تمہید، صفحہ ۱۴)۔ لیکن اری کل کیسری اور ارنجیا کو اگرچہ ایک ہی شخص قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ

وہ گندھر آدتیہ سے پہلے مرگیا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ راج راجا کے بہت سے کتبوں میں اس کی بڑی بہن کندوئی (   ) کو بھی اس کے زمانۂ حیات ہی میں آلوار کہا گیا ہے۔ مزید یہ دیکھ کر کہ گندھر آدتیہ اور سندر چولا جو اس کے جانشین ہوئے دونوں راج کیسری تھے۔ کرشن شاستری یہ رائے ظاہر کرتا ہے (ایضاً۔ حاشیہ نمبر ۲) کہ بیچ کے وقفے میں حکومت کرنے والا پر اکیسری راجہ یقیناً گندھر آدتیہ کا کم سن بیٹا ہوگا جو اگرچہ جانشینی کے لیے چُنا گیا ہوگا لیکن " وہ اس وقت اتنا کم سن ہوگا کہ اپنے والد کی جگہ تخت نشیں نہیں ہو سکا ہوگا " یہ رائے بڑی ذہانت سے بھری ہوئی ہے لیکن قرین قیاس نہیں ہے۔ مزید دیکھیے EI - V X - صفحہ ۵۳ جہاں گوپی ناتھ راؤ بھی اسی ترتیب و تسلسل کو دوہراتا ہے اگرچہ وہ ارنجیئہ کو بیچ سے نکال دیتا ہے اور گندھر آدتیہ کو پر اکیسری قرار دیتا ہے جو اپنے بڑے بھائی راجادتیہ راج کیسری کے بعد تخت نشیں ہوا تھا۔

۸ ۱۹۲۰ کا ۵۸۷

9 ۱۸۸۹ کا نمبر ۸۳-۸۴-۸۶

۱۰ گوپی ناتھ راؤ کا خیال ہے کہ یہ سندر چولا تھا۔ EI - V X - صفحہ ۵۴۔ دوسرے علما کہتے ہیں کہ یہ گندھر آدتیہ تھا۔ X V II - SI I - صفحہ ۱۹۵۔ مزید دیکھیے ARE - 1921-II-۶۱

۱۱ SII-iii - صفحہ ۲۱۵ - حاشیہ ۴

۱۲ سی ویل (   ) کی کتاب صفحہ ۱۴۵

۱۳ گورُو پر مپرائی (صفحات ۵-۱۰۵-۶ (مؤلفہ ایس کرشنچاری ۱۹۲۷ء)

۱۴ ۶۷-۶۸۔ اس کے خلاف دیکھیے کیلہارن کی فہرست صفحہ ۱۱۵، حاشیہ ۲ جو تروو النگاڈو کی تختیاں دریافت ہونے سے پہلے مرتّب کی گئی تھی۔

۱۵ ARE-۱۹۰۴-II، ۲۰ : ۱۹۰۹ II ۳۹

۱۶ SII iii - تمہید - صفحہ ۱۴ : اور ASI ، ۱۹۰۸ - ۹ صفحہ ۱۲۲ - نیز ملاحظہ ہو ARE - 1912 ‏۱۱-۱۷

۱۹۰۸ : ۹- ۱۹۰۸ صفحہ ۱۲۲

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۲-۱۹۱۲، ۷-۱۹۱۱ میں ۱۹۱۱ کے نمبر ۲۰۶ کے حوالے سے اس موضوع پر بہت محتاط طریقے سے بحث کی گئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ "مدورائی کونڈا" کے لقب کا مفہوم ہی یہی ہے کہ یہ راجہ پرانتکا کا بیٹا تھا۔ دوسری طرف یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ گندھر آدتیہ کو کہیں بھی صاف طور پر راج کیسری نہیں کہا گیا ہے اور یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اس راجہ کے سترہ برسوں کو گندھر آدتیہ کا زمانۂ حکومت کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ تین حکمرانوں کے دور کی مدت ملا کر کُل بیس برس ہوتی ہے۔ یہ حکمران گندھر آدتیہ، سندر چولا پرانتکا دوم اور آدتیہ دوم کریکال ہیں۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ "بہرصورت ہم عارضی طور پر یہ مان لیتے ہیں کہ مدورائی کونڈا راج کیسری اصل میں گندھر آدتیہ ہی تھا۔" اسی نتیجے کی بنا پر کرشن شاستری نے حصہ سوم کے کتبات کو ترتیب دی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۵۰۔ نمبر ۱۱۴۔ تمہید اور حاشیہ نمبر ۴۔

۱۹ - ۱۹۰۹ ۳۹

۲۰ - ۱۹۰۷ کا ۱۲۹، ۸۲

۲۱ - ۱۹۰۸ کا نمبر ۲۹۱، صفحات ۱۲۱ - ۱۲۶

۲۲ - - - ۱۱۵ (۱۹۱۲ کا ۲۴۶)

۲۳ - تمہید، صفحہ ۱۴

۲۴ - ۱۹۰۸ کا ۲۹۱

۲۵ ایک مصنف (صفحہ ۱۹۷) نے دعوا کیا ہے کہ وہ بہت سے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتبوں اور کچھ ایسے کتبات کے جو ابھی تک محکمہ کتبات شناسی نے نقل بھی نہیں کیے ہیں، بغور مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ راجہ راج کیسری کے تمام کتبات (جن میں لفظ "راجہ" صرف ایک بار آتا ہے) گندھر آدتیہ سے منسوب کیے جانے چاہئیں کیونکہ راج راجا جس کے ساتھ یہ کتبات منسوب کیے جاتے ہیں، اصل میں خود کو "کو راج راجا راج کیسری" (

کہلواتا تھا۔ (اس نام میں راجا کا لفظ دو بار آتا تھا)۔ ۱۹۰۶ کا نمبر ۷۶ اکتبہ راجہ راج کیسری کے عہد کے ساتویں سال کا ہے اور اس میں اُتم چولا کے پندرھویں سالِ

حکومت کا ذکر کیا گیا ہے۔ مزید دیکھیے ۱۹۰۸ کا نمبر ۲۹۸۔

۲۶ ۔ [illegible]؛ ۶۷۔۶۸، اور ۲۸ بالترتیب

۲۷ تمہید۔ صفحہ ۱۶

۲۸ ۔ ملاحظہ ہو۔ ایضاً صفحہ ۱۴۔ حاشیہ نمبر ۲: صفحہ ۱۶ حاشیہ نمبر ۱

۲۹ ۔ آدتیہ کے کریکال کنن نامی بیٹے کی موجودگی کے امکان کے لیے جس کا حوالہ راج راجا کے کتبوں میں ملتا ہے، دیکھیے صفحہ ۴۶۰۔ اور حاشیہ نمبر ۲

۳۰ ۔ [illegible] ۱۹۲۱ [illegible] ۶۱

۳۱ ۔ [illegible] صفحہ ۱۹۵۔ اس کے خلاف دیکھیے صفحہ ۲۲۳ جس کی تقلید رنگاچاری نے [illegible]۔ ۵۸۶ میں کی ہے

۳۲ ۔ [illegible]۔iii۔ (تمہید) صفحہ ۱۵

۳۳ [illegible]۔iii۔ ۱۸۰

۳۴ [illegible]۔ ii ۔ ۱۸۶

۳۵ [illegible]۔iii۔ ۱۵۸

۳۶ [illegible]۔iii۔ ۱۹۳

۳۷ ۔ ۱۹۲۱ کا صفحہ ۱۷

۳۸ ۔ تاہم پرندوُر ([illegible]) کے کتبے کے لیے ملاحظہ ہو

۳۹ ۔ [illegible] ۔ صفحات ۸۲۔۸۴۔ اے ایس رام ناتھ آئر مرحوم نے اپنی حالیہ تحقیق کی روشنی میں اس تاریخ وار ترتیب کو عام طور پر درست قرار دیا ہے جو یہاں پہلی مرتبہ بیان کی گئی ہے۔ پھر بھی اس کے متعلق خیالات میں ہنوز انتشار موجود ہے۔ رام ناتھ آئر خود کہتے ہیں کہ چونکہ سندر چولا کو اس کے ساتویں سالِ حکومت کے ایک کتبے میں "پانڈیا ناچ چرم اِرکنا کا لقب دیا گیا ہے لہٰذا ویر پانڈیا سے اس کی لڑائی ۹۴۶ء کے لگ بھگ ہوئی ہوگی۔ اسی دلیل کو وہ آدتیہ دوم کی تخت نشینی کی تاریخ ۹۵۶ء اور ویر پانڈیا کی تاجپوشی کی تاریخ ۹۳۷ء دونوں کی تردید کی بنیاد بناتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ" اس

سے ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے مثلاً یہ کہ آدتیہ نے ۹۵۷ء میں ویر پانڈیا کو ہلاک کیا اور یہ کہ اس کے پیش رو سندر چولا نے اسے ۹۶۳ء میں شکست دی تھی"۔ ایم وینکٹا راؤ نے بھی اس کا حوالہ دیتے ہوئے اس کے قول پر صاد کیا ہے صفحات ۳۶-۳۷، صفحات ۸۹--۹۰)۔ تاہم اسے غلط قرار دی ہوئی تاریخ کے صحیح ہونے کا امکان نظر آتا ہے۔

اسی موضوع پر وی۔ وینکٹا سبا آئر نے یہ مزید دلیل دی ہے کہ چونکہ ایک جاگیردار نے ۹۵۹ء کے اپنے ایک کتبے میں اپنے کسی آقا کا ذکر نہیں کیا اور ایک دوسرے کتبے میں جو آدتیہ دوم کے دوسرے سال حکومت کا ہے، اس نے آدتیہ دوم کی برتری کو تسلیم کیا ہے، اس لیے آدتیہ کا دوسرا سال حکومت ۹۵۹ء کے بعد ہوگا۔ ان حالات میں اس کی تاجپوشی کی تاریخ ۹۵۶ء نہیں ہو سکتی اور وہ پارتھی وینندر ورمن نہیں ہو سکتا۔

صفحہ ۹۶۹)۔ لوگوں کے لیے اپنے ہی "ابھی نویشوں" کا غلام بن جانا کس قدر آسان ہے۔

۴۰ - ۱۹۲۲ کا ۷۵، ۱۸۸۹ کے نمبر ۴۲، ۴۳، ۶۳ صفحہ ۲۹۱-۹۲) بعد کے ہیں اور وہ اغلباً پراکیسری کے کتبے ہیں۔

۴۱ - ۷-۱۹۰ کا ۱۷۶، ۱۹۰۸ کے نمبر ۵۷۰، ۵۷۴ - ۱۱۱-۱۱۲)۔ ۱۹۱۸-کا ۴۴۴ (راج راجا اوّل کے چھٹے سال حکومت کا کتبہ)

۴۱ الف) ۱۹۳۶-۳۷ کا ۲۵۲

۴۲ - کرشنا شاستری ۱۹۱۱ کے ۲۸۷ (- ۱۱۱-۱۱۳) کو سندر چولا کا کتبہ تصور کرنے کی بجائے اسے گندھر آدتیہ اوّل سے منسوب کرتا ہے۔ دیکھیے حاشیہ ۶۲

۴۲ الف) - - ۱۹۳۶-۳۷، ۲۲، ۱۹۰۲ کا ۳۶۲

۴۳ - ۱۹۰۴ کا ۲۰۰ - پرانتکا اوّل کے چالیسویں برس کے ایک کتبے میں، جو ۱۹۲۵-۲۶ کا نمبر ۲۲۰ ہے، ایک اور رانی ویرنا رنیار کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۴ بھجن کی یہ خصوصیات اس بات کو زیادہ قرین قیاس بنا دیتی ہیں کہ اس کا مصنف یہی راجہ تھا نہ کہ راج راجا کا سرکاری افسر مدھرانتکن گنبند را دتار

) جو مندروں کے معاملات کی تحقیقات کرتا ہوا نظر آتا ہے اور جس کے نام سے خیال ہوتا ہے کہ وہ مدھر انتکا اتم چولا کا بیٹا ہوگا۔ اس کے خلاف دیکھیے وینکیا۔ ۔۱۹۰۵-۶، صفحہ ۱۷۳، حاشیہ نمبر ۵

۴۵ ۱۹۲۰ کا ۴۰ ۵

۴۶ ۔ ۱۹۲۰ کا ۵۸۷، ۔ ۱۹۲۱ ۔ ۔ ۲۶

۴۷ ۔ ۱۹۲۸ کے نمبر ۱۶۲، ۱۷۲

۴۸ ۔ دیکھیے ۔ ۱۹۲۸ ۔ ۔ ۳

۴۹ ۔ اگر یہ صحیح ہو تو کرشنا شاستری نے جانشینی کی تاریخوں کی جو نئی ترتیب دی ہے، اس پر ایک مزید اعتراض ہوگا۔

۵۰ ۱۹۲۰ کا ۵۸۷

۵۱ ۔iii ۔ ۱۷

۵۲ ۔ ۱۹۱۱ کا ۲۱۵ ۔ اصل کتبے میں جو تاریخ ۹ کی شکل میں دی ہوئی ہے وہ صاف نمایاں نہیں ہے۔ لیکن یہ ۹ نہیں ہو سکتی۔ ۔ ۱۹۱۲ ۔ ۱۴

۵۳ ۲۵-۲۸

۵۴ ۔ ۱۹۰۸ کا ۳۰۲: کنیا کماری کا کتبہ ۔ ۶۳، اس کے خلاف دیکھیے صفحہ ۱۵۰ میں

این ایل راؤ

۵۵ ۱۸۹۶ کا ۱۱۶، ۔ ۷-۸-۹ (راج راجا اوّل کے ستائیسویں (۲۷) سالِ حکومت کا)۔ میں اس کتبے کے متن میں تاریخیں (۳) غلط دی گئی ہیں۔ ۔ ۱۹۱۴۔ ۔ ۱۵ میں اس تاریخ کو سندر چولا کا نواں سالِ حکومت بتایا گیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ مزید مطالعہ کیجیے ۔ صفحہ ۱۲۴، اور اس کے بعد کے صفحات

۵۶ باب ۵۴ ۔ ۱۲ تا ۱۶

۵۷ لنکا کا شمال مغربی حصہ (جیجبر)۔ کئی بار ولبھ کو راشٹر کوٹا حکمران کرشن سوم شناخت کیا گیا ہے (کاڈرنگٹن کی تصنیف" صفحہ ۵۰) لیکن چولا حکمران "ولو" کہلاتے تھے اور ویسا گری کے کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ حملہ آور تامل تھے۔

دیکھیے کاڈرنگٹن
صفحات ۳۹، ۵۳

۵۸ ـــ ا۔ صفحہ ۲۹، اور اس کے بعد کے صفحات

۵۹ ـــ کے آٹھویں باب میں چولوں کی فتوحات کے تاریخ وار تذکرے اور وقوع کے متعلق بعض ایسے بیانات نظر آتے ہیں جن میں تصحیح کی ضرورت ہے۔ ایک بات کی طرف تو یہاں خاص طور پر توجہ دلانا ضروری ہے۔ ویر پانڈیا نے "جس نے چولا حکمران کا سر کاٹا تھا" یہ لقب تیرہ برس تک اپنے نام کے ساتھ شامل رکھا (ـــ صفحہ ۱۰۲)۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہی ہے کہ ویر پانڈیا نے آدتیہ اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں اپنی جان نہیں گنوائی کیونکہ اگر ہم محض بحث کی خاطر آدتیہ دوم کی تاجپوشی کی مجوزہ سب سے آخری تاریخ ۹۶۵ء کو مان لیں تو ویر پانڈیا اس حساب سے ۹۶۶ء میں ہلاک ہوا ہو گا کیونکہ آدتیہ کے دوسرے سالِ حکومت کے کتبوں میں اس واقعے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس تاریخ سے تیرہ برس پہلے ۹۵۳ یا ۹۵۴ء پڑتا ہے جو راشٹر کوٹا حملے کے بہت جلد بعد کی تاریخ ہے اور اتنی جلد چولوں اور پانڈیوں کے درمیان جنوب میں ایسا تنازعہ نہیں اٹھ سکتا تھا جس نے ویر پانڈیا کو چولا حکمران کا سر کاٹ لینے کا موقعہ دے دیا۔ اگر پارتھی ویندر ورمن اور آدتیہ دونوں ایک ہی شخص کے نام تھے تو اس تنازعے کی تاریخ اور بھی پہلے یعنی ۹۴۴ - ۹۴۵ء تک چلی جائے گی اور یہ ایک ناممکن تاریخ ہے۔

۶۰ ـــ ۱۹۰۷ کا نمبر ۱۲۰، ـــ ۱۱۴ (متن)

۶۱ ـــ ۱۹۰۳ کا ۲۷۳، ـــ ۱۹۰۸ ـــ ۹۰

۶۲ ـــ iii ۔ ۱۱۳ : کرشنا شاستری اس کتبے کو اس بنا پر گندر آدتیہ سے منسوب کرتا ہے کہ وکرم پر اکیسری کا زمانۂ قدیم دستاویز شناسی کی بنا پر آدتیہ دوم سے پہلے پڑتا ہے جس سے وینکیا نے اس کتبے کو منسوب کیا ہے۔ میرے خیال میں وینکیا کی رائے درست تھی۔ دلائل جن کی بنیاد دستاویز شناسی پر ہوتی ہے مشکل سے فیصلہ کن ہوتے ہیں بلکہ وقت کا فرق اتنا کم ہو جتنا گندر آدتیہ اور آدتیہ دوم کے عہد کے درمیان ہے۔ دیکھیے ـــ صفحہ ۱ اور اس کے بعد کے صفحات

۶۳ کے وی سبرامنیا آئر جس نے اس کتبے (- صفحہ ۵۳) کو تالیف کیا ہے،
اسے آدتیہ اوّل سے منسوب کرتا ہے (ایضاً صفحات ۴۷ - ۴۸) اور کہتا ہے کہ
اس کی تاریخ ۸۸۳-۸۴ ۶۸۴ کے مطابق ہوتی ہے ۔ وہ ورگنا کو پرانتکا النگو ویلار
کی ملکہ قرار دیتا ہے اور اس کو وکرم کیسری قرار دیتا ہے، لیکن ان مسائل پر کوئی
بحث نہیں کرتا جو کوڑمبالور کے وکرم کیسری کتبات سے پیدا ہوتے ہیں ۔

۶۴ کڈومیامالائی سے دستیاب شدہ پرا کیسری کے چھٹے سال حکومت کے ایک
کتبے (۱۹۰۴ کے نمبر ۳۳۷) میں شیمبئن ارُد کو ویلار ۔
کی مہارانی ورگنا ناٹی پیرومانار ۔(
کا ذکر آیا ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ یہ وکرم کیسری کا ایک اور نام تھا ۔
- ۱۹۰۸ - ۹۰ ،) - لیکن اس کتبے میں مذکور ورگنا ناٹی ، مترئیار خاندان
کے ایک سردار کی بیٹی تھی (- ۴۵ - متن) اور چولا شہزادی سے جس کا ذکر
اوپر آیا ہے، مختلف تھی ۔ لہٰذا اگر ہمارا یہ نظریہ صحیح ہے کہ پرانتکا النگو ویلار نے
چولا شہزادی سے شادی کی تھی تو شیمبئن ارد کو ویل اور پرانتکا النگو ویلار دونوں
ایک ہی شخص نہیں ہو سکتے ۔
یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مترئیا خاتون وکرم کیسری کی مہارانی تھی اور چولا شہزادی
کا شوہر پرانتکا النگو ویلار دراصل وکرم کیسری کا بڑا بیٹا تھا ۔ اس صورت میں
پرا کیسری کے چھٹے سال حکومت سے (۱۹۰۴ کا ۳۳۷) پرانتکا اوّل کا چھٹا
سال حکومت مراد ہو سکتا ہے جو ویرپانڈیا کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں
سے لگ بھگ ۲۵ برس پہلے آتا ہے جن میں وکرم کیسری نے حصہ لیا تھا ۔ یہ بہتر
معلوم ہوتا ہے کہ شیمبئن ارُد کو ئیل اور اس مترئیا بیوی کو ایسے افراد سمجھا جائے
جن کا ذکر کوڑمبالور کے کتبے میں دیئے گئے شجرۂ نسب میں شامل نہیں ہو سکا
" ارد کو ئیلوں " کے کچھ دوسرے ناموں کا ذکر بھی کیا گیا ہے مثلاً مدھرانتکا
ارد کو ئیل اور مہی بالیا ارُد کو ئیل ۔ یہ نام بڑ وکوڑ کے کتبوں میں آتے ہیں
جن کے لیے کوڑمبالور کے شجرۂ نسب میں گنجائش نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ
مدھرانتکا ارد کو ئیل جو ۱۹۰۴ کے نمبر ۳۳۵ ، ۳۳۶ (- ۴۳ - اور ۶۵)

میں مذکور ہے' اور جو آدتن (آچن) وکرم کیسری کے نام سے بھی موسوم تھا' راجا آدتیہ اوّل اور اس کے بیٹے پرانتکا اوّل دونوں کا ہم عصر رہا ہو۔

۶۵ دیکھیے حاشیہ نمبر ۶۲ سے پہلے کا حصّہ

۶۶ ملاحظہ ہو ... - ااا - صفحہ ۲۸۸' اور حاشیہ نمبر ۵' ۱۹۲۳-۲۴ کا نمبر ۱۸ (سترھواں سالِ حکومت کا کتبہ) چنتامنی، ضلع چنگل پٹ سے ملا ہے۔ نیز غالباً ۱۹۲۴-۲۵ کا نمبر ۲۱ (راج کیسری ۱۷) جو اسی ضلع سے کیرپاکم سے دستیاب ہوا ہے'

۶۷ ترُو والنگاڈو کی تختیاں ... ۶۵-۶۶' نیز ۱۹۰۲ کا نمبر ۲۳۶ (راج راجا اوّل ۲۷)

۶۸ ... - اا - ص ۳۷

۶۹ ترُو والنگاڈو - ... ۵۷

۷۰ ۱۸۹۵ کا ۱۵۹' اا' ۱۲۷-۳۲

۷۱ صفحات ۲-۱۰۲-۳' یاپو ... - اا

۷۲ ۱۹۲۰ کا ۵۷۷' صفحہ ۱۶۵

۷۳ ... ۶۸-۶۹' یہاں جو اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس کے لغوی معنی ہیں "غروب ہونا" (استم گتواں)' جو اس کے نام آدتیہ کی ہنسی اڑانے کی کوشش ہے۔ اس کی قبل از وقت وفات کے متعلق اشارہ "جنّت کی زیارت کرنے کی اس کی خواہش" والے جُملے میں پایا جاتا ہے۔

۷۴ اس کے خلاف دیکھیے کے وی ایس آئر کی تصنیف صفحہ ۲۴۲ اُتّم چولا اور اس کے بیٹے کی عمروں کے متعلق جن مشکلات کی جانب آئر نے توجّہ دلائی ہے وہ اتنی سنگین نہیں ہیں جتنی اس نے ان کو بنا دیا ہے۔ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ گندھر آدتیہ ۹۵۷ء میں فوت ہوا اور اس وقت اُتّم ۱۲ برس کا تھا۔ نیز یہ کہ وہ اس وقت تخت نشیں ہوا جب وہ ۹۶۹ء میں ۲۴ برس کا تھا۔ اس وقت اس کا ایک تین سال کا بیٹا بھی تھا جو ۹۸۹ء میں' جب پہلی مرتبہ اس کا ذکر راج راجا کے عہد کے کتبوں میں آنا شروع ہوا' ۲۳ برس کا ہوگا۔ اس حالت میں خیال کیا جا سکتا ہے کہ لیڈن اور ترُو والنگاڈو کی تختیوں کی اس کا نام شامل ہونے سے رہ گیا۔

۷۵ ایلیٹ   صفحہ ۱۳۲، نمبر ۱۵۱، صفحہ ۱۵۲۔
۔۔۲۰، سلسلہ نمبر ۱۵۲-۵۴، بلاشبہ راجندر اوّل کے عہد کے سکّے ہیں۔
۷۶ کاڈرنگٹن کی تصنیف "   " صفحہ ۴۷
۷۷ دیکھیے ۔۔، iii۔ نمبر ۱۲۸۔ کرشنا شاستری کے ان تختیوں کو بہت بہتر طریقے سے
شائع کرنے کے بعد ٹی اے گوپی ناتھ راؤ کے ۱۹۲۵ء میں شائع کردہ مقالے
۔ جلد ۴۵۔ صفحہ ۱۶ اور اس کے بعد کے صفحات) جو نیگیٹو تختیوں کے ساتھ
چھاپا گیا، اور ۱۹۱۱ء میں شائع کیے گئے ایک اور مقالے کی کوئی ضرورت نہیں
رہ جاتی۔ یہ مقالہ ایک بے بنیاد بیان سے شروع ہوتا ہے کہ ان تختیوں کی
مُہر پانڈیا تاجدار جٹل ورمن کی ہے جس کی ایک دستاویز عجائب گھر میں موجود
ہے" میں نے اس مُہر کا معائنہ کیا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ ۔۔iii۔ تختی صفحہ ۱۰۴
نمبر ۳ کی نقل کے متعلق تو یہ بیان صحیح ہے۔ لیکن یہ مُہر راجندر کی ترُووالنگاڈو
کی تختیوں پر ثبت شدہ مُہر سے ہو بہو ملتی جُلتی ہے (۔۔iii۔ میں صفحہ ۴۱۲ کے
مقابل کی تختی دیکھیے)

کرشنا شاستری کا دعوا ہے کہ پراکیسری ورمن جس کے بائیسویں سال حکومت
کے ایک کتبے (شِلالیکھی) کا حوالہ ۱۱-۲۸-۲۹ میں دیا گیا ہے دراصل وجیالیہ
تھا (" ۔iii۔ صفحہ ۲۶۷۔ اور حاشیہ ۲) اور یہ کہ" ہمارے فرمان عطیہ میں مندرج
یہ بیان کہ اس کے بائیسویں سال کے ایک حجری کتبے کے ذریعے کچی پیڈو
کے مندر کی ایک مستقل آمدنی مقرر کر دی گئی تھی، اس
امر کا بیّن ثبوت ہے کہ اگرچہ وجیالیہ نئے شاہی خاندان کا پہلا تاجدار تھا
لیکن اس کا دورِ حکومت اپنے طاقتور جانشینوں کے عہد کی طرح طویل، پُرامن
اور خوشحال تھا۔ اس رائے کو اس حقیقت سے اور بھی تقویت ملتی ہے کہ نمبر ا۔
۹۶ میں یہ جملہ صاف طور پر آیا ہے" مدورائیم الم کونڈ پراکیسری"
جس سے قدرتی طور پر ہم اس
نتیجے پر پہنچیں گے کہ ۱۱، ۲۸-۲۹ میں مذکور پراکیسری کوئی دوسرا راجہ تھا۔
تاہم ۱۱، ۲۷-۳۷ میں پراکیسری (سولھویں سال کا) ایک اور حوالہ ملتا ہے

جسے خود کرشنا شاستری اتم چولا کے متعلق تصور کرتا ہے لیکن یہ رائے بھی قائم کی جا سکتی ہے کہ ۱۱' ۲۷تا ۹۸ نمبر کے کتبوں میں ایک مسلسل حکم کا اندراج کیا گیہ ہے جس کی رُو سے پرانتکا اوّل کے اٹھارہویں سالِ حکومت میں کچی پیڈو شہر کی بلدیہ نے ان تمام اخراجات کو منضبط کر دیا جو پراکیسری کے سولہویں سالِ حکومت کے دوران منظور شدہ اوقاف سے پورے کیے جاتے تھے۔ اگر اس نظریے کو تسلیم کر لیا جائے تو کتبہ ۱-۲۷ میں مذکور شخص پراکیسری اُتم نہیں ہوگا بلکہ پرانتکا اوّل ہوگا اور ۱۱' ۲۸-۲۹ کے متعلق بھی یہی بات سچ ہوگی۔ ۱' ۱۲ میں تو اتم چولا کا ذکر پراکیسری لقب کا حوالہ ۱' ۲۷ میں آیا ہے۔ موخر الذکر کتبے کو اتم چولا سے منسوب کرتے ہوئے کرشنا شاستری یہ مانتا ہے کہ ایک ہی کتبے میں ایک ہی راجہ کا ذکر دو پیرایوں میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو یہ نتیجہ نکالنا آسان ہوگا کہ ۱۱' ۲۸-۲۹' اور ۲۷ میں مذکور پراکیسری وہی شخص ہے جس کا ذکر ۱' ۹۶ میں "مدورائیم الم کونڈا پراکیسری" کے نام سے کیا گیا ہے اور اس کے بجائے ان میں سے ایک کو وجیالیہ اور دوسرے کو اتم چولا سمجھنا صحیح نہیں ہوگا۔ میں اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ کریکال تیری کا بھی یہ نام اُتنا ہی راجہ آدتیہ دوم کریکال کے ساتھ اس کی وابستگی کے سبب پڑا ہوگا جتنا کہ قدیم چولا راجہ کریکال۔ نسبت کے باعث (کرشنا شاستری۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۶۸)

۷۸ ۱۹۲۹ کا ۱۶۵-۶۷

۷۹ "ترودشائے منگئی"، پر اس کے تصنیف کردہ "دیورم" کی ۳-

۸۰ ۸- ایضاً

۸۱ ۱۹۲۹ کا نمبر ۱۶۴' ۱۹۲۹ ۲۹

۸۲ ۱۹۲۹ کا ۱۶۸' اور ۱۸۴

۸۳ ۱۹۲۵ کا ۴۹۴ (بارہواں سال)

۸۴ ۱۹۲۵ کا ۱۶۵' اور ۴۸۸

۸۵ iii - نمبر ۴۹' -۱۹۰۴ (پیراگراف ۲۰) حاشیہ نمبر ۴۷

سے پہلے

۸۶ ۱۹۰۵ کا نمبر ۔

۸۷ اگرچہ ہم اس کے متعلق یقینی طور پہ کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن پانڈرین شہزادی کے نام سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ کنٹرڈ کی تھی۔

نواں باب

آج راجائے اعظم (سنہ 985ء سے سنہ 1014ء تک)

تخت نشینی

اپنے عہدِ حکومت کے ابتدائی سالوں میں راج کیسری آرو مولی ورمن کہلانے والا یہ راجہ ولی عہد کی حیثیت سے ایک طویل مدت تک عملی تربیت حاصل کرنے کے لئے 25 جون سنہ 985ء کے فوراً بعد کے مہینے کے کسی دن تخت نشین ہوا۔ وہ مہارانی وان وَن مہادیوی کے بطن سے پیدا ہونے والے مہاراجہ پرانتکا دوم سندر چولا کا بیٹا تھا۔ تیروَ والنگاڈو کی تانبے کی تختیوں میں اس کی ولادت کے موقعہ پر منائی جانے والی خوشیوں کا خصوصی ذکر آیا ہے۔ اس کا طالع ولادت رت بھکھا تھا جیسا کہ ہمیں ان کتبات سے پتہ چلتا ہے جن میں اس کی سالگرہوں پر مندروں میں چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کے عطیہ جات کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک عظیم دورِ حکومت

راآج راجا کی تخت نشینی سے چولا خاندان کی عظمت و احتشام کی صدی کا آغاز ہوتا ہے بلاشبہ راآج راجا اوّل کی ذاتی قابلیت ہی سے اس کے بیٹے اور جانشین راجندر اوّل کے شاندار کارناموں کی داغ بیل پڑی کیونکہ اوّل الذکر کئی اعتبار سے وجیالہ نسل کے عظیم چولا حکمرانوں میں سے عظیم ترین حکمران ہوا ہے۔ راجندر اوّل کے تحت چولا سلطنت کو غیر معمولی وسعت حاصل ہوئی اور اس کی فوجی طاقت نے سمندر

پار کے علاقوں کو بھی فتح کرلیا۔ چولا حکمرانوں کی تاریخ میں راج راجا کی حکومت کے تیس برس ایک تشکیلی دور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انتظامیہ اور افواج کی تنظیم میں فنونِ لطیفہ اور فنِ تعمیر میں مذہب اور لٹریچر کی ترقی میں ہمیں جو نئی طاقتیں بروئے کار نظر آتی ہیں وہ اس عہد کے ترقی پذیر سامراج کی دین تھیں۔ راج راجا کی تاج پوشی کے وقت چولا ریاست مقابلتاً ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو راشٹر کٹوں کے حملے کی تباہ کاریوں سے ابھی بمشکل سنبھلی تھی لیکن راج راجا کے عہد کے اختتام تک یہی ریاست ایک وسیع اور مستحکم سلطنت کی شکل اختیار کرچکی تھی جس کا بہترین نظم ونسق تھا جس کے قدرتی ذرائع وافر تھے اور جس کی ایک مستقل اور طاقت ور فوج تھی جو آزمودہ کار تھی اور بڑی سے بڑی مہم انجام دے سکتی تھی۔ اس عظیم راجہ کے کارناموں سے بڑھ کر اس کی شخصیت رہی ہوگی لیکن اس کے متعلق کوئی معتبر بیان ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ کسی بھی عینی شاہد نے راج راجا کی وہ خدمت انجام نہیں دی جو نونز اور پائس نے راجہ کرشن دیو رائے کی ہے۔ راج راجا کی کوئی مصدقہ مورتی یا قلمی تصویر بھی ہمارے ہاتھوں تک نہیں پہنچی۔ تاہم اس کے عہدِ حکومت کے متعلق جو کچھ ہم جانتے ہیں اور وہ کم نہیں ہے۔ اس کی زبردست شخصیت اور اس کی دانش مندی کی توثیق کے لیے کافی ہے۔ اس کی بیدار مغزی کی دسترس سے کوئی چیز باہر نہیں تھی۔ اور اس نے چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کی جانب بھی اتنی ہی توجہ کی جتنی کہ بڑے بڑے سیاسی منصوبوں پر۔ اپنی بہن کندوئی سے اس کا جو محبت وخلوص کا برتاؤ تھا اور اپنی پردادی (اتم چولا کی والدہ) شمبین مہادیوی کو اس نے جو خصوصی عزت و تکریم کا مقام دیا ان سے اس کے ایک دور اندیش حکمران، نیک اور عظیم انسان ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

کیرل کی لڑائی

اپنے عہد اقتدار کے بالکل ابتدائی دنوں میں راج راجا نے ممڈی چولا دیو کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس لقب کے معنی واضح نہیں ہیں۔ اس کی اوّلین فوجی پیش قدمی کیرل ریاست کی مہم میں ہوئی جس کے نتیجہ کا اظہار اس چھوٹے سے جملے "کاندلورشالائی کلمارتا" میں کیا گیا ہے جو اس راجہ کے عہد کے چوتھے برس اور اس کے بعد کے کتبات میں اس کے نام سے پہلے درج ہے اگرچہ یہ لقب سب سے پہلے اس کے عہد کے چوتھے سال میں دیکھنے میں آتا ہے لیکن

کیرل میں یا دیگر پانڈیا علاقوں میں راج راجا کا کوئی کتبہ اس کے عہد کے آٹھویں برس سے قبل کا ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ریاست کی فتح کی تکمیل اور مفتوحہ علاقے میں نظم و نسق قائم کرنے میں چند سال ضرور جنگ کرنی پڑی ہوگی۔

پانڈیا راجاؤں سے جنگ

راج راجا کی "دگ وجے" کا مفصل احوال بیان کرتے ہوئے ترو وانگاڈ دکی تانبے کی تختیوں میں بتایا گیا ہے کہ اس نے جنوب کی سمت سے اپنی فتوحات شروع کیں۔ اس تذکرے میں پانڈیا راجہ امر بھجنگ کی گرفتاری کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

"تب سورج ونشی نسل کے اس زیور کے سپہ سالار نے وِلندا کو تسخیر کرلیا۔ سمندر جس کی خندق تھا اور جس کے قلعے کی وسیع فصیل بلندی پر چمکتی دکھائی دیتی تھی دوسرے بہادروں کے لیئے یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر تھا اور اسے فتح و نصرت کی دیوی کی مستقل اقامت گاہ سمجھا جاتا تھا۔"

اس سے پہلے ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ جنوب کی تینوں ریاستیں پانڈیا، کیرل اور سمہال نے چولوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر رکھا تھا۔ یہ اتحاد راج راجا کے عہد میں بھی قائم تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوب کی سمت راج راجا کی پیش قدمی پانڈیا اور چیرا دونوں ریاستوں کے خلاف کی گئی تھی۔ ان دنوں چیرا راجہ بھاسکر روی و رمن ترُووڑی (سنہ 978ء تا سنہ 1036ء) تھا جس کے کتبات ٹراونکور کے مختلف حصوں سے دستیاب ہوتے ہیں۔

چولوں کا تاریخی تعارف

پلو اور پانڈیا راجہ دھرم شاستروں کی ہدایات پر چلنے والے تھے، اور اپنے عطیات کی تختیوں میں ان کی تفصیل اور موقع کا اندراج کرنے سے پہلے اپنے اسلاف کی مختصر تاریخ کندہ کرواتے تھے۔ لیکن راج راجا پہلا حکمران تھا جس نے اس روایت کی بنا ڈالی کہ چند مخصوص جملوں میں اپنے عہدِ حکومت کے اہم واقعات کی ایک سرکاری یادداشت مرتب کرے جو اس کے حجری کتبات کے تعارف کا کام دے۔ اس رواج کی تقلید تقریباً اس کے ہر جانشین نے کی اور ہم یہ دیکھیں گے کہ اس کے فرزند راجندر اوّل کا یہ "تعارف" جو اس کے عہد کی ابتدا میں مختصر ہوتا تھا، آنے والے سالوں میں طویل ہوتا جاتا ہے اور اس میں بعد

کو پیش آنے والے واقعات کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

راج راجا کے تعارفی کتبات

یہ سرکاری "تاریخی تعارف" جن چولا راجاؤں کے کتبات میں درج ہیں ان کے متعلق تحقیق کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایک ہی راجہ نے ایسے تعارف میں دو یا دو سے زائد طرزِ تحریر اختیار کئے ہیں۔ خود راج راجا اوّل کے کتبات میں کم از کم تین طرح کے اسلوب تحریر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک جو "ترو مگٹ پول" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے، راج راجا کے عہد کے آٹھویں برس سے عام طور سے رائج ہوگیا تھا۔ اس تعارف میں راج راجا کے عہد کی پہلی جنگی مہم کے بارے اگر کوئی ذکر آیا ہے تو وہ یہی جملہ ہے جس کا حوالہ "کاندلور شالئ" کے سلسلے میں پہلے ہی دیا جا چکا ہے بیسویں برس کے ایک کتبے میں درج ہے کہ "راج راجا نے مدورائی شہر کو بالکل اجاڑ دیا، کولم، کول دیشم، اور کوڈنگولور کے مغرور حکمرانوں پر فتح پائی اور سمندر کے حکمران اس کے سامنے حاضر ہوتے تھے۔

جنوبی مہم

راج راجا کی اس جنوبی مہم کے متعلق ایک سوال قدرتی طور پر ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ کیا اس نے پہلے مدورائی اور پانڈیا ریاست کو تسخیر کیا اور ضلع تنّے ویلی سے ہوکر جنوبی درّوں کے راستے کیرل میں داخل ہوا؟ یا اس کی پیش قدمی کا راستہ دوسری طرف سے ہوکر تھا۔ ترو والنگاڈو کی تختیوں اور سب سے آخری تعارف سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مدورائی کی تسخیر اور پانڈیا راجہ امر بھجنگ کی سرکوبی کے واقعات ولی نم اور شالئ کے مستحکم قلعوں پر چڑھائی سے پہلے ہی پیش آچکے تھے لیکن اس عہد کے ابتدائی کتبات میں اور "ترو مگل پول" کے جملے سے شروع ہونے والے تعارف میں محض کاندلور شالئ کا ذکر ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ بات اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ راج راجا کے کتبات تنّے ویلی اور رام ند کے اضلاع کے بمقابلہ جنوبی ٹراونکور میں دو سال پہلے ہی سے دکھائی دینا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ترو والنگاڈو ل تانبے کی تختیوں اور راج راجا کے بعد کے کتبات میں جنوبی ریاستوں پر کئے گئے مختلف حملوں کے واقعات باہم خلط ملط ہو گئے ہوں۔

دو حملے

یہ بات واضح ہے کہ راجِ راجا نے پانڈیا راجہ اور اس کے اتحادی چیرا راجہ کے خلاف ایک سے زیادہ مہمات بھیجیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مہم صرف کولم کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ اپنے تنجور کے کتبات میں راج راجا نے جس مہم میں چیرا اور پانڈیا حکمرانوں کو ملئی ناڈو (پہاڑی خطے) میں شکست دینے کا دعویٰ کیا ہے وہ اس مہم سے مختلف ایک بعد کی مہم تھی جس میں کاندلور اور ولی نم پر حملہ کیا گیا تھا۔

ملئی ناڈو

1008ء سے قبل بھیجی جانے والی اس مہم کا اہم ترین واقعہ ادگئی کے مستحکم قلعے پر یلغار اور اس کی تسخیر تھا۔ ملئی ناڈو یا کڈ ملئی ناڈو جو مغربی کوہستانی علاقہ تھا، موجودہ کورگ کو سمجھنا چاہیئے۔ ادگئی کا قلعہ اس خطے میں کہیں مغربی گھاٹ کے پہاڑوں میں ہوگا یا شاید اس سے کچھ جنوب کی سمت۔ راج راجا کے عہد کے چودھویں اور سولہویں برس کے کتبات میں "کڈ ملئی ناڈو کی تسخیر کا ذکر تو ملتا ہے لیکن ادگئی پر حملے کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ کتبات میں یہ بیان کہ راج راجا نے پانڈیا خاندان کو اس کی شان و شوکت سے محروم کر دیا جبکہ ان کی شہرت و عظمت اپنے عروج پر تھی اظاہر کرتا ہے کہ اس قلعے کی تسخیر پہلی لڑائی میں نہیں ہوسکی ہوگی۔ "کلنگتو پرانی" میں اس راجہ کے ذکر میں صرف ادگئی کی فتح اور چیرا ریاست میں اس کے 'شدایئم' نامی ایک تہوار کا رواج ڈالنے کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اپنے تینوں ہی "اُلاؤں" میں شاعر اوٹا کوتن کہتا ہے کہ راج راجا کا عظیم کارنامہ اپنے سفیر کی خاطر "اٹھارہ جنگلوں" کو عبور کرنا اور ادگئی کو نذر آتش کرنا تھا۔ اس کی کوئی قابل اطمینان وجہ نہیں بتا سکتے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس یلغار کی فوری وجہ راجہ کے فرستادہ سفیر کی توہین تھی۔

ایک چولا جرنیل — ؟ راجندر

وہ چولا جرنیل جس نے مغربی مہمات میں شہرت و انتیاز حاصل کیا غالباً خود ولی عہد شہزادہ راجندر ہی تھا۔ بعد میں اسے ونگی اور گنگ منڈلو کا مہادنڈ نایک بنا دیا گیا تھا اسے "پنچ و نمارا"، کا خطاب بھی حاصل تھا۔ "موڈی چولا"، کے اسس نرہا تھی (جس نام سے وہ مشہور تھا) نے چیروں سے "تلووا" اور کونکن کے علاقے چھین لئے۔ ملے آل (ملابار) پر قبضہ جمالیا اور چیروں ہی کو نہیں بلکہ ان کے ساتھ تیلنگا اور رٹیگا کو بھی پرے دھکیل

دیا۔ گنگ منڈلوں میں اعلیٰ فوجی افسر کی حیثیت سے اس نے اس شاہی فرمان کی تعمیل کی جس کی رُو سے مالوتی (کورگ) کا گاؤں اور "کھشتری شکھامنی کونگالوا" کا خطاب منّی جا کو عطا کیا گیا تھا۔ یہ اعزاز اس شجاعت کے اعتراف میں تھا جو اس نے غالباً کنگالوا حکمرانوں کے خلاف جنگ میں دکھائی تھی۔ کنگالوا ایک چھوٹا سا مقامی حکمرانوں خاندان تھا۔ بہرکیف یہ کونگالوا نسل کا آغاز تھا جس نے قریباً ایک صدی تک ایک چھوٹی سی ریاست پر چولوں کے اطاعت گزار کے طور پر حکومت کی۔ اُن کا وجود چولا حکمرانوں کا مرہون منّت تھا اس لیئے جب ہوئسالہ خاندان کے عروج کے بعد اس خطے سے چولوں کا اخراج ہوا تو کونگالو خاندان کا بھی نام و نشان مٹ گیا۔

لنکا

"ترومگل" کے تعارف میں پہلے ہی سے ایلم (لنکا) کو راج راجا کی فتوحات میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ تعارف ۹۹۳ء میں لکھا گیا تھا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ راجہ نے ایلمنڈلم پر بھی اپنا تسلّط جما لیا جو کہ "آٹھوں جانب" مشہور و خونخوار سنگا خاندان کے زیر نگیں تھا۔ اپنے عہد کے انتیسویں برس (۱۰۱۴ء) میں راج راجا نے لنکا کے متعدد گاؤں مختلف مقاصد کے لیے تنجور کے ایک مندر کو وقف کیئے جو اس نے خود تعمیر کروایا تھا۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں میں لنکا پر کیے گیے حملے کا مندرجہ ذیل دلچسپ بیان ملتا ہے۔

" رام نے بندروں کی مدد سے سمندر کے اوپر ایک پُل تعمیر کیا اور تب کہیں بہت دشواری سے اس نے لنکا کے حکمران کو اپنے تیز نوکوں والے تیروں کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا۔ لیکن یہ راجہ تو رام پر بھی سبقت لے گیا۔ اس کی طاقتور فوج جہازوں کے ذریعے سمندر پار کر گئی اور لنکا کے حکمران کو نذر آتش کر دیا۔"

لنکا کے خلاف راج راجا کی یہ بحری مہم مہندا پنجم کے عہد حکومت میں بھیجی گئی ہوگی جو ۹۸۱ء میں لنکا کے تخت پر بیٹھا تھا اور جب راج راجا کے فرزند اور جانشین راجندر اوّل نے اس جزیرے پر حملہ کیا اس وقت بھی وہاں اسی کی حکومت تھی۔ لیکن "مہاوامسا" میں راج راجا کے حملے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، غالباً اس لیے کہ مہندا کے عہدِ حکومت کے تاریخی واقعات کا واضح نقشہ اس کی حکومت کے دسویں سال ۹۹۱ء کے بعد اس انقلاب کے باعث نہیں ملتا جس کے نتیجے میں

ملک بھر میں کیرالا اور کرناٹا کے کچھ پیشہ ور فوجی برسرِ اقتدار آ گئے تھے۔ اس میں فوجی بغاوت کا انجام یہ ہوا کہ مہندا کو لنکا کے جنوب مشرق میں دشوار گزار جنگلوں میں پناہ لینی پڑی جو "روہنا" کہلاتے تھے اور راج راجا کو بہت اچھا موقعہ ہاتھ آیا اور اس نے شمالی لنکا پر قبضہ کر لیا۔ یہ علاقہ چولا سلطنت کا ایک صوبہ یا منڈلم بن گیا جس کا نام ممو ڈی شولا منڈلم پڑ گیا۔

چولا کی فتح کے اثرات

چولوں کے حملے کا ایک دیرپا اثر ضرور ہوا کہ انورادھاپور کو جو ہزار برس سے لنکا کا دارالسلطنت تھا، راج راجا کی فوج نے بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ پولونرووا جو اس قدیم دارالخلافے کی ایک فوجی چھاؤنی تھی۔ جیساکہ اس کے دوسرے نام کندا ورُنوزا (پڑاؤ کا شہر) سے پتہ چلتا ہے۔ اب لنکا میں چولوں کی راجدھانی بن گئی۔ اس سے پہلے کے تامل تاجداروں نے تو ہمیشہ صرف راج راٹھ کو اپنے زیرِ نگیں لانے کے لیے لنکا پر حملے کیے تھے، لیکن اب چولا راجگان پورے جزیرے کے مالک بننے پر تُلے ہوئے تھے۔ اُن کا یہی ارادہ ان کے نئے دارالسلطنت کے انتخاب کا باعث ہوا۔ انورادھاپور میں چولوں کی حکومت کا عملی طور پر کوئی نشان نہیں ملتا۔ جب سنہال خاندان کی حکومت راجہ وجے باہو اوّل کے تحت بحال ہوئی تو اس نے انورادھاپور میں اپنی تاج پوشی کی لیکن دارالخلافہ پولونرووا ہی میں برقرار رکھا کیونکہ یہ مرکزی مقام تھا اور یہاں سے روہنا کے سرکش صوبے کو قابو میں رکھنا زیادہ آسان تھا۔ راج راجا نے اپنے عہدِ حکومت کے وسط میں جب ایک نیا لقب اختیار کیا تو پولونرووا کا نام بھی بدل کر جن ناتھ منگلم رکھ دیا گیا۔

لنکا میں چولوں کے مندر

راج راجا کے کتبات لنکا میں پائے گئے ہیں۔ غالباً راج راجا نے لنکا کی تسخیر کی یادگار میں پولونرووا میں شِو کا پتھر کا ایک مندر تعمیر کروایا۔ "سنگلاخ پتھر اور چونے سے بنا ہوا" یہ خوبصورت اور چھوٹا "شِو دیوالیہ جو پولونرووا کے قدیم شہر کی چار دیواری کے اندر واقع ہے۔ لنکا میں ہندوؤں کے ان معدودے چند آثار قدیمہ میں سے ایک ہے جو اب تک اچھی حالت میں ہیں اور اس کا طرزِ تعمیر اسے پہلی نظر ہی میں جنوبی ہند کے ان مندروں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے جو دسویں سے بارہویں صدی عیسوی تک تعمیر کیے گئے ہیں اور جن کی ایک بہترین مثال تنجور کا عظیم مندر ہے۔ اس مندر کا سب سے قدیم

کتبہ راجندر اوّل کے ابتدائی عہدِ حکومت کا ہے۔ چولا ریاست سے آئے ہوئے ایک افسر مسمیّ تالی کمارن نے مہاتنھ (منٹوٹا) کے مقام پر راج راجیشور نام کا ایک اور مندر تعمیر کیا جس کا دوسرا نام راج راجا پورہ بھی تھا۔ اس نے اس نئے مندر کے لیے اوقاف قائم کیے

دیگر فتوحات

اب ہم دوسرے اطراف یعنی گنگ پاڈی، نولمب باڈی اور تڈیگائی پاڈی میں راج راجا کی فتوحات کا ذکر کریں گے۔ جو ریاست میسور کا حصہ تھے اور راج راجا کے عہد ہی میں چولا ریاست کے حصے بن گئے تھے۔ اس راجہ کے ایک کتبے کے تعارف میں درج ہے کہ ریاست میسور کی تسخیر شالئ کو فتح کرنے کے فوراً بعد اور وینگی میں مشرقی چالوکیہ خاندان پر یورش سے پہلے عمل میں آئی۔

ریاست گنگا

شالئ میں فتح حاصل کرنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ تٹا پاڈی (تڈیگائی پاڈی) نلئ کا ڈو، نولمب پاڈی اور پرودی گنگر ولنا ڈو میں راج راجا کو کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ نولمبا خاندان اور گنگا خاندان کے خلاف یہ مہم جس کا ذکر سب سے پہلے راج راجا کے عہد کے آٹھویں اور نویں برس میں ملتا ہے۔ گو اس کے عہد کے چھٹے برس (۹۹۱ء) میں ختم نہ ہوئی ہو، پھر بھی بہت آگے بڑھ چکی تھی کیونکہ ریاست میسور میں ہمیں چولی نارائن کا جو غالباً راج راجا اوّل ہی کا دوسرا نام ہے، اسی سال (شاکا سمہ ۹۱۳) کا ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے۔ راج کیسری یعنی راج راجا اوّل کے عہد کے ساتویں سال میں گنگر سانرا میں کولار کے رہنے والے ایک سرکاری افسر نے جس کا نام بھی گنگا خاندان کے لوگوں کا ایسا تھا ضلع جنوبی ارکاٹ میں ایک وقف کیا۔ یہ فتح اس لیے اور آسان ہوگئی کہ چولوں نے کونگو ریاست پر کبھی اپنا اقتدار کھویا نہیں تھا اور اگر کبھی وہ اس سے محروم بھی ہوئے تو انہوں نے کرشن سوم کے حملے سے جو ابتری پھیلی تھی اس کا فائدہ اٹھا کر اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ راج راجا نے کہیں بھی کونگو کے علاقے کو فتح کرنے کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور وہ اپنے عہد حکومت کے آغاز ہی میں اس خطے پر قابض تھا۔ تروچن گوڈ میں کچھ تانبے کی تختیاں ملی ہیں جن میں راج کیسری ورمن کے عہد اقتدار کے پانچویں برس کے ایک عطیئے کا اندراج موجود ہے۔ یہ تختیاں راج راجا اوّل سے متعلق سمجھی جا سکتی

ہیں. بشرطیکہ وہ اس سے پہلے کے کسی راج کیسری مثلاً پرانتکا دوم کے عہد کی نہ ہوں ۔
تڈ یگئی پاڈی پر چڑھائی غالباً کونگو ریاست کے راستے سے کی گئی تھی اور کڈملئی ناڈو کی
تسخیر کا ایک حصہ تھی۔ اس جنگ سے بہت پہلے ہی نولمبا خاندان ایک آزاد و خود مختار طاقت
کے طور پر اپنا وجود کھو چکا تھا اور گنگا راجہ کا اطاعت گذار بن چکا تھا۔ دسویں صدی عیسوی
میں نولمبا پاڈی نام کے خطے میں نہ صرف تمکور اور چتل درگ کے اضلاع شامل تھے بلکہ
بنگلور، کولار اور بیلاری کے اضلاع کا بہت بڑا حصہ اور سلیم اور شمالی ارکاٹ کے بعض
حصے بھی شامل تھے تو لمبا خاندان کو جنوبی ہند کی سیاست میں جو مقام حاصل تھا۔ اس کا
یہ کافی ثبوت ہے۔ ہر چند کہ انہوں نے راج راجا کے حملے کے وقت اپنی بیشتر طاقت کھو دی
تھی. لیکن وہ بالکل مٹ نہیں گئے تھے اور شاکا سمت ۹۲۰ میں ایپیا کا بیٹا گن راسا، دلگا
پاڈی کے کچھ حصے پر راج راجا کے ایک باجگذار کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا۔ ایک
نولمبا دھیراج، چولا راجہ کے عہد کے سولہویں برس میں اس کی فوج کا جرنیل تھا۔
شاکا سمت ۹۹۳ کے ایک تاریخی کتبے میں یا تو اسی شخص کا ذکر آیا ہے یا کسی دوسرے نولمبا
دھیراج چوریا کا۔ ان مثالوں سے ایک خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گنگا خاندان کے
نولمبا اطاعت گزار اپنے ان آقاؤں کے خلاف ہو گئے تھے اور علانیہ چولوں کا ساتھ
دے کر یا کسی اور طرح سے انھوں نے ان سے پرانا بدلہ لے لیا۔ اس طرح گنگا ہی وہ
اصل حریف تھے جن کے خلاف میسور پر فوج کشی کی گئی تھی۔ یہ فوج کشی جو کونگو ریاست
کے راستے سے دریائے کاویری کو عبور کر کے تڈیگئی پاڈی اور رنلکا ڈپر دھاوا بول
کر شروع ہوئی تھی پوری طرح سے کامیاب ہوئی اور اس سے ایک صدی کے لیے
گنگا ریاست میں چولوں کو اقتدار اعلےٰ حاصل ہو گیا۔ یہ آسان کامیابی کچھ حد تک
راشٹرکتا طاقت کے ۹۷۳ء میں ختم ہو جانے کا نتیجہ بھی تھی۔ جب تائیلا دوم آہوامل نے
قدیم چالوکیہ خاندان کی کھوئی ہوئی طاقت از سر نو بحال کر دی تھی۔ اس سیاسی انقلاب
کی وجہ سے گنگا اور نولمبا کی مدد کرنے والے باقی نہیں رہے تھے کیونکہ اس وقت تک
نئی ابھرنے والی چالوکیہ طاقت سے وہ اس طرح وابستہ نہیں ہوئے تھے جس طرح
باہمی خاندانوں معاہدوں اور مشترکہ فوجی منصوبوں نے انہیں راشٹرکتا حکمرانوں
سے وابستہ کر رکھا تھا۔

مغربی چالوکیہ

لیکن مغربی چالوکیہ حکمران راج راجا کی زیر سرکردگی چولوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار و طاقت سے قطعاً بے فکر نہیں تھے۔ ۹۹۲ء کے ایک کتبے میں تایئلا پا نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے چولا حکمران پر ایک فتح حاصل کر کے 150 ہاتھی اس سے چھین لیے تھے۔

ستیہ آشرایا سے جنگ

۹۹۲ء کے بعد چند برسوں کے اندر ہی راجہ تایئلاپا کا انتقال ہو گیا اور اس کا جانشین ستیہ آشرایا چالوکیہ سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ راج راجا کے عہد حکومت کے آخری حصے کے کتبوں میں لکھا ہے کہ اس نے ستیہ آشرایا کے خلاف جنگ کی اور اس میں کامیابی حاصل کی، نیز اس کے کچھ خزانے پر قبضہ کر لیا۔ اس خزانے کا ایک حصہ تنجور کے عظیم مندر کو ملا۔ اُدھر شمال کی جانب سے ریاست مالوہ کے پرمار راجاؤں کی دشمنی نے بھی مغربی چالوکیہ حکمرانوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ اور ان کے لیے دو مختلف سمتوں سے حملہ کرنے والے طاقتور حریفوں کا مقابلہ آسان نہیں تھا۔ راج راجا کے 1003ء کے قریب کے کتبات میں یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ اس نے "ساڑھے سات لاکھ والے ملک" رٹا پاڈی پر بزور قبضہ کر لیا تھا لیکن اس میں بہت مبالغہ ہے۔ تیرو والنگا ڈو کی تختیوں میں درج شاعرانہ بیان زیادہ معتبر اور قابل اعتماد ہے کہ ستیہ آشرایا اگرچہ صحیح معنوں میں نیلا (انیل) کی اولاد تھا لیکن راج راجا کی سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی فوج کا مقابلہ کرنے کی مصیبت سے بچنے کی غرض سے میدان جنگ سے فرار ہو گیا اور خود "مصیبت کا گھر" (کشٹ آشرایا) بن کر رہ گیا۔ کرن دئی (تنجور) کی تختیوں میں کئی اشعار ستیہ آشرایا اور راج راجا کے مابین جو معرکہ ہوا اس کے بیان میں ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ وہ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے (شعر نمبر 28) راج راجا کے ہاتھیوں نے قیامت برپا کر دی اور وہ اپنے جنگی گھوڑے پر سوار تن تنہا آگے بڑھتی ہوئی چالوکیہ فوج کی یلغار کو روکتا رہا جیسے شو دنیا پر گنگا ندی کے نزول کے تیز بہاؤ کو اپنی جٹا سے روکتے ہیں (شعر نمبر 29)۔ اس نے چالوکیہ جرنیل کیشو کو گرفتار کر لیا (شعر نمبر 31) اس سے آگے کے چاروں شعروں میں بھی اسی جنگ کا تذکرہ ہے لیکن ان سے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی (اشعار 32ء 35) سب سے آخر میں راج راجا کے بیٹے اور جانشین راجندر اوّل کے عہد حکومت سے متعلق ایک شعر سے انکشاف ہوتا ہے

دراج راجا نے چالوکیوں کی راجدھانی مانیہ کھیت کو تسخیر کرنے کی قسم کھا رکھی تھی اور راجندر نے اس قسم کو پورا کر دیا (شعر م 51)۔

راجندر کی قیادت میں

ہوٹور (دھارواڑ) سے ملے ہوئے ستیہ آشرایا کے ایک کتبے میں جس کی تاریخ شاکا سمت ۹۲۹ یعنی ۱۰۰۷ء کی ہے، یہ درج ہے کہ نور مڈی چولا راجندر رودیا دھرا نے جو راج راجا نتیہ ونود کا فرزند تھا اور چولا کل کا زیور، اپنی نو لاکھ سپاہ کے ساتھ ضلع بیجاپور میں واقع دونور کے مقام تک پیش قدمی کی تمام ریاست میں لوٹ مار کی عورتوں، بچوں اور برہمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا، دوشیزاؤں کو پکڑ کر ان کو بے عزت کیا۔ اسی کتبے میں آگے چل کر بتایا گیا ہے کہ "تاملوں کے قاتل، ذنگل ماری" ستیہ آشرایا نے اس پر چول تاجدار کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا اس کے ساز و سامان کو لوٹ لیا اور اس طرح جنوبی علاقے کو فتح کر لیا۔ اگرچہ اس بڑے پیمانے پر قتل اور زنا بالجبر کی داستان کو غیر معتبر قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اطلاع ایک مخالف کی دی ہوئی ہے، پھر بھی چالوکیہ کتبے میں رٹا پاڈی پر راجندر کے حملے کا تذکرہ درست معلوم ہوتا ہے اور اسے معقول حد تک صحیح تسلیم کرنا چاہیے۔ اگرچہ کچھ عرصے کے لیے ستیہ آشرایا چولوں کے شدید حملے کی تاب نہ لا سکا، لیکن جلد ہی وہ سنبھل گیا اور ایک زبردست جنگ کے بعد اس نے حملے کا منہ موڑ دیا خاص رٹا پاڈی میں چولوں کے قبضے کا کوئی نشان دستیاب نہیں ہوتا جیسا کہ نولمبا پاڈی اور گنگا پاڈی کی ریاستوں میں ملتا ہے۔

چالوکیہ سے جنگ کے نتائج

شمال مغربی مہمات کا جواب تک ہماری توجہ کا مرکز رہی ہیں نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوا کہ ریاست میسور میں وہ تمام علاقہ جو کبھی نولمبا اور گنگا خاندان کے زیر نگیں تھا اور موجودہ ضلع بیلاری چولا سلطنت میں شامل ہو گئے۔ یہاں تک کہ دونوں سلطنتوں کے مابین اب دریائے تنگ بھدرا حد فاصل بن گیا۔ ابھی تک بیلاری میں راج راجا کے کوئی کتبات نہیں ملے ہیں لیکن یہ بھی ہے کہ چالوکیہ راجاؤں کا بھی اس زمانے کا کوئی کتبہ دستیاب نہیں ہوا ہے۔ عام طور پر چولا کتبات سلطنت کے دور دراز صوبوں میں اتنی کثرت سے نہیں ملتے جتنے کہ اس کے وسط میں۔ اس لیے محقق اس بنا پر ان واقعات کو شک کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے جن کی صحت کی تصدیق عصری تاریخی دستاویزوں

سے ہوچکی ہے۔ یہ حقیقت کہ راج راجا نے اپنے عہد حکومت کے آخری دنوں میں گنگا اور ونیگی منڈلوں کے لیے ایک مہادنڈ نائک مقرر کر رکھا تھا۔ اس کی سلطنت کی وسعت اور ان دونوں منڈلوں کے باہم متصل ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

ونیگی ونیگی کے اندرونی معاملات میں راج راجا کی مداخلت مشرقی چالوکیہ راجاؤں کو اپنے مغربی چچازاد بھائیوں سے الگ کرنے کی کوئی سیاسی چال نہیں تھی بلکہ اس کے عہد کے ابتدائی دور کی سیاسی صورت حال کا براہِ راست قدرتی نتیجہ تھی۔

مغربی چالوکیہ سلطنت سے موازنہ اگر راج راجا اور اس کے جانشینوں کو دریائے تنگ بھدرا کے پار کے علاقے میں بجائے مشرقی ساحلی علاقے میں اپنی طاقت بڑھانا آسان نظر آیا تو یہ جزوی طور پر اس وجہ سے تھا کہ جب چولا خاندان نے راج راجا کے تحت اپنی ملک گیری کی مہم شروع کی اس وقت مشرقی چالوکیہ اور مغربی چالوکیہ خاندانوں کے حالات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ مشرقی چالوکیہ راجگان ونیگی میں تین سو برس حکومت کرنے کے بعد جس میں مغربی دکن کے راشٹر کٹوں کے خلاف برابر جنگ آزمائی ہوتی رہی تھی، اب ایک کمزور نسل بن چکے تھے اور ان کی سلطنت جانشینی کے تنازعات اور طوائف الملکوں کی کا شکار رہو رہی تھی چولوں کی آمد نے اس خاندان کو تازہ خون عطا کیا اور یہ اس زوال پذیر شاہی نسل کے لئے طاقت کا سرچشمہ بن گئی۔ قریب قریب ایک صدی تک چولوں کے سہارے یہ خاندان ایک باعزت حیثیت میں برقرار رہا اگرچہ یہ حیثیت ایک اطاعت گزار اتحادی کی تھی! اور اس کے جلد ہی بعد مشرقی چالوکیوں نے یہ فرض بطرز احسن اتار دیا جب وہ کلوتنگا اوّل اور اس کے جانشینوں کے عہدِ حکومت میں جنھیں اکثر "چولا چالوکیہ" کہا جاتا ہے چولا شہنشاہیت کو برقرار رکھنے کے لئے بڑی حد تک مددگار بنے رہے۔ دوسری طرف مغربی چالوکیہ خاندان تائیلا دوم کی زیر قیادت راشٹر کٹوں کی صدیوں کی غلامی سے ابھی حال ہی میں ابھرا تھا۔ سینہ آشرایا کے چیرولو کے کتبے کے مطابق انہوں نے مشرقی چالوکیہ کے وسائل کو اپنے وسائل کے ساتھ متحد کرنے کی بھی کوشش کی لیکن شمال کی طرف سے پرماروں اور جنوب کی جانب سے چولوں کے حملوں کی زد میں رہنے کے باعث وہ اس سے زیادہ کچھ کرنے میں ناکام رہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف سے میراث میں ملی ہوئی

ریاست یعنی ساڑھے سات لاکھ والی رٹا پاڈی پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ وہ اپنے چولا ہم عصروں کی نسبت کچھ کم خوش نصیب واقع ہوئے تھے اور اپنی حفاظت کے لیے انہیں کئی جنگیں مجبوراً لڑنی پڑی تھیں اس لیے انہیں جارحیت کے لیے زیادہ موقعہ نصیب نہیں ہو سکا ہرچند کہ اس کی کوئی سائینٹفک وجہ تلاش کرنا مشکل ہے پھر بھی یہ حقیقت ہے۔ اور تاریخ کے عام رجحان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ سرکردہ خاندانوں نے کچھ عرصہ تک تو نہایت قابل حکمران پیدا کئے ہیں جو ان کی تاریخ کے شروع کے دور میں ہوئے ہیں لیکن کوئی بھی خاندان چند پشتوں سے زیادہ پھولا پھلا نہیں۔ مشرقی اور مغربی چالوکیہ خاندانوں اور چولا راجاؤں نے 1000 عیسوی کے آس پاس جو اہمیت حاصل کی وہ ہندوستانی تاریخ کے عام رجحان کی مثالوں میں ایک مثال ہے۔

شمال میں چولا سلطنت کی توسیع

پرانتکا اوّل کے زمانے میں چولا اقتدار شمال میں نیلور تک جا پہنچا تھا۔ شمالی صوبے راشٹرکتوں کے حملے کے بعد چولوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے لیکن پرانتکا اوّل کے جانشینوں نے ان کا کچھ حصہ واپس لے لیا تھا۔ شمال میں زیادہ سے زیادہ جہاں تک وہ پہنچ پائے تھے وہ تروورریور کا نواحی علاقہ تھا جو مدراس سے چند میل شمال میں واقع ہے۔ راج راجا کا منصوبہ چونکہ یہ تھا کہ نہ صرف ہر اس صوبے کی بازیابی کی جائے۔ جو کبھی پرانتکا اوّل کے زیرنگیں رہا تھا۔ بلکہ حدودِ سلطنت میں اور بھی توسیع کی جائے۔ اس لئے اس نے اپنی حکومت کے آغاز ہی میں شمال کی طرف ایک مہم بھیجی۔ راج کیسری کی حکومت کے چھٹے برس کے ایک کتبے سے جو کانچی پورم سے ملا ہے اور جس میں درگا کے ایک مندر کو دئے گئے بھیڑوں کے ایک گلّے کے عطیے کا اندراج ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھیڑیں اس وقت ہاتھ آئی تھیں جب تنجاور کوٹرم میں واقع کارو کڈی کے سردار پرمن ملپاڈیار عرف ممڈی شولن نے شیت پلی ناڈو اور پاکی ناڈو کو فتح کیا تھا۔ اس سردار کے خطابات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مہم راج راجا کے عہدِ حکومت میں پیش آئی تھی۔

وینگی سے جنگ

وینگی کے معاملات میں مداخلت کا موقعہ راج راجا کو مذکورہ بالا مہم کے بعد ہی ملا ہوگا۔ ستیہ آشرایا کے کچھ عرصہ تک وینگی میں قیام کا بھی اس سے ضرور کچھ تعلق تھا۔

وجوہات

لیکن ستیہ آشرایا کی گنٹور میں موجودگی اور وینگی کے معاملات میں راج راجا کی دلچسپی کی کچھ اور بھی گہری وجوہات تھیں۔ ہر چند کہ مشرقی چالوکیہ خاندان کی تانبے کی تختیاں کثیر تعداد میں ملی ہیں جن میں سے بعض کا تعلق براہِ راست اس زمانے سے ہے پھر بھی اس خاندان کی تاریخ ہنوز مرتب نہیں ہو سکی ہے اور اس کی ترتیب سنین میں بھی چند معمولی دشواریاں پیش آتی ہیں جن پر بحث کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ مشرقی چالوکیہ خاندان کی مشکلات امّا دوم کے دورانِ حکومت (945ء تا 970ء) میں کسی وقت شروع ہوئیں۔ ان کی ذمہ دار راشٹرکتا تاجدار کرشن سوم کی ملک گیری کی ہوس تھی جس کے لیئے اس نے مشرقی چالوکیہ خاندان کی ایک شاخ سے ساز باز کر لی تھی۔

چولا تاریخ کے زاویۂ نگاہ سے ہم وینگی میں 945ء سے 999ء تک رونما ہونے والے پیچیدہ واقعات کا خلاصہ یوں پیش کر سکتے ہیں کہ جب امّا دوم کی تخت نشینی 945ء میں ہوئی تو اس کے سوتیلے بھائی دانّارنوا کی حق تلفی ہوئی جو اس سے عمر میں بڑا تھا۔ ہم کو معلوم نہیں کہ یہ کیسے ہوا لیکن یہ جھگڑے کی ایک وجہ ضرور بن گئی۔ اس کے علاوہ اس خاندان کی ایک اور شاخ سے دو بھائی بادّپا اور تاال دوم نامی تھے جو اس سے پہلے اقتدار کا مزہ چکھ چکے تھے۔ اور اب دوبارہ تخت پر قبضہ کر لینے کے لیے موقعے کی تاک میں تھے۔ راشٹرکتا حکمران کرشن سوم ایک ایسا فاتح تھا جو وینگی کی قیمت پر اپنی سلطنت میں توسیع کا شدت سے آرزومند تھا۔ چولا راجہ پرانتکا اوّل کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ مشرقی چالوکیہ راجاؤں کی باہمی ناچاقی اس کے عزائم کی تکمیل کے لیے بہت سازگار تھی۔ یہ باور کرنے کے لئے بھی معقول وجوہ موجود ہیں کہ امّا دوم نے پیڈینکلو کے حکمران جٹاچوڈا بھیم کی بہن سے شادی کر لی تھی۔ جٹاچوڈا بھیم نے اس دور کے انتشار کے قریب بہت شہرت حاصل کر لی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی اپنی سمجھ کے مطابق اپنے بہنوئی کی کامیابی کے لیے ہر ممکن طریقہ سے مدد کی تھی۔

امّا دوم کا عہدِ حکومت اگرچہ پچیس برس تک یعنی 970ء تک رہا لیکن نشیب و فراز سے دوچار رہا۔ اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد اسے یُدھ ملّا دوم سے جنگ کرنی پڑی جس میں وہ فتح یاب ہوا لیکن یدھ ملا کی اس شکست کا انتقام اس کے بیٹوں بادّپا اور تاال دوم نے لے لیا جنھوں نے وینگی کے اندر ہی ایک فریق اور غالباً راشٹرکتا کرشن

لی بھی مدد سے اتا دوم کو جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا اور اس کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ باد پا اور
ناآل کی تانبے کی تختیوں پر لکھے ہوئے فرامین جن میں راجہ کرشن کی مدد کا ذکر آتا ہے۔ یقیناً اسی
زمانے کے ہیں۔ لیکن یہ طے کرنا مشکل ہے کہ یہ مدد کتنے عرصے تک دی گئی۔ البتہ اتا چند
سال بعد جلا وطنی کاٹ کر کولنو سردار نرپ کا ماکی امداد سے کالنگا سے واپس آگیا۔
نرپ کا ماکی بیٹی سے اس نے شادی بھی کر لی اور 955ء سے قبل ہی اس نے تاآل کی حکومت
کا خاتمہ کر دیا اور شاید لڑائی ہی میں تاآل کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جیسا کہ راجہ شکتی
ورمن اوّل کے بھبوٹرو فرمان عطیہ میں درج ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اتا نے ایک
" دایا دا " کو بہشت میں بھیج دیا۔ لیکن جلد ہی کرشن سوم نے وینگی کی ریاست پر ایک
زبردست حملہ کیا اور اتا کو دوبارہ کالنگا میں پناہ لینی پڑی۔ مانگلو کی تختیوں کے
مطابق یہ اتا کے عہدِ حکومت کے گیارہویں برس کے بعد کی بات ہے۔ اب راجہ کرشن
نے وینگی کی حکومت دانارنوا کے سپرد کر دی جس کی حمایت خود وینگی کے اندر بھی ایک
فریق کر رہا تھا جو اتا سے درپردہ عداوت رکھتا تھا۔ لیکن جب راشٹرکتا واپس چلا
گیا تو اتا بھی وینگی واپس آگیا۔ اس نے ظاہری طور پر دانارنوا سے صلح کر لی اور
دوبارہ کچھ عرصہ تک حکومت کرتا رہا۔ آخر کار دانارنوا نے ایک مرتبہ پھر بغاوت
کر دی اور جنگ میں اتا کو موت کے گھاٹ اتار کر 970ء میں تخت شاہی پر خود
قابض ہو گیا۔

دانارنوا نے جنوب کی جانب اپنی سلطنت کی توسیع کے لیے کوشش کی لیکن
اس میں چولوں کے ساتھ اس کا مقابلہ آن پڑا جو اپنے ان شمالی مقبوضات کو واپس
حاصل کرنے میں لگے ہوئے تھے جن پر کرشن سوم نے تسلط کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ
اس کے بیٹے شکتی ورمن نے لڑکپن ہی میں ایک تامل معرکے (درمی لاہوا) میں
شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس سے زیادہ کوئی تفصیل اس کے متعلق ہمارے
علم میں نہیں۔ اس اثناء میں اتا کا سالا بھیم جو "پیڈیکلو"، (ضلع کرنول) کے حکمران جٹا
چوڈا کا بیٹا تھا، اتا دوم کی موت کا بدلہ لینے کے لیے آ گیا تھا۔ اس کی سرگرمیوں
کے متعلق کچھ واضح طور پر پتہ نہیں چلتا کیونکہ جس کتبے میں ان کا ذکر ہے وہ بدقسمتی
سے بری طرح کٹ پٹ گیا ہے۔ لڑکپن کے دنوں میں بھیم یقیناً کرشن سوم کا باجگزار

رہا ہوگا اور ممکن ہے کہ اُسے وینگی میں کرشن سوم کی مختلف جنگی مہمات میں بھی شریک ہونا پڑا ہو۔ لیکن کرشن کے انتقال کے بعد اس نے خود اپنا علم بلند کیا۔ اُتا کے خلاف دانا رنوا کی کامیابی اور اس کے پوتپتی کو فتح کر کے وینگی میں شامل کر لینے پر بھیم کو شدید ناگواری تھی۔ اگر چہ تفصیلات واضح نہیں ہیں، لیکن اس کے بعد جو جنگ ہوئی اس میں بھیم نے دانا رنوا کو مار ڈالا اس کے بچوں کو جلا وطن کر دیا اور خود تمام ریاست وینگی پر قبضہ کر لیا۔

مشرقی چالوکیوں کی بعد کی تاریخی یاد داشتوں میں دانا رنوا کی وفات اور اس کے بیٹے شکتی ورمن اوّل کی تخت نشینی کے درمیان کے 27 برسوں (سنہ 973ء تا سنہ 999ء عیسوی) کو جن میں تخت سلطنت خالی رہا، بد قسمتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وینگی پر جٹا چوڑا بھیم کی حکومت تھی۔ وہ خود چالوکیہ نسل سے نہیں تھا اس لئے اس کی حکومت کو ایک ناخوشگوار مداخلت تصوّر کیا گیا۔ چالوکیوں کے نقطۂ نظر سے یہ ایک لاوارثی کا دور تھا۔ اس عرصے میں بھیم کو ومیڈ مبا خاندان کے سرداروں کی جانب سے شدید سرکشانہ مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جو دانا رنوا کا وفادار تھے۔ کالنگا کے مشرقی گنگا تاجدار کامار نوا نے بھی جو دانا رنوا کا رشتہ دار تھا اور جس نے پہلے پہل دانا رنوا کے بچوں کو پناہ دی تھی۔ بھیم کی مخالفت کی لیکن برسوں کی نبرد آزمائی کے بعد بھیم نے تمام مخالفین پر غلبہ پالیا اور سنہ 978ء میں کامار نوا اور سنہ 981ء میں اس کے بھائی ونے آدیتہ کو ٹھکانے لگا کر کالنگا پر قبضہ کر لیا دانا نوا کے دو بیٹے شکتی ورمن اور وِمل آدیتہ اور شاید ان کی والدہ بھی کالنگا کو خیر باد کہہ کر تامل چولا دربار میں چلے گئے جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا اور وہ کچھ عرصے کے لیے ضلع تنجور میں ترو وایارو کے مقام پر بس گئے۔ دور اندیش حکمران راج راجا نے اپنی تخت نشینی کے بعد چولا ریاست میں ان کی موجودگی کا خوب فائدہ اٹھایا اور رنابَیلا دوم اور ستیہ آشرایا کی سرکردگی میں مغربی چالوکیوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کے خلاف اپنی پالیسی کو کامیاب بنانے میں اسے استعمال کیا۔ یہ جلا وطن خاندان چولا پالیسی کے لیے ایک آلہ کار اور وینگی میں راج راجا کی مداخلت کے لیے ایک بہانہ بن گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مغربی چالوکیوں نے جٹا چوڑا بھیم سے درپردہ سمجھوتہ کر لیا۔

ہو لیکن اس بات کا کوئی براہِ راست ثبوت نہیں ملتا۔ راج راجا نے وینگی کے تخت پر شکتی ورمن کو بحال کرنے کی غرض سے ۹۹۹ء میں وینگی پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ چولوں کے کتبات میں ان واقعات کی تفصیل نہیں ملتی لیکن شکتی ورمن کے زمانے کی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے اس نے ایک بڑے جنگجو ایکویر کو ختم کیا جسے بھیم نے چولا راجہ کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے بعد اس نے دو اور طاقت ور سرداروں بدیما اور مہاراجہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور آخر میں اس نے "جٹا چوڑا کے دور تک پھیلے ہوئے درخت کو جڑوں سمیت اکھاڑ ڈالا" یعنی خود بھیم کو نیست و نابود کر دیا۔ لیکن یہ جد و جہد بہت سخت تھی اور کئی برس تک جاری رہی۔ اگرچہ بھیم کو وینگی سے باہر نکال دیا گیا تھا اور شکتی ورمن نے ۹۹۹ء ہی میں حکومت شروع کر دی تھی لیکن بھیم نے ایک دفعہ پھر حملہ کیا اور شکتی ورمن کو شکست دے کر کانچی تک اس کا تعاقب کیا اور اس شہر کے نزدیک ۱۰۰۱ء میں ایک اور لڑائی کے بعد ہی شکتی ورمن خود کو وینگی کے تخت پر کچھ محفوظ سمجھ سکا۔ بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ شکتی ورمن چولا راجہ کی مدد کے لیے اس کا حد درجہ مرہون منت تھا اور وینگی کا حکمران بننے کے بعد غالباً اس نے کسی نہ کسی شکل میں راج راجا کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنا منظور کر لیا تھا۔

شکتی ورمن کی تخت پر بحالی

ہمیں معلوم ہے کہ وینگی میں دنل آدتیہ کی تخت نشینی کی صحیح تاریخ ۱۰ مئی ۱۰۱۱ء تھی اور اس کا پیش رو اور بڑا بھائی شکتی ورمن اس سے قبل بارہ برس تک حکومت کرتا رہا تھا۔ اس سے شکتی ورمن کی تخت نشینی کی صحیح تاریخ ۹۹۹ء نکلتی ہے اور اسی وقت سے تخت سلطنت پھر سے آباد ہو گیا۔

اس میں راج راجا کا کیا ہاتھ تھا؟

شکتی ورمن کا نام اس کے عہد کی تختیوں میں چالوکیہ نارائن درج ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ لقب راج راجا چولا نارائن کے نمونے پر وضع کیا گیا تھا۔

مشرقی چالوکیہ خاندان کے اس وقت کے حالات کو دیکھنے سے جب راج راجا نے ابھی ان میں دلچسپی لینا شروع نہیں کی تھی۔ یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ راج راجا نے ان سے سیاسی اتحاد پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ وہ

وہ خود اپنا مقام و مرتبہ اس عظیم شہنشاہ کے باعث ہی حاصل کر سکے۔ ان کی ریاست میں امن و امان بحال کرنے اور طویل خانہ جنگی کے ختم کرنے میں جو کردار اس نے ادا کیا اس کی بنا پر راج راجا کا یہ دعوئے حق بجانب تھا کہ اس نے وینگی کو فتح کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وینگی ان دوسرے مفتوحہ علاقوں کی طرح چولا سلطنت کا حصہ بن گیا تھا جن کی جداگانہ سیاسی حیثیت کو دانستہ ختم کر کے ان میں چولا نظامِ حکومت نافذ کر دیا گیا تھا۔ جیسے کہ گنگا اور پانڈیہ ریاستوں میں وینگی کی حیثیت چولا حکومت کی ایک زیرِ حمایت ریاست کی سی تھی۔ ان دونوں شاہی خاندانوں کے درمیان ازدواجی رشتے نے ان کے باہمی اتحاد کو اور بھی مستحکم کر دیا جب وِمَل آدیتیہ کی شادی راج راجا کی بیٹی اور راجندر کی چھوٹی بہن کندوا سے کر دی گئی۔

بھیم کی شکست اور وینگی پر راج راجا کا غلبہ ستیہ آشرایا کے لیے ایک کڑوا گھونٹ ثابت ہوئیں۔ درحقیقت اسی وقت سے وینگی چولا اور مشرقی چالوکیہ خاندانوں کے مابین تنازعے کی جڑ بن گیا اور چند مختصر درمیانی وقفوں کو چھوڑ کر آنے والے 135 برسوں میں وینگی ان دونوں خاندانوں کی رزم گاہ بنا رہا۔ ملک کے مشرقی چالوکیہ حکمران تو رفتہ رفتہ گوشۂ گمنامی میں چلے گئے۔ شکتی ورمن کی تخت نشینی کے بعد کے واقعات کے متعلق اس کے کتبات قطعاً خاموش ہیں لیکن چیبرولو (ضلع گنٹور) سے دستیاب شدہ ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سپہ سالار باکل ببمی کی کمان میں ایک مغربی چالوکیہ فوج نے وینگی پر حملہ کیا اور دھرنی کوٹا اور ینمدلا کے قلعوں کو آگ لگا دی۔ اس سپہ سالار نے 1006ء میں چیبرولو میں اپنے قدم جما لیے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس کتبے کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستیہ آشرایا نے، قبل اس کے کہ شکتی ورمن تختِ حکومت پر اپنا قبضہ مستحکم کرتا اسے معزول یا مطیع کرنے کی کوشش کی۔ انہی دنوں میں راجندر نے رٹا پادی پر جو حملہ کیا تھا اور جس کا حال ہوتور کے کتبے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ غالباً ایک سوچی سمجھی چال تھی تاکہ ستیہ آشرایا کی فوجوں کی توجہ وینگی کی طرف سے ہٹ جائے اور یہ حملہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوا۔

جزائر مالدیپ کی تسخیر

راج راجا کے بعد کے کتبات میں جس آخری فتح کا ذکر کیا گیا ہے وہ سمندر کے ان "پرانے جزائر کی فتح ہے جن کی تعداد بارہ ہزار تھی۔" یہ بحری فتح جس کی تفصیلات ہم کو معلوم نہیں ہیں، اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ راجندر نے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، جس بحری فوج کا کچھ برسوں کے بعد اس قدر کامیابی سے استعمال کیا اس کی تنظیم اس کے عظیم والد کے تحت ہی کی گئی تھی، جس نے راجندر کے حق میں وہی کام کیا جو مقدونیہ کے بادشاہ فلپ نے اپنے بیٹے سکندر اعظم کے لیے کیا تھا۔

چولوں کا بحری بیڑہ

راجندر کے عہدِ حکومت میں اس سے پہلے بھی ایک ایسا موقعہ آیا تھا یعنی لنکا کی فتح جس میں بحری فوج نے حصہ لیا تھا۔ ان دنوں میں جب ایک اچھی بحریہ کی اہمیت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ باور کرنے کے لیے معقول وجوہ ہیں کہ راج راجا کے عہد کے آغاز میں کاندلوڑ کے خلاف جو مہم بھیجی گئی تھی اس کا اصل مقصد چیروں کی بحری طاقت کو بے کار کر دینا تھا۔

کرن دئی ضلع تنجور سے دستیاب شدہ تختیوں (شعر 30) میں درج ہے کہ راج راجا نے بان راجا نامی ایک بہادر کو ایک لڑائی کے بعد ریاست سے باہر نکال دیا۔ تھا اور بھوگ دیو نامی ایک شخص کا سر کاٹ لیا تھا۔ یہ واقعات کیوں ہوئے۔ اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

راجندر کی بطور ولی عہد تقرری 1012ء

راج راجا نے اپنے عہدِ حکومت کے آخری سالوں میں اپنے بیٹے راجندر کو انتظام سلطنت میں شریک کر لیا تھا۔ راجندر کے اس طرح باقاعدہ طور پر ولی عہد تسلیم کیے جانے کا واقعہ 27، مارچ سے 7 جولائی 1012ء تک کے درمیانی عرصے میں کسی وقت ہوا تھا۔ اس وقت راجندر کی عمر کم از کم 25 سال کی ضرور ہوگی کیونکہ راج راجا کے عہدِ حکومت کے چوتھے برس کے کتباب میں راجندر کا ذکر ایک کم سن شہزادے کی حیثیت سے آیا ہے۔ تنجور کے کثیر التعداد کتبات میں اس کے والد کے عہد کے زیادہ سے زیادہ انتیسویں سال کا ذکر آتا ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مذکورہ سال 1014ء عیسوی تھا جس میں راج راجا

سے پرشوکت دور کا خاتمہ ہو گیا۔

تنجور کا مندر راج راجا کے عظیم دور کی یادگار اس عالی شان شو مندر کی صورت میں آج تک بھی موجود ہے جو اس نے تنجور میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ مندر جو "راجیشورا" کہلاتا ہے جنوبی ہند کی تاریخ کی بہترین یادگار اور تامل فن تعمیر کا جوان دنوں اپنے پورے عروج پر تھا ایک حسین ترین نمونہ ہے۔ یہ مندر اپنی عظیم جسامت اور طرز تعمیر کی سادگی کے باعث مشہور ہے۔ ایک مستطیل آنگن جس کا طول و عرض 250×750 فیٹ ہے، ایک درمیانی دیوار کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اس دیوار کے اوپر ایک نہایت خوبصورت نمونے کا مینار ہے جو زیادہ اونچا نہیں ہے۔ اندر کا آنگن باہر کے آنگن سے دگنا لمبا ہے۔ اصل مندر اس اندرونی آنگن کے مغربی نصف حصے کے بیچ میں تعمیر کیا گیا ہے اور "ومان" جو مقدس بھون کے اوپر کوئی دو سو فیٹ کی بلندی تک اٹھتا چلا گیا ہے، ایک سو فیٹ تک مربع چبوترے پر استادہ ہے اور مندر کی پوری عمارت پر چھایا ہوا ہے۔ بڑا بنیاد کا چبوترہ، ایک واحد پتھر سے بنا ہوا گرانڈیل نندی بیل، "ومان" اور کٹہروں پر آرائشی نقش ونگار "ومان" کے چاروں طرف طاقچوں میں بنے ہوئے خوبصورت بُت اور حروف جو کتبات میں کندہ ہوئے ہیں غرض کہ تمام کی تمام عمارت سنگتراشی کا بہترین نمونہ ہے جس کی نظیر جنوبی ہند کی تاریخ میں اور کہیں بھی نہیں ملتی۔ یہ عالی شان عمارت خواہ اس کو کسی طرف سے بھی دیکھا جائے دیکھنے والے پر ایک دل خوش کن تاثر ہی نہیں ڈالتی بلکہ اس کو مرعوب بھی کر دیتی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مندر کے اندرونی حصے میں "ومان" کے عین نیچے "گربھ گرہ" کے چاروں طرف کی پتھر کی دیواروں پر چونے کا اکہرا پلاسٹر کر کے اس پر نقاشی کی گئی ہے۔ جب راج راجا کے عہد حکومت کا یہ عظیم منصوبہ تکمیل کے قریب پہنچا تو اس نے اس کے پچیسویں سال کے 275 ویں دن "ومان" کی چوٹی کے کلس کی زینت کے لیے تانبے کا ظرف عقیدت کے ساتھ نذر کیا۔ ہم کو کسی معتبر ذریعہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اتنے بھاری بھرکم پتھروں کو طویل فاصلوں سے لانے اور انہیں اٹھا کر اپنے اپنے مقام پر لگانے کے تکنیکی مسائل پر کیسے عبور پایا گیا۔ مفتوحہ علاقوں نے بھی ضرور اس کی لاگت کا کچھ حصہ دیا ہو گا۔ اس کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد راجدھانی کے اس مندر

کے کاروباری تعلقات ملک کے باقی ماندہ حصے کے ساتھ قائم ہوئے۔ سلطنت کے تمام دیہاتوں کو آئے سال مندر کی مختلف ضروریات کے لیے ایک مقررہ تعداد میں آدمی اور سامان دینے پڑتے تھے۔ راجدھانی کے نواح میں بسنے والے اس بے شمار دولت میں سے دوامی قرضے لیا کرتے تھے، جو شاہی دربار اور اس کے متوسلین کی فیاضی اور مذہبی عقیدت کے طفیل اوقات کی شکل میں اس مندر پر برسا کرتی تھی۔ اور ان کا سالانہ سود نقد یا کسی اور صورت میں جو پہلے سے طے ہو جاتی تھی۔ مندر کو برابر ادا کرتے رہتے تھے۔ ان تمام انتظامات کو جس احتیاط اور باقاعدگی سے رواج راجا کی حکومت کے اٹھائیسویں[29] برس سے پہلے پہلے مکمل کر دیا گیا تھا۔ اس میں ہم کو کسی ماہر اور بلند تخیل منتظم کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ اس وقت کے ایک بھجن لکھنے والے شخص کرووُر دیور نے اپنے ایک مقدس گیت میں اس نئے مندر کی تعریف کی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تنجاوُر شیومت کے ان مقدس مقامات میں شامل نہیں تھا جنہیں دیوآرم سنتوں اپّر، سمبندر اور سندر مورتی کے بھجنوں نے متبرک بنایا تھا۔ اس مندر کی تعمیر کا سہرا تمام تر راج راجا کی پالیسی کے سر ہے۔

انتظام سلطنت

لگان کی وصول یابی کے لیے پورے ملک میں اراضی کی صحیح پیمائش اور مالیہ کا تعین جدید انتظامیہ کے سیکرٹریوں جیسا عملہ تعینات کر کے ایک مرکزی انتظامیہ کے تحت ملک کے نظم ونسق کا استحکام، موزوں مقامات پر مرکزی حکومت کے نمائندہ افسروں کی تقرری حساب کتاب کی جانچ پڑتال اور اسے ضبط واختیار میں رکھنے کے لئے ایک موزوں طریق کار کی تشکیل جس کے ذریعے دیہی پنچائتوں اور غیر سرکاری شہری انتظامیہ اداروں کو ان کی خود مختاری میں کسی طرح کی تخفیف کئے بغیر حسابات کے لیے جوابدہ بنایا جا سکے، ایک طاقتور مستقل برّی فوج اور اچھی خاصی مضبوط بحری فوج کا قیام جس نے خود راج راجا سے زیادہ اس کے جانشین راجندر کے عہد میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں یہ تمام باتیں راج راجا کو جنوبی ہند کے ایک عظیم ترین معمار سلطنت کی حیثیت سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کے عہد حکومت کے خاتمے کے صرف ایک یا دو پشتوں کے بعد ہی اس کی شہرت وعظمت

کی عوامی مقبولیت کا اظہار ضلع ارکاٹ کے یولور تعلقہ سے دستیاب شدہ تین مہادلوی منتگلم کی ایک چٹان پر کھدے ہوئے ایک سنسکرت شلوک میں کیا گیا ہے۔ اس شلوک میں کہا گیا ہے کہ راج راجا وشنو کے اوتار ہوں گے اور اس کا وزیر جنت، واک پتی یعنی برہستی کا اوتار ہوگا۔ راج راجا دنیا کا مشاہدہ کرے گا اور اپنے نام سے ترشول پہاڑی پر جو عہد سنگم میں نورملئی کہلاتی تھی اور جس پر راجہ ننن حکومت کرتا تھا۔ ایک شہر آباد کرے گا۔

مذہبی رویہ

راج راجا بذات خود شیو کا معتقد تھا لیکن وہ ہندوستان کے سبھی عظیم سیاستدانوں کی مانند مذہبی معاملات میں رواداری برتنے والا تھا، اور تمام مذاہب کو اس سے یکساں فائدہ پہنچتا تھا۔ تنجور کے مندر کی دیواروں پر آرائشی اصنام تراشی اور اس کے کتبات میں مذکور وشنو کے چند مندروں کی تعمیر اس کے بے تعصب اور فراخدلانہ مذہبی رویہ کے ثبوت ہیں۔ لیڈن کے مشہور فرامین میں درج ہے کہ کس طرح اس نے سمندر پار کے شری وشیا اور کٹاہا کے شیلندر راجہ شری مار وجیو تنگا ورمن کی ناگ پٹنم میں چوڑامنی کے بدھ وہار کی تعمیر میں حوصلہ افزائی کی۔ یہ وہار راج راجا کے عہد کے اکیسویں برس میں زیر تعمیر تھا۔ اس کا نام اس کے بانی کے والد اور راج راجا کے نام پر رکھا گیا جس کی اجازت سے یہ تعمیر شروع کی گئی تھی۔ اس وہار کو جو آنئی منگلم گاؤں میں تھا۔ اس میں بسنے والے بھگوان بدھ کو نظر کیا گیا۔ اس کے بیٹے راجندر نے اپنے والد کی وفات کے بعد اس عطیے کی توثیق کر دی اور اس نے تانبے کی تختیوں پر کندہ کروا دیا۔ ائی سنگ کے سفرنامے سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ناگ پٹنم برصغیر ہند کی وہ پہلی بندرگاہ تھی جہاں مشرقی ممالک سے جنوبی ہند کو جانے والے بحری جہاز رکا کرتے تھے۔ بدیشی حکمران کے اس مقام پر ایک بدھ وہار تعمیر کرنے کی وجہ بھی یقیناً یہی ہوگی۔

القابات

اگر ناموں کو تاریخ کی موسیقی کہا جائے تو اس نیک حکمران نے اس موسیقی سے خوب اپنے ذوق کی تسکین کی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے ان ناموں کو نئے اوقات سے وابستہ کر کے یا پرانے اوقات کو ان ناموں سے معنون کر کے رائج الوقت سکہ بنا دیا۔ راج راجا موڈی چولا، جینن گونڈا، اور ارومولی کے القابات کے علاوہ، جو کہ

بعض شہروں (پورم)' ولناڈوں اور منڈلموں کے ناموں کا حصہ بن گئے تھے اس شہنشاہ نے خود کو اور کئی القابات سے موسوم کیا مثلاً چولیندر سیمہا' شیو پادشیکھرا' کھشتریہ شکھامنی جن ناتھ' نگرلی شولا' راجندر سمہا' چولا مارتنڈ' راج آشریا' راج مارتنڈ' نتیا ونودا' پانڈیا کلاشنی' کیرلانتکا' شنگلانتکا' روی کل مانکیہ' تیلنگ گل کالا' وغیرہ۔ ان میں سے بہت سے نام نیز شاہی خاندان کے دیگر افراد کے نام مثلاً کندوئی' شیمبین مہادیوی وغیرہ اکثر چولا سلطنت کے بڑے بڑے دیہاتوں اور قصبوں میں محلوں (شیریوں) کے نام کی طرح استعمال ہوتے تھے۔ فوج میں بھی پلٹنوں کے نام راجاؤں اور شہزادوں کے القابات پر رکھ دیے جاتے تھے۔

شاہی خاندان

راج راجا کی بہت سی بیویاں تھیں لیکن بچے غالباً چند ہی تھے اس کے کتبات میں جن مہارانیوں کا ذکر مندروں کو عطیے دینے اور کچھ دیگر معاملات کے متعلق آیا ہے' ان کی تعداد تقریباً پندرہ ہے اور اگرچہ ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے لیکن ان میں سے مہارانی ونتی شکتی ویٹکی کو سب سے اہم مقام حاصل تھا وہ لوک مہادیوی کے نام سے بھی موسوم تھی۔ ہم مہاراجہ کو اس کے ہمراہ اپنے عہد کے انتیسویں برس میں ترووشلورہں دیکھتے ہیں۔ اس موقعے پر ترووشلور کے مندر میں مہاراجہ نے "تلا بھار" اور مہارانی ونتی شکتی نے "ہرنیہ گربھ" کے رسوم ادا کئے۔ ان کا ذکر ہمیں ایک سنکرانتی کے نمونے میں ملتا ہے جس میں مہاراجہ اور مہارانی کو پوجا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور اس کے نیچے ضروری عبارت کندہ کی ہوئی ہے۔ ترووینجلی کے مقام پر مہارانی کے تعمیر کروائے ہوئے ایک مندر میں کھشترپال کی مورتی کے لیے کچھ پھول بنوانے کی غرض سے تھوڑا سا سونا استعمال کیا گیا تھا۔ راج راجا کے ایک لڑکے راجندر کی والدہ نام ونون مہادیوی عرف تربھون مہادیوی تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ولوراہیار دندیہ دیوور راج راجا کی بڑی بہن کندوئی کا شوہر تھا۔ کندوئی کا ذکر کتبات میں اکثر آلوار پرانتکن کندوائپ پراٹیار کے نام سے آیا ہے اور یوں مانگانت تنجن دیوور کی بیٹی کی حیثیت سے بھی۔ راج راجا اس سے بڑی محبت اور عزت سے پیش آتا تھا۔ تنجور کے مندر کے مرکزی منڈپ پر کندوئی کے فرامین عطیہ جات خود راجہ کے اوقاف کے فرامین سے دوسرے نمبر پر کندہ کرائے گئے تھے جبکہ

رانیوں اور شاہی افسران کے اوقاف کا اندراج منڈپ کے احاطہ کے طاقچوں میں اور ستونوں پر کیا گیا تھا۔ راج راجا کی کم از کم تین بیٹیاں ضرور تھیں کیونکہ ترو ولنجلی کے ایک کتبے میں چالوکیہ وِمل آدتیہ کی رانی کندوَئی کے علاوہ راجہ کی ایک منجھلی بیٹی مادیوا ڈیگل کا بھی ذکر موجود ہے۔ راج راجا کی دو یادگاری عمارتیں خصوصی توجہ کی مستحق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے خاندان کے حقوق کی ادائیگی کا کس قدر خیال تھا اور وہ بھی اس طرح کا اس سے عوام کی فلاح وبہبود بھی ہو سکے۔ ان عمارتوں میں ایک ترو کوڈل میں واقع ایک "منڈپ" ہے جو انم چولا کی والدہ اور گندھر آدتیہ کی مہارانی شیمبئن مہادیوی کے نام پر ہے۔ دوسری عمارت میلپاڈی میں چولیشورا یا ارنجگائی ایشورا نامی مندر ہے۔

افسرانِ حکومت اور باجگذار راجگان

ہم اب اس دور کی تاریخ کی تکمیل ان افسران اور باجگذار سرداروں کے احوال سے کریں گے جنھوں نے شاہی ملازمت میں خصوصی امتیاز حاصل کیا۔ مہا دنڈ نائک پنچون مہارایا کو جو مقام حاصل تھا۔ اور شاید ولی عہد کے برابر تھا، اس ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اس کے دائرۂ اختیار میں گنگا اور وینگی کے منڈل اور گنگا علاقے کے نولبا باجگزار شامل تھے۔ پرمن مالپاڈیا رعرف مُنڈی شولن ایک جرنیل تھا جس نے راج راجا کے عہد کے شروع میں شِتْ پلی اور رپاکی ناڈوؤں کے علاقے تسخیر کیے تھے۔ ضلع ترچناپلی میں پلو ویترا ئیار سردار تھے جن کے خاندان کی ابتدا کا اگرچہ صحیح علم نہیں لیکن یہ ان پرانے وقتوں سے شاہی خاندان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ جب پرانتکا اول نے پلو وینرائیار خاندان کی ایک شہزادی سے شادی کی تھی، ان کو بڑا باعزت مقام حاصل تھا۔ اور بظاہر پلو ودر کے گرد کے کچھ علاقے کے انتظام کی مکمل ذمہ داری ان کے سپرد تھی۔ اڈیگل پلو ویترائیار کنڈن مڑون کے کتباب جن میں راج راجا کے اقتدار اعلیٰ کو صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے، کیلا اور رمیل پلو ودرمیں راج راجا کے دور کے تیسرے سال سے ملنے شروع ہو جاتے ہیں جن میں اسے اس ریاست پر حکومت کرتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اس نے بھی اسی طرح پیر نڈرم کے افسر تعینات کر رکھے تھے جو طرح کہ موجود

چولا مہاراجاؤں اور شہزادوں کے ہوتے ہوئے۔ اس سردار نے میل پلو دور میں ترو تورم اڈتیار کا مندر تعمیر کروایا اور پلو وور میں محصول کی فراہمی کے باضابطہ انتظام کے لیے وہ قدیم معیار اپنائے جو نندی پورم میں رائج تھے۔ اس کے آخری کتبات جن میں اس کا ذکر آیا ہے، راج راجا کے عہد کے پندرھویں برس کے معلوم ہوتے ہیں۔ مدھورانتکن گندھرادتن نے جو غالباً مدھورانتکا اتم چولا کا بیٹا تھا، مندروں کے انتظامیہ معاملات کے محکمے میں ایک اہم افسر کی حیثیت سے راج راجا کی ملازمت کی۔ ہم اُسے سلطنت کے مختلف حصوں میں مندروں کے معاملات کی تحقیقات کرتے ہوئے، قصورواروں کو سزا دیتے ہوئے اور آنے والے سالوں میں غفلتوں کے انسداد کے لیے ضروری اقدامات کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اسے غلطی سے گندھرادتا بھی سمجھا لیا جاتا ہے جو "ترودشاپا" کا مصنف تھا۔ یہ کتاب درحقیقت اس کے دادا نے لکھی تھی۔ شمالی ارکاٹ کے ضلعے میں الاڈرایا (لاٹ) سردار تھے جو ظاہر پنج پانڈوملئی کے نواحی خطے پر پرانتکا اول کے زمانے سے حکومت کر رہے تھے۔ راج راجا کے دور میں آٹھویں برس میں اڈتیار الاڈراجا گل وپ ورگنڈن کے بیٹے اڈتیار ویرشولار نے اپنی رانی کی سفارش پر ایک جین مندر کے حق میں کچھ ٹیکس معاف کیے۔ ان سرداروں کے کتبات میں جن شاہی القابات کا استعمال ان کے ناموں کے ساتھ کیا گیا ہے، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے چولا آقاؤں کی نظر میں ان کی بڑی وقعت تھی۔ راج راجا کے عہد کے سولہویں برس کے ترُودلم کے ایک کتبے میں ہمیں تردوائین شنکر دیو کا ذکر ملتا ہے جو کولار کے گنگا راجاؤں کی نسل سے ہونے کا دعوے کرتا تھا اور جس نے اپنے والد کی یادگار میں تروولم میں "ترووائیا البشورا" نامی مندر تعمیر کروایا تھا۔ اس غیر معروف سردار کے نام سے پہلے جو بڑے بڑے القاب آتے ہیں، وہ ہم کو متنبہ کرتے ہیں کہ ان القابات کو اختیار کرنے والوں کے سیاسی مرتبے کے تعین کرنے میں ہم کو احتیاط برتنی چاہیے۔ ویدمبا خاندان کے اکا رائے کے بیٹے ٹن مرآیار نے جو ضلع کڈپا میں واقع انگلور ناڈو کا جو مہاراجہ پاڈی میں تھا حاکم تھا، 1005ء میں ضلع شمالی ارکاٹ میں واقع تروولم میں ایک جاگیر وقف کی۔ ویدمبا سرداروں کی طرح باآن خاندان نے بھی جن کا پرانتکا

اوّل کے ہاتھوں وہی حشر ہوا تھا جو ویڈمبا سرداروں کا ہوا تھا۔ چولوں کی ملازمت میں آکر افسر بن گئے تھے اور ملک کے انتظام میں شریک تھے۔ ایک بان شہزادہ مڑوآن نرسمہا ورمن جس کے کتبات کا آغاز راج راجا کے روایتی تاریخی تعارف کے ساتھ ہوتا ہے، اور پھر ان میں بان راجاؤں کے روایتی القاب اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ آجاتے ہیں، راج راجا کے عہد کے آخری دنوں میں ضلع جنوبی ارکاٹ کے کچھ حصے پر حکومت کر رہا تھا جو جمبئی کے نزدیک واقع تھا۔ اس نے مذکورہ علاقے میں آبپاشی کے لیے ایک نیا تالاب کھدوایا تھا۔ تنجور کے کتباب میں امن کڈی کے باشندے سیناپتی شری کرشنن رامن کا ذکر آتا ہے جو لیڈن کے بڑے کتبے میں راجندر شولا برہم مارائن کے نام سے مذکور ہے۔ اس شخص نے تروچرالئی یعنی تنجور کے مندر کا منڈپ اور اس کے اردگرد کی چار دیواری راجہ کے فرمان کی تعمیل میں تعمیر کروائی۔ آرائی رون پلو رائن عرف موڈیَی شولا پوشن ایک اور افسر تھا جو "پرن ڈرم" کے رتبے کا افسر تھا جس نے ایک مورتی اور کچھ جواہرات تنجور کے مندر کو نذر کیے۔ وہ بلاشبہ وزارت مالیات میں ایک اعلیٰ افسر تھا، کیونکہ لیڈن کے فرمان وقف اور بندوبست مال سے متعلق اُکل کے اہم کتبے کی تصدیق اسی کے دستخط سے ہوئی۔ سیناپتی گرُڈون الگلندان عرف راج راجا مہاراجن کو جس کا ذکر تنجور کے کتبات میں بھی موجود ہے "الگلندان" (دنیا کی پیمائش کرنے والا) کا لقب اس وقت حاصل ہوا جب اس نے بندوبست مال کے لیے ملک کی تمام اراضی کی پیمائش کی جو راجہ کی حکومت کے سولہویں سال ۱۰۰۱ء میں شروع ہوئی۔ یہ اس دور کا نیا اور اہم انتظامیہ کارنامہ تھا جو آنے والے سینکڑوں سالوں کے لیے ریاست کی مالیاتی پالیسی کی بنیاد بنا کیونکہ بعد کی دستاویزات میں اس پیمائش کے متعدد حوالے ملتے ہیں۔

نواں باب

(حاشیے)

(1) E.I، ix - صفحہ 217

(2) - VI، 61 - 63

(3) میں اس معاملے میں ٹی جی آر وامو تھن سے متفق ہوں جو تنجور کی اس کانسے کی مورتی کو بعد کی بنائی ہوئی اور نقلی کہہ کر مسترد کر دیتا ہے جسے بعض اوقات راج راجا کی مورتی سمجھا گیا ہے۔ اس مصنف کی کتاب "Portrait Sculpture in South India" کا صفحہ 36 اور II - ARE - 1952 - II - 12 کی شبیہ دیکھیے۔ تر دو یشلور میں سنگتراشی سے بنائی ہوئی ایک راجا اور رانی کی مورتی ملی ہے جو اسی راجہ کی ہوسکتی ہے۔

(4) 1902 کا نمبر 633

(5) 1908 کا نمبر 453 (تیسرا برس)

(6) دیکھیے SII - ii - تمہید صفحہ 3 و حاشیہ نمبر 6۔ اس کی بہترین تشریح "سہ گونہ فوج چولا" ہے۔

(7) 1922 کا نمبر 395 ہمارے علم میں وہ قدیم ترین کتبہ ہے جس میں اس کارنامے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جو راجا کے چوتھے سال حکومت کے چوبیسویں روز کا ہے، اس لیے اب یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اپنے عہد حکومت کے آٹھویں برس یعنی 994ء تک اس نے کوئی فوج کشی نہیں کی (SII - ii - تمہید - صفحہ 2)۔ کاندلور کی لڑائی میں راج راجا نے واقعی کیا حاصل کیا، یہ بات ایک بڑی بحث کا موضوع بنی رہی ہے۔ اگرچہ "شالائی" اور "کلیم" کے معنی بالترتیب طعام گھر" اور " رکابی" ہیں لیکن موجودہ حالت میں اس طرح کے معنی اطمینان بخش نہیں ہوسکتے (اس کے خلاف دیکھیے TAS - iii - 2 تا 5)۔ دوسری جانب لنگر اندازی کے مقام کے معنوں میں "شالائی" کے استعمال کا پتہ اور کہیں نہیں چلتا

لیکن "شالائی" بہر حال کسی جگہ کے نام کا حصہ ہوگا یا معمولی طور پر اس کا مفہوم سڑک بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کے اور کوئی معنی اس سے زیادہ قرین قیاس نہیں ہو سکتے۔ جو بالعموم اس پورے جملے کے لیے جاتے ہیں، یعنی "جس نے کاندلور کی لنگر اندازی کی جگہ میں جہازی بیڑے کو تباہ کر دیا" اس کے متبادل معنی یہ ہیں کہ "کاندلور کے لنگر میں جس مقدار میں کھانا دیا جاتا تھا وہ راجہ طے کرتا تھا (ایس ویسک وناتھم پلے کے "کیرل سوسائٹی پیپرز" سلسلہ نمبر 2، ص ۱۵۵، اور اس کے آگے کے صفحے) لیکن اگر یہ مطلب لیا جائے تو اس عمل میں طاقت کے استعمال کی وجہ بتانے میں دور از کار قیاس آرائی کرنی پڑے گی اور اس سے یہ بات بھی صاف نہیں ہوگی کہ مثال کے طور پر راج راجا کو اس کے دوبارہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ڈی۔ پلّے کو یہ اعتراض ہے کہ بحری بیڑے کی تباہی کو اچھائی کا کام (اُرولی) نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ راج راجا کی عام تمہید "تروُمگل پول" وغیرہ میں کہا گیا ہے لیکن اس اعتراض کا جواب باآسانی مل جاتا ہے۔ راج راجا نے پانڈیا ویر کیرلا کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیا تھا اور اسے ایک پسندیدہ عمل بتایا گیا ہے۔ "گدکل ٹران اُدے پترولی" شاید "ارتو" لفظ کا مطلب "تباہ کیا" نہیں ہے بلکہ صرف "فتح پائی" ہے۔ مقابلہ کیجیے "کلنگتو پرانی" (اشلوک نمبر 370) جس میں کہا گیا ہے کہ وِلنم کو تباہ کر دیا گیا اور "شالائی" کو تسخیر کر لیا گیا۔ تاہم یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ کاندلور کے قدیم ترین ذکر سے (TAS - اِ صفحہ 6، 1-6) ڈی پلے کے اعتراض کی ضرور تائید ہوتی ہے۔ گوپی ناتھ راؤ نے کاندلور کی صحیح شناخت کی ہے اور اسے تروندرم کا ایک حصہ بتایا ہے جو اب ویلیا شالائی کہلاتا ہے۔ لیکن دیکھیے TAR - 1920-21 (صفحہ 65)، جہاں یہ کہا گیا ہے کہ کاندلور، پُووار (نیا تنکر) کے قریب واقع ہے۔ اکثر "شالائی" کو سنسکرت لفظ کے معنوں میں لیا جاتا ہے اور اس کا مفہوم "جوالا" بتایا جاتا ہے (TAS - ii - صفحہ 4)

(8) درشنن کولپو کا کتبہ (TAS - i - صفحہ - 238) اب تک ہمارے علم میں آنے والے کتبوں میں قدیم ترین کتبہ ہے۔

(9) ایضاً، 76-79

(10) TAS، ii صفحات 31-32۔ یہ بات نظر میں رکھنے کی ہے کہ اس راجہ کے عہد حکومت کی مدت ایک واحد کتبے کی شہادت کو بنیاد مان کر طے کی گئی ہے، یعنی تروُنیلی کی تختیوں کی۔

(11) 1915 کا نمبر 176۔ ترھویں سال حکومت سے قبل کے صرف چند کتبوں ہی میں کوئی تمہید دی گئی ہے۔

(12) 1923 (چودھویں سال حکومت) کا نمبر 27

(13) 1911 کا نمبر 394 - ARE - 1912 - II - 23

(14) کاندلور یا کاندُور شالائی غالباً وِلِنم کے قریب واقع تھا........ کاندلور شالائی جس کے متعلق بعد کے کتبات میں بتایا گیا ہے کہ چیراراجہ کے قبضے میں تھا، راج راجا کے حملے کے وقت غالباً پانڈیوں کے قبضے میں تھا۔ وینکیا - ii - تمہید۔ صفحہ 2

(15) درشنن کو لو کا (آٹھویں سال کا) کتبہ۔ سچندرم کا کتبہ (دسویں سال کا)۔ وجیہ نارائنم کا کتبہ (دسویں سال کا)

(16) - SII - ii - I پیراگراف نمبر 34، 51 وغیرہ۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں کے V - 83 میں جہاں پرشورام کے ملک کی تسخیر کا ذکر ہے۔ دراصل ان ہی جنگی مہمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے خلاف دیکھیے وینکیا SII - ii - تمہید۔ صفحہ 4

(17) SII - ii - I پیراگراف 51

(18) 1902 کا 236 (ستائیسویں 27 سال کا) - SII - vii - نمبر 863، نیز TAS - ii - صفحہ 5

(19) دیکھیے شلالیکھ xi - I، 53 پر ادیارگنلّار (کا تبصرہ)۔ کیلہارن اسے مالابار کہتا ہے۔ EI - vii - فہرست نمبر 704 نیز دیکھیے EC - iii - T.N. - 122

(20) SII - iii - 19، 51

(21) viii - V - 24

(22) EC - iii - سلسلہ نمبر 125

(23) 1895 کا نمبر 5 (اٹھائیسویں 28 برس کا) - EC - iii - سلسلہ نمبر 140 نیز i - C9. - 46، اور صفحات 12 - 13

(24) کلیتور کے ایک کتبے (1901 کا نمبر 353) جس پر شاکا سمت 929 کی تاریخ درج ہے، سے معلوم ہوتا ہے کہ چولا جرنیل اپرمینیا نے کچھ ہوئسالہ سربراہوں کو شکست دی۔ لیکن کیلہارن اس تاریخ کو "تاریخی مقاصد کے لیے بے مصرف" قرار دیتا ہے۔ EI - iv - صفحات 67 - 68، اس کے برعکس دیکھیے۔ رائس کی (Mysore and Coorg صفحات 86 - 144، 45

(25) 1910 کا 261

(26) SII-iii-4 ، 15

(27) SII-ii-92 ، پیراگراف 12 15

(28) V 800

(29) C.V.- باب 17- 17، 4-2

(30) SII-ii-92 پیراگراف 12

(31) Ceylon Journal of Scieucel -G-II ، 2- صفحات 145-47-

(32) ASC- 1906، صفحہ 27

(33) 1910 کا 132 (سترھویں سال کا)

(34) ASC- 1891 صفحہ 12- نمبر 78- 80 - پدویا کا ستائیسویں[27] برس کا کتبہ جس کا حوالہ SII-ii- تمہید صفحہ 5 پر دیا گیا ہے، ضرور ان میں شامل ہوگا۔

(35) ASC - 1906 صفحہ 17 ، اور اس کے بعد کے صفحات

(36) 1912 کا نمبر 416 (SII - iv - 1412)

(37) 1923 کا نمبر 67 - ARE ، 1923 - II ، 27

(38) 1921 کا نمبر 97 (نویں سال کا)۔ دیکھیے SII - ii - تمہید صفحہ 3۔ اور حاشیہ نمبر ا جہاں بتایا گیا ہے کہ آٹھویں سال حکومت کے ایک کتبے میں جو ترووڈنڈی سے ملا ہے۔ ان فتوحات کا ذکر ہے۔ یہ حوالہ بلاشبہ 1910 کے نمبر 261 کے متعلق ہے۔

(39) MAR - 1917، صفحہ 42

(40) 1919 کا 127- مذکورہ افسر کے نام گنگن امبلونن گنڈر آدتّ شولا وِلُپرائین سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اگر پہلے نہیں تو اتم چولا کے عہد میں شہرت حاصل کی۔

(41) SII - ii - 213- کتبہ نمبر 212 بھی راج کیسری کے عہد کا اور اس کے دسویں سال حکومت کا ہے۔ اس میں ملّو رائینؔ سندر شولن کو ایک مُخبر شخص بنایا گیا ہے۔ یہ نام پرانتکا دوم سندر چولا کا عہدِ حکومت ظاہر کرتا ہے اور اگر یہ صحیح ہو تو یقیناً اس شخص کا والد شریا ویلار کی طرح اس شہنشاہ کے زمانے میں لنکا کو بھیجی گئی فوجی مہم میں کام آیا ہوگا۔ ARE - 1914 - II - 15

(42) EI - X - صفحہ 57 ' اور حاشیہ نمبر 3

(43) 1911 169 (تیرھویں[13] برس کا)

(44) EC - X - Mb - 208

(45) ایضاً .Ct 118

(46) موجودہ ضلع میسور کے کرشن راج پٹ۔ ناگ منگلا۔ مانڈیا۔ سرنگا پٹنم اور ملولی تعلقہ جات + فلیٹ IA ' XXX - صفحات 109-10

(47) 1904 کا 36- IA - V - صفحہ 17 ' SII ' ix (i) نمبر 77- مغربی چالوکیہ اور چولا راجاؤں کی باہمی مخاصمت کی وجوہ بنانے کوشش کرتے ہوئے اس قیاس کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ چولوں نے اس طرح سے یہ روایت برقرار رکھی کہ چولا سورج ونشی نسل سے تھے اور چالوکیہ چندر ونشی نسل سے۔ اوّل الذکر شیو دھرم کے ماننے والے تھے تو موخر الذکر وشنو تھے اور جین دھرم کی سرپرستی بھی کرتے تھے (SII - ii - تمہید صفحہ 5) اور حاشیہ نمبر 4)۔ وجوہ بنانے کی یہ کوششیں ہمیں کسی منزل پر نہیں پہنچاتیں۔

(48) SII - ii - 1 ' پیراگراف 92۔ ان جنگی مہمات کے خاتمے پر مندر کو جو تحائف نذر و نیاز کے طور پر پیش کیے گئے ان کی قیمت سے اندازہ لگایا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ دوسرے مقامات پر حاصل کردہ فتوحات کے مقابلے میں چالوکیہ کے خلاف جنگ میں کامیابی قطعاً ہیچ تھی۔

(49) ARE 1927 - iii - 11 - 1921 کے نمبر 97 میں رٹا پاڈی کا ذکر آیا ہے۔ لیکن اس میں دی ہوئی تاریخ (9) مشکوک ہے۔

(50) V - 81

(51) EI - xvi ' صفحہ 74

(52) اس جنگ کی نیز اس کے جلد بعد لڑی گئی ایک اور جنگ کی مزید تفصیلات حاصل کرنے کے لیے دیکھیے اگلا باب۔

(53) ARE ' 1904 - پیراگراف 17۔ تاہم اس بات کے ثبوت کے لیے کہ اس عہد حکومت کے آخر میں اس علاقے کا کچھ حصہ چالوکیوں نے واپس لے لیا تھا، راجندر کی جنگی مہمات سے متعلق اگلا باب دیکھیے۔

(54) 1895 کا نمبر 5 (اٹھائیسویں 28 سال کا) - EC، iii - سلسلہ نمبر 140

(55) اسی کے برعکس ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی تصنیف "گنگائی کونڈا" صفحات 541-42

(56) 1897 کا نمبر 145 - SII - vi، نمبر 102

(57) 1921 کا 79

(58) تفصیلات کے لیے دیکھیے "the Eastern Calukyas of Vengi"

مصنفہ ڈاکٹر این وینکٹا رمنیا۔ باب xvi تا xviii

(59) کورمبیلی PL - IA - xiv - صفحہ 52

(60) Journal of the Telugu Academy - ii - صفحہ 408

(61) الگت کرشن کوپات کالنگم۔ ARE، 1917، II، 24

(62) پینرو کا فرمان عطیہ (غیر مطبوعہ) جس کا حوالہ وینکٹا رمنیا نے دیا ہے۔ حوالہ سابقہ۔

صفحہ 183 حاشیہ نمبر 1

(63) Journal of the Telugu Academy - ii - صفحہ 409

(64) 1931 کے نمبر 237 - 238 - EI - xxi، صفحہ 29 جہاں یہ کتبہ غلط طور پر

راج راجا اوّل سے منسوب کیا گیا ہے جس کے زمانے میں اس کے آخر میں تامل کی صرف

ایک سطر کا اضافہ کر دیا گیا تھا کہ بھیم کو راج راجا نے قید کر لیا تھا۔

(65) شکتی ورمن کے فرمان عطیہ کے 1-35 میں "اراجکم"۔ وملا دیتہ کے رنستاپونڈی

کے فرمانِ عطیہ میں x - "انائیکا" (40-1)، EI - vi -

(66) رنستاپونڈی کے فرمانِ عطیہ میں دیو دشپٹشیہ (39، 1)

(67) SII - v نمبر 516 ترکوانیاڑو سے دستیاب ہوا راج راجا اوّل کے بائیسویں

سال حکومت کا کتبہ ہے۔ اس میں ومت وئی کا ذکر ہے جو سالوکی ویمیتن (چالوکیہ

بھیم) کی مہارانی تھی۔ موخرالذکر وہ لقب تھا جو دانارنو نے اپنی تاج پوشی کے وقت

اختیار کیا تھا۔

(68) EI - vi - صفحہ 349

(69) بی وی کرشنا راؤ کی "History of the Rajahmundry"

(Journal of the Andhra Historical Research Society) JAHRS

17-111 دیکھیے۔ ان میں یہ ثابت کرنے کی ایک نہ قائل کرنے والی کوشش کی گئی ہے۔ کرشنکتی ورمن کے تخت وتاج کی بازیابی میں راج راجا کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ کرشنا راؤ نے جوجٹا چوڑا کو جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا قرار دیا ہے یہ غیر ممکن بات ہے

(70) کورپیلی کی تختیوں IA - xiv - صفحہ 52 '11 '55- 65

(71) 1897 '145 SII - vi - نمبر 102

(72) "مالدیپ کے راجہ نے بارہ ہزار جزیروں کے حکمران کا ساطرز اختیار کر رکھا ہے۔" پائرارڈ کے الفاظ کا حوالہ دیتے ہوئے رینا ودت ایسا لکھتا ہے۔ دیکھیے "Ancient Account" نامی کتاب میں صفحہ 2 پر تبصرہ۔ نیز دیکھیے تونگ پاؤ xvi - صفحہ صفحہ 388 حاشیہ نمبر 1

(73) مقابلہ کیجیے۔ JOR (Journal of Oriental Research, Madras) xix - صفحات 150- 51 کیا بھوگ دیو، جٹا چوڑا بھیم کا ایک اور نام تھا؟

(74) EI - viii - صفحہ 260

(75) 1896 کا نمبر 117-

(76) SII - ii - 90 میں مذکور راجندر کے تیسرے سال حکومت کے ایک عطیے کے متعلق بظاہر ایک الجھن میں ڈالنے والے حوالے کی صحیح وضاحت یہی دکھائی دیتی ہے۔

(77) 1933- 34 کا نمبر 50 ؛ ARE - II - 13

(78) فرمانِ عطیہ (تامل حصہ)، EI - xxii

(79) جیربین کی تصنیف ربیسر چیز ر صفحہ 527 - نیز ARE - 1899 - پیراگراف 48

(80) - Pd. - 91

(81) ضلع تنّے ویلی کے منارکوول میں بارہ "شیریوں" کے نام اسی طرح رکھے گئے تھے۔ دیکھیے 1905 کا نمبر 109 (EI - xi صفحات 293- 98)۔ ضلع تنجور کے تروکلتی ٹائی میں دوسروں کے علاوہ مندرجہ ذیل "شیری" تھے۔ اُرومولی دیوچیری (شیری) — جن ناتھ چیری۔ نت ونودچیری۔ راج کیسری۔ نگرلی شولا چیری۔ الگیا شولا چیری — سنگلانتگلا چیری۔ گندوئی چیری۔ شولاکل سندرا چیری۔ راج مارتنڈ چیری اور راج راجا چیری (راجندر اوّل کے نویں سال کا کتبہ۔ 908 کا نمبر 292)۔

(82) 1907 کا نمبر 42- موجودہ زمانے میں "ہر یئر گربھ" کے لیے دیکھیے گلیٹی کی تصنیف "The Dutch in Malabar" صفحہ 115 وحاشیہ

(83) 1902 کا 633- C (راجندر کے تیسرے برس کا)

(84) 1896 کا نمبر 117- الف (A)- 1918 کا 448

(85) SII - ii-2

(86) 1919 کا 8

(87) SII - ii- تمہید صفحہ 8

(88) 1902 کا نمبر 633 (پچیسویں[25] سال کا)

(89) 1915 کا نمبر 178 (اٹھائیسویں[28] سال کا)

(90) SII - iii-15

(91) 1895 کا 115

(92) 1924 کا 394 (راج کیسری 4)

(93) 1924 کا 365- 367 (راج کیسری 10، 16)

(94) 1924 363

(95) ہلتش - SII-iii- 49 : گذشتہ صفحہ 157 ' اور حاشیہ 74؛ 1917 کے 356 (دسویں سال کا) میں کسی گندھرادتیّ مدھرانتکن کا بھی ذکر آتا ہے۔

(96) 1906 کا نمبر 283 ' 1921 کا نمبر 218

(97) معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلطی اس یقین کے باعث سرزد ہوئی کہ "گ" کے "نرووشاتپا" میں تنجور کے مندر کا حوالہ ہے جبکہ یہ چدامبرم مندر کے بارے میں ہے۔ دیکھیے ٹی اے جی راؤ کی "شولا وشاچیر ترچ چرکم". صفحہ 16 حاشیہ

(98) 1890 کا نمبر 19 (EI- iv صفحہ 139)

(99) 1890 کا نمبر 11 (SII-iii-51)

(100) SII - iii- 52

(101) 1906 کا نمبر 84' 86

(102) SII - ii-31

(103) ا۔ 437

(104) SII-ii-55

(105) SII-iii-9

(106) SII-ii-95، صفحہ 459

(107) 1902 کے نمبر 624، اور 624-الف (A)؛ SII، viii-222-23، 1907 کا 44 (چوبیسویں سال کا)

دسواں باب

راجندر (سنہ 1012ء تا سنہ 1044ء)

تخت نشینی

پراکیسری ورمن راجندر چولا دیو اوّل کو اس کے والد کی حکومت کے آخری سالوں میں ولی عہد بنانے کا اعلان کر دیا گیا تھا اور اُسے رسمی طور پر سلطنت کے انتظام میں اپنے والد کے ساتھ شریک کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی حکومت کے سال کا آغاز 27 مارچ سے 7 جولائی سنہ 1011ء تک کی کسی درمیانی تاریخ میں شمار کرتا ہے۔ راجندر کی حکومت کے تیسرے سال میں بھی ہمیں باپ بیٹے کی مشترکہ حکومت کی مثالیں ملتی ہیں۔ راج راجا کے عہد کے انتیسویں برس کے تنجور کے کتبے میں بھی اس سال کا ذکر ملتا ہے۔ اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے بیٹے کی حکومت کے تیسرے سال میں راج راجا نے ایک وقف کیا تھا۔ راجندر کی پیدائش کا نکشتر آردرا تھا۔

سلطنت کی تنظیم و توسیع

راجندر کو اپنے والد سے ایک وسیع سلطنت ورثہ میں ملی تھی جس میں موجودہ مدراس اور آندھرا نیز میسور اور جزیرۂ لنکا کے کچھ حصے شامل تھے۔ انتظام سلطنت کی با احتیاط داغ بیل ڈالی جا چکی تھی اور ایک صاحب اختیار انتظامی عملہ وجود میں آچکا تھا جو ایک طرف جہاں ملک سے وابستہ اُمراء اور مختلف جماعتوں کی جاگیر دارانہ

اور شہری آزادی کا احتیاط اور ہوشیاری سے لحاظ رکھتا تھا اور ہاں کاسائی سے راہ
کی جانب سے امن عامہ کو بھی قائم رکھتا تھا اور تمام شہری حقوق کو نافذ کرتا تھا
فوج ایک طاقت اور آزمودہ تنظیم تھی جو ایسے افراد پر مشتمل تھی جو ملک کی وسیع بری سرحدوں
کی بخوبی حفاظت کر سکتے تھے اور سلطنت کے زیر اطاعت آنے والے نئے علاقوں
میں کسی بھی امکانی بغاوت کے خطرے کا مقابلہ کر کے اُسے دبا سکتے تھے نیز غیر
ریاستوں میں جارحانہ لڑائیوں کے لیے بھی کمربستہ رہتے تھے۔ لنکا اور کچھ دیگر جزائر
مثلاً مالدیپ پر بھی ایک طاقتور بحریہ کے ذریعے ایک مضبوط گرفت رکھی گئی تھی۔ جو
جزائر مشرق الہند اور چین کے ساتھ اس سلطنت کی وسیع غیر ملکی تجارت کی حفاظت
کا کام بھی دیتی تھی۔ اپنے تینتیس 33 سالہ عہد حکومت میں راجندر نے اس برتری کا جو اس
کو ابتدا میں حاصل ہو گئی تھی خوب فائدہ اٹھایا اور سلطنت کو اپنے زمانے کی ایک
وسیع اور موثر ہندو سلطنت بنا دیا جس کے مقبوضات کچھ عرصے تک مجمع الجزائر
شرق الہند اور جزیرہ نمائے ملایا میں بھی رہے۔ اس کے عہدِ حکومت کی تاریخ
بڑی حد تک طویل جنگوں اور فتوحات کی تاریخ ہے جن میں وہ اپنے عہد حکومت پہلے
نصف حصے میں مشغول رہا۔ اپنے والد کی طرح اس نے بھی اپنے پتھر کے کتبات اور
ترووالنگاڈو اور کرن دئی (ضلع تنجور) کی تانبے کی تختیوں میں اپنے عہد حکومت کی فوجی
اور بحری سرگرمیوں کا ایک معتبر تذکرہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے جس سے ہر اس واقعے کی
تصدیق ہو جاتی ہے جس کے لیے ہمارے پاس کچھ دوسری شہادتیں بھی موجود ہیں۔

راجندر کی پرشستیاں

راجندر کی تامل "پرشستی" کی عام طرز وہ ہے جو "تردمنی ولرا" سے شروع ہوتی ہے
یہ طرز ہمیں اس کے تیسرے سال کے کتبات سے دکھائی دینا شروع ہو جاتی ہے
اگرچہ اس کا زیادہ کثرت سے استعمال اس کے عہد کے پانچویں برس سے ہوتا ہے۔
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعارف اپنے طول میں بتدریج بڑھتا جاتا ہے کیونکہ اس
میں تازہ فتوحات کا حال شامل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تیرھویں سال کے بعد یہ
بالکل رسمی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس تعارف میں جو اضافے وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ان کی
مدد سے ہم اس عہد حکومت کی ترتیب سنین کا تعین جس قدر صحت کے ساتھ کر سکتے

ہیں اتنا قدیم ہندوستان کی تاریخ میں کم ہو سکا ہے۔ ایک اور تامل پرشستی جو اس وقت تک اس عہد کے دسویں برس کے صرف ایک کتبے سے ہمارے علم میں آئی ہے پانڈیا خاندان کے حالات کے متعلق کچھ معلومات فراہم کرتی ہے جن کی تصدیق ترووالنگاڈو کی تختیوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ چوبیسویں برس کے ایک کتبے میں تامل پرشستی تکن لاڈم کی تسخیر تک تو اپنی معمولی صورت میں نظر آتی ہے لیکن اس کے بعد وہ ایک دوسرے راجہ کی "پرشستی" کی نقل ہے۔ غالباً عبارت کو دوبارہ کندہ کرنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہے اور دو کتبات باہم خلط ملط ہو گئے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ راجندر کی فوجی کامیابیوں کا جو حال ترووالنگاڈو کی تختیوں کے سنسکرت کے حصے میں دیا گیا ہے وہ تمام فتوحات کی تکمیل کے بعد قلم بند کیا گیا ہے اور مختلف برسوں کی تامل پرشستیوں کے بیانات میں جو اشارے ملتے ہیں ان کے پیش نظر سنسکرت زبان کا یہ تذکرہ اس عہد کی ترتیب سنین کے تعین کے لیے کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن شاعر اننا آرائن جس نے اس طویل سنسکرت پرشستی کو نظم کیا نہ صرف اعلیٰ ادبی محاسن کے لیے ہماری تعریف کا مستحق ہے بلکہ اس توجہ کے لیے بھی جو اس نے اپنے سرپرست کے عہد کے واقعات کی طرف دی ہے۔ جو عام درباری شعراء کی توجہ سے کہیں زیادہ مکمل ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کا منظوم تذکرہ اکثر امور کے متعلق تامل پرشستیوں کی فراہم کردہ معلومات میں قابل قدر اضافہ کرتا ہے۔

راجندر نے اپنے عہد حکومت کی ابتدا ہی میں اپنے بیٹے راجا دھیراج کو سلطنت کے معاملات میں اپنی مدد کے لیے ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ راجا دھیراج کے کتبات کے حساب سے دیکھا جائے تو یہ تقرری 15 مارچ 3، دسمبر 1018ء کی کسی درمیانی تاریخ میں ہوئی تھی جو غالباً راجندر کے عہد کا ساتواں برس تھا۔ اس دن سے لے کر پچیس برسوں سے زائد مدت تک پراکیسری اور راج کیسری یعنی باپ بیٹے دونوں مل کر حکومت کرتے رہے اور سلطنت کی ذمہ داریوں کو سنبھالے رہے۔ راجا دھیراج کے وہ کتبات جن کی پرشستیاں "تنگیلر ترو" سے شروع ہوتی ہیں، اپنے والد کی مہمات میں اس کے ادا کردہ کردار کا حال ہمیں بتاتے ہیں۔ راجا دھیراج کے عہد حکومت کے چھبیسویں برس تک کے کتبات کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ راجندر کے کتبات میں صرف اضافہ ہیں ان میں کم و بیش انہیں واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا ذکر راجندر کے کتبات

میں ہے۔ البتہ ان میں ان واقعات کو زیادہ واضح کیا گیا ہے جن کا تعلق خود راجا دھیراج کے کردار سے ہے۔ ترُوَل واڑی سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں جو راجا دھیراج کے چھبیسویں برس کا ہے، اور جس میں تمہید کی ایک مختصر طرز استعمال کی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ راجا دھیراج کی سلطنت کا چھتر ایسا تھا جیسے کہ خود اس کے والد کا سفید شاہی چھتر کا سایہ ہو جس نے اپنے لشکر کو لے کر شمال میں دریائے گنگا کو جنوب میں لنکا کو مغرب میں مہو دائی کو اور مشرق کو کڈارم کو تسخیر کر لیا تھا۔

شہزادگان منتظمین کی حیثیت سے

یہ تسلیم شدہ حقیقت کہ اس کا بیٹا اپنے والد کی زندگی ہی میں پوری شاہی حیثیت اور مرتبے کے ساتھ قریب قریب چھبیس برس تک حکومت کرتا رہا۔ چولا تاریخ کے ایک بہت اہم پہلو کو صحیح طور پر سمجھنے کی ایک کنجی ہے حکمران راجہ کے جیتے جی ہی ولی عہد منتخب کر لینے اور ایک رسمی تقرری کے بعد اُسے سلطنت کے اہم فرائض کی تکمیل میں شریک کر لینے کے اس طریقۂ کار کو جو پہلے پہل جانشینی کے تنازعات سے بچنے کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔ بڑھتے ہوئے کاروبارِ سلطنت کے بوجھ کے تقاضوں نے سلطنت کے انتظامیہ معاملات میں بھی استعمال کرنے کے لیے راستہ کھول دیا۔ شاہی خاندان سے خون کا رشتہ رکھنے والے شہزادے جو بالغ ہو چکے تھے، سلطنت کے مختلف حصّوں میں با اختیار عہدوں پر فائز کر دیئے گئے لیکن اس مناسب اختیار کے ساتھ کہ ہر ایک شہزادے کو اس کی استعداد اور صلاحیتوں کے مطابق عہدہ ملے۔ ولی عہد منتخب ہونے والے فرد کو باقی شہزادوں سے ممتاز کرنے کے لیے تقرری کی ایک رسمی تقریب منعقد کی جاتی تھی اور اسے مقابلتاً ایک اونچا مرتبہ دیا جاتا تھا۔ راجا دھیراج اپنے باپ راجندر کا سب سے بڑا بیٹا نہیں تھا اس لیے یقیناً اپنی خصوصی استعداد کے باعث ولی عہد چنا گیا ہوگا۔ اپنے والد کے جیتے جی ہی کتبات میں ایک علیحدہ تاریخی تعارف کے ذریعے اس کے مقام اور مرتبے کی باقاعدہ وضاحت کر دی گئی تھی۔ اس کے ہم عصر چولا پانڈیا نائب السلطنت اور خود چولا شہزادے اپنے کتبات میں یا تو اپنا کوئی تاریخی تعارف نہیں لکھواتے تھے یا پھر حکمران تاجدار راجندر ہی کے تاریخی تعارف سے اپنے کتبات شروع کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راجندر کے

عہد کی ابتدا میں ولی عہد شہزادہ راجا دھیراج کے علاوہ اس کا صرف ایک ماتحت حکمران پانڈیا اور کیرلا ریاستوں میں اس کی نیابت کا کام سرانجام دے رہا تھا لیکن ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر دیگر علاقوں میں بھی کچھ اور افراد نائب السلطنت کی حیثیت سے تعینات کیے گئے ہوں۔ ان عہدوں کے لیے منتخب ہونے پر شہزادوں کو کسی نہ کسی طرح کی ایک خاص تقریب میں اختیارات بخشے جاتے تھے جس کی بدولت انہیں اور اختیارات و مراعات کے علاوہ خود اپنے سر پر تاج یا کلغی پہننے کا حق بھی مل جاتا تھا جو حکومت میں ان کی حیثیت اور مرتبے کے مطابق ہوتا تھا۔ کتبات میں بتایا گیا ہے کہ راجا دھیراج اور اس کے جانشینوں نے بھی اس طریقے کو جاری رکھا۔ راجندر اول کے اس دانش مندانہ طریقۂ کار کے طفیل شاہی خاندان کے شہزادوں کو اپنی سرگرمیوں کے لیے ایک میدان مل جاتا تھا۔ ان کی مضطرب طبیعتوں کو تسکین حاصل ہو جاتی تھی اور شاہی گھرانے کی سازشوں اور بغاوتوں کے مواقع کم ہو جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بے حد وسیع سلطنت کی انتظامیہ کو جسے ابھی بہت دشوار ملکی اور غیر ملکی مسائل کا سامنا کرنا تھا، ایک نئی طاقت بھی حاصل ہو گئی تھی۔

ابتدائی فتوحات

اب ہم مذکورہ بالا ماخذ کی روشنی میں راجندر کی فتوحات کی بتدریج توسیع پر نظر ڈالیں گے اور اس کے لیے ہم "نرومنیّ ولرا" سے شروع ہونے والے تعارف میں دیئے ہوئے واقعات کو بنیاد مانیں گے۔ اس تعارف سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اپنے عہد حکومت کے تیسرے سال تک راجندر نے اِڈتورائے ناڈو، بن واسے (بن واسی) جس کے گرد جنگل کی ہی ایک قدرتی مسلسل دیوار حائل تھی، کولپاکئ جس کے قلعے کی فصیلوں کے گرد شُلی کے درخت لگے ہوئے تھے، اور منیّ کڈکم جس کا قلعہ ناقابلِ رسائی تھا، تسخیر کر لیے تھے۔ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکا کہ یہ بیان رٹاپاڈی پر راجندر کے 1003-06ء کے حملے کے متعلق ہے جس کا ذکر 1007ء کے ہوتور کے کتبے میں نہایت وضاحت سے کیا گیا ہے یا اس میں کسی دوسری مہم کا تذکرہ ہے جسے بھیجنے کی ضرورت ستیہ آشرایا کے دوبارہ طاقت پکڑنے کی وجہ سے پیش آئی تھی۔ بہرحال یہ مہم 1009ء سے پہلے ہی بھیجی گئی تھی کیونکہ اس سے ستیہ آشرایا کا قلع قمع کرنا مقصود تھا جس کی جگہ تقریباً اسی سال وکرمادتیہ پنجم تخت نشین ہوا تھا۔ اڈتورائے ناڈو، ایڈے ڈورہ 2000، موجود

رائچور ضلع۔ کے بیشتر علاقے پر مشتمل ایک خطہ تھا جس کی شمالی حد دریائے کرشنا اور جنوبی حد دریائے تنگ بھدرا تھی۔ کولپاکئ بلاشبہ موجودہ کلپک تھا جو حیدرآباد سے 45 میل شمال مشرق میں واقع تھا۔ اس کا ذکر کتبات میں برابر کولپاکئ کے نام ہی سے آیا ہے۔ یہ "سات ہزار والے" ایک ضلع کا مرکز تھا جو بعد کو اگلی صدی کے آغاز میں کچھ عرصے تک سومیشور سوم کے زیر نگیں رہا جو اپنے والد وکر مادتیہ ششم کا مقرر کردہ نائب السلطنت تھا۔ کلپک ابھی تک ایک صوبے کا دارالخلافہ تھا جس کی حکومت تیرھویں صدی میں کاکتیا خاندان کے راجہ کا ایک ناظم چلا رہا تھا۔ منئ کڈکم جس کی فصیلیں بہت مستحکم تھیں، آسانی سے شناخت کیا جا سکتا ہے کہ مانیہ کھیت ہی تھا جو کنیا کماری کے کتبات کے مطابق راجندر کی فوجوں کے لیے میدان جنگ رہا تھا۔ راجندر کی فوج کشی سے مانیہ کھیت (مال کھید) پر یقیناً بڑی مصیبتیں پڑی ہوں گی۔ راشٹرکٹوں کے دور اقتدار کے آخری برسوں میں اسے ایک مرتبہ مالوا کے پرمار حکمرانوں نے تاخت وتاراج کیا تھا اور اب چالیس برس بعد جب چالوکیوں کی حکومت تھی، اس بدقسمت شہر کا اور بھی بُرا حشر ہوا۔ چالوکیوں پر یقیناً اس کا بہت اثر پڑا کیونکہ انھوں نے اس کے اور ہی اپنا دارالخلافہ کلیانی یا کلیان پورہ میں منتقل کر دیا جو مال کھیڈ سے 48 میل شمال مشرق میں واقع تھا۔ راجندر کے عہد کے تیسرے برس کے ایک کتبے میں جو ضلع ترچناپلی سے ملا ہے، منئ کڈکم کی فتح سے قبل ستیہ آشرایا سے جو لڑائی ہوئی تھی اس کے ایک واقعے کا ذکر ملتا ہے۔ اُوڑتوڑ کے رہنے والے ایک شخص شرتی مان شکن چندرن کو راجہ (پیرو مال ترووایال مولیا) کی جانب سے براہ راست یہ حکم ملا کہ وہ دشمن کے ہاتھیوں پر حملہ کر دے۔ اس حملے میں چندرن اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اس کے واسطے ایصال ثواب کے لیے اس کے گاؤں اُوڑتوڑ میں ایک جاگیر بطور وقف مہادیو کے مندر کو دی گئی۔ اس مہم میں راجندر دریائے تنگ بھدرا کو عبور کر کے لڑتا لڑتا چالوکیہ ریاست کے وسط تک پہنچ گیا اور اس کے دارالسلطنت پر حملہ کر دیا۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی کہ دریائے تنگ بھدرا کے پار یہ فوجی کارروائیاں اور بن واسے پر حملہ دونوں بیک وقت کیسے عمل میں آتے ہوں گے۔ بن واسے مدت سے کادمبا خاندان کا ایک مشہور مرکز چلا آتا تھا اور ان دنوں مغربی چالوکیہ ریاست کا ایک جزو تھا۔ بن واسے

فوجی مہم کے لیے جو راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ اس سے بہت دور مغرب میں واقع تھا اور اس راستے سے بالکل ہٹ کر پڑتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جس کتبے میں اس مہم کا ذکر ہے اس کی زبان لازمی طور پر ہمیں ان دونوں کارروائیوں کو ایک ہی مہم قرار دینے اور اس میں مذکورہ ناموں کو ایک ہی مہم کے مختلف مراحل تصور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس سے اور رہوٹور کے کتبے کی تاریخ تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ راجندر کے کتبات میں جن واقعات کا بیان ہے وہ بھی اسی جنگ کے ہیں جو 1006ء میں راج راجا نے ستیہ آشرایا کے خلاف چھیڑی تھی۔ نیز اس جنگ میں راجندر نے چالوکیہ ریاست پر میسور کے شمال مغرب میں کسی مقام سے حملہ شروع کیا تھا اور وہ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے کنارے شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا رائچور کے دوآبے تک جا پہنچا اور کلپک اور مال کھیڈ اس کے حملے کی زد میں آ گئے۔ ترو وورتیور کا منی کونڈ شولا نامی ایک منڈپ بھی اسی جنگ کی یادگاروں میں سے ایک یادگار تھا۔

لنکا کی جنگ

اس عہد کا دوسرا کارنامہ پورے ایلا منڈلم کی تسخیر ہے۔ راجندر کے عہد کے پانچویں برس کے بعض کتبات میں اس فتح کو شامل نہیں کیا گیا ہے لیکن بعض میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ لنکا کے خلاف جنگ واقعی اس عہد کے پانچویں برس 1017-18ء میں چھیڑی گئی تھی۔ "مہاوامسا" میں چولوں کی لنکا پر مکمل فتح کی تاریخ مہندا پنجم کے عہد کا چھتیسواں سال بتائی گئی ہے۔ جو لنکا کے لیے جیجر کے وضع کیے ہوئے ترتیب سین کے قواعد کے مطابق 1017ء عیسوی ہوتی ہے۔ اس تاریخ سے تقریباً بارہ برس پہلے راج راجا نے مہندا پنجم کے خلاف ایک اندرونی فوجی بغاوت سے ابتری پیدا ہوئی تھی اس کا فائدہ اٹھا کر لنکا پر تسلط جما لیا تھا۔ سوائے ان چند دور دراز علاقوں کے جو ابھی تک سنہالیوں کے قبضے میں تھے، راجندر کا دعوٰی ہے کہ اس مہم کے نتیجے میں اس نے لنکا کے راجاؤں کا تاج اور ان کی مہارانیوں کے غایت درجہ خوبصورت مکٹ چھین لیے اور راجہ اندر کا نفیس تاج اور گجرا جو اس سے پہلے کبھی پانڈیا راجاؤں نے لنکا کے راجاؤں کی تحویل میں رکھے تھے، اور شفاف سندر پر واقع پورے کا پورا ایلا منڈلم بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ کرن دئی ضلع تنجور کی تختیوں میں (شلوک 59-58) لکھا ہے کہ راجندر

نے ایک خونخوار فوج کی مدد سے لنکا کے راجہ پر فتح پائی۔ اس نے اس کی ریاست، اس کا تاج، اس کی مہارانی، مہارانی کا مکٹ، اس کی لڑکی اور تمام دھن دولت، اس کی سواریاں اور راندر کا بے داغ گجرا اور تاج جو پانڈیوں نے اس کی تحویل میں رکھے تھے۔ سب کچھ چھین لیا۔ جنگ ہار کر اور اپنی مہارانی، بیٹے اور دیگر املاک سے محروم ہو کر لنکا کا راجہ ڈر کے مارے خود آیا اور اس نے راجندر کے قدموں میں پناہ مانگی۔

"مہا وامسا" نے یہ ذکر دبے الفاظ میں نہیں کیا ہے بلکہ سب حال صاف صاف بیان کیا ہے جس سے راجندر نے اپنے کتبات میں جو دعوے کئے ہیں ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

"راجہ (مہندا پنجم) کے عہد کے چھتیسویں سال میں چولوں نے بیشتی جواہرات اور اس شاہی تاج پر قبضہ کر لیا جو اس کو بزرگوں سے ورثے میں ملا تھا۔ اس نے تمام (شاہی) زیورات، بیش قیمت ہیرے کا بازو بند جو دیوتاؤں کا عطیہ تھا۔ ناقابل شکست تلوار اور کپڑے کے پھٹے ہوئے ٹکڑے والی متبرک یادگار اس سے چھین لی۔ لیکن خود حکمران کو جو ڈر کے مارے جنگل کو بھاگ گیا تھا، وہ معاہدہ کرنے کے بہانے زندہ پکڑ لائے۔ تب اس کے بعد انہوں نے مفتوح راجہ اور اس کے تمام مال واسباب کو جو ان کے ہاتھ لگا تھا فوراً چولا تاجدار کے پاس بھجوا دیا۔ تینوں برادریوں میں اور سارے لنکا میں مقدس یادگار والے حجرے کو توڑ کر وہ سونے کی بنی ہوئی بہت سی قیمتی مورتیاں وغیرہ اٹھا لے گئے اور جہاں انہوں نے جگہ جگہ پر " وہاردں " کو بیدردی سے مسمار کیا، وہاں خون چوس لینے والے یکشوں کی مانند وہ لنکا کے تمام خزانے اپنے ہمراہ لے گئے۔ پلتھی نگر کو اپنا مرکز بنا کر چولوں نے راج رتھ پر اس مقام تک حکومت کی "جو رکھا پاسان کنٹھا کہلاتا ہے۔ راجہ مہندا بارہ برس تک چولوں کی سلطنت میں رہا اور اپنی تاج پوشی کے اڑتالیسویں برس میں سورگ میں داخل ہوا۔

اس طرح راجندر پانڈیا خاندان کا وہ شاہی ساز وسامان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو راج سمہا اپنے پیچھے چھوڑ گیا تھا اور جسے حاصل کرنے کے لیے پرانتکا اوّل نے کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ لنکا کی فتح کی تفصیلات کے متعلق چولا کتبات خاموش ہیں اور لنکا کی اس لوٹ مار اور غارت گری پر پردہ ڈالتے ہیں جس کا واضح تذکرہ لنکا کی تاریخ میں کیا گیا ہے۔ اگرچہ ایک کتبے میں صریحاً یہ بتایا گیا ہے کہ مہندا کو جب

لنکا سے ہندوستان لایا گیا اس وقت اس نے چولا راجہ کی اطاعت قبول کی۔ راجندر کو پوری طرح کامیابی حاصل ہوگئی تھی اور سارے کا سارا جزیرہ چولا سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ راجندر کے "تروملی دلیا" تمہید والے کئی کتبات پولونروا کے مقام پر اور کولمبو کے عجائب گھر میں ملتے ہیں لیکن یہ بڑی شکستہ حالت میں ہیں اور صرف لنکا پر راجندر کی فتح اور حکومت کے متعلق واضح معلومات فراہم کرنے ہی کے لیے کارآمد ہیں۔ پولونروا کے گرد ونواح میں بہت سے ہندو مندر (دیوالیہ) جو وشنو اور شو کے نام سے منسوب ہیں برآمد ہوئے ہیں اور سب پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور فن تعمیر کیے گئے ہوں گے "مہاوامساء" بتائے گئے ہیں اور یہ چولا حکومت کے اسی دور میں اس جزیرے میں تعمیر کیے گئے ہونگے۔

"مہاوامساء" میں یہ بھی لکھا ہے کہ راجندر کے حملے کے بارہ برس بعد اور غالباً مہندا پنجم کی بھی وفات کے بعد مہندا کا بیٹا کیشپ جس کی پرورش چولوں کے خوف کے مارے سنہالیوں نے خفیہ طور پر کی تھی تامل طاقت کے خلاف قومی مدافعت کی تحریک کا مرکز بن گیا اور چھ ماہ کی ایک جنگ لڑ کر جس میں سنہالی نوجوانوں کے ہاتھوں تاملوں کی ایک کثیر تعداد ہلاک ہوئی وہ روہنا کو ایک بار پھر تاملوں کی غلامی سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوگیا اور خود بارہ برس تک وکرم باہو اول کے نام سے اس پر حکومت کرتا رہا۔ وکرم باہو کے زمانے کے واقعات راجندر کے عہد حکومت کے بعد کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم مناسب مقام پر ان پر بحث کریں گے۔

کیرالا کی جنگ

اپنے عہد حکومت کے چھٹے سال ۱۰۱۸ء میں راجندر نے کیرالا تاجدار کا تمام خاندانی [illegible] اس کے تاج کے جس کی [illegible] نے تعریف کی ہے اور جس کے پہننے کا وہ حقدار رہا تھا اور [illegible] اس مالا کے جس میں سے سرخ [illegible] میں [illegible] چھین لیا۔ اس نے "بہت سے قدیم جزائر پر بھی قبضہ کر لیا جن کا دیرینہ اور عظیم محافظ وہ سمندر تھا جس کی بدولت سنکھ کی آواز گونجتی ہے [illegible] جس سے لنکا [illegible] اس نے [illegible] سونے کا [illegible] آج بھی اپنے قبضے میں کر لیا جو [illegible] دلکشی [illegible] کی زینت بننے کے قابل تھا اور جسے پرشورام نے [illegible] ندی [illegible] کی [illegible] کے پیش نظر [illegible] محفوظ رکھوا دیا تھا۔ یہ وہ پرشورام تھا جس نے اکیس مرتبہ روئے زمین کے راجاؤں کو تاخت و تاراج کیا تھا [illegible] تنگیوں

میں راجندر کی جنوبی فتوحات کا تذکرہ ان قدرے مبہم واقعات پر کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ اور اس کے عہد کے دسویں برس کے ایک واحد حجری کتبے سے بھی پانڈیا ریاست میں اس کی پالیسی کا جو حال معلوم ہوتا ہے وہ اس عہد کے دوسرے حجری کتبے میں نہیں ملتا۔ ترووالنگاؤد کی تختیوں میں درج ہے کہ:۔

"اس نامور اور شجاع راجہ کے دل میں جو ایک طاقتور فوج کا مالک تھا اور اپنی قوتِ بازو سے پیدا کی ہوئی ڈھیروں دولت کے بل بوتے پر درخشندہ کارنامے دکھانے پر کمر بستہ تھا' دگِ وجے کا شوق سما گیا۔

چنانچہ اپنی عدم موجودگی میں اپنے دارالسلطنت کی حفاظت کا بندوبست کر کے یہ بے مثال راجہ اتم چولا پانڈیا راجہ کو مطیع کرنے کے ارادہ سے ... سے پہلے تر شنکو کی دکھلائی ہوئی سمت میں یعنی جنوب کی طرف روانہ ہوگیا۔

اس کے بعد سورج ونش کے زیور راجندر کے سپہ سالار (دنڈ نا تھ) نے بھاری فوج کے مالک پانڈیا راجہ کو کاری ضرب لگائی اور پانڈیا راجہ نے ڈر کے مارے اپنا گھر چھوڑ کر اگستیہ رشی کے مسکن کوہ ملایا پر پناہ لی۔

راج راجا کے بیٹے نے جو اس شکرت ئٹی کا بانی تھا' چمکتے ہوئے بے داغ موتیوں پر قبضہ کر لیا جو پانڈیا راجاؤں کی بے داغ شہرت کا باعث تھے۔ پانڈیا علاقے کی حفاظت کے لئے اپنے بیٹے شری چولا پانڈیا کو مامور کر کے سورج ونش کے نور نے مغرب کو فتح کرنے کے لیے کوچ کیا۔

یہ سن کر کہ راجاؤں نے جنگ میں بھارگو کے ہاتھوں ذلت اٹھائی تھی' اور بھارگو کو روئے زمین پر زندہ نہ پا کر اس مغرور راجہ کے دل میں اس کی بنائی ہوئی ریاست پر قبضہ کرنے کی امنگ پیدا ہوئی۔

اس آقائے برتر کے سوا کون اس قدیم سرزمین کو نیچا دکھانے کا خیال بھی دل میں لا سکتا ہے جس کی حفاظت بھارگو کل کا زیور کرتا ہے اور جس میں دشمن' کبھی راستہ نہیں پا سکتا۔

نڈر مدھورانتکا نے کوہستان سہیا کو ... اور آگے بڑھ کر پوری طاقت کے ساتھ کیرل پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ وہاں ایک خونریز ... ہوئی جو راجاؤں کی تباہی اور بربادی

کا باعث ہوئی۔

اسں طرح کیرل راجاؤں کو فتح کرکے اور بھارگو کل کے سردار کی تپسیا کی زیرِ حفاظت رہنے والی سرزمین پر تباہی مچاکر راجہ اپنی راجدھانی کو لوٹ آیا جو خوشحالی کا مسکن ہے۔

کوئی نئی فتوحات نہیں کی گئیں

اس میں شبہ ہے کہ اس جنگی مہم کی بدولت راجندر نے اپنی سلطنت میں کسی نئے علاقے کا اضافہ کیا۔ پانڈیا اور کیرلا کی ریاستیں راج راجا نے اپنے دورِ حکومت کی ابتدا ہی میں فتح کرلی تھیں اور بہت سے "قدیم جزائر" اپنے عہد کے اختتام کے نزدیک تسخیر کر لیے تھے۔ یہ جزائر مالدیپ تھے۔ غیر معروف شاندی تیتو جس کا ذکر قصے کہانیوں میں اکثر آتا ہے۔ غالباً بحرۂ عرب ہی کے جزائر میں سے ایک ہوگا۔ جنوب میں اپنے مفتوحہ علاقوں پر راج راجا کی مضبوط گرفت کا ثبوت پانڈیا ریاست میں اس کے بے شمار کتبات سے ملتا ہے اور راجندر کے عہدِ حکومت کے تیسرے برس کے ایک کتبے سے بھی جس میں ایک پانڈیا راجہ شری ولوورکی رانی کی جانب سے ترو وشلور میں دیئے گئے ایک عطیے کا اندراج ہے۔ راجندر کی تال پرشستی میں لنکا اور کیرلا میں اس راجہ کی نئی فتوحات کا ذکر ہے جن میں سب سے زیادہ قابلِ توجہ جنوب کی مختلف ریاستوں کے شاہی ورثہ کا چھیننا ہے، لیکن پانڈیا ریاست کے معاملات کے متعلق یہ یکسر خاموش ہے۔ ترو والنگاڈو کی تختیوں میں یہ مبہم سا بیان کہ پانڈیا راجہ فرار ہوکر اگستیہ رشی کے مسکن کی پہاڑیوں میں جا چھپا اور راجندر نے اس کے موتیوں پر قبضہ کرلیا، ایک ایسا رسمی بیان ہے کہ اس پر یقین کر لینا ممکن نہیں ہے۔

مدورائی میں نائب السلطنت کی تقرری

البتہ راجندر کے عہد کے دسویں برس کے ایک حجری کتبے سے مذکورہ تانبے کی تختیوں کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ راجہ نے اپنے بیٹے کو چولا پانڈیا کا لقب دے کر راجندر میں نائب السلطنت مقرر کر دیا تھا۔ اسی کتبے میں یہ بھی درج ہے کہ راجندر نے مدورائی میں ایک محل تعمیر کیا۔ جس کے بوجھ سے زمین ہل گئی۔" کتبے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ راجندر نے کاندلور شالئی میں اپنے والد کی فتح کے عمل کو دوہرایا۔ پانڈیا ریاست کا ناظم جسے جلد ہی بعد

کیرلا کا بھی ناظم مقرر کر دیا گیا جٹا ورمن چولا پانڈیا تھا جس کے عہد حکومت میں چولا پانڈیا کتبات، جو اب تک ہمارے علم میں آئے ہیں کی زیادہ تر تعداد کندہ کروائی گئی ہے۔

تاریخ تقرری

راجندر کے ایک کتبے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ شہنشاہ نے اپنے عہد کے چوبیسویں 24 سال میں "راجندر شولا ونگر" کے مندر کو جو چیرا راجہ راج سمہانے منارکوول (تننے ویلی) میں تعمیر کیا تھا، کچھ زمین کا عطیہ دیا اور یہ عطیہ جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا کے عہد کے پندرہویں برس سے نافذ ہوتا تھا۔ اس قیاس کی بنا پر کہ نائب السلطنت کا پندرہواں برس چونکہ شہنشاہ کے عہد حکومت کے چوبیسویں سال میں یا غالباً اس سے ذرا پہلے پڑتا ہے، جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا کی بطور نائب السلطنت تقرری راجندر کے عہد حکومت کے چھٹے یا ساتویں سال میں ہوئی ہوگی۔ یہ تاریخ ترو ولنگاڈو کی تختیوں اور رنال پرشستی دونوں کی اطلاعات کے مطابق ہے۔ منارکوول کا کتبہ کچھ دیگر پہلوؤں سے بھی کارآمد ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نائب السلطنت کو بھی قریب قریب راجہ ہی کا مرتبہ حاصل ہوتا تھا۔ اس کو سرکاری طور پر یہ اختیار دیا گیا تھا کہ اپنی تقرری کی تاریخ کے حوالے سے فرمان جاری کرے۔ اس سے راجہ اور نائب السلطنت کے درمیان جو قریبی تعلق قائم تھا اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جب مذکورہ بالا عطیہ دیا گیا تھا تو راجندر اپنے کانچی پورم کے محل میں مقیم تھا۔ چیرا ریاست کا چولا پانڈیا نائب السلطنت کے دائرۂ اختیار میں ہونا اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چیرا راجہ نے پانڈیا علاقے میں ایک مندر تعمیر کیا اور اس کا نام چولا شہنشاہ کے نام پر رکھا۔ جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا کے کتبات سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ اس نے بطور نائب السلطنت کم از کم تئیس 23 برس (1040ء تک) حکومت کی۔ ان کتبات میں سے ایک کتبہ جو اس دور کے آخری کتبات میں سے ہے خود راجندر کی پرشستی (ترومنی ولرا) سے شروع ہوتا ہے۔ ایک اور کتبے میں درج ہے کہ نانجی ناڈ (جنوبی ٹراونکور) میں ایک مقام سچیندرم نائب السلطنت کے نام پر ہی سندر شولا چترویدی منگلم کہلانے لگا۔ ایک عجیب بات جس کی وضاحت کرنا آسان نہیں ہے جنوبی ٹراونکور میں کوٹار (نزد ناگر کوئیل) سے ایک عطیہ نامے کا پایا جانا ہے جو مشرقی چالوکیہ خاندان کے ایک راجہ کا کندہ کروایا ہوا ہے۔ یہ راجہ خود کو سرو لوک آشرایا

شری وشنو وردھن مہاراجہ عرف چالوکیہ وجیادتیہ وکیا ناکہتا تھا۔ اس کتبے پر ستدرچولا پانڈیا کے گیارہویں برس یعنی قریب 1029ء کی تاریخ درج ہے۔ ان دنوں میں کوٹار فوجی اعتبار سے اہم قلعہ تھا اور چولوں کی وہاں ایک زبردست فوج تعینات تھی۔ ممکن ہے کہ کوئی مشرقی چالوکیہ شہزادہ جو فوج میں ایک اہم عہدے پر مامور تھا، کچھ برسوں تک کوٹار میں رہا ہو۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون تھا۔

چالوکیوں سے جنگ

راجندر نے 1021ء اور 1022ء میں مغربی چالوکیوں کے خلاف جنگ پھر شروع کر دی۔ جے ستمھا جو اپنے بھائی وکرمادتیہ پنجم کے بعد تخت پر بیٹھا تھا، ان علاقوں کی بازیابی کے لیے جو سابقہ لڑائیوں میں چولوں نے چھین لیے تھے، غیر معمولی جانفشانی سے مصروف تھا۔ 1019ء کے بیلگاموے کے کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے چولوں اور چیروں کو شکست دی اور اس امر کی تصدیق بیلاری اور شمال مغربی میسور میں تقریباً اسی زمانے کے کتبات کی موجودگی سے ہو جاتی ہے۔ جے ستمھا کے خلاف راجندر کی نبرد آزمائی کو اس کی تال پر شستھی میں حسب ذیل طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

”اس نے ساڑھے سات لاکھ والے علاقے رٹا پاڑی کو تسخیر کیا جو قدرتی طور پر بہت مستحکم تھا۔ نیز کثیر مقدار میں مال و دولت اور جے ستمھا کی لا اندازہ شہرت و عزت بھی حاصل کر لی۔ جے ستمھا خوف کے مارے مشنگی کے میدان سے پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلا اور کہیں روپوش ہو گیا اور اپنی ذلت و رسوائی کا باعث ہوا۔“

اس دعوے میں تو بڑے درجے کی مبالغہ آمیزی ہے کہ پورے کا پورا رٹا پادی راجندر کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ دراصل چولا کتبات میں یہ محض ایک رسمی انداز تحریر ہے جو چالوکیوں کے خلاف میدان جنگ میں عارضی نوعیت کی فوجی کامیابیوں کے بیان کرنے میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ پر شستھیوں کے باقی ماندہ بیانات صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ مشنگی یا مینگی میں ایک معرکہ ہوا (اس مقام کے نام کا تلفظ مختلف کتبات میں مختلف شکلوں میں دیا گیا ہے) لیکن جے سمھا کو واقعی اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ مشنگی کو ضلع بیلاری کا مقام اچنگی درگ شناخت کیا گیا ہے لیکن یہ زیادہ اغلب ہے کہ یہ مقام ”مسکی“ تھا۔ تروو النگاڈو کی تختیوں میں اس فوج کشی کا حال بہترین ”کاویہ“ طرز

میں دس اشعار میں بیان گیا ہے لیکن ان سے اصل واقعات کے متعلق مجموعی طور پر بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں. بلکہ اس کے مقابلہ میں اس تانبے پر شستھی سے کا ترجمہ اوپر درج کیا گیا ہے، ان واقعات پر زیادہ روشنی پڑتی ہے. راجہ نے رٹّا ریاست پر فوج کشی کے لیے کانچی پورم سے کوچ کیا. چولا راجہ اور جے سمہا کی فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا. موخرالذکر جنگلوں کی طرف بھاگ گیا اور راجندر کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ اپنے دارالخلافے کو لوٹ آیا. مندرجہ ذیل شعر شاعر کے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنی تاریخِ تحریر کا بھی پتہ دیتا ہے:۔

"اس میں کوئی مقام حیرت نہیں کہ جب تائیلا کے جانشین سے اس کا مقابلہ ہوا تو اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی. یہ تعجب کی بات ہے کہ تمام سمندروں کو عبور کر کے بھی اس آگ نے دشمن کو ایندھن کی مانند جلا کر خاک سیاہ کر دیا."

مشنگی میں راجندر کے شکست کھانے اور اس کی اس لاف زنی کے باوجود کہ اس نے رٹّا پادی کو تسخیر کر لیا تھا، جے سمہا درحقیقت دریائے تنگ بھدرا تک کا علاقہ (اگر اس کے پار کا علاقہ نہ بھی شامل رہا ہو) اپنے زیر تسلط برقرار رکھنے میں کامیاب رہا. 1024ء کے کندہ میرآج کے عطیہ نامے سے پتہ چلتا ہے کہ جے سمہا اس وقت ایڈے ڈور 2000، پر قابض تھا اور یہ علاقہ اس نے پانچ دراوڑ ریاستوں کے والی ایک طاقتور چولا حکمران کو وہاں سے باہر نکال کر دوبارہ حاصل کیا تھا. عام طور پر اس زمانے کی چولا چالوکیہ لڑائیاں دو محاذوں پر لڑی جاتی تھیں. ایک تو مغربی محاذ جہاں چولوں کا مقصد مانیہ کھیت اور کلیانی کے علاقوں کا حاصل کرنا اور دریائے تنگ بھدرا تک پہنچنا تھا جو دونوں ریاستوں کے درمیان ایک قدرتی سرحد کا کام دیتا تھا، دوسرے مشرقی محاذ جو وینگی کے اردگرد تھا جس پر قابض ہونے کا ارمان دونوں فریقین کو تھا.

وینگی کے معاملات اور مشرقی محاذ

مشرقی محاذ پر ہونے والے واقعات کے بارے میں ہمیں راجندر اوّل کی تانبے پر شستھی سے بہت کم براہِ راست معلومات حاصل ہوتی ہیں کیونکہ اس میں ان واقعات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اس دور کے اگلے کارنامے کی حیثیت سے

محض دریائے گنگا کی جانب فوج کشی کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس مہم کو اس کے صحیح پس منظر میں سمجھنے کے لیے وینگی کے حالات کو سمجھنا ضروری ہوگا۔ ومِلاّ دِتیہ جو اپنے بھائی شکتی ورمن کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا تھا، 1019ء میں یا تو فوت ہو گیا تھا یا تخت سے دست بردار ہو گیا تھا۔ جے سمہا نے راج راجا (نریندر) کی جو رانی کندوئی کے بطن سے وِمل آدتیہ کا بیٹا تھا، تخت نشینی میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اس موقعے کا فائدہ اٹھایا اور اس کے سوتیلے بھائی وشنو وردھن وجے آدتیہ ہفتم کی حمایت کی۔ راج راجا اپنا جشن تاج پوشی نہ منا سکا اور اس نے اپنے ماموں راجندر اوّل سے مدد کے لیے درخواست کی۔ کوٹ شورم (ضلع اننت پور) سے ملے ہوئے کنڑ اور تامل زبان کے بہت سے مختصر لیکن دلچسپ کتبات سے ان واقعات کا سراغ ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کتبہ راجندر کے دسویں برس کا ہے ان کتبات میں ایک چولا جرنیل اریّن راج راجن عرف وکرم چولا چولیا وریّن کا ذکر ہے جس کو اس کی شجاعت کے ان کارناموں کے عوض جو اس نے چالوکیہ ریاست اور وینگی کی لڑائیوں میں دکھائے، اس طرح کے خطابات عطا کئے گئے جیسے نالمڈی بھیم، چولنا چکر، سامنت بھرنم، ویربھوشنم، ایڈی رتنور کالن (تامل میں اس کے معنی ہیں اپنے حریفوں کی قضا) یا اہتز وتلون (یہ کنڑ ترکیب ہے) اور جے سنگھ کل کالا۔ ان کتبات میں ایک تامل شعر میں بتایا گیا ہے کہ اس نے کالنگا، اوڈا اور تیلنگا حکمرانوں سے لڑائی کی۔ ایک اور کتبے میں جس پر تاریخ تحریر درج نہیں ہے وینگی کے راجہ کے فرار ہونے کا تذکرہ ہے جب اس نے چولا تاجدار کے حکم کی تعمیل میں اس جرنیل کی پیش قدمی کی خبر سنی۔ مفرور راجہ وجے آدتیہ رہا ہوگا اور وہ مسکی کی جنگ کے آس پاس ہی فرار ہوا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کالنگا اور اوڈا کے حکمرانوں نے بھی جے سمہا دوم اور اس کے دست نگر وجے آدتیہ کا ساتھ دیا اور چولا سپہ سالار کو ان سے بھی نپٹنا پڑا اور ان کی سرکوبی کے لیے جو فوجی مہم بھیجی گئی اس نے دریائے گنگا کی جانب یلغار کی صورت اختیار کر لی۔ اس مہم کے ذریعے راجندر کے زیر تعمیر نئے دارالسلطنت کے لیے گنگا کا مقدس پانی لایا گیا۔ ویر راجندر کی چارالا کی تختیوں میں ایک شعر درج ہے جس سے اس امر کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

اب ہم اس مہم کے دوسرے مرحلے کی جانب توجہ دیں گے یعنی کالنگا اوڈا سے ہو کر چولا فوجوں کا گنگا کی طرف لازم ہونا اور خود راجندر کی دریائے گوداوری اور اس سے آگے تک فوج کے عقبی دستوں کی محافظت کے لیے پیش قدمی جن پر کالنگا اور اوڈا کے سرکش راجاؤں کی جانب سے حملے کا خطرہ تھا اور جو چالوکیہ راجہ جے ستمبا دوم کے اشاروں پر کام کر رہے تھے۔

تزو والنگاڈو کی تختیوں کے الفاظ ہیں: "سورج ونشی نسل کی روشنی (راجندر) بھاگیرتھ کا مذاق اڑاتے ہوئے جس کی ریاضت کے زور سے گنگا بہہ نکلی تھی اس دریا کے پانی سے اپنی ریاست کو مقدس بنانے کے لیے نکل پڑا، جو اس کی قوت بازو کے طفیل اس کے ملک میں لایا گیا"۔

اس کی مدت کو مد نظر رکھتے ہوئے جو دو سال سے بھی کم تھی اور جس کے باعث شمال کی بہت سی ریاستوں نے راجندر کی فوجوں کی طاقت کا اثر محسوس کیا، یہ مہم ایک وسیع و عریض خطے پر عجلت میں کیے گئے ایک حملے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

تزو والنگاڈو کی تختیوں میں تو صاف لکھا ہے کہ اس مہم کی قیادت راجہ کے ایک جرنیل نے کی اور یہ کہ خود راجندر اسے اس کی واپسی پر دریائے گوداوری کے کنارے کسی مقام پر ملا۔ اسی ماخذ میں اس مہم کے جو واقعات دیئے گئے ہیں ان کا خلاصہ اس طرح ہے "اپنے ہاتھیوں سے پلوں کا کام لے کر وکرم چولا کی فوجوں کے سپہ سالار نے بہت سے دریاؤں کو عبور کیا۔ اور سب سے پہلے اندر رتھ کی طاقتور فوج پر ٹوٹ پڑا۔ اور چندر ونشی راجاؤں کی نسل کے اس زیور کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ تب اس نے رنشور کے بھاری خزانوں کو لوٹا اور دھرم پال کی ریاست میں داخل ہو کر اسے بھی مطیع کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دریائے گنگا تک پہنچ گیا اور اس دریا کا پانی مفتوح راجاؤں کے ذریعے اپنے مقتدر فرمانروا مدھورانتکا کے حضور میں منگوایا۔ ان مفتوح راجاؤں کو اس نے گوداوری کے کنارے اس وقت شرف ملاقات بخشا جب اس نے مہی پال کو زیر کرلیا تھا۔ اور اس کی شہرت اور بہت سے قیمتی جواہرات چھین لیے تھے۔ تب بہادر راجندر نے بد طینت اوٹا راجہ اور اس کے چھوٹے بھائی پر حملہ کیا اور اس سے نبرد بھاری بھرکم ہاتھیوں کی شکل میں خراج وصول کیا۔ بعد ازاں خود ایک ہاتھی کا کام تمام کیا جس نے اس پر اس

وقت حملہ کر دیا تھا جب وہ ایک دوسرے ہاتھی کی پیٹھ پر سوار تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے دالسلطنت میں واپس آگیا۔

تامل پرشستی میں بھی یہی واقعات قریب قریب اسی ترتیب سے درج ملتے ہیں لیکن کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ، جیسا کہ ذیل میں دیا گیا ہے:

"اس نے شکر کوٹم کو تسخیر کیا جس کے سپاہی جوانمرد تھے۔ مدورا منڈلم کو لمحہ بھر میں غارت کر کے، درختوں کے گھنے جھنڈوں والے خوشحال شہر نامنا نک کونم پر قبضہ کر لیا۔ پنچ پلی کو فتح کیا جس کے بہادر سپاہی کڑی کمانوں والے تھے۔ پھر لازوال شہرت والے شہر آدی نگر کے ایک معرکے میں قدیم چندر ونشی نسل کی ریاست اندر رتھ کو فتح کرنے کے بعد، ہرے بھرے کھیتوں والے ماشونی دیش پر تسلط جما لیا اور وہاں کے شاہی خاندان کے خزانے کے انبار اور کچھ دیگر خزانوں پر قبضہ کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے اوڈا ویشیہ پر قبضہ کیا جہاں اس کے گھنے جنگلوں کی حفاظتی دیوار کے باعث پہنچنا مشکل تھا۔ پھر خوبصورت کوشلئی ناڈو کو فتح کیا جو برہمنوں کا مرکز تھا۔ تنڈ بتی پر قبضہ کیا جس کے باغات میں شہد کی مکھیوں کی افراط تھی۔ یہ علاقہ اس نے ایک گھمسان کی لڑائی میں دھرم پال کو ختم کر کے حاصل کیا۔ تکن لادم کو جس کی شہرت تمام اطراف میں پھیل چکی تھی، اس نے رن شورا پر زوردار حملہ کر کے تسخیر کیا۔ ونگال دیش پر بھی جہاں برسات کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا اس نے قبضہ کر لیا۔ وہاں کا حکمران گووندچندرا اپنے نر ہاتھی سے اتر کر فرار ہو گیا۔ پھر نوی ہی پال کو ایک گھمسان کے معرکے میں گہرے سمندر سے لائے ہوئے سنکھ کی آواز سے بھگا کر لاثانی طاقت والے ہاتھی عورتیں اور خزانے حاصل کئے۔ وسیع سمندر کے کنارے آباد اور موتیوں کی پیداوار کا مرکز اُتیر لادم اور دریائے گنگا بھی اس کے زیر نگیں ہو گئے جس کا پانی خوشبودار پھولوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے مقدس تیرتھ استھان کے گھاٹوں سے ٹکراتا تھا۔

وینگی کا مقام

اس حقیقت سے کہ اس مہم کے دوران شکر کوٹم وہ پہلا مقام تھا جو راجندر کی فوج کے قبضے میں آیا اور راجندرا اور اس کے فاتح جرنیل کی ملاقات موخر الذکر کی واپسی کے سفر میں دریائے گوداوری کے کنارے پر ہوئی، یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وینگی ریاست کو چولا سلطنت کے ساتھ پھر وہی ماتحت اتحادی کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جو راج راجا کے زمانے میں اسے حاصل تھی۔

شنکر کوٹم شنکر کوٹم کو جس کا ذکر 1065ء کے بستر کے ایک ناگ ونشی نانبے کی تختی میں درج عطیے میں آیا ہے، چکر کوٹیہ شناخت کیا گیا ہے اور اس وقت اس جگہ کا نام چیتر کوٹ یا چیتر کوٹا ہے۔ جو راج پورہ سے جہاں سے یہ تختیاں دستیاب ہوئی ہیں، آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ریاست بستر کی راجدھانی راجپورہ بذاتِ خود جگدل پور سے 22 میل شمال مغرب میں دریائے اندراوتی کے کنارے پر واقع ہے۔ اس طرح شنکر کوٹم اور اس کے بعد ماشنی دیشم تک کے مقامات غالباً وینگی کے شمال مغرب کی طرف اس سے متصل علاقے میں ملیں گے۔ ماشنی دیشم کے لفظی معنی ہیں سانپوں کا ملک۔ چندر کا خاندان کے راجہ جن کا ذکر راجپورہ کی تختیوں میں ہے، خود کو ناگ ونشور بھاوا (کالے سانپ کی اولاد) اور "بھوگ وتی پوزوریشورا" (شہروں میں بہترین شہر بھوگ وتی پور کا مالک) کہتے تھے۔ بعد کے ایک حجری کتبے میں جو شاکا سمت 1140 کا ہے، ان میں سے ایک راجہ کا شری بھگ ورا بھوسن مہاراجلّو کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، یعنی وہ مہاراجہ جو اعلیٰ ترین سانپ کی نسل کا ہیرا تھا۔ یہ بات قرینِ عقل ہے کہ ماشنی دیشم سے مراد وہ ریاست ہے جس پر یہ راجگان حکومت کرتے تھے۔ اس قیاس کی بنا پر مدورائی منڈلم، نامنیؔ کونم اور پنچ پلی کا محل وقوع اسی خطے میں ڈھونڈنا چاہیئے اور ان کو ریاست ماشنی دیشم کے حصے سمجھنا چاہیئے۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ چکر کوٹ بذاتِ خود مدورائی منڈلم کی طرح ایک منڈل بتایا گیا ہے اور راجپورہ کی تختیوں میں عطیئے کا فرمان جاری کرنے والے کا نام مدھورانتکا بتایا گیا ہے۔

اندرر تھ چندر ونشی نسل کے راجہ اندرر تھ کی آدی نگر کے مقام پر شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوڈا کا خطہ (اڑیسہ) اور (جنوبی) کوشل راجندر کے تسلط میں آ گئے۔ لیکن اس کے متعلق مزید کچھ بتانا ممکن نہیں ہے اور ہمیں کیل ہورن کی اس رائے پر اکتفا کرنا پڑے گا کہ اندرر تھ دھارا خاندان کے راجہ بھوج کا وہی حریف تھا جس کا ذکر اودے پور کے کتبے میں آیا ہے۔

ڈنڈ بھکتی تامل کتبے میں لکھا ہے کہ کوشلئی ناڈو کی تسخیر کے بعد چولا جرنیل نے ڈنڈ بھکتی کے والی دھرم پال، جنوبی لاڈ کے حکمران رنشورا اور ونگال

ریاست کے مالک گووندچندر پر بالترتیب حملے کئے اور ان کا تختہ الٹ دیا۔ بعد ازاں اس نے اُتر لاڑ کے راجہ مہی پال پر حملہ کیا اور لڑتا ہوا دریائے گنگا تک جا پہنچا۔ اس کے برعکس ترو والنگاڈو کی تختیوں کے مطابق رنشورا حملہ دھرم پال پر چڑھائی کرنے سے پہلے کیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ دھرم پال کی شکست کے نتیجے میں چولا جرنیل دریائے گنگا تک جا پہنچا تھا۔ ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مہی پال پر فتح واپسی کے سفر کے دوران میں ہوئی ظاہر ہے، لہٰذا تامل پرشستی ہی کو زیادہ معتبر ٹھہرایا جائے گا جو اس مہم کی تکمیل کے فوراً بعد لکھی گئی۔ اس پرشستی کے مطابق ڈنڈ بھکتی غالباً اڑیسہ اور بنگال کا وہ درمیانی خطہ تھا جس سے ہو کر راجندر کی فوجیں اڑیسہ سے بنگال پہنچیں اور اس خطے کا حکمران دھرم پال جس کے بارے میں اس کے نام کے علاوہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، غالباً اس وقت کے بنگال کے قوی پال حکمران مہی پال کا کوئی رشتہ دار ہوگا۔ تامل کتبے کی عبارت سے یہ اندازہ ہوگا ہے کہ اس ضمن میں جن راجاؤں کا ذکر آیا ہے ان پر مہی پال کو ایک طرح کی برتری حاصل تھی، اور دھرم پال سے رنشورا اور گووندچندر کی شکست کا انجام یہ ہوا کہ آخری مقابلہ مہی پال کے ساتھ آن پڑا۔ لاڈ (رادھا) بنگال کے ایک حصے کا قدیم نام تھا۔ جس کی شمالی سرحد دریائے گنگا تھی۔ اور اس دریا کے پار بنگال کے ایک حصے متھلا اور وریندرا کہلاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ونگال کی تسخیر نے چولا فوجوں کا رُخ تھوڑا مشرق کی جانب موڑ دیا اور اس مہم کے باقی حصے میں ان کی پیش قدمی جنوبی کوشل سے سیدھے شمال کی جانب ہوئی۔ اِس دلیرانہ یلغار کی، جو راجندر کے "دنڈ ناتھ" نے اس کے حکم سے شمالی ریاستوں پر کی، سرگزشت ناقابلِ یقین نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ

اس مہم کی تاریخی اہمیت

بعض معمولی کامیابیوں کا ذکر مبالغہ آمیزی سے کام لے کر عظیم فتوحات کے طور پر کیا گیا ہو اور ناکامیوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ترو والنگاڈو کی تختیوں میں درج یہ بیان کہ چولا جرنیل کے حکم کی تعمیل میں شمال کے مفتوحہ راجاؤں نے گنگا کا پانی راجندر کے دربار میں پہنچایا، سوائے شیخی بگھارنے کے اور کچھ نہ ہو لیکن اس داستان کے ایک معقول حد تک صحیح ہونے کے متعلق قطعاً کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

اس کی نوعیت

وینکیا نے اس دور کے سیاسی جغرافیہ کے متعلق اپنے ناقص علم کے باعث اور زیادہ تر اس داستان میں حد درجہ کی مبالغہ آمیزی کی وجہ سے راجندر کے کتبات کی صداقت پر شبہ کیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فوجی مہم دریائے گنگا کی تیرتھ یاترا کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ اگرچہ دریائے گنگا کا مقدس پانی لانا غالباً شروع ہی سے اس فوجی مہم کا مقصد تھا لیکن اس کے پس پردہ جو دوسرا مقصد کارفرما تھا وہ چولا سلطنت کی طاقت کی نمائش اور شمالی ہند کے حکمرانوں کو اس سے مرعوب کرنا تھا۔ اس طرح کی فتوحات مہمات میں ہندوستان کے سبھی طاقتور حکمران نے حصہ لیا کرتے تھے اور ملک کے سیاسی ضابطۂ اخلاق کا یہی تقاضا بھی تھا۔ اس مہم کا نصب العین محض گنگا کا متبرک پانی ہی چولا راجدھانی میں لانا نہیں تھا۔ بلکہ طاقت زبردست مظاہرہ کر کے اپنی سلطنت سے باہر کے علاقے سے ہو کر دریائے گنگا تک کا راستہ حاصل کرنے کا اپنا حق بھی منوانا تھا۔ یہ حقیقت اس بیان اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس مہم کے خاتمے پر راجندر نے فتح کا ایک سیال یادگاری ستون (گنگا جلمایم جے ستمبھم) اپنی راجدھانی میں تعمیر کیا جو گنگا کا پانی چولا گنگا نامی ایک تالاب میں ڈال کر قائم کیا گیا تھا۔

اثرات

آر ڈی بینرجی کا کہنا ہے کہ جنوبی ہند کے عظیم فاتح راجندر چولا اوّل کے حملے نے بنگال میں کچھ دیرپا نقوش چھوڑے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر معروف کرناٹکی سردار راجندر چولا اول کے بعد آیا اور مغربی بنگال میں بس گیا۔ سامنت سین جسے عام طور پر سین خاندان کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے اسی کرناٹکی سردار کی اولاد میں سے تھا۔ متھلا کے کرناٹا خاندان کی بھی اصل وابتدا غالباً اسی طرح ہوئی۔ ترلوچن شوا چاریہ کی تصنیف "سدھانت سارا ولی" کی ایک تفسیر میں جس کی تاریخ تصنیف معلوم نہیں ہے یہ ذکر آیا ہے کہ راجندر نے دریائے گنگا کے ساحلی علاقے سے اپنی سلطنت میں شیو دھرم والوں کو بلوا کر کانچی پورہ اور چولا ریاست میں آباد کیا۔

دریائے گنگا کی فتح سے واپس آنے والے جرنیل سے دریائے گوداوری کے

کنارے پر ملنے اور کالنگا اور اوڈا کے حکمرانوں کو دشمنی کے مظاہرے کی سزا دینے کے بعد راجندر نے اپنے بھتیجے راج راجا نریندر کی رسم تاج پوشی 16 راگست 1022ء کو منعقد کروائی جس میں پہلے ہی کافی تاخیر ہو چکی تھی اور غالباً اپنی بیٹی امنگا کی شادی بھی اسی موقعہ پر اس کے ساتھ کر دی۔ لیکن راج راجا اپنے اکتالیس سالہ عہد حکومت میں شاذ ہی مصائب سے محفوظ رہا۔ ایک سے زائد بار اسے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس کے سوتیلے بھائی وجے آدتیہ نے لڑائی میں ہار جانے کے باوجود بھی تخت پر قبضہ کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ اور مغربی چالوکیوں کی مدد سے راج راجا کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ 27 رجون 1031ء کو وہ راج راجا کو ریاست سے نکال دینے اور وشنو وردھن وجے آدتیہ کا لقب اختیار کر کے وینگی کا راجہ بننے میں کامیاب ہو گیا۔ شاید اسی موقع پر مغربی چالوکیہ جرنیل چون راسا نے اپنی پوری طاقت سے وینگی پر یورش کی اور وجے واڑہ کے تلعے اور ریاست کے بیشتر حصے کو تسخیر کر لیا۔ راج راجا نے ایک بار پھر چولوں سے مدد مانگی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا انکشاف راج راجا نریندر کی کلی دنڈی کی تختیوں سے ہوتا ہے جن پر تاریخ تحریر درج نہیں ہے۔ راجندر نے ایک فوجی لشکر برہمن جرنیل راج راجا برہم مہاراجہ اور دیگر افسران اتم چولا ملاڈ وڈییاں اور راتم چولا چولکون کی زیر قیادت بھیجا۔ وینگی کے نواح میں واقع کلی دنڈی کے گھمسان کے معرکے میں تینوں چولا سپہ سالار کھیت رہے اور بعد میں راجندر نے ان میں سے ہر ایک کی یادگار میں الگ الگ مندر بنوائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چولا افواج کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ 1035ء کے قریب راج راجا پھر سے تخت پر قابض ہو گیا۔ لیکن یہ راج راجا کی مشکلات کا خاتمہ نہیں تھا۔ راجندر کے عہد حکومت کے اختتام کے قریب تقریباً 1042ء میں ایک نئے حکمران سومیشور اوّل واہ کلیانی نے جارحیت کا پھر سے آغاز کیا۔ راج راجا نے دوبارہ اپنے چچا اور خسر و چولا شہنشاہ راجندر سے مدد کی درخواست کی۔ راجندر اب اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ وہ خود اس ذمہ داری کو نہیں سنبھال سکتا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے راجا دھیراج اوّل کو وینگی کی نئی صورت حال سے نپٹنے کے لیے بھیجا اور ایک بار پھر دو محاذوں پر چولوں اور چالکیوں کے مابین جنگ ہوئی لیکن سومیشور کے خلاف

جنگ کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے ہم کچھ دوسرے واقعات پر بحث کریں گے جو توجہ کے مستحق ہیں۔

کڈارم پر لشکر کشی

راجندر کی سمندر پار کی فوجی مہم کا جو کڈارم کے خلاف بھیجی گئی، ذکر سب سے پہلے اس کے عہد کے چودھویں سال کے کتبات میں آیا ہے۔ تروالنگاڈو کی تختیوں میں تو محض ایک مصرعہ میں یہ کہہ کر قصہ ختم کر دیا گیا ہے کہ راجا نے اپنی طاقت ور افواج کے ذریعے جنھوں نے سمندر پار کیا تھا۔ کٹاہا کو تسخیر کر لیا۔ لیکن تامل پرشستی میں اس مہم اور اس کے اختیار کردہ راستے کا مفصل تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے۔

"جس نے بہت سے بحری جہازوں کو پیچ و تاب کھاتے ہوئے سمندر کے وسط میں بھیج کر کڈارم کے راجہ سنگرام وجیوتنگا ورمن کو مع اس کے ہاتھیوں اور عظیم فوج کے اپنے قبضے میں کر لیا اور ڈھیروں خزانہ جو مفتوح راجہ نے جائز طور پر اکٹھا کر رکھا تھا چھین لیا۔ اور اس کے وسیع شہر شری وجیا کے جنگی دروازے کی محراب "ودیا دھر تورنا" پر ایک ہنگامہ برپا کر کے قبضہ کر لیا۔ یہ وہ شہر تھا جس نے نئے شہر کو فتح کیا جس کے نہانے کے گھاٹ پانی سے لبریز تھے، قدیم ملایور کو فتح کیا جس کی فصیل کا کام اونچے اونچے پہاڑ دیتے تھے اور مائرو ڈنگم کو بھی جس کی سمندر کے پانی نے چاروں طرف سے گھیر کر ایک حفاظتی خندق بنا کر رکھی تھی۔ النگاشوکا (لنکاشوکا) کو جو خونریز لڑائیوں میں بے خوفی سے لڑنے کے لیے مشہور تھا، ماپپالم کو جس کی حفاظت سمندر کا گہرا پانی کرتا تھا، میوی لینگم کو جس کے بچاؤ کے لیے مستحکم دیواریں تھیں اور ولیّ پنڈ درو جو "ولپنڈ ورُو" (؟) رکھتا تھا، تلیٔ تکولم کو جس کی تعریف بڑے بڑے دانشور کرتے تھے، ماد مالنگم کو جو عظیم خونیں جنگوں میں ثابت قدم رہا، الامرّی دیشم کو جس نے جنگ میں طاقت کا مظاہرہ کیا، مانک وارم کو جس کے وسیع پھولوں کے باغوں میں شہد جمع ہو رہا تھا اور کڈارم کو جو بہت محفوظ تھا اور جس کا تحفظ گہرا سمندر کر رہا تھا تسخیر کیا۔"

وضاحت میں ترقی

اس مہم کے متعلق ہمیں کیا معلومات حاصل تھیں۔ اور اب ہمارے ذہن میں اس کا کیا نقشہ ہے اس

کے باہمی تفاوت سے واضح تر کوئی اور پیمانہ جس سے ہم جنوبی ہند کی تاریخ کے متعلق
اپنے علم کے بتدریج اضافے کا اندازہ کر سکیں، نہیں ہے۔ راجندر کے کتبات کا متن ہلتش
نے دریافت کیا اور 1891ء میں اسے شائع کیا۔ لیڈن کے بڑے عطیئے کے متعلق کئی
برس پہلے ہی سے لوگوں کو علم تھا اور ہلتش نے فوراً شناخت کر لیا کہ سنگرام وجیہ
تنگا ورمن جس کا ذکر راجندر کے کتبات میں آیا ہے دراصل کٹاہا کے یا لیڈن کے
عطیہ نامے میں مذکور کڈارم کے حکمران مار وجیئو تنگا ورمن کا جانشین ہے لیکن اس
مقام کے لیے اس کی تلاش صوبۂ مدراس کے جنوبی اضلاع سے آگے نہیں بڑھی
اور آج تو یہ بات اور بھی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہلتش نے اس حقیقت کو نظرانداز
کر دیا کہ راجندر کی یہ مہم ایک بحری جنگ تھی اور پانڈیا ریاست اس مہم سے پیشتر
تسخیر ہو کر چولوں کے زیر نگیں آ چکی تھی ہلتش نے کڈارم کو ضلع مدورائی کے تعلقہ رام
ناد زمینداری کا صدر مقام قرار دیا۔ 1903ء میں بھی جبکہ ہلتش اپنے ابتدائی نظریہ
سے بہت آگے بڑھ چکا تھا، وہ حقیقت سے بہت دور تھا جب اس نے
کہا کہ "اس مہم میں ضمن میں جن متعدد مقامات کا ذکر آیا ہے" ان میں سے مسٹر
وینکیا نے محض دو مقامات کو شناخت کیا ہے یعنی نکا وارم اور پپالم۔ پہلا تو جزائر
نکوبار کا تامل نام ہے اور "مہا وامسا" (1× × vi - 63) کے مطابق پہلا، رمنا میں
ایک بندرگاہ تھی، یعنی ایرِ ما کے تلائنگ خطے ہیں۔ لہٰذا کڈارم کی تلاش ہندوستان
میں کہیں دور کرنی پڑے گی"۔ اس کے بعد کچھ برسوں تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ راجندر
کی مہم پیگو کی ریاست کے خلاف بھیجی گئی تھی اور برما کے ماہرین آثار قدیمہ نے
یہاں تک کہہ دیا کہ انھوں نے پیگو کے نزدیک گربنا یئٹ کے دو ہشت پہل ستون
بتایا جس نے 1025-27ء میں پیگو کو تاخت و تاراج کیا تھا۔ 1918ء میں کہیں جا کر کوئیڈس
نے اپنے مدلل اور واضح مقالے میں جس کا عنوان "لی رویامے ڈی شری وجیا" ہے
بہت سے فضلاء کے سالہا سال کے مطالعے سے فراہم کی گئی شہادتوں کو یکجا کر کے
ان مقامات کی شناخت پر بحث کی جن کا ذکر راجندر کی مہم کے ضمن میں آیا ہے اور اس
کے ایک واضح تذکرے کی بنیاد ڈالی۔ برما کے محکمہ آثار قدیمہ نے پہلے تو کوئیڈس کی
رائے سے اختلاف کیا لیکن بعد میں اس کی صحت کو تسلیم کر لیا اور گر ہنٹ

نے مشہور ستون برما کے آثار قدیمہ کی فہرست سے خارج کر دیا۔

مہم کی وحدت اور اجتماعی نوعیت

ایک حقیقت کو جس کی طرف خود ہلٹش نے خصوصی توجہ دلائی ہے اس مہم پر بحث کرنے والے بعد کے مصنفین نے نظر انداز کر دیا ہے وہ حقیقت یہ ہے کہ کتبے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ مذکورہ تمام مقامات کڈارم کے راجہ ہی سے چھینے گئے تھے اور ایک ہی مہم کے دوران حاصل کیے گئے تھے۔ کوئیڈس کے الفاظ میں "متن میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ کڈارم کے راجہ کو شکست دینے کے بعد راجندر چولا اول نے اس کے خزانے اور بہت سے علاقے چھین لیے اور سب سے آخر میں کڈارم پر قبضہ کیا۔ اس طرح یہ سب ایک ہی مہم کے واقعات ہیں اور یہ بات بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ ان میں جن مختلف علاقوں کا ذکر ہے وہ یا تو کڈارم کے راجہ کے اطاعت گزار تھے یا اس کی اپنی سلطنت کے مختلف صوبے یا شہر"۔ ایک بار اگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کر لیں تو پھر ان مختلف مقامات کی شناخت کا کام کڈارم اور شری وجے کی شناخت ہو جانے سے آسان ہو جائے گا۔ یہ دونوں مقامات راج راجا کے زمانے میں ایک ہی تاجدار کے ماتحت تھے اور انہیں راجندر نے راجہ سنگرام وجیتو تنگا ورمن سے چھینا تھا۔

سان۔فو۔سی کے چینی تذکرے

"چین کے شاہی سونگ خاندان کے تذکروں میں سان۔فو۔سی نامی ملک سے 1003ء اور 1008ء میں بھیجی گئی سفارتوں کا ذکر آیا ہے۔ پہلی سفارت راجہ سو۔لی۔چو۔لو۔وا۔فو۔ما۔تیا۔ؤ۔ہوا نے بھیجی تھی اور دوسری راجہ [illegible]۔ن۔ا۔پی۔ نے۔ یہ پہچاننے کے لیے چینی زبان کا ماہر ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ پہلا نام محض شری چوڑامنی ورمادیوا کا چینی زبان میں تلفظ ہے اور دوسرا نام [illegible] شری [illegible] وجے تنگا ورمن کے پہلے [illegible] کی چینی شکل [illegible] ہے [illegible] دونوں [illegible] کا ذکر لائیڈن کے بڑے عطیہ نامے میں آیا ہے لہذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ چینی تذکروں کے مشہور سان۔فو۔سی [illegible] کہا [illegible] زمانہ چینا [illegible] حکمران تھے۔

پہلے یہ فو-چی کہلاتے تھے

سونگ خاندان کے عہد حکومت کے چینی مصنفین نے پہلے پہل سان۔فو-سی کا نام اس مقام کے لیے استعمال کیا جس کا ذکر چین کے قدیمی لٹریچر میں چی۔لی۔فو-چی یا صرف فو-چی کے نام سے ہوتا آیا تھا۔ تمام چینی مصنفین نے اس نام کا اصل شہر پالیم بنگ شناخت کیا ہے جو سماٹرا کے مشرقی ساحل پر واقع تھا اور کوئیڈس نے اسے سان۔فو-سی اور چی۔لی۔فو-چی کے بجائے از سر نو شری وجیا کا نام دے کر فراست کا ثبوت دیا ہے نہ کہ شری بھوجا کا بے معنی نام۔

شری وجیا

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شری وجیا جس کو راجندر نے کڈارم کے حکمران سے سب سے پہلے چھینا تھا دراصل سماٹرا کی ریاست پالیم بنگ کا نام ہے۔ آٹھویں صدی سے تیرہویں صدی عیسوی تک اس ریاست نے جزیرہ نمائے ملایا اور مجمع الجزائر شرق الہند کے معاملات میں نیز جنوبی ہند اور اس اہم ریاست کے مابین باہمی تعلقات میں جو عظیم رول ادا کیا وہ ابھی وضاحت کا محتاج ہے۔ راجندر کے عہد کے کتبات جن میں کڈارم اور شری وجیا پر اس کے حملے کا ذکر ہے گیارہویں صدی کے آغاز میں ان ریاستوں کے حالات کے متعلق اچھی خاصی معلومات فراہم کرتے ہیں بارہویں صدی کے آخر یا تیرہویں صدی کی ابتدا میں لکھتے ہوئے مصنف چاؤ-جو-کوا نے پندرہ "چاؤ" (صوبوں یا شہروں) کی ایک فہرست دی ہے جن پر سان۔فو-سی کی علم برداری تھی اور جیسا کوئیڈس نے بتایا ہے اس فہرست اور راجندر کے کتبات کے اندراجات میں کچھ حد تک ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ البتہ کڈارم کی صحیح شناخت میں کافی دشواری پیش آتی ہے۔ ہم دوسرے مقامات کے متعلق غور کرنے کے بعد اس مسئلے پر بحث کریں گے۔

پنی

[illegible] میں شری وجیا کے بعد پنی کا نام آتا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا [illegible] یہ سماٹرا کے مشرقی ساحل پر واقع پنی یا پئی تھا۔

ملایور

قدیم ملایور جزیرہ نمائے ملایا کے جنوبی سرے پر ایک ریاست تھی۔ یہ پرانی خلیج سنگاپور کے عین شمالی کنارے پر واقع تھی۔ یہاں محقق کو دریائے ملایو کے [illegible] ملایو [illegible] اور اس کے باشندوں کی پرانی روایات نظر آتی ہیں۔

مائروڈنگم مائروڈنگم کے متعلق، سمندر جس کی حفاظتی خندق تھا، واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جی. لو.تنگ تھا جس کا ذکر چاؤ.جو.کوا نے سری وجیا کی ماتحت ریاستوں میں کیا ہے۔ اسی مصنف کا یہ بھی کہنا ہے کہ جی.لو.تنگ اور کیا.لو.ہی اسی قسم کی ریاستیں ہیں جیسی کہ تن.ما.لنگ. کویڈس نے کتبات پر مبنی فیصلہ کن شہادتیں فراہم کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کیا.لو.ہی دراصل گرہی سے جو جیا میں واقع ہے اور اس لیے ہمیں جی.لو.تنگ (پی.رُو.ڈنگم) کو جو سری وجیا کی شمالی ماتحت ریاستوں میں سے ایک تھی، جیا کے خطے میں کہیں تلاش کرنا چاہیئے جو جزیرہ نمائے ملایا کے وسط میں واقع ہے۔

النگاشوکم النگاشوکم کی صحیح شناخت چاؤ.جو.کوا کی فراہم کردہ ماتحت ریاستوں کی فہرست میں لنگ.یا.شیو.کیا کے نام سے کی گئی ہے اور اس کا محل وقوع جزیرہ نمائے ملایا میں کیدہ کی ریاست کے جنوب میں تھا۔

ماپپالم ونیکسیا کے بیان کے مطابق "مہا وامسا" میں ماپپالم کا تذکرہ پپہالما کے نام سے اس مقام کی حیثیت سے کیا گیا ہے جہاں تامل جرنیل آدتیا سب سے پہلے اُترا تھا جب اسے 1165ء کے قریب لنکا کے راجہ پراکرم باہو نے رامن دیش پر فوج کشی کے لیے بھیجا تھا۔ ونیکسیا نے اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ماپپالم برما کے زیریں علاقے میں واقع ریاست تلائنگ کا کوئی مقام ہوگا۔ اس کے اس قیاس کی تقلید دوسرے مصنفین نے بھی کی ہے جنہوں نے اس کی بنیاد پر کچھ دیگر مقامات کی بھی شناخت کی ہے۔ درحقیقت پہلی نظر میں تو رامن دیش پر فوج کشی کے سلسلے میں "پپالم" کے ذکر سے اس قیاس کی کھلی تردید ہوتی ہے کہ راجندر نے جن مقامات کو فتح کیا تھا وہ سب کے سب پالیم بنگ کے ماتحت تھے اور وہاں سے ان سب تک رسائی آسان تھی۔ تاہم کویڈس اس امر کی جانب ہماری توجہ مبذول کراتا ہے کہ پراکرم باہو کو رامن کے حکمران کے خلاف جو شکایات تھیں، ان کی طویل فہرست کا اختتام اس آخری شکایت پر ہوتا ہے کہ رامن کے حکمران نے ایک سنہالی شہزادی کو زبردستی اغوا کر لیا تھا۔ جسے لنکا کے حکمران نے کامبھوج دیش بھیج رکھا تھا۔ کویڈس کی رائے کے مطابق بہت ممکن ہے کہ لنکا سے کام بھوج کو جانے والے ایلچی خاکنائے کرا سے

گزرے ہوں تو یقیناً شہزادی کا اغوا یہیں سے کیا گیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چگن کے راجہ کی علم برداری اس خطے تک رہی ہوگی۔ گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں پالیم بنگ کا اقتدار بندون کی خلیج تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ پاپالم کا علاقہ خاکنائے کرا ہی میں واقع تھا۔ البتہ اس کا صحیح صحیح محل وقوع بتانا اب ممکن نہیں ہے۔ صورتِ حال جو کچھ بھی ہو چولا اوّل کی فتوحات میں ایک ایسے علاقے کا وجود ہونا جو بارہویں صدی میں سلطنت پیگو کا جزو بن گیا تھا اس حقیقت کی تردید کے لیے کافی ہے کہ راجندر نے جن ریاستوں کو تسخیر کیا تھا وہ پالیم بنگ کی ماتحت ریاستیں تھیں۔

تلئی تکولم

میوی لبنگم اور ولیئی پنڈورو کی شناخت سردست ممکن نہیں۔ تلئی تکولم غالباً وہی مقام تھا جس کا نام ملندا پنہا میں تکولا درج ہے۔ ٹالیمی نے بھی تکولا نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ جیرینی نے اس کا محل وقوع خاکنائے کرا کے جنوب میں موجودہ تکوآپا ضلع میں بتایا ہے اور اسے اس کا صدر مقام قرار دیا ہے جو اب بھی تکوآپا کہلاتا ہے۔ کچھ دیگر دانش وروں کی رائے میں یہ اسی خاکنائے میں کچھ اوپر کی طرف ~~واقع تھا۔ بہر حال~~ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ جزیرہ نمائے ملایا کے مغربی ساحل ہی پر واقع تھا۔

ماڈ مالنگم

جنگ میں ثابت قدم ما۔ڈ مالنگم کا نام چاؤ۔جو۔کوآ کی تیار کردہ ماتحت ریاستوں کی فہرست میں آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اس فہرست میں اس کا نام تن۔ ملنگ۔ درج ہے۔ اسی مصنف کا کہنا ہے کہ تن۔ ملنگ سے لنگ۔یا۔ شیئو۔کیا (النگا شوکم) تک چھ دنوں اور چھ راتوں میں سمندری سفر کر کے پہنچا جا سکتا ہے اور یہ کہ ان دونوں ریاستوں کے درمیان ایک برّی راستہ بھی ہے۔ جیرینی کا کہنا ہے کہ تن۔ ما۔لنگ دراصل تیمی لنگ تھا جو جزیرہ نمائے ملایا کے مشرقی ساحل پر واقع پہنگ کے درکوانتن کے دہانے پر واقع تھا۔ اس خیال کی بنا پر چاؤ۔جو۔کوآ کا فاضل مترجم لکھتا ہے "جیسا کہ ہمارے مصنف کا کہنا ہے۔ تن۔ما۔لنگ اور لنگ۔یا۔شی۔کیا کے درمیان ایک برّی راستہ موجود تھا اور ہمارے پاس یہ ماننے کے لیے کافی وجوہات ہیں۔ کہ یہ راستہ جزیرہ نما ملایا کے مغربی ساحل پر کیدہ کے نزدیک سے گزرتا تھا۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ تن۔ ما۔لنگ اس مقام سے زیادہ دور نہیں ہوگا جہاں جیرینی

نے اس کا محل وقوع بنایا ہے۔ بلیگڈن نے اس کے خلاف رائے دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کیدہ اور کوانتن کے درمیان بحری سفر کے لیے چھ دن کا عرصہ آبنائے ملاکا کے کمزور مان سون کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت کم ہے۔ کوئیڈس نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا ہے کہ تامرلنگا کا ملک یا لنکاشوکا کا ملک یا یہ دونوں ممالک جزیرہ نمائے ملایا کے پورے عرض میں تھے اور خلیج سیام اور آبنائے ملاکا ان کے بال مقابل واقع تھے۔

الامری دیشم

یہ صاف ظاہر ہے کہ الامری دیشم ہی ریاست سماترا کے شمالی حصے میں واقع تھی اور عرب جغرافیہ دان اسے لموری کہتے تھے۔ مارکوپولو نے لمبری کے نام سے اس کا ذکر کیا اور رسان۔ فوسی کی مطبع ریاستوں کی فہرست میں چاؤ۔جو۔کوآ نے اس کا نام لن۔ وو۔لی بتایا۔

نکّوارم

یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ مانک وارم جزائر نکوبار کا نام ہے۔ کڈارم کے راجہ کے خلاف بھیجی گئی فوجی مہم کے تذکرے میں دیئے ہوئے مقامات کے ناموں پر مندرجہ بالا بحث ہمیں واضح طور سے اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ راجیندر کی مہم کا مقصد شری وجیا کی سماترائی سلطنت اور جزیرہ نمائے ملایا و مجمع الجزائر شرق الہند میں اس کی زیرنگیں ریاستوں کو تسخیر کرنا تھا۔

کڈارم

اس بات کی وضاحت کرنا کہ اس سلطنت کے راجہ کو کڈارم کا راجہ کیوں کہا جاتا تھا اور اس کا محل وقوع طے کرنا ابھی باقی ہے۔ سنسکرت لٹریچر اور کتبات میں اس کا ذکر کٹاہا کے نام سے کیا گیا ہے۔ اور "کلنگتو پرانی" میں اس کا ذکر "کڈارم" یا "کڈارم" کے نام سے آیا ہے۔ اس کے علاوہ لیڈن کے عطیہ نامے (کے تامل حصے) میں اور راجیندر کے کتبات میں بھی اس کا نام "کڈارم" درج ہے۔ "کلنگتو پرانی" میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ سمندر کی لہریں اس کے ساحل کو چومتی تھیں۔ "پٹنا پالئی" میں جو "کالکم" لفظ آیا ہے اس کتبات میں مفسر نچھنی نار کنیار کی رائے میں اس ملک کا نام ہے جو "کڈارم" کہلاتا ہے۔ یہ تشریح "پنگلم" جیسی قدیم فرہنگ کی رو سے بھی مستند معلوم ہوتی ہے۔ "کڈارم" کے متعلق ان حوالوں سے بالخصوص "پٹنا پالئی" میں دیئے ہوئے حوالے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ "کڈارم" اس

بحری راستے پر واقع ایک اہم بندرگاہ تھی جس کے ذریعے ہندوستان اور مشرقی ممالک کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ کوئیڈس کا کہنا ہے۔ "اب چینی لوگ ایک ایسے ملک کو جانتے ہیں جس کا نام "کٹاہا" سے بہت مشابہت رکھتا ہے یعنی کی۔ تچا جہاں دو مرتبہ اِتسنگ نے قیام کیا تھا۔" بعد کی چینی تصانیف میں اسی مقام کا نام کی۔تو درج ہے۔ یہ مختلف نام جغرافیائی اور صوتی اعتبار سے موجودہ کیدہ کی بجائے استعمال ہوئے ہیں جو جزیرہ نمائے ملایا کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم کیدہ موجودہ کیدہ کی نسبت زیادہ جنوب کی جانب واقع تھا۔ جہاں جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے' لنکا شوکا کی ریاست واقع تھی۔ بہر صورت اتسنگ کے سفر ناموں کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ کی۔ تچا ملایا کا وہ آخری مقام تھا جہاں سے سیاح کو اپنے غیر ملکی سفر کے لیے خلیج بنگال کو پار کرکے آنے والے کے لیے یہ ملایا کا سب سے پہلا مقام تھا جہاں سے وہ گزرتا تھا۔ اس حقیقت میں ہمیں اس سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ چولوں نے شری وجیا کے حکمران کو کڈارم کا راجہ کیوں کہا۔ اگر اس زمانے میں کڈارم خود شری وجیا کے ماتحت ایک ریاست تھی اور ساتھ ہی یہ شری وجیا کی سلطنت میں پہنچنے کے لیے تاملوں کے راستے کا اولین مقام بھی تھا تو یہ قدرتی بات تھی کہ اس ملک کے راجہ کو "کڈارم" کا راجہ کہا جائے۔ اس بندرگاہ کو تجارتی اعتبار سے ان دنوں وہی اہمیت حاصل تھی جو اس خطے میں پینانگ کو حاصل ہے۔

مہم کی نوعیت

کڈارم کے راجہ پر فوج کشی کیوں کی گئی اور اس کے کیا اثرات ہوئے' ہمیں ان سوالوں کا کوئی براہ راست جواب چونکہ عصری کتبات سے نہیں ملتا' لہٰذا ہمیں اس کے لیے ان امکانات پر انحصار کرنا پڑتا ہے' جن کی طرف اس وقت کے جانے بوجھے واقعات اشارہ کرتے ہیں۔ راجندر کے عہد کے کتبات سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی کہ سمندر پار کے ملکوں پر یہ حملہ محض کالنگم پر مکمل طور پر غلبہ حاصل کرنے کی کوششوں کی ایک کڑی تھی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کی چولا سلطنت کا مجمع الجزائر شرق الہند اور چین سے اس زمانے میں برابر رابطہ تھا۔ سلطنت شری وجیا کے شیلندر شاہی خاندان کے ایک راجہ مارو جیتو

تنگا ورمن کا ناگ پٹم میں چوڑامنی وہار تعمیر کرنا اس نوعیت کا محض تنہا کام نہیں تھا بلکہ تجارت کی غرض سے شرقی جزائر اور جنوبی ہند کے مابین بڑھتے ہوئے تعلقات کا ایک طبعی نتیجہ تھا۔ قدیم زمانوں کی طرح یہ تجارت اس بڑے پیمانے کی بحری تجارت کا ایک حصہ تھی جو مغربی دنیا اور چین کے مابین ہوتی تھی اور جس میں عرب ہندوستان، جزیرہ نمائے ملایا اور مجمع الجزائر شرق الہند کے باشندے درمیانی تاجروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ دسویں صدی عیسوی کے خاتمے پر چینی حکومت کو غیر ملکی تجارت کی قدر و قیمت کا احساس ہوا جس نے ان مشکلات کے خاتمے پر چینی بعد جن میں نویں صدی عیسوی کے آخری حصے میں چین ایک طویل عرصے تک گرفتار رہا تھا۔ زندگی کی ایک نئی کروٹ لی تھی۔ لہذا اس تجارت کو فروغ دینے کے لیے "چین کے شہنشاہ نے سفاری خطوط کے ساتھ جن پر شاہی مہر ثبت تھی، ایک تجارتی وفد سونا اور چینی مال دے کر روانہ کیا تاکہ جنوبی سمندر کے بدیشی بیوپاریوں اور ان لوگوں کو جو سمندر پار کے غیر ملکوں میں تجارت کی غرض سے جاتے ہیں، چین میں آنے کی ترغیب دی جا سکے۔" انھیں دوستانہ دعوتوں کے جواب میں شری وجیا کے راجاؤں نے اپنے 1003ء اور 1008ء کے سفارتی وفود بھیجے ہوں گے جن کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ سونگ خاندان کے تاریخی تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ چین میں چو۔لیئن (چولوں) کی جانب سے پہلا تجارتی وفد 1015ء میں پہنچا اور یہ کہ اس زمانے میں ان کے ملک (جنوبی ہند) کا حکمران لو۔تسا۔تو۔تسا (راج راجا) تھا۔ ایک اور سفارتی وفد جس کو لو۔لو۔چا۔ین۔تو۔لو۔چو۔لو (شری راجاندر چولا) کی جانب سے چین میں 1033ء میں پہنچا اور تیسرا 1077ء میں راجہ کلوتنگا چولا۔ دیوا کی جانب سے گیا۔ اس طرح جنوبی ہندوستان اور چین کے مابین تجارتی تعلقات برابر اور وسیع پیمانے پر رہے۔ بارھویں صدی کے آخری حصے میں لکھتے ہوئے چو۔کو۔فی سلطنت سان۔فو۔تسی (شری وجیا) کے بارے میں لکھتا ہے۔ "مشرق میں سے بحری راستوں پر واقع یہ اہم ترین بندرگاہ ہے۔ جو لوگ مشرق میں شو۔پو (جاوا) سے اور مغرب میں تا۔شی (عرب) اور کو۔لن (کوئلان) سے آتے ہیں وہ سب چین جاتے ہوئے یہاں سے گزرتے ہیں۔"

راجندر کی فوج کشی کے وقت (۱۰۲۵ء میں) مشرقی ممالک کے ساتھ اس تجارت کو از سر نو شروع ہوئے چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہوگا۔ تجارت میں یہ فروغ راج راجا کے تحت چولا سلطنت کی طاقت کی افزونی اور چین کے حالات کی بہتری کے باعث ممکن ہو سکا تھا۔ ملک ملایا کے متعلق چولا سلطنت میں واقفیت بھی عام ہو چکی تھی۔ لیڈن کے بڑے عطیہ نامہ میں اس اندر راج سے کہ راجندر نے اپنے والد کی وفات کے بعد آینی منگلم کی جاگیر مستقل طور پر ناگ پٹم کے چوڑامنی وہار کے نام کر دی تھی، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ راجندر کے عہد حکومت کی ابتدا میں چولا سلطنت کے تعلقات کڈارم اور شری وجیا کی ریاستوں سے حسب سابق دوستانہ تھے۔ تنازعہ اگر کوئی تھا بھی تو اس کی وجہ بتانے کے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ہم صرف یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ یا تو مشرقی ممالک کے ساتھ چولا سلطنت کی تجارت میں شری وجیا کی جانب سے رخنہ اندازی کی کوئی کوشش ہوئی ہوگی یا اس سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اپنی عظمت میں چار چاند لگانے کے لیے راجندر کے دل میں سمندر پار کے ممالک میں اپنی دگ وجے کی توسیع کرنے کی خواہش ابھری ہوگی جس کا علم اس کی رعایا کو پہلے سے تھا۔ اس مہم کی اصل وجوہ کچھ بھی ہوں، یہ باور کرنا مشکل ہے، چاہے راجندر کے کتبات میں درج بھی واقعات کو صحیح مان لیا جائے کہ اس مہم سے کوئی دیرپا اثرات مترشح ہوئے سوائے اس کے کہ شری وجیا کے حکمران نے معمولی طور پر حملہ آور کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ راجندر کے ایک جانشین ویر راجندر اول نے کڈارم کو تسخیر کرنے اور پھر اسے اس کے حکمران کو اس کی درخواست پر واپس کر دینے کا دعویٰ کیا ہے، اصلیت جو بھی ہو، اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ چولوں نے ان بدیشی ریاستوں پر اپنی سلطنت کے صوبوں کی طرح حکومت کرنے کی کوشش کی ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کو ایک مقررہ میعاد پر خراج وصول ہو جایا کرتا تھا۔ سماٹرا میں ۱۰۸۸ء کے ایک شکستہ تامل کتبے سے اس جزیرے میں محض تامل تاجروں کی موجودگی ثابت ہوتی ہے جس کا علم اور دیگر ذرائع سے بھی اچھی طرح ہوتا ہے۔

کرن دیٔ (ضلع تنجور) کی تختیوں (سلسلہ 48) میں درج ہے کہ کام بھوج کے راجہ نے راجندر کو اپنی بادشاہت (آتم کاشیم) کے تحفظ کے لیے اپنا وہ فتح مند جنگی رتھ بھیج کر اس سے دوستی کی استدعا کی جس کے ذریعے اس نے اپنے دشمنوں کی حملہ آور فوجوں کو شکست دی تھی۔ یہ اس زمانے میں سمندر پار کے ملکوں کے ساتھ چولا سلطنت کے تعلقات کی طرف ایک واضح اشارہ ہے۔ کیبج (کام بھوج) ہندچینی میں واقع ملک انگ کور کا نام تھا جس پر اس زمانے میں عالی مرتبہ راجہ سوریہ ورمن (تقریباً 1002-1050ء) کی حکومت تھی۔ یہ حقیقت جو اب پہلی بار سامنے آئی ہے اس امر کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ ملک کیبج اور چولا سلطنت کے مابین دوستانہ تعلقات جن کی کلوتنگا اوّل کے زمانے میں موجودگی کی پہلے ہی تصدیق ہو چکی تھی، دراصل کلوتنگا کے عہد سے بہت عرصہ پہلے شروع ہو چکے تھے۔

راجندر کے عہد کے باقی سال

جدید مصنفین نے یہ فرض کر لیا ہے کہ راجندر کا باقی ماندہ عہدِ حکومت جو کڈارم پر فوج کشی کے بعد کوئی بیس برس تک رہا، ایک امن کا دور تھا تاہم اس کے بیٹوں کے کتبات بالخصوص راجا دھیراج اوّل کے کتبات کے محتاط مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دور مکمل امن کا دور نہیں تھا۔

مکمل امن کا دور نہیں تھا

سلطنت کے مختلف حصوں میں اس کے بیٹوں نے کافی جنگ و جدل برپا کیے رکھا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ اپنے عہد کے ابتدائی برسوں کی "دگ وجے" کی تکمیل کے بعد جب اس کی رزمیہ عظمت کی شہرت دنیا میں پھیل گئی تو راجہ نے بعد کے سالوں میں خود میدانِ جنگ میں جانے سے احتراز کیا اور اپنے بیٹوں کو شہرت و عزت حاصل کرنے کا پورا موقع دیا۔

بہر صورت راجا دھیراج کے عہد کے ستائیسویں برس سے پہلے کے کتبات صریحًا راجندر اوّل کے دورِ حکومت ہی میں کندہ کروائے گئے تھے اور راجندر کے عہد کا مطالعہ اس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک ان میں جو واقعات درج ہیں، ان کا جائزہ نہ لیا جائے۔

جنوب میں بغاوت

پانڈیا اور کیرلا کی ریاستوں میں بغاوت کا تقاضا تھا کہ وہاں سخت جوابی کارروائی کی جائے اور راجا دھیراج نے ان شورشوں کو فرو کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر جو مہم کشی کی اس کا تذکرہ ذیل کے الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

"جنوب (پانڈیا) کے تین اتحادی راجاؤں میں سے اس نے مانا بھرنن کا خوبصورت سر ایک معرکے میں قلم کر دیا، جو بڑے بڑے جواہرات سے آراستہ تھا اور طلائی تاج علیحدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جنگ میں ویر کیرلن کو جس کے پاؤں کے کڑے بہت چوڑے تھے، گرفتار کر لیا اور اسے اپنے خونخوار ہاتھی اتّی وارن کے پیروں تلے کچلوا دیا اور لا انتہا شہرت رکھنے والے سندر پانڈین کو قدیم ملایئور کی طرف دھکیل دیا۔ جو گھمسان کی ایک لڑائی میں اپنا سفید شاہی چھتر، سفید یاک کے بالوں کا مُرچھل اور شاہی تخت کھو کر فرار ہو گیا۔ اس کا تاج سر سے گر گیا، اس کے بال منتشر ہو گئے اور اس کے پاؤں تھک گئے۔ اس نے ویناڈو کے نڈر راجا کو سورگ میں بھیج دیا اور فرطِ غیظ میں ارام کڈم کے سب سے بڑے سردار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قوی وِلون (چیرا) تو دہشت زدہ ہو کر جنگل میں جا چھپا لیکن چولا نے ونجی کے پھولوں کا تازہ گجرا اپنے گلے میں پہنا۔ کاندلور شالئی کے مقام پر جو بے پایاں سمندر کے کنارے تھا، جہازوں کو آن کی آن میں تباہ و برباد کر دیا۔"

پانڈیا اور کیرلا ریاستوں پر حملے کی صحیح تاریخ کا کچھ پتہ نہیں۔ چونکہ اس دور کا کوئی پانڈین کتبہ دستیاب نہیں ہوتا اس لیے ہمارے پاس صرف وہی کہانی رہ جاتی ہے جو فاتحوں نے بیان کی ہے اور بے لاگ ماخذوں سے ہم اس کی جانچ پڑتال کرنے سے معذور رہیں۔ تعجب یہ ہے کہ اس دور کے بے شمار چولا پانڈیا کتبات میں سے کسی ایک میں بھی ان واقعات پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ سندر پانڈیا شاید اس تمام سازشوں کا سرغنہ تھا جس کے ذریعے یہ بغاوت منظم کی گئی تھی۔

راجا دھیراج کی ایک پرشستی (تنگلیرا) میں تینوں پانڈیا حکمرانوں کے ساتھ جنگ کے متعلق جو تمہید دی گئی ہے اس میں ایک ایسی لڑائی کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں کسی وکرم نارنا کو مطیع کر لیا گیا تھا۔ اس شخص نے شہزادے (راجا دھیراج) کے والد کی

مخالفت کی تھی (تا دئی ئن وند)۔ یہ لڑائی قریب دس روز رہی اور بتایا جاتا ہے کہ اس کے خاتمے پر راجا دھیراج نے بھوپندر چولا کا لقب اختیار کیا۔ اس سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وکرم نارنا جنوبی ہند کا کوئی راجہ تھا لیکن اسی پرشستی میں آگے چل کر چالوکیہ کے خلاف ایک لڑائی کے تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک چالوکیہ سپہ سالار تھا اور کسی وجہ سے چکر ورتی وکرم نارنا کے نام سے موسوم تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جنوبی مہم کے دوران میں پانڈیا ریاست سے کاندلور کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے راجندر نے راستے میں وینا ڈ کے راجہ پر حملہ کیا اور اسے سورگ بھیج دیا۔ اور کوپکا کے راجہ کی طاقت کو جو جنوبی ٹراونکور کا ایک مقامی حکمران تھا۔ ختم کر دیا۔

مُوشکا راجگان

اس مہم کے دنوں میں بھی کیرلا کی ریاست کے سیاسی حالات ویسے ہی تھے جیسے کئی صدیوں کے بعد پرتگیزوں اور ولندیزوں نے ان کو پایا تھا۔ یہ متعدد چھوٹے چھوٹے رجواڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جنھوں نے اپنی ختم نہ ہونے والی دوستوں اور دشمنوں میں الجھ کر اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی تھی۔ (رام کڈم (تامل) جو سنسکرت میں رام گھٹا کہلاتا تھا انہی رجواڑوں میں سے ایک تھا۔ یہ چھوٹی سی ریاست ڈی۔ ایلی پہاڑ (موشک پہاڑ) کے ارد گرد بسی ہوئی تھی۔ جو ایلی۔ ملئی (چوہوں کا پہاڑ) بھی کہلاتا تھا۔ اس ریاست پر موشکا راجاؤں کی حکومت تھی جن کا تذکرہ "موشکا و مشم" نامی ایک نظم میں کیا گیا ہے۔ اس نظم میں جو داستان درج ہے اس کے مطابق ایک کھشتری شہزادہ جو کھشتریوں کے خلاف پرشورام کی عظیم جنگ کے بعد پیدا ہوا تھا اور جس کی پرورش خفیہ طور پر کی گئی تھی، پرشورام کے سامنے اس وقت پیش کیا گیا تھا جب ایلی پہاڑ پر ایک یگیہ کرنے کے دوران اسے ایک اہم جز وتھی اور یہ رسم صرف کھشتری کی تلاش تھی، اس رسم کی ادائیگی یگیہ کا ایک اہم جز وتھی اور یہ رسم صرف ایک کھشتری ہی ادا کر سکتا تھا۔ بعد میں پرشورام نے اس شہزادے کو موشک دیش کا راجہ بنا دیا اور ایک "ابھیشیک" کے ذریعے جو پانی کے برتنوں (گھٹا۔ کڈم) کے ساتھ کیا گیا تھا، اس کی باقاعدہ تاج پوشی کی گئی۔ اس طرح اس خاندان کا نام رام گھٹا یا تامل میں ارم کڈم پڑ گیا۔ ایلی ملئی کے نواح میں واقع وڈیا ئتو کے مقام

سے دستیاب شدہ گیارہویں صدی کے ایک کتبے پر موشکا راجہ کنڈن کاری ورمن عرف رام کڈمو ورتر مو وڈی کے عہد کے انسٹھویں[59] سال کی تاریخ درج ہے۔ اس کتبے میں راجندر شولا سیاسیناپتی کا ذکر بھی آیا ہے۔ غالباً یہ مو ورتر و وڈی وہی حکمران تھا۔ جس پر راجا دھیراج نے فوج کشی تھی۔

چولا سلطنت کی نرمی

پانڈیا اور کیرلا کی ریاستوں کی تسخیر کے مدتوں بعد بھی قدیم پانڈیا اور چولا حکمران نہ صرف موجود تھے بلکہ طاقتور نائب السلطنت کے ہوتے ہوئے بھی چولا اقتدار اعلیٰ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چولا حکومت نے مفتوحہ علاقوں میں اپنا رویہ نرم رکھا تھا۔ یہ رویہ "ارتھ شاستر" کی اس ہدایت کے مطابق تھا جو ایک فاتح کو اپنے مفتوح علاقوں میں اختیار کرنا چاہیئے۔

لنکا

راجندر کے عہد کے ابتدائی حصے کے بعض کتبات میں بتایا گیا ہے کہ اس نے کاندلور شالئی کی فتح کے بعد لنکا پر چڑھائی کی اور لنکا کے راجہ ولوا کا جس نے گلے میں گجرا پہن رکھا تھا، اور کن یی (قنوج) کے راجہ کا سر قلم کر دیا۔ بہت ممکن ہے کہ راجا دھیراج کی یہ فوجی مہم اس کے والد کی زندگی ہی میں پیش آئی ہو اور اسے تفصیل کے ساتھ اس کے بعد کے کتبات میں بیان کیا گیا ہو۔ لیکن چونکہ اس پیراگراف کے شروع میں راجا دھیراج کے جن دو کتبات کا ذکر ہے، ان کی تاریخیں شبہ سے بالاتر نہیں ہیں اور راجا دھیراج کے ایک اور کتبے میں بھی، جو یقیناً اس کے عہد کے ستائیسویں برس کا ہے، لنکا کی جنگ کا ذکر ہے۔۔۔۔ اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ ہم راجا دھیراج کے عہد حکومت کے ذکر تک اس مہم سے متعلق بحث کو ملتوی رکھیں۔ تاہم یہ بات نظر انداز بھی نہیں کی جا سکتی کہ "مہاوامسا" میں دی ہوئی تاریخوں کے مطابق راجا دھیراج نے لنکا کی جو جنگ لڑی اس کے بعض واقعات یا کم از کم وہ واقعات جو سنہالی حکمران وکرم باہو اول سے متعلق ہیں۔ راجندر چولا اوّل کی وفات سے قبل ہی پیش آچکے ہوں گے۔ یہ جنگ طول پکڑ گئی اور راجا دھیراج کے عہد حکومت میں بھی جاری رہی۔ اس کے بھائی راجندر دوم نے بھی غالباً اس کے آخری مراحل میں کچھ حصہ لیا۔

اہوا ملّا چالوکیہ سے لڑائی

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سفربی چالوکیوں کے خلاف راجا دھیراج کو ایک اور جنگ لڑنی پڑی۔ اس جنگ کا مفصل تذکرہ ہمیں اس کے متعدد کتبات سے معلوم ہوتا ہے جو واقعات کی خاص تفصیلی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ جنگ جو اہوا ملّا کے خلاف لڑی گئی، سنہ 1042ء کے کچھ عرصہ بعد ہوئی ہوگی جو جے سمہا دوم کے متعلق آخری معلوم شدہ تاریخ ہے۔ اس لیے یہ جنگ راجندر کے عہد کے آخری سالوں میں لڑی گئی ہوگی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مشنگی کی جنگ (سنہ 1021ء) کے بعد جے سمہا دوم نے رائچور کے دوآبے پر قبضہ کر لیا تھا اور دریائے تنگ بھدرا تک پہنچ گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عہد حکومت کے باقی تقریباً بیس برسوں میں راجندر نے اس کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ وہ دوسری اطراف میں مصروف رہا۔ ضلع بیلاری میں کچھ کتبات ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جے سمہا دوم نے اس زمانے میں دریائے تنگ بھدرا کو بھی پار کر لیا اور ضلع بیلاری کے کچھ حصے پر چولا تسلط کو ختم کر کے اس کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ اس کے ایک اطاعت گزار جگدیک ملا اُدوے آدیتہ نولمبا پلوپیرومانڈی نے سنہ 1033ء کے ایک کتبے میں دعویٰ کیا ہے کہ کچھ دوسرے اضلاع کے علاوہ اس کا تسلط نولمبا واڈی 32000 پر بھی تھا لیکن یا تو یہ محض ایک مبالغہ ہے یا پھر نولمبا راجاؤں کے روایتی القاب کو اختیار کر لیا گیا ہے لیکن اس طویل وقفے کے بعد جس میں چالوکیوں کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے پوری آزادی حاصل رہی اور ترلیوکی ملّا اہوا ملّا سومیشور اوّل کی تخت نشینی کے بعد جس نے وینگی میں جارحیت کا از سر نو آغاز کر دیا، چولا تاجدار کو اپنی برتری پھر سے تسلیم کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی وینگی کو آزاد کرنے کے لیے راجا دھیراج کی قیادت میں سومیشور کو ایک تازہ چولا حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ چولا کتبات میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بعد جو لڑائی چھڑی اس میں چولا فوجوں نے ڈنّاڈا (دھانیہ کٹکا) کے معرکے میں چالوکیہ فوج کو شکست فاش دی اور اس کے سربراہوں گنڈپیا اور گنگا دھر کو ہاتھیوں کی کثیر تعداد کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وکّی اور وجے آدیتہ جیسے بہادر سنگمیا کے ہمراہ بزدلوں کی طرح پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے اور کثیر خزانہ، گھوڑے اور ہاتھی چولوں کے ہاتھ لگے جنھوں نے

کولی پاکئی نامی شہر کو آگ لگا دی۔ بلاشبہ وکمؔ اور وجے آدتیہ بالترتیب سومیشور اور وشنو وردھن کے بیٹے تھے۔ سومیشور ہی بعد میں وجے آدتیہ ششم بنا۔ اگر چولا کتبات میں کئے ہوئے یہ دعوے صحیح ہیں تو راجؔ راجا نے واقعی اطمینان کا سانس لیا ہوگا اور ایک بار پھر خود کو اپنی وینگی ریاست کا بلاشبہ غیرے مالک پایا ہوگا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چولوں کی کامیابی اتنی مکمل نہیں تھی اور مغربی چالوکیوں کی خود مختاری کولی پاکئی کے مقابلہ کے بعد برقرار رہی۔ اس زمانے میں وینگی پر سومیشور کے تسلط کی تصدیق متعدد کتبات سے ہوتی ہے ۱۰۱۴ء میں سومیشور کے ایک باجگزار راجہ شوبھا نریش نے "وینگی پرورلیشورا" کا لقب اختیار کیا اور یہ لقب اس کے بعد اس کی اولاد کے ناموں کے ساتھ بھی باقی رہا۔ ۱۰۴۷ء کے ایک غیر مطبوعہ کتبے میں، جسے حیدرآباد کے عجائب گھر میں محفوظ رکھا گیا ہے، درج ہے کہ سومیشورا نے وینگی اور کالنگا کے راجاؤں کو جنگ میں پیش کر رکھا دیا۔ لیکن اس میں شک ہے کہ تمام کی تمام ریاست وینگی فریق مخالف کے ہاتھ میں چلی گئی ہو کیونکہ دراکشا راما میں راجؔ راجا کا ۱۰۴۷ء کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں "بھیمیشورا" کے مندر کو پیش کئے گئے ایک عطیے کا اندراج ہے۔ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلد ہی راجؔ راجا کو چولا امداد پر انحصار ترک کر کے سومیشور کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑا چنانچہ ہم اس کے بعد سومیشور کے "پردھانوں" میں سے ایک شخص نارائن بھٹ کو راج راجہ کے دربار سے منسلک پاتے ہیں۔ نارائن بھٹ کو "آندھر بھارت" نامی شعری مجموعے کی تصنیف میں ننیا بھٹ کی مدد کرنے کے صلے میں نندم پونڈی نامی ایک گاؤں عطیے میں دیا گیا اور اس کی بیٹی کپرتا نے ۱۰۵۵-۵۶ء میں دراکشا راما کے بھیمیشور مندر کو عطیہ دیا۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ راجندر کے فوری بعد آنے والے جانشینوں نے ریاست وینگی میں اپنی آبائی دلچسپی کم کر دی تھی۔ اس کی تصدیق خود چولا کتبات سے ہوتی ہے۔

راجندر اوّل آخری سال

وجے واڑہ نسل کے چولا راجاؤں کی تاریخ میں راجندر کے عہد کے آخری چند سال ایک نہایت شاندار دور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سلطنت کی سرحدیں اس وقت وسیع ترین تھیں۔ اس کا فوجی اور بحری وقار اپنے انتہائی عروج پر تھا۔ فوجی نوعیت کی

سلطنتوں میں بغاوتوں کو فرو کرنے اور مفتوحہ علاقوں کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لیے فوجی مہمات کی ضرورت ہمیشہ پیش آتی رہتی ہے۔ شہنشاہ کے لائق اور ہنرمند بیٹے اور شاہی خاندان کے دیگر افراد بڑی قابلیت کے ساتھ اس کا ہاتھ بٹاتے تھے اور شاہی نظم ونسق کے کام بطرز احسن چلاتے تھے۔ ان برسوں میں سندر پانڈیا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف پانڈیا جنگ اور اہوآملا کے خلاف چالوکیہ جنگ کی طرح کے بڑے بڑے معرکوں کو تو ولی عہد سلطنت راجا دھیراج نے خود سر کیا لیکن چھوٹی چھوٹی جنگی خدمتیں متعدد باجگزار سرداروں نے انجام دیں مثلاً نمبی ہلی خطے میں چوریا کی جنگ جس میں "گائیں اغوا کرلی گئیں اور عورتوں کے کمربند کھول دیئے گئے۔" ایسے سرداروں سے چند کا ذکر اس عہد کے کتبات میں ممتاز طریقے سے کیا گیا ہے۔ ان کا مختصر حال یہاں بھی درج کیا جاتا ہے۔

باجگزار راجگان

اس عہد کے شروع میں پانڈیا راجہ شری ولبھ کی مہارانی کا ترووشلوُر کے مندر کو عطیات دینا، جب شاید راج راجا خود زندہ تھا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ پانڈیا راجگان نے بھی بالعموم اطاعت گزاروں کی حیثیت میں رہنا قبول کرلیا تھا۔ موجودہ ضلع شمالی ارکاٹ کا کچھ حصہ جو برہم دیشم کے آس پاس واقع تھا، راج راجا کی بڑی بہن کنڈوئی کے شوہر ڈوئیار وندیہ ریور کے زیر نگیں تھا جو سامنتوں کا سردار کہلاتا تھا۔ اس شخص کی دو اور بیویوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے یعنی اندلا دیوی اور مندر گورونار کندا دیوی یار، جو اپنے نام کے دوسرے حصے کے باوجود اس پر اتنکن کند وئی پراتیار سے مختلف تھی جو ایک چولا شہزادی تھی اور اس عہد کے چوتھے یا پانچویں برس پلیارو کے محل میں رہتی تھی۔ سامنتوں کے اس راجہ کے نام پر ایک ناڈو کا نام وتورنیار ناڈو پڑگیا تھا۔ اور اس عہد کے چوتھے برس میں موجودہ ضلع جنوبی ارکاٹ برس میں موجودہ ضلع جنوبی ارکاٹ کا بہت سا پہاڑی حصہ کسی یادو بھیم کے زیر انتظام تھا جو اُتم چولا ملاڈو دئیار بھی کہلاتا تھا۔ اس کے ساتھ آٹھ برس بعد ہم غالباً اسی خطے کو گنگائی کونڈ چولا ملاڈو دئیار کے زیر انتظام دیکھتے ہیں لیکن کتبات میں اس کا ذکر محض اس ضمن میں آیا ہے کہ کال ہستی کے مندر میں ایک چراغ جلائے رکھنے کے لیے اس کی

جانب سے کوئی عطیہ دیا گیا تھا۔ ڈنڈ نائیکن نرائن کرشن رامن جس نے راج راجا
کے فرمان کی تعمیل میں تنجور کے مندر کا احاطہ تعمیر کیا تھا، راجندر اول کی ملازمت میں
بھی رہا اور اس کے عہد حکومت کے اختتام تک اس کی ملازمت کرتا رہا۔ اس
کا ذکر سنہ 1044ء تک ہمیں ملتا ہے۔ اس کا بیٹا مارائن آر مولی بھی ایک سیناپتی تھا جو
اُتم شولا برہم مارائن کے نام سے بھی موسوم تھا۔ اس نے سنہ 1033ء کے قریب کولار کے
پڈاری کے لیے ایک مندر تعمیر کرنے میں راجندر کی مدد کی تھی۔ اس سیناپتی کے
دو ناموں میں سے پہلا تو اس کا ذاتی نام تھا جس سے امراء اور رؤسا (مارائم)
میں اس کی سماجی حیثیت کا اظہار ہوتا تھا اور اس امر کا بھی کہ اس کی پیدائش
کے وقت سے ہی اس کے والد نے اس کا نام حکمران وقت کے نام پر رکھا تھا۔
اس کا دوسرا نام شاہی فوج میں اس کے عہدے کا نام تھا۔ ہنگل کے نواح میں وراٹ
دیش میں واقع تلبی گرام کے ایک سردار اندل دیو کی بیوی نمبلا دیوی نے سنہ 1042ء کے
آس پاس ترو وریور کے مندر کو ایک عطیہ دیا تھا۔ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا
کہ اندل دیو سرکاری افسر تھا یا راجہ کا کوئی باجگزار سردار ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی تاجر یا
سوداگر ہو جس نے ان دنوں کے اپنے اور بہت سے ہم پیشہ تاجروں کی مانند دور دراز
کے سفر کیے ہوں۔ بہر صورت ان سبھی مثالوں سے راجندر کے اس دعوے کی خاصی
حد تک توثیق ہوتی ہے کہ اس نے میسور کی ریاست اور رٹاپادی کے کچھ حصے تسخیر
کر لیے تھے۔ سب سے آخر میں میسور اور کورگ کے بالترتیب چنگالوا اور کونگالوا راجگان
تھے۔ ہماری تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ کونگالووں نے راج راجا کے تحت کافی شہرت حاصل
کی۔ راج راجا نے منیجا کی شجاعت وجوانمردی کے اعتراف میں اسے "کھشتریہ شکھامنی کونگالوا"
کا خطاب دیا اور مالبی (کورگ) میں جاگیر عطا کی۔ چنگالوں کی ریاست چنگ ناڈ میسور
کے ارکل گوڈ تعلقہ اور شمالی کورگ کے ییلو ساویر خطے پر مشتمل تھی۔ چنگالوا اور کونگالوا
دونوں خاندانوں کے راجاؤں کے ناموں سے پہلے اس وقت سے چولا نام رکھ دیئے اور
ان راجاؤں کے ناموں کے ساتھ چولا شہنشاہ نے اپنے مفتوحہ علاقوں کے چولا نام رکھ دیے
ان راجاؤں کے ناموں کے ساتھ بھی اپنے نام جوڑ دیئے جنہوں نے ان کے باجگزار راجہ
کی حیثیت قبول کر لی تھی۔ چند برسوں ہی میں کونگووں نے یہ دعوے کرنے شروع کر دیا کہ وہ

اصل میں چولوں ہی کی اولاد ہیں۔ وہ ان متعدد مقامی تیلگو اور کنڑ خاندانوں کے زمروں میں شامل ہو گئے جو فرضی روایتوں کی بنا پر خود کو جات چولا کے وسیلے سے راجہ کریکال اور سورج دیوتا کی اولاد بتاتے تھے۔

برُو اپنے والد کی طرح راجندر نے بھی متعدد شاندار "برُو" (القاب) اختیار کر رکھے تھے۔ ان میں سے راجندر نے بھی گونڈ چولا "اور" پنڈتا چولا" ہر ایک جگہ اسے ویر راجندر بھی کہا گیا ہے لیکن راجہ کے مقام کا تعین کرنے میں سب سے بڑھ کر اس کا گنگائی کونڈ چولا کا لقب تھا۔ یہ نئی راجدھانی سے تعلق کے باعث جس کو خود راجہ نے بسایا تھا، امتیازی حیثیت رکھتا تھا اور جسے اکثر سنسکرت میں گنگا پوری کہتے تھے۔ اس مشہور شہر کے کھنڈرات میں ہمیں سب سے پرانا کتبہ جو دستیاب ہوا ہے وہ راج کیسری ورمن ویر راجندر دیو کے عہد کا معلوم ہوتا ہے۔ شہر کے شمال میں واقع آبپاشی کے لیے بہت بڑا تالاب جس کا ذکر ترووالنگاڈو کی تختیوں میں چولا گنگم کے نام سے کیا گیا ہے، مدتوں سے بے مصرف ہو چکا ہے۔ اس کے وسیع دامن میں گھنا جنگل اگ چکا ہے۔ خود راجندر اوّل کے زمانے میں کتبات میں شاذ ہی اس نئی راجدھانی کا ذکر آتا ہے اور اس کے عہد کے ساتویں برس سے پہلے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ اس شہر کو کئی مرتبہ غلطی سے مڈی گونڈا لو لاپورم سمجھ لیا گیا ہے اور یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ بعد میں جو شہر گنگائی کونڈا شولاپورم کے نام سے موسوم ہوا، یہ اسی شہر کا پرانا نام تھا۔ لیکن اس دور کے کتبات سے اس رائے کی تائید نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس ڈی گونڈا شولاپورم کو پلیا رو کا دوسرا نام بتایا جاتا ہے جو مڈی گونڈان کے کناروں پر واقع ایک گاؤں ہے۔ جہاں کمبا کونم سے بآسانی پہنچا جا سکتا ہے۔ پلیا رو میں جدید چولا طرز تعمیر کا ایک نفیس نمونہ قدیم شومندر ہے لیکن اس میں کوئی کتبہ نہیں ہے۔ ان محلوں کا پلیارو میں البتہ کوئی نام ونشاں دکھائی نہیں دیتا جن میں کہا جاتا ہے کہ کندو لی اور راجندر اس کے دور حکومت کے آغاز میں قیام پذیر تھے۔

راجندر اور اس کے جانشینوں کے عہد حکومت کے متعدد کتبات میں [illegible] شیم گنگائی اور کڈارم کا فاتح بتایا گیا ہے۔ اس بیان کو یقیناً اس

کی دور دراز کی فتوحات کا خلاصہ سمجھنا چاہیئے۔ اور اس کی بنا پر پورو دشیم ونیکیا کی رائے کے مطابق وینگی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ خطہ تھا جو منئی کل کے سلسلۂ کوہ کے مشرق میں کوشل کے جنوبی حصے پر مشتمل تھا۔

مہارانیاں

راجندر کی مندرجہ ذیل رانیوں کا ذکر اس کے کتبات میں آیا ہے تربھوونایا وانون مہا دیویار، مکو کلان، پنچون مادیویار، اور ویرما دیوی جو مشہور رہے کہ راجہ کی موت پر ستی ہو گئی تھی۔ اس کے بیٹوں میں سے تین تو یکے بعد دیگرے اس کے بعد چولا تخت پر بیٹھے یعنی راجا دھیراج، راجندر اور ویر راجندر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہیں میں سے ہی کوئی چولا پانڈیا نائب السلطنت بھی تھا جس کا لقب جٹا ورمن سندر چولا پانڈیا تھا یا نہیں۔ کچھ اور بیٹوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔ راجندر کی ایک بیٹی ارو موولی ننگیار یا پرانتا رنے اپنے بھائی راجا دھیراج کے عہد حکومت کے اوائل میں ترول واڑی کے مندر کو موتیوں کا ایک بیش قیمت چھتر عطیئے میں دیا تھا۔ اس کی ایک اور بیٹی نامورا منگا دیوی تھی جو مشرقی چالوکیہ حکمران راجہ راجا اوّل کی مہارانی اور سب سے پہلے چولا کیہ تاجدار کلوتنگا کی ماں تھی۔ راجندر کے کتبات میں اس کی تاج پوشی سے لے کر زیادہ سے زیادہ تینتیسویں سال تک کا ذکر آتا ہے اور یہ بات اس حقیقت کے مطابق ہے کہ اس کی موت کا اندراج راجا دھیراج کے عہد کے چھبیسویں برس کے ایک کتبے میں موجود ہے۔ اس طرح راجندر کی وفات سنہ 1044ء میں کسی وقت ہوئی۔

(تتمہ الف)

مہی پال کے بارے میں

ڈاکٹر ایس. کے آئینگر نے اپنے مقالے "گنگائی کونڈا چولا" میں دریائے گنگائی کی مہم کا قدرے مفصل ذکر کیا ہے لیکن میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ان کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتا. جزوی طور پر ہمارے اختلافات کا باعث یہ بھی ہے کہ تر ووالنگا ڈو کی تختیوں (ج. س صفحہ 554) کی اہمیت ہماری نظروں میں مختلف ہے. میں شری آر. ڈی بینرجی کے اس خیال سے متفق ہوں کہ "جس ترتیب سے راجندر کے تامل کتبات میں مختلف ریاستوں اور خطوں کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے اس سے ہم یہ فرض نہیں کر سکتے کہ دنڈ بھکتی کا خطہ دراصل بہار ہے". ڈاکٹر ایس. کے آئینگر کا کہنا ہے کہ "جیسا خود اس کے نام سے ظاہر ہے بہار کسی ریاست یا بڑی سلطنت کی سرحد پہ واقع ہوگا جہاں اس کی کسی قوی دشمن سے حفاظت کی بڑی ضرورت ہوگی." میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے. صاحب موصوف نے (صفحہ 558 پر درج) اپنی اس رائے کی تائید میں کوئی مؤقر شہادت بھی پیش نہیں کی ہے کہ نویں صدی عیسوی کے آخر اور دسویں صدی کے شروع میں مگدھ پر راشٹر کتوں کی اس وقت تک حکومت تھی جب تک راجندر کے پال خاندان سے تعلق رکھنے والے حریف مہی پال نے مگدھ کو بزور ان سے چھین کر وہاں دھرم پال کو اپنا نائب السلطنت

تعینات کر دیا تھا۔ بینرجی نے مہی پال کے عہد کے ابتدائی برسوں میں پال سلطنت کی توسیع کی ان حالات کی روشنی میں بخوبی وضاحت کر دی ہے جن سے محمود غزنوی ("بنگال کے پال راجگان" صفحہ 70) کے حملے کے بعد گرجرا سلطنت کو گزرنا پڑا تھا۔

بینرجی نے راجندر کے تروملئی کی چٹان پر کندہ کتبات کی تردید میں جو کھشیمیشورا کے چنداکوشکم کی شہادت کا حوالہ دیا ہے وہ مجھے بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص گرجرا حکمران مہی پال کے تحت دسویں صدی عیسوی میں رہتا تھا۔ (میکڈونل کی "سنسکرت لٹریچر" کا صفحہ 366۔ کیتھ کی تصنیف "سنسکرت ڈرامہ" کا صفحہ 239 اور زیریں حاشیہ ملاحظہ ہو) مہی پال کے ہاتھوں کرناٹوں کی شکست کو، جو ڈرامے میں مذکور ہے، دراصل راجندر کی شکست قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ (موازنہ بہ ایس۔ کے آئینگر۔ حوالہ سابقہ صفحات 559 تا 562)۔

تروو النگاڈو کی تختیوں کے اشعار نمبر 116 تا 124 میں بیان کیے گئے واقعات کی ترتیب پر اپنے دعوے کی بنیاد رکھتے ہوئے ڈاکٹر ایس کے آئینگر نے اوٹا (شمالی اڑیسہ) کے ایک مہی پال کو بنگال کے نامور پال راجہ سے مختلف ایک دوسرا مہی پال بنایا ہے اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "راجندر کے جرنیل کا بنگال کے مہی پال سے براہِ راست مقابلہ قطعاً نہیں ہوا" (صفحہ 565) ان کا کہنا ہے کہ اگر تامل کتبات کو صحیح طور پر سمجھا جائے تو وہ اسی نظریے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اسے ثابت کرنے کے لیے وہ Epigraphia Carnatica (کرناٹک کے کتبات) نامی کتاب میں دیے ہوئے راجندر کے تامل کتبات کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ضلع بنگلور میں چنا پٹنا کے کتبات نمبر 84 میں غالباً صحیح متن دیا ہوا ہے۔ "توڈو۔کڈر۔شنگموٹا۔مہی پالنئی" جس کا ترجمہ وہ یوں کرتے ہیں۔ "سمندر کو چھونے والے سنگم (سنگم!) کا اوٹا مہی پال" وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تامل میں اگر یہ تینوں الفاظ کہے جائیں تو۔ "توڈو۔کڈر۔چنگم" ہوں گے۔ جن کے معنی ہیں "دریا کا دہانہ جو سمندر کو چھوتا ہے" (صفحہ 564-565) ایک لمحے کے لیے اگر ان الفاظ کی تکرار کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ "سنگم" کے بعد اگر "اوٹا" آجائے تو وہ شنگموٹا کیسے بن جاتا ہے اور "شنگم دوٹا" کیوں نہیں بنتا، جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ میں پہلے بھی اس امر کی

جانب اشارہ کرچکا ہوں کہ تنجور کے کتبہ (سلسلہ نمبر II۔ (ii)۔ نمبر شمارہ 2-1-7) کی عبارت نمایاں طور پر یوں پڑھی جاتی ہے: تو ڈو۔ کلر چنگو۔ وو ڈڈل مئ پالنئی" اس عبارت کو ہلتش نے اپنی مرضی سے بدل کر "توڈو۔ کلر۔ چنگو۔ وو ٹل" کرلیا۔
(EI-x-i۔ صفحہ 232۔ ذیلی حاشیہ نمبر 6)۔ اصل عبارت تو بلا شبہ وہی ہے جو تنجور کے کتبے میں درج ہے اور اس کے صحیح معنی ہیں کہ قوی مہی پال کسی طرح سے گرفتار ہوگیا۔ وہ کس طرح گرفتار رہوا اس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں۔ پھر بھی اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جیسا بہت سال پہلے کیل ہارن نے خیال ظاہر کیا تھا یہ قوی مہی پال یقیناً بنگال کا پال حکمران تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شری بنیرجی کے اس دعوے کے ردعمل میں ڈاکٹر ایس۔ کے آئینگر غیر دانستہ طور پر بہت دور چلے گئے ہیں۔ ان کا خیال "چنڈ کوشکم" کے ایک غلط حوالے پر مبنی ہے کہ مہی پال نے راجندر کو شکست دی یا کم سے کم اسے دریائے گنگا کو عبور کرنے سے روکنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن چولا جرنیل کی طرف سے یہ عذر کہ بنگال کے مہی پال سے اس کا مقابلہ ہی نہیں ہوا، بالکل کمزور دلائل پر مبنی ہے۔ لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ ترو کوئیلور کے ایک کتبے (1900 کا نمبر 128) میں یہ عبارت درج ہے: "شنگوڈ۔ اوٹا۔ مہی پالنئی"۔ ایک سو سے زائد کتبات جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے میں سے یہ واحد مثال، میرے خیال میں کتبے کو کندہ کرنے والے کی غلطی تھی۔

میرا خیال ہے کہ ترووالنگاڈو کی تختیوں کے اولین چار اشعار میں دریائے گنگا کی تلاش میں جانے والے جرنیل کی مہم کا احوال مکمل ہو جاتا ہے۔ اسی میں مہی پال کی شکست بھی آجاتی ہے (نمبر 119) باقی اشعار میں راجندر کے دیگر کارناموں کا بیان ہے۔ اشعار نمبر 120 اور 121 میں بتایا گیا ہے کہ راجہ نے اپنی راجدھانی کو لوٹنے سے پہلے خود "اوتا" اور اس کے چھوٹے بھائی کے خلاف مہم کی قیادت کی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں مہی پال کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے (122)۔ اس مہم میں راجہ نے اوتا حکمران اور اس کے بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا یا شکست دے دی اور ہاتھیوں کی شکل میں خراج وصول کیا۔ مہندر گری کے حجری کتبے (1896 کا نمبر 396) میں درج ہے کہ راجندر نے وملادتیہ کو جو "کلوتیشورا" تھا، شکست دی۔

اور بہت سے ہاتھی فاتح کے حوالے کر دینے پر مجبور کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حوالے ایک ہی مہم کے متعلق ہیں۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ یہ مہم راج راجا کی حیات ہی میں عمل میں لائی گئی تھی اور اس کا ذکر ہی یہاں بے موقعہ کر دیا گیا ہے یا راجندر کے عہد حکومت کے دسویں سال کے آس پاس بھیجی گئی تھی اور اس کا ذکر کسی وجہ سے تامل پرشستی میں آنے سے رہ گیا ہے۔ میں مجموعی طور پر دوسرے قیاس کو صحیح مانوں گا۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ شعر نمبر 122 کے مطابق "کٹاہا" کے خلاف فوج کشی سے پہلے ہی راجہ اپنے دارالسلطنت کو واپس آگیا تھا۔ شعر نمبر 123 اپنے خلاصے میں ڈاکٹر ایس۔ کے۔ آئینگر نے اس ترتیب کو پلٹ دیا ہے (صفحہ 564) اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کڈارم کے خلاف مہم کالنگا کے ساحلی خطے سے بھیجی گئی تھی (صفحہ 566) وہ مزید لکھتے ہیں کہ راجندر کے سبھی کتبات یہ بتاتے ہیں کہ وہ گنگا کے دہانے تک پہنچا اور اس نے اڑیسہ کو مطیع کیا اور وہیں سے سمندر پار کی جنگی مہم روانہ ہوئی ایسا کہتے ہوئے وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ راجندر کے عہد حکومت کی مختلف فوجی مہمات کی علیحٰدہ علیحٰدہ شناخت ہم کو اس طرح کرنی ہے کہ "ترومنی ولرا" کی تمہید میں جو اضافے مسلسل ہوتے رہے ہیں ان کے ساتھ مطابقت قائم رہے۔ بارہویں برس کے کتبات کا اختتام دریائے گنگا کی جانب بھیجی گئی مہم پر ہو جاتا ہے اور سمندر پار بھیجی جانے والی مہم کا ذکر اس عہد کے چودہویں برس سے قبل شروع نہیں ہوتا۔ اور یہ محض ایک اتفاقیہ بات نہیں ہوسکتی کہ ترووالنگاڑو کی تختیاں ان سبھی مراحل میں یہی بتاتی ہیں کہ راجہ اپنے دارالخلافہ کو واپس آگیا تھا۔ ڈاکٹر ایس کے آئینگر کے طریقہ تشریح کے مطابق ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ راجندر نے لنکا پر چڑھائی مالکھید سے شروع کی جو بظاہر ایک غیر ممکن بات معلوم ہوتی ہے۔

بہار واڑیسہ کی تحقیقی انجمن کے جریدہ (1928۔ جلد ۱۴۔ صفحات 512 520) میں راجندر کی دریائے گنگا کو بھیجی گئی مہم کے متعلق ڈاکٹر ایس کے آئینگر کے نظریات کا جائزہ شری آر ڈی بینرجی نے لیا ہے۔ "دنڈبھکتی" کے محل وقوع اور جیسی کہ ڈاکٹر آئینگر کی رائے ہے، بہار میں ایسے کرناٹوں کی موجودگی کو جنہیں وہاں جنگی جاگیر ملی ہوئی تھی تسلیم کرنے میں جو مشکل ہے اس کی بابت میں مسٹر بینرجی کی رائے سے متفق ہوں میرے

خیال میں بینرجی یہ رائے قائم کرنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ ترو والنگاڈو کی تختیوں کا مصنف "ہندوستان کے نقشے پر ان مقامات کے محل وقوع کے متعلق بہت دھندلا تصور رکھتا تھا" اور یہ کہ "پروفیسر آئینگر جنہوں نے کلی طور پر تروا ولنگاڈو کی تختیوں کے اندرجات ہی پر اعتماد کرلیا ہے اور انہیں ترو ملئی کے چٹانی کتبات پر ترجیح دی ہے نمایاں طور پر لاجواب نظر آتے ہیں۔" چولا افواج کے اختیار کردہ راستے کی بحث کو وہ یہ کہہ کر ختم کرتے ہیں کہ "جنوب کی جانب سے بنگال اور بہار پہنچنے والی کوئی بھی فوج ونگا اور اُتر وادھا پہنچنے کے لیے یقیناً آمد و رفت کا وہی قدرتی راستہ اختیار کرے گی جو اڑیسہ، مدناپور، ہگلی اور ہاوڑہ سے ہوکر گزرتا ہے اور یہی راستہ ترو ملئی کے چٹانی کتبے میں درج ہے۔ لیکن ترو ملئی کے چٹانی کتبے میں اس مہم کے متعلق جو تفصیل دی ہوئی ہے۔ اس کو بینرجی یکسر نظرانداز کر دیتے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ چولا افواج جھیل چلکا سے سمندری ساحل کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور اندرونی علاقے میں صرف ایک بار کوشل کی ریاست میں داخل ہوئیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشرقی بنگال کے چندرا خاندان کا راجہ گووندچندرا غالباً مہی پال اوّل کا باجگزار بن گیا تھا۔ لہٰذا اس کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ ہوسکتا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ مہی پال پر حملہ کرنے سے پہلے گووندچندرا سے نپٹنا ضروری ہوگیا۔ ایک ایسے شخص کا جو پال خاندان کی تاریخ پر مکمل عبور رکھتا ہے' یہ بیان اس لحاظ سے کارآمد ہے کہ یہ ایک طرف راجہ دنشورا' دھرم پال' اور گووندچندرا' اور دوسری طرف مہی پال کے باہمی تعلقات کے متعلق ہمارے نظریے کی تائید کرتا ہے اس بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بینرجی نے "بنگال کے پال راجاؤں" کے بارے میں اپنے مقالے میں ترو ملئی کے چٹانی کتبات کی جو تشریح پیش کی تھی' وہ خود اس سے انحراف کر رہے ہیں۔ یہ تشریح یوں تھی کہ بنگال بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس رائے کا حوالہ اور اس پر تبصرہ اس سے پہلے کے ابواب میں کیا جاچکا ہے۔

ڈاکٹر ایس کے آئینگر کے خلاف بینرجی یہ الزام بھی دیتے ہیں کہ وہ ایک غیر جانبدار اور تنقیدی مورخ نہیں تھے۔ وہ اپنے اس خیال کو ایسے دلائل سے تقویت دینے کی کوشش کرتے ہیں جو تنقیدی جائزے کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے

اور ان سے اُلٹے خود بینر جی پر غیر ناقدانہ جانبداری کا الزام عائد ہوتا ہے۔ بینرجی کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ آئینگر راجہ گووند رام چہارم کی کھمبایت کی تختیوں کے وجود کو بھول گئے ہیں۔ ان تختیوں سے جو تاریخ مرتب ہوسکی ہے، اس کا خلاصہ پیش کرنے میں بینرجی نے لفاظی سے زیادہ کام لیا ہے اور دیانتداری سے کم۔ یہ خلاصہ انہوں نے ذیل کے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ "اس کے جلد بعد (یعنی مہی پال اوّل کی تخت نشینی کے بعد) گرجر پرتیہارا سلطنت عظیم راشٹرکتا فاتح اندرا سوم کے حملوں کے باعث تاخت و تاراج ہوگئی۔ درحقیقت اس نوجوان شہزادے نے ہندوستان میں گرجر پرتیہارا کی نزدیک مہلک ضرب لگائی۔ اس نے ماہ نو پر حملہ کیا، اجین فتح کرلیا، کالپی کے نزدیک جمنا کو عبور کیا، قنوج کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اپنے جرنیل چالوکیہ سردار نرسمہا کے مقابلے میں مہی پال کو الٰہ آباد کی طرف بھاگ نکلنے پر مجبور کردیا۔ راشٹرکتا فوج کے واپس چلے جانے کے بعد مہی پال اوّل قنوج واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے جاگزاروں اور گورنروں کے ماتحت مختلف صوبجات آزاد ہوتے چلے جارہے ہیں۔ گرجر پرتیہارا خاندان کے کسی مہی پال نے کسی بھی کرناٹکی فوج یا سردار کو کبھی شکست نہیں دی تھی اور اس لیے اس بدقسمت راجہ کے سامنے چنڈ کوشکم کے ناٹک کی تخلیق کا خیال پروفیسر آئینگر کی سراسر ستم ظریفی ہے۔

گووند کی کندہ کرائی ہوئی کھمبایت کی تختیوں کی تالیف وادارت ڈی۔آر۔ بھنڈارکر نے کی ہے جن کے ذہن میں نہ تو راجندرا اور نہ بنگال کے والی مہی پال کے متعلق کوئی پہلے سے سوچے سمجھے ایسے تصورات موجود تھے جن کی انھیں حمایت کرنا مقصود ہوتا اس لیے ان تختیوں اور دوسرے عصری کتبات کی روشنی میں انھوں نے اندرام سوم اور رپرتیہارا راجہ مہی پال اوّل کے باہمی تعلقات کو جس طرح سمجھا ہے، اس کا جائزہ لینا خالی از دلچسپی نہیں۔ ان تختیوں کے شلوک ۱۹ کی تاریخی اہمیت پر پوری طرح بحث کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔ "لیکن مہودیا کی مکمل تباہی جس کے لیے اندرا سوم کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے محض ایک شاعرانہ مبالغہ ہے کیونکہ شاعر کا مقصد محض "مہودیا" اور "کشیتھلا" کے الفاظ سے مختلف معنی پیدا کرنا ہے۔ یہ اس بات سے

بھی ظاہر ہے کہ اس واقعہ کے تحریر ہونے کے مدتوں بعد تک قنوج برابر شمالی ہند پر حکومت کرنے والے کئی راجاؤں کی راجدھانی بنا رہا۔ اندرا سوم نے مہودیا پر یا قنوج پر حملہ کرنے کے علاوہ اگر کچھ اور بھی کیا تو اس کا پتہ مذکورہ شعر سے نہیں چل سکتا لیکن دوسرے کتبات کی مدد سے ہم اس کا صحیح پتہ لگا سکتے ہیں۔" ان کتبات کے ایک محتاط مطالعہ کے بعد جو اتنا طویل ہے کہ یہاں دوہرایا نہیں جا سکتا، پروفیسر بھنڈارکر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگرچہ اندرا کچھ عرصے کے لیے مہی پال کو اس کی ریاست سے محروم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن جلد ہی اس کا تاج و تخت بنگال کے پال خاندان کے حکمران دھرم پال اور چندیل راجہ ہرش دیو کی مشترکہ کوششوں سے اسے واپس دلا دیا گیا۔ لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "چنڈ کوشکم" کی تمہید میں دئے گئے اس اس شعر کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تمام مطلوبہ عناصر ہمارے پاس موجود ہیں جس میں کچھ قدرتی مبالغہ آرائی کرکے قنوج سے کرناٹوں کے اخراج کو مہی پال سے منسوب کر دیا گیا ہے لیکن جو واقعتاً مہی پال کے اتحادیوں کا کارنامہ تھا۔ "چنڈ کوشکم" کے اس شعر میں دراصل چندرگپت موریہ کے لیے کوٹلیہ کے نندراجاؤں کو تخت و تاج سے معزول کرنے کی کہانی یاد دلا کر یہ بات واضح کر دی گئی ہے۔ کہ مہی پال کو تخت و تاج واپس دلائے جانے کا سبب بھی کچھ ایسا ہی تھا یعنی تخت و تاج کی اس بازیابی کے پس پردہ سیاسی حکمت عملی اور بدیشی حملے کارفرما تھے۔

اس طرح کھمباینت کی تختیاں اور اس عہد کے دیگر کتبات ہمیں اس نتیجہ پر لاتے ہیں کہ "چنڈ کوشکم" نامی ڈرامہ گرجر پرتیہار خاندان کے حکمران مہی پال اوّل کے روبرو کھیلا گیا تھا اور یہ پال خاندان کے مہی پال کے زمانے سے تقریباً ایک صدی پہلے کی بات ہے گو آر ڈی بینرجی اس ڈرامے کو موخرالذکر عہد سے منسوب کرتے ہیں (دیکھئے سٹین کوناؤ کی تصنیف "انڈشے ڈرامہ" صفحہ 87 اور جرنیل آف اورنٹیل ریسرچ مدراس J. O. R صفحہ 191 و صفحات ذیل)۔

تتمہ ب

گنگائی کونڈا شولاپورم

1855ء کی مطبوعہ ایک مقامی تصنیف میں جو اب نایاب ہے، اس مقام کا مندرجہ ذیل حال شائع ہوا تھا۔ ایک بار (۱۷) Indian Antiquary کے صفحہ 274 پر اسے شائع بھی کیا گیا تھا۔ یہاں بھی اس کا بیان بے محل نہیں ہوگا۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اُڈیار پالائیم تعلقہ میں شمال سے جنوب کی طرف سولہ میل لمبا ایک بندھ بنا ہوا ہے جس میں بڑی بڑی موریاں رکھی گئی ہیں۔ یہ بندھ بہت مضبوط ہے اور یقیناً یہ ہندوستان کے بڑے آبی ذخائر میں سے ایک رہا ہوگا، یہ بہت بڑا تالاب یا جھیل جزوی طور پر دریائے کولیرون سے اُوپر کی طرف نکلنے والی ساٹھ میل لمبی ایک نہر کے ذریعے سے بھرا جاتا تھا جو اس کے جنوبی کنارے میں داخل ہوتی ہے اور کچھ دریائے ویلار سے نکلنے والی ایک مقابلتاً چھوٹی نہر کے ذریعے سے بھرا جاتا تھا جو اس کے شمالی کنارے میں آکر گرتی ہے۔ ان دونوں نہروں کے نشانات ابھی باقی ہیں۔ تالاب بہت سالوں سے برباد اور بے مصرف پڑا ہوا ہے اور اس کی تمام تہ پر اب اونچے اور گھنے جنگل

اُگے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بربادی دانستہ طور پر ایک حملہ آور فوج نے کی تھی۔ اس بندھ کے جنوبی سرے کے نزدیک گنگا کنڈ پورم نامی ایک گاؤں ہے جو اب جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے بارے پڑوس میں ایک بہت بڑا بیش قیمت بدھ مندر (پیگوڈا) ہے اور اس کے قریب ہی جنگلوں سے گھرے ہوئے قدیم عمارات کے کچھ کھنڈر ہیں جو اب اُن ٹیلوں اور ملبے کے ڈھیروں کی طرح ہو گئے ہیں جو قدیم یونانی شہر بابل کا پتہ دیتے ہیں۔ ان میں گاؤں کے بڑے بوڑھے ایک بڑے وسیع اور پرشوکت قصر شاہی کے مختلف حصوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جب یہ محل آباد تھا تو گنگا کنڈ پورم ایک بادشاہت کی متمول اور خوشحال راجدھانی تھی اور یہ وسیع تالاب میلوں تک پھیلے ہوئے ایک بڑے علاقے میں زرخیزی کا باعث تھا جو اب دشوار گزار اور گھنے جنگل کے نیچے آچکا ہے۔ کئی بار اِس عظیم الشان بندھ کو اپنی اصلی حالت میں لانے کا منصوبہ بنایا گیا لیکن یہ تجویز انجینیروں کی کمی کے باعث ہمیشہ معرض التوا میں رہی۔ ممکن ہے مستقبل میں کبھی اس اسکیم پر کامیابی سے عمل ہو سکے۔ لیکن اس وقت تک یہ زرخیز خطہ جنگل ہی رہے گا اور یہاں کے باشندے جو بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ آیندہ بھی فخر کے ساتھ اپنے قدیم فرمانرواؤں کے اس بندھ کا ذکر ان کے ایک عظیم الشان کارنامے کی حیثیت سے کیا کریں گے اور اس کا مقابلہ اپنے موجودہ حکمرانوں کے تعمیری منصوبوں سے کمال تحقیر کے ساتھ کیا کریں گے اور گنگا کنڈ پورم کے عالی شان مندر کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ جب زیریں کولیرون کی ''اینکٹ'' تعمیر کی گئی تو اس کے لیے سامان تعمیر حاصل کرنے کی غرض سے اس مندر کی سنگلاخ پتھر کی بیشتر مورتیوں کو توڑ دیا گیا تھا۔ یہاں کے غریب باشندوں تھا اور اس کی چاردیواری کو بھی مکمل طور پر منہدم کر دیا گیا تھا۔ یہاں کے غریب باشندوں نے اس قابلِ احترام عمارت کی اس طرح غارت گری کو روکنے کی انتہائی کوشش کی جو ایک ایسی حکومت کے کارندوں کے ہاتھوں کی جا رہی تھی جس کا اس عمارت پر کوئی حق نہیں تھا۔ لیکن یہ کوشش ناکام رہی یہی نہیں بلکہ ان غریبوں کو حکومت کی توہین کے الزام میں سزا بھی دی گئی۔ البتہ ایک وعدہ یہ کیا گیا کہ مسمار شدہ پتھر کی دیوار کے بدلے میں اینٹوں کی ایک دیوار تعمیر کر دی جائے گی لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ یہ وعدہ کبھی ایفا نہیں کیا گیا۔

دسواں باب

حاشیے

(1) EI - viii صفحہ 26

(2) دیکھئے گذشتہ صفحہ 183 حاشیہ 76

(3) 1917 کا 196

(4) 1927 کا نمبر 118 (ساتویں سال کا)

(5) 1917 کا نمبر 118

(6) 1888 کا نمبر 118 (SII ' iv - نمبر 223)

(7) دیکھیے 1888 کا نمبر 117 ' SII - iv - نمبر 222

(8) ARE - 1906 ' II ' 13 - یہ بات کرن دئی (ضلع تنجور) کی تختیوں کے بارے میں صحیح ہے۔

(9) EI - ix - صفحہ 218

(10) ہلنش کہتا ہے۔ "وہ معلوم ہوتا ہے کہ راجا دھیراج اپنے پیش رو (راجندر چولا اوّل) کا معاون نائب السلطنت تھا اور وہ اپنے پیش رو کی وفات سے پہلے مکمل شاہی اختیارات کا استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ہمارے نکالے ہوئے اس نتیجے کے مطابق ہے کہ اس کے جو بھی کتبات اب تک دریافت ہوئے ہیں، ان سب پر اس کے عہد حکومت کے آخری حصے کی تاریخ درج ہے یعنی چھبیسویں اور بتیسویں سال کے درمیان کی۔" SII. iii. صفحہ 52. جب ہلنش نے یہ رائے ظاہر کی تب 1894 کا کتبہ نمبر 172 (تروکلوکُنرم کا کتبہ) جو چھبیسویں سال کا ہے، سب سے پرانا کتبہ تھا جو اس عہد کے متعلق دریافت ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ 1925 کے نمبر 484

(دسویں سال) اور 1921 کے نمبر 392 (اٹھارویں سال کے) میں تنگلیر کی تمہید دریافت ہوئی ہے۔ لیکن ان کتبات کے عکس دیکھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ ان دونوں پر چھبیسویں سال کی تاریخ درج ہے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ جلوس کے اس سے پہلے کے برسوں کے کتبات میں خواہ کوئی پرشستی شامل نہ ہو لیکن ان میں راجا دھیراج کے نام کے ساتھ شہنشاہوں والے القاب شامل کیے گئے ہوں جیسے "تربھوون چکرورتن" (1927 کا نمبر 247) اور "چکرورنگل" (1922 کا نمبر 124) جیسے القاب واقعی راجا دھیراج اوّل کے لیے آئے ہیں۔ مزید دیکھئے 1929 کے نمبر 244'

(11) 1895 کا نمبر 75-11-2 تا 4-(SII - V - 633)- ان سطور کا مفہوم اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ راجا دھیراج کو اپنی ریاست اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی۔ 22' II ' 1913 - ARE

(12) فلیٹ (Fleet -) EI ' xii - صفحات 295-96

(13) Journal of the Hyderabad Archaeological Society مطبوعہ 1916ء صفحہ 14' اور ذیلی صفحات۔ نیز دیکھئے IA - xliv 'صفحات 213-15

(14) V - 70

(15) فلیٹ اسے سومیشور اوّل سے منسوب کرتا ہے۔ بمبئی گزٹ - I ' ii - صفحات 427 '440 EC - xiii صفحات 180-82-

(16) 1912 کا 515

(17) ڈاکٹر ایس کے آئینگر کو یہاں بظاہر کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے "جنوبی ہند کی تمام تاریخ میں زبردست سرحد (یعنی رائچور) کے دوآبے پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد اس نے شمال کی جانب راشٹرکوٹا سلطنت کے جنوبی کنارے پر اضلاع میں پیش قدمی کی" ("گنگائی کونڈا) چولا" نامی تصنیف" صفحہ 144۔ شمال کے لفظ پر میں نے زور دیا ہے) ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ فوجیں میدان جنگ میں لڑی ہوں۔

(18) 1912 کا نمبر 103

(19) 1897 کا نمبر 50 - 1907 کا نمبر 439

(20) 1890ء کا نمبر 18، 1907ء کا نمبر 267 : ایمباڈی سے ملنے والے پانچویں سال حکومت کے کتبے میں آگے شاندی متیو ونک کی فتوحات درج ہیں لیکن چوں کہ اس کتبے میں اس عہد کے پچیسویں برس کا ذکر آیا ہے لہٰذا یہ بہت بعد میں کندہ کیا گیا ہوگا اور اس کو یاد کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہوگی۔

(21) C V - ii - صفحہ xiii

(22) ہلتش (SII - iii - صفحہ 28) نے یوں ترجمہ کیا ہے: "ایلم کے راجہ کا تاج — وہ راجہ جو پیکار میں سمندر کی طرح تند اور طوفانی تھا۔" لیکن "پورو کڈل ایلتر اشر تموڈنم" کے جملے میں "پورو کڈل" ایک صفت ہے "ایلم" کی نہ کہ "اراشر" کی۔ ملاحظہ ہو EI - IX صفحہ 233 "اراشر" اور "اور دیویر" میں جو اسم جمع استعمال کیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں موروثی تاج شاہی کا ذکر ہے۔ C.V. کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے جو اس کے آگے دیا گیا ہے۔

(23) C.V. باب 55، V V صفحہ 16 - اور اس کے آگے کے صفحات۔ اس سے پہلے کے تین اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ گھوڑوں کے ایک سوداگر نے چولا راجہ کو اس بزیرے میں پھیلی ہوئی افراتفری کی خبر دی جو حملے کی محرک بنی۔ کہانی کا یہ حصہ شاید راجندر کے حملے سے تعلق رکھتا ہے جس کا C.V. میں کسی اور طرح ذکر نہیں ہے۔

(24) "جن پٹکا دھاتو کا" جسے جیجر بدھ کے مقدس آثار میں شمار کرتا ہے، سنہالی حکمرانوں کے شاہی نشانوں میں بہت بیش قیمت نشان سمجھا جاتا تھا۔ وجے سمہا اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے "اور ماتھے کی مقدس پٹی"۔

(25) 1909ء کا نمبر 242 (ساتویں برس کا)

(26) 1912ء کے نمبر 595، 618 (SII - iv - 1389، 1414)

(27) 1895ء کا نمبر 22 - 1911ء کا نمبر 211

(28) "ابری پڈائی" سے مراد ہے "فاتح فوج" "شینگدر مالی" کے لفظی معنی یہی لینے چاہئیں دکر "سورج" اس کے خلاف دیکھئے ہلتش EI - ix صفحہ 233

(29) 1897ء کا نمبر 29 (SII - ii - 82)، 1907ء کا نمبر 74 (آٹھویں سال کا)

(30) 1917ء کا 363

(31) VV-89 تا 97

(32) 1907 کا نمبر 46

(33) 1917 کا نمبر 363

(34) 1905 کا نمبر 112

(35) 1916 کا نمبر 617

(36) TAS-iv صفحات 134-35

(37) 1896 کا نمبر 44

(38) DKD-436 فلیٹ

(39) رنگا چارکی۔ بلاری 279، 471 نے EC-ii-K-SK-220، 307

(40) ہلتش نے "پیئن گوڈولی ہگا" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: "خوف کے مارے اور انتقام کے جذبے سے بھر کر" (EI-ix-صفحہ 233)۔ "پلی" کے معنی بعض جگہ "انتقام" کے لیے گئے ہیں، لیکن یہاں اس کے معنی یقیناً کچھ اور ہیں یعنی "بدنامی"۔ مفہوم یہ ہے کہ فرار ہو جانے کے سبب وہ بطور حکمران اور بطور سپاہی اپنی نیک نامی اور شہرت گنوا بیٹھا۔ "نو ندی کلپ پیرولی گلم" کا جملہ صاف واضح نہیں ہے۔ ہلتش نے اس جملے کو رٹا پادی کی جنگی مہم سے غیر متعلق قرار دے کر سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس کا ترجمہ "عظیم پہاڑ جو (کبیرؔ کے) نو خزانوں کا حال تھا" کیا ہے۔ یہ بے عیب لفظی ترجمہ ناقابل فہم ہے۔ ہلتش نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ وہ خود اس کا کیا مطلب سمجھا ہے۔ دوسری جانب ڈاکٹر ایس کے آئینگر کا خیال ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے جس کی شناخت نہیں ہو سکتی اور جو نو ندھی کلا میں واقع ہے جیسے نامنائی کونم پنچ پلی اور ماشونی دیشا (دیکھیے ستی ویل کی تصنیف "Historical Inscriptions" صفحہ 65۔ حاشیہ) لیکن "کونم"، "پلی" اور "دیشا" کے برعکس "کلا" کے لفظ پر کسی جگہ کے نام کا ختم ہونا غیر ممکن سا لگتا ہے۔ میرے خیال میں یہ تمام عبارت ایک طرح کی لفاظی ہے محض یہ بتانے کے لیے کہ راجندر کے ہاتھ کثیر خزانہ لگا۔ "کلپ پیرو ملائیگل" کے الفاظ قدیم قصے کہانیوں میں مذکور "کل پرؤتوں" کی طرح خزانے کی کثیر مقدار ظاہر کرتے ہیں۔ "نو ندھی" اگرچہ معمول کے طور پر کبیرؔ (دیوتا) کے

لازمی نشانوں میں شامل ہے لیکن یہاں اس کا ذکر چالوکیہ شہنشاہ کے خزانے کے مختلف اقسام ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ مقابلہ کیجئے "دگل دھنم۔ اکھلم لیش شچا پکتوا بھیتم او لبیا پلاسئے نم چکار" (v-105) جو ترو والنگاڈو کی تختیوں میں اسی ضمن میں آیا ہے۔

(41) SII- ii- صفحہ 94-95، حاشیہ نمبر 4: ڈاکٹر ایس کے آئینگر سکی کو زیادہ قرین امکاں بتایا ہے اور ہلٹش کا بھی یہی خیال ہے۔

(42) 99-108

(43) v-101، SII-iii صفحہ 423- مقابلہ کیجئے کرن رئی۔ v-62 سے۔

(44) IA-viii-v-18، فلیٹ DKD-436، EI-xii صفحات 295-96، ترووالنگاڈو کی تختیوں کے اشلوک نمبر 103 کا جو ترجمہ کرشن شاستری نے کیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ اس میں یہ مفہوم نکالا گیا ہے کہ رٹا راجہ جنگ میں مارا گیا۔ "پر کھنڈتا" کا مطلب ہے۔ "شکست کھائی" نہ کہ "ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا"

(45) 1917 کا نمبر 23- دیگر کتبے بھی اسی مجموعے کے نمبر 24، 30 اور 31 ہیں۔

(46) 1917 کا 751

(47) v-71، EI، xxv صفحہ 261- اس اشلوک کی وضاحت کے لیے دیکھئے "Easterm Calukyas" صفحات 221، 22، حاشیہ نمبر 2

(48) ترو والنگاڈو کی تختیوں میں جسے سمہا کو "کالی کا مسکن" بتایا گیا ہے (سایم کلیر اشرایم) اور اوڈا کے حکمران کے متعلق خصوصی طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ کلی راجہ کے احکام بجالایا (ایضاً۔ v-120، صفحہ 400)- مزید دیکھئے "Eastern Calukyas" صفحات 223-24

(49) v-109- مقابلہ کیجئے کرن رئی۔ v-64 سے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ گنگا کا پانی ان راجاؤں کے سر پر اٹھوا کر لایا گیا جو گنگا کے کنارے رہتے تھے۔ نیز دیکھئے چارالا کی تختیاں v-71۔

(50) ڈاکٹر ایس کے آئینگر اس کو زیادہ صحیح سمجھتا ہے کہ فاضل راجندر کے جو پنڈت چولا کہلاتا تھا، خیالات میں "شلپدی کارم" بیس چیرا شبنگوٹوں کے کارنامے پڑھ کر یہاں بپا ہو گیا (دیکھئے "گنگائی کونڈشولا" صفحہ 598)- ہم کو حیرت ہوتی ہے کہ کیا راجندر ایسا

خیالی پلاؤ پکانے والا آدمی تھا۔ نارائن نامی شاعر نے راجندر کے مقصد کے بارے ایک اور اندازہ (اتپریکھشا) لگایا ہے جو کم قابل قبول نہیں ہے۔ راجندر کی گفتگو یا گذرے ہوئے واقعات کے متعلق اس کی یادوں کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے لیکن کیا اس میں کوئی بات ایسی بھی ہے جس کی وضاحت درکار ہو؟ قدیم ہندوستانی شہنشاہیت کا معیار تھا "اتھان" اور "وجی گیشا"۔ کسی بھی راجہ کی طاقت کا اندازہ اس کے تسخیر کردہ علاقے کی وسعت اور غیر ممالک پر کیے گئے اس کے کامیاب حملوں کی تعداد سے کیا جاتا تھا۔

(51) 1911 کے نمبر 476 میں (گیارہویں سال کا) اس کا ذکر ملتا ہے۔ دسویں سال کے کتبے میں نہیں ملتا۔ مفصل احوال سب سے پہلے بارہویں سال کے کتبوں میں دکھائی دیتا ہے۔ SII-i-68، 1908 کا نمبر 467۔

(52) v v - 110 - 118۔

(53) راجندر کی یہ غرضیت نوٹ کیجئے۔

(54) راجندر چولا کے دو سنسکرت کے کتبوں میں جو ہندرگری سے ملے ہیں، اور راجندر شولا پلو رائن کے تامل کتبوں سے 1896 کے نمبر 396، 397 اور SII-v-نمبر 1351-1352 میں عام طور پر کالنگا اور اوڈا کے خلاف لڑی گئی راجندر اوّل کی اس جنگ کے حوالے پائے جاتے ہیں۔ ASI 1911-12 صفحات 171-72؛ TAS-iii صفحات 119-20- اس پر ڈاکٹر وینکٹا رمنیا کا اعتراض (دیکھئے "Eastern Calukyas" صفحہ 225- حاشیہ نمبر ا) بے بنیاد سا معلوم ہوتا ہے۔

(55) دیکھئے EI-ix-صفحہ 233- نیچے دیئے ہوئے حاشیے میرے ترجمے کی تبدیلیوں کی پوری طرح وضاحت کر دیتے ہیں۔

(56) ہلتشں کا ترجمہ یوں ہے "جس کے قلعوں پر بادلوں کو چھونے والے بلند پرچم لہراتے تھے"۔ لیکن متن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(57) یہاں ترجمے کی بنیاد 1923 کے 176 کے پڑھنے پر ہے "کاڈائی ولنگر نام نائیگونم"

(58) ایک جگہ "ویجلائی ویرر" کی جگہ پر "وینجنا دیرر" دیا گیا ہے۔

(59) تروملائی کے چٹانی کتبے کی عبارت کو "پاشو ڈائپ پل تن ماشمنی دلشم" (جیسا ہلتشں

نے پڑھا ہے ا کے بجائے "پاش ڈاتپ پلنا ماشنی دلیشم" (SII - ii ÷ 20 :' ا - 5 - اور صفحہ 108) پڑھئے یا اس کا ترجمہ یوں کریں۔ "ماشنی دیش جو ہرے پتوں والے پھلوں کے لیے مشہور تھا۔"

(60) اس عبارت کو یوں پڑھیے۔ "آدی - نگر - وائر - چندرا" دکر" نگر وائیل" جیسا کہ پہلے پڑھا گیا ہے۔

(61) "آنز ول ون کیرتی آدی نگر" کے لیے یہ ترجمہ ہلتش کے ترجمے سے (جو نہ ختم ہونے والی بہتات کے لیے مشہور تھا") بہتر ہے اس نے شاید "کیرتی" کی جگہ "شیرتی" پڑھ لیا تھا۔

(62) "ملائی" دراصل "کادرکاڑو" کا ہم معنی ہے۔ "معنی میکھلائی"۔ iii V × × '' ا - 25

(63) اسے یوں پڑھیے۔ "توڑو - کلر چنگو - ووڈڈل مائی پالنی" (تنجور - SII - ii - 20 تختی) "مہی پالا کے کانوں کی بالیوں، سلیپروں اور پہنچوں" کا ہلتش نے جو ذکر کیا ہے وہ بالکل بے محل ہے۔ اکثر "توڑو - کڈر - چنگوڑ - اڈل مہی پالن" بھی درج ملتا ہے۔ (1902 کا نمبر 478) جس میں شنگو (چنگو) کے معنی شنکھ بھی ہو سکتے ہیں۔

(64) بعض نسخوں میں "ویری منل" کی جگہ "ویری ملر" درج ہے۔

(65) ڈاکٹر ایس کے آئینگر کا کہنا ہے کہ یہ جنگی مہم کلپک (KULAPAK) جو راجندر کے سابقہ مہمات میں حاصل کردہ علاقے کی شمالی حد تھی یا اس کے نزدیک کسی مقام سے شروع ہوئی تھی ("گنگائی کونڈ چولا۔" صفحہ 549) لیکن اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ راجندر کسی وقت موجودہ حیدرآباد ریاست میں واقع اس وقت کے مغربی چالوکیہ علاقے پر قابض ہو گیا تھا تاکہ وہاں سے وہ غیر ملکی علاقوں میں خلاف جارحانہ کارروائی کے لیے ایک کثیر فوج منظم کر کے بھیج سکے۔ اور ترودالنگاڈو کی تختیوں میں تو صاف صاف لکھا ہے جیسا کہ ڈاکٹر ایس کے آئینگر نے خود دیکھا ہے۔ (ایضاً صفحہ 547 ق) کہ یہ مہم چولا دارالخلافے ہی سے شروع ہوئی تھی۔

(66) EI - ix - صفحات 176 - 79

(67) ایضاً - صفحہ 163

(68) ایضاً - صفحہ 180 ' ا - 29

(69) EI - vii - فہرست صفحہ 120 - حاشیہ نمبر 3

(70) ڈاکٹر ایس کے آئنگر کا کہنا ہے کہ "تال کا لفظ "شادی نگر" جو پہلے "آدی نگر" اور "جاج نگر" پڑھا جاتا تھا، جیسے کہ مسلمان مورخین نے اسے پڑھا ہے، اصل میں "دیاتی نگر" کے علاوہ کوئی اور لفظ نہیں ہے۔ ہیرالال نے اس کو "بنکا" شناخت کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسے اڑیسہ کے قدیم کیسری راجاؤں میں سے کسی نے بسایا تھا ("گنگائی کونڈ چولا" صفحہ 559) لیکن وہ یہ نہیں بتاتا کہ وہ اسے "شادی نگر" کیوں پڑھتا ہے۔ ترو ملائی کے چٹان پر کندہ کتبے میں یہ عبارت صاف درج ہے۔ "ون کیرتی یادی نگر" (EI - ix - صفحہ 223، تختی ا، B)۔ اسی طرح تنجور کے کتبے میں بھی صاف طور پر "ون کیرتی آدی نگر" لکھا ہے۔ (SII - ii - تختی نمبر 3، ا - 5 - آخر) "ون کیرتیہ۔ یادی نگر" اکثر پایا گیا ہے۔ (1895 کے نمبر 77 - 78، اور 78 - الف میں) اور "ون کیرتی۔ ایادی نگر" 1894 کے کتبہ نمبر 171 میں ملا ہے۔ یہ تمام کتبے سولھویں یا سترھویں سال کے ہیں۔ اس بات میں بھی شک ہے کہ کیا "پوشر رشیر" کالے رنگ سا نام جو "کوشلائی ناڈو" کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، ان معنوں کا متحمل ہو سکتا ہے جو ڈاکٹر آئنگر نے اس کے لیے بیان کیا ہے اور جس میں اسے محمود غزنوی کے حملوں کے کچھ نتائج نظر آتے ہیں۔

(71) آر ڈی بینرجی کی تصنیف "Palas of Bengal" صفحہ 71

(72) آر ڈی بینرجی کا اس کے برعکس کہنا ہے کہ "راجندر چولا کا ترو ملائی کا کتبہ مظہر ہے کہ قدیم گوڑا اور "ونگا" کی ریاستیں اب کثیر التعداد چھوٹے چھوٹے رجواڑوں میں بٹ چکی تھیں"۔ ایضاً - صفحہ 69

(73) رام پال کے عہد میں ایک شخص لکشمی شورا، "سمست آٹو کا سامنت چکر چوڑامنی تھا (ایضاً صفحہ 72)۔

(74) ایضاً - صفحات 72 - 73؛ مقابلہ کیجئے "پر بودھ چندر ودیا" ایکٹ دوم، جہاں ہمیں یہ عبارتیں ملتی ہیں۔ "دنون مایم کشن رادھا پر دیشا داگتو بھوشیتی" — اور — "گوڈم راشٹرم انوتم نرگدہپا نترا پی رادھا پوری"۔

(75) مذکورہ باب کے آخر میں حاشیہ الف دیکھئے

(76) vv ؛ 117، 119

(77) ASI 1911-12 صفحات 173-74 - وینکیا بلا ثبوت کے قیاس کر لیتا ہے کہ گنگا کا پانی الہ آباد سے لیا گیا تھا اور "لاڑا" کو "برار" شناخت کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے "چونکہ ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ تمام کا تمام شمالی ہند تقریباً ایک ہی سال کے عرصے میں راجندر چولا کے سپہ سالار نے فتح کر لیا تھا لہٰذا اس کے بجائے جو معقول حل مجھے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شمالی ہند کے کچھ منتخب کردہ حصوں پر ہی اصل میں حملہ کیا گیا ہوگا۔ اور اگر کسی حصے کے باشندوں نے مقابلہ کیا ہوگا تو ان کے خلاف باقاعدہ جنگ کی گئی ہوگی۔ باقی ماندہ علاقوں اور ان کے حکمرانوں کے ناموں کا پتہ لگا کر انہیں مفتوحہ راجاؤں کی فہرست میں خاموشی سے شامل کر لیا گیا ہوگا .... سر دست اس راستے کا صحیح صحیح پتہ نہیں چل سکتا جو ان یاتریوں نے اختیار کیا (صفحہ 174)

(78) ترووالنگاڈو کی تختیوں کا v-109

(79) ایضاً v-124 صفحات

(80) Palas of Bengal صفحات 73، 99

(81) اشلوک نمبر 111+ اننت شمبھو کے تحریر کردہ حاشئے کا آخری حصہ .Madras Mss (Library) دو اشلوکوں میں جو حاشیہ نگار نے "اُتر پوروکتھا پرسنگ" کے الفاظ کے ساتھ متعارف کرائے ہیں، یہ بتایا گیا ہے کہ راجندر خود گنگا اشنان کے لیے گیا تھا۔ کرشن شاستری ان بیانات کو غلط طور پر "سدھانت سارا ولی" سے منسوب کرتا ہے اور یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتاب راجندر کے عہد میں اسی کی زیر سرپرستی تصنیف کی گئی تھی۔ (SII-iii۔ تمہید صفحہ 22)

(82) پامل داک کی تختیاں، JAHRS-ii-صفحہ 287-1، 63

(83) EI-xvi-صفحہ 77

(84) "بھارتی" -xx-صفحہ 439 "Eastren Calukyas" صفحات 241-44

(85) 1893 کا نمبر 482.ک (SII-v-نمبر 82) اور "Eastren Calukyas" صفحہ 229۔ حاشیہ نمبر 1

(86) 1911 کا نمبر 213۔ ملور کے ایک کتبے میں جو تیرہویں سال کا ہے (EC-ix باب 84) تاریخ صحیح لکھی ہوئی ہے یا نہیں، اس کے متعلق میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس

کتبے میں پوری تمہید بھی دی ہوئی ہے۔ گیارہویں سال حکومت کے ایک کتبے کا ایک ٹکڑا
کرمولوڑو (میسور) سے بھی ملا ہے جس میں کڈارم کی تسخیر کا ذکر ہے (EC-X-ct-47)
لیکن یہ تاریخ بظاہر بہت پہلے کی ہے۔ شاید یہ کچھ برس پہلے دئے گئے عطیئے کی مثال
ہے جس کا اندراج کچھ سال بعد کیا گیا۔

(87) v - 123 مقابلہ کیجئے کرن ڈئی۔ v-62

(88) SII - ii - صفحہ 109 - اس کے بعد جو حاشئے ہیں ان میں ہلتش کے اور میرے اختلافات
رائے کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

(89) "واکیتم" کے قیاس سے کچھ مدد نہیں ملتی۔ دوسرے کتبوں میں "واگیتم" کو صحیح پڑھا
جا سکتا ہے۔ "واگیہ" کے معنی ہیں فتح اور "ام" زائد ہے۔ "پوروکڈل" کے معنی "جنگ
جو سمندر" ہیں جو فوج کے لیے استعمال ہونے والی عام اصطلاح ہے۔ "کب کری" کا
مطلب ہے کبھ والا یعنی گول پیشانی والا ہاتھی۔

(90) ہلتش کا ترجمہ ہے "دشمن کا وسیع شہر" لیکن تنجور کے نسخے کے مطابق جس میں "آرتوناہ نگر"
لکھا ہے، یہ مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا۔ میں اسے "آرتو + اون + اہ نگر" سمجھتا ہوں۔ کوئیڈس کی پرکشش
تجویز میں نے جزوی طور پر قبول کر لی ہے جو یہ ہے کہ یہ جملہ اور اس کے بعد کے جملے "شری وشیا"
کی صفات ہوں گے (BEFEO - xviii - x - نمبر 6 - صفحہ 5 - حاشیہ نمبر 1)

(91) دیکھئے EI - ix - 231

(92) "پدوم" مقابلتاً بڑے دروازے میں "چھوٹا سا پھاٹک" ہوتا ہے یعنی دریچہ۔

(93) "ون ملائی اورے یل" کا ترجمہ "جس کا قلعہ اونچی پہاڑی پر واقع تھا" اس ترجمے کی نسبت
زیادہ لفظی ترجمہ ہے۔

(94) ہلتش کا ترجمہ "جس میں آراضی زیر کاشت (؟) بھی تھی اور جنگل بھی" اگرچہ تورد کے معنی ہیں نشیبی
جنگل، پھر بھی پورے جملے کا مفہوم صاف نہیں ہے۔

(95) "ایک سخت حملے کے ذریعے مغلوب کر لیا گیا" ہلتش، اصل عبارت ہے "کلامدرکڈن ڈورل" جس کے
معنی ہیں "تند قوت (کڈ ندرل) بڑھ جاتی تھی" (مُندر) جنگ میں (کلام)

(96) "جس کے پھولوں بھرے باغ جنوبی خطے کی حسینہ کے پھولدار کمر بند سے مشابہ تھے" ہلتش: اگرچہ
میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ہلتش کو یہ انوکھا ترجمہ کیسے سوجھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس نے متینکوار

پولل" کا تجزیہ یوں کیا۔ "تین + نکن + دار + پولل"۔ اور ان کلموں کے معنی بالترتیب "شہد" بنتے ہوئے "طویل" اور "پھولوں کا باغ" ہیں۔

(97) "توڑ و کڈل" کا ترجمہ ہتش نے "نواحی سمندر" کیا ہے لیکن توڑ و" کا مفہوم "لمس" بعد کی اختراع ہے۔ اور "توڑ و کڈل" ایک کلاسیکی جملہ ہے جس میں ساگر کے بیٹوں کے سمندر کو کھودنے کی کہانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ "توڑ و" کے معنی یہاں "کھودنا" ہیں۔

(98) SII-ii-20

(99) ایضاً۔ صفحہ 106

(100) SII-ii- صفحہ 186

(101) یہ Hahsan Johson میں تحریر کیا گیا تھا۔ BEFEO-xviii-6، صفحہ 6 - حاشیہ نمبر 5

(102) ARB - 1908 - پیراگراف 25

(103) BEFEO-xviii - نمبر 6 + مشرقی ایشیا کے تاریخی جغرافیہ کے تمام طلبا کو جیرینی کی وسیع "تحقیقات" "Researches" (مطبوعہ 1909ء) کی افادیت کا شکر گذار ہونا چاہیئے "Asiatic Sosiaty Monographs" Vol-i (ایشیاٹک سوسائٹی مونوگرافس جلد اوّل)

(104) ARB-1919- پیراگراف 46-47

(105) ایضاً 1922 - پیراگراف 14

(106) حوالہ سابقہ صفحہ 5

(107) چینیوں کی یہ عادت مشہور ہے کہ وہ غیر ملکی ناموں کو مختصر کر لیتے ہیں، خصوصاً جب وہ بہت لمبے نام ہوں۔

(108) حوالہ سابقہ صفحات 23-24، نیز دیکھئے فرینڈ کی تصنیف "L'Empire Sumatranais de Sri Vijaya" JA (Journal Asiatique) 1922- صفحہ 163، اور اس کے بعد کے صفحات۔

(109) ہرتھ اور راکہ ہل کی "Chau-Fua-Kua" صفحہ 35 : کوینڈس۔ حوالہ صفحہ 13۔

(110) صفحات 60 تا 62

(111) حوالہ سابقہ صفحہ 25

(112) جیرینی کی "Researches" ۔صفحہ 513

(113) ایضاً۔صفحات 533-34، کوئیڈس (صفحہ 9) نے یہ سوال بغیر کسی حل کے چھوڑ دیا ہے۔کہ ملائیور، ساٹرا کے مغربی ساحل پر واقع تھا یا مشرقی ساحل پر یا جزیرہ نمائے ملایا کے جنوب میں کہیں واقع تھا۔ وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ بہرصورت یہ پلیم بنگ کے نزدیک واقع ایک ریاست تھی۔ جس نے ا-تسنگ کی رائے کے مطابق ملایو کو 672ء اور 705ء کے درمیان اپنی عملداری میں ملا لیا تھا (مزید دیکھئے جیرینی کی "Researches" صفحہ 03-31)

(114) 'Chau-Fu-Kua' ۔ صفحہ 67

(115) کوئیڈس۔ حوالہ سابقہ صفحات 10-11، 33-36۔ڈاکٹر ایس کے آئینگر کہتے ہیں۔" مائی رُڈنگم غالباً بیسنگا (رشسی شرنگا) ہوگا یعنی آج کل کا رنگون (حوالہ سابقہ صفحہ 576)۔ اس کے خلاف دیکھئے جیرینی صفحات 76-77۔ تاہم مائی رڈنگم کے محل وقوع کی تلاش میں ہمارے لیے کہیں دور جانے کا موقع نہیں ہے۔

(116) کوئیڈس، حوالہ سابقہ صفحات 11 تا 13

(117) ینجبر۔ CV۔ باب 76، V-63

(118) ARE-1898-99، پیراگراف 47؛ ARB-1909-10 صفحہ 14 پیراگراف 40

(119) کڈارم کو (شری) کھینتر یا قدیم پروم سمجھنا چاہیئے (اکنکا سبھائی)، ماد مالنگم کو مرتبان سمجھنا چاہیئے (ستھ)۔ مقابلہ کیجیئے کوئیڈس۔حوالہ سابقہ صفحہ 6۔

(120) ینجبر۔ CV۔ (ii۔صفحہ 67) باب 76-V-63

(121) کوئیڈس۔ صفحات 14-67 یہ دلیل پیش کی گئی ہے (ARB-1919، پیراگراف 47) کہ پپالم اور کسی دونوں بندرگاہوں کی شناخت اکٹھے کرنی چاہیئے۔ ان دو بندرگاہوں کا ذکر "مہا وامسا" میں لنکا کی رمنا دیش پر فوج کشی واضح طور پر موجودہ بسین کی بندرگاہ ہے، لہٰذا پپالم یقینی طور پر یا تو ڈگن ہوگی یا رنگون جو اس کے پڑوس کی بندرگاہیں ہیں۔ یہ دلیل اس واضح بیان کو بے وقعت ٹھہرا دیتی ہے کہ بحری بیڑہ ایک طوفان کے آنے سے منتشر ہوگیا تھا اور اس بیڑے کے مختلف حصے مختلف بندرگاہوں کی جانب بہتے ہوئے نکل گئے تھے

(باب 76-۷۷-66، 59، 63) جو ضروری نہیں کہ ایک دوسرے کے پاس رہے ہوں۔

(122) رُوَفیئر، میوی لبنگم کا محل وقوع پیرک میں سمجھتا ہے اور اسے وہاں تلاش کرتا ہے۔ اور لیوی سے کرم رنگا (کلنش پورہ) میں ڈھونڈتا ہے۔ دیکھئے باگچی کی "Pre-Arya-nand Pre-Dravidian" صفحات 110 - 112۔ اول الذکر ولائی پنڈ ورُو کو بھی جزیرہ چمپا میں واقع پانڈورنگا شناخت کرتا ہے۔ "یہ تمام قیاسات ہماری نجی آرا پر مبنی ہیں نہ کہ کافی وجوہات پر"۔ دیکھئے کروم کی "Hidoe-Javansche Geschiedenis" صفحات 251-52+

(123) کوئیڈس صفحہ 15- "Researches" صفحہ 93 ۔ سلوین لیوی کی "Ptolemi le Niddesa et la Brahat Katha, Etudes ii Asiatiques"

(124) چاؤ - جُو - کوآ - صفحہ 68

(125) ایضاً - صفحات 67-68، حاشیہ نمبرا - JRAS (Journal of Royal Asiatic Society (London) - 1905، صفحہ 498

(126) حوالہ سابقہ صفحات 16 تا 18- کوئیڈس نے جو نام " تامرلنگا" ایک سنسکرت کے کتبے سے جو جا ئیا سے دستیاب ہوا ہے (ایضاً صفحہ) اخذ کیا ہے۔ وہ "تن - ما - لنگ اور " تمالنگ " یا "تم لنگم" سے ملتا جلتا ہے اور اس نظریئے کو قبول کرنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ تینوں اصل میں ایک ہی نام کی تین صورتیں ہیں۔ لہٰذا کوئیڈس کی یہ رائے کہ اس تامل نام کو "تمرلنگم" پڑھا جانا چاہیئے (صفحہ 17) قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ”مادمالنگم یا " مادملنگم" تامل کے کتبے میں دی ہوئی "پرتیما ولونائی" والی سطر کے پہلے نصف حصے کا ہم ردیف ہے اور تامل فن عروض کے قواعد کی رو سے کسی مصرعے کے آخری نصف حصے میں "ر" کی آواز آنا ناممکن ہے لیکن دیسکا وتائیکم پلّے کے خیال میں تامل مصرعے کی ادائیگی اس طرح ہو سکتی ہے: "تید مرؤل۔ دنئی نا دمرلنگم"

(127) ٹانے کی "کتھا سرت ساگر" -i- 87، 92، 652-ii، 44، 598۔ دیکھئے جس میں کٹاہا کو ایک جزیرہ بتایا گیا ہے۔ نیز دیکھئے لیڈن کا فرمان عطیہ اور کرن دئی کی تانبے کی تختیاں - 62-V

(128) 138 - v v ' 189

(129) "پٹچو پاٹو" صفحہ 550 (تیسرا ایڈیشن)۔ سنسکرت کا "کٹاہا" اور تامل زبان کا لفظ "کڈارم" معنویاتی رشتہ رکھتے ہیں جیساکہ کویڈٹس نے بھی اس کی جانب توجہ دلائی ہے (حوالۂ سابقہ صفحہ ۷۰ نیز فیراَنڈ کے ۱۹۲۲ JA صفحات ۱ تا ۵)۔ ان دونوں کے معنی ہیں "تانبے کی بڑی کڑھائی"۔ تامل میں "کڈارم" کا مفہوم سیاہ رنگ کے گرد بھورا حاشیہ بھی ہے اور "کالگم" کا مفہوم "سیاہی" بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں الفاظ کے معنی کی یکسانیت سے نچھی نارکنیار کو اور فرہنگ نگاروں کو یہ ترغیب ہوئی کہ وہ "کالگم" کی تشریح کرتے ہوئے اسے کڈارم بتائیں۔ ظاہر ہیں کڈارم اور "کڈارم" ایک ہی لفظ کے دو تلفظ ہیں۔ تاہم "کٹاہا" اور "کالگم" کے ساتھ ان کا کوئی صوتی تعلق نہیں ہے۔

(130) حوالۂ سابقہ صفحات 20 تا 22

(131) فیراَنڈ کا کہنا ہے کہ کڈارم، کٹاہا اور کالگم، کیدہ کی نمائندگی نہیں کر سکتے جو جزیرہ نمائے ملایا کے مغربی ساحل پر واقع ہے (JA یعنی "Journal Asiatique" 1922: صفحہ 5) وہ لکھتا ہے "جغرافیائی طور پر کڈارم اور تامل نسخوں کے مطابقت سماترا میں واقع ہیں" اور وہ اس کی تائید میں پانڈیا کتبات (۱۹۱۶ کے نمبر ۵۸۸ اور ۱۹۵۶ کے نمبر ۳۵۶) کی سند پیش کرتا ہے جس طرح سے کہ ان کا خلاصہ کتبوں سے متعلقہ رپورٹوں میں دیا گیا ہے۔ ان کتابوں سے اس سے زیادہ اور کسی بات پتہ نہیں چلتا کہ گیارہویں صدی کی طرح تیرہویں صدی کی بھی "شادکم" کا راجہ ہی کڈارم کا بھی حکمران ہوا کرتا تھا۔ جاتیا کے ساتھ شری وجیا اور کڈارم کی تیرہویں صدی میں سیاسی حیثیت پر کویڈٹس نے "Bijdragen tot de Taal Land" وغیرہ میں بحث کی ہے۔ ڈیل کے مقالے (A Propos de La chute du Royaume de ...

کا 83 (1927) صفحہ 469، اور اس کے بعد کے صفحات دیکھئے جہاں وہ اپنی اس رائے کا اعادہ کرتا ہے کہ کڈارم دراصل کیدہ ہی ہے۔ اگرچہ فیراَنڈ ۱۹۲۲ء میں کڈارم کا محل وقوع سماترا کے جنوب میں اس کے ساحلی علاقے پر ماننے کو تیار رہتا لیکن اس نے اس سوال کو قطعی فیصلے کے لیے کھلا چھوڑ دیا کیونکہ اس نے خود بھی ان کتابوں کی کمزور شہادت کا احساس کر لیا جن پر وہ بہت زیادہ بھروسہ کر رہا تھا۔ جیرینی کی "Researches"

کے صفحہ 833 پر اس کی مختصر بحث جس کی بنیاد پر ڈاکٹر ایس کے آئینگر کڈارم کو کیرتی شناخت کرنے کا دعوے کرتا ہے اب مسترد کر دی گئی ہے۔ کیرتی سماترا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع تھا ("گنگائی کونڈ چولا"۔ صفحہ 558 اور اس کے بعد کے صفحات)

(132) ڈاکٹر ایس کے آئینگر۔ حوالۂ سابقہ صفحات 566، 571

(133) ہرتھ اور راک ہل کی "Chau-Ju-Kua" صفحات 9 تا 18

(134) جیرینی کی "Researches"۔ صفحہ 609، حاشیہ نمبر 2 میں راج راجا کے عہد حکومت کی مدت کو غلط طور پر مختصر کر کے 985ء سے 1002ء تک بتایا گیا ہے اور بعض ایسی فرضی مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے جن کا کبھی وجود ہی نہیں تھا۔ راج راجا کا عہد حکومت اگر انتیسویں سال (1014ء) سے آگے نہ بھی بڑھا ہو تو بھی چین کو بھیجا گیا سفارتی وفد اس کی زندگی ہی میں وطن سے روانہ ہوا ہو گا اور ملایا کے علاقے کے راستے سے پہنچنے میں اسے کچھ دیر لگی ہو گی، تو بھی وہ اگلے برس چین پہنچ گیا ہو گا۔ مزید دیکھئے Chau-Fu-Kua صفحہ 100۔

(135) بہ حوالہ 'Chau-Fu-Kua' صفحہ 63

(136) ASSI - iv صفحہ 208، 11، 86 - 88، EI - xxii

(137) مقابلہ کیجیے کوئیڈرس حوالۂ سابقہ صفحہ 8

(138) ARE - 1892 - صفحہ 12

(139) ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی "Ancient India" 108: "گنگائی کونڈ چولا" SI - iii - تمہید - صفحہ 21

(140) SII - iii - صفحہ 56 میں نے کئی مقامات پر ہلتش کے ترجمے میں تبدیلیاں کر دی ہیں۔

(141) حالانکہ "تین ور" کے معنی "پانڈیا" ہو سکتے ہیں پھر بھی یہاں یہی ممکن نظر آتا ہے کہ اس کا مفہوم صرف "جنوب کے راجگان" ہے، اور پورے فقرے کا مفہوم لنکا (مان بھرن) کیرالا اور پانڈیا تینوں طاقتوں کا اتحاد ہو سکتا ہے۔ (SI - iii - 29 - 1 - 13)

(142) کچھ کتبوں میں اس کا ترجمہ مختلف ہے لیکن ہے مثلاً 1890 کے نمبر 6 میں ہلتش کا اس کا ترجمہ مختلف ہے لیکن دیکھئے ARE - 1930 - II - 46

(143) لفظی ترجمہ: "انتڑیوں کے درد کا حملہ ہوا"

(144) ایک جارحانہ حملے کی علامت

(145) PK - صفحہ 113

(146) 1898 - SII کا نمبر 221' v - نمبر 520' 11 - 15 - 19

(147) ایضاً - 11' 75 - 76 + ڈاکٹر وینکٹا رمنیا کے "جرنل آف دی مدراس یونیورسٹی
کے صفحہ 6 پر دیئے گئے اس خیال سے متفق ہوں کہ اس واقعہ کو اس پرشستی میں
دوسری چالوکیہ جنگ کے بعد شامل کیا گیا"

(148) 1895 کا نمبر 75' ARE-1913 II'

(149) TAS - ii صفحہ 87 - اور اس کے بعد کے صفحات۔ JRAS (Journal of the
the Royal Asoatic Sociaty, London (1922' 161' اور اس کے بعد کے
صفحات 909

(150) 1930 کا نمبر 523

(151) 1894 کا نمبر 172 - 1892 کا نمبر 92

(152) SII-iii-28

(153) 1892 کا نمبر 92 (اس کی تاریخ مٹ گئی ہے)۔ 1894 کا نمبر 172 مورخہ (2) 6-
پہلا ہندسہ مشکوک ہے۔

(154) 1893 کا نمبر 54

(155) فلیٹ DKD - صفحہ 436

(156) رنگا چاری - بلاری 185' 229' 285

(158) 1918 کا 253

(159) ہلتش کا کہنا ہے کہ چولا فوجوں کی کمان کیگودن نامی ایک کمانڈر کے ہاتھ میں تھی۔
یہ دراصل "انجر کو - ایوؤ - تن۔" کے الفاظ کو صحیح طریقہ سے الگ الگ کرنے میں اس
کی ناکامی کا نتیجہ ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔ 1893 کا نمبر 54 اور 1890 کا نمبر 6

(159) 1893 کا 183 (SII-iv- نمبر 1008) اور "Eastern Calukyas"
کے دیگر حوالے

(160) ایسٹرن چالوکیاز صفحہ 237' 1893 کا 185' SII-iv - نمبر 1010

(161) EC-X ، Sp.-14

(162) 1907 کا نمبر 46

(163) 1915 کا نمبر 191

(164) 1915 کا نمبر 243

(165) 1907 کا نمبر 350، 1909 639

(166) 1915 کا 157

(167) 1905 کا 20

(168) 1904 کا 291

(169) 1911 کا 217

(170) 1911 کا 480 (EC-X KI، 109-الف)

(171) 1912 کا 138

(172) EC-i-تمہید 12-13، v، تمہید-vii

(173) یہ نام اس عہد میں بہت سے مقامات اور عمارات کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور آج ہمارے زمانے میں بھی یہ دریائے کاویری کی ایک شاخ کا نام ہے۔ شیرمادیوی کے چولا کتبوں میں تامبر پرنی ندی کو مڈی گونڈ شولپ پیراڑو کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

(174) ARE-1901، i-12، SII، iii، 127

(175) 1914 کا نمبر 61

(176) EI، XV - صفحہ 49 حاشیہ نمبر 3 جس میں گوپی ناتھ راؤ نے ''اڑو'' سے ایک دلچسپ حوالہ دیا ہے جو ممکن ہے اس بنیاد کی پرانی یاد کی وجہ سے ہو۔

(177) 1892 کا نمبر 82

(178) حاشیہ ب میں اس جائے تعمیر کے انیسویں صدی کے ایک تذکرے کا حوالہ اس باب کے آخر میں دیا گیا ہے۔

(179) 1914 کا نمبر 61، 1925 کا نمبر 203، 1926 کا نمبر 510 - 1888 کتبہ نمبر 118۔ میں جو راج کیسری راجیندر کے عہد حکومت کے چوبیسویں برس کا ایک نادر کتبہ ہے جس میں مختلف طرح کے اندراجات ہیں، اس میں گنگا پوری کا ذکر کیا گیا ہے۔

(180) SII-iii۔ اشاریہ۔ S، V، منڈی گونڈ شولاپورم؛ نیز ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی "South India and her muhammadan Invaders" صفحہ 44 حاشیہ نمبر 3۔

(181) 1927 کا نمبر 271

(182) 1909 کا نمبر 639

(183) ترووالنگاڈو کی تختیاں 11، 6-7 (تامل حصہ)۔ 1908 کا نمبر 643 (تیسرے سال کا)

(184) ASI، 1911-12 صفحہ 172، حاشیہ نمبر 1

فلیٹ کی "Gupta Inscriptions" صفحہ 192 حاشیہ نمبر 1، EI-ix-صفحہ 283

(186) 1920 کا نمبر 624

(187) 1921 کا نمبر 73

(188) 1981 کا نمبر 464

(189) 1915 کا نمبر 260

(190) 1920 کا نمبر 71

(191) 1909 کا نمبر 79

(192) 1915 کا نمبر 260

(193) EI-viii- صفحات 30 33

گیارھواں باب

راجندر کے جانشین

(۱۰۴۴ء تا ۱۰۷۰ء)

راجندر اوّل کے بیٹے

چولا سلطنت کے اصلی بانی راج راجا اوّل اور اس کے ہنر مند بیٹے راجندر اوّل کے تحت فتوحات کا رخ جو شمال سے جنوب کی طرف تھا، پلٹ دیا گیا اور شیر کے نشان والا فتح مند پرچم شمال میں دور تک لہرا دیا گیا۔ راجندر کے بیٹوں نے جن میں سے تین اس کے بعد دیگرے چولا سلطنت کے تخت پر بیٹھے ایک وسیع سلطنت ورثے میں پائی اور مجموعی طور پر ان تینوں نے اپنے اپنے عہد میں اس کی وسعت اور وقار کو برقرار رکھا۔ ان کے زمانوں میں وقتاً فوقتاً خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں بالخصوص دریائے تنگ بھدرا کی سرحد کے پار چالوکیہ حکمرانوں کے خلاف جنگ جاری رہی اور ان تینوں تاجداروں میں سے سب سے پہلا تو میدان جنگ ہی میں مارا گیا اور اسی میدان میں ان میں سے دوسرے کی فوراً تاجپوشی کر دی گئی اور اس کی پامردی اور شجاعت نے ایک یقینی شکست کو شاندار فتح میں تبدیل کر دیا۔ جنوب کی طرف بھی پریشانیاں لاحق تھیں کیونکہ پانڈیا اور کیرلا کی لنکا کے حکمرانوں سے سازش برقرار تھی تاکہ اپنے آقا کی مشکلات کا جو اس کو کہیں بھی پیش آئیں پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اس دور کے اختتام کے

قریب یہ مشکلات اوران کے علاوہ کچھ خاندانی اور مذہبی تنازعات ایک سیاسی انقلاب کی صورت میں رونما ہوئے جو تقریباً ایک صدی سے کچھ زائد عرصہ تک سلطنت کے استحکام کا باعث ہوئے۔ جیسا آگے چل کر واضح ہو جائے گا۔ ان اصل حالات کا جن کے تحت چالوکیہ چولا راجندر، چولا سلطنت کے تخت پر قابض ہوگیا، متعین کرنا آسان نہیں ہے لیکن حالات کے اس پلٹا کھانے کے جو اثرات چولا طاقت پر مرتب ہوئے ان کے متعلق دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ سلطنت کو راجاؤں کی ایک تازہ اور قوی اور ساتھ ہی ساتھ قریبی رشتہ رکھنے والی نسل عطا کر کے نیز ایک انتہائی نازک وقت میں مشرقی چالوکیوں اور چولوں کے وسائل کو یکجا کر کے اس انقلاب نے راجا راجا کی سلطنت کو ایسے وقت میں ایک مسلسل زندگی بخشی جبکہ اس کے اصل جانشین اپنے کبھی نہ ختم ہونے والے تنازعات میں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔

جانشینی کی ترتیب

ویر راجندر کے کنیا کماری کے کتبے میں صاف طور پر درج ہے کہ راجندر کے ان تینوں بیٹوں میں جو اس کے بعد یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے، راجا دھیراج عمر میں سب سے بڑا تھا اور تینوں کے عہد کے کتبات کو بیک وقت پڑھنے سے اس کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے راجا دھیراج کے عہد حکومت کے پینتیسویں برس کے ایک کتبے میں "تمبت تنئ چولا وُلناڈو"، کے اہم نام کا ذکر آتا ہے جو راجندر دوم کی پرشستی کی یاد دلاتا ہے۔ جس کا آغاز "ترومگل مرُویا" سے ہوتا ہے۔ اس پرشستی میں ہمیں یہ واضح بیان ملتا ہے کہ راجندر نے چالوکیوں کے خلاف اس عہد کی ایک طویل جنگ میں کس طرح اپنے بڑے بھائی راجا دھیراج کا ساتھ دیا تھا۔ ویر راجندر بلاشبہ راجندر دیو کا چھوٹا بھائی ویر چولا تھا جسے اس نے کریکال چولا کا خطاب عطا کیا تھا۔ اس کا ذکر مغربی چالوکیوں کے کتبات میں بالعموم ویر کے نام سے کیا گیا ہے۔ ضلع رام ند سے ملے ہوئے ویر راجندر کے ایک کتبے میں اس کے والد (ایر) کا حوالہ ملتا ہے جس نے گنگا ئی، پورودیش، اور کڈارم کو تسخیر کیا تھا۔

ملک پر ایک ہی زمانے میں مختلف راجاؤں کی حکومتیں

کتبات کی تاریخوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ملک پر ایک ہی وقت میں کئی راجاؤں نے حکومت کی ہے اس خصوصیت میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیوں کہ پچیس برس سے زائد عرصہ تک راجا دھیراج اپنے والد کے ساتھ مل کر حکومت کرتا رہا تھا۔ راجا دھیراج کی حکومت کا سب سے آخری سال جو کتبات میں درج ہے۔ چھتیسویں سال ہے جو 54-1053ء میں پڑتا ہے۔ راجندر دوم کی تاج پوشی کی تاریخ اس کے کتبات سے اندازاً 28 مئی 1052ء متعین کی گئی ہے۔ اسی طرح راجندر دوم کا بھی آخری سالِ حکومت بارہویں سال ہے جو اس کے عہد کو 1064ء تک پہنچا دیتا ہے۔ ویر راجندر کی تخت نشینی 63-1062ء کے قریب واقع ہوئی جو اس کے کتبات میں اس کے عہدِ حکومت کا پہلا برس شمار کیا جاتا ہے۔

راج مہندرا راج کیسری راج مہندرا جس کا عہدِ حکومت اس کے کتبات کے مطابق تیسرے برس سے آگے نہیں بڑھتا یقیناً ویر راجندر دیو کی تخت نشینی سے قبل حکمران رہا ہوگا۔ اس کی مختصر پرشستیوں سے ہمیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے حکومت کے نظم و نسق میں منو کے بنائے ہوئے شاستر کے اصولوں کی پوری پابندی کی لیکن یہ مختصر بیان بھی قدرت سے خالی نہیں ہے کیونکہ "کلنگو پرانی" اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اس کتاب میں یہی بات زیادہ زوردار الفاظ میں کہی گئی ہے لیکن اس راجہ کے بارے میں اور کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔ راجہ کو اس تصنیف میں ان دو خود مختار فرمانرواؤں کے درمیان مقام دیا گیا ہے جن میں سے ایک وہ تھا جس نے کوپم کے میدانِ جنگ میں اپنی تاجپوشی کی تھی۔ یعنی راجندر دوم اور دوسرا وہ جو کوڈل شنگم کا فاتح تھا یعنی ویر راجندر۔ راج مہندرا سے منسوب کی گئی اس حقیقت کی مزید تصدیق اس کے واحد کتبے سے ہو جاتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ راجہ نے اپنے ایک جنگی ہاتھی کی مدد سے آہوا ملا کو بل کھاتے ہوئے دریا کے کنارے پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا۔ یہ ممکن ہے کہ راج مہندرا دراصل راجندر دوم کا بیٹا ہو جس کا ذکر موخر الذکر کے عہد کے نو برس کے

ایک کتبے میں راجندر کے نام سے ملتا ہے، اور جب اس کے جلد ہی بعد اسے ولی عہد منتخب کیا گیا تو اس نے اپنے والد راجندر دیو اور اپنے دادا راجندر چولا دیو سے امتیاز قائم رکھنے کے لیے راج مہندرا کا لقب اختیار کر لیا ہو۔ یہاں بھی دو راج کیسریوں راج مہندرا اور ویر راجندر کے یکے بعد دیگرے تخت نشیں ہونے کی بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ ایسا اس لیے ممکن ہوا کہ ان میں سے ایک ولی عہدی کے زمانے ہی میں فوت ہو گیا تھا اور خود مختار راجہ نہیں بن سکا۔ اس کی جگہ کو پُر کرنے کے لیے دوسرے کو جانشین منتخب کیا گیا۔ اس دور کا اختتام پراکیسری ادھیراجندر کے مختصر اور پُر آشوب عہد حکومت پر ہو جاتا ہے جس کے تیسرے سال کے ایک کتبے میں ویر راجندر کے آٹھویں برس کا ذکر آیا ہے۔ لہٰذا اس زمانے میں تخت نشینی اور ترتیب واقعات کا خلاصہ یوں مرتب ہو سکتا ہے۔

1- راجادھیراج اوّل راج کیسری ——— سنہ 1018ء تا سنہ 1054ء

2- راجندر دوم پراکیسری (نمبر 1 چھوٹا بھائی) ——— سنہ 1052ء تا سنہ 1064ء
راج مہندرا راج کیسری (نمبر 2 کا بیٹا جو) سنہ 1060ء تا سنہ 1063ء
بحیثیت ولی عہد ہی فوت ہو گیا۔)

3- ویر راجندر راج کیسری (نمبر 1 کا نمبر 2 کا) سنہ 1063ء تا سنہ 1069ء

4- ادھیراجندر پراکیسری (نمبر 3 کا بیٹا؟) سنہ 1067ء تا سنہ 1070ء

راجادھیراج کی پرشستیاں

راجادھیراج کی پرشستیاں (یا پرشستھیاں) بالعموم دو شکلوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک مقابلتاً مختصر ہے اور تنگا لیر پیراو سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں راجہ کے صرف ابتدائی کارناموں کا ذکر ملتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی حکومت کے چھبیسویں برس میں کندہ کی گئی اور بعد کے بعض کتبات میں اسے دوہرایا جاتا رہا۔ دوسری طویل شکل کی بہت سی قسمیں ہیں اور یوں کہنا چاہیئے کہ اس کو حسب ضرورت بڑھایا جا سکتا تھا۔ اور بعض پرشستیوں میں جو واقعات مختصراً درج کیے گئے ہیں وہ زیادہ اختصار سے بعض میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ بعد کے برسوں کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر بھی ہے جو پہلے کے کتبات میں نہیں ملتے دوسرے

کتبات میں پرانے واقعات کا ذکر بھی ہے جو پہلے کے کتبات میں تحریر کے وقت تک کے واقعات اضافہ نہیں کیے گئے ہیں۔ نیز ایک پرشستی ایسی بھی ہے جو "ترڈکوڈیو ڈوتیاگ کوڈی" سے شروع ہوتی ہے لیکن کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ اس سے چالوکیوں کے خلاف جو جنگ ہوئی تھی اس کی بعض تفصیلات کی تائید ہوتی ہے جن کا ذکر دوسرے کتبات میں بھی آیا ہے۔

دو مشکوک کتبات

اس بات کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ کلیان پورہ میں اپنے فاتحانہ داخلے کے بعد راجا دھیراج نے وجیہ راجندر کا لقب اختیار کر لیا تھا لیکن پراکیسری وجیہ راجندر کے دو ایسے کتبات موجود ہیں جو پہلی نظر میں ایک مشکل مسئلہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک میں جو کولار سے دستیاب ہوا ہے اور اس عہد حکومت کے پینتیسویں برس کا ہے یقیناً غلطی سے راج کیسری کی بجائے پراکیسری درج ہو گیا ہے کیونکہ اس کتبے کا اونچا سن جلوس اور "ویر پانڈین تلائم" سے شروع ہونے والی راجا دھیراج کی پرشستیوں سے اس کی مختصر پرشستی کی مشابہت کسی دوسرے خیال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے۔ "ویر پانڈین تلائم" سے شروع ہونے والی "پرشستیاں" راجا دھیراج کے کتبات کی پرشستیوں کی سب سے آخری شکل ہیں۔ دوسرا کتبہ جو پیڈاتیا سمدرم میں ملا ہے، راجندر دوم کے عہد حکومت کا ہے جو راجا دھیراج کا چھوٹا بھائی اور جانشین تھا۔ یہ اس لیے کہ اس کتبے پر شاکا سمت 981 یعنی 58-1057 عیسوی کی تاریخ درج ہے اور ہمارے علم میں اس امر کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے کہ راجا دھیراج نے اپنے عہد کے چھبیسویں برس یعنی 55-1059ء کے بعد بھی حکومت کی ہو۔ راجندر دوم ایک پراکیسری تھا اور اگرچہ یہ کتبہ ایک واحد کتبہ ہے جس میں اس کا ذکر وجیہ راجندر کے لقب کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن یہ اسی کا کتبہ ہے۔ پھر بھی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تر دو وریور سے دستیاب شدہ راجا دھیراج کا ایک کتبہ جس پر مشکوک طور پر اڑتیسویں برس کی تاریخ درج ہے، بہت ممکن ہے کہ اسی کا ہو۔ فلیٹ کی رائے کے مطابق کوپم کی جنگ جس میں راجا دھیراج اپنی جان گنوا بیٹھا، 20 جنوری 1060ء سے تھوڑا عرصہ پہلے ہوئی تھی کیونکہ شاکا سمت 981 کے خاتمے کے بعد کے ایک کتبے میں درج ہے کہ سومیشور اس وقت "جنوبی چولا ریاستوں پر

فتح پاکر واپس آیا تھا۔" اس لیے بہت ممکن ہے پیڈا اتپا سمدرم کے کتبہ میں بھی غلطی سے راجا دھیراج کے لیے اس کا لقب درج ہو گیا ہو۔ کچھ بھی ہو ہمارے پاس اس قیاس کے لیے کوئی وجہ موجود نہیں ہے کہ مذکورہ راجہ کے سرکاری لقب کو راج کیسری سے بدل کر پرا کیسری کر دیا گیا ہوگا کیونکہ اس کے پینتسویں اور چھتیسویں برس کے بہت سے ایسے کتبات بھی موجود ہیں جن میں اس کا ذکر راج کیسری کے لقب کے ساتھ کیا گیا ہے۔

لنکا کی جنگ

گزشتہ باب میں راجا دھیراج کی چھیڑی ہوئی لنکا کی جس جنگ کا ذکر ہم نے مختصراً کیا تھا۔ اب ہم اس پر مفصل بحث کریں گے۔ راجہ دھیراج کے ابتدائی کتبات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لنکا کا راجہ وکرم جو ہار پہنتا تھا اور کنکپیار (قنوج کے عوام) کا فرمانروا راجندر کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دئیے گئے تھے۔ بعد کے کتبات میں ان واقعات کا جو تفصیلی بیان ملتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

چولا کتبات کی روشنی میں

"اس نے اپنی واحد لاثانی فوج کی مدد سے طوفانی سمندر کے درمیان واقع لنکا کے حکمران وکرم باہو کا تاج چھین لیا۔ وہ تاج جو بڑے جواہرات سے مزین تھا اور لنکا کے راجہ وکرم پانڈین کی ملکیت تھا۔ یہ راجہ پورا جنوبی تامل پردیش کھو کر اس کے (راجا دھیراج) خوف کے مارے سات سمندروں سے محصور ایلم میں جا چھپا۔ اس (راجا دھیراج) نے سمہالوں کے راجہ ویر سلا میگھن کا سنہرا تاج بھی چھین لیا، جو یہ سمجھ کر ایلم میں داخل ہو گیا تھا کہ سمندر سے گھرا ہوا ایلم (کا جزیرہ) اس کی اپنی دلکش ریاست کنکچی (کنیا کبجا) کی نسبت زیادہ بہتر جگہ ہے۔ وہ اپنے اقارب اور ان باشندوں ریاست کو بھی "ایلم" میں اپنے ساتھ لے گیا جو اس کے ہمراہ جانے کے لیے تیار ہوئے۔ اس نے درخشاں تاج بھی پہن لیا تھا۔ یہ وہ راجہ تھا جس نے میدانِ جنگ میں شکست کھا کر اور اپنے سیاہ ہاتھی سے ہاتھ دھو کر بہت ذلت اور بے آبروئی سے راہِ فرار اختیار کی۔ اور اب جبکہ چولا راجہ نے اس کی بڑی بہن کو مع اس کی بیوی کے پکڑ لیا اور اس کی والدہ کی ناک کاٹ لی تو وہ اپنے رسوائی کا داغ دھونے کے لیے واپس آیا اور ایک گھمسان کے رن میں مارا گیا۔ نیز راجا

دھیراج نے بڑے بڑے جواہرات سے جڑا ہوا انتہائی تابدار تاج بھی جو شری ولون (شری ولبھ) مدن راجن کی ملکیت تھا چھین لیا۔ مدن راجن جو کرشن (کرشنا) خاندان کا چشم و چراغ تھا اور ایلم کا مغرور راجہ بن بیٹھا تھا۔

"مہا وامسا" کی روشنی میں

"مہا وامسا" سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ راجندر کے ہاتھوں مہندر پنجم کے جلا وطن کیے جانے اور تمام کے تمام "ایلا منڈلم" کے سنہ 1017ء میں چولا سلطنت میں شامل کر لیے جانے کے بعد کے سال نئے چولا آقاؤں کے خلاف سنہالی رعایا کی شورشوں سے معمور تھے، جن کا چولا حکمران جوابی کارروائی کے طور پر انتقام لیتے رہے۔ لنکا کی اس تاریخ کی آزاد شہادت نہ صرف راجا دھیراج کے کتبات کے اہم پہلوؤں کی تصدیق کرتی ہے بلکہ واقعات کی ترتیب سنین متعین کرنے میں بھی مدد دیتی ہے۔ یہ واقعات ہر چند کہ متعدد سالوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور بظاہر ایک سے زیادہ مہمات سے تعلق رکھتے ہیں لیکن راجا دھیراج کی "پرشستی" کا ایک موزوں جزو بنانے کے لیے انہیں یکجا کر دیا گیا ہے۔ "مہا وامسا" اس امر کی تائید کرتی ہے کہ لنکا میں چولا حکومت کی مخالفت میں پہلی بغاوت مہندر پنجم کی گرفتاری کے بارہ برس بعد ہوئی۔

وِکّم باہو کی چھ ماہ کی جنگ

جب چولا حکمران نے مہندر پنجم کے بیٹے کیشپ پر قابو پانا چاہا اس بغاوت کا مرکز کیشپ ہی کی شخصیت تھی۔ کیشپ اور اس کے اتحادی چولا افواج کے خلاف جن کی تعداد پچانوے ہزار بتائی جاتی ہے، چھ ماہ تک جنگ جاری رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے دمیلوں کی ایک کثیر تعداد کو ختم کر دیا اور باقی کو پیچھے ہٹنے اور پہلے کی طرح پلتھی نگر میں قیام کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد کیشپ، وِکّم باہو کا لقب اختیار کر کے جزیرۂ لنکا کے جنوب مشرقی حصے پر حکومت کرنے لگا جو روہنا کا صوبہ کہلاتا ہے۔ وکّم باہو کی تخت نشینی سے پہلے یہ چھ مہینوں کی جنگ راجندر اول کے عہد حکومت میں سنہ 1029ء میں لڑی گئی۔ لیکن اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ راجا دھیراج نے اس میں حصہ لیا، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس نے ایسا کیا ہو۔

اس کی وفات

چولاکتبات اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ چولا جنگ میں وکرم باہو اپنی جان گنوا بیٹھا اور اس کا تاج راجا دھیراج کے ہاتھ لگا۔ تاہم "مہا وامسا" میں یہ لکھا ہے کہ وہ اپنی حکومت کے بارہویں سال (سنہ 1041ء) میں جبکہ چولوں کے خلاف لڑائی کے تیاریاں زوروں پر تھیں، کسی مرض کی وجہ سے اچانک فوت ہوگیا۔ ممکن ہے کہ چولوں کے بیان میں سچائی کی نسبت خودستائی کا عنصر زیادہ ہو۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وکرم باہو کا تاج چولوں کو مالِ غنیمت میں ہاتھ آیا ہو۔ مہندا پنجم کے خلاف راجندر کی کامیابی کے باوجود، پوری لنکا حکومت محض عارضی طور پر، یعنی صرف دس برس تک چولوں کے ہاتھوں میں رہی، اس کے بعد روہنا کے صوبے نے خودمختاری کا اعلان کر دیا اور چولوں کے خلاف ایک مسلسل جنگ جاری رکھی۔ راجا دھیراج کے عہد حکومت میں یہ کشمکش ایک سنگین شکل اختیار کر گئی کیونکہ وکرم باہو کے عہد جو بھی حکمران ہوا اس کے دل میں ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ وہ لنکا سے دمیلوں کو نکال باہر کرے۔ سنہ 1091ء میں کتی کی ہشت روزہ حکومت سے قطع نظر کرتے ہوئے قوی مہالانکتی جو روہنا کا راجہ بن بیٹھا تھا، اپنے عہد حکومت کے تیسرے برس (سنہ 1094ء) میں چولوں کے خلاف جنگ میں شکست کھا گیا اور اپنے ہاتھوں اپنا گلا کاٹ کر مر گیا۔ اس کے بعد دمیلوں نے تمام بڑے خزانوں مثلاً تاج وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور انہیں چولا تاجدار کے پاس بھیج دیا۔ یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ ان چار سنہالی حکمرانوں میں جن کے نام مذکورہ بالا چولا کتبات میں درج ہیں۔ مہالانکتی کون ہے۔ "مہا وامسا" کے بیان کے مطابق مہالانکتی کا اکلوتا بیٹا وکرم پنڈو (سنہ 1044ء تا سنہ 1047ء) تھا جو ڈر کے مارے وطن چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا اور کچھ عرصے تک ڈلو دیش میں مقیم رہا تھا لیکن جب اس کو اپنے باپ کا حشر معلوم ہوا تو وہ روہنا میں واپس آ گیا اور تھوڑے عرصے تک حکومت کر کے جگتی پال کے خلاف ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے برعکس چولا کتبے میں لکھا ہے کہ وہ ایک پانڈیا راجہ تھا جو کبھی جنوبی تامل خطے پر حکومت کرتا تھا اور جسے خود راجا دھیراج نے جنوبی ہند چھوڑ دینے اور لنکا جا کر قسمت آزمائی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جہاں جا کر وہ راجہ بن گیا۔ چونکہ اس زمانے میں پانڈیا خاندان

اور کیرلا کے ساتھ بھی ان کے اسی طرح کے روابط اور خاندانی تعلقات بہت قریبی اور گہرے تھے اور کیرلا کے ساتھ بھی ان کے اسی طرح کے روابط تھے، وہ چولوں کی مشترکہ مخالفت میں باہم متحد بھی تھے اس لیے ہمیں یہی ماننا پڑے گا کہ دونوں تذکرے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ بظاہر وکرم پانڈیا کا والد سنہالی تھا اور ماں پانڈیاں خاندان سے تھی۔ ریاست پانڈیا میں اس کی ابتدائی زندگی کو "مہاوامسا" میں دلو دشں کے قیام سے تعبیر کیا گیا ہے مگر یہ غالباً صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ وقفہ ہو سکتا ہے کہ ریاست پانڈیا اور لنکا میں جو زمانہ اس نے گزارا ڈلو کا قیام اس کا درمیانی وقفہ ہو۔ بات جو کچھ بھی ہو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چولا کتبات اور "مہاوامسا" دونوں میں ایک ہی راجہ کا ذکر ہے اور گولنکا کے ماخذوں میں اس کی موت کی جو وجہ بتائی گئی ہے چولا کتبات سے کہیں اس کی تردید نہیں ہوتی لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ چولوں کا دعوے کہ اس کا تاج ان کے ہاتھ لگا، واقعی سچ ہو جگتی پال (سنہ 1047ء تا سنہ 1051ء) کے متعلق "مہاوامسا" کا کہنا ہے کہ "وہ ایودھیا سے آیا ہوا کسی راجہ کا بیٹا تھا جس کے لنکا میں وارد ہونے کے بعد ایک لڑائی میں وکرم پانڈو کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور چار برس تک روہنا میں ایک زبردست فرمانروا کے طور پر حکومت کی لیکن اسے بھی چولوں نے لڑائی میں ٹھکانے لگا دیا اور مہیشی کو اس کی بیٹی اور تمام قیمتی املاک سمیت چولا ریاست بھیج دیا۔" اگر ہم اس راجہ کے اصل وطن کے متعلق چولا کتبات اور "مہاوامسا" کے بیانات کے باہمی تضاد کو نظر انداز کر دیں، جو چول کتبات میں تو کنیا کبجا بتایا گیا ہے اور "مہاوامسا" میں ایودھیا تو ہم دیکھیں گے کہ "مہاوامسا" میں مذکور جگتی پال اور چولا کتبات میں مذکور ویرسلا میگھن دونوں کی قسمتوں میں حیرت انگیز شباہت پائی جاتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہمارے ان ماخذ میں ایک ہی راجہ کا ذکر دو مختلف ناموں سے کیا گیا ہے لیکن ایسا نتیجہ نکالنا بھی ناقابل تردید نہیں ہے۔ ویرسلا میگھن کی موت کا ذکر جس کتبے میں آیا ہے اس کی تاریخ تحریر سنہ 1046ء کے آخر کی ہے۔ "مہاوامسا" کے ایک تنقیدی جائزے سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ جگتی پال نے سنہ 1064ء سے شروع کے چار برس تک حکومت کی۔ لہٰذا ان دو راجاؤں کے ناموں اور وطنوں میں فرق

کا یہی مطلب ہوا کہ وہ دو مختلف افراد تھے جن کی کوئی بات مشترک نہیں تھی، سوائے اس کے کہ دونوں نے چولا حکومت کے مخالفوں کی حیثیت سے لنکا میں کچھ شہرت حاصل کی اور اپنے حریفوں کے ہاتھوں ان کا ایک سا حشر ہوا۔ بہادر قسمت آزمائی کرنے شمالی ہند سے لنکا تک کیونکر پہنچے، اس کا بتلانا سردست ممکن نہیں۔ چولا کتبات میں مذکور جو تھے اور آخری حکمران شری ولبھ مدن راجا کو "مہا وامسا" کا "پراکما" راجہ شناخت کیا گیا ہے، جسے چولوں کے خلاف لڑائی میں قتل کیا گیا تھا لیکن اس کو بھی تسلیم کرنے میں احتیاط برتنی ہوگی۔ مدن راجا کنڑ نسل کا ولبھ تھا۔ اس کے برعکس پراکما پنڈو خاندان کے راجہ وکرم پنڈو کا بیٹا تھا۔ مزید براں پراکما کی موت 1053ء کے قریب واقع ہوئی تھی جو راجا دھیراج کے اس کتبے کی تاریخ (1066ء) سے جس میں مدن راجا کا ذکر کیا گیا ہے کم و بیش سات برس بعد کی بات ہے۔

تلخیص راجا دھیراج کے کتبات میں لنکا کی جنگ کے تذکرے اور "مہا وامسا" میں کیے گئے اس جنگ کے واقعات کا باہم موازنہ ہمیں احساس دلاتا ہے کہ چولا سلطنت اور لنکا کے اس حصے کے جو مخالف حالات کے باوجود چولوں کی غلامی سے آزاد ہونے کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہا تھا، باہمی تعلقات کے تذکروں کو ایک مربوط کہانی کی شکل دیتے وقت ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے راجا دھیراج کے کتبات میں مذکورہ راجاؤں میں سے محض دو ہی راجاؤں وکرم باہو اور وکرم پانڈیا کو "مہا وامسا" کی روشنی میں شناخت کیا جا سکا ہے۔ ویر سلا میگھن اور شری ولبھ مدن راجا کا ذکر صرف چولا کتبات میں آیا ہے، "مہا وامسا" میں بظاہر ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے برعکس "مہا وامسا" میں مذکور جگتی پال اور پراکما دونوں کا ذکر چولا کتبات میں کہیں نہیں ہے جنھوں نے لنکا کی آزادی کی لڑائی کے آخری مرحلوں میں نام پیدا کیا اور لڑائی میں اپنی جانیں قربان کیں۔ راجا دھیراج کے جانشین راجندر دوم کے کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ لنکا کی شورشوں کو فرو کرنے میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ اس کے عہد کے چوتھے برس یعنی 1055ء کے کتبات میں درج ہے کہ "اس نے لنکا کی جانب ایک فوج روانہ کی جہاں راجا ویر سلا میگھ کو موت

کے گھاٹ اتار دیا گیا اور راجہ ماناّ بھرن کے دو بیٹوں کو گرفتار کر لیا گیا۔" راجندرر دیو کے بعد کے کتبات میں صرف ویر سلا میگھ ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔" راجندر دیو کا دعوے لنکا کے سنگلی کندرادا نامی مقام پر اس کے ایک کتبے کی موجودگی سے ثابت ہوتا ہے۔ ہر چند کہ ویر سلا میگھ کا ذکر "طاقت ور فوج والے کالنگوں کے فرمانروا" کے طور پر کیا گیا ہے تاہم اسے کنکچپا رکا دلن سے الگ شخصیت تصور کرنے کی کوئی وجہ نہیں جس کا ذکر راجا دھیراج کے کتبات میں آتا ہے۔ راجا دھیراج کی فوجوں کے ہاتھوں اپنے کنبے کے افراد اور اپنی بہن، ماں اور بیوی کی بے حرمتی کو اپنے جیتے جی دیکھ کر جب اس نے اس ذلت کا انتقام لینے کی کوشش کی تو ایک "گھمسان کی لڑائی" میں اسے شکست ہوئی۔ پھر بھی وہ بچ نکلا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدنصیب حکمران کچھ برسوں کے بعد چولوں کے ایک اور حملے کا شکار ہو گیا۔ لنکا کے حکمران ماناّ بھرن کی صحیح شناخت کرنا آسان نہیں جس کے دو بیٹوں کو راجندر نے گرفتار کر لیا تھا۔ غالباً وہ لنکا کے اس حکمران کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں تھا جو جنوبی ہند کے ان تین حکمرانوں کے اتحاد میں شامل ہو گیا تھا جن کی مخالفانہ کارروائیوں کا انسداد راجا دھیراج نے اپنے والد کی زندگی ہی میں اپنی ایک ابتدائی جنگی مہم میں کر دیا تھا۔

لنکا میں چولوں کے سکّے اور کتبات

عام طور سے لنکا میں دستیاب شدہ ہندوستانی سکوں میں راجا دھیراج اور راجندر کے جاری کردہ سکّے شامل ہیں اور لنکا میں ملنے والے چولا کتبات اگرچہ بہت کثیر تعداد میں نہیں ہیں اور ان کی حفاظت بھی اچھی طرح سے نہیں کی گئی ہے لیکن یہ اس بات میں زیر مطالعہ دور کے بالکل آخر تک ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جزیرۂ لنکا کا بیشتر حصہ چولا سلطنت کے زیر انتظام ایک صوبہ تھا۔ البتہ اس جزیرے کا جنوب مغربی حصہ جس کا ذکر "مہا وامسا" میں روہنا کے نام سے کیا گیا ہے، سنہالیوں کی آزادی کی بحالی کے لیے مسلسل برسرِ پیکار رہا۔ راجا کتی جس نے 1058ء میں وجے باہو کا لقب اختیار کیا تھا اس جدوجہد کا سربراہ تھا جس کی کچھ تفصیل "مہا وامسا" اور ویر

راجندر کے کتبات میں درج ہے۔

تحریک کو کچلنے کی پالیسی

سبھی فاتحوں کی طرح چولا تاجدار بھی سنہالیوں کی ان سے نجات حاصل کرنے کی فطری خواہش کی وجہ سے ان سے برانگیختہ تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تحریک آزادی کے انسداد کے لیے ظلم وستم کے وحشیانہ طریقے بھی اپنائے جیسے جلاوطنی، قتل اور جسم کے اعضا کاٹ دینا وغیرہ جو انہوں نے لنکا کے شاہی خاندان کی عورتوں تک سے روا رکھے۔

اس پالیسی کی ناکامی

سنہ 1070ء میں چولا تخت پر کلوتنگا کے بیٹھنے کے بعد بالآخر وجے باہو اوّل اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہوگیا جبکہ اس کے کتنے ہی پیش رو اس جدوجہد میں ناکام ہو چکے تھے اس نے لنکا کی آزادی بحال کی۔ وجے باہو کو جن اقدامات سے کامیابی حاصل ہوئی ان کا مفصل بیان کلوتنگا کے عہد حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔

چالوکیہ سے دوسری لڑائی

راجا دھیراج نے سنہ 1044ء اور سنہ 1046ء کے درمیانی عرصے میں سومیشور کے خلاف دوبارہ لڑائی چھیڑ دی 3، دسمبر سنہ 1046ء کے منی منگلم کے ایک کتبے میں اس مہم کا مختصر حال درج ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ چولا راجہ نے جنگ میں چالوکیوں افواج کے متعدد ماتحت سرداروں کو شکست دی اور کمپلی شہر میں چالوکیوں کے محل کو مسمار کر دیا دیگر کتبات جن میں سب سے پرانا کتبہ راجا دھیراج کے عہد کے تیرہویں برس کا ہے اس بارے میں کچھ مزید معلومات فراہم کرتے ہیں کہ کمپلی کے محل کی تباہی کے بعد کیا واقعات پیش آئے۔ ایک اور معرکہ جو اپنی نوع کا تیسرا معرکہ کہا جاتا ہے پونڈور کے مقام پر ہوا جو دریائے کرشنا کے بائیں کنارے پر واقع "کڈ کا ماگر" یعنی چھاؤنی بتایا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں متعدد تیلگو سردار جن میں تیلنگا وچیا' اس کی والدہ اور بیٹے نیز سومیشور کے باجگزار بھی شامل تھے، بیشمار عورتوں کے ہمراہ جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ جب پونڈور کو چولا فوج نے تاخت وتاراج کیا اور اسے مسمار کر کے پیوست خاک کر دیا اور وہاں گدھوں سے ہل چلوا دیے گئے اور " وراتکئی " لو دی گئی۔

جوجوار کی ایک موٹی قسم ہے اور آخر میں منّن دپّی کے عظیم قصرِ شاہی کو نذرِ آتش کر دیا گیا اور وہاں شیر کے نشان والا فتح کا ستون تعمیر کیا گیا۔ یہ واقعات جو چولا کتباب میں بلاشبہ خاصی مطالغہ آمیزی سے بیان کئے گئے ہیں، 1048ء سے قبل ہی وقوع پذیر ہوئے ہوں گے۔

اس عہد کے چند دیگر کتبات اس جنگی مہم کے متعلق مزید تفصیلات فراہم کرتے ہیں۔ ان میں "طغیانی پر آئے ہوئے پانیوں والے پونڈی" کی گھمسان کی جنگ کا ذکر ہے جس میں وچیّیا خوفزدہ ہوکر اور اپنے ماں باپ کو چولا فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جب آہوآمل نے ہراساں ہوکر صلح کی بات چیت کے لیے اپنے ایلچی بھیجے تو چولا تاجدار ان کے ساتھ بہت درشتی سے پیش آیا اور انہیں ایسے کتبے اٹھا کر چلنے پر مجبور کیا جن میں آہوآمل کے ڈر کر فرار ہو جانے کا اعلان درج تھا۔ اس کے بعد اپنی فوج کی قیادت کرتا ہوا چولا تاجدار اپنے ہاتھیوں کے گلے کو تینوں گھاٹوں پر اشنان کروانے کے لیے لے گیا۔ یہ شرتورئی، پرندرنی اور دیوبھیم کاسی کے گھاٹ تھے اور خونخوار شیر والا شاہی نشان ان پہاڑوں پر کندہ کر دیا جہاں دشمن کا سوّر کا نشان کھدا ہوا تھا۔ اور وہاں فتح کا ستون نصب کیا۔ اس نے ان راجاؤں کے ساتھ جو اس کے قدموں پر جھکے کھیل کھیلے۔ اس نے اپنی بخشش کے پرچم کو اپنے شیر والے شاہی نشان کے ہمراہ لہرایا اور دشمن سے چھنے ہوئے قدیمی خزائن کے منہ ضرورت مند لوگوں پر کھول دیے۔ اس نے غنیم کی افواج کے متعدد سرداروں مثلاً نلمبا، کالی داس، چامنڈا، کوملیا، اور وِلّوَ راجا کو شکست دی اور گُرجر راجہ کا سر قلم کر دیا۔ صرف ان لوگوں کی اس نے جان بخشی جنھوں نے اس سے پناہ مانگی بلکہ ان کا اس نے تاج اور رتبہ بھی بحال کر دیا۔ یہاں سے بعض کتبات میں کچھ ایسی تفصیل بھی دی ہوئی ہے جو دوسرے کتبات میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ان کے متن کے درمیان بعض خالی حصے ان کے مکمل طور پر سمجھنے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں، ان کا عام رجحان بالکل واضح ہے اور ان میں یہ درج ہے کہ آہوآمل کے فرستادہ ایلچیوں کے ساتھ کس طرح سے نازیبا سلوک کیا گیا ہے اشخاص کو جو ایک "پیرکڈی" یعنی اعلیٰ چالوکیہ افسر کے ہمراہ تھے

چالوکیوں کی دیدہ و دانستہ توہین اور وحشیانہ تذلیل کے لیے آلہ کار بنایا گیا کہ بالوں کی پانچ ایک کو رنانہ لباس پہننے پر مجبور کر کے دوسرے کا سر اس طرح منڈوایا گیا کہ بالوں کی پانچ لٹیں باقی رہیں۔ جب ان دونوں کے نام "خستہ حال آہو آلمی اور آہو آئل" رکھے گئے اور انھیں "وپرکڈی" کے ہمراہ چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد جلد قدیمی شہر کلیان پورم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور اس کے شاہی محل کے محافظوں کو مغلوب کر کے اسے مسمار کر دیا گیا۔ راجا دھیراج نے اسی شہر میں وجیہ راجندر کا لقب اختیار کیا اور "ویرابھیشک" کی رسم ادا کی۔ ان باتوں کی تصدیق راجا دھیراج کے عہد کے ایک بعد کے کتبے سے ہوتی ہے جس کی پرشستی عجیب و غریب ہے۔ اس پرشستی کا آغاز "تروکوڈیوڈو" سے ہوتا ہے اس کتبے میں آہو آئل پر جو فتح حاصل ہوئی اور اس کے بعد کی "ویرابھیشک" کی رسم اور "ویر راجندر کا لقب اختیار کرنے کے واقعات کو نمایاں کر کے بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ضلع تنجور میں داراسرم کے مقام پر ایک "دوار پالک" کی مورتی آج بھی دیکھی جا سکتی ہے جس کی طرز سنگتراشی چولوں کے طرز سے بالکل مختلف ہے اور اس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے :۔

1۔ سوستی شری اڈییار شری وجیہ راجندر دیو۔

2۔ کلیان پورم ایر توکوڈو وندا توار پالکر

جس کا مطلب ہے وہ دربان جسے کلیان پورم کو نذر آتش کرنے کے بعد اڈییار شری وجیہ راجندر دیو یہاں لایا۔

اثرات لیکن سومیشور کے کتبات میں راجا دھیراج کی اس جنگی مہم کا یا بعد کی اس جنگ کا جو کوپم کے میدان جنگ میں اس کی موت کا باعث ہوئی، کوئی ذکر نہیں ہے اور چولوں کی تمام تر کامیابیوں کے باوجود جن کا انھوں نے ڈنکا پیٹا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چالوکیوں کی طاقت برقرار رہی۔ سومیشور کے کتبات سے جن میں سے بعض پر ان کی تاریخ درج ہے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے تنگ بھدرا کی جانب چالوکیوں کی سلطنت کی حدود میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ ضلع بیلاری کے ہڈگلی تعلقہ سے شاکا سمت 968 کا یعنی 1048ء کے اوائل

کانڑ ے لوکیہ ل دیو (سومیشور اوّل) کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں ایک سردار کا لی داسں کی جانب سے دیے گئے ایک عطیئے کا اندراج ہے اسں سردار کا ذکر ان تیلگو راجاؤں کے زمرے میں بھی آتا ہے جنھیں اسں زمانے کی لڑائیوں میں چولا افواج نے پیچھے ڈھکیل دیا تھا۔ اسی خطے سے دو اور کتبات بھی ملے ہیں جن پر اگلے برس یعنی شا کا سمت 969 کی تاریخ درج ہے۔ ان میں سے ایک کتبے میں "ماہی سمتی پورا کے" والی "راجا مہا منڈلیشور گندھر آدتیہ راسا کی جانب سے وشنو دیوتا کے ایک مندر کو دیے گئے اراضی کے ایک عطیئے کا اندراج ہے۔ یہ راجہ سومیشور کے ایک اطاعت گزار کی حیثیت سے سندواڑی ۱۰۰۰، بنیے دُورُو۱۲ا اور نرو گنڈا کے علاقوں پر حکومت کرتا تھا اور غالباً کنڈرن دنگرن تھا جس کا چولا کتبات میں ذکر کیا گیا ہے۔ سومیشور کے کانچی کو فتح کرنے اور وکرما دتیہ کی "دگ وجے" کے متعلق بلہن نے جو تعریف کے پل باندھے ہیں ہم ان کو صحیح تسلیم نہ بھی کریں پھر بھی ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ چالوکیوں علاقے پر چولوں کے مسلسل حملے چالوکیہ تاجدار کے لیے کتنے ہی ضرررساں ثابت ہوئے ہوں رعایا اور باجگزاروں کی عافیت کے لیے کتنے ہی ضرررساں ثابت ہوئے ہوں مستقل طور پر کوئی بھی علاقہ چالوکیو علاقے ہاتھ سے کبھی نہیں نکلا۔ البتہ بیشتر جنگ وجدل چالوکیہ علاقے ہی میں ہوتی رہی اور دوران جنگ میں بہت سے بڑے بڑے شہر حملہ آوروں کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے چولوں کا مقصد دراصل چالوکیوں کو اسں وقت کی پانڈیا، کیرلا اور وینگی کی ریاستوں کی طرح طرح اطاعت گزار بنانا تھا۔ اسں کوشش میں وہ ناکام رہے۔ ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ عارضی ہی طور پر سہی لیکن سومیشور ریاست وینگی میں بھی اپنا اثر بڑھانے میں کامیاب رہا۔ اسں کے 1053ء کے ملگنڈ کے کتبے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسں کے ایک بیٹے سومیشور دیو نے جو بیل وولا ۳۰۰ اور پلی گیرے 300 پر حکومت کرتا تھا، "وینگی پور ورلیشورا" کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ نیز جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اسی راجہ کے دو سال بعد کے ایک کتبے میں اشاکا سمت 977 کا کندہ شدہ) جو دراکشارامامیں ملا ہے، ایک عطیئے کا اندراج ہے جو اسں کے ایک وزیر مسمّی نارائن بھٹ کی بیٹی نے دیا تھا۔

جنگ جاری رہی

راجا دھیراج نے چالوکیہ کے خلاف ایک اور فوجی مہم کی قیادت کی۔ اس میں اس کا چھوٹا بھائی راجندر بھی اس کے ہمراہ تھا جسے اس نے اپنے بیٹوں پر ترجیح دے کر اپنا جانشین منتخب کیا تھا اس کے بیٹے جن کے ناموں کا کہیں ذکر نہیں ملتا سلطنت کے انتظامیہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ ہمیں راجندر دوم کے کتبات سے اس مہم کی بالکل صحیح اور جیتی جاگتی تصویر مل جاتی ہے۔ اس مہم کا ذکر سب سے پہلے اس کے عہد حکومت کے دوسرے برس (1054ء) کے ایک کتبے میں آتا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات اس کے عہد کے چوتھے سال (1055ء) کے منی منگلم کے کتبے میں ملتی ہیں۔ اس کتبے میں درج ہے کہ چولا تاجدار جنگ کے لیے موقع کی تاک میں تھا۔ چنانچہ اس نے رٹا منڈلم پر حملہ کر دیا اور اس علاقے کو تاخت و تاراج کرنے لگا۔ جب عیور چالوکیوں راجہ آہو امل کو اس کی خبر ملی تو اس کی بھی آتش غضب بھڑک اٹھی اور وہ اپنی فوجوں کے ساتھ نکل پڑا اور پیش قدمی کرتا ہوا چولا راجہ سے کوپم کے میدان جنگ میں ہونے والی گھمسان کی لڑائی میں ملا۔ کوپم "دریائے عظیم" کے کنارے ایک مشہور تیرتھ استھان تھا۔

کوپم کی جنگ

فلیٹ نے کوپم کو موجودہ کھدراپور قرار دیا ہے جو دریا کے دائیں کنارے پر کولھاپور سے 30 میل جنوب مشرق کی سمت آباد ہے۔ اس شناخت کے جواز میں دو دلائل ہیں، ایک یہ کہ دریائے کرشنا ہی "افضل ترین دریائے عظیم" ہے لیکن اب ہرے ہلا (دریائے عظیم) کے کنارے مسکی کے نزدیک واقع کوپ بال نامی مقام کو اس لڑائی کی جو دونوں جانب سے طویل عرصے تک انتہائی شدت و خونریزی کے ساتھ لڑی گئی، جائے وقوع سمجھا جاتا ہے۔ اس کے صحیح واقعات معلوم کرنے کے لیے ہمیں راجندر کے عہد کے آخری کے کچھ کتبات اور مذکورہ بالا منی منگلم کے کتبے سے حاصل ہونے والی معلومات کو یکجا کرنا پڑے گا۔ جنگ کے ابتدائی مراحل میں راجا دھیراج نے خود لڑائی کی قیادت کی اور راجندر دیو نے غالباً اس لیے اس میں شرکت نہیں کی کہ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت کام آئے۔ اس مرحلے میں چالوکیہ افواج نے اپنی تمام تر

توجہ اسں ہاتھی پر مرکوز کردی جس پر چولا راجہ سوار تھا۔ اور بالآخر اسے مہلک طور پر زخمی کر دیا تھا کہ " وہ اوپر آسمان کی طرف اٹھ گیا اور اندر کے ملک میں مقیم ہو گیا جہاں آسمانی اپسراؤں نے اس کا خیر مقدم کیا۔" تب کنتلوں کی سمندر کی مانند لاتعداد فوج چولا افواج پر ٹوٹ پڑی جو اس یلغار کا مقابلہ نہ کر سکی اور منتشر ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔ اس مرحلے پر راجندر دیو اپنی پیچھے ہٹتی ہوئی فوج کو للکارتا ہوا رن میں کود پڑا کہ " ڈرو مت " اس نے اپنے ہاتھی کو کرناٹکوں کی فوج کی جانب بڑی تیزی سے آگے بڑھایا جیسے خود موت کا دیوتا پیش قدمی کر رہا ہو اس طرح اس نے اپنی فوج میں دوبارہ نظم قائم کر دیا اور لڑائی جاری رکھ کر فتح حاصل کر لی۔ ایک بار پھر دشمن نے چولا راجہ کے ہاتھی پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ اور " آہوآمل کے سیدھے مار کرنے والے تیروں کی بوچھاڑ نے اس کے ہاتھی کی پیشانی اور خود اس کی رانیں اور کندھے جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے مشابہ تھے زخمی کر دیئے "۔ اور بہت سے سپاہی جو اس کے ساتھ ہاتھی پر سوار تھے جنگ میں لڑتے ہوئے کام آئے لیکن راجندر اپنے بھائی سے زیادہ خوش نصیب نکلا۔ وہ چالوکیوں کی فوج کے بہت سے سرداروں کو موت کا نشانہ بنانے میں کامیاب ہو گیا جن میں چالوکیہ راجہ کا بھائی جے سمہا اور اس کے علاوہ ملکیشن، دشپمن، اور ننی نلمبن بھی شامل تھے۔ " آخر کار " شلکی کو اور اس کے ساتھ اس کے ہمراہی دنیا ریون کو، اور نسن کو جو ایک زبردست لشکر رکھتا تھا، نیز کنڈ اپن کو جس کی فوج موت کا وارنٹ تھی اور اس کے مددگار دوسرے راجاؤں کو بھی کو شکست ہوئی وہ لرزہ براندام، ژولیدہ مو حالت میں میدان سے پیٹھ دکھا کر فرار ہو گیا۔ کبھی وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا لیکن اس کی ٹانگیں تھک کر چور ہو چکی تھیں۔ بالآخر وہ مغربی سمندر میں چھلانگ لگا دینے پر مجبور ہو گیا "۔ لاتعداد ہاتھی، گھوڑے اور اونٹ، سوّر کے شاہی نشان والا ظفر مند پرچم اور بادشاہت کے دوسرے نشانات نیز لاثانی حسن والی شتیادتی، شانگبئی اور دوسری رانیاں اور عورتوں کا ایک ہجوم اور دوسری بہت سی چیزیں جنھیں میدان جنگ میں چھوڑ کر آہوآمل فرار ہو گیا تھا، مال غنیمت کے طور پر چولا تاجدار کے ہاتھ آئیں۔

راجندر کی تاج پوشی

اب راجندر نے ایک ایسا کام کیا جس کی پہلے کہیں مثال نہیں ملتی اس نے میدان جنگ میں اپنی تاج پوشی کی جب کہ ابھی جنگ میں کھائے ہوئے زخم اس کے جسم پر ہرے بھرے تھے۔ چند کتبات کے مطابق راجندر نے کولھاپور کی جانب پیش قدمی کی۔ جہاں اس نے اپنے دارالخلافہ گنگاپوری کو واپس آنے سے پہلے ایک "جے ستمبھ" (مینار فتح) تعمیر کیا۔ یہ ہے کوپم کے میدان کی شہرۂ آفاق لڑائی کا حال جو چولا کتبات میں بیان کیا گیا ہے۔

چالوکیہ کتبات کوپم کی جنگ کے متعلق خاموش ہیں

سومیشور کے عہد حکومت کے چالوکیہ کتبات میں کوپم کی لڑائی کا ذکر نہیں ملتا خصوصاً چولوں کے ساتھ اس کے جنگ و جدل کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔

سومیشور کے عہد میں

شاکا سمت 981 کے خاتمے پر وہ جنوبی ریاستوں کی تسخیر کے بعد اور چولوں پر فتح پاکر واپس آیا تھا۔ اور اس نے سنڈواڈی میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا جو مہا منڈلیشور جدنا چولا مہاراجا کے زیر حکومت ایک صوبہ تھا۔ شاکا سمت 987 میں وشنو وردھن و جے آدتیہ نے اڑشیا کیرے میں پڑاؤ ڈالا جب وہ مہاراجہ کے حکم کی تعمیل میں جنوب کی فتح کے لیے جارہا تھا۔ بلہن کا تذکرہ جیسا کہ اوپر بھی بتایا جا چکا ہے حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا اور محض ایک من گھڑت افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

بعد کے کتبات خاموش نہیں ہیں

سومیشور کے عہد حکومت کے خاتمے کے تھوڑے عرصے بعد کے دو کتبات ایسے ملے ہیں جن میں سے دونوں پر ہی تاریخ تحریر 1071ء کی درج ہیں۔ اور جن میں چولوں کے حملے اور راجادھیراج کی موت کا حال دیا ہوا ہے۔ اگرچہ تاریخ تحریر بعد کی ہے اور ان میں چولا راجہ کا نام بھی نہیں دیا گیا تاہم چولا کتبات سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ ان چالوکیہ کتبات میں مندرج واقعات اسی جنگ سے تعلق رکھتے ہیں جو کوپم کی لڑائی اور راجادھیراج کی موت کا باعث ہوئیں۔ ان کتبات میں

چولوں کے خلاف جو درشت زبان استعمال کی گئی ہے وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ سومیشور
کے کتبات کی اس بارے میں خاموشی کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کی زندگی ہی میں
علانیہ ان افسوسناک واقعات کو ضبطِ تحریر میں لانے میں جن کی وجہ سے ایک بدیشی
حملہ آور کے ہاتھوں اتنی مصیبت اس کے ملک پر نازل ہوئی اس نے ایک طرح
کا تامل تھا۔ چالوکیہ کتبات میں ہمیں یوں بتایا گیا ہے کہ "مہا پاتکا" (گناہ گار عظیم) تامل
نے جس کا نام پانڈیا چولا تھا، ایک مذموم راستہ (نیلے کیٹو) اختیار کیا اور اپنے خاندان
کی آبائی روایات کو ترک کر کے وہ بیلوولا کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ اس نے
کئی مندروں کو آگ لگا دی جن میں گنگا پیرو مانڈی کے تعمیر کردہ "جنالیہ" بھی شامل
تھے۔ اس کو فوری طور پر اس کے ناسد اعمال کی سزا مل گئی اور وہ جنگ میں
سومیشور اوّل کے ہاتھوں اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اس بیان میں سے ہم اس نتیجے
پر پہنچے ہیں کہ جن کی کامیابیوں کا حال جو چولوں نے بیان کیا ہے اس میں کسی قسم
کی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔

راجا دھیراج کا لقب "آنئی میرن جن"

جس طریقے سے راجا دھیراج کی موت ہوئی اس کے باعث وہ "ہاتھی کی پیٹھ پر جان دینے والا راجہ" مشہور ہو گیا اور اپنے جانشینوں کے کتبات میں اس کا ذکر اسی لقب سے کیا گیا ہے۔

ایک عظیم جنگی سورما

جب سے اسے اس کے باپ نے ولی عہد سلطنت منتخب کیا تھا اس وقت سے کوپم کے میدان کارزار میں اپنی جان گنوانے کے دن تک راجا دھیراج نے ایک جنگجو راجہ کی زندگی بسر کی اور بہت سی جنگی مہمات کی کمان ذاتی طور پر کی۔ اس کے کارنامے اس کو ایک پیدائشی جنگجو کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اس کی رزمیہ صلاحیت کو ایک وسیع سلطنت کو سالم رکھنے کی کوشش میں بروئے کار آنے کا پورا موقع ملا۔ یہ سلطنت ان قدیم حکمران خاندانوں کی تباہی پر تعمیر ہوئی تھی جو چولوں کی اطاعت کو دل سے قبول کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوئے۔ اکثر لڑائیوں کا مثلاً اس فوجی مہم کا جو کوپم کے میدان میں اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی وہ خود ذمہ دار تھا۔ وہ سب سے اوّل ایک س[illegible]ی تھا۔

اور اس کی عظیم فوجی صلاحیتوں کے باعث ہی اسے ولی عہد بنانے میں اپنے بڑے بھائی پر فوقیت دی گئی تھی۔ اپنے باپ کی زندگی ہی میں اس کا "اشوم یدھ یگیہ" رچانا بہت حد تک ہماری اس رائے کی تائید کرتا ہے۔

راجا دھیراج کی مہارانیاں

راجا دھیراج کی پرشستیاں مختصراً ہمیں بتاتی ہیں کہ اس نے اپنے چچا اور اپنے چھوٹے بھائی بڑے حقیقی بھائیوں کو نیز اپنے بیٹوں کو اہم سرکاری عہدوں پر مامور کر دیا تھا اور انہیں الگ الگ صوبوں کے لیے ماتحت حکمران بنا دیا تھا۔ راجا دھیراج کی ولادت کا طالع پوربا پھالگنی تھا۔ گنگائی کونڈا چولا پورم اس کا دارالسلطنت تھا۔ اس کے کتبات میں اس کی رانیوں کا اتنا نمایاں طور پر ذکر نہیں آیا جتنا دوسرے راجاؤں کے کتبات میں آیا ہے۔ اس کی رانیوں میں سے ایک کا نام نہیں بلکہ لقب ترلوکیئم اڈیار تھا جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد زندہ رہی تھی۔ بشرطیکہ یہ وہی خاتون ہو جس کا ذکر راجیندر دوم کے عہد کے تیسرے برس کے ایک کتبے میں تمبی راٹیار کے نام سے آیا ہے۔

القاب

"وجیہ راجیندر" کے لقب کے علاوہ جو اس نے کلیان پورم میں اختیار کیا تھا، راجا دھیراج نے اپنے کئی اور نام بھی رکھ لیے تھے مثلاً ویر راجیندر ورمن، آہوامل کا نتکا۔ اور کلیان پورن گونڈ شولا راجہ کے ایک روحانی پیشوا (گورو دلور) کا بھی ذکر آیا ہے جس کا نام " ادھیکاریکل پاراشراین واسو دیو نارائن تھا اور جو انگلند شولا برہم مارائن کے نام سے بھی موسوم تھا۔ یہ سوال اکثر اٹھتا ہے کہ کیا انگلند شولا بھی راجا دھیراج ہی کا ایک لقب تھا اور کیا اس کی ہی سلطنت کے ایک حصے کا زرعی بندوبست بھی اسی کے عہد میں کیا گیا تھا۔

ماتحت جاگیرداران

راجا دھیراج کے کتبات میں مذکور اس کے ماتحت جاگیرداروں میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:۔

دنڈ نائک شولن کمار پرانتکا مارائن عرف راجا دھیراج نیل گنگا ریئار۔ پلا نیار شولا دلبھ دیو جس کی بیوی کا نام پنچوتن مہادیو یار تھا۔ مہاراجہ داڈی ۷۰۰۰ کا ناظم

ڈنڈنا ئیک اپی میا جس کی حکومت کا صدر مقام ضلع کڈپہ کا قصبہ وادرتو تھا۔ اور جو شاید وہی شخص تھا جس کا ذکر اگلے ہی برس راج راجا برہما دھیراجہ کے نام سے اسی صوبے کے گورنر کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ پھر پلا ئیا روشنو وردھن دیو جو یقیناً ریاست وینگی کا حاکم راج راجا اوّل تھا جس کی رانی امنگا دیوی چولا تاجدار راجندر اول کی بیٹی اور راجا دھیراج کی حقیقی بہن تھی اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ریاست وینگی کے تین سو راج راجا "ماڈ" جو ریاست وینگی کا طلائی سکہ تھا ضلع تنجور میں ترو وییار و مندر کو دان دیے تھے۔ ان میں ایک سیناپتی راجندر شولا ماولی وانرائیار بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ اس افسر نے اپنا نام راجا راجندر اوّل کے نام پر رکھ لیا تھا جس کے ماتحت اس کی سرکاری زندگی کا آغاز ہوا ہوگا۔ اس افسر نے اعلیٰ تعلیم کے لیے کثیر عطیات دیے جن کا مفصل ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

راجندر دوم اب ہم راجندر دیو کے عہد حکومت کے حالات پر توجہ کریں گے جس کی حکومت خود مختار راجہ کی حیثیت سے 55-1054ء میں شروع ہوئی ہوگی۔ جو پرشستیاں اس کے کتبات میں درج ہیں وہ بھی اس کے پیش رو کے کتبات کی پرشستیوں کی طرح مختلف النوع ہیں۔

اس کی پرشستیاں ان پرشستیوں میں سب سے مختصر پرشستی وہ ہے جس میں اس کی کامیابیوں کا خلاصہ دیا گیا ہے اور اس سے "ازتا پاڈی" سے ہوتا ہے۔ یہ پرشستیاں اس کے عہد حکومت کے دوسرے سال اور اس سے بعد کے کتبات میں ملتی ہیں۔ اس سے بہت ملتی جلتی لیکن کچھ زیادہ مفصل وہ پرشستی ہے جو "ترو (منگل) مرُدیا" شروع ہوتی ہیں۔ اس نوع کی پرشستیاں بھی اس کے عہد کے دوسرے سال ہی سے ملتی شروع ہوتی ہیں لیکن اس عہد کی سب سے اہم پرشستی وہ ہے جس میں خاصے طویل تذکرے دیے گئے ہیں اور جن کی ابتدا "ترد مادو (یا۔ مادر) پوری مینم" سے ہوتی ہے۔ یہ سب سے پہلے اس راجہ کے عہد کے چوتھے برس میں نظر آتی ہیں اور اس کے نویں برس کے

قریب جب یہ دوبارہ لکھی گئی ہیں توان پر نظر ثانی کرلی گئی ہے. کوپم کی لڑائی کا حال بیان کرنے کے انداز میں جو فرق ہے اس کو ہم اس جنگ پر اپنی بحث کے دوران ظاہر کر چکے ہیں۔ ان تمہیدوں کی بعد کی صنف پہلی صنف سے جن اور باتوں میں مختلف ہے وہ یہ ہیں :۔ لنکا کی جنگ کے تمام دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر کے صرف ویرسلامیگھن کا تذکرہ کرنا۔ یہ حتمی بیان کہ راجندر نے غیر معمولی طریقے سے میدان جنگ میں اپنے راجہ بننے کا اعلان کرنے کے بعد گنگا پوری کی جانب مراجعت کی شاہی خاندان کے افراد سرکاری انتظامیہ میں جن عہدوں پر فائز تھے ان کے متعلق قدرے مختلف بیان جو کتبے کے آغاز میں نہیں دیا گیا ہے جیسا کہ پرانے کتبات میں بلکہ یہ بہت آگے چل کر، نیز چالوکیوں کے خلاف ایک تازہ جنگ کا قطعاً نیا تذکرہ۔

کوپم کے میدان میں راجندر کا کردار

کوپم کے میدان جنگ میں راجندر کے کردار کا لنگتو پرانی "اور" وکرم شولن الا" دونوں میں خاص طور سے حوالہ دیا گیا ہے. اوّل الذکر تصنیف میں یہ درج ہے کہ راجہ لڑائی میں جان توڑ کر لڑا اور اپنی کامیابی کے طفیل ہی اس نے دنیا کو بچالیا اور میدان جنگ ہی میں اپنی رسم تاج پوشی ادا کی. "الا" ایک معقول ہی مبالغے کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ اس نے صرف ایک ہاتھی کی مدد سے کوپم کے میدان میں دشمن کے ایک ہزار آدمی پکڑ لیے.

رشتہ داروں کی سرکاری عہدوں پر تعیناتی

منی منگلم کے کتبے میں جو راجندر کے عہد کے چوتھے سال میں کندہ کیا گیا تھا سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر تعینات راجہ کے اعزا و اقارب کی فہرست میں کم از کم تیرہ نام دیے گئے ہیں، ایک تو راجا کا چچا چار راجہ کے چھوٹے بھائی، چھ بیٹے اور دو پوتے. اس عہد کے بعد کے کتبات میں البتہ یہ سرفہرست کچھ مختصر ہو گئی ہے اور اس میں محض چھ افراد کے نام ہیں جن میں پہلے کے کتبے میں سے اس کا چچا، چچا کا بیٹا (جو بالکل ایک نیا شخص ہے) اور چار چھوٹے بھائیوں میں سے صرف تین اور راجہ (راجندر شولن) کا ایک بیٹا شامل تھے. باقی ناموں کو کیوں حذف کر دیا گیا، اس کی وضاحت [illegible]

نہیں۔ شاید اس وقفے میں یہ حذف شدہ افراد یا تو فوت ہو گئے تھے یا ماتحت عہدوں تک کے لیے نااہل ٹھہرائے گئے تھے۔

بعد کے سالوں میں ان کی تعداد میں کمی

اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن چند بیانات کی روشنی میں جو انتہائی کمزور شہادت کی بنا پر دئے گئے ہیں، یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ چولا تخت تک اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے کلوتنگا اوّل نے کچھ سیاسی قتل بھی کروائے۔ رشتہ داروں کی مقابلتاً مختصر فہرست کی تاریخ تحریر تقریباً 1061ء ہوتی ہے جو کلوتنگا کے تخت نشیں ہونے سے نو برس پہلے کی بات ہے۔ شاہی خاندان کے ان افراد کو عطا کیے گئے بعض خطابات مثلاً چولا پانڈین "چولا گنگن" اور "چولا کرلن" اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ چند افراد پر مخصوص صوبوں کے انتظام کی ذمہ داری عاید کی گئی تھی جب کہ چند دوسرے خطابات جو ان کے ذاتی کارناموں کا اظہار کرتے ہیں، ان کے فرائض کا پتہ نہیں دیتے۔ ایسے القاب ہیں "اروڈی شولن"۔ "کریکال شولن"۔ "اُتم شولن"۔ "دجیالین" "شولا ایودھیراجن" اور "شولا کنکیتن" صرف چولا پانڈیا نائب السلطنتوں کے متعلق ہمیں علم ہے کہ اپنے اپنے زیر انتظام صوبجات میں انہوں نے اپنے کندہ کروائے ہوئے بہت سے کتبات چھوڑے لیکن پہلے نائب السلطنت جٹا ورمن سندرم کو چھوڑ کر باقی کے کتبات سے یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ کونسا کتبہ کس کا ہے۔

راج مہندرا

راجندر کا فرزند جس کا نام مذکورہ بالا کتبات میں راجندر شولا بھی دیا گیا ہے غالباً 1059ء کے قریب ولی عہد سلطنت منتخب کر لیا گیا تھا اور اسی وقت سے اس نے راج کیسری راج مہندرا کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے تیسرے برس کے ایک کتبے میں یہ دعوے کیا گیا ہے کہ اس نے ڈکار دیں آہواملا پر فتح حاصل کی۔ اس کتبے سے چالوکیوں کے خلاف لڑی گئی ایک اور جنگ کے واقعات کی قابل قدر تصدیق ہوتی ہے جو اس کے والد کے نویں سال کے کتبات میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ موخرالذکر کتبات

سے پتہ چلتا ہے کہ چالوکیہ نے کوپم کے میدان جنگ میں جو ذلت اٹھائی تھی اس کے داغ دھونے کے لیے کثیر فوج کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اس فوج کی کمان ڈنڈ نائیک دالا آدیو اور کچھ دیگر فوجی سرداروں کے ہاتھ میں تھی۔

مڈکارو کی لڑائی

چنانچہ مڈکارو (بل کھاتے ہوئے دریا) کے کنارے لڑائی ہوئی جس میں ڈنڈ نائیک اور اس کے ساتھی کام آئے چولا افواج کے شدید حملے کی تاب نہ لاکر اروگیان اور دوسرے سرداروں کو مجبور ہو کر اپنے راجہ اور مغرور دکلن کے ہمراہ پیچھے ہٹنا پڑا۔ راج مہندرا کے کتبے میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ ایک جنگی ہاتھی کے ذریعے اس نے آہو آمل کو مڈکارو کے میدان سے پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا۔

کیا یہی لڑائی کوڈل شنگم کی لڑائی تھی۔؟

جیسا اکثر ہوتا تھا کہ چالوکیوں کے خلاف جنگوں میں متعدد چولا شہزادے ایک ہی میدان جنگ میں شانہ بہ شانہ لڑتے تھے۔ بعد میں تخت نشین ہونے والے راجاؤں کے کتبے بھی ایک دوسرے کے اندراجات کی تکمیل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ مستقبل میں ویرراجندر بننے والا شہزادہ بھی اس میدان جنگ میں موجود تھا۔ اور اگر یہ بات درست ہے تو اس لڑائی کو ڈل شنگم کی جنگ تصور کرنا چاہیئے جس کا ذکر ویراجندر کے کتبات میں آیا ہے۔ کوڈل شنگم کی اس جنگ کا ایک طویل تذکرہ جس کی مکمل تفصیل راجندر کے کتبات میں نہیں ملتی، ویرراجندر کے دوسرے سال (1063-64ء) کے کتبوں میں دبا ہوا ہے۔ یہ بات غیر ممکن سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی مقام پر تین چار برسوں کے اندر ہی دو عظیم لڑائیاں لڑی گئی ہوں ویرراجندر کے بعد کے کتبات میں اکثر ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ بننے سے پہلے ویرراجندر نے مڈکارو کی جنگ میں حصہ لیا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ اڑتا راجہ کل کالن کہلانے لگا تھا۔ اگرچہ یہ رائے صحیح ہے تو کم از کم تین چولا شہزادے کوڈل شنگم کے میدان کارزار میں موجود تھے اور انھوں نے لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ یہ تھے تاجدار وقت راجندر دیو، ولی عہد سلطنت راج مہندرا، اور راجہ کا بھائی ویر چولا کریکال (یعنی ویرراجندر) جس کے کارنامے اس کے کتبوں میں اس وقت

مفصل طور پر درج کیے گئے جب راج مہندرا کی وفات کے بعد وہ منتخب ولی عہد اور پھر تاجدار بنا۔

ویرراجندر کے کتبات میں درج کوڈل شنگم کی جنگ کا بیان

ویرراجندر کے عہد کے ابتدائی کتبات میں کوڈل شنگم کی جنگ اور اس کے پس منظر کا حال اس طرح درج ہے: "اس نے گنگا پاڑی کے میدان سے بھگا کر مہا سامنتوں کو دریائے تنگ بھدرا تک پہنچا دیا جن کے قوی ہاتھوں میں خونریز کمانیں تھیں اور ان کے ہمراہ وکلن کو بھی جس نے اپنے پرچم کے تلے جنگ کی قیادت کی تھی اس نے ناقابل مدافعت عظیم اور طاقت ور فوج پر حملہ کر کے اس کو تباہ کر دیا جو وکلن نے وینگی ناڈو میں دوبارہ بھیجی تھی۔ اس نے ماد نڈنائیکم چامنڈا راجن کا مقابلہ کیا اور اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی اکیلی لڑکی جس کا نام ناگ لئی تھا۔ اور جو ارُوگییان کی مہارانی تھی اور مور کی طرح حسین تھی، ناک کاٹ لی۔"

"دشمن جو نفرت سے پر تھا، تیسری مرتبہ بھی یہ امید لے کر اس سے مقابل ہوا کہ اپنی سابقہ شکستوں کا انتقام لے گا۔ راجہ نے بے شمار سامنتوں کو آہو امل کے ان دونوں بیٹوں سمیت جو وکلن اور شنگنن کہلاتے تھے، مٹیا لے دریا کے کنارے کوڈل شنگم کے مقام پر شکست دی۔ بہادر ہراول دستے کو آگے بھیج کر اور خود اپنے اتحادی راجاؤں کے ہمراہ اس کے عقب میں رہ کر اس نے اپنے صرف ایک مست ہاتھی کے ذریعے دشمن کی اس سپاہ میں جو لڑائی کے لیے صف آرا تھی اور جو بحر شمالی کی مانند بے پایاں تھی، کھلبلی ڈال دی۔ پرچم بردار فوجی دستے کے عین سامنے اس نے جنگجو کوشلئی کے راجہ شنگنن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ساتھ ہی اس کے ہراول کے دستے کے غضبناک ہاتھیوں کے بھی پرخچے اڑا دیئے۔ اس وقت جب کیشو دنڈنائک کیترا شن، قوی مارئین، طاقتور پوترائن اور راریچائن برسر پیکار تھے، اس نے پکار کر کہا، "مووینڈی (اکا پیچھا کرو) جس نے طلائی گجرا پہن رکھا ہے۔" اور اس نے بہت سے سامنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، جو اپنے ہتھیاروں سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ تب مدووَنن جس نے کمان سنبھال رکھی تھی، بھاگ نکلا

وکلن اپنے منتشر بالوں کے ساتھ فرار ہوگیا۔ شنگنن کے غرور اور ہمت نے اس سے منہ موڑ لیا اور وہ فرار ہوگیا۔ انلن اور دوسرے لوگ اپنے اپنے نر ہاتھی سے اتر گئے جس پر سوار ہو کر وہ جنگ میں لڑ رہے تھے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور آہوائل بھی جس سے ان کا اتحاد تھا، ان سے پہلے فرار ہوگیا۔ راجہ نے اپنے تیز گام اور غضب ناک ہاتھی کو روکا اور فتح کا سہرا پہن لیا۔ اس نے آہوائل کی بیویوں، اس کے خاندانی خزانوں سنکھوں، چھتریوں، ترہیوں، نقاروں، شاچھتروں، سفید چنوروں، سوّر کے نشان والے جھنڈے، آرائشی محراب (مکرون)، پُشپکا نام کی ہتھنی جنگی ہاتھیوں کے ایک پورے جھنڈ اور کلیلیں کرنے والے گھوڑوں کے ایک دستے پر قبضہ کرلیا اور عوامی تحسین و آفرین کے درمیان سرخ پُرشوکت تاج اپنے سر پہ رکھا۔

راجندر کے کتبات کے بیان سے موازنہ

راجندر کے کتبات میں بیان کیا گیا ہے کہ ارُوگییان، چالوکیہ تاجدار آہوائل، وکرمادتیہ اور دوسرے سرداروں کے ہمراہ ڈکارو کی لڑائی میں بھاگ نکلا اور کوڈل شنگم کی جنگ سے ذرا پہلے وینگی میں ویر راجندر اور چامنڈارایا کی لڑائی میں اس (ارُوگییان) کی بیوی کے عضو کاٹ ڈالے گئے۔ ویر راجندر نے "خود راجہ بننے سے پیشتر ڈکارو کے میدان میں اپنے مخالف شلکی کی پیٹھ دیکھ لی تھی۔" ویر راجندر کے کتبات میں کسی دوسری ایسی مہم کا تذکرہ نہیں ہے جس سے اس آخری بیان کی وضاحت کی جا سکے۔ جب تک یہ نہ مان لیا جائے کہ یہ کوڈل شنگم ہی کی لڑائی تھی جو اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور جو اس کے دوسرے سنہ جلوس سے قبل ہی وقوع پذیر ہوچکی تھی۔ جیسا ہم پہلے بھی اظہار رائے کر چکے ہیں ہم اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ راجندر دیو اور راج مہندرا کے کتبات میں جس ڈکارو کا ذکر آیا ہے اور ویر راجندر کے ابتدائی کتبات میں مذکور کوڈل شنگم دونوں ایک ہی معرکے کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ بالکل یہی واقعہ خود ویر راجندر کے کتبات میں ڈکارو کے معرکے کے نام سے درج ہے۔

جہاں راجندر کتبات سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آہوائل اپنی کوہم کی شکست کا انتقام لینا چاہتا تھا اور اس نے بہت بڑی فوج کے ساتھ پیش قدمی کی، وہاں ویر

راجندر کے کتبات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ چالوکیہ اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ گنگا پاڈی سے گزر کر دریائے تنگ بھدرا کے کنارے تک ان کا تعاقب کرنا پڑا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوپم کی شکست کے بعد بھی چالوکیوں کی سلطنت کی حدود میں بہت معمولی کمی ہوئی تھی۔ وینگی کے خلاف چامنڈا رائے نے جو پیش قدمی کی اس کا یہ بھی مطلب لیا گیا ہے کہ یہ دراصل دو محاذوں پر چولوں کی توجہ تقسیم کر دینے کی ایک اہم لیکن ناکام کوشش تھی۔

وینگی کا مقام

راج راجا نریندر کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کے متعلق جو پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں' ان کے باوجود یہ کوشش وینگی کے معاملات میں مغربی چالوکیوں کی دلچسپی کا ایک واضح ثبوت ہے۔ ہمیں اس سے پیشتر بھی کچھ ایسی شہادتیں خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہوں دستیاب ہو چکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مغربی چالوکیہ اپنے مشرقی چچیرے بھائیوں سے دوستی بڑھانے کے لیے بے حد خواہشمند تھے۔ دراصل وینگی پر چولوں کا قبضہ ہونے کے باعث وہ مغربی چالوکیوں کے لیے خطرہ بن گئے تھے۔ چولا اپنے لیے وینگی کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے اس لیے پشتوں تک وہ اپنی شہزادیوں کی شادیاں وینگی کے حکمرانوں کے ساتھ کرتے رہے اور ویسے بھی ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات برقرار رکھے۔ اسی وجہ سے مغربی چالوکیہ حکمران جو وینگی کو اپنی سلطنت کا ایک کھویا ہوا حصہ تصور کرتے تھے۔ اپنی طاقت وہاں مستحکم کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

کوڈل شنگم

کوڈل شنگم یقیناً دریائے تنگ بھدرا اور دریائے کرشنا کے مقام اتصال پر واقع ہوگا۔ اس مقام پر پہلی لڑائی جو اس وقت زیر بحث ہے' اس وقت ہوئی جب چالوکیوں کو گنگا پاڈی سے پرے دریائے تنگ بھدرا کے کناروں تک دھکیل دیا گیا تھا اور وینگی کی جانب بھیجی گئی چالوکیوں کی فوجی مہم ناکام ہو چکی تھی۔ بعد کے ایک موقع پر جب چالوکیہ حکمران ایک طے شدہ مقام پر ویر راجندر سے نہ مل سکا تو چولا تاجدار نے مراجعت سے پہلے وہاں دریائے تنگ بھدرا کے کنارے ایک فتح کا ستون نصب کر دیا۔ کتبات میں جس شنگم کا ذکر کیا گیا ہے وہ دریائے تنگ بھدرا کی گزرگاہ میں دریاؤں کا کوئی دوسرا مقام اتصال ہوگا۔ اب

دونوں باتوں میں سے ایک ہو سکتی ہے کہ یا تو یہ مقام میسور میں واقع کوڈلی ہو سکتا ہے۔
جو دریائے تنگ بھدرا اور دریائے بھدرا کے مقام اتصال پر واقع ہے یا یہ دریائے تنگ
بھدرا اور کرشنا کے اتصال کی جگہ پر واقع ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کوڈلی نام سے یہی زیادہ صحیح
اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ کوڈلی شنگم اسی مقام پر واقع تھا۔ لیکن بیچ میں جو ویشگی کا
واقعہ آگیا ہے اس سے دوسری صورت زیادہ قرین قیاس ہو جاتی ہے۔ کندئی یا
کرن دئی کی اطمینان بخش شناخت کی بنا پر جہاں چولا تاجدار نے ملاقات کے لیے
دوسری مرتبہ ایک ماہ تک چالوکیہ کا انتظار کیا تھا، ان دونوں صورتوں میں سے
ایک صحیح انتخاب ممکن ہو سکے گا۔

راجندر کے عہد حکومت کا اختتام

راجندر کے کتبات کا سب سے آخری سن تحریر

اس کے عہد حکومت کا بارہواں سال ہے جو سنہ 1063ء عیسوی میں پڑتا ہے۔ اس
کے بعد ویر راجندر تخت پر بیٹھا جو راج مہندرا کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک
منتخب ولی عہد سلطنت رہ چکا تھا۔ راجندر دوم کے عہد حکومت میں بھی گنگا پوری
بدستور چولا سلطنت کی راجدھانی تھی اور کنیا کماری سے دستیاب شدہ کتبے میں
راجدھانی کی حیثیت سے ہی اس کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ کُتا لم کے ایک اور کتبے میں
دارالخلافے کے اس شہر کے قلعے کے اندر کے ایک بڑے بازار کا بھی ذکر موجود
ہے۔ راجندر کی رانیوں میں سے صرف ایک رانی کلان اڈیگل ہی کا ذکر اس کے
کتبات میں نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس کی بیٹی مدھورانت کی مشرقی چالوکیہ راجہ راجندر
دوم کی بیوی تھی جو بعد میں کلوتنگا اوّل کے نام سے موسوم ہوا۔ راجندر دیوم کے
اطاعت گزاری راجاؤں میں سے ملاڈ راجہ نرسمہا ورمن کا نام کتبات میں زیادہ
نمایاں طور پر آیا ہے جس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ یہ لقب اختیار کر کے اپنی
تاج پوشی کے بعد ملاڈو 2000 پر حکمرانی کرتا رہا۔ دوسرے اطاعت گزار سینا پتی
ارئین کڈکن گونڈ شولن اور سیناپتی جیہ مری ناڈالوان تھے۔ موخر الذکر کا ذکر لنکا
کے ایک کتبے میں ملتا ہے ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو جس کا ذکر ——— کروُ دور کے
ایک دوسرے کتبے میں ارئین راج راجن المعروف ویر راجندر جیہ مری ناڈالوان

کے نام سے ہے۔

"وکرم شولن اُلا" نامی تصنیف میں درج ہے کہ راج مہندرا نے شری رنگم مندر کے دیوتا رنگ ناتھ کے لیے سانپ کی شکل کا ایک صوفہ بنوایا تھا جس میں بہت سے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ کوئیلو لگو میں جو شری رنگم مندر کے عجائبات اور روایات پر بعد کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے، سانپ نما صوفے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر اس میں مندر کی ساخت اور تعمیر میں بعض تبدیلیوں کا ذکر ملتا ہے جو راج مہندرا نے کروائی تھیں جس کا لقب راج مہندرا تر وویدی تھا۔ ضلع سلیم سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں جو راجا کو کلوتنگا اوّل کے عہد کے بارہویں سال کا ہے، کولی ملئی ناڈ میں اراضی پر تشخیص لگان کا ذکر ہے۔ راج مہندرا کی مہارانی لوک مہا دیوی کا نام حدا مبرم کے ایک شکستہ کتبے میں درج ہے۔

ویر راجندر

راج کیسری ویر راجندر اوّل کے عہد کے مطالعہ کے لیے جو 1062-63ء میں تخت نشین ہوا تھا، ہمارے پاس کافی تعداد میں کتبات موجود ہیں۔ ان کتبات کی پرشستیاں دو سرکردہ اصناف میں ہیں جن کی مختلف طریقوں سے تدوین ہوئی ہے اور جو کمال صحت و صفائی کے ساتھ ایک دوسرے میں ڈھل جاتی ہیں۔ طویل پرشستی کے بعد "ترل پیتو" سے شروع ہوتی ہے۔ اور اپنی ابتدائی شکل میں راجہ کے ان رشتے داروں کی فہرست دیتی ہے جنھیں راجہ نے مختلف عہدے عطا کیے تھے۔ لیکن اس پرشستی کے بعد کے ایڈیشنوں میں اس فہرست کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جوں جوں یہ عہدِ حکومت آگے بڑھتا ہے۔ پرشستی کا طول بھی بڑھتا جاتا ہے اور اس میں نئے نئے واقعات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ چھوٹی تمہید "وِ رمے تنیا گوم" مختلف تبدیلیوں سے گزرتی ہے اور اس عہد کے ساتویں برس میں اس کا پیکر بالکل بدل جاتا ہے۔ نیز اس میں ایسے واقعات کا اندراج ملتا ہے جن کا دوسرے ذرائع سے علم نہیں ہوتا۔ ہم ان تبدیلیوں پر آگے چل کر جہاں ان کی کچھ تاریخی اہمیت نظر آئے گی، غور کریں گے۔ "کالنگتو پرانی" اور "وکرم شولن الا" دونوں تصانیف میں "گوڈل شنگم" کی لڑائی کے علاوہ ویر راجندر کے عہد کے کسی اور واقعے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کے برعکس "تکیاگ پرانی"۔

میں وکرمادتیہ ششم کے ساتھ اس کی دوستی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اپنے عہد حکومت کے اوائل ہی میں اس نے مدھو رانتکا کو جو اس کا بیٹا تن ترپ پُدلون بنایا جاتا ہے حکمران بنا دیا تھا اور اسے "چولیندر" کا لقب دیا گیا۔ اس نے ایک اور شخص گنگائی کونڈاشولا کو ریاست پانڈیا کا چولا پانڈیا وائسرائے مقرر کیا تھا۔ یہ بھی اس کا بیٹا تندرل مائدن بتایا جاتا ہے۔ بعد کے واقعات کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ "پُدلون" اور "مائندن" جیسے جملوں کے لفظی معنی لیے جائیں یا انہیں اپنے ماتحت راجاؤں کو محض محبت سے پکارنے کے لیے مستعمل الفاظ سمجھا جائے۔ اوّل الذکر قیاس کی بنا پر یہ فیصلہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آیا ان دونوں میں سے ایک بیٹا چالوکیہ وکرمادتیہ ششم کا بہنوئی تھا جس نے ویر راجندر کی وفات کے بعد تھوڑے عرصے تک پراکیسری ادھیر راجندر کے لقب کے ساتھ حکومت کی تھی۔ مہاراجہ کے بڑے بھائی آلوندان اور مڈی کونڈا شولن نامی ایک اور شخص نے بھی خطابات اور اعزاز حاصل کیے۔ لیکن اس کے باوجود کہ انہیں سلطنت کے بعض علاقوں کا حاکم مقرر کر دیا گیا تھا کتبات سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ علاقے کون سے تھے۔

ابتدائی جنگیں مغربی چالوکیوں کے خلاف ویر راجندر کی ابتدائی جنگوں کا نتیجہ کوڈل شنگم کی لڑائی کی شکل میں سامنے آیا جس کی ہو بہو منظر کشی اس کے عہد کے دوسرے برس کے ترو وینکاڈو کے کتبے میں کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ یہ لڑائیاں اس کے تخت نشیں ہونے سے پہلے بلکہ اپنے بھائی راجندر دیو کا جانشین تسلیم کیے جانے سے بھی پہلے لڑی جا چکی تھیں۔ اس تلخی کا جو اس عہد کی چالوکیہ جنگوں کا نمایاں پہلو تھی، اظہار ویر راجندر کی بے قراری سے ہو جاتا ہے جس کے ساتھ اس نے اپنی یا اپنے نائبوں کی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی کو سومیشور اوّل آہوامل کی ذاتی توہین شمار کرنے کی کوشش کی۔ تمہید کی طویل تدوین کے مطابق جس میں کوڈل شنگم کی جنگ کو چالوکیوں کے خلاف تیسرا معرکہ اس نے ہے۔ ویر راجندر کے چوتھے برس کے ترونامنلور کے کتبے میں کہا گیا ہے۔ کہ اس نے "میدان جنگ میں تین مرتبہ آہوامل کی پیٹھ دیکھی" کنیاکماری

کے کتبہ میں بھی کوڈل شنگم کے معرکے کا جو بیان ہے وہ اپنی نوعیت میں کچھ اس سے زیادہ مختلف نہیں رہے۔ کرو ور کے کتبے میں جو ویر راجندر کے عہد کے چوتھے برس کا ہے پہلی بار یہ بات ہمارے علم میں آتی ہے کہ ویر راجندر نے پوتی کے حکمران کو، کیرلا راجہ کو، دھارا کے حکمران جن ناتھ کے چھوٹے بھائی کو اور پانڈیا شری ولبھ کے بیٹے ویرکیسری کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اگلے سال کا منی منگلم کا کتبہ ان فتوحات کی فہرست میں اُدگئی اور کیرلا ریاست کے خلاف بھیجی گئی فوجی مہم کا اضافہ کر دیتا ہے، جہاں سے ویر راجندر ہاتھیوں کی شکل میں بھاری خراج وصول کر کے لوٹا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ کامیابیاں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل غیر واضح ہیں، چالوکیوں کے خلاف لڑی گئی اس مسلسل جنگ کا حصہ تھیں جو کہ اس عہد کی مرکزی خصوصیت تھی یا ان کی حیثیت محض معمولی جھڑپوں کی تھی جن کی غرض بعض باغیوں کو سرزنش کرنا تھی اور طویل جنگ سے ان کا قطعاً کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آگے چل کر جس گھمسان کی جنگ کا ذکر آتا ہے اور جو پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک غیر معروف دریا کے کناروں پر لڑی گئی تھی، وہ یقیناً چولوں اور چالوکیوں کی مسلسل جنگ ہی کا جزو تھی کیونکہ اس معرکے میں کہا جاتا ہے کہ سات چالوکیہ جرنیل جن کے نام بھی گنوائے گئے ہیں، نیز گنگا، نلمبا، کاڈوا اور ویدمبا خاندانوں کے حکمران اپنی جانیں کھو بیٹھے تھے، لیکن اس سے پیشتر کہ چولا تاجدار ان لوگوں کے سروں کو اپنے دارالخلافہ گنگائی کونڈا چولا پورم کے پھاٹکوں پر آویزاں کرواتا، چالوکیہ راجہ میدان جنگ میں اپنی افواج کی ذلت آمیز شکست کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے اپنے چولا حریف کے خلاف اپنی کوششیں اور تیز کر دیں۔

کوڈل شنگم میں دوبارہ جنگ

کہا جاتا ہے کہ سومیشور نے خود کو ان الفاظ میں ملامت کی "بے عزتی سے زندہ رہنے کی نسبت مر جانا بہتر ہے۔" اس نے ایک خط چولا تاجدار کو بھیجا جس میں اس نے اگلی لڑائی کے لیے کوڈل کا وہی مقام مقرر کیا

جہاں سے وہ اور اس کے بیٹے شکست فاش کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ جو فریق خوف کے مارے طے شدہ میدان جنگ میں نہیں آئے گا، آیندہ کے لیے راجہ نہیں کہلائے گا بلکہ جنگ میں ذلت اٹھایا ہوا ہیچ ذات کا فرد تصور کیا جائے گا۔ جب ویر راجندر کے پاس چالوکیہ حکمران کا پیغام پہنچا تو وہ بہت خوش ہوا۔ چنانچہ وہ آمادۂ پیکار ہو کر نکل پڑا اور کاندئی کے مقام پر اس نے اپنے حریف کی مقرر کردہ تاریخ سے پورے ایک ماہ بعد تک انتظار کیا۔ چالوکیہ راجہ فرار ہو کر مغربی سمندر میں جا چھپا اور چولا تاجدار نے ارنا پاڈی میں اپنے مدمقابل حریف دیو ناتھ، سِتّی اور کیشی کو الگ الگ سمتوں میں بھگا کر اور کئی شہروں کو آگ لگا کر مخالفت کا خاتمہ کر دیا اور تنگ بھدرا ندی کے کنارے ایک فتح کا ستون نصب کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد چولا تاجدار نے سومیشور کا ایک مجسمہ بنایا اور وینگی کی جانب اپنی توجہ مبذول کرنے سے اس مجسمے کی طرح طرح سے تحقیر کی۔

سومیشور کی عدم موجودگی

اس سوال کا جواب قطعیت کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا کہ سومیشور اوّل خود اپنی جانب سے طے کردہ لڑائی میں کیوں نہ پہنچ سکا اور کیوں اس طرح ایک مرتبہ پھر اس کے سر چولا حریف کے آگے بزدلی دکھانے کا الزام لگا۔ یہ واقعہ ویر راجندر کے عہد کے پانچویں برس میں کسی تاریخ کا ہے۔ اور منی منگلم کے کتبے میں جو تفصیل دی ہوئی ہے اس کے مطابق یہ تاریخ دوشنبہ ۱۰ دسمبر 1067ء ہوتی ہے سومیشور نے دریائے تنگ بھدرا میں ایک مذہبی رواج کے مطابق ڈوب کر اپنے ایک ناقابلِ علاج سے نجات پائی اور اس واقعہ کی تاریخ 29 مارچ 1068ء تھی۔ بالعموم یہی قیاس کیا جاتا ہے کہ کوڈل سنگم میں سومیشور کے نہ پہنچ سکنے کی وجہ اس کی بیماری اور موت تھی۔ لیکن اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمیں کتبات میں بہت پہلے یعنی ۱۰ ستمبر 1067ء ہی کو نہ صرف کوڈل سنگم سے سومیشور کی غیر حاضری کے واقعہ کا اندراج مل جاتا ہے بلکہ اس کے بعد ویر راجندر کی ریاست وینگی اور چکر کوٹ پر فوج کشی کا حال بھی معلوم

ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وینگی ریاست وجیہ آدتیہ ہفتم کو واپس مل گئی تھی۔
اس کے برعکس بلہن نے واضح طور پر یہ بیان کیا ہے کہ جب وکرما دتیہ ششم کو اپنے والد کی موت کی خبر ملی تو وہ فتوحات کے بعد گھر واپس آتے ہوئے راستے میں دریائے کرشنا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے بلہن کی عبارت سے ہر چند کہ کوئی قطعی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا لیکن اس سے سومیشور اوّل کی طویل علالت خارج از امکان معلوم ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ "دگ وجے" میں اپنے بیٹے کی کامیابی کا جشن منانے کے دوران ہی اچانک بیمار پڑ گیا تھا۔ اگرچہ یہ قیاس اطمینان بخش نہیں ہے لیکن سر دست ہم یہی فرض کر سکتے ہیں کہ اگر سومیشور کی میدان جنگ سے غیر حاضری اس کی علالت کے باعث تھی تو یہ علالت بلہن کی بیان کردہ مدت سے زیادہ طویل تھی۔

وینگی کے معاملات

ہمارے ماخذ کی متضاد نوعیت اور جدید تحقیق کی فراوانی جو اکثر آندھرا پردیش کے علاقائی جذبات سے متاثر ہوتی ہے، ان دونوں نے اس زمانے کی وینگی سلطنت کے واقعات پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اس لیے موضوع کے اس پہلو پر بحث کرنے میں ہم کو بے حد محتاط ہونا پڑے گا۔ جب ہم کلوتنگا اوّل کے چولا تخت کی وراثت کے قضیے تک پہنچیں گے تو ہمارے لیے وینگی کے واقعات کا جائزہ لینا ضروری ہو جائے گا خواہ یہ جائزہ کتنا ہی وقتی کیوں نہ ہو۔ یہاں ہم صرف ان واقعات کو بیان کریں گے جو کتبات سے اور "وکرمانک دیو چریتا" سے اخذ کیے گئے ہیں اور جو اپنی وضاحت خود کرتے ہیں۔ منی منگلم کے کتبے میں درج ہے کہ ڈیر راجند چالوکیہ حکم ان کو یہ انتباہ دے کر کوڈل سنگلم سے وینگی کی طرف بڑھا کہ "ہم اس وقت تک گھر واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتے جب تک وینگی کی ریاست کو از سر نو فتح نہ کر لیں جو کبھی ہماری تھی۔ اگر تم واقعی دلیر ہو تو آؤ اور اس کی حفاظت کرو۔"
چالوکیہ کے اس طرح مبارز طلبی اس بات کی واضح علامت ہے کہ وینگی کی ریاست مغربی چالوکیوں کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔ اپنے باپ کی زندگی میں وکرما دیتہ کی "دگ وجے" پر بلہن کی رزمیہ نظم سے اصل صورت حال کا کچھ سراغ ملتا

ہے کیونکہ اس نے وکرمادتیہ سے وابستہ فتوحات کی فہرست میں وینگی اور چکرکوٹ کو بھی شامل کیا ہے جو بصورت دیگر ایک ناممکن بات تھی۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وکرمادتیہ وینگی اور چکرکوٹ کو ان کے اصل حکمرانوں کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں میں منتقل کرنے اور ان سے اپنے باپ کی سلطنت میں اضافہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ پہلے بھی اس زمانے کے بعض مغربی چالوکیہ سے اخذ کی ہوئی ایسی شہادتوں کی طرف توجہ دلائی جاچکی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی چالوکیہ حکمران وینگی پر قبضہ کرنے کے لیے بے حد خواہش مند تھے۔

بیزواداکی لڑائی

اگر منی منگلم کے کتبے کے اندراجات صحیح ہیں تو مشرق میں وکرمادتیہ کی کامیابی بالکل عارضی ثابت ہوئی کیونکہ اس کتبے میں درج ہے کہ دریائے کرشنا کے کنارے بیزواداکے نواح میں جو فیصلہ کن جنگ ہوئی اس میں ویرراجندر نے چالوکیہ افواج کو جو جن ناتھ راجا مائن اور دوسرے سورماؤں کے زیر کمان لڑرہی تھیں، شکست فاش دی۔ اور انہیں بھاگ کر جنگل میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد چولا تاجدار نے دریائے گوداوری کو عبور کر کے کالنگم میں مہندرا کی پہاڑیوں تک اور چکرکوٹ سے آگے تک پیش قدمی کی۔ وینگی کو اس طرح واپس لینے کے بعد اس نے یہ ریاست وجیہ آدتیہ کے حوالے کر دی جس نے اس کی پناہ میں آنے کی درخواست کی تھی۔ اس کے بعد وہ متعدد جنگوں میں اپنی فتح کا ڈنکا بجاتا ہوا اپنے دارالسلطنت گنگا پوری کو لوٹ آیا۔

ویرراجندر اول کے عہد کے پانچویں برس کی مختصر پرشستیوں میں کوڈل سنگم کے دوسرے معرکے کی جانب کچھ اشارہ کیا گیا ہے جس میں آہوامل وعدے کے مطابق نہیں پہنچ سکا تھا اور اس کے بعد وینگی کی ریاست پھر چولوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ ان پرشستیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وینگی کو تسخیر کر کے ویرراجندر نے اپنے بڑے بھائی کی ایک قسم پوری کر دکھائی۔ اگرچہ ہم پورے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اس کا مطلب غالباً یہی ہے کہ راجندر دیو دوم کے عہد میں کچھ عرصے کے لیے وینگی پر چولوں کا تسلط ختم ہوگیا تھا اور راجندر دیو اسے دوبارہ

اپنے قبضے میں لائے بغیر ہی مر گیا تھا۔ اگرچہ رائے صحیح ہے تو وینگی پر مغربی چالوکیوں کا تسلط زیادہ مکمل ہوگا اور اس مدت سے زیادہ رہا ہوگا جتنا کہ ہم اب تک سمجھتے رہے ہیں اور سومیشور اول نے ایک دوسری سمت میں گرانقدر کامیابی حاصل کر کے اپنی کوپم کی شکست کی تلافی کر لی ہوگی۔ کنیا کماری کے کتبے میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ وینگی اور کالنگا چولوں کی موروثی سلطنت کے حصے تھے لیکن ویر راجندر کے بھائی نے ان کی طرف سے لاپرواہی برت کر انہیں اپنے حریفوں کے ہاتھوں میں جانے دیا تھا۔ ویر راجندر نے ان کو دوبارہ حاصل کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

لنکا کی جنگ

جب وجے باہو نے روہنا کی سرحدوں سے باہر اپنی سلطنت کی توسیع اور چولوں کو جزیرۂ لنکا سے نکال باہر کرنے کی مساعی شروع کیں تو ویر راجندر کو لنکا کی جانب اپنی توجہ مبذول کرنی پڑی۔ "مہا وامسا" اور ویر راجندر کا واحد کتبہ جس میں اس جنگ کا حال درج ہے۔ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وجے باہو اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے تفصیلات کے اعتبار سے دونوں تذکرے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ "مہا وامسا" کے مطابق جب چولا راجہ کو وجے باہو کے منصوبوں کا پتہ چلا تو اس نے اپنے سپہ سالار کو جو اس وقت پلیتھی نگر میں تھا، سنہالی حکمرانوں پر فوج کشی کے لیے بھیجا۔ چولا جرنیل روہنا میں داخل ہو گیا۔ اس نے کجر گام کو لوٹا اور اپنے صوبے کو واپس آگیا۔ وجے باہو نے "بہت سے آدمی اور بیش بہا خزانے" رامنا (برما) کے تاجدار کو بھیجے جس نے اس کے عوض مختلف اجناس، کافور صندل کی لکڑی اور دیگر کئی اشیاء سے لدے ہوئے جہاز وجے باہو کو ارسال کیے۔ یہ سب مال اس نے اپنے سپاہیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان میں تقسیم کر دیا۔ تب اس نے راج رتھ (شمالی لنکا) میں چولوں کی مخالفت کو شہ دی چولا شہنشاہ نے وہاں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ایک بھاری فوج بھیجی۔ یہ فوج مہا تیتھ میں آکر اتری اور وہاں کثیر تعداد میں لوگوں کو قتل کر کے راج رتھ کے باشندوں کو مطیع کیا۔" اس کے بعد چولوں کا سپہ سالار روہنا میں داخل ہو گیا یہاں وجے

باہو سے غداری کرنے والے افراد بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب چولا جرنیل نے ان غداروں کے ساتھ ان کے حمایتیوں کی خاصی بڑی فوج دیکھی تو اسے یقین ہو گیا کہ روہنا جلد ہی اس کے قبضے میں آ جائے گا۔" وجے باہو چولا افواج کی کثیر تعداد اور خود اپنے گھر میں غداری اور دغا بازی کو دیکھ کر دل شکستہ ہو گیا۔ اس طرح اس کی تمام کوششیں خاک میں مل گئیں۔ ویر راجیندر کے عہد کے پانچویں برس یعنی سنہ 1067ء کے کتبے میں درج ہے کہ شہنشاہ نے ایک کثیر فوج بھیجی جس نے بہت سے جہازوں میں، بغیر کوئی سنگ بستہ سڑک تعمیر کیے ہوئے سمندر کو عبور کر لیا اور سنہالی افواج کو شکست دے کر وجے باہو کو فرار ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ چولا افواج نے وجے باہو کی مہارانی کو گرفتار کر لیا اور پورے جزیرہ لنکا کو دوبارہ ویر راجیندر کے زیر نگیں کر دیا۔ ہم اس آخری بیان کو حرف بحرف تسلیم نہیں کر سکتے۔ تین چار سال بعد وجے باہو نے اپنی جد و جہد از سر نو شروع کر دی اور اس کے نتائج بھی اس کے حق میں بہتر رہے۔ اگر وہ روہنا میں اپنا اثر کھو چکا ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کر سکتا۔

کڈارم ویر راجندر کے باقی ماندہ عہد حکومت کی سرگرمیوں کے لیے ہمیں اس کے کتبات کی مختصر "پرشستیوں" کی بعد کی تالیفوں ہی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ویر راجندر کے ساتویں سال کے کتبات میں مذکور ہے کہ اس نے کڈارم کو کسی اور راجہ کی خاطر فتح کیا جو اس کی پناہ میں آ گیا تھا اور جس نے اس سے مدد کے لیے درخواست کی تھی۔ "کڈارم" کو فتح کر کے اس نے اسی راجہ کے حوالے کر دیا۔ اگر کتبات میں اس واقعات کا جو مقام وقوع کیا گیا ہے وہ اس کے سن وقوع کی بھی نشان دہی کرتا ہے تو یہ ویر راجندر کے عہد کے چھٹے سال یعنی سنہ 1068ء سے قبل کا واقعہ ہو گا۔ سنگرام وجیو تنگا ورمن پر راجندر کی فوج کشی سے لے کر ویر راجندر کے عہد حکومت تک کے درمیانی وقفے میں چولوں اور سلطنت مشری وجیا کے باہمی تعلقات کیسے تھے اس کے متعلق ہمارا علم بہت کم ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس عہد میں کڈارم کے خلاف کی گئی دوسری مہم کے متعلق جو مختصر حوالہ یہاں دیا گیا ہے اس کی وضاحت

کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

سومیشور دوم سے جنگ

سومیشور اوّل کی وفات کے بعد ۱۱ اپریل ۱۰۶۸ء کو سومیشور دوم چالوکیہ تخت پر بیٹھا اور ویر راجندر کو پرانی دشمنی کو تازہ کرنے کا موقع ہاتھ آیا ہے۔ سومیشور دوم کے کتبات میں یہ حقیقت صاف طور پر درج ہے کہ چولا فرماں روا نے گتی کے قلعے پر حملہ کر کے اس کا آغاز کیا اور اس کے انجام میں اسے سومیشور کے مقابلے سے عجلت میں پیچھے ہٹنا پڑا لیکن چولا کتبات اور بلہن ایک اور کہانی بیان کرتے ہیں۔ اوّل الذکر تو یہ بتاتے ہیں کہ ابھی سومیشور نے اپنی "کینٹھکا" بھی نہیں کھولی تھی یعنی اس کی رسم تاج پوشی کے موقع پر ویر راجندر نے کمپلی کے شہر کو ندر آتش کر کے کراڈگل کے مقام پر فتح کا ستون تعمیر کر دیا جو ضلع رائچور کے تعلقہ لنگ ساگر کا ایک گاؤں تھا۔ اس نے سومیشور کو "کنتر" کا علاقہ چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور شلوکی وکرمادتیہ کو "کینٹھکا" سے نوازا اور ساڑھے سات لاکھ والا صوبہ رٹا پاڑی بھی اسے سونپ دیا جو اس نے اسی کی خاطر تسخیر کیا تھا کیونکہ اس نے چولا شہنشاہ کے پاس آکر مدد کی درخواست کی تھی۔ بلاشبہ یہ وہی موقع تھا جس کا ذکر "تکیاگ پرانی" میں آیا ہے جہاں بتایا گیا ہے کہ چولا راجا نے جس کا ذکر یہاں راج گمبھیر کے نام سے آیا ہے۔ پرتن سے شاہی دستار چھین کر ارٹن کو پہنا دی تاکہ وہ ساڑھے سات لاکھ والے مشہور علاقے کی حفاظت کرے۔ "وکرمانک دلوچرتا" میں بھی یہی کہانی اس نظم کے ہیرو کے نقطۂ نظر سے کچھ مبالغہ کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ اپنے والد کی وفات اور اپنے بھائی کی تخت نشینی کے جلد بعد وکرمادتیہ ششم کا اپنے بھائی سے جھگڑا ہو گیا جو بری عادتوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی جے سمہا کے ساتھ کلنیانا سے نکل پڑا اور اس نے ان فوجوں کو تباہ کر دیا جو اس کے بڑے بھائی سومیشور نے اس کا پیچھا کرنے کے لیے بھیجی تھیں۔ وہ دریائے تنگ بھدرا پر پہنچ گیا جہاں کچھ عرصہ اس کی فوجوں نے آرام کیا۔ اس کے بعد اسے چولوں سے نبرد آزمائی کی آرزو ہوئی۔ لہٰذا کچھ عرصہ بن واسی میں گزار کر وہ چولوں کے خلاف مہم پر روانہ ہو گیا۔ جے کیشی اور آلوپ راجا نے اس کی اطاعت کر لی اور خود شہنشاہ نے بھی خود کو اس پیش قدمی کی

مزاحمت سے لاچار پاکر اپنا ایک سفیر اس کے پاس بھیجا اور چالوکیہ شہزادے
کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دینے کی پیش کش کی۔ وکرم دریائے تنگ بھدرا
کے کنارے تک پیچھے ہٹ جانے پر رضامند ہوگیا جہاں بعد میں چولا راجہ نے اس
سے ملاقات کی۔ شادی کی رسم ادا کی گئی اور دونوں راجاؤں کے درمیان اتحاد ہوگیا
یہ بات قابل توجہ ہے کہ کڈمبا کے کتبے کے بیان کے مطابق گوآ کے کڈمبا راجہ
جے کیشی اوّل نے جو ان دنوں حکومت کر رہا تھا، مغربی چالوکیہ راجہ کو اس کے
تخت پر مستحکم کر دیا اور کانچی کے مقام پر چولا شہنشاہ اور چالوکیہ راجہ میں باہم صلح
کروا دی۔

وکرمادتیہ ششم سے اتحاد

ان تمام شہادتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے
کہ آہواَمل کی وفات کے جلد بعد
سومیشور دوم اور وکرمادتیہ کے درمیان تخت نشینی کے لیے نہ سہی لیکن کچھ دیگر
اہم معاملات کے بارے میں تنازعہ پیدا ہوگیا۔ اور اس تنازعے میں وکرمادتیہ
کے چھوٹے بھائی جے سمہا نے اور گوآ کے کڈمبا راجہ جے کیشی نے وکرمادتیہ
کی حمایت کی اور جے کیشی چولا تاجدار کے پاس وکرم کے سفیر کی حیثیت سے گیا۔
اور اپنے اتحادی (یعنی وکرمادتیہ) کے لیے ویر راجندر سے مدد مانگی۔ چنانچہ چولا
تاجدار کی مداخلت کے نتیجے میں سومیشور دوم کو اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد ہی
اپنی آبائی سلطنت کے کچھ حصے وکرمادتیہ کے حوالے کرنے پڑے۔ ہر چند کہ ہمارے
پاس بلہن کے علاوہ اس امر کی کوئی دوسری شہادت موجود نہیں ہے لیکن
وکرمادتیہ کے ساتھ چولا شہزادی کی شادی کو ایک حقیقت سمجھنا چاہیئے۔ وکرما
دتیہ کے وہ کتبات جن میں اس کا لقب تریلوکیہ مل درج ہے اور جو سنہ 1076ء سے
پہلے کی تاریخوں کے ہیں جہاں سے چالوکیہ وکرم دور کا آغاز ہوتا ہے، سلطنت
چالوکیہ کے جنوبی حصے میں ملتے ہیں اور اس بات سے بہت حد تک اس
دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ چالوکیہ بھائیوں میں علاقے کی باہم تقسیم ہوئی تھی
جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے بڑے بھائی کو مکمل طور پر تخت شاہی سے محروم کرنے
میں چھوٹے بھائی کو کچھ زیادہ دیر نہیں لگی۔ دراصل ویر راجندر اور وکرمادتیہ کا

باہمی اتحاد ایک سیاسی انقلاب کا پیش خیمہ تھا جس کی وضاحت ہم تفصیل سے اگلے باب میں کریں گے۔

جنگوں کا مختصر حال

ویر راجندر کے ابتدائی کارناموں کا حال اس کے عہد کے آخری دور کے کتبات سے معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے پانڈیا راجہ کو قتل کرنے، کیرلا سے خراج وصول کرنے اور لنکا کو فتح کرنے کا ذکر ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو راجادھیراج اور راجندر کے کتبات کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ویر راجندر نے اپنے بھائیوں کی قیادت میں جنوبی ہند کی جنگی مہم میں اس وقت حصہ لیا ہو جب اس کے تخت نشین ہونے کی بات کسی کے خیال میں بھی نہ آئی ہو، جیسے کہ مڈکارو کی لڑائی (جسے ہم کوڈل سنگمم کی پہلی لڑائی ثابت کر چکے ہیں اور جس کا ذکر اس پرشستی کے آخر میں عطیے کے حصے سے پہلے ہے) جس میں ویر راجندر نے حصہ لیا تھا۔ سومیشور کے خلاف لڑائیوں کا خلاصہ جن میں ویر راجندر نے حصہ لیا تھا، اس نوع کی پرشستی میں درج کیا گیا ہے یعنی اس طرح کی چولا تاجدار نے حصہ لیا تھا اس نوع کی پرشستی میں درج کیا گیا ہے پانچ مختلف مواقع پر اسے جنگ سے بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا۔

القاب

ویر راجندر کے عہد کے چوتھے برس کے ترُونا منظور کے کتبے سے نیز کنیا کماری کے کتبے سے جو اس کے ساتویں سال کا ہے یہ پتہ چلتا ہے کہ ویر راجندر نے مختلف اوقات پر مغربی چالوکیوں کے پورے کے پورے شاہی القاب اپنے نام کے ساتھ شامل کر لیے تھے مثلاً "سکل بھونیشرئیا" "میدنی ولبھ" اور "مہاراجہ دھیراج"۔ یہ القاب ان مخصوص نوعیت کے چولا القاب کے علاوہ تھے جو چالوکیوں پر حاصل کی گئی فتوحات کی یاد دلاتے تھے مثلاً "آہوامل کل کالی" اس نے "پانڈیا کلانتک" "راج شریا" اور "راجندر" کے القاب بھی اختیار کیے۔ نیز "ولبتھا ولبھ" "ویر چولا" اور "کری کال" کے القاب بھی جو کنیا کماری کے کتبات میں درج ہے۔ اسی کتبے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ویر راجندر نے سنہرے ہال کے رقاص یعنی چدامبر کے نٹ راج کے تاج کے لیے ایک نفیس لعل نذر کیا۔ اس لعل کا نام "ترے لوکیہ آسمارا" تھا۔ اس نے

چولا "منڈیرا" پانڈیا اور گنگ واتی کی ریاستوں میں بہت سے "برہم دیہ" دان کیے اور چالیس ہزار برہمنوں کو جو ویدوں کے عالم تھے زمین کے عطیے دے کر نہال کر دیا۔ ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ اس عہد میں بھی گنگا پوری بدستور چولاؤں سلطنت کی راجدھانی تھی اور یہ بھی کہ اپنی جنگوں کے اختتام پر ویر راجندر یہیں شان وشوکت سے واپس آجاتا تھا۔ اس کے پانچویں سال کے ایک کتبے میں گنگائی کونڈا چولا پورم میں واقع ایک قصر کا جس کا نام "شولا کیرلا مالگئی" تھا اور اس میں رکھتے ہوئے ایک تخت شاہی کا بھی جو "راجندر شولا ماولی وانراجن" کے نام سے موسوم تھا' ذکر کیا گیا ہے۔ کتبات میں ویر راجندر کی حکومت کا جو سب سے آخری سال درج ہے وہ آٹھواں برس ہے۔ اس کا ذکر پراکیسری ادھیراجندر دیو کے تیسرے سال کے ایک کتبے میں آیا ہے جو ویر راجندر کا فرزند اور جانشین اور چالوکیہ راجہ وکرمادتیہ ششم سے جس کی بہن بیاہی گئی تھی۔ لہٰذا ویر راجندر کی وفات یقیناً ۱۰۷۰ء کے شروع میں ہوئی ہوگی۔ شرون اشلیکھا اس کا طالع پیدائش تھا۔ اُرمولی ننگئی نامی اس کی ایک رانی اس کی موت کے بعد راجہ کلوتنگا اوّل کے پندرہویں سال حکومت تک زندہ رہی اس کا نام اسی سال کے ایک ادھورے کتبے میں درج ہے جو تنجور سے دستیاب ہوا ہے۔

ویر راجندر کے عہد میں چولا سلطنت میں بدھ مت کی موجودگی کی اور تامل لٹریچر پر بدھ علم وفضل کے اثر انداز ہونے کی تصدیق تامل گرامر کی ایک انوکھی تصنیف "ویرشولئم" سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب بدھ مترا نے جو خود کو پون پٹری کا سردار بتایا ہے' بالکل سنسکرت کے طرز پر لکھی ہے۔ وینکیا نے اس مقام کو موجودہ "پون پتی" شناخت کیا ہے جو ضلع تنجور کے پٹو کوٹئی تعلقہ میں واقع ہے۔

گیارھواں باب

حاشیے

(1) اشلوک نمبر 73

(2) 1919 کا نمبر 30

(3) SII - iii صفحہ 195، EC-ii .. - اشلوک 136

(4) 1908 کا 110

(5) 1912 کا کتبہ نمبر 29 - تاریخ (3) 8 مشکوک ہے۔ یہ ایک واحد کتبہ ہے اور اس کی تاریخ کا پہلا ہندسہ معتبر نہیں ہے۔

(6) EI - vi - صفحہ 24

(7) EI - vii - صفحہ 9

(8) بتایا جاتا ہے کہ 1895 کے کتبہ نمبر 87 میں جو راجندر دوم کے نویں سال کا ہے، ویر راجندر کے تیسرے سال کے ایک عطیے کا ذکر ہے۔ ARE-1895 - I - 9 - اگر یہ بات صحیح ہے تو ویر راجندر کی تخت نشینی اور پہلے ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کے مطبوعہ نسخے (SII - v - 647، 11، 52 - 53) میں کہیں بھی ویر راجندر کے عہد کے کسی ایسے عطیے کا ذکر نظر نہیں آتا، حالانکہ ویر راجندر کا نام اس میں ضرور دیا ہے۔

(9) vii - 28، SII - iii صفحہ 113

(10) 1902 کا 119 جس کا حوالہ SII-iii صفحہ 191 میں ہے۔

(11) "تن نرو گمن" 1895 کا 87 (SII - V ، 647 ، 1-26)۔ اسی تاریخ کے ایک اور کتبے میں شاہداہ راج مہندرا کا ذکر آیا ہے (SII ، iii - صفحہ 41 (1-6)

(12) مقابلہ کیجیے EI - XViii صفحات 30-31

(13) 1890 کا نمبر 15 ، SII - iii - 57

(14) ڈاکٹر این وینکٹا رمنیا کی جانب سے کی گئی تبدیلیوں کے مختصر لیکن جامع مطالعہ کے لیے دیکھیے Journal of the Madras University " XV ، صفحات 1 تا 22

(15) مثال کے طور پر SII-iii-28 (انتیسویں سال کا)، 1890 کا نمبر 6 (تیسویں سال کا) 1895 کا نمبر 81 ، 1894 کا نمبر 22 (بتیسویں سال کا)

(16) ARE-1907 ، II 38 ، 1908 II 56

(17) 1892 کا نمبر 136 ، 1911 کا 477 ، EC - X - KI 112 (ب)

(18) 1906 کا 534

(19) 1912 کا 129

(20) I.B.Q. ، ii ، 441 - لیکن راجا دھیراج کی موت کے لیے قدرے بعد کی یہ تاریخ اس کے جانشین راجندر کے کتبات کی شہادت کی بنا پر مسترد ہو جاتی ہے دیکھیے نیچے

(21) اس کے خلاف دیکھیے۔ ARE - 1908 II 56

(22) 1892 کا نمبر 92 ، 1894 کا نمبر 172

(23) SII iii - 28 ، صفحہ 56

(24) اصل متن: "منتنگو ٹرانندو" کا ترجمہ غالباً ہلتش نے اس طرح کیا ہے: "جو پہلے اسی کی ملکیت تھا"

(25) اصل نسخے میں یوں ہے: "ابنی ردین رینی انگول تناڈو ونتر ودڈم پگندو"

(26) یا بیٹی۔ اصل نسخے میں "کا ذلی" لکھا ہے

(27) اصل متن میں "الرندا"۔ ہلتش کا ترجمہ "ختم ہو گیا" لیکن بعد کی عبارت دیکھیے۔

(28) اصل نسخے میں "دکترن۔ ولی۔ وندورئی۔ کول ویلت۔ ترانشن آگیا" درج ہے جس

کا ترجمہ ہلتش نے یوں کیا ہے: "جو کنٹرن میں وارد ہوا تھا اور اس کے پاس رہنے لگا تھا" یہاں اس موقع پر "اُرائی" کے معنی "غرور" یا "شان و شوکت" ہیں یہاں مفہوم یہ ہے کہ مدن راجہ اگرچہ راشٹر کوٹا نسل کا، یا زیادہ عام معنوں میں کرناٹا نسل سے تھا، اب لنکا کا حکمران بن گیا۔

(29) باب 55، vv 24 تا 29

(30) c v - باب 56، vv - 1 تا 6

(31) 1892 کا نمبر 92 جس میں اسے صرف لنکا کا راجہ بنایا گیا ہے، 1894 کا 221

(32) جیجر c.v. - ii. صفحہ xxi

(33) c.v. باب 56، v - 7

(34) ایضاً - vv - 8 تا 10

(35) ایضاً - vv - 11 تا 14

(36) P.K. - صفحہ 113

(37) c v - ایضاً - v v 13 15

(38) مقابلہ کیجیے ہلتش SII - iii - صفحہ 53

(39) ایضاً - 3، دسمبر 1045ء

(40) ایضاً - نیز - c v - 56، v - 16

(41) مقابلہ کیجیے ہلتش JRAS (Journal of the Royal Asiatic Society London) 1913، صفحات 519 تا 521، جہاں اس نے SII - iii میں ظاہر کی گئی اپنی رائیں واپس لی ہیں۔

(42) جگتی پال کی مہارانی اور اس کی بیٹی لیلاوتی بعد میں چولا ریاست میں قید سے بھاگ نکلیں۔ c v باب 59، vv - 23 - 24

(43) SII - iii - 29، JRAS 1913 - صفحہ 519

(44) 1895 کا 87، 1915 کا 270، یہ دونوں کنتھے نویں سال کے ہیں۔

(45) SII - iii - صفحہ 59، 1912 کا نمبر 612 (SII - iv - 1408)

(46) وڈرڈ پڈانک۔ کالنگر ستی، SII - 1 کا 12، iii - 29

(47) یہ فرض کر کے کہ ویرسلامیگھا نامی ایک شخص راجا دھیراج کے خلاف ایک گھمسان کی لڑائی میں مارا گیا (SII-iii- صفحہ 56) ہلتش اسے اس کے نام کالنگرمن سے الگ شخصیت قرار دیتا ہے جس کا ذکر راجندر کے کتبوں (JRAS - 1913 - صفحہ 520) میں آیا ہے۔ وہ موخرالذکر کی رشتہ داری کالنگا کی مہارانی اور وجے باہو اول کی بیوی "ترلوک سندری" سے بتایا ہے۔ وجے باہو کا زمانۂ حیات سنہ 1109ء تا سنہ 1154ء عیسوی تھا" اور یہ کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس مہارانی کے بھتیجے کتی سری میگھا کا نام ویرسلامیگھا کے نام پر رکھا گیا ہو۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ پانڈیا راجہ مانا بھرن جسے راجا دھیراج نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا' اصل میں اس مان بھرن کے اسلاف میں تھا جو وجے باہو اول کا بھتیجا اور داماد تھا' اور راجا دھیراج کا حریف لنکا کا تاجدار شری ولبھ مدن راجہ' اپنے ہم نام اس شری ولبھ کے اسلاف میں تھا جو وجے باہو اول کا تیسرا بھتیجا اور داماد تھا۔ ناموں کی یکسانیت کی دلیل پیش کر کے کوئی بات قطعی طور سے طے نہیں ہو سکتی۔ اور ہلتش نے مانا بھرن' جس کے بیٹوں کو راجندر نے گرفتار کر لیا تھا اور اس کے ہم ناموں کے رشتوں پر غور نہیں کیا۔

(48) بروئے صفحہ ماقبل 221

(49) کاڈرنگٹن کی "Ceylon Coins" صفحات 84-85

(50) مقابلہ کیجئے: SII - iii - 84 (1901 کا نمبر 266) جو ویر راجندر دیو کے ساتویں سال کا ہے اور جس میں اس راجا کے کارناموں میں لنکا کو تسخیر کرنے کا دعوے کیا گیا ہے۔ اور SII - 1912 کے نمبر 594، 1388-iv سے (جو ادھی راجندر دیو کے تیسرے سال کا ہے)

(51) C. V. باب 57، vv - صفحہ 65 - اور اس کے بعد کے صفحات
ii-EZ - صفحہ 207، 1915 کا 182

(52) SII - iii - 28
اصل متن یوں ہے: کنذر دیکرن نارحن گن ودی وٹڈلر تیری یل مدی شودرن۔
ہلتش انہیں چار نام تصور کرتا ہے۔ غالباً یہ صرف تین ہیں۔ بہرحال ان کی مکمل شناخت

کرنا ممکن نہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض نام اس عہد کے مغربی چالوکیہ کتبوں میں مذکور ہیں۔

(54) 1890 کا نمبر 6 (تیسویں[30] سال کا)۔ 1894 کا نمبر 221۔ 1895 کا نمبر 81 (بتیسویں[32] سال کا)

(55) 1894 کا نمبر 172۔ سال 36 'دوکہ (2)6۔ 1892 (n.d.) کا 96 بالترتیب v-SII، نمبر 465۔ اور vا۔ نمبر 539

(56) یہ وجیادتیہ نہیں تھا ابنگری (یدگیر) سے بھیما پر راج کر رہا تھا بلکہ تیلگو چوڑا بجنتا تھا۔ 1923 کا 430 - SII-x-ix (1) نمبر 147۔ تلنگانہ کے کتبے صفحہ 113۔ پونڈی یا پونڈور دریائے کرشنا کے بائیں کنارے پر "گدوال" کی ریاست میں واقع تھا۔

(57) مقابلہ کیجئے "کلنگو پرانی" - v iii - 26 ہے جس کو شاید محروم کر کے راجندر اول تخت پر بیٹھا۔

(58) "شینڈراڈی" — معلوم ہوتا ہے یہ ایک کھیل تھا جو گیند کے ساتھ کھیلا جاتا تھا۔

(59) 1894 کا نمبر 172

(60) 1925 کا نمبر 244 (چھتیسویں سال کا)

(61) مقابلہ کیجئے۔ "یہہ کلیان پورم دداہا" کنیا کماری کے کتبے v-73 میں مذکور

(62) اس کے کچھ کتبوں میں کنڑ زبان کے ایک روایتی اور بار بار دوہرائے جانے والے شعر کے آغاز میں جو مبہم سا جملہ "بلوچ۔ چولا۔ نریندر۔ درپ۔ دلنم —" آتا ہے وہ بے معنی ہے۔ یہ اس کے بیٹے سومیشور دوم کے متعلق بار بار دوہرایا گیا ہے اور جیساکہ بارنیٹ نے ان فتوحات کے بارے میں کہا ہے جن کی تفصیل اس شعر میں دی گئی ہے، فتوحات کی اس فہرست کی حیثیت افسانوی زیادہ ہے اور تاریخی کم (EI - xv۔ صفحہ 86۔ حاشیہ 6)۔ فلیٹ نے جن کتبوں کا مطالعہ کیا ہے وہ بعد کی تاریخ کے ہیں اور ان پر بحث مناسب موقعہ پر کی جائے گی۔ بلہن، کی شاعری کو کوئی اہمیت دینا میرے لیے مشکل ہے جس نے اپنی "وکرمانک دیو چرتا" میں یہ بتایا ہے کہ سومیشور فاتح کی حیثیت سے کانچی پورم میں داخل ہوا (I، 114 تا 117)۔ دراصل ایسا کرنا شاعر کے لیے کم و بیش صرف ادائیگی

فرض تھا کیونکہ سومیشور دراصل بلہن کے زیادہ خوش قسمت ہیرو دکرما دتیہ چہارم کا والد تھا۔

(63) 1914 کا 484

(64) 1893 (SII ؛ 539-iv) کا 92 '1 '31

(64) 1904 کا 41 (ix-SII (i) نمبر 106)- 1919 کا 711 - بیز SII ؛ ix (1) نمبر 98 تا 102 - 104 تا 125 (1044 سے 1061 تک کے دیگر کتبوں کے لیے)

(65) 1904 کا 41 (SII - ix (1) نمبر 106)- 1919 کا 11 - تیز II' ix (1) نمبر 99 تا 102 - 104 تا 125 (1044 سے 1061 تک کے دیگر کتبوں کے لیے)

(66) اس کے خلاف دیکھئے ہلتش۔ SII - iii صفحہ 57 حاشیہ 1 تیز II S' ر

(67) EI' xvi صفحہ 53

(68) 1893 کا نمبر 185

(69) SII-iii-28 '1-1 جس میں راجا کے ایک بڑے بھائی کا ذکر آیا ہے جس کو شاید محروم کر کے راجندر اول تخت پر بیٹھا۔

(70) 1911 کا نمبر 214 - SII - iii - 55 ' ii ۔ صفحہ 304 (الف) (تیسرے سال کا)

(71) SII ' iii 29

(72) فلیٹ EI ' xii صفحات 296 تا 298۔ اس مقام کا عرض البلد 36 16 درجے اوّل البلد 44 ۶ 74 درجے ہے۔ کویم کی شناخت کے متعلق ایک سابقہ بحث کے لیے دیکھیں EC-ix- تمہید صفحہ 16 حاشیہ نمبر 3 جس میں 1911 کے کتبہ نمبر 168 کی عبارت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے ؛ "تیرتھ کو پتاہ وائل"۔ ہلتش نے "سیپر ندی رتا" کا ترجمہ "جس کی حیثیت بیان کرنا مشکل ہے" کیا ہے (SII -iii- صفحہ 63) اب ہمیں اس کلمے کو شیپر ندی رتا پڑھنا چاہیئے۔ "جس کے معنی ہیں۔ "وہ تیرتھ جس کے اوصاف بیان کرنا مشکل ہے۔" راجندر دیو کے کتبوں کی تمہید جو "تیرو مگل مرودیا" اس میں اس کلمے کو یوں استعمال کیا گیا ہے "پیرا رنگ رائک کوٹیو۔ وندے درتا آہوا ملتی۔"

(73) HAS- نمبر 12 صفحات 1 تا 5

(74) 1895 کا نمبر 57- 1915 کا نمبر 270 '2 دونوں ہی نویں سال کے ہیں۔ منی منگلم

کے تختے کے ساتھ ساتھ ان کتبوں کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے ہے کہ منی منگلم کے کتبے
میں لڑائی کا ابتدائی مرحلہ بیان ہونے سے رہ گیا ہے جس میں راجندر نے حصہ نہیں لیا
تھا اور راجا دھیراج اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔

(75) اس پہلو سے دونوں تذکرے مطابقت رکھتے ہیں۔

(76) یہ وکرما دتیہ ششم کا چھوٹا بھائی نہیں ہو سکتا۔ وہ کوپم کی جنگ کے بعد بہت برسوں
تک زندہ رہا۔

(77) غالباً یہ ریوَرسا ہی تھا جو 55-1054 میں کیمبھاوں کے نواح میں حکومت کرتا
تھا۔ فلیٹ .B.G - I-ii صفحہ 439، iii - SII صفحہ 59

(78) 1895 کا نمبر 87

(79) SII-iii-55، ii- صفحہ 304-C

(80) 1895 کا نمبر 87

(81) راجندر کے کتبوں کی ان پرشستیوں میں جو "تر ومنگل مر دویا" سے شروع ہوتی ہیں یہ
جملہ آتا ہے۔ "تن منون شینئ پین ڈواگ مُنِندر شینرد ..... ارٹا پاڑی۔ پیلرائی
یلکئن۔ گو نڈوُ" جو اکثر اختصار کے ساتھ لکھنے میں صرف "پندو واگ ارٹا پاڑی"
ہی رہ جاتا ہے۔ ہلتش نے عموماً اس کا ترجمہ۔ "جبکہ اس کے بڑے بھائی کی فوج
اس کی پشت پر تھی" کیا ہے۔ دوسرے کتبوں کی روشنی میں (بالخصوص 1895
کے نمبر 87 کی) جن میں صاف لکھا ہے کہ راجا دھیراج نے جنگ کا آغاز کیا اور راجندر
اس لڑائی میں اس وقت شامل ہوا جب اوّل الذکر جنگ میں ہلاک ہو چکا تھا۔
ایسا لگتا ہے کہ ہمیں ہلتش کے ترجمے میں یوں ترمیم کرنا چاہیئے۔ "جبکہ اس کے
بھائی کی فوج نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔" اوپر کی دونوں صورتوں میں، مختصر اور طویل
میں سے طویل صورت میں جو جملہ استعمال ہوا ہے وہ اسی ترجمے کا متقاضی ہے۔
"مُنِندر شینرد کے معنی ہیں "مخالفت میں سب سے آگے ہوتا۔" اسی طرح اس فقرے
کو منِیر شینئ پندو واگ "پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں "جب آگے بڑھنے
والی افواج نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔" بعض کتبوں میں موخر الذکر صورت پائی
جاتی ہے (SII - ii - صفحہ 305، F، G) جس میں ہلتش نے ترمیم کر کے اسے

مُتوِن شینبتی "بیں بدل دیا ہے۔ حفظِ مراتب کے ہندوستانی نظریے کے مطابق یہ بات ناقابل تصور ہے کہ جب بڑا بھائی میدانِ جنگ میں ذاتی طور پر موجود تھا۔ تو چھوٹے نے کیونکر کمان سنبھال لی۔ لیکن اس نکتے پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمام کتبوں میں اکٹھا دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ بعض کتبوں میں "نن مُنتون" کے ٹکڑے میں "نن" کو حذف کر دیا گیا ہے، مثلاً SII - III - 55 میں۔ اس وجہ سے یہ فرض نہیں کر لینا چاہیئے، جیساکہ ہلتش نے کیا ہے، کہ "جرُو مرو دیا شینگول وینِدن" کا فقرہ بڑے بھائی کے لیے لکھا گیا ہے (SII - iii ۔ صفحہ 112 ۔ انگریزی ترجمہ)

چلتے چلتے یہ بھی کہہ دینا چاہیئے کہ "تنّا نائیل مُنّا نائی شیلا مُنّانائی تورتو" ۔ کے الفاظ SII - iii - 55 (II: 1 - 2) جو "ارٹا پاڈی پیلیرائی یلکم گونڈو" ۔ اور "رکولا پُرتّو جے ستمب ۔ ناٹی" کے درمیان آتے ہیں، ان کا ترجمہ ہلتش نے یوں کیا ہے، "جب (دشمن کا) پہلا ہاتھی اس کے ہاتھی پر حملہ آور ہوا تو اس کے بڑے بھائی نے (اسے) روکا" لیکن یہ ترجمہ اطمینان بخش نہیں دکھائی دیتا کیونکہ الفاظ - "دشمن کا" ۔ اس فقرے کے معنی میں ایک ایسا تصور شامل کر دیتے ہیں جس کی اصل متن اجازت نہیں دیتا اور پہلے "تنّا نائیل" کے استعمال کا موقع ایک دوسری تشریح کا تقاضا کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس ضمن میں "آنائی" کو "آنڑائی" کا غلط تلفظ سمجھنا چاہیئے اور اس فقرے کا ترجمہ یوں کرنا چاہیئے: "اپنے احکام کی تعمیل کروانے میں سابقہ حکم بدل دیا۔ راجندر کے ترو کوئیلور کے کتبے (1900 کا نمبر 123 جو چھٹے سال کا ہے) پر تبصرہ کرتے ہوئے (ARE ۔ 1901 '201 بیں جو رائے دی گئی ہے کہ کوپم کی جنگ کولا پورم پر فوج کشی کے بعد کا ہے ہے اب کوپم کی نئی شناخت کے پیش نظر اسے ترک دینا چاہیئے۔ البتہ ترو کوئیلور کے کتبوں (EI ۔ vii ۔ صفحات 145 - 46) کی عبارت سے ہلتش کی اس رائے کی کچھ حد تک ضرور تائید ہوتی ہے اور بہت سی مختصر تمہیدوں میں کولا پورم کی مہم کا ذکر کوپم کی جنگ سے پہلے کیا گیا ہے۔

(82) EI ii صفحہ 441 - 1920 کا 392 - ARE 1921 'II - 5

(83) ARE - 1919 'II 30

(84) ای گیرے B.O.: I' ii' صفحہ 441 اور گوزواد EI' v' x 23' مؤلفہ بارنیٹ
نیز دیکھئے EC' iii v - سورب 325

(85) فلیٹ اور اس کی تقلید کرتے ہوئے بارنٹ بھی اس جنگی مہم اور اس سے
ہونے والے جانی نقصانات کا ذمہ دار راجندر دیو کو ٹھہراتا ہے لیکن اس بات
کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ راجندر نے چالاکیوں کی لڑائیوں میں جان
گنوائی اگرچہ وہ کوپم میں موجود تھا۔ مقابلہ کیجئے SII- iii صفحہ 53

(86) 1925 کا نمبر 193 (راجندر دوم کے چھٹے سال) کا اور شاید راج راجا کے چھٹے سال
کا 1899 کا نمبر 5 بھی۔ اس بعد کے کتبے میں جو قریباً ایک صد بعد کا ہے، ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ راجا دھیراج اوّل اور راجندر دوم کے کارناموں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے
اس میں "پیر ول وجے راجندر دیو کا ذکر ہے جس نے کلیان پورم اور کولاپورم
کو فتح کیا اور ایک ہاتھی پر سوار ہونے کی حالت میں (ابدی) نیند سو گیا۔" (SII- iii
صفحہ 191) ہلتش کا کہنا ہے "یہ بیان یقیناً پراکیسری ورمن عرف راجندر دیو کے
متعلق ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے کولاپورم میں ایک فتح کا
مینار تعمیر کیا ہے۔ اسی رائے کا اظہار وینکیا نے ARE- 1899 - 53 I میں
زیادہ محتاط طریقے سے کیا ہے۔ راج کیسری راجندر (کلوتنگا اول) کے چوتھے
برس کے ایک کتبے میں جو شالو کی ضلع شمالی ارکاٹ میں ملا ہے (1920 کا 472)
یہی تذکرہ پہلے سے درج تھا گو یہ کتبہ ہلتش کے علم میں بہت بعد میں آیا۔ لیکن اس
کتبے میں وجے راجندر کا لقب درج نہیں ہے۔ راجندر دیو نے کہیں بھی کلیان پورم
کو تسخیر کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس نے وجے راجندر کا لقب بھی اختیار نہیں
کیا اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ وہ ہاتھی کی پیٹھ پر جنگ میں ہلاک نہیں ہوا۔ یہ
خصوصیات نمایاں طور پر ہماری توجہ راجا دھیراج اول کی طرف منعطف کرتی ہیں۔
(ARE - 1925 II' 16) جس کا تیسرا سال حکومت لگ بھگ 1021ء ہوتا ہے جو راجندر
اول کے عہد حکومت میں پڑے گا (مزید دیکھئے 1920 کا نمبر 472 جو کلوتنگا اوّل کے
چوتھے سال میں حکومت کا کتبہ ہے)۔ اگر یہ رائے درست ہو، گو مجھے یقین ہے کہ
ایسا نہیں ہے، تو یہ نظریہ خود بخود غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ الگنڈی کے قحط کے

دوران میں حکومت قحط زدگان کی امداد اس لیے نہ کر سکی کہ راجا دھیراج کی گھوڑوں کی قربانی پر ہونے والے کثیر اخراجات کے باعث سرکاری خزانہ خالی ہو چکا تھا (ARE-1899 - I - 53) البتہ یہ ممکن ہے کہ قحط راجندر دوم کے عہد میں سنہ 1055ء کے قریب پڑا ہو اور راجندر دوم کے کتبے میں صرف حکمراں کا نام غلط دیا گیا ہو۔ راجا دھیراج کے کتبات میں گھوڑے کی قربانی کا ذکر اگر بہت پہلے نہیں تو اس کی حکومت کے چھبیسویں برس یعنی سنہ 1044ء میں ضرور کیا گیا ہے۔

(87) 1910 کا نمبر 258 (پینتیسویں[35] برس کا)

(88) 1925 کا نمبر 420 (پینتیسویں[35] سال کا)

(89) 1894 کا نمبر 213 (چوبیسویں[24] سال کا)

(90) 1894 کا نمبر 213

(91) 1920 کا نمبر 78 (تینتیسویں[33] سال کا)

(92) 1919 کا نمبر 188 (پینتیسویں[35] سال کا)

(93) 1910 کا نمبر 258 (پینتیسویں[35] سال کا)

(94) 1902 کے نمبر 413 (تینتیسویں[33] سال کا)

(95) چھبیسویں سال کے ایک کتبے (1894 کے نمبر 172) میں نر وکلو کنرم کو انگلند شولا پورم کہہ کر پکارا گیا ہے۔

(96) 1912 کا نمبر 102

(97) 1920 کا نمبر 85

(98) 1895 کا نمبر 279

(99) 1922 کا نمبر 255

(100) 1894 کا نمبر 221 (SII - V - 520) وشنو وردھن کو مستقبل کا گلوتنگا اول شناخت کیا گیا ہے۔

(101) 1894 کا 214 + 1903 کے 421 میں ایسا لگتا ہے کہ راجا کو غلطی سے راج راجا کہا گیا ہے۔ سی ویل (HIST - صفحہ 82) میں 28 مئی سنہ 1050ء کو کوپم کی جنگ کی تاریخ بنایا گیا ہے جو کہ دراصل راجندر دیو کی تاج پوشی کی تاریخ ہے لیکن اس امر کا

ہمارے پاس کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ اس جنگ سے کچھ عرصہ پہلے راجندر اپنے پیش رَو کا جانشین مقرر نہیں ہوا تھا۔ چھٹے سال حکومت (شاکا سمت 979) کے بیلاترو کے کتبہ کے لیے دیکھئے E. I. v. صفحات 213-19

(102) 1928 کا کتبہ نمبر 81-1894 کے نمبر 173 (پانچویں سال کا) میں "مرودریا" کی جگہ "نلوئیا" درج ہے۔ باقی ہر طرح سے دونوں کتبے ایک سے ہیں۔

(103) 1892 کا نمبر 3 (SII - iii - 29) - 1913 کا نمبر 396

(104) 1895 کا نمبر 87، 1915 کا نمبر 270

(105) iii v - 27

(106) ii، 38 - 40

(107) SII - iii - 58 - "کادلر" سے مراد اس کتبے میں یقینی طور "پر بیٹے" ہے۔ 1895 کے نمبر 87 میں راجندر شولا کو جو "کادلر" (بیٹوں) میں سے ایک تھا، واضح طور پر "تن۔ترومگن" کہا گیا ہے (اس کے خلاف (دیکھیے ہلتش حوالہ سابقہ صفحہ 62۔ حاشیہ نمبر 9)۔ جب تک کہ ہم "کادلر" کے عام معنی "داماد" نہ سمجھ لیں اور راجندر کو کلوتنگا اوّل نہ قرار دیں۔ لیکن "کادلر کادلر" کے معنی صاف طور پر پوتا ہیں اور اس سے ہماری پہلی رائے کو تقویت ملتی ہے۔

(108) ARE - 1899، I، 51

(109) بعض کتبوں میں اس کے والد کی پرستش کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دیگر کتبوں کے متعلق بہت سے قیاسات پیش کئے جاتے ہیں۔

(110) 1902 کا نمبر 109۔ اس کے دیگر کتبات کا آغاز تین صورتوں میں ہوتا ہے۔ "منو نیدی مڑئی ولرا" سے، "ترومنگئی ولرا" سے، اور "ترومگل ولنگا" سے۔ ان میں سے کسی کی بھی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے چوتھے سال کا کتبہ 1935-36 کا نمبر 8 ہے۔ جو 22 جولائی سنہ 1067ء کا ہے۔ یہ اس سے متعلق سب سے آخری تاریخ ہے جس کا علم ہے 1935-36، II 38

(111) 1895 کا نمبر 87 ۔، SII - v صفحہ 271، ii، 32 تا 39

(112) 1896 کا نمبر 113 - SII، v نمبر 976 -، 1909 کا 718

جس کا ذکر 1067ء کے کتبوں میں موجود ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو متن میں دی ہوئی رائے جو منڈ کار دا اور کوڈل شنگم دونوں کے ایک ہی مقام کے نام ہونے کے مفروضے پر مبنی ہے مقابلتاً زیادہ قابل فہم معلوم ہوئی ہے اور کوئی دلیل ایسی دکھائی نہیں دیتی جو اس رائے کی تردید کرے مزید برآں یہ بات بھی اس سلسلے میں قابل توجہ ہے کہ ویر راجندر کے دوسرے سال حکومت کے کتبات میں ایسا کوئی ذکر نہیں آتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وینگی کے تحت کی بازیابی کے لیے وجے آدتیہ کی کوئی مدد کی ہو، بلکہ کوڈل شنگم کی دوسری لڑائی کے بعد اور ویر راجندر کے عہد حکومت کے پانچویں برس (تقریباً 1067ء تک) اس طرح کے کسی واقعے کا ذکر نہیں آتا۔ لہٰذا ہم اگر یہ خیال جو بغیر اچھی طرح مسئلہ کو سمجھنے ہوئے قائم کیا گیا ہے چھوڑ دیں کہ وکرم آدتیہ اور ویر راجندر دونوں نے وینگی کے معاملات میں دخل اندازی راج راجا نریندر کی وفات کے بعد ہی شروع کی تھی تو واقعات زیادہ آسانی سے سمجھ میں آسکیں گے۔

(124) SII - iii صفحہ 32

(125) SII - iii۔ نمبر 30، 1 - 26

(126) اگر کا ندئی اصل میں کرنول ہے "Eastern Calukyas" صفحہ 260 تو یہ دریائے تنگ بھدرا اور دریائے کرشنا کے سنگم کی جانب اشارہ ہے۔ فلیٹ نے کھدرا پور (کوپم) کا محل وقوع پنج گنگا اور کرشنا ندیوں کے مقام اتصال پر بتایا ہے۔ اس کے خیال میں یہی مقام چولا کتبوں میں مذکور کوڈل شنگم تھا۔ فلیٹ نے کرن دئی کی شناخت کرتے ہوئے اسے اسی مقام پر واقع انگل کرنجی قرار دیا ہے (E.I. ii x صفحہ 298) لیکن چونکہ ایسا لگتا ہے کہ اس نے مذکورہ موضوع پر زیادہ وہ مفصل تبصرہ تحریر نہیں کیا جیسا کرنے کا اس نے وعدہ کیا تھا اس لیے یہ جاننا ناممکن سا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ان شناختوں پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب کیونکر دیتا۔ اور یہ اعتراضات چولا کتبات میں بیان کی گئی جنگی مہم کے احوال سے پیدا ہوتے ہیں جس میں ایک بار پھر اس بات کا ذکر نہیں آتا کہ اس موقعے پر چولا افواج رٹا پادی میں داخل ہوئی تھیں۔ بتایا جاتا ہے کہ رٹا پادی بعد میں تباہ و برباد کر دیا

(113) SII - iii - 84 ، 1 ، 8 ۔ ہلتش کا خیال ہے کہ یہ حوالہ اس چوتھی لڑائی کے بارے میں ہے جو اس ٹکراؤ سے پہلے کا واقعہ ہے جس میں کپلی کو نذر آتش کر دیا گیا تھا (ایضاً۔ صفحہ 195)

(114) SII - iii - صفحہ 37 (11 ، 3 تا 8) جو 1896 کے نمبر 113 کے مشابہہ ہے۔

(115) میں نے 1896 کے نمبر 113 کو اس طرح پڑھا ہے۔ "اکل منائی وِرُو دوڈو ملائی کم"

(116) "شیر وَن شرتی نبی یُرتُو۔" کا ترجمہ ہلتش نے "لاش کا سر کاٹ دیا۔" کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ "شیر وَن" دو ٹکڑوں سے بنا ہوا لفظ ہے "شیروں" اور "اوَن"۔ مقابلہ کیجئے "شیروں وَن۔ شرتی نی (1896 کا نمبر 133)

(117) یعنی (چولا راجہ کا) ہراول دستہ۔ ہلتش

(118) بیگھ ڈمبر

(119) اصل متن میں "اپشپکپ پڈ ئم" لکھا ہے

(120) 1901 کا نمبر 266 (SII - iii - نمبر 84) - 11 - 8 - 9

(121) اسی جگہ پر بعد کو کسی دن کے لیے جو معرکہ طے ہوا تھا وہ نہ ہو سکا۔ دیکھئے پہلے کا صفحہ 268 اور اس کے بعد کے صفحات

(122) اس کے خلاف دیکھئے ایس کے آئینگر کی "Ancient India"۔ صفحہ 121

(123) ان واقعات کے متعلق ایک دوسری رائے بھی ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ "مڈوکارو" ہی "کوڈل شنگم" ہو۔ اُروگیئن نے مڈکارو کی جنگ میں حصہ لیا ہو اور وینگی کے حملے میں اس کی بیوی کے اعضا کاٹ دینے کے واقعہ سے اس بات کا کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ حملہ کوڈل شنگم کی پہلی جنگ سے قبل کا واقعہ ہے چونکہ ویر راجندر کا کتبہ اس کے دوسرے سال حکومت (تقریباً 1066ء) کا ہے اور مشرقی چالوکیہ حکمران راجا راجا نریندر کی وفات 1063ء میں ہوئی اس لیے یہ ممکن ہے کہ وینگی میں وکرمادتیہ کا داخلہ (جس کو چامنڈ رایا کی جنگی مہم کہتے ہیں) راج راجا کی وفات کے بعد اٹھ کھڑے ہونے والے تخت کی وراثت کے کسی جھگڑے کے سلسلے میں ہوا ہو۔ ان واقعات کی روشنی میں ہمیں یہ فرض کر لینا ہوگا کہ مڈکارو کی جنگ۔ خواہ یہ کسی بھی دریا کا نام ہو تقریباً 1060ء میں ہوئی اور اس کے تقریباً تین سال بعد کوڈل شنگم کی لڑائی پیش آئی

گیا تھا لیکن فتح کا مینار دریائے تنگ بھدرا کے کنارے نصب ہے۔

(127) 1898 کا نمبر 144

(128) IAS - i - 164 تا 168

(129) 1926 کا نمبر 102 (نو سال حکومت کا)

(130) EI - v، صفحہ 77 ؛ v - 11، چیلور v-12

(131) 1900 کا 123، EI - iiv صفحات 145-46

(132) 1895 کا نمبر 84

(133) 1912 کا نمبر 612

(134) SII - iii - 21

(135) ii - 40 تا 42

(136) راج مہندرن کا تن کرنم سے متعلق حصے میں

(137) 1930 کا 502

(138) 1930 کا 512

(139) ویر راجیندر کے کتبوں پر ہلتش کی ایک بہت اچھی بحث SII - iii صفحات 192 تا 196 میں ملتی ہے۔

(140) SII - iii - 20، 1896 کا نمبر 113 (SII - v - 976)

(141) SII - iii - 30

(142) v - 774، پنڈت وی سوامی ناتھ آئر نے اس راجا کو راج راجا دوم شناخت کیا ہے لیکن یہ دعوے مشکوک ہے۔

(143) 1896 کا نمبر 113 - SII - iii - 20 صفحہ 33

(144) 1896 کا نمبر 113

(145) ہلتش SII - iii صفحہ 193

(146) v - 76

(147) SII - iii - 20

(148) SII - iii - 30

(149) اس بات پر ضرور غور کرنا چاہیئے کہ اس مرحلے تک کے تمام واقعات کا ذکر اس حکمران کے چوتھے سال حکومت کے اس کتبے میں موجود ہے جو ملور سے دستیاب ہوا ہے اور جس کی صرف پر شستی ہی محفوظ رہی ہے۔ (1911 کا نمبر 194 — EC' ix - باب 85)

(150) معلوم ہوتا ہے کہ "پرٹن" دراصل سنسکرت لفظ "بھرشٹ" کی بگڑی ہوئی صورت ہے نہ کہ تامل لفظ "پُرٹن" جس کا مطلب ہے دھوکے باز یا دروغ گو۔ اس کے خلاف دیکھیئے ہلتش SII - iii صفحہ 63

(151) میرے خیال میں تو اصلی مفہوم یہی ہے جیسا کہ اے وی وینکٹا رما آئر نے کہا ہے۔ (دیکھیئے Life and Times of Calukya Vikrama-ditya - VI. تامل ایڈیشن صفحات 22-23، حاشیہ نمبر 3)۔ ہلتش اس مبہم عبارت کے متعلق یہی سمجھتا ہے کہ یہ ویر راجندر اور وکرم آدتیہ کے اتحاد سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن میری رائے میں اس کا واسطہ مذکورہ جنگ کے ایک بعد کے مرحلے سے ہے جب سومیشور اوّل کا انتقال ہو چکا تھا۔ نیز یہ سومیشور دوم کے ساتھ ویر راجندر کے پہلے ٹکراؤ سے متعلق ہے۔ موجودہ موقعے پر تو ویر راجندر بھی سومیشور اوّل کے کل خاندان سے برسرپیکار نظر آتا ہے اور ہر محاذ پر لڑ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وکرم آدتیہ ششم اور اس کے بھائی کے درمیان وہ اختلاف جس نے ویر راجندر کو وکرم آدتیہ کے ساتھ صلح کرنے کا موقعہ دیا اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا جب تک سومیشور اوّل فوت نہیں ہوا۔ ویر راجندر کو اس موقعے پر سومیشور اوّل کی وفات کا علم نہیں تھا۔ لہذا ہلتش کی طرح ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ منی منگلم کے کتبے میں جو پانچویں سال حکومت کا ہے، ویر راجندر کے چھٹے اور ساتویں سال حکومت کے کتبوں میں مندرج واقعات کو پہلے ہی سے قیاس کیا جا سکتا ہے (SII - iii - صفحات 193 تا 195)۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ 1.27 میں مندرج لفظ "پرتن" اس بات کو ناممکن بنا دیتا ہے کہ ہم اسے وکرم آدتیہ ششم قرار دیں (مقابلہ کیجیئے اسی کتبے کا 22.1، نیز "تکیاگ پرانی" v. 774 - جس میں "پرتن" یعنی حریف چالوکیہ اور "ارتن" یعنی دوست چالوکیہ میں فرق سمجھا گیا ہے)۔ پھر اگر ہم چھٹے اور ساتویں سال حکومت کے کتبوں میں مندرج

عبارتوں کو دیکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا اشارہ ایک ہی واقعے کی طرف ہے۔
جو منی متنگلم کے کتبے میں درج شدہ واقعے سے مختلف ہے جس میں وکرما دتیہ اور
ویر راجندر کے باہم دوست بن جانے کا ذکر ہے۔ کتبہ SII - iii - 83 (چھٹے سال
حکومت کا) کہتا ہے کہ اس سے پیشتر کہ سومیشور دوم اپنے گلے کی مالا کھولتا
(ii، 7 تا 8) ویر راجندر نے کمپلی کو نذر آتش کر دیا اور کرڈیگل پر قبضہ کر لیا۔ یہ
پہلا موقعہ تھا جب وجے آدتیہ کی جانب سے وینگی کی فتح کے بعد چالوکیوں سے
معرکہ ہوا۔ VII '84 (ساتویں سال کے) کتبے میں (ii، 5 تا 6) درج ہے کہ اسی
موقعے پر سومیشور دوم کو مجبور ہو کر کنرا دیش چھوڑنا پڑا اور اطاعت شعار وکرما دتیہ
کو چولا شہنشاہ نے اپنے گلے کی مالا عطا کی۔ "وکرمانک دیوچرتا" میں بھی اس کے
ہیرو (وکرمادتیہ) اور چولا تاجدار کے مابین اتحاد کی تاریخ سومیشور اوّل کی وفات کے
بعد بتائی گئی ہے۔ اور معاہدہ ہونے کا مقام دریائے تنگ بھدرا کے کنارے بنایا گیا
ہے۔ نیز اسی نظم کے مطابق وکرمادتیہ اپنے والد کی وفات کے وقت اپنی فتوحات کی مہم
پر باہر گیا ہوا تھا۔ یہ فتوحات اس نے وینگی اور چتر کوٹ تک حاصل کیں جو صحیح ہو سکتا
ہے۔ کیونکہ جب سومیشور اوّل کوڈل سنگم میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے حسب وعدہ نہیں
آیا تو ویر راجندر کو خود وینگی جانا پڑا تھا۔ آخری بات یہ ہے کہ ایسا قیاس کر لینا ضروری
نہیں ہے کہ گلے کی مالا یقینی طور پر صرف ولی عہد ہونے کی علامت تھی اور حکمران ہونے
کی نہیں۔ بلتش کی طرح یہ رائے رکھنا بھی ضروری نہیں ہے (SII - iii - صفحہ 194) کہ ویر
راجندر کے چھٹے سال حکومت کے دوران سومیشور اوّل زندہ تھا اور سومیشور دوم اس
وقت تک ولی عہد سلطنت ہی تھا (IA - XX - صفحہ 267 - زیر عنوان وجیا دتیہ پنجم ودیگر
حوالہ جات جو وہاں دیئے گئے ہیں)۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ گلے کی مالا ماتحت حیثیت کی
نشانی تھی تو بھی سومیشور سوم کے اپنی "کنٹھکا" (مالا) کھولنے کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ اب بااختیار خود حکمران بن چکا ہے۔ اور شاید
یہی خیال زیادہ صحیح اور معقول بھی ہے۔

(152) EI - vii - صفحہ 9

(153) "وکرمانک دیوچرتا"۔ iv - 44 تا 68 'EC - vii ۔ سنسکرت 136 (153-الف)

ڈاکٹر ایس کے آئینگر کی "Ancient India" صفحہ 123۔ اے وی وینکٹا رمنیا کا خیال سابقہ صفحہ 23۔

ڈاکٹر وینکٹا رمنیا کا خیال ہے کہ سومیشور اوّل نے ویر راجندر کو یہ جھوٹا پیغام بھجوا کر اس سے دھوکہ بازی کی کہ وہ کوڈل سنگم میں اس سے مقابلہ کرے گا جبکہ واقعی اس کے دل میں یہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے وکرمادتیہ کو مغربی ساحل کے راستے سے جنوب کی جانب بھیجے اور اس طرح جنگ کو عین چولا ریاست کے اندر پہنچا دے یہی وجہ تھی کہ سومیشور مغربی سمندر کی طرف گیا جس کو چولا کتبوں میں غلط بیانی سے جنگ سے اس کا مغربی سمندر کی جانب فرار بتایا گیا ہے۔ اس نئے نظریے کے لیے جس شہادت پر انحصار کیا گیا ہے وہ بلہن کی "کاویہ" ہے (دیکھیے Easteran Calukyas صفحہ 259۔ اور اس کے آگے کے صفحات)

153 - ب) 36 - iv

(154) اس کے دونوں معنی نکلتے ہیں، "ایک بہادر آدمی" اور "چالوکیہ"۔

(155) iv - 29 '30

(156) دراکشارا میں بہت سے بلا تاریخ کتبے دستیاب ہوئے ہیں جن میں شری پرانتکا کو کونیرن مایکونڈار سرولوک آشریا شری وشنو وردھن مہاراجہ کے ساتھ وفاداری کے لیے مختلف سرداروں نے جو حلف لیے وہ درج کیے گئے ہیں۔ شاید ان القابات سے مراد وجیادتیہ ہفتم ہے، اور یہ کتبے اسی کے عہد کے ہیں۔ (SII - iv - 1269 تا 1275) "Eastren Calukyas" صفحات 249 تا 250

(157) 1915 کے کتبہ نمبر 182 میں صاف طور پر درج ہے کہ ویر راجندر نے چالوکیہ افواج سے سکر کوٹم میں مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی۔ "ویر راجندر۔ پڈائنگ۔ کڈکیوڑ وڈا۔ آشاپئے۔ چکر کوٹو۔ ٹیک۔ کڈن ریلند شلکنت۔ تانئیا ئے کنل۔ پڈنوڑی" (کلوتنگا کے ابتدائی عہد کے کتبوں سے بھی موازنہ کیجیے (EI - xxi صفحات 232-233 اسی کتبے میں دو اور مقامات پر لڑی گئی جنگوں کا ذکر بھی ہے، ایک کونڈئی میں اجو راجہ مندری سے ستر میل دور واقع تھا۔" دیکھیے (Eastern Calukyas" ۔ صفحہ 266۔ حاشیہ نمبر 2) اور دوسری کاوی میں۔ ان دونوں جنگوں

بس بہت سا مال غنیمت چولوں کے ہاتھ لگا اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو جن میں عورتیں بھی شامل تھیں گرفتار کرلیا۔ وہاں ایک فتح کا مینار بھی تعمیر کیا گیا جس پر شیر کا شاہی نشان ثبت کیا گیا۔ "پُلی شٹُو کلِہ جیہ ستمب تاٹی" (۹۰۹) جملے کا مفہوم ہے "پتھر کا ایک مینار فتح تعمیر کر کے جس پر شیر کا شاہی نشان کندہ تھا۔" EI میں کتبے کے مؤلف نے ایک مقام کا نام پُلی شٹو کل (صفحہ 243) دریافت کیا ہے اگرچہ اس نے صفحہ 228 پر اس مقام کی کوئی شناخت پیش نہیں کی۔

(158) ہلتش نے "اگلی ڈی پُونڈ جیہ ترُو وڈم" کے جملے کو بلا شبہ غلط سمجھا ہے۔ اس کا ترجمہ اس نے یوں کیا ہے۔ "فتح کی دیوی کے ساتھ جو درمیانی وقفے میں اس کی مخالف ہوگئی تھی۔" اس میں اسے "اس بات کا اعتراف نظر آیا ہے کہ چولوں کو شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔" SII - iii - صفحہ 70۔ حاشیہ نمبر 4۔ "اگلی" کے بعد جو "اڈی" لفظ آیا ہے وہ صاف طور پر تخصیص مقام کے لیے آیا ہے اور اس سے پہلے کے لفظ کا مطلب متن کے اعتبار سے جنگ ہے کہ نہ عداوت۔

(159) ہلتش SII - iii - صفحہ 193

(160) راجا کے اس بڑے بھائی کو ہلتش آلو ندان قرار دیتا ہے۔ SII - iii - صفحہ 194

(161) V - 77

(162) CV - باب 58، VV - 1 تا 17 - کاڈرنگٹن (SHORT HISTORY - صفحہ 56) کا کہنا ہے۔ "پولو نارُوا کو تسخیر کرنے کی اوّلین کوشش تقریباً ۱۰۶۶ء عیسوی میں کی گئی لیکن یہ ناکام رہی اور وجے باہو خود کو وانگری (ضلع کیگلا میں واقع ایک مقام واکرگل) میں محصور کر لینے پر مجبور ہو گیا۔ میرے خیال میں وانگری کا محاصرہ بعد کی یعنی ۱۰۷۰ء کی جنگی مہم کے دوران کا واقعہ ہے جس کا تذکرہ CV میں V۔ نمبر 18 سے شروع ہوتا ہے۔

(163) 1915 کا نمبر 182

(164) 1894 کا نمبر 175 - 1901 کا 266، SII - iii - 84

(165) EC - vii، S.K. 136

(166) SII - iii - 83

(167) EI - xii - صفحات 295 تا 309

(168) SII - iii - 84

(169) v - 774

(170) "وکرمانک دیو چرتا" - v، E9 - v، 10

(171) v - 25 - 26

(172) v، 28 — vi، 3

(172 - الف) TBBRAS - ix صفحات 278، 202 - B.G. - 1، ii صفحہ 567

(173) مثلاً 1913 کا 127 — 1920 کا 455 — EC، xi - cd 82، SII
iii صفحہ 567

(174) SII - iii - 84 — 11، 1-2

(175) SII - iii صفحہ 194

(176) 1902 کا نمبر 371 تا SII - iii - 81 - 1904 کا 273

(177) vv - 75، 77-78

(178) v - 79 (جزو)

(179) vv — 80، 61

(180) 1915 کا 182

(181) SII - iii - 57، 11، 11-12

(182) SII - iii - 57، 11، 11-12

(182) 1915 کا نمبر 182 — 1، 25

(183) SII - ii - 58 صفحہ 234

(184) ARE - 1899 پیراگراف 50، SII - iii صفحہ 197، وبرشولنگم - پائرم۔

بارھواں باب

کلوتنگا اوّل کی تخت نشینی (سنہ 1070ء)

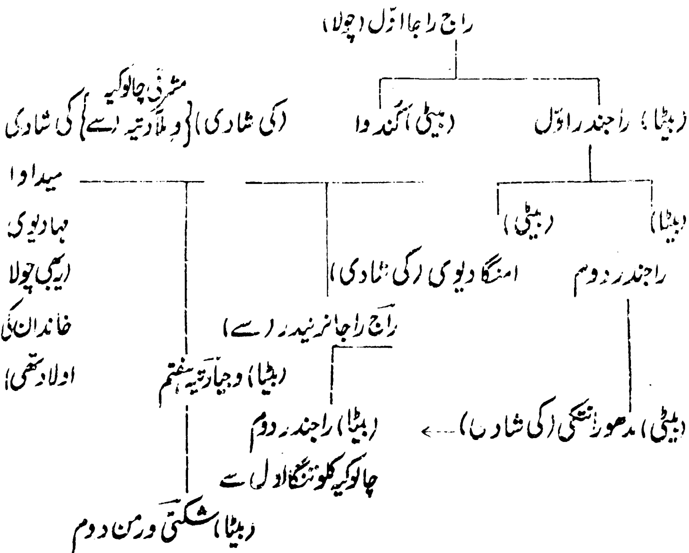
ادھیراجندر

ویرراجندر سنہ 1070ء کے آغاز ہی میں جو اس کے عہد حکومت کا آٹھواں برس تھا، فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا جانشین پراکیسری ادھیراجندر تخت پر بیٹھا جس کی حکومت صرف چند ہفتے رہی۔ چنانچہ اس کے بعد 9 جون سنہ 1070ء کو کلوتنگا چولا اوّل تخت نشین ہوا۔ چونکہ ہمیں ادھیراجندر کے جو کتبات دستیاب ہوئے ہیں وہ اس کی ولی عہدی کے تیسرے سال کے ہیں اور کلوتنگا کی تخت نشینی کی صحیح تاریخ کی تصدیق اس کے تیلگو علاقے سے ملنے والے کتبات سے ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ ویرراجندر نے سنہ 68-1067ء کے دوران کسی وقت ادھیراجندر کو ولی عہد منتخب کیا ہوگا۔ ادھیراجندر کے تعلقات ویرراجندر سے کیسے تھے۔ اس کا پتہ "وکرمانک دیوچرتا" میں درج اس واضح بیان سے چل جاتا ہے کہ اپنے خسر کی وفات پر وکرمادتیہ کانچی اور گنگائی کونڈاپور کے لیے روانہ ہو گیا تاکہ اپنی بیوی کے بھائی کو چولا تخت پر بٹھا سکے۔ اس کا عہد حکومت اتنا مختصر کیوں تھا اور مشرقی چالوکیہ شہزادہ راجندر دوم سنہ 1070ء میں کیسے چولا تخت پر قابض

ہو گیا یہ کچھ ایسے سوالات ہیں جن کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ ان سوالات کے متعلق شہادتیں متعدد ماخذ سے ملتی ہیں جو ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں اور واقعات کی اس قدر تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ ایسا احتمال ہونے لگتا ہے جیسے کہ ہمارے مستند ماخذ نے واقعات کی جو تاویلیں پیش کی ہیں۔ ان سب کے پیچھے کوئی نہ کوئی خود غرضانہ مقصد کارفرما ہے۔

چولا راجگان اور مشرقی چالوکیہ حکمران

متعدد باہمی ازدواجی رشتوں کے نتیجے کے طور پر کچھ عرصے تک، مشرقی چالوکیہ خاندان، چالوکیہ سے زیادہ چولا خاندان بن گیا تھا۔ دونوں خاندان کے باہمی رشتے کی توضیح مندرجہ ذیل شجرۂ نسب سے ہوتی ہے۔



اس عہد کی مشرقی چالوکیہ کی تانبے کی تختیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک میں وجیادتیہ ہفتم اور اس کے بیٹے شکتی ورمن دوم کے عہد کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو دوسرے میں موجود نہیں ہیں۔ یہ خصوصیت چالوکیہ تاریخ

کے بعض دوسرے تذکروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

وجے آدتیہ ہفتم | پہلے حصے کے کتبات میں واقعات حسب ذیل طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ راج راجا نریندر کی تخت نشینی کے بارہ برس بعد اس کے سوتیلے بھائی وجے آدتیہ نے اسے تخت سے معزول کر دیا اور شاکا سمت 952 بمطابق سنہ 1013 عیسوی میں اس نے اپنی تاج پوشی کی جس عطیہ نامے میں اس کا ذکر کیا گیا ہے وہ وجے آدتیہ کی حکومت کے دوسرے سال کا ہے۔ شکتی ورمن کی تاج پوشی شاکا سمت میں اس دن کی گئی جس جلوس تحریر نہیں ہے۔ بتاتی ہیں کہ شکتی ورمن کی تاج پوشی شاکا سمت 983 میں اس دن کی گئی جس دن اکتوبر سنہ 1061ء کی 18، تاریخ پڑتی تھی۔ راج راجا اس وقت اپنی حکومت کے تقریباً 41 برس پورے کر چکا تھا۔ ان کتبات میں وجیا دتیہ کی تاج پوشی کا ذکر جو سنہ 1030ء میں ہوئی تھی، سرے سے حذف کر دیا گیا ہے آخری بات یہ ہے کہ ریالی سے دستیاب ہونے والی وجیہ آدتیہ ہفتم کی تانبے کی تختیوں میں (جس کے دو سیٹ ہیں اسں ۶ کے واقعات کا قطعاً کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے ان میں راج راجا کی حکومت کو صاف طور پر اکتالیس (41) سال دئے گئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ وجیا دتیہ نے اپنے سوتیلے بھائی سے اس کی سلطنت جبراً اس کے علم کے بغیر اس کی وفات کے وقت چھین لی اور اس کو از راہ محبت اپنے بیٹے شکتی ورمن کے حوالے کر دیا جس سے اسے بے حد پیار تھا اور جب بد قسمتی سے شکتی ورمن ایک ہی سال بعد فوت ہو گیا تو وجے آدتیہ کو بہت مشکل سے سمجھا بجھا کر اس بات پر راضی کیا گیا کہ وہ حکومت کے فرائض دوبارہ سنبھال لے، جیسے کہ ابھیمنیو کی موت کے بعد ارجن کو بمشکل رضامند کیا گیا تھا۔ ان عطیہ ناموں پر وجے آدتیہ کے بارہویں سال کی تاریخ درج ہے۔ علم کتبہ خوانی اور ان کتبات کی تاریخوں کے پیش نظر ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے ان کی صحت پر شبہ کیا جا سکے۔

ترتیب سنین اور واقعات جو ان دونوں قسم کی تختیوں میں درج ہیں ایک ہی طرح کے ہیں لیکن جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے یہ تختیاں کلوتنگا کی تختیوں سے مختلف ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ راج راجا نریندر مشرقی چالوکیہ تخت پر سنہ 1018ء میں بیٹھا جبکہ وجے آدتیہ اسی

تخت پر ۱۰۱۸ء سے یے کر سات برس تک قابض رہ چکا تھا اس طرح کیلہارن
کے حساب کردہ وِلّا دتیہ کی تخت نشین کی تاریخ کی ان تختیوں سے تصدیق ہو جاتی ہے
جو کیلہارن کے حساب سے ۱۵ مئی ۱۰۱۱ء ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے
کہ وِلّا دتیہ کے رلستا پونڈی کے عطیہ نامے پر راج راجا نرنیدر کی تاج پوشی کی تاریخ
۱۰۲۲ء درج ہے اور یہ کہ دوسرے مقامات پر راج راجا نرنیدر کی تاج پوشی کی
تاریخ ۱۰۲۲ء بتائی گئی ہے۔ ہر چند کہ اس طرح وجیا دتیہ ہفتم اور شکتی ورمن دوم کے
عطیئے نام راج راجا نرنیدر کی اکتیس برس کی حکومت دکھلانے میں کلوتنگا اول کے
عہد کے کتبات سے متفق ہیں، لیکن ان میں ان برسوں کی تاج پوشی بالکل مختلف جگہ سے
کی گئی ہے، یعنی ۱۰۱۸ء سے جو راج راجا کی تاج پوشی کی اس تاریخ یعنی ۱۰۲۲ء
سے چار برس پہلے کی ہے جو بعد کے کتبات میں دی ہوئی ہے۔

وجیہ آدتیہ ہفتم کا ناجائز قبضہ

ریالی کی تختیوں کی زبان نیز شکتی ورمن دوم کی تاریخ تاج پوشی
سے یہ شبہ پیدا ہوا ہے کہ وجیا دتیہ نے راج راجا کی موت تک انتظار بھی کیا یا اس
سے پہلے ہی اسے معزول کر دیا۔ جو صورت بھی ہو اس بات کو نظر میں رکھ کر کہ ویر
راجندر کے ساتویں سال (۱۰۶۸-۶۹ء) سے قبل کے کتبات میں کوئی بھی ایسا ذکر نہیں
آتا جس سے اس کا وجے آدتیہ سے کوئی تعلق ثابت ہو۔ اس قیاس کے لیے کوئی
وجہ معلوم ہوتی جیسا کہ اکثر سمجھا جاتا ہے کہ اس نے راج راجا کی وفات کے بعد کلوتنگا
اول اور وجیا دتیہ ہفتم کے مابین تخت نشینی کے تنازعے میں مداخلت کی ہو اور
اول الذکر کو تخت سے محروم رکھنے میں کوئی مدد کی ہو۔

کیا وجے آدتیہ دو تھے؟

وجے آدتیہ کی راج راجا اور غالباً اس کے بیٹے راجندر کلوتنگا سے
مخالفت جس کا پتہ ان تختیوں سے چلتا ہے، وجیا دتیہ کو وشنو وردھن وجیا دتیہ قرار
دینے میں معاون ہوتی ہے۔ اس کا ذکر مغربی چالوکیوں کے چند کتبات میں بھی ہے
اور چند مشرقی چالوکیہ القاب بھی اختیار کر لیے تھے مثلاً "سرولوکاشریہ" اور "وینگی منڈلیشور"
جو دفلیٹ نے جس نے سب سے پہلے ناموں اور القاب کی مشابہت کی بنا پر یہ

تجویز کی تھی بعد میں اس خیال کو ترک کر دیا اور مغربی چالوکیہ شہزادے کو سومیشور اوّل کا چوتھا بیٹا قرار دیا، جس کا ذکر بلہن نے بظاہر اس لیے نہیں کیا کہ اس نے کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا تھا۔ لیکن حال ہی میں فلیٹ کی تجویز کی چند فاضلوں نے دوبارہ تائید کی ہے۔ یہ وجے آدتیہ ہفتم اور اس کے بیٹے شکتی ورمن دوم کی تازہ دریافت شدہ تانبے کی تختیوں کے زیر اثر کیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ 1030-32ء میں پہلی مرتبہ تخت پر قبضہ کر لینے کی کوشش ناکامی کے بعد وجے آدتیہ ریاست وینگی سے چلا گیا۔ اور اس نے سومیشور اوّل کے یہاں ملازمت کر لی اور اس سے مدد بھی حاصل کی۔ یہ صحیح ہے کہ چالوکیوں کی دونوں شاخوں میں باہمی ازدواجی رشتہ، جیسا کہ فلیٹ نے فرض کر لیا ہے، ناممکن ہے اور وجے آدتیہ وشنو وردھن اگر سومیشور اوّل کا بیٹا ہوتا تو اس کی ماں ایک مشرقی چالوکیہ شہزادی نہیں ہو سکتی تھی۔ مزید براں بلہن کا اس نام کا ذکر تک نہ کرنا اور کتبات میں "تت پاد پدمار دھکا" کا جملہ جو سومیشور اوّل سے وشنو وردھن وجیا دتیہ کے رشتہ کی وضاحت کرتا ہے ان دونوں باتوں سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ سومیشور کا بیٹا نہیں تھا اگرچہ چند دوسرے مقامات پر اس کا ذکر "مگا" اور "نندن" کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

کلوتنگا کے بیٹوں کی مشرقی چالوکیہ تختیاں

اب ہم مشرقی چالوکیہ کی تانبے کی تختیوں کی شہادت کا دوبارہ جائزہ لیتے ہیں۔ کلوتنگا کے بیٹوں کے تین عطیہ نامے جو ٹیکی چیلور اور پیتھاپورم کے عطیہ نامے کہلاتے ہیں اور جن پر بالترتیب اس کے عہد حکومت کے سترہویں، اکیسویں اور تیئیسویں برس کی تاریخ درج ہے۔ ان میں ونگی کے واقعات کو اسی طرح سے بیان کیا گیا تھا جس طرح خود کلوتنگا نے اسے اپنے بیٹے راج راجا ممڈی چوڈا کے سامنے اس وقت بیان کیا تھا جب وہ اسے چولا سلطنت کے شمالی صوبے کے وائسرائے کی حیثیت سے وینگی بھیج رہا تھا۔ ان تختیوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ 41 سال تک حکومت کرنے کے بعد جب راج راجا فوت ہوا تو راجندر کی تاجپوشی پہلے وینگی کے خود مختار راجہ کے طور پر کی گئی اور اس نے خوب شہرت حاصل کی۔ پھر چوڈا راجیہ میں اس کی تاج پوشی کی گئی جس کا مرتبہ دیو یندر سے کسی صورت میں کم نہیں

تھا۔ اس نے مدھورانتکی سے شادی کی جو سمندر سے نکلنے والی لکشمی تھی۔ یہ سمندر سورج بنسی نسل کا "تلک" راجندر دیو تھا۔ اس رانی کے بطن سے اس کے کئی بچے ہوئے جن میں سے ایک راج راجا سے اس نے کہا "بچے! وینگی کی عظیم ریاست ماضی کے دنوں میں میں نے اپنے چچا راجہ وجے آدتیہ کے سپرد کر دی تھی کیونکہ میں فتوحات کی ایک مہم پر جانا چاہتا تھا۔" (یا جیسا چیلور کی تختیوں میں درج ہے، کیونکہ میں چولا سلطنت کو حاصل کرنا چاہتا تھا)۔ وہ بھی جو ایک دیوتا کے مانند تھا اور زور و طاقت میں شیر کا ہم پلّہ تھا" اس ریاست پر پندرہ برس حکومت کرنے کے بعد سورگ سدھار گیا"۔ ٹیکی کی تختیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وجے آدتیہ کی موت سنہ 1077ء کے دوران کسی دن ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کلوتنگا نے وجے آدتیہ کو سنہ 1062ء کے قریب اپنا نائب السلطنت مقرر کیا ہوگا۔

وجے آدتیہ ہفتم کے ساتھ اپنے مراسم کے متعلق کلوتنگا کے ان بیانات اور دوسرے ماخذ سے ان کے متعلق حاصل شدہ ہماری معلومات میں مطابقت قائم کرنے کے لیے ہمیں اس وقت اور ان حالات کو ذہن میں رکھنا ہوگا جن میں مذکورہ بالا جملے کلوتنگا کہے تھے سنہ 1077ء تک کلوتنگا کا چولا تخت پر اچھی طرح تسلط ہو چکا تھا۔ اور اس نے اپنے چچا کی وفات کے بعد ایک خوشحال اور وسیع سلطنت کے سربراہ کی حیثیت سے، جب وہ اپنے بیٹے کو نائب السلطنت بنا کر شمالی ریاست میں بھیج رہا تھا یہ الفاظ اس کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ پدرانہ شفقت، مذاقِ سلیم اور حکمتِ عملی کا تقاضا یہی تھا کہ بجائے اس کے کہ قدیمی تنازعات کو طول دیا جائے جنھیں اب بھلا دینے ہی میں دانائی تھی نائب السلطنت کے عہدے کے ماضی کو بہترین طریقہ سے پیش کیا جائے جس کی ذمہ داری شہزادے کو سنبھالنی تھی۔

کلوتنگا اور وجے آدتیہ کے باہمی تعلقات

یہ بات نہ صرف کلوتنگا کی پا ملاوا کا اور ریالی کی تختیوں سے ظاہر ہوتی ہے بلکہ شکتی ورمن دوم کی ان تختیوں سے جو تیلگو دارالعلوم میں رکھی ہوئی ہیں اور دیگر شہادتوں سے بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وجے آدتیہ کے [illegible] کلوتنگا اور اس کے والد کے ساتھ اس قدر خوش گوار نہیں رہے تھے۔

بننے کے بعد میں اس نے اپنے بیٹے کے روبرو بیان کئے۔ ہمیں مشرقی گنگا اور کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ کلوتنگا کے چولا شہنشاہ بننے کے بعد بھی وجیادتیہ اور اس کے بھتیجے کی باہمی عداوت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ راج اننت ورمن چوڈا گنگا کی وزیگا پٹم کی تختیوں میں درج ہے کہ اس کے والد راج راجا نے سب سے پہلے ایک "تامل لڑائی" میں فتح کی دیوی کا شوہر بننے کے بعد چولا شہنشاہ کی بیٹی راج سندری سے بیاہ کر لیا۔ اسی خاتون کا ذکر ایک اور مقام پر غیر مشکوک الفاظ میں راجندر چولا (ویر راجندر) کی بیٹی اور راج راجا کی مہارانی کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ وجیادتیہ کی زندگی کے آخر کے دنوں میں گنگا حکمران نے بھی اسے مدد کی پیش کش کی تھی۔ جس عطیہ نامے میں "تامل لڑائی" کا ذکر آیا ہے اسی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "جب وجیادتیہ پر بڑھاپا آنے لگا اور اس نے وینگی ریاست کو خیرباد کہا جیسے کہ وہ آسمان سے رخصت ہوتا ہوا سورج ہو اور چوڈوں کے وسیع سمندر میں ڈوبنے والا ہو" تو کالنگ نگر کے والی راج راجا نے کچھ مدت تک مغربی علاقے یعنی وینگی میں، جو کالنگ نگر کے پچھم میں تھا، اس کو آرام و آسائش سے رہنے دیا۔ ان واقعات کی تاریخ اندازاً راجہ ون پتی کے شاکا سمت 997 بمطابق 1075ء عیسوی کے دیرگھاسی کے کتبے سے معلوم ہوتی ہے جس میں چولا افواج کے خلاف ون پتی کی ان فتوحات کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے جو اس نے اپنے آقا گنگا راجہ کی جانب سے لڑ کر حاصل کی تھیں۔ اس طرح اس عہد کے گنگا کتبات سے کلوتنگا اور مشرقی گنگا راج راجا کے مابین لڑی گئی ایک جنگ کی تصدیق ہو جاتی ہے جس کے بعد راج راجا گنگا نے وجیہ آدتیہ ہفتم اور اس کے بھتیجے کلوتنگا کے درمیان صلح کرا دی تھی اور جس کے کچھ عرصہ بعد وجیادتیہ فوت ہو گیا تھا۔

اب ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم وینگی کی ریاست میں دلچسپی رکھنے والے سبھی حکمرانوں کے باہمی تعلق کی وضاحت کر سکیں اور اس وجہ کی بھی جس کے پیش نظر ویر راجندر نے وینگی کی ریاست وجیادتیہ ہفتم کے سپرد کر دی تھی جس کے خلاف وہ وینگی اور کرناٹک میں برسوں تک برسرپیکار رہا تھا۔ 1061ء میں راج راجا نریندر کی موت سے یہ تمام جھگڑا شروع ہوتا ہے جو 1068ء میں سومیشور اول کی

موت کے جلد بعد ایک سیاسی انقلاب کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

ویر راجندر کی مداخلت

جب راج راجا کی وفات کے بعد وجیا دتیہ ہفتم نے وینگی کے تخت پر قبضہ کر کے اسے سومیشور اوّل کی مدد سے اپنے بیٹے شکتی ورمن دوم کو دے دیا تو چولا تاجدار ویر راجندر نے وینگی میں چولا اثر و اقتدار کو از سر نو بحال کرنا چاہا جو حال ہی میں اس کے بھائیوں کی غفلت کے باعث ختم ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے شکتی ورمن دوم کو لڑائی میں موت کے گھاٹ اتار دینے کے باوجود اس سے سیاسی صف بندی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ وجیہ آدتیہ اگرچہ بیٹے کی موت کے صدمے سے سوگوار تھا تاہم وہ اس مشورے کو مان گیا جو اس کو دیا گیا تھا کہ وہ وینگی میں حکومت چلائے اور اس میں سومیشور اوّل اور اس کے بیٹوں بالخصوص وکرما دتیہ نے اس کی دل کھول کر مدد کی۔ سومیشور اوّل کی وفات تک یہ سیاسی صورت حال قائم رہی۔ اس کے بعد وکرما دتیہ کے حریصانہ منصوبے سیاسی بساط پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ وکرما دتیہ سومیشور اوّل کا ایک چھوٹا بیٹا تھا لیکن اسے اپنی صلاحیت کا اچھی طرح احساس تھا اور اس نے اپنے بڑے بھائی سومیشور دوم کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں جو اس کے والد کے بعد تخت نشیں ہوا تھا۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ قیمت ادا کر کے چولا حکمران کی حمایت حاصل کرے گا۔ اسے وینگی میں ویر راجندر کی دلچسپی کا بخوبی علم تھا چنانچہ وینگی میں اس نے ویر راجندر کو مطمئن کر دینے کا عزم کر لیا بشرطیکہ وہ اپنے بھائی کے خلاف اس کی مدد حاصل کر سکے اور اس کے ذریعہ اگر سالم چالوکیہ سلطنت نہیں تو کم از کم اس کا کچھ حصہ ہی حاصل کر لے اس ترکیب سے چولا چالوکیہ جنگ کا یہ پہلو ختم ہو گیا۔ وجیا دتیہ صرف وینگی کی ریاست پر چولا ریاست کی ایک جاگیر کی حیثیت سے حکومت کرنے پر راضی ہو گیا۔ وکرما دتیہ کو چالوکیہ سلطنت کا نصف حصہ مل گیا جو اس کے بھائی سے ویر راجندر نے اسے زبردستی دلایا نیز اسے ویر راجندر نے اپنی ایک بیٹی بھی بیاہ دی اور اپنی دوسری بیٹی راج سندری کالنگا کے حکمران راج راجا سے بیاہ دی جس نے وکرما دتیہ کی حمایت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ اگر ویر راجندر اس تصفیئے کے بعد جلد فوت نہ ہو جاتا اور کچھ برس اور زندہ

رہتا تو تاریخ کے دھارے نے جو رخ بعد میں اختیار کیا وہ قطعاً مختلف ہوتا۔

سنہ 1063-70ء میں کلوتنگا کی حیثیت

اگر مشرقی چالوکیوں کی تختیوں کے دعوے کے مطابق (جو وجے آدتیہ کی تختیوں کے بیان سے بالکل مختلف ہے) راجندر کلوتنگا کی تاج پوشی وینگی کے حکمران کی حیثیت سے واقعی سب سے پہلے ہوئی تھی تو یہ تعجب کی بات ہے کہ یہ تختیاں ہمیں اس تاج پوشی کے اصل تاریخ کے متعلق کچھ نہیں بتلاتیں جیسے کہ تاج پوشی کے دوسرے واقعات کی تاریخیں ان سے معلوم ہوتی ہیں۔ کلوتنگا کے تیلگو زبان کے کتبات جن میں سنہ جلوس اور رشا کا سمت کی تاریخیں بھی) واقعات کے ساتھ درج ہیں اس کی تائید کرتے ہیں کہ کلوتنگا کی حکومت سنہ 1070ء میں شروع ہوئی اور واقعی یہی تاریخ اس کے چولا تخت پر بیٹھنے کی اصل تاریخ تھی۔ کلوتنگا کے متعلق حل طلب مسئلہ یہی ہے کہ اپنے والد کی وفات سے لے کر سنہ 1070ء تک وہ کیا کرتا رہا۔ فلیٹ نے ٹیکی اور چیلور کے عطیہ ناموں کے دو بیانات یہاں اکٹھے کر دیئے ہیں کہ کلوتنگا نے اپنے چچا کو وینگی میں اپنا نائب السلطنت اس لیے تعینات کیا کہ وہ (1) فتوحات کے لیے جنگی مہم پر جانا چاہتا تھا (2) چولا راج کا قیام چاہتا تھا اور یہ نتیجہ نکالا کہ کلوتنگا نے چولا تخت لڑکر حاصل کیا۔ اس نے اس واقعہ کی تاریخ سنہ 1063ء بتلائی ہے حالانکہ "وکرماںک دیوچرِتا" میں اس کے متعلق ایک بہت بعد کی تاریخ دی گئی ہے۔ فلیٹ نے اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ کلوتنگا کا چولا سلطنت کو فتح کرنا اور اسے اپنی ریاست میں شامل کرنا تنہا چولا تخت پر جانشینی کی ناکامی ہی کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ اس میں خود چولا سلطنت کی اندرونی بغاوت اور بدنظمی کا بھی بڑی حد تک ہاتھ تھا جس کا کچھ پتہ ہمیں "کالنگتو پرانی" سے مل جاتا ہے۔ بعد کے مصنفین نے اگرچہ ان واقعات کے لیے فلیٹ کی وضع کردہ تاریخ کی غلطی محسوس کی لیکن وہ اس کے جارحانہ حملے کی رائے کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے یہی نہیں بلکہ انھوں نے کلوتنگا پر سیاسی قتل کا الزام بھی عائد کر دیا ہے۔ اگر ہم سردست ادبی مآخذ پر مفصل بحث آیندہ کے لیے ملتوی بھی کر دیں تو بھی یہ بات یہاں مشاہدے میں آئے گی کہ فلیٹ نے دو متبادل بیانات کو جو ماضی کے واقعات کے متعلق الگ الگ مخصوص حالات کے پیش نظر کیے

گئے ہیں، یکجا کر دیا ہے اور اس طرح جارحانہ حملے کا نظریہ جو اس نے اپنایا ہے. صحیح نہیں ہے. ”وکرمانک دیوچرتا“ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کلوتنگا نے اپنے حریفوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے خفیہ قتل کر والئے ہوں یا کھلم کھلا لڑائی میں انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہو اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فلیٹ کو اس کی خبر نہیں تھی کہ کلوتنگا کی طرف سے وینگی میں وجیاآدتیہ کی بطور وائسرائے تقرری اور چولا تخت پر اس کے قبضے کے درمیان ویرراجندر کے پورے عہد کا وقفہ موجود ہے.

کلوتنگا کے ابتدائی تامل کتبات کی شہادت

ریالی کی تختیوں میں دئے ہوئے تذکرے کے مطابق کلوتنگا یا راجندر (جو بھی وہ اس وقت کہا تا تھا) اپنے والد کی وفات اور وینگی کے تخت پر وجے آدیتہ کے غاصبانہ قبضے کے وقت بیس برس کا بھی نہیں رہا ہوگا. اس بات کے پیش نظر کہ اس نے 1070ء سے لے کر پچاس سال کی طویل مدت تک حکمرانی کی اس بات کا بہت کچھ امکان ہے کہ 1062ء میں اس کی عمر بیس برس سے زیادہ رہی ہو. اس کے ابتدائی تامل کتبات میں کچھ ایسے واقعات درج ہیں جو بظاہر کرتے ہیں کہ جب اس کو اس کی میراث سے محروم کر دیا گیا تو اس کے بعد اس نے کیا کیا. اس کے دوسرے سال کے کتبات میں بتایا گیا ہے کہ وہ محض اپنی قوت بازو اور تلوار کے بل بوتے پر اپنے دشمنوں کی غداری سے محفوظ رہا. ہاتھیوں کے بہت سے جھنڈ اپنے قبضے میں کیے چکرکوٹ کے ناگ ومسی (ناگ ونشی) راجہ دھارا ورشا سے خراج وصول کیا اور زمین کو آہستگی سے اوپر اٹھایا جو اس کنول کے پھول کی طرح تھی جو شگفتہ ہونے کے لیے طلوع آفتاب کا منتظر ہو، بالکل اسی طرح جیسے وشنو نے اپنے سور کے اوتار میں زمین کو سمندر سے اوپر اٹھایا تھا اور اسے اپنے چھتر کے سائے میں بٹھا کر راحت بخشی تھی. جلد ہی بعد اس کے کتبات میں اس کی ان کامیابیوں کو اس کے ”النگوپ پردوم“ کی مدت سے وابستہ کیا جانے لگا جبکہ وہ ولی عہد سلطنت ہی تھا. اگر یہ خیال صحیح ہے تو ہمیں یہ نتیجہ نکالنا پڑے گا کہ راجندر نے 1063ء سے 1070ء تک کا زیادہ حصہ اس علاقے میں گزارا ہو اس وقت ریاست بستر میں شامل ہے اور غالباً

اس سے باہر پورو دیش میں اپنے لیے ایک چھوٹی سی سلطنت کی تشکیل بھی کر لی. البتہ شاید یہ نہ ہوا ہو جیساکہ اس کے کتبات ظاہر کرتے ہیں کہ اس نے ریاست چکر کوٹ پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا اور "پورو دیش" کے حصوں کو اس میں شامل کر لیا۔ ریاست وینگی جس کا چولوں سے اتحاد تھا کے اثر و اقتدار کی شمال کی سمت میں یہی توسیع وینگی اور چکر کوٹ پر وکرم ادتیہ کی فوج کشی کا باعث ہوئی. اس فوج کشی کا جواب ویر راجندر کی جنگی مہم کی صورت میں دیا گیا جس کا اختتام آخر کار بیزواده کی لڑائی کی شکل میں ہوا۔ یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ اس جنگ میں ویر راجندر پیشقدمی کرتا ہوا شکر کوٹم تک پہنچ گیا تھا۔ ویر راجندر کی وفات کے بعد کلوتنگا مناسب موقع دیکھ کر چولا ریاست میں داخل ہو گیا تھا کہ خود کو راجہ تسلیم کروا سکے۔ اس کی مزید تفصیلات بعد میں دی جائیں گی۔ چونکہ اس عرصے میں اسے کچھ لڑائیاں لڑنی پڑیں اور بعد میں اس پوری مدت کو چولا تخت کے حصول کے لیے ایک آزمائشی دور تصور کرنے لگا وہ یہ کہنے میں خود کو حق بجانب سمجھتا ہوگا کہ اپنے والد کی وفات کے بعد وینگی کی ریاست اپنے چچا وجیہ آدتیہ کے سپرد کرنے میں اس کے پیش نظر دو مقاصد تھے۔

ادبی شہادتیں

کلوتنگا کی تخت نشینی کے متعلق اب ہم ادبی شہادتوں کی طرف توجہ کریں گے۔ ایک مسئلے پر تو دو تصانیف کی شہادت کتبات کی شہادت سے مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ "وکرم انک دیو چرتا" اور "وکرما شولن الا" دونوں میں صاف طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کلوتنگا کے تخت نشیں ہونے سے قبل اور ویر راجندر کے بعد ایک اور راجہ تخت پر بیٹھا تھا۔ "الا" میں اس کے متعلق ایک بہت مختصر سا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کے عہد کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ "چرتا" میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک اندرونی بغاوت میں جو اس کی تخت نشینی کے چند دنوں کے اندر ہی اندر ہوئی تھی اپنی جان گنوا بیٹھا۔ ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا دور حکومت بہت ہی مختصر تھا۔ یہ راجہ بلاشبہ پراکیسری ادھیراجندر تھا جس کا ذکر کتبات میں ملتا ہے اور کلوتنگا نے خود بھی ادھیراجندر کو جائز تسلیم کیا جب اس نے راج کیسری کا لقب اختیار کیا۔ تاہم اس کے کچھ کتبات

میں ایک دوہری "پرشستی" بھی ملتی ہے جس میں دونوں اصناف "ورے تنی یاگوم" اور رِنگل یا دو دولنگ" کو یکجا کر کے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کلوتنگا کو براہِ راست ویر راجندر کا جانشین تسلیم کرنا چاہیئے۔

کیا کلوتنگا چولا خاندان کا متبنیٰ تھا۔؟

جین گونڈار کی تصنیف "کالنگتو پرانی" میں تو دیدہ و دانستہ ادھی راجندر کے عہد حکومت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اس خیال کی تائید میں اس نظم کے اکثر حوالے دیے جاتے ہیں کہ کلوتنگا کی پیدائش کے وقت ہی راجندر چولا دیو اوّل نے اسے چولا خاندان کا متبنیٰ بنا لیا تھا؛ اور اس کی پرورش اس کے نانا کے دربار میں ہوئی تھی لیکن شاعر نے جو اصل الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے کہیں بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ کلوتنگا کو متبنیٰ کرنے کی کوئی تقریب منعقد کی گئی تھی۔ الفاظ سے یہ بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ کلو نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال کہاں گزارے۔ اصل میں اس شہزادے کی تاریخ پیدائش راجندر اوّل کے عہد حکومت کے آخری حصے میں ہوگی اور ۱۰۴۵ء سے کچھ عرصہ بعد کی اس وقت راجادھیراج اوّل بہت مدت پہلے سے اپنے والد کے ساتھ بطور ولی عہد شریک حکومت رہ چکا تھا اور اس کے کئی بھائی سلطنت کے مختلف ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔ لہٰذا کسی کو متبنیٰ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور اگر شہزادی مدھو رانتکی کے ساتھ اس کی شادی کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کے متبنیٰ کیئے جانے کا تصور بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ دراصل جو کچھ جین گونڈار نے کہا ہے وہ محض یہی ہے کہ اس بچے کی پیدائش پر گنگائی گونڈا شولا کی مہارانی نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور اس کے اعضا پر کچھ علامات دیکھ کر اظہار تحسین لیا اور یہ کہا تھا کہ وہ سورج ونش کی حفاظت کے لیے اس خاندان کا ایک موزوں چشم وچراغ تھا۔ اس سے اگلے ہی شعر میں شاعر نے احتیاطاً یہ بھی کہہ دیا ہے کہ سورج ونشی اور چندر ونشی دونوں نسلوں کے راجہ یعنی راج جرنیدرا اور راجندر گنگائی کونڈا میں شہزادے کی ولادت پر مسرور ہوئے۔ شہزادے کے بتدائی دور کا ایک رسمی تذکرہ کرنے کے بعد شاعر کہتا ہے کہ ابھیے (یعنی ویر راجندرا

نے اُسے ولی عہد بنا لیا تھا۔ آگے چل کر وہ "دِگ وجے" کا حال بیان کرتا ہے جس میں صرف شمالی علاقے کے متعلق حوالے دیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ اس نے "وائرا کرم" اور "شکہ کوٹم" میں بہادری دکھا کر خوب شہرت حاصل کی۔ جب وہ شمالی علاقہ میں اپنی جنگی مہمات میں مصروف تھا۔ جنوبی خطے میں چولا شہنشاہ کا انتقال ہو گیا۔ اور ملک میں افراتفری اور بدنظمی پھیل گئی یہاں تک کہ ابھئے کلوتنگا نے واپس آکر امن و امان کو بحال کیا۔ بعض پہلوؤں سے جیئن گونڈار کا یہ تذکرہ قابل توجہ ہے۔ اس میں بڑی ہوشیاری سے ادھیراجندر کا ذکر کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور یہ دعوے کیا گیا ہے کہ ویرراجندر نے ابھئے کو زمین پر حکمرانی کے لیے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ یہاں زمین کا مطلب بلاشبہ چولا سلطنت ہی ہے۔ اس تذکرے میں وائرگدھ اور چکرکوٹ کی جنگی مہمات کی تفصیل از سر نو دی گئی ہے جیسی کہ کلوتنگا کے ابتدائی عہد کے کتبات میں ملتی ہے ان کتبات کی طرف ہم اوپر توجہ دلا چکے ہیں۔ فلیٹ کے قول کے مطابق اگرچہ شاعر کا مقصد محض اتنا ہی ہے کہ مجموعی طور پر ابھئے کو ایک چالوکیہ شہزادے کے بجائے چولا شہزادہ سمجھا جائے۔ پھر بھی اس نے چالوکیوں کے ساتھ اس کے رشتوں کو مخفی نہیں رکھا۔ اور ابھئے کی نوجوانی کے زمانہ کی کامیابیوں کو بیان کرتے ہوئے شاعر نے اس عہد کے ابتدائی کتبات کے بیانات سے انحراف نہیں کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تذکرے نے اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ جب چولا تخت پر قبضہ کرنے کا موقع آیا تو اس وقت ابھئے کہاں تھا۔ اس بات پر توجہ دینا خالی از دلچسپی نہیں ہوگا کہ ابھئے کی "دگ وجے" کے بیان میں اور کتبات میں ویرراجندر اور کلوتنگا کی "پرشستیوں" کو یکجا کر کے ادھیراجندر کی حکومت کے جائز ہونے کے شک و شبہ پیدا کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے۔ اس کے متعلق نظم اور کتبات میں مکمل اتفاق ہے۔

ادھیراجندر کی مشکلات

بلہن کی "وکرمانک دیوچرتا" اس داستان کو ایک اور نقطہ نظر سے بیان کرتی ہے۔ جو کلوتنگا کے اتنا ہی خلاف ہے کہ جتناکہ "کالنگتو پرانی" اس کے حق میں ہے۔ وکرمادتیہ کی شادی کے جلد ہی بعد اس کے خسر چولا تاجدار کا انتقال

ہوگیا اور سلطنت میں بد نظمی اور ابتری پھیل گئی۔ جب وکرمادتیہ کو اس کی خبر ملی تو وہ اس واضح عزم کے ساتھ کانچی کی جانب روانہ ہوگیا کہ وہ مرحوم تاجدار کے بیٹے کو تخت پر بٹھانے میں معاون ہو سکے۔ کانچی میں وکرمادتیہ نے کچھ دن بدکرداروں کو ختم کرنے میں صرف کیا۔ اس کے بعد وہ گنگا کنڈ کی جانب روانہ ہوا جہاں اس نے دشمن کی فوجوں کو قلع قمع کر کے چولا شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا۔ دارالخلافے میں تقریباً مہینہ بھر گزار کر جب وکرمادتیہ بظاہر مطمئن ہوگیا کہ امن وسکون بحال ہوگیا ہے تو وہ دریائے تنگ بھدرا کی جانب واپس چلا گیا اس کی واپسی کے چند دنوں کے اندر ہی اس کو خبر ملی کہ چولا شہزادہ ایک بغاوت میں مارا گیا اور وینگی کے حکمران راجگان نے اس کے خالی تخت پر قبضہ کر لیا۔" وکرمادتیہ ششم نے فوراً راجگان پر چڑھائی کر دی۔ موخر الذکر نے سومیشور دوم کو ترغیب دی کہ وہ اس کے ساتھ ہو جائے۔ چنانچہ لڑائی ہوئی جس میں فتح وکرمادتیہ ششم کے ہاتھ رہی۔ راجگان بھاگ نکلا لیکن سومیشور دوم کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح سومیشور دوم اپنا تخت بھی گنوا بیٹھا اس نظم کے مطابق جلد ہی بعد وکرمادتیہ ششم نے اپنے دکن کا حکمران ہونے کا اعلان کر دیا۔

مشکلات میں کلوتنگا کا حصہ

اس تذکرے سے قدرتی طور پر بعض سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان مشکلات کے لیے جو ویر راجندر کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں اور جن کے باعث وکرمادتیہ کے لیے کانچی اور گنگا کنڈ جانا اور اپنے سالے کو تخت پر بٹھانا ضروری ہوگیا تھا، کون ذمہ دار تھا۔؟ کانچی کے بدکردار لوگ کون تھے اور گنگا کنڈ کی دشمن افواج کون سی تھیں جنھیں وکرمادتیہ کو ادھیراجندر کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے اور خود اپنی دریائے تنگ بھدرا کی جانب مراجعت سے قبل دبانا پڑا! نیز اس بغاوت کی نوعیت کیا تھی جس میں وکرمادتیہ کی مراجعت کے چند دنوں کے اندر ہی ادھیراجندر اپنی جان گنوا بیٹھا!" وکرمانک دیو چرتا" میں ان سازشوں اور بغاوتوں میں کلوتنگا کی شرکت کا کوئی براہِ راست ذکر نہیں ہے، لیکن چند باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کلوتنگا کی ملک گیری کی ہوس اور سازشیں ہی ان واقعات کا

باعث ہوئیں۔ مثلاً ادھیراجندر کی مشکلات نے چولا تخت تک کلوتنگا کی رسائی کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اور وکرمادتیہ ششم نے کلوتنگا پر چڑھائی کی اور اس کے تخت پر قابض ہونے کے بعد اسے نکال باہر کرنے کی کوشش کی۔ نیز یہ کہ "کالنگتو پرانی" بھی ادھیراجندر کے عہد کے بارے میں قطعاً خاموش ہے لیکن بلہن کے اصل بیانات پر غور کیا جائے تو ان سے بھی فلیٹ ہی کے وضع کیے ہوئے اس نتیجے کی تائید ہوتی ہے کہ کلوتنگا چولا دیوا اوّل سلطنت کے اس اندرونی انتشار کے ذریعے ہی چولا تخت پر قابض ہونے کے قابل ہو سکا جس کا اختتام سابقہ چولا تاجدار کی موت پر ہوا۔

کیا مذہب اس انتشار کا باعث تھا؟

چولا ریاست کے انتشار کو جو چولا نسل سلسلہ منقطع ہو جانے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ان مظالم کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو راماتج اور اس کے پیروؤں پر ڈھائے گئے تھے اور جن کا بیان ویشنومت کی مقدس کتابوں میں ملتا ہے۔ باہم متضاد روایتوں اور داستانوں کی باہم تطبیق میں جو مشکلات ہیں ان کو ہم اگر نظر انداز بھی کر دیں اور سنت راماتج کی قدیم ترین سوانح عمریوں ہی کو اپنی نظر میں رکھیں مثلاً "دویہ سوری چرتا" اور "دیتی راج ویبھوم" جیسی تصانیف کے آخری ابواب تو بھی اس چولا راجہ کو شناخت کر لینا ممکن نہیں ہے جو راماتج اور اس کے پیروؤں کو مظالم کا تختۂ مشق بنانے کی پاداش میں "کرمی کنٹھ" ہو کر مرا۔ یہ راجہ یا تو ادھیراجندر تھا یا ویرراجندر جس کے بعد چولا نسل کا عملی طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ "دویہ سوری چرتا" کا یہ بیان اس رائے کو اور بھی قابل قبول بنا دیتا ہے کہ ترؤ وارور کے شوجی نے چولا خاندان کی حکومت کے خاتمے کا اعلان کر دیا تھا نیز ویرراجندر کے عہد کے خاتمے پر جو انتشار اور بدنظمی پیدا ہوئی اس سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے جس کی تصدیق "کالنگتو پرانی" اور "وکرمانک دیوچرتا" میں مل جاتی ہے گو اس کی وجوہات ان تصانیف میں نہیں دی گئی ہیں اور جو ممکن ہے ایک مذہبی انقلاب کا نتیجہ رہی ہو لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ راماتج کی زندگی کے متعلق جو تفصیلات دوسری تصانیف میں

ملتی ہیں، ان کی وضاحت کرنا اس قیاس کی روشنی میں آسان نہیں ہے۔ اور اسی لیے کسی ایک مفروضے کی بنا پر افسانوی روایات سے حاصل شدہ تمام مواد کو ہم آہنگ کرنا شاید ناممکن ہے۔

کلوتنگا کی تخت نشینی کن حالات میں ہوئی اس کے متعلق اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ کلوتنگا کے ابتدائی دور کے کتبات جو اب تک ہمارے علم میں آچکے ہیں ان خیالات کی تصدیق نہیں کرتے جن کا اظہار رلتش نے ان کتبات کے اپنے فاضلانہ تعارف میں کیا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱070ء سے آگے کلوتنگا عملی طور پر تمام چولا سلطنت کا مالک بن چکا تھا۔ اس میں صرف اتنی کمی رہ گئی تھی کہ وکرما دتیہ ششم کی مخاصمانہ کارروائیوں اور جنوبی ہند کی بغاوتوں سے جو کسی وقت بھی اٹھ کھڑی ہو سکتی تھیں اور جن کے لیے ویر راجندر کی وفات سے پیدا ہونے والے انتشار سے ماحول بڑا ساز گار ہو گیا تھا، نپٹنا ابھی باقی تھا۔ ضلع جنوبی ارکاٹ میں کنڈرامنگلم اور ضلع تنجور کے مقام ولوو ور میں راجندر کے دوسرے برس کے ایسے کتبات ملے ہیں جن کی تمہیدیں مخصوص قسم کی ہیں اور ان پر جو تاریخیں درج ہیں ان کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اس کے تیسرے برس کے کتبات میں آلن گڈی اور شیلور (ضلع تنجور) میں اور ضلع جنوبی ارکاٹ کے ادییار اور تربھوونی نامی مقامات میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے اور چوتھے برس کے کتبات میں اس کا نام کلوتنگا درج ہونا شروع ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں ان خیالات کو ترک کر دینا پڑے گا کہ راجگا کے چولا ریاست میں داخل ہونے کے بعد اور دریائے کاویری کے کناروں پر واقع علاقہ کو تسخیر کرنے کے پہلے چند برس گزر چکے ہوں گے یا یہ کہ جب اس نے اپنے اپنے پانچویں سال میں باضابطہ چولا سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اس وقت اس نے اپنا نام کلوتنگا رکھا۔ اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ "وکرمانک دیوچرتا" سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ادھیراجندر کی وفات کے جلد ہی بعد راجگا جنوب میں پہنچ گیا تھا اور اس نے جہاں تک ایک مرحلہ میں ممکن تھا چولوں کی کل سلطنت کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ وہ واقعی چولا تاجدار بن گیا تھا۔ وکرمادتیہ کے حملے کا مقابلہ کر کے اپنے نئے مرتبہ کو برقرار رکھنا اور دیگر شورشوں کو فرو بھی اسی کو کرنا تھا اور اگر یہ بات سچ ہے جیسا

کہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے واقعی اسی کے ہی ہیں تو یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ کلوتنگا کا لقب بھی اس نے شروع ہی سے اختیار کر لیا تھا۔

خلاصہ اوپر کی بحث کے نتائج کا ہم اب ایک خلاصہ دیں گے۔ کالنگتو پرانی کے اس بیان کے باوجود کہ ویر راجندر نے کلوتنگا کو اپنا ولی عہد بنا لیا تھا۔ ادھی راجندر کے کتبات کی اور "وکرما نک دیوچرتا" اور "وکرما شولنولا" کی شہادت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا اور اسی کے نتیجے کے طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ کلوتنگا کے درباری شاعر نے چولا تخت پر کلوتنگا کے استحقاق کو جائز قرار دینے کے لیے یہ قصہ گھڑ لیا ہے۔ جیئن گونڈار نے بھی براہ راست کوئی ایسا بیان نہیں دیا ہے کہ کلوتنگا کو چولا خاندان میں متبنیٰ کیا گیا تھا یا اس کی پرورش چولا دربار میں ہوئی تھی مشرقی چالوکیہ حکمرانوں کے تانبوں کی تختیوں پر درج عطیہ ناموں، وجے آدتیہ ہفتم اور شکتی ورمن دوم اور خود کلوتنگا کے بیٹوں کی تختیوں نیز کلوتنگا کے عہد کے ابتدائی تامل کتبات کی مدد سے ہم کلوتنگا کے شباب اور چولا تخت کے حصول تک اس کی زندگی کی داستان کو یوں مرتب کر سکتے ہیں۔ اس کے والد کی وفات پر اس کے چچا وکرما دتیہ نے ریاست پر قبضہ کر لیا اور اسے (جو ان دنوں شہزادہ راجندر کے نام سے موسوم تھا) اپنی میراث سے محروم کر دیا۔ تنہا اور بے یار و مددگار ہو کر اس نے دینگی کی حدود سے باہر چلکر کوٹ (بستر) کے علاقے میں قسمت آزمائی کی۔ غالباً اس نے اپنے لیے ایک چھوٹی سی ریاست بنالی تھی۔ اور اپنے چچا وجے آدتیہ سے صلح کر کے جو شکتی ورمن دوم کی وفات کے بعد خاص طور پر آسان ہو گئی تھی۔ وہ موقع کے انتظار میں تھا کہ کسی طرح چولا تخت اپنے لیے حاصل کرے۔ ویر راجندر کی موت کے بعد چولا سلطنت کے اندرونی معاملات میں جو خلفشار پھیلا وہ اس کے حصول مقصد میں مددگار ثابت ہوا، حالانکہ وینگی اور چولا ریاستوں کی حکومت ایک ہی شخص کے ہاتھوں میں یکجا ہونے سے روکنے کے لیے چالوکیہ راجہ وکرمادتیہ ششم نے بہتری کوششیں کیں۔ ادھی راجندر کی تخت نشینی میں رکاوٹ ڈالنے اور بعد میں اس کے رصہ حکومت کو مختصر کرنے کے لیے جو بغاوتیں ہوئیں ان میں کلوتنگا کی شرکت کی کوئی واضح شہادت موجود نہیں ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ بغاوتیں

مذہبی نوعیت کی تھیں اور راما نج کے زمانے میں وشنو مت کے پیروؤں پر چولا
حکمرانوں نے جو مظالم ڈھائے تھے انھیں کا نتیجہ تھیں۔ اس خیال کی تصدیق مذہبی
قصے کہانیوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ان کی تفصیل بہت واضح نہیں ہے
بہر صورت کلوتنگا نے چولا ریاست میں قریب ۹ جون سنہ ۱۰۷۰ء سے حکمرانی شروع کی
اپنے بعد کے کتبات میں کلوتنگا نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اصل حقدار کی حیثیت
سے چولا تخت حاصل کیا تھا اور اس طرح وہ دریائے کاویری کے ملک کا اس
کی تنہائی میں ایک قابل قبول رفیق بن گیا تھا۔

بارھواں باب

حاشیے

(1) Vii-EI صفحہ 7 حاشیہ نمبر 5 ۔ اب 13ر جون کی تاریخ کی رائے دی گئی ہے۔
ARE-1947-48 صفحہ 3 — نیز شری رنگم سے دستیاب شدہ اس سال کے کتبوں میں سے کتبہ نمبر 108-

(2) Vi 'VV' 25-6

(3) IA - XX صفحہ 277

(4) پیمل واکا کی وجیا دتیہ ہفتم کی تختیاں نمبر 11 '2 62-63 '6 JAHRS (Journal of the Andhra Historical Research Society) l-ii-297

(5) (ایضاً) l - 81

(6) JAHRS . V صفحہ 33، اور اس کے بعد کے صفحات

(7) پرو کشم راج راجیہ بھرانٹر دوتے ماتر سیہ یہ ا پریہ گرہین. بھا. راجیہ. شریم ویر شریا کیتہ 11 میں عجائب خانہ مدراس کے شری ٹی این رام چندرن کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے مجھے ریالی کی غیر مطبوعہ تختیوں کے مطالعے میں جو ان کی تحویل میں تھیں، بیری مدد کی۔ مزید دیکھئے ARE-1925 II-5 ' JAHRS. V صفحہ 44'V-16.

(8) EI - Vi صفحات 349-50

(8) ARE - 1914 II 10 میں اور ضمیمہ الف (ایضاً) کے نمبر 983 میں یہ تاریخ شاکا سمت 986 دی ہوئی ہے. متن یہ ہے "اندگن - وشو. ندھی". لیکن علم سیارگان کے اعداد و شمار کے حساب سے سمت زیادہ صحیح تاریخ معلوم ہوتی ہے۔

(10 ARE - 1901 پیراگراف 12' SII - iii صفحہ 128-"Eastran chalukyas"
صفحہ 245 اور اس کے بعد کے صفحات، نیز صفحات 285 تا 302۔

(11) IA-XX، 277-78

(12) B.G.- I ii -454 اور حاشیہ نمبر 5

(13) JAHRS-i-صفحہ 215، V-206-208، ARE-1925 II 3،
"Eastern Calukuyas" صفحات 250-55

(14) ARE-1925، II 3

(15) پلیٹ B.G.-ایضاً

(16) EI-vi-35، SII-i-39، IA، xix-صفحہ 427، EI-V-10

(17) راج راجا چوڈا گنگا کی تاج پوشی وینگی میں شاکا سمت 1006 (EI-V 34) میں ہوئی اس سے قبل ویر چوڈا وہاں چھ سال تک نائب السلطنت کی حیثیت سے کام کرچکا تھا۔ اور ممڈی چوڈا ایک سال تک (19-77 اور 17) اس طرح ممڈی کی بطور نائب السلطنت تقرری کا آغاز شاکا سمت 999 مطابق سنہ 1077 عیسوی میں ہوا۔

(18) IA - xviii-صفحات 106-109، کورتی کی تختیاں، JAHRS.i.صفحہ 106، اور اس کے بعد کے صفحات

(19) IA-xviii صفحات 163-64

(20) IA-xx صفحہ 276

(21) 1896 کا نمبر 231- EI-iv-95 مشرقی گنگا راج راجا نے 20 مئی سنہ 1070ء کو اقتدار سنبھالا (ARE.1919، صفحہ الف۔ نمبر 9)۔ 1896 کے کتبہ نمبر 248 (شاکا سمت 990) میں اس کے پیش رو راجا دیو جرہنا کے دئے ہوئے ایک عطئے کا اندراج ہے۔

(22) SII-iii - صفحہ 127

(23) IA-XX-277، 282

(24) ARE-1899- پیراگراف 51

(25) SII-iii-64-67 (ہیرالال کی اصلاح کے بعد) EI-ix، صفحہ 179، حاشیہ نمبر 1-2 - نیز "پومیل۔ ارذوئی" کی تمہید والا کتبہ، 1900 کا نمبر 125، جس میں ان ہی معاملات کا اندراج دوسرے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

(26) "ارکن ادستیو آشائیل اُرکم کملم انیائیل مگل" کے جملے کا مفہوم بیشتر غلط سمجھا گیا ہے۔ یہ صرف شاعری ہے اور اس میں کوئی جغرافیہ نہیں ہے۔ ہلتش نے اس ساری عبارت کا مفہوم ویسا ہی لیا ہے۔ (S II - iii - صفحہ 132) ڈاکٹر ایس کے آئینگر کا کہنا ہے کہ یہ حوالہ کڈارم کے متعلق ہے (دیکھئے Ancient India صفحات 130-31) لیکن یہ دونوں رائیں غلط ہیں۔ اس کی بالکل صحیح تشریح سب سے پہلے اے۔ وی۔ وینکٹا راما آئیار نے مدراس یونیورسٹی میں دیئے گئے اپنے "شنکر پاروتی" لکچر میں پیش کی تھی جو سنہ 1943ء میں دیا گیا تھا۔ دیکھئے انڈین ہسٹری کانگریس علی گڑھ منعقدہ سنہ 1943ء کی کارروائی صفحہ 161-162

(27) S II - iii - 68

(28) یہ صاف ظاہر ہے کہ سنہ 1063ء سے سنہ 1070ء تک کے درمیانی عرصے میں کلوتنگا کے مقام و حیثیت کے متعلق جتنے بھی نظریات پیش کئے گئے ہیں ان سب پر بحث کرنا غیر ممکن ہے میں پوری ذمہ داری سے ان نظریات میں ایک اور نظریئے کا اضافہ کروں گا۔ جہاں تک مجھے علم ہے اب تک یہ نظریہ کسی دوسرے شخص نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ میرے لیے اس کو پیش کرنے کا جواز صرف یہی ہے کہ خود کلوتنگا کے کتبات کی عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے دوسری سبھی رائیں اس قیاس پر مبنی ہیں کہ راجندر اس وقت اپنے والد راج راجا نریندر کا ولی عہد تھا جب اس نے دھارا ورشا کے خلاف کئے گئے حملے میں حصہ لیا۔ یا اس قیاس پر مبنی ہیں کہ اس وقت وہ ویر راجندر کا ولی عہد تھا۔ کتبات میں ادھیراجندر کی جو حیثیت بتائی گئی ہے اس کے پیش نظر دوسرا نظریہ صحیح ہونا ناممکن ہے۔ پہلا نظریہ صحیح ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس واقعے کی تاریخ بہت زیادہ پہلے کی متعین نہ کی جائے (JAHRS - I - صفحات 217-18) کلوتنگا کے متعلق ایک خیال اور ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ حالات کا فریب خوردہ شخص تھا جس نے ایک لڑائی میں ابھمینو کی طرح شکتی ورمن کو ہلاک کر کے جب اس کے سوگوار چچا کے ساتھ صلح کر لی (لیکن ریالی کی تختیوں کی عبارت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی) تو یہ دیکھا کہ اس نے چولا تخت کو تھیانے کا جو منصوبہ بنا رکھا تھا اس میں ویر راجندر اس سے بازی لے گیا تھا۔ (JAHRS - V صفحات 208-11)۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس امکانی حقیقت سے آنکھیں چرانے کی کوشش کی ہے کہ راج مہندرا کے فوت ہونے پر ویر راجندر رای کو راجندر دیو کا جانشین تسلیم کیا گیا ہوگیا۔ اس نے ترکالنگا میں یشہ کرن دیو کی پیش قدمی کو مذکورہ بالا واقعات کے ساتھ خلط ملط کر کے بھی غلطی کی ہے

کیونکہ یہ شخص ۱۰۷۳ء تک تو برسر اقتدار ہی نہیں آیا تھا (E I - ii x - صفحہ 207) ہلتش کی یہ رائے ہے کہ ۱۰۷۲ء سے پہلے ہی راجندر کلوتنگا نے وینگی کی ریاست اپنے چچا وجیادتیہ سے حاصل کر لی تھی. معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کے چچا کو یہ ریاست چولا حکمران ویر راجندر سے ملی تھی۔ (S II - iii - صفحہ 132) لیکن یہ بیان ٹیکی کے عطیہ نامے اور دیگر فرامین عطیہ میں مندرج اس بیان کے خلاف ہے کہ وجیادتیہ نے وینگی پر مسلسل پندرہ برس تک حکومت کی تھی۔ نیز ریالی کی ان تختیوں سے بھی جو وجیادتیہ کے بارہویں سال حکومت یعنی تقریباً ۱۰۷۴ء کی ہیں اس بیان کی تردید ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں مشرقی گنگا خاندان کے کتبوں کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے (پچھلا صفحہ 289 دیکھئے) ARE - 1914- II -10- جو S II - iii - صفحہ 128- کی نقل ہے۔

(29) II - 44 - 45 — "انگون پن کاول پُر ندِ دَنی کا توکُم"

(30) vi - 26

(31) 1923 کا 156 (دوسرے سال کا) 1919 کا نمبر 197 (پانچویں سال کا) ان سے پہلے کتبے میں "ویرے تُنگ" والی تمہید ہے۔ 1929 کے نمبر 197 اور 189 اور 1912 کا نمبر 434 (جو سینتیسویں[37]، اڑتیسویں[38] اور تینتالیسویں[43] سال کے ہیں۔) ARE - 1913 - II - 33

(32) اشلوک نمبر V - 29 iii میں یہ دعوٰے کیا گیا ہے کہ کوڈل شنگم کی فتح کے بعد یہ دھرتی کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ وہ براہ راست اس نظم کے ہیرو ابھیہ کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی۔ X - 25 - میں مذکور "منّر منّم" یا "منّر ویرن" ہرگز ادھیراجندر نہیں ہو سکتا بلکہ ویر راجندر ہوگا. ہلتش کی بھی یہی رائے ہے (S II - iii صفحہ 129)

(33) ہلتش S II - iii - صفحات 127 اور 196 ایس کے آئنگر حوالہ سابقہ صفحات 125 اور 129

(34) X - V V، 5 تا 7

(35) اس اشلوک نمبر X - 18 میں ابھیہ کا مطلب یقیناً ویر راجندر ہے۔ مقابلہ کیجئے viii V - 29 ویر راجندر کی جانب سے کلوتنگا کو تسلیم کرنے کے واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ ادھیراجندر حرام کی اولاد تھا جس کا تختِ شاہی پر کوئی حق نہیں تھا۔

(36) vi - 7 تا 26

(37) فلیٹ IA - xx صفحہ 281

(38) IA - xli - 217،

(39) IA - xli - صفحہ 217، اور اس کے بعد کے صفحات

(40) "آلکونڈ ولی گووندا آچاریہ" مطبوعہ میسور 1885ء جس کا متن تیلگو رسم الخط میں ہے۔ ناگری رسم الخط میں اس کا متن سہر دیا کی سر سیریز میں ہے۔

(41) IA - xxxviii - صفحہ 129 - اور اس کے بعد کے صفحات۔ تاہم ملاحظہ کیجئے IA - xl - صفحہ 152 جس میں ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(42) xviii - 84

(43) اس طرح کے غیر معتبر مواد کا تجزیہ کرتے وقت ہمارا ادعا سے احتراز کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مشکل ہے۔ کرمی کنٹھ چولا کو بالعموم قرار دیا گیا ہے قرار دیا گیا ہے۔ ایسا اس شہادت کی بنا پر کیا گیا ہے کہ بعد کی تصانیف مثلاً "دکویئلوگو" میں راما نج کے چولا ایذا رساں کو کلوتنگا نام دیا گیا ہے۔ دیکھئے اے گووندا چاریہ کی تصنیف "Life of Ramanuja" (مطبوعہ مدراس 1906ء) صفحہ 170 نیز ایس کے آئینگر کی "Antient India" صفحات 160 - اور 207 - ڈاکٹر آئینگر چولا اقتدار کے زوال کی تاریخ کلوتنگا اوّل کے عہد کے اختتام ہی سے تصور کرتے ہیں۔ جوالہ سابقہ صفحات 152 - اور 318۔ اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ میلوکوٹ کے مندر کی بنیاد ڈالنے کی روایتی تاریخ کرمی کنٹھا کی اس شناخت کے مطابق نہیں ہے (IA - جلد xli - صفحہ 224) یہ بھی ممکن ہے کہ بعد کی تصانیف میں کلوتنگا ایک خاندانی نام کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہو۔ یہ نام "گورو پرم پرا پربھاو" کی ایسی تصانیف میں بھی کہیں نہیں ملتا (آرائر پڈی" مطبوعہ مدراس 1927ء)۔ بتایا جاتا ہے کہ کرمی کنٹھ چولا نے چدامبرم کے نٹ راج مندر کے سامنے کے حصے سے گووندراجہ کا بت (اکھاڑ کر) سمندر میں پھینکوا دیا اور "دویہ شوری چرتا" میں مذہبی بے حرمتی کے اس فعل کا ذکر ان اقدامات کے ذکر کے شروع ہی میں کیا گیا ہے جو چولوں نے ویشنو دھرم پر ظلم ڈھانے کے لیے کیے تھے (viii x-72) اسی واقعے کا مکرر ذکر بہت عرصہ بعد کی ایک تصنیف "پرپنّ امرتم" میں کیا گیا ہے۔

(جس کا حوالہ ڈاکٹر ایس کے آئینگر نے دیا ہے۔ حوالہ سابقہ صفحہ 320) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اوٹاکوتن نے اس اقدام کو کلوتنگا دوم کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ دیکھئے "کلوتنگا شولن اُلا" II-76 تا 78 نیز "راج راجا شولن اُلا" II-64-66 جو بہت واضح ہے۔ مزید دیکھئے "تکیاگ پرنی" VII-777۔ لیکن ان اسباب کی بنا پر رائج پر ظلم ڈھانے والے کو کلوتنگا دوم قرار دینے کے لیے کوئی بھی آمادہ نظر نہیں آتا۔ تاہم یہ حکمران نٹ راج کے مندر میں نئی عمارات تعمیر کر کے اس میں توسیع و اضافہ کرنے اور اس (کے گنبد) پر سونے کا خول چڑھانے کے باعث مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ تمل شاعر نے اس کے اس کارنامے کو بیان کرتے وقت اس کے پیش روؤں میں سے کسی کے اس فعل کو بھی اس کے ساتھ منسوب کر دیا ہو، بصورت دیگر "دویہ شوری چیرت" کے بیان کی اصلیت بھی مشتبہ ہو جائے گی۔

(44) 1917 کا 358 - 1912 کا 425

(45) 1920 کا نمبر 497 — 1911 کا نمبر 55 - 1929 کا نمبر 279 — 1916 کا نمبر 185۔

(46) 1923 کا 156(2) - 1928 کا نمبر 101 — 1913 کا 468(4)

(47) SII - iii - صفحات 132 - اور 140

(48) ادھی راجندر اور غاصب شخص کے مابین جو خانہ جنگی چھڑی ARE-1906 کے پیراگراف نمبر 21 میں قیاس کر کے قلم بند کی گئی ہے اصل میں صرف ایک خیالی داستان ہے۔

(49) 1906 کے کتبات نمبر 145، 147، اور 151 — 1929 کا کتبہ نمبر 142 - 1912 کا نمبر 126

(50) EI-vii - صفحہ 7 حاشیہ نمبر 5 -

(50) EI-vii — صفحہ 7 حاشیہ نمبر 5۔ نیز دیکھئے پچھلا حاشیہ نمبر 1

(51) SII - iii - 68 - "پوزوسی" کے معنی "عصمت فروشی" نہیں ہیں جیسا کہ ہلتش نے سمجھا ہے۔ اس کا مفہوم دراصل یہ ہے کہ جب چولوں کا کوئی جانشین نہیں رہا تو لکشمی جو جنوبی ملک کی دولت تھی لاوارث ہو گئی اور دریائے کاویری کی سرزمین تنہا اور بے یار و مددگار رہ گئی۔ کلوتنگا کی آمد دونوں کے لیے اس صورتِ حال کا علاج ثابت ہوئی۔

تیرھواں باب

کلوتنگا اوّل (سنہ 1070ء تا سنہ 1120ء)

ایک نیا دور چولا سلطنت کی تاریخ میں کلوتنگا اوّل کی تخت نشینی سے ایک
نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ وینگی کی ریاست تقریباً ایک
صدی تک چولا سلطنت کی مبہم ماتحتی کے بعد قطعی طور پر اب اس کا ایک باقاعدہ
صوبہ بن گئی تھی اور اس میں ایک نئی روح پھونکنے والا خود ریاست وینگی ہی کا
حکمران تھا۔ کلوتنگا کے چولا شہنشاہ بننے کے بعد وینگی پر اس کے بیٹوں نے
یکے بعد دیگرے نائب السلطنت کی حیثیت سے حکمرانی کی۔ اس سے چولا سلطنت
کی قوت وطاقت میں زبردست اضافہ ہوا کیونکہ اس خطے میں مغربی چالوکیوں
کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ پہلے چالوکیہ چولا شہنشاہ
نے جلد ہی ان مشکلات پر قابو پا لیا جن سے اس کی تخت نشینی کے
وقت سلطنت کو زوال کا خطرہ لاحق تھا۔ نئے تخت حکومت پر مستحکم ہو جانے
کے بعد اس نے ایک طویل عرصے تک حکومت کی، جس کے بیشتر حصے
کی خصوصیات بے مثال کامیابی اور خوشحالی تھیں۔ اس نے غیر ضروری جنگوں
سے احتراز کیا اور اپنی رعایا کی فلاح وبہبود میں گہری دلچسپی کا ثبوت دیا۔ اس کی

پالیسی کے پائدار نتائج اس کے جانشینوں کے عہد حکومت میں نمایاں ہوئے
قریب ایک صدی یعنی کلوتنگا سوم کے عہد حکومت تک یہ سلسلہ جو اگرچہ اب پہلے
کی طرح وسیع نہیں تھی، متحد اور مستحکم رہی اور مجموعی طور پر اس دور میں اس
دائمی جنگ و جدال کی کمی رہی جو کلوتنگا کی تخت نشینی سے پہلے کے دور میں عام
تھی۔ کلوتنگا اول نے دریائے تنگ بھدرا کی سرحد کے پار رٹا پاڑی میں اپنی ہی
سلطنت کی توسیع کی غیر ممکن کوشش قطعی ترک کر دی یہی نہیں بلکہ اس نے
اپنے عہد حکومت کے اختتام کے قریب میسور کے خطے میں ہوئسالا کے عروج پر
کچھ علاقہ ہاتھ سے نکل جانے پر بھی صبر کر لیا۔ وینگی کا ہاتھ سے نکل جانا ایک بہت
بڑا نقصان تھا لیکن یہ محض عارضی تھا کیونکہ اس کے جانشینوں نے اس کے
بیشتر حصے کو پھر سے فتح کر لیا۔ کلوتنگا کی سیاسی پالیسی کی دانش مندی اس
بات میں تھی کہ اس نے اپنے وسائل اور اپنے مقاصد میں توازن قائم
رکھا۔ اس نے غیر ممکن خوب تر کی خاطر ممکن خوب کو قربان نہیں کیا نیز اپنی رعایا
کی بہبودی کو اپنے ذاتی وقار کی تسکین پر ہمیشہ ترجیح دی اور اس کو ایک
امن وسکون کی اچھی حکومت مہیا کی۔

تاریخی تعارف کلوتنگا کے عہد حکومت کا آغاز قریب 9 جون 1070ء کو ہوا۔ چونکہ اس کے بعد اس نے پچاس برس
حکومت کی، اس لیے تخت نشینی کے وقت وہ ایک نوجوان شخص رہا ہوگا
اس کا طالع ولادت پشیا (پکھا نکھشتر) تھا۔ اس کے طویل عہد حکومت
کے بے شمار کتبات میں متعدد پرشستیاں ملتی ہیں جو مختلف شکلوں میں لکھی گئی
ہیں۔ پہلے چار برس کے کتبات میں جو پرشستی عام ہے وہ "ترومنّی ولنگا" یا
"ڈلرا" سے شروع ہوتی ہے۔ اور جس میں کلوتنگا کے (جو ان پرشستیوں میں
راجندر کے نام سے مذکور ہے) چولا تخت پر بیٹھنے سے قبل کے کارنامے درج
کیے گئے ہیں۔ اس کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ان کارناموں کا ذکر پہلے ہی
کیا جا چکا ہے۔ اس ابتدائی پرشستی والے بعد کے کتبات پر اس کے
چوتھے سال حکومت کی تاریخ درج ہے۔ انہیں واقعات کو قدرے مختلف الفاظ

میں ایک اور پرشستی میں بیان کیا گیا ہے جو اس حکمران کے چھٹے سال کے ایک واحد کتبے میں ملتی ہے اور جو "پُومیل اری وائیم" سے شروع ہوتی ہے۔ ایک اور پرشستی بھی ملتی ہے جو اس پرشستی سے بھی مختصر ہے اور جس کی تاریخی اہمیت بھی بہت کم ہے۔ یہ بھی ان چار برسوں کے کتبات میں ہی ملتی ہے اور "پُومیم ترِوُم" سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی ایک توسیع یافتہ شکل اس کیاب تمہید میں ملتی ہے جس کا آغاز "پُومرُویا ترُوٹدن دائیم" سے ہوتا ہے اس عہد حکومت کی پرشستیوں کی دو بہت عام صورتیں ہیں۔ ایک تو مختصر تمہید والی جو "پگل ماڈو ولنگا" سے شروع ہوتی ہے اور جو سب سے پہلے اس عہد کے چوتھے برس کے کتبوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ دوسری تمہید والی پرشستی جو "بگل شولند اپیزری" سے شروع ہوتی ہے۔ اور جو سب سے پہلے اس عہد کے چوتھے برس کے کتبوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ دوسری تمہید والی پرشستی جو "پگل شولند اپنری" سے شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے کلوتنگا کے پانچویں سال کے کتبات میں پائی جاتی ہے ان دونوں صورتوں میں سے موخرالذکر "پرشستی مورخ" کے لیے بہت کارآمد ہے۔ کیوں کہ جوں جوں یہ عہد حکومت آگے بڑھتا ہے، اس پرشستی میں بھی ترمیم ہوتی جاتی ہے۔ کچھ دیگر پرشستیاں یہ ہیں:۔ "پُومیوی ولرا" سے شروع ہونے والی جو نویں برس کے کتبات میں ملتی ہے، "پُوماڈوولرا" سے شروع ہونے والی جو اس سے اگلے برس کے کتبات میں نظر آتی ہے۔ "ترومگل جیہ مگل" سے شروع ہونے والی جو اس عہد کے بارھویں برس میں ملتی ہے۔ ان کے علاوہ غالباً "پوماڈوپنرا" سے شروع ہونے والی ایک پرشستی اور بھی ہے جو ایک مسخ شدہ کتبے میں ملی ہے۔ اس کتبے کی تاریخ تحریر مٹ چکی ہے۔ ہمیں دوہری تمہید پر بھی توجہ دینی ہوگی جو "وِرِمے تُنگ" سے شروع ہوتی ہے اور "بگل ماڈوولنگا" والی تمہید پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں ایک پرشستی ویر راجندر کی اور ایک کلوتنگا کی یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس کی جانب پہلے بھی توجہ مبذول کرائی جا چکی ہے۔ یہ دوہری تمہید سب سے پہلے اس عہد کے پانچویں برس کے ایک کتبے میں نظر آتی ہے جو تربھوونی سے ملا ہے اور جس میں کلوتنگا کا ایک اور لقب "تربھوون چکرورتی" بھی دیا گیا ہے۔ اس عہد کے کتبات سے جو اب ہم کو مل سکتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس شہنشاہ نے کلوتنگا

اور چکرورتی کے القاب بھی اس سے کہیں پیشتر اختیار کر رکھے تھے جب سے کہ پہلے ان کے متعلق قیاس کیا جاتا

ابتدائی جنگیں

اپنی جوانی کے ایام (الِنگوپ پر وُوم) میں کلوتنگا نے شروع میں جو لڑائیاں لڑیں ان کا کچھ حال اس وقت بیان کیا جا چکا ہے جب ہم یہ بحث کر رہے تھے کہ 1063ء اور 1070ء کے درمیانی عرصہ میں اس کی حیثیت کیا تھی۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس نے ناگ ونشی راجہ دھارآورش سے خراج وصول کیا تھا اور اپنے لیے غالباً اس علاقے میں اس نے ایک الگ خود مختار ریاست کی تشکیل کی تھی۔ "دِگِگل شولنداپنری" سے شروع ہونے والی پرشستی کی پہلی چند سطور میں انہی واقعات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اپنی قوت بازو سے اس نے کُنتل کے راجہ کی افواج کو پسپا کر دیا تھا اور اس طرح جنوب کی جانب متوجہ ہونے سے پہلے شمالی ہند میں فتح و نصرت کا سہرا اپنے گلے میں ڈالا تھا۔ کنتل کے راجہ کے خلاف جو بلاشبہ مغربی چالوکیہ تاجدار تھا 1076ء کی جنگ موجودہ ریاست بستر میں کلوتنگا کی فوج کشی کا ایک حصہ تھی اور اس تصادم کا باعث وہی حالات ہیں جو ویر راجندر کے عہد کے آخر کے کچھ کتبات میں درج ہیں اور جن کا ذکر بلہن کی تحریر کردہ وکرماد تیہ کی "دگ وجے" میں بھی ہے، بالخصوص اس حصے میں جو وینگی اور چکر کوٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ کوڈل سنگمم کے مقام پر دوسرا مقابلہ جو طے ہوا تھا اس کے لیے جب سومیشور اوّل حسب وعدہ نہیں آیا تو ویر راجندر نے چالوکیہ حکمران ولبھ سے مبارزطلبی کی۔ وینگی کی بازیابی کے لیے آگے بڑھا اور بیزواڈہ کو فتح کر کے ایک بار پھر یہ ریاست وجے آدتیہ ہفتم کے حوالے کر دی۔ یہ واقعات بلہن کے اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں کہ اپنی ولی عہدی کی سپاہیانہ زندگی کے دوران میں وکرمادتیہ نے وینگی اور چکرکوٹ کو تسخیر کر لیا تھا اور جب اسے اپنے والد کی علالت اور وفات کی خبر ملی تو وہ دریائے کرشنا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ "کالنگتو پرانی" سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں میں شمال کی جانب وکرمادتیہ نے کلوتنگا کے خلاف لڑائی لڑی اور اسی لڑائی میں کلوتنگا نے وِرُدراج بھینکرا کا لقب اختیار کیا جس کے معنی ہیں "وردراج یا وکرمادتیہ

کے لیے دہشت"۔ یہ واقعات 1067ء میں رونما ہوئے۔ اب کلوتنگا کی پرشستی سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شمال میں اس کے حملے سے ویر راجیندر کو وکرمادتیہ کے خلاف لڑائی میں مدد ملی ہوگی۔ تو کیا خود ہی کلوتنگا نے تنہا چلکر کوٹ پر وکرمادتیہ کے حملے کو پسپا کیا یا اس نے ویر راجیندر سے تعاون کیا اور بیزوادہ کی لڑائی میں خود موجود تھا؟ اس کا فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ بہر حال وینگی کو مغربی چالوکیوں کے قبضے سے آزاد کروانے میں کلوتنگا کی مؤثر مدد یہ ثابت کرتی ہے کہ ویر راجیندر کے ساتھ کلوتنگا کے دوستانہ مراسم رہے ہوں گے اور اسے وینگی اور چولا سلطنت کے معاملات میں گہری دلچسپی رہی ہوگی یہ حقیقت کہ ان جنگوں کے نتیجے میں وینگی کی ریاست وجے آدتیہ کو واپس مل گئی، کلوتنگا کے اس بیان کی صداقت کو ناپنے کا پیمانہ ہے جو بعد میں اس نے اپنے بیٹوں کے سامنے دیا کہ وہ جوانی کے دنوں میں جنگ و جدل اور خطرے کی زندگی کو ترجیح دیتا تھا اور اس لیے اس نے وینگی کی ریاست اپنے چچا کی حکمرانی کے لیے چھوڑ دی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ یہ جلا وطنی اپنی مرضی سے نہیں تھی اور اس کا جزوی باعث وکرمادتیہ اور وجیادتیہ کی کشورکشائی کی ہوس تھی۔

چولا تخت پر بیٹھا

وکرمادتیہ ششم کے ساتھ صلح کر لینے کے بعد ویر راجیندر فوت ہوگیا اور رادھیراجیندر تخت پر بیٹھا۔ پھر چولا سلطنت میں بغاوت ہوئی جو وکرمادتیہ کی مداخلت سے عارضی طور پر دب گئی لیکن جوں ہی وکرمادتیہ تنگ بھدرا تک واپس پہنچا یہ پھر بھڑک اٹھی اور اس کا انجام ادھیراجیندر کی ہلاکت پر ہوا۔ ان واقعات نے کلوتنگا کو چولا سلطنت پر قبضہ کر لینے کا موقع دیا۔ اس خیال کی کہ کلوتنگا اور رادھیراجیندر میں باہمی خانہ جنگی ہوئی کتبات سے توثیق نہیں ہوئی اور یہ بات بالکل غیر ممکن معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ رائے بھی معتبر نہیں ہے کہ پہلے کلوتنگا نے چولا سلطنت کے کچھ حصے پر غلبہ حاصل کیا اور پھر چار پانچ برسوں کے جنگ و جدل کے بعد پوری سلطنت پر قابض ہو سکا یا یہ کہ تخت شاہی تک رسائی کے لیے اپنا راستہ صاف کرنے کی غرض سے اس نے خاندان کے بہت سے شہزادوں کو موت کے

گھاٹ اتار دیا۔ تاہم کلوتنگا کے کتبات اس بات پر کلوتنگا پرانی " سے متفق ہیں
جنوب میں اس کی آمد نے چولا ریاست کو ابتری اور انتشار سے بچا لیا اور
ملک میں اتحاد اور نظم کو بحال کر دیا۔ کتبات میں درج ہے کہ "جنوب میں آکر اس
نے خالص جواہرات کا تاج اس لیے پہنا کہ یہ اس کی میراث تھا تاکہ وہ بھینی بھینی
خوشبو والے کنول کی دیوی (لکشمی) کی عمومیت کا خاتمہ کر سکے اور زمین کی نیک
دوشیزہ کی تنہائی کا طلسم توڑ دے جس نے پونی (دریائے کاویری) کا جامہ پہن
رکھا تھا۔" چولا ریاست میں کلوتنگا کو پیش آنے والے مخالف کا یہاں ذرا بھی ذکر نہیں
ملتا، بلکہ اس کے برعکس یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی آمد ایک خوش آیند واقعہ
تھی، گو اس کی آرزو نہیں کی گئی تھی۔ اس کی تخت نشینی کے بعد جب وہ اپنی دانش
مندانہ حکومت سے سلطنت کے عوام کو امن اور خوشحالی کے مسلسل کئی برس عطا
کر چکا تھا، جیئن گونڈار نے اس کی آمد سے قبل کی بدنظمی کی تصویر کشی کہیں زیادہ
گہرے رنگوں میں کی۔

"برہمن دھرم کی قربانی کی رسوم ترک کر دی گئی تھیں۔ منو کی پیروی ختم ہو گئی
تھی۔ چھ شاستر بھلائے جا چکے تھے اور ویدوں کا پڑھنا بند ہو گیا تھا۔"

"ذاتیں بے حد ابتری کی حالت میں غلط ملط ہو چکی تھیں۔ کوئی بھی اپنے مقررہ
فرائض کی ادائیگی کا پابند نہیں تھا۔ نیک چلنی اور راستبازی کا ضابطہ بھلایا جا چکا تھا۔

"ہر شخص دوسروں پر مظالم ڈھانے میں کوشاں تھا۔ دیوتاؤں کے مندروں سے
لوگ غافل ہو چکے تھے۔ عورتیں اپنی عفت کھو بیٹھی تھیں اور قلعے منہدم ہو کر کھنڈروں
میں تبدیل ہو چکے تھے۔"

"جب کالی کی ظلمت اس طرح پھیل رہی تھی۔ وہ (ابھے) اس دنیا کی نجات
کے لیے یوں آ گیا جیسے گرجتے ہوئے سمندر کے اوپر آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اندھیرے
کو دور بھگا دیتا ہے۔"

"اس نے عوام کے ہر طرح کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھا۔ اس نے سلف کے تمام
قوانین بحال کر دئیے اور دنیا کو پھر سے صحیح راستے پر گامزن کر دیا۔"

"چاروں سمندروں کی گرج اور ویدوں کے منتر پڑھے جانے نیز تینوں دنیاؤں

کی دعاؤں کے درمیان اس کی تاج پوشی کی گئی۔"

بدنظمی کی اس مبالغہ آمیز روایتی تصویر کی تہ میں پوشیدہ حقیقت تک ہم پہنچ سکتے ہیں۔ اگرچہ واقعات کا صحیح بیان مبہم اور دھندلا ہے اور مذہبی مظالم کے قیاس کی بنیاد بھی جو مذکورہ سیاسی انقلاب کا پیش خیمہ تصور کیے جاتے ہیں۔ غیر واضح قصے کہانیوں پر قائم کی گئی ہے۔ پھر بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب کلوتنگا چولا سلطنت پر حکومت کرنے کے لیے آیا تو اس وقت مستقبل تاریک دکھائی دیتا تھا۔ جنگ اور بغاوت سر اٹھا چکیں تھیں اور سلطنت کے جنوبی حصے جن میں لنکا بھی شامل تھا۔ اپنی آزادی کا اعلان کر چکے تھے۔ کلوتنگا کی حکومت کے پہلے چند سال ان مشکلات سے نپٹنے میں لگ گئے۔

وکرمادتیہ کے ساتھ جنگ

پہلا دشمن جس کی سرکوبی کرنی تھی، مغربی چالوکیہ حکمران وکرمادتیہ ششم تھا جسے اب معلوم ہو چکا تھا کہ وینگی میں اپنے اقتدار کی توسیع کے لیے اس کی تمام مساعی ناکام ہو چکی ہیں اور اس سے بھی مایوس کن بات یہ تھی کہ وینگی اب اپنی مخالف چولا طاقت کے ساتھ پہلے سے کہیں زیادہ مضبوطی کے ساتھ متحد ہو گئی تھی لہٰذا وکرمادتیہ کی جانب سے کلوتنگا کی تخت نشینی کی مخالفت اور اس پر فوج کشی ایک یقینی امر تھا۔ کلوتنگا نے تازہ دوستانہ معاہدے کر کے خود کو مضبوط بنانے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔ وکرمادتیہ اور اس کے بڑے بھائی سومیشور دوم کی آپس میں نہیں بنتی تھی کیونکہ ویر راجندر نے سومیشور کو اپنا کچھ علاقہ وکرمادتیہ کے حوالے کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ کلوتنگا، سومیشور سے اس کے بھائی کے خلاف جنگ میں مدد حاصل کرنے کے لیے کامیاب درخواست کر سکتا تھا اور ایسا اس نے کیا بھی۔ بلہن لکھتا ہے۔

"چولا تاجدار کا بیٹا ادھیراجندر اپنی رعایا کی ایک بغاوت میں مارا گیا تو اس کے صرف چند دنوں کے بعد ریاست وینگی کے حکمران راجگا نے تقدیر کی مرضی سے اس کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس عیار انسان کو اس (وکرمادتیہ) سے خطرہ لاحق تھا لہٰذا اس کے عقب میں ایک اور محاذ کر دینے کی

نیت سے اس (راجگا) نے اس کے قدرتی حریف سوم دیو کے ساتھ دوستی کرلی۔ اس نیک دل شخص (وکرمادتیہ) نے اپنے بھائی کے ساتھ ایسی کیا برائی کی تھی کہ وہ اسے نقصان پہنچانے کی نیت سے اپنے خاندانی دشمن چولا حکمران راجگا سے ساز باز کرے! جب راجہ کا فرزند (وکرمادتیہ) نامعقول راجگا کی سرکوبی کی مہم پر روانہ ہوا تو سوم دیو نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس کا تیزی سے تعاقب کیا۔ جب دراوڑ فوج کا بیشتر حصہ فراخ دست شہزادے (وکرمادتیہ) کے قریب پہنچ گیا تو یہ راجہ (سومیشورا) بھی ساتھ ساتھ پہنچ گیا کیونکہ اب اُسے آخرکار وکرمادتیہ کو نقصان پہنچانے کا ایک موقع ہاتھ آگیا تھا۔

بلہن کا تذکرہ

اس مہم میں وکرمادتیہ کی مدد اس کے بہت سے اتحادی اور اطاعت گزار سردار کر رہے تھے۔ دیوگری کے یادو راجہ نے ایک اتحادی کے طور پر اس کی مدد کی۔ وکرمادتیہ کے ہمراہ اس کے جو باجگزار راجگان تھے، ان میں ہوئسالہ راجہ ایریئنگ اور تربھون مل پانڈیا کے علاوہ کاڈمبا راجہ جے کیشی بھی تھا جس کا ذکر وکرمادتیہ کے مددگار کی حیثیت سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ بلہن کے تذکرے کے مطابق ایک گھمسان کی لڑائی کے خاتمے پر جس میں سومیشورا اور کلوتنگا کی فوجوں کی وکرم کی سپاہ سے جنگ ہوئی دراوڑ تاجدار میدانِ جنگ سے بھاگ گیا اور سوم دیو کو قید کر لیا گیا۔ وکرم پھر دریائے تنگ بھدرا کی طرف لوٹ آیا۔ وہ اپنے قیدی بھائی کو رہا کر کے اس کا تخت و تاج واپس کر دینے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن جس طرح کہ جنگ سے پہلے کی رات میں ہوا تھا، شیو نے اسے دوسری بار خواب میں آکر حکم دیا کہ تم خود اختیار اعلیٰ سنبھال لو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی جے سمہا کو بھی بن باسے کا نائب السلطنت مقرر کر دیا۔ چند اور معرکوں اور فتوحات کے بعد جن کی کوئی تفصیل نہیں ملتی، وہ ایک مرتبہ پھر چولا حکمران کو زک پہنچا کر اپنی راجدھانی کلیان کو لوٹ آیا۔

چولوں کی روایت

توقع کے مطابق چولا کتبات میں اس مہم کے متعلق جو بیانات درج ہیں وہ تفصیل اور لڑائی کے نتائج میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تاہم بعد کے واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

بلہن کے "کاویہ" کے مقابلہ میں مندرجہ ذیل روایت زیادہ صحیح ہے۔

"نہ صرف (وکلن کا) یہ قول غلط ثابت ہوا کہ "ایک مستقل دھبہ کلوتنگا کو لگ جائے گا جیسا کہ نئے چاند کو جو اس کے خاندان کی ابتدا ہے لگا ہوا ہوتا ہے بلکہ وکلن کی کمان تک دشمن کے خلاف نہ جھک سکی۔ پتھریلی سڑکوں والے ننگلی سے لے کر تنگ بھدراتک جن کے درمیان منلور واقع ہے ہر طرف اس کے غضبناک ہاتھیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں اور اس کا کھویا ہوا غرور اور شجاعت جن پر اس کو فخر تھا سرنگوں تھے۔ پہاڑ جن کی چڑھائیاں پار کر کے وہ آیا تھا، کمر خمیدہ ہو گئے۔ دریا جن میں وہ اترا اپنے بہاؤ کی طغیانی سے اپنے ساحلوں کو توڑ کر چھلک گئے۔ سمندر جن میں اس نے چھلانگ لگائی متلاطم ہو گئے۔ چولا راجہ نے بیک وقت دونوں ریاستوں ("پانی") پر قبضہ کر لیا۔ جوگنگا منڈلم اور شنگم کہلاتی تھیں اور غضبناک ہاتھیوں کے جھنڈ جنہیں دشمن ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا، نیز بڑی تعداد میں خوبصورت اور تابدار آنکھوں والی عورتیں اس کے قبضے میں آ گئے۔ اس نے شہرت کی دیوی کو تسخیر کر لیا جس نے خوشی سے وکلن کو ذلت سے ہمکنار کیا اور فتح و نصرت کی عظیم دیوی کو بھی جو دوسرے فریق سے جا ملی۔ اور وکلن اور اس کے والد کو جو مغربی خطے پر حکمرانی کی ہوس رکھتے تھے پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا۔

ان واقعات کے اس سے پہلے کے کچھ تذکروں میں عام مستعمل اصطلاح "وِل کلنتر شرِوِل پلتر شو" یعنی چالوکیہ راجا یا راجاؤں کی جگہ وکلن لکھا ملتا ہے اور ننگلی سے تنگ بھدراتک کے خطے کے لیے ایک خصوصی مقام اتی استعمال ہوا ہے۔

تاریخ اس جنگ کی جانب سب سے پہلا اشارہ جو اس عہد حکومت کے کتبات میں کیا گیا ہے۔ ان الفاظ میں ہے ملتا ہے "وکلن اور شنگنن مغربی سمندر میں چھلانگ لگاتے ہوئے" اور "یہ پگل ناڈو" سے شروع ہونے والی پرشستی سب سے پہلے ساتویں سال میں ملتی ہے۔ لہٰذا وکرمادتیہ کے ساتھ اصل لڑائی کلوتنگا کی حکومت کے آغاز سے

کچھ برس بعد ہوئی نہ کہ اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد جیسا کہ بلہن کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ چالوکیہ حکمرانوں کے کتبات بھی جو ان واقعات کو شاکا سمت 998 بمطابق سنہ 1076ء عیسوی کا بتاتے ہیں اس امر کی تصدیق کرتے ہیں پانچ یا چھ برس کا درمیانی وقفہ بلاشبہ دونوں فریقوں نے آنے والی جنگ کی سفارتی اور فوجی تیاریوں میں صرف کیا کیونکہ وکرما دتیہ وینگی اور چولا کے مستقل الحاق کو جنگ کے بغیر قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا اور کلوتنگا کو یہ بات بخوبی معلوم تھی۔

جنگ کی روش اور اس کے نتائج

جنگ کی شروعات اس وقت ہوئی جب وکرما دتیہ نے چولا علاقے میں پیش قدمی کی اور ضلع کولار میں اس کا مقابلہ چولا فوج سے ہوا۔ اگر چولا کتبات پر اعتبار کیا جائے تو چولا افواج نے وکرما دتیہ کا تعاقب منلور (جس کی ابھی تک شناخت نہیں ہو سکی ہے) سے ہوتے ہوئے دریائے تنگ بھدرا کے کناروں تک کیا اور اس پورے راستے پر گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ نتیجے کے طور پر چولا تاجدار نے کثیر اور بیش قیمت مال غنیمت حاصل کرنے کے علاوہ گنگا منڈلم اور شنگنم پر قبضہ کر لیا۔ شنگنم کہاں واقع تھا یہ ابھی تک طے نہیں ہو سکا ہے۔ فلیٹ کی رائے میں اس سے مراد جے ستمہا سوم کی ریاست تھی لیکن جے ستمہا سوم کی عملداری بن واسے کے علاقہ میں تھی اور اس علاقے تک اس مہم کے پہنچنے کی کوئی شہادت نہیں ملتی بلکہ بلہن کا کہنا ہے کہ وکرما دتیہ نے کلوتنگا سے لڑائی کے خاتمے پر اپنے بھائی جے ستمہا کو بن واسے کا حکمران مقرر کر دیا تھا اور یہ بھی کہ جے ستمہا اس وقت بھی اس ریاست کا حکمران تھا جب چند سال بعد اس نے اپنے بھائی کے خلاف بغاوت کی اور کلوتنگا سے مدد کی درخواست کی۔ تاہم ممکن ہے کہ جنگ شروع ہونے سے قبل جے ستمہا دریائے تنگ بھدرا سے جنوب اور مشرق کی جانب کے کچھ علاقے کا حکمران رہا ہو۔ کلوتنگا کے اس دعوے کی تصدیق بھی اس کے کتبات سے ہوتی ہے کہ جنگ کے نتیجے میں اس نے ریاست میسور کے ایک بڑے حصے

حصہ پر اپنا تسلط کر لیا تھا۔ بلہن کا یہ بیان قطعاً قابل اعتبار نہیں کہ کلوتنگا میدان جنگ سے بھاگ نکلا تھا۔ "کالنگتو پرانی" میں اس جنگ کے کچھ واقعات کا ذکر ہے جیسے کہ التی اور منلور کی لڑائیاں اور نولیئی ہیں، جو غالباً وہی مقام ہے جس کا ذکر میسور کے کتبوں میں نو یلے ناڈ کے نام سے کیا گیا ہے ہاتھیوں پر قبضہ "وکرماشولن الا" کا بیان ہے کہ کلوتنگا مغربی سمندر تک پہنچ گیا تھا اور اس نے کونکن اور کنڈ کے خطوں پر قبضہ کر لیا تھا اور مرہٹہ حکمران کے غرور کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اس بیان سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ اس نے بن واسے کی ریاست بھی فتح کر لی تھی گو یہ فتح غالباً عارضی ہی تھی۔ سب سے زیادہ نقصان سومیشور دوم کو پہونچا جو ایک اس کی حیثیت سے اپنے بھائی کے ہاتھ لگا اور اس طرح اپنی ریاست بھی گنوا بیٹھا۔ اس کا آخر میں کیا حشر ہوا۔ اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

جے سمہا کی بغاوت

بلہن کا کہنا ہے کہ بن واسے کے نئے نائب السلطنت جے سمہا نے اپنی تقرری کے ایک برس کے اندر ہی اپنے بھائی وکرمادتیہ کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنا لیا تھا اور اس بغاوت میں مدد کے لیے اس نے کلوتنگا سے درخواست کی تھی۔ یہاں اس بغاوت کی داستان دہرانا ضروری نہیں ہے کیونکہ بلہن کے تذکرے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی اس میں کلوتنگا نے بہت معمولی حصہ لیا یا بالکل شریک نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایسا اس لیے ہوا کہ کلوتنگا کی توجہ بہت سے اور معاملات کی طرف تھی۔ اس طرح وکرمادتیہ کو اس بغاوت کو دبانے کے لیے میدان صاف مل گیا اور اس نے بغیر کسی دشواری کے اس کو فرو کر لیا۔ اور جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے جلد ہی وہ کلوتنگا کے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے اس کی مشکلات میں اضافہ کرنے لگا۔ اس کے جلد بعد وجے باہو نے چولوں کو لنکا کے شمال نصف حصے سے نکال کر پورے لنکا کا خود مختار حکمران ہونے کا اعلان کر دیا وکرمادتیہ نے بیش بہا تحائف کے ساتھ ایک سفارت اس کے پاس روانہ

کی۔ اصل میں اپنے پورے عہد حکومت کے دوران میں وکرمادتیہ نے کلوتنگا کو زک پہنچانے کی غرض سے ہر جانب ان تھک کوششیں کیں لیکن بلہن کی اس کی تعریف میں قصیدہ خوانی کو معتبر تصور نہیں کیا جا سکتا جس میں اس نے کانچی پر کی گئی فوج کشی کا حال بیان کیا ہے اور یہ بتایا کہ ہے صاحب حیثیت دشمن کے نہ ہونے سے اس کا ہیر دنبرد آزمائی کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

وینگی پر غیر ملکی حملہ

جب کلوتنگا جنوب میں اپنے معاملات کو نپٹانے میں مصروف تھا تو تری پوری کے ہی ہیا حکمران یش کرن دیو نے وینگی کی ریاست پر حملہ کر دیا۔ 1072-1073ء سے شروع ہونے والے کلوتنگا کے کتبات میں اس تاجدار نے دعوے کیا ہے کہ اس نے آسانی سے آندھرا کے نوی حکمران کو شکست دے دی اور دراکشارام کے دیوتا بھگوان بھیمشور کو بیش قیمت جواہرات کی پیش کش کر کے رام کر لیا۔ یہاں جس آندھرا تاجدار کا ذکر آیا ہے وہ بلاشبہ وجیادتیہ ہفتم تھا۔ یش کرن کے حملے سے کوئی خاص فوجی اور سیاسی اہمیت کے نتائج برآمد نہیں ہوئے جو قابل ذکر ہوں اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس حملے کا مغربی چالوکیوں یا وجیادتیہ ہفتم کے منصوبوں سے کسی طرح کوئی تعلق تھا جیسا کہ اکثر قیاس کر لیا گیا ہے۔

ریاست پانڈیا اور لنکا کے معاملات

کلوتنگا نے وکرمادتیہ ششم کے خلاف جنگ کرنے کے بعد جنوب کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ریاست پانڈیا چولوں کی برتری تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھی اور اس کے حکمران ہمیشہ طاقت ور چولا حکمرانوں کے لیے مشکلات پیدا کرتے رہے تھے۔ ویر راجندر کی وفات اور اس کے جانشین ادھی راجندر کے خلاف بغاوت کے بعد جو ابتری پھیلی اور وکرمادتیہ ششم کی پالیسی کے باعث کلوتنگا کے عہد حکومت کے آغاز میں اس کو جس طرح مدافعت کرنی پڑی، ان اسباب کی وجہ سے جنوب کی ریاستوں کو اپنی خود مختاری از سر نو منوانے کا سنہری موقع مل گیا۔ ان ریاستوں میں چولوں نے جو انتظامیہ بندوبست کر رکھا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا اور ان کے اصل راجہ، جیسا کہ ان کے کتبات سے پتہ چلتا ہے خود مختارانہ حیثیت سے اپنی اپنی ریاستوں پر حکومت کرنے لگے۔ اپنی حکومت کے ساتویں اور گیارہویں

برس کے درمیان کلوتنگا نے اپنی مسلسل جد و جہد سے پانڈیا اور کیرلا ریاستوں کو از سر نو تسخیر کر لیا لیکن لنکا مستقل طور پر چولا سلطنت سے نکل گیا۔ جنوبی ریاستوں کو از سر نو تسخیر کرنے کی داستان شروع کرنے سے پہلے ہم لنکا کی آزادی کے قیام کا کچھ حال بیان کریں گے۔

لنکا ہم دیکھ چکے ہیں کہ ویر راجیندر کی تخت نشینی سے قبل سنہالی راجہ کتی نے 1058ء میں روہنا کو دشمنوں سے آزاد کرا لیا اور اپنی عمر کے سترہویں سال میں وجے باہو کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کے بعد چولا حکومت اس جزیرے کے شمالی حصے تک محدود ہو گئی جو راج رتھ کہلاتا تھا۔ سب سے آخری چولا کتبہ جو "پولو ناروا" میں ملا ہے، 1070ء کا ہے جو کہ ادھیراجیندر کی حکومت کا تیسرا اور آخری سال تھا۔ "مہا وامسا" میں راج رتھ سے چولا اقتدار کے ختم ہو جانے کی داستان بہت واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ اس تذکرے میں جو واقعات درج ہیں ان کی صحیح تاریخیں نہیں ملتی لیکن اس میں یہ قطعی طور پر بتایا گیا ہے کہ وجے باہو روہنا کا حکمران بننے کے پندرہویں برس انورادھاپور میں داخل ہوا، یعنی 1073ء میں جو اس کی عمر کا تینتیسواں سال تھا۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے دو برس بعد لنکا کے حکمران کی حیثیت سے اس کی تاج پوشی کی گئی۔ یہ واقعات ہماری ان معلومات کے جو ہم کلوتنگا کے عہد حکومت کے پہلے پانچ برسوں کے متعلق دوسرے ذرائع سے حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس حقیقت کے کہ لنکا میں کلوتنگا کے عہد کا کوئی کتبہ نہیں ملتا، عین مطابق ہیں "مہا وامسا" بتاتی ہے کہ چولوں کی غلامی سے لنکا کو آزاد کرانے کے لیے وجے باہو نے اپنی کوششیں اپنے عہد کے بارہویں برس یعنی 1070ء میں شروع کر دی تھیں۔ اس نے پلکھا کی پہاڑیوں میں واقع اپنے قلعہ میں مورچہ بندی کر لی اور اس کے ارد گرد " " دونوں فوجوں میں خوفناک جنگ ہوئی"۔ ڈمیلا فوج کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد ڈمیلوں کا جو تعاقب کیا گیا اس میں چولا سپہ سالار گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ وجے باہو نے تاملوں کی جانب سے کسی مزید مزاحمت کے بغیر پلطھی نگر پر قبضہ کر لیا لیکن جلد ہی برصغیر سے ایک زیادہ بڑی فوج آ گئی اور انورادھاپور کے نزدیک ایک اور سخت معرکہ ہوا۔ اس دفعہ فتح نے چولوں کا ساتھ دیا اور وجے باہو کو ضلع کبگلا میں واقع

وانگری وکریگل کے مقام پر محصور رہنا پڑا۔ اب چولوں نے وجے باہو کے عقب میں بغاوت کوشہ دی لیکن لنکا کے حکمران نے کامیابی سے اس پر قابو پالیا اور باغیوں کے سرگروہ کو چولوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد وجے باہو کے عقب کی طرف بڑھا جہاں اس نے ایک اور مضبوط مورچہ تعمیر کر لیا اور دلوے گنگا کے زیریں حصے پر واقع مہاناگ گلا کو اپنی قیام گاہ بنا کر چولوں سے مقابلہ کرنے کے لیے پھر سے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے دو سمتوں سے چولوں پر دھاوا کرنے کے لیے دو فوجیں روانہ کیں۔ ایک ساحلی راستے سے پولونارُوا پر حملہ کرنے کے لیے دوسری انورا دھاپور پر دھاوا کرنے کے لیے پہاڑیوں کے سلسلہ کے مغرب کی طرف سے خود راجہ نے مہاویلی گنگا کے راستے سے پیش قدمی کی۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد پولونار وا پر اس کا قبضہ ہو گیا "جب چولا شہنشاہ نے اپنی فوج کی تباہی کی خبر سنی تو اس نے یہ سمجھا کہ سنہالی زیادہ طاقت ور ہیں۔ لہٰذا اس نے مزید فوج نہیں بھیجی"۔ انورا دھاپور پر لنکا کی فوج کے دوسرے حصے نے قبضہ کر لیا جو پیش قدمی کرتا ہوا مہاتیتھا تک پہنچ گیا۔ "عظیم ترین راجہ وجے باہو خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا اپنے عہد کے پندرہویں سال میں انورا دھاپور کے بہترین شہر کی جانب بڑھا جس کی اسے مدتوں سے شدید تمنا تھی"۔ لنکا کے حکمران کی حیثیت سے اس کی تاج پوشی میں ایک بغاوت کے باعث تاخیر ہوئی جو اس کی حکومت کے اٹھارہویں سال یعنی سنہ 1076-77ء میں ہوئی۔ پولونار وا کا چولا نام بدل کر اسے وجے راج پورہ کا نیا نام دیا گیا۔ وجے باہو نے قنوج کے راجہ جگتی پال کی لڑکی لیلا وتی سے شادی کر لی۔ جگتی پال کی مہارانی چولا سلطنت کی قید سے نکل کر فرار ہو گئی تھی۔ وجے باہو نے کالنگا کے شاہی خاندان کی ایک لڑکی تریلوک سندری سے بھی بیاہ کیا۔ اس کی بہن متا نے ایک پانڈیا شہزادے کے ساتھ شادی کر لی جو بعد میں عظیم تاجدار پراکرم باہو کا دادا ہوا۔" وجے باہو نے بدھ دھرم کو پھر سے رائج کیا اور پجاریوں کو بھکو (رامنا) سے جانشینی کا حق حاصل ہوا تھا اس کی تجدید کر دی۔ نیز اپنے جرنیل نورگری کو ایک مندر بنوانے کا حکم دیا جس میں مہاتما بدھ کا مقدس دانت رکھا جا سکے"۔ لنکا کے ہاتھ سے چھن جانے کے متعلق کلونگا کے کتبات خاموش ہیں۔

پانڈیا کے ساتھ جنگ

لنکا کی آزادی سے چولا اقتدار میں اتنی کمی نہیں ہوئی جتنی کہ خود برصغیر کے اندر جنوبی ریاستوں کی بغاوت سے چولا حکومت کو لنکا کے آزاد ہو جانے سے کوئی خطرہ نہ ہوتا اگر برصغیر کے اندر اس کے اقتدار کو کوئی صدمہ نہ پہنچتا۔ لیکن پانڈیا ریاست کا معاملہ ہی مختلف تھا اگرچہ چولا شہنشاہ اس ریاست کو مطیع نہ کرتا تو یقیناً یہ چولا طاقت کے وجود کے لیے ہی ایک خطرہ بن جاتی۔ کلوتنگا یہ بخوبی جانتا تھا اور جونہی اس نے چالوکیہ جنگ سے چھٹی پائی، پانڈیا اور کیرلا ریاستوں کی بغاوتوں کو فرد کرنے کے لیے اپنا پورا زور لگا دیا۔

کلوتنگا کے پانچویں سال کے کتبات میں ایک مبہم سا بیان ملتا ہے کہ پانڈیا راجہ کا سر زمین پر پڑا تھا اور چیلیں اسے چونچ مار رہی تھیں۔ بعد کے کتبات میں بیان کیا گیا ہے کہ کلوتنگا کے خوبصورت دارالخلافے کے باہر ایسا ہوا۔ ظاہر ہے یہ بیانات ایسے نہیں جن پر حرف بحرف یقین کر لیا جائے۔ ان کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ مبالغہ آمیز تعریفی جملے ہیں جو عموماً کتبات میں درج کئے جاتے ہیں۔ جنوبی مہم کا حقیقت پسندانہ حال جاننے کے لیے ہمیں اس مزید مواد کی جانب توجہ دینی ہوگی جو کلوتنگا کے گیارہویں سال کے کتبات کی تمہیدوں میں جو "پگل شولندا اینری" سے شروع ہوتی ہیں ملتا ہے اور اس عہد کے کچھ دیگر کتبات سے بھی مدد لینی ہوگی۔

ایک سنسکرت کے کتبے میں جو چدامبرم میں دستیاب ہوا ہے اور جس پر تاریخ درج نہیں ہے، یہ بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا نے پانچ پانڈیا راجاؤں کو شکست دی۔ اس نے کوٹارد کے قلعے کو آگ لگا دی (جیسے ارجن نے کھانڈو جنگل کو آگ لگا دی تھی) کیرالا کی کثیر افواج کو نیچا دکھایا اور ساحل سمندر پر ایک فتح کا ستون تعمیر کیا۔ اس طرح اس نے اپنے باجگذار باغی راجاؤں کی ایک جماعت کو اپنا تابع فرمان بنایا۔ تامل کتبات میں اس سے زیادہ مفصل حال اس بیان کیا گیا ہے۔[1]

"اپنے دل میں پانڈی منڈلم کو فتح کرنے اور شہرت حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر کے اس نے اپنی عظیم فوج روانہ کر دی جس میں بہترین گھوڑے تھے۔ جو سمندر کی موجوں کی مانند تھے، ننگی ہاتھی تھے جو بحری جہازوں کی طرح تھے۔ اور پیادہ فوج تھی جو پانی کی طرح تھی جیسے کہ شمالی سمندر جنوبی سمندر پر چڑھ دوڑا ہو۔ اس

نے وہ تمام جنگل تباہ کر دیا جس میں پناہ پالینے کے لیے پانچ پانڈیا راجگان میدان جنگ سے بھاگ کر عون دیر اس سے سٹے ہوئے داخل ہوئے تھے. اس نے ان کی ریاست کو زیر نگیں کر لیا. انہیں پہاڑیوں کے گرم جنگلوں میں دھکیل دیا جہاں جنگلی آدمی گھومتے پھرتے تھے اور ہر سمت میں فتح کے ستون گاڑ دیئے. اس نے موتی نکالنے کے سمندری مراکز پر اور پوڈئل کے پہاڑ پر جہاں تینوں قسموں کے تامل باشندے خوشحالی سے زندگی گزارتے تھے، قبضہ کر لیا۔ وہ شیا کے پہاڑ پر جس کے وسط میں غضبناک مست ہاتھی ملتے تھے اور کنی پر بھی قابض ہو گیا اور جنوبی (پانڈیا) ریاست کی حدود متعین کر دیں۔ جبکہ مغربی پہاڑی خطے کے تمام "شاویر" اس بے نظیر جنت کی طرف (جو میدانِ جنگ میں کام آنے والے بہادروں کو نصیب ہوتی ہے) پرواز کر گئے تو اس نے اپنے کمانڈروں کو جو گھوڑے پر سوار تھے، ہر ایک سڑک پر جاگیر عطا کی جس میں کوٹار و بھی شامل تھی، تاکہ اس کے دشمن دہشت زدہ ہو جائیں۔"

" وکرما شولن اُلا" میں کلوتنگا کو اس فوج کا بادشاہ بتایا گیا ہے جس نے دشمن (پانڈیا) کو شکست دی، چیروں کے شاہی نشان (کمان) کو معدوم کر دیا اور دو مرتبہ شالئی میں بحری بیڑے کو تباہ کیا۔" کالنگتو پرانی" بھی ذیل کے الفاظ میں اس بیان کی تصدیق کرتی ہے:۔

"کیا تم نے اس تباہی و بربادی کے بارے میں نہیں سنا جو پانچ پانڈیا راجاؤں پر نازل ہوئی جب اس نے اپنی فوج ان کے خلاف روانہ کی! کیا یہ بات تمہارے کانوں تک نہیں پہنچی کہ جب چولا فوج جنگ کے لیے چلی تو چیروں نے پیٹھ دکھا دی. کیا اسی فوج نے ولی نم کو جو سمندر کے کنارے واقع ہے، تباہ و برباد کر کے نہیں رکھ دیا اور شالئی کو تسخیر نہیں کیا۔!"

پانڈیوں اور چیروں پر فتح اور کوٹارو، ولی نم اور شالئی کی لڑائیوں کے یہ تذکرے بہت حد تک درست ہیں۔ "کلوتنگا شولن پلئی تامل" میں شیپو نماری (ضلع رام ناڈ) کی ایک لڑائی کا حال بھی ملتا ہے۔" شاویر" جو ایسے تجربہ کار سپاہی تھے جن کے دلوں میں موت کا خوف جاتا رہا تھا اور جو پانڈیا اور چیرا افواج کا ایک بڑا حصہ تھے، کا خاتمہ کسی شدید لڑائی کے نتیجے میں ہوا ہو گا۔ پانچ پانڈیا راجاؤں کا پتہ نہیں

چل سکا، جن پر کلوتنگا نے فتح پائی تھی۔ یہاں تک کہ جٹا ورمن شری دلبھ بھی ان میں سے نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی حکومت کلوتنگا کی جنوبی ہند کی فتح اور وہاں نظم و ضبط کی بحالی کے بعد شروع کی تھی۔ ظاہر ہے کہ کلوتنگا پانڈیا ریاست میں اس چولا نظام حکومت کو بحال نہیں کر سکا جو راج راجا اول نے وہاں رائج کیا تھا۔ اس نے پانڈیا اور کیرلا کی ریاستوں میں آمد و رفت کے تمام اہم راستوں کے کنارے فوجی بستیاں قائم کرنے کی ترکیب نکالی۔ اس نے ان ریاستوں کے داخلی انتظام میں کسی قسم کی دخل اندازی کرنے کی کوشش کی کی سوائے اس کے فوجی چوکیاں وہاں موجود تھیں یا اس نے کئی مقامات کے نام بدل کر ان کو چولا القاب اور خطابات سے منسوب کر دیا۔ اور ان اضلاع کے ماتحت حکمرانوں سے سالانہ خراج وصول کرتا رہا اس عہد کے پانڈیا راجاؤں کے کثیر التعداد کتبات سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ چولوں کو ان پر سیاسی اقتدار حاصل تھا۔ اس کے علاوہ کلوتنگا اور اس کے جانشینوں کے کتبات بھی اس خطے میں اس کثرت سے نہیں ملتے جتنے کہ ان کے براہ راست ماتحت علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

بغاوتیں اور ان کا فرو کرنا

معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی خطے کی از سر نو تسخیر اور نظم و نسق کی بحالی کے کوئی پندرہ برس بعد ایک اور بغاوت ہوئی جس کا سرغنہ ویناڈ تھا۔ اس بات کا پتہ نہیں کتبات کی اچھی خاصی تعداد سے چلتا ہے۔ جن میں نرلوک ویرا کی خدمت گنوائی گئی ہیں۔ ان کتبات میں سب پرانی تاریخ کلوتنگا کی حکومت کے اٹھائیسویں سال کی ہے۔ پانڈیوں سے جو پہلی جنگ ہوئی تھی اس کے اختتام اور کتبات میں نرلوک ویرا کا ذکر شروع ہونے کے درمیان میں چند برسوں کا فصل اور جٹا ورمن شری دلبھ کے کتبات میں کالنگاریہ کے 'جو نرلوکہ ویرا ہی کا ایک لقب تھا۔ بار بار ذکر سے اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ جس جنوبی مہم میں اس سپہ سالار نے امتیاز حاصل کیا تھا وہ اس عہد کے ابتدائی برسوں میں لڑی گئی جنگ سے قطعاً مختلف تھی۔ دشمن جن کی سرکوبی کی گئی اور وہ مقامات جہاں لڑائی ہوئی قدرتی طور پر کم و بیش وہی تھے جو پہلی جنگ میں تھے اور اس کا نتیجہ بھی وہی نکلا جو پہلی جنگ کا ہوا تھا۔

لنکا کو آزاد کرانے اور وہاں سے چولا اقتدار کو ختم کرنے میں وجے باہو کی کامیابی کلوتنگا کے دل میں پھانس کی طرح کھٹکتی رہی۔ وہ لنکا کے حکمران کے خلاف از سر نو لڑائی چھیڑنے کے لیے سازگار موقع کے انتظار میں تھا۔ لنکا میں تامل آبادی خاصی تعداد میں تھی۔ اور اس وقت سنہالی فوج میں تنخواہ دار تامل سپاہی بہت بڑی تعداد میں تھے۔ وجے باہو نے حال ہی میں لنکا کے شمالی حصے کے حکمرانوں میں جو تبدیلی کی تھی یہ اس کا قدرتی نتیجہ تھا لیکن تامل سپاہی چولا حکومت کے وفادار تھے اور اس کی یاد بھلا نہ سکتے تھے اس لیے کلوتنگا نے چوری چھپے لنکا کے حکمران کے خلاف اپنے منصوبوں کو کامیاب بنانے کے لیے ماحول بہت سازگار پایا 1088ء کے قریب واقعات کا "مہا وامسا" میں حسب ذیل بیان کلوتنگا کی پالیسی پر خوفناک روشنی ڈالتا ہے:۔

"کرناٹا راجہ اور چولا حکمران کے سفیر بیش قیمت تحائف لے کر یہاں آئے۔ وہ تاجدار لنکا سے ملے۔ وہ ان سے مل کر بہت مسرور ہوا اور دونوں سفیروں کے ساتھ بہت اکرام و اعزاز سے پیش آیا۔ اس نے پہلے کرناٹا راجہ کے ایلچیوں کے ساتھ اپنے سفیر بیش قیمت تحائف کے ساتھ کرناٹا کے دربار میں بھیجے لیکن جب سنہالی ایلچی چولا سلطنت کی حدود میں داخل ہوئے تو چولوں نے ان کے ناک اور کان کمال بے رحمی سے کاٹ لیے۔ اس حالت میں وہ اپنے ملک کو واپس آئے اور جو سلوک چولا شہنشاہ نے ان کے ساتھ کیا تھا وہ دائی لنکا کو بتایا۔ غصے سے آگ بگولا ہو کر وجے باہو نے ان ڈمیلا سفیروں کو اپنے درباریوں کے سامنے طلب کیا اور انہیں چولا راجہ کے لیے مندرجہ ذیل پیغام دیا۔ "حد سماعت سے پرے ایک تنہا جزیرے میں جو سمندر کے درمیان واقع ہے۔ ہماری قوت کا امتحان تنہا ایک دوسرے سے لڑ کر ہوگا۔ یا تری سلطنت کی جملہ افواج اور میری افواج کو مسلح کر کے ایک ایسے کسی مقام پر لڑی جائے گی جو تو طے کرے گا۔ جس طرح میں نے کہا ہے اسی طرح تو میرا پیغام اپنے مالک کو پہنچا دے۔" یہ الفاظ کہنے کے بعد وجے باہو نے ان ایلچیوں کو عورتوں کے لباس میں بعجلت چولا راجہ کے دربار میں روانہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی فوج کو لے کر انورادھاپور چلا گیا۔ منّی کا واٹ تھا اور مہا تتھا نامی بندرگاہوں کی طرف

اس نے اپنے دو جرنیل روانہ کر دیئے تاکہ وہ چولا ریاست میں جاکر جنگ شروع کر دیں۔ یہ جرنیل ابھی اپنی فوجیں چولا سلطنت کی طرف بھیجنے کے لیے جہازوں اور رسد کا انتظام کر ہی رہے تھے کہ راجہ وجے باہو کے تیسویں سال حکومت میں فوج کی ویلائی کارا نامی پلٹن نے بغاوت کر دی کیونکہ وہ چولا ریاست پر حملہ کے لیے نہیں جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے دونوں جرنیلوں کو قتل کر دیا اور بے عنان اور مست ہاتھیوں کی طرح پلتھی نگر کے گرد و نواح کے علاقے میں خوب لوٹ مار کی۔ اور انہوں نے راجہ کی چھوٹی بہن کو مع اس کے تینوں بیٹوں کے گرفتار کر لیا اور راجہ کے محل کو جلا ڈالا۔ راجہ شہر سے نکل کر تیزی سے دکن دیش کو چلا گیا۔ اپنی تمام بیش قیمت املاک کو وانگری میں چھپا کر وہ آپ راجہ ویرا باہو کو جو شیر کا ایسا حوصلہ اور ہمت رکھتا تھا۔ اور ایک کثیر فوج کو ہمراہ لے کر پلتھی نگر کی جانب بڑھا جہاں شدید لڑائی کے بعد اس نے جلد ہی اس فوج کو جو اس کے خلاف جمع ہوئی تھی، شکست دے دی۔ اس نے غداروں کو سرغنوں کو اسی چتا کے ارد گرد اکٹھا کر کے، جہاں ابھی تک مقتول جرنیلوں کی راکھ باقی تھی، ان کے ہاتھ کس کے ان کی پیٹھ کے پیچھے بندھوا دیئے اور پھر زنجیروں سے ایک کھونٹے میں بندھوا کر ان کے ارد گرد آگ روشن کروائی اور اس نے بلند ہونے والے شعلوں میں انہیں زندہ جلوا دیا۔ اس طرح راجہ نے وہاں باغیوں کے سرغنوں کو قتل کر کے لنکا کی سرزمین کو ہر جگہ باغیوں کی کٹیلی جھاڑیوں سے صاف کر دیا۔"

"راجہ کی نگاہ سے چولا تاجدار کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ہرگز محو نہیں ہوا تھا اور اپنے عہد حکومت کے پینتالیسویں برس میں اپنے سامان حرب سے مسلح دستوں کے ہمراہ وہ سمندر کے کنارے کی بندرگاہ پر پہنچ گیا اور وہاں کچھ عرصہ تک اپنے حریف کلوتنگا کی آمد کے انتظار میں پڑاؤ ڈالے رہا۔ لیکن چولا راجہ نے وہاں اپنی شکل نہیں دکھائی۔ اس لیے وجے باہو نے ایلچیوں کو واپس گھر بھیج دیا اور پلتھی نگر کو واپس آگیا اور وہاں کافی عرصہ مقیم رہا۔"

البتہ کلوتنگا کی عیارانہ پالیسی بالکل ناکام رہی۔ "ویلائی کارا" پلٹن کی بغاوت سختی سے دبا دی گئی اور تنخواہ دار سپاہیوں نے آئندہ وفاداری کے ساتھ

راجہ وجے باہو کی خدمات بجالانے کا عہد کیا۔ بدھ دھرم کا سب سے بڑا مندر رجو پولونرد
میں واقع تھا۔ انہی سپاہیوں کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ کلوتنگا نے ظاہراً وجے باہو
کے ساتھ صلح کرلی کیونکہ اس نے اپنی ایک لڑکی سُتّا ملیّار کی شادی لنکا میں پڈنڈیا
فریق کے ایک سنہالی شہزادہ ویر پرومال کے ساتھ کردی اور وجے باہو کے جانشین
جے باہو اوّل کے عہد میں ایشورا کے مندر کے لیے ایک دائمی چراغ کا عطیہ بھی دیا۔

چین کے ساتھ مراسم

چین کے سانگ تذکروں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ
"چولین" (چولا) کی جانب سے ایک سفارتی مشن
سنہ 1077ء میں چینی شہنشاہ کے دربار میں پہنچا اوران دنوں "چولین" کا شہنشاہ
تی۔ہوا۔کیا۔تو کہلاتا تھا۔یہ ممکن ہے کہ اس کا مطلب دیو کلوتنگا ہو۔ایسا خیال
ظاہر کیا گیا ہے کہ دراصل اس سے صرف دیو کلا یا دوا کرہی کے طرح کے ہندوستانی
نام بن سکتے ہیں لیکن اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ سنہ 1077ء میں جو چولا راجہ
حکومت کررہا تھا یہ اسی کا نام ہے یہ خیال کہ ضرور یہ کلوتنگا ہی کا نام ہے (جس کی شکل
بگاڑدی گئی ہے) بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔یہ سفارتی مشن صریحاً ایک تجارتی
اقدام تھا جس کا نتیجہ تاملوں کے حق میں بہت مفید رہا کیونکہ ان بہتّر اشخاص کو جو سفارتی
مشن میں شامل تھے تانبے کے سکّوں کی 81800 ڈوریاں دی گئیں جن کی مالیت تقریباً
اتنے ہی ڈالر ہوتی تھی۔یہ قیمت اشیاء کے نذرانے کے عوض میں دی گئی جن میں شیشے
کا سامان، کافور، کمخواب (جو چینی زبان میں "کھوا" کہلاتا تھا) کے تھان، گینڈے کے
سینگ، ہاتھی دانت، عطریات، عرق گلاب، ہینگ، سہاگہ اور لونگ شامل تھے۔کڈارم
کے متعلق "کلنگتو پرانی" میں ایک سرسری حوالہ اس بات کا ملتا ہے کہ کلوتنگا نے
وسیع پیمانے میں واقع کڈارم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔کلوتنگا کے کتبات سے بھی
ظاہر ہوتا ہے کہ غیر ملکی جزائر سے اس نے بیش قیمت خراج وصول کیا۔لیکن یہ سب حوالے
مبہم ہیں اور ہم کو یہ بات نظرانداز نہیں کرنی چاہیئے کہ ادبی رواج کے مطابق اکثر شاعر
کسی خاص حکمران سے وہ سب کارنامے بھی منسوب کردیتا ہے جو اس حکمران کے
پیش روؤں سے متعلق تھے۔کچھ اور دیگر شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شری وجیا
کی سلطنت سے بھی کلوتنگا کے مراسم تھے۔بالخصوص لیڈن کا عطیہ نامہ صغیر اس بات

کا گواہ ہے۔ یہ خیال بھی کیا گیا ہے کہ سنہ 1063ء سے سنہ 1070ء تک کے عرصہ کا کچھ حصہ کلوتنگا نے شری وجیا میں امن کی بحالی اور وہاں چولا اقتدار کو مستحکم کرنے میں صرف کیا۔ اس رائے کی تائید میں دو باتوں کا حوالہ دیا گیا ہے، اوّل یہ کہ کلوتنگا نے مشرقی ریاستوں میں نظم و ضبط اپنی جوانی میں بحال کیا تھا بالکل اسی طرح جیسے وشنو نے زمین کو دھیرے دھیرے سمندر کے پانیوں سے نکالا تھا' دوسرے یہ کہ ان اعلیٰ افسروں کے نام جو سنہ 1067ء میں شری وجیا کی سلطنت کی طرف سے بطور سفیر چین کے دربار میں گئے تھے بالکل وہی ہیں جو دس برس بعد چولا شہنشاہ کے چین میں بھیجے ہوئے سفارتی نمائندوں کے تھے۔ یعنی تی ـ ہوا۔ کیا لو، دیو کلا نام کی چینی صورت ہے یا شاید دیو کلا (تنگا) نام کا ایک جزو۔ پہلی بات تو شاید تامل کے ایک فقرے کو غلط سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ یہ بات انتہائی حیرت ناک ہے کہ چولا تخت پر قابض ہونے سے قبل کلوتنگا کے سمندر پار کے ایسے کارنامے رہے ہوں لیکن اس کے عہد کے بے شمار کتبات سے ہم کو ان کے متعلق کوئی خصوصی معلومات حاصل نہ ہوں۔ ایک کتبے میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ کام بھوج کے راجہ نے کلوتنگا کو ایک خوبصورت پتھر اور ایک نادر شے کے طور پر دکھایا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے یہ پتھر کب دکھایا ـ؟ کیا کلوتنگا کام بھوج کی کھمیر ریاست میں بھی گیا تھا؟

اور کڈارم

چین کی تاریخی سرگذشتوں کے (جو " ما۔ تو آن لن " کے صفحات میں محفوظ ہیں) ایک بیان سے فضلاء بہت متعجب ہیں کہ چولا ریاست سنہ 1068ء سے سنہ 1077ء تک شری وجیا سلطنت کے ماتحت تھی۔ بیگن سے آمدہ ایک سفارتی مشن کا حال قلم بند کرتے ہوئے " ماتو آن ـ لن " میں یہ اندراج ہے کہ شہنشاہ نے پہلے تو یہ حکم دے دیا کہ اس سفارتی مشن کا خیر مقدم کیا جائے اور اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے جو چولین (چولا شہنشاہ) کے سفیروں سے کیا گیا تھا۔ لیکن رسومات کی مجلس کے صدر نے مندرجہ ذیل رائے پیش کی۔ " چولا ریاست سان ـ فو ـ سی کے ماتحت ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے " ہی ـ ننگ " کے سالوں (سنہ 1069-77ء) میں اس سلطنت کے راجہ کو صرف مضبوط کاغذ پر خط لکھا اور اسے معمولی کاغذ کے لفافے میں بند کر دینا کافی سمجھا۔ پاؤ ـ کن (پگن) کا شہنشاہ اس کے برعکس فان کی بڑی سلطنت کا مالک ہے۔ ۔ ۔ ۔ "

اس دلچسپ عبارت کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ سان.فو.سی (شری وجیا) کے سفارتی نمائندے نے ۱۰۷۷ء کے درمیان کبھی نہ کبھی چین کے شاہی دربار میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ چولا سلطنت ان کے زیر نگیں ہے اور اس لیے وہ چولا حکمران کے سفارتی نمائندوں سے بہتر مرتبے اور مقام کے مستحق ہیں. نیز اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ برتری کی اس ترتیب کا حوالہ ۱۱۰۶ء میں صرف مثال کے طور پر دیا گیا تھا. جس سے چولا سفارتی نمائندوں کو پیکن کے ایلچیوں سے کمتر مقام دینے کو حق بجانب قرار دیا جا سکے. ان بیانات کی مناسبت اہمیت متعین کرنے کے لیے ہمیں ان مشکلات کو نظر میں رکھنا چاہیئے جو تامل سلطنت کے سفارتی نمائندوں کو چین کے ایسے دور دراز ملک میں اپنا اور اپنی حکمران کا مرتبہ صحیح طور پر سمجھانے میں پیش آتی تھیں. ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ ۱۰۶۸ء سے بہت عرصہ پیشتر راج راجا اوّل اور راجندر اوّل نے چین کو جو سفارتی مشن بھیجے تھے انہیں بھی اسی طرح کی مشکلات پیش آئی تھیں. اور انہیں بھی اپنے اصل مقام سے بہت کمتر مقام دیا گیا تھا تامل سفارتی نمائندوں کا پھوہڑپن دور دراز ممالک کی سیاست کی اصل صورت حال سے چینی افسر شاہی کی عدم واقفیت اور شری وجیا کے سفیروں کی چولا سلطنت اور اس کے مقام کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے پر آمادگی' ان سب اسباب نے مل کر وہ صورت حال پیدا کی ہوگی جو "مانو آلن" میں بیان کی گئی ہے. البتہ ایسا یقین کر لینے کی کوئی بھی وجہ نہیں ہے. کہ ۱۰۶۸ء یا ۱۱۰۶ء میں چولا سلطنت شری وجیا کی باجگزار بن گئی ہو. ان دونوں سلطنتوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں دوسری تمام شہادتوں سے بھی اس خیال کی تردید ہوتی ہے.

جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، ویر راجندر نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ۱۰۶۸ء میں کڈارم (شری وجیا) پر فوج کشی کی اور وہاں کے راجاؤں میں سے ایک کی خاطر جو اس کی پناہ میں آیا تھا، تمام ملک کو فتح کر کے اس راجہ کو تخت پر بٹھا دیا. یہ غیر ممکن بھی نہیں معلوم ہوتا اور اس کے نتیجے میں کڈارم کے نئے حکمران نے چولوں اقتدار کی برتری کو کچھ حد تک تسلیم بھی کر لیا ہوگا. جو بھی صورت ہو اتنا تو ثابت ہے کہ شری وجیا کے راجہ نے کلوتنگا اوّل کو ایک. سفارتی وفد بھیج کر درخواست کی کہ وہ ایک تامبے کی تختی

ان دیہاتوں کے متعلق جاری کرے جو کہ چولا شہنشاہ نے ان دو دہاروں کو بطور نذرانہ عطا کئے تھے جن کو کڈارم کے راجہ نے شولاکل وتی پٹم میں جو ناگ پٹنم کا دوسرا نام ہے۔ تعمیر کروایا تھا۔ لیڈن کے عطیہ نامۂ صغیر (اسں نام سے کلوتنگا کا یہ عطیہ عام طور پر موسوم ہے) میں ان دونوں دہاروں کا ذکر " راجندر شولپ پیرمپلی " اور " راج راجپ پیرم پلی " کے ناموں سے ہے۔ موخرالذکر کا دوسرا نام " شری شیلندر چوڑامنی ورما دہار " بھی ہے۔ اور اسں نام سے جس دہار کا لیڈن کے عطیہ نامۂ کبیر میں ذکر ہے یہ وہی دہار معلوم ہوتا ہے۔ یہ عطیہ نامہ راج راجا اوّل کے زمانے کا ہے۔ کڈارم کے زمانے سے جو سفارتی مشن بھیجا گیا تھا وہ دو سفیروں (دوتوں) پر مشتمل تھا جن کے نام راج ودیا دھر شری سامنت اور ابھیمانوتنگ سامنت تھے۔ انہوں نے راجہ (وہیم شیپا) کی خدمت میں عطیہ کا فرمان جاری کرنے کے لیے اسں وقت درخواست گزاری جب وہ اپنے " کا لنگا رائن " تخت پر تاج پوشی کے بڑے ہال (ترومنجنا شالائی) میں اجلاسں کر رہا تھا جو آئرتلی عرف آہواہل کل کال پورم نامی قصر شاہی میں واقع ہے اسں بات کا ذکر کلوتنگا کے کتبات کی طویل پرشستی میں بھی آیا ہے کہ اسں کے صدر دروازے پر ہاتھیوں کی قطاریں استادہ تھیں جو وسیع سمندر میں واقع جزیرے کی سلطنت (کڈارم) کی جانب سے خراج کے طور پر بھیجے گئے جواہرات کی بارش کر رہے تھے۔ دونوں سلطنتوں کے درمیان اسں عہد میں مسلسل دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا ایک اور ثبوت سماٹرا سے ملا ہے یہ ایک شکستہ تامل کتبے کی صورت میں ہے جس پر شاکا سمت 1010 (مطابق سنہ 1088ء) کی تاریخ درج ہے۔ یہ لوبوتوئیوا کے مقام سے ملا ہے اور اسں میں جنوبی ہند کے ایک مشہور تجارتی ادارے " تشایا انیوٹرو ور " کا ذکر ہے۔ اسں نام کے صحیح ترین معنی جو چولا کتبات میں آنے والے ایسے ہی الفاظ کی مدد سے سمجھے جا سکے ہیں وہ اسں طرح ہیں۔ " چاروں جانب کے ہزار ضلعوں میں سے پانچ سو "۔ اگرچہ اسں زمانے میں چولوں کی سیاسی طاقت کی مجمع الجزائر ملایا تک توسیع کی بہت کم شہادت ملتی ہے تاہم تجارتی تعلقات اور باہمی ثقافتی رشتے جو پہلے زمانے میں قائم ہوئے تھے وہ معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا اور غالباً اسں کے جانشینوں کے عہد میں بھی بدستور استوار رہے۔

وینگی کے وائسرائے

شمال میں کلوتنگا نے ریاست وینگی کا انتظام وجے آدیتہ ہفتم کے سپرد کر رکھا تھا اور یہ انتظام اس کی وفات تک اسی کے پاس رہا۔ ان دونوں کے باہمی تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔ اور کلوتنگا کے چولا تخت پر بیٹھ جانے کے بعد بھی یہ تعلقات بدستور کشیدہ رہے۔ مشرقی گنگا راجاؤں کے کچھ ایسے کتبات بھی ملے ہیں جن سے، جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں، یہ پتہ چلتا ہے کہ گنگا حکمران راج راجا نے کلوتنگا سے وجیا دتیہ ہفتم کی سفارش کی اور وینگی کے حکمران کی حیثیت سے اس نے اپنی زندگی کے آخری دن امن سے گزارے وینگی میں اپنا پندرہ سالہ دور ختم کر لینے کے بعد وجیا دتیہ کی وفات ہو گئی تو کلوتنگا نے اپنے بیٹے راج راجا ممڈی چوڈا کو وہاں اپنا وائسرائے مقرر کیا۔ یہ تقرری غالباً 27 جولائی 1076ء کو ہوئی۔ لیکن راج راجا نے اتنی دور جا کر وائسرائے ہونے کے بجائے اپنے والدین کے ساتھ ہی رہنے کو ترجیح دی اور ایک سال کے بعد اپنے عہدے سے استعفا دے دیا۔ اس کے چھوٹے بھائی ویر چوڈا کو وائسرائے منتخب کیا گیا اور وہ شاکا سمت 1001 (مطابق 79-1078ء) سے، جب اس کی تاج پوشی ہوئی، چھ برس تک وہاں حکومت کرتا رہا۔ 1084ء سے 1089ء تک کلوتنگا کا ایک اور بیٹا راج راجا چوڈا گنگا بھی وائسرائے رہا۔ یہ بات اس حکمران کی ٹیکی سے دستیاب شدہ تختیوں سے معلوم ہوتی ہے جو بظاہر کلوتنگا کے سنہ ہوس سال کی ہیں۔ ویر چوڈا کی ٹھپا پورم کی تختیوں میں بھی درج ہے کہ اس کو اس کے والد نے جو "اس کے نوجوان چہرے کے حسن و جمال کو نکھرتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا، وینگی سے واپس بلا لیا" اور یہ کہ "اسے پانچ برس کے بعد دوبارہ شمال کی طرف بھیج دیا گیا اگرچہ اس کے باپ کی آنکھیں اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہوئی تھیں"۔ لیکن ان تختیوں میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ان پانچ برسوں میں وینگی پر کیا بیتی جو ویر چوڈا نے اپنے والد کے پاس گزارے۔ ویر چوڈا کی چیلور کی تختیوں میں اس مدت کے متعلق جب وائسرائے کا عہدہ خالی رہا یا چوڈ گنگا کے متعلق کوئی حوالہ نہیں ملتا ہلتش کا کہنا ہے کہ چوڈ گنگا کے بارے میں چیلور کی تختیوں کی مکمل خاموشی اور ٹھپا پورم کی تختیوں میں بھی اس کے نام کی عدم موجودگی ہمیں اس قیاس پر مجبور کرتی ہے کہ چوڈ گنگا اپنے والد کی نظروں سے گر گیا تھا۔ اور اس کے تعلقات اپنے بھائی سے کشیدہ

ہو چکے تھے۔ یہ حقیقت بھی کہ چوڈگنگا کو بظاہر اپنے والد کا سب سے بڑا بیٹا ہوتے ہوئے بھی ایک عرصے تک وائسرائے مقرر نہیں کیا گیا، تھا اس قیاس کو تقویت دیتی ہے۔ بہر حال ویر چوڈا نے بطور وائسرائے دوبارہ 89-1088ء سے کم از کم 93-1092ء تک کام کیا۔ وینگی کے وائسرائے کی حیثیت سے ویر چوڈا نے ایک پانڈیا حکمران کے خلاف، جس کا نام معلوم نہیں، جو جنگ لڑی اس میں اس کا معاون دیدرا دوم نامی ایک ویلناتی شہزادہ تھا جو گونکا اوّل کا بھیجا تھا۔ ویر چوڈا نے اسے دوآب کا علاقہ بطور انعام عطا کیا جو "سندھویگ مانتر دیش" کہلاتا تھا اور جسے ہلٹش نے دریائے کرشنا اور دریائے گوداوری کے درمیان کا خطہ بتایا ہے۔ اس کے جلد بعد کلوتنگا نے اسی خاندان کے دیگر شہزادوں کو بھی نوازا۔ ویر چوڈا کے بعد وکرم چولا کو وائسرائے بنایا گیا جس نے غالباً اس وقت تک وینگی کا نظم ونسق سنبھالے رکھا جب تک کہ وہ 1118ء میں چولا تخت کا جانشین نہیں چن لیا گیا۔

شمال کی لڑائیاں

وکرم چولا کے حکمران بننے تک ہمیں وینگی اور اس سے شمال کے علاقوں کے واقعات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس کے چولا تخت پر بیٹھنے کے بعد کے کتبات میں وینگی میں اس نے جو فرائض بطور نائب السلطنت انجام دیے ان کا مختصر سا ذکر ملتا ہے جو ان الفاظ میں ہے۔

"وہ ابھی بچہ ہی تھا کہ اس نے جنگ آزمائی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیلنگا ویمن پناہ لینے کے لیے پہاڑوں کی جانب بھاگ گیا اور اس طرح آگ نے پوری کالنگا کی سرزمین کو جلا ڈالا۔ وہ وینگی منڈلم میں خوشی خوشی مقیم رہا اور شمالی خطے کو مطیع کر لیا۔"

خود کلوتنگا کے کتبات میں دو چولا حملوں کا حال، جو کالنگا پر کیے گئے تھے۔ درج ہے جن میں سے ایک بلاشبہ جیئن گونڈار کی مشہور تصنیف "پرانی" میں بحث کا موضوع ہے۔ کالنگا پر پہلے حملے کا حال کلوتنگا کے چھبیسویں سال کے کتبات میں دیا گیا ہے اور کالنگا پر تسلط حاصل کرنے کا حال جس اختصار سے بیان کیا گیا ہے اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہی وہ لڑائی تھی جس میں وکرم چولا نے بطور ایک کم سن شہزادہ کے امتیاز حاصل کیا تھا۔ کالنگا پر دوسری یعنی بعد میں

کی گئی چڑھائی کا ذکر اس کے بیالیسویں سال اور اس کے بعد کے کتبوں میں آتا ہے۔ یہی وہ حملہ تھا جو "پرانی" کی تصنیف کا باعث ہوا اور بظاہر اس میں وکرم چولا کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

کالنگا کی پہلی لڑائی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کالنگا کی جانب سے وینگی پر جارحانہ حملہ کالنگا کی پہلی لڑائی کا باعث ہوا اور اس کے نتیجہ میں کالنگا کے جنوبی حصے کو چولا سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ کولنو یعنی موجودہ ایلور جو جھیل کولائر کے نزدیک واقع ہے، کا راجہ بظاہر کالنگا کے حکمران کا حمایتی تھا۔ لہٰذا وکرم چولا کو بیک وقت دو محاذوں پر لڑنا پڑا۔ دور دراز جنوبی خطے سے چولا شہنشاہ کا ایک باجگذار پانڈیا راجہ پرانتکا اس جنگ میں شریک تھا اور اس نے وکرم چولا کی مدد کی۔ پانڈیا راجہ پرانتکا کے کتبات میں وکرم چولا کے کتبات کی مانند یہی بیان ملتا ہے کہ تیلنگا بھیم کا شہر کلم فتح کر لیا گیا اور جنوبی کالنگم پر قبضہ ہو گیا۔ اس خاندان میں بھیم ایک بہت عام نام تھا اور یہ راج راجا اول کے زمانے سے لے کر کم از کم بارہویں صدی عیسوی کے وسط تک کولانو اور سارونا کے متعدد حکمرانوں کا نام رہا۔ کالنگا کے خلاف لڑی گئی اس پہلی جنگ کی کوئی تفصیلات دستیاب نہیں ہوئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوج کشی دراصل مقامی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے کی گئی تھی نہ کہ نئے علاقے فتح کرنے کے لیے۔ جنوبی کالنگا غالباً وہ علاقہ تھا جو دریائے گوداوری اور کوہ مہندرا کے درمیان واقع تھا اور یہ وکرم چولا کی چھیڑی ہوئی جنگ سے کئی سال قبل ہی وینگی کے صوبے کا ایک حصہ تھا۔ ممکن ہے کہ مطیع راجاؤں نے جن کے علاقے وینگی کے زیر انتظام تھے سازش کی اور جب کمسن شہزادہ وکرم چولا کو وینگی کا وائسرائے مقرر کیا گیا تھا تو ان راجاؤں نے بغاوت کر دی۔ یہ سازش ناکام رہی اور پورے کا پورا صوبہ دوبارہ مطیع کر لیا گیا۔ سمہا چلم سے دستیاب شدہ ایک تامل کتبہ جو کلوتنگا نے شاکا سمت 1021 (مطابق 1099-1100ء) میں کندہ کروایا، نیز دراکشا راما اور دیگر مقامات سے ملے ہوئے متعدد دوسرے کتبات بھی اس علاقے میں چولا تسلط کی بحالی کی تصدیق کرتے ہیں۔

دوسری جنگ

کالنگا پر ۱۱۵۱ء میں جو دوسرا حملہ ہوا اس کا حال قدرے تفصیل کے ساتھ کلوتنگا کے کتبات میں دیا گیا ہے اور "کالنگتو پرانی" میں یہ حال اس سے زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان کتبات کے مطابق چولا فوج نے وینگی کی حدود پار کر کے اس فیل سوار دستے کو تباہ کر دیا جو دشمن نے اس کی یلغار کو روکنے کے لیے بھیجا تھا۔ چولا فوج نے دشمن کے علاقے کالنگا میں آگ لگا دی اور کالنگا کی فوج کے بہت سے طاقتور سرداروں کو ہلاک کر دیا جن کے سر قلم ہو کر میدان جنگ میں گرے اور چیلیں انہیں نوچتی رہیں۔ بالآخر چولوں نے ساتوں کالنگاؤں کو تسخیر کر لیا۔ "کالنگتو پرانی" کے بیان کا خلاصہ ان مختصر الفاظ میں دیا جا سکتا ہے: "جب شہنشاہ کانچی میں اپنے محل میں دربار کر رہا تھا۔ اس وقت "ترومندرا اولیٔ" نے اپنے آقا کو کچھ ماتحت راجاؤں کے آنے کی اطلاع دی جو سالانہ خراج دینے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ اور باہر انتظار کر رہے تھے۔ تب ان کو اندر آنے اور اپنے نذرانوں کو پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ آخر میں راجہ نے دریافت کیا کہ کیا کچھ ایسے ماتحت راجہ بھی ہیں جنھوں نے اس مرتبہ خراج ادا نہ کیا ہو۔ اس پر اسے بتایا گیا کہ شمالی کالنگا کے حکمران نے دو مرتبہ ایسا کیا ہے۔ راجہ نے اس وقت یہ فرمان جاری کیا کہ کالنگا کے خلاف مہم روانہ کی جاتے۔ اور کالنگا کے کوہستانی قلعے پر یلغار کر کے وہاں کے راجہ کو گرفتار کر کے جنگی قیدی کی طرح پیش کیا جائے۔ بہادر پلو سردار کروناکر تونڈئیمان والیئے ونڈئی نے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کرنے کی پیش کش کی جو فوراً قبول کر لی گئی۔ کروناکر کی قیادت میں فوج جلد کانچی کے لیے روانہ ہو گئی۔ اس نے دریائے پالار اور دریائے پون مکھری کو عبور کیا اور پینارجا پہنچی۔ کالنگم پہنچنے تک اس نے جو دیگر دریا پار کئے وہ دریائے مناڑو، کرشنا، گوداوری، پمپا اور گومتی تھے۔ چولا فوج نے کالنگا میں داخل ہوتے ہی ہر طرف تباہی پھیلا دی۔ وہاں کے مصیبت زدہ باشندوں نے بھاگ کر اپنے حکمران کو اطلاع دی اور جو کچھ انھوں نے دیکھا تھا اور جو مصیبت ان پر بیتی تھی کہہ سنائی۔ راجا اننت ورمن نے جس نے ابھی تک کبھی شکست نہیں کھائی تھی اسے معمولی معاملہ سمجھا کیونکہ کلوتنگا کی فوج ہی لوٹ آئی تھی، کلوتنگا خود اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اس کے وزرا میں سے ایک انیگر آیا نامی نے احتجاج کیا اور وہ کامیابیاں گنوائیں جو چولا فوج اب تک حاصل کر چکی

تھی. مگر اننت ورمن خوفزدہ نہیں ہوا اور جنگ کے لیے تیاری کرنے لگا. جنگ جب ہوئی تو چولا فوج کو فتح ہوئی اور اننت ورمن فرار ہو گیا. فتح مند چولا لشکر اس کی تلاش میں ناکام رہ کر بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس چلا گیا۔

شمالی کالنگا پر جو اس وقت "سات کالنگا" کہلاتا تھا' پر چولا حملے اور اس میں کرونا کر کے ادا کردہ رول کی تصدیق کتبات سے بھی ہوتی ہے اور ایک نظم سے بھی. جنگ کی فوری وجہ صرف نظم ہی میں بیان کی گئی ہے. یہ وجہ کالنگا کے حکمران کی جانب سے سالانہ خراج کی عدم ادائیگی تھی. اننت ورمن چوڈگنگا' ویر راجندر کا نواسہ اور اس کی بیٹی راج سندری کا بیٹا تھا لیکن خاندانی رشتے اور اقتدار طلبی کی راہ میں شاذ ہی حائل ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعے پر کلوتنگا ہی جارحیت کا مرتکب ہوا تھا. یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ اننت ورمن کے طویل اور بظاہر خوشحالی سے بھرپور عہد حکومت میں کالنگا کی ریاست ایک ماتحت ریاست تھی جو چولا دربار کو سالانہ ایک مقررہ خراج ادا کیا کرتی تھی. یہ بات قابل توجہ ہے کہ دراکشاراما کے ایک کتبے میں جو وشنو وردھن (کلوتنگا کے عہد کے شاکا سمت 1003 کا ہے. تری کالنگا دھی پتی راج راجا دیو کے ایک پردھانی کی جانب سے دئے ہوئے ایک عطیے کا ذکر آیا ہے. اگر یہ حوالہ اننت ورمن کے والد کے متعلق ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ کالنگا کم از کم کچھ مدت کے لیے ضرور ایک ماتحت ریاست تھی لیکن جنگ کی اصلی وجہ واضح نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ کانچی پورم میں چولوں کے تاریخی محل میں کلوتنگا کا منعقد کیا ہوا دربار اور اننت ورمن کی جانب سے خراج کی عدم ادائیگی کی اطلاع جو اس کے وزیر نے اسے دی' تاریخی حقائق نہ ہوں بلکہ نظم میں جس عظیم فوجی کا بیان ہے اس کا محض ایک ادبی پس منظر ہوں. کرونا کر کی اس مہم کے کوئی مستقل نتائج برآمد نہیں ہوئے. شمالی کالنگا پر چولوں کے قبضے کی کوئی شہادت نہیں ملتی. یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ 1108ء کے ایک کتبے کے مطابق بھیم نامی ایک کوٹا سردار نے کالنگا کو مطیع کرنے میں چولا شہنشاہ کی امداد کی تھی ہو سکتا ہے کہ یہ حوالہ اس کے اس کردار کے متعلق ہو جو اس نے پہلی جنگ میں ادا کیا یا شاید دوسری جنگ میں.

حدودِ سلطنت

کلوتنگا کی حکومت کے پینتالیسویں سال میں بھی ہنوز اس کی سلطنت کی حدود کی وسعت برقرار تھی۔ لنکا کے ہاتھ سے نکل جانے کے علاوہ اس کے عہدِ حکومت کے شروع میں جو بغاوتیں ہوئیں۔ ان سے اس کے مقبوضہ علاقے میں کوئی خاص کمی نہیں ہوئی۔ مغربی چالوکیہ ریاست اور چولا سلطنت کی درمیانی سرحد وہی تھی جو ہمیشہ سے چلی آئی تھی۔ یہ سرحد دریائے تنگ بھدرا کے نواح میں ہمیشہ سے چلی آتی تھی جس کا کسی مخصوص وقت میں صحیح وقوع ہم عصر کتبات سے معلوم کیا جا سکتا تھا۔ ضلع کڈپہ کے مقام نندلور میں جو اس وقت کلوتنگا شولا چیتر ویدی منگلم کہلاتا تھا، ترپر وانتکم (کرنول) میں اور میسور کی ریاست میں کلوتنگا کے پینتالیسویں سال حکومت تک اس کے کتبات کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان علاقوں پر کلوتنگا کا تسلط اچھی طرح قائم تھا۔ ونگی پر بھی اس کا قبضہ مستحکم تھا اور اسی کے باعث اس کے شمالی پڑوسی کا لنگا کے علاقے پر اس کا حملہ کامیاب رہا تھا۔

غیر ملکی مراسم

کلوتنگا کے دورِ حکومت میں ہندوستان کے اندر اور غیر ممالک میں دوسری ریاستوں کے ساتھ چولا سلطنت کے وسیع تعلقات تھے۔ شری وجیا کی سلطنت کے ساتھ اس کے تعلقات کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ گنگائی کونڈا چولا پورم کے مندر کی دیواروں پر کندہ ایک ادھوری "گاہڑوال" پرشستی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں چولوں کے سفارتی تعلقات شمالی ہند کی ریاستوں سے بھی قائم تھے۔ اس کتبے کے آغاز میں کلوتنگا کے عہد حکومت کے اکتالیسویں سال کا حوالہ ہے اور بعد میں اس میں "گاہڑوال" پرشستی کا کافی حصہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ کتبہ اس وقت کے اصل حکمران کا، جس نے یہ اندراج کروایا تھا، نام بتائے بغیر ختم ہوتا ہے۔ اس کتبے میں یہ تفصیل بھی نہیں ہے کہ اس موقع پر کیا عطیہ دیا گیا تھا۔ دور دراز علاقے میں واقع چولا دارالسلطنت میں پائی گئی یہ پرشستی شاید کچھ خاندانی رشتوں کی شاہد ہے جو ان دونوں خاندانوں کے مابین موجود تھے لیکن جن کا کسی اور طرح سے علم نہیں تھا۔ چولا سلطنت میں کلوتنگا کے عہد حکومت میں سورج کی پرستش کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ وہ بھی

شاید "گاہد والوں" کے ساتھ اس سلطنت کے گہرے تعلقات کی بنا پر تھی جو سورج کے زبردست پجاری تھے۔ اس بات پر بھی ایک نگاہ ڈال لینا چاہیئے کہ سنہ 1129ء میں گووند چندر کی تانبے کی تختی پر کندہ ایک فرمان عطیہ میں چوڑا ریاست کے ایک شخص واگیشور رکشت کا ذکر کیا گیا ہے جو اڑیسہ کے شاکیہ رکشت کا چیلا تھا۔ ہم چدامبر کے ایک کتبے میں جو 13 مارچ سنہ 1119ء کا ہے یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ راجندر کو کامبھوج کے حکمران سے ایک خاص قسم کا پتھر بطور تحفہ ملا تھا اور اس نے یہ پتھر چدامبرم کے ایک مندر کے مقابل ایک ہال کی دیوار میں جڑوا دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ پتھر سمندر پار کی طاقتور کمبر سلطنت، جو چین کی جانب جانے والے سمندری راستے پر واقع تھی، کے ساتھ کلوتنگا کے قائم کردہ دوستانہ تعلقات کی مقدس یادگار تھا۔ برمی تذکروں میں ذکر آیا ہے کہ پیگن حکمران کیان زتھا (سنہ 1084ء - سنہ 1116ء) کی ملاقات ایک چولا شہزادے کے ساتھ ہوئی جسے اس نے بدھ دھرم اختیار کروا دیا اور جس کی بیٹی کے ساتھ اس نے شادی کر لی۔ اس چولا شہزادے کی شناخت یا اس برمی داستان کے لیے تامل کتبات اور لٹریچر سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

گنگا واڑی کا ہاتھ سے نکل جانا

اس کے عہد حکومت کے اختتام کے قریب گنگا واڑی کا صوبہ بھی ان ہوئسالوں کی ابھرتی ہوئی طاقت نے کلوتنگا سے چھین لیا۔ ہر چند کہ ہوئسالوں کا ذکر سنہ 1006ء یعنی راج راجا اوّل کے عہد سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہوئسالہ خاندان کی اصل تاریخ کا آغاز نرپا کاما (سنہ 1022ء - سنہ 1040ء) سے ہوتا ہے جو ونے آدتیہ کا والد اور ایریاپا یا ایچگا کا سرپرست تھا۔ ایچگا ہوئسالہ جرنیل گنگ راجہ کا باپ تھا جس نے سنہ 1116ء میں چولوں سے تلکاڈ کو فتح کر لیا تھا۔ ہوئسالہ کے راجہ بہت برسوں تک مغربی چالوکیوں کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرتے رہے جو چولوں کے حریف تھے اور ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ونے آدتیہ کے بیٹے ایرِی بنگا نے کلوتنگا کے چولا تخت پر بیٹھنے کے بعد اس کے خلاف لڑی گئی لڑائیوں میں وکرما دتیہ ششم کی مدد کی تھی۔ ہوئسالہ خاندان کی حکومت کے آغاز میں اس کی اصل حدود سلطنت متعین کرنا آسان نہیں ہے۔ بلالا اوّل کے ایک کتبے میں ہوئسالوں کی عملداری کی جو حدود بیان کی گئی ہیں نیز اس عہد کے

ہوئسالہ اور چولا کتبات کی شہادت کے مطابق ہوئسالہ حکومت حسن اور کاڈور کے اضلاع اور ناگ منگلا تعلقہ کے کچھ حصوں تک محدود تھی۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ ونئے آدتیہ اپنے ۱۰۴۷ء سے ۱۱۰۰ء تک کے طویل عرصۂ حکومت میں اپنے ہمعصر چالوکیہ حکمران کا باجگزار بنا رہا جیسا کہ وکرما دتیہ اور کلوتنگا کی باہمی جنگوں میں ہوئسالوں کے کردار سے بھی ظاہر ہے۔

بٹگا وشنو وردھن (۱۱۰۰ء۔ ۱۱۵۲ء) کے زمانے میں ہوئسالوں نے واقعی ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔ سب سے پہلے ۱۱۱۶ء کے ایک کتبے میں "تلکاڈ و اور کولال" کا لقب وشنو وردھن کے نام کے ساتھ شامل کیا گیا اور اسی سال میں اسے تلکاڈ و اور کولال کے علاوہ کونگو تک پھیلی ہوئی پوری گنگا واڈی پر حکومت کرتا ہوا بتایا گیا ہے۔ بیلور کی تانبے کی تختیوں پر کندہ فرمان عطیہ (۱۱۱۷ء) میں درج ہے کہ "اس نے سب سے پہلے ہوئسالہ حکومت کی دولت کو حاصل کیا۔ تلگا ڈنک پیشقدمی کرنے والا وہ پہلا شخص تھا جس نے یدو نسل کو عروج پر پہنچا کر گنگا خاندان کے علاقہ کا حکمران بنا دیا اور گنگا حکمرانوں کے دارالخلافہ کو آگ لگا دی۔" اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وشنو وردھن کو بیلور کے گردونواح کا کچھ محدود سا علاقہ ورثہ میں ملا اور اس نے اپنی حکومت کے پہلے پانچ چھ برسوں میں گنگا واڈی کو فتح کر کے اپنے زیرنگیں علاقہ میں توسیع کر لی۔

ان دنوں گنگا واڈی کا صوبہ چولوں کے ماتحت تھا اور اس کا نظم ونسق چولا سلطنت کے ایک صوبے کی حیثیت سے چلایا جا رہا تھا۔ اسے ہوئسالہ حکمران کے بیرے اس کے ڈنڈ نایک گنگ راجا نے تسخیر کر لیا تھا۔ اس حصے میں ریاست کونگو میں واقع تگڈور (دھرم پوری) کے "آدیگیمان" نامی قدیم خاندان کے حکمران، چولا سلطنت کے نمائندوں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ہوئسالہ کتبات میں گنگ راجا کے ذریعے چولا صوبے کو تسخیر کرنے کا حال اس بیان کے ساتھ شروع کیا گیا ہے کہ گھاٹوں کے اوپر صوبہ گنگا واڈی کی سرحد پر واقع تلکاڈو کے پڑاؤ میں چولا سامنت ادیاما نے وہ ناڈ و جو چولا یوں قدم جمائے ہوئے تھا جیسے دروازے پر کنڈی ہوتی ہے۔ ادیاما نے وہ ناڈ و جو چولا شہنشاہ نے اسے دیا تھا گنگ راجا کے حوالے

کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے گنگ راجا سے کہہ دیا کہ وہ لڑ کر ہی اسے حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد جو جنگ ہوئی اور جس میں گنگا واڑی کے صوبے کی تقدیر کا عملی طور پر فیصلہ ہو گیا، وہ تلکاڈو سے زیادہ دور نہیں لڑی گئی ہوگی۔ چولوں کی طرف سے ادی یا ما کے علاوہ دوا اور راجہ دامودرا در نرسمہا ورما نیز کچھ دیگر گمنام سامنت لڑے تھے۔ گنگ راجا کو ننگلوں (تاملوں) کے خلاف مکمل فتح حاصل ہوئی اور اس نے اس کے بعد تاملوں کا تعاقب کر کے انہیں گنگا واڑی کی حدود سے باہر نکال دیا۔ "ننگلوں کے اخراج کے بعد اس نے گنگا واڑی کا صوبہ دیر گنگا (وشنو وردھن) کو واپس کر دیا۔ کیا گنگ راجہ گنگا خاندان کے سابق راجہ کے مقابلے میں سو گنا خوش قسمت نہیں تھا۔۔۔؟"

وشنو وردھن کے دوسرے کتبات اس کی کامیابیوں کا مبالغہ آمیز اور بلاشبہ کچھ حد تک من گھڑت حال بیان کرتے ہیں۔ اور ان شہادتوں میں جھوٹ کو سچ سے الگ کرنا آسان نہیں ہے۔ اگر ہم اپنی توجہ محض ان فتوحات تک محدود رکھیں جو اس نے چولوں پر حاصل کیں تو یہ بات اغلب ہے کہ تلکاڈ اراج راجا پورہ نیلگری، ننگلی، کولالہ، تیرے یورا اور کویاتور کے علاوہ گنگ راجا کی فوجی مہمات کے نتیجے میں اس کے زیر نگیں ہو گئے تھے اور یہی بات پورے کونگو کے متعلق تو نہیں مگر اس کے کچھ حصے کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ لیکن اس طرح کا دعویٰ کہ کانچی بھی اس کا اطاعت گزار بن گیا تھا اور اس نے جنوبی مدھرا پور کو نچوڑ ڈالا جیسے کہ یہ اس کے ہاتھ میں رہا ہو، اتنا ہی ناقابل یقین ہے جتنا کہ چکر کوٹ اور لاٹ کے خلاف اس کی لڑائیاں۔ دوسری طرف اس عہد میں چولا ریاست کے مرکزی حصے پر ہوئسالہ افواج کے ایک حملے کی بھی شہادت ملتی ہے جس سے وشنو وردھن کے اس دعوے کو تقویت ملتی ہے کہ اس نے رامیشورم تک پیش قدمی کی تھی۔ پراکرم پانڈیا کے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اس کی تحریر سے کئی برس قبل آڈتورئی میں واقع مندر کے کچھ "پلیئوں" نے وہاں کی چند مورتیوں کو بچایا تھا جو ہلے بڑ کو اٹھا کر لے جائی جا رہی تھیں۔ لہٰذا انہیں کچھ خصوصی مراعات کی صورت میں انعام دیا گیا تھا۔ پراکرم پانڈیا نے ان مراعات

کی تجدید کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آڈ تور ئی سے مورتیوں کو "ملے بیڑ" کی جانب اٹھالے جانے کی ناکام کوشش وشنو وردھن کے عہد حکومت میں کی گئی تھی اور اگر یہ خیال صحیح ہے تو وشنو وردھن کے کتبات میں اس کی فتوحات کے بارے میں جو مبالغہ آمیز بیانات ہیں ان کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور رہو گی۔ بہر حال کچھ بھی ہو کلوتنگا کے عہد کے پنتسالیسویں سال (یعنی سنہ 1115ء) کے بعد ریاست میسور سے اس کے کتبات کی عدم موجودگی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ گنگا واڑی کا صوبہ جنگ کے نتیجے میں چولوں سے نکل کر ہوئسالوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا لیکن یہاں بھی کولار کے خطے میں اور کچھ دیگر مقامات پر وکرم چولا کے کتبات کا پھر سے نمودار ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ چولا حکمران یا تو اس صوبے پر برابر قابض رہے تھے یا اس کی بازیابی میں کامیاب ہو گئے تھے۔

وینگی میں مشکلات

اپنے عہد حکومت کے آخری حصے میں کلوتنگا ایک اور سمت میں بھی اپنا بہت سا علاقہ کھو بیٹھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری وینگی کی ریاست اگر نہیں تو اس کا شمالی نصف حصہ ضرور اس کے ہاتھوں سے نکل کر مغربی چالوکیہ حکمران وکرمادتیہ ششم کی سلطنت میں شامل ہو گیا تھا۔ موخر الذکر کے عہد حکومت کے کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کلوتنگا کے خلاف پہلی جنگ میں شکست کھا جانے کا انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے کتبات سے ظاہر ہے کہ اس نے کلوتنگا کے ساتھ اپنی عداوت میں کوئی کمی نہ آنے دی تھی سنہ 1084ء میں وکرمادتیہ یہ شکایت کرتا ہے کہ اس کا "حریف چولا حکمران میدان جنگ میں نہیں آتا"۔ درحقیقت وکرمادتیہ کا منصوبہ یہ تھا کہ جنوب میں کلوتنگا کی مصروفیات کا فائدہ اٹھا کر شمال کی جانب وینگی اور اس کی اطاعت گزار ریاستوں پر حملہ کر دے۔ وینگی کے وائسرائے کی تاریخ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ سنہ 1093-92ء میں اس عہدے پر وکرم چولا کی تعیناتی تک مغربی چالوکیہ حکمران کی ان کوششوں کا بظاہر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ اس کے جلد ہی بعد کلم اور جنوبی کالنگا کے خلاف لڑائیاں لڑی گئیں۔ دراصل یہ بغاوتیں جزوی طور پر وکرمادتیہ کی سازشوں کا نتیجہ تھیں۔ مشرقی گنگا حکمران اننت ورمن چوڑ گنگا کے سر اٹھانے کی بھی یہی وجہ رہی ہو گی جس سے کالنگا کی جنگ نیز

شمالی کالنگا پر چڑھائی ضروری سمجھی گئی۔ کلوتنگا کے خلاف شمال میں جو بے اطمینانی پھیل رہی تھی، اس کا اظہار اس وقت ہوا جب سنہ 1118ء میں معمر کلوتنگا نے وکرم چولا کو جنوب میں اس مقصد سے طلب کیا کہ اسے چولا تخت کا وارث بنایا جائے۔ شاکا سنہ 1124 (سنہ 1202 عیسوی) کے راجہ ملپا دیو کے کتبہ میں جو پٹھا پورم سے دستیاب ہوا ہے یہ صاف طور سے بیان کیا گیا ہے کہ جب حیرت انگیز "اپوروپرش" کلوتنگا پانچ دراوڑ ریاستوں اور آندھرا کی ریاست پر پچاس برس تک حکومت کر چکا اور وکرم چولا چولا سلطنت پر حکومت کرنے کے لیے گیا تو وینگی کی سرزمین فوراً بدنظمی کا شکار ہو گئی۔ (وینگی بھوم نائک رہت جاتا)۔ اس بیان سے ریاست آندھرا کے ان ہمعصر کتبات پر کافی روشنی پڑتی ہے جو کلوتنگا کی حکومت کے اختتام اور وکرم چولا کے خودمختار چولا حکمران کی حیثیت سے حکومت کرنے کی مدت سے تعلق رکھتے ہیں۔

دراکشارا میں کلوتنگا کے کتبات اس کی حکومت کے انچاسویں سال تک مسلسل پائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس وکرم چولا کے کتبات اس کے نویں سال یعنی سنہ 1127ء عیسوی سے قبل شمالی سرکار کے علاقے میں دستیاب نہیں ہوتے اور جو کتبات ملتے ہیں وہ بھی بہت محدود تعداد میں ہیں اور ریاست وینگی کے جنوبی حصے یعنی موجودہ ضلع گنٹور تک ہی محدود ہیں۔ وکرما دتیہ کے کتبات دراکشارا میں خاصی بڑی تعداد میں موجود ہیں اور ان پر جو تاریخیں درج ہیں وہ چالوکیہ وکرم کے دور حکومت کی ہیں۔ جو اس کے اپنے عہد کے آغاز کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہوا تھا۔ ان کتبات کی زیادہ تر تعداد اس کی حکومت کے پینتالیسویں سال سے لے کر اڑتالیسویں سال تک کی ہے لیکن دراکشارا اور تیلگو خطے کے دیگر مقامات پر بھی اس سے قبل اور بعد کے کتبات نایاب نہیں ہے۔ ان میں سے بہت سے کتبات وکرما دتیہ کے تیلگو باجگزاروں کے کندہ کروائے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی ماتحت حیثیت یا تو کھلے طور پر یا اشارتاً اپنے حکمران اعلیٰ کا ذکر اس کے نام سے کر کے تسلیم کیا ہے یا محض اپنے کتبات کی تاریخ چالوکیہ وکرم دور حکومت کے سنین کے مطابق لکھوا کر لیکن یہ بات یاد رکھنی ہو گی کہ بعض حالتوں میں ان سنین کا استعمال محض عادتاً بھی کیا جاتا تھا چاہے اس کے جاری رکھنے کے لئے کوئی وجہ باقی نہ رہی ہو۔ وکرما دتیہ کے کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ

اس کی حکومت اس زمانے میں تمام تیلگو خطے پر تھی۔ 1115ء عیسوی میں ہم
اس کے جرنیل اننت پالیا کو ضلع گنٹور پر مشتمل ریاست پر حکومت کرتا ہوا پاتے
ہیں۔ شاکا سمت 1039 (مطابق دسمبر 1117ء) میں انو مکونٹا کے کاکتیا سردار پرولا
نے مغربی چالوکیہ حکمران کی بالادستی تسلیم کر لی اور کتبات میں یہ اندراج کروایا کہ
انو مکونڈا کی جاگیر اس کے والد بیٹا کو کچھ عرصہ پہلے اسی تاجدار نے عطا کی تھی تقریباً
ایک سال بعد دسمبر 1118ء میں وکرما دتیہ کا ڈنڈ نائک اننت پالیا' وینگی 16000 پر
حکمرانی کر رہا تھا جیسا کہ ضلع گنٹور میں واقع کومورو کے ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے
اسی سال 1118ء کے کندہ شدہ جبر دلو کے ایک کتبے میں بیز واڈا کی لڑائی میں بہادری
دکھانے کے لیے ایک کونڈ پڈ وسٹی جرنیل سور کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ یہ لڑائی
غالباً وینگی میں چالوکیہ فتوحات کے سلسلے میں ہوئی تھی تقریباً 1125ء میں اننت
پال کی بیوی نے دراکشاراما میں بھیمیشور کے مشہور مندر کو ایک عطیہ دیا تھا۔ اسی
سال میں ویلنانتی راجندر نے اور اس کے ایک سال بعد ایک تیلگو چوڑا سردار
کی بیوی مائی لمانے بھی دراکشاراما میں عطیات دیئے جن کا اندراج ان کتبات میں
ملتا ہے۔ جو چالوکیہ عہد ورمن کے سنین کے اعتبار سے لکھے گئے ہیں۔ ایک اور
مغربی چالوکیہ فوجی کمانڈر جو اننت پال کا بھتیجا تھا 1127ء میں ضلع کرشنا میں
واقع کونڈپلی پر حکومت کر رہا تھا۔ دراکشاراما کے کتبات پر بھی چالوکیہ ورمن عہد
کے ستاونویں سال 1133-32ء کی تاریخیں درج ملتی ہیں۔ اس عہد کے اختتام کے
آس پاس شاکا سمت 1053 (مطابق 1131ء) میں نمبی راجا نامی ایک شخص جو ملا کا
بیٹا تھا، بظاہر ایک خود مختار راجہ کی حیثیت سے شٹ شسرا کے خطے پر حکومت کر رہا
تھا جو دریائے کرشنا کے جنوب میں واقع ہے اور خود کو کولی پاک کا حکمران کہتا تھا
وینگی میں چالوکیہ چولا اقتدار کا زوال بلاشبہ مغربی چالوکیہ حکمران وکرما دتیہ کے ہاتھوں
1118ء ہی سے شروع ہو چکا تھا اس لیے کھوئے ہوئے علاقے کا کوئی بھی حصہ
چولا حکمران اس وقت تک واپس نہیں لے سکے جب تک کہ 1126ء میں وکرما دتیہ
کی وفات نہیں ہوئی۔ اس طرح کلوتنگا کے عہد حکومت کے خاتمے پر چولا سلطنت
کا رقبہ سکڑ کر اس سے بہت کم ہو چکا تھا جتنا اس کی جانشینی کے وقت تھا۔ اس

عہد کے آغاز میں لنکا چولوں کے ہاتھ سے چھن گیا تھا۔ اب اس میں مزید نقصانات کا اضافہ ہو چکا تھا یعنی گنگا واڑی اور وینگی بھی ہاتھ سے نکل گئے تھے اور اب چولا سلطنت کچھ عرصے کے لیے کم و بیش محض ایک خالص تامل طاقت ہی رہ گئی تھی۔ دکرمادتیہ اور کلوتنگا کی مسلسل طاقت آزمائی کے نتیجہ میں اوّل الذکر کو اتنا تو فائدہ ہوا گو بہت دیر میں ہوا کہ وینگی اور چولا سلطنت کا الحاق ختم کر دینے کا اس کا منصوبہ بالآخر کامیاب ہو گیا اور کلوتنگا کو مجبوراً اس صورت حال پر صبر کرنا پڑا جسے روکنے کے لیے اس نے اتنی طویل مدت تک کوشش کی لیکن بالآخر ٹال نہ سکا۔ کلوتنگا کے سب سے آخری کتبہ میں جو ہمارے علم میں ہے، اس کے باونویں سال حکومت کا ذکر کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ سنہ 1122ء تک زندہ رہا۔

القاب کلوتنگا کے متعدد اور نام اور القاب تھے۔ اس کے عہد کے پانچویں برس سے پہلے کے کتبات میں اس کا ذکر راجندر کے نام سے کیا گیا ہے اور یہی نام بعد کے کچھ کتبات میں پایا جاتا ہے۔ چولوں کی جانشینی کی ترتیب کے اعتبار سے دراصل وہ راج کیسری تھا لیکن اس کے کتبات میں غلطی سے کئی جگہ پر اکیسری کا لقب استعمال ہوا ہے۔ اپنی حکومت کے پانچویں برس میں ہی وہ تربھون چکرورتی کہلانے لگتا ہے گو یہ لقب اس کے نام کے ساتھ کتبات میں باقاعدگی سے بار بار دوہرایا نہیں گیا جیسے کہ اس کے جانشینوں کے کتبات میں دوہرایا گیا ہے۔ تیلگو خطے میں پائے جانے والے اس کے کتبات میں مشرقی چالوکیہ القاب "سرولوک آشریا" اور "وشنو وردھن" کے علاوہ "پرانتکا" "پیر مانڈ لنگلو" "دوکرم چولا" "کل شیکھر پانڈیا کلانتکا" جیسے القاب بھی پائے جاتے ہیں۔ "کلنگتو پرانی" میں اسے "وُر دراج بھینکرا" "راکلنک" "ابھئے" اور "دجے دھرا" کے نام سے پکارا گیا ہے اس کا نام "ابھئے" اس کے پیندرم سے دستیاب میں مذکور ہے۔ معلوم آیا ہے اور یہ کتبہ اس کے بتیسویں سال حکومت کا ہے۔ "دجے دھرا" کا لقب اس کے ترڈو ورکیور، پیناڈم اور چدمبرم سے ملنے والے کتبات میں مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "ترڈونیرچ چولا" اس شہنشاہ کا ایک اور لقب تھا کیونکہ اس کی حکومت کے انتالیسویں سال کے ایک کتبے میں ترشولم کے نئے مندر

کو عطیے میں دیئے جانے والے جس " دلیو دان" گاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام "تر ویرچ چولا نلور" بتایا گیا ہے۔ "دشنگ تدورتنا شول نلور" ایک اور لقب ہے جو اس راجہ کے اٹھائیسویں سال حکومت کے ایک کتبے میں درج ہے اور اس سے چار سال بعد کے ایک کتبے میں اس کو "شنگن دورتو ارو نیکی اُنگا نڈ" کا لقب دیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں " وہ راجہ جس نے ٹیکس اور محصول ختم کر دیئے اور تاریکی دور کرنے کے بعد دنیا پر حکومت کی" اگرچہ راجہ کی جانب سے ٹیکسوں کے معاف کر دینے کے متعلق بہت سے حوالے دیئے گئے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس سے اصلاح کی صحیح نوعیت اور اس کا مقصد معلوم ہو سکے "دشنگم" کی اصطلاح کی وضاحت پرمیلل گرنے کی ہے اور اس کے معنی وہ ٹیکس (اڑ ئی) بتاتے ہیں جو جہازوں یا چھکڑوں پر سے جائی جانے والی اشیاء پر لگایا جاتا ہے۔ اس تشریح کے دائرے میں نہ صرف وہ محصول آجاتے ہیں جنھیں آجکل ہم چنگی کہتے ہیں بلکہ اس میں محصولات درآمد و برآمد بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ گو پرمیلل گر کی یقین کے ساتھ کوئی تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی لیکن اس کی "دشنگم" کی تشریح کو کلوتنگا کے زمانے سے متعلق سمجھا جا سکتا ہے، بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب شارح نے "دنزرگ کرل" پر شرح لکھی تو اس کے ذہن میں کلوتنگا کی مالیاتی اصلاح تھی۔ بہر حال اصلیت کچھ بھی ہو ہمارے پاس یہ فیصلہ کرنے کے کوئی ذرائع موجود نہیں ہیں کہ کلوتنگا نے محض اپنی سلطنت کے ایک ہی حصے میں تجارتی محصول ختم کر دیا تھا یا پورے ملک میں۔ اور کیا یہ معافی مستقل طور پر دی گئی تھی یا محض عارضی اور ایک معینہ مدت کے لیے تھی جو کسی خاص تقریب کے موقع پر دی گئی تھی جسے وہ اپنی رعایا کو عطیہ کے طور پر دے کر منانا چاہتا تھا۔ بہر حال وہ ہر صورت سے "دشنگن دورتو" کے لقب کا حقدار تھا۔ لیکن یہ بات ناقابل قیاس ہے کہ وہ پورے ملک کو ایک پرانے مروجہ ذریعہ آمدنی سے دائمی طور پر محروم کر دینا چاہتا تھا جس سے ملک کو بے حد فایدہ تھا البتہ ۱۱۹۴ء کے ایک کتبہ میں چولا ناڈو ایسا ملک بتایا گیا ہے جس میں کوئی "دشنگم" وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ غالباً یہ معافی دائمی تھی لیکن یہ محض اصل چولا ریاست

تک محدود تھی۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو چولوں کا سامراج اقتصادی استحصال کا پہلو بھی رکھتا تھا اور صرف ارتھ شاستر کے "وجی گیشو" کا فوجی سامراج ہی نہیں تھا۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان لاتعداد چھوٹے چھوٹے کتبات سے جن میں ٹیکسوں اور ان کی معافی کے متعلق بہت سی تفصیلات دی گئی ہیں اس زمانے کے ٹیکسوں یا ٹیکس لگانے کے اصولوں میں ترمیم کے متعلق کوئی صحیح تصویر ہمارے سامنے نہیں آتی۔ کلوتنگا کے جانشینوں کے کتبات میں یہ ذکر آتا ہے کہ کلوتنگا کی حکومت کے سولھویں اور چالیسویں سال میں اراضی کا عام بندوبست کیا گیا تھا۔ اور خود کلوتنگا کے اڑتالیسویں سال کے ایک کتبے سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ اس کتبے میں بندوبست کے ایک افسر کا نام بھی دیا ہوا ہے۔

دارالسلطنت

کلوتنگا کا دارالسلطنت گنگاپوری یا گنگائی کونڈ چولاپورم تھا۔ اس سے دوسرے نمبر پر اہم شہر کانچی پورم تھا جہاں "ابھشیک منڈپ" والا ایک قصر تھا جہاں سے راجہ اہم سرکاری فرامین جاری کرتا تھا۔ کچھ دوسرے مقامات جن میں شاہی ایوانوں کی موجودگی کا خصوصی ذکر اس عہد کے کتبات میں ملتا ہے یہ ہیں: آیرانتی۔ ترڈملو واڈی۔ مڈی کونڈ شولاپورم اور وکرم شولاپورم۔

خاندان

تانبے کی تختیوں پر منقوش فرامین عطیات میں بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا نے سورج ونشی نسل کے راجہ راجندر دیو کی بیٹی مدھرانتکی سے شادی کرلی تھی۔ یہ راجندر دوم بلاشبہ راجندر راجندر دوم تھا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس ازدواجی رشتے سے پیدا ہونے والے بیٹے سنہ 1077ء سے لے کر بعد دیگرے وینگی کے وائسرائے ہوتے رہے، یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ یہ رشتہ کلوتنگا کے چولا تخت پر بیٹھنے سے کچھ برس پہلے ہی ہوا تھا۔ مدھرانتکی کے سات بیٹے ہوئے جن میں سے کلوتنگا کا جانشین وکرم چولا تھا شاید چوتھا تھا۔ جری میں کتبات کی کسی بھی "پرشستی" میں اس مہارانی کا ذکر اس کا نام لے کر نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ سب سے بڑی مہارانی ہونے کی وجہ سے اس کو کتبات میں "بون ملو دوڈئیال" یا "اونی ملو دوڈئیال" یعنی "کل دنیا کی ملکہ" کہا گیا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "دین چنتامنی" بھی اسی مہارانی

کا لقب تھا. معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلوتنگا کے تیسویں سال سے کچھ عرصہ پہلے فوت ہو گئی. اس کے بعد سب سے بڑی مہارانی کی حیثیت سے اس مقام تیاگ ولی نے لیا جو "پوَن ملو دوڈییال" کے لقب سے مشہور ہوئی. یہ بات قابل توجہ ہے کہ "کالنگتو پرانی" میں صرف اسی کا اور ایلی شئی ولبھی کا ذکر کیا گیا ہے. اور یہ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ مہارانی تیاگا ولی کو شہنشاہ کے برابر اختیارات حاصل تھے. ایلی شئی ولبھی کو "ایلل گوڈییال" بھی کہا گیا ہے جس کا مطلب ہے. "ساتوں جہازوں کی ملکہ" کتبات اور "کالنگتو پرانی" دونوں میں اسی لقب سے اس کا ذکر آیا ہے. کلوتنگا کے چھبیسویں سال کے ایک کتبے میں یہی لقب تمبی راٹیار شیرامن ارومولی ننگئی کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے. اگر یہ حوالہ بھی اسی مہارانی کے متعلق ہے جیسا کہ قرین قیاس ہے تو اس کا ذاتی نام یقیناً ارومولی ننگئی ہوگا. کتبات میں جن دیگر رانیوں کا ذکر آیا ہے وہ ہیں ترےلوکیہ مہا دیوی جس نے 1072ء میں اپنی والدہ اُمائی ننگئی کی روحانی فلاح کے لیے آریاکے مندر کو ایک چراغ کا عطیہ دیا. شولن شوروڈییال عرف کاڈون مہا دیوی، جو بظاہر پلّو نسل کی ایک شہزادی تھی. تربھون مادیوی عرف کپما دیوی جو سواتی نکشتر میں پیدا ہوئی اور جو ایک دوسرے رانی آدتن آنڈ کٹیار کی طرح وشنو کی پرستار تھی. آدتن آنڈ کٹیار عرف شولا کل ولیار کا ذکر بھی اسی کے ہمراہ کاپکی پورم کے 1111ء کے کتبے میں آیا ہے. کلوتنگا کی کندوئی اور مدھرانتکی نامی دو بہنوں کا ذکر بھی چدمبرم کے کتبوں میں آیا ہے جو 1114ء اور 1116ء کے ہیں. مدھرانتکی کے بطن سے اس کے سات بیٹوں کے علاوہ ایک بیٹی شتاملی بھی تھی جس کی شادی لنکا کے شاہی گھرانے میں ہوئی تھی. میسور سے دستیاب شدہ ایک شکستہ کتبے میں جو کلوتنگا کے ابتدائی حصے (1075ء) کا ہے کلوتنگا کی ایک اور بیٹی کا ذکر بھی آیا ہے جس کا نام پلیا رامنگئی آلوار تھا. کسی راج سونو (شہزادہ) مادھو نے 1082ء کے قریب راماگرام میں شوجی کو سونے کا تاج نذر کیا تھا. اس شہزادے کی صحیح شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی ہے.

کلوتنگا کے کتبات میں اس کے بہت سے ماتحتوں اور باجگزاروں کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے مشہور ترین اس کی تامل فوج کے دو جرنیل ہیں جنھوں نے جنوبی ریاستوں اور کالنگا کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ جنوبی لڑائی نرلوک ویر نے جو اہم خدمات انجام دیں ان کی شہادت نہ صرف "وکرم شولن اُلا" نامی تصنیف سے اور ضلع جنوبی ارکاٹ کے چدمبرم اور تر ووُدی نامی مقامات سے دستیاب شدہ مدھیہ کتبات سے ملتی ہے بلکہ پانڈیا ریاست سے دستیاب شدہ متعدد کتبات سے بھی ملتی ہے جن میں اس کے القاب اور اس کے عطیات کے اندراجات موجود ہیں۔ وہ ایک حد درجہ معزز افسر تھا جسے مناول میں ایک بڑی جاگیر ملی ہوئی تھی اور جس نے قدیم مندروں کے شہر چدمبرم اور تر ووُوی میں بہت سی اصلاحات نافذ کی تھی۔ وہ جے دھرا کا وزیر اعظم کہلاتا ہے اور اس نے کلوتنگا کی وفات کے بعد بھی وکرم چولا کی ملازمت جاری رکھی۔ دوسرے بڑے جرنیل کے حالات زندگی کے لیے جس نے کالنگم کے خلاف فوج کشی کی سربراہی کی تھی، ہم کو صرف ادبی ماخذ پر انحصار کرتا ہے یعنی "کالنگتو پرانی" اور وکرم شولن اُلا" پر۔ کرونا کر تونڈیمان بظاہر پلّو نسل سے تھا اور جین گونڈار نے پلّووں کی قدیم روایات کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ وہ اس خاندان کا چشم و چراغ تھا جو خود برہما کی نسل سے تھا۔ عام طور پر اسے ونڈئی نگر کا، جس کا دوسرا نام ونڈالن جیری بھی تھا، راجہ بتایا جاتا ہے، یہ جاگیر شولا منڈلم کی ایک تحصیل کلوتنگا شولا ولنا ڈو میں واقع تھی اور آج کل کمبا کونم تعلقہ میں ونڈوانجیری کہلاتی ہے۔ کانچی پورم کے اس کتبے میں جس میں کرونا کر کی جاگیر کا محل وقوع تفصیل سے بتایا گیا ہے، اس کی بیوی الگیا منوالنی منڈائی آلوار کا ذکر ہے۔ کرونا کر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا جس کے جھنڈے پر پلّووں کا شاہی نشان یعنی سفید بیل بنا ہوا تھا۔ اس نے کالنگا کی لڑائی میں کرونا کر کی مدد بھی کی تھی اور اس کا ذکر تروپنن دال کے سنہ 1099ء کے ایک کتبے میں سینا پتی پلّوراشر کے نام سے کیا گیا ہے۔ "وکرم شولن الا" میں دیئے گئے حوالہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نرلوک ویر کی طرح کرونا کر بھی مہاراجہ کلوتنگا کے انتقال کے بعد زندہ تھا اور کچھ برسوں تک وکرم چولا کی ملازمت کرتا رہا تھا۔

تیرھواں باب

حاشیے

(1) EI.Vii – صفحہ 7 حاشیہ نمبر 5۔ اب 3 ارجون اتوار کی تاریخ قرار دی گئی ہے۔
ARE' 1947 – 48 صفحہ 3۔ اور اسی سال کا شری رنگم سے دستیاب شدہ کتبہ

(2) EI – iv – صفحہ 227 — 1920 کا 520 — 1902 کا 139 — پڈوکوٹائی کے
کتبات میں 52 ویں سال حکومت کا ایک کتبہ نمبر 127 کے تحت دیا گیا ہے۔

(3) 1921 کا 45

(4) 1900 کا 125

(5) 1912 کا 425

(6) 1913 کا 468

(7) SII – iii – 68 – 69 وغیرہ۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس پرسستی کے آغاز میں کاونگا
کی نوجوانی کے کارناموں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک مبالغہ آمیز مدحیہ قصیدہ ہے جس
کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں۔ میرے خیال میں یہ حصہ اس جملے پر ختم ہو جاتا ہے: "تن۔ پون۔ نگرپ
پُرتی ڈانک کِڈِ پاّ":

(8) 1898 کا 57

(9) 1928 کا 124

(10) 1912 کا 231

(11) 1928 کا 365

(12) 1919 کا نمبر 197۔ ہلتش کے علم میں بیسویں سال حکومت سے قبل کا کوئی ایسا کتبہ نہیں تھا۔ جس
میں تربھون چکرورتی کا لقب دیا گیا ہو۔ SII – iii۔ صفحہ 131 یہ بات بھی نظر میں رکھنے کی ہے کہ

سب سے پرانا کتبہ جس میں چکر ورتی اور کلوتنگا کے القاب درج ہیں، چوتھے سال کا 1913 کا کتبہ نمبر 468 ہے جس کی تمہید "پگل ماد د ولنگ" سے شروع ہوتی ہے۔

(13) S II - iii - صفحات 142 تا 146 - آر۔ ڈی بینرجی کو کلوتنگا کے ابتدائی کتبوں کو سمجھنے میں عجیب غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نے ان کتبات کا حوالہ اس بات کے ثبوت کے لیے دیا کہ کلوتنگا نے لکشما دیو ولائی مالوہ کو چکر کوٹم میں شکست دی تھی (Tripuri Haihaya's of) صفحہ 25۔"

(14) x . v - 25 ، پچھلا باب

(15) دیکھئے پچھلا باب xii

(16) ARE - 1904 ، پیراگراف 21

(17) SII - iii - صفحہ 132 ، ARE - 1904 - پیراگراف 21

(18) ARE - 1899 - پیراگراف 51

(19) پچھلا باب xii - صفحہ 298 - حاشیہ نمبر 51

(20) "کلنگتو پرانی" - x - vv ، 27 تا 32 — IA - 19 - صفحہ 302

(21) پچھلا صفحہ 290

(22) vi ، 26 ، 27 ، 38 - 39 ، 54

(23) بوہلر نے بجا طور پر بلہن کے پند و نصیحت کا بھانڈا پھوڑا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ وکرم نے حالات کا شکار رہنا تو کجا۔ جیسا کہ بلہن نے ثابت کرنے کی سعی کی ہے الٹا اپنی برتر صلاحیتوں کو اپنے کمزور چھوٹے بھائی کو راستے سے ہٹانے کے لیے استعمال کیا۔ وکرم جس نے خود ایک چولا شہزادی سے اس لیے شادی کی تھی کہ اپنے بھائی کی وراثت کا ایک بڑا حصہ ہڑپ کرسکے اب سومیشور اور کلوتنگا کے سیاسی اتحاد پر کس منہ سے اعتراض کرتا۔ دیکھئے بوہلر کی "وکرمانک دیوچرتا" صفحات 36 - 38 وحواشی۔ فلیٹ پہلا شخص تھا جس نے یہ تسلیم کیا کہ راجگا دراصل راجندرہی کی ایک عام مروج شکل ہے اور راجندرہی اصل میں کلوتنگا کا ابتدائی دنوں کا نام تھا۔ IA - xx صفحات 276 ، 282 مزید دیکھئے BG - I - ii صفحہ 445

(24) BG - I - ii صفحہ 234

(25) EC - v - AK — 102 (الف) سے پتہ چلتا ہے کہ چالوکیہ چکر ورتی شہنشاہ کے

فرمان کی رو سے اس نے چولا راجہ کو پتنے اڑھائے "چونکرانتے یم ظرم آڈسی"۔ نیز دیکھئے VII اشلوک 64

(26) FC - VII ـ CI ـ 33 میں اس کا ذکر (را) جگا چولا۔ منو بھنگا کے نام سے کیا گیا ہے اور غالباً مبالغہ آمیزی کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ وہ ٹمبا واڑی 22000 پر حکمران تھا۔

(27) VI -- 90

(28) ایک سابقہ نوٹ میں دیا ہوا ابو ظہر کا تبصرہ دیکھئے

(29) VI '99 'XIV '4

(30) تروا پرے چولیسہ پنہ پرتاپم کرمیبا کلیانم اسو ودیش۔ VII-2

(31) اصل متن میں "کروتل" لفظ جو ذو معنی ہے اس کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے ہلتش کے ترجمے کی (SII - III - صفحہ 147) معمولی ترمیم کے ساتھ تقلید کی ہے۔ 1919 کا کتبہ نمبر 177 (چھٹے سال کا) 1914 کا کتبہ نمبر 5 (آٹھویں سال کا) ان سب سے پرانے کتبوں میں شامل ہیں جن میں یہ واقعات درج ہیں۔

(32) SII - III - 73' 1914 کا 5 ' 1919 کا 178

(33) 1896 کا 401

(34) B.G. - I ' II صفحہ 217

(34) معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جم کر لڑائی ہوئی۔ "کالنگتو پرانی" - XIII - 62

(36) SII - III - صفحہ 144

(37) XI - VV' 74 - 75' XIII - 62

(38) EI - VI صفحات 69' 214 - 15

(39) B.G. - I - II' صفحہ 445

(40) XIV - VV - I تا 13

(41) CV - باب 60' V - 24 - کاڈرنگٹن کی تصنیف "A Short History of Ceylon" صفحہ 57۔

(42) XVII - VV - صفحہ 47۔ اور اس کے آگے کے صفحات ، مقابلہ کیجئے۔

B.G.-I، ii صفحات 452-53

(43) E.I.-ii x صفحات 208 - اور اور اس سے آگے کے صفحات۔ آر ڈی بنرجی کی کتاب "ہسٹری آف اوریسہ" صفحہ 26 پر آندھرا راجا کو کلو تنگا کا ایک بیٹا شناخت کیا گیا ہے لیکن یہ شناخت صاف غلط ہے۔

(44) JAHRS - v - صفحات 208- 209 -

(45) PK صفحہ 118 — اور اس گے کے صفحات

(46) سابقہ صفحات 253، 271

(47) C.V. - باب 58 - v 59، باب 59 - vv، 908 — EZ - ii صفحہ 207

(48) باب 58، vv صفحہ 18۔ اور اس کے بعد کے صفحات

(49) جیجر C.V.-i صفحہ 204، حاشیہ نمبر 2

(50) 1912 کا نمبر 600، SII - iv - 1396، ا۔ 17

(51) کا ڈرنگٹن۔ حوالہ سابقہ صفحہ 57

(52) SII - iii، 68، 1-2۔ اور 69 + 1، 10 - پلا نیا شورم سے ملے ہوئے ایک کتبے (1922 کے نمبر 211) میں جو حالانکہ دسویں سال حکومت کا ہے، "رنگل شولند بنری" سے شروع ہونے والی تمہید کا عام حصہ دیا گیا ہے جس میں پانڈیا راجہ کے سر کے متعلق بیان بھی شامل ہے لیکن اس میں لڑائیوں کا ذکر نہیں ہے اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ اس میں چوتھے سال والی پرشستی کو جوں کا توں درج کر دیا گیا ہے کیونکہ اسی برس میں وہ اہم واقعہ ہوا تھا جو اس کتبے میں درج ہے۔

(53) 1914، صفحات 186

(54) EI - v - صفحات 103 - 4، SII - i - صفحات 168 - 69

(55) SII - iii صفحہ 147

(56) 11، 46-47

(57) XI - vv، 70 - 72 - یہ سوالات کالنگا کے حکمران اننت ورمن کے

وزرا میں سے ایک نے اسے مخاطب کر کے اس لیے پوچھے ہیں کہ کلوتنگا کو معلوم ہو جائے کہ اس کی فوج ایک آزمودہ سپاہ ہے جو اس کی غیر حاضری میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دے سکتی ہے۔

(58) ۷۔ جلد ۱۵

(59) "studies" صفحہ ۱۹۱

(60) PK ۔ صفحات 120 - 22 ۔ اور 1927 کا کتبہ نمبر 21 جو جت۔ شری دلبھ کے دسویں سال حکومت کا ہے۔ اس کتبے میں راجا کلوتنگا کے اکتیسویں برس کا ذکر ہے جس نے کولم کو تسخیر کیا تھا۔ بلاشبہ یہ کلوتنگا اول ہی تھا۔ کلوتنگا نے جنوبی ہند کو ازسرنو تسخیر کیا تھا۔ اور اس کی یہ کارروائی اس کے عہد کے گیارہویں برس ۱۰۸۱ء تک مکمل ہو چکی تھی۔ اس طرح یہ ثابت ہے کہ شری دلبھ کا دسواں سال حکومت کلوتنگا کے عہد حکومت کے اکتیسویں برس یعنی ۱۱۰۱ء سے بعد ہوا یعنی شری دلبھ کا عہد حکومت ۱۰۹۱ء سے پہلے شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان پانڈیا راجاؤں میں سے نہیں ہو سکتا تھا جن پر کلوتنگا کی افواج نے حملہ کر کے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اپنی جنگی مہم کے خاتمے پر کلوتنگا کو قدیم پانڈیا راجاؤں کو یہ رعایت دینی پڑی کہ وہ چولا طاقت کے زیر سایہ اپنی حکومت اپنے پورے شاہانہ وقار کے ساتھ قائم رکھیں یہ صاف ظاہر ہے کہ چولا شہزادوں کو چولا پانڈیا وائسرایوں کی حیثیت سے تعینات کرنے کا طریقہ کلوتنگا نے پھر سے جاری نہیں کیا۔ ان دنوں میں پانڈیا ریاست کا تعلق ۱۰۰۰ء اور ۱۰۷۵ء کے درمیان وینگی کی ریاست کے ساتھ رہا تھا۔

(61) اکیسویں برس کے ایک کتبے (1927 کے نمبر 46) میں ولنیم کا نام راجندر شولا پٹنم درج ہے۔ کوٹار کے نلائی پڑئی کا ذکر اتنا اکیسویں سال کے کتبے (TAS-i- صفحات 246-47) میں آیا ہے۔

(62) ARE - 1927 - II 18

(63) "studies" صفحہ 178 - اور اس کے آگے کے صفحات

(64) تاہم یہ بات ناممکن نہیں کہ نرلوک ویرا پہلی جنگ میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے لڑا ہو اور دوسری لڑائی وقطعاً ہوئی ہی نہ ہو۔ اور جب بعد میں ترقی کرکے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوا ہو ۔۔۔ تو اس کی پہلے کی جنگوں میں دکھائی گئی شجاعت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہو۔ اس میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ چونکہ نرلوک ویرا شہنشاہ کلوتنگا کی موت کے بعد بھی زندہ تھا اور شہنشاہ وکرم چولا کے ماتحت بھی اس نے چھ یا سات برس تک ملازمت کی اس لیے وہ اتنا معمر نہیں ہوگا کہ اس نے کلوتنگا کے عہد حکومت کے ابتدائی برسوں ہی میں فوج میں اعلےٰ منصب حاصل کر لیا ہو۔

(65) برتا وتن کا کہنا ہے کہ (EI - viii × صفحہ 333) کلوتنگا کے ترد کلّو کنرم کے کتبے میں (IA - xxi صفحہ 282) یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس نے لنکا پر چڑھائی کے لیے ایک فوجی مہم بھیجی لیکن اس کے قطعی نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ یہ بتاتے ہوئے وہ اس کے کے زیادہ معتبر ایڈیشن SII iii - 75 کو اور خاص کر صفحہ 64 پر دئے ہوئے حاشیہ نمبر ۱۰ کو نظر انداز کر دیتا ہے جو ہلتش کا تالیف کردہ ہے۔

(66) لنکا کے کتبہ نمبر 509 سنہ ۱۱۱۸ء میں جو فوجی بغاوت کے فرد کر دئے جانے کے کچھ سال بعد کا ہے، شید رائن عرف ملائی منڈل نائیکم کا ذکر آیا ہے جو بے یاہو دیور کا ایک "دیلائی کارم" تھا۔ "Ceylon Journal of Scince" G. - ii - صفحہ 122۔

(67) C V - i - صفحات 216 - 18۔

(68) 1912 کا نمبر 600 ۔۔۔ EI ' xviii صفحہ 330۔ اور اسکے آگے کے صفحات۔

(69) "Ceylon Journal of Science" G. - II ' 2 صفحات 106-116

(70) "Les Etats Hinduisés d'Indochine et d'Indonesie" (مطبوعہ پیرس 1948ء) صفحات 250 - 51

(71) JRAS - 1896 صفحہ 490 - حاشیہ + "Chou Ju-Kua" JA (Journal Asiatique) + حاشیہ ۲ - صفحہ ۱۰۰

470 صفحہ -xxiii-BEFEO '20 صفحہ '(1922) 20-xi

(72) vi- v '18

(73) "Journal of Greater Indo Society" ا-صفحات

88-87

(74) دیکھئے صفحہ سابق 298 حاشیہ 26

(75) EI-v صفحہ 105

(76) BEFEO' xviii' 6 ,صفحہ 8 جس کا حوالہ کوئیڈس نے بھی دیا ہے۔

(77) Chau-Ju-Kua - صفحات 96- اور 101

(78) مقابلہ کیجئے کرومِ کی تصنیف " Hindoe-Javaansche Geschiedenie" صفحات 302 - 4 - ووگل محض یہی بتاتا ہے کہ یہ واضح نہیں ہے کہ اوپر جس چینی ماخذ کا حوالہ دیا گیا ہے اسے کتنی اہمیت دی جائے۔ Bijdragen Deel - 75 (1919) صفحہ 637 ۔ کوئیڈس (جہاں حوالہ دیا گیا ہے) کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ چولا کتبوں میں شری وجیا پر چولوں کے تسلط کا مبالغہ آمیز بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا "جوابی طور پر شری وجیا نے یہ دعوے کیا کہ اس کو خود چولوں پر غلبہ حاصل تھا۔ جیریتی وہ واحد مصنف ہے جس نے ماتو آن۔لن کے بیان کو مکمل طور پر تسلیم کیا ہے۔" Researches" صفحہ 624 حاشیہ نمبر ا

(79) ASSI - iv صفحہ 224

(80) ایضاً - ii ، 6 - 7

(81) ایضاً - ii ، 39 ، 40

(82) یہ جملہ جو اکثر وبیشتر کتبات میں آتا ہے اپنے اس مفہوم کی وجہ سے غور کرنے کے قابل ہے کہ راجا غسل کرتے وقت عرضیاں سنا کرتا تھا لیکن متن سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا 1932 کے کتبہ نمبر 74 -1- 39 ۔ میں "دمین الال کلی کم اڈ تو" — کا جملہ آیا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ غیر ملکی وفود کو راجا کی جانب سے غسل کرتے وقت شرف ملاقات بخشنے کا ایک انوکھا طریقہ تھا لیکن "ابھیشک

منڈپ" کے لیے ذیل میں صفحہ 332 ملاحظہ کیجئے اور ابن حسن کی کتاب "Central structure" صفحات 77-78 پر مذکور "مغلوں کے غسل خانے" سے اس کا موازنہ کیجئے۔

(83) SII - iii صفحہ 146

(84) اس کتبے پر مکمل اور جامع بحث کے لیے "A Tamil Merchant-guild in Sumatra" (سماٹرا میں تامل تاجروں کی ایک انجمن) نامی میرا مقالہ پڑھئے۔ (Tijdschrift voor Indische Tool, Land-en Volkenkundu) 1932 - صفحہ 314 -

(85) EI 'v - نمبر 10 'vi ' نمبر 35 - ARE - 1922 ' II 6

(86) ٹھاپورم کی تختیاں (EI 'v - نمبر 10) 'v - 21

(87) v v ' 25 - 26

(88) EI . vi صفحہ 335

(89) اگر جم ٹیکی کی تختیاں۔ v ' 21

(90) EI - iv . صفحہ 36

(91) "آئمبڈائی پر دوم" کے معنی محض "بچپن" ہیں یعنی وہ زمانہ جب وشنو کے پانچ ہتھیاروں کے نمونے پر بنائے گئے تعویذ پہنے جاتے ہیں۔ دیکھئے تامل الفاظ کی فرہنگ .s. v "آئمبڈای تالی" (مقابلہ کیجئے کالنگتوپرانی۔ x 8) البتہ یہ وکرم چولا کے لڑکپن کے زمانے کی جب اس نے بطور وائسرائے کام شروع کیا تھا ایک مبالغہ آمیز تصویر ہے (ہلتش۔ SII - iii صفحہ 184 ' حاشیہ نمبر میں اس کے خلاف دیکھئے)

(92) پچھلے صفحات 14-16۔ دیکھئے

(93) 1907 کے نمبر SII iii ' 72 ' 304 ـــــ نیز 1911 کا نمبر 463 (ستائیسویں سال کا)۔ سی ویل نے اس واقعے کا جو ذکر 1095ء کے تحت کیا ہے مجھے اس کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ His I صفحہ 89

(94) 1904 کا نمبر 608 - 1891 کا کتبہ نمبر 44

(95) TAS-i- صفحہ 22، 81

(96) ARE - 1917، II 27

(97) کننگھم کی تصنیف "Ancient Geography" صفحہ 591

(98) ٹیکی کی تختیاں 1، 83 — "منٹی بھندرا مدھیہ ورتنو" EI-vi 335

(99) 1899 کا نمبر 363۔ ونیکیا نے فرض کر لیا ہے کہ وینگی کی ریاست پر کالنگا ریاست نے حملہ کیا تھا جس میں ایلورتک پیش قدمی کی گئی تھی "جس طرح سے وکرم چولا کی فتح کا حال بیان کیا گیا ہے اس سے خواہ عارضی طور پر ہی سہی، یہی سمجھ میں آتا ہے کہ غالباً اس نے وینگی پر کالنگا کے حملے کی مدافعت کی۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور فوج ایلورتک یا اس کے کسی نواحی مقام تک جنوب کی سمت میں پہنچ گئی تھی جہاں معلوم ہوتا ہے کہ ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی" ARE - 1905، II، 18۔ لیکن آگے چل کر وہ لکھتا ہے "پہلی فوج کشی جو 96-1095ء میں یا اس سے کچھ پہلے کی گئی تھی جس میں چوڑ اگنگا کو جو "تری کالنگا" کا راجہ تھا، بظاہر کوئی براہ راست دلچسپی نہیں تھی۔

کے۔ وی۔ سبرامنیا آئر کی رائے میں (EI-xxii، صفحات 140-42) کالنگا کی لڑائی جو "پرانی" کا موضوع ہے کلوتنگا کے عہد کے ابتدائی برسوں میں راجہ راجا دیوندرورمن کے خلاف لڑی گئی تھی۔ جہاں کلوتنگا کے تینتیسویں سال کے دراکشارا ما کے کتبے (1893 کے نمبر 349) میں یہ لکھا ہے کہ کروناکر نے دیو ورمن کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ ہاں اس میں ایسی کوئی بات درج نہیں جس سے اس جنگ کو "پرانی" میں مذکورہ جنگ قرار دیا جا سکے اس طرح کے وی ایس آئر ایک طرح سے اس بات کے امکان کو تسلیم کر لیتا ہے کہ کالنگا کے خلاف ایک سے زیادہ لڑائیاں لڑی گئی ہوں گی۔ مزید دیکھئے (Journal of Oriental Research, Madras) x - صفحات 295 تا 301

(100) 1891 کا نمبر 44 (SII - iv - 445)۔ پرشستی میں اس جنگ کو کلوتنگا کا ذاتی کارنامہ بتایا گیا ہے لیکن "پرانی" سے ایک بات صاف ظاہر ہے کہ

فوج کشی واقعی کی گئی تھی اور یہ خود راجہ نے نہیں کی تھی بلکہ اس کی قیادت اس کے سپہ سالار کرونا کر تونڈائیمان نے کی تھی۔

(101) IA-XIX- صفحہ 333

(102) 1893 کا نمبر 181، ARE میں شاکا سمت 1002 درج ہے

(103) اس محل اور اس کے اندر کا وہ مخصوص کمرہ جس میں کلوتنگا دربار کرتا تھا اس کا ذکر بہت پہلے سے یعنی کم از کم اتم چولا کے زمانے ہی سے کیا گیا ہے۔ عجائب گھر کی تختیاں نمبر 1-13 (II-ذ iii صفحہ 269)

(104) پنڈت ایم راگھوا آئینگر: "کرونا کرت تونڈائیمان" نے اپنی کتاب "کالنگتو پرانی یارانجی" میں اس مہم پر مفصل بحث کی ہے۔ "وکرما شولن اُلا" کے 660-62-11 سے ونیکیا یہ مطلب نکالتا ہے کہ وکرم چولا نے شمالی کالنگا کے خلاف کرونا کر کی قیادت میں بھیجی جانے والی مہم میں حصہ لیا تھا (ARE 1905-II، 18، 1) جین گونڈار نے اپنی تذکرے میں کہیں بھی وکرم چولا کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وکرم چولا کانچی سے مہم کے ہمراہ روانہ نہیں ہوا بلکہ مہم پر جانے والے لشکر میں ریاست وینگی میں کسی مقام پر آکر شامل ہوا تو بھی جین گونڈار کی اس کے متعلق خاموشی کا کوئی سبب بتانا ممکن نہیں ہوگا دوسری جانب شمالی کالنگا کے خلاف وکرم کی جانب سے چھیڑی گئی جنگ کے متعلق لٹریچر میں کچھ دوسرے حوالے بھی موجود ہیں جو ونیکیا کے حوالے کے علاوہ ہیں۔ یہ حوالے جن پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے' یہ تاثر دیتے ہیں کہ وکرم کے عہد حکومت کے دوران ایک اور مہم بھی بھیجی گئی تھی اور "اُلا" میں جن سطور کا حوالہ گیا ہے، وہ یقیناً اسی مہم کے بارے میں ہوں گی۔

ونیکیا (ایضاً) اپنے دلائل کے ساتھ یہ بحث کرتا ہے کہ (i) چوڈ گنگا اپنے عہد حکومت کے اواخر ہی میں قوی اور طاقتور ہو گیا تھا۔ (ii) کلوتنگا نے شمالی کالنگا پر جو حملہ کیا وہ دراصل "چوڈ گنگا کے ایک باجگزار راجہ کی بغاوت کے سلسلے میں اس کی (چوڈ گنگا کی) مدد کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ اس باغی راجہ کی عمل داری کی نشاندہی سات گوگا۔ کی اصطلاح سے

ہوتی تھی۔" لیکن یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ چونکہ (i) ونیکیا کے دلائل وزیگا پٹم کی دو تختیوں کے مقابلے پر مبنی ہیں جو 1087ء (یا 1081ء؟) اور 1115ء کی ہیں (xviii - I A) لیکن ان تختیوں کے تیسرے سٹ (1135ء) کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ونیکیا کے دلائل صحیح نہیں ہو سکتے۔ اس نے جن تضادات پر بحث کی ہے وہ چوڈگنگا کے سیاسی اقتدار میں تغیر سے پیدا ہونے والے تضادات نہیں بلکہ تختیوں کے دو سٹوں میں استعمال کی گئی دو پرشستیوں کے باہمی تضادات ہیں۔ مذکورہ بالا دلیل نمبر 2 کی تردید" کالنگتو پرانی" کے اس صاف اور واضح بیان سے ہو جاتی ہے کہ خود اننت ورمن ہی "سات کالنگا" کا حکمران تھا نہ کہ اطاعت گزار" اور یہ کہ کروناکر کی فوج کشی خود اننت ورمن کے خلاف کی گئی تھی۔ اننت ورمن کا یہ پرغرور بیان کہ اس کی حدود سلطنت مشرق میں آنکل تک اور مغرب میں دیگی تک تھیں، محض اس کے والد راج راجا کی فتوحات ہی کا حوالہ تھا" اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اپنے والد کے انہی کارناموں ہی کا فائدہ وہ اٹھا رہا تھا۔

(105) 1925 کا نمبر 567

(106) 1907 کا نمبر 600 - 1905 265

(107) 1911 کا نمبر 494 = EC - iv ' Kr - 34

(108) 1908 کا نمبر 29 ، ARE - 1908 ' II ' 58 - 60

(109) ARE - 1927 II ، 19 تا 21

(110) EI - xi نمبر 3، II صفحہ 19 - اور اس کے آگے کے صفحات

(111) 1888 کا 119 ، EI ' v صفحہ 105 ، نیز سابق صفحہ 317

(112) ARE - 1918 ، پیراگراف 41 - 42 ، 1919 پیراگراف 39 ، ARE - 1918 ' I ' 9 ' Ep. Bir - i صفحات 164-65

(113) T. N. - 44 ، ہوئسالوں کی عام تاریخ کے لیے دیکھئے I - B.G ' ii - صفحہ 490 اور اس سے آگے کے صفحات اور رائس کی تصنیف "Mysore and Coorg" صفحہ 94 اور اس کے آگے

کے صفحات۔

(114) EC - V، BI - 189

(115) رائس نے وشنو وردھن کا زمانۂ حکومت ۱۱۰۱ء تا ۱۱۴۱ء بتایا ہے۔
اے کرشنا موتی نے اس کے کتبوں کا جو مطالعہ پیش کیا ہے اس سے متن میں تسلیم کی گئی تاریخ کی تائید ہوتی ہے۔

(116) رائس حوالۂ سابقہ صفحہ 93 دحاشیہ

(117) EC - ii - 240 (90)

(118) آر۔ اے۔ نرسمہا چر کی رائے کے مطابق چامنڈ اراجہ۔ EC - ii - تمہید صفحہ 52

(119) I B.G. - ii، 495 - 98

(120) یہ مقام چیتور ضلع میں واقع ہے۔ یہ کوئمبٹور نہیں ہے جیسا کہ فلیٹ نے سمجھ لیا تھا (ایضاً صفحہ 496) مقابلہ کیجئے رنگاچاری i۔ صفحہ 500

(121) 1913 کا نمبر 35 — ARE - 1913، II، 46-47، P.K. صفحہ 129۔

(122) EI - V x صفحات 101، اور 103

(123) EI - iv - نمبر 33 - vv، 22 تا 24

(124) کرشنا شاستری کا کہنا ہے: "مشرقی چالوکیہ عہد کے دور آخر کی تانبے کی تختیوں میں، سوائے جیلور سے دریافت شدہ تختیوں کے اس حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ جنوب کی جانب وکرم چولا کی روانگی کے بعد وینگی کی ریاست میں کوئی حکمران نہ رہا۔ ڈاکٹر ہلتش کو یہ گمان تھا کہ اس بیان کا مطلب محض یہ ہے کہ راجہ کی غیر حاضری کے نتیجے میں سیاسی افراتفری پھیل گئی جو دیلنانڈو سرداروں کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار اور مغربی چالوکیہ راجہ وکرمادتیہ ششم کے اولوالعزم فوجی حملہ کے باعث پیدا ہوئی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیاسی مشکلات زیادہ سنگین نوعیت کی نہیں رہی ہوں گی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ چالوکیہ چولا حکمران بدستور اپنی خود مختاری کا دعویٰ کرتے رہے، اگرچہ یہ خود مختاری کچھ محدود سی تھی۔ ان راجاؤں کے عہد کے بیشتر کتبوں میں

ویلنانڈو خاندان کے اطاعت گزار روں گونگا اور اس کے بیٹے راجندر کا ذکر آیا ہے"۔ ARE - 1918 ، II ، 25 ۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ چیلور کی تختیوں سے کرشنا شاستری کی مراد ان تختیوں سے ہے جو کلوتنگا دوم کی شاکا سمت 1056 (نہ کہ سمت 1065) کی ہیں جیسا کہ کیلہارن کا بھی خیال ہے۔ IA - xiv صفحہ 56 - EI - vii ضمیمہ۔ کیلہارن کی فہرست نمبر 574 + شاستری کے ذہن میں جو دوسری تختیاں تھیں وہ کون سی تھیں یہ میں معلوم نہیں کرسکا۔ ملپّ دلو کا کتبہ ایک حجری کتبہ ہے۔ میرے خیال میں کرشنا شاستری نے اس زمانے کی وینگی کی سیاسی صورت حال کا جائزہ پیش کرنے میں وکرمادتیہ کی حکمت عملی کے اثرات کو بری طرح کم وقعت کر کے پیش کیا ہے۔

(125) 1893 کے کتبات نمبر 194، 341 اور 344

(126) 1897 کا 153 — 1897 کا نمبر 163

(127) 1893 کے کتبہ نمبر 296 پر ایک غیر معمولی طور پر قدیم تاریخ "پانچ" درج ہے لیکن اس میں چالوکیہ راجاؤں والا کوئی لقب درج نہیں ہے اور نہ ہی اس میں وکرمادتیہ کا کوئی ذکر آیا ہے۔

(128) SII - ix (i) نمبر 193

(129) 1902 کا 106، EI - ix صفحہ 256

(130) 1922 کا 819، SII - ix (i) نمبر 196

(131) 1897 کا نمبر 158، SII - iv نمبر 118

(132) 1893 کا نمبر 330

(133) 1893 کا نمبر 335، اور 345

(134) 1905 کا نمبر 258، EI - ix صفحہ 261

(135) 1893 کا 266

(136) Pd - 127

(137) 1908 کا 372 — 1909 کا 3 — 1929 کا 35

(138) 1901 کا 268 — 1902 کا 425

(139) SII - iii دیکھئے اس کے خلاف 197 کا 1910 صفحہ 131

(140) EI - vi صفحہ 220 . اور اس کے آگے کے صفحات اسے ستپنم دسنوور دھن کہہ کر پکارا گیا ہے ۔ یہ گنتی دانا رنو سے شروع کی گئی ہے۔ دیکھئے "Eastren Calukgas" صفحات 299 - 300

(141) کنکا سبھائی (IA - xix صفحہ 337) اور اس کے بعد بلتش (SII - iii صفحہ 130) کی رائے میں "کریکال" بھی انہیں القاب میں سے ایک لقب ہے ۔ لیکن مجھے اس بات کی صحت پر شک ہے"۔ "الکا" کے لقب کی وضاحت کے لیے دیکھئے "پرانی" xiii، 89

(142) TAS - iv صفحہ 130

(143) 1892 کا 109 ـــ 1912 کا 121 ـــ 1929 کا 271 ـــ 1888 کا 119

(144) 1901 کا نمبر 312

(145) 1908 کا نمبر 374

(146) دیکھئے "تکلیاگ پرنی" موئفہ سوامی ناتھ آئر صفحہ 247 - V، 775 وحاشیہ ۔ کچھ طلائی سکے بھی ملے ہیں جن پر تامل رسم الخط میں شنگ لکھا ہے ۔

(147) کرل پر تبصرہ صفحہ 756

(148) 1907 کا نمبر 288 شنگ بلاچ ۔ چولاناڈ وشو روملائی کنڈ رولی

(149) 1912 کا نمبر 440 ـــ 1930 کا نمبر 132 ۔ نیز دیکھئے 1900 کا نمبر 87 جس میں شری پاڈکول کا ذکر ہے ۔ ARE - 1900، پیراگراف 25

(150) کالنگلتو پرنی iii x ـــ 61، وکرمانگ دیوچرت vi، 21

(151) SII - iii - MAR' 73 - 1917 صفحات 42 - 44

(152) لیڈن کا فرمان عطیہ، ASSI - IV صفحہ 224، 4، 1

(153) 1916 کا 231

(154) 1910 کا 93 ـــ 1925 کا 61

(155) 1901 کا 247

(156) EI - vi - صفحہ 335، لیکن دیکھئے SII - iii - صفحہ 179

(157) SII - iii - 72، 1-5 میں اس کا ذکر دو دوسری رانیوں کے ہمراہ بطور مہارانی کیا گیا ہے۔ یہ دوسری رانیاں ایلشی دیبتی اور تیاگ ولی تھیں۔ مزید دیکھئے صفحات 177 - 78

(158) x - vv ، 54 - 55

(159) 1907 کا 304 ۔ نجی نام کے بغیر صرف لقب 1927 کے کتبہ نمبر 274 میں درج ہے جو اڑتالیسویں برس کا کتبہ ہے۔

(160) 1923 کا نمبر 138

(161) 1921 کا نمبر 39، 45

(162) 1888 کا نمبر 117، 119

(163) ARE - 1912، II 25 سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ اس کی والدہ تھی لیکن دیکھئے 1888 کا 121 — SII، iv؛ 226، 1، 4

(164) 1922 کا نمبر 25

(165) دیکھئے "Studies"، صفحہ 176۔ اور اس کے آگے کے صفحات جن میں اس کی زندگی اور کارناموں کا مفصل حال درج ہے۔ اس وقت سے لے کر اب تک سب زیادہ قابل توجہ کتبہ جو دریافت ہوا ہے وہ آلور ضلع تنے ویلی سے ملنے والا سنسکرت ہوا ہے۔ اس میں مقامی مندر کو مان اونارا کی جانب سے دیئے گئے عطیات درج ہیں (1930 کا 405)۔ ARE - 1930، II، 21

(166) 11، 118 تا 138۔ دیکھئے پنڈت ایم راگھوا آئینگر کی تصنیف کا لنگتو پرنیا راپتی

(167) xi - 30 تیسری سطر کو بلاشبہ یوں پڑھنا چاہیئے "مڑلی مولند۔ پدی۔ مرپن وندکل" اس میں "پدی" کو "پڈی" پڑھنا غلط ہے

(168) 1893 کا 49

(169) یہ ونڈلور نہیں جو ضلع چنگلی پٹ میں ہے۔ مقابلہ کیجئے راگھوا آئنگر حوالہ سابقہ صفحات 34 - 36، اس کے خلاف دیکھئے SII - ii - حاشیہ[3] صفحہ 113 — اور IA - xix صفحہ 340

(170) یہ ڈی - ix، 53 (171) 1914 کا 46

چودھواں باب

کلوتنگا اوّل کے جانشین

(سنہ ۱۱۲۰ء تا سنہ ۱۱۶۳ء)

وکرم چولا کی تخت نشینی

وکرم چولا ۲۹ جون سنہ ۱۱۱۸ء یا اس کے قریب کی کسی تاریخ کو چولا سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنے والد کلوتنگا کے ساتھ شریکِ کار کی حیثیت سے ضرور کچھ برسوں تک حکومت کر چکا ہوگا۔ کلوتنگا کے سب سے آخری کتبات سنہ ۱۱۲۰ء تک یعنی اس کی حکومت کے پچاسویں یا زیادہ سے زیادہ باونویں برس تک ملتے ہیں۔ وکرم چولا کا طالعِ ولادت اُترا ٹادی (اترا کھم) تھا اور وہ "آنی" کے مہینے میں پیدا ہوا تھا۔ اسے ورثے میں ایک بہت چھوٹی سلطنت ملی جو اس وقت محض تامل علاقے تک محدود تھی اور اس کا سترہ سالہ دورِ حکومت مجموعی طور پر ایک امن و سکون کا دور تھا۔ اپنے عہدِ حکومت میں اس نے کھوئے ہوئے علاقوں کی بازیابی کے لیے جو کوشش کیں ان کا ثبوت صرف گنگا ریاست میں ملنے والے چند کتبات اور ان سے کچھ زیادہ تعداد میں تیلگو خطے سے دستیاب شدہ کتبات ہیں۔ اس کی ان کوششوں کو مغربی خطے کے مقابلے میں شمال کی جانب زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

پرشستیاں

وکرم چولا کے کتبات کی پرشستیاں دو اصناف میں لکھی گئی ہیں اور یہ دونوں اس کے عہد کے دوسرے سال سے شروع ہو کر عہد کے آخر تک پائی جاتی ہیں۔ چھوٹی پرشستی "پوما دو پُنرا" سے شروع ہوتی ہے (بعض متنوں میں "مادو" کی جگہ "مگل" کا لفظ دیا گیا ہے) اور طویل پرشستی کا آغاز "پوُمالئی مِڈائندو" سے ہوتا ہے۔ ان دونوں اصناف کی پرشستیوں میں سے ایک میں بھی

کسی سیاسی واقعے کا تذکرہ نہیں ملتا سوائے کالنگم اور تیلینگا بھیمن کے خلاف لڑی گئی جنگوں کے جو وکرم چولا نے وینگی میں بطور وائسرائے اپنی تعیناتی کے ابتدائی سالوں میں چھیڑی تھیں۔ طویل پرشستیوں میں جو اس عہد کے بعد کے برسوں کی ہیں ایک اہم ترمیم نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ پرشستی کے درمیان میں ایک عبارت ایسی شامل کردی گئی ہے جس میں راجہ کی جانب سے چدمبرم کے نٹ راج مندر میں کی گئی تعمیرات اور دیئے گئے عطیوں کا اندراج ہے۔ اس عبارت میں راجہ کے دسویں سال حکومت کی ایک خاص تاریخ 15 اپریل 1124ء کا ذکر کیا گیا ہے۔ وکرم چولا کے کتبات میں اکثر کلوتنگا کے کتبات کی عبارتوں اور القاب کو دوہرایا بھی گیا۔

لٹریچر

"وکرم شولن الا" کے علاوہ جو اس وقت موجود ہے، ملک الشعرا اوٹا کونن نے وکرم چولا کی کالنگا کی جنگ پر ایک "پرانی" تصنیف کی ہے۔ اس تصنیف کے نام کا پتہ اسی شاعر کی دو دیگر "الاؤں" سے چلتا ہے اور اس کے مصنف کا پتہ "تکایاگ پرانی" پر لکھے ہوئے ایک حاشیے سے معلوم ہوتا ہے۔ اب یہ تصنیف دستیاب نہیں ہے۔ اگر کبھی یہ مل گئی تو اس سے اس عہد کے متعلق، جو لٹریچر میں متعدد نیم تاریخی تصانیف کی کثرت کے لیے ممتاز رہا ہے، ہماری واقفیت میں بیش بہا اضافہ ہو سکے گا۔

وینگی

1118ء میں جب وکرم چولا کو جنوب میں بلا لیا گیا تو وینگی کا نظم ونسق ویلینانڈ شہزادہ چوڈا کے ہاتھوں میں چلا گیا جو گونکا اول کا بیٹا تھا۔ پھر جلد ہی مغربی چالوکیہ حکمران وکرمادتیہ ششم نے وینگی سے وکرم چولا کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اس پر خود قبضہ کرنے اور ویلینانڈو راجہ کو مطیع کرنے کی کوشش کی۔ 1126ء میں وکرمادتیہ کی وفات کے جلد بعد وکرم چولا کی بالادستی اگر پوری ریاست وینگی میں نہیں تو کم از کم اس کے جنوبی نصف حصے میں از سر نو قائم ہوگئی 1127ء میں ضلع گنٹور میں جیبر دلو کے مقام پر جو اس خطے کے مرکز میں واقع تھا اور جس پر کچھ برس پہلے تک دنڈ نائک اننت پال کی حکومت تھی، شہر کولی پاک (کلیک) اور شت سہسرا

علاقہ کے حکمران مہامنڈلیشور نمبیّانے وکرم چولا کی بالادستی تسلیم کر لی۔ اسی علاقہ کے ایک مقام نیڈو برو لُو سے شاکا سمت 1054ء یعنی وکرم چولا کے سترھویں سال حکومت کا ایک اور کتبہ بھی ملا ہے جس میں صاف مذکور ہے کہ ان دنوں بھی ویلنانڈو راجگان اور ان کے ماتحت سردار جنوب کے چولا شہنشاہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو برابر تسلیم کرتے رہے تھے اور جن اقدامات کے ذریعہ سے شمال کی اس ریاست میں چولا اقتدار پھر سے قائم ہو گیا تھا، ان کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ لیکن اقتدار کی اس تجدید میں وکرما دتیہ ششم کی موت، وکرم چولا کی مساعی اور تیلگو راجاؤں کی مغربی چالوکیوں کے مقابلے میں چولوں کے اقتدار اعلیٰ کو ترجیح دینے پر آمادگی ان سب عناصر کا کچھ نہ کچھ حصہ رہا ہوگا۔

گنگ واڈی

معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور سمت میں بھی اپنے والد کے عہد کے آخر میں، ہاتھوں سے چھنے ہوئے علاقہ کی بازیابی کے لیے وکرم چولا نے کوشش کی۔ لیکن یہ کوشش کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے عہد کے دوسرے برس کے سُگٹوُر کے ایک کتبے میں وکرم چولا کی فوج کے ایک افسر کے ذریعے ایک مندر کی تعمیر کا ذکر ملتا ہے۔ اسی علاقے میں ضلع کولار سے دستیاب شدہ وکرم چولا کے دسویں سال کے ایک کتبے میں مدی والا بے چراک میں تعمیر کروائے گئے ایک "دمان" کا ذکر آتا ہے۔ اس سے قدرتی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وکرم چولا نے میسور کے مشرقی حصے میں چولا اقتدار پھر سے قائم ہو گیا۔

سیلاب اور قلّت

مذکورہ عہدِ حکومت کے چھٹے سال میں ایک زبردست سیلاب کے نتیجے میں ملک کو اشیائے ضروری کی قلّت اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سیلاب دیہاتیوں اور ان کی فصلوں کے لیے تباہی لے کر آیا۔ شمالی اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع میں ایک اچھے خاصے وسیع رقبہ پر اس قہرِ الٰہی کا اثر پڑا۔ ترُدو دتوُر (ضلع شمالی ارکاٹ) سے دستیاب شدہ 1125ء کے ایک کتبے میں ایک سیلاب سے فصلوں کی بربادی کا ذکر ملتا ہے جس کے نتیجے میں "اُور" کو اس برس کے ٹیکس ادا کرنے کے لیے کچھ زمین بیچ کر روپیہ فراہم کرنا پڑا۔ اُسی سال نرو واڈی (ضلع جنوبی ارکاٹ)

میں مہاسبھا کو اسی غرض سے کچھ اراضی فروخت کرنی پڑی کیونکہ اس راجہ کے چھٹے سال حکومت میں "مہاسبھا" کو لگانِ اراضی (کڈمئی تنڈ) کی ادائیگی میں مشکلات پیش آئیں۔ کوولڈی (ضلع تنجور) کے ایک کتبے میں جو کچھ عرصہ بعد یعنی راجہ کے گیارہویں سال حکومت کا ہے، یہ بات مذکور ہے کہ براوقت آجانے کے باعث یہ گاؤں اجڑ گیا۔ تاہم یہ یقینی نہیں کہ اس مبہم بیان میں بھی ان ہی حالات کا حوالہ دیا گیا ہو جو مذکورہ بالا دونوں کتبات میں درج ہیں۔ لیکن اگر ایسا ہی ہے تو ان آفات سے متاثر رقبہ میں ضلع تنجور تک کا علاقہ شامل ہوگا۔

چدمبرم میں دیئے گئے عطیات

1128ء میں وکرم چولا نے اپنے خاندان کے دیوتا چدمبرم مندر کے نٹ راج کے ساتھ اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے اس برس کے سرکاری مالیہ کا ایک بہت بڑا حصہ مندر کی عمارت میں توسیع کرنے اور مندر کو بیش قیمت نذرانے پیش کرنے پر صرف کیا۔ اس واقعے کا ذکر اس کے گیارہویں سال سے شروع ہونے والے کتبات میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"اس کے دسویں سال حکومت کا واجب الادا خراج جب ماتحت راجاؤں نے خالص سونے کی شکل میں لاکر اس کے روبرو ڈھیر کر دیا تو اس میں سے شاہی جواہرات سے جڑے ہوئے ایک طلائی پترے پر یہ الفاظ منقش کروائے گئے۔

"بھگوان کرے راجہ کی عمر دراز ہو اور وہ اس بڑی زمین کی حفاظت کرے۔"

"اس نے مندر کے احاطے، اس کے صدر دروازے کے برجوں، وسیع کمروں اور عمارت کی چار دیواری کو جو خالص سونے سے بنی ہوئی عبادت گاہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اعلیٰ قسم کے سونے سے مڑھوا دیا۔ وہ مندر جہاں اس کے خاندان کا دیوتا (نٹیش) تانڈو ناچ رہا ہے گویا کہ زمین کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے عظیم الشان پہاڑ مشرقی پہاڑ سے مل گیا ہے۔ اس نے اس نذرانے گزارنے کی جگہ کو بھی آبدار سونے سے ڈھک دیا جس پر نذرانوں کی افراط رہتی ہے تاکہ آسمان کا نور اس میں منعکس ہو۔ اس نے دیوتا کے مقدس رتھ کو بھی خالص سونے سے مڑھوا دیا اور اسے بڑے بڑے گول موتیوں کی بے شمار جھالروں سے آراستہ کیا تاکہ وہ معجز نما رقاص (نٹیش) جو سنہرے بھون (ہال) میں مکیں ہے، مسرور و شادماں لوگوں کو درازی عمر کا آشیرباد دیتا ہوا جلوس کی شکل میں اس تیوہار میں جو پورا ٹادی اور اُترا ناڈی نکشتر کے عظیم دنوں میں منعقد ہونے والا

"بڑے نام کا تیوہار" کہلاتا ہے، کھینچ کر لے جایا جا سکے اور اس سے اس عظیم زمین پر خوشحالی نازل ہو اور دیوتاؤں کو مسرت حاصل ہو۔ راجہ نے مندر سے ملحق ایک سڑک تعمیر کی جو جواہرات سے مزین بڑی بڑی حویلیوں پر مشتمل تھی اور اس کا نام بھی راجہ کے بابرکت نام پر رکھا گیا۔ اور اس نے لاتعداد شاندار شاہی نشان بنوائے جو خالص سونے سے کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اصلی سونے کا ایک کلپک (درخت) بھی تیار کرایا۔ اپنے عہد کے دسویں برس میں "شترائی" مہینے کے ایک اتوار کو جو ہست نکھشتر میں پڑتا تھا اور جس دن گھٹتے ہوئے مبارک چاند کی تیرھویں تاریخ تھی یہ سب ہدیئے بخوشی دے کر اس نے تمام زمین کو ایک ہی شاہی چھتر کے زیر سایہ کر دیا۔"

ہم اس مبالغہ آمیز بیان کو حرف بحرف درست تسلیم نہ بھی کریں۔ پھر بھی چدمبرم جو جنوبی بھارت کا مشہور ترین شیو مندر ہے، کم سے کم پرانتکا اوّل کے زمانے ہی سے چولا راجاؤں کا مرکز عقیدت بن چکا تھا، گنگائی کونڈ چولا پورم کی بنیاد پڑنے اور شاہی دارالخلافہ کے تنجور سے وہاں منتقل ہو جانے کے بعد چدمبرم کی اہمیت بھی بڑھ گئی کیونکہ یہ نئے دارالسلطنت کے قریب واقع تھا اور راجہ کے اس مندر کی زیارت کے لیے وہاں آنے کے امکانات بڑھ گئے تھے۔ تنجور اور تروداروکی جو راج راجا اوّل کے عہد میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے اب صرف ثانوی حیثیت رہ گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چدمبرم میں وکرم چولا کی تعمیرات اور عطیے کی غرض اس مندر کی از سر نو تشکیل کی تکمیل تھی جو کلوتنگا کے عہد کے آخر میں نرلوک ویرنے شروع کی تھی۔ اس سردار کا اس مقدس شہر میں وکرم چولا کے منصوبوں کی تکمیل میں بہت بڑا حصہ تھا۔ بعد کے کتبات میں مندر کی پہلی "پراکار" دیوار کا ذکر "وکرم شولن تر دُمالگئی" کے نام سے کیا گیا ہے اور مندر کے گرد کی سڑک کا نام "وکرما شولن تینگو تیر و دیدی" رکھا گیا ہے۔ اگرچہ کتبات سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی لیکن "شری رنگم کوئیلولگو" نامی تصنیف میں درج ہے کہ وکرم چولا نے شری رنگم میں واقع رنگ ناتھ کے مندر کے گرد کی پانچویں دیوار تعمیر کروائی تھی۔ یہ اسکی چند دیگر تعمیرات کے علاوہ تھی جن میں رام کا بھی ایک مندر تھا۔

شاہی دورے

نظم و نسق کو قائم رکھنے میں راجہ نے جو حصہ لیا اس کا اندازہ اس کی نقل و حرکت سے کیا

جاسکتا ہے، جس کی یادداشت سرسری طور پر اس کے عہد کے کتباب درج ہے۔ گنگائی کونڈ چولا پورم ان دنوں دار الخلافہ اور راجہ کی معمولاً اقامت گاہ تھی۔ یہ ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک سیناپتی گنگائی چولا پورم کے بیرونی دروازے (پڑوائیل) کی کمان کرتا تھا۔ سنہ 1122ء میں راجہ نے مڈی کونڈ چولا پورم سے ایک فرمان جاری کیا۔ یہ کمبھا کونم کے نزدیک ایک مقام پلائیاراڈ کا دوسرا نام تھا اگلے برس اس نے کالیور کوٹم (ضلع جنگل پٹ) میں ایک مقام وشارو عرف کنی ڈنلور کی جنوبی طرف ایک منڈپ میں کچھ وقت گزارا۔ جو ایک تالاب کے قریب تھا۔ پھر سنہ 1124ء میں ضلع جنوبی ارکاٹ میں ویرنارائن چترویدی منگلم یعنی کاٹومنارکوئیل کے ایک محل میں مقیم رہا۔ اور پھر آخر میں اپنے بارھویں سال حکومت میں ہم اس کو چدمبرم کے ایک محل میں قیام پذیر دیکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ برابر اپنے علاقے کا دورہ کرتا رہتا تھا۔ زیادہ اہم شہروں میں شاہی محل موجود تھے۔ نیز ملک بھر میں منڈپ اور اسی طرح کی دیگر عمارات تھیں جو راجہ کے دوروں قیام گاہ کے طور پر استعمال لی جاسکتی تھیں۔ قرونِ وسطےٰ کی ایک مطلق العنان ریاست میں نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے ان شاہی دوروں کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جاسکتی وکرم بلاشبہ اس وقت کے چولا شہنشاہوں کے ایک دستور ہی پر عمل کر رہا تھا۔

وکرم چولا کے القاب اور اس کی رانیاں

وکرم چولا کا ممتاز ترین لقب "تیاگ سمدرا" تھا یعنی فیاضی کا سمندر۔ اس لقب کا استعمال اس کے کتبات اور "وکرم شولا اُلا" میں ہوا ہے۔ اس کے سولھویں سال حکومت کے ایک سنسکرت کے کتبے میں جو شیوپلی میڈو سے ملا ہے "تیاگ وارکارا" کے لقب کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو مذکورہ بالا لقب کی محض ایک دوسری شکل ہے۔ نیز اکلنکا "بے داغ شخصیت" کا لقب بھی اس کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ کالنگتو پرانی "میں کلوتنگا اول کے لئے استعمال ہوا ہر کتبات میں اس کی دو مہارانیوں کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ یعنی ممکو کلان اور تیاگ پتاکا جن میں سے اول الذکر سنہ 27-1126ء تک سب سے بڑی مہارانی شمار ہوتی تھی۔

بمی راٹیار نرئن مادیو یار جس کا معہ اس کے مصاحبین کے ذکر راجہ کے چھٹے سال
حکومت کے ترؤوڑئی مرددور کے کتبے میں کیا گیا ہے۔ غالباً اس کی نیری رانی
تھی۔ لیکن اس کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا۔

ماتحت راجگان

"وکرم شولن اُلا" اور کتبات میں اس کے ماتحت راجاؤں کی ایک خاصی تعداد
کا ذکر آیا ہے۔ "اُلا" میں دی ہوئی "منڈلیکوں" کی فہرست کا لنگا کے مشہور فاتح سردا
کرونا کر تونڈیمان سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد ترتیب وار مندرجہ ذیل افرا
کا ذکر ہے۔ منئیار کا راجہ جو ابھے کا ذبرادر جنگجو سپہ سالار تھا، شولکون جس نے
مغرب میں کونگا، گنگا اور مرہٹہ راجاؤں سے جنگ کرکے شہرت حاصل کی عظیم
قلعے کا مالک برہمن کنن، اس کے بعد وانن جو جنگ میں اپنی خوبصورت کمان کے
استعمال میں طاق تھا۔ اور جو غالباً شٹ ملّن مڈی کونڈان عرف وانکو وریار بھی
کہلاتا تھا جس کی رانی ایلوارکُللی نے ۲؁ ۱۱۲۰ء میں، ترووڑ تورائی میں ایک چراغ
کا عطیہ دیا تھا۔ کالنگر کون عرف نرلوک دیر جس نے کلوتنگا کے عہد حکومت
میں جنوبی ہند کی لڑائیوں میں، جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، کار ہائے نمایاں
دکھائے اور بعد میں بہت سی عمارتیں بنوائیں؛ کادو جس کے سواری بدمست
ہاتھی کی تھی اور جو شنجیار کی مستحکم اور مضبوط گڑھی کا مالک تھا؛ ویناڈ (جنوبی ٹراؤ
نکور) کا حکمران جس نے اپنی اچھی حکومت سے کلی کو کرہ زمین سے نکال باہر کردیا
اننت پال جس کی سخاوت اور فیاضی راس کماری سے دریائے گنگا تک زبان
زد خاص و عام تھی۔ شاید یہ وہی شخص ہوگا جو سینا پتی شنکرن امبلم کوئل کونڈان
عرف اننت پالار کہلاتا تھا۔ جس نے ۱۱۲۱ء میں "ترؤواڈ تورائی میں ایک بہت
بڑا عطیہ دیا تھا، راجہ وتوا جس کے خونخوار ہاتھیوں نے حریف راجاؤں کے شمالی
منئی کے قلعے کی تین فصیلوں کو چکنا چور کر دیا تھا۔ مقدس سرزمین چیدی کا والی
جس نے ایک گھمسان کی لڑائی میں کرناٹوں کی قلعہ بندی کو تباہ کرکے رکھ دیا۔
تھا۔ کارانئی کا راجہ (۹) جو جنگ مر ہمیشہ فتحمند رہتا تھا۔ ادیگن جس نے شمالی؛

لنکالی افواج کو کاٹ کر ختم کر دیا اور مغرور راجاؤں کو جنھوں نے اس کے خلاف لڑنے کی قسم کھائی تھی، جان بچا کر بھاگنے پر مجبور کر دیا، نلمب پلو نامی ایک شخص جس نے کوٹار اور کولم کے معرکوں میں، جو پانڈیوں کی ملکیت تھے، شہرت حاصل کی تھی۔ ترگرتا جس نے کونگو اور کورگ کو مطیع کیا۔ اور ان کے علاوہ کئی دیگر راجگان جن میں پانڈیا اور کیرلا بھی شامل تھے لیکن جن کے متعلق کوئی تفصیلات نہیں دی گئی ہیں، ان میں سے بعض جیسے مگدھ اور مالوہ کے راجگان بغیر کسی تاریخی جواز کے ان ماتحت راجاؤں کی فہرست میں شامل کر لئے گئے ہیں۔ کتبات سے ہمیں تامل خطّے کے مندرجہ ذیل ماتحت جاگیرداروں اور اطاعت گزار خاندانوں کا پتہ چلتا ہے۔ شورئی نائگن عرف مادھورائن وارارمبا کلان پونم ملکوتن عرف ترلوک ویر جو شینگینی نسل کے شامبو وارایا راجگان میں سے تھے یہ نسل بعد میں شمالی ارکاٹ کے خطّے کے نیم خود مختار راجاؤں کا ایک اہم خاندان بن گیا تھا۔ جن کے بزرگ کال ہستی کے نواح میں حکومت کرنے والے یادو رایا راجگان اور چند دوسرے حکمرانوں کے تھے۔

کلُوتنگا دوم

کلُوتنگا دوم کو اس کے والد وکرم چولا نے ۱۱۳۳ء میں مئی اور جولائی کے درمیان کسی وقت اپنا ولی عہد سلطنت مقرر کیا ہوگا۔ کیونکہ اس کی حکومت کے برسوں کا شمار اسی تاریخ کو اس کی حکومت کا آغاز مان کر اس کے کتبات میں کیا گیا ہے۔ اس تاریخ کے بعد وکرم چولا کی حکمرانی تقریباً دو برس تک رہی۔ کلوتنگا دوم کے کتبات کی پرشستیاں (تمہیدیں) بہت سی اصناف میں تحریر کی گئی ہیں۔ ان سب میں نری لفّاظی ہی لفّاظی ہے اور ان میں راجہ کے حسن انتظام کی مبالغہ آمیز تعریف ہے لیکن ان سے اس کے عہد حکومت کی تاریخ سے متعلق کسی بھی ایک واقعے کی شہادت نہیں ملتی۔ اس کے ایک کتبے میں اسے وہ راجہ بنایا گیا ہے، جس نے تاج شاہی اس انداز سے زیب سر کیا کہ تلئی نگر کی شان و شوکت کو چار چاند لگا دیے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کلوتنگا دوم کے زمانے میں چدمبرم کی ایک بڑے پیمانے پر آرائش کی گئی۔ دراصل چدمبرم کے شہر اور مندر کی تشکیل نو اس

عہدِ حکومت کا سب سے مشہور کارنامہ ہے اور اس کا ذکر واضح طور پر سب سے پہلے ترومبُم سے دستیاب شدہ ایک کتبے ہیں جو ساتویں سال حکومت کا ہے. کیا گیا ہے گو اس کی وجہ سے راجہ نے جو لقب اختیار کیا اس کا حوالہ اس کے تیسرے ہی سال کے ایک کتبے میں ملتا ہے۔

چدمبرم میں اُس کے کارہائے نمایاں

کلوتنگا شولن اُلا" میں کلوتنگا دوم کی جانب سے چدمبرم کے مندر کی تشکیل نو کا ایک مفصّل تذکرہ درج ہے۔ اس کا آغاز اس بیان سے ہوتا ہے کہ اپنی بے نظیر مہارانی کے ہمراہ، جو اس کے تخت شاہی کے جُملہ اعزازات میں حصّہ دار ہونے کا استحقاق رکھتی تھی، کلُوتنگا چدمبرم مندر میں گیا اور رقص کرتے ہوئے شوؔ کی پوجا کی. نیز اس نے تلئی کے مقدس صحن سے چھوٹے دیوتا (وشنو) کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد راجہ کی نئی تعمیرات کی ایک فہرست دی گئی ہے۔ ان میں سات ایک دوسرے سے بلند درجوں والے گوپورم،، اور دیوی کا مندر بھی شامل ہیں جن کی وسعت اور شان وشوکت کو دیکھ کر دیوی کا دل اس قدر خوش ہوا کہ اُسے مقدس پہاڑ (ہمالیہ) کی یاد بھول گئی۔ جس نے اُسے جنم دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شہر اور مندر کے متعدد حصّے سونے سے مڑھوائے گئے تھے. یہی واقعات" راج راجا شولن اُلا" اور تکیاگ پرانی" میں ایک ہی شاعر نے قدرے زیادہ اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ یہ واضح نہیں ہے کہ جو کام کلوتنگا دوم کے ساتھ منسوب کئے گئے ہیں، اُن کا دکرم چولا کے ساتھ منسوب کئے گئے کارہائے نمایاں سے کیا تعلق ہے جن کا ذکر اس کے گیارہویں سال کے کتبات سے شروع ہوتا ہے. ہم کو غالباً یہی فرض کرنا پڑے گا کہ دکرم چولا کے عہد حکومت میں جس کام کی ابتدا ہوئی تھی اس کی تکمیل کلوتنگا دوم کے تخت نشیں ہونے کے چند برس بعد ہوئی۔

پرامن عہدِ حکومت

معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا کا عہدِ حکومت امن، خوشحالی اور خوش انتظامی

کا عہد تھا کسی بھی جنگ وجدل کی کہیں کوئی شہادت نہیں ملتی۔ سچ تو یہ ہے کہ چدمبرم کے مندر سے گووندر راجا کی مورتی کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے علاوہ جو ایک متعصبانہ فعل تھا اور کوئی بھی بات اس عہد میں ایسی ملتی ہیں جس سے چولا عملداری میں زندگی کے امن وسکون میں خلل پڑ سکتا سلطنت کی حدود وہی قائم رہیں جو وکرم چولا کے عہدِ حکومت کے خاتمے پر تھیں۔ چیلوڑ کی قایم ہوجانے کے باعث چولوں کا اقتدارِ اعلیٰ جو عارضی طور سے وہاں معدوم ہوگیا تھا۔ اب وہاں دوبارہ بحال ہوگیا۔ تانبے کی تختیوں سے البتہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شمال میں مغربی چالوکیہ اقتدار کے تیلگو خطے میں اس عہد کے کتبات اس سے پہلے کے عہد کے کتبات کے مقابلے میں زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ تامل لٹریچر کے بعض بہترین شاہکار اسی عہد کی تخلیق ہیں اور اوٹا کوتن شیکی لار اور بعض دیگر مصنفین کی سرپرستی کلوتنگا دوم اور اس کے ماتحت حکمرانوں کے کی۔

دارالخلافہ اور القاب وغیرہ

گنگائی کونڈ چولا پورم اب بھی بدستور سلطنت کی راجدھانی تھی اگرچہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، کلوتنگا کی چدمبرم کی طرف خاص توجہ تھی۔ بتایا گیا ہے کہ اپنے تیسرے سالِ حکومت میں راجہ وکرم شولا پورم میں واقع اپنے راج محل میں رہائش پذیر تھا۔ تردُمل واڈی سے ملے ہوئے راجہ کے دوسرے سالِ حکومت کے ایک کتبے میں کلوتنگا کی دو رانیوں کا ذکر آیا ہے۔ جن میں سے تیاگ ولی مہارانی تھی جو بھون ملودو دیال بھی کہلاتی تھی۔ دوسری رانی مکوکلان تھی۔ جو ملاڈا (ملائیمان) خاندان کی ایک شہزادی تھی راجہ نے جو القاب اختیار کر رکھے تھے۔ ان سے انپائے" ایک خصوصی نوعیت کا لقب تھا جو نہ صرف کتبات میں اور اس پر لکھی ہوئی" الا" میں مذکور ہے بلکہ اس کے سکریٹری انپائیمو ویند ویلان نے بھی اس کو اختیار کر رکھا تھا۔ جو راجہ کے احکام کی تصدیق کرتا تھا۔ کئی جگہوں پر راجہ کی بخشی ہوئی جاگیریں" انپائے نلور" کے سرکاری نام سے نامزد تھیں راجہ کو مقدس بیرمبلم کو سونے سے مڑھوا دینے والا" بیرومال" بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے نیرڈ چولا بھی اختیار کر لیا تھا جو کلوتنگا اوّل کا بھی لقب تھا۔ اسی وجہ سے شیکی لار ایدل شولا کلی کڈنڈا شولا کی تاریخ کے بارے میں کچھ غلط فہمی پائی جاتی ہے وکرم چولا کے

عہد کے کتبات کی طرح کلوتنگا کے کتبات میں بھی اس کے ماتحت راجاؤں کی جانب سے دیئے گئے عطیات کا اندراج ملتا ہے جن میں سے یہاں صرف کاڈوَ راجاؤں ذکر کرنا کافی ہوگا۔ موہن الکولی عرف کلوتنگا شولک کاڈوَرائن ایک سردار تھا۔ جو پلونسل سے تعلق رکھتا تھا بہ 1136ء کے آس پاس ضلع جنوبی ارکاٹ میں ترُومانی کلی کے قریب کے تھوڑے سے نظم وضبط قائم رکھنے کا کام اس کے سپرد تھا۔ اگلے چند برسوں کے دوران میں اس کاڈوَ سردار نے کچھ زیادہ اہمیت حاصل کرلی۔ اور اس کے کتبات ترُونامنلور، ترودڑی اور وردھاچلم جیسے مقامات میں پائے جاتے ہیں اور ان میں اس کا ذکر کئی ناموں اور مختلف القاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جو اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ اس کے عطیات اور فیاضی کے کام زیادہ تر ناموں ونمود کے لئے ہوتے چلے گئے ہیں بہ 1140ء میں اس نے ترونامنلور میں ترُوتونڈلیشور دیوتا کو سونے کے زیورات اور چاندی کے برتن نذر کئے اور اس وقت اس نے کودلوُرپلی آلپسی زندان موہن" اور کلوتنگا شولک کچیارائن کے القاب اختیار کر رکھے تھے۔ لگ بھگ انہی دنوں میں اُس نے ترُووڈی کے دیوتا کو جواہرات سے جڑا ہوا ایک ہار پیش کیا۔ اس کے پانچ سال بعد اس نے ترووڈی کے مندر کو کچھ اراضیات اور املاک سے وصول ہونے والا "بیرمباڈی کاول" دان میں دے دیا۔ اس وقت اس نے "پنّا کامترائن آلپی زندان ارشن نارائنن،، کے القاب اختیار کر رکھے تھے۔ کوڈلوُر کا محل وقوع ترومنئی پاڈی کے خطے میں بیرڈ گلوڑناڈو کے اندر بتایا جاتا ہے بہ 1145ء میں اُس نے زیر انتظام علاقے میں واقع تین دیہات سے جو دیودان،، کے زمرے میں آتے تھے۔ حاصل ہونے والے کچھ مزید ٹیکسوں کی آمدنی ترووڈی کے مندر کے نام کردی۔ اور اس موقعہ پر اس نے اپنے نام کے ساتھ کڈلور پنّا کامترائن آلپی زندان ایلیشیئ موہنان کلوتنگا شولا کاڈورائن" کے القاب اختیار کرلئے۔ آخر میں 1148ء میں اُس نے وردھاچلم کے دیوتا کے "مہاسنپنا،، کیلئے ایک منڈپ تعمیر کیا جس کا نام ایلیشئی موہن" رکھا اور اس کی تاریخ کندہ کرواتے وقت اس نے اپنا لقب" الپی زندان ایلیشئی موہن،، عرف،، کلوتنگا شولا کاڈوَر، ادتن" لکھوایا۔ ان کتبات سے اُن جاگیردار خاندان کے آغاز کی نشان دہی ہوتی ہے جس میں مشہور زمانہ کوپیرُن جنگا پیدا ہوا، جس کی متلاطم اور طوفانی زندگی

نے چولا سامراج کی جڑیں ہلا دیں۔ اور جو بہت جلد اس کے زوال کا باعث ہوا۔
ہم مدھرانتکی پوتیپی چولا سدھ راسا کو قابلِ ذکر شخصیات میں شمار کر سکتے ہیں۔ جس کے نندلور میں ملنے والے کتبات اس سمت میں چولا سلطنت کی حدود کی وسعت تصدیق کرتے ہیں۔ پڈو کوتاہ ریاست میں واقع ترڈ گوکرنم سے دستیاب شدہ ایک نادر کتبے میں برہمنوں کے ایک کنبے کا ذکر ملتا ہے جنہیں راجاؤں کی تاجپوشی کروانے کا استحقاق حاصل تھا۔ اور جنہیں راجہ کلی نے تین کو یرانا ڈو میں آباد کیا تھا۔ یہ راجہ برہمنوں کا اس لئے احترام کرتا تھا کہ توئی (دوار کا پوری) کے عظیم شہر سے ان کے گھرانے کا قدیمی ناطہ تھا۔ "مہاومسا" میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ پانڈیا ریاست میں "لمب کرن"، نامی ایک قبیلے کے لوگ بھی تھے جنہیں راجاؤں کی تاجپوشی کے وقت کچھ خاص فرائض ادا کرنے ہوتے تھے۔

راج راجا دوم

کلوتنگا دوم کے کتبات میں اُس کا جو سب سے آخری سالِ حکومت ملتا ہے وہ سولھواں یا سترھواں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۱۵۰ء کے آس پاس اس کی حکومت ختم ہو گئی۔ اس سے کوئی چار سال قبل اس نے اپنے بیٹے راج راجا کو انتظامیہ کے کاروبار سے وابستہ کر دیا تھا اور پراکسیری راج راجا کے کتبات میں اس کی حکومت کے برسوں کا شمار ۶ راپریل ۱۱۴۶ء سے بعد کی کسی تاریخ سے کیا گیا ہے۔ راج راجا دوم کے عہد کے بہت سے کتبات محفوظ ہیں جن میں متعدد پرشستیاں اس کی حدودِ سلطنت کی نشاندہی کرتی ہیں اور اس کے کئی باجگزار، جاگیرداروں کے ناموں اور ان کے مرتبوں کا انکشاف کرتی ہیں۔ اس عہد کے جنگی امور کے متعلق کتبات کی خاموشی سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کلوتنگا دوم کے عہدِ حکومت کی مانند راجا دوم کا بھی دور بالعموم پرامن تھا۔ اس عہد کے کتبات کی بیشتر رائج پرشستی وہ ہے جو "پومرو ویا ترد مادم" سے شروع ہوتی ہے۔ اور جس میں راجا کی حکومتوں کی برکتوں کا تذکرہ بڑے بلند بانگ طریقے سے کیا گیا ہے یہ پرشستی سب سے پہلے اس حکمران کے تیسرے سالِ حکومت سے شروع ہوتی ہے۔

اس کے ابتدائی الفاظ "پومرو دیا پولل ایلم" ہیں۔ اور دوسری باتوں کے علاوہ اس میں اس عہد میں لٹریچر کی ترقی کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں راجہ کو متمل کت تلئی دن کہا گیا ہے۔ یعنی سہ گونہ تامل (تینوں اقسام کی تامل) کا سرپرست۔ اس پرشستی کے آخر میں اونی ملوودڈئیال کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ تین مزید رانیوں کا ذکر بھی ہے ان میں سے دو کے القاب تو باہم ملتے جلتے ہیں، بھون ملوودڈئیال اور دھرنی ملوودڈئیال اور تیسرے کا نام اُلگوڈئی مکوکلان بتایا گیا ہے جو بلاشبہ وہی رانی تھی جس کا ذکر چودھویں اور سترھویں سالِ حکومت کے دو کتبات میں آیا ہے۔ اس عہدِ حکومت کے کتباب میں دو۔ اور پرشستیاں بھی درج ہیں اور یہ "پویل وائتو دلم پیرگا" اور "کڈل شولنڈ پارما درسے شروع ہوتی ہے۔ ان میں سے اوّل الذکر پرشستی جو راج راجا دوم کے پانچویں سال حکومت کے ایک کتبے میں ملتی ہے۔ بعد میں کلوتنگا سوم کے کتبات میں بھی شامل کی گئی ہے جن میں اس کی مقابلتاً قدرے مختصر تمہید کے باوجود پانڈیا کے حملے کا حال بیان کیا گیا ہے اسی طرح موخر الذکر پرشستی جو راج راجا دوم کے دسویں برس کے ایک کتبے میں دی گئی ہے۔ راجا دھیراج دوم کے عہد کے سرکردہ پرشستی بن گئی ہے۔ یہ بات قابلِ توجّہ ہے کہ اس پرشستی کے آخر میں مذکورہ مہارانی کا نام راج راجا اور راجا دھیراج دونوں حکمرانوں کے کتبات میں الگوڈئی مکوکلان اوگل درج ہے۔ جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ یہ ایک لقب ہے نہ کہ مہارانی کا ذاتی نام۔

حدودِ سلطنت

راج راجا کے زیرنگیں سلطنت کی حدود کی تصدیق اُس کے کتبات سے ہوتی ہے کیندتی سے دستیاب شدہ اس کے ساتویں سال حکومت کے ایک کتبے میں یہ ذکر ہے۔ کہ کاڈوویٹی خاندان کے ایک جاگیردار نے کو، لال ناڈو میں واقع ایک مقام شوردر کی ایک پہاڑی پر ایک مندر تعمیر کروایا تھا۔ نیل گری شولامنڈلم کے ضلع سلیم سے برآمد شدہ ایک کتبے کے ٹکڑے میں درج ایک عطیہ، نیز ۱۱۵۴ء میں بیر مبیر کے ایک کتبے میں درج ایک دوسرے عطیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کونگو بی گنگا ریاست کے مشرقی حصّے میں چولا اقتدار اعلیٰ بدستور تسلیم کیا جاتا تھا۔ موخر الذکر عطیہ کا اندراج ایک ایسے شخص

نے کروایا تھا۔ جو خود کو تنگڈوُر کلون کہتا تھا۔ تیلگو علاقے میں پوری وینگی کی ریاست میں
اور دراکشا راما تک پائے جانے والے کتبات راج راجا کی بالا دستی کا ثبوت مہیا
کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ ویلنانڈو کے جاگیرداروں کی خود مختاری اور خود
سری رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔

سامراج کی کمزوری میں اضافہ

واقعہ تو یہ ہے کہ کلوتنگا اوّل کے عہد کے اختتام سے جب چولا سلطنت پر مصائب
کا نزول ہوا، اور ہوئسالوں اور مغربی چالوکیوں کے عروج کے باعث اس کی حدود بہت
حد تک سمٹ گئیں تو سلطنت کے اندر ایک نہایت اہم رجحان ظاہر ہوا، یعنی مقامی
خاندانوں کا اثر و اقتدار بتدریج بڑھنے لگا۔ مرکزی انتظامیہ کی گرفت سلطنت کے سرحدی
علاقوں میں ہمیشہ راجدھانی کے قریب کے اضلاع کی نسبت کمزور رہی تھی لیکن راج راجا
دوم کی حکومت کے خاتمے کے وقت سے مرکزی علاقوں میں بھی انتظامیہ ڈھانچے میں کمزوری
کی علامت دکھائی دینے لگیں۔ بادشاہت اب وہ پرجوش اور سرگرم مطلق العنانی
نہیں رہی تھی جو ماضی میں ہوا کرتی تھی۔ اور جو جنگ اور شہرت کی ہوس میں اور امن و
انتظام برقرار رکھنے اور رفاہ عامہ کے ضروری مگر مہنگے منصوبوں کی تکمیل کے لیے ہمیشہ
کمربستہ رہتی تھی۔ کتبات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک طرف تو ماتحت جاگیرداروں کی
بڑھتی ہوئی سرکشی تھی اور دوسری طرف چولا شہنشاہ کی روز افزوں بے بسی اور
لاچاری۔ یہ ماتحت جاگیردار اپنے آقا کی برائے نام برتری کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن
زیر نگیں علاقوں کا کام کاج چلانے میں مرکزی حکومت سے زیادہ اہم اور مؤثر رول
ادا کرنے لگے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات کا اثر دیہات کے
انتظامیہ پر نہیں پڑا تھا۔ جو خود مختار مقامی مجلسوں کے ذریعہ سے اپنا کار منصبی انجام
دیتی تھی۔ لیکن مرکزی منتظمہ جس کی تشکیل و تعمیر راج راجا اوّل اور اس کے جانشینوں
نے اس قدر محنت سے کی تھی، اب اپنا استحکام اور طاقت کو کھو بیٹھی تھی۔

راجدھانی، القاب وغیرہ

گنگاپوری بلاشبہ سلطنت کی بدستور راجدھانی بنی ہوئی تھی۔ اس عہد کے کتبات

میں راج کی نقل و حرکت اور انتظام سلطنت میں حصہ لینے کا کوئی خاص ذکر نہیں ملتا۔ تیرھویں برس کے ایک کتبے میں راجہ کو اُئر تلی میں قیام پذیر بتایا گیا ہے۔ اس کے القاب میں سب سے زیادہ قابلِ توجہ "رجولیندر سمہا" ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر کتبات میں بھی آیا ہے اور راج راجن آلا" نامی تصنیف میں بھی۔ اس سے منسوب ایک اور لقب جس کا ذکر صرف لٹریچر میں آتا ہے لیکن کتبات میں جس کا نشان تک نہیں ملتا "کنڈن" ہے۔ "آلا میں آخری وینبا" میں اس کا "ویردھرا" اور "ویرودیا" کے القاب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ کتبات سے یہ واضح ہے کہ راج راجا نے اپنے نام کے ساتھ "راج گمبھیرا" "ایدیل شولا" اور "نیرنیودیا چولا" کے القاب بھی شامل کر رکھے تھے۔

اس عہد حکومت میں کاڈوا خاندان کی نمائندگی کو ڈلورا آیسی رندان موہن المعروف بہ راج راجک کاڈورائن کر رہا تھا جو غالباً گذشتہ عہد کے کلوتنگا شولک کاڈورائن جیسا ہی ایک لقب تھا۔ یہ نمائندگی راجندر شولا پلور آدِتن کرتا تھا جو کانچی پورا کا جاگیردار بھی کہلاتا تھا۔ اول الذکر نے ایلوانا شور کے مندر کے اخراجات کے لئے بہت سے ٹیکسوں اور واجبات کی آمدنی مندر کے نام کر دی تھی۔ جبکہ موخر الذکر نے ضلع کولار میں ایک پہاڑی پر پتھر کا ایک مندر تعمیر کیا تھا۔ انہی دنوں کار نگئی کلتور کا جاگیردار پلورا یار ہوا جس پلورا ین پیٹئی میں راج راجیشورم اڈئیار کا پتھر کا مندر بنوایا اور جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے راج راجا دوم کی وفات کے بعد بہت نمایاں رول ادا کیا۔ وہ شینگینی جاگیرداروں کا بھی ذکر آیا ہے، ایک نونت ونو داشا میو درائن تھا جس کی اہلیہ شورو ڈئیال نے ضلع جنوبی ارکاٹ میں برہم دلیشم کے مندر میں ایک چراغ کا عطیہ دیا تھا دوسرا راج نارائنا شامیو درائن تھا جو امئیاپن شینن پلو انڈان کے نام سے بھی موسوم تھا۔ اس کے عطیات کا اندراج مُنّور اور اچر پاکم کے کتبات سے ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے۔ کہ راج نارائنا کی عرفیت سے شینگینی اور کاڈوا خاندانوں کے باہمی رشتوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔

اس عہد حکومت کا اختتام

راج راجا کے کتبات میں اس کا آخری سال حکومت قطعی طور پر مذکور ہے۔

وہ چھبیسواں سال ہے۔ ترو وور یور کے ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راجہ کا ستائیسواں سال حکومت اس کا آخری سال تھا۔ اگرچہ اس تاریخ کا پہلا ہندسہ مشکوک ہے ایک اور کتبے میں جو کو نی دینا سے دستیاب ہوا ہے۔ اٹھائیسویں سالِ حکومت کو آخری برس بتایا گیا ہے۔ لیکن اس میں بھی شاکا سمت کی تاریخ غایب ہے۔ لہٰذا راج راجا کے عہدِ حکومت کے خاتمے کی تاریخ لگ بھگ 1173ء متعین ہوتی ہے۔ اس کے جانشین راج راجا دوم کی حکومت کا آغاز مارچ 1163ء کے کسی دن میں ہوا۔ ان میں سے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ راجا دھیراج دراصل راج راجا کا بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ خود راج راجا کی طرح وکرم چولا کا پوتا تھا اور راج راجا نے اُسے چولا تختِ شاہی کے لئے اس وجہ سے اپنا جانشین چُنا تھا کہ اس کی اولاد میں کوئی دوسرا موزوں شخص موجود نہیں تھا۔ راجا دھیراج کے جانشین منتخب ہونے کے بعد چند ہی برسوں میں پانڈیا ریاست کو ایک خانہ جنگی نے ہلا کر رکھ دیا۔ اس خانہ جنگی میں چولوں کو ایک فریق کا ساتھ دینا پڑا۔ کیونکہ برِصغیر پر راج لنکا کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار کو روکنے کے لئے ایسا کرنا بہت ضروری تھا۔ راج راجا کی وفات تک یہ جنگ عملی طور پر ختم ہو چکی تھی۔ لیکن چونکہ اس کی تفصیلات راجا دھیراج دوم کے اور کلوتنگا سوم کے کتبات میں دی گئی ہیں۔ اس لئے اگلے باب میں ہم ان پر روشنی ڈالیں گے۔

نوٹ (ج)

پلورائن پیٹی کے
کتبے کے متعلق

(سنہ ۱۹۲۴ء کا سلسلہ نمبر 433)

راجا دھیراج دوم کے آٹھویں سال حکومت کے اس کتبے کی کچھ تفصیل 1924 ۔
حصّہ دوم کے پیراگراف ۱۹-۲۱ میں دی گئی ہے۔ سوما سندرا دیسکر اس کے مؤلف ہیں
(دیکھئے جلد ۱۹ صفحہ 57 و صفحات ذیل) انھوں نے سرکاری ماہر علم کتبات (وینکوبارا ؤ)
کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی رائے میں یہ کتبہ اس نظریہ کی تائید نہیں کرتا کہ کلوتنگا
سوم، راج راجا دوم کا بیٹا تھا۔ اور اپنے والد کی وفات کے وقت بچّہ تھا میرا خیال
ہے کہ اس معاملے میں دیسکر کی رائے صحیح ہے۔ لیکن دوسرے ہمعصر ماخذ سے دستیاب
شدہ اعداد و شمار کی روشنی میں اس مشکل کتبے پر غور کر کے میں ان مصنفین سے ایک
مختلف نتیجے پر پہنچا ہوں اور اس عہد حکومت کی تاریخ کے لئے اس کتبے کی اہمیت کو
مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا تفصیل سے جائزہ لوں گا۔ وی وینکٹا سبّا آئر نے بھی E I
21 صفحات ۱۹۳-۱۹۷ میں اس کتبے کی تالیف کی ہے۔

میں دلیسکر میں دیا ہوا متن کئی پہلوؤں سے صحیح نہیں ہے۔ بالخصوص انہوں نے
کچھ ایسی تصیح بھی کی ہے جس کی تشریح ان کے حاشیوں میں نہیں ملتی۔ جو متن ہیں شایع
ہوا ہے۔ وہ زیادہ معتبر اور بہت حد تک اس متن کے مطابق ہے جو مجھے ایس کے
گوونڈا سوامی نے بھیجا تھا جنہوں نے اصل کتبے کو دیکھا ہے۔

سطور نمبر ا تا ۹ راجا دھیراج کی عمومی پرشستی پر مشتمل ہیں اور ان میں سالِ

حکومت لفظوں میں درج ہے۔ لہٰذا ان سطور پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے سطر نمبر 5
سے سطر نمبر 14 تک پلّو رائیار کے سرکاری منصب کا بیان ہے اور اس کا بھی کہ راجا دھیراج
کے پہلے بطور ولی عہد اور پھر بعد میں راج راجا کی وفات پر اس کے جانشین کی حیثیت
سے انتخاب عمل میں لائے جانے اور تاجپوشی میں، اُس (پلّو رائیار) نے کیا رول ادا
کیا۔ زیرِ حوالہ کتبے کے اسی حصّے کی جو راجہ دھیراج کے تخت نشینی سے متعلق حالات و
واقعات کے بیان میں اپنی نظیر آپ ہے۔ تشریح و تاویل بیحد مشکل بھی ہے کیونکہ اس
کتبے میں بہت سی خالی جگہیں ہیں۔ سطور نمبر 14 تا 21 میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ پانڈیا ریاست
کی خانہ جنگی اور اس ریاست سے لنکا کی فوجوں کے اخراج میں پلّو رائیار کا کیا حصّہ
تھا۔ اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ وہ کسی مرض سے فوت ہو گیا۔ کتبے میں چالیس 40 ویلی
"ارائیلی"، زمین کے عطئے کا اندراج ہے۔ جو راجا دھیراج نے اپنے آٹھویں سالِ
حکومت میں (سطور 21-28-) اپنے رشتہ داروں کو دیا تھا سطور 28-30 میں متعدد
سرکاری افسروں کی طرف سے اس عطئے کی تصدیق کی گئی ہے۔ اگر اس کتبے کی یہ تشریح
صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کتبہ پلّو رائیار کی وفات کے بعد کندہ کیا گیا ہے
جو راج راجا دوم کے انتقال کے بعد ہوئی۔

اب سطور 5-14 کا عام مفہوم بیان کیا جائے گا۔ پلّو رائیار (سطور 5-6) پیڑ ڈُ
نِنڑ ڈُ (سطر 7) پری گِر تُو (سطر 10) ترو ابھشیکم پنو وتو (سطر 13) اور ودپڈیم پنّی (سطر 14)
اس طرح جتنے بھی اقدامات بیان کئے گئے وہ پلّو رائیار کے اقدامات تھے۔ یہ
بات اچھی طرح ذہن نشیں کر لینا چاہیے۔ سطر پانچ کا مطلب صاف ہے۔ اس میں
پلّو رائیار کا نام، اس کے القاب اور جاگیر کا محل وقوع بیان کیے گئے ہیں اس کے
بعد کے الفاظ جو پیڑ ڈُ نِنڑ دُ" پر ختم ہوتے ہیں۔ پلّو رائیار کا مرتبہ ظاہر کرتے ہیں۔ یہ
کہنا عام طور سے صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن جو جملے استعمال کیے گئے ہیں۔ اُن کے ٹھیک
ٹھیک معنی اچھی طرح سے واضح نہیں ہیں۔ پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح کیا جا سکتا
ہے:" پیریا دیور راج راجا دیور" کے دس کوئل کو ٹوڈوُں، گھوڑ سوار فوج اور انگم
باڈی نیایم" کا کپتان بن جانے اور تمام "مدلیوں" جیسے فرائض انجام دینے اور
مدلیوں کے تمام واجب اعزازات حاصل کر لینے کے بعد" یہاں دس کوئل کو ٹو

"کوئل اولگو" میں درج اس عبارت کی یاد دلاتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح رماج نے شری رنگم کے مندر کی تنظیم کو بڑھایا جب اس نے دیوتا (بِرجاننگل) کے خادموں کو دس زمروں (کوتوؤں) میں تقسیم کر دیا۔ اور اس بندوبست نے پہلے والے محدود عملے کی جگہ لے لی جس میں پانچ "کوتو" ہوتے تھے۔ اس کا مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ پلورائیار کے ماتحت پورے ایوانِ شاہی (کوئل) کا عملہ تھا۔ اگم بڈی نیایم (نکایم) کی اصطلاح کے معنی ملازمین کی وہ جماعت ہے۔ جو براہ راست خدمت کرے۔

"من ایوال" کی تشریح زیادہ مشکل ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں اعلیٰ ترین کمان۔

کتبے کا اگلا حصّہ جس کا خاتمہ پری گرتو" پر ہوتا ہے، راج راجا کی وفات کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پلورائیار نے راجہ کے دونوں بچّوں کی۔ جو اس وقت ایک اور دو سال کی عمر کے تھے، اور اس کے حرم اور خزانے کی حفاظت کے لئے کیا اقدامات کئے۔ ان بچّوں کی کم سنی کی وجہ سے پلّورائیار کو انہی ائرتلی کی چھاؤنی سے کسی اور جگہ منتقل کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ ایسا ان کی سلامتی کے لئے کیا گیا تھا۔ عبارت مشمولہ سطر ۹ میں جو خالی جگہیں ہیں وہ اس کے مفہوم کو بیحد مبہم بنا دیتی ہیں۔ پھر بھی اتنی بات قابلِ یقین ہے کہ پلورائیار اپنے اصل مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ (ایلا اڈیموڈ کیڈو گلم ورا داڈتو۔ سطر ۱۰) لیکن یہ بات صاف نہیں ہے کہ مرحوم راجہ کے بچّوں، حرم اور خزانے کو کیا خطرہ لاحق ہوتا اگر وہ ائرتلی میں رہتے۔

اب ہم کتبے کے اس کی طرف آتے ہیں جس سے راجا دھیراج کی تخت نشینی پر براہ راست روشنی پڑتی ہے۔ (سطور ۱۰-19) یہ حصّہ ان جملوں سے شروع ہوتا ہے "ادا .... پیریادیورا یلندرُلی نالیے"۔ اور درمیان میں خالی جگہوں کے باوجود اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ راج راجا دیو کی وفات پر جو کچھ ہوا اب تک اسے بیان کرنے کے بعد اب یہ کتبہ اس حکمران کی زندگی کے واقعات بیان کرے گا۔ اس کے بیٹے جانشینی کے قابل نہیں تھے۔ "ترڈ ابھیشیکتوا ریا پلیئی گل انرئے اِ(رک) کڑپدیائی پارتو۔" اور کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ تخت کے امکانی دعویداروں کے حقوق کے متعلق چھان بین کی گئی۔ اُدنللے کاریم،

ارند پڈی دِ (چارنئ)، سے یدو۔ اور آخرکار وکرم چولا کا ایک نواسہ ایڈرلی بیرمال جانشین منتخب کرلیا گیا ہوگا جو گنگائی کونڈ چولا پورم کے نڑی اُڈئی پیرومال کا بیٹا تھا معلوم ہوتا ہے کہ پلورائیار کی خدمات ولی عہد سلطنت کو، جس کا اس طرح انتخاب ہوا تھا لاکر راج راجا کے حضور میں پیش کرنے اور اُسے اپنے نئے عہدے پر فائز کرنے کے لئے حاصل کی گئی تھیں۔ چار برس بعد اُسے افسران کی مشاورتی مجلس (اُڈن کوٹم) اور ناڈو کی رضامندی سے راجادھیراج دیوا کے نام سے تخت پر بٹھا دیا گیا منڈئی کوی پتو (سطر ۱۲) اور تِرُوا بھشیکم پنُّو دتو (سطر ۱۳) کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے۔ اِن دونوں رسوم میں پلورائیار نے حصّہ لیا تھا۔ ایدرِلی بیرمال غالباً وکرم چولا کی کسی بیٹی کے بطن سے تھا۔ جو غیر معروف تھی۔

اس جانشینی کے بارے میں ایک اور نظریہ جو سب سے پہلے ٹی۔ امن سبراہنیم نے پیش کیا، کافی قرین قیاس ہے۔ اس نظریہ کے مطابق وکرم چولا کا ایدرِلی بیرومال نامی نواسہ دراصل راج ادھراج دوم نہیں تھا بلکہ وہ کلوتنگا دوم تھا جس کی تاجپوشی۔ بیرِدی (یا دیور) یعنی خود وکرم چولا کی وفات پر کی گئی تھی۔ اور یہ تاجپوشی آگے چل کر راجا دھیراج دوم کی چھان بین کے بعد تاجپوشی کے لئے مثال بنی۔" منالللے کارئم ارند پڈی دِ (چارنئ) سے یدو (سطر ۱۱) اس طرح منڈئی کوی پتو (سطر ۱۲) اور ترواَبھشیکم پنّو دتو (سطر ۱۳) بالترتیب کلوتنگا دوم اور راجادھیراج کے متعلق ہیں۔ یہ بات پلئی تمِل" نامی تصنیف سے اور اس کے عہد کے کتبات سے واضح ہے کہ کلوتنگا دوم ایدرر لادئی) بیرومال کے نام سے مشہور تھا۔ تاہم تاریخ نگاری کے اصول کے مدنظر اِس نظرئے پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کلوتنگا اپنے عہد کا شمار مئی جون ۱۱۳۳ء سے کرتا ہے اور وکرم چولا اس تاریخ سے دو برس بعد تک حکومت کرتا رہا لیکن کلوتنگا کی جانشینی کو ایک مثال قرار دینے کے لئے ہمیں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ راج راجا دوم کی مانند وکرم چولا نے بھی دیکھا کہ براہِ راست اس کی اولاد میں تخت وتاج کا کوئی وارث نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے اپنی کسی بیٹی کے بطن سے پیدا ایک نواسہ کو چن کر ۱۱۳۳ء میں ولی عہد بنا دیا۔ اور مناسب وقت آنے پر ولی عہد کی فرمانروا کی حیثیت سے تاجپوشی کر دی گئی۔ ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا لیکن ہمعصر

سناعر اوٹا کوتن نے کلوتنگا کو وکرم چولا کا بیٹا کہا ہے۔ اس امر کی وضاحت ٹی این سبرا ہنیم نے یوں کی ہے کہ راجہ نے اپنی بیٹی کے بیٹے کو اپنا متبنّیٰ بنا لیا تھا۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہماوتی (ضلع اننت پور) کے ایک کتبے بسنہ 899ء کا نمبر 117 نمبر 553 سے جو تربھون چکرورتی کلوتنگا کے دوسرے سال کا وجیا سمتؒ کا تحریر شدہ ہے۔ ہمیں کلوتنگا سوم کی تخت نشینی کی تاریخ 67-66ء معلوم ہوتی ہے۔ یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا اُسے بھی راجا دھیراج کے ہمراہ گنگائی کونڈ چولا پورم لایا گیا تھا اور۔ اُسے اپنا وقت جلاوطنی میں کاٹنا پڑا جہاں ملّی دیو چوڈا مہاراجہ جیسے جاگیردار اس وقت تک اس کی مدد کرتے رہے جب تک دس برس بعد اس بہتر حالت نہیں ہو گی سطر 11 کے اس جملے "گنگائی کونڈ شولاپور (تِل ایلن، دُرلی ارکٹرا یلیئ کُلئ (دیرا) یا نم پتّو دِتّو سے ظاہر ہے کہ اس قصبے میں دو شہزادے رہے ہوں گے۔ اور سطور 13۔14 سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجا دھیراج کی تخت نشینی آسانی سے نہیں ہوئی۔ لیکن یہ سارا معاملہ ناصاف ہے اور درا کشارا ما میں پائے گئے راجادھیراج کے بہت سے کتبات کی روشنی میں مزید چھان بین کا محتاج ہے۔ یعنی 4 نمبر شمارہ 1074 (جس میں سولہویں سال حکومت کی بجائے غلطی سے اٹھویں سال میں درج ہوا ہے) نیز نمبر شمارہ 1100-1223-1279 1118-اور 1330 جو اس کے عہد کو اس کے انچاسویں سالِ حکومت تک پہنچا دیتے ہیں یعنی سنہ 1212ء یا سنہ 1215ء عیسوی تک۔

جیسا کہ کتبہ کا باقی ماندہ حصہ مقتضی ہے۔ راج راجا کے عہد کے واقعات کا سلسلہ وار مطالعہ کرنے سے پہلے اس پر اختصار پر بحث کی جا سکتی ہے۔ راجا دھیراج کی امیدواری کے چار برسوں کے اختتام پر اس کی تاجپوشی ہوئی تو باانڈ یا ریاست میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اور بلورائیار نے چولا افواج کی کمان کر کے اس کو فتح دلائی۔ اس جنگی مہم کے خاتمے پر وہ اپنے آقا کے مزید احکام بجا لانے کے لئے کمربستہ رہا (سطور 1-2-14) اس کے بعد وہ بیمار پڑا اور مر گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی موت راج راجا کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہوئی جس کا ذکر اس کتبے میں پہلے ہی کر دیا گیا ہے۔ راجا دھیراج نے 40 ویلی اراضی جو پہلے پلّورائیار کی "کانی" رہی تھی۔ اب لگان سے مستثنیٰ کر کے اس کی بیویوں اور اقارب کے گذارے کے لئے کچھ اراضی ملی۔

مجھے شبہ ہے کہ راج راجا دیون کا نام بھی آتا ہے (وہی شخص ہے یا نہیں جس کو راج
راجا دوم کہا گیا ہے 1929 - مدنمبر 2 - 21 صفحہ 10۔ نوٹ 2) میں اُسے پلورائیار کا،
یک بیٹا تصور کرتا ہوں اور جو غیر معروف تھا۔ لیکن کہ اس حقیقت سے کہ سب سے
ا حصہ (8 دیلی اراضی) اُس کی بیوی ویرن دنگل اور اس کے بچوں اور راج راجا
ا بیویوں اور اولاد پر کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے میں پلورائیار نے نمایاں رول
ا کیا، دوسرے نظرئے کی تائید ہوتی ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ راج راجا کی اولاد
پلورائیار کی بیٹی کے بطن سے ہو۔

وینکو بار اؤ کا کہنا ہے کہ "مختلف لوگوں نے راجا دھیراج کی تاجپوشی کے علانیہ
اور خفیہ دونوں طرح سے سخت مخالفت کی۔ برخلاف اس کے وزیر (پلورائیار) نے
شہزادے کی ہوشیاری سے حفاظت کی اور تمام مشتبہ افراد کو گرفتار کر کے
اس نے شہزادے کو تخت شاہی پر مستحکم کر دیا" 1924-2-20۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
متعلقہ کتبے کی مبہم اور ٹوٹی چھوٹی تیرھویں سطر کو پڑھ کر اس میں غیر ضروری معنی پہنا
دئے گئے ہیں۔ میں وینکو بار اؤ سے اس بات میں متفق ہوں کہ شومئی قسمت سے
اس کتبے کے بعض اہم حصے اس قدر شکستہ اور مسخ شدہ ہیں کہ بہت کچھ اپنی جانب
سے قیاس کرنا پڑتا ہے۔

تاریخی واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو راج راجا کے عہد کا آغاز ۲۶ اپریل
اور ۱۱ جولائی 1146ء کے درمیان کسی روز ہوا۔ اس کے کتبات میں اس کا آخری سال
حکومت جو صاف طور پر دیا گیا ہے وہ چھبیسواں 26 ہے اور چھبیسواں سال یقیناً ۲۱ اپریل
۱۱۶۱ء کے بعد شروع ہوا ہو گا۔ راجا دھیراج کی تخت نشینی 28 فروری 30 مارچ
1163ء کے درمیان ہوئی۔ اس طرح اس کے آٹھویں سالِ حکومت میں مارچ ۱۱۷۰ء
سے مارچ ۱۱۶۱ء تک کا عرصہ شامل ہو جاتا ہے۔ راجا دھیراج کے اختتام سے پہلے
راج راجا کا چھبیسواں سال حکومت شروع نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس بات کی موجود
کتبے سے مطابقت کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ راج
راجا کا انتقال پلورائیار کی وفات سے پہلے ہو چکا تھا۔ جبکہ موخر الذکر کی وفات
راجا دھیراج کے آٹھویں سالِ حکومت میں کسی وقت ہوئی۔ پانڈیا ریاست کی

خانہ جنگی کے واقعات بھی اس کے متقاضی ہیں کہ راجا دھیراج کے عہدِ حکومت کا آغاز کیلہارن کی متعین کردہ تاریخ سے کچھ عرصہ بعد ہونا تصوّر کیا جائے۔

راجا دھیراج دوم کے کچھ ایسے کتبات بھی ہمارے علم میں ہیں جن کے حساب سے کیلہارن کی متعین کردہ تاریخ تخت نشینی صحیح ثابت نہیں ہوتی اور وہ راجا دھیراج کے عہدِ حکومت کے آغاز کے لئے بعد کی کسی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ حوالہ کے لئے ۱۹۱۳ء کا نمبر ۱۹۔ ۱۹۰۶ کا نمبر 571 ۔ 1912 کا نمبر 428 دیکھیے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ 2 صفحہ ۶۰۔ اور صفحات 126-127۔ ان کتبات کے متعلق یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ سی دیل سال حکومت شاید پندرھواں ہو، یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ 1912 کے نمبر 428 میں کدل سولنلا والی تمہید شامل ہے۔ ان کتبات سے راجا دھیراج کی تخت نشینی ۱۱۶۶ء کی کسی تاریخ میں ہونا معلوم ہوتی ہے۔ یہ ان تاریخی حقایق سے بھی مطابقت رکھتی ہے جن کی جانب ہم توجہ مبذول کروا چکے ہیں۔ اس کے برعکس ۱۹۱۹ کے نمبر 337-138) سے کیلہارن کی تاریخ سے کچھ عرصہ پہلے کی تاریخ نکلتی ہے بنگنور میں ایک کتبہ ایسا بھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ کی حکومت کا ایک ہی سال بارھواں سال بھی بتایا گیا ہے اور چودھواں بھی۔

۱۹۱۶-۱۶ کی تانبے کی تختی کے متعلق جس سے شاکا سمت ۱۰۹۱ راج راجا دوم کے عہدِ حکومت کا تیئیسواں سال معلوم ہوتا ہے، وینکٹا سبا آئر کا خیال ہے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ راج راجا دوم ۱۱۶۹ء میں بقیدِ حیات نہیں تھا۔ اور اس وقت چولا سلطنت پر راجا دھیراج دوم کی حکومت تھی۔ شاید یہاں (وینگی میں) جس عرصہ کے لئے راج راجا نے بطور ریجنٹ کام کیا تھا، اس کو اس کے عہدِ حکومت میں شامل کرلیا گیا ہے۔

اس تمام بحث میں یہ قیاس کرلیا گیا ہے کہ تامل خطّے میں راج راجا کے کوئی ایسے کتبات دستیاب نہیں ہوتے ہیں جن پر راجا دھیراج کی تخت نشینی (۱۱۶۳ء) کے بعد کی تاریخ درج ہو۔ اگر ایسا ہے تو ۱۹۰۱ کے نمبر 267 ۔ ۱۹۰۹ کے نمبر ۴۱۱ اور ۱۹۲۰ کے نمبر 96 کی جانب توجہ دلائی جاسکتی ہے گویہ واقعہ ہے کہ تامل اضلاع میں راج راجا کے انیسویں سالِ حکومت کے بعد کے کتبات کہیں دستیاب نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ وینکٹا سبا آئر کے اس مفروضہ رواج کی کوئی بھی دوسری مثال پوری تامل تاریخ میں ہمارے علم میں نہیں آتی کہ کسی فوت شدہ راجہ کے نام سے کوئی ریجنٹ یا اس کے جانگزار

خانہ جنگی کے واقعات بھی اس کے متقاضی ہیں کہ راجادھیراج کے عہدِ حکومت کا آغاز
کیلہارن کی متعین کردہ تاریخ سے کچھ عرصہ بعد ہونا تصوّر کیا جائے۔

راجادھیراج دوم کے کچھ ایسے کتبات بھی ہمارے علم میں ہیں جن کے حساب سے
کیلہارن کی متعین کردہ تاریخ تخت نشینی صحیح ثابت نہیں ہوتی اور وہ راجادھیراج کے
عہدِ حکومت کے آغاز کے لئے بعد کی کسی تاریخ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ حوالہ کے لئے
۱۹۱۳ء کا نمبر ۱۹ - ۱۹۰۶ کا نمبر 571 - 1912 کا نمبر 428 دیکھئے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ 2 صفحہ ۶۰۔ اور
صفحات 126-127۔ ان کتبات کے متعلق یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ سی ویل سالِ
حکومت شاید پندرھواں ہو، یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ 1912 کے نمبر 428 میں کدل سولاندا
والی تمہید شامل ہے۔ ان کتبات سے راجادھیراج کی تخت نشینی 1166ء کی کسی تاریخ
میں ہونا معلوم ہوتی ہے۔ یہ ان تاریخی حقایق سے بھی مطابقت رکھتی ہے جن کی جانب ہم
توجہ مبذول کروا چکے ہیں۔ اس کے برعکس 1919 کے نمبر 337 - 138) سے کیلہارن کی تاریخ
سے کچھ عرصہ پہلے کی تاریخ نکلتی ہے بنگلور میں ایک کتبہ ایسا بھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے
کہ راجہ کی حکومت کا ایک ہی سال بارھواں سال بھی بتایا گیا ہے اور چودھواں بھی۔

16 - 1917 کی تانبے کی تختی کے متعلق جس سے شا کا سمت 1091 راج راجا دوم کے
عہدِ حکومت کا تیئیسواں سال معلوم ہوتا ہے، وینکٹا سبا آئر کا خیال ہے کہ ہم یہ جانتے
ہیں کہ راج راجا دوم 1169ء میں بقیدِ حیات نہیں تھا۔ اور اس وقت چولا سلطنت پر
راجادھیراج دوم کی حکومت تھی۔ شاید یہاں (وینگی میں) جس عرصہ کے لئے راج راجانے
بطور ریجنٹ کام کیا تھا، اس کو اس کے عہدِ حکومت میں شامل کر لیا گیا ہے۔
اس تمام بحث میں یہ قیاس کر لیا گیا ہے کہ تامل خطّے میں راج راجا کے کوئی ایسے
کتبات دستیاب نہیں ہوتے ہیں جن پر راجادھیراج کی تخت نشینی (1163ء) کے بعد
کی تاریخ درج ہو۔ اگر ایسا ہے تو ۱۹۰۱ کے نمبر 267 - ۱۹۰۹ کے نمبر 411 اور ۱۹۲۰ کے نمبر 96
کی جانب توجّہ دلائی جاسکتی ہے گویہ واقعہ ہے کہ تامل اضلاع میں راج راجا کے انیسویں
سالِ حکومت کے بعد کے کتبات کہیں دستیاب نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ وینکٹا
سبا آئر کے اس مفروضہ رواج کی کوئی بھی دوسری مثال پوری تامل تاریخ میں ہمارے
علم میں نہیں آتی کہ کسی فوت شدہ راجہ کے نام سے کوئی ریجنٹ یا اس کے جاگزار

سردار لتبات جاری کرتے رہے ہوں۔ اس نظریے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ راجا دھیراج دوم نے کلوتنگا سوم کی نابالغی کے زمانے میں اس کے ریجنٹ کے طور پر کام کیا ہو۔

راجا دھیراج کے جانشین منتخب کیے جانے کی صحیح تاریخ کا تعین اس امر پر منحصر ہونا چاہیے کہ کیا کتبات میں دیے ہوئے اس کے عہدِ حکومت کی مدت میں چار سال کا وہ زمانہ بھی شامل ہے جو اس کی امیدواری کا زمانہ تھا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ان چار برسوں کے خاتمے پر اس کی تاجپوشی کی گئی اور راجا دھیراج کا لقب بھی اُسے اسی وقت دیا گیا، نیز یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کے دوسرے سال حکومت کے کتبات میں اس کا نام اس لقب کے ہمراہ آیا۔ ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس کی عارضی تقرری کا زمانہ اس کی تاجپوشی سے قبل ختم ہو چکا تھا۔ اور راجا دھیراج کے سالہائے حکومت کی داستان میں یہ چار برس شامل نہیں ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس سوال کا جواب کہ پہلا انتخاب 1159ء میں ہوا یا 1162ء میں اس بات پر منحصر ہوگا کہ ہم 1163ء کو راجا دھیراج کے عہد کا پہلا برس شمار کرتے رہیں یا 1166ء کو ہم سمجھتے ہیں کہ بعد کی تاریخ زیادہ قرین قیاس ہے۔ خود راج راجا بھی اس تاریخ کے کچھ برس بعد تک زندہ رہا۔

یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ کلوتنگا سوم راج کے ان بچوں میں سے ایک ہو جن کی عمر راج راجا کی وفات کے وقت ایک دو برس بتائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ راج راجا کے انتقال کے بعد چھ برس کے اندر ہی اندر 1178ء میں تخت پر بیٹھ گیا تھا، اور اس نے پانڈیا ریاست کی جانشینی کی اس جنگ میں سرگرم حصہ لیا تھا جس کا آغاز خود راج راجا کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا۔ "کلوتنگن کووئی" اور "شنکر شولن اُلا"، کی سی تصانیف کی شہادت بھی اسی نتیجے کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ حوالے کے لئے دیکھیے "شین تامل" ۳ء صفحہ 166 و ذیلی صفحات۔ موازنہ بہ۔ ۱۹۰۹-2- 48-1924-2-21- 21 صفحہ 186۔ -



چودھواں باب

حاشیے

(1) EI - vii صفحات 5-4

(2) 1923 کا 284 — 1920 کا نمبر 520 — 1902 کا 139' دیکھئے پچھلا صفحہ 330

(3) 192 کا نمبر 285

(4) 1909 کا نمبر 408 - اور 1911 کا نمبر 175 — 1925 کا نمبر 157

(5) ہلتش (SII - iii صفحات 179-81) دکرم چولا کی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ میرے خیال میں "پُومالئی ہڈائنڈو" (سے شروع ہونے) والی تمہید کے محتاط اور بغور مطالعہ سے اس رائے کا جواز مل جاتا ہے کہ کالنگا کی جنگ اس عرصے میں چھیڑی گئی تھی جب وہ وینگی میں بطور نائب السلطنت تعینات تھا۔

(6) 1922 کا نمبر 502 (گیارہویں سال کا)

(7) EI - vii صفحہ 5

(8) SII - ii صفحہ 308' حاشیہ نمبر 4' نیز EI - vi صفحہ 224

(9) V - 776 - یہ بات قابل غور ہے کہ اوٹاکوتن جس نے "پرانی" کا تین مرتبہ اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے، یہ کہیں بھی نہیں بتایا کہ خود اس نے اسے تصنیف کیا تھا۔ ہلتش اس حوالے کو دراصل جین گونڈار کی تصنیف "کالنگوپرنی" کا حوالہ تصور کرتا ہے جس میں اسکے کہنے کے مطابق، کالنگا کی اس جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے جو کلوتنگا کے عہد میں لڑی گئی اور جس میں غالباً دکرم چولا شریک نہیں ہوا تھا۔ دکرم چولا کی جنگ سے جو "پرنی" وابستہ ہے وہ اس سے پہلے کی کسی جنگ سے متعلق ہوگی (ہمارے پاس کالنگا کے خلاف لڑی گئی اور کسی بھی جنگ کا کوئی ثبوت نہیں ہے) اور یہ "پرنی" یقیناً کوتن ہی نے دکرم چولا

کے عہدِ حکومت کے دَوران کبھی تصنیف کی ہوگی۔

(10) EI-iv صفحہ 42 ــــ W، 34-35

(11) 1897 کا 153 - نیز دیکھیے پچھلا صفحہ 330

(12) 1897 کا 163 ــــ شاکا سمت 1054 دراصل غلطی سے سمت 1057 کے بجائے لکھا گیا ہے۔ EI-vii، صفحہ 5

(13) 1911 کا 175 ــــ X-EC، Sd.-9

(14) 1911 کا 647 ــــ X-EC، SP-61

(15) 1900 کا 87

(16) 1903 کا 30

(17) 1901 کا 276 ــــ SII، vii-496 - کالم پولاڈائے نمّور اللہ و گڈی اوڈپ بونک۔ کڈنہ مائیل ہے۔

(18) دیکھیے SII-iii - صفحہ 185 حاشیہ نمبر 2 - ممکن ہے کہ یہ آشیرباد جو سونے کی پتی یا تختی پر کندہ کیا جاتا تھا، ہر سال حکومت کے پورے ہونے پر جب نیا سال جلوس شروع ہوتا تھا، ازسرِنو کندہ کروایا جاتا ہو۔

(19) یہ تاریخ 15 اپریل 1128ء ہے۔ کیلہارن 1 EI-vii - صفحہ 3

(20) "Studies" - صفحہ 176، اور اس سے اگلے صفحات

(21) 1913 کے کتبات نمبر 282-284-287

(22) 1913 کا 312

(23) 1926 کا 71 ــــ ARE، 1926، II-27

(24) 1906 کا 168

(25) 1927 کا 271

(26) 1910 کا 249 ــــ ARE، 1911، II، 27

(27) 1918 کا 63

(28) 1902 کا 163

(29) 1907 کا 272-273 ــــ 1931 کا 49 ــــ الٰا II-431، 662 وغیرہ۔

(30) EI-vi صفحات 227 تا 230

(31) ix-77-7 '16 — V'xiii-89

(32) SII-iii صفحات 181-82

(33) 1895 کا 136

(34) II-صفحہ 119-اور اس کے بعد کے صفحات

(35) عجیب سی بات یہ ہے کہ کلنگر بھی اس فہرست میں شامل ہیں

(36) 1929 کا نمبر 229 - تروداردر کے کلوتنگا چولا مہا بلی بان راجا نامی ایک شخص نے یہ دعوےٰ کیا ہے کہ وہ پرانی داستانوں کے مشہور چولا راجہ منوّ کے وزیر کی اولاد سے ہے (1894 کا نمبر 164)

(37) گنگی کی گڑھی کا غالباً یہ سب سے پرانا تذکرہ ہے۔ شینبی کو 1930 کے کتبہ نمبر 159 میں ترودیجیم اُڈنیار کی "دیودان" جاگیر بتایا گیا ہے۔

(38) 1926 کا 71

(39) منّائی غالباً مالکھیڈ کا نام تھا۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ واقعہ وہاں کب ہوا تھا۔ 1893 کے نمبر 416 میں وتّر (Vattar) کے راجہ کونڈی کونڈان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس راجا کے گھوڑے کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔

(40) چیدی علاقے سے شاعر کی مراد چیدی رایا راجاؤں کی سرزمین ہے جو ترو کوئیلور اور کلیئور وغیرہ کے گرد و نواح کے پہاڑی علاقے پر مشتمل تھی۔ کتبات میں تین ملائیامان سرداروں کا ذکر ملتا ہے (1) ملائیامان ترو کلامٹر ندن آلونگ کار ملائیامان (1909 کا 408) — (2) اُبئین المعروف وکرم چولا چیدیا رائن (1902 کا 286 — 1908 کا 371) — اور (3) شورئن رامن عرف راجندر شولا ملائیا کل راجن (1906 کا 177 — یہ شخص 1908 کے کتبہ نمبر 373 میں ملائین ملّن کے نام سے مذکور ہے)

(41) کالنگا کی لڑائی میں اِدگن نے جو حصہ لیا اس کا ذکر نہ تو "کالنگتو پرنی" میں کہیں ہے اور نہ کسی کتبے میں۔ تاہم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اوٹا کوتن کی تصنیف کردہ ایک دوسری "کالنگتو پرنی" بے جواب نہیں ملتی۔

(42) 1930 کا 128

(43) EI - X صفحہ 138، xi صفحہ 287 کے ــــ 1934 - 35 کے کتبہ نمبر 135 کی، جو نویں سال حکومت کا ہے، بالکل صحیح تاریخ 24 مارچ 1143ء ہوتی ہے۔ ARE - II، 15 -

(44) پرشستیوں کی اہم اصناف کے ابتدائیہ حصے اور جب وہ پہلے پہل استعمال ہوئے، ذیل میں درج ہیں۔

پومنگو پاڈی ــــ 1893 کے نمبر 56 میں (جو دوسرے سال حکومت کا ہے)

پومرڈ دیا پوی ایلم ــــ 1895 کے نمبر 85 میں (یہ بھی اسی برس کا ہے)

پومیبا (میوی) ولر ــــ 1904 کے نمبر 422 میں (ایضاً)

پومنگو پڈومم ــــ 1929 کے نمبر 255 میں (تیسرے سالِ حکومت کا)

پومیوو تروُمگل ــــ 1907 کے نمبر 572 میں (آٹھویں سالِ حکومت کا)

پومنگو یانر ــــ 1895 کے 83 میں (جو پندرہویں سالِ حکومت کا ہے)

مزید دیکھئے ARE - 1913، II، 35

(45) 1902 کا کتبہ نمبر 155

(46) پیریا پرانم (چنڈیشرا - v - 8) میں لکھا ہے کہ پانچ شہروں کو چولا راجاؤں کی تاجپوشی دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

(47) 1927 کا 350

(48) 11 - 9 تا 116

(49) معلوم ہوتا ہے کہ 1907 کے کتبہ نمبر 363 کا آغاز اس حقیقت کے حوالے سے ہوا ہے اور کتبے کا یہ حصہ بلا وجہ اور دانستہ طور پر مسخ کر دیا گیا ہے کیونکہ باقی حصہ بہت ہی محفوظ اور صحیح حالت میں چدامبرم میں گووندا راجا اور نٹ راج کے مندروں کی نسبتی حیثیت کے متعلق سب سے پرانا حوالہ غالباً مانکا واشگر کا ہے جو اس کی کتاب "ترُوکو وائیار" - v - 86 میں ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے قدیم مندروں میں شِوَ اور وشنو دونوں کی عبادت گاہیں موجود تھیں اور ایک زمانے میں تو شاید دونوں دیوتاؤں کے عقیدت مندوں کے باہمی تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی شعوری کوشش بھی ہوئی۔ اس کوشش کا نتیجہ شنکر آچاریہ کے دھرم کی شکل میں ہمارے سامنے

آیا۔ لیکن بعد کے تعصب اور علیحدگی پسندگی کے رجحان نے پہلے زمانے کے فراخ دلی اور رواداری کے نظام کو برداشت نہ کیا۔

(50) II، 58 تا 66

(51) 777-77، 808 تا 810

(52) ARE-1913، II-34، 1927، II، 24

(53) کُلوتنگا شولن اُلا 1-118

(54) 1915 کا 271 — 1921 کا نمبر 533

(55) 1895 کا 85

(56) 1915 کا 271 — 1921 کا 533 — 1911 کا نمبر 346 — اور 1912 کا 531۔ ان سب میں ایک افسر اَنپایا مووینددیلان کا ذکر آیا ہے۔

(57) 1902 کا 157

(58) 1911 کا 363 — 1901 کا 312 — اور شین نمل - XXV صفحات 271-275، ARE-1912، II-27

(59) 1929 کا 255 — 1908 کا 380

(60) 1902 کا 157

(61) 1902 کا 374

(62) 1921 کا 391 — مزید دیکھئے 1921 کا کتبہ نمبر 467 (ترڈوینائی نلّور)۔ ARE-1922، II، 39 میں پہلے کتبے کو کلوتنگا سوم کے عہدِ حکومت سے منسوب کر دیا گیا ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔

(63) 1902 کا کتبہ نمبر 45

(64) 1903 کا نمبر 46

(65) 1900 کا 137

(66) 1907 کا 572

(67) 1902 کا 411

(68) CV - باب 77، V-28 - اور حاشیہ نمبر 1

(69) راج راجا شولن اُلا - II، 66-67

(70) IX - EI صفحہ 210

(71) 1919 کا 465

(72) 1930 کا 243

(73) اِیال - اِشائی - اَور ناڈگم - موٹے طور پر نثر اور نظم، گیت اور ڈرامہ

(74) 1903 کا نمبر 16 — 1911 کا 369 — بھون مگودُو ڈائیال کا ذکر بھی "راج راجن اُلا" — I - 78 میں ملتا ہے۔

(75) 1908 کا 165

(76) 1901 کا نمبر 219 — ARE-1909، II، 48 تا 50 میں راج راجا دوم، راجا دھیراج دوم اور کلوتنگا سوم کے باہمی رشتوں پران پرشستیوں کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ "یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ راج کیسری اور پراکیسری کے القاب اِن راجاؤں کے (ناموں کے) ساتھ بلاتخصیص وامتیاز شامل کئے گئے ہیں"۔ میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ البتہ بعض کتبوں میں چند غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے ایک کی جگہ دوسرا لقب استعمال کیا گیا ہے، لیکن ایسے کتبوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے کہ مذکورہ بالا رائے کا جواز ان سے ثابت ہو سکے۔ مزید دیکھئے ARE-1904، پیراگراف نمبر 21

(77) 1901 کے نمبر 219، اور 1904 کے نمبر 538 کا باہم موازنہ کیجئے

(78) 1911 کا 486

(79) 1900 کا 18

(80) 1901 کا 267

(81) 1893 کا 216

(82) 1906 کا 163

(83) 1917 کا 336 — اُلا II - 252، 685

(84) تکیاگ پرنی - V - 549 - اور حاشیہ

(85) 1929 کا نمبر 128 — 1914 کا نمبر 45

(86) 1906 کا 166 — ARE، 1937-38 II 39

(87) 1911 کا 486

(88) 1924 کا 434 و 435

(89) 1918 کا 168

(90) 1919 کا 52 — 1901 کا 244

(91) 1920 کے نمبر 703 - 704

(92) 1899 کا 181

(93) EI-X صفحہ 211 - لیکن اس کے نیچے صفحہ 359 بھی دیکھئے۔

(94) 1924 کا 433 - اس کے برخلاف دیکھئے ARE - 1909 - II - 48

(95) 1924 کا کتبہ نمبر 433، ایک مشکل کتبہ ہے اور یہ اس دور حکومت کے واقعات کی تاریخوں کے سلسلے میں الجھنیں پیدا کر دیتا ہے۔ ذیل میں دیئے گئے حاشیہ C سے معلوم ہو جائے گا کہ متعلقہ کتبے میں جو خالی جگہیں ہیں وہ معنوں کو بہت حد تک دھندلا دیتی ہیں۔

(96) 77 - 13 - 1، کی عبارت یوں ہے "شیلمبڈی پنی (وِترِولی) نار"۔ میرے پاس جو نسخہ ہے اس میں یہ عبارت یوں ہے "پنی اُ........نار"۔ میرے خیال میں محدود فعل نہیں ہے بلکہ یہ ایک اِسم حالیہ ہے جو کہ اپنے بعد آنے والے فعلاً میگئی شیبادا پڈی" کے فاعل کی حیثیت رکھتا ہے

(97) 77 کی عبارت یوں ہے "پیرتو کو بُر کونم" اور اس کا ترجمہ "بہت بڑی خانہ داری"۔ اسی طرح اس میں "آڈرک گدِرائی" یعنی "مسلح گھوڑ سوار دستہ" لکھا ہے لیکن میرے نسخے میں "آنائی (ک) - گدِرائی" درج ہے

(98) "راج محل کے اندرونی ایوانوں میں تعینات مسلح مرد اور عورتوں کا دستہ"
— V.V.

(99) "افسروں کا ایک طبقہ جو پہلے شاہی فرامین حاصل کرتے ہیں اور پھر انھیں برائے تعمیل دیگر کارندوں تک پہنچاتے ہیں" V.V.

(100) V.V. "وِ (نپن) جیدو" بتاتی ہے

(101) 1893 کے کتبہ نمبر ح سے صورتِ حال اور الجھ جاتی ہے۔ اس کے مطابق راج راجا دوم کے انیسویں سالِ حکومت اور راجا دھیراج کے آٹھویں سال حکومت کے درمیان پندرہ برس کا وقفہ پڑجاتا ہے۔ SII - iii صفحہ 207 - غالباً اس کتبے میں راج راجا کا سالِ حکومت 1 (1) یعنی گیارہواں ہے نہ کہ (9) 1 یعنی انیسواں

(102) 1932 کا کتبہ نمبر 209

(103) ۷۰۷۰ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ 1914 کا کتبہ نمبر 337 (138 - Pd) جس پر دوشنبہ، 3 دسمبر 1162ء کی تاریخ درج ہے، شاید آزمائشی دور کا کتبہ ہو۔

پندرھواں باب

راجادھیراج دوم اور کُلوتنگا سوم

1163ء سے 1216ء تک

پرشستیاں

چولا شاہی خاندان کی براہِ راست اولاد نرینہ میں کوئی وارث نہ ملنے کے باعث وکرم چولا کے ایک نواسے راجادھیراج دوم، کو جو اس کی ایک بیٹی کی اولاد تھا، راج راجا دوم نے اپنا جانشین منتخب کرلیا۔ یہ راج راجا کے عہد حکومت کے آخری دنوں کی بات ہے اور راجا دھیراج کچھ عرصہ تک راج راجا کے ساتھ بطور ولی عہد حکومت کرتا رہا۔ راجادھیراج کی پرشستیاں تین اصناف میں پائی جاتی ہیں۔ تینوں میں شوکتِ الفاظ زیادہ ہے اور تاریخی اہمیت نہ ہونے کے برابر۔ "کدل شولندہ پارمگلم،، (مادرم) سے جو پرشستی شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے دوسرے سالِ حکومت کے کتبات میں دکھائی دیتی ہے۔ بظاہر راج راجا کے کتبات سے مستعار لی گئی ہے۔ دیگر اصناف یہ ہیں: "پومرُو ویانشیُ مگتون" جو سب سے پہلے اس کے پانچویں سالِ حکومت کے کتبوں میں ملتی ہے۔ جسے بعد میں کلوتنگا سوم نے بھی اپنایا۔ اور کڈل شولندا پاریلیم،، وضلع تنجور میں پائے جانے والے چھٹے اور دسویں سال حکومت میں ملتی ہے۔ گو اس راجا کی پرشستیاں تاریخ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں لیکن اس کے عہد کے بہت سے کتبات ریاست پانڈیا کی جانشینی کی جنگ کے واقعات کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔ یہ تفصیلات "مہاوامسا،، میں دی ہوا اس جنگ کی روداد کے

مقابلہ میں زیادہ معتبر ہیں۔

پانڈیا ریاست کی خانہ جنگی

کلوتنگا اوّل کی طرف سے پانڈیا ریاست کی از سرِ نو تسخیر کے بعد سے ہمیں قدیم پانڈیا نسل کے راجاؤں کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا، حتیٰ کہ ہم راجا دھیراج دوم کے عہد تک پہنچ جاتے ہیں۔ پانڈیوں کے کتبات سے جنہیں ہم کم و بیش یقین کے ساتھ اسی عہد سے منسوب کر سکتے ہیں۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ کلوتنگا اوّل کی جنگوں کے بعد بھی پانڈیوں نے اپنی وہ جزوی آزادی بڑی کامیابی سے برقرار رکھی جو انہوں نے کلوتنگا اوّل کے چولا تخت پر بیٹھنے کے بعد اس کی ابتدائی مشکلات کے نتیجے میں حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے اپنے الگ کتبات کندہ کروائے جنکی پرشستیوں میں انہوں نے خوب شیخی بگھاری۔ جب اُن کی ریاست پر چولا پانڈیا وائسرائے کی گرفت زیادہ مضبوط تھی تو ایسا کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔ وہ مرکزی حکومت سے مشورہ کئے بغیر اپنی جنگیں چھیڑ لیتے تھے اور اب مرکزی طاقت کی اُن کی اطاعت رفتہ رفتہ رسمی ہوتی جا رہی تھی۔ جیسا ہم پہلے دیکھ چکے ہیں پرانتکا پانڈیا سے وکرم چولا کی کالنگا کی پہلی جنگ میں حصّہ لیا تھا اور کولنو کے والی تیلنگا بھیم پر حملہ کیا تھا۔ لیکن کلوتنگا اوّل کی وفات کے بعد جوں جوں وقت گذرتا گیا چولا اقتدار اعلیٰ کی حقیقی اطاعت ایک ظاہر دارانہ اور پُر عناد اطاعت میں تبدیلی ہو گئی۔ بلکہ یہ تبدیلی شاید اسی وقت ہو چکی تھی جب میسور اور وینگی کے چولا حکومت کے ہاتھوں سے نکل جانے سے چولا اقتدار میں کمی آگئی تھی کلوتنگا کی حکومت کے خاتمے کے بعد خاص پانڈیا ریاست میں چولا شہنشاہوں کا کوئی کتبہ مشکل ہی سے ملتا ہے۔

راج راجا دوم کے عہد کے آخر میں اور راجا دھیراج کے جانشین بنے جانے کے کچھ برس بعد پانڈیا ریاست میں جانشینی کے لئے ایک خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ فریقین میں سے ایک نے قوی سنہالی حکمران پراکرم باہو اوّل (۱۱۵۳ء–۸۶ء) سے مدد کی درخواست کی اور اور دوسرے نے چولا شہنشاہ سے۔ اس جنگ سے چولا تاجدار اور لنکا کے راجہ کے مابین جو پرانی عداوت تھی وہ پھر زندہ ہو گئی۔ ان دونوں تاجداروں کا اس جنگ میں مداخلت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ اس خانہ جنگی کی خاکستر سے ایک ایسی پانڈیا طاقت کا ظہور ہوا جس نے اپنی تازہ دم قوت سے ان دونوں ریاستوں کو ہڑپ کر لیا جنھوں نے خانہ

جنگ کے فریقین کی ایک دوسرے کے خلاف مدد کی تھی۔

"مہاوامسا" کا بیان

اس جنگ کے ابتدائی مراحل کو "مہاوامسا" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۱۱۶۹ء میں پراکرم پانڈیا والئے مدورا نے کل شیکھر کے خلاف مدد مانگی جس نے مدورا کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس سے پیشتر کہ اس کی درخواست کے جواب میں لنکاپورا کی زیر قیادت بھیجی گئی لنکا کی فوج برصغیر ہند پر اترتی، پانڈیا ریاست میں حالات بڑی تیزی سے بدلے اُس وقت تک کل شیکھر نے مدورا کو فتح کرکے پراکرم، اُس کی بیوی اور اس کے بچوں کو تری ملکے مقام پر تہِ تیغ کر ڈالا تھا۔ اس واقعہ کی خبر پاکر پراکرم باہو نے لنکاپورا کو پیغام بھیجا کہ جنگ تب تک جاری رکھی جائے جب تک مدورا کی ریاست کل شیکھر سے واپس لے کر پراکرم کے گھرانے کے کسی فرد کو نہ دے دی جائے۔ شدید مخالفت کے باوجود لنکاپورا دوسری طرف کے ساحل پر اُترا اور رامیشورم کے راستہ سے پیش قدمی کرکے کُنڈو کل کے مقام پر قلعہ بند ہوگیا۔ یہ مقام رامیشورم کے قریب اس پتلی سی زمین کی چٹ پر ہے جو سمندر کے اندر کو نکلی ہوئی ہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ بڑا وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ جو تامل لنکاپورا کے ہاتھ آئے انہیں یا تو جسم میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کر دیا گیا یا لنکا بھیج کر ان بدھ وہاروں کی مرمت کے کام پر لگا دیا گیا جنہیں تاملوں کی حکومت کے دوران نقصان پہنچا تھا۔ ہم اس لڑائی میں فریقین کے جنگی اقدامات کی تفصیلات میں نہیں جائیں گے کیونکہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ صرف اتنا نوٹ کریں گے کہ لنکاپورا کی مہم غیر متوقع طور سے مشکل ثابت ہوئی۔ کل شیکھر نے طویل عرصہ تک بڑی بہادری سے اس کی مزاحمت کی۔ اور لنکاپورا کو لنکا سے مزید کمک منگوانی پڑی اور مقامی سرداروں کو تحائف اور اعزازات دے کر راضی بھی رکھنا پڑا۔ جب لنکاپورا کو پتہ چلا کہ پراکرم پانڈیا کا بیٹا ویر پانڈیا کل شیکھر کے قتلِ عام سے بچ گیا ہے۔ اور ملئیا کے پہاڑی ملک میں مقیم ہے تو اُس نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ ایک ایسے مقام پر اس کے ساتھ آملے جو مدورا سے بہت دور نہیں تھا۔ کل شیکھر نے لاتعداد فوجی دستے یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں جھونک دیئے اور رام ناڈ اور مدورا کے اضلاع میں ایک خونریز لڑائی چھڑ گئی جو ایک طرف پڈوکوٹاہ تک اور دوسری طرف

تنے ویلی تک پھیل گئی۔ اگر اس لڑائی کی مدت سے اندازہ لگایا جائے یا اس امر سے کہ کس طرح جلد جلد تامل سرداروں نے اپنی وفاداریاں تبدیل کیں تو یہ ثابت ہو گا کہ پانڈیا ریاست میں کل شیکھر کو زیادہ حمایت حاصل تھی۔ کل شیکھر کو اپنے کونگو والے چچا اور چولا حکمرانوں سے جو مدد ملی اس سے یہ قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ خیر چاہے کچھ بھی ہو، اس جنگ کا اگلا مرحلہ "مہا وامسا" کے بیان کے مطابق اس وقت شروع ہوا جب کل شیکھر چولا ریاست سے چولا فوج کو ہمراہ لے کر واپس آیا۔ اس فوج کی کمان پلّو رائیار اور دوسرے فوجی سردار کر رہے تھے۔ اُسے تونڈی اور پاسی کو روانہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد جو کیلینی لیا کی لڑائی ہوئی۔ اُس میں فتح لنکا پُرا کو نصیب ہوئی جس نے "دشمن کے خون سے سمندر کے پانی کو سُرخ کر دیا" مہا وسا کا کیلینی لیا۔ بلاشبہ موجودہ کیل نلئی تھا جو ضلع رام نڈ کے ترُد پتور تعلقہ میں واقع ہے۔ "پونما رواتی" کے مقام پر ایک اور لڑائی ہوئی جس میں کل شیکھر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ لنکا پُرا نے اب پانڈیا ریاست کی حکومت ویر پانڈیا کے حوالے کر دی۔ (جو پراکرم باہو کے احکام کے مطابق اپنا جشنِ تاجپوشی پہلے ہی منا چکا تھا۔ نیز لنکا پورا نے ہر جگہ پراکرم باہو کا سکہ "کہا پنا" رائج کر دیا اور چولا اور پانڈیا ریاستوں سے لوٹا ہوا کثیر مال غنیمت لنکا کو بھیج دیا۔

"مہا وامسا" کا یہ تذکرہ صریحاً نامکمل ہے۔ اِس میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ ویر پانڈیا کا کیا حال ہوا اور کل شیکھر پر کیا گذری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ بتانے سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے کہ لنکا پُرا شری لنکا کو واپس آ گیا تھا۔ اس سے یہی تاثر ہوتا ہے کہ لنکا کے مصنّف نے اہلِ لنکا کی ابتدائی کامیابیوں کے بعد ان کی انجام کار ناکامی پر جان بوجھ کر پردہ ڈال دیا ہے۔

اور یہ تاثر ہے بھی صحیح۔ یہ بات اس جنگ پر روشنی ڈالنے والے چولا کتبات سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ "مہا وسا" میں مندرج بعض واقعات سے جو پراکرم باہو اوّل کے جانشینو کے عہدِ حکومت میں قلم بند کئے گئے تھے۔ یہی پتہ چلتا ہے۔

چولوں کا بیان کردہ حال

ضلع چنگل پٹ کے مقام آر پاکم سے دستیاب شدہ کتبے میں جو راجا دھیراج کے

پانچویں سال حکومت کا ہے، اس جنگ کا سب سے پہلے تذکرہ ملتا ہے۔ اس کتبے کے مطابق لنکا کی فوج نے پانڈی منڈلم کو فتح کر کے کل شیکھر کو مدورا سے نکال باہر کیا۔ اس کے بعد اس فوج نے راجا دھیراج کے جاگیرداروں کے خلاف پیش قدمی کی۔ یہ جنگ تونڈی اور پاشی کے خطے میں ہوئی اور اس فوج کی فتح سے شولامنڈلم اور دوسرے علاقوں کی رعایا دہشت زدہ ہوگئی جب ایدرلی شولا شامبو رایا کو ان واقعات کی خبر ملی۔ تو اسے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اس صورت حال کا خاتمہ کیسے کیا جائے۔ اس نے ایک مقدس شخص سوامی دیور کے ذریعے سے خدائی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یہ شخص اُماپتی دیویا نانا شیوا دیو بھی کہلاتا تھا اور گودیش میں واقع دکشن لاڈا کا رہنے والا تھا۔ اس سے راجہ نے درخواست کی کہ وہ دعا قربانی، اور عبادت کے ذریعے سے چولا ریاست لنکا کی بدکردار افواج کے حملے کا منہ موڑ دے اور اس کے نتیجے میں برہمنوں اور مندروں کو پہنچنے والے نقصان کو ختم کر دے۔ سوامی دیور نے جواب میں کہا، "مجھے معلوم ہے کہ لنکا کی فوج نے رامیشورم کے مندر میں عبادت بند کروا دی ہے۔ اور اس کا خزانہ لوٹ لیا ہے میں سحر کر کے ان حملے آواروں کے، جو شِو سے دشمنی رکھنے والے ہیں، منصوبوں کو تباہ کرنے کا انتظام کروں گا"۔ اس مقصد سے اس نے اٹھائیس دنوں تک برابر پوجا کی۔ تب پلّی پلورائیار سے آئی کہ پردھانیوں کو شکست ہوئی ہے جن میں جیدرتھ اور لنکا پُری نامی دندنا نک اور لنکا سے آئی ہوئی تمام شامل تھی۔ شامبو رایا نے اظہارِ تشکر کے لئے آرپاکم کا گاؤں سوامی دیور کے نذرانے میں دے دیا۔

پلّورائن پیٹئی (ضلع تنجور) کے کتبے میں جو آٹھویں سالِ حکومت کا ہے، زیادہ واضح تفصیلات دی گئی ہیں: "جہاو مسا" کی طرح اس کے شروع میں بھی یہ بتایا گیا ہے۔ کہ لنکا کی فوج کی آمد نے کل شیکھر پانڈیا کو مدورا سے نکال باہر کیا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ چولا ریاست میں چلا گیا۔ اور وہاں جا کر چولا تاجدار سے درخواست کی کہ وہ پانڈیا تخت کی بازیابی میں اس کی مدد کرے۔ تب چولا حکمران نے یہ حکم دیا کہ کل شیکھر کو تخت شاہی پر بحال کیا جائے گا اور لنکا پُری دنڈ نائک اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کے سروں کو پانڈیار راجدھانی مدورا کے صدر دروازوں پر کیلوں سے جڑ دیا جائے گا۔ پلّورائیار عرف ترچرمبلا اڈائین پیرومانمبی نے جس کے سپرد یہ کام کئے گئے تھے۔ چولا ریاست میں کل شیکھر کے قیام کے دنوں میں اس کی خوب آؤ بھگت کی اور چونکہ اس کی فوج کے پاس وسائل بھی تھے

اور اس میں جوش و خروش بھی تھا۔ لہٰذا اس میں پانڈیا ریاست کو از سرِ نو تسخیر کر کے دکھا دیا۔ اُس نے لنکا پری دنڈ نانک اور اس کے دیگر ساتھیوں کے سر، مدورا شہر کے صدر دروازوں پر کیلوں سے جڑوا کر اپنے آقا کے احکام کی حرف بحرف تعمیل کر دی۔ تب کل شیکھر مدورا میں پھر سے داخل ہوا اور اس طرح پانڈیا ریاست لنکا کا ایک صوبہ بننے سے بچ گئی۔

ایک تیسرا کتبہ جو بارھویں سالِ حکومت کا ہے یعنی سابقہ کتبہ سے چار برس بعد کا اور ضلع شمالی ارکاٹ میں ملا ہے۔ اس جنگ کا اگلا حال بیان کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ کتبہ بہت شکستہ حالت میں ہے۔ اور اس کی عبارت میں جو خالی جگہیں رہ گئی ہیں ان سے اس کا مطلب جوہم ہو جاتا ہے۔ اس کتبہ میں اراضی کے ایک عطیے کا ذکر ہے جو پلائینو ر اُڈئیان دید دنم اُڈئیان امائی یپّن عرف انّن پلّو رائن نامی ایک شخص کو دیا گیا تھا اور اس میں اس شخص نے حکومت کی جو خدمات انجام دی تھیں اُن کا ذکر کرتے ہوئے جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ مدورا کے تخت شاہی پر کل شیکھر کے بحال کئے جانے تک جنگ کا حال اختصار سے بیان کرنے کے بعد یہ کتبہ آگے لنکا پر فوج کشی کی مہم کا حال بھی بیان کرتا ہے۔ جو غالباً انّن پلّورا نیارنے تیار کی تھی۔ اس کو معلوم ہوا کہ سنہالی حکمران پراکرم باہو چولا تاجدار اور اس کے زیرِ پناہ شہزادہ کل شیکھر پر ایک اور حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے اور اس ارادے سے وہ اُور تورّ ئی، پلئ چیری، ماتوٹم، ولی کامم، مٹی وال اور دیگر مقامات پر اپنی سپاہ جمع کر رہا ہے اور جہاز بھی تعمیر کر رہا ہے۔ اس صورتِ حال کا سدِ باب کرنے کے لئے انّن پلّو رائیار نے چولا تاجدار کی جانب سے اقدام کرتے ہوئے لنکا کے حکمران کے بھتیجے (مرومگنار) شری ولبھ سے کام لیا جو لنکا کے تخت کا دعویدار تھا۔ لیکن اسے اس کے حق سے محروم کر دیا گیا تھا اور وہ اب برصغیرِ ہند میں پراکرم باہو کے دشمنوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے تیار تھا جو مہم شری ولبھ کے زیر کمان بھیجی گئی تھی۔ اس نے لنکا میں کئی مقامات فتح کر لئے اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ ان میں پلئ چیری اور ماتوٹم بھی شامل تھے جہاں پراکرم باہو اپنی فوج جمع کر رہا تھا۔ اس فوج نے ہاتھیوں کی کثیر تعداد پر قبضہ کر لیا اور وسیع علاقے میں آگ لگا دی۔ جو پوربا کھیم بنئیں کادم اور اترّ دکھن سترّ کادم تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے وہاں کے کچھ سنہالی سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کچھ قید کر لیا۔ اس کے بعد اسی مہم میں حاصل کردہ مال

غنیمت انن پلّور ائیار نے چولا شہنشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح پلّورائیار نے لنکا کے حکمران کی سازشیں تمام ناکامیاب بنادی۔

ایک سیاسی انقلاب

اس جگہ پر واقعات نے ایک غیر متوقع کروٹ لی۔ زیر بحث کتبے میں لکھا ہے کہ کل شیکھر نے چولا مفاد کے خلاف کام کیا۔ ہم اصل واقعات کے بارے میں قیاس آرائی ہی کر سکتے ہیں جنوبی ہند کے حکمرانوں کے خلاف پراکرم باہو کے منصوبوں کو خاک میں ملانے کی غرض سے انن پلّورائن نے جو حکمتِ عملی اختیار کی تھی وہ پراکرم باہو کے تخت کے ایک دعوے دار کو شہ دے کر جزیرۂ لنکا میں اندرونی خانہ جنگی برپا کرانے پر منحصر تھی۔ پراکرم باہو اپنے عہد حکومت کے آغاز میں شری ولبھ کے باپ مانا بھرن کے ہاتھوں کافی مصیبت اٹھا چکا تھا اور وہ اب اپنے تخت وتاج کو برقرار رکھنے کے لئے کسی مزید کشمکش میں پڑنے کا خواہش مند نہیں تھا۔ جب اپنے وطن میں شری ولبھ کی سرگرمیوں نے اس کی زندگی دوبھر کر دی۔ تو پراکرم باہو نے پانڈیا ریاست کی خانہ جنگی کے متعلق اپنے رویئے میں ایک شاطرانہ تبدیلی کر کے برصغیر میں خود کو بخوبی مستحکم کر لیا۔ اس نے یہ سمجھ لیا کہ پراکرم پانڈیا کی اولاد کی حمایت کر کے کل شیکھر کو مدورا کے تخت سے محروم رکھنے کی اس کی کوشش نہ صرف بری طرح ناکام رہی ہے بلکہ اس سے خود اس کی ہستی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اب اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ نہ صرف کل شیکھر کو پانڈیا ریاست کا جائز وارث تسلیم کرے گا بلکہ اس کو بیش بہا تحائف بھیج کر اس سے دوستانہ مراسم قائم کرے گا اور اس طرح چولوں کی مدد حاصل کرنے کے اس کے رجحان کو ختم کر دے گا۔ زیرِ نظر کتبے میں یہ دعوے کیا گیا ہے کہ کل شیکھر نے شہنشاہ کی ان مہربانیوں کا جو اس نے اب تک کی تھیں، کچھ لحاظ نہیں کیا تھا۔ اس نے لنکا کے راجہ کے ساتھ سازش کرنے اور چولا ریاست کے خلاف اس کے مخاصمانہ عزائم میں تعاون کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر اس نے ایلگتار اور مٹوا کے سرداروں کو جو چولا شہنشاہ کے وفادار تھے اور اس کی خدمت بجا لا رہے تھے دریائے ویلاڑو کے شمال کی جانب دھکیل دیا۔ یہ سردار راج راجا کرکڈی مارایا اور راج کمبھیرا انجو کوٹی ناڈالوان تھے۔ اب کل شیکھر نے لنکا کے سپہ سالاروں کے سر کو مدورا کے

صدر دروازوں سے اتروا دیا جو وہاں پلورائیا رنے، جس نے کل شیکھر کو ریاست پانڈیا کے تخت پر بٹھایا تھا، جڑوا دیئے تھے۔ کل شیکھر کے حامیوں کو پراکرم باہو نے جو خطوط اور تحائف بھیجے تھے وہ چولا جرنیلوں کے ہاتھ لگ گئے اور کل شیکھر کی غداری کے اس انکشاف سے چولا حکمت عملی میں تبدیلی آگئی۔ چولا حکمران نے اتن پلورائن کو حکم دے دیا مدورا کے اصل حکمران پراکرم پانڈیا کے بیٹے ویر پانڈیا کو مدورا کے تخت پر بہر صورت بٹھایا جائے اور کل شیکھر کو نکال باہر کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ سپہ سالار پلورائن نے کامیابی سے ایسا کر کے دکھا دیا۔ کلوتنگا سوم کے عہد کے چھٹے سال کے شمبنار کوئیل کے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ کسی حملے کے نتیجے میں راجا دھیراج دوم کے گیارھویں سال حکومت میں ایک مندر کی مورتیوں کو حفاظت کی غرض سے دوسرے مندر میں منتقل کرنا پڑا تھا۔ اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس جنگ میں کسی وقت کل شیکھر اور پراکرم باہو نے چولا ریاست کے مرکزی حصے تک فوج کشی کی ہوگی۔

جنگ کا خلاصۂ احوال

اس طرح کتبات یہ بتاتے ہیں کہ سات آٹھ برس تک راجا دھیراج کی توجہ زیادہ تر جنوب میں لڑی جانے والی جنگ کی تنظیم کی طرف لگی رہی۔ اور اگر ان کتبات کی تشریح صحیح ہیں تو اس عہد کے آخر میں راجا دھیراج کو بذاتِ خود کل شیکھر کی معزولی کا فرمان جاری کرنا پڑا جس کی التجا پر اس نے شروع میں اس تنازعے میں مداخلت کی تھی، کیونکہ کل شیکھر چولا شہنشاہ کے خلاف ذلیل ترین غداری کا مرتکب پایا گیا تھا۔ جنگ میں جس مرحلے تک ہم پہنچے ہیں وہاں کل شیکھر اپنے تخت وتاج سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور جلاوطنی میں اپنے دن کاٹ رہا تھا۔ اور چولا جرنیل اتن پلورائن پراکرم کے بیٹے ویر پانڈیا کو مدورا کے تخت پر بٹھا چکا تھا۔ یہ صورتِ حال راجا دھیراج کے عہد حکومت کے اختتام تک تھی اگرچہ کلوتنگا سوم کی تخت نشینی کے بعد، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، حالات نے ایک اور کروٹ بدلی۔ تب پھر ایک مرتبہ چولوں کی امداد سے کل شیکھر کی اولاد کو پانڈیا کے تخت پر بٹھایا گیا مجموعی طور پر ان مہمات کے نتائج سے راجا دھیراج بخوبی مطمئن تھا۔ اور اس اطمینان کیلئے بہت سے وجوہ تھے۔ پراکرم باہو کے منصوبے مکمل طور پر خاک میں ملا دیے گئے تھے اور اُسکے

آدمی مدورا کی ریاست سے برابر الگ رکھے گئے تھے۔ برِصغیر پر پراکرم باہو کی فوج کے لگاتار حملوں کی بڑی کامیابی سے مزاحمت کی گئی تھی اور چند عارضی کامیابیوں کے باوجود لنکا کے حکمران نے جنگ میں بہت نقصان اٹھایا تھا۔ اس کے فوجی اور بحری وسائل کو بھی شدید ضرب پہونچی تھی۔ چولا شہنشاہ نے اب 'مدورا اور ایلم کا فاتح' (مدورائیم الکم کوندرُولن) کا لقب اختیار کیا۔ ہر چند کہ مدُورا کی تسخیر ایک حقیقت تھی لیکن شہنشاہ کے لقب میں ایلم (لنکا) کا نام شامل کرنا محض اس سلطنت پر ایک فرضی دعوے کے مترادف تھا، جیسے انگریزوں نے فرانس کے تخت پر فرضی دعوٰے کر رکھا تھا۔ یا یہ لقب صرف اس لئے اختیار کیا گیا تھا۔ کہ اس سے لنکا والوں کے خلاف چولا راجہ کی فوجی کامیابیوں کا بہتر اظہار ہو گا اگر ہم "مہاومسا" میں مندرج واقعات اور راجادھیراج کے کتبات کے ایک حصے پر یقین کریں تو اس جنگ کا زمانہ ہم ۱۱۶۶ء اور ۱۱۶۹ء کے درمیان متعین کر سکتے ہیں۔[20]

حدودِ سلطنت

راجادھیراج کے بعض کتبات اس بات کے شاہد ہیں کہ اس کے تحت بھی چولا سلطنت کی وہی حدود تھیں جو راجا دوم کے عہدِ حکومت میں تھیں۔ یہ کتبات نیلور، کال ہسنی اور نند لور[21] میں پائے جاتے ہیں۔ اگر ہم اس بات کو صحیح مانیں کہ چولا مہاراجہ گھٹی نلمبا بھج بل ویرا اہومل راسا، جس کا ذکر کانچی پورم[22] کے کتبے میں گنگا منڈل کے مہامنڈلیک کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ دراصل راجادھیراج دوم کا ایک جاگیردار تھا تو گنگا ریاست کا کچھ حصہ بھی ضرور ان دنوں چولا سلطنت میں شامل ہو گا۔

القاب

ضلع تنجور کے مقام اَنُور[23] سے دستیاب شدہ ایک کتبہ تربھون چکرورتن کریکال چولادیو کے نام کا ہے جس نے مدورا اور ایلم (لنکا) کو تسخیر کیا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ کتبہ اسی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو گا کہ کریکال دراصل راجادھیراج دوم کا ایک لقب تھا۔ اس بات کی تصدیق ایک اور کتبے سے بھی ہوتی ہے جو چدمبرم سے ملا ہے اور جس میں راجادھیراج اور کریکال[24] دونوں نام ایک ساتھ آئے ہیں۔ ترُودیلی مللئی سے دستیاب

شدہ ایک شکستہ کتبے میں جس پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ کومرن کلوتنگا شولا چترویدی منگلم نامی مقام کا محلِ وقوع ترِدولندوَر نادو میں بتایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں کا نام راجہ کلوتنگا سوم کے بعد اس کے نام پر رکھا گیا۔ اُس کے عہد کے ایک کتبے میں[26] اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ پریادیور کے، جو بظاہر راجا دھیراج دوم ہی تھا، عہد کے تیسرے ہی برس میں اُس گاؤں میں کچھ عطیات دیے گئے تھے۔ کلوتنگا سوم کا راجا دھیراج سے کیا رشتہ تھا، اس بات کا پتہ نہیں چلتا۔

جاگیرداران

راجا دھیراج کے عہدِ حکومت کے سرکاری افسروں اور جاگیرداروں میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سرکردہ ترین افراد تو دونوں پلّوورائیار تھے۔ ریاست پانڈیا کی خانہ جنگی کے دوران میں ان دونوں کی کامیابی کی تفصیل ہماری نظر سے پہلے ہی گذر چکی ہے۔ بڑا پلّوورائیار جو کاریگئی کلتور کا رہنے والا تھا، ترچی رمبلم اُڈئیان بیرومالمبی تھا جو راجا دوم کا معتمد جرنیل تھا۔ وہ راج راجا کے بعد بھی اتنے طویل عرصے تک زندہ رہا کہ راجہ کی بیوہ رانیوں اور کمسن بچّوں کی خدمت کر سکا۔ دوسرے پلّوورائیار نے جس کا نام پلئیانور وڈئیان ویدوتموڈئیان امئی یپّن عرف انن پلّوورائن تھا راجا دھیراج کی تخت نشینی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی شہرت حاصل کر لی۔ کیونکہ شہنشاہ کے دوسرے سالِ حکومت میں اُسے ترُوّوار وُر میں ایک عطیہ دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے[27]۔ بیرومالمبی کی وفات پر پلّوورائن ہی وہ شخص تھا جس نے یہ فیصلہ کیا کہ متوفی کی ملکیتی اراضیات کس طرح اس کے اقارب میں تقسیم کی جائیں[28]۔ اس نے راجا دھیراج کے تیرھویں سالِ حکومت میں ضلع شمالی ارکاٹ میں واقع ترُ والنگاڈو کے مندر کو تین چراغوں کا عطیہ دیا۔ ویدوتموڈئیان کرونا کر دیون عرف امرکون والئے پلئیانور جس نے ترِدولنجلی اور یتیشورم کے مندروں کو چراغوں کے عطیے دیے تھے[29]۔ غالباً اس انن پلّوورائن کا کوئی رشتہ دار تھا۔

ارکاٹ کے اضلاع میں اور دوسرے مقامات پر شنگیئی سرداروں اور کاڈرایا، راجاؤں کو بھی بڑی نمائندگی حاصل تھی۔ شنگینی امئی یپّن سمبھوورائن نامی ایک شخص نے کچھ مقامی ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی آمدنی ترُویلی وئم کے مندر کے نام کر دی

تھی ۔تاکہ یہ مندر میں پوجا ، نذر و نیاز اور مرمت وغیرہ کے اخراجات کی کفیل ہو سکے[29]۔ چونکہ مندر کے حوالے وہی ملکیت کر سکتا تھا جو اس کی اپنی ہو یا جسے دے ڈالنا اس کے اختیار میں ہو۔ لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ یا تو اس عطیے کا بڑا حصہ اس کی اپنی ملکیت تھا یا وہ مرکزی حکومت کا کوئی اہم افسر تھا۔ جس کے ہاتھوں میں وسیع اختیارات دے گئے ہوں گے۔ یہ سمھوورایا غالباً ایدریلی شولا تھا۔ جس کا ذکر کانچی پورم کے کتبے میں شنگینی امئی یپن شینن ، امئی یپن کے نام سے کیا گیا ہے[30] اور جس نے آرپاکم کا گاؤں 'ایک بھوگ ارایلی' کے طور پر امایتی دیو عرف نانا،، شوادیو کو اس کی شوجی کی پوجا کے صلے میں بخش دیا تھا جو اس نے لنکا کی افواج کے حملے سے تباہ کاری کا خطرہ تھا اسے ٹالنے کی غرض سے کی تھی[31]۔ اسی خاندان کے اور سرداروں کا بھی ذکر آیا ہے[32]

جاگیردارانہ نظام کی نشوونما

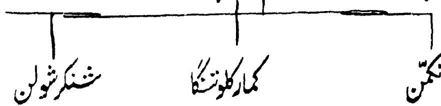
کلوتنگا اول کے زمانہ ہی سے جاگیرداروں کی تعداد میں جو مسلسل اضافہ ہوتا گیا اور مرکزی حکومت کی انتظامیہ نیز حکمت عملی پر ان کے اثرات کو جو رفتہ رفتہ فروغ ملا، وہ چولا تاریخ کا ایک بڑا قابل توجہ پہلو ہے۔ شہنشاہ کے ان ضرورت سے زیادہ طاقتور اطاعت گذاروں کی افزائش نے قدرتی طور پر ملک کی عام فلاح و بہبود پر اس کی حکومت کی گرفت کو کمزور کر دیا۔ اور اس کے بہت سے رقبے پر اس کا براہ راست اختیار نہیں رہ گیا بلکہ اس میں خود مختاریاں قائم ہو گئیں۔ جب تک گاؤں کی برادریاں اور دوسرے منتخب شدہ شہری اور دیہاتی جمہوری ادارے مقامی نظم و نسق کے لئے مرکزی حکومت کی واحد انتظامیہ مشینری رہے اس وقت تک مرکزی حکومت کی گرفت نہ صرف بحیثیت مجموعی نظم و نسق عامہ پر بلکہ اس طریقہ کار پر بھی مضبوط رہی جس کے مطابق متعدد با اختیار انجمنیں اپنا کاروبار چلاتی تھیں۔ البتہ یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ صاحب اختیار جاگیردار جو ہر چند کہ ابتداء میں راجہ کی مدد اور عنایت کے طفیل ابھرے تھے اور بعد میں مسلح افواج کے سربراہ بن گئے تھے۔ مرکزی حکومت کی مداخلت اتنی برداشت کر لیں گے جتنی کہ عوامی جمہوری ادارے اور برادریاں گوارہ کر لیتی تھیں۔ ایسے جاگیردار اکثر وسیع علاقوں کو اپنی ملکیت میں پاتے تھے جو کچھ تو انہیں انکی سابقہ خدمات کے صلے میں ملے تھے اور کچھ اس لئے کہ وہ بوقت ضرورت راجہ کی فوج

میں ایک آدھ ملین کا اضافہ کرنے کے اخراجات برداشت کرسکیں. ایسے سرداروں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے دو نتائج برآمد ہوئے پہلا یہ کہ مرکزی حکومت کا وقار گھٹ گیا۔ کیونکہ رفتہ رفتہ اس کا عملی دائرہ اختیار محدود ہوتا گیا جس نے انتظامیہ پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی. بعد کے چولا راجاؤں کے کتبات ہمیں شروع کے چولا حکمرانوں کا سا تاثر نہیں دیتے جن طاقتور مرکزی حکومت اپنی سلطنت کے مختلف حصّوں میں کم و بیش خود مختار اداروں پر گرفت رکھنے، ان کو صلاح دینے اور ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی تھی۔ بعد کے چولا حکمرانوں کے عہد میں عوامی جمہوری تنظیمیں زیادہ تر خود مختارانہ طور پر کام کرتی تھیں اور اگر انہیں کبھی باہر کے حکام سے کوئی واسطہ پڑتا تھا۔ تو وہ عموماً مقامی جاگیر ہی ہوتے تھے جو ان کے پڑوس میں طاقت پکڑ چکے ہوتے۔ مذہبی اور خیراتی کاموں کی خاطر بڑے عطیات اور مقامی محصولات و واجبات کی مستقل بخشش حاصل کرنے کے لئے بھی وہ بیشتر مقامی جاگیرداروں اور حاکموں کی طرف ہی دیکھتے تھے نہ کہ شہنشاہ کی طرف نئی صورتِ حال کا یہ نتیجہ ہوا کہ مقامی سرداروں نے شہنشاہ کے ساتھ اپنے لائحہ عمل کو منضبط کرنے کیلئے باہم سیاسی سمجھوتے کرنے شروع کر دئے بمعلوم ہوتا ہے کہ اس تبدیلی کو عمل میں لانے میں ان سمجھوتوں نے ایک نمایاں رول ادا کیا ہے جس کے تحت امراء اور جاگیرداروں کا یہ طبقہ جس نے کچھ چولا سلطنت کے ساتھ ساتھ عروج پایا تھا۔ رفتہ رفتہ موروثی نوعیت کے چھوٹے چھوٹے مقامی رجواڑوں کی شکل اختیار کر گیا. معرکے کی بات یہ ہے کہ ان معاہدوں پر پابند رہنے کے لئے ایسی ایسی ہولناک قسمیں کھائی جاتی تھیں. کہ ان کا ذکر یہاں مناسب نہیں ہے۔ ان معاہدوں میں سب سے پرانے معاہدے ضلع رام نڈ میں کلوتنگا اوّل کے عہد کے آخر اور وکرم چولا کے عہد کے آغاز میں نظر آتے ہیں. جیسا کہ شوپوری (ضلع رام نڈ) کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے[33]. کلوتنگا اوّل کے بیالیسویں[42] سالِ حکومت میں کنڈن منگلیون عرف تراپتی ویلان نے سندر تولن کنڈن عرف راجندر شولا توراپتی ویلان کے ساتھ اتحاد اور وفاداری کی ان الفاظ میں کھائی: " میں کنڈن منگلتیون عرف توراپتی ویلان قسم کھا کر اقرار کرتا ہوں کہ میں تمہاری زندگی، دولت اور آبرو کا وفادار رہوں گا۔ اور اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے اپنی ماں سے زنا کرنے کا پاپ لگے اور شراب پینے اور گائے کا گوشت کھانے والے کا پاپ لگے "۔ اس کے لگ بھگ دس سال بعد اُسی مقام پر ایک اور معاہدہ تحریر کیا[34]. جو راجندر شولن عرف نشادراجن

اور کنڈن سندر تولن عرف تورا پتی دیلان کے درمیان تھا جس کے تحت اوّل الزکر نے موخرالذکر کے ساتھ ایسے ہی الفاظ میں وفاداری کی سوگند کھائی تھی۔ اس طرح کی ایک اور مثال ضلع شمالی ارکاٹ میں ملتی ہے جو راجا دھیراج کے زمانہ کی ہے جس راجہ کے گیارہویں[35] کے ماڈم کے کتبے میں اسی طرح کے ایک معاہدے کا ذکر ہے جو تینگنی خاندان کے تین سرداروں کے درمیان ہوا تھا۔ آگے چل کر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کلوتنگا سوم کے عہد میں یہ رجحان زیادہ عام ہو گیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہاں ہم کو اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت مل جاتی ہے کہ حکومت کا خاتمہ اب نزدیک ہے سلطنت خود شہنشاہ کی آنکھوں کے سامنے باہم نبرد آرا چھوٹے چھوٹے رجواڑوں میں بٹ رہی ہے اور وہ اب تک اتنا طاقت ور نہیں رہا کہ اپنے اُن جاگیرداروں پر اپنا حکم چلا سکے جو اس کی وفاداری کا دم تو بھرتے تھے لیکن عام طور پر اپنی مرضی پر چلتے تھے اور وہی کرتے تھے جس میں ان کا فائدہ ہوتا تھا۔

کُلوتنگا سوم کی تخت نشینی

راجا دھیراج کے کتبات میں اس کا آخری سالِ حکومت جو ملتا ہے، وہ سولھواں برس ہے[36] لہٰذا اس کا عہد 1179ء یا 1182ء تک رہا۔ چنانچہ اس کے مطابق ہم کُلوتنگا سوم کے عہد کے آغاز کا سال 1163ء یا 1166ء شمار کرتے ہیں۔ کُلوتنگا کے کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی حکومت کا ۶ جولائی اور ۸ جولائی 1178ء کے درمیان ہوا[37] اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کلوتنگا سوم کو راجا دھیراج کی وفات سے پہلے ہی اگلا تاجدار تسلیم کر لیا گیا تھا۔ یہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ کلوتنگا راج راجا کے اُن کمسن بچّوں میں سے ایک نہیں ہو سکتا تھا[38] جن کی سلامتی کی خاطر پلوورائیار نے راج راجا کی موت کے وقت موثر اقدامات کئے تھے۔ اگر یہ قیاس درست ہے کہ کلوتنگا دراصل وہ کمار کلوتنگا ہے جس کا ذکر راجا دھیراج دوم کے کتبات میں کیا گیا ہے۔ تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اپنے پیش رو کی طرح براہِ راست چولا شہنشاہوں کی نسل سے نہیں تھا۔ کُلوتنگن کوودٹی[40] نامی تصنیف میں کمار کُلوتنگا کا شجرہ نسب اس طرح درج ہے۔



شہزادہ شنکر شولن پر لکھی گئی ایک "آلا" موجود ہے جس میں اس کے بڑے بھائی کا ذکر ذرا مختلف نام سے کیا گیا ہے یعنی کمار ہی دھرا۔ لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ چونکہ نہ تو "کوئی" اور نہ ہی "آلا" میں ایسے تاریخی واقعات درج ہیں جن کو کتبات میں کلوتنگا سوم سے وابستہ کیا جا سکے[41] لہٰذا ان کتابوں میں کمار کلوتنگا کو شہنشاہ کلوتنگا سوم سمجھنا ایک مشکوک بات ہے۔ فی الحال کوئی ایسا ذریعہ موجود نہیں ہے جس سے ہم چولا نسل کے ساتھ سنگم راجا کا کوئی رشتہ وثوق سے متعین کر سکیں۔

پرشستیاں

کلوتنگا عہدِ حکومت کے بے شمار کتبات ملتے ہیں اور ان کو سر کردہ پرشستی جو بیشتر کتبات میں دی ہوئی ہے۔ وہ "پیل وائتو (یا دائنگو) ولم بیرگا" سے شروع ہوتی ہے جو راج راجا دوم کے کتبات سے مستعار لی گئی ہے اور تنگا سوم کے عہد میں سب سے پہلے تیسرے برس کے ایک کتبے میں نظر آتی ہے[42]۔ اگرچہ پہلے پہل یہ پرشستی بالکل اسی انداز سے دہرائی گئی ہے جیسے کہ راج راجا کے عہد کے کتبات میں ملتی ہے اور مورخ کے لئے کوئی مواد فراہم نہیں کرتی۔ لیکن اس عہد کے نویں برس میں اس میں پانڈیا ریاست کے ساتھ کلوتنگا کی جنگ کا ذکر شامل کر دیا گیا ہے[43]۔ اور یہ تذکرہ اس پرشستی کے قریب قریب سبھی بعد کے ایڈیشنوں میں چند تبدیلیوں کے ساتھ دہرایا گیا ہے جن پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے اس عہد کی دوسری پرشستیوں پر بھی جو بہت کم استعمال کی گئی ہیں۔ جو زیادہ تاریخی اہمیت نہیں رکھتیں، ہم مختصر تبصرہ کریں گے۔ "ملر منو پولل ایلی لم" سے اور "پومیوی مرو ویا" سے شروع ہونے والی عبارت سب سے پہلے پانچویں سالِ حکومت کے کتبات میں دکھائی دیتی ہے[44]۔ ماگرل کے ایک کتبے میں جو گیارہویں سال کا ہے[45]۔ "پومیوی والر" سے شروع ہونے والی پرشستی شامل ہے جو کلوتنگا دوم کے زمانے میں مستعمل تھی۔ کلوتنگا دوم کے کتبات سے اس کا امتیاز کرنا آسان نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس میں شہنشاہ کا خطاب پرکسیری دیا گیا ہے۔ کلوتنگا سوم کے بعض "پومرو ویا تنشی مکتوں" کی پرشستی سے شروع ہوتے ہیں، جو پہلے پہل اس کے پانچویں سالِ حکومت میں نمودار ہوتی ہے اور جس کے صرف ابتدائی الفاظ سترھویں سال کے ایک کتبے میں شامل کئے گئے ہیں[46]۔

کلوتنگا کے کتبات سے پرستیوں کے علاوہ کچھ القاب و خطابات کا پتہ بھی چلتا ہے۔ جن سے اس کے کتبات کی شناخت اور اس کے عہد کی تاریخ کے مطالعے میں بہت مدد ملتی ہے۔ دوسرے سال حکومت کے ایک کتبے میں[47] اور چوتھے برس سے لے کر اس کے آگے مدورائی پانڈین مڈت تلائیم کونڈا روایا، کا جملہ اکثر بیشتر استعمال ہوا ہے[48] جس کا مطلب ہے جو مدورائی کو اور ریاستِ پانڈیا کے تاج پوش سر کو فتح کر کے شادماں ہوا۔ اس جملے کی مدد سے ہم موصوف راجہ اور اس کے پہلے کے ہم نام راجہ میں تمیز کر سکتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست پانڈیا پر فوج کشی جس کا مفصل حال سب سے پہلے ہمیں نویں سال کے کتبات میں ملتا ہے، اگر اس تاریخ سے کچھ عرصہ پہلے ختم نہیں ہوئی تھی تو کم از کم شروع ضرور اس سے چند سال بیشتر ہوئی ہوگی۔ مندرجہ بالا القاب میں وقتاً فوقتاً اضافہ کیا گیا ہے۔ دسویں سال حکومت میں اس میں "ایلم" (لنکا) کا لفظ شامل کر دیا گیا[49]، سولہویں سال اس میں کروؤ وز[50]۔ اور چوبیسویں سال میں کانچی پورم[51] بڑھا دیا گیا۔ جس شہر کا ذکر سب سے آخر میں گیا ہے۔ وہ بہت سے کتبات میں نہیں ملتا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا نے "وا ابھشیک" اور "ویرا ابھشیک" کی رسومات بھی ادا کی تھیں[52]۔

انتشار میں تاخیر

دراصل کلوتنگا سوم کا عہدِ حکومت انتشار کی ان قوتوں کے خلاف اس شہنشاہ کی نجی قابلیت کی فتح کی ایک روشن مثال ہے جن کی تعداد اور شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جب کلوتنگا تخت پر بیٹھا تو اس وقت تک پانڈیا ریاست کے معاملات کا تصفیہ نہیں ہوا تھا۔ اور ابھی وہاں کافی برد آزمائی کی ضرورت تھی۔ ہر چند کہ اپنے عہد حکومت کے بیشتر حصے میں کلوتنگا نے پانڈیا ریاست پر چولا اثر و اقتدار کو قائم رکھا۔ اس کے عہد کے اختتام تک یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ جنوبی ریاست خانہ جنگی کے اثرات سے سنبھل چکی تھی، اور وہ اب ایسے قابل اور بلند حوصلہ راجاؤں کے زیر حکومت تھی جو نہ صرف چولا طاقت کے طوقِ غلامی کا دعوے رکھتے تھے بلکہ اس کی بجائے وہ خود جارحانہ جنگ اور اپنے علاقے میں توسیع پر آمادہ تھے ہم آگے چل کر یہ دیکھیں گے کہ کلوتنگا اتنی طویل مدت تک زندہ رہا کہ خود پانڈیوں کے اس نومولود سامراج سے

اس کی حکومت کو جو پہلے پہل دھکا لگا، اس کو اس نے اپنی زندگی میں برداشت کیا۔ دوسرے مقامات پر بھی بہت سے جاگیردار جب بھی ان کو موقعہ ملتا۔ مرکز سے تعلق توڑ کر آزاد ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ ان میں سے نیلور کے سدھ، راسا جیسے کچھ خاندانوں نے پہلے ہی اپنی باغیانہ حرکات سے شہنشاہ کی پریشانی میں کچھ اضافہ کر رکھا تھا۔ جو اکثر مرکز کے خلاف ہی ہوا کرتی تھیں۔ کلوتنگا کی تمام طاقت ان سرداروں کی، جو ضرورت سے زیادہ قوت پکڑ گئے تھے مفسدہ پردازی کا سدّباب کرنے میں صرف ہو جاتی تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود کلوتنگا کے عہدِ حکومت چولا آرٹ اور فنِ تعمیر کی تاریخ میں آخری عظیم اور قابلِ یادگار دور تھا۔ لٹریچر کی بھی اس دور میں کافی قدردانی اور حوصلہ افزائی ہوئی۔ خود کلوتنگا کو بھی آخری عظیم چولا شہنشاہ شمار کرنا چاہیئے۔ اس کے کمزور جانشین کے وقت میں تو سلطنت ٹکڑے ہو گئی۔ اور اس کے حکمران کو اپنے ہی ایک جاگیردار کے ہاتھوں جس نے نئی پانڈیا طاقت سے سازباز کر رکھا تھا۔ بڑی ذلت اٹھانی پڑی۔ یہ ہونسالہ حکمران کی مداخلت ہی تھی جس نے چولا شہنشاہ کی خودمختاری کا بھرم قایم رکھا گو یہ اس کی حقیقت طاقت واختیار کو پھر سے زندہ نہ کر سکی۔

پانڈیا سے جنگ

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ کُل شیکھر نے، جن کی خاطر راجادھیراج دوم نے لنکا کے قوی حکمران پراکرم باہو اوّل اور اس کے زیرِ حمایت ویرپانڈیا سے دشمنی مول لی تھی۔ بالآخر لنکا کے حکمران سے صلح کر لی۔ اس کو اپنے چولا محسن کے خلاف غدّاری کی قیمت چکانی پڑی کہ آسے انن پلّے رائیار نے مدورا سے نکال باہر کیا اور اس کے حریف ویرپانڈیا کو تلاش کر کے مدورا کے تخت پر بحال کر دیا۔ پچندرم میں ویرپانڈیا کا جو واحد کتبہ ملا ہے[53] وہ "پومڈن" دائیم جے مڈم دائیم سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس میں راجہ کی تاج پوشی کے موقعہ پر مقامی مندر کو دیئے گئے، سات "ویلی" اراضی کے عطیئے کا اندراج ہے۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ عطیہ ویرپانڈیا نے اس وقت دیا جب اسے انن پلورائن نے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ نہ کہ اس سے پہلے ایک موقع پر جب لنکا کے سپہ سالاروں نے مدورا میں اسے عارضی طور پر قبضہ دلایا تھا۔ ویرپانڈیا کب تک تخت نشین رہا، اس کے متعلق صرف قیاس کیا جا سکتا ہے

بلن اس میں شک کوئی نہیں کہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ بھی لنکا کے حکمران کی چکنی چپڑی
توں میں آگیا اور اس کا طرفدار بن گیا۔ اصل بات یہ تھی کہ چولا شہنشاہیت کے خلاف
ذہبی طاقتوں وینادڑ، پانڈیا اور لنکا کا قدیمی روایتی اتحاد اسقدر مضبوط کہ اگر کسی نازک
قت پر کسی اور نے اُن میں سے کسی کی مدد کی تو اس کا کوئی اثر اس اتحاد پر نہیں پڑ سکتا
تھا۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ جب ویرپانڈیا کو مدورا سے نکال دیا گیا تو اس نے کولم میں
پناہ لی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا ہوگی کہ جب پرانتکا اوّل نے جنوب میں چولا عملداری کی
وسیع کی تھی تو راج سمہا کو لنکا اور کیرلا ہی کی ہمدردی اور مدد حاصل ہوئی تھی گذشتہ
صفحات میں بیان کئے گئے حالات سے یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ کلوتنگا سوم کی تخت
نشینی تک جو طویل مدت گذری تھی، اس میں ان طاقتوں کے آپس میں اور چولا حکمرانوں
کے ساتھ جو تعلق تھے۔ ان مین کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس لئے کل شیکھر اور ویرپانڈیا کو ایک
دوسرے کے خلاف چولوں کی امداد کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ لیکن ان کا جب
یہ مطلب نکل چکتا تو وہ چولوں کے ساتھ اپنی دوستی برقرار نہ رکھ سکتے اور ان کا وہی سیاسی
رجحان ہو جاتا جو پانڈیا ریاست کے حکمرانوں کا عام طور سے معمول تھا۔

کلوتنگا سوم کے کتبات

کلوتنگا کے کتبات میں، جو سب کے سب "پویل وائیتو ولم بیرگا"، سے شروع ہوتے
ہیں۔ بیان کئے گئے جنگ کے اگلے مراحل کو ہم اختصار سے بیان کریں گے راجہ کے
نویں سال کے اٹھائیسویں[88] دن کندہ کئے گئے چدمبرم کے ایک کتبے میں[54] راجہ کی تخت نشینی
کی رقم کا حال درج کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جب وکرم پانڈیا نے چولا تاجدار سے مدد
مانگی تو اس نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کے بعد جو لڑائی ہوئی اس میں ویرپانڈ کا بیٹا
مارا گیا[55] ایلگم کو فتح کر لیا گیا اور مڑوا (مڑپاڈی) فوج کی شکست ہوئی۔ شنگلا سپاہیوں
کی ناک کاٹ کر اُن کو سمندر میں دھکیل دیا گیا۔[56] ویرپانڈیا پر حملہ کیا گیا اور اُسے واپس
جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ مدورا شہر اور اس کا تخت اُس سے چھین لیا گیا اور کرم پانڈیا کے
حوالے کر دیا گیا جس نے فاتح کی مدد طلب کی تھی۔ فتح کا ایک مینار بھی تعمیر کیا گیا۔
راجہ کے گیارھویں سال حکومت کے ایک سو اٹھارویں دن کے کندہ شدہ ایک اور

کتبہ میں بھی جو چدمبرم ہی سے ملا ہے، درج ہے[57] کہ

"ایک واحد پٹھی کی مدد سے کلوتنگا نے ویرپانڈیا کے بیٹے کی، اس کے گرفتار کئے جانے سے پہلے ناک کٹوا دی۔ اس نے کودل کا عظیم شہر وکرم پانڈیا کو بخش دیا۔ اور خود واپس آ گیا۔ اس کے بعد اس نے ویریا کا سر کاٹ دیا جو سابقہ شکست کی ذلت مٹانے کے لئے دوبارہ حملہ آور ہوا تھا۔ اس جنگ کے خاتمے پر کلوتنگا نے ایک فتح کا مینار تعمیر کروایا۔"

اب اس کتبے میں جو واقعات درج ہیں ان کو ترُ کا ڈائیو رسے دستیاب شدہ[58] پندرھویں اور سولھویں سالِ حکومت کے دو کتبات میں ایسے ہی الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔ البتہ ان میں حسب ذیل اضافہ کیا گیا ہے

" لڑائی کے خاتمے پر کلوتنگا نے اس کی (ویرپانڈیا کی) بہترین مستورات (عورتیں) اپنے دیلیم[59] (زنان خانہ) میں داخل کرلیں۔ اس نے تینن (پانڈیا) کے تاجوں کو پامال کیا جو خود اپنے اقارب کے ہمراہ مغربی کولم میں چلا گیا۔ کیونکہ اسے اور کوئی جائے پناہ نہیں مل سکی۔ قوی چیرا حکمران کے تاج کو بھی کلوتنگا نے جب اس کی پابوسی چیرا حکمران نے کی، پامال کیا۔ اس لئے تینن ون (پانڈیا) کو شین تامل (مدورا) کی حکومت اور تاج عطا کیا۔ اس نے عبقری انسانوں والے کپڑے پاؤں میں پہن کر شجاعت اور فیاضی کے جھنڈے گاڑ دئے۔ وہ خود اس تقریب میں شامل ہوا، جس میں کیکیا راجہ نے اپنے بیٹے کا نام اس کے نام پر رکھا۔ کلوتنگا نے اسے بہت سے خلعت دئے۔ اس نے مینوا (پانڈیا) ویر کیرلا کو میدان جنگ میں پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا۔ اور اس کی انگلی کاٹ دی۔ لیکن اس نے جب اطاعت قبول کرلی تو اسے ایسی ریاست عطا کر دی جو راجاؤں کو بھی شاذ و نادر نصیب ہوتی ہے اور اسے اپنے عطا کردہ برتنوں میں اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔[60]

ترُووڈی مرودور کے ایک کتبے میں جو سولھویں ہی سال کا ہے[61]۔ بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا کے سپاہیوں نے مندرجہ ذیل حکم پاکر ہر جگہ پہرہ لگا دیا: "جنوب میں" ایلم (لنکا) کو فتح کر دو تاکہ "تینور" (جنوبی حکمران — پانڈیا، کیرلا اور شنگلا؟) آئیں اور سجدہ بجالائیں شنگلون کا سر قلم کر دیا جائے۔ موجزن سمندر کو پاٹ دو تاکہ ایک سنگ بست راستہ بن جائے اس کے علاوہ انیسویں سالِ حکومت کا شری رنگم کا ایک کتبہ ہے[62] جس میں تقریباً وہی الفاظ، جو گیارہویں سال کے چدمبرم کے کتبے ہیں۔ دوہرائے گئے ہیں اور یہ بھی

بتایا گیا ہے کہ ویر پانڈیا نے کلوتنگا سے مقابلہ کرنے کی دوسری کوشش نیٹوڑ میں کی۔ اور اس لڑائی کے خاتمے پر اس نے پانڈیا حکمران کی نوجوان مہارانی مڈکوڈی کو اپنے ویلم (حرم) میں داخل کر لیا۔ اس کے آگے لکھا ہے۔

"جب تینون پانڈیا۔ جو اپنی دولت اور سلطنت کو کھو چکا تھا اور شیرلن (چیرا) نے اگر چولا شہنشاہ کے قدموں پر سر جھکایا اور اس کے تخت کے پایوں کے پاس بیٹھ گئے تھے ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس پانڈیا راج کمار کو دئے گئے کثیر خزانے خلعتوں اور جڑاؤ برتنوں کے تحائف کا بھی ذکر ہے، جس نے سورج" ونشی خاندان کے مکھیا"، کا نام اختیار کیا تھا۔ تر ووڈ یور سے[65] ہمیں انیسویں[19] سال حکومت کا ایک [illegible] ملا ہے۔ جس میں بہت سی دروغ آمیز تاریخ نگاری کے درمیان یہ درج ہے کہ کلوتنگا نے تینون اور وکلن کے سر کاٹ دئے۔ بلاشبہ ان بیانات پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔ اور ان کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ ترومانی کلی سے ملے ہوئے اکیسویں[21] سال کے کتبے میں بھی[66] وہی لکھا ہے جو انیسویں[19] سال کے شری رنگم کے کتبے میں ہے۔ سوائے اس کے کہ اس میں پانڈیا کو دئے گئے زمین اور تاج کے عطئے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور چیرا کو عطئے میں دی گئی دولت کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے۔ پہلے کتبے میں یہ بتایا گیا تھا کہ ان دونوں کو عطیات اسی وقت دئے گئے تھے جب وہ کلوتنگا کے تخت کے پایوں کے پاس بیٹھے تھے اور اس نے اپنا پاؤں پانڈیا کے تاج پر رکھ دیا تھا۔ اس کتبے کے آخر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کلوتنگا نے لنکا کے حکمران ایلتان کے تاج کو اپنے پاؤں سے چھو کر اس کو عزت بخشی تھی تاکہ وہ پھلے پھولے"۔

آخر میں ہمارے پاس پڈوکوٹاہ کی ریاست سے دستیاب شدہ دو کتبے[67] ایسے موجود ہیں جن کی پرشستی آپ اپنی نظیر ہے جو کلوتنگا کے کسی اور کتبے میں نہیں ملتی، ان کتبوں میں سے ایک کی تاریخ تحریر مٹ چکی ہے۔ دوسرے پر چونتیسویں[34] سال کی تاریخ درج ہے۔ اس پرشستی میں کلوتنگا کی ریاست کی پانڈیا کی مہم کے دو مراحل کا ذکر ایسے انداز میں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کتبات میں اس مہم کے جو واقعات درج ہیں۔ اور جن کا اب تک بیان کیا جا چکا ہے۔ وہ ہمیں اس قصے کے آخر تک نہیں لے جاتے بلکہ کچھ برس بعد ایک اور مہم بھی بھیجی گئی تھی۔ گو ہم اس پرشستی میں جو واقعات درج ہیں۔ ان پر مفصل بحث آگے چل کر کسی اور مقام پر کریں گے کیونکہ

ان کا ریاست پانڈیا کے حالات پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ پھر بھی یہاں پوری پرشستی کی تشریح کردینا افادیت سے خالی نہیں ہوگا۔ یہ پرشستی بھی حسب دستور راجہ کی تاجپوشی کے برکت بھرے اشراف کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس میں چند مبرم کے مندر کے کچھ حصّوں پر سونا چڑھانے اور ان مندروں میں کچھ تیوہار رائج کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد شمالی ہند کی ایک جنگی مہم کا حال بیان کیا گیا ہے جس کا انجام کانچی کی از سرِ نو تسخیر تھا[68] اسکے بعد کیا ہوا؟ وڈگو کو زیر کرکے وینگی منڈلم کو چولا سلطنت میں شامل کرلیا گیا۔ تحائف کی شکل میں سونے کی بارش ہوئی اور چولا افواج ازنگئی میں داخل ہوگئیں۔ یہ سب واقعات اسی مہم کے ہیں۔ جو دوسرے کتبات میں نہیں ملتے۔ اس کے بعد ریاست پانڈیا کی جنگ کی کہانی شروع ہوتی ہے جو لگ بھگ انہی الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ جو شری رنگم کے کتبے میں دئے ہوئے ہیں[69]۔ آگے یہ بتایا گیا ہے کہ گلوتنگا نے ایلم (لنکا) کو تسخیر کرلیا۔ کونگوں کے خلاف خونریز جنگ چھیڑدی اور کروؤر میں داخل ہوکر "فتح کا عظیم تاج" جیت لیا۔ اب اس نے شولا کیرلا کا لقب اختیار کیا اور "ویرمڈی" یعنی شجاعت کا تاج پہننے کا قصد کرکے روانہ ہوا اس نے ملایا[70] کے جنگجو لشکر کا مقابلہ کیا۔ میٹور اور رکلی کوٹئی کا محاصرہ کرنے کے بعد پانڈیا فوج کے کچھ افراد کی ناک کٹوا کر ان کے چہرہ مسخ کردئے اور "مڑپ پڈئی" نیز "ایلگپ پڈئی" کو گرفتار کرلیا۔ اس کے بعد اس کے فوجی دستوں نے مدورا شہر کو گھیر لیا اور پانڈیا تاجپوشی کے "منڈپ" کو مسمار کردیا اور وہاں گدھوں سے ہل چلوا دئے۔ اور اس میں "کوڈی" بودی اس نے چولا پانڈین کا لقب اختیار کرکے "تاجِ شجاعت" پہنا۔ پھر اس نے بہادروں کے کڑے پاؤں میں پہن کر "تربھون ویر" کا لقب اختیار کیا۔ اور شجاعت کا علم بلند کرکے شہر سے ایک فاتحانہ جلوس کی سربراہی کرتا ہوا گذرا۔ آخر میں اس نے مدورا کے دیوتا کی پوجا کی؟ اور اسے بہت سے جواہرات کی نذر دی۔ پھر اس نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ کے لئے پانڈی منڈلم کا نام چولا پانڈی منڈلم اور مدورا کا نام مُڈت تلئی کونڈ شولا پورم" ہوگا۔ اس کے بعد جس منڈپ میں وہ مقیم تھا۔ اُس "برچیرا اور پانڈیا ریاستوں کا والی" (چیرا پانڈین تمبران) کے الفاظ تحریر کروائے۔ اس نے پانڈین کا نام بدل دیا۔ اور اُس بھاٹ (پانن) کو پانڈیا کا خطاب عطا کیا جس نے اس کی بہادری کے گیت گائے تھے۔ اور جس کی بدولت اُس نے تینوں (پانڈیا) کو شکست دے کر مدورا کو تسخیر کیا تھا۔ تب اُس نے مدورا کے

دیوتا کے جلوس کے لئے اپنے نام پر ایک سڑک تعمیر کروائی۔ دیوتا کا ایک نیا تیوہار شروع کیا۔ اور اس نئی سڑک سے دیوتا کا جلوس گذرنے تک اس کی پوجا کرنے کے لئے وہیں قیام کیا۔ پھر اس نے مدّورا کے مندر پر سونا چڑھوا دیا تاکہ یہ سونے کا پہاڑ معلوم ہو۔ اور جو سونا چیرا یا پانڈیا ریاستوں سے وصول ہوا تھا، اس کو اور "ارائیلی" (اراضی) کے خراج کو چدمبرم ترُووارُور اور ترِبھوونم کے مندروں میں تقسیم کر دیا۔ اس نے ہر طرف فتح کے مینار تعمیر کروائے جن پر اُس کی شجاعت کی تعریف کی گئی تھی۔[72] لیکن بالآخر اس نے پانڈیا راجہ کو اس کی سلطنت مع اُس کے جملے شاہی لوازم کے واپس کر دی۔ اور اُسے اپنی دوستی کا یقین دلایا۔

تین جنگی مہمات

ان کتبات سے پانڈیا ریاست سے کلوتنگا کی تینوں جنگیں تین مختلف مہمات پر مشتمل دکھائی دیتی ہیں۔ سب سے پہلی مہم وکرم پانڈیا کی درخواست پر شروع ہوئی اور اس کے نتیجے میں ویر پانڈیا کو تخت و تاج سے معزول کر کے وکرم کو مدورا کے تخت پر بٹھایا گیا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ کچھ اہم امور کے متعلق کتبات بالکل خاموش ہیں۔ مثلاً ویر پانڈیا سے شہنشاہ کلوتنگا کیونکر خفا ہو گیا اور اس سوال پر غور کر کے ایک جواب تجویز کیا گیا ہے لیکن جب تک کسی براہِ راست شہادت سے اس کی توثیق نہ ہو جائے۔ اسے محض عارضی جواب سمجھنا چاہیئے۔ پھر یہ سوالات اٹھتے ہیں۔ کہ مدورا سے نکال دئے جانے کے بعد کل شیکھر کا کیا حشر ہوا؟ وکرم پانڈیا کا اس سے کیا رشتہ تھا؟ وہ حالات کیا تھے جن کے تحت وکرم پانڈیا نے اپنی مدد کی خاطر کلوتنگا کو یہ ترغیب دی کہ وُہ ویر (پانڈیا) پر فوج کشی کرے۔ کسی براہِ راست شہادت کی عدم موجودگی میں ہم محض ظن و تخمین سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا اغلب ہے اور کیا ممکن۔ مثلاً یہ کہ جب یہ جنگ شروع ہوئی کُل شیکھر کا انتقال ہو چکا تھا یا وکرم پانڈیا اگر اس کا بیٹا نہیں تھا تو پانڈیا تخت کی جانشینی کا استحاق رکھنے والا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار تھا۔ یا یہ کہ اُس کو جو مواقع چولا حکمران کے دشمنوں کے ساتھ ویر پانڈیا کے ساز باز کرنے سے ملے اُن کا اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ یہ مہم کلوتنگا کے نویں سالِ حکومت کے آغاز (جو ۱۱۸۴ء) سے پہلے تفصیل سے بیان نہیں کی گئی ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ ۱۱۸۲ء سے پیش آئی ہو۔ کیونکہ اسی وقت سے اس کے کتبات میں

"مدوراراٹین پانڈین مڈی تلائیم کونڈرلیا" کا لقب باقاعدگی سے دکھائی دینے لگتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو یہ جنگ لنکا کے حکمران پراکرم باہو اوّل کے آخری عہد میں لڑی گئی ہوگی۔ اور "شنگلا سپاہی" جو ویرپانڈیا کی رفاقت میں لڑے اور تباہ ہوئے یقیناً اسی راجہ کے بھجوائے ہوئے فوجی ہونگے ویرپانڈیا کے بیٹے یا بیٹیوں کا کیا حشر ہوا اس کے متعلق چونکہ تمام تذکرے باہم دگر مختلف ہیں اس لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دراصل اُن پر کیا بیتی۔

جب چولا فوج مدورا کے تخت پر وکرم پانڈیا کو فائز کرکے واپس چلی گئیں تو ویرپانڈیا نے اپنی دولت کی بازیابی کے لئے ایک اور کوشش کی۔ اس کا نتیجہ دوسری جنگ کی شکل میں ظاہر ہوا جس میں ویرپانڈیا کی کوشش کو نیٹوُر کے میدانِ جنگ میں کچل کر رکھ دیا گیا۔ یہ جنگ یقیناً ۱۱۸۹ء سے قبل لڑی گئی ہوگی۔ کیونکہ اسی سن کے کتبات میں سب سے پہلے اس کا مختصر ذکر ملتا ہے گو نام لے کر اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بعد کے کتبات میں مزید تفصیلات کے اضافے کے ساتھ اس تذکرے میں کافی مبالغہ آمیزی بھی کی گئی ہے۔ تنازعے کے اس حصّے کا نمایاں پہلو ویرپانڈیا کے ساتھ کیرلا کے حکمران کا تعاون ہے۔ نیٹوُر میں شکست کھانے کے بعد ظاہر ہے کہ ویرپانڈیا نے قیلان (کولم) میں ریاست کیرلا کے حکمران ویناد کے یہاں پناہ لی۔ لیکن مو خرالذکر اپنے خطرناک مہمان کو زیادہ دیر تک پناہ نہیں دینا چاہتا تھا لہٰذا ان دونوں نے ارادہ کرلیا کہ اپنے آپ کو کلوتنگا کے حوالے کردیں اور اس طرح مزید لڑائی ختم کردی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر ویرپانڈیا کے ساتھ توقع سے بہتر سلوک کیا گیا اس سے زیادہ توقع رکھنے کا اُسے حق بھی نہیں تھا۔ اسے کلوتنگا کے کھلے دربار میں ذلت اٹھانی پڑی تھی اور وہ اپنی سلطنت مع شاہی لوازم کے گنوا بیٹھا تھا۔ یہاں تک کہ اسے حرم یعنی مستورات سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ لیکن اس کی جان بخش دی گئی اور غالباً اسے کچھ اراضی اور اس کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق کچھ اور اقسام کی املاک اس کو واپس مل گئی[74]

ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے ہم یہ معلوم کرسکیں کہ وہ کیکیئا راجہ کون تھا۔ جس نے اپنے بیٹے کا نام شہنشاہ کلوتنگا کے نام پر رکھا تھا۔ پانڈیا ویر کیرلا کون تھا۔ اور نُورج (ونشی) کُل کا مکھیا" کون تھا؟ پھر ہم اس بات کو آسانی سے صحیح تسلیم نہیں کرسکتے کہ کلوتنگا نے لنکا کے حکمران کے تاج پر پاؤں رکھ دیا تھا، ہرچند کہ ترِوُ مانگلی کے کتبے میں ایسا تحریر ہے۔ دوسری جنگ کی تاریخ کے متعلق ہم اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ۱۱۸۹ء سے پہلے ہی

لڑی جا چکی تھی۔ یہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جنگ لنکا کے حکمران پراکرم باہو اوّل کی زندگی میں ختم ہو گئی تھی جو ۱۱۸۶ء تک زندہ رہا تھا یا نشنک ملّا کے عہد تک جاری رہی۔ اس عہد کو پراکرم باہو کے عہد سے جدا کرنے والا ایک درمیانی مختصر عہد ونِدر اشتم کا عہد تھا تاہم اس بات پر توجہ دینی ہو گی کہ کلوتنگا کے تسخیر کردہ ممالک میں ایلم سب سے پہلے اس کے دسویں سالِ حکومت (یعنی ۱۱۸۸ء) کے کتبات میں دکھائی دیتا ہے[74] اور نشنک ملّا اپنے بے شمار کتبات میں یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ اس نے پانڈیا ریاست میں تین بار کامیاب جنگی مہمات کی سربراہی کی اور رامیشورم میں ایک مندر کی مرمّت بھی کی[75]۔ اس آخری دعوے کی تصدیق رامیشورم میں موجود ایک سنہالی کتبے سے ہوتی ہے جو ایک بڑے پتھر پر کندہ ہے اس کتبے کے مطابق اس پتھر پر وہ نشست تھی جس پر بیٹھ کر نشنک ملّا ناٹک دیکھتا اور موسیقی سنتا تھا۔ کتبے میں یہ بھی درج ہے کہ اس راجہ نے مندر کی مرمّت پر کافی روپیہ صرف کیا اور یہ مندر بعد میں "نشنک علیشورا" کہلانے لگا۔ لیکن پانڈیا ریاست میں لنکا کے حکمران کی یہ جنگی مہمات اتنی کامیاب اور شاندار نہیں تھیں جتنی کہ ان کتبات میں بیان کی گئی ہیں اور شاید یہی وجہ تھی جس سے یہ کتبات اس موضوع پر خاموش ہیں[76]۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں پانڈیا ریاست میں کلوتنگا کی تیسری جنگی مہم پڈوکوٹاہ کے کتبے میں بیان کی گئی ہے جو اس شہنشاہ کے چونتیسویں سالِ حکومت کا ہے۔ اس کتبے میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کروُوُور میں ایک "وجے ابھشک" یعنی جشنِ فتح منانے کے بعد ہی کلوتنگا ریاست مدورائی کے خلاف ایک جنگی مہم لے کر روانہ ہوا تاکہ شجاعت کا تاج زیبِ سر کر سکے (یعنی ویرا ابھشیک) اور "ویرا ابھشیک" کی تقریبات کا ذکر سب سے پہلے انیسویں سال کے کتبات میں آیا ہے۔ تو یہ غلط نہ ہو گا کہ ہم اس مہم کی تاریخ ۱۲۰۵ء کے آس پاس متعین کریں اگر یہ صحیح ہے تو یہ مہم جٹاورمن کل شیکھرا کے خلاف بھیجی گئی ہو گی جو ۱۱۹۰ء میں تخت نشین ہوا تھا اور جو پانڈیا راجاؤں کے زمانہ عُروج کے اس دور کا پہلا عظیم حکمران تھا جو ریاست پانڈیا کی خانہ جنگی کے فوراً بعد شروع ہوا تھا۔ اس خانہ جنگی میں چولا شہنشاہوں راجادھیراج دوم اور کلوتنگا سوم نے تخت کے مختلف دعویداروں میں سے کسی نہ کسی کی حمایت کی تھی۔ غالباً کل شیکھر، وکرم پانڈیا کا بیٹا اور جانشین تھا جس کی کلوتنگا نے مدد کی تھی۔ اس کے کتبات مدورا، رام ناڈ اور تنّے ویلی کے اضلاع میں ملتے ہیں[77]۔

اُن میں شاندار اور طویل پرشستیاں شامل ہیں۔ ان میں سے ایک میں یہ متکبرانہ دعوٰے کیا ہے کہ پانڈیا کی (شاہی علامت) مچھلی کے سامنے چولوں کا خونخوار شیر اور چیروں کی کماں (دہشت کے مارے) روپوش ہو گئے۔ کرو ڈور میں "دبجے" "ابھشیک" منعقد کرنے کے بعد" ویرابھشیک منانے کا کلوتنگا کا دعوٰے اور اس کی آرزو ہی وہ واحد اشارے ہیں جو کل شیکھر اور کلوتنگا سوم کے مابین جنگ کی وجوہ کی کچھ نشان دہی کر سکتے ہیں۔ کل شیکھر کے کتبات میں تو جنگ کا یا اس کے کسی واقعے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ہم کلوتنگا کے کتبات پر حرف بحرف یقین نہ کریں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ کل شیکھر کو اپنی نافرمانی کا بہت بھاری تاوان دینا پڑا گو جنگ کا خاتمہ پانڈیا ریاست کے تخت پر کل شیکھر کی بحالی سے ہوا، پھر بھی کلوتنگا کی کامیابی مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ کتبات کا یہ بیان کہ پانڈیا ریاست کے سابق حکمران اور اس کے اقارب نے جنگلوں میں جا کر پناہ لی [78] لفاظی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ البتہ کلوتنگا کا میلوڑ اور کلی کوٹئی کے شہروں کا جن کی ابھی تک صحیح شناخت نہیں ہو سکی ہے، محاصرہ کرنا، مڑوا سرداروں کی فوج کو شکست دینا اور پانڈیوں کے تاجپوشی کے منڈپ کو مسمار کرنے کی وحشیانہ حرکت صحیح تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ کلوتنگا کا یہ سنگدلانہ اقدام ظاہر کرتا ہے کہ اس کو یہ احساس ہو گیا تھا۔ کہ اس کی حیثیت جوں جوں کمزور ہو رہی ہے۔ اور پانڈیوں کی طاقت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور غالباً یہی واقعات اس انتقامیہ کاروائی کا سبب تھے جو کچھ عرصہ بعد ماڑورمن سندرپانڈیا نے پہل کر کے کی۔ یقیناً اس نے اور اس کے بھائی نے کلوتنگا کے حملے کے وقت مصیبت اٹھائی ہوگی۔ اسی لئے کچھ عرصے بعد اس نے جارح بن کر چولا ریاست میں قتل اور آتش زنی کا بازار گرم کر دیا۔ اور اُرتلّی عرف مڈی گونڈ شولا پورم میں چولوں کے ایوان تاجپوشی میں اپنا "ویرابھشیک" منعقد کیا [79]

شمال کی لڑائیاں

کلوتنگا نے جو شمال میں جو لڑائیاں چھیڑیں اُن کا تذکرہ پہلی مرتبہ انیسویں[19] سال حکومت کے شری رنگم کے کتبے میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اس نے لاثانی ہاتھی روانہ کئے۔ شجاعت کے کارنامے کر دکھائے، شمال کے راجاؤں کے سر زمین تک جھکا دئے۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا، تو وہ کانچی میں داخل ہوا ... ردہار

کے سبھی راجاؤں سے خراج وصول کیا۔

پڈوکوتاہ کے کتبات میں جو اس واقعہ سے دس سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد کندہ کئے گئے، مزید بتایا گیا ہے کہ۔

"وڈوگو (تیلگو) لوگوں کو جو جنگ کرنے میں بڑے خونخوار تھے زیر کرکے اور اس طرح وینگی منڈلم کو اپنے زیرِ نگیں لاکر اُس نے سونے کی بارش کی۔ اور اڑنگئی کے سنہری شہر میں داخل ہوا۔"

سیاسی حالات

چولا سلطنت کے باہر جو سیاسی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں اُن کا مختصر حال جانے بغیر کلوتنگا کے کتبات میں جو واقعات درج ہیں۔ اُن کو اچھی طرح سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ راج راجا دوم کی زندگی کے آخری دنوں میں ویلنا نڈو راجاؤں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنی خود مختاری کا دعوٰے کرنے اور اسے برقرار رکھنے کا مقدور رکھتے ہیں اور اس مقصد کے لئے اب وہ اپنے چالوکیہ چولا آقاؤں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شمال میں کتیا خاندان کی طاقت ابھر رہی تھی۔ ادھر مغرب میں چالوکیہ راجاؤں کی طاقت جو کتیا پرولا سے شکست کھا چکے تھے۔ اب اس وجہ سے بجلاّ نے ان کا علاقہ ہڑپ کر لیا تھا، کمزور ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی چالوکیہ سلطنت کمزور پڑ گئی اور ہوئسالوں کو خود مختار بن جانے کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ انھیں دنوں میں تیلگو چولا راجگان اور ویلنا نڈو حکمران جو اس وقت تک چالوکیوں کے ماتحت رہے تھے یا اُن سے ڈرتے رہتے تھے۔ اور اسی وجہ سے چولوں سے بطور ماتحت اتحاد قایم رکھے ہوئے تھے، اب زیادہ آزادی سے سانس لینے لگے اور جلد ہی انہوں نے اپنے علاقے کی توسیع کے منصوبے بنانے شروع کردئے۔ یہ عجیب بات ہے کہ نیلور اور سرکاروں میں راجادھیراج دوم کے بہت کتبے ملے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گونکا دوم نے اپنے عہد حکومت کے آخر میں شاید اور اس کے بیٹے راجندر چوڈا نے تو یقیناً ایک خود مختار حکمراں کے القاب اور شاہی لوازم اختیار کر لئے تھے۔[9] واقعہ یہ ہے کہ راج راجا کے عہد حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہم تیلگو تاریخ کے ایک ایسے دور میں پہونچ جاتے ہیں جب چولا طاقت سمٹ چکی تھی اور کاکتیا طاقت نے ابھی اپنا صحیح مقام حاصل

ہیں کیا تھا۔ یعنی ایک ایسی پشت گذر چکی تھی جس میں ملک بہت سے معمولی اور چھوٹے
خاندانوں میں بٹ گیا تھا مثلاً گوتا چاگی کونا وغیرہ جو کسی مرکزی طاقت کو تسلیم نہیں کرتے
تھے۔ دور دکھن میں انہیں دنوں نیلور۔ کڈاپہ، چتور، شمالی ارکاٹ اور چنگل پٹ کے اضلاع
میں تیلگو چوڈا طاقت ابھری اور ان کے راجاؤں نے چولوں سے کانچی پورم کا شہر چھین
لیا۔ بعد میں ان سے ہی کلوتنگا سوم نے یہ شہر واپس لے لیا۔

تیلگو چوڈا راجگان

اس عہد کے تیلگو چوڈا راجاؤں کی تاریخ ہمیں تاریخ نگاری اور شجرہ نویسی کے کچھ
دشوار مسائل سے دوچار کردیتی ہے اور ہر چند کہ کتبات اور تصانیف کی شکل میں اُن
کی طاقت اور اہمیت کی شہادتوں کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن راجاؤں کے اس گروہ پر
مشتمل خاندانوں کی مسلسل تاریخ مرتب کرنے کی کوششیں محض ایک محدود دائرے میں
کامیاب ہوئی ہیں[81] یہ تمام راجگان خود کو چوڈ کہتے تھے۔ اور ان کی عملداری تیلگو خطے کے
اچھے خاصے حصے میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اپنے کو کریکال کی اولاد بتاتے تھے اور سورج ونشی
نسل اور کشیپ گوتر سے ہونے کا دعوٰے کرتے تھے۔ کلوتنگا اوّل اور اس کے جانشینوں
کے ماتحت جاگیرداروں کی حیثیت سے ان خاندانوں کی تیلگو خطے کے مختلف حصوں
میں موجودگی کی تصدیق ہر عہد کے کتبات سے ہوتی ہے۔ اب یہاں ہمیں تیلگو چوڈا
خاندان کی نیلور شاخ اور کلوتنگا سوم کے باہمی مراسم کا پتہ چلانا ہے تاکہ اس بات کی
وضاحت ہو سکے کہ کلوتنگا کو کانچی پورم کی بازیابی کی ضرورت کیوں پڑی۔

اس خاندان کا شجرہ نسب دو مبہم شخصیتوں سے شروع ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک
مدھرانتکا پوتپی چولا تھا۔ اس کا یہ نام اس لئے پڑا تھا کہ اس نے مدورا کو فتح کیا تھا۔
اور پوتپی کی بنیاد رکھی تھی جسے ضلع کڈاپہ کے پلم پیٹ تعلقہ میں اسی نام کا ایک گاؤں
شناخت کیا گیا ہے[82] دوسرا راجہ تلگو وِدیا تھا جس کا نام نامل چولا کتبات وچنیادرج
ہے) اس شخص نے ضلع بلاری کے تعلقہ کدلگی میں واقع اُجنی یعنی موجودہ اجاپوری میں
ایک فتح کا مینار تعمیر کروایا تھا جس کی چوٹی پر گرڑ (وشنو دیوتا کی سواری) کی شکل بنوائی
تھی۔ اس خاندان کا تاریخی حصہ راجا بنتیا سے شروع ہوتا ہے جو وکرم چولا کا جاگیردار[83]

تھا. بیتا کا بیٹا ایرسدھی تھا جس کے تین بیٹے تھے نل سدھا عرف منما سدھا[84] بیتا اور تموسدھا تموسدھا کے کچھ کتبات میں بتایا گیا ہے[85] کہ بیتا صغیر حکومت کرنے کی خواہش نہیں رکھتا تھا. لہٰذا منما سدھا کی وفات کے بعد وہ اپنے چھوٹے بھائی کے تموسدھا کے حق دستبردار ہوگیا جس نے شاکا سمت[1127] میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے[86] نیلور کے مقام پر اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کی. دوسری جانب کاولی سے دستیاب ہونے والے شاکا سمت[1129] کے ایک کتبے میں[87] چھوٹے بھائی بیتا کے ذکر کو حذف کردیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب نل سدھا[88] اپنی ریاست کا تاجدار (ابھشیک) تھا تو اُس کا چھوٹا بھائی تموستھا ریاست کی حکومت کو اسی کی برکت اور دعا سے چلا رہا تھا." نت کٹاکش دیورا جیم کروتی" اس لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ تموسدھا نے منما کے انتقال کے بعد تنہا حکومت کی یا اس کی شراکت میں. کُلوتنگا سوم کے ان کتباب پر جن میں اس نسل کے راجاؤں کا ذکر آیا ہے؛ نظرثانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کاولی کا کتبہ سچائی کے زیادہ قریب ہے اس کتبے سے کُلوتنگا کے عہدِ حکومت کے مختلف ادوار میں ان راجاؤں اور کُلوتنگا کے باہمی تعلقات بھی بخوبی واضح ہو جاتے ہیں[89]

کُلوتنگا سوم کے ساتھ ان راجاؤں کے مراسم

کُلوتنگا سوم کے عہد حکومت کے نویں برس [1187]ء عیسوی میں نیلور کے راجہ نل سدھا راماسا نے کُلوتنگا سوم کی برتری تسلیم کرلی[90]. اس کے تین سال بعد [1190]ء میں مدھرانتکا پوتیچ چولا نامی ایک سدھی نے نیلور کے مندر کو عطیہ دیا. جس کتبے میں اس عطئے کا اندراج ہے اُس پر اس کے چولا آقا کُلوتنگا کے بارہویں سالِ حکومت کی تاریخ دی گئی ہے[91] اس کے بعد راج نل سدھا کی مہارانی نونگما کے نام پر بھی کئی مندروں کو دئے گئے عطیات کا اندراج ملتا ہے. یہ مندر ترُد پالئی ونم (ضلع جنگل پٹ)، کال ہستی (ضلع چتور اور نندلور (ضلع کڈاپہ) میں تھے ان عطیات سے متعلق جو کتباب ہیں وہ کُلوتنگا سوم کے اٹھارہویں، انیسویں، اور چوبیسویں سال کے ہیں[92]. اس سلسلہ میں اس کا بھی ذکر کردیا جائے کہ نیلور شہر میں خود شہنشاہ کُلوتنگا سوم کا ایک کتبہ بھی ملا ہے جس پر انیسویں سال کی تاریخ درج ہے[93] ایک اور کتبے میں جو نندلور سے ملا ہے[94] مدھرانتکا پوتیچ چولا ایرماسدھا

کے بیٹے نل سدّھا نے کُلوتنگا سوم کی برتری کا اعتراف اس کے چھبیسویں[28] سال سنہ 1209ء میں کیا ہے. سب سے آخری کتبہ جس میں نل سدّھا نے کلوتنگا کی برتری کو تسلیم کیا ہے اُس سے نو برس بعد سنہ 1213ء کا ہے[95] لیکن سنہ 1209ء اور سنہ 1213ء کے درمیانی وقفے کے بھی دو کتبات نیلور اور چنگل پٹ کے اضلاع سے ملے ہیں جو اس کے بھائی تموسدھا کے ہیں[96] ایک کتبہ اس کے بیٹے بیتا راسا[97] کا کانچی پورم سے ملا ہے. ایک اور کتبہ نندلور سے ملا ہے۔ یہ بھی غالباً اسی شہزادے کا ہے جس کا نام ترُوکالتیّ دیوا دیا گیا ہے. لٹریچر میں اسی شہزادے کا نام نکنتر پا آتا ہے. اس نے اپنے والد منومستاراسِن اور (یا عرف؟) نل سدھا کی آتما کی تسکین کے لئے ایک دان دیا[98] ان کتبات میں تمام شہزادوں نے یہ احتیاط برتی ہے کہ انھوں نے خود کو واضح طور پر کلوتنگا کا اطاعت گذار ظاہر کیا ہے. اور یہ رشتہ تقریباً کلُوتنگا کے عہد کے اختتام تک برقرار رہا جیسا کہ ترُوکالتیّ دیوا کے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور ایک کتبے سے ظاہر ہے[99]. جو کُلوتنگا کے چھتیسویں سال کا ہے. اس سے دو برس کے بعد کے ترُوووَریور کے کتبے[100] سے بھی یہی پتہ چلتا ہے. اس مقام پر شتاراشن کے کسی نمائندہ کی رہائش بتائی گئی ہے .

شمال میں کُلوتنگا کے کارہائے نمایاں

تیلگو چوڈا راجاؤں اور کلوتنگا کے باہمی تعلقات اُس کے پورے عہدِ حکومت میں کس نوعیت کے رہے، اس کا جائزہ ہم اوپر لے چکے ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیلگو چوڈا راجاؤں میں کبھی خود میں اتنی سکت نہیں رہی کہ وہ کلوتنگا سے آنکھیں ملاسکیں نبری رنگم کے کتبے میں مندرج یہ بیان کہ ”جب کُلوتنگا کانچی میں داخل ہوا، تو اس کا غصہ فرد ہوچکا تھا“، ظاہر کرتا ہے کہ یہ فوج کشی اُس ماتحت راجہ کی سرکوبی کی غرض سے کی گئی تھی جس نے بغاوت کے لئے سر اٹھایا تھا. کُلوتنگا کی تخت نشینی کے وقت چولوں کی بالادستی یقیناً کڈاپہ اور نیلو تک اچھی طرح تسلیم کی جاتی تھی[101] اور صرف ایک مختصر سے درمیانی وقفے کو چھوڑ کر، جس پر ہم ابھی بحث کریں گے. باقی ماندہ مدّت کے لئے کُلوتنگا کے کتبات بھی اس کے خلاف کوئی تاثر نہیں دیتے ۔ اس بات کے بہت سے اشارے ملتے ہیں کہ چولا سلطنت کے جاگیردار اپنی قوّت میں اضافہ کر رہے تھے اور مرکزی حکومت

کے نا اہل ہاتھوں میں جانے کی دیر تھی کہ سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ ہم اپنے تذکرہ کے دوران میں ایسے آثار اور اشاروں کی طرف پہلے ہی توجہ دلا چکے ہیں، لیکن کلوتنگا سوم ایک ہرگز کمزور حکمران نہیں تھا۔ اور گوناگوں مشکلات کے باوجود وہ مجموعی طور پر اپنی میراث کو متحد رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس کے عہد میں عارضی طور پر کانچی پورم کا چولوں کا ہاتھ سے نکل جانا اور اس کی بزور شمشیر بازیابی کی ضرورت کا احساس، ان حالات کی پیشگوئی تھی جو مستقبل میں پیش آنے والے تھے۔

نل سدھا کے کچھ کتبات ایسے ہیں جو اس زمانے پر روشنی ڈالتے ہیں جب اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تھا۔ لیکن جیسا تیلگو چوڈا تاریخ میں اکثر ہوا ہے۔ ان کتبات کی شہادت کوئی جواب تلاش کرنے میں ہماری مدد کی بجائے مزید سوالات پیدا کر دیتی ہے۔ ان میں سب سے پرانا شاکا سمت ۱۱۱۴ (سنہ 93-1192 عیسوی) کا کنڑ زبان کا ایک کتبہ ہے جس میں حکمران کا نام اور لقب بھجابل دیرا نل سدھن دیو چولا مہاراجہ دیا گیا ہے جو دلور پورا میں حکومت کرتا تھا۔ اس مقام کے متعلق ہم کو پہلے سے معلوم ہے کہ یہ مہاراجہ پاڈی 7000 کا دار الخلافہ تھا اور کڈاپہ کے شمال مغرب میں آٹھ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس تیلگو چوڈا سردار نے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ کانچی سے خراج وصول[102] کرتا تھا۔ اس دعوے کی تائید میں اس واقعہ کے علاوہ کوئی شہادت موجود نہیں کہ کلوتنگا نے فوج لیکر ایک حملہ کیا جس کا نتیجہ کانچی شہر میں اس کے بزور داخلے کی شکل میں برآمد ہوا۔ یہاں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ تموسدھی راجہ کے کتبات میں کانچی شہر کی تسخیر محض ایک کنایہ کے طور پر[103] اس کے چچا نل سدھا سے منسوب کی گئی ہے جو پہلے گذرا تھا اور اِرَڑ سدھا کا بھائی تھا۔ غالباً نل سدھا کے کانچی سے خراج وصول کرنے کے دعوے کا مطلب صرف یہی ہے کہ اس نے کچھ عرصہ کے لئے چولا شہنشاہ کو معمول کا خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ شہنشاہ کی جانب سے بغیر کسی مزاحمت کے کانچی کا حاکم بنا رہا۔ اصلیت خواہ کچھ بھی ہو لیکن، ایک خود مختار حکمران کی حیثیت سے نل سدھا کا دور جلد ختم ہو گیا۔ جب ۱۱۹۵ کے قریب کلوتنگا نے کانچی پر قبضہ کر لیا۔ کلوتنگا کی اس جنگی مہم کی کامیابی کی تصدیق نہ صرف اس کے کتبوں سے ہوتی ہے۔ جن میں لکھا ہے کہ وہ کانچی میں داخل ہوا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ بلکہ نل سدھا کے کتبوں کے ایک سلسلے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ان سب کتبوں پر واقعات کی تاریخیں درج ہیں۔ ہم ان کتبوں کا حوالہ پہلے بھی دے چکے ہیں۔ ان پر کلوتنگا سوم کے سالہائے حکومت ہی کے حساب سے تاریخیں درج ہیں۔

کلوتنگا کو اپنے باقی ماندہ عہد حکومت میں تیلگو چوڈا سردار کی جانب سے پھر کسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اگرچہ اُس کے آخری چند سالوں میں جب اس کو ماڑورمن سندر پانڈیا جیسے قوی دشمن کا سامنا تھا، ان سرداروں نے ایک مزید اور زیادہ کامیاب کوشش اپنی خود مختاری حاصل کرنے کے لئے کی لیکن ۱۲۰۸ء کے آس پاس کلوتنگا ایک بار پھر شمال میں فوج کشی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس جنگ میں اس کے دعوے کے مطابق اس نے خونخوار واڈگا (تیلگو) لوگوں کو زیر کر کے وینگی پر قبضہ کر لیا اور وارنگئی میں داخل ہو گیا۔ خونخوار واڈگا کون تھے۔ اور وارنگئی کہاں تھا۔؟ کیا یہ فرض کر لینے کی کوئی وجہ ہے کہ کلوتنگا نے وینگی کو چولا سلطنت کے لئے محض ایک مختصر عرصے کے لئے بھی سر کیا تھا، کیونکہ نیلور کا شمال میں چولوں کا اس عہد کا ایک بھی کتبہ نہیں ملتا۔ اسلئے اس آخری سوال کا جواب نفی میں دیدینا بہت آسان ہے اور اگر ہم اس حقیقت کو بھی یاد رکھیں کہ کچھ عرصے سے کاکتیا راجاؤں کی طاقت عروج پر تھی اور وینگی کی قدیم ریاست پر چھاتی جا رہی تھی اور چولا طاقت سے ہٹ جانے کے بعد وہاں نمودار ہونے والے چھوٹے چھوٹے رجواڑوں کے سامنے ایک نئی بالا دست طاقت کی شکل میں آ رہی تھی۔ نیز یہ کہ اس خاندان کا سب سے عظیم راجہ پنی ۱۱۹۹ء میں تخت نشین ہو چکا تھا، تو ان حالات کے پیش نظر ہم کلوتنگا کے اس دعوے کی قدرتی تاویل یہی کریں گے کہ اس نے یہ جنگ کاکتیا حکمران کے خلاف لڑی اور اس کی راجدھانی وارنگل میں داخل ہو گیا، جو کبھی اورنگلو[104] کہلاتی تھی۔ اس نام کی آسان شکل ارنگئی بن گئی۔ لیکن اس طرح چولا شہنشاہ کے حق میں ختم ہونے والی کسی جنگ کے بارے میں ہمارے علم میں کوئی مضبوط شہادت نہیں ہے۔ سوائے پڈوکوٹاہ سے ملنے والے دو کتبات کے مبہم بیانات کے اس جنگ کی کوئی تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکیں اور وارنگل میں چولا شہنشاہ کا داخلہ ہی اگر ان کتبات کا حقیقی مفہوم ہے تو یہ محض ایک من گھڑت افسانہ قرار دیا جائے گا۔ موجودہ شہادتوں کی بنا پر تو ہم یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ چولا شہنشاہ کی جانب سے اُس کے عہدِ حکومت کے کتبوں میں

کئے گئے بلند بانگ دعووں کی کوئی بنیاد بھی ہے یا نہیں۔

کرڈوور

کلوتنگا کے عہد کی ایک اور مبہم داستان کونگو کے خلاف فوج کشی کی ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ چولا شہنشاہ نے کرڈوور میں فاتحانہ داخلے کے بعد وہاں "وجے ابھشیک" کی تقریب منعقد کی۔ جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں کرڈوور میں داخلے کا ذکر سب سے پہلے اس عہد کے سولہویں برس میں آیا ہے[45] اور چھبیسویں سال کے ایک کتبے میں کونگو کا نام دیر شولا منڈلم لکھا ہے[46]۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ پڈکوٹاہ کے کتبات میں، جن کے علاوہ اس جنگ کے حالات معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، تمام واقعات صحیح طور پر اسی ترتیب سے دیئے ہوئے ہیں جس میں یہ رونما ہوئے تو یہ جنگ ریاست پانڈیا کی دوسری جنگ کے خاتمے کے بعد کے برسوں یعنی 99-1195ء سے منسوب کی جا سکتی ہے۔ "کلوتنگن کووئی میں بھی چیرا راجہ اور کونگو کی ریاست کے خلاف لڑی گئی جنگ کا ذکر بار بار آتا ہے لیکن نہ ان کتبات سے اور نہ ہی اس نظم سے اس جنگ کے اسباب اور واقعات کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ اس عہد کے متعدد کتبات کرڈوور میں اور کونگو ریاست کے دوسرے مقامات پر بھی ملتے ہیں جن میں تگڈور بھی شامل ہے۔ ریاست میسور کے بعض حصوں میں بھی اس عہد کے کتبات ملتے ہیں۔ اور یہ واضح طور پر اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس خطے میں چولوں کی حکومت بحال ہو گئی تھی اور کلوتنگا اوّل کے عہد حکومت کے خاتمے پر ہوئسالوں نے اس خطے میں جو پیشقدمی شروع کی تھی اسے اب جزوی طور پر روک دیا گیا تھا۔ کلوتنگا سوم کے عہد میں ادگائیمانوں نے چولوں کی مالادستی کو دوبارہ تسلیم کرلیا تھا اور ادگائیمان راجہ جو خود کو 'وڈوگا دلگیہ بیرومال کہلواتا تھا: کے کتبات سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس علاقے میں چولوں کی عملداری کی بحالی میں اس کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔

پانڈیوں پر حملہ

کلوتنگا کے عہد کے خاتمے کے قریب 1216ء میں پانڈیا ریاست کا تخت ماڑورمن سندر پانڈیا کے قبضے میں چلا گیا۔ شاید اس لئے کہ اس کے بھائی جٹاورمن کل شیکھر

کا انتقال ہو گیا تھا۔ نئے پانڈیا حکمران نے ضعیف چولا شہنشاہ کے خلاف لڑائی چھیڑنے میں ذرا بھی دیر نہ کی۔ دس سال سے کچھ زیادہ عرصہ پہلے اسی چولا شہنشاہ نے اس کی اور اسکے بڑے بھائی کی حد درجہ تذلیل کی تھی، اور وہ بھی ان کے اپنے ہی دار السلطنت میں؛ اور غالباً مدورا کے ایوانِ تاجپوشی کو بھی مسمار کر دیا تھا۔ کلوتنگا سوم کے خلاف سندر پانڈیا کی کامیابی کی شہادت جس پر ہم انحصار کرتے ہیں۔ وہ محض سندر پانڈیا کے کتبات ہیں۔ اس عہد کے چولا کتبات اس موضوع پر بالکل خاموش ہیں، اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ مغربی چالوکیہ راجہ شومیشور اوّل کے کتبات بھی کوپم کی لڑائی کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کرتے لیکن سندر پانڈیا کے کتبے صاف صاف تفصیلات بیان کرتے ہیں اور ان میں چولوں کی مصیبتوں اور بدبختی کا جو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اُتنا ہی معتبر ہے جتنا کہ خود کلوتنگا کے کتبات میں دیا ہوا پانڈیوں کی شکستوں کا حال۔

سندر پانڈیا کے تیسرے سالِ حکومت ۱۲۱۸-۱۹ء کے ایک کتبے میں[108] اس کا لقب "شونا ڈو ولنگیا رُ لیا" ہے یعنی "جس نے چولا ریاست واپس بخش دی" اس حکمران کے پندرہویں سال کے ایک اور کتبے میں[109] واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اس نے کلوتنگا چولا کو ایک تاج اور مڈی کونڈ شولا پورم بخش دیا تھا۔ سندر پانڈیا کے کتبات تو دراصل چولا ریاست کے اندر ہی پائے جاتے ہیں۔ گو ان میں سے کوئی بھی کلوتنگا کے عہدِ حکومت کا نہیں ہے۔[110] لیکن سندر پانڈیا کے جن دو کتبوں کا حوالہ ابھی دیا گیا ہے۔ ان سے اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ کلوتنگا کے آخری سال اس کیلئے بہت مصیبت بھرے ثابت ہوئے اور اپنی ضعیف العمری میں اُسے اپنے ابتدائی برسوں میں پانڈیوں کے خلاف اختیار کردہ پالیسی کا تلخ ثمر چکھنا پڑا۔ اب ہم واقعات کو راجہ ماڑورمن سندر پانڈیا کی پرشستی کے الفاظ میں بیان کریں گے۔

"اس غرض سے کہ شیر (دھیر) کا اختیار پونی کی سرزمین (چولا ریاست) میں برتری حاصل کرے۔ اُس نے زمین میں گھوڑے اور ہاتھی پھیلا دیئے جو جنگ میں حد درجہ غضبناک تھے اونجئی اور اُڑندئی کے شہروں کو آگ کے سرخ شعلوں کی نذر کر دیا۔ کنوؤں اور دریاں کے شفاف پانی کی پاکیزگی کو برباد کر دیا۔ یہاں تک کہ "کاوی" اور نیلم کے پھول اپنے حسن سے محروم ہو گئے۔ بہت سی عمارتوں بلند فصیلوں کو، اور احاطوں میناروں تھیٹروں،

یدانوں، محلوں اور منڈیوں کو مسمار کر کے پیوست خاک کر دیا۔ جن راجاؤں نے اُن کے پاس آکر اطاعت قبول نہیں کی، ان عورتوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیا رواں کر دیں دشمن کے ملک میں گدھوں سے ہل چلوا دیے اور ان میں "کوڈی" (گھٹیا قسم کا باجرہ) بو دیا۔ اس نے شمبئن (چولا) سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جب تک اس کا غصہ فرو نہیں ہوا۔ اور اسے اجاڑ بیابانوں جگہ بھگا دیا۔ اس کا نفیس اور خالص سونے کا تاج شاہی چھین لیا اور اُسے ازارہِ عنایت بان کو دے دیا"!! اس نے آئر تلّی کے مقام پر چولا دلوا کے اس دیوان تاجپوشی میں " ویرابھشیک" کی تقریب منعقد کی جو اس قدر خوبصورت تھا کہ اُسے اشعار میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس کا سنہرا صحن آسمان کو چھوتا تھا۔ جو سورج کی گذر گاہ تھی۔ اس طرح اس نے چار دانگِ عالم میں اپنی شہرت پھیلائی۔ وہ قوی اور مست ہاتھی پر سوار ہوتا تھا جو ہر روز دشمن راجاؤں کے خوفزدہ سر دھڑوں سے جدا کر کے لوٹتا تھا۔ اس کے ہمراہ صرف اس کے چمکدار ہتھیار ہوتے تھے اور اس کا نیکھا جگر جس نے سمندر سے گھرے ہوئے پورے کرہ ارض کی مشترک ملکیت کو ختم کر دیا۔ وہ بلیئور کے متبرک مندر کی پاکیزہ حدود داخل ہوا، جہاں وہ برہمن رہتے تھے۔ جن کا مقدس ویدوں کا عرفان شکوک سے پاک تھا اور جہاں (مندر میں) دیوتا کی تقدیس مآب مورتی کو دیکھ کر اس کا دل شادمانی سے بھر گیا۔ دیوتا جو اپنے پہلو میں دیوی کو لئے ایسے رقص کے عالم میں تھا کہ سنہرے ایوان کی تابش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اُس (پانڈیا) نے دیوتا کے پھولوں ایسے چرن چھوئے۔ ایسے چرن جو برہما کو بھی حاصل نہیں ہو سکے۔ جو خوبصورت (کنول) کے پھول پر جلوہ افروز ہے، اور نہ وشنو کو جو تلسی کے ٹھنڈے پتے اوڑھے ہوئے ہے۔ جو بلند میرو پہاڑ کے مشابہہ جگمگاتے ہوئے شفاف منڈپ میں تشریف فرما ہے۔ بلند میرو پہاڑ کے جو دنیا کو سنبھالے ہوئے ہے۔ جیسے یون امراوتی میں لاکر نصب کیا گیا اور جس کے چاروں طرف کنول کے پھولوں سے بھرے تالاب ہیں۔ جہاں شہد کی مکھیوں کی گنگنانے کی آواز خمیدہ بازوؤں والے ہنسوں کو خواب سے بیدار کر دیتی ہے۔ اُس نے چولا حکمران کو یہ کہکر مدعو کیا کہ وہ خوبصورت باغوں اور کھیتوں والی چولا ریاست لوٹا دے گا اور اس کا گنوایا ہوا شاہی گجرا اور تاج اُسے واپس کر دے گا۔ دلوا جو اپنا ملک کھو دینے کے بعد والگری سے باہر چلا گیا تھا۔ اب اپنے اقارب کے ساتھ

اس کے پاس آیا اور اس نے اپنے بیٹے کو پانڈیا حکمران کی خدمت میں پیش کر کے کہا "تمہارے تام"۔ اور پھر فاتح کے تخت کے نیچے نیاز مندانہ سجدے میں گر گیا تب پانڈیا نے پانی کے ساتھ چولا راجہ کو عطیہ دیا۔ اس پانی نے اُس کے سابقہ نقصان سے پیدا کی ہوئی گرمی کو ٹھنڈا کر دیا اور اس طرح وہ سب کچھ جو ایک بار اُس (چولا) نے کھو دیا تھا اسے لوٹا کر اسے واپس بھیجدیا، یعنی چولاپتی کا لقب اور اس کا قدیم شہر مع ایک شاہی مراسلے (ترومُکم) کے جس پر مچھلی کا نشان بنا ہوا تھا جو سمندر سے گھری زمین کے راجاؤں کی مسلسل پرستش کے باعث چمک رہا تھا۔ اس طرح اس نے یہ اعلان کیا کہ وہ ایک معاہدہ تھا جو ہمیشہ کے لئے ایک مبارک ساعت (؟) میں اتنی وسیع ریاست کے لوٹائے جانے کی شہادت کا کام دے سکے۔

اس طرح اس جنگ کے خاص خاص واقعات یہ تھے:۔ چولا ریاست پر سندر پانڈیا کی چڑھائی اور شمال میں بہت دور چدمبرم تک پہنچ جانا۔ پانڈیا کی پیش قدمی کے راستے کے ساتھ کے علاقوں میں جان و مال کا خاصا نقصان ہونا۔ پانڈیا کی پیشقدمی کو روکنے میں کلوتنگا کی ناکامی اور بھاگ کر باہر پناہ لینا۔ اور انجام کار سلطنت اور تاج کا کلوتنگا کو لوٹا دیا جانا (جو غالباً کچھ باہمی صلح وصفائی کی بات چیت کے بعد ہوا) ہوگا اس شرط پر کہ وہ سندر پانڈیا کی بالادستی کو تسلیم کرے۔ اس طرح پانسہ بالکل پلٹ گیا اور ہر بات میں سندر پانڈیا نے کلوتنگا کی اس مثال کی ہو بہو تقلید کی جو اس نے پانڈیا ریاست پر اپنے تیسرے حملے کے دوران میں قائم کی تھی۔ ایک ہی وار میں پانڈیا حکمران نے نہ صرف چولوں کی برتری کا خاتمہ کر دیا۔ اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بلکہ اپنے سابقہ آقا کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ الٹا اس کی اطاعت گذاری کرے۔ یہ سنہ 1216-17ء کی بات ہے ہم آگے دیکھیں گے کہ چولا حکمران کی خود مختاری حاصل کرنے کی کوشش پانڈیا کی جانب سے ایک دوسرے حملے کا باعث ہوئی جس کے نتائج اور زیادہ تباہ کن ثابت ہوئے۔

حملے کے نتائج

اب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ اگر پانڈیا حکمران کو چولا راجہ کے خلاف اسقدر عظیم کامیابی حاصل ہوئی تھی، جیسا کہ اس کے کتبوں میں دعوے کیا گیا ہے، تو اس نے چولا ریاست کو

اپنی سلطنت میں شامل کیوں نہ کرلیا۔ کیونکہ اگر اس سے نہیں تو کم از کم راج راجا اول کے زمانے سے لے کر پانڈیا راجگان چولوں کے ہاتھوں حد درجہ ذلت اور مصیبت اٹھا چکے تھے۔ اور اب جب انہیں موقع ملا تھا۔ تو انہوں نے اپنے قدیمی حریفوں کی طاقت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کیوں نہ کردیا۔ کوئی بھی شخص ہوتا وہ اُن سے اسی بات کی توقع کرتا۔ لیکن ہندوستانی شہنشاہیت کا طور طریقہ یہ نہیں۔ اس کے ضابطۂ اخلاق میں ایک قدیم اور مسلمہ، شاہی خاندان کا احترام، عارضی نوعیت کے سیاسی واقعات سے پیدا شدہ تلخی کے مقابلے میں ایک زیادہ پائیدار جذبہ تھا۔ شاستروں عزت وتکریم اور حکمتِ عملی کے وضع کردہ اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راجاؤں کے کسی قدیم خاندان کو تخت سے نہ ہٹایا جائے۔ انفرادی طور پر پانڈیا راجاؤں سے اُن کا برتاؤ خواہ کتنا بھی سنگدلانہ رہا ہو۔ پھر بھی چولوں نے کبھی پانڈیا خاندان کو سرے سے معزول کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سندر پانڈیا بھی اب چولا حکمران کے ساتھ اس سے مختلف برتاؤ نہیں کرسکتا تھا، اور یہی بلاشبہ ہمارے سوال کا جزوی جواب ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوا جیسے کہ بعد کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانڈیا حکمران نے اپنی فتح کا پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور چولا سلطنت کو جتنا نقصان پہنچ سکتا تھا، اتنا نہیں پہنچا۔

ہوئسالہ کی مداخلت

جنوبی ہند میں اُن دنوں ایک تیسری طاقت بھی تھی جس کی مداخلت نے طاقت کا توازن چولوں کے موافق کردیا۔ یہ ہوئسالہ طاقت تھی جو گزشتہ ایک صدی سے رفتہ رفتہ عروج پذیر ہو رہی تھی۔ اس کے زور پکڑنے کا یہ عمل اس وقت سے جاری تھا۔ جب وشنو وردھن نے توسیع ملک کی پالیسی پر عمل شروع کیا۔ اور ریاست میسور کے بیشتر حصے سے چولا اقتدار کو ختم کردیا۔ چولا سلطنت پر ماڑورمن سندر پانڈیا کے حملے کے وقت بلّالا دوم کا عہد حکومت قریب الاختتام تھا۔ بلّالا کی مہارانیوں میں چولا مہادیوی نامی ایک شہزادی کا ذکر آیا ہے۔ جو غالباً تامل چولا نسبت کی تھی۔ اور یہ بات قدرتی تھی کہ چولا حکمران مصیبت کے وقت مدد کے لئے بلّالا سے رجوع کرتا۔ ایک ہوئسالہ کتبے میں یہ صاف بتایا گیا ہے۔ کہ جب بلّالا زندہ تھا۔ تو اس کے بیٹے ویر نرسمہا نے جنوب میں

شری رنگم پر چڑھائی کی[112] اس کتبے کی تاریخ تحریر ہمیں کچھ الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ لیکن یہ تاریخ غالباً ۱۲ دسمبر 1217ء تھی[113]۔ ایک اور کتبے میں خود بلّالا کو چولا سلطنت کا بانی اور پانڈیا ہاتھی کا شیر یعنی چولا راجیہ پرتشٹھا چاریم، پانڈیا" گج کیسری کہا گیا ہے اور اس کے بیٹے نرسمہا کو" چولا کلائیک رکھشا مگدھور وی پالا نرمُولکا"، یعنی چولا نسل کا واحد محافظ اور مگدھ کے راجہ یعنی مگدھائی منڈلم کے بان حکمران کو جڑ سے اکھاڑ دینے والا بتایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلّالا نے اپنے یہ القاب 1218ء سے قبل اختیار کئے تھے[119]۔ گووندن ہلّی کا ایک کتبہ چولا خاندان کی بحالی کے لئے جو جنگ چھیڑی گئی تھی، اس میں نرسمہا کی شجاعت کو بڑے پُرزور پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ اس سے بعد کے ایک عطیہ نامہ میں جو بیلور سے ملا ہے۔ اورشا کا سمت 1184 کا تحریر شدہ ہے، یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس (نرسمہا) نے چولا تاجدار کی اُس وقت جان بچائی جب وہ گرد وغبار کے پیچھے چھپا ہوا تھا یعنی اپنے دشمنوں کے نرغے میں محصور تھا۔ اور اس طرح اس نے اپنے لئے "چولا ستھا پنا" اور پانڈیا کھنڈنا[115] کا خطاب حاصل کیا۔ نرسمہا کے دشمنوں کے ناموں سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ یہ لڑائی اس جنگ سے مختلف تھی جس کا ذکر راج راجا سوم کے ترووہندی پورم کے کتبے میں آیا ہے۔ یہ غالباً پہلے کی ایک لڑائی تھی جو اس وقت زیرِ بحث ہے اگرچہ کنڑ زبان کی تصنیف "جمبو جگن ناتھ وجئیا"، میں چولا حکمران بلّالا کی پناہ میں تھا۔ اس کو راج راجا بتلایا گیا ہے۔ راج راجا پرتشٹھا نرتّم[116]۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ کُلوتنگا سوم اُن دنوں میں زندہ ہی نہیں تھا۔ کیونکہ پانڈیا راجہ کا حملہ اور تخت پر چولا کی بحالی، دونوں واقعات کلوتنگا اور راج راجا کے مشترکہ دورِ حکومت 1216ء[118] میں پیش آئے تھے۔ ہوئسالہ مداخلت کا حقیقی فائدہ راج راجا کو ملا جس کو ابھی آگے طویل مدت تک حکومت کرنی تھی۔ اور یقیناً اسی وجہ سے کنڑ شاعر نے راج راجا کا نام (اپنی نظم میں شامل کرنے کے لئے) چنا ہوگا۔ اس کے برعکس سندر پانڈیا کے کتبوں میں جہاں کہیں چولا تاجدار کا نام خصوصی طور پر آیا ہے وہاں کُلوتنگا ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات سمجھ میں بھی آجاتی ہے کیونکہ ایک نامور شہنشاہ جو بہت سی جنگوں میں کامیاب ہوا تھا۔ ہرا دینے کا دعوے کر دینے سے زیادہ شہرت حاصل ہوسکتی تھی۔ بہ نسبت ایک کمسن شہزادے کا ذکر کرنے کے جو ابھی ابھی

ولی عہد نامزد ہوا تھا اور جس کے متعلق دنیا بہت کم جانتی تھی۔ اس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ چولوں کے حق میں ہوئسالہ کی مداخلت کا کچھ نہ کچھ ہاتھ سُندر پانڈیا کے اس فراخدلانہ برتاؤ میں ضرور رہا ہوگا۔ جو اس نے اپنے ہزیمت خوردہ دشمن کے ساتھ کیا۔

کُلوتنگا سوم کی وفات

کُلوتنگا سوم کا انتقال پانڈیا کے حملے کے فوراً بعد ہوگیا ہوگا۔ اُس کے کتبوں میں سب سے آخری برس جو مذکور ہے، اس کا چالیسواں سالِ حکومت ہے[117] جو 18-1217ء ہوتا ہے کُلوتنگا سوم ایک اور نام ویر راجندر چولا سے بھی موسوم تھا۔ اور کتبات کا وہ پورا سلسلہ جس میں یہ لقب تو دیا ہوا ہے مگر کلوتنگا کا نام نہیں دیا ہے۔ بلاشبہ اُسی کے عہد حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ کتبات کے اس سلسلے میں دوسرے سال سے لے کر چھتیسویں 36 سالِ حکومت تک کی تاریخیں درج ہیں، جیسا کہ ہم پہلے بھی نوٹ کرچکے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کا ایک لقب کُمار یا کُمار کُلوتنگن[118] بھی تھا۔ اس کے دسویں سالِ حکومت میں ترِدُبگلور میں ایک نو تعمیر سڑک کا نام راجکل تمبران ترِدُ ویدی رکھا گیا[119] جو ممکن ہے کہ حکمران راجہ کی کسی اور کنیت یا لقب پر رکھا گیا ہوگا۔ ایک کتبے پر جو ترِدُونا ملئی[120] سے دستیاب ہوا ہے تیربھون ویر چولا دیوا کے گیارہویں سالِ حکومت کی تاریخ درج ہے لیکن چونکہ اس کتبے میں اُس وقت کے سیارگان کی جو نشست کی تفصیلات درج ہیں، وہ کیلہارن کی تحقیق کے مطابق اس عہد کی تاریخوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں[121] اس بات پر شبہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ کیا راجہ نے یہ لقب واقعی اپنے عہد حکومت میں بالکل شروع ہی میں اختیار کرلیا تھا۔ سب سے پرانا اور اصلی کتبہ جس میں راجہ کا یہ لقب درج ہے۔ چوبیسویں سال حکومت کا معلوم ہوتا ہے[122] اس کے بعد یہ نام بعد کے کتبات میں بار بار آیا ہے۔ ترِبھونشیور مندر میں بھی جو ضلع تنجور کے ترِبھوونم نامی مقام پر واقع ہے ترِبھوون چولا دیوا کا لقب آیا ہے[123] کرُدُوور شہر کا نام بدل کر مُڈی ونگو شولا پورم رکھ دیا گیا تھا[124] ایک اور کتبے میں مُڈی ونگو شولا چتر ویدی منگلم نامی ایک گاؤں کا ذکر بھی آیا ہے[125] ان تمام باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ "مُڈی ونگو شولا راجہ کے القاب میں سے ایک تھا۔ جو بلاشبہ پانڈیا ریاست کے حکمرانوں کو اُن کا تاج لوٹائے جانے کی یادگار[126]

چولا تاجدار نے اختیار کیا تھا. تینیسویں[29] سالِ حکومت کے ایک کتبے میں کلوتنگا سوم کے خصوصی القاب یکجا کئے گئے ہیں اور اسے تربھوون چکرورتی شولا کرل دیوا" کے نام سے پکارا گیا ہے[127] اس سے پڈوکوٹاہ کے کتبے میں بیان درج ہے، اس کی تائید ہوتی ہے کہ شہنشاہ نے یہ لقب استعمال نہیں کیا گیا ہے، شہنشاہ کلوتنگا سوم ہی سے متعلق ہیں[128]۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ راجہ نے کریکال چولا کا لقب بھی اختیار کیا تھا[129] جیساکہ اس کے ایک جاگیردار کے کتبے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس عہدِ حکومت کے کتبوں میں گنگائی کونڈ چولا پورم کا ذکر توقع سے بہت کم کیا گیا ہے[130] لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سلطنت کا دارالخلافہ تھا. تنجور اور اڑائیور جیسے زیادہ قدیم شہر مع اُرئی کے معاون دارالسلطنت تھے. اِن شہروں کی تسخیر ہی نے ماڑورمن سُندر پانڈیا کو عملی طور پر پوری چولا سلطنت کا مالک بنا دیا تھا. اس عہدِ حکومت کے اوائل میں وکرم شولا پورم کا ذکر بھی شاہی اقامت گاہ کے طور پر آیا ہے[126] بتیسویں برس کے ایک کتبے میں مدورا میں بھی راجہ کے قیام کا ذکر سرسری طور پر آیا ہے غالباً یہ حوالہ ریاستِ پانڈیا پر کلوتنگا کے تیسرے حملے کے دنوں کا ہے[132]

عمارات

کلوتنگا سوم نے بہت سی عمارتیں بنوائیں اور اس کا عہدِ حکومت چولا فنِ تعمیر کی تاریخ میں ایک یادگار دور تھا. پڈوکوٹاہ کے کتبوں میں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے بنیز سنسکرت کے ایک کتبے میں اس عہد میں سرکاری طور پر جو عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں۔ اُن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں زیادہ تر مذہبی عمارتیں ہیں سنسکرت کا مذکورہ کتبہ[133] تربھوون کے مقام پر واقع کمپہر لیشورا مندر (جسے کتبے میں تربھوونیشورا کہا گیا ہے) کہ مرکزی عبادت گاہ کے اردگرد کندہ ہے۔ گو اس مندر کا طرزِ تعمیر تنجور کے مندر کی یاد دلاتا ہے، پھر بھی اس کی متعدد اہم خصوصیات اسے اس قدیم نمونے سے ممتاز کرتی ہیں اِن خصوصیات سے دیواروں کی خالی جگہ کو سنگتراشی کے خوبصورت نمونوں سے پر کرنے کی روز افزوں خواہش کی جھلک ملتی ہے۔ مندر میں رامائن کے مناظر کا ایک دیدہ زیب سنگتراشی میں پیش کیا گیا ہے جس کا مفصّل مطالعہ کئے جانے کی ضرورت ہے۔

اس مندر کا افتتاح شہنشاہ کلوتنگا کے گورو ایسوارا شوا نے کیا تھا جو شری کنٹھا شمبھو کا فرزند تھا اور علمِ معرفت پر ایک تحقیقی رسالہ سِدھانت رتناکر، کا مصنف تھا۔[49]

اس شاندار مندر کے علاوہ راجہ نے سبھاپتی کا مکھ منڈپ "دیوی کریندر جا (شوکامی) کا گوپورہ اور چدمبرم مندر کے صحن "پرا کار ہرمیا" کے گرد برآمدہ تعمیر کروانے کا دعوے کیا ہے۔ اُس نے کانچی پورم میں ایکامرشیورا اور مدورا میں ہالا بلاسیا کے مندروں کی درستی کرائی۔ ترُوِوڈائی مرودُور کے بھگوان شو کے عظیم مندروں اور غالباً دارا شورم کے راجراجیشوا مندر کو بھی راجہ کی حقیقت مندرانہ توجہ ملی۔ ترددار دُر میں اس نے سبھا منڈپ "تعمیر کیا اور والمیکیشورا (مندر) میں ایک بڑا گوپورہ" بنوایا۔

قحط اور اس میں امدادی کارروائیاں

معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا کے تیئسویں[23] اور چوبیسویں[24] سالِ حکومت میں غلہ کی وسیع پیمانے پر قلت ہو گئی تھی جس کے سبب قحط پڑ گیا۔ قحط سے بچاؤ کے لئے کسی سرکاری اقدام کا ذکر کتبات میں نہیں ملتا۔ لیکن یہ نتیجہ نکال لینا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ کہ حکومت نے ایسی صورتِ حال میں کچھ بھی نہیں کیا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ کتبات محض چند گنی چنی کارروائیوں کی یادداشت ہوتے ہیں۔ اور یہ اپنے زمانے کی اخلاقی یا مادی ترقی کی پوری روداد نہیں بیان کرتے۔ اس لئے یہ واقعہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ کہ شمالی ارکاٹ میں واقع ترُودنا ملئی کے ایک کتبے میں[53] یہ درج ہے کہ قحط کے دنوں میں حب چاول "ایک کاشو" کا چوتھائی پیمانہ بک رہا تھا۔ دو آدمیوں نے امدادی کارروائیاں شروع کیں۔ وہ اِس شکل میں کہ انھوں نے دریا کے کنارے ایک باندھ بنایا اور ایک نیا تالاب تعمیر کروایا۔ یہاں کام کرنے والے مزدوروں کو اُنہوں نے اُجرت سونے، دھان، یا اُن کے حسبِ خواہش کسی اور چیز کی شکل میں ادا کی۔ لہٰذا اُن دنوں میں قحط سے بچاؤ کے لئے منظم امدادی کارروائیوں کا تصور موجود تھا۔ اور یہ قیاس کرنا درست ہوگا کہ اگر بعض افراد کی نجی سخاوت ضرورت کے وقت اس طرح کے امدادی اقدام کر سکتی تھی۔ تو حکومت نے بھی اسی طرح اس کارِ خیر میں اپنی جانب سے کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی۔ دوسری جانب یہ بات بھی و [illegible] ہے کہ ان اقدامات کے ذریعے سے ملنے والی امداد ناکافی ثابت ہوئی اور آ [illegible] سب افراد کو

جو قحط کا شکار ہوئے کچھ دوسری تدبیریں بھی کرنی پڑیں۔ مثلاً تیئیسویں سالِ حکومت کے تنجور (زیرو پامبرم)[36] کے کتبے میں بتایا گیا ہے کہ برا وقت پڑنے اور اناج کی قیمتوں کے چڑھ جانے کے باعث ایک "ویلال" اور اس کی دو بیٹیوں نے فاقہ کشی کی موت سے بچنے کی خاطر اپنے آپ کو ایک مقامی "متھ" کے ہاتھوں ۱۱۰ کاشو کے عوض غلام کے طور پر فروخت کر دیا۔[137]

نظم و نسق اور حدودِ سلطنت

کُلوتنگا پر جو مشکلات پڑیں اور جن سے بیشتر پر اُس نے قابو بھی پالیا۔ اُس کے نتیجے میں اس کا انتظامیہ ڈھانچہ درہم برہم نہیں ہوا، اور نہ اُس کی عہدِ سلطنت میں کوئی تخفیف ہوئی۔ کم از کم سُندر پانڈیا کے حملے اور چولا طاقت کے خاتمہ تک تو ایسا نہیں ہوا۔ رکلیپال رایا نلمبا دھیراجا اور پانڈیا راجا جیسے عہدوں پر کام کرنے والے[138] افسران کا بار بار ذکر آیا ہے، نیز اِس بات کا بھی کہ مرکزی حکومت کے پاس اپیل (ہمدردانہ غور اور کارروائی) کے لئے جو اہم معاملات آتے تھے۔[139] اُن کی مقامی تحقیقات و تفتیش بھی افسران کرتے تھے۔ دیہاتی مجلسوں کی تشکیل اور کارکردگی پر بھی وہ کڑی نگاہ رکھتے تھے۔[140] یہ باتیں اِس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ دسویں اور گیارہویں صدی میں جس انتظامیہ ڈھانچہ کی نشو و نما ہوئی۔ وہ تیرھویں صدی کے آغاز میں بھی خاصی مستعدی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ راجندر سوم کے عہد کے بعض کتبے جو کوڈیلور سے ملے ہیں[141]۔ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ضلع تنجور میں اراضی کی دوبارہ پیمائش ضرور کرائی گئی ہوگی۔ ان کتبوں میں بیر یادیور تر مُڈون وبیر دیورا کے اڑتیسویں[38] سالِ حکومت میں کی گئی ایک پیمائش اراضی کا ذکر موجود ہے۔ کُلوتنگا کی سلطنت کی وسعت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کے کتبات جنوب میں ستنے ویلی تک سے ملتے ہیں[142]۔ اور ریاست میسور میں ہیماوتی اور بیڈرُور تک پائے جاتے ہیں۔ ریاست کونگو میں یہ نڈاوُور تکڈ ورا اور کرڈُ ودر میں ملتے ہیں[144]۔ اور شمال میں یہ ضلع نیلور میں نیلور خاص اور ریڈی پالیم میں دستیاب ہوتے ہیں۔ نیز کڈاپہ کے ضلع میں یہ نندلور اور پوتپی میں پائے جاتے ہیں[145]۔ یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ کُلوتنگا کے میسور میں ملنے والے کتبات میں سے ایک کے مطابق وہاں کُلوتنگا سوم کے بارھویں[12] سالِ حکومت میں دلاّل دیو حکومت کر رہا تھا؟[146] بلاشبہ یہ ہوالہ ہُئسالہ راجہ بلالا دوم کے

بارے میں ہے جس کی رانی چولامہادیوی واضح طور پر ایک چولاشہزادی تھی[96]

جاگیردار

کلوتنگا اور اس کے تیلگو چوڈا جاگیرداروں کے مابین باہمی تعلقات پر پہلے ہی بحث کی جا چکی ہے۔ اب ہم سلطنت کے دیگر حصّوں میں راجہ کے جاگیرداروں اور ماتحت سرداروں کے نام گنوائیں گے اور چند ایسے تیلگو سرداروں پر نظر ڈالیں گے جن کا ذکر پہلے نہیں آسکا۔ ایک راجہ مہامنڈلشیور تربھوون ملاملّی چوڈا والئی ہماوتی کلوتنگا کے عہد کے اوائل ہی میں اُس کے اقتدارِ اعلیٰ کا اعتراف کرتا ہے[98]

گنگا راجگان

کولار کے گنگا سردار امرابھرن شئیا گنگا کا پتہ کلوتنگا کے عہد حکومت کے تیسرے سال سے لے کر چونتیسویں[39] سال تک کے کتبات سے چلتا ہے۔ اس کا ایک اور نام شور نائک بھی تھا۔ اور اس کے ایک بیٹے نے تیسرے سالِ حکومت (۵۱۱ء) کے دوران کال ہسنی میں ایک چراغ کا عطیہ دیا تھا[99] یہ سردار تامل گرامر کے عالم اور جین مصنّف پوننڈی کا مربی اور سرپرست تھا جس کی تصنیف "ننّول" نے تامل گرامر کی تمام دوسری کتابوں کو عملی طور پر بے مصرف بنا دیا ہے اور ان کی جگہ لے لی ہے۔ گنگا نسل کے کچھ دیگر سرداروں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

اس عہد کا نامور بان سردار مگدھائی منڈلم پر حکمرانی کرتا تھا۔ اس کا ذکر بھی اس عہد کے متعدد کتبات میں موجود ہے جن میں سے چند نہایت اعلیٰ تامل شاعری میں تحریر کیے گئے۔ ان کتبات میں ان بان سردار کا ذکر متعدد جنگوں کے ہیرو اور بہت سے مندروں کے بانی اور معمار کی حیثیت سے آیا ہے۔ ترُوونّاملیٔ کے مندر کے گنبد کو سونے سے مڑھوانے کی یادگار کے طور[100] پر اکثر اُسے پون پرپنا مگدھیشن کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کے وزرا میں سے ایک (سندھی وگرہی) نے کیلوڑ میں ایک منڈپ بنوایا تھا خود اس نے ترُوونّاملیٔ کے مندر میں کچھ چراغوں کے عطیات دیے اور کیلور کے مندر کو اخراجات کے لئے کچھ مالیات، محصول وغیرہ وقف کیے۔ اس کے "اکم ڈی مڈلہ"

میں سے بھی ایک نے ارگنڈ نلور میں چراغوں کے عطیے دیے۔ وہ "آرگلور ڈیان" اور "راج راجا دیون" کے ناموں سے بھی موسوم ہے۔ ضلع سلیم میں آرگلور اس کا صدر مقام تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس کی ولادت راج راجا دیوا کے عہدِ حکومت میں ہوئی، اس کا نام بھی وقت کے حکمران شہنشاہ کے نام پر رکھ دیا گیا۔ اسی خاندان کے ایک اور سردار کے متعلق ذکر آتا ہے کہ وہ ضلع جنوبی ارکاٹ میں کوگیور کی "کانی" پر فائز تھا، جہاں اس نے پتھر کا ایک مندر تعمیر کروایا جس کا نام شری کیلاش رکھا۔ اس مندر میں کئی منڈپ، پراکار اور گوپورم تھے۔ اُس نے اس مندر میں پون پرپتا ایشورا نامی ایک مورتی رکھی۔

شینگینی یا شامبوورایا نیز کاڈورایا اور چیدی رایا طاقت ور جاگیرداروں کے تین خاندان تھے جو ارکاٹ کے دو نو اضلاع، چنگل پٹ اور چتوڑ کے کچھ حصّوں پر مشتمل خطّے پر حکمران تھے اُن کے علاوہ یادورایا سردار بھی تھے۔

کاڈوا خاندان کے جاگیردار

ان راجاؤں کی تفصیلات کو نظر انداز کر کے اب ہم کاڈوا سرداروں کی جانب متوجہ ہوں گے۔ اس عہد کی تاریخ میں جاگیرداروں کے اس خاندان نے جو اہم رول ادا کیا اُس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں[52]۔ کلوتنگا سوم کے عہد کے کتبے ان جاگیرداروں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی تصدیق کرتے ہیں۔ جو قدیم پلّونسل کی اولاد ہونے کا دعوےٰ کرتے تھے۔ اس عہد کے کاڈوا سرداروں کی مرکزی شخصیت کُودلُور ارسُش نارائنن ایلشئی موگن عرف جن ناتھ کاچیارائن کی تھی[154]۔ ایک کتبہ میں دو مقامات پر دڑدھاچلم اور ترُوونیئ نلّور کاڈوا خاندان کے کچھ افراد کے کارہائے نمایاں بیان کئے گئے ہیں۔ اس پرشستی میں جس میں سردار کا ذکر سب سے آخر میں آیا ہے۔ وہ آلپی ڑندان ویرشیکھرن عُرف کاڈوراین ہے۔ اُسے ارسُش نارائنن کا چیارائن عُرف کاڈوَرائن کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ یہ حقیقت مع پرشستی کی تاریخ تحریر کے جو شاکا سمت [1108] ہے اس شخصیت کو ایلشئی موگن ولد ارسُش نارائنن شناخت کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے[56]۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو کاچیارائن کا لقب اُسے اپنے والد سے ورثے میں ملا ہوگا۔ ایسے کتبات بھی ملتے ہیں جن میں ویرشیکھرا کا ذکر آیا ہے اور اس کے نام کے ساتھ "الپی رندان" اور "کاڈوَرائن" وغیرہ کے الفاظ شامل کئے گئے ہیں یا کوڈلور کے ساتھ

اس کا تعلق بتایا گیا ہے. جیسا کہ ہم کلوتنگا سوم کے بعد کے سالوں میں دیکھیں گے اس حقیقت سے بھی ہماری مذکورہ بالا شناخت کی تائید ہوتی ہے. کاڈوا پرشستی میں اس خاندان کی چار پشتوں کا شجرۂ نسب دیا گیا ہے. دیرشیکھرا کے وقفہ کے کچھ بعد اگلا نام جو ہمارے سامنے آتا ہے. وہ کوڈل آلپتی رندان الگیا پلوّن کاڈورائن کا ہے. جو کلوتنگا سوم کے تینتیسویں[33] سال کے ایک کتبے میں ذکر آیا ہے کہ ایلگیا پلون کے بیٹے کو بیرن جنگاگی والدہ نے ترُ ونیائی نلّور کے مندر میں دیوی کی مُورتی رکھی[158]. اس خاتون کا نام دوسرے کتبات میں شیلاوتی درج ہے[159]. اگر ہم یہ مان لیں، جو زیادہ قرین قیاس بھی ہے کہ الگیا پلوں اور اس کا بیٹا دراصل، کاڈوا نسل سے تھے اور مذکورہ بالا پرشستی میں اسی خاندان کا تذکرہ ہے تو ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ الگیا پلون، دیرشیکھرا کا بیٹا تھا اور اس کا دادا جس کے دئے ہوئے عطیات کی توثیق اُس نے سنہ 1121 عیسوی میں کی تھی وہ کوئی اور نہیں تھا بلکہ کلوتنگا دوم کے زمانے کا ارشن نارائن ہی تھا اصل کاڈوا خاندان کا شجرۂ نسب ہم اس طرح وضع کرسکتے ہیں، وہ حسب ذیل ہے.

ولندانار

آنکولیار

ارشن نارائن کچیارایا
سنہ 1190 عیسوی

آلپتی رندان ایلشئی موگن جن ناتھا
کچیارائن دیرشیکھر
شاکا سمت 1108 مطابق سنہ 1186 عیسوی

الگیا پلوّن (شیمن)
شاڈم پیرومال 161

ایلشئی موگن
جس نے چاروں خطوں کو فتح کیا

آنکولی ؟
160

جس کی شادی ہوئی شیلاوتی سے

↓

الگیاشیئن کو پیرن جنگا

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ اس خاندان نے اگر کلوتنگا اوّل کے عہد کے آخر سے نہیں تو کم از کم وکرم چولا کے عہد سے بتدریج اپنی ترقی کا راستہ بنایا۔ اس نقطہ نظر سے وردھا چلم کی پرشستی بہت دلچسپ ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دلندانا رسنہا لی حکمران اور گنگا حکمران کے خلاف لڑا۔ یہ بات بالکل سچ ہوگی۔ کیونکہ اس کا زمانہ کلوتنگا اول کے عہد کے دوسرے نصف حصے میں پڑتا ہے جس کے دوران میں ریاست گنگا میں کافی جنگ وجدل ہوا، گوان دونوں میں لنکا اور پانڈیا ریاست کے خلاف لڑی گئی کسی جنگ کے متعلق کوئی قطعی شہادت موجود نہیں ہے۔ اگلے دو سرداروں آنکولی اور ''چاروں اطراف کے فاتح'' کے متعلق اشعار میں تاریخی اہمیت کا کوئی مواد موجود نہیں ہے۔ ارشن نارائن سے دشمن کے ایک مضبوط گڑھ واداوی پر چڑھائی کی۔ ایک مہم منسوب کی گئی ہے'' مرن اریٹر نیملی واداوی شینیٹرے ڈندایہ'' جس کی تشریح کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کی کم اہم اور یقیناً کم مشکوک کامیابیوں کا ذکر کلوتنگا دوم کے عہد میں کیا جا چکا ہے ویرشیکھرا کے متعلق تین اشعار دیے گئے ہیں۔ جن میں لفاظی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور ان میں صرف ایک بات یہی کہی گئی ہے کہ وہ کرکٹکا مارائن کے کوڈل اور آدیہ مان کی ریاست کے خلاف ایک جنگی مہم پر کندرا دتن داشل کے مغربی کنارے سے روانہ ہوا اور اس نے ان دونوں ریاستوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ظاہر ہے کہ یہ کلوتنگا سوم کے جاگیرداروں کے باہمی مقامی نوعیت کے جھگڑے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوڈل کی تسخیر کا ڈوا سرداروں کے عروج میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ اس تسخیر کے بعد وہ خود کو کہلوانے لگے کہ وہ ''کوڈل کی ریاست پر حکومت کرنے کو پیدا ہوئے تھے'' ''کوڈل دونی پالیٹرنا'' اور ویرشیکھرا خود ایسا کرنے والا اوّل شخص تھا کوڈل یا کوڈلور کی شناخت یقین کے ساتھ نہیں کی جاسکی۔ اگرچہ ایک کتبے سے ہمیں اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ یہ ترودنی یادی میں ایرہ کوونا ڈو کا ایک حصہ تھا۔ یہاں ہم بات

نوٹ کر سکتے ہیں کہ ایک اور پرشستی بھی ہے[62] جس پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے اور جو ایک شخص تونڈئی منڈلن گونڈ پلّو اندار عرف کاڈو رایار کی جنگوں اور فتوحات سے تعلق رکھتی ہے۔ جو کوڈل آلیّی رندار عرف کاڈو رایار کا بیٹا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ الگیا پلّون کی پرشستی ہو جو کہ پیرن جنگا کا والد تھا۔ ان پرشستی میں جن واقعات کا ذکر ہے، وہ کاڈوا سرداروں کی عروج کی کہانی میں ویر شیکھرا سے کو پیرون جنگا کے عہد تک کے حالات بیان کرتے ہیں۔ اور اگر اس پرشستی کے متعلق ہمارا نظریہ صحیح ہے تو الگیا نشیئن کا ایک اور نام پلّو اندار بھی تھا اور اس نے دوسرے ملکوں پر زبردستی قبضہ کرنے کے کام جس کو ویر شیکھر نے شروع کیا تھا، آگے بڑھایا ہوگا۔ اور اپنے بیٹے کے لئے زیادہ وسیع میدان میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے راستہ ہموار کر دیا ہوگا۔ پلّو اندار کی پرستی میں لکھا ہے کہ اس نے شیور کے مقام پر ایک گھمسان کی لڑائی میں فتح حاصل کی[63] جس دشمن کے ساتھ وہ لڑا اُس کا نام تو درج نہیں لیکن اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تونڈئی ناڈو اس کے زیرِ نگیں ہو گیا۔ اُس کا پتہ ہمیں اس کے خطابات سے چلتا ہے جو یہ ہیں: "پینار کی سرزمین کا حکمران"، "شمالی ونگڈم کی پہاڑی (ترو پتی) کا والی"، "فرمانروائے کانچی" وغیرہ جو بعد میں اسی پرشستی میں اُس کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

اب ہم اس عہد کے کتبوں میں کاڈووں کے متعلق دیئے گئے کچھ دوسرے حوالوں پر غور کریں گے۔ شہنشاہ کلوتنگا کے تیرھویں سال حکومت (۱۰۹۱ء) میں ویر شیکھرا کاڈوا ہے جو ارسن نارائنن الپّی رندار کے نام سے بھی موسوم تھا، ترڈوناملئی کے دیوتا کو قیمتی پتھروں کی ایک مالا نذر کی[64] بارہ برس بعد اس کے نام کے ساتھ "کوڈلور کا والی اور دیگا یمان" کا لقب شامل ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ لقب اس نے کوڈلور اور دیگا یمان کی مہمیں سر کرنے کے [illegible] اختیار کیا ہوگا۔ جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اب اس نے ترڈوناملئی کے مندر [illegible] کو عطیہ دیا[65] [illegible] سال حکومت کے دو کتبوں میں جو اسی [illegible] ہیں [illegible] کاڈو رایار کا ذکر ہے[66] جو غالب [illegible] کاڈوا دا جادی کا ایک اہم قلعہ بند شہر تھا۔ اسی طرح [illegible] کاڈووں کے

قبضے میں تھے۔ کیا موہن الپی رندان یا اڈئیار کا ڈورایا درمل ویرشیکھرا ہی کے نام تھے۔ اور اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا ہمیں یہ مان لینا چاہئے کہ کوڈل اور ادیگا ئیمان پر چڑھائی ۱۱۵۱ء سے پہلے ہو چکی تھی؟ یہ کچھ ایسے سوال ہیں جن کا جواب ابھی وثوق کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ ایک اور تفصیل جو اسی طرح غیر معتبر اور مشکوک ہے وہ کوڈل الیشئ موگن منوال پیرومال دا ملئی کنڈان راج راجا کا دورائن اصلیت اور شناخت کے متعلق ہے جس کا ذکر ترِودیناّئی نلور اور دوردھا چلم سے دستیاب ہونے والے دو کتبات میں کیا گیا ہے۔[167]

ملئیامان راجگان

سیامان نسل کے راجاؤں نے اس عہد میں بظاہر دو القاب اختیار کر رکھے تھے: چیدیا رایا اور کوول رایا اول الذکر لقب تو اس نئی روایت کا ثبوت مہیا کرتا ہے جو اب قائم ہو رہی تھی، جس کے تحت یہ رجواڑے چیدی کے ہی ہنیا خاندان سے اپنا رشتہ جوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ ایک ایسا دور تھا جس میں سبھی حکمران سردار خود کو پرانوں کے زمانے کی کسی نہ کسی نسل کی اولاد ثابت کرنے کی سعی مصروف تھے ان میں سے ایک تو شنشو پالن بھی کہلاتا تھا[168] دوسرے لقب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جاگیرداروں کے اس گروہ کی طاقت کوول نیز ضلع جنوبی ارکاٹ میں دریائے پینار کے کنارے ترِوکوولور کے ارد گرد مرکوز تھی۔ کچھ ناموں اور القاب سے مختلف جاگیردار خاندانوں کی باہمی خاندانی رشتہ داریوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ایسے نام ہیں جیسے وان کلارائن، جو ایک سردار کلئیور ملئی ملئیامان نے اختیار کیا تھا[169] وان کو ورائیا ملئیامان[170] اور سب سے انوکھا شولا گنگا یلورائین جو شنشو پالن کا خاندانی نام تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے[171] کلئیور کے ملئیامان سرداروں میں سے ایک پون پرپان بھی تھا[172] یہ لقب کس لئے اختیار کیا گیا تھا۔ اس کا پتہ نہیں چلتا چنگما اور ترِوونا ملئی[173] سے دستیاب شدہ کتبات ملئین نرسمہا درمن نامی ایک سردار کا ذکر آیا ہے۔ جو کریکال شولا آڈیونباڈالوا[ن] بھی کہلاتا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نرسمہا کا لقب سب سے پہلے نرسنگھ منیا درئیار نے اختیار کر رکھا تھا۔ جو شہنشاہ راجندر دوم کا ہم عصر تھا[174] لیکن یہ لقب مئیامانوں کے خاندان میں کلوتنگا سوم کے عہد تک برقرار رہا۔

اڈیگئی مان راجگان

تگڈوُر کے قدیم اڈیگئی مان خاندان نے کلوتنگا سوم کے عہد حکومت میں چولا شہنشاہ کے باجگزار کی حیثیت سے ایک بار پھر شہرت اور اہمیت حاصل کی. جیسا پہلے بھی ہم دیکھ چکے ہیں. یہ انہی کی مدد تھی جس کے طفیل چولا طاقت نے ہوئسالہ راجہ وشنو وردھن کی جنگوں کے نتیجے میں جو کچھ گنوا دیا تھا۔ اس کا کافی حصّہ واپس لے لیا تھا. کلوتنگا کے ایک کتبے میں بلّالا دوم کے مذکرے اور بلّالا کی مہارانی کے نام چولا مہادیوی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چولوں اور ہوئسالوں کے مابین مقابلتاً زیادہ گہرے تعلقات تھے یہ یا تو اڈیگئی مانوں کی کسی کامیاب جنگی مہم کا نتیجہ تھا یا اُن کی جانب سے کامیاب سفارتی بات چیت کا راج راجا دیون عرف ادیامان نے جو گنگا ناڈو میں واقع تگڈور کا والی تھا ترُووینا ملئی کے مندر کو پورے کا پورا ملئیانوُر کا گاؤں ہی عطیے میں دے دیا تھا. جو تگڈوُر ناڈو میں دریائے بینار کے شمالی کنارے پر واقع تھا[175] اس کے لقب راج راجا سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ راج راجا دوم ہی کی زندگی میں تگڈوُر کے جاگیرداروں اور چولوں کے مابین دوستانہ تعلقات، اگر وہ بالغرض منقطع بھی ہوئے ہوں، بحال ہو چکے تھے. راج راجا دیون کا بیٹا ایک بہت مشہور سردار وڈگا دالگئیا پیرومال (دیامکت شرونواُجوُلا) تھا جو خود کو ملینی کے خاندان کی اولاد بتاتا تھا. جو تنگم لٹریچر میں کافی مشہور تھا۔ یہ سردار بہت سے دلچسپ کتبات چھوڑ گیا ہے. سامنتن ادیامان جس نے کلوتنگا سوم کے انیسویں سال حکومت میں ترُومانی کلی کے دیوتا کو ایک طلائی پٹکا نذر کیا تھا[176] یا تو اس سردار کا باپ تھا یا بیٹا. بیٹے کے کتبات سلیم. شمالی ارکاٹ اور جنوبی اضلاع میں پائے جاتے ہیں. ان میں سے صرف چند کی تاریخ تحریر کلوتنگا کے زمانہ حکومت میں پڑتی ہے لیکن چونکہ ان میں سے بیشتر نظم میں ہیں. لہٰذا اُن میں کلوتنگا کے نام کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس سردار نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا[177] کلوتنگا نے اپنے بائیسویں[22] سال کے ایک کتبے میں خود کو تین دریاؤں — دریائے پالار. دریائے پینار اور دریائے کاویری کا فرمانروا ہونے کا دعوےٰ کیا ہے. یہ اور کہا ہے کہ اُس نے شیرد کوٹئی میں جو دریائے پینار کے کنارے واقع تھا. پتھر کا ایک مندر تعمیر کروایا اور اس کا نام اپنے نام پر رکھا[178]

ترُومَلئی سے ملنے والے ایک اور کتبے میں درج ہے۔ کہ اس نے ترُومَلئی کی پہاڑی پر واقع ایک جینیوں کی بستی کے نزدیک یکش اور یکشی کی مورتیوں کی درستی کرائی جو اصل میں اس کے اسلاف میں سے چیرا راجہ ایلنی نے نصب کی تھیں۔[79] چینگما (شمالی ارکاٹ) کے ایک اور کتبے سے جو اسی کے ایما پر کندہ کیا گیا تھا، ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واقعی ملک کے اس خطّے کے چولا جاگیر داروں میں کس قدر زیادہ اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ اس کتبے میں اس معاہدے کا ذکر بھی آیا ہے۔ جو اُس نے اِس سے قبل غالباً کلوتنگا سوم کے اکیسویں[21] سال حکومت میں دو جاگیرداروں کے ساتھ کیا تھا اور جس کی شرائط کی بعد میں تجدید کی گئی تھی یہ دو جاگیردار کریکال شولا اُڈیورنادالوان اور شینگنی امّیاپن اتی ملّن عرف وکرم شولا نادالوان اس معاہدے کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ جب معاہدہ برقرار رہے گا اس وقت تک ادیگی مان اور دوسرے سرداروں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرے گا۔ ان سرداروں میں سے ایک شینگنگن بھی تھا۔ سیاسی نوعیت کے یہ مقامی معاہدے جن میں حکمرانِ اعلےٰ کا قطعاً کوئی حوالہ نہیں ہوتا تھا، چولا سلطنت کے بڑھتے ہوئے انتشار کے بیّن ثبوت تھے۔

مرکز کی گرفت میں خرابی

اسی باب میں پہلے بھی ہم مرکزی حکومت پر نیز خود مختار مقامی جاگیرداروں کی تعداد میں بتدریج اضافے کے اثرات کی جانب توجّہ دلا چکے ہیں۔ کلوتنگا کے جاگیرداروں کی طویل فہرست سے جن میں سے کچھ کے نام اوپر دیئے جا چکے ہیں اور باقی ماندہ کے نام اس عہد کے کتبوں سے معلوم کرنے باقی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مرکزی نظام بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا یہ ایک اس طرح کا مسلسل عمل تھا جس میں اسباب و نتائج ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ مرکز کی بڑھتی ہوئی کمزوری نے جاگیردارانہ نوعیت کے نئے نظام کو لازمی بنا دیا تھا جو مقامی امن و قانون اور سلامتی کا کفیل ہو سکتا۔ لیکن جب آگے ایسا وقت آیا کہ مرکز نے اپنے سابقہ اقتدارِ اعلےٰ کو پھر سے حاصل کرنے کی سعی کی تو یہی نظام اس کے راستے میں آہنی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ مقامی حکمرانوں کے مابین سیاسی معاہدے شہنشاہیت در شہنشاہیت کی نشو و نما کا ثبوت تھے جو اس وقت تک ہوتی رہی جب

تک مقامی شہنشاہیت اس مرکزی شہنشاہیت کا خول پھاڑ کر باہر نہیں آگئی جس کے زیرِ سایہ اس کی تشکیل شروع ہوئی تھی. اس طرح کے مقامی معاہدے کلوتنگا سوم کے زمانے میں اُس کے پیش رووَں کے زمانے سے زیادہ کثیر تعداد میں ہوگئے تھے. اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ پانڈیا ریاست میں اُس عہد کے چولا کتبات قطعًا ناپید ہیں اور یہ کہ بظاہر چولا حکمران کا اختیار اِس خطّے کے روزمرّہ نظم ونسق میں قطعًا محسوس ہی نہیں کیا جا رہا تھا. تو یہ بات صاف دکھائی دے گی کہ مقامی سرداروں کے مابین ان باہمی معاہدوں کے دائرہ اثر میں وہ حدودِ سلطنت بھی آجاتی تھیں. جو براہِ راست کلوتنگا کے زیرِ اختیار تھیں. یہاں ان معاہدوں یا ان کی شرائط پر بحث کرنا غیر ضروری ہوگا[۱۵] تاہم یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اِس طرح کے ہر اس تحریری معاہدے کے علاوہ جو اس وقت ہمارے علم میں ہے، بہت سے ایسے اقرار نامے بھی ہوں گے جو تحریر میں نہیں لائے گئے یا جن کی تحریری دستاویزات تلف ہوچکی ہیں. یا جن کو تلاش کرنا ابھی باقی ہے ان مقامی معاہدوں کے باعث شہنشاہ کی حکومت کے انتظام میں سنگین رکاوٹیں آتی ہوں گی. جیسا ہم آگے دیکھیں گے یہ سچ ہے کہ کلوتنگا سوم کے اور اُس کے بدنصیب جانشینوں راج راجا سوم اور راجندر سوم کے تحت بھی انتظامیہ کا ڈھانچہ بالکل ویسا ہی نظر آتا ہے. جیسا کہ سامراج کے اُس زمانہ عروج میں تھا. جب راج راجا اوّل اور راجندر اوّل کی فرماں روائی تھی. لیکن اِس نظام کی بیرونی شبیہ کے پس پردہ پہلے کا سا جذبہ موجود نہیں تھا.

پندرھواں باب

حاشیے

(۱) تاجپوشی 28 فروری اور 30 مارچ 1163ء کے درمیان کسی روز ہوئی۔ کیلہاؤرن - E.I - IX صفحہ 211. لیکن پچھلا حاشیہ C بھی دیکھئے۔

(2) 1908 کا نمبر 558 (دوسرے سال کا)- 1922 کا نمبر 43 (تیسرے سال کا)

(3) 1900 کا نمبر 262

(4) 1908 کا 172 (چھٹے سال کا)- 1904 کا نمبر 540 (دسویں سال کا)

(5) شوپوری (RD) سے دستیاب شدہ وکرم چولا کے صرف دو کتبے یعنی 1929 کے نمبر 47 اور نمبر 55: کلوتنگا دوم اور راج راجا دوم کا ان میں کوئی بھی کتبہ نہیں ہے۔ تردکلاکڈی (RD) سے ملا ہوا راجا دھیراج دوم کا ایک کتبہ — 1916 کا نمبر 43

(6) C.V. - باب 76، V، 76 - باب 77، V، 103-

(7) کونگوچولا حکمران کلوتنگا کا ایک کتبہ — 1928 کا نمبر 336 - C V اس واقعے کی تائید کرنے والا ایک معرکہ خیز کتبہ ہے۔ اس سے مذکورہ عہد میں جنوبی ہند کے شاہی خاندانوں کے باہمی رشتوں اور سیاسی تعلقات کا بھی کچھ پتہ چلتا ہے۔

(8) C.V. باب 77، V - 85 جیجر (حاشیہ 3 میں) اس تذکرے کی صحت پر شبہ ظاہر کرتا ہے۔ بظاہر یہ شک اس لئے ہے کہ وہ V - 83 میں مذکورہ مدھرا کو ایک شہر سمجھتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں یہ لفظ مدھرا ریاست کے لئے آیا ہے۔ کیلے نلیا قدیم پانڈیا ریاست کی شمالی سرحد پر موجودہ

رام نڈ ضلع میں واقع ہے اور جولٹرائی چار "گا وتوں" پر چھڑی تھی وہ اس گاؤں سے سمندر تک پھیل گئی ہوگی ۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ چولا کتبات سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے ۔

(۹) مقابلہ کیجئے جینجر .C .V ۔ii، صفحہ ۱۰۰، حاشیہ نمبرا

(۱۰) ۱۸۹۰ کا نمبر ۲۰ ــــ SII ۔ vi ۔ نمبر 456؛ ARE ۔ ۱۸۸۹، پیراگراف 23 تا 38

(۱۱) 1924 کا 433

(۱۲) 1905 کا 465

(13) 1925 کے کتبہ نمبر 261 میں بھی اسی طرح کا اراضی کا ایک فرمان عطیہ درج ہے ۔ اس میں جنگ کے ان ہی حالات کے کچھ اجزا نقل کئے گئے ہیں اور یہ بعض خلاؤں کو پر کرنے میں بہت کارآمد ہے ۔

(۱۴) اورتورئی دراصل کائتس ہے جو جفنا کے مغرب میں ایک جزیرے پر واقع ہے ۔ ماتوٹم اصل میں مہاتیھا منتوتا ہے ۔ ولیکامم کو C.V میں "ولک گاما" کہا گیا ہے (باب 83، V ۔ 17) اور یہ منار سے لگ بھگ پانچ میل جنوب مشرق میں واقع ہے ۔ ماٹی وال غالباً متوول ہے جو جفنا سے دس میل مشرق میں واقع ہے ۔ وینکٹاسُبا آئر E E ۔ ix صفحہ 187 ۔ حاشئے ۔

(15) اس راجا کو ایک بار (تقریباً ۱۱۵۶ء) میں پراکرم باہو نے گرفتار کر لیا تھا اور اسے اپنے فاتحانہ جلوس کے آگے آگے پیدل چلنے پر مجبور کیا تھا ۔ C.V. ۔ باب 72، vv ۔ 291، 299 ۔ لنکا ایک طویل خانہ جنگی کے باعث ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا تھا ۔ تب اس کے بعد پراکرم باہو تمام جزیرے کو اپنے زیر فرمان لا کر اسے متحد کرنے میں کامیاب ہوا ۔ C.V. ۔ باب 72 ۔ 7

(۱۵) یہاں "ایلتا نڈان سمبندم پن وُم" کا جملہ استعمال ہوا ہے ۔ اس کے معنی ازدواجی رشتہ ہو سکتے ہیں ۔

(17) "ایلگم کے لوگ" "ایلگم" غالباً اصل میں "اڈگم" تھا جو موجودہ تعلقہ

مدورا میں واقع ہے ۔ SII ۔ iii صفحہ 212، حاشیہ نمبر ۱ ۔ "مرپڈائی" اور "ایلگاپڈائی" کے معنی البتہ پانڈیا افواج کے دو شعبے ہیں ۔ اگر یہ بات درست ہو تو یہاں "ایلگتار" فوجوں کے لئے ہی آیا ہوگا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ فوجی دستے دشمن کے ساتھ مل گئے تھے ۔ باقی ماندہ اپنے آقا کے وفادار رہے ہوں گے "

(18) اس جرنیل کو بطور انعام پلائیانور میں دس "ویلی" اراضی عطا کی گئی ۔

(19) 1906 کا نمبر 36 — 1909 کا 731 وغیرہ ۔ بعض کتبوں مثلاً 1905 کے 476 میں یہ خاندانی نام اور معمول کی پرستش اکھٹے آئے ہیں

(20) گزشتہ صفحات 359 - 60 دیکھئے ۔

(21) I N .- N . 22 . 1922 کے کتبات نمبر 108، 105، — 1907 کا نمبر 571

(22) 1893 کا نمبر 48

(23) 1927 کا 129

(24) 1913 کا 263 ۔ دیکھئے ARE ۔ 1927، II، 27 ۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ چدامبرم کے کتبہ میں کلوتنگا سوم کے عہد کے ایک وقف کا اندراج ہے اور تاجدار کے لئے "کریکال" اور "راجادھیراج" دونوں انقلاب ARE ۔ 1914، II، 17 میں استعمال ہوئے ہیں لیکن اصل میں معلوم ہوتا ہے کہ جاگیر راجادھیراج نے دی تھی اور اس کی از سر نو توثیق اس کے جانشین نے کی ۔ کتبہ نمبر 263 میں اصل فرمان درج ہے اور کتبہ نمبر 262 میں اس کی توثیق ہے جو کلوتنگا کے عہد میں کی گئی ۔ ایک اور امکان یہ بھی ہے کہ نمبر 262 دراصل کلوتنگا دوم کے زمانے کا کتبہ ہے اور اس میں پراکسیری کا لقب غلطی سے شامل کیا گیا ہے ۔

(25) 1908 کا نمبر 420

(26) 1925 کا نمبر 259

(27) 1904 کا نمبر 538

(28) 1924 کا 433

(29) 1902 کا نمبر 619 — 1927 کا نمبر 27

(29-الف) 1923 کا 393 (چوتھے سال کا)

(30) 1893 کا نمبر 7-الف

(31) 1899 کا نمبر 20

(32) 1904 کا نمبر 195- 1902 کا نمبر 202 - 1919 کا نمبر 71 - 1904 کا 222

(33) 1929 کا 65

(34) 1929 کا 55

(35) 1919 کا 252 — ARE - 1934-35، II، 16 — 1937 - 38، II، 41 - 39 ، 1-
40، اور 1942- 43، II، 40، ایسی ہی دیگر مثالیں ہیں۔

(36) 1921 کا 389

(37) E I - iii صفحہ 260 - کیلہارن - ہیماوتی کے تامل کتبے کے لئے دیکھئے گذشتہ صفحہ 357 - اس کتبے میں کلوتنگا کی تخت نشینی کا سال 67-1166ء دیا گیا ہے۔ دوسری جانب راجادھیراج کے متعدد کتبے تیلگو اضلاع میں (بالخصوص دراکشارام میں) ایسے ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تامل خطے پر اپنی حکومت کے اختتام کے بعد بہت برسوں تک تیلگو علاقے میں مقیم رہا۔ پلورآئن پیٹائی کے کتبے میں ایک تنازعے کے متعلق اشارہ ملتا ہے جو راج راجا دوم کی وفات کے بعد راجادھیراج دوم کی تخت نشینی کے وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یہ واقعہ 1166ء کا ہو سکتا ہے جو راجادھیراج کے عہد حکومت کے واقعات کی تاریخ کا نقطہ آغاز مانا گیا ہے۔ اسی سال میں کلوتنگا نے بھی ہیماوتی کے کتبے کے مطابق اپنے عہدِ حکومت کے آغاز کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کلوتنگا نے ہرگز عداوت ترک نہیں کی اور جب اس نے اپنے حامیوں کی مدد سے چولا تخت پر قبضہ کیا تو راجادھیراج دوم کو 1178ء میں تیلگو علاقے کی جانب جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا۔ اوپر اختصار کے ساتھ جن کتبوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ان کی اور آئندہ دریافت ہونے والے کتبات کی روشنی میں راجادھیراج دوم اور کلوتنگا سوم کے باہمی تعلقات کا زیادہ غور سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

(38) تربھوَن چکرورتن کلوتنگا چولادیو کے دوسرے سالِ حکومت کے کتبے- 1917

کے نمبر 229 ۔ میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت ''پیریا دیو رراج راجا دیو'' کے
عہد حکومت کا انیسواں برس تھا۔ لیکن اس کا مطلب لازمی طور پر یہ نہیں ہے
کہ دونوں میں بیٹے اور باپ کا رشتہ تھا جیسا کہ راجا دھیراج دوم کے متعلق
1925 کے کتبہ نمبر 37 میں فرض کیا گیا ہے (جو اٹھائیسویں سال کا کتبہ ہے)

(39) گزشتہ صفحہ 372 دیکھئے

(40) اس کتاب کی تصنیف بعض اوقات غلطی سے اوٹا کوتن سے منسوب کی جاتی ہے۔ پنڈت آر راگھو آئنگر نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تصنیف مذکورہ شاعر کی ''الاؤں'' سے بعد کی ہے اور ''شنکر شولن الا'' کی ہم عصر ہے۔ دیکھئے ''شبین تمل''۔ iii صفحات 167 تا 170

(41) ''کووائی'' کے مصنف کو اس بات کا زیادہ شوق ہے کہ وہ اپنے ممدوح کو وشنو کا اوتار ثابت کرے اور اس کے ساتھ اس دیوتا کے افسانوی کارنامے منسوب کر دے ۔ وہ اسے انسانی پیکر رکھنے والا کوئی حکمران قرار دے کر اس کی زندگی کے واقعات بیان کرنا نہیں چاہتا ۔ اس ''کووائی'' کا ''پانڈی کووائی'' کوئی مقابلہ نہیں ہے، جو ''ارائینارا ہیتورل کے تبصرے میں شامل بیشتر وضاحتی بندوں پر مشتمل نظم ہے، پھر بھی ''کووائی'' کے مندرجہ ذیل جملوں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے جن سے اس بات کی بہت حد تک تصدیق ہوتی ہے کہ اس کا ممدوح واقعی کلوتنگا سوم ہے کیونکہ یہ جملے کونگو اور پانڈیا ریاستوں پر حاصل کی گئی فتوحات اور شو سے راجا کی عقیدت کی جانب اشارہ کرتے ہیں ۔ نیز ''کووائی'' میں کسی بھی ایسی بات کا سراغ نہیں ملتا جو اس طرح کی شناخت کی تردید کر سکے ۔

کونگ ۔ اوٹم دینگالک کوڈیون (7 ۔ 82)
پتیال ۔ ارگی تا گا پرنتائی ۔ بیتم کلوتنگن (88)
ملو ۔ والیائپ ۔ پوئت ۔ تان ۔ شولترو ۔ ترت ۔ تالان کلوتنگن (103)
مین پوڈوین ۔ کنڈ (114)
کونگو ڈک ۔ کتن ۔ کلران (133)
اڈی ننزا مین من ۔ جابم ۔ مولیہ ڈوی ۔ مگک ۔ کوڈمی ۔ ننزا دینگی میرتون (270)

مین ورشیبرری وینکنڈویرم وِلک کوی نرا ۔ نوَر پاڈُم کلوتنگن (۱۹۵)
تنگمُ ۔ اَرَنم پرد ۔ اونرلاد ۔ اندرچ ۔ چادگم ۔ کوتگمُ ۔ ارئنجم ۔ کمارکلوتنگن (۲۷۰)
جن ریاستوں نے کلوتنگا کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرلیا تھا اُن میں شاوکم (زاہک کا ذکر
خصوصی طور پر محلِ توجہ ہے ۔

(42) ۱۹۰۲ کا نمبر 165 ـــــ SII - iii، 75

(43) ۱۹۰۲ کا 457 ـــــ SII - iii، 86 ۔ تردکولمبودور کے کتبے کی ساخت بھی ایسی ہی ہے لیکن اس کی صحیح تاریخ کا علم نہیں ہے ؛ کیونکہ ۱۱، ۱۴ ۔ ۱۵ میں مذکورہ چوتھا سال حکومت یقیناً اس کی تاریخ نہیں ہے ۔ اس کے خلاف دیکھئے وینکیاّ ۔ 1899

(44) 1918 کا 173 ـــــ ۱۹۰۱ کا ۱۹۶

(45) ۱۹۰۱ کا 215

(46) ۱۹۰۸ کا 176 ـــــ ۱۹۰۲ کا 313

(47) ۱۹۰۴ کا ۱۹۰

(48) ۱۹۰3 کا ۲۴ ۔ ب

(49) 85-

(50) 1925 کا 397

(51) ۱۹۰5 کا نمبر 2

(52) سب سے پہلے اس کا ذکر چھبیسویں سال کے کتبے ـــــ 1912 کے نمبر ۱۲۰ میں ہوا۔ چونکہ اس کتبے میں تاریخ سینتیسویں سال کی دی ہوئی ہے، اس لئے سب سے پہلا حوالہ ۱۹۰۲ کے نمبر 658 (انتیسویں سال) میں ہے ۔ کانچی کے ایک واحد کتبے (۱۹۱۹ کا نمبر 517) میں (3) ۱ ویں یعنی تیرھویں برس میں ان ابھشیکوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہوسکتا ہے کہ تیس ہو اور کے ہندسے کندہ کرنے والے کی غلطی سے الٹ گئے ہیں ۔

(53) صفحہ ۱۸ ۔ اور اس کے بعد کے صفحات ۔ یہ کتبہ اس لحاظ سے بہت کارآمد ہے کہ اس میں جنوبی ہند کے تمام فتنہ وفساد اور بغاوتوں کے باوجود ... کے انتظامِ سلطنت کے جزوی طور پر قائم رہنے کا تذکرہ ہے ۔

(54) 1902 کا 547 (SII - iii - 86) ــــ 1899 کا نمبر ا بھی اسی کے مشابہ ہے۔

(55) 1899 کے کتبہ نمبر ا میں " بیٹے " لکھا ہے۔ ہلتشس نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:
" ویر پانڈیا کے بیٹے کو مطیع بنایا گیا " SII - iii صفحہ 212 (1-2) لیکن " پڈا " کا لفظ جہاں آدمیوں کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں اس کا مفہوم " جان یا جانوں کا نقصان " ہے۔

(56) 1918 کے کتبہ نمبر 97 میں (جو چودھویں سال حکومت کا ہے) زیادہ خوشنما الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن میں مٹروا افواج کا بھی ذکر ہے: " شنگل پڈئی مٹر پڈئی ویٹنڈ لائی کنڈل پکلڑی ویل "

(57) 1902 کا 458 (SII - iii 87)

(58) 1925 کا 254 ــــ 1906 کا 42

(59) ایسا لگتا ہے کہ اس لفظ کے معنی " حرم " نہیں بلکہ محل کے عملے کا زنانہ شعبہ (ملازم عورتیں) ہے۔ 1906 کے 42 میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

(60) ویرکیرلا سے متعلق متن جو میں نے ان دونوں کتبوں میں پڑھا ہے یوں ہے:
" مین ونام ویرکیرلن وے (نائی) کونڈو ورل نرطتت تان اڈمئی پگودلال ترادپر پیڑا وال ولتو بکمرندن پری کل پری جن پلگی۔ آخری جملے کا صاف طور پر وہی مفہوم ہے جو SII - iii - 88، 1 - 5 میں اس کے ساتھ مطابقت رکھنے والے جملے " پری کلتی انڈلتو " کا ہے۔

(61) 7-19 کا 288

(62) 1892 کا نمبر 66 ــــ SII - iii 88

(63) " کوڈی ولنگو - دلون " کے صحیح معنی یہی دکھائی دیتے ہیں۔ ہلتشس نے یوں ترجمہ کیا ہے۔ " ولون (یعنی وہ چیر [illegible]) جو [illegible] سے پہلے [illegible] روپے بانٹ [illegible] کے معنی ہیں " [illegible] " تمام [illegible] گران۔ [illegible] کیجئے اس کے [illegible] کی تصنیف

[illegible] 16 [illegible] حاشیہ نمبر 3 کے ساتھ۔

(64) [illegible] میں پہلے کا [illegible] (نائی) کو [illegible]

نے تصحیح کر کے " وینی کونڈو " کر دیا ہے، وہ ٹکڑا " وِرل ترِتو" کے بعد آتا ہے
نہ کہ پہلے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے تروکڈ ایور کے کتبات میں دیکھ چکے ہیں۔
پڈوکوٹہ کے جن کتبات کا ہم بعد میں ذکر کریں گے، ان میں شری رنگم والی عبارت
نقل کی گئی ہے، لیکن شری رنگم اور پڈوکوٹہ کے کتبوں میں " تانڈِ یائی پکدُو دلال "
کا جملہ نہیں ہے۔

(65) 1896 کا ۴۰۹

(66) 1902 کا 170

(67) پڈوکوٹہ کے کتبوں میں سے نمبر 163، و 166 (اصل متن)۔ ان دونوں کتبوں کو
صحیح طرح سے محفوظ نہیں رکھا جا سکا اور ان کے مطبوعہ متن میں جگہ جگہ عبارت
کے بیچ میں خالی مقامات ہیں اور غالباً کچھ حصوں کے پڑھنے میں غلطیاں
بھی ہوئی ہیں۔

(68) یہاں پر استعمال کئے گئے الفاظ وہی ہیں جو SII۔ iii۔ 87، ii، 2۔ 3
میں ہیں۔

(69) ایضاً، 88 — ii، 3 تا 6

(70) اس جگہ مجھے کچھ غیر واضح فقروں کو حذف کرنا پڑا ہے۔

(71) میں یہاں اصل متن کے خوبصورت الفاظ پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا:
" مادُورائی یائی وِلنگو نڈو ترِو والوائے اڈیّم تین۔ ملرکونٹرِی وارشٹڈا ایچ
جیلین جُنڈرانتولدُرانجی "۔

(72) ترومل واڑی سے دستیاب ہوئے چونتیس سال کے ایک کتبے (1895
کے نمبر ۷۹) میں ہم " پُیل وانتو " والی تمہید کی ایک بگڑی ہوئی شکل دیکھتے
ہیں۔ اس تمہید میں دنیا کے مختلف خطوں میں کلوتنگا کی افواج کے کارہائے
نمایاں درج ہیں جن کی کوئی تاریخی افادیت نہیں ہے۔

(73) موازنہ کیجئے۔ SII۔ iii۔ 88، ii۔ 5

(74) 85

(75) 128، حاشیہ 6

(76) صفحات 5-1-6، نیز

(i) صفحہ 128، حاشیہ نمبر 6 — اوپر جس کتبے کا ذکر کیا گیا ہے وہ 1905 کا نمبر 90 ہے۔ 1905 میں اسے غلطی سے "وٹیلٹو" اور ٹوٹا پھوٹا بتایا گیا ہے۔ ایس پرناوِتنے نے . لنکا شاخ (

صفحات 384-87 میں یہ فرض کیا ہے کہ چولوں نے 1200ء سے قبل لنکا پر تین حملے کئے۔ یہ قیاس سنہالی نظم "سسداوتا" میں کنّی کے متعلق بیان اور اس پر کئے گئے پرانے تبصرے (سنّتے) کی بنا پر کیا گیا ہے۔ ان حملوں کی تفصیلات تبصرے ہی میں دی گئی ہیں اور اس میں شبہ ہے کہ کیا بغیر کسی مزید ثبوت کے ہم تبصرے میں دئے ہوئے مبہم سے بیانات کا رابطہ لنکا کے متعلق ایسے ہی مبہم بیانات کے ساتھ قائم کرسکتے ہیں جو کلوتنگا کے کتبوں میں دئے ہوئے ہیں —
پرناوتنے مزید لکھتا ہے۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چولوں اور سہالیوں کے مابین مستقل جنگ کی صورتِ حال پراکرم باہو اوّل کے عہدِ حکومت کے آخری برسوں سے لے کر پولونروا کے زمانے تک برقرار رہی جس کے دوران حملے اور جوابی حملے چلتے رہے اور ان کا الگ الگ موقعے پر الگ الگ انجام سامنے آتا رہا"۔ مجھے شبہ ہے کہ "چولاومسا" (VC) کی شہادت سے اس بیان کی تائید ہوئی ہے۔ لنکا میں خانہ جنگی تھی اور کوئی نہ کوئی فریق ہمیشہ برصغیر ہند سے مدد مانگتا رہتا تھا اور شاید معاوضہ دے کر یہ مدد اسے مل جایا کرتی تھی۔ انی کانگا، لوکسیرا اور خود ماگھا بھی برصغیر ہند ہی سے بھرتی کی ہوئی افواج لے کر لنکا میں داخل ہوئے۔ تاہم لوکسیرا دوم نے (1210-11ء میں) "لوک ارکمینا کو انعام واکرام دیا کیونکہ اس نے راجہ کی جانب سے چولوں کو مار بھگانے میں شجاعت دکھائی تھی"۔

(77) صفحات 142-43

(78) غور کیجئے کہ چھوٹے بھائیوں کا ذکر ان میں خاص طور پر کیا گیا ہے۔ میں کسی اور جگہ یہ واضح کرچکا ہوں (PK صفحات 142-43) کہ ماڑورمن سندر پانڈیا جوجت کل شیکھرا کا جانشین تھا در اصل اس کا چھوٹا بھائی تھا۔

(79) پانڈیا ریاست سے ملنے والے کلوتنگا سوم کے کتبوں میں مندرجہ ذیل دو کتبے

ترو کلاکڈی (ضلع رام نڈ) کے — یعنی 1916 کے نمبر 39 - 40 (چودھویں سال حکومت کے)، ایک کتبہ تینّے ویلی کا، 1927 کا نمبر 28 (اٹھارویں سال کا)، ایک چترویدی منگلم (ضلع رام نڈ) کا، 1928 کا نمبر 313 (اکیسویں سال کا) اور ایک تینور (ضلع مدورائی کا) - 1926 کا نمبر 6 (انتالیسویں سال کا)

(80) 1909 کا نمبر 49 — 1920 کا 670 — 1921، II - 64

(81) صفحات 7 تا 10، — صفحہ 430 و صفحاتِ مابعد

(82) صفحہ 121، حاشیہ 5 — 1908، II، 79

(83) 1907 کا 583

(84) 1907 کے نمبر 579 میں لکھا ہے کہ نل سِدّھ، ایراسدّھ کا بیٹا تھا - دوسرے کتبوں میں سب سے بڑے بیٹے کا نام منماسدّھی درج ہے (صفحہ 153 وصفحاتِ مابعد) - لہٰذا یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ منماسدّھی اور نل سدّھ ایک ہی شخص تھے - حسبِ رائے وینکیا - صفحہ 10، حاشیہ نمبر 56 -
موازنہ کیجئے سی ویل صفحہ 130 - حاشیہ -

(85) 1892 کا نمبر 104 — 1893 کا 35 — 1896 کے کتبات نمبر 407 - 408 - یہ سب مؤلفہ لڈرز میں شامل ہیں -

(86) صفحہ 155

(87) 39

(88) وینکیا یہاں 'منماسدّھ' پڑھتا ہے، صفحہ 10، حاشیہ نمبر 5

(89) سی ویل کی رائے میں بیتا دوم ہی نل سدّھ تھا - صفحہ 395 - لیکن نل سدّھ کے کتبوں کی تعداد، ان کا ماخذ نیز اس کا کانچی سے خراج وصول کرنے کا دعویٰ (1906 کا 483 : 3،) ان سب سے نل سدّھ کی اس درجہ مشغول زندگی کا اظہار ہوتا ہے کہ اس سے تمو سدّھی کے کتبوں میں دئیے ہوئے اس بیان کی مکمل طور پر تردید ہو جاتی ہے کہ بیتا کی زندگی تمام تر مذہبی ریاضت کے لئے وقف تھی - دوسری جانب اگر ہم منماسدّھ کو نل سدّھ قرار دیں تو تمو سدّھی کے کتبوں کے اس بیان کو غلط قرار دینا ہو گا کہ منما کی وفات 1205ء میں ہو گئی تھی - اور

یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ کاولی کے کتبے - 39) میں صرف نل سدھ اور تموسدھی ہی کا ذکر کیا گیا ہے (وینکیا یہاں نل سدھ کی بجائے منما سدھ پڑھے گا۔ اور اگر یہ صحیح ہو تو اس سے تموسدھی کے کتبوں کی براہِ راست تردید ہو جاتی ہے)۔ کاولی کے کتبے میں مزید لکھا ہے کہ اگرچہ اوّل الذکر کی بطورِ حکمران تاجپوشی کر دی گئی تھی پھر بھی تموسدھی ہی حکومت کا کام کاج چلاتا تھا۔ اس طرح اس کتبے سے سی دیل کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیٹا ہی نل سدھ تھا اور منما سدھ کے انتقال کے بعد اس کی تاجپوشی تھی تو نل سدھ کے کتبات کس نے کندہ کروائے جو اگر بہت پہلے نہیں تو کم از کم 1192ء میں اور اس کے بعد خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے بعض بلاشبہ منما کے سال وفات، تقریباً 1205ء سے پہلے کے ہیں؟ ۔ تموسدھی کے کتبوں کے بیانات کو نل سدھ کے کتبوں کے مہیا کردہ اعداد و حقائق کے ساتھ مربوط کرنے کے کوئی ذرائع بھی نہیں معلوم ہوتے۔ یہ بات بھی مستحق توجہ ہے کہ 86 مورخہ 1214ء) میں خیال ہوتا ہے کہ منما ان دنوں ابھی حیات تھا۔

(۹۵) 85، وینکیا کا کہنا صحیح ہے کہ یہ کتبہ مسخ شدہ حالت میں ہے اور اس کی تاریخ بھی اس پر سے معدوم ہو چکی ہے۔ صفحہ ۱۰،

حاشیہ نمبر 58 ۔ لیکن "پداودو" کا لفظ جس سے دوسری سطر شروع ہوتی ہے اور دوسرے کتبوں میں دی ہوئی تاریخیں جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، اس بات کے امکان کو واضح کرتی ہیں کہ کلوتنگا کا نواں سال اس کتبے کی تاریخ ہے گو یہ انیسواں یا انتیسواں سال بھی ہو سکتا ہے۔ بات کچھ بھی ہو وینکیا کا یہ بیان صحیح تسلیم کر لینا آسان نہیں ہے کہ "چونکہ اوّل الذکر (یعنی نل سدھ) معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا سوم کا اس کے ستائیسویں سال سے لے کر پینتیسویں سال تک ہم عصر تھا لہٰذا یہ واضح ہے کہ وہ تموسدھی کے بعد ہی ہوا ہوگا"۔ جب شاکا سمت 1127 (جو اندازاً کلوتنگا کا ستائیسواں سال ہوتا ہے) سے قبل تموسدھی کا کہیں ذکر تک نہیں آتا تو ہم وینکیا کے اس بیان کو صحیح کیونکر مان لیں جبکہ نل سدھ کا ذکر اس سے پہلے کے کتبوں میں بھی موجود ہے۔

(۹۱) ۷۰ - وینکیا کا خیال ہے کہ نیلور کے حکمران کا نام منما سدھ تھا (ایضاً 59) - یہ عین ممکن ہے کیونکہ یہ دیکھتے ہوئے کہ تمو سدھ سنسکرت میں اسی طرح لکھا جاتا تھا، کتبہ نمبر ۷۰ کے سنسکرت والے حصے میں جس سدھ کا ذکر ہے کہ وہ سدھ بھائیوں میں بڑا ہوا۔

(۹۲) 1929 کا 317 ــــ 1892 کا 198 ــــ 1907 کا کتبہ نمبر ۱۰۶

(۹۳) 1894 کا 197

(۹۴) 1907 کا 578

(۹۵) 18، اسی طرح کا ایک اور کتبہ (1894 کا نمبر 205) بھی 1209ء کا کندہ شدہ ہے (اکتیسویں سال کا)

(۹۶) 1894 کا نمبر 195 ــــ 1930 کا 120

(۹۷) 1919 کا کتبہ نمبر 456 ــــ موازنہ کیجیے 76 (کلوتنگا سوم کے ستائیسویں سال کا) جس میں بتایا گیا ہے کہ بیتا رسا، نل سدھ کا بیٹا تھا۔

(۹۸) 1907 کا نمبر 282ء ــــ

(۹۹) 8

(۱۰۰) 1912 کا نمبر ۲۰۱

(۱۰۱) 1905، II، 19 ــــ 1907 کا 571 ــــ 1892 کا 195 ــــ 85 وغیرہ

(۱۰۲) 1900 کا نمبر 483 - وینکیا کا خیال ہے کہ بھج بل ویرنل سدھن دیو چولا مہاراجہ جو اس کتبے میں مذکور ہے اور شخص تھا اور ایرا سدھ کا بیٹا نل سدھ اس سے مختلف شخص تھا (صفحہ ۱۰) اول الذکر کا حوالہ نیلور کے علاقے سے ملنے والے اور کئی کتبوں میں بھی ملتا ہے۔ نمبر ۱ کتبے پر شاکا سمت 105 کی تاریخ دی ہوئی ہے جو دراصل سمت 1105 (مطابق 1183ء) ہوگی۔ اس کتبے میں ..... کو پم کونا ..... کی عبارت درج ہے۔ 13، جس میں کانچی کے علاقے سے خراج وصول کرنے کا ذکر بھی ہے، شاکا سمت 1136 کا ہے اور R - 36 جس میں وہی القاب استعمال کئے گئے ہیں، 1217ء کا ہے۔ بھج بل ویرا

سے کے کتبے بہت کم ہیں اور یہ کلوتنگا کے تقریباً سارے کے سارے عہد پر پھیلے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایرا سدھ کے بیٹے نل سدھ نے خود یہ کتبات لکھوائے تھے اور ان کتبوں میں جو القاب استعمال ہوئے ہیں، اُن سے اس کی خودمختاری کے دعویٰ کا پتہ چلتا ہے۔ اس طرح کے بلند بانگ دعووں والے کتبے ہر روز جاری نہیں کئے جا سکتے تھے۔ یہ صرف ایسے دنوں میں جاری کروائے جاتے تھے جب نل سدھ کے اندازے کے مطابق، شہنشاہ کلوتنگا اور کاموں میں اس قدر مصروف ہوتا تھا کہ اس کی توجہ نل سدھ کی اس نوع کی کارروائیوں کی طرف نہیں جا سکتی تھی۔ اب تک ہمارے علم میں اس طرح کی جو باتیں ہیں ان کی وضاحت ایسے ہی قیاسات ومفروضات کی مدد ہی سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب ایک بار پھر یہی ہوگا کہ ہم ایرا سدھ کے بڑے بیٹے کی وفات کے متعلق تموسدھی کی شہادت کو بالائے طاق رکھ دیں۔ اگر یہ مفروضات صحیح ہوں تو ہم دو الگ الگ دور شناخت کر کے ان میں تمیز کر سکتے ہیں جن میں نل سدھ کو یہ موقع ملتا رہا کہ وہ ایک خودمختار حکمران کی طرح کام کرے (۱) سنہ 1183ء تا سنہ 1192ء جب کلوتنگا ریاست پانڈیا کے خلاف جنگوں میں مشغول تھا (2) سنہ 1214ء سے لے کر کلوتنگا کے عہدِ حکومت کے اختتام تک جب، جیسا کہ ہم دیکھیں گے، شہنشاہ کو پانڈیوں کے خلاف معرکہ آرائی میں شامل ہونا پڑا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ دوسرے دور میں ہمیں بھُج بل ویرا سدھ نامی ایک شخص کے کچھ کتبے ملتے ہیں (NI ‘A ‘38 —— R - 38 ‘G - 59 ‘ - 58) جو راج راجا سوم کے عہدِ حکومت کے ابتدائی سالوں میں حکمران تھا اور نل سدھ ہی کی طرح کبھی چولوں کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لیتا تھا اور کبھی خودمختار بن جاتا تھا۔ کیا یہ نل سدھ کا بیٹا ایرا سدھ تھا؟ - تردیکلی (ضلع چنگل پٹ) کا ایک کتبہ 1916 کا نمبر 192 ہے جو مکنٹی کا ڈُو ویٹی کے خاندان کے ایک راجہ نل سدھ راسا کا لکھوایا ہوا ہے۔ یہ کتبہ بڑی پُراغلاط عبارت میں ہے اور اس میں معمول کے پلو القاب استعمال کئے گئے ہیں۔ اس کتبے کی تاریخ کا تعین نہیں ہو سکتا اور نہ تیلگو چوڈا راجہ نل سدھ سے اس کا کوئی تعلق ثابت کرنا ممکن ہے۔

(103) صفحہ 150 ۔۔۔ دِک دکشنا گلیا کانچی گنا بھوُد (17 'ا)

(104) 1913 کے 163 - 169 وغیرہ ۔

(105) 1925 کا 397 ۔۔۔ 1925 کا 18 جس کی تاریخ 5 (ا) یعنی پندرھویں سال حکومت معلوم ہوتی ہے جو مشکوک ہے ۔

(106) 1917 کا 227

(107) 1907 II' 67

(108) 1928 کا 322

(109) 1926 کا نمبر 9 ۔۔۔ 1926،II،'32 ۔۔۔ 1928،II،'18 ۔ اس کے خلاف دیکھئے PK صفحہ 152، حاشیہ 1

(110) PK ۔ ایضاً

(111) بانؔ پتی کو چولا علاقے کی جاگیر دینے کے سندریا نڈیا کے فرمان کے حامل دونوں کتبات 1908 کے نمبر 481 ۔ اور نمبر 482 کا باہم موازنہ کیجئے ۔ 1938 ۔ 39 کے 196 میں درج ہے کہ ولنوآ (چولا) اور ماگدرکون (بان) کے درمیان کاویری ناڈو کا علاقہ سندرا نے تقسیم کر دیا تھا ۔ کتبہ نمبر 197 میں چولوں کے ایوان شاہی کے مسمار کئے جانے کا ذکر ہے لیکن اس کا ایک "سولہ ستونوں والا منڈپ" نہیں گرایا گیا جہاں کننؔ کی کتاب "پٹینا پالائی" شائع کی گئی تھی ۔
1938 - 39'II'27 ۔

(112) ہوتسنا شری ویربلاّل دیوناگم ویرنرسمہا دیونو تین کلو رنگنا میلے نڈو نڈو ۔۔۔

56

(113) صفحہ 25 ۔ اس کے خلاف دیکھئے صفحہ 162، حاشیہ نمبر 10 ۔۔۔ دیکھئے صفحہ 420، اور ذیلی حاشیہ نمبر 15

(114) 29 صفحہ 201

(115) 63 ۔ پیز 74، صفحہ 150، صفحات 203 - 204

(116) صفحہ 200

(117) 1926 کا 162 ـــــ 1914 کا 273

(118) 1925 کا 259 - بیشتر کا صفحہ 376 دیکھئے

(119) 1928 کا 80

(120) 1902 کا 522

(121) صفحات 7-8

(122) 1904 کا 554 - اس کے خلاف دیکھئے ہلتش - SII - iii صفحہ 205، حاشیہ 5

(123) 1909 کا کتبہ نمبر 316 (حاشیہ - D)

(124) 1890 کا نمبر 16 (تیئیسویں سال کا)

(125) 1902 کا نمبر 659 (سینتیسویں سال کا)

(126) ماڑورمن سندر پانڈیا اول نے بھی "مڈی ونگم" پیرو مال لقب اختیار کیا تھا - PK - صفحہ 153

(127) 1925 کا 75

(128) ARE - 1925، II، 22

(129) 1902 کا 538 (ستائیسویں سال کا)

(130) 1912 کا 454

(131) 1919 کا 114

(132) 1914 کا 339

(133) 1907 کا - 19 - آچاریہ پشپانجلی مطبوعہ 1940ء، صفحات 3 تا 7

(134) 1908 II، 64 - 65

(135) 1902 کا 560 - اِرپتو - نالاودو - پنجتلے کا شکوُ اُلکو اِرشی وڑ کا پونم تیڈِنا ارتم نیلمُ اڈیا اِلوتِرُ وندِیانک - کٹی ایری کان - کائیالم

(136) 1911 کا 86

(137) دھان کی قیمت جو 1911 کے 86 میں دی گئی ہے وہ تین نالی نی کاشو ہے - اگر اسے چاولوں میں ظاہر کرنا ہو تو یہ $1\frac{1}{2}$ نالی فی کاشو آجائیگی کیونکہ کتبوں کے مطابق

5 نالی دھان میں سے 2 نالی چاول حاصل ہوتے تھے) اس سے اگلے برس کے ایک کتبے ۔ 1902 کے نمبر 560 ۔ میں جو شمالی ارکاٹ میں ملا ہے، چوتھائی نالی فی کاشو کا نرخ دیا گیا ہے ۔ اگر دونوں مثالوں میں کاشو ایک ہی مالیت کا سکہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قحط کا اثر کافی وسیع علاقے پر رہا ہوگا اور قلت کے پہلے برس کی نسبت دوسرے برس میں اس کا قہر زیادہ شدید ہو گیا ہوگا ۔ اگر یہ قیاس صحیح ہو تو 1911 کے کتبہ نمبر 86 میں مندرجہ مثال ایک ایسے شخص کی مثال ہوگی جس کے وسائل قحط کے ابتدائی مرحلے ہی میں جواب دے گئے تھے جبکہ سرکاری امداد یا انفرادی غیر سرکاری امدادی کارروائیوں کی بات ہنوز سوچی بھی نہیں گئی تھی ۔

(138) 1902 کا 457

(139) 1962 کا 83

(140) 1928 کا 113

(141) 1908 کا 188، 216

(142) 1927 کا 28

(143) 1899 کا 117 — 1911 کا 460 — 1911 کا 473

(144) 1913 کا 461 — 1902 کا 563 — 1890 کا نمبر 60 — 1905 کا 141

(145) 1894 کا 193 — I.N.-G.-86 — 1907 کے نمبر 601، 602 — 1911 کا نمبر 435

(146) 1911 کا 460 — 44 (ب)

(147) ARE — 1912، II، 30 — PK۔ صفحہ 148

(148) 1899 کا 117 (دوسرے سال کا) دیکھئے پہلے کا حاشیہ نمبر 37

(149) 1892 کا 195 — نیز 893: کا نمبر 10 — 1922 کا 116 — 1897 کا 303

(150) 1920 کا نمبر 546؛ 558 — 1906 کا نمبر 559 — (چودھویں سال کا) — 1912 کا نمبر 556 (چونتیسویں سال کا)

(151) 1903 کا 47 (ب) (چوتھے سال کا) — 1902 کا نمبر 557 (پینتیسویں سال کا)۔ نیز دیکھئے 1902 کا 291 (بیسویں سال کا) — 1902 کا 532 (اکیسویں سال کا)

اور پچھلا حاشیہ نمبر 111 ——— 1918 کا 93 (چھٹے سال کا)

(152) پچھلے صفحات 349 - 50 دیکھئے

(153) 1906 کا 157

(154) 1909 کا 413

(155) 1918 کا 74 ——— 1921 کا 463

(156) 1921 کے کتبہ نمبر 381 - حاشیہ (5) میں اسے کاڈوانسل کے کاٹک کڈی گوت کی اولاد بتایا گیا ہے۔

(157) 1919 کا نمبر 63

(158) 1921 کا نمبر ج 48

(159) 1905 کا 197

(160) کوپیرن جنگا کے گیارھویں سال حکومت کے ایک کتبے ــ 1921 کے نمبر 486 میں، جو ترو وینائی نلور سے ملا ہے، تربھوون چکرورتی راج راجا دیو کے ایک پرانے کتبے کو نقل کیا گیا ہے جو اس کے بارھویں سال کا ہے اور جس میں آنکولی کاڈورایا کا وہ عطیہ درج ہے جو اس نے ایک بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں دیا تھا۔

(161) 1902 کا نمبر 488 (الف) ——— 1902 کا نمبر 508 ——— 1917/38/II، 41 (1937 - 38 کا 496)

(162) 1912 کا کتبہ نمبر 296 جس کا 7 - 3 ہی 1921 کے نمبر 178 کی شکل لے لیتا ہے۔ کوپیرن جنگا کے نام کے دو اشخاص ہونے کا نظریہ قطعاً غیر ضروری ہے اور ماخذوں سے اس کا کوئی جواز نہیں ملتا (SII - xii - تمہید - صفحہ viii ——— اور نمبر 130)

(163) ARE - 1913، II، 66 میں لکھا ہے کہ کاڈوا دوم کی چھیڑی ہوئی اس جنگ کے نتیجے میں کاکتیوں کو جنوبی ہند سے نکال باہر کیا گیا اس بیان کے لیے کوئی بنیاد اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک پرشستی میں ایسا کوئی منظوم بند نہ ہو جس میں شمالی ہند کے وڈ منر حکمرانوں کا حوالہ ہو۔

اس بند کا سیووُر کی لڑائی سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں ہے اور اس سے ہم کو صرف یہ بیش قیمت اطلاع ملتی ہے کہ ایسے شمالی حکمرانوں کو جنھوں نے آکر ڈوراجا کی اطاعت قبول نہیں کی کسی پہاڑ یا جنگل میں بھی پناہ لینے کا کوئی ٹھکانا نہیں ملا۔

(164) 1902 کا 531

(165) 1902 کا 312

(166) 1921 کے کتبا نمبر 477، 479

(167) 1902 کا 313 (سترھویں سال کا) — 1900 کا 133 (اٹھائیسویں سال کا)

(168) 1906 کا نمبر 73 (اڑتیسویں سال کا)

(169) 1902 کا 390 (گیارھویں سال کا)

(170) 1902 کا 534 (پچیسویں سال کا)

(171) 1906 کا 73 (اڑتیسویں سال کا)

(172) 1909 کا 414 (چھٹے سال کا)

(173) 1900 کا 114 (تیسرے سال کا)

(174) پچھلا صفحہ 266 دیکھئے

(175) 1902 کا 536 (دسویں سال کا)

(176) 1902 کا 161

(177) نرلوک ویرا کے بلا تاریخ کتبے سے موازنہ کیجئے۔" vii پچھلا صفحہ 333 دیکھئے۔

(178) 1900 کا نمبر 8

(179) II S-i-75 ——— EI - iv صفحات 331-33

(180) 1900 کا 107 ——— II S-vii — 119

(181) خاص طور پر ملاحظہ کیجئے 1913 کا کتبہ نمبر 440 ——— 1904 کا نمبر 223 ——— 1922 کا 55 (تیرھویں سال کا) — 1908 کا 483 (اٹھارھویں سال کا) ——— 1900 کا 115 (بیسویں سال کا) — 1902 کا 516 (ستائیسویں سال کا) - 1913 کا 435 (پینتیسویں سال کا) — 1912 کا 489 (چالیسویں برس کا) نیز پچھلا حاشیہ نمبر 35 دیکھئے۔

سولہواں باب

راج راجہ سوم اور راجندر سوم چولا سلطنت کا خاتمہ
1216-1279ء

راج راجا سوم کی تخت نشینی

راج راجا سوم کی تخت نشینی کی تاریخ 27 جون اور ۱۰ جولائی 1216ء کے درمیان پڑتی ہے[1]۔ یہ اس کے خود مختار حکمران کے طور پر تخت نشین ہونے کی نہیں بلکہ اس کے پیش رو کی جانب سے اس کے ولی عہد سلطنت تسلیم کئے جانے کی تاریخ ہے۔ اس تاریخ کے کچھ مدت بعد ہی چولا ریاست پر سُندر پانڈیا کا حملہ ہوا ہوگا اور دیر نرسمہا نے چولا طاقت کو سنبھلنے کا موقعہ دلانے کے لئے لڑائی میں مداخلت کی ہوگی۔ کلوتنگا سوم کا انتقال اُس کے جلد ہی بعد ہوگیا۔ راج راجا کا عہدِ حکومت اچھے حالات میں شروع نہیں ہوا۔ اور یہ ابتدائی مصیبتیں آنے والے بہت بڑے حادثات کا پیش خیمہ تھیں۔ ایک بار پھر ہوئسالوں کو اُسے بچانے کے لئے آنا پڑا۔

راج راجا کا کلوتنگا کے ساتھ کیا رشتہ تھا؟ کیا یہ چولا شہنشاہ (کلوتنگا) کا وہی بیٹا تھا جسے کلوتنگا نے جلاوطنی سے واپسی پر پانڈیا فاتح کے سامنے پیش کیا تھا جس نے کلوتنگا کو اس غرض سے طلب کیا تھا۔ کہ اس کی سلطنت اسے واپس کردے؟ شاید ایسا ہی ہو لیکن اس کے متعلق کوئی قطعی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ راج راجا کے کتبات میں کلوتنگا سوم کو "بیریہ دیور" یعنی حکمرانِ اعلیٰ کے نام سے پکارا گیا ہے[2]۔

اور اسی نام سے راج راجا کے جانشین راجندر سوم کے کتبات میں مذکور ہے[3] لیکن یہ محض
اتنی بات ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ راج راجا شہنشاہ کلوتنگا کا بیٹا یا بھتیجہ تھا یا
راجندر سوم اس کا بھائی تھا[4] "پیریہ دیور" سے اس کی جانشینی میں ترجیح کے علاوہ اور کوئی بات
ثابت نہیں ہوتی۔ راجندر سوم نے اپنے کتبات میں راج راجا سوم کو بھی اسی نام سے پکارا ہے[5]
ایسی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی جس کے پیش نظر ہم یہ فرض نہ کرسکیں کہ راج راجا شہنشاہ
کلوتنگا کا بیٹا تھا اور راجندر راج راجا کا۔ لیکن یہ بات ابھی ثابت نہیں کی جاسکتی۔

پرشستیاں

اس عہد کے سب سے زیادہ مروج پرشستی راج راجا سوم کے وقت کی شان و شوکت
کے ایک مقابلتاً مختصر بیان پر مشتمل ہے "یہ شیر منی ارو" نانگوتنشی سے شروع ہوتی ہے اور
اس میں ایک بھی تاریخی سچائی نہیں ہے۔ اس پرشستی میں الفاظ کے معمولی اختلافات مستحق
مطالعہ نہیں۔ اس پرشستی کے حامل دو کتبات تبصرے کے لایق ہیں۔ ان میں سے ایک
ترڈوور یور سے ملا ہے[7] اس پر ایک پراکیسری راجا کے تیسرے سالِ حکومت کی تاریخ
درج ہے جس کی عرفیت تربھوون چکرورتی الگیار۔ وندا۔ بیرومال تھی۔ یہاں "الگیاروندا
بیرومال" کی اصطلاح دراصل نام کے بجائے ایک لقب ہے جس کے معنیٰ ہیں "وہ آقا جس
کے آنے سے دنیا بچ گئی"۔ اور یہ ان کتبات میں ملتا ہے جو کلوتنگا سوم[8] اور راج راجا سوم
سے[9] متعلق ہیں۔ اس کتبے میں پراکیسری کا لقب کلوتنگا سوم کے لئے آیا ہے۔ لیکن اس
شہنشاہ کا کوئی ایسا دوسرا کتبہ ہمارے علم میں نہیں ہے جس میں وہ پرشستی شامل ہو
جو اس وقت ہمارے زیرِ غور ہے۔ دوسری جانب خود یہ پرشستی اور کتبے کا مواد جس
میں کچھ اشخاص کی غداری کی یہ سزا راجا کے کتبوں کا ایک مستقل موضوع رہا ہے۔ لہٰذا یہ
یہ کتبہ راج راجا کے عہد ہی سے صحیح طور پر منسوب کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس میں دیا ہوا
پراکیسری لقب غلطی سے راج کیسری کی بجائے درج ہوگیا ہے[10]۔ یہی وضاحت دوسرے
کتبے کے متعلق صحیح ہوگی۔ جو ترڈ ویر مبور سے دستیاب ہوا ہے۔ یہ کتبہ "شیرمنی" والی تمہید
سے شروع ہوتا ہے اور پراکیسری لقب بھی اس میں استعمال ہوا ہے[11] ایسی اتفاقیہ
غلطیوں سے ہم یہ نہیں مان سکتے جیسا کہ اکثر کیا جاتا ہے کہ مذکورہ عہد میں راج کیسری

اور پراکسیری سے القاب ایک ہی راجہ کے لئے بلاتخفیص استعمال کئے جاتے تھے۔

ایک اور کہیں زیادہ طویل پرشستی جو اعلیٰ ادبی محاسن سے معمور ہے۔ لیکن تاریخ نگاری کے لئے کچھ زیادہ کارآمد نہیں "شیرمنو" "ملرمنگل" کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ ملک کی حالت، شہنشاہ کی ذاتی شکل وصورت اور کردار، نیز اس کی ماتحت اقوام جو اسے خراج ادا کرتی تھیں، ان سب کا تذکرہ اس پرشستی میں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تذکرہ اس قدر مبالغہ آمیز اور روایتی ہے کہ اس سے ہمیں درباری شعراء کے طور طریقوں کے متعلق تو زیادہ معلومات ملتی ہیں لیکن اُن کے رقم کردہ موضوعات کے بارے میں بہت کم۔ دورانیوں کا بھی ذکر آیا ہے بڑی رانی بان خاندان کی ایک شہزادی تھی اور کہا جاتا ہے کہ وہ شاہی اقتدار میں راجہ کے ساتھ اس کا بھی راج تلک کیا گیا۔ چھوٹی رانی کا لقب "پُوناملودوڈیال" تھا

سیاسی تبدیلیاں

راج راجا کا عہد حکومت مسلسل مشکلات کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں جنوبی ہند کے نقشے میں بہت بڑے اہم تغیرات رونما ہوئے۔ یہ واضح رہے کہ راج راجا نہ تو کوئی عظیم جنگ جُو تھا اور نہ سیاست داں۔ چولوں پر اندرونی اور بیرونی حملوں کا خطرہ برابر قائم تھا۔ جنوب میں پانڈیا اور مغرب میں ہوئسالہ خاندان اب عظیم طاقتوں کی حیثیت اختیار کر چکے تھے جن کی سربراہی غیرمعمولی قابلیت واستعداد والے حکمران کام کر رہے تھے۔ اور چولوں کی بقا اب صرف ان دونوں طاقتوں کی رقابت تھی کیونکہ ان میں سے کوئی طاقت قدیم چولا سلطنت کو دوسری طاقت کا شکار ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ شمال مغرب کی جانب کلیانی کی چالوکیہ طاقت نئے اُبھرنے والے سیُونا خاندان کے آگے ہار مان چکی تھی۔ شمال مشرق میں نیلور کے تیلگو چوڈا راجگان بڑی اہم حیثیت کے مالک تھے۔ اُن کے مراسم ایک جانب ہوئسالوں کے ساتھ اور دوسری جانب کاکتیا راجاؤں کے ساتھ اُس زمانے کی تاریخ کا ایک حیرت انگیز باب تھے۔ گھر کے قریب کوڈلوڑ اور شیند منگلم کے کاڈوا جاگیردار بھی اپنے آقا کی روز افزوں کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں پیچھے نہیں تھے

دسویں صدی عیسوی کے وسط میں کرشنا سوم کے حملے کے بعد ڈھائی صدیوں میں چولا سلطنت کا زور واقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ اور اس پر کلوتنگا اوّل کے عہد کے

خاتمے پر جو ضرب لگی اس سے کوئی خاص اہم نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ حدود سلطنت میں تھوڑی سی کمی ہو جانے کے باوجود یہ حکومت پہلے کی طرح طاقتور اور با اثر رہی اور اس نے ریاست پانڈیا کی جانشینی کی جنگ میں بھی اہم رول ادا کیا لیکن اس کے بعد کلوتنگا سوم کے آخر میں ماڑورمن سندر پانڈیا کا حملہ ایک ایسا حادثہ تھا جس نے اس دور کے چولا طاقت کے کھوکھلے پن کو ظاہر کر دیا۔ متعدد کتبوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب چولا دار الخلافہ کو کسی دشمن نے تاخت و تاراج کیا ہو اور چولا شہنشاہ ایک خانہ بدوش پناہ گزیں بن کر رہ گیا ہو۔ یہ وہ حشر تھا جو چولا شہنشاہ متعدد بار اپنے دشمنوں کا کر چکے تھے۔ یہ سچ ہے کہ چولا شہنشاہ کو اپنا مقام پھر واپس مل گیا لیکن اس کے لئے اُسے اپنے فاتح سے بھیک مانگنی پڑی اور یہ ان شرائط پر واپس ملا جن کے تحت اُس کی خود مختاری باقی نہیں رہی۔ فاتح سے یہ رحم بھی ہوئسالا کی مدد کی وجہ سے ملا۔ چولا سامراج کے جاگیرداروں کے لئے جو ضرورت سے زیادہ طاقت پکڑ چکے تھے۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ وہ اپنے آقا کی بالا دستی تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور جلد سے جلد موقع ملتے ہی یا تو اپنی وفاداری تبدیل کر دیں یا اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیں۔ یہ صورت حال اس وقت تھی جب کلوتنگا سوم کا انتقال ہوا اور راج راجا کی حکومت کا آغاز

پانچویں برس کی شورش

ضلع تنجور سے ملنے والے کتبوں میں لکھا ہے کہ حکومت کے پانچویں سال میں بڑی افراتفری پھیلی جس کی وجہ سے امن خطرے میں پڑ گیا۔ اور املاک کی بربادی ہوئی۔ اس شورش کو "دری تنگل" (پریشانیوں) کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا بالکل صحیح نوعیت کے متعلق اور کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ تاہم کتبات سے یہ بات واضح ہے کہ اس کے نتیجہ میں ایک مندر عارضی طور پر اجڑ گیا اور اس کی مورتیوں اور جائداد منقولہ کی حفاظت کی غرض سے کسی اور مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ دو دیہاتوں کی اراضی کے ریکارڈ اور مندر کے اندراجات مستقل طور پر تلف ہو گئے۔ اور انہیں بعد میں چھان بین کر کے از سر نو تیار کرنا پڑا۔ یہ بلوے غالباً مقامی نوعیت کے تھے۔ واقعہ جو بھی ہو، اس بات کی کوئی واضح شہادت موجود نہیں ہے کہ یہ بلوے کسی جنگ یا بیرونی حملے کے باعث ہوئے تھے کا

دیگر تنازعات

کچھ اور تنازعات بھی تھے جو اس علاقہ میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے جسے برائے نام چولا عملداری میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ان جھگڑوں کی مدھم سی گونج اس عہد کے کتبوں میں سنائی دیتی ہے۔ ضلع ارکاٹ سے دستیاب شدہ 29-1223ء کے ایک کتبے میں[16] ویر نرسنگھ دیو یادو رایا اور ارتی کے کاڈو رایا راجہ کے درمیان ایک لڑائی کا ذکر ہے ارتی غالباً موجودہ اورتی ہے۔ جو چنگل پٹ ضلع میں واقع ہے۔ اس لڑائی کا ذکر برسبیل تذکرہ ایک سپاہی کی شجاعت کو بطور یادگار بیان کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔ جو یادو رایا کی فوج میں لڑا تھا اور خود کاڈو رایا پر کئے گئے ایک حملے میں اپنی جان گنوا بیٹھا تھا یہ دونوں سردار چولا حکمران کی بالادستی کو تسلیم کرتے تھے۔ ہمیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ یہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا اور ہم یہ بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتے۔ کہ کاڈو رایا دراصل خود کوپیرن جنگا تھا یا جیسا کہ زیادہ اغلب ہے، اس کا باپ[17] کاڈو رایا کا اگر اس سے پہلے نہیں تو انہی دنوں میں ہوئسالہ حکمران سے بھی تنازعہ ہوا ایک کتبے میں جس کی تاریخ قمری تقویم کی بنا پر 1218ء قرار دی جا سکتی ہے[18] ویر نرسمہا دیوا نے خود کو کانچی کنجن کاڈوا گلوتنگا اور کاڈو رایا دشا پٹا لکھوایا ہے۔ اگر اس کتبے کی تاریخ مشکوک نہ ہو تو ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ کاڈوا راجہ نے چولا ریاست پر پانڈیا حکمران کے حملے کا فائدہ اٹھایا یا اس سے ساز باز کر لیا اور یہ بھی کہ چولا سلطنت کو بچانے کے لئے ہوئسالہ راجہ کو کاڈوا اور خود پانڈیا حکمران دونوں سے نمٹنا پڑا[19] چاہے کوئی بھی صورت ہو، کچھ دوسرے ایسے کتبے بھی ہیں۔ جو اس عہد میں کانچی کے ساتھ نرسمہا کا ایک خصوصی رشتہ ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے 1230ء کے ایک کتبے میں یہ لکھا ہے[20] کہ ویر نرسمہا کانچی سے اپنی حکومت چلا رہا تھا۔ اور ایک دوسرے کتبے میں جس پر تاریخ نہیں ہے، یہ ذکر آیا ہے کہ اس نے اپنے کچھ فوجی دستے (بھیرنڈے) کانچی میں تعینات کر رکھے تھے[21] جاگیرداروں کے مابین ان مقامی تنازعات اور جنگوں کے حوالے اور باہر سے مختلف اطراف میں ہوئسالہ طاقت کی مداخلت کے تذکرے اس بات کا پتہ دیتے ہیں۔ کہ چولا سلطنت کے انتشار اور بڑھتی ہوئی مشکلات کے درمیان چولا شہنشاہ کی بے بسی کس حد تک پہنچ چکی تھی۔

غداری کرنے والوں پر جو غیر معمولی تعداد میں مقدمے چلائے گئے جن کا ذکر کتبات میں اکثر ملتا ہے ان سے ہمارے اس خیال کو اور بھی تقویت ملتی ہے۔

پانڈیا کا حملہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا نہ صرف کمزور تھا بلکہ احمق بھی تھا۔ کیونکہ اگر ہم اس دور کے پانڈیا کتبوں پر یقین کریں تو اس نے اپنے پانڈیا آقا سے کئے گئے معاہدے کی شرائط کو دیدہ دانستہ توڑا اور اس طرح اپنے عہدِ حکومت کے سب سے بڑے حادثے کا بانی ہوا مارڈورمن سُندر پانڈیا اوّل کی ایک پرشستی میں لکھا ہے:۔

" چولا حکمران اب اس تاجدار کے ساتھ وفاداری مناسب خیال نہیں کرتا تھا جس نے ایک سابقہ موقع پر اسے اُس کا تاج بخش دیا تھا۔ ایک بار پھر اسے یہ احساس ہوا کہ وہ اپنے زرخیز ملک میں بالکل محفوظ و سلامت ہے، اور اس نے اپنے پانڈیا احکام کا احترام کرنے سے انکار کردیا۔ معمول کے خراج کی ادائیگی بند کردی۔ اور اس کے بجائے ایک کثیر لشکر (بیرونی) روانہ کردیا۔ جس کے آگے اس کا ایک ہراول دستہ (توشی) بھی تھا"

پانڈیوں کی اطاعت کا طوق اتار پھینکنے کی اس کوشش کے بعد جو واقعات رونما ہوئے، ان کی تفصیل پانڈیا حکمران کے ایک نایاب تاریخی کتبے کی پرشستی میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کتبہ تروّدینڈی پورم سے ملا ہے[22] کال کلیھا کے تحریر کردہ تاریخی ڈرامے، "گدیہ کرنامرت"، میں بھی اس کا بیان ملتا ہے۔ جس کی تخلیق ان واقعات کے کچھ بعد ہوئی۔ اس دور کے واقعات کے متعلق موخرالذکر مصنّف نے جو حوالہ دیا ہے وہ مختصر ہے لیکن واقعات پر روشنی ڈالنے والا ہے۔ اس مصنّف کی مدد کے بغیر واقعات کی صحیح ترتیب محض قیاس پر ہی مبنی رہتی، اور اس میں وہ یقینی صورت نہ پیدا ہوتی جو اس وقت ہے۔

ہم پانڈیوں کے بیان کردہ واقعات سے کہانی کو شروع کرتے ہیں[23] چولا نے چڑھائی کے لئے جو فوج بھیجی تھی اُسے پسپا کردیا گیا اور گھمسان کی ایک لڑائی ہوئی جس میں چولا حکمران کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے سپاہی گھوڑے اور ہاتھی کثیر تعداد میں مارے گئے۔ دشمن کے ملک کو اس کی اپنی ہی فوج کے خون سے سینچ گیا اور اس

میں "کاڈڈی" بود دی گئی۔ دشمن تاجدار کے حرم کی تمام عورتیں گرفتار کر لی گئیں۔ جن میں چولا حکمران کی مہارانی بھی موجود تھی۔ جب پانڈیا تاجدار کا فاتحانہ جلوس چولا راجدھانی مڈی کونڈشولا پورم میں داخل ہوا تو ان عورتوں کو پانی کے گھڑے اور شگون کی دیگر اشیاء اٹھا کر پانڈیا راجہ کے رو برو آنا پڑا۔ وہاں ایک "دیجے ابھیشیک" (فاتح کی تقریب تاجپوشی) منعقد کی گئی[24] گدیہ کرنامرت میں یہ کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اور ان واقعات میں جوڑ دی گئی ہے۔ جو ترڈوینڈی پورم کے کتبے میں درج ہیں، اور جو یوں ہیں[25]

چولا حکمران راج راجا پانڈیا تاجدار سے شکست کھا کر اپنی راجدھانی چھوڑ کر مع اپنے رفیقوں کے اپنے اتحاد کنتلا کے راجہ کے پاس جا رہا تھا۔ راستے میں اُسے کاڈوا حکمران نے جا لیا جس کے پاس جنگل کے سپاہیوں کا ایک ہراول دستہ تھا اور جو بیرونی ملکوں یعنی ملیچھ دیش کی افواج کے شمول کے باعث بہت طاقتور ہو گیا تھا۔ ایک لڑائی کے بعد چولا راجہ اور اس کے ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ یہ دشمن جو راج راجا پر ایک بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوا تھا۔ اپنی شاطرانہ چالوں سے شمبرا کا اوتار دکھائی دیتا تھا۔ اور اپنی عیارانہ ترکیبوں کے باعث مجسم فریب بنا ہوا تھا یہی دشمن راج راجا کو اپنے شہر جیئت منگلا میں گھسیٹ کر لے گیا۔ جب نرسمہا کو یہ افسوسناک خبر ملی وہ اپنے دارالخلافے سے چند ہی دنوں میں رواں ہو گیا۔ دریائے کاویری کے شمالی کنارے پر پہنچ کر اس نے شری رنگم کے نزدیک پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے ونڈناتھوں کو مخالفوں کی سرکوبی کے لئے بھیج دیا۔ اس نے اپنے دوست چولا حکمران کو قید سے چھڑا لیا اور پانڈیوں سے خراج وصول کیا.....

کوپیرن جنگا کا کردار

ترڈوینڈی پورم کے کتبے میں ہوئسالہ ڈنڈناتھوں کی مہم خاصی تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور کاڈو راجہ کی اصلیت بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نامور سردار کوپیرن جنگا تھا۔ جس نے راج راجا پر حملہ کر کے اُسے قید میں ڈال دیا تھا۔ اور بعد میں رہا کر دیا تھا سنسکرت میں اس کا نام مہاراجہ سمہا تھا۔ یہ سردار اس عہد کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ تامل اور کنٹر بولنے والے خطوں سے جو دوسرے کتبے ملے ہیں۔ وہ بھی ان باتوں کی تصدیق کرتے ہیں

وردھا چلم سے دستیاب شدہ راج راجا کے چودھویں سالِ حکومت 1023ء کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے[26] کہ کوپیرُدن جنگا بالغ ہو چکا تھا اور پہلے سے ہی کاڈوا راجاؤں میں ممتاز اور مشہور تھا۔ نیز یہ کہ کاڈوا راجگان خواہ براہِ نام ہی سہی۔ پھر بھی چولا تاجدار کی برتری کو تسلیم کرتے تھے۔ اس کتبے میں کوپیرن جنگا کے اگم بڈی مدلیوں میں سے ایک دئے گئے عطئے کا اندراج ہے تِرُدوینڈی پورم کے کتبے کا آغاز چند ایسی باتوں سے ہوتا ہے جو گدیہ کرنامرت'' نامی ڈرامے میں مذکور ہیں۔ اور جو کوپیرن جنگا کی بداعمالیوں کو جو نرسمہا کے کانوں تک پہنچی تھیں اور ابھی نمک مرچ لگا کر بیان کرتی ہیں۔ کیونکہ یہاں جو کچھ بتایا گیا ہے اس کے مطابق اس نے نہ صرف چولا شہنشاہ (شولا چکرورتی) کو سیندامنگلم میں گرفتار کیا تھا۔ بلکہ اپنی افواج کو چولا ریاست کی تباہی اور غارت گری پر اور اس ریاست کے مندروں کی بے حرمتی کرنے پر مامور کر دیا تھا۔ ان مندروں میں ''دشنو ستھان'' بھی شامل تھے اور ہوئسالہ خاندان والے کنٹر دیشنو تھے۔ کتبے کے بیان کے مطابق نرسمہا دورسمدر سے یہ کہہ کر روانہ ہوا تھا کہ وہ اپنا بگل (کالم) اس وقت تک نہیں بجنے دے گا جب تک وہ چولا شہنشاہیت کے محافظ (چولا منڈل پرتشٹھا چاریہ) کی حیثیت سے پھر اپنا سکہ نہیں جمالے گا۔ راستے میں اس نے مگرا ریاست تباہ کر دی[27] جس کا بلاشبہ پانڈیا اور کاڈوا راجاؤں سے اتحاد تھا۔ اس نے پاچور کے مقام پر پڑاؤ ڈالا جو کولرون سے دو میل شمال کی جانب سری رنگم کے مقابل واقع تھا۔ اپنے پڑاؤ سے نرسمہا نے اپنا سمدرگوپیا نامی دو دنڈ نائکوں کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ وہ کوپیرن جنگا کی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور چولا شہنشاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیں۔ چنانچہ دونوں سپہ سالاروں نے کوپیرن جنگا کے زیرِ نگیں مقامات ایلیری اور کلیور مولائی کو تاخت و تاراج کیا اور شولا کون کے زیرِ نگیں شہر تولدکیور کو بھی برباد کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ موخرالذکر کوپیرن جنگا کے نائبوں میں سے ایک تھا۔ انہوں نے شہنشاہ راج راجا اور لنکا کے حکمران پراکرم باہو کے کچھ مُدلیوں کا کام تمام کر دیا کیونکہ یہ مُدل دشمن کے ساتھ مل گئے تھے۔ چیدمبرم کے دیوتا کی عبادت کر کے انہوں نے اور بہت سے مقامات کو تباہ و برباد کر دیا مثلاً توندا ملنلور، تِرُودی اور تِرُدکرائی جو دریائے وارنواسی (گڈلم) کے جنوب میں اور سیندا منگلم کے مشرق میں واقع تھے۔ اور فصلوں کو آگ لگا کر 28 عورتوں کو گرفتار کر کے اور

لوگوں کو لوٹ مار کر وہاں کے باشندوں کے دلوں میں دہشت بٹھا دی بالآخر انہوں نے سیندامنگلم کے محاصرے کی تیاری کی۔ اب کوپیرُن جنگا نے نرسمہا کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ چولا شہنشاہ کو رہا کرنے اور اسے تخت پر بحال کر دینے پر آمادہ ہے۔ نرسمہا نے اس کی اِس پیشکش سے اپنے کمانڈروں کو مطلع کر دیا۔ تب انہوں نے احترام کے ساتھ چولا شہنشاہ کو اپنے ساتھ لیا اور اُسے اُس کے ملک تک پہنچا کر واپس آئے۔

ترُوویندی کتبے کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ کتبہ اسی گاؤں میں کندہ ملا ہے کیونکہ یہی وہ مقام تھا جہاں ہوئسالا جرنیل چولا شہنشاہ راج راجا سوم کے دوبارہ تخت نشین ہونے کے بعد اُس سے رخصت ہوئے تھے[29] اس کتبے میں جتنے دیہاتوں کا ذکر آیا ہے۔ وہ سب ضلع جنوبی ارکاٹ میں ہیں لیکن یہ امر واضح نہیں ہے کہ لنکا کا تاجدار پراکرم باہو دوم تو قرار نہیں دیا جا سکتا جو 1236ء میں تخت نشین[30] ہوا تھا۔ کیونکہ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ پراکرم باہو 1230ء میں اپنی زندگی گنوا بیٹھا تھا۔ وہ غالباً لنکا کے شاہی خاندان کا کوئی اور شہزادہ ہوگا۔ شاید ملیچھ اور زویدلیشنک رہے ہوں، جن سے، جیسا کہ، گدیہ کرنامرت میں بتایا گیا ہے۔ کہ پیرُن جنگا نے لڑائی میں مدد لی تھی۔

دیگر کتبات بھی ان واقعات کی تصدیق کرتے ہیں اور ایک طرح سے تردوینڈی یوم کے کتبے کی فراہم کردہ معلومات میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔ اس میں سے ایک کے مطابق اپنّا اور گوپیا نے کا ڈورایا پر حملہ کر کے اور چولا شہنشاہ کو رہا کرا کے نرسمہا سے خراج تحسین حاصل کیا تھا[31] 1232ء کے کندہ شدہ ایک اور کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع تنجور میں نیدور کے گرد و نواح کا علاقہ پہلے کوپیرُن جنگا کے زیر حکومت ہوا کرتا تھا یہ کتبہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس وجہ سے کاشتکاری کے قوانین میں ترمیم کرنے کی ضرورت[31] (الف) پڑی تھی۔ ضلع شمالی ارکاٹ میں وائیلور کے مقام سے دستیاب ہونے والے ایک کتبے[32] میں جس پر تاریخ نہیں دی گئی ہے، درج ہے کہ کوپیرُن جنگا عرف الگیا شیا نے تیلاڑو کے مقام پر جو کانچی سے تیس میل جنوب میں واقع تھا۔ چولا شہنشاہ کو شکست دی۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا ذکر اور کہیں نہیں ملتا۔ آگے بتایا گیا ہے کہ اس نے چولا راجہ اور اس کے وزراء کو قید کر کے چولا ریاست پر قبضہ کر لیا۔ ایک مختصر سی نثری عبارت کے بعد جس میں یہ باتیں بتائی گئی ہیں۔ مختلف بحروں میں پانچ اشعار کو پیرُن جنگا کی بہادری

کی تعریف میں دیے گئے ہیں جن میں نہ تو چولا تاجدار کی رہائی کا ذکر ملتا ہے۔ اور نہ ہوئسالا
سپہ سالاروں کی کامیابی کا۔ بلکہ صرف کرناٹوں کی شکست اور کوپیرن جنگا کے کارہائے
نمایاں کا حال درج ہے جسے 'ادنی نارائنا'، 'نرپتینگا' اور تونڈئی اور ملئی کا حکمران کہہ کر
بھی پکارا گیا ہے۔ اس کے سنسکرت کے کتبوں میں بھی انہیں واقعات کو بھی دہرایا گیا ہے[33]
کوپیرن جنگا اور ہوئسالا حکمران کے درمیان لڑائیاں جاری رہیں اور یہ بات اس طرح
واضح ہو جاتی ہے کہ ویر سومیشور نے کاڈوا راجہ کے خلاف ایک مہم کے دوران درمکھا
برس (1236ء عیسوی) میں اپنا پڑاؤ ڈالا تھا[24]

پانڈیا کی ہار

ادھر نرسمہا کے جرنیل کوپیرن جنگا اور چولا حکمران کے متعلق جاری کردہ اس کی
ہدایات کی تعمیل کر رہے تھے۔ اور ادھر نرسمہا خود پانڈیوں پر فوج کشی میں مصروف تھا۔
"گدیہ کرنامرت" میں یہ دعوے کیا گیا ہے۔ کہ نرسمہا نے پانڈیا حکمران سے خراج وصول کیا
معلوم ہوتا ہے کہ پانڈیا اور ہوئسالا حکمران کے مابین فیصلہ کن معرکہ دریائے کاویری کے
کنارے مہندرا منگلم کے مقام پر ہوا[25] کوہرن ہلی میں ایک کتبہ ملا ہے[26] جس میں مذکور ہے کہ
نرسمہا نے پانڈیا حکمران کے خلاف فوج کشی کی غرض سے روی نڈان کوپا کے مقام پر پڑاؤ
ڈالا تھا۔ کتبے میں لکھا ہے کہ سمندر گرج گرج کر پانڈیا کو نصیحت کر رہا تھا کہ ہر چیز ہوئسالہ
کے حوالے کر دو اور اس کے غلام بن کر امن سے رہو۔ چند دیگر ہوئسالہ کتبے بتاتے ہیں کہ
اس مہم کے دوران یا اس کے جلد بعد وہ رامیشورم تک پہنچ گیا تھا[27] لیکن پانڈیا کتبات
میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ماڑورمن سندر پانڈیا اوّل کی پرشستی میں چولا تاجدار پر
اس کے دوسرے حملے کا حال "وجے ابھشیک" (جشن فتح) پر ختم ہو جاتا ہے لیکن ظاہر ہے
کہ یہاں حقیقت پوری طرح بیان نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں پانڈیا حملے سے مجبور ہو کر
راج راجا کے تخت چھوڑ دینے کے بعد دوبارہ تخت نشین ہونے کا ذکر نہیں ہے اس
میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ دوسری مرتبہ بھی خود مختار چولا حکومت کے خاتمے اور
چولا علاقے کے پانڈیا سلطنت میں ادغام کو روک کر ہوئسالا نے جنوبی ہند کی ریاستوں
کے درمیان طاقت کا توازن برقرار رکھا۔ ان جنگی مہمات کے خاتمے پر جو سیاسی تصفیہ

چولا تاجدار کے حق میں ہوا۔ اس پر مختلف خاندانوں کے درمیان ازدواجی رشتوں نے مہر استحکام ثبت کردی۔ ویرنرسمہا کے بیٹے ویرشومیشورا کو، ماڑورمن سُندر پانڈیا اوّل کے جانشین اور راج راجا سوم کے جانشین دونوں ہی برابر "ماماڈی" کہتے تھے [38]

چولا اقتدار کی حالت

راج راجا نے اپنے عہدِ حکومت کا باقی حصّہ بغیر کسی خاص مشکل یا پریشانی کے آرام سے گذارا۔ اس کے کتبات شاہد ہیں کہ اپنے عہدِ حکومت کے بیشتر حصّے میں اس کی برائے نام حکمرانی عملی طور پر چولا سلطنت کی ان حدود تک تھی جو کُلوتنگا سوم کی وفات کے وقت تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کتبات سے یہ بھی واضح ہے کہ چولا طاقت کا انحصار ہوئسالوں کی مدد پر روز بروز بڑھتا جارہا تھا اور مقامی بغاوتوں اور سلطنت کے جاگیرداروں کی جانب سے مرکزی طاقت کو نظر انداز کرنے کے واقعات میں بتدریج اضافہ ہورہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت اور مقامی انتظامیہ کی ہیئت تو پہلے کی طرح قائم تھی لیکن حکومت کی قوّت عاملہ میں جو ہندوریاستوں میں یوں بھی کچھ زیادہ نہیں ہوتی تھی (گو چولا حکومت اس سے کچھ حد تک مستثنےٰ تھی) اب زوال کے آثار صاف نظر آرہے تھے 1246ء میں [39] راجندر کو ولی عہد تسلیم کرلیا گیا تھا جیسا کہ اس کے کتبوں میں مندرج تاریخوں سے ظاہر ہے۔ راج راجا خود تقریباً 1260ء تک بقیدِ حیات رہا [39] (الف)

راج راجا دوم کے اگر زیادہ نہیں تو تیئیسویں سالِ حکومت تک کے کتبات موجودہ سلیم، چتوڑ، کڈاپہ اور نیلور کے اضلاع میں ملتے ہیں۔ اس کے جانشین راجندر سوم کے کتبات بھی قریب قریب اسی خطّے میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چولا تسلّط اس عہد میں اس سارے خطّے پر بدستور قائم تھا لیکن اس تسلّط کی حیثیت صرف روایتی رہ گئی تھی جو اپنی حقیقت کھو چکنے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک قائم رہا تھا۔ اس عہد کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت کی مرکزیت ختم ہوچکی تھی۔ اور اس کے خلاف سازشیں کرنے اور بغاوتیں بپا کرنے کی وبا عام ہورہی تھی۔ دوسروں کے خلاف جارحیت اور اپنے تحفظ دونوں اغراض کے لئے مقامی جاگیرداروں میں آپس معاہدوں کے رواج پا جانے کا ہم پہلے ہی جائزہ لے چکے ہیں۔ یہ معاہدے مرکزی حکومت کو یکسر نظر انداز کرکے کئے

ہاتے تھے۔ راج راجا کے عہد کے آغاز تک تو یہ رواج چولا حکومت کے مرکز تک پہنچ چکا تھا
یک ایسی مثال بھی موجود ہے[90] کہ خود ضلع تنجور میں تین جاگیرداروں نے راجہ کے تیسرے
سالِ حکومت (1219 سنہ) میں اسی نوع کا ایک باہمی معاہدہ کیا۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں
کہ راج راجا کی حکومت کا اس معاہدے سے کسی قسم کا کوئی تعلق تھا۔ سوائے اس کے کہ جس
کتبے میں اس معاہدے کا اندراج ہے۔ اس پر راج راجا سوم کے سالِ حکومت کے حساب
سے تاریخ ڈالی گئی ہے اور اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کی طرف سے چولا شہنشاہ
کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک اور تنازعے کی مثال 1232 سنہ کے ایک
کتبے سے ملتی ہے جو ترُونیبی نلّور میں ملا ہے[91]۔ یہ تنازعہ فریقین کے درمیان عرصہ تک
چلتا رہا۔ اور ان میں ایک ازدواجی رشتہ قرار پا جانے پر ختم ہوا اس تنازعے اور اس
کے بعد ہونے والے سمجھوتے میں فریقین کا کاڈورایا اور جیدی رایا حکمران تھے۔

انتشار اور حکومت کی کمزوری

بغاوتوں کے واقعات کا ہم کو براہِ راست شہادتوں سے کوئی علم نہیں ہوتا۔ بلکہ
ان کا پتہ کچھ کتبوں کی بالواسطہ شہادتوں سے چلتا ہے جن میں اُن اراضیات اور دوسری
املاک کے نیلام کا اندراج ملتا ہے جو حکومت نے باغیانہ سرگرمیوں کی پاداش میں
ضبط کر لی تھیں۔ البتہ حکومت کے خلاف کئے جانے والے ان جرائم کی، جن کے نتیجے
میں یہ سزائیں دی گئیں۔ بالکل صحیح نوعیت کا پتہ لگانا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اُنکے متعلق
کسی تفصیل کا علم ہونا ممکن ہے، اگرچہ اس طرح کی بغاوتیں دوسرے چولا حکمرانوں کے عہد
میں بھی ملتی ہیں۔ لیکن راج راجا کے زمانۂ حکومت میں ایسے واقعات کی تعداد غیر
معمولی طور پر زیادہ بتائی گئی ہے اور یہ قیاس صحیح ہوگا کہ جزوی طور پر یہ سب ملک
کے غیر یقینی حالات اور مرکزی حکومت کی طاقت اور اہلیت میں کمی کے سبب سے
ہوا۔ شمالی ضلع تنجور میں شہنشاہ کے آٹھویں سالِ حکومت کے تین سو سترویں (1013) دن
ایک کھلا نیلام[92] راج راجا پرُودلیٔ میں کیا گیا جس میں اس مقصد کے لئے خاص طور
پر منتخب شدہ سرکاری افسران نے کچھ باغیوں اور ان کے رشتہ داروں کی اراضیات
فروخت کیں اور اُن سرکاری ملازموں اور غلاموں کو بھی جو بغاوت میں شامل تھے۔

(درو ہتگو اتپاتارم) ایک کتبے میں جو ولی دلم ضلع تنجور سے[43] ملا ہے لکھا ہے کہ 1233ء میں آٹھ شاہی افسران پر مشتمل ایک کمیشن نے 33 ہزار کاشو، اسی طرح کی اراضیات فروخت کر کے حاصل کئے۔ یہ زمینیں اُن لوگوں سے ضبط کی گئی تھیں جو راجہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ (دروہی گلائپ پلرئیم کائی ماڑن نیلم)، اس کے بعد کوئل نرِومالم میں[44] راجہ کے بیسویں سالِ حکومت کے 348 ویں دِن ایک ضبطی کا حکم جاری ہوا لیکن اس پر عمل درآمد اس سے اگلے برس کے 80 ویں دن یعنی تین ماہ کے وقفے کے بعد کیا گیا اور اس طرح کی پانچ "ویلی" اور چار "ما" اراضی کی فروخت سے سرکاری خزانے میں 1300 کاشو کی آمدنی ہوئی شو پورم ضلع تنجور کے تیئسویں سالِ حکومت کے ایک کتبے سے[45] بغاوتوں کی کچھ اگلی مثالوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ "راج راجا درو ہم" کے الزام کا مطلب وہ نہیں ہے کہ جو عام طور پر پہلی نظر میں سمجھا جاتا ہے یعنی سیاسی بغاوت، بلکہ اس کو شورش اور مسلسل حکم عدولی کے معنوں میں لینا چاہیئے۔ اس مخصوص واقعے میں دو شو برہمنوں (مندر کے پجاریوں) کو مہیشوروں (مذہبی مجلس) نے اَور، اُور، نے "راج درہم" (راجہ کی مخالفت) اور شودروہم (بھگوان شو سے سرکشی) کے جرائم کی سزا دی۔ کتبے میں بتایا گیا ہے کہ ملزموں نے دلوی کے زیورات ایک فاحشہ عورت کے حوالے کر دئے۔ اور اپنی تحویل میں موجود مندر کی رقومات کو خرد برد کیا۔ اپنے زیرِ قبضہ اراضیات کا لگان دینے سے انکار کر دیا اور دیگر کئی طرح سے بداطواری کا ثبوت دیا۔ انہوں نے راجہ کے بھیجے ہوئے ایلچیوں کو مار پیٹ کر کے اور پانی میں غوطہ دے کر اُن سے بدسلوکی کی۔ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کنّاڈیوں کے ذریعے ناقابلِ بیان گناہ کئے اور پچاس ہزار سکّے اکٹھے کئے۔ یہ ایک طرح کے غیر ذمّہ دارانہ مقامی ظلم و ستم کا نمونہ تھا۔ کنّاڈیوں کا ذکر جو یہاں سے آیا ہے۔ وہ خاص طور پر قابلِ توجّہ ہے کیونکہ یہ چولا سلطنت میں ہوئسالہ کی مداخلت کے ایک اتفاقیہ نتیجے کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے آدمی اُن دنوں موجود ہوا کرتے تھے جنہیں مقامی آبادی سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی تھی اور جو کسی بھی بدمعاش کے احکام کی تعمیل کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ جو انہیں اس کی اجرت ادا کرنے کا مقدور رکھتا ہے۔ ضلع تنجور کے مقام ترِوُدینکاڈ سے اس طرح سرکشی کے جرم میں جائداد کی ضبطی کی ایک اور مثال ملتی ہے[96] جیسا کہ ترد مندرا ادلی نام سے

ظاہر ہے۔ یہ مثال راج راجا سوم ہی کے عہد کی ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ سب مثالیں چولا سلطنت کے مرکزی خطّے ہی میں ملتی ہیں اور اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ انتظامیہ کے قدم اب اس تھوڑے سے خطّے میں بھی ڈگمگا رہے تھے۔ جس میں سرحدی علاقوں میں بڑے جاگیرداروں کے اپنی خود مختاری کے اعلان سے سلطنت کی حدود گھٹ کر رہ گئی تھیں۔

ہوئسالہ

ہوئسالا کی مداخلت نے چولا سلطنت کو اس سے کہیں زیادہ طویل زندگی عطا کر دی تھی جتنی کہ پانڈیا حکمران سے اس کو ملتی۔ لیکن سانس لینے اور سنبھلنے کا یہ وقفہ بغیر قیمت ادا کئے حاصل نہیں ہوا۔ چولا ریاست کے معاملات میں ہوئسا راجاؤں اور جرنیلوں نے جو حصّہ لیا اس کا خود چولوں کے کتبات کی روشنی میں یہاں جائزہ لینا کارآمد ہوگا۔ ترِوڈ توری سے جو ضلع جنوبی ارکاٹ کے وردھاچلم تعلقہ میں واقع ہے، دستیاب شدہ ایک کتبے میں جو چولا شہنشاہ کے دسویں برس (1229ء) کا ہے[47] بتایا گیا ہے کہ ہوئسال راجہ نرسمہا دیوا نے ملک کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ اور وہ اس گاؤں کے مندر سے کچھ عرصہ قبل مورتیاں اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس کتبے میں یہ بھی درج ہے کہ مندر میں کیسے پھر سے مورتیاں رکھی گئیں۔ اس کتبے کی تاریخ دیکھنے کے بعد یہ امکان باقی نہیں رہتا۔ کہ اُن کارروائیوں کو اپنّا اور سمدر گو پیا کی جنگی مہم سے، جس کا تذکرہ ترِوویندی پورم کے کتبے میں ملتا ہے[48] منسوب کیا جائے۔ یہ بات ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ کہ نرسمہا نے اس سے قبل بھی پانڈیا کے پہلے حملے کے وقت غالباً چولا حکمران کا ساتھ دیا تھا اور اس نے پانڈیا حملہ آور کے اتحادی کاڈوا حکمران پر چڑھائی کی تھی۔[49] ترِووڈ تورائی غالباً ان دنوں کاڈوا راجہ کے قبضہ میں تھا اور اس نے دشمن کی ریاست کا حصّہ ہونے کی وجہ سے ہوئسالا کے ہاتھوں نقصان اٹھایا ہوگا۔ کاڈوا حکمران کو مجبور ہو کر ایک بار پھر چولا کی بالادستی تسلیم کرنی پڑی اور جب امن و امان بحال ہو گیا تو جنگ میں جو نقصانات ان کو پہنچے تھے۔ اُن کا ازالہ کرنیکا عوام کو موقع ملا۔ ان دنوں کانچی میں ہوئسال کی افواج (بھنڈوں) کی موجودگی

کی تصدیق کچھ عطیات سے ہوتی ہے ڈورسمدرا کے سردار بھوت دئیا نائک کی بیٹی باچلا دیوی[50] نے اتی پورا آوار کو ایک چراغ کا عطیہ دیا تھا۔ ایک اور چراغ مہاپردھانی امنا دنڈ نائک[51] نے اور پھر 1231ء میں ایک پورا گاؤں گوپیا دنڈ نائیک[52] نے دان میں دیا۔ کچھ مدت بعد سومیشورا کے ایک پردھانی نے جو نرسمہا کا بیٹا اور جانشین تھا۔ کانچی میں ایک عطیہ دیا[53]

چولا سلطنت کے دیگر حصّوں میں ہوئسالوں کے اثر واقتدار کی تصدیق کچھ اور عطیات سے ہوتی ہے۔ نرسمہا کے تعینات کردہ ایک پردھانی ولئیا دنڈ نائک نے ترڈمالواڈی میں[54] اور نرسمہا کی مہارانی سوملا دیوی کے ماتحت عملے کے ایک رکن نے ترڈ کو گرنم[55] میں ایک عطیہ دیا۔ 1238ء میں ولیّا کو کانچی پورم میں ایک اور عطیہ دیتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ جب وہ سومیشورم پردھانی کہلاتا تھا[56]

اصل میں 1218ء کے آس پاس جب ہوئسالوں نے چولوں اور پانڈیوں کی باہمی چپقلش میں چولوں کا ساتھ دینا شروع کیا۔ اس وقت سے وہ چولا اور پانڈیاں دونوں ریاستوں میں اپنی حیثیت اور اثر کو برابر بہتر بناتے رہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پورے جنوبی ہند پر ایک طرح اپنا قائم اقتدار کرنا چاہتے تھے۔ اور اِس کچھ حد تک تھوڑے عرصے کے لئے۔ یعنی تیرہویں صدی کی دوسری چوتھائی میں، کامیاب بھی ہو گئے۔ چولا حکمران کی بقا کا انحصار چونکہ خود ہوئسالوں کی امداد پر تھا۔ اس لئے وہ اس حالت میں نہیں تھے۔ کہ ان کی ملک گیری کی ہوس کی مدافعت کر سکیں یہاں تک کہ پانڈیوں نے بھی ہوئسالوں سے صلح مول لینے کے لئے اپنے کو مجبور پایا۔ اور اُس کی قیمت یوں چکائی کہ خاموشی سے اُن کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ ہم اس بات کی جانب توجّہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اس عہد کے پانڈیا کتبات میں ہوئسالا راجاؤں اور جرنیلوں کا ذکر بار بار آیا ہے[57] بالخصوص پڑوکوٹے کے دو کتبوں میں[58] جو لگ بھگ 1245ء کے ہیں اور جن میں ہوئسالہ ویرشومیشورا کے ایک سپہ سالار روی دیوا کے کانا ناڈو کی تسخیر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس صدی کے وسط کے بعد جب اس دور کے سب سے عظیم پانڈیا حکمران جٹا ورمن سُندر پانڈیا کا عروج شروع ہوا۔ تو ہوئسالا اقتدار کی توسیع میں رکاوٹ آئی۔

راج راجا سوم کے جاگیردار

اپنی تمام تر کمزوری کے باوجود چولا طاقت کی خود مختاری اور ایک وسیع سلطنت پر اس کے اقتدارِ اعلیٰ کا بھرم راج راجا کے طویل عہدِ حکومت کے آخر تک بدستور قائم رہا۔ یہ بات اس کے سالِ حکومت کے حساب سے لکھے ہوئے کتبات سے واضح ہو جاتی ہے اور ان کتبات سے بھی جو اس کے کچھ ماتحت جاگیرداروں نے لکھوائے تھے جو اس وقت خود کو چولا شہنشاہ کا اطاعت گذار تسلیم کرتے تھے بدنام کوپیرُن جنگا تک اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس سردار کی چولا آقا کی غلامی کا طوق اتار پھینکنے کی کوشش سنہ 1230-31ء میں ویر نرسمہا کی مداخلت کی بدولت ناکام بنا دی گئی تھی۔ تاہم کوپیرُن جنگا کے کتبات یہ بتاتے ہیں کہ اس کی زندگی طویل اور طوفانی رہی تھی۔ اور اس دور کی سیاسی ابتری کے درمیان اُس نے آسانی سے ایک کم و بیش خود مختار حکمران کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ پڑوسی ریاستوں کے ساتھ اس کی اپنی علیحدہ پالیسی رہی۔ اس نے کتبات میں اپنی حکومت کے سالوں کا شمار سنہ 1243ء سے کیا ہے اور اس کے کتبات بھی اسی حساب سے ایک مسلسل لڑی کی شکل میں اس کے چھتیسویں[36] سال (سنہ 1279ء) تک چلتے ہیں یعنی اس دور کے تقریباً آخر تک جس پر ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں۔ یہاں اس کی زندگی کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں۔ ہوئسالوں اور کاکتیوں کے ساتھ اس کی لڑائیاں، جن کی برتری کے آگے شمال میں تسلیم کرنی پڑی[59] اس کی راجدھانی سیندامنگلم پر جٹاورمن سندر پانڈیا کا حملہ، عطیات جو اس نے تنجور سے دراکشاراما اور ترپُرامنگلم تک خطے میں مختلف مقامات پر دئے یا جو تعمیرات کیں۔ یہ سب اصل میں چولا تاریخ کا حصہ نہیں ہیں۔ لیکن یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ سنہ 1246-47ء تک اگر ہم خود کوپیرُن جنگا کو نہیں تو اس کے کارندوں اور رشتہ داروں کو راج راجا سوم کی برتری تسلیم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں[60]۔ دوسرے اطاعت گذاروں میں ہم تیلگو چوڈا راجاؤں پر سب سے پہلے نظر ڈالیں گے۔ ان کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ اس دور میں جو تیلگو چوڈا راجگان برسرِ اقتدار تھے۔ ان میں سرکردہ ترین یہ تھے منما سدھ راسا جس کا لقب چالوکیہ نارُنا تھا

اور جس نے 1215ء میں کانچی پورم میں شو کے مندر کو ایک عطیہ دیا تھا[61] مدھر انتک کا پوتی چولا ایڑھ سیدھ راسا جس کے افسروں اور رشتہ داروں کے عطیات کا اندراج راجا کے پانچویں سال سے لے کر گیارہویں سالِ حکومت تک کے ان کتبات میں ملتا ہے جو کانچی پورم اور نیلور میں ہیں[62] ملما دیورا سا اور پڈولیاراسا جن کا ذکر ضلع چتوڑ سے ملنے والے راج راجا کے چھٹے اور آٹھویں سال حکومت کے کتبوں میں ملتا ہے[63] اور خود عظیم تکا اوّل جس کا ذکر گنڈگو پالا کے لقب سے راج راجا کے بہت سے کتبوں میں کیا گیا ہے جن میں اس کی مہارانی اور سرکاری افسروں کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ہے[64] اسی طرح ہمیں متعدد یادو رایات شامبورایا اور چیدیا رایا حکمرانوں کے نام چولا شہنشاہ کے اطاعت گزاروں کی صف میں ملتے ہیں بالخصوص راج راجا کے عہد کے ابتدائی سالوں میں ان جاگیرداروں کے نام اس عہد کے کتبات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں یہاں دوہرانا ضروری نہیں۔ تاہم چولا سلطنت کے زوال کی تاریخ میں یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ راج راجا کے عہد میں اتنے عرصہ تک ان نامور مقامی جاگیردار خاندانوں کی اتنی کثیر تعداد چولوں کی اطاعت کو بدستور تسلیم کرتی رہی۔ کچھ ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بان ویڈمبا تلمبا اور گنگا نسلوں کے جاگیردار بھی انہی اطاعت گزاروں کے زمرے میں تھے ہم اس امر کا پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ کہ کانچی پورم کا رودرا اور دیگر مقامات پر دیے گئے عطیات کی یادگار کندہ کرواتے وقت ہوئسالا جرنیلوں نے بھی راج راجا کے سن جلوس سے کام لیا کیونکہ 1236ء یعنی راج راجا کے بیسویں سالِ حکومت میں کانچی پورم میں دیے ہوئے ایک عطیے کی یادگار کندہ کرواتے ہوئے کالنگا حکمران انینگا بھیم دیورا ہمت نے بھی یہی سنہ جلوس استعمال کیا ہے[66] ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابھی تک عوام کے ذہنوں پر چولا سلطنت کی زبردست گرفت تھی، حالانکہ راج راجا سوم کی نااہلی اور بزدلی کے باعث سلطنت بہت بڑے حادثات و مصائب سے دوچار ہو چکی تھی۔

راجندر کی حیثیت جیسا ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، راجندر جسے 1226ء میں ولی عہدِ سلطنت تسلیم کر لیا گیا تھا، راج راجا سوم

کے مقابلہ میں ایک زیادہ قابل شہزادہ تھا۔ اس کے کتبوں میں ایک سنسکرت زبان کی
پرشستی شامل ہے جس میں اُس کی اُن کوششوں کا تذکرہ ہے جو اس نے اس غرض
سے کی تھیں کہ راج راجا کی نا اہلی کے باعث چولوں نے جو اپنی قدیم طاقت اور
وقار کو کھو دیا تھا، کم از کم وہ جزوی طور پر بحال ہو جائے۔ جانشین سلطنت کے
طور پر راجندر کا حق تسلیم کرلئے جانے کے چودہ برس بعد تک راج راجا برائے
نام حکومت کرتا رہا۔ لیکن اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ اس تمام عرصے میں بلکہ اُس
سے بھی چند برس پہلے سے اصل طاقت اس کے زیادہ قابل رفیقِ کار کے ہاتھوں میں
رہی۔ راج راجا کے عہدِ حکومت کے آخری سالوں میں اس کے کتبوں کی تعداد گھٹتی
چلی گئی ہے۔ اور جس علاقے میں وہ ملتے ہیں اُس کا دائرہ بھی تنگ ہوتا چلا گیا ہے
بالخصوص اس کے چونتیسویں سالِ حکومت کے بعد جب وہ صرف موجودہ شمالی ارکاٹ
اور نیلور کے دو اضلاع ہی میں دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس انھیں برسوں کے
راجندر کے کتبات مقابلتاً زیادہ کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اور چولا سلطنت
کے تقریباً تمام حصّوں میں دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ محض اتفاقیہ بات نہیں تھی'' کہ
قطعی فیصلے کا نتیجہ تھا جس کی بدولت راج راجا کی سیاسی نا اہلی کے مہلک اثرات
کا سدِّ باب کیا گیا تھا۔ اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اور نہ ان باتوں
کا کوئی ثبوت ہے۔ کہ سلطنت کا کوئی رسمی بٹوارہ ہوا تھا یا کہ راجندر اور راج راجا
کسی خانہ جنگی میں مشغول رہے تھے۔ راجندر نے راج راجا کو قتل کر دیا[67]

راجندر کی کامیابی

یہ بات مشکوک ہے کہ راجندر کی پرشستی میں تاریخی واقعات کا اندراج اس
ترتیب سے ہوا ہے۔ یا نہیں جس ترتیب سے وہ وقوع پذیر ہوئے۔ اور چونکہ یہ پرشستی
راجندر کے ساتویں سالِ حکومت (سنہ 1253ء) کی ہے 67 الف) جب راج راجا ابھی
بقید حیات تھا۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ اپنے ولی عہد مقرر ہونے کے
چند برسوں کے اندر اندر راجندر نے چولا سلطنت کے اقتدار کی بازیابی میں کافی
کامیابی حاصل کرلی تھی۔ ہوئسالا حکمرانوں کے کتبوں کی شہادت سے یہ بات اغلب

معلوم ہوتی ہے کہ اس نے 1246ء سے پہلے ہی اس کام کا آغاز کر دیا تھا پر شستی میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ راجندر نے چولا طاقت کی توہین کا بدلہ لے لیا اور اپنی شجاعت کی بدولت اس نے راج راجا کو تین برسوں تک دو تاج پہنائے رکھے 68 بعض کتبوں میں اسی پرشستی میں یہ بھی لکھا ہے کہ پانڈیا راجاؤں کے سروں کو قلم کرنے میں راجندر طاق تھا؟ 69 ترپرانتکم سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں 7 جو راجندر پندرہویں سال کا ہے۔ ایک زیادہ سنجیدہ دعوےٰ کیا گیا ہے یعنی "اِرُدر پانڈیا رمڈتلئی کو نڈرولِنا" یہ بھی بتایا گیا ہے کہ راجندر نے پانڈیا ریاست میں لوٹ مار کی۔ یہ واضح ہے کہ راجندر کو پانڈیوں کے خلاف کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔ اور دوسرا تاج جو چولا شہنشاہ کو عطا کرنے کا اُس نے دعویٰ کیا ہے وہ پانڈیا کا تاج تھا؟ پانڈیوں نے بیس برسوں میں دو مرتبہ چولا ریاست میں قتل وغارت اور آتش زنی کا بازار گرم کیا اور انہیں کی بدولت کوپیرُن جنگا کی بغاوت اور اس کے ذریعہ راج راجا کی گرفتاری عمل میں آئی۔ لہٰذا اُن پر وار کرنے میں پہل کرنے کے لئے راجندر کی بے تابی ایک قدرتی امر تھی لیکن اُس کا موقع اسے کب میسّر آیا اور اس کی کامیابی کے نتائج صرف تین سال تک ہی کیوں قائم رہے۔ اور وہ دو پانڈیا حکمران کون تھے جنہیں راجندر کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ بات قرینِ قیاس نہیں ہے کہ راجندر کو طاقتور ماڑورمن سُندر پانڈیا کے مقابلے میں کوئی اہم کامیابی حاصل ہوسکی۔ لیکن اس وفات کے بعد 1251ء میں جٹاورمن سُندر پانڈیا اوّل کی تخت نشینی تک کے وقفے میں پانڈیا سلطنت پر کمزور راجاؤں کی حکومت رہی۔ اور یہ ممکن ہے کہ ماڑورمن سندر پانڈیا دوم (سنِ تخت نشینی 1238ء) ہی وہ راجہ ہو جو کچھ عرصے کے لئے چولوں کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔ دوسرے پانڈیا راجہ کی شناخت نہیں ہوسکی جو غالباً ماڑورمن سندرا دوم کے عہد سے منسوب کرنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک کمزور حکمران تھا اور راج راجا کے عہد کے ابتدائی سالوں کی طرح اس پانڈیا راجہ کے عہد میں بھی معاملاتِ سلطنت پر ہوئسالوں کا بڑھتا ہوا اثر صاف نظر آتا ہے۔ اس کا سبب وہی ہوسکتا ہے، یعنی ہوئسالہ نے پانڈیا حکمران کو کسی زیادہ قوی پڑوسی دشمن کی جارحیت کے خلاف مدد دی ہوگی۔ میسور کے کچھ کتبوں میں دیرشومیشور کا ذکر "پانڈیا کل سمرکھشن دکشنا بھجا" (راجہ) کے نام سے کیا گیا ہے۔

یعنی وہ راجہ جس کا دایاں بازو پانڈیا کے خاندان کی حفاظت میں مشتاق ہے بتایا جاتا ہے کہ انہی دنوں میں سومیشور نے میدانِ جنگ میں راجندر کو ہرا دیا تھا لیکن جب اس نے پناہ مانگی تو اس نے اس کا تحفظ کیا۔ شاید یہی وہ واقعات ہیں جو راجندر کے کتبات میں پائے جانے والے بعض بیانات کی وضاحت کرتے ہیں[75]

وڈار نیم سے ملے ایک کتبے میں[76] لکھا ہے کہ راج راجا سوم کے پچیسویں سالِ حکومت یعنی ۱۲۹۱ء میں سنگن وند نائک نے چولا ریاست کے ایک حصے پر حملہ کر دیا اور اس حملے کے باعث ایک مندر میں پوجا بند ہوگئی۔ کچھ مدت بعد مندر کی پچاس ہزار کاشو کی لاگت سے دوبارہ تقدیس کرنی پڑی۔ ۱۲۹۵ء کے ایک ہی مضمون کے دو کتبوں سے جو پڈوکوٹہ میں ملے ہیں[77] ظاہر ہوتا ہے کہ اس تاریخ سے چند برس پہلے ویر سومیشورا کی جانب سے اس کے وندنائک ردی دیو نے کانا ناڈو کو تسخیر کر لیا تھا۔ اس طرح ہمارے پاس یہ ثابت کرنے کے لئے کافی شہادتیں موجود ہیں کہ راجندر کے برسرِ حکومت آنے کے بعد ہوئسالوں کے رول میں کافی تبدیلی آگئی جب راجندر کی قیادت میں چولوں میں از سرِ نو بیداری کے آثار نمودار ہونے لگے اور پانڈیا حکمران کمزور پڑنے لگے۔ تو ہوئسالوں نے چولوں کے خلاف پانڈیوں کی مدد کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ ہوئسالوں کی ڈپلومیسی کا رجحان بالکل واضح تھا یعنی پانڈیوں اور چولوں کے مابین طاقت کا توازن برقرار رکھنا، ضرورت کے وقت ان سے مدد مانگنے کے لئے دونوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس طرح جنوبی ہند کی ریاستوں کے نظام میں اپنے مقام کو برتر بنانا۔ معلوم ہوتا ہے کہ راجندر کو تین برس بعد پانڈیوں پر اپنی برتری کے تمام دعووں سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس تین سال کی مدت میں اکثر علاقوں میں اس کو سخت لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ لیکن اس کے متعلق تفصیلات ہمارے علم میں نہیں آئی ہیں[78]

چوڈانکا

چولوں نے پانڈیوں کے ساتھ جو حکمت عملی اپنائی اس سے سومیشور کے ساتھ ان کے اختلافات بڑھ گئے۔ مجبور ہو کر چولوں کو اپنے لئے کچھ دوسرے اتحادیوں

کی تلاش کرنی پڑی۔ اس وقت نیلور کے تیلگو چوڈا حکمران کافی طاقت پکڑ چکے تھے۔ اور وہ نیلور جنگلی پٹ اور کڈاپہ کے اضلاع پر مشتمل وسیع علاقے پر حکومت کر رہے تھے ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ حکمران جنوب کے چولا شہنشاہوں کے ساتھ زیادہ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور رسمی طور پر ان کی برتری تسلیم کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ تکا نریتی عرف گنڈ گو پالا[79] ان دنوں نیلور کا ہم عصر حکمران تھا۔ چولوں کے ساتھ اس کی دوستی اور ہوئسالوں کے ساتھ عناد کے واضح ثبوت کتابوں میں ہمارے پاس محفوظ ہیں تکن نے اپنی تصنیف "نروچنود ترا راما ئنمو" کے تمہیدی اشعار میں اپنے سرپرست منماسدِھا والد راجہ تکا کے کارہائے نمایاں کا ایک مکمّل اور محتاط بیان پیش کیا ہے۔ اس بیان سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تکا سمبھو راجہ اور دشمن کے دوسرے منڈلیکوں کے خلاف لڑا اور اس نے کانچی چیدی منڈل، اور کاڈوپتی کو مجبور کر دیا کہ اُس کی برتری کو تسلیم کریں۔ ان کامیابیوں کا یہ اثر ہوا کہ ان سے کوپیرُن جنگا اور اس کے ساتھیوں کی لوٹ مار اور غارتگری کی سرگرمیاں رک گئیں۔ اور اس طرح چولا شہنشاہ کی حیثیت مضبوط ہوگئی۔ گنڈ گوپالا کے 1230ء اور اس کے بعد کے کتبوں کی[80] کانچی پورم اور اس کے گرد و نواح میں موجودگی اور ان میں سے اکثر پر راج راجا کے سنہ جلوس کے حساب سے تاریخ کا اندراج تکن سومیاجی کے اُن بیانات سے مطابقت رکھتے ہیں جو اس نے تکا راجہ اور چولوں کے باہمی تعلقات کے متعلق دیئے ہیں۔ یہی شاعر واضح طور پر بتاتا ہے کہ تکا نے کرناٹا خاندان کے راجہ سومیشور کو مغلوب کر کے چولا راجہ کی حیثیت کو بہ آسانی مستحکم کر دیا۔ اور اس طرح اپنے لئے چولا ستھاپنا آچاریہ کا لقب حاصل کر لیا۔ شاکاسمت 1162 (1240ء عیسوی) کے ایک ہوئسالہ کتبے سے بھی[81] جس میں گنڈ گوپالا کے خلاف شومیشور کی ایک جنگی مہم کا ذکر آیا ہے۔ اس بات کی توثیق ہوتی ہے۔ ایک بار پھر ہوئسالہ کتبے کی تاریخ تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ چولا اقتدار کی بحالی کے لئے راجندر کی کوششیں اس کے رسمی طور پر ولی عہد مقرر کئے جانے سے کچھ برس پیشتر شروع ہو چکی تھیں۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک کمزور پانڈیا حکمران کی تخت نشینی اقتدارِ اعلیٰ کی بحالی کے لئے راجندر کی مہم کا آغاز چولوں اور ہوئسالوں کے مابین باہمی کشیدگی اور تیلگو چوڈا راجاؤں کے ساتھ چولوں کا اتحاد، یہ تمام واقعات مل کر جنوبی ہند کی سیاسی حالت میں ایک انقلاب کی

حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ درحقیقت یہ جنوبی ہند کے سیاسی نقشے پر تیزی سے ہونے
والے تغیرات کا دور تھا۔ راجندر کی آمد سے اس انقلاب کا جو خصوصی پہلو سامنے آیا۔
س سے منڈلوں کے سیاسی نظریہ کی، جو ہندو نظامِ حکومت سے لکھے گئے متعدد مقالوں کا
موضوع ہے، ایک عملی مثال سامنے آتی ہے۔ چولا سلطنت ہر طرف سے دشمنوں سے گھری
ہوئی ہے اور اس کا واحد ساتھی محض وہ ایک حکمران ہے جس کا علاقہ ایک دشمن پڑوسی کے
علاقے کے پار شروع ہوتا ہے۔[82]

اتر لنکا

راجندر کی کامیابیوں میں سے ایک اور کامیابی اس کی پرشستی میں ان الفاظ میں بیان
کی گئی ہے: "خوش حال اپنے" دیر راکھشو کے لئے مشہور لنکا کے لئے بالکل رام"۔ یہ شامبو
رایا حکمران کے خلاف کی گئی فوج کشی کی جانب ایک واضح اشارہ ہے جن میں سے کچھ اپنے
آپ کو "دیر راکھش" بھی کہلواتے تھے اور جن کی حکومت شمالی ارکاٹ کے علاقے میں تھی[83]
نکٹن سومیاجی کا کہنا ہے کہ تکا نرتپی نے کانچی پورم میں اچھی طرح قدم جمانے کے بعد
شمبھو راجا اور دیگر مخالف منڈلیکوں کے خلاف جنگی مہمات بھیجیں اور یہ بہت ممکن ہے
کہ ان لڑائیوں میں اس نے چولا اقتدار کی بحالی کے کام میں راجندر کے ساتھ تعاون کیا

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ راجندر کی کوششیں خاصی کامیاب ہوئیں اور 1238ء سے
1251ء تک کے کچھ برسوں میں چولا اقتدار اپنے دشمنوں اور جاگیرداروں کے مقابلے میں
قایم رہا۔ اس کا سہرا نیلور کے تیلگو چوڈا راجاؤں کے تعاون اور وفاداری کے سر تھا۔
پانڈیوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کو دبانے کی کوشش البتہ ناکام رہی۔ اگر شومیشورم بھی
پانڈیوں کی مدد نہ کرتا تو بھی یہ کوشش ناکام ہی رہتی کیونکہ پانڈیا خاندان والے ہمیشہ
چولوں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط رہتے تھے یہاں تک کہ جب چولا سلطنت کی ترقی کا
سورج نصف النہار پر تھا تب بھی یہی صورت حال تھی۔ وکرم چولا کے زمانے ہی
سے پانڈیا علاقے پر چولوں کا غلبہ محض برائے نام رہ گیا تھا۔ اور اب اپنے سابق آقا
کے خلاف تازہ کامیابیوں نے ان کا دل [illegible] بڑھا دیا تھا۔ تاہم راجندر کے دو دیگر
کارنامے پرشستیوں میں "اسی کرم کی جدید احیا کرنے والا" کہلوانے کے لئے جو

از پیدا کر رہے ہیں۔ اس طرح خود کو "چولوں کی توہین کا انتقام لینے والا حکمران" کہلوانے میں بھی وہ حق بجانب تھا۔

کانچی کا ہاتھ سے نکل جانا

کانچی پورم کا ذکر راجندر کی فتوحات میں نہیں آتا۔ اس عہد میں اس شہر کی ترقی و خوشحالی کا مختصراً جائزہ لینا کارآمد ہوگا۔ یہاں چولا کتبات زیادہ سے زیادہ ۱۲۴۵ء سنہ یعنی راج راجا سوم کے انیسویں سالِ حکومت تک ملتے ہیں[83 الف]) دوسری جانب یہاں کاکتیا گنپتی کا ایک کتبہ ملتا ہے جس پر سہ شنبہ ۸ جون ۱۲۴۹ء سنہ کی تاریخ درج ہے اور جس میں اُس کے ایک وزیر سامنتا بھوج کے ایک بہت بڑے عطیے کا اندراج ہے[83 ب] نندلور میں بھی ایک کتبہ ملا ہے جس سے اس کا بہت سا حصہ مٹ جانے کے باوجود یہ بات ظاہر ہے کہ تکّا کا بیٹا منما سدھی اور گنپتی باہم دوست تھے[83 ج] اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عظیم تیلگو شاعر تکّن نے اس وقت تیلگو چوڈا ریاست کے معاملات میں گنپتی سے منما سدّھی کے حق میں اس وقت مداخلت کروائی جب اُسکو تخت کی وراثت سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی[83 د] گنپتی کی مداخلت کی تاریخ کے متعلق، اگر واقعی اس نے اس طرح مداخلت بھی ہو، ہنوز ہمارے پاس کوئی قطعی شہادت نہیں ہے۔ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جب چند برسوں کے بعد جٹا ورمن سندر پانڈیا نے گنڈ گوپالا (تکّا یعنی) لڑائی میں موت کے گھاٹ اتار کر تیلگو چوڈا ریاست کو تسخیر کرلیا۔ تو اس نے کانچی اور نیلور کو بھی اپنے زیرِ نگین کرلیا اور گنپتی کو بھی فرار ہونے پر مجبور کردیا۔ لہٰذا ہم یہ قیاس کرتے ہیں کہ کانچی پورم کی کچھ مدت کے لئے تکّا کے زیرِ حکومت تیلگو چوڈا ریاست کا حصہ بن گیا تھا۔ پہلے وہ اس پر راج راجا سوم کے برائے نام اطاعت گذار کی حیثیت سے حکمران رہا۔ اور بعد میں گنپتی کے اطاعت گذار کی حیثیت سے، یہاں تک پانڈیا حکومت کے حملہ آور نے اس شہر کو فتح کرلیا۔ اب چولا نا جدار کانچی پر اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکے جس کے لئے کلوتنگا سوم نے اپنے عہد کے آخری حصے میں کامیاب لڑائی لڑی تھی۔ کوپیرن جنگا کے بطور خود مختار حکمران ابھرنے کے ساتھ چولا شہنشاہ نے یہ محسوس کیا ہوگا۔ کہ اب کانچی پر قبضہ رکھنا مشکل ہے اور اس

نے اپنے حمایتی تیلگو راجہ کی ریاست میں کاپٹی کا عملی طور پر ادغام چپ چاپ منظور کرلیا ہوگا۔

راجندر اور ہوئسالوں کے باہمی مراسم

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں چولوں اور ہوئسالوں کے مابین اس پالیسی کے باعث اختلافات پیدا ہوگئے تھے جو چولوں نے پانڈیا کے متعلق اختیار کر رکھی تھی اور جس میں تیلگو چوڈا تکا اوّل چولوں کا معاون تھا۔ تاہم اختلافات کا یہ عارضی دور جلد ختم ہوگیا۔ سومیشور کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی اور راجندر کی دوستی، تھوڑی سی عارضی رنجش کے بعد بحال ہوگئی۔ راجندر کے کتبات بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں راج راجا سوم کے کتبات کی طرح راجندر کے کتبوں میں بھی ہوئسالہ افسروں کے عطیوں کا ذکر کیا گیا ہے[84] چولوں اور ہوئسالوں کی یہ باہمی دوستی سومیشور کی وفات تک بلکہ اس کے بعد تک قایم رہی۔ ترؤچنوّرتی ضلع تنجور سے جو کتبے ملے ہیں[85] وہ اس بارے میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک کتبے پر جو تاریخ درج ہے وہ ویر رام ناتھ کے دسویں سالِ حکومت کی ہے جو ہوئسالہ ریاست کے جنوبی نصف حصّے میں سومیشور کا جانشین تھا۔ نیز اس میں راجندر کے بیسویں سالِ حکومت (سنہ 66-1265ء) میں ایک اراضی کی فروخت کا اندراج ہے۔ ایک دوسرے کتبے میں راجندر کے بچیسویں سالِ حکومت کی تاریخ کے ساتھ ساتھ رام ناتھ کا پندرھواں سالِ حکومت بھی درج ہے۔ ان کتبوں سے دونوں حکمرانوں کے مابین بہت گہری دوستی کا ثبوت ملتا ہے۔ چاہے کسی علاقے میں بھی یہ کتبے دستیاب ہوئے ہوں اس پر دونوں حکمرانوں کی مشترکہ حکومت نہیں ثابت ہوتی ہو[86]

پانڈیا اقتدار کی توسیع

چولوں اور ہوئسالوں کے مابین گہرے دوستانہ تعلقات کا باعث بلاشبہ یہی تھا۔ کہ جنوب کی جانب سے دونوں کو ایک نیا خطرہ لاحق تھا۔ سنہ 1251ء میں جٹاورمن سندر پانڈیا اوّل کے پانڈیا تخت پر بیٹھنے سے جنوبی ہند کا ایک مشہور

ترین فاتح میدان میں اُتر آیا۔ اُس کی سربراہی میں پانڈیوں کی دوسری سلطنت کو بڑی شوکت وعظمت نصیب ہوئی۔ اور دریائے کرشنا تک بلکہ اس کے پار تک جنوبی ہند کی دوسری تمام طاقتوں نے اس کے ہتھیاروں کی جھنکار محسوس کی ہوئسالوں اور چولوں کو اس کا احساس سب سے پہلے ہوا[87] اس پانڈیا حکمران نے اپنے عہدِ حکومت کے ساتویں برس (1258ء) سے پہلے پہلے چولوں اور ہوئسالوں کے خلاف نمایاں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ اس نے چولا حکمران کو اپنا باجگزار بنالیا تھا۔ اور ہوئسالہ کو میسور کی سطح مرتفع کی جانب بھاگ کر اس سے جان بچانی پڑی تھی۔ اور جب سومیشور نے از سرِ نو جنگ کی تو اس نے شکست کھائی اور کننور کے نزدیک 1264ء کی ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے جلد ہی بعد اُس نے کاڈووں اور تیلگو چوڈوں پر فوج کشی کی اور فتوحات حاصل کرتا ہوا نیلور تک جا پہنچا جہاں اس نے "ویر ابھشیک" (جشنِ شجاعت) منعقد کیا جب اس طرح پانڈیا طاقت کی لہر اپنی انتہائی بلندیوں کو پہنچ رہی تھی۔ اس وقت راجندر سوم اور ویر رام ناتھ دونوں اس زبردست فاتح سے بغیر چھیڑ کئے ہوئے جوں توں زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ ان دونوں پر مشترکہ مصیبت پڑی تھی اس کے پیش نظر ایک دوسرے کے زیادہ قریب آگئے تھے سندر پانڈیا کے جانشین ماڑورمن کل شیکھر نے ان دونوں کو 1279ء کی لڑائی میں ایک شکست دی۔

خاص چولا ریاست سے باہر راجندر کے کتبات بہت کم ملتے ہیں اور 1261ء یعنی اس کے پندرہویں سالِ حکومت کے بعد تو ایک بھی کتبہ نہیں ملتا۔ نندلور (ضلع کڈاپہ) سے اس کے تیرہویں سالِ حکومت (1259ء) کا جو کتبہ ملا ہے، اور ترپرانتکم (ضلع کرنول) سے اس کے دو برس بعد کا جو کتبہ دستیاب ہوا ہے، وہ اس کی بالا دستی کی جو مدتوں سے محض برائے نام چلی آرہی تھی آخری علامات ہیں۔

راجندر کے عہد کا اختتام

راجندر کے کتبوں میں جو سب سے آخری سن حکومت درج ہے وہ اس کے عہد کا تیئسواں سال ہے۔ جو اندازہ 1279ء میں پڑتا ہے ترِوُکنا پورم سے دستیاب

شدہ ۹۸ ایک کتبے میں جس پر تاریخ درج نہیں ہے۔ ایک شخص شیماپلے کا ذکر آیا ہے جسے راجہ نے "ہمگن" کہہ کر پکارا ہے جس کے معنیٰ ہیں "ہمارا بیٹا" لیکن چونکہ یہ کلمہ چولا کتبات میں اکثر جاگیرداروں کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس لئے شیماپلے کا راجندر سوم کا بیٹا ہونا شبہ سے خالی نہیں ہے ۹۸ اس کا ذکر دیرپانڈیا کے جاگیردار کی حیثیت سے بھی آیا ہے۔ سنہ 1263ء کے قریب ترودینی نلور کے ایک کتبے میں ۹۰ راجندر کی ایک رانی کا ذکر شولا۔ کل مادیوییار کے نام سے دیا گیا ہے بمعلوم ہوتا ہے کہ راجندر کے تحت بہت کم جاگیردار تھے۔ اس سلسلے میں قابلِ دو ہی نام توجہ ہیں۔ شولا۔ گنگن اور کال پالن ۹۱ گنگائی کونڈ چولا پورم بدستور دار السلطنت تھا۔ اور چدمبرم کا نٹ راج دیوتا حسب سابق مہاراجہ کا "اشٹ دیو" تھا ۹۱ الف)

راجندر کے عہدِ حکومت کے خاتمے پر پانڈیا سلطنت اپنی ترقی اور خوشحالی کی بلندیوں پر تھی اور غیر ملکی مبصروں مثلاً چینیوں اور عربوں کی نگاہوں میں اس نے چولا سلطنت کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ اس بات کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ کوئی چولا شہزادہ راجندر کے فوراً بعد اس کے تخت پر بیٹھا ہو۔ چنانچہ چولا ریاست کا پانڈیا سلطنت میں ادغام زیادہ مکمل طور پر ہوا۔ چولا سلطنت کے عروج کے دنوں میں پانڈیوں کی جنوبی ریاست اتنی مکمل طور پر چولا سلطنت میں مدغم نہیں ہوئی تھی۔ چولا مندلم نام بھی خود چولا سلطنت کے خاتمے کے بعد طویل مدت تک رائج رہا۔ اور بعد میں بگڑ کر کارومنڈل بن گیا۔ بعد میں بھی بعض سرداروں چولوں کی اولاد ہونے کا دعوے کرتے رہے۔ بعض تو تیلگو چوڈا خاندان کی متعدد شاخوں کے راستے اپنا نسلی تعلق چولوں سے جوڑتے تھے۔ اور بعض خود کو براہِ راست تامل خطے کے چولوں کی اولاد بتاتے تھے۔ ویرشیوا دیر پرتاپ چولا راجہ نامی ایک شخص جس نے اپنے نام کے ساتھ کئی بڑے بڑے القاب شامل کر رکھے تھے شاکا سمت 1223 مطابق سنہ 1301ء ضلع بنگلور پر حکومت کرتا ہوا بتایا گیا ہے ۹۲۔ انہیں دنوں میں ضلع شمالی ارکاٹ میں ویرچوڈا اور اس کا بیٹا ویرچمپا حکومت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مدراس کے عجائب گھر میں ویرشا کا سمت 1227 کی بھگتی راجا کی تختیوں میں تیلگو چوڈا خاندان کی ایک شاخ کا ذکر آتا ہے ۹۴ جو ویسے غیر معروف

تھی۔ اس کے ایک طویل عرصہ بعد 1481ء اور 1531ء کے کتبات ہمیں شری رنگم کے جزیرے میں ملتے ہیں۔ جن میں والکا وامیا اور چینیا بالئیا کے دئے گئے عطیوں کا اندراج ہے۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ مخصوص تیلگو چوڑا لقب "اڑائیور پورو رادھیشورا"[95] بھی شامل ہے۔ اچیوتا، دیورایا کی کوبنجی واڈی کی تختیوں میں بھی چولوں کا ذکر آیا ہے[96]۔ چولا نسل کے حکمرانوں کے متعلق جو سب سے آخری حوالے ملتے ہیں۔ ان میں کمبا کونم کے ایک دلچسپ کتبے کو بھی شمار کرنا چاہیے۔ جس میں مہامنڈلیشور گورور اجاوور دیو شولا مہاراجہ کی جانب سے شاکا سمبت 1476 (1554ء) میں دئے گئے ایک عطیے کا اندراج[97] ہے۔ اس عطیے میں نے آدی کمبھ شورا کے مندر میں پوجا اور چڑھاوے کے اخراجات کے لئے دو گاؤں وقف کر دئے تھے۔

سولھواں باب

حاشیے

(۱) EI - viii صفحہ 260 — کیلہارن ۱۹۴۲ - ۴۳ کے کتبہ نمبر ۱۶۹ کی تاریخ شاکا سمت
1162 (سنہ 1240ء) کو راج راجا سوم کا چوبیسواں سالِ حکومت بتایا گیا ہے — ARE
1939/40 کا کتبہ نمبر 42، 43/42، II، 42

(2) 1908 کا کتبہ نمبر 409

(3) 1908 کا کتبہ نمبر 216

(4) اس کے خلاف دیکھئے ARE - 1909، II، 51-52۔ بعض مؤرخین نے
راجندر کو راج راجا سوم بیٹا قرار دیا ہے جو ہوئسالہ راجا نرسمہا دوم کی بیٹی
شوملادیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا لیکن ARE - 1936 - 37، II، 33، و
48 — نیز 1938 - 39، II، 24 — EI - xxvii صفحہ 194 میں نہایت
معمولی شہادت کی بنا پر اُسے کلوتنگا سوم کا بیٹا ٹھہرایا گیا ہے۔

(5) 1911 کا کتبہ نمبر 116 (حاشیہ d)

(6) 1931 کا 51 — 1920 کا 76 — 1891 کا 23 — 1892 کا 93 وغیرہ

(7) 1912 کا 125

(8) 1912 کا 120 (بیسویں سال کا)۔ یہ بھی ترووریور سے دستیاب ہوا ہے۔

(9) 1911 کا 321 (دوسرے سال کا)

(10) ARE - 1915، II، 28

(11) ایضاً۔ 1914 کا 142

(12) 1918 کا 504 (چوتھے سال کا) — 1918 کا 392 (7×1 یعنی آٹھویں سال کا)

موخرالذکر کتبے کو اچھی طرح محفوظ نہیں رکھا گیا ہے اور جن پتھروں پر اس کو کندہ کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے وہ اِدھر اُدھر ہو گئے ہیں - یہ امر مشکوک ہے کہ اس کے جس حصے پر "لنکا کے عظیم شہر" کی تسخیر کا تذکرہ درج ہے فی الواقعی اسی پرشستی کا جزو ہے جو یوں شروع ہوتی ہے -

"کڈل ڈیاڈے کوڑ و ینجلائی ولٹیا دے وینری لنگائی مانگر کونڈو"

(13) الگوڈیا پیرو مالڈن اوک مُڈی کوتّال

اِراج راجن پریاوییلائیکاری ..... اِراج راجن ترُوتّالی پیڑرو ڈائیال .....
ارئی سِشرنڈتنیانائی ادنائی پیرو ڈیال پونی ییل تندانائی پیر- پُرکم - اندپرپ.
پیرو مال ..... وانر - کل - نِل - ویکو -

(14) 1926 کا 141 (16+ یعنی سترھویں سال کا) - 1925 کا 213 (انیسویں سال کا)
1927 کا نمبر 309 (حاشیہ d.)

(15) یہ ممکن ہے کہ EC - vi - CM - 56 جسے وینکٹا سبیا نے 1217ء کا بتایا ہے (دیکھئے گذشتہ صفحہ 396) دراصل 1222ء کا ہو، جیساکہ ہُلتش کا خیال ہے (EI - vii - صفحہ 162) اور شری رنگم کی جانب نرسمہا کی پیش قدمی کا اس شورش سے کچھ تعلق ہو جو پانڈیوں کے ایک حملے کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی - موازنہ کیجئے ARE - 1923، II، 7 - اگر یہ صحیح ہو تو یہ واقعی تعجب کی بات ہے کہ ہمیں اس کے بعد اس حملے کے بارے میں مزید کوئی خبر نہیں ملتی، نہ تو چولوں کی جانب سے اور نہ پانڈیوں کی طرف سے -

(16) 1904 کا نمبر 271

(17) ممکن ہے کہ ڈورا یا کے کتبے (1912 کے 296) کی "اتّی" پرشستی میں شمالی پر جو شعر ہے اس کا تعلق یادورایا کے تنازعے سے ہو -

(18) EC - ix - km - 87

(19) 1929 کا 228 (دسویں سال کا) جس پر اس باب کے آخری حصے میں صفحہ 428 پر بحث کی گئی ہے -

(20) EC - xii - TP - 42

(21) EC V-'m C-211 (ب) (تقریباً 1221 عیسوی)، نیز 7V۔ چک مگور ـــــ
150۔ بتایا جاتا ہے کہ نرسمہا 1233ء میں "چولا ناڈو پانچال نیلی ویڈی نولو"، رہا
تھا (EC-vii ـــ i c - 52)۔ یہاں پانچال دراصل پاچور کے لیے
آیا ہے۔

(22) 1902 کا کتبہ نمبر 142 ـــ EI-vii۔ صفحہ 160، وصفحاتِ مابعد

(23) وہ پرشستی جس میں ان واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، 1236ء سے پہلے کے
کسی بھی کتبے میں ملی ہے۔ PK۔ صفحہ 144۔ حاشیہ نمبر 3۔ لیکن 1902ء کے
کتبہ نمبر 142 کی تاریخ (1231-32ء) اور "گدیہ کرنامرت"، کی تاریخ تصنیف سے
صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعات 1131-32ء کے لگ بھگ رونما ہوئے۔

(24) شاکاسمت 1152 کتبہ ـــ 1914 کا نمبر 419 جو کئی ٹکڑوں میں ہے اور
تروچلی (رام نڈ) سے دستیاب ہوا ہے، سُندا کے ہاتھوں جن ناتھ کی
شکست کا حال بیان کرتا ہے (موخرالذکر نے اطاعت قبول کرنے سے انکار
کر دیا تھا)..... شاید یہ اسی مہم کا حوالہ ہو: اگر یہ بات ہے تو جن ناتھ اصل
میں راج راجا سوم ہوگا۔

(25) "ترو لملائی شری وینکٹیشورا-iv۔ صفحات 677 - 78 + "گدیہ کرنامرت"
کے مصنف کے خاندان کی تفصیلات کے لیے ARE، 1938-39، II، 22
دیکھئے۔

(26) 1900 کا 136 ـــ EI، vii صفحات 163 - 64

(27) سیلم اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع کے حصے۔ (
)-ii صفحہ 121۔ حاشیہ 2۔ نرسمہا نے
مگرا راجہ کی مستورات اور خزانے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔

(28) میرے خیال میں "کڈِ کال گل (م) شستم التم" کا مفہوم یہی ہے، نہ کہ پینے
کے پانی کی نہریں۔ کڈِ کال غالباً "کوڈ کال" کا مترادف ہے۔

(29) EI - vii صفحہ 162

(30) CV - ii۔ صفحہ 217

(31) " کاڈورائنا لِڈسی چولنا بڈسی تندوالگے پیچی" — EC xii, 95-Gb -

(31-الف) 1921 کا 536

(32) 1922 کا 418 — EI xxiii - صفحات 180-81

(33) 1893 کا 419 — 1905 کا 197 — 1919 کا 182 وغیرہ — ARE —

1923, II, 5 تا 8 میں کوپرُن جنگا کے مسئلے پر 1922 کے 418 کے حوالے سے بحث کی گئی ہے جو ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ الگیاشیئن اصل میں مہاراجہ سمہا سے الگ ایک شخص تھا۔ نیز یہ کہ اول الذکر نے دو مرتبہ راج راجا سوم کو شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا۔ ایک بار تو تیلاڑو کی لڑائی کے بعد ۱۲۲۱-22ء میں اور دوبارہ ۱۲۳۱-32ء میں (ترووینڈی پورم کے کتبے کے مطابق) اس طرح کے حیران کن نتائج اخذ کرنے کے دو اسباب بتائے جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وائیلور (ویلور) کے کتبے میں راجا کو الگیاشین کے نام سے پکارا گیا ہے اور دوسرا یہ کہ اس میں شیندا منگلم کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہمیں پوری ذمہ داری اور سنجیدگی سے یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مہاراجہ سمیا کو اپنے کتبات میں "کشیرا یگا دکشن نالک" اور "پینا ندی ناتھ" کے القاب سے خطاب کیا گیا ہے۔ یہ القاب "الگیاشیئن کوپیرُن جنگا" کے نام کے ساتھ استعمال نہیں ہوئے ہیں جس کی فتوحات جنوب میں دریائے کاویری سے آگے نہیں بڑھ سکیں (پیراگراف 8)۔ اصل میں الگیاشین کو پیرن جنگا کے معنی ہیں کو پیرن جنگا ولد الگیاشیئن۔ وائیلور کا کتبہ مندرجہ ذیل نثری عبارت سے شروع ہوتا ہے (۱۰۱) سوستی شری سکل بھون چکرورتی شری کو پیرن جنگن شولنائت تیلاڑل (۲۰۱) ویرُوسکل پری پھنتم۔ گونڈوشولنا پچ چیڑائُو وابتیحَ۔ چوناڈوکوندا (۱-3) لگیاشین۔ یہاں یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے کہ کوپیرن جنگا کا نام آغاز ہی میں دے دیا گیا ہے اور آگے چل کر راجہ کو الگیاشیئن بھی پکارا گیا ہے جس کے معنی ہیں خوبصورت شیر ببر۔ یہ نام یا تو والد کا تھا اور بیٹے کے نام کے ساتھ لگایا گیا ہے یا محض ایک لقب کے طور پر یہاں استعمال ہوا ہے۔ کوپیرن جنگا کا ذکر آنے کے بعد اگر سیندامنگلم

کا لفظ چھوٹ بھی گیا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس قیاس کی کوئی
وجہ نہیں ہے کہ چولا راجہ کو دو مرتبہ قید کر لیا گیا تھا۔ وآئیلور کے کتبے کی پرشستی
شوکا شین کی بتائی جاتی ہے۔ (پیراگراف 5)۔ حقیقت میں آخری حصہ
"اِدوشو کیچ چین" پر ختم ہوتا ہے، جس کا مطلب ہے "یہ شوکا (الکئیا)
شیئن کے حسب فرمان کندہ کروایا گیا ہے"۔

(34) 123۔ منگلم نامی گاؤں وردھا چلم تعلقے میں شیندا منگلم
سے کوئی دس میل جنوب مغرب میں ہے۔

(35) ایم۔ آر کوئی۔ (ایضاً)

(36) ۔ 123۔

(37) صفحہ 122، ۔ صفحہ۔ 15

(38) ہمیں ازدواجی رشتوں کی تفصیلات کا کوئی علم نہیں ہے۔ سیویل کے اس
بیان کی حقیقت (۔ صفحہ 135) کہ نرسمہا دوم نے اپنی بیٹی کی شادی
چولا حکمران راج راجا سوم سے کر دی تھی محض ایک امکانی قیاس سے زیادہ
نہیں معلوم ہوتی۔

(39) 21 مارچ سے لے کر 20 اپریل تک ۔ صفحہ 7۔ کیلہارن

(39-الف) 1939۔ 40 کا 192 (چوالیسویں سال کا)۔ 40/1939

42 II، 43/1942۔

(40) 1897 کا 23

(41) 1921 کا 480، 481

(42) 1918 کا نمبر 393

(43) 1911 کا 112

(44) 1917 کا 244

(45) 1927 کا 279 ۔ 1927، II، 30

(46) 1918 کا 506 (اٹھارھویں سال کا)

(47) 1929 کا 228۔ راج راجا کا نام اس کتبے میں کہیں نہیں آیا ہے۔ لیکن یہ

کتبہ یقیناً اُسی کے عہد کا ہے۔ 1929، II، 48

(48 اس کے خلاف دیکھئے۔ ایضاً

(49) صفحہ 420 ماقبل

(50) 1919 کا 349 (گیارہویں سال کا)

(51) 1919 کا 408 (چودھویں سال کا)

(52) 1919 کا 404 (پندرھویں سال کا)

(53) 1919 کا 369 (بیسویں سال کا)

(54) 1920 کا 39 (بیسویں سال کا)

(55) -183 (بیسویں سال کا)

(56) 1919 کا 366

(57) صفحات 158-159

(58) 340-341

(59) 1893 کا 419۔ C — یہاں کا کتیا حکمرانوں کے باجگزار امب دیو کو کا ڈورا یا وِمرد کا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ 1905 کا 173، 268

(60) 1902 کا 504 — 1902 کا 488۔ الف

(61) 893 کا 8

(62) 1918 کا کتبہ نمبر 363 کے 38، 58۔

(63) 1922 کا 104 — 1889 کا 88

(64) (کتاب کے مختلف حصوں میں)

(65) 1904 کا 138 (چوبیسویں سال کا)

(66) 1919 کا 445 - نیز انیسویں سال کا کتبہ نمبر 444 تاریخ 1235ء)

(67) راج راجا سوم اور راجندر سوم کے باہمی تعلقات کے متعلق بہت غلط فہمیاں رہی ہیں۔ یہاں ہماری نظر میں ایک عارضی خیال کی مثال ہے جو ایک ایسے عالم نے ظاہر کیا ہے جسے راہبر علما میں مقام دیا جاتا ہے۔ اس رائے کو ایک مسلّمہ حقیقت سمجھ کر مزید تانا بانا بُنا گیا ہے۔ 1892 کے کتبات نمبر 64.

65 جو راجندر کے ساتویں اور آٹھویں سال کے ہیں، پر بحث کرتے ہوئے وینکیا نے ۱۹۰۰ میں یوں اظہارِ خیال کیا تھا: "ویرسومیشورا کا کم از کم ایک ہم عصر چولا حکمران اور بھی تھا۔ یہ بات شری رنگم کے رنگ ناتھ مندر سے ملنے والے دو کتبوں (1892 کے نمبر 64، 65) سے ثابت ہوتی ہے۔ ان کتبوں کی تاریخ چولا راجہ تربھوون چکرورتی راجندر چولا دیو کے عہد کے دوران کی ہے۔ اگر یہ چولا حکمران بھی راج راجا سوم کے عہد کے دوران حکومت کر رہا تھا اور وہ بھی اس سے خود مختار ہوکر، تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت چولوں کا زوال کچھ حد تک اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے پیش آیا تھا۔" (1900۔ پیراگراف 30)۔ وینکیا نے اسی رپورٹ میں ایک اور ضمن میں یہ کہا: "چونکہ چولا تنگا اور ویرسومیشورا دونوں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے چولا راجہ کو تخت نشین کروایا اور چونکہ یہ دونوں آپس میں برسرِپیکار تھے، لہٰذا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے چولا تخت کے دو باہم مخالف دعویداروں کے مطالبے کی الگ الگ حمایت کی (ایضاً۔ پیراگراف 48)۔ یہ اندازہ لگانے میں زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں ہے کہ ان دونوں بیانات میں سے ہر بیان دونوں حالتوں کے متعلق کی ہوئی کئی متبادل توضیحات میں سے محض ایک توضیح پیش کرتا ہے، لیکن بعد کے سبھی مصنفین نے وینکیا کی ان آرا کو مسلمہ حقائق کی حیثیت تسلیم کیا ہے بلکہ ان سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ وگرنہ اتنی معمولی اور کمزور شہادت کی بنا پر اس رائے پر اصرار نہ کیا جاتا کہ راج راجا سوم اور راجندر سوم آپس میں بھائی تھے۔ نیز کرشنا شاستری بھی اس نظریے کو متعارف کرانے کے لیے تیار نہ ہوتا کہ راجندر نے تین سال کی مدت کے لئے دو ریاستوں کی حکومت راج راجا کو دلوا کر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 1912، II، 32۔ راجندر کی پرشستی میں ایک لفظ "دھورت" آتا ہے جس پر کرشنا شاستری نے اپنی اس رائے کی بنیاد رکھی ہے۔ اس لفظ کو ایک دوسری طرح یعنی "دُرپت" بھی پڑھتے ہیں اور جس طرح یہ استعمال ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ اپنے بعد آنے والے لفظ پانڈیا کے تعلق سے آیا ہے۔ گوپی ناتھ راؤ نے

اپنی تصنیف "چولوں کی تامل تاریخ" میں اس کا یہی صحیح مفہوم لیا ہے۔ صفحہ ۱۱۶۔
ظاہر ہے کہ یہ حوالہ راجہ آندر پر پانڈیا راجہ کی فوج کشی کے قصے کا ہے۔ ان تمام
متنازعہ اور متضاد بیانات کو ڈاکٹر ایس کے آئینگر نے یہاں مختصراً تسلیم کر لیا ہے۔
دیکھئے۔ صفحہ 35 تا 41

(67۔الف) 1892 کا کتبہ نمبر 64 — یہاں ہم ۱۹۰۵ کے کتبہ نمبر 185 (چوتھے سال کے) میں
شامل ان الفاظ پر غور کریں گے: "منو کُل میڈ تو نیٹری مڈی شوڈیار لیا"
ضمیمہ الف میں تین ایسے کتبات کا ذکر آیا ہے جو راجندر سوم سے منسوب ہیں۔ ان
کی پرشستی مختصر ہے اور "پورنم ترُوَدم" سے شروع ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہ کتبے
کلوتنگا اوّل کے ابتدائی عہدِ حکومت کے ہیں اور ان میں سے دو میں جو پراکیسری کا
لقب مذکور ہے وہ دراصل غلطی سے راج کیسری کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

(68) چولا کل پری بھونبرا کرنا۔ وِکرم۔ تری۔ ورشا۔ دھارِتا۔ مکٹ دویا۔ راج راجا۔

(69) پانڈیا۔ منی۔ مکٹ۔ شِرو۔ کھنڈن۔ پنڈِتا — ۱۹۱۱ کا ۴۲۰ — 1922 کا 515

(70) ۱۹۰۵ کا ۲۰۱ جس سے "تلائی کونڈا" کے معنی واضح ہو سکتے ہیں۔ نیز 1897 کے کتبہ
نمبر 93، اور 1922 کے کتبہ نمبر 515 میں دئیے ہوئے الفاظ۔ "پانڈیا۔ منی۔ مکٹ۔
پیٹھ۔ پرتشٹھتا پادارِوندا" کے ساتھ ان کا موازنہ کیجئے۔

(71) کرشنا شاستری کہتا ہے "دو سلطنتوں کے تاج۔ غالباً پانڈیا اور کیرلا دونوں
کے"۔ 1912، II، 32 — کیرلا کا ذکر اور کہیں نہیں آتا سوائے اس
خطیبانہ دعوے کے کہ کیرلا اور پانڈیا اس کا چنور ہلاتے تھے۔ "سوُر۔ وشیٹیا۔ سندھانا۔
درپت (دھورت) پانڈیا کیرلا۔ وجے مان چامر۔ نگلا" مزید براں یہ بات بھی
دھیان دینے کی ہے کہ اگر پانڈیا اور کیرلا سلطنتیں راج راجا کو حاصل ہو گئی تھیں
تو اپنی چولا سلطنت کو شامل کر کے اس کے پاس تین سلطنتوں کی حکومت ہو جاتی
تھی نہ کہ دو کی، جیسا کہ پرشستی میں بیان کیا گیا ہے۔

(72) صفحہ 158

(73)

(74) 123

(75) آٹھویں سال کا شری رنگم کا ایک کتبہ جو 1254ء کی تحریر ہے "مام۔ سومیشورا۔ پرتی کولا
کال دنڈا" کے جملے سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہیں "چچا سومیشورا کے
خلاف موت کا ڈنڈا" یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں "چچا سومیشورا کے دشمنوں کے
خلاف موت کا ڈنڈا"۔ سنسکرت والی پرشستی میں اسی طرح کا جو جملہ آیا ہے وہ
بھی اسی طرح غیر واضح اور مبہم ہے، گو تامل فقرے سے مقابلتاً کم مبہم ہے یعنی
کروناٹا۔ راجہ۔ پرتی کولا کال دنڈا" یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ سنسکرت والی پرشستی
میں شامل ایک اور جملے سے اس کا صحیح مفہوم معلوم ہو جاتا ہے جو یہ ہے کہ راجندر
خود سومیشورا سے عداوت رکھتا تھا۔ دوسرا جملہ ہے گری۔ درگ ملا ویرا سومیشورا۔
کر۔ آنکٹ۔ پاد۔ ویرا بھرنا" جس کے معنی ہیں "جس کی ٹانگ پر قلعوں کی تسخیر
کرنے والے سے کشتی لڑنے والے ویر سومیشورا نے بہادروں والا پازیب
باندھا" یہ نوٹ کرنا چاہیئے کہ ان واقعات کی تاریخ صرف اندازاً ہی بتائی
جا سکتی ہے اور یہ ماڑورمن سُندرا دوم کی تاریخ تاجپوشی 1238ء اور 1253ء
کے درمیان ہی ہو سکتی ہے کیوں کہ ہمارے علم میں موخرالذکر تاریخ راجندر کی
پرشستی کی سب سے پرانی تاریخ ہے۔ 123 میں ان وقعات کی دو
تاریخیں 1234ء اور 1236ء دی ہوئی ہیں لیکن یہ کتبہ کئی سال بعد کندہ کروایا گیا ہوگا۔
یہ تاریخیں ان واقعات کے متعلق ہیں جو اس کتبے میں بیان کئے گئے ہیں،

(76) 1904 کا 501 (تیئسویں سال کا)

(77) 340-41، جیسے 1906 کا کتبہ نمبر 387 ہے: 26 II 1907۔

(78) یہ بھی دھیان دینے کی بات ہے کہ کوپیرن جنگا بھی اپنے نام کے ساتھ "پانڈیا۔
منڈل ستھاپن سوتر دھارا" کا لقب شامل کرتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس نے پانڈیا
حکمرانوں کی مدد بھی کی ہو۔

(79) 1919 کا 446

(80) 1919 کا 357

(81) 100: ویر سومیشورا دیو نو گنڈ گوپالن میلے ایتی نڈید وا 1239ء کے
1937 - 38 کا 439) یعنی جو راج راجا کے تیئیسویں سال حکومت میں کھولا

گیا' کی عبارت کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس میں نرسمہا دوم کو گنڈ گوپالا کی طرف سے چھرا مار کر ہلاک کرنے کے واقعے کا حوالہ دیا گیا ہے (42'II'38 - 1937 -)
لیکن چونکہ اس سے تکنا کی تردید ہوتی ہے اور چونکہ یہ کتبہ بھی آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں ہے اس لئے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ واضح ثبوت ملنے تک انتظار کیا جائے اور اس کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہ کی جائے۔

(82) یہ امر مشکوک ہے کہ "چولاستھاپناچاریہ" کا لقب جو ویرسومیشورا کے نام کے ساتھ منسلک ہے، کوئی تاریخی اہمیت بھی رکھتا ہے یا یہ اصل میں اس کے والد نے جو لقب حاصل کیا تھا، اس کا محض اعادہ ہے۔ اس کے برعکس تکنا کے الفاظ تکنرپتی کے متعلق بالکل واضح ہیں اور اس قابل ہیں کہ ان کو دہرایا جائے:

شمبُو۔ راجادی۔ پرشستاری منڈلِک بجیرچی۔ بیلڈے کانچی پُورمُوا
چیدی۔ منڈلمُو گا سِگجیسی کاڈوبیتی نیاّ کولُیڈے پلچ مُنکُو ۔اا

× × × × ×

کملاپت۔ پرتی مان۔ مورتی۔ یگنا۔ کرناٹا سومیشوُدرُدم۔ دورگرومُوردپوبائی
مایِ رنج دریم بُم برتشٹھنچی ایلمے پن۔ جولُنی بھُوی پیٔ نلپی چول سنھاپناچاریا۔ ناموُ
دکن گُونی تِکاّ بھُودی بھیڈوسامرتھیاّ مبُوچلیم پڈے ۔اا

کیتن اپنی تصنیف "دشکمارچرتر" میں مزید لکھتا ہے کہ تکّا نے پانڈیا حکمران سے خراج وصول کیا (ا: ۱۶)۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی فوج نے پانڈیوں کے خلاف جنگ میں راجندر کی مدد کی ہو؟

(83) ۱۹۰۸ کا ۵۸ (کلوتنگا سوم: سترھویں سال کا)۔ شمالی لنکا کا اور دریائے گوداوری کے ڈیلٹے میں حکومت کرنے والے لنکا خاندان کا باہم کوئی واسطہ نہیں ہے۔
۔ 1918، 32'II — 1913، 43'II) بلکہ ماولنگائی سے ہے۔ "پتھوپاٹو"
صفحہ 139 — "پورنا نورو" صفحہ ۶۱

(83- الف) ۱۹۱۹ کے کتبات نمبر 362، و ۵۶۶

(83- ب) ، صفحہ 197، وصفحات مابعد۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور کتبے ۔ 1893 کے نمبر ۔ میں اسی واقعے کا تامل زبان میں بیان ہے اور اس پر جو تاریخ

درج ہے وہ دوسرے کتبے سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے کی ہے اور علم سیارگان کی تفصیلات یکم جون 1249ء سے تعلق رکھتی ہیں۔

(83-ج) 1907 کا 580 — یہ سا ہایم و دِ ھت شُرکنیتی نرپتیس سو پچھیا سمگرا گرے گود اور یام سرتی نرپتیش چرما ئشتیا نورتیا ا کا لنگم سوان کا ننگان بھنگھم اکرودے کوی رس تدا ئیم اا — 1908، II، 75 — کرشنا شاستری کے اِس بیان کا کوئی مستند سبب میں دریافت نہیں کرسکا کہ " وارنگل کے کاکتیا حکمران گنپتی نے اسی زمانے میں جنوب پر آنا فانا"، حملہ کیا، کانچی پر قبضہ کرلیا اور شری رنگم کے جزیرے پر آکر ڈیرے ڈال دئے۔

(83-د) سدھیشور چرتر میں جس کا حوالہ ویریشا لنگم نے دیا ہے، نیز (نظر ثانی شدہ)۔ صفحات 89 تا 92

(83-س) اس کی سنسکرت پرشستی میں جملوں کی ترتیب بہت اہم دکھائی دیتی ہے " ویرگنڈ گو پالا - دِین - داوا - ذاہن، کانچی پورورادھیشو راگنپتی ہرناشار ڈولا- نیلور پورا - وِرجِیت - ویرا بھشیک "۔ 433 - میں اس مہم کے متعلق اُن شکوک میں نہیں پڑسکتا جن کا اظہار سی ویل نے کیا ہے۔ صفحہ 155

(84) 1913 کا کتبہ نمبر 49 — 1903 کا 387 — 1902 کا 498 — 1919 کا 349 — یہ کہا گیا ہے (1913، II، 43) کہ شوائم کے مقامی مندر کے معاملات کی چھان بین میں سومیشور نے راجندر کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرلیا تھا۔ لیکن یہ بات بہت مشکوک دکھائی دیتی ہے بالخصوص جب ہم راج راجا سوم کے ان کتبات کی تعداد کو یاد کرتے ہیں میں ہوئسالہ حکمرانوں کے سرکاری افسران کا ذکر ہے۔ یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ دونوں طاقتوں کے مابین دوستانہ مراسم موجود تھے۔

(85) 1931 کے کتبات نمبر 207 - 208

(86) 1931، II، 16

(87) صفحہ 160 و صفحاتِ مابعد

(88) 1922 کا نمبر 515

(89) اس کے برعکس 1923، II، 45 — یہ شخص پڈوکوٹہ کے کتبات

نمبر 427 تا 437 میں مذکور الگئیا شیئن ہی ہوسکتا ہے جو 1257ء سے 1279ء تک ایک باجگزار پانڈیا حکمران تھا۔ اس نے شیمباٹور اور ترو وڈائیاپٹی کے مندر تعمیر کئے تھے۔ صفحات 619 تا 621)

(90) 1921 کا 427

(91) 1926 کا 994 — 1908 کا نمبر 202 — 1925 کا 339

(91-الف) 1897 کا نمبر 93

(92) 96

(93) 890 کا 3 صفحات 70 تا 72

(94) صفحہ 128 و صفحات مابعد

(95) 1891 کا 30 — 1892 کا 56

(96) بھارتی۔ آنگیر۔ شراون

(97) 1927 کا کتبہ نمبر 129 — کچھ دوسرے مبہم حوالے وِجیانگر کے ریکارڈوں میں ملتے ہیں۔ مثلاً 1928 صفحہ 51، 11، - 44 کے 7-8

سترھواں باب

چولا سلطنت کی حکومت

تمہید

اس باب میں اور بعد کے ابواب میں وجیالیہ کی تخت نشینی سے لے کر چولا سلطنت کے زوال تک چولا ریاست میں حکومت اور سماج کے حالات بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لازمی ہے کہ اس طرح کا کوئی بیان بالکل مکمّل نہیں ہوگا کیونکہ تھوڑے مواد میں سے اخذ کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے جوڑ کر پیش کرنا ہوگا۔ یہ مواد بھی ایک طویل مدّت پر پھیلا ہوا ہے اور ابھی تک صحیح طور پر اسے بخوبی سمجھا بھی نہیں جا سکا ہے۔ چونکہ بیشمار کتبوں کا مطالعہ درکار ہے اس لیئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ کام ابھی شروع بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ اور اگر محکمہ آثار قدیمہ حکومتِ ہند کی توجہّ سے مدارس کے ماہر علم کتبات کے دفتر میں رکھے ہوئے غیر مطبوعہ کتبوں تک میری رسائی نہ ہوئی ہوتی تو یہ جائزہ اور ابھی مختصر رہ جاتا۔ ملکی لٹریچر کی کوئی قطعی تاریخ تحریر مقرر نہ ہو سکنے کی وجہ سے اگر کوئی مورّخ اس لٹریچر کو تاریخ کی تشکیل کے لئے استعمال کرنا چاہے تو اس کی راہ میں یہ بھی ایک سنگین رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنوبی ہند کے معاملات پر غیر ملکی سیاحوں اور مورّخوں نے جو روشنی ڈالی ہے وہ سُودمند تو ہے لیکن ساتھ ساتھ دھندلی بھی ہے۔ فن سکہ شناسی بھی ہمارے لیے تحقیقی مسئلے زیادہ پیدا کرتا ہے اور اُن کا حل کم بتلاتا ہے۔ اور اگر ہم چولا سلطنت کے زیر نگیں وسیع رقبے اور اس کے طویل عرصۂ حکومت کو پیشِ نظر رکھیں۔ تو یہ اچھی طرح کہہ سکتے ہیں کہ آج

پہ چولوں کے جتنے سکّے ہمارے علم میں ہیں اُن کی تعداد تنوع بہت کم ہے۔ خوش قسمتی سے اس عہد کی عمارات
کے متعلق صورتِ حال کچھ بہتر ہے اور اس کے فنِ تعمیر اور فن سنگتراشی کا تنقیدی جائزہ لینے کے لئے
ہمارے پاس مواد کی کوئی قلت نہیں ہے۔ تاہم جہاں تک اس عہد کی سیاسی تاریخ کا تعلق ہے۔ نظامِ
حکومت اور سماجی زندگی کے مطالعے کے لئے ہمارا اوّل ماخذ کتبات شناسی ہی رہے گا اور اس
میں ادبی تصانیف کا محتاط استعمال بھی کچھ حد تک معاون ہوگا۔

ہندوستان کا مؤرخ غالبًا اس احساس سے بے بہرہ ہے کہ اس کا مطالعہ دراصل اُن مسلسل
اور ترقی پذیر رجحانات کا مطالعہ ہے۔ جو اس کے ماضی کے ہم وطنوں کی فلاح اور بہبود کے لئے
بردئے کار رہے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جدو جہد کے کسی بھی میدان میں ان تمام گذشتہ
صدیوں میں کامیابی کے حصول کی جانب کوئی بتدریج پیش قدمی ہوئی ہے خواہ یہ دولت پیدا کرنے
اور اس کے جمع کرنے کا میدان ہو، خواہ سیاسی نظام کی تخلیق اور اس کی ترقی کا، خواہ فنون لطیفہ سے
دلچسپی کا، خواہ مذہبی طرزِ زندگی اور اخلاقی اقدار پر عمل کا جیسے اکثر ہندوستانی کلچر کا طرہ امتیاز سمجھا جاتا
ہے۔ دنیا کا کوئی ملک یہاں تک کہ خوش نصیب ترین بھی ایسی بغاوتوں اور انقلابات سے بالکل محفوظ
نہیں رہ سکا ہے جنہوں نے کچھ مدت کے لئے پشتوں کی مہذب زندگی اور کارکردگی کو ملیامیٹ کر کے
نہ رکھ دیا ہو۔ لیکن ہندوستان کے ماضی کا مطالعہ کرنے والا کبھی اس تاثر سے دامن نہیں بچا سکتا کہ اس
کی تاریخ میں کسی نہ کسی مرحلے پر ضرور ایک ایسا انحطاط پیش آیا جس نے زندگی کے سبھی شعبوں پر طاری
ہو کر اس کی توانائی پر گھُن لگا دیا۔ غیر ملکی غلبہ، ذات پات کا تسلّط، زندگی کا یاسیت پسندانہ رجحان جو
بدھ مت کی دین تھا اور جسے ویدانت نے انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ نیز اسی عمومی نوعیت اور دوسرے
اسباب اس زوال کی وجہ قرار دئے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا وہ ابتدائی زمانہ بھی جب اس کی
ایک اپنی زندگی تھی اور کسی غیر ملک کا اس پر تسلّط نہیں تھا۔ اکثر ان خیالات کے تاریک پس منظر میں
دیکھا گیا ہے جو اس کی بعد کی تاریخ کے انحطاط پذیر دور کی پیداوار تھے۔ حالانکہ غیر ملکوں کی خوبیاں
قبول کرنے میں یہ ملک کبھی پیچھے نہیں رہا اور نہ اس نے کبھی اپنی اچھائیاں ایشیا کے دوسرے ملکوں کو
دینے میں بخل سے کام لیا۔ اور جن ملکوں کو ہماری دین سے فائدہ پہونچا ان پر جبریہ ملکی غلبہ تو کیا
ہم نے کبھی ثقافتی غلبہ بھی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ذات پات تو یہاں موجود تھی ہی، اور
اس کے ساتھ ساتھ بدھ مت بھی تھا اور ویدانت کا فلسفہ بھی۔ ان عناصر میں سے صرف ایک نے
یاسیت نے مل کر بیک وقت قومی زندگی اور کامیابی کی جڑوں کو کھوکھلا نہیں کیا بلکہ اس کے

برعکس کافی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی زندگی کی خصوصیات ہندو عہد کی ان دلی کوششوں کا نتیجہ تھیں جو ہر اُس انسانی معیار سے کامیاب تھیں جو اس وقت کے سماجی اور علمی مسائل کو حل کرنے کے لئے کی گئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وہ نسل انسانی کے ایک بڑے گروہ میں باہمی مفاہمت، خیر سگالی اور آسودگی کو فروغ دینے میں معقول حد تک کامیاب بھی ہوئیں، خواہ اُن کا طریقۂ کار ان معاملات میں ہمارے جدید افکار و نظریات سے مطابقت نہ رکھتا ہو، مجموعی طور پر چولا سلطنت کی تاریخ، تاریخ ہند کے اس ابتدائی اور مقابلتاً خوشگوار دور سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہم یہ دیکھیں گے کہ بہت سی ایسی باتوں کے باوجود جو ہمیں ابتدائی ہی نہیں بلکہ ناگوار بھی معلوم ہوتی ہیں متحدہ اور رضاکارانہ کوشش سے بہت بڑی کامیابیاں حاصل کی گئیں۔ سماجی تعاون اور اتحاد کا قوی احساس لوگوں میں موجود رہا اور اس زمانے میں جب جنوبی ہند پر چولا تاجداروں کی فرماں روائی تھی بعد کے زمانہ کے مقابلہ میں شہریت کا زیادہ گہرا شعور عام تھا

سماجی زندگی کے اس مطالعہ کا دائرہ

ذیل میں دئے گئے جائزے اور مطالعے کا دائرہ چار صدیوں سے زائد مدت پر پھیلا ہوا ہے یعنی لگ بھگ ۸۵۰ء سے ۱۲۷۰ء عیسوی تک، ہر چند کہ صحیح معنوں میں یہ جائزہ تمام جنوبی ہند کے متعلق ہونا چاہئے جس میں تیلگو خطّہ بھی شامل ہے جو بیشتر چولا سلطنت کے ساتھ ہی وابستہ رہا۔ پھر بھی چونکہ خاص تامل خطّے کی حدود کے باہر چولا کتبات بہت کم دستیاب ہوتے ہیں نیز ان بیرونی حصّوں میں ان علاقوں کے مقامی شاہی خاندانوں کے کتبات بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جن کا اتنا مکمل مطالعہ ابھی تک نہیں ہو سکا ہے جتنا کہ ہونا چاہئے۔ اس لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اوّل اوّل اس جائزے کو تامل ریاست تک ہی محدود رکھیں۔ مثال کے طور پر مشرقی چالاکیوں کی تاریخ تیلگو لوگوں کے وقائع اور ان کے لٹریچر کا ایک عظیم باب ہے۔ مگر ایک ایسے مطالعہ میں جو تامل تاریخ کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے ساتھ انصاف کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اور جو بات تیلگو خطّے کے لئے صحیح ہے وہی، چاہے اُتنی حد تک نہ سہی، کیرلا اور کرناٹا کی ریاستوں کے لئے بھی صحیح ہوگی۔ ہر چند کہ اکثر ان علاقوں کا ذکر آتا رہے گا۔ بالخصوص چولا سلطنت کے انتظام حکومت کے مطالعے میں، جو ان سب علاقوں میں یکساں طور پر نافذ تھا۔ پھر بھی سماجی زندگی کا مندرجِ ذیل احوال اِن خطّوں کے متعلق سیر حاصل معلومات بہم پہنچانے کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔

حکومت

عہدِ سنگم کی طرح چولا عہد کی حکومت بھی ایک مطلق العنان بادشاہت تھی۔ لیکن ابتدائی دور کی قبائلی طرز کی بادشاہت اور راج راجا اور اُس کے جانشینوں کی بادشاہت میں جو بزنطینی بادشاہت کا نمونہ تھی اور جس کے تحت کثیر تعداد میں شاہی ایوان، سرکاری ملازمین اور ایک وسیع وعریض سلطنت کے کثیر وسائل کے اجتماع کے شاہانہ کرّوفر تھے، کوئی مناسبت نہیں تھی۔

مشرقی یورپ یا قسطنطنیہ کے طرز کی بادشاہت

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ خانہ بدوش بھاٹوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ اپنے دف اور رقاصاؤں کے لئے ان عظیم حکمرانوں کے پُرشوکت ایوانوں میں یوں آزادانہ داخل ہوجاتے ہوں اور اپنی موسیقی سے ان راجاؤں کا گھنٹے دو گھنٹے دل خوش کرتے ہوں جس طرح وہ پہلے زمانہ میں کیا کرتے تھے جب چولا ریاست کا تاجدار دو اور تاجداروں کے ساتھ ایک وسیع رقبہ پر جس میں کثیر تعداد میں چھوٹے چھوٹے رجواڑے تھے جن پر آزاد امراء حکومت کرتے تھے، برتری کا دعوےٰ رکھتا تھا۔ چولا بادشاہت نے راشٹرکتا حملے کے اثرات سے سنبھلنے کے بعد پورے جنوبی ہند کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُس کی حدود مشرق و مغرب میں دونوں جانب سمندروں کو چھونے لگیں۔ شمال میں اس کی حد ایک بے ترتیب سے خطہ کی صورت میں منگلور کے نزدیک سے کہیں سے گذرتی تھی۔ اور دریائے تنگ بھدرا کے ساتھ ساتھ چل کر وینگی کی سرحد میں مل جاتی تھی۔ کیونکہ وینگی کا ۱۰۰۰ء سے ۱۰۷۰ء تک چولا سلطنت کے ساتھ اتنا قریبی تعلق تھا کہ اس کا الگ سیاسی وجود اس تمام مدت میں برقرار رہنے کے باوجود بین الریاستی پالیسی کے تمام عملی مقاصد کے لئے یہ چولا سلطنت کا ایک جزو بنی رہی۔ چولوں کی نمایاں فتوحات سندر چولا کی تخت نشینی اور راجندر اوّل کی تاجپوشی کے درمیانی وقفے میں ہوئیں۔ یہ فتوحات زیادہ تر عظیم شہنشاہ راج راجا کے عہدِ حکومت میں حاصل ہوئیں۔ اور چونکہ اس عہد میں چولا ریاست محض ایک چھوٹی سی ریاست نہیں تھی بلکہ اب اس کی حدود بڑھ کر ایک وسیع شہنشاہیت کی شکل اختیار کرچکی تھیں۔ لہٰذا اب بادشاہت نے بھی اس کے مطابق اپنا روپ بدل لیا اور راجہ "شہنشاہ" یا "چکرورتگل" کہلانے لگا۔ جس نام سے اس کی رعایا کبھی کبھی اُسے پکارتی تھی۔ گو سرکاری یادداشتوں میں اس کا ذکر اب بھی صرف اُڈیا کے لقب سے کیا جاتا تھا۔ اُس کے جلد ہی بعد چولا راجاؤں نے "تینوں جہانوں کے شہنشاہ

کا لقب اختیار کر لیا۔ سرکاری دستاویزوں میں راجہ کے ساتھ جہاں اس کی مہارانی کا ذکر آیا ہے وہاں اُسے "تمام دنیا کی مالک"[2]، کہا گیا ہے۔ راج راجا کے عہد کے حجری کتبات کے ابتدائی حصّے میں بطور تمہید اس عہد کے سرکردہ واقعات کا حال ایک مقررہ شکل میں درج کرنے کا طریقہ جاری ہوا۔ یہ جدت راجہ کی حیثیت میں تبدیلی کے احساس کی علامت کہی جا سکتی ہے۔ اسی احساس کی ایک اور علامت ہمیں تنجاؤدر میں "راج راجیشورا" کے مندر کی پتھر کی بنی ہوئی عالی شان عمارت میں دکھائی دیتی ہے جس طرح چولا سلطنت جنوبی ہند کی دیگر سبھی ریاستوں پر سبقت لی گئی، اسی طرح یہ مندر فنِ تعمیر کے اعتبار سے وقت تک کے معلوم شدہ مندروں سے آگے بڑھ گیا۔[3]

راجدھانیاں

تنجاؤدر جو موجودہ نقشوں میں تنجور کے نام سے درج ہے۔ اصل میں تنجا پوری تھا۔ جسے وجیالہ نے نئی حکومت کے صدر مقام اور "نشمبھ سودنی،، دیوی کے مسکن کے لئے چنا تھا۔ اس دیوی نے اُسے اُس کے منصوبوں میں کامیابی بخشی تھی۔ اگرچہ پلّو ریاست کی تسخیر کے بعد، کانچی ایک ذیلی راجدھانی بن گیا تھا جس میں راجگان اپنے وقت کا کچھ حصّہ گذارتے تھے۔ پھر بھی ریاست کے سرکردہ ترین شہر کے طور پر تنجاؤر کی حیثیت اس وقت تک برقرار رہی جب تک گنگا پوری کے نئے شہر نے اس اہمیت ختم نہیں کر دی۔ گنگا پوری جس کے پڑوس میں چولا گنگم نامی وسیع تالاب تھا، بہت صدیوں تک راج راجا کے جنگجو بیٹے راجندر کے غرور اور جاہ طلبی کی امنگ کی یادگار بنا رہا۔ ظاہرہ ہمارے پاس ان میں سے کسی شہر کا اس وقت کا لکھا ہوا تذکرہ موجود نہیں ہے کروؤدوُر تیورانے راج راجیشورا اور گنگائی کونڈا چولیشورا کے مندروں کی تعریف میں جو بھجن لکھے ہیں۔ اُن سے بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ تنجور کے چاروں طرف قلعہ کی دیوار تھی۔ جس کے اردگرد ایک گہری کھائی تھی۔ دوسرے شہر کے متعلق کوئی بھی تفصیل نہیں بتائی گئی ہے۔ البتہ اس عہد کے کتبوں میں گنگائی کونڈا چولا پورم کے بڑے بازار کا اور شولا کیرلن نامی شاہی محل کا ذکر آیا ہے[4]۔ نیز اس محل سے ملحقہ غسل خانے کے شاہی عملے کا بھی جو ترؤ منجتار دیلم،، کہلاتا تھا[5]۔ کمبا کونم کے قریب پلیّار و نامی شہر میں بھی ایک مندر تھا جس کا نام راج راجا کے نام پر "اروموبی دیوا ایشورا،، رکھا گیا تھا[6]۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی ایک شاہی ایوان تھا جو راج راجا کی بہن کندوئی کی،، اور کچھ عرصہ تک راج راجا کی بھی پسندیدہ اقامت گاہ تھی۔ پلئیارؤ کے نزدیک ایک چھوٹے سے گاؤں کا نام شولا مالگئی ابھی تک

باقی ہے۔ یہ کمبا کونم ریلوے سٹیشن سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور وہاں کا ایک چھوٹا سا منہدم شدہ مندر اب بھی وہاں کے قدیم شاہی محل کی نشانی بتایا جاتا ہے جس میں یہ مندر ایک محافظ دیوتا کی حیثیت رکھتا تھا[7] یہ پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ راجندر نے مدورا میں ایک بہت بڑا مندر تعمیر کیا تھا۔ اور اتّرمیرور اور کچھ دیگر مقامات میں اب بھی چولوں کے شاہی محلات موجود ہونے کے متعلق روایات موجود ہیں۔

تنجاوور

وجیالہ اور اس کے جانشینوں کے دارالخلافہ تنجاوُور کے بارے میں ہمیں اُس عہد کے کتبوں سے دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ معلومات حاصل ہوتی ہیں ۱۰۱۱ء میں وہاں کا عظیم مندر تیاری کے قریب تھا۔ یہ مندر راج راجا کے عہد کی سب سے اہم اور تاریخی یادگار تھا۔ یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے کہ ۱۰۱۱ء سے کتنا عرصہ قبل اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی۔ گو اس کی دیواروں پر راجہ کے اور دیگر لوگوں کے عطیات کی تفصیلات کندہ کرنے کا حکم اس کے چھبیسویں سال حکومت یعنی ۱۰۱۱ء کے لگ بھگ جاری کیا گیا تھا، لیکن غالباً دیواروں پر یہ تحریریں کندہ کرنے کا کام تقریباً تین سال بعد شروع ہوا ہوگا[8] شہر اور اس کے نواح میں واقع متعدد شاہی محلات اور ان کے ملازمین کی رہائش گاہوں کا ذکر کتبات میں ملتا ہے۔ ملازمین کی یہ اقامت گاہیں بہت سے "ولمیوں" میں بٹی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ کتبوں میں شہر کی مختلف سڑکوں اور محلوں کے نام بھی مذکور ہیں۔ ویرشولا کی بڑی سڑک اور تیربھوون مہادیوئیار کے بڑے بازار کا ذکر ایک ایسے کتبے میں ہے جس پر راج راجا کے عہد سے قبل کی تاریخ پڑی ہوئی ہے[9]۔ راج راجا کے عہد میں شہر کے اندرونی (اُلالئی) اور بیرونی (پرم بڈی) حصّوں کا فرق سامنے آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی (پُرم بڈی) شہر کی نوعیت ایک نئے اضافہ کی تھی۔ گویا یہ ایک نیا شہر تھا جس کی منصوبہ بندی اور بیشتر حصّے کی تعمیر خود راج راجا کے عہد میں ہوئی تھی۔ گو مذکورہ بالا بڑا بازار کچھ مدت پہلے بن چکا تھا[1]۔ یہ بات شاید قابلِ توجہ ہوگی کہ راج راجا کے عہد میں تعمیر شدہ نئی سڑکوں میں دو اہم سڑکیں ایسی تھیں جو مشرق سے مغرب کی طرف چلتی تھیں اور غالباً بڑے مندر کے سامنے سے گذرتی تھیں۔ اُن کے تمام شمالی اور جنوبی تیلچیری تھے۔ ان دونوں سڑکوں پر ان چار سو رقاصاؤں کو بسایا گیا تھا۔ جنہیں ریاست کے دوسرے بڑے بڑے مندروں سے لاکر اس عظیم مندر کی خدمت پر مامور کیا

گیا تھا۔ اور جن کے ناموں اور مقبوضہ مکانات کے نمبروں کا اس وقت ہم کو علم ہے[2]۔ ان کتبوں سے ہمیں شہر کے دوسرے مندروں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ" جیسے بھیم" "تنجیٔ مامنی" کے مندر کہلاتے تھے۔ وشنو کے ایک مندر کے ساتھ ایک ہسپتال تھا جس کا نام راج راجا کے والد کے نام پر سندر چولا ونگراتلی۔ شالئی۔ رکھا گیا تھا اور جسے راج راجا کی بہن کندوئی نے بنوایا تھا[3]۔ مجموعی طور پر ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ ایک دولت مند اور ترقی پذیر شہر تھا جس میں ہر قسم کی آسائش مہیا تھی۔ اور جس پر بلاشبہ مندر اور شاہی دربار کا اثر تھا۔

شاہی خاندان کی رہائش

شاہی رہائش عملہ متعدد نوعیتوں کے ملازمین پر مشتمل ہوتا تھا جس میں راجہ کے ذاتی محافظ وغیرہ بھی شامل ہوتے تھے۔ پریواروں کی مختلف جماعتوں کا ذکر آیا ہے اور اُن میں باہم فرق اُن کے الگ ناموں کے اعتبار سے واضح کیا گیا ہے۔ کیونکہ پریواروں کے یہ نام مختلف راجاؤں کے عرفی ناموں پر رکھے گئے تھے[4]۔ یہ پریوار کبھی کبھی" ترومیہ کا یار" کہے گئے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ پریواروں کی یہ جماعتیں نجی شاہی محافظوں کی خدمات بھی انجام دیتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ غسل خانے اور باورچی خانے کے عملے کم وبیش عورتوں پر ہی مشتمل ہوتے تھے۔ یہ شاہی محل کے ملازمین" ویلیوں" میں بٹے ہوئے تھے اور تنجور اور گنگائی کونڈ چولاپورم کے شہروں کے جدا جدا حصّوں میں بسائے گئے تھے[5]۔ یہ" ویلم" بالعموم جنگ میں گرفتار کئے ہوئے مردوں اور عورتوں میں سے بھرتی کئے جاتے تھے۔ ان نجی ملازموں کو عام طور پر بہت معمولی کام کے عوض خاصی اجرت مل جاتی تھی۔ شاید" ویلیوں" کا رتبہ ناگوار چاکری کا نہیں ہوتا تھا اس لئے اُن میں سے کم حساس لوگ تھوڑے ہی دنوں میں اس کے خوگر ہو جاتے تھے۔

چولا عملداری کے متعلق چاؤ جوکوا کے افکار سے ہم کو معلوم ہوتا ہے[6]۔ کہ" سرکاری ضیافتوں میں راجہ اور دربار کے چار وزرا تخت کے پایوں کے پاس سلام کرتے ہیں۔ اس کے بعد سبھی حاضرین رقص وسرود میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ راجہ شراب نہیں پیتا لیکن گوشت کھاتا ہے اور اپنے وطن کے رواج کے مطابق سوتی لباس پہنتا۔ اور آٹے کی روٹیاں کھاتا ہے اس کے دسترخوان پر خدمت کے لئے اور اس کی جلوں میں چلنے کے لئے ہزاروں رقاصائیں مامور ہیں جن میں سے تین ہزار روزانہ باری باری سے حاضر رہتی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاہی خاندان کا ہر اہم فرد ایسے نجی ملازمین کا الگ گروہ رکھتا تھا۔ اس بات کا پتہ کتبوں میں دیئے گئے جملوں سے چلتا ہے جیسے "اڈیا کو دنڈ راما کی خصوصی خدمت میں پانچوں مہادیو یار کا شتر و بھیکیرت۔ ترندا ویلم وغیرہ"7۔ راجہ اس کی مہارانیاں اور اس کے بے شمار رشتہ دار مندر تعمیر کر کے ان کو فراخدلی سے عطیات دے کر، بنجر اراضی کو قابلِ کاشت بنانے آبپاشی کے وسائل کو فروغ دینے، مدرسوں اور ہسپتالوں کے اخراجات چلانے اور ایسے ہی دوسرے مفید کاموں پر کثیر رقوم صرف کر کے مثال قائم کرتے تھے۔ اور بالعموم سرکاری افسران، امرا، بیوپاری اور سماج کے دیگر آسودہ حال طبقے ان کی تقلید کرتے تھے۔ اس بات کو بخوبی سمجھنے کے لئے کہ عوام میں وہ پاس محبت اور خلوص کیوں تھا۔ جو عام طور پر ان کے دلوں میں اپنے مختلف رتبوں والے حکمرانوں کے تئیں نیک جذبات کا محرک بنتا تھا۔ ہمیں دوسرے اسباب کے علاوہ اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اس وقت کے حکمران متعدد ٹیکسوں، چندوں اور واجبات کی شکل میں جو کچھ ان سے وصول کرتے تھے، اس کا بیشتر حصہ خیراتی عطیات اور اوقاف کی صورت میں انہیں واپس کر دیتے تھے، ایسے اوقاف و عطیات قومی اقتصادیات کا ایک لازمی جزو تھے اور اس معاملے میں سرکار کی جانب سے پہل کرنے کی سیاسی اور سماجی اہمیت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

دان کو یگیہ پر ترجیح دی جاتی تھی

ایک بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے راجہ جو ویدک قربانیاں دیتے تھے۔ اُن کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔ اشومیدھ یگیہ کا ذکر صرف ایک بار راجہ دھیراج کے کتبوں میں آیا ہے۔ شنگم کے زمانے کی نظموں سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اس طرح کے فضول خرچی کی ویدک رسومات زیادہ عام تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چولوں کے زمانے میں یگیہ اور قربانی پر دان کو ترجیح دی جاتی تھی ایسے عطیات کے لئے مواقع نہ صرف مندروں کی مرکزی حیثیت، اُن کی تنظیم، ان میں پوجا کی ضروریات کی وجہ سے حاصل ہوتے تھے۔ بلکہ مذہبی نیک نامی حاصل کرنے کے لئے، جو مالدار طبقے کے لئے عام طور پر اور راجاؤں کے لئے خاص طور پر ایک فرضِ منصبی بن چکا تھا۔ چند نئے موقعوں کا اضافہ ہو گیا تھا، مثلاً تولابھارا، ہرنیہ گربھ وغیرہ، قرونِ وسطیٰ کے ہندو دھرم کی یہ ایک حیرت انگیز کامیابی تھی۔ کہ اس نے انسان کے مذہبی جذبات کو سماج کی مؤثر خدمت میں استعمال کیا۔ د ان کی آمدنی پر چلنے والے مندر اور مٹھ اور چولا کتبوں میں مذکور "اگرہار" اور چترویدی منگلم

جنوبی ہند کے مذہب کی اس خصوصیت کی مثالیں ہیں۔ اس عوامی تحریک سے جینیوں کے "بلیئ" اور بدھ مت کے وہار بھی فیضیاب ہوئے۔

راج گورو

یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ اپنے مذہبی عقاید کے لحاظ سے چولا حکمران کٹر شیو تھے آج کل کے ہندو دھرم کے بیشتر فرقوں کی مانند شیو مت بھی اُس کے پیرووں کے لئے کسی گرو سے اجازت لینا لازمی ہے۔ چولا راجگان بھی بلاشبہ اس اصول پر عمل پیرا تھے اور چولوں کے پورے عہد حکومت میں راج گورووں کی یکے بعد دیگرے جانشینی کا سلسلہ جاری رہا ہوگا۔ راج راجا اوّل اور راجندر کے عہد کے کتبوں میں ایشان شوا اور شرواشوا نامی گورووں کے نام خاص طور سے نظر آتے ہیں اور اس امر کے شاہد ہیں کہ چولا دربار کے شیومت کا رابطہ شمالی ہند سے بھی تھا۔ راجا دھیراج اوّل کے ایک کتبے میں ایک "گرودیو" کا ذکر آیا ہے۔ جس کا احترام راجہ اپنے روحانی مرشد کی حیثیت سے کرتا تھا۔ ایک اور راج گرو کا حوالہ کلوتنگا اوّل کے میسور کے ایک کتبے میں دیا گیا ہے۔ جس میں درج ہے کہ راجہ نے گرو کی تعمیل کی ہدایت میں ۱۰۵ چترویدی بھٹوں کو ایک "برہم دیہ" دیا۔ کلوتنگا سوم کے زمانے میں اُڈیار سوامی دیوار کو جو مقام حاصل تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گرو عام طور پر مذہبی اداروں کے انتظام کے معاملات میں راجہ کا مشیر ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر سوامی دیوار نے راجہ کے کئے ہوئے کچھ انتظامات کو ناپسند کیا جو اس نے ایک پجاری کی موت کے بعد ترو کڈائیور کے مندروں میں پوجا کروانے کے لئے کئے تھے۔ جب راجہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اپنے احکام پر نظر ثانی کر کے اُن لوگوں کو اس خدمت پر مامور کیا جن کی سفارش سوامی دیوار نے اس بنا پر کی تھی کہ اس عہدے پر اُن کا جائز حق ہے۔

مندر بطور سمادھی یا موت کی یادگار

اس عہد کے متعدد مندر اور اکثر اُن میں رکھی گئی خاص خاص مورتیوں کے نام ان حکمرانوں کے نام پر رکھے جاتے تھے جو انہیں نصب کرواتے تھے۔ جن مورتیوں کے نام کسی زندہ حکمران کے نام پر رکھے جاتے تھے اُن کو اُن حکمرانوں کی وفات کے بعد کسی دیوتا کا درجہ دیدیا جاتا تھا "دیوراجہ"، یعنی متوفی راجہ کو دیوتا تصور کر کے اُس کی پوجا کرنے کا عقیدہ مجمع الجزائر شرق الہند

میں اور جزیرہ نمائے ہند چینی کی ہم عصر ریاستوں میں جنوبی ہند کے مقابلے میں زیادہ رائج تھا۔[20] ہندو دھرم کے دوسرے فرقوں کے مقابلے میں اس عقیدہ کا تعلق شیومت سے زیادہ تھا۔ لہٰذا چولا سلطنت میں ایسے محرکات موجود تھے جو "دیوراجہ" کی پرستش کی وجود میں لانے میں معین تھے۔ اس امر کی تصدیق ان کتبات سے ہوتی ہے جن میں راجاؤں اور شہزادیوں کی ہڈیوں پر یادگاری مندر بنائے جانے کا ذکر ہے۔ اور اس کی خاص خاص مثالیں یہ ہیں۔ تونڈ مانادمیں آدتیشورا کا مندر جسے راجہ پرانتکا اوّل نے اپنے والد کی "پلی پڈئی" کے طور پر بنوایا تھا۔[21] میل پاڈی کے مقام پر ارنجلئی ایشورا کا مندر جسے راج راجا اوّل ارنجیار کی یادگار میں تعمیر کروایا تھا جو آرٹور کے مقام پر خوف ہوا تھا[22] اور رام ناتھن کوئیل میں واقع پنچون مادیویشورا کا مندر جو راجندر اوّل نے تعمیر کیا تھا۔[23] حال ہی میں جب کئی مندروں کی مرمت کا کام شروع کیا گیا تو ان کے مقدس حجروں کے نیچے انسانی ہڈیاں پائی گئیں۔[24] بعد کے زمانے میں اس رواج نا پسند کیا جانے لگا جس کا ثبوت یہ ہے کہ رام ناتھن کوئیل کے کتبے کا ذکر اوپر آیا ہے۔ اس میں لفظ "پلی پڈی" کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔[25]

حکمرانوں کی قدِ آدم مورتیاں

بتایا جاتا ہے کہ تنجور کے مندر میں راجہ سندر چولا پرانتکا دوم کی ایک مورتی نصب کی گئی تھی اور اس کی بیٹی کندوئی نے اس کی پوجا کے انتظامات کئے تھے۔ اس خاتون نے ایک اور مورتی بھی اسی مندر کو دان کی تھی جو خود اس کی یا اس کی والدہ کی مورتی تھی۔[26] اسی مندر میں شہنشاہ راج راجا اور اس کی مہارانی لوک مہادیوی کے بت بھی تھے۔[27] تیمبن مہادیوی نامی گاؤں کے جس کا نام گندھر آدتیہ کی پاک طینت مہارانی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ مندر میں اس کی ایک مورتی تھی جس کی باقاعدگی سے پوجا کی جاتی تھی۔[28] آج بھی تنجور اور کال ہستی کے مندروں میں کم و بیش مستند نوعیت کی مورتیاں ملتی ہیں۔ جو راجہ راجندر اور مہارانی چولا مہادیوی کی مورتیاں تصور یہ مثالیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ موت کے بعد اور اکثر ان کی زندگی ہی میں شاہی افراد کا شمار دیوتاؤں میں کیا جانے لگتا تھا۔

فوج

راج بری اور بحری فوج کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا۔ کتبات میں فوج کی کثیر التعداد پلٹنوں

کا ذکر مع اُن کے خصوصی ناموں کے ملتا ہے۔ ان کتبوں میں فوج کی ایک خاص خصوصیت یہ نمایاں کی گئی ہے کہ اس کے ہر ایک پلٹن کی ایک الگ متحد اور منظم زندگی ہوتی تھی اور انہیں اپنے نام سے عطیات دینے اور مندر تعمیر کروانے کی پوری آزادی تھی۔ بعض مرتبہ افراد جو ابھی ملازمت میں ہوتے تھے یہی راستہ اختیار کرتے تھے اور اسی طرح کی کارروائیوں کی یادداشتوں ہی سے ہمیں ان پلٹنوں اور افراد کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ راجا کی افواج کی جنگی زندگی اور تنظیم سے زیادہ ہمیں ملک کی شہری اور غیر فوجی زندگی میں ان کے کردار کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ وینکیسیا نے راج راج راجا کے کتبات سے تیس[30] سے زیادہ پلٹنوں کے نام اخذ کئے ہیں۔ اور اگر راج راجا سے قبل اور بعد کے راجاؤں کے عہد کے کتبات میں سے ایسے ہی نام نکالے جائیں تو ان پلٹنوں کی فہرست تقریباً ستّر تک پہنچ جائے گی۔ ان پلٹنوں میں سے ہر ایک کے نام کے ساتھ اس کی تشکیل کی تاریخ بھی درج ہے۔ ان میں سے ہر نام اس وقت کی یادگار قایم کرتا تھا جب یہ پلٹنیں قایم کی گئی تھیں اور ان کی تشکیل کی وجہ بھی ظاہر کرتا تھا۔ اس طرح بہت سے راجاؤں کے القاب جو بصورت دیگر معروف تھے ان کتبوں میں محفوظ ہوگئے۔ جیسے "پارتھوشیکھرا" "سمرکیسری" "وکرم شنگھا"، "تائے تونگ"، "دان تونگا"، "چنڈ پراکرما"، "راج کنجرا" وغیرہ۔ پلٹنوں کے یہ نام چولوں کی توسیع سلطنت کے ابتدائی زمانے میں چولا فوج کے بتدریج اضافے اور کسی حد تک اس کی مختلف شاخوں کی نوعیت کے شاہد ہیں مثال کے طور پر ہمیں فیل سوار فوج (آنئی یاٹکل") اور کنجر ملر"، گھوڑ سوار پلٹن (کیدرئی چیوگرا اور بری فوج کے کئی اور شعبوں اور حصوں کے متعلق پتہ چلتا ہے:" کائیکول پرم بڈئی"، یعنی کائیلوں کی عظیم فوج میں کائیکولر نام والی سبھی پلٹنیں شامل ہوتی تھیں۔ اس نام کو اکثر "مافندگان"، کے جدید معنی[31] دیئے جاتے ہیں لیکن چولا کتبات میں اس اصطلاح کو اس کے لفظی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ان لوگوں کا گروہ جو اپنے ہتھیاروں کی طاقت کے لئے ممتاز ہیں یا فوج کے بازوؤں کے جنگ جو۔ پھر تیر اندازوں کی کچھ پلٹنیں تھی جو "وِلّی گل" کہلاتی تھیں اور شمشیر زنوں کی پلٹنیں جو والیڑا کائیکولر"، کہلاتی تھیں۔ دائیں ہاتھ والی فوج یا ولنگئی کی دلئی کار۔ سپاہ کا ایک بہت بڑا حصہ تھی۔ اور متعدد پلٹنوں پر مشتمل تھی" ادنگئی"، یا بائیں ہاتھ والی فوج کا ذکر دیجے باہوں کے پولو نرووا کے کتبے میں آیا ہے۔ قیاس کہا جاتا ہے کہ یہ رضا کار سپاہی ہوتے تھے جو خاص مواقع (ویلئی) پر کئے جاتے تھے[32] لیکن یہ بات قابلِ یقین نہیں معلوم ہوتی۔

حقیقت میں "ویلئی کارر" شاہی فوج کا مستقل اور سب سے زیادہ معتبر حصہ تھا اور اس کے عہدے کے نام سے یہ ظاہر ہے کہ وہ راجہ اور اس کے مقاصد کی حفاظت کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اور اس کے سپاہی "ویلئی" (مواقع) آنے پر جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ بعد کے کچھ ادبی حوالوں سے بھی اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔[33] غالباً اپنے مقصد اور تنظیم میں "ویلئی کارر" کی طرح کی سپاہ "تیرن ون" "آپتو ددیگل" تھی جو پانڈیا راجاؤں کی فوج میں ہوتی تھی۔ جس کے متعلق مارکوپولو نے کہا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ راجہ کے قریب رہتے تھے۔ اور ریاست میں بہت اختیار رکھتے تھے۔[34] "شنرودنم" اور "بیرن دنم" کا فرق فوج کے دوسرے حصوں میں بھی، جن کا ذکر اب تک کیا گیا ہے، پایا جاتا تھا بعض مرتبہ پلٹنیں ان کے علاقائی نام سے شناخت کی جاتی تھیں۔ جیسے "پانڈپ پاڈئی"[35]

ضلع تنّے ویلی میں واقع امباسمدرم کے قریب ترُوو الیشورم سے دستیاب شدہ ایک نادر کتبہ ایک پلٹن کی جنگی تاریخ فراہم کرتا ہے اس پلٹن نے اپنا نام "مونرڈ کئی مہاسینئی" (یعنی تین شعبوں والی عظیم فوج) رکھتا تھا۔[36] اگرچہ اس کتبے پر تاریخ درج نہیں ہے پھر بھی اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ راج راجا اوّل اور راجندر اوّل کے عہد حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کتبے میں بتایا گیا ہے کہ "مہاسینئی" نے مسلسل وشنو اور شو کی پوجا کی اور کنّڑوں کو شکست دے کر ان کا تعاقب کیا۔ اس فوج نے گانگیّا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کلماڈم کو تسخیر کیا۔ اور ولی نم کو جو سمندر کے کنارے آباد ہے۔ تباہ کر دیا۔ یہ فوج سمندر پار کرکے مشرقی کنارے پر پہنچی اور ماتوٹم کو بیوست خاک کر دیا۔ پہاڑی ریاست ملائی ناڈو کو تسخیر کرکے شالئی میں دشمن کے بحری بیڑے "کلم ٹرتو" کو شکست دی۔ اس نے ولاّن (چالوکیہ) کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اورون واسی پر قبضہ کر لیا۔ کال ہسّی کے تامل شاعروں نے ان کارہائے نمایاں کے لئے اس فوج کی مدح سرائی کی ہے اس پلٹن نے کچی کی پہاڑی پر واقع گڑھی کو بھی تباہ کیا۔ اور اجنڈری (اجنگی درگ) پر قبضہ کر لیا۔ وڈوگا (شمالی) سرداروں کو شکست دی۔ جنہوں نے ان سے مقابلہ کیا تھا داتاپی کی فصیلوں کو منہدم کر دیا اور کچھ اور کام بھی کئے جو اس کتبے میں کچھ عبارات مٹ جانے سے ٹھیک طرح سمجھ میں نہیں آتے۔ اس پلٹن کو پانڈی ناڈو کے رہنے والے" اور تین قسم کے ہتھیاروں والی عظیم پلٹن کے بے باک سپاہی" کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا۔ انہوں نے ترُو الیشورم کے مندر کو مع اس کی جملہ املاک کے اور پجاریوں کے اپنی مستقل پناہ میں لے لیا۔ یہ ظاہر ہے کہ جن جنگی مہمات میں کامیابی حاصل کرنے کا دعویٰ اس پلٹن نے لیا ہے وہ راج راجا اور اس کے جانشینوں کے عہد میں پیش آئی تھیں بہ سنہ ۱۰۹۶ء کے شمیر بادیوی

کے کتبے میں اس پلٹن نے اپنی شجاعت کا اعلان کیا ہے[37] اور ایک مندر اور اس کی املاک کو اپنی حفاظت میں لیا ہے۔ یہاں اس پلٹن کو "تین ڈویژنوں (دکائیوں) کی عظیم فوج کے کئی ہزار مسلح جنگ جو" کہہ کر پکارا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ فوج مقامی رسالوں اور چھاؤنیوں جو کڈگم" کہلاتی تھیں، کی صورت میں پھیلی ہوئی ہوتی تھی۔ اس بات کا واضح ثبوت ذیل کی اصطلاحات ہیں۔ "اینلور کڈگم کے ولی گل یعنی اینلور چھاؤنی کے تیر انداز[38] "یرؤ وڈائی مرودل میں تعینات فوج" اور رپ۔ پڈائت تلا ئیون[39] (اس شہر کے فوجی دستور کا کپتان)[40] جنوبی ہند کی جنگی مہم کے خاتمے پر کلوتنگا اوّل نے کوٹا رومیں ایک فوج تعینات کی اور چولا ریاست سے لے کر اس مقام تک سڑک کے کنارے کنارے فوجی بستیاں بسائیں[41]۔ اس حکمران نے اپنے چھیالیسویں سالِ حکومت میں ضلع جنوبی ارکاٹ میں مڈولام کے مقام پر کچھ فوجی دستے تعینات کیے[42]

فوج میں بھرتی کے طریقے اور مستقل فوج کی تعداد کے متعلق ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ فوج کے بہت سے سردار (سیناپتی) برہمن خاندانوں سے تھے اور جب کبھی وہ خاص امتیاز حاصل کر لیتے تو "برہمادھیراج" کہلانے لگتے تھے۔ "ولیموں" میں جو بچے پیدا ہوتے۔ اور پروان چڑھتے تھے[43] معلوم ہوتا ہے کہ فوج عام طور سے انہی میں سے بھرتی کی جاتی تھی۔ اگرچہ ان سے فوج کا محض ایک معمولی سا حصہ پورا ہوتا تھا۔ اس امر کی کوئی خاص شہادت نہیں ملتی۔ کہ یہ سپاہی جنگی تربیت حاصل کیے ہوئے ہوتے تھے جن میں اور شہری آبادی میں کوئی قدر مشترک نہیں ہوئی تھی۔ دوسری طرف اس بات کے واضح ثبوت موجود ہیں کہ وہ محض گنواروں کا گروہ نہیں ہوتے تھے۔ جنہیں خاص مواقع کے لیے جبری بھرتی کر لیا جاتا ہو اور جنہیں نہ تو کوئی جنگی تربیت دی جاتی ہو۔ اور نہ جن کو میدانِ جنگ کا کوئی ذوق ہو۔ ایک ایسی فوج کو جس میں "مونرو کئی مہاسینئی" جیسی پلٹنیں شامل تھیں جو اپنی خاص روایات رکھتی تھیں، نہ اس طریقے سے بھرتی کیا جاتا ہوگا اور نہ اس طریقے سے رکھا جاتا ہوگا۔ کڈگموں (چھاؤنیوں) کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ فنونِ جنگ میں گاہے بگاہے تربیت نظم و ضبط کا قائم رکھنا چولا حکومت کے محکمہ فوج کے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ فوج شہری زندگی کے معاملات میں گہری دلچسپی لیتی تھی۔ اور اس کے مختلف حصے پیشہ وارانہ یا علاقائی نوعیت کی بے شمار انجمنوں کی طرح کام کرتے تھے۔ جن کے متعلق ہمیں آگے چل کر

تفصیل سے بحث کرنی ہوگی ان کی جانب سے اجتماعی طور سے یا نجی حیثیت سے دی ہوئی خیراتی جاگیروں اور اوقاف کا تو ذکر پہلے آچکا ہے۔ نیز اس بات کا بھی کہ "مونڑو کئی مہاسبنئی" نے اپنے ذمے ترڈوالیشورم مندر کی حفاظت لے لی تھی۔ یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ راج راجا کی "کائیکول پڈئی کی تین پلٹنوں"[44] نے سومور میں تعینات محکمہ مال کے ایک افسر کے ساتھ اس جرمانہ کے عاید کرنے اور وصول کرنے میں تعاون کیا تھا جو سورج گرہن کے موقعے پر دیوی کی مورتی کا جلوس نہ نکالنے کے لئے مقامی مندر کے کارپردازوں پر لگایا گیا تھا۔ ریاست پڈوکوٹہ میں کڈومیاملئی کے مقام سے ملنے والے کچھ بعد کے چولا کتبات میں فوج کے دو ایسے ڈویژنوں کا ذکر آتا ہے جو شہری معاملات میں دلچسپی لیتے تھے کلوتنگا اوّل کے چھتیسویں سالِ حکومت (۱۱۰۵ء) میں مونڑو پڈائیپ پوڑکوئل کائیکولر" اور "نائپ پڈئی پلی پلی آئینوڑوور"، نے مقامی مندر کو وقف کی گئی ایک خیراتی جاگیر کے بندوبست میں ناڈو کی مجلس سے تعاون کیا تھا[45] پھر ۱۲۱۳ء میں اس "کائیکولر" کو کوناڈو میں تعینات بتایا گیا ہے جہاں اُسی مندر میں ہر سال متعدد تیوہاروں کے انتظام کرنے کا فریضہ ان کے ذمہ تھا[46] یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ یہاں فوج کے جن دو ڈویژنوں کا ذکر آیا ہے وہ فوج کی ان چار قسموں میں سے دو تھیں جو ہندوستانی نظام سیاست کی کتابوں میں تجویز کی گئی ہیں۔ (۱) موروثی (مول) اجرت پر رکھے ہوئے سپاہی (بھرٹکا) ملیشیا یعنی رضا کار فوج (شیرینی) اور (۴) قبائلی فوج (آٹوی) "کائیکولر" غالباً وہ شاہی فوج تھی جسے سرکاری خزانے سے باقاعدہ تنخواہ ملتی۔ "ناٹو پڈئی" رضا کار فوج تھی جسے کوٹلیہ نے "شیرینی"، یا جان پد" کا نام دیا ہے۔ یہ غالباً مقامی تحفظ کے لئے ہوتی تھی[47] بے عیب پانچ صد"، کون تھے اور "باقی" ناٹو پڈئی"، کے ساتھ ان کا کیا تعلق تھا، یہ یقین سے بتانا ممکن نہیں ہے۔

چولوں کے عہد حکومت کے اختتام تک فوج کا ڈھانچہ اور عوام کی شہری زندگی میں اُس کا کردار بظاہر وہی رہا جو کہ اس عہد کے آغاز میں تھا۔ راج راجا سوم کے عہد میں "نرشنگھ وکرم ویرر"، کہلانے والی پلٹن کے ایک رُکن نے بلیوے ضلع بنگلی پٹ میں ایک مندر تعمیر کروایا اور اسے کچھ عطیات دئے[48]

۱۱۷۸ء میں ایک چینی مصنّف نے چولا سلطنت کے متعلق لکھتے ہوئے اس کا اور اور اس کی فوج کا حال اس طرح بیان کیا ہے[49] یہ ملک (ہندوستان) کے مغرب میں واقع ریاستوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ اس کی حکومت کے پاس ساٹھ ہزار جنگی ہاتھی

ہیں جن میں سے ہر ایک سات یا آٹھ فٹ (ہاتھ ۔ ۹) اونچا ہے۔ لڑتے وقت یہ ہاتھی اپنی پشت پر مکان اٹھائے ہوتے ہیں اور یہ مکان سپاہیوں سے پُر ہوتے ہیں۔ جو بہت دور تک نشانہ باندھ کر تیر اندازی کرتے ہیں اور دشمن کے بہت قریب جا کر اس کے خلاف نیزوں سے لڑتے ہیں جب وہ فتحیاب ہو جاتے ہیں تو ان کی خوبی کو نمایاں کرنے کے لئے ان ہاتھیوں کے کچھ اعزازی نام رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو ان کو جھول، جن پر کام بنا ہوتا ہے۔ اور چارہ کھلانے کے طلائی برتن عطا کرتے ہیں۔ ہاتھیوں کو روزانہ معائنے کے لئے راجہ کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے۔

جنگوں کے اثرات

ہمارے ماخذ جنگ کے اس نظریئے کی تائید نہیں کرتے، جس کے مطابق جنگ محض پیشہ ور جنگجوؤں کے مابین نیزہ بازی کا مقابلہ ہوا کرتی تھی اور پاس پڑوس کی معمول کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ ان سے تو یہی ظاہر ہے کہ جنگ آتش و آہن کا ایک خونین کاروبار تھی۔ اور خواہ چولوں کے کتبات سے اسے جانچا جائے یا ان کے حریف چالاکیوں کے کتبوں سے، دریائے تنگ بھدرا کے دونوں جانب جنگ وجدل کی تلخیوں کے باعث کئی پشتوں تک زندگی، ایک بوجھ بن گئی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر جنگ وجدل میں انسانی اقدار کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ اور جنگ میں شریک نہ ہونے والوں کو بھی نقصان پہنچایا جاتا تھا۔ ان کی مستورات کی بے حرمتی کی جاتی تھی۔ اور اُن کے اعضا تک کاٹ دیئے جاتے تھے۔ لنکا اور کرناٹک سے دستیاب ہونے والی شہادتیں اتنی واضح ہیں۔ کہ انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مندروں کی غارتگری جس کا الزام چالوکیہ کتبوں میں راجندر اوّل پر عاید کیا جاتا ہے، جزوی طور پر مذہبی اختلافات کے باعث کی جاتی تھی اور کچھ حرص وطمع سے۔ راجندر شیو مت کا مقلد تھا۔ اور منہدم کئے گئے مندر کثیر دولت اور جاگیر والی جین بستیاں تھیں۔ جو دشمن کے علاقے میں واقع تھیں اور اس لئے انکی لوٹ مار جائز تھی۔ بیرونی ریاستوں کے خلاف جنگوں سے جو مال غنیمت چولوں کے ہاتھ لگا ہوگا وہ بے حد کثیر رہا ہوگا اور چولا کتبات نے یہ بات صیغۂ راز میں بھی نہیں رکھی کہ عوامی اداروں کو دان اور اوقاف میں جو کچھ شہنشاہوں کی جانب سے دیا جاتا تھا۔ وہ اکثر دشمن سے لوٹی ہوئی دولت ہوتی تھی؟ جنگ میں لوٹا ہوا مال غنیمت راجہ کی ملکیت [illegible] جاتا تھا۔

وہ جیسے چاہے اسے صرف کرتا تھا۔ راج راجا اوّل نے اپنے چھٹے سالِ حکومت میں حکم دیا کہ شیلی اور پاکی ناڈو سے جو نوتنو بھیڑیں قبضہ میں آئی تھیں وہ کانچی پورم کے دُرگا کے مندر کو راجہ کے اپنے نام سے دس چراغ دان دینے کے لئے وقف کردی جائیں[51] ایک جگہ اور ایک سرکاری افسر نے راجہ کو اس غرض سے عرضی دی ہے کہ مل ناڈو کی فتح کے بعد وہاں سے لائی ہوئی مورتیوں میں سے ایک مورتی اسے عطا کی جائے اور اس کے نتیجے میں اُسے مرکتا دیور کی مورتی مل گئی جو جلد ہی بعد اس نے ترد ویلیم میں نصب کردی[52]

بحری فوج

"لاتعداد جہاز" جو راجندر کی افواج کو شری وجیا کی سلطنت اور اس کی زیر نگیں ریاستوں کی تسخیر کے لئے "ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر" کے پار لے گئے، یکبارگی پیدا نہیں ہوئے ہوں گے انہیں اس عہد کے چولا شہنشاہوں کی ایک مستحکم بحری پالیسی کا ثبوت سمجھنا چاہیئے۔ ہندوستانی سمندروں کے ذریعے ہونے والی بحری تجارت اور سرگرمیوں میں عہد سنگم کے قدیم چولا راجاؤں کا خاصا بڑا حصہ تھا۔ مجمع الجزائر ملایا اور ہند چینی کی ہندو نوآبادیوں کی تاریخ اس بات کی واضح شہادت دیتی ہے۔ کرپلوؤں کے تحت ان ممالک اور جنوبی ہند کی ریاستوں کے مابین تجارتی اور ثقافتی تعلقات میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ تکواپا کا ایک تامل کتبہ شاہد ہے[52] کہ بحری تجارت کی ایک اہم کارپوریشن "منی گرام" نے خلیج بنگال کے دوسری طرف کے ساحل پر نویں صدی عیسوی میں اپنے قدم جمالئے تھے۔ چولوں نے اپنی بحری طاقت میں اضافے کی جانب جو توجہ دی، اس سے وہ ایک قدیم روایت آگے بڑھاتے رہے۔ لنکا اور مالدیپ کی تسخیر اور اس زمانے میں چولا سلطنت کی جانب سے چین کو بھیجے گئے سفارتی وفود کے متعلق چین کے تاریخی واقع کی شہادت سے ہمیں کچھ حد تک اُس کامیابی کا پتہ چلتا ہے جو انہوں نے اس مقصد میں حاصل کی۔ کاندلور شالئی میں چیروں کے بحری بیڑے کی شکست کو جنوبی ہند کے ساحلی سمندروں میں چولوں کی بحری طاقت کے اس وقت قایم ہونے کا پکا ثبوت سمجھا جاسکتا ہے۔ ان دنوں استعمال میں لائے جانے والے جہازوں کی ساخت کے متعلق ہمارے پاس براہِ راست معلومات بہت کم ہیں۔ اس بات کے پیش نظر کہ "پیری پلس" کے مصنف نے دو صدیوں قبل کارومنڈل کے ساحل پر تین اقسام کے جہاز دیکھے تھے اور راجندر کی

بحری جنگی مہم بھی بجائے خود ایک بہت بڑا کارنامہ تھی۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ چھوٹے بڑے جہازوں اور کشتیوں پر مشتمل ایک منظم بحری بیڑہ موجود رہا ہوگا۔ نویں صدی میں جب دور دراز کے ممالک تک بحری تجارت بڑی سرگرمی سے جاری تھی، ایک عرب سوداگر سلیمان نے اور خلیج کے فارس کے درمیان کئی سفر کئے۔ مالدیپ کے متعلق اپنے دلچسپ تذکروں میں وہ لکھتا ہے کہ وہاں کے لوگ کمال ہنر مندی کے ساتھ جہاز تعمیر کرتے تھے مکان بناتے تھے اور دوسرے بہت سے کام کرتے تھے۔[4] سلیمان کو کارومنڈل کے ساحل کی طرف آنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ اور اس نے جتنے بحری سفر کئے وجیالیہ نسل کے چولوں کے زمانۂ عروج سے قبل کئے۔ مالدیپ میں تعمیر کئے جانے والے جہازوں کی خوبی اور ان جزائر پر راج راجا کے بحری بیڑے کی فتح کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اُس عہد میں چولوں کی بحریہ کی طاقت کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ ابوزید حسن سے سلیمان کی تصنیف پر دسویں صدی کے آغاز میں جو حاشیہ لکھا ہے اُس نے بتایا ہے کہ بحرِ ہند کے جہاز، بالخصوص وہ جو سرف میں تعمیر کئے جاتے تھے، ساخت میں بحرِ روم کے جہازوں کے مختلف ہوتے تھے۔ "یہ حقیقت ہے کہ ایک خاص قسم کے جہاز جو لکڑی کے ٹکڑوں کو باہم سی کر بنائے جاتے ہیں صرف سرف میں تیار کئے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس سیریا (شام) اور روم (بائزنٹم) کے جہاز بنانے والے چوبی تختوں کو کیلوں سے ٹھونک کر آپس میں جوڑتے ہیں۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ سیتے نہیں۔[5] آج ہم مدراس کے ساحل پر ایسی کشتیاں دیکھ سکتے ہیں جن میں چوبی تختے ناریل کے ریشے کی رسیوں سے سئے ہوئے ہوتے ہیں لیکن عام طور پر یہ چھوٹے ناپ کی کشتیاں ہوتی ہیں۔ اور ابوزید نے اپنی رائے بحرِ ہند کی جہازرانی کے متعلق سنہ ۹۱۶ء کے لگ بھگ اُن معلومات کی بنا پر قائم کی تھی۔ جو اسے سرف میں حاصل ہوئی تھیں۔[6] لیکن اس کی رائے ایک صدی بعد کی چولا سلطنت کی بحریہ کی تعداد اور اہمیت کے صحیح تعین میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اگر عرب مصنفین بہت زیادہ پہلے کی بات لکھتے ہیں تو یہ بدقسمتی سے مارکوپولو بہت بعد میں آتا ہے۔ لہٰذا چولوں کے تحت کارومنڈل کے ساحل پر جہاز سازی کے متعلق کوئی بھی اچھا ہمعصر تذکرہ ہمیں دستیاب نہیں ہوتا۔ احمد ابنِ مجید نے جو پندرھویں صدی کا ایک عرب لکھنے والا ہے۔ اور جس نے جہازرانی پر متعدد کتابیں لکھی ہیں چولوں کی آرا کی طرف کئی اشارے کئے ہیں جن سے اس نے کبھی اتفاق کیا ہے۔ اور کبھی ان میں ترمیم کی ہے۔ اس کے پیشِ نظر ناملوں (چولوں) کا تخلیق کردہ جہازرانی کے متعلق اچھا

خاصا لٹریچر ہو گا جس کا مقابلہ اُس نے اُسی نوعیت کی عرب تصانیف سے کیا ہو گا۔ اس لٹریچر میں کارومنڈل کے ساحل کے جہاز رانوں کے استعمال کے لئے جغرافیائی جدولوں اور مختلف بندر گاہوں کے مقام وقوع کے عرض البلد کے متعلق اشارات شامل ہوں گے[7]۔ اس عرب مصنف اور دوسرے لکھنے والوں نے جن تکنیکی تصانیف کے حوالے دیئے ہیں بدقسمتی سے ان کا کوئی بھی حصہ باقی بچا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔

راجہ

عوامی انتظامیہ میں راجہ کا کام یہ تھا کہ وہ ذمہ دار سرکاری افسروں کی جانب سے اُس کی نجی توجہ کے لئے جو عرضداشتیں بھیجی جاتی تھیں، ان پر زبانی فرمان صادر کرتا تھا۔ ایسے مواقع پر وزرا ہمیشہ حاضر رہتے تھے۔ اور ان کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ راجہ کی بھیجی گئی عرضداشتوں کے ضروری نکات کا خلاصہ تیار کریں اور ان پر راجہ کے احکام کا بھی، اور ان احکام کی نقول ضروری کاروائی کے لئے مرکزی یا مقامی انتظامیہ کے افسران کو ارسال کریں۔ اصل عرضداشت پیش کئے جانے کا وقت اور مقام عرضداشت کے پیش کرنے والے افسر کا نام اور اس مخصوص ایوان کا نام جہاں بیٹھ کر راجہ نے اس عرضداشت کی سنوائی کی ہو۔ یہ سب باتیں اکثر حکم سناتے وقت درج کردی جاتی تھیں۔ جب اس حکم کو عوام میں مشتہر کرنا منظور ہوتا تھا عام طور پر ایسے احکام لکھ کر ایسے مقامات پر آویزاں کردئے جاتے تھے جہاں عوام کی رسائی ہوتی تھی، جیسے کہ عام طور پر مندروں کی دیواروں پر۔ مثال کے طور پر لیڈن کے بڑے عطیہ نامے میں راج راجا کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اس نے شولامنی بیم وہار کے ''پلی'' (مندر) کو آنئی منگلم کا عطیہ دینے کا فرمان اس وقت جاری کیا جب وہ اپنے راجاشریہ نامی محل کے جنوبی ایوان میں جو تنجا دُور شہر کے بیرونی حصے میں واقع تھا، اجلاس کر رہا تھا۔ اور یہ فرمان ایک منشی نے تحریر کیا تھا۔ ''نام شولانم او لئی ایلو دم ..... آمدن تیر تکرن ایلوتنال[8]۔ اسی طرح کی دوسری مثالیں بھی باآسانی فراہم کی جاسکتی ہیں۔ بعض مرتبہ فرامین کی یہی طرز چولا پانڈیا وائسرایوں کے کتبات میں بھی استعمال کی گئی ہے۔ جو ہمیشہ شاہی خاندان کے فرد ہوتے تھے[9]۔ یہ مثالیں بیشتر کسی نہ کسی شکل میں عطیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ دوسرے معاملات کا نبٹانے کا طریقہ اس سے کچھ مختلف نہ ہوتا ہو گا۔ خود کتبات کی ایک طرفہ نوعیت کے باعث اسے قطعی

طور پر ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

حکومت اور سماج

وزرا یا مرکزی حکومت سے تعلق رکھنے والے دیگر افسران کی کسی مجلس کی موجودگی کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ ایک کثیر التعداد اور با اختیار افسر شاہی انتظام سلطنت کے کاموں میں راجہ کا ہاتھ بٹاتی تھی جو رائج الوقت نظام کو اپنی گرفت میں رکھنے اور اس کی نگرانی کرنے کا فرض ادا کرتی تھی اور بالغرض کہیں اس میں کوئی تبدیلی لانے کی ضرورت ہو تو اس کو خاموشی سے بروئے کار لاتی تھی۔ اس دور کی کسی بھی ہندوستانی ریاست کو قانون سازی کے اختیارات اس اصطلاح کے موجودہ معنوں میں حاصل نہیں تھے۔ نہ تو کوئی قانون ساز مجلس تھی اور نہ انتظامیہ پر کوئی قانون گرفت رکھنے کی کوئی کوشش کی جاتی تھی۔ جو کچھ بھی قانون سازی ان دنوں میں ہوتی تھی وہ مقامی مجالس کے احکام یا اعلانات (ویوستھا) کی شکل میں ہوتی تھی جن کا مقصد اتنا ہی ہوتا تھا کہ کسی پیش آمدہ صورتِ حال سے نپٹ لیا جائے۔ اس طرح کے اعلانات چونکہ اس عام نظریے کے مطابق ہوتے تھے۔ جس کو دھرم سمجھا جاتا تھا تو اس لئے رائے عامہ ان کے حقوق میں ہوتی تھی اور وہ سماجی ضابطے کا حصہ بن جاتے تھے اور راجہ کی حکومت کو بالآخر اسی ضابطے کو نافذ کرنا ہوتا تھا۔ ہندوستانی سماج پولیس اور انصاف کے فرائض کے علاوہ کوئی بھی اور کام حکومت کی تحویل میں نہیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ افراد اور گروہوں کے مابین تنازعات کے فیصلے بھی مرکزی حکومت کے افسروں کو اطلاع دئے بغیر ہی ہو جاتے تھے اور یہ جھگڑے ان تک ان صورت میں جاتے تھے جبکہ دوسرے ذرائع ناکام ہو چکے ہوتے تھے۔ سماجی قانون کے ضروری فرائض تو بے شمار مقامی مجلسیں سرانجام دیتی تھیں جو موروثی یا رضاکارانہ نوعیت کی ہوتی تھیں اور مرکزی حکومت کا کام صرف امن و قانون کو برقرار رکھنا ہوتا تھا۔ جو ان لاتعداد سماجی تنظیموں کی بقا اور ان کے فرائض کی تکمیل کے قابل بنے رہنے کے لئے ضروری تھا ہر ایک سماجی گروہ اپنے اپنے ضابطہ قانون (سمرتی) دانش ور (شنشٹ) اور بزرگ سربراہوں کا جتنا وفادار ہوتا تھا، اُتنا شاہی فرامین کا نہیں ہوتا تھا جو قانون (دھرم) اور رواج (آچار) کے خلاف ہوتے تھے راجہ کسی اعتبار سے قانون ساز نہیں تھا۔ وہ محض سماجی زندگی اور قوانین کا محافظ تھا۔

چولا افسر شاہی

اس معاملے میں چولا حکومت ظاہرا اپنی ہم عصر دوسری حکومتوں سے مختلف نہ تھی اسے جو
بات ان حکومتوں سے ممتاز کرتی تھی وہ اس کی بہتر انتظامیہ مشینری تھی جو اس نے ایک اعلیٰ طور پر منظم
اور انتہائی مستعد اور ہوشیار افسر شاہی کو وجود میں لاکر حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ چولا حکومت
اس بات کا پورا خیال رکھتی تھی کہ افسروں کی بڑھتی ہوئی تعداد مقامی اداروں اور حکام کی آزادانہ
زندگی میں کسی طرح کی مداخلت نہ کرسکے۔ لیکن انکی پوری طرح نگرانی رکھے اور ان کے معاملات
کی گاہے بگاہے جانچ پڑتال کرکے انہیں صحیح راستہ پر لگائے رکھے۔ ہم عصر تاریخی دستاویزوں کا
جتنا ہی کوئی مطالعہ کرتا ہے اتنا ہی وہ اس توازن کا مداح ہوتا ہے۔ جو مرکزی نگرانی اور مقامی
ختیار عمل یا بہ الفاظ دیگر حکومت اور سماجی گروہ کے درمیان رکھا گیا تھا۔ افراد کی بطور افراد
کوئی حیثیت نہیں تھی۔ "فرد بہ مقابلہ حکومت"، کا مسئلہ کبھی ایسے سماج میں اٹھتا ہی نہیں تھا۔
جسے بجا طور پر ہم "جماعتوں کا اشتراک"، کہکر پکار سکتے ہیں۔

شاہی ملازموں کو مختلف خطابات والقاب ملے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ قدیمی شہرت
رکھنے والے خطابات تھے مثلاً اینادی۔ اور مارائن جن کا ذکر سنگم کے قدیم زمانے میں بھی پایا جاتا
ہے "تولکاپیم"، کے مصنف نے "مارائن" کے خطاب کا ذکر جن معنوں میں کیا ہے[5] اس سے
ایسا لگتا ہے کہ ابتدا میں یہ ایک فوجی خطاب تھا جس سے میدان جنگ میں حاصل کردہ امتیاز
کا پتہ چلتا تھا۔ لیکن چولا عہد کے کتبوں میں اس خطاب کو عام طور سے شہری پیشوں کے اظہار
کے لئے استعمال کیا گیا ہے مثلاً "کڈگئی"، مارائن" واجیا مارائن"، وغیرہ

سرکاری امراء

"مارائنی"، کا خطاب بھی دیکھنے میں آتا ہے جو "مارائن"، کا مؤنث ہے۔ اور مارئنوں کی
بیویوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا[6] "ارائین"، اور پیرارائین کچھ اور خطابات تھے جو عام
طور سے مستعمل تھے اور جو شہری پیشوں میں امتیاز رکھنے والے اشخاص کو عطا کئے جاتے
تھے مثلاً "نیتا پیرارائن"، یعنی فن رقص کا ماہر ایک عام خطاب "ادگاری گل"، بھی ہمارے
علم میں ہے جو فوج اور انتظامیہ کے اعلےٰ افسروں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جن میں

ان دنوں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ آج کل کیا جاتا ہے۔ یہ "اِدِگاری گل" اکثر حکمران وقت کے نام کو اپنا نام بتاتے تھے اور اس کے بعد صرف "مووینددیلار" کا لفظ شامل کر دیتے تھے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کے ذاتی نام کا پتہ لگانا بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور جب تک خاص احتیاط نہ برتی جائے ایک ہی یا ایک دوسرے سے مشابہ خطابات والے دو افسروں کے نام باہم خلط ملط بھی ہو سکتے ہیں۔ "تکیہ گار براتی" کا مفسر ہمارے زیرِ مطالعہ دور کے بلاشبہ چند صدیوں کے بعد "اِدِگاری گل" طبقے کا ایک انوکھا حال سناتا ہے جسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے بتایا جاتا ہے کہ "ادی گاری گل" ان خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو بھوج راجہ کی اولاد سے تھے۔ ان خاندانوں کے افراد صرف منتری کی حیثیت سے ملازمت قبول کرتے ہیں اور دوسرا کوئی کام نہیں کرتے۔ یہ ایک نامناسب بات ہے کہ چولا عہد میں وہ محاسب کے عہدے پر کام کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ تاج نہیں پہن سکتے۔ انہیں باقی تمام شاہی علامات کے استعمال کا استحقاق حاصل ہے۔ اس لئے منتری کے علاوہ اور کوئی عہدہ قبول کرنا اُن کے شایانِ شان نہیں[62]۔" اس انوکھی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سرکاری رؤسا کے نئے طبقے میں جو چولوں کے انتظامیہ ڈھانچے کی وسعت کے باعث ابھر رہا تھا اپنی ایک خصوصیت قایم ہو گئی تھی اور جلد ہی اس خصوصیت نے جڑ پکڑی تھی۔ کو اِدِگاریوں" کی بیویاں" ادگارچی" کہلاتی تھیں لیکن ہمارے سامنے ایسی عورتوں کی مثالیں موجود ہیں جنہیں مہارانیوں کے عملے میں شامل ہونے کے باعث یہ خطاب اپنے نجی استحقاق سے حاصل تھا[63]۔ اس عہد کے کتبوں میں ایک اور عام امتیاز جو مذکور ہے وہ اعلیٰ درجے اور ادنیٰ درجے کے سرکاری رؤسا کا باہمی فرق ہے۔ یہ فرق "پیرندرم" اور "شرترم" کی اصطلاحوں میں اور اصطلاحوں کے مقابلے میں زیادہ واضح ہوتا ہے۔ (اکثر "ترم" لفظ کی بجائے "تنم" لکھا جاتا ہے[64]) بعض افسروں اور ملازموں "کرومگل" اور "پنی مگل" کے متعلق اور اکثر فوج کے مختلف عہدیداروں کے متعلق ذکر آیا ہے کہ فلاں فلاں "پیرندم" سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور فلاں فلاں "سٹردنم" تلئے[65] کی مرتبہ ایک درمیانی مرتبہ کا ذکر شٹر نتپ پیرندرم کی اصطلاح کے ذریعے کیا گیا ہے لیکن اس طبقے میں افواج کے کمانڈر اور سیناپتی تک شامل کئے گئے ہیں[66]۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نہ صرف راجہ بلکہ اُس کے بعض زیادہ بڑے جاگیردار جیسے کہ پلو ویٹر یار کنڈن ماڑون[67] نیز شاہی خاندان کے دوسرے افراد بھی غالباً ان اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں منقسم کارندں کو ملازم

رکھتے تھے ''پرندرم''، کا ذکر سب سے پہلے مدورائی کونڈا راج کیسری کے پانچویں سال حکومت[68] یعنی ۹۹۱ء عیسوی کے قریب آیا ہے۔ راج راجا نے اپنے ''پیرندرم'' درجے کے آٹھ افسروں کو مع چند دیگر اشخاص کے بزدلی یا بدچلنی کا کوئی کام کرتے ہوئے موقع پر پکڑ لیا تھا۔ ان افسروں نے تنجور کے مندروں کو چراغوں کے عطئے دئے۔ یہ عطئے ان کی قسموں کو پورا کرنے کے لئے دئے گئے تھے۔ جو انہوں نے راجہ کی جانب سے بے عزت کئے جانے سے بچنے کے لئے خدائی مدد حاصل کرنے کی غرض کھائی تھیں[69]۔ راجادھیراج دوم کے عہد میں ''پیرندرم''، اور ''شِشٹرندم'' دونوں درجوں کے منصفوں کا ذکر آتا ہے۔

ملازمت میں بھرتی اور معیاد ملازمت

مختلف درجوں کے ملازمین کے ابتدائی انتخاب، تقرری اور آئندہ ترقی اور اُن کے طریقہ کار کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہوئی ہیں۔ آغاز ملازمت کے وقت اعلےٰ حسب ونسب اور اونچی جگہوں میں رشتہ داریاں کام آتی ہونگی۔ اگرچہ بعد کی ترقی ہر ملازم کی انفرادی قابلیت اور اہلیت پر منحصر ہوتی تھی۔ نیز ان مواقع پر جو اسے امتیازی خدمت کے لئے ملتے تھے اور جن سے وہ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ چونکہ تخت کے جانشین کا انتخاب بھی ان امیدواروں کے انفرادی اوصاف کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا تھا جو اُس امیدواری کے مستحق تصوّر کئے جاتے تھے۔ اور راجاؤں نے برابر اپنی ہی پشت یا اگلی پشت میں سے اپنے ولی عہد کا تقرر قابل ترین آدمیوں میں سے، نا اہلوں کو نظر انداز کرکے ہمیشہ پوری آزادی سے اور بلا رورعایت اپنی مرضی سے کیا۔ لہٰذا یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ شاہی ملازموں کے انتخاب اور ترقی میں بھی ذاتی قابلیت پر اتنا ہی زور دیا جاتا ہوگا۔ ملازمین کو اُن کی خدمات کا معاوضہ دینے کا رائج طریقہ یہ تھا کہ ہر ملازم کو اپنے درجے یا عہدے کے مطابق کچھ رقبہ اراضی کا بطور جاگیر دے دیا جاتا تھا[70] جو اس کی ''جیوتا''، کے طور پر اس کے قبضے میں رہتا تھا۔ سرکاری خزانے سے نقد کی صورت میں ادائیگی عام طور سے نہیں ہوتی تھی۔ لیکن ان جاگیروں سے جو آمدنی ہوتی تھی۔ وہ دو حصوں میں ہوتی تھی۔ ایک وہ جنس کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا، دوسرا وہ جو نقدی کی شکل میں وصول ہوتا تھا۔ ان تمام معاملات میں جو کچھ دیا جاتا تھا۔ وہ اراضی کی ملکیت نہیں ہوتی تھی اراضی

تو ہمیشہ اسی کی ملکیت ہوتی تھی جس کا اس پر قبضہ ہوتا تھا۔ یا گاؤں والوں کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی۔ جب تک کہ جملہ حقوق ملکیت کوئی خرید نہ لے۔ جو دیا جاتا تھا وہ اس رقبے کا لگان ہوتا تھا۔ جس کی وصولی کے حقوق مرکزی حکومت کو حاصل تھے[72]۔ اس طرح کی جاگیریں اکثر پورا گاؤں ہی نہیں بلکہ پورا ضلع بھی دے دیا جاتا تھا[73]۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ بہت سے سرکاری اہلکاروں کا ذکر کسی مخصوص گاؤں یا "ناڈو" کے مالک یا سربراہ (اڈیان یا کلان) کی حیثیت سے کیا گیا ہے[74]۔ جاگیر دار کو اس کی اجازت ہوتی تھی کہ وہ اپنے حاصل کردہ حقوق، پورے یا ان کا ایک جزو فروخت کر دے یا ان کو کسی اور طریقے سے منتقل کر دے۔ اس طرح کے بندوبست سے ایک غیر یقینی صورت حال پیدا ہو سکتی تھی۔ اور اس کا غلط استعمال بھی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسی غلط کارروائیوں کو حقوقِ اراضی کے صحیح سرکاری اندراج اور گاؤں کی رائے عامہ کے ذریعے موثر طور پر روکا جا سکتا تھا گاؤں کی رائے عامہ بھی اس زمانے میں کئی طرح سے اثر پذیر ہو سکتی تھی۔

انتظامیہ حلقے

اپنے انتظامات خود کرنے والا گاؤں حکومت کی ایک اکائی ہوتا تھا۔ بہت سے گاؤں مل کر ملک کے مختلف حصوں میں "کوٹم" یا "ناڈو" یا "کوٹم" کہلاتے تھے۔ اگر جس رقبے کے لئے "تینیور" (تنی پور۔ علیحدہ شہر) کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ وہ ایک بڑے رقبے کا گاؤں ہوتا تھا جو اتنا بڑا ہوتا تھا کہ بذاتِ خود "کوٹم" بن سکتا تھا۔ جیسا کہ اس ضمن میں استعمال ہونے والی اصطلاح "تن کوڑو" [75] سے ظاہر ہوتا ہے۔ کتبات سے ایسے تینیوروں کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔ جو قرونِ وسطیٰ کے انگلستان کے "باروز" مشابہ ہوتے تھے[76]۔ بہت سے "کوٹموں" کو ملا کر ایک "ولناڈو" بنتا تھا۔ جو اکثر اس خطے میں "ناڈو" کہلاتا تھا۔ جہاں چھوٹے حلقوں کو کوٹم کہا جاتا تھا۔ مثلاً تونڈئی ناڈو عرف جینن گونڈ شولا منڈلم۔ ولناڈو سے بڑی اکائی منڈلم، [77] ہوتی تھی۔ یعنی خاص صوبہ جو انتظامیہ ڈھانچے کا سب سے بڑا حصہ ہوتا تھا۔ راج راجا کے عہد کے خاتمے پر لنکا کو ملا کر چولا سلطنت کے آٹھ یا نو صوبے تھے۔ اس تعداد میں غالباً کبھی مزید اضافہ نہیں ہوا[78] ماتحت حلقوں کی حدود میں اکثر تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں اور ان کے نام بھی اتنے زیادہ بار بدلے جاتے تھے کہ مؤرخوں کی یہ شکایت حق بجانب معلوم ہوتی ہے کہ چولوں کا جغرافیہ بھی ایک ہی قسم کے ناموں کی وبا میں اتنا ہی مبتلا رہا جتنا کہ خود اسکے راجہ

سرکاری عہدے اور انتظام سلطنت

حکومت کے کچھ افسروں کے عہدے اور فرائض جو چولا عہد کے زیادہ اہم کتبوں میں درج ملتے ہیں، ہمیں اس زمانے کی انتظامیہ کے افسروں کی تعداد اور تنظیم کے متعلق کافی واقفیت بہم پہنچاتے ہیں۔ ہر درجہ کے ایسے افسران عام طور سے جن ناموں سے منسوب کئے گئے ہیں وہ "کردمگل" اور "پنی مکل" ہیں۔ جن کو اہلکار اور ملازم کہا جاسکتا ہے۔ سندر چولا کی انبل کی تختیوں میں انی ردھ نامی کے ایک برہمن "بہجیو" (وزیر) کا ذکر آیا ہے۔ جس کا باپ ایک معلّم تھا جس نے درس وتدریس کی زندگی میں نام پیدا کیا تھا اور جس کا دادا ایک آہتاگنی اور رنگیش دیوتا کا بھگت تھا۔ انی ردھ، انبل گاؤں کے ایک معزز ویشنو خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ "جیمنی سوتر" اور "آوینکا گوتر" کے اس "معزز وزیر" (مانیہ سچو) کا صحیح مقام انتظامیہ میں کیا تھا۔ لیکن اسے "برہما دھیراج" کا خطاب اور "دس ویلی" اراضی کی مستقل جاگیر راجہ کی شفقت اور تعلقِ خاطر کی بنا پر دی گئی تھی۔ راجہ کے اس حکم کی تعمیل کے لئے جو طریقہ استعمال کیا گیا وہ بالکل سادہ تھا۔ یہ حکم ایک "شری مکھم" (زبانی فرمان) کی شکل میں "انتی" نے جاری کیا جو اس مقصد کے لئے راجہ کا نامزد کردہ انتظامیہ افسر تھا۔ باقی کاروائی مقامی اداروں پر چھوڑ دی گئی جن کے نام یہ خط تھا۔ اور جب یہ کاروائی مکمل ہوگئی اور اس کی یادداشت تیار کرلی گئی۔ تو متعدد اشخاص نے اس کی تصدیق کی جو مقامی امرا معلوم ہوتے تھے۔ اور اپنے آپ کو "ناڈوکون"، "ناڈوکلون اور راور ڈیان" کے عہدوں سے منسوب کرتے تھے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ گواہان محض گردونواح کے سرکردہ اشخاص تھے یا حکومت کے تحت وہ کچھ مخصوص عہدوں پر تعینات تھے۔ واقعہ جو کچھ ہو، چند برس بعد اسی طرح کے انتقال اراضی کے لئے کہیں زیادہ طویل کاروائی اختیار کی جاتی تھی۔ اور اس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ اس عرصہ میں انتظامیہ کا ڈھانچہ کس قدر پیچیدہ ہوچکا تھا۔ لیڈن کے بڑے عطیہ نامہ اور ترووالنگا ڈو، کرن دئی اور چارالا کی تختیوں کی سرکاری طرز تحریر میں ایک دوسرے سے بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ "چوڑامنی ورما وہار" میں واقعہ بدھ دھرم کی عبادت گاہ کو دئے گئے آنئ منگلم کے عطیہ کا فرمان راجہ نے اپنے عہد حکومت کے اکیسویں سال کے بانویں[92] دن جاری کیا تھا۔ اسی سال کے چھیانویں[96] دن یہ تحریر کیا گیا۔ اور اس پر عمل درآمد اس کے

تیئسویں سالِ حکومت کے ایک سو ئیسویں[81] دن مکمل ہوا[80]۔ راجندر اول کی تروو النگاڈو کی تختیوں پلائیانورے کے بطور" دیودان" دیے جانے کی بھی تاریخیں بالترتیب اس کے چھٹے سالِ حکومت کا اٹھاسیواں[80] اور نوئے[90] واں دن، اور ساتویں سالِ حکومت کا ایک سو پچیسواں[125] دن درج ہیں[81]

اتم چولا کے ایک کتبے میں ہمیں تفصیلات درج کرنے میں غفلت کی ایک مثال ملتی ہے[82]۔ یہ غفلت کچھ تو اس وجہ سے ہوئی کہ حسابات کی جانچ پڑتال اور نگرانی کا نظام جو بعد میں تفصیل سے بنا۔ ابھی تک وجود میں نہیں آیا تھا شٹریار وُر نامی گاؤں راجہ آدتیہ اول کے عہد کے اکیسویں[21] سال میں" دیودان" اور برہم دیہ" کے طور پر دیا گیا تھا۔ یہ اپراجتا کی شکست اور تونڈئی منڈلم پر قبضہ کر لینے کے فوراً بعد کی بات ہے اگرچہ اس عطیے کا" شاسن" اس کے اگلے ہی برس تیار کر لیا گیا تھا لیکن حسابات کی کتابوں میں اس کا اندراج پرانتکا اول کے چوتھے سالِ حکومت تک یعنی بارہ برس بعد تک نہیں کیا گیا تھا۔ پھر پرانتکا اول کے چھتیسویں[36] سالِ حکومت میں ایک مندر کی وقف کی اراضی کے لگان میں اضافہ کیا گیا یہ لگان پڈو پاکم گاؤں کے دیہی مجلس کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجلس اضافہ شدہ لگان کی ادائیگی سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔ اتم چولا کے عہد حکومت کے آخر میں کانچی پورم میں سارا معاملہ تحقیقات کی غرض سے راجہ کے سامنے پیش ہوا۔ حکم ادولی کرنے والوں کو سزا دی گئی۔ اور مندر کے حقوق بحال کئے گئے۔ اس مثال میں جو گڑبڑ ہوئی وہ کچھ اس زمانے کی بدنظمی کے باعث بھی تھی۔ جو راشٹر کتوں کے حملے کا نتیجہ تھی[83] اس معاملے پڈو پاکم کی سبھا کے خلاف استغاثہ مندر کے کارپردازوں کی جانب سے ایک اعلیٰ افسر کی عدالت میں دائر کیا گیا جس کو" شولموویند ویلان" کا خطاب ملا ہوا تھا۔ وہ افسر اس استغاثہ کو راجہ کے پاس لے گیا[84] راجہ نے فریقین کو اپنے سامنے طلب کیا اور خود چھان بین کے بعد فیصلہ صادر کیا۔ جس کے مطابق اُس نے مندر کے نام پرانے وقف کی توثیق کر دی اور پڈو پاکم گاؤں کو دھان کی اور سونے کی ایک مخصوص مقدار مندر کو دینے کے لئے پابند کر دیا۔ نیز یہ حکم دیا کہ کاغذات میں ضروری اندراج کر دیا جائے۔ اس موقع پر جو افسران موجود تھے۔ اُن میں کرومی" تھا اور دو ناڈو وِرکائی۔ جو آنٹی" اور" وائے کیلوی" کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ حکم وہاں ڈیوٹی پر تعینات ایک اترمنتری (اولئی ایلڈم) نے تحریر کیا اور اس کا مقابلہ اور تصدیق" اولئی نائگم" نے کی۔ ۳۱ کے بعد ایک کرومی[85] نے رجسٹروں

(وریہ لِنگ کولگا) میں اس دستاویز تنٹو بایاانا) کے مطابق ضروری اندراج کرنے کا حکم دیا. تب "پرؤوواری"، کے چار افسر جن مین سے ایک اتر منتری تھا، "وری پوتنگم"، کا ایک افسر، دوافسر "وری پوتنگک کنگو"، کے اور دوافسر وری بلیڈو کے جو سب موجود تھے، انہوں نے سرکاری رجسٹروں ضروری اندراج کیا اور اس کی تصدیق کی. لیڈن کے فرمان عطیہ میں بھی ضابطے کی کاروائی کے یہ مراحل قریب قریب اسی ترتیب سے گنوائے گئے ہیں[86] اور آخر میں ایک مرحلہ کا اضافہ بھی ہے مندرا اولئی منصب کا ایک عہدہ دار "پٹنک کوڑم" کے "ناتار" کو ایک "ترُومگم"، ارسال کرکے درخواست کرتا ہے. کہ وہ عطئے میں دئے ہوئے گاؤں کی حدود کی صیح طور پر نشان دہی کرکے ایک اڑوولئی (عطیہ نامہ) تیار کردے. یہ کام "پرووری"، کے افسر کی موجودگی میں کیا جاتا ہے. اسی سلسلہ میں یہ بات بھی نظر آجاتی ہے کہ اس عطیے کے حکم پر "پٹنا کوڑم"، کے گاؤں کے تمام نمائندہ افسروں نے دستخط کئے ہیں. تِرِوَ دالنگاڈو کی تختیوں میں ان آخری مراحل کا ذکر بھی کیا گیا ہے. جن کا خاتمہ "اڑوولئی یا عطیہ نامہ کے تیار کرنے پر ہوتا تھا. ان تختیوں میں مذکورہ بالا افسروں کے علاوہ کچھ مزید افسروں کا ذکر بھی ہے مثلاً پرُدووری. تنائنک کلم[87] "پٹولئی"، کیل. مگویٹی. پرُدووری. تنائیک. کلتنک لنکانی"

بہت سی دوسری تحریروں میں ان ہی عہدیداروں کا ذکر ایسے ہی حالات میں ملتا ہے. مثال کے طور پر دیرراجندر کے ترُومکوڈل کے کتبے میں[88] مندرذیل مرحلوں کا اندراج ہے. راجہ کا زبانی حکم نوٹ کرلیا جاتا ہے (ایلتو) یہ کام ایک ترُومندرِ اولئی کرتا ہے. پھر اُس کا مقابلہ تین افسر کرتے ہیں جو "تِرُومندرا اولئی نائگم"، کہلاتے ہیں. اس کے بعد اس کا اندراج کیا جاتا ہے. تین دیگر عہدہ دار جن میں سے ایک "وڈائیل ادگاری" ہوتا ہے "ویری میں اس کے اندراج کا حکم دیتے ہیں. پھر (اُڈن کوٹم) کے چار افسران یہ کام کرواتے ہیں. "پرُودُوری تنائنک کلم"، کے نُوسپرنٹنڈنٹ (کنکانی) ایک وری پوتگم، گیارہ مگویٹی، تین وری یلیڈو دو وری پوتنگک کنگو اور ایک پٹولئی، "وری" میں کئے گئے اس اندراج کی تصدیق کرتے ہیں جو اس امر کا ثبوت ہوتا ہے کہ جب حکم پڑھ کر سُنایا اور متعلقہ رجسٹر میں درج کیا گیا تھا. اس وقت یہ افسران موجود تھے. لیکن ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہر ایک شاہی حکم کی تعمیل کے لئے اتنے سارے افسروں کی حاضری لازمی ہوتی تھی. اس کتبے میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے. وہ بلا شبہ غیر معمولی تھا. اور اس میں بہت سی تفصیلات طے ہونی تھیں. اور ان کا صیح اندراج کرنا تھا. دراصل یہ کتبہ دنیا کے طویل ترین پتھر کے کتبوں میں سے ایک ہے. ان عہدوں میں

سے بیشتر ان ہی یا ان سے ملتے جلتے ناموں کے ساتھ راج راجا سوم اور راجندر سوم کے عہد تک برقرار رہے۔

کیونکہ چولا راجاؤں کے وقت کے لٹریچر سے اُس زمانے کے عوامی نظم و نسق کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں بہت کم مدد ملتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس سلسلے میں محض کتبوں ہی پر مکمّل انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اور مذکورہ بالا اصطلاحات کی تشریح کرنے کی کوشش میں ہمیں یہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کہ کون سی اصطلاح کس سیاق و سباق میں استعمال کی گئی ہے "ناڈو ورکئی" کی اصطلاح کے لغوی معنی ہیں :"وسط میں ہونا"، اور کیونکہ یہ اصطلاح وجنا پتی وائے کیلوی یعنی سائل اور آنتیؔ، یعنی افسر مجاز دونوں کے استعمال ہوئی ہے۔ اس سے راجہ اور اس کے سامنے معاملے کے لانے کے خواہش مند دونوں کے درمیان رابطہ کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کوئی شہادت نہیں ہے۔ کہ اس کام کے لئے کوئی خاص افسر تعینات تھے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ اعلےٰ مرتبہ والے افسر کسی نہ کسی وجہ سے خاص خاص افراد یا گروہوں کی حمایت کرتے تھے۔ جو راجہ سے انصاف کے طالب ہوتے تھے۔ اور ان مخصوص معاملوں میں "ناڈو ورکئی" کے فرائض انجام دینے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ اسی طرح کچھ خاص شاہی فرمانوں کی تعمیل کا کام کچھ افسروں کے سپرد کیا جاتا تھا۔ جو اس مقصد کے لئے منتخب ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "اولئی" کے افسران[9] ایک خاص اہلیت کے افسر ہوتے تھے۔ اور اس تنظیم کی تشکیل بڑی احتیاط سے کی گئی تھی۔ تاکہ احکام کو تحریر میں لانے کے کام میں کوئی غلطی نہ ہونے پائے۔ اِس طرح حکم کا پہلا مسوّدہ جو اولئی افسر لکھتا تھا[9] جو راجہ کے راجہ کے روبرو حاضر رہتا تھا۔ "اولئی نائکم"، جانچ کر کے منظور کرتا تھا[9] یہ افسر اونچے درجے کا ہوتا تھا۔ جو شاہی احکام کی زبان سے بخوبی واقف ہوتا تھا۔ اور جو سرکاری دستور اور روایات کا محافظ ہوتا تھا اس کی حیثیت دورِ جدید کے سیکریٹریٹ کے مستقل اہلکاروں جیسی ہوتی تھی۔ جو رائج الوقت ضابطوں اصولوں اور دستوروں کی روشنی میں ہر نئی تجویز کا جائزہ لیتے ہیں۔ اب "اولئی"، کہیں جا کر "سٹّو"، کی صورت اختیار کرتا ہے اور اُس پر اگلی کاروائی کی بنیاد پڑتی ہے جیسے کہ مستقل رجسٹروں میں اندراج یا متعلقہ مقامی حکام کو اس کے بارے اطلاع دینا مقامی مجلسوں یا اداروں کو بھجوائے گئے اس طرح کے اطلاع نامے "ترومُکم"، یا "شری مکھم"

کہلاتے تھے[92] اور مکتوب الیہ انہیں اکثر بہت ادب و احترام سے وصول کرتا تھا۔ بہر حال ان احکام کی وصولی کا اندراج کرنے کا سرکاری طریقہ بہت ہی مؤدبانہ ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر ان بل کی تختیوں میں ایسے مواقع کے لئے اس طرح کے خوشنما جملے تحریر کئے گئے ہیں[93] شری نکھم کو دیکھتے ہی ہم اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسے سلام کیا، اور اسے لینے اور پڑھنے سے پہلے اپنے سر پر رکھا۔ مستقل سرکاری کاغذات میں سے "ورپ پوتگم" اور وپ پونگ کنکو" کے درمیان ہمیں احتیاط سے فرق کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ان ناموں سے ظاہر ہے یہ دونوں مالیاتی نظام کے اہم ترین رجسٹر تھے۔ یہ بات ہم محض اس خیال کی تائید کے لئے نہیں کہہ رہے جو اکثر تمام مشرقی حکومتوں کے متعلق ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ اوّل اوّل صرف ٹیکس وصول کرنے کا ذریعہ ہیں۔ سبھی حکومتیں جو حکومت کہلانے کی مستحق ہیں۔ اپنے اور اُن عوامی کاموں کے جو ان کو کرنا ہوتے ہیں۔ اخراجات کے لئے ٹیکس تو وصول کرتی ہی ہیں۔ اور اس بات کی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ چولا حکومت اپنے مالیہ کا بہت خیال رکھتی تھی۔ لیکن "ورپ پوتگم" یا جبر استحصالِ زر کا رجسٹر نہیں تھا۔ بلکہ مکمل جانچ پڑتال اور اراضی کی صحیح گرداوری پر مبنی اراضی کے حقوقِ ملکیت کا ہوشیاری اور احتیاط سے تیار کیا ہوا ریکارڈ تھا۔ جس میں تربیت یافتہ اہلکاروں کی ایک جماعت برابر تازہ حالات معلوم کر کے اندراجات کرتی رہتی تھی اور اسے تادم تحریر مکمل اور صحیح رکھتی تھی۔ یہ اہلکار ملازمت کے دستور و روایات اور راجہ اور حکومت کے تئیں وفاداری کے ان جذبات سے بیگانہ نہیں تھے جن پر موجودہ دور کی انتظامیہ کا مدار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "وری پوت لگ کنکو"، وہ رجسٹر ہوتا ہے جس میں آج کل رقم واجب الوصول، وصولی اور بقایا واجب الادا دکھائے جاتے ہیں۔ اس میں کسی وقت بھی وصول کا حساب صاف مل سکتا ہے۔

مختلف درجوں کے مذکورہ بالا اہلکاروں کے صحیح صحیح فرائض متعین کر کے بتانا آسان نہیں ہے۔ "پرُوُوری تنا ٹک کلم" کی اصطلاح اتنے مختلف طریقوں سے استعمال کی گئی ہے۔ کہ اس کے معنی اور مفہوم کو صحیح صحیح معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ "پرُوُو" کے معنی ہیں "زیرِ کاشت اراضی"[94] لہٰذا "پرُوُوری" کا مترادف "اراضی کا لگان" ہوگا۔ لفظ "پرو" تنہا ان ہی معنوں میں متعدد کتبوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور بظاہر اس میں اراضی سے قابلِ وصول تمام مطالبات شامل ہیں۔ خواہ وہ جنس کی شکل میں ہوں یا نقدی

کی صورت میں[95]۔ درحقیقت اس سیاق وسباق میں یہ لفظ دورِ جدید کی اصطلاح تشخیص مالگزاری سے بہت مشابہہ ہے، جو کہ ہندوستان کے افسرانِ مال ایک خاص معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ "دری پوتگم" کی اصطلاح "پُرودُوری پوتگم" کا مختلف ہے۔ اور لگانِ اراضی کے لئے مستعمل اس مرکب لفظ کا دوسرا ٹکڑا "پرو دری تنائک کلم" کے معنی لازماً محکمہ مال ہوں گے۔ اور یہ اصطلاح جتنی بھی ترکیبات میں استعمال ہوئی ہے، ان کی تاویل اسی طرح سے ہونی چاہیئے[96]۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اراضی کا ریکارڈ تیار کرنے اور رکھنے والے افسروں اور ان افسروں میں فرق رکھا جاتا تھا۔ جو کسی علاقے میں لگان وصول کرتے تھے اور نظم ونسق چلاتے تھے۔ پوری سلطنت پر نگرانی رکھنے والے مرکزی دفتر اور مقامی دفاتر میں بھی فرق رکھا گیا تھا۔ مقامی دفاتر مرکزی دفتر کے آگے جواب دہ تھے۔ مثلاً وہ افسران جو جیئن گونڈ شولا منڈلم میں تعینات تھے۔ اور جن کا ذکر تِرُووُوالنگاڈو کی تختیوں میں کیا گیا ہے[97]۔ کنکانیوں کی ایک خاصی تعداد کا ذکر بھی مختلف جگہوں پر آیا ہے۔ "کنکانی"، ایک طرح کے نگران تھے۔ جو مرکزی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے حسابات کی جانچ پڑتال کرنے کے محکمے سے وابستہ ہوتے تھے۔ یہ ہر علاقے میں مختلف محکموں کے اہلکاروں پر نگرانی رکھنے کے لئے تعینات کئے جاتے تھے: "وریِ پوتگم" میں گئے اندراج کو "وری یلیڈو" کہتے تھے۔ اور یہ ممکن ہے کہ صرف "وزی بلیڈو" اور "وری پوتگم" کا منصب رکھنے والے اہلکار ہی کاغذات میں نئے اندراجات کرنے کے مجاز ہوں اور اگر تانبے کی تختیوں میں دی گئی مثالوں کی روشنی میں جانچا جائے تو یہ ایک بڑا طویل اور پیچیدہ ضابطہ عمل تھا جس میں لگ بھگ ہر مرحلے پر کافی مشتہری کی ضرورت ہوتی تھی۔ بظاہر دو درجوں کے "مگو پیٹی"[98] اور "پٹولئی"، بھی محکمۂ مال کے ادنیٰ اہلکار ہوتے تھے[99]۔ جن کے فرائض کا ہمیں صحیح طور پر علم نہیں ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "مگو پیٹی"، دراصل، "شری مگ ویٹی" کا مخفف ہو اور اس سے شاہی مراسلوں کی کتابت یا انہیں کندہ کرانے کے فرض کا اظہار ہوتا ہو[100]۔

زمانہ حال کی طرح ان دنوں بھی محکمۂ مال کے افسران کے عہدے یا منصب سے ظاہر ہونے والے فرائض کے علاوہ کچھ اور بھی فرائض ہوتے تھے۔ جو دوسرے شعبوں سے متعلق ہوتے تھے۔ اکثر وہ مندروں کی آمدنی اور خرچ کی نگرانی کرتے تھے۔ یا مقامی حکام کو اس کام میں مدد دیتے تھے[101]۔ کہیں وہ مندروں کے حسابات کی جانچ اور ، کی روک

تھام کرتے نظر آتے ہیں[102]۔ ایک مثال ایسی بھی ہے۔ جس میں انہوں نے دیہی مجلس کو نقد روپیہ ادا کر کے ایک سرکاری محکمے کی جانب سے اراضی خریدی چونکہ یہ کتبہ ادھورا ہے۔ اس لئے اراضی کی خرید کے مقصد کا کچھ پتہ نہیں چل سکا[103]۔ وہ اہم سرکاری دستاویزوں کی تصدیق بھی کرتے ہیں جو دیہی مجلس یا "سبھائیں،، تیار کرتی ہیں۔ اِن دستاویزوں میں اُن کی منظور کی ہوئی قرار دادیں ہوتی ہیں جو اراضیات کو لگان اور دوسرے واجبات کی ادائیگی سے مستثنےٰ کرنے[104] اور کسی خاص گروہ کے لوگوں کے منصب اور ذمہ داریوں کے متعین کرنے سے متعلق ہوتی ہیں[105]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں مجسٹریٹوں کے اختیارات بھی حاصل تھے۔ ایک ایسا بھی واقعہ ہے جس میں ان افسروں نے کلگور نامی گاؤں کے لوگوں سے نیک چلنی کی ضمانت لی کیونکہ انہوں نے ایک مندر کی کچھ اراضیات کو کاشت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جس کی ذمہ داری انہوں نے شروع میں لی۔ چنانچہ آئندہ کیلئے انہیں حکم دیا گیا کہ وہ نہ صرف اس اراضی کو واگزار کر دیں بلکہ یہ یقین دہانی کریں کہ وہ اپنی متروکہ اراضیات کو کاشت کرنے کے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے اور نہ ان زمینوں پر دوبارہ کسی قسم کا دعوےٰ کریں گے[106] ورنہ ان پر غداری کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ کتبوں میں فضول قسموں اور حلفیہ اقراروں کی بڑی افراط ہے۔ جس قصہ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں کارپردازوں اور ایک نواحی گاؤں کلگور کے باشندوں کے مابین ایک بہت تلخ تنازعہ چل رہا تھا۔ کلگور میں کچھ اراضیات اس مندر کی ملکیت تھیں جن کی کاشت شروع میں اس گاؤں کے باشندوں کے سپرد کی گئی تھی گاؤں کے لوگوں نے اچانک زمینوں کو کاشت کرنا چھوڑ دیا۔ اور ان اراضیات کی کاشت جاری رکھنے اور مندر کو مقررہ رقم کی قسطیں ادا کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اب انہوں نے محکمۂ مال کے افسران سے جو اقرارنامہ کیا اس سے یہ تنازعہ ختم ہو گیا۔ میسور کی ریاست میں ایک آدمی کے قتل کے مقدمے کی سماعت ایک "ناڈ" اسا نے کی[107] ایک اور واقع یہ ہوا کہ محکمۂ مال کے ایک اہلکار نے جو مُحاسب[108] تھا کچھ رقم اپنے پاس بطور امانت رکھی۔ جو منلی نامی گاؤں کے ایک وقف کی رقم تھی۔ اور جو گاؤں کی مجلس کے زیرِ تحویل تھی۔ اس اہلکار نے ایک مقررّہ شرح پر اُس رقم پر سود دینے کا اقرار کیا۔ یہ اُس نے اپنی نجی حیثیت سے کیا ہو گا۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ ایک سرکاری ملازم کے ذاتی طرزِ عمل کی بڑی دلچسپ مثال ہے۔

کتبوں میں ہمیں مختلف اضلاع میں مرکزی حکومت کے کچھ اور نمائندہ عہدوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ ان کے فرائض منصبی کے متعلق ہم ابھی تک کوئی صحیح اندازہ نہیں کر سکے ہیں ہم یہاں

صرف ان کے نام تحریر کر سکتے ہیں۔ جیسے "شنڈو وگرہم" "مہاماترا جو کہ ایک قدیمی نام [11] ہے۔ ناڈو ذکوٹم، وگئی [111] اور ناٹک کنڈو کاپٹی"، "دشنگم کرئی یم شیپہ گرڈا۔ ایک چتر ویدی منگلم" "دلگان سے مستثنٰے"، "برہم دیہ) کے قیام کی جو ۱۰۵۸ برہمنوں کو راجہ کلوتنگا اوّل نے اپنے بارھویں سالِ حکومت میں عطا کیا تھا، منظوری کا اندراج سب سے پہلے لگان کے رجسٹر (وری) میں کیا گیا۔ تب "مڈی گونڈ شولا منڈلم کے، جہاں اراضی دی گئی تھی، "منڈل ملئیار" کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اینا ئرم، سے دستیاب شدہ ۱۱۱۹ء کے ایک کتبے میں "آدت شولامنی برہم" مارایار نامی ایک افسر کا ذکر ملتا ہے۔ جو "ناڈو کوڑ دا" کے عہدے پر تعینات تھا۔ [3] اس کے فرائض منصبی غالباً ناڈو کی پیمائش اور بندوبست اراضی سے تعلق رکھتے تھے۔

اڈن کوٹم

ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ سلطنت کی مرکزی حکومت میں راجہ کے ساتھ منسلک وزرا یا اہل کاروں کی کسی مشاورتی مجلس کی موجودگی کی کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن نظامِ حکومت پر لکھے گئے سبھی قدیمی نسخوں میں صلاح مشورے کی اہمیت پر کافی زور دیا گیا ہے یہاں تک کہ ایک مطلق العنان اور خود سر حکمران بھی قابلِ وزراء کے دانش مندانہ مشوروں کو نظر انداز کرنے کے لئے خود کو آزاد نہیں پاتا تھا۔ کچھ اعلیٰ سرکاری افسروں کو "اڈن کوٹم" کے ارکان بتلایا گیا ہے اس اصطلاح کے معنٰی ہیں: "ہمیشہ قریب موجود رہنے والی جماعت"، "کوٹم" کی اصطلاح اکثر "کوٹا پیرِ دمکل"، کے جُملے میں پنچایتوں کی مجلس عاملہ کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں میں "اڈن کوٹم"، افسروں کی اُس جماعت کو کہتے تھے جو راجہ کے حضور میں برابر حاضر رہتی تھی۔ اس منصب کے چند افسروں کے نام ایک کتبے میں دیئے گئے ہیں۔ یہ کتبہ ادھیراجندر کے تیسرے سالِ حکومت کا ہے۔ اور تروپاچور سے ملا ہے۔ اُس سے چند برس پہلے ویر راجندر دیو کے پانچویں سالِ حکومت (۱۰۶۷ء) کے ترومُکول کے کتبے میں [19] چھ ایسے افسروں کا ذکر کیا گیا ہے جو "اُڈن کوٹم" کے رکن تھے۔ [5] کلوتنگا اوّل کے تیسویں سالِ حکومت کے ایک کتبے میں [16] "اُڈن کوٹم" کے محکمۂ مال کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ہر محکمہ کے عہدہ داروں کو اس جماعت میں نمائندگی حاصل تھی۔ جو راجہ کے حضور میں ہمیشہ حاضر رہتی تھی۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو "اُڈن کوٹم" کے فرائض کسی مشاورتی مجلس کے نہیں سمجھے جائیں گے بلکہ اُن کے

ارکان کا شمار ایسے اہلکاروں میں ہوگا جو راجہ اور ان کے افسران مابین رابطہ قائم کرنے کے فرائض انجام دیتے تھے۔ راجہ کی وضع کردہ پالیسی کی وضاحت نواحی علاقوں میں کام کرنے والے محکموں سے کرتے تھے اور موقع کی ضرورت کے مطابق راجہ کو مطلع کرتے تھے۔ کہ حکومت کی پالیسیوں اور اقدامات کے صدیوں میں کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ راجہ کو اِس بات کا پورا پورا اختیار تھا کہ وہ کسی بھی اہلکار یا سرکاری ملازموں کی کسی بھی جماعت سے اِن معاملات میں مشورہ کرے جن میں اُسے ان کے صلاح مشورہ کی ضرورت ہو۔ ملک کے نظم ونسق میں یہ جماعت جہاں تک ہم معلوم کرسکتے ہیں، مجلسِ وزراء کی سی حیثیت رکھتی تھی اور ملک کے نظم ونسق میں اس کا جتنا اختیار تھا اسے راجہ کے معتمد وزیر پلّو رائیار نے بھی بخوبی تسلیم کرلیا تھا اسی لئے جب اُس نے چولا تخت پر راجادھیراج دوم کو بٹھانے کی کارروائی کی تو پہلے ہی سے "اڈن کوٹم"، کی رضامندی حاصل کرکے اپنے ہاتھوں کو مضبوط کرلیا۔[7]

شہری نظم ونسق کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے راجہ خود بھی گاہے بگاہے ملک کا دورہ کیا کرتا تھا۔ اور جہاں ضروری ہوتا وہ مقامی انتظامیہ سے بازپرس بھی کرتا تھا۔ جہاں کہیں شاہی ایوان نہیں تھے وہاں راجہ کا قیام مندروں اور منڈیوں میں ہوتا تھا۔ کچھ بڑے مندروں میں مقررہ دفعوں پر منعقد ہونے والے میلوں اور تیوہاروں میں راجہ شریک بھی ہوتا تھا۔ جیسے ترووِڑیور، چدمبرم، تِرووارور اور کانچی پورم کے مندر، مرکزی حکومت کے ٹیکسوں کی وصول یابی کے علاوہ، راہداری ٹیکس، محصول چُنگی اور کچھ دوسرے متفرق واجبات وصول کرنیکا مقامی پنچایتیں اختیار رکھتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقامی اداروں کے ان اختیارات کا استعمال مرکز کی عام نگرانی میں ہوتا تھا۔ راجندر دوم کے عہد کے ایک شاہی فرمان میں اس طرح کے قاعدے کی ایک مثال ملتی ہے۔ اس فرمان کے تحت باہور میں واقع واکور نامی گاؤں میں اِس طرح کے واجبات وصول کرنے کا تنہا مجاز "ویلالوں" کو بنا دیا گیا۔ جن کے پاس، بتایا جاتا ہے، کہ اُس جگہ کی "کانی"، چلی آتی تھی۔[8]

انصاف

قانون سازی کی طرح انصاف بھی زیادہ تر مقامی اداروں کے سپرد تھا۔ اور چھوٹے موٹے جھگڑوں کا فیصلہ اس علاقے کی پنچایت یا کارپوریشن کردیتی تھی۔ ایسے معاملات میں پنچایتوں

کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ بعض اوقات وہ "نیائے تاروں" یا پنچوں کی چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں مقرر کرکے ان معاملات کو بھی طے کر دیتی تھیں۔ جو اس علاقے کی پیشہ وارانہ یا رضا کارانہ جماعتوں کے دائرہ کار میں نہیں آتے تھے۔ متعدد کتبوں میں "دھرم آسن" کا ذکر ایک ایسے[19] مقام کے طور پر آیا ہے۔ جہاں اوقاف کی جاگیروں کے کارپرداز تاخیر سے ادائیگی کے مرتکب ہونے پر جرمانے ارسال کرتے تھے۔ اگرچہ یہ بات بالکل یقینی نہیں ہے لیکن "دھرماسن" غالباً راجہ کے انصاف کی عدالت تھی۔ اور اس کے سامنے سماعت کے لئے آنے والے معاملات کے تصفیہ میں فاضل برہمنوں کی موجودگی سے مدد ملتی تھی۔ یہ برہمن ماہر قانون دان ہوتے تھے۔ اور "دھرماسن بھٹ" کہلاتے تھے۔ کتبوں میں وہ اسی نام سے موسوم ہیں۔ عدالتی کاغذات کی نوعیت یا عدالت کے طریقۂ کار کے متعلق کتبوں سے کچھ پتہ نہیں چلتا اور مجبور ہو کر ہمیں ایک معاملہ کی دیومالائی سماعت کا سہارا لینا پڑتا ہے جس کا حال ایک ادبی تصنیف میں محفوظ ہے۔ جو غالباً کلوتنگا دوم کے عہد میں قلم بند کی گئی تھی۔

شیکلار نے بڑی تفصیل سے یہ داستان بیان کی ہے کہ کس طرح بھگوان شیو نے رحم کھا کر سندر مورتی کو ازدواجی زندگی کی پریشانیوں سے بچا لیا۔ اس کی شادی سے پہلے کی شام کو وہ برہمن کے بھیس میں اس کے سامنے آئے اور یہ دعوےٰ کیا کہ وہ قانوناً ان کا غلام ہے۔ لاعلمی کے باعث پہلے تو سندر مورتی نے اس دعوے کی تردید کی لیکن بے باک بوڑھے برہمن نے اصرار کیا کہ اس کے دعوے کا فیصلہ سندر کی شادی سے پہلے ہی کیا جائے۔ آخر یہ تنازعہ "ترونیئی نلور" کی قانونی عدالت میں لے جایا گیا[20]۔ فاضل برہمنوں کی سبھا میں پہلے مدعی کا دعوےٰ (مرئی یا دویان) بیان کیا گیا۔ منصفوں نے یہ اعتراض کیا کہ دعوےٰ اس دستور کے خلاف ہے کہ برہمن کو کسی حالت میں غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ مدعی نے جواب دیا کہ مستقل غلامی کا ایک باقاعدہ اقرار نامہ مدعا علیہ کے دادا نے اپنی جانب سے اور اپنی اولاد کی جانب سے لکھ کر دے دیا ہے۔ اور غصہ میں آکر یہ دریافت کیا کہ کیا یہ کسی مقدمے کو جیتنے کی جائز ترکیب ہے کہ فریق مخالف گواہی کا جو کاغذ پیش کرے اُسے پھاڑ ڈالا جائے جیسے کہ فریقین کے عدالت میں پہنچنے سے پہلے سندر مورتی نے کیا تھا۔ اس مرحلے پر منصفوں نے بوڑھے برہمن کی دلیل کو حق بجانب قرار دیا۔ اور مدعا علیہ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ سندر مورتی نے انتہائی حیرت کے جذبات کا اظہار کیا۔ اور منصفوں سے کہا کہ ان کو ذاتی علم ہے کہ وہ گاؤں کا ایک "آدمی شیئو" ہے۔ اور بتایا کہ وہ اس قدر سراسیمہ

اور پریشان ہے۔ کہ اس سے مدّعی کے بے ہودہ دعوے کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا تب منصفوں نے مدّعی کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا کہ وہ اپنے غیر معمولی دعوے کی صداقت کو تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ثابت کرے۔ دستور یا رواج سے (آٹچی) دستاویز یا تحریری شہادت سے (اَدُئم) یا چشم دید گواہوں کی گواہی سے (اِئیلار تنگل۔ کاٹچی۔) اب مدّعی نے بیان کیا ہے کہ مدّعا علیہ نے جو دستاویز پھاڑ دیا تھا، دراصل وہ اصل دستاویز کی نقل تھی۔ اصل دستاویز ابھی اس کے پاس موجود ہے۔ اور وہ اسے اس شرط پر عدالت میں پیش کرے گا۔ کہ عدالت اسکی حفاظت کا یقین دلائے۔ تب اصل دستاویز پیش کی گئی۔ کرنتان" عہد والے ایک شخص نے دستاویز لے لی جو ایک گولی لپٹے ہوئے کاغذ (رول) کی شکل میں تھی۔ اُس نے اُسے کھولا اور پڑھ کر سُنایا۔ سرکاری ریکارڈوں کے دفتر میں رکھی ہوئی ایک اور دستاویز کے ساتھ[2] جس کے متعلق معلوم تھا۔ کہ وہ سُندر موتی کے دادا نے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا، اس دستاویز کو ملایا گیا۔ اس طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ زیرِ بحث دستاویز اصل ہے، جس میں سُندر موتی کے دادا نے یہ اقرار کیا تھا۔ کہ وہ اور اس کی اولاد۔ ترُو دینئی۔ ملّور کے پتن (بھگوان شو) کے دائمی طور سے غلام رہیں گے۔ اس مرحلے پر تمام تحقیقات ختم ہو گئی۔ منصفوں نے فوراً یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ نمبی آرُون بزرگ برہمن کے خلاف مقدمہ ہار گیا۔ اور وہ واقعی مدعی غلام ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اُس بتانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

راج راجا اوّل سے کلوتنگا دوم کے عہدِ حکومت تک، جس میں شیکلار نے اپنا عظیم "پران"، تصنیف کیا تھا۔ عدالتی کارروائی کے ضابطے میں کوئی زیادہ فرق نہیں پڑا ہوگا۔ شیکلار کا مقصد اس پُران کی صورت میں ایسا لٹریچر پیش کرنا تھا جو خدا سے مُنکر جینیوں کی عامیانہ تصانیف کے مقابلے میں چولا حکمران کے بہتر طریقہ سے تفریح کا باعث ہو، اس لئے اگرچہ اُس نے قدیم روایتی موضوعات پر قلم اٹھایا تھا پھر بھی یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ شیو سنتوں کی مقدس زندگیوں کے خاکے اس کے بزرگوں کی وساطت سے اُس تک پہنچے تھے۔ اُس نے انہیں وسعت دے کر اور ہمعصر زندگی کے متعلق اپنی گہری واقفیت کے ذخیرے سے استفادہ کر کے اُن میں رنگ بھر دیئے اور اپنے بیان کو معتبر اور قابلِ یقین بنا دیا، لہٰذا مقدمے کی سماعت کے جس منظر کا خلاصہ اوپر پیش کیا گیا ہے، اسے چولا سلطنت کے اَن گنت دیہاتوں میں روز مرّہ ہونے والے واقعات کا ایک نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ

مافوق الفطرت عناصر کو بہت کم اس مقدمہ کی سماعت کے احوال میں دخل انداز ہونے دیا گیا ہے
اور ہمارے علم میں آنے والے کتبوں سے اس کے ایک بڑے حصے کی تصدیق ہوتی ہے گاؤں کی
پنچایت کا عدالت کے فرائض بھی سرانجام دینا، مقدمات کی سماعت کے وقت فاضل برہمنوں کی
رائے کو ترجیح دینا اور "کرنتان"، کا کردار ان معاملات سے پوری مطابقت رکھتے ہیں جو ہمیں ان
موضوعات کے متعلق دوسرے ماخذوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ مقدمات کی سماعت کی کاروائی
مجموعی طور پر سیدھی سادی ہے۔ اور بظاہر وہ کسی مقررہ ضابطے کی پابند نہیں ہے۔ تنازعے کے
فریقین اپنا اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ وکیل کی خدمات حاصل کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔
جس جذبہ اور یقین کے ساتھ فریقین اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان کا منصفوں کے دلوں پر اثر
پڑتا ہے۔ ایسا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ مقدمے سے تعلق رکھنے والی ہر بات کو مقدمے کی سماعت
کے دوران ثابت کیا جائے۔ منصفوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ مقدمے سے متعلق اپنے
ذاتی علم و واقفیت سے بھی کام لیں۔ شہادت پیش کرنے کے وہ تین طریقے، جن کے ذریعے ان
حقائق کو پیش کیا جا سکتا تھا۔ جن کی صلاحیت پر شک کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اور کسی دستاویز کو
قابلِ اعتبار ثابت کرنے کے لئے جو طریقے اور اختیار کئے جاتے تھے، اُن سب سے، اور
جو واحد ثبوت تھا جو اس مقدمے میں پیش کیا تھا۔ اس زمانے کے طریقے کار کا صاف پتہ
چلتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں جو اشارہ ملتا ہے کہ گاؤں کے باشندوں کی ایک ایسے محفوظ
ریکارڈ کے دفتر تک رسائی تھی۔ جہاں سالہا سال کے دستاویزات با احتیاط رکھے ہوئے ہوتے
تھے۔ ناقابل یقین سا معلوم ہوتا اگر کتبات میں ایک اور طرح کے دستاویزات پر زور نہ دیا گیا
ہوتا۔ جن کی طرف ہم پہلے ہی توجہ دلا چکے ہیں۔ اس مقدمہ کی کاروائی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
واضح دستاویز رواج کو مسترد کر سکتی ہے۔ چاہے وہ کتنا بھی پرانا ہو۔ اور عوامی پالیسی کی کوئی
منطق کسی خاص معاہدے کے اطلاق کو روک نہیں سکتی تھی چاہے وہ رائے عامہ اور اخلاق
کے طے شدہ اصولوں کے کتنا ہی خلاف ہو لیکن ہمیں اس نتیجہ پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے
کیونکہ اس کہانی میں مقدمہ کا فیصلہ محض اس لئے جائز دکھائی دیتا ہے کہ اس میں خدائی عنصر
شامل نظر آتا ہے۔ ججوں کے متعلق یہ بات بڑے تعجب کی ہے کہ وہ اس باشندے کی حیثیت
سے مقدمہ جیتنے والے مدعی سے جس کو تروّ وینئی نلوّر کا بتّن (شو) کہتے ہیں۔ یہ خواہش کرتے
ہیں کہ وہ انہیں اپنا گھر اور جائداد دکھا دے۔ تب بھگوان شو انہیں مندر کی طرف لے جاتے

ہیں اور اچانک آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں جلد ہی وہ ان کو سندر مورتی کو اس کی شادی میں اپنی کراماتی مداخلت کے سبب سے بھی وہ مطلع کر دیتے ہیں۔ ہمارا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایک معمولی مقدمے میں مدعی کی سکونت کا سوال (اگر اس کی ضرورت ہو بھی) بہت پہلے اٹھنا چاہئے تھا جس سے اس زمانے کے اخلاقی اصولوں کی اتنی شدید خلاف ورزی ہوتی ہو۔

دیوانی اور فوج داری کے جرائم کے فرق سے اس زمانے کے لوگ آشنا نہیں تھے بہت کم مثالیں ملتی ہیں جن میں ہمیں فوج داری کے جرم کے متعلق یہ تصور ملتا ہو کہ وہ عوام کے خلاف کوئی جرم تھا۔ ان میں سے ایک مثال دو آدمیوں کی ہے[122] جنہوں نے کسی مندر کی مورتیاں اور زیورات چرا لئے تھے اور جنھیں یہ سزا دی گئی۔ کہ ان کی تمام جائیداد ضبط کر کے نیلام کی گئی۔ اور اس کی جو قیمت ملی وہ راجہ کے خزانے میں بھیج دی گئی۔ یہ لگ بھگ [123] کی بات ہے۔ عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تمام جرائم جن میں گاؤں کے اہلکاروں کے کیے ہوئے جرائم بھی شامل ہیں۔ کی سماعت سب سے پہلے دیہاتوں عدالتوں میں ہوتی تھی اگر وہاں فریقین کی تسلی نہیں ہوتی تھی تو راجہ کی حکومت کے اُس افسر تک معاملہ پہنچایا جاتا تھا جو ناڈو کے نظم و نسق کا انچارج ہوتا تھا۔ اس سے آگے شاید ہی کوئی اپیل جاتی تھی۔ قانونی ذرائع کے علاوہ کچھ ذرائع ایسے بھی تھے جن سے کام چلاؤ انصاف مل جاتا تھا۔ بہت سے معاملات ان ذرائع سے طے ہو جاتے تھے۔ البتہ وہ قطعیت اور یکسانیت جو جدید انصاف کا خاصہ ہے اُس زمانے میں نہیں تھی اور ہر مقدمے میں، چاہے اس کی تحقیقات کرنے والا افسر کوئی بھی ہو، دونوں فریقوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے اعلیٰ ترین انصاف کا معیار قائم رکھا گیا ہے جس سے معقول آدمیوں کی تسلی ہو سکے۔ انصاف کے معیار کے متعلق رائج الوقت خیالات پر بلاشبہ سمرتیوں اور مقامی رواجوں کی چھاپ ہوتی تھی۔

اکثر شہری حقوق کے مقدمات بغیر کسی تصفیہ کے عرصے تک تعطل میں پڑ جاتے تھے یہاں تک کہ وقت خود ہی کوئی تصفیہ پیش کر دیتا تھا۔ شری کنٹھا چتر ویدی منگلم کی "سبھا" اور ترود ویر میبئیوُر" کی "اور" کے مابین سرحد کا کوئی تنازعہ عرصے سے چل رہا تھا۔ آخر کار اس تنازعہ کا حل ایک مقامی سردار نے ڈھونڈ نکالا جس نے متنازعہ رقبے میں فریقین کے حقوق ملکیت خرید لئے اور ان کو اتنی رقم دے دی جس سے دونوں کی تسلی ہو گئی۔ اب اُس نے یہ اراضی

مقامی مندر کو اس لئے وقف کر دی کہ اس سے مندر میں کچھ مخصوص سازوں کے ساتھ مقدس بھجن گانے والوں کا گذارہ چل سکے[123]

اترمیرور نامی گاؤں کی دیہاتی کمیٹیوں کی ملازمت کے لئے غیر موزوں قرار دئے گئے اشخاص کی ایک فہرست سے پتہ چلتا ہے کہ چوری، زنا اور جعلسازی کا شمار سنگین جرائم میں ہوتا تھا![124] اس فہرست میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو گدھے پر سوار ہوئے ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بعض جرائم سزا دینے کا ایک طریقہ تھا۔ اکثر جرائم کی سزا محض جرمانہ ہوتی تھی، یہاں تک کہ قتل کے جرم میں بھی بعض اوقات اتنی ہی سزا دی جاتی تھی[125] کہ مجرم نزدیک ترین مندر میں ایک چراغ مستقل جلائے رکھنے کا خرچ برداشت کرے۔ ان باتوں کے پیش نظر یہی سمجھنا پڑتا ہے کہ تعزیرات میں حد سے زیادہ اور غلط طور پر نرمی برتی گئی تھی۔ ایک مثال یہ ہے کہ جب ایک "ناڈالون"، نے تیر اندازوں کی ایک پلٹن کے کمانڈر کو چھرا مار کر ہلاک کر دیا تو راجہ راجندر دوم نے مقامی دیہی پنچایت کو یہ حکم دیا کہ مجرم سے پڑوس کے مندر میں ایک چراغ جلائے رکھنے کے لئے 96 بھیڑوں کا دان طلب کیا جائے[126] ایک اور معاملے میں جب ایک عورت نے خود کشی کر لی کیونکہ ایک مقامی افسر نے اس سے کچھ واجبات وصول کرنے کے لئے جن کی وہ دراصل دیندار نہیں تھی۔ اُسے اذیت پہنچائی، جس کی تکلیف اور بے عزتی کو وہ برداشت نہیں کر سکی۔ تو اس شخص کو 32 کا شو"، کا جرمانہ کر کے چھوڑ دیا گیا۔ اور یہ جرمانہ عائد کرنے کا فیصلہ "ہر چہار اطراف، 8 ضلعوں اور مختلف ریاستوں کے افراد کے ایک اجلاس[127] نے کیا۔ ایک دوسری مثال میں جب ایک سپاہی نے دوسرے سپاہی نے قتل کر دیا تو اس نے مقتول کے رشتہ داروں کے ساتھ راضی نامہ کر کے تنجور کے نزدیک واقع کرتا مانگڈی کے مندر کو ایک چراغ کا عطیہ دیا[128] یہ نجی سطح پر قتل کا معاوضہ دینے کی ایک مثال ہے۔ کلوتنگا کے چھٹے سال حکومت کے دوران جب رات کی تاریکی کے پردے میں ایک دانستہ خانہ جنگی کے نتیجے میں ایک جرنیل مارا گیا اور اس کی بیوی "ستی"، ہوگئی تو اس کی سزا صرف اس قدر دی گئی کہ مجرم کو ایک چراغ کا عطیہ دینا پڑا۔ اس فیصلہ کو ایدر لی شولا سمبو درا یا کی جو مقتول جرنیل کا آقا تھا، اور ناڈو کے بزرگ اشخاص (ناٹو پرُد شر[128]) کی رضامندی حاصل تھی۔ ریاست میسور کی ایک واحد مثال میں ہلی مدا کے "ناٹراجہ"، کے حملہ مجرمانہ کے اور قتل کے مجرم کو سزائے موت دے دی[129] کلوتنگا دوم کے عہد میں ایک حادثے کے باعث موت ہو جانے کے مقدمے میں جج نے صاف

کہہ دیا کہ مجرم کو سزائے موت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔[131] یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قتل کی سزا موت بھی ہو سکتی تھی۔ اس طرح کی ملتی جلتی ایک اور مثال اسی عہد میں کچھ سال بعد کی ہے جس میں مجرم ایک ویلال تھا۔ مقدمہ راجہ کی مرکزی حکومت کے ایک افسر کے پاس برائے سماعت پیش ہوا۔ اس نے "بھٹوں (فاضل برہمنوں) سے مشورہ کیا تو انہوں نے یہ صلاح دی کہ ویلال کو سزائے موت نہ دی جائے۔[131] کلوتنگا اوّل کے عہدِ حکومت میں 1091ء میں ملزم کے بجائے دوسرے کو سزا دئے جانے کی ایک مثال بھی تحریر میں موجود ہے۔[132] چھ سال عمر والے ایک لڑکے نے ہنسیا سے لکڑیاں کاٹتے ہوئے ایک اور لڑکے کو جس کی عمر سات سال تھی، زخمی کر دیا اور یہ لڑکا اس زخم کی وجہ سے مر گیا۔ اوّل الذکر لڑکے کے والد کو اپنے بیٹے کے جرم کے کفارے کے طور پر نصف چراغ کا دان دینا پڑا۔ ایک اور مثال کلوتنگا سوم کے زمانے کی ملتی ہے جس میں تحقیقات کے بعد سزا کے بجائے عقوبتِ نفس بطور کفارہ تجویز کی گئی۔ دو اشخاص نے اپنے کھیت میں اُگی ہوئی فصل میں ایک بھینس کو چرتے ہوئے پایا۔ انہوں نے بھینس کو اس قدر بُری طرح پیٹا کہ وہ مر گئی۔ انہوں نے بھٹوں سے مشورہ کیا تو انہیں پڑوس کے مندر میں نصف چراغ کا دان کرنے کی صلاح دی گئی۔[133] چنانچہ انہوں نے یہی کیا۔ اسی عہد کے ایک اور کتبے میں جو کیلا ئیور (تنجور) سے دستیاب ہوا ہے۔ دو افراد کی مثال دی گئی ہے جو عام لوگوں کے لئے وبالِ جان بنے ہوئے تھے اور برہمنوں ویلالوں اور مندر کے لئے پریشانیاں پیدا کرتے تھے۔ اُن پر بلوا اور آتش زنی کے جُرم میں مقدمہ چلا گیا۔ اور دونوں پر اکٹھے ایک ہزار کاشو کا جُرمانہ کیا گیا۔ جرمانہ ادا کرنے میں کسی نے اُن کی مدد نہیں کی اور آخر ان کی ملکتی اراضیات مندر کے ہاتھ ایک ہزار ساٹھ[160] کاشو کے عوض فروخت کر دی گئیں۔ ساٹھ کاشو کی فاضل رقم جُرمانہ نہ ادا کرنے کے نادان میں رکھ لی گئی۔ اس کتبے میں ضمناً ایک عام نوعیت کے شاہی فرمان کا بھی ذکر ہے کہ اس قسم کے بلوے اور آتش زنی کے مقدمات میں بیس ہزار کاشو تک جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔ کلوتنگا سوم کے سولہویں سالِ حکومت 1194ء میں مندر کی جائداد غبن کرنے (نشو دروہ) کے معاملے میں یہ سزا دی گئی کہ ملزم کی تمام املاک ضبط کر لی گئی اور اس سے جو کچھ ملا وہ اس مندر کے سپرد کر دیا گیا جسے نقصان پہنچا تھا۔[134]

راج راجا دوم کے چھٹے سالِ حکومت میں ضلع تنجور کے مقام پنڈنلور میں واقع پشپو تیشور کے مندر کے کارپردازوں یعنی پجاریوں کو ایک علیحدہ شاہی فرمان کے ذریعے مندر

کی اشیاء چرانے والے شوبرہمنوں اور اس کو لگان نہ دینے والے مزارعوں کو سزا دینے[129] کے اختیارات دیے گئے یہاں پجاریوں کو "پتی پادمُول پتّو دئیا پنچا چاریہ"، نیز "دیوکمی" "ماہیشورا"، اور شری کرم شیوارا"، کہا گیا ہے۔ حکومت کی طرف سے پجاریوں کو اختیارات دینے کا یہ واقعہ غالباً خصوصی حالات کے تحت تھا۔ راج راجا سوم کے عہد کے دو کتبوں میں جو ترُدُ ناگیشورم ضلع تنجور سے ملے ہیں دو ایسے بھائیوں اور ایک اور شخص کے مقدمے کا ذکر ہے جن کو مختلف مندروں کے محاسب کے حقوق حاصل تھے۔ اِن لوگوں نے مندر کی بہت سی اشیاء چُرالیں، دیوتاؤں کی پوشاکیں خود استعمال کرلیں اور مندر کی اینٹوں سے اپنی نجی تعمیرات کرلیں۔ مندر کے کارکنوں نے ایک اعلےٰ سرکاری افسر پلّے یا دورایا کے پاس شکایت دائر کی۔ اُس وقت راجہ خود جینن گونڈ شولا چترویدی منگلم میں مقیم تھا۔ تحقیقات کے بعد ان محاسبوں کا جُرم ثابت ہوگیا۔ انہیں سزا دی گئی اور ان کی تمام اراضیات ضبط کرلی گئیں۔ اور ان کے فروخت سے جو چار ہزار کاشو حاصل ہوئے وہ مندر کے خزانے میں جمع کرادیے گئے۔ نیز محاسبے کے حقوق ایک اور شخص کے ہاتھوں تین ہزار کاشو کے عوض بیچ دیے گئے۔[134] (ب)

خود راجہ کی ذات اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے خلاف کیے جانے والے جرائم ایک الگ زمرے میں آتے تھے۔ اور راجہ خود ان کا فیصلہ کرتا تھا۔ راج راجا اوّل کے اُس فرمان کی جانب پہلے توجہ دلائی جا چکی ہے جس کے ذریعے اُن اشخاص کی جائدادیں ضبط کرلی گئی تھیں۔ جو اس کے بڑے بھائی آدتیہ دوم کے قتل میں ملوّث تھے[135] ایک اور شخص کے خلاف بھی اسی طرح کی کاروائی کی گئی تھی جس نے اُس جرمانہ کی ادائیگی سے پہلوتہی کی جو اس پر لگایا گیا تھا۔ اُس کا اصل جُرم یہاں درج نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن ملزم کی املاک "جیتا کرائیم"، یعنی شاہی فرمان کے تحت نیلام کی گئی[136] تھی۔ ایک اور مثال میں راجہ کے خلاف بعض جرائم کے جن کا انکشاف نہیں کیا گیا ہے۔ کرنے والوں پر بھاری جرمانے کیے گئے جو کھور کے کولسک کڈئیار؟ سے تو بہت سختی سے وصول کیے گئے[137] یہ تینوں مثالیں راج راجا اوّل کے زمانے کی ہیں۔ راج راجا سوم کے عہد کے آخر میں 'راج راجا دروہم' (حکومت سے غداری) کے جُرم کے ارتکاب کی مثالیں زیادہ تعداد میں ملتی ہیں[138]

سلطنت کے بعض حصّوں میں مویشیوں کی چوری ایک عام جُرم تھا اور اسکی روک تھام آسان نہ تھی۔ منگلم (ضلع سلیم) کا گاؤں جب مندر کو 'دیودان' کیا گیا تو اُس کے

فرمانِ عطیہ کے ہمراہ یہ اعلان بھی ہوا کہ جو اشخاص "دیودان" سے مویشی چُرائیں گے یا اور کسی طرح گاؤں کو نقصان پہنچائیں گے، اُن کی جائداد ضبط کر کے مندر کو دے دی جائے گی۔ یہ ایک بڑا سخت فرمان تھا جو جدید ملکوں کے بعض ہنگامی قوانین کی کچھ دفعات کے مانند تھا۔ پڈوکوٹہ شمالی ارکاٹ اور میسور کے علاقوں سے ملنے والے بے شمار کتبوں میں لُٹیروں کے حملوں کا ذکر ملتا ہے جو وہ مویشیوں کی چوری کے لئے کرتے ہیں[139] اور جن سے مویشیوں کو نقصان پہنچتا ہے مویشی اُس وقت ایک طرح کی دولت تھے۔ مویشیوں کو ایک اور خطرہ درندوں کی جانب سے تھا کیل مُتو گوڑر (ضلع شمالی ارکاٹ) میں ایک چٹان پر ایک بڑا بُت ایک ایسے آدمی کی یادگار میں بنایا گیا تھا جس نے ایک شیر کو موقع پر ہلاک کر دیا تھا۔[140] ایسے گنے چنے واقعات کا ہونا لازمی لیکن انکی کمی ہماری اس رائے کو تقویت دیتی ہے کہ چولوں کے عہد حکومت میں اندرونی امن وامان اچھی طرح برقرار تھا۔ لیکن وہ زمانے سخت کوشی کے تھے اور اُن دنوں میں لوگ جسمانی تکالیف کی اتنی فکر نہیں کرتے تھے جتنی کہ اب ہماری زندگی کا جزو ہو گئی ہے۔

تیرھویں صدی کے اوائل کا چینی مصنّف جس کی کتابوں سے اکثر حوالے دئے جاتے ہیں۔ چولوں کے عدالتی نظام کے متعلق لکھتا ہے[141] "جب رعایا میں سے کوئی شخص کسی جُرم کا مرتکب ہوتا ہے تو دربار کے وزراء میں سے ایک اُسے سزا دیتا ہے۔ اگر جُرم معمولی نوعیت کا ہو تو مُجرم کو ایک لکڑی کے چوکھٹے سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اور اُسے پچاس ستّر یا سو تک بید لگائے جاتے ہیں۔ شدید جرائم میں یا تو گردن ماردی جاتی ہے یا ملزم کو ہاتھی کے پاؤں تلے روندوا کر ہلاک کر دیا جاتا ہے"۔

سترھواں باب

حاشیے

(۱) یہ جملہ پرانتکا اوّل کے کچھ کتبات میں بھی ملتا ہے (مثلاً 1898 کے کتبات نمبر 1-2)
(2) 1927 کا نمبر 1/24 — 1918 کا نمبر 446 - لیڈن کے عطیہ نامۂ کبیر میں نمبر 1، 112،
میں "کونیرن مائیکونڈان" (جس راجہ کا کوئی ہمسر نہیں) کا لقب خود راج راجا کو دیا
گیا ہے - انبل کی تختیاں نمبر 1، 124 دیکھئے "کونِوٹن مئی" (صحت مند راجہ) کے لیے
(3) اس مسئلے پر 1923 کا کتبہ نمبر 241، اور 1929 کا کتبہ نمبر 225 کچھ شکوک پیدا کرتے
ہیں - ان دونوں میں "پوی منگئی ولرا" سے شروع ہونے والی ایک پرشستی
شامل ہے جو محض خطیبانہ طرز ادا کی ایک مثال ہے اور جس میں ایسا کوئی واقعہ مذکور
نہیں ہے جو متعلقہ راجہ کی شناخت کی طرف کسی قسم کا اشارہ کرتا ہو۔ پہلی پرشستی
میں راجہ کا ذکر پراکیسری ترِبھوون چکرورتی پرانتکا دیو کے نام سے کیا گیا ہے اور
دوسری میں اسے راج کیسری چکرورتین پرانتکا دیو کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔
ان دونوں کتبوں پر نواں سال جلوس درج ہے - یہ کتبے بالترتیب کوئل۔ تیروائن
پٹیائی (ضلع تنجور) اور ترووڈ تورائی (ضلع جنوبی ارکاٹ) سے دستیاب ہوئے
ہیں - ان کتبوں کا پرانتکا اوّل یا پرانتکا دوم کے عہد کا ہونا قرینِ قیاس نہیں ہے۔
علم کتبات شناسی کی رو سے 1923 کا کتبہ نمبر 261 پہلے کا ہے اور اسے راج راجا
اول کے زمانے سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا کتبہ بہت بعد کا ہے یعنی بارھویں
صدی کا یا تیرھویں صدی کے ابتدائی برسوں کا۔ صفحہ ۱۹۰، اور حاشیہ نمبر ۱ ماقبل۔
کنر دیو کے ۱۹۴۱ - ۴۲ کے کتبہ نمبر 135 میں جو پچیسویں سال کا ہے اس کی توصیف
میں ایک پرشستی بھی ہے۔ ARE - 1939/40 — 23، II، 3/43

(4) SII-ii، 20 — 1926 کا 102 — 1915 کا نمبر 182

(5) 1926 کا نمبر 510 — 1914 کا نمبر 121

(6) 1908 کا نمبر 157

(7) ARA، 1909 — 10 صفحہ 16

(8) SII-ii تمہید صفحات 14-15

(9) کونل، II۔ ii، ا چترکوٹ کا راج محل — 1923 کا نمبر 73۔ پرمبڈی مالیگئی — لیڈن کا فرمانِ عطیہ ا، 116۔ تنجور کے ویلموں کے لیے دیکھئے 1926 کا نمبر 241 — 1911 کا 226 — 1911 کا نمبر 225 — SII-ii — 94 و 95 — 1921 کا نمبر 490 — 1919 کا نمبر 142 — اور دیگر حوالے۔

(10) 1897 کا نمبر 49 — 1923 کا نمبر 241

(11) ناموں کے لیے دیکھئے SII-ii-94

(12) SII-ii-66

(13) 1923 کے کتبات نمبر 248 و 249

(14) SII-ii-11

(15) پرانتکا اول کے عہد سے راجندر دوم کے عہد تک کے درمیانی عرصے کے کتبوں سے ہم بیس ویلموں کے نام اخذ کر پاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھئے 1926 کا کتبہ نمبر 241 — 1911 کا نمبر 225 و 226 — 1896 کا نمبر 240 — 1909 کا نمبر 627 — 1927 کا نمبر 340 — SII-ii — 94، 95 — 1911 کا نمبر 212 — 1961 کا نمبر 490 — 1927 کا نمبر 323 — 1919 کا نمبر 142 — 1914 کا نمبر 121 — 1928 کے 63-64 — نیز 1918 کے نمبر 459 میں بھی تنڈی مارم کُدیرانی چھیوگر کا ذکر ہے۔

(16) صفحہ 95

(17) 1907 کا نمبر 342

(18) 1902 کا نمبر 413

(19) 1917، صفحات 42 تا 44

(20) مسپیرو کی تصنیف حصہ اول، صفحہ 260

(21) 1903 کا 230

(22) 16 - iii - SII

(23) 1927 کا نمبر 27

(24) 1915-16 صفحہ 34

(25) 13، II، 1927

(26) SII، ii - 6 پیراگراف 14، 16 - موخرالذکر کتبے میں عبارت یوں ہے: تمائی آگ ایلندرُولُوتا تروییِنی -

(27) SII - ii - 38 پیراگراف نمبر 14، 17

(28) 1925 کا نمبر 481

(29) 1925، II، 12 — اور 1922 کا 169 (ب) — موازنہ کیجئے بھاسر کی تصنیف "پرتما ناٹک" اور EI - xx صفحات 4-5

(30) 1907 کا نمبر 253، C - 61

(31) SII - ii - صفحہ 390، حاشیہ 6 — ARE - 1919، II، 10

(32) SII - ii تمہید صفحہ 10

(33) EI - xviii - صفحہ 334 - موازنہ کیجئے۔ پنجائی کے "تروچوں ویلائی کارر" سے جنھوں نے بعض "دیوداں" اراضیات میں واقع مندروں کے حقوق ملکیت کی تصدیق کی خاطر جلتی آگ میں گھس کر اپنی جانیں قربان کردی تھیں (1925 کا نمبر 88) - مزید دیکھئے ابن بطوطہ کا سفرنامہ مؤلفہ ایچ - اے - آر - گِب - موسومہ بہ صفحات 287 - 88 - اور اس کا موازنہ مندرجہ ذیل کے ساتھ بھی کیجئے: کنٹر کے کتبات EC - iii - [illegible]، 41، 43، 44 اور 158 ب iii viii، Sb - 91؛ xi، HK - 87 وغیرہ - نیز EI - vi، صفحہ 44 حاشیہ نمبر 4 میں فلیٹ کی رائے ۔

(34) PK - صفحات 196 - 97 - نیز دیکھئے فیرنڈ کی تصنیف کے صفحہ 114 پر دیا ہوا ابوزید کا انوکھ تذکرہ

(35) 1911 کا نمبر 255

(36) 1905 کا نمبر 120 — مذکورہ بالا لنکا کے کتبے کے لیے دیکھئے EI ۔ xvii ۔
صفحات 35-334

(37) 1895 کا 189

(38) 1921 کا 394

(39) 1907 کا 242

(40) صفحات 35-134

(41) ا صفحہ 246 — SII، iii، 69 — II، 27 تا 29

(42) 1925 کا نمبر 389

(43) 1909 کا کتبہ نمبر 627 — ARE ۔ 1910، II، 19

(44) 1890 کا نمبر 67

(45) 1904 کا نمبر 353

(46) 1906 کا نمبر 364

(47) کرل 762 ۔ اور پریمیل ۔ الگر کا اس پر تبصرہ — کوٹلیہ ۔ ادھی — xi ا ب 2

(48) 1923 کا 159

(49) چاؤ فوکو آ کے صفحہ 96 پر، نیز صفحہ 100 حاشیہ 8 میں اس کے حوالے
موجود نہیں ۔

(50) مثال کے طور پر دیکھئے SII ۔ ii ۔ 91، 93

(51) 1921 کا نمبر 79

(52) 1928 کا نمبر 135

(53) JOR ۔ vi ۔ صفحہ 299 وصفحات مابعد

(54) فیرنڈ کی تصنیف صفحہ 32 ۔ ولسن کی صفحات 57-58، اور
حاشیہ ۔ پیلیٹ کو اس میں شک ہے کہ اس کتاب کی تصنیف جو سلیمان سے
منسوب کی گئی ہے وہ صحیح ہو ۔ صفحات 101-2

(55) فیرنڈ حوالۂ سابقہ صفحہ 93 ۔ نیز دیکھئے رینا ڈوٹ کی

اس پر تبصرہ ٤ - نیز مارکو پولو کے افکار ۔

(56) فیرنڈ کی ۔ 14

(57)

'Dans tous ses ouvrages nautiques, Ibn Mājid fait fréquemment allusion à l' opinion des Colas qu'il approuve ou rectifie. Ce'st qu'il devait avoir en main les *Instructions nautiques* et les tables géographiques avec indication de la latitude des ports, utilisées par les marins du Coromandel et qu'il les comparait avec les documents arabes de meme nature.' Ferrand, *JA*. 11 : 14, (1919) pp. 171-2.

فیرنڈ - JA ۔ 11، 14 (1919) صفحات 171-72

(58) صفحات 208 - 209 II، 116 و 128

(59) 1896 کا 113 — 1925 کا نمبر 420 — 1916 کا نمبر 327 —
صفحات 164 تا 168 وغیرہ

(60) پوڑن کا بزنطائی سوتر نمبر ۸ - اور اس پر آلم پورنر کی بحث جس نے اس متن کی نچھی نارکنیار سے بہتر تاویل پیش کی ہے ۔

(61) 895 کا 78 (الف) ۔ "مارائن" اور "پیرزائن" دونوں کے معنی "مہاراجہ" ہیں ۔ "کڈگائی" وقت کی ایک اکائی ہے اور کڈِ گائی م کے معنی ہیں گھڑی، بلکہ "واچیہ"، لفظ ماخوذ ہے "وادیہ" سے جو موسیقی کا ایک ساز ہے ۔

(62) 179-7 پر تبصرہ — یہاں "پیرونمبی" کے لقب کی بھی تشریح کی گئی ہے اور "اِدگاری" کے لقب سے اس کا رشتہ متعین کیا گیا ہے ۔

(63) 1918 کا نمبر 463 — 1894 کا نمبر 213 — 1928 کا نمبر 95

(64) 1913، II، 22 ۔ — صفحہ 336

(65) 1897 کا نمبر 29 — SII، ii، 82 - 83

(66) SII، ii — 156 — 1896 کا نمبر 84 ۔

(67) 1895 کا نمبر 106

(68) 1912 کا نمبر 246

(69) SII - ii صفحہ 477 پر حاشیہ

(70) 1923 کا 224

(71) مثلاً 1923 کا نمبر 224

(72) انبل کی تختیوں نمبر ا' 173 - 74 سے موازنہ کیجئے - "کوتوُنٹر پالدوا پیر یڈم اپنکے اُریتا و داگوم"۔ موازنہ کیجئے لیڈن کی تختیاں ا' 286 - 88، تیرووالنکا ڈو کی تختیاں ا' 422 - 23

(73) مثلاً 1923 کا نمبر 68 ــــ 1911 کا نمبر 177 ــ کلوتنگا سوم کے عہد میں وڈگن دیون نامی ایک شخص نے اس طرح سے حاصل کردہ اراضی کے حقوقِ مالکانہ کا دو تہائی حصہ "ستری دھن"، کی صورت میں اپنی دو بیٹیوں کو دے دیا (1929 کا 313)

(74) ایک ایسی مثال بھی ہے جس میں ایک عورت کا ذکر بطور ایک "اور کلتی" آیا ہے (1901 میں 297)

(75) SII - iii صفحہ 3، حاشیہ نمبر 7

(76) مثلاً 1919 کا 129 ــــ 1921 کا نمبر 259 ــــ 1915 کا 167 ــــ 1892 کا نمبر 90 وغیرہ

(77) لیڈن کے فرمانِ عطیہ کی تختی (ا' 77) میں "جن پد" کو "کوٹرم" کا ہم معنی بتایا گیا ہے اور "جن پدنوا ما" کو "ولناڈو" کا ہم معنی

(78) SII - ii تمہید صفحات 21 تا 29 - گنگا پاڈی کا خطہ "مڈی کونڈ شولا منڈم" کہلانے لگا (1911 کا نمبر 499)

(79) (1897) صفحہ 144

(80) T' 115، 148 - 49، اور 434

(81) ii - 6، 62، اور 617 - تامل متن

(82) 1900 کا 283 (SII - iii - 142)

(83) 1917 کا کتبہ نمبر 330 (جو راجا آدھیراج کے تیسویں سال کا ہے)، ایک فرمان کی تعمیل میں غیر معمولی تاخیر کی ایک مثال ہے ۔ 1916 کے نمبر 332 سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ پانڈیا ریاست کے وائسرائے بھی ضابطے کی کاروائی عین اسی طرح ہی عمل میں لاتے تھے ۔

(84) اا، 34 - 36

(85) اس مرحلے پر ترِ و والنگا ڈو کی تختیوں میں پانچ اِدِ گاریگل کا اندراج ہے (اا، 485 - تا 94)، اور لیڈن کے فرمانِ عطیہ میں واضح طور پر نو (9) افسران بتلائے گئے ہیں (اا، 138 - 43)

(86) اا، 129 ت 150

(87) اا، 49 تا 52 ت 57 تا 21 ت اور 494

(88) 1915 کا کتبہ نمبر 182

(89) لفظی معنی ہیں "وتاڑ کا پتہ"، جس پر دستاویز لکھے جاتے تھے ۔

(90) یہ اکثر "ترِ و مندرا ولیٔ" کہلاتا تھا یعنی مقدس کلام کا منشی ۔

(91) یہ اکثر "ترِ و مندرا ولیٔ نائیگم" بھی کہلاتا تھا ۔ "مائیگم" کے معنی ہیں صدر یا نگراں

(92) یہ بعض اوقات "نیوگم" بھی کہلاتا تھا (1897 کا نمبر 83)

(93) 132 - 33، موازنہ کیجئے لیڈن - اا، 174، 75، ترِ و والنگا ڈو اا، 143 - 44 وغیرہ

(94) پورم 260، ا - 9 و فہرستِ مضامین S.V. پورو و

(95) SII، iii، 142، اا، 29، 50، 57 - نیز EI، iii، xiv، صفحات 5 - 6 - نیز SII - ii - صفحہ 386 ت متن ا، 99 ت EI - 4 صفحہ 224، متن ا، 19 ــــ ARE - 1920، II، 4

(96) SII کے فاضل مولفین نے اُن کثیر التعداد اور مبہم اصطلاحات میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے جن کی انہیں وضاحت کرنی پڑی ہے ۔ "پُرو و - وری - تِنک - کلتو وری پوتنگ تائیگم" کا جملہ SII - اا - 88 میں درج ہے

اور اُس کا ترجمہ وینکیّا نے یوں کیا ہے : " جاگیروں یا اوقاف سے وصول کئے جانے والے ٹیکسوں کے محکمے (تنائی کلم) میں لگان اراضی کے گوشوارے کا مختارِکل "۔ ایک نوٹ میں ادھیراجندر کے ایک کتبے (II s - iii - صفحہ 116) کا حوالہ دے کر وہ اپنے اس قوم کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کتبے کے مطابق " دیوادان " کے مواضعات کی آمدنی کو " پرووری تنائی کلم " کے افسران مندر کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دیتے تھے لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے ہم منصب افسران کی مانند اُن دنوں کے محکمۂ مال کے افسران کو بھی متعدد اور مختلف نوعیت کے فرائض سونپے جاتے تھے، ان فرائض کا ہرچند کہ ٹیکسوں کی فراہمی سے کوئی براہِ راست تعلق نہیں ہوتا تھا تاہم متعلقہ افسران انہیں بطرزِ احسن اور معمولی سی محنت کے ساتھ بجا لاتے تھے۔ II s - ii - 88 میں دئے ہوئے جملے کا ترجمہ میں یوں کروں گا :

" محکمۂ مال میں مالگزاری کے گوشوارے کا مختارِ کل "

(97) II - 120 و صفحاتِ مابعد

(98) ترووالنگاڈو کی تختیوں نمبر ا - 60 میں مشمولہ " کیل مگوٹی " سے موازنہ کیجئے۔

(99) II s - iii - صفحہ 139

(100) II s - iii - صفحہ 103، حاشیہ نمبر ا

(101) II s - iii - 57

(102) 1915 کا 183

(103) 1926 کا 135

(104) 1927 کا نمبر 2

(105) 1910 کا نمبر 274

(106) 1916 کا نمبر 63

(107) 1911 کا نمبر 497

(108) 1912 کا نمبر 142

(109) 1927 کا نمبر 2

(110) 1920 کا نمبر 539 — نیز 1911 کا نمبر 502 - ان کا موازنہ مندرجہ ذیل کے ساتھ کیجئے: اشوک متن اور اس کے حواشی، صفحہ 122 — دِواکرم II، 34 تہ پیریا پُرانم شِرُو تونڈا" vv — 2 و 3

(111) 1910 کا نمبر 274

(112) 1917 صفحات 42 تا 44

(113) 1917 کا نمبر 351

(114) 1930 کا نمبر 113

(115) 1915 کا 182 — اس فہرست کے بعد اٹھائیس " وِڈائیل ادیگار گل" کے نام دئے گئے ہیں۔

(116) 1916 کا نمبر 429

(117) 1924 کا نمبر 433

(118) 1919 کا نمبر 180 - یہاں " واکو رپٹم " کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے۔

(119) II ؛ — آآ — اشاریہ S.V. دھرم آسن

(120) تنڈ تانکونڈ پُرانم — vv ، 51 تا 63 - نیز دیکھئے صفحہ 83 وصفحاتِ مابعد

(121) کاغذات کے محافظ خانے کے متعلق متن بالکل واضح ہے:

" مرُنڈ دوتیلیا مرا مڑا ئیا دنے لتال اولئی - یرن - درُو - کاپل ویرونرائی تدنوپونوکی "

(122) 1927 کا 308

(123) 1914 کا نمبر 129

(124) 1898 کا نمبر 1

(125) شکار کی ٹولیوں کو پیش آنے والے حادثات کی تعداد اسقدر کثیر ہے کہ انہیں بیان کرنا ممکن نہیں — 1919 کے کتبہ نمبر 273 میں (جو کلوتنگا کے تینتالیسویں سال کا ہے) گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر شکار کھیلنے کا ذکر آتا ہے۔ دو بدو لڑائی یا کُشتی میں کسی کو جان سے مار دینے یا کسی داشتہ کی عصمت دری

کی کوشش میں اُسے مار ڈالنے کی سزا بھی اسی طرح سے دی جاتی تھی —

1895 کا 109 — 1906 کا 77

(126) 1904 کا 227

(127) 1906 کا 84

(128) 1897 کا 48

(128-الف) 1932-33 کا نمبر 162 — ARE، صفحہ 66-II 25 جہاں اس کتبے کا متن دیا گیا ہے۔

(129) 1911 کا 497

(130) 1900 کا 647

(131) 1929 کا 200

(132) 1902 کا نمبر 223

(133) 1919 کا 110 — 1925 کا نمبر 80

(134) 1929 کا نمبر 989

(134-الف) 1931-32 کا نمبر 115 — ARE، 1931-32، II، 37

(134-ب) 1931-32 کے نمبر 70-71؛ ARE 1931-32،

(135) 1920 کا 577 - باب iii v ماقبل

(136) 1922 کا 379

(137) 1917 کا 277

(138) صفحہ 426 ماقبل

(139) 1904 کا نمبر 315 — 1900 کا 104 — 1921 کے نمبر 168-169 — 186 و دیگر کتبات۔

(140) 1896 کا نمبر 2 — EI-iv، صفحہ 179

(141) صفحہ 95

اٹھارھواں باب

مقامی حکومت

حکومت میں گاؤں کا کردار

ہمارے زمانے کی زندگی میں حکومت کی طبعی اکائی کی حیثیت سے شہر نے گاؤں کا مقام لے لیا ہے۔ ہندوستانی زندگی زیادہ تر دیہات میں بسر کی جاتی ہے، لیکن شہروں میں پیدا ہونے والے خیالات جن کی نشرواشاعت شہر سے شائع ہونے والے اخبارات اور شہری طریقۂ تعلیم کرتے ہیں بڑی سرعت سے گاؤں کے عوام کے دیہاتی نظریات کو بدل رہے ہیں، اور ان نئی طاقتوں کے حلقۂ اثر میں آنے والے چند ہی افراد ایسے ہونگے جو اب دیہات میں پورے طور پر اپنا نباہ کر سکتے ہوں یا اپنے قریب ترین شہر میں منتقل ہو جانے کی خواہش کو روک سکیں۔

لیکن ابھی حال کی بات ہے کہ اپنے روزمرّہ کے معمولات میں دیہات کی زندگی متمول اور مہذب ہندوستانیوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتی رہی ہے۔ ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنی رہائش گاؤں میں رکھتی تھی۔ ہندوستان میں انیسویں صدی کے ابتدائی حصّے کے برطانوی منتظمین نے ہندوستان کی قدیم دیہی جمہوریتوں کے مشاہدے کے بعد جو تعریف کی ہے۔ وہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اُن کے زمانے تک گاؤں سماجی زندگی کا اصلی مرکز اور سماجی محاسن کا گہوارہ تھا۔ اور سینکڑوں چولا کتبات سے جو ہمارے ہاتھ لگے ہیں ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چولوں کے تحت جنوبی ہند کے دیہاتوں میں زندگی کی ایک لہر جاری تھی۔

چولوں کے تحت دیہی حکومت کا جو نظام اپنے پورے عروج پر تھا اُس کی شروعات اُس سے

قبل کے کسی زمانے میں ملے گی۔ آٹھویں صدی اور نویں صدی کے ابتدائی دور کے پانڈیا اور پلو حکمرانوں کے کتبوں سے ایک ایسے دیہی نظام کا پتہ چلتا ہے۔ جو پورے تامل خطّے میں رائج تھا۔ یہ نظام اگرچہ چولوں کے دیہی نظام کے برابر ترقی یافتہ نہ تھا، لیکن اس سے ملتا جلتا ضرور تھا۔ ہمارے مقاصد کے لئے اتنا مشاہدہ ہی کافی ہے کہ ضلع تنجور کے مقام مانور سے ملا ہوا ۸۰۰ء کا ایک کتبہ کئی لحاظ سے پرانتکا اوّل کے ان معروف کتبوں کا پیش رو معلوم ہوتا ہے جو ضلع جنگلی پت میں اُترمیرور سے ملے ہیں۔ دیہی اداروں کی، جو قومی زندگی کی بقا کے لئے خلیہ کا کام کرتے تھے، زندگی اور طریق کار پر شاہی خاندانوں کی جنگوں اور اعلیٰ سطح پر سیاسی طاقت کی منتقلی کا بہت اثر پڑتا تھا۔

دیہی مجلسیں

گاؤں کے بالغ افراد پر مشتمل بنیادی مجلسوں کے ذریعے حکومت چلانا دیہی نظام کی مرکزی خصوصیت تھی۔ اِن مجلسوں کے علاوہ متعدد دیگر کارپوریشنیں اور جماعتیں بھی موجود تھیں جو سماجی مذہبی یا اقتصادی نوعیت کی تھیں اور جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی مقامی ادارے یا کسی مخصوص کام کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ ان جماعتوں کے، جو قریب قریب ہر ایک گاؤں میں پائی جاتی تھیں، اور دیہی مجلس کے باہمی تعلق کو جدید سیاسی اصطلاحوں کے ذریعے آسانی سے بیان نہیں کیا جاسکتا گاؤں کی مجلسیں ہوں یا دیگر جماعتیں، سبھی کے اختیارات کا منبع قدیم رسوم ورواج اور حق (دھرم) تھے۔ مخصوص معاملوں میں اُن کے طرز عمل پر اُنہیں جو عوامی خوشنودی حاصل ہوتی تھی وہ دونوں صورتوں میں اُن کے روزمرّہ کے کاروبار کے لئے ایک طرح کے بنیادی قانون کی حیثیت رکھتی تھی آخری چارہ جوئی دونوں راجہ کی حکومت سے کرسکتی تھیں۔ بشرطیکہ جو کچھ اُنہوں نے کیا تھا وہ تسلیم شدہ اخلاقی ضابطوں کے مطابق رہا ہو، ہر معاملہ میں حق کیا ہے، یہ اس معاملہ کے حالات پر منحصر ہوتا تھا یا اس پر کہ قانونی ضابطوں (دسمرتی) اور پرانی مثالوں کی روشنی میں اُن پر عقل سلیم کا اطلاق کس طریقہ سے ہونا چاہیئے۔ ایسے باریک نکتوں کو حل کرنے ہی میں اُس زمانے کے فاضل بھٹ سماج کی سب سے اعلےٰ خدمت انجام دیتے تھے۔ کیونکہ جس حد تک ان کا فیصلہ غیر جانبدارانہ، معقول اور تعصب اور بددیانتی سے پاک ہوتا تھا، اُسی حد تک سماجی اتحاد کو فروغ ملتا تھا اور باضابطہ اور پرسکون ترقی کی بنیادیں مضبوط ہوتی تھیں۔ اس بات سے کہ یہ نظام گذشتہ صدی کے آغاز تک جوں کا توں قائم رہا، یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ مجموعی طور پر یہ نازک اور بھاری ذمّہ داری کا کام وہ افراد بطرز احسن

انجام دیتے تھے جن کے تعلق یہ کیا گیا تھا۔ دیہی مجلسوں اور دیگر جماعتوں کے حکومت اور سماج کے ساتھ تعلقات کم وبیش ایک ہی طرح کی بنیادوں پر ہوتے تھے، لیکن قوم کی زندگی میں انکی اہمیت حقیقتاً اور اصولاً مساوی نہیں ہوتی تھی دیہی مجلس کا اپنے علاقے میں بہت وسیع دائرہ کار ہوتا تھا جبکہ دوسری جماعتوں کی کارکردگی چند مخصوص مقاصد تک محدود ہوتی تھی۔ جیسے کسی مندر کا انتظام یا کسی ایک پیشے یا تجارت کو منضبط کرنا۔ یہ چھوٹی جماعتیں جو کچھ کام کرتی تھیں، نہ صرف ان کاموں میں بلکہ اس کے علاوہ جن امور سے ان جماعتوں کا کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا ان میں بھی دیہی مجلس میں دلچسپی لیتی تھی۔ دیہی مجلس کا اختیار اُن معاملات میں بھی ہوتا تھا جو کسی مخصوص جماعت کے دائرہ کار میں ہوتے تھے۔ اور متعلقہ جماعت سے اگر ان امور میں کوئی زیادتی یا کوتاہی سرزد ہوتی تھی تو کوئی بھی اُس کے خلاف دیہی مجلس میں اپیل کرسکتا تھا۔ جب تک یہ چھوٹی جماعتیں اپنا کام اچھی طرح چلاتی رہتی تھیں۔ اُس وقت تک دیہی مجلس اس کام سے بے فکر رہتی تھی لیکن مقامی فلاح و بہبود کی قطعی اور آخری ذمہ داری دیہی مجلس پر ہی ہوتی تھی۔ مختلف فلاحی جماعتوں کے ارکان دیہی مجلس کے رکن بھی ہوتے تھے، اور اُس سے اُن کے آپس کے تعلقات پر کافی اثر پڑتا تھا۔ جہاں جماعتیں بعض مخصوص مفادات کی نگرانی کرتی تھیں، جن میں ایک دوسرے سے تصادم بھی ممکن تھا۔ وہاں دیہی مجلس مجموعی طور پر سبھی مفادات کی نگرانی کرتی تھی اور عدل گستر ادارے کی حیثیت سے مخالف مطالبات میں ہم آہنگی پیدا کرکے فریقین کو مطمئن کرنے میں معاونت کرتی تھی۔ ان مختلف رشتوں سے ملتی جلتی قریب ترین مثال حکومت اور مختلف جماعتوں کے باہمی رشتوں کے فلسفۂ کثرتِ وجود میں ملتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں یہ رشتہ مقامی اداروں میں اور جماعتوں میں تھا۔ جو پورے قومی میدان میں کام نہیں کرتی تھیں بلکہ جن کا دائرہ کار محدود تھا۔ قومی مملکت، جس کی نمائندہ راجہ کی حکومت ہوتی تھی، تمام دیہاتوں اور جماعتوں پر محیط تھی۔ اور اُن کو متحد رکھتے ہوئے تھی۔

جماعتیں

گاؤں کی انجمنوں کی اقسام اور اُن کے طریقِ عمل پر بحث کرنے سے پہلے زیادہ محدود جماعتوں کی کچھ سرکردہ مثالوں پر نظر ڈالنا ضروری ہوگا۔ ہم جب ان جماعتوں کا اور خود دیہی مجلسوں کا ذکر بطور کارپوریشن کے کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ان دنوں انجمن سازی کا کوئی ضابطہ موجود نہیں تھا جس سے کسی جماعت کی ایک مخصوص قانونی حیثیت معلوم ہو جاتی ہو بلکہ یہ جماعتیں ایک فردِ واحد کی طرح کام کرتی تھیں وہ خرید و فروخت کرتی تھیں۔ اور مقدمے دائر کرتی تھیں اور جماعت

کی حیثیت سے اُن پر مقدمات دائر کیے جاتے تھے۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتی تھیں کہ بطور کارپوریشن اُن کی زندگی کا تسلسل اُن کے عملے میں تغیّر و تبدل سے بے نیاز رہے[2]۔ کتبات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک عالمگیر قاعدہ تھا۔ یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ان پہلوؤں سے ایک فردِ واحد اور افراد کی اس جماعت کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا جو ایک مشترکہ مقصد کے لئے متحد ہوئے تھے۔ اور اسی حیثیت سے گرد و نواح میں جانے جاتے تھے۔ ایسی جماعتیں ہر قسم کے مقاصد کے لئے منظّم کی جاتی تھی۔ کچھ تو اقتصادی انجمنیں ہوتی تھیں جیسے "ولنجیار" اور "منی گرامم" کی تجارتی انجمنیں۔ اکثر ان کے نام اس مقام کے نام پر رکھے جاتے تھے جہاں یہ واقع ہوتی تھیں۔ جیسے "تر د پرُ منم" کی "ولنجیار"[3] اور آدت پور کی منی گرامم[4]۔ ان تجارتی انجمنوں پر ہم ایک ضمن میں مفصّل بحث کریں گے۔ کچھ اور جماعتیں بھی تھیں جو کثیر تعداد میں تھیں اور جنہیں مذہب کی بنا پر منظّم کیا گیا تھا۔ مختلف مقامات کی "مُول پروڈئیار" نامی انجمن واضح طور پر مندروں کی نگراں تھی۔ سچندرم میں یہ انجمن پرانتکا اوّل کے زمانے سے راج راجا اوّل کے عہد تک مقامی مہاسبھا کے ماتحت کام کرتی رہی۔ بعد ازاں یہ انجمن مندر کے انتظام سے دست بردار ہو گئی۔ اور اس کام کو "مہاسبھا" کو واپس کر دیا۔ ایسا کرنے کے بعد انجمن نے خود اپنا وجود اس وقت ختم کر دیا جب اس نے محسوس کیا کہ وہ ٹھیک طرح سے کام نہیں کر سکتی اور آیندہ کے لئے اُس نے اپنے فرائض کی ذمہ داری "مہاسبھا" کو منتقل کر دی۔ ترِوگڈّا موکل نامی مقام کی "مول پروڈئیار" کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ "ترِوُ ناگیشورم" کے مندر کی نگراں تھی[5]۔ اس مندر سے وابستہ پجاریوں نے خود کو کئی خوبصورت ناموں والے مختلف گروہوں میں منظّم کر رکھا تھا۔ شیومت کے پجاریوں کی ان انجمنوں کا عام نام "شیو برہمن" ہوتا تھا۔ وشنو پجاریوں کی انجمن کا نام "دیکھانس" تھا۔ کچھ مخصوص انجمنوں کے نام یہ تھے۔ "اگا نایگئی شیو برہمنار"[6] "پتی پاد مولتار"[7] "ترِو ونلّی کنگ کنپ پیرومکّل"، "ترِوونالگی"[8]۔ ایسے کتبوں کے آخر میں جن میں کسی مندر کو دیئے جانے والے عطیوں کا اندراج ہوتا تھا۔ "پن ماہیشورر" اور شری وشنو کی خیر اور سلامتی کی دعا کی گئی ہے۔ یہ مذہبی فرقوں کے گروہ تھے جو بعض اوقات اٹھارہ اٹھارہ اضلاع (وشایم یا ناڈو) میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان اضلاع کے نام کہیں نہیں دیئے گئے ہیں[9]۔ شانت گنم، کمار گنم، کرشن گنم، کالی گنم اور اسی طرح کے دوسرے گروہ کسی نہ کسی واحد مندر کے منتظم یا ٹرسٹی تھے۔ اور انہیں مندروں سے انہوں نے اپنا نام مستعار لیا تھا۔ "پیرلمائیار" اور شنکر پاڈیار[10]۔ کچھ اور جماعتیں تھیں جو مندروں سے وابستہ تھیں اگرچہ ان کے فرائض مبہم ہیں۔ مندروں سے منسلک بعض اور برادریوں اور

گرہوں کے نام بھی ہیں لیکن یہاں ان کو دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گاؤں کے مقامی گرہوں اور پیشہ وارانہ جماعتوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ گاؤں اکثر شیریوں، گلیوں اور محلوں میں بٹا ہوا ہوتا تھا اور مخصوص مقاصد کے لئے ہر "شیری" کے لوگ اپنی انجمن بنا لیتے تھے۔ شہنشاہ اتم چولا نے کا نجی پورم شہر کی "دو شیریوں کے" باشندوں کو "اورگم" کے مندر کا نگراں مقرر کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ مندر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں[13]۔ پرانتکا اوّل کے عہدِ حکومت کے بارہویں برس میں اتر میرور کی دیہی مجلس کی مجلس عاملہ میں نمائندگی کے لئے "شیریوں کو بنیاد بنایا گیا تھا[14]۔ پینا ڈم سے ملے ہوئے ۱۰۰۰ء کے ایک کتبے میں[15]۔ مڈی گونڈ شولا چتر ویدی منگلم کی "شیریوں" کی سبھاؤں کا ذکر آتا ہے اور ایک دوسری مثال ایسی ہے۔ جہاں سبھا کی قرار دادوں کا مسودہ تیار کرنے والے اشخاص کی کمیٹی میں الگ الگ شیریوں کی نمائندگی دی گئی ہے[16]۔ پیشہ وارانہ تنظیموں کی کچھ مثالیں یہ ہیں۔ تلئی چنگاڈو (ضلع تنجور) "ایلو" بڑھئیوں، سناروں لوہاروں اور دھوبیوں کی "کلنی" فامی انجمنیں[17] اور دوسرے مقامات میں دگڈریوں کی (؟) منراڈک کلنی[18]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر انجمنوں کا درجہ دوسری انجمنوں سے اونچا ہوتا تھا اور اسی کے مطابق ہی ان کا نام "کیلک کلنی گل" رکھا جاتا تھا[19]۔

۱۰۰۰ء میں جیرولو میں[20] مقامی مندر کے کچھ چراغوں کے وقت کو مستقل طور پر ستھان پتی اور اس مقام کے تین "شوا یالوؤں" اور تین سو "سائلووں" کی نگرانی میں رکھ دیا گیا تھا۔ کامرن ولی میں ۹۵۰ء میں ایک مقامی انجمن نے "ساڑھے سات سو" کہلاتی تھی[21] ایک جاگیر کا چارج لیا۔ اس کے فرائض میں کچھ مقررہ چندوں کی فراہمی اور اس آمدنی کے ذریعے مندر کی پوجا اور وہاں کے کچھ مقررہ تہواروں کے خرچ چلانا تھے۔ اناشی[22] ناڈوؤں کے جتنی رمیلی پیریا ناڈو، نے ججوں کی حیثیت سے ایک مقدمے کی سماعت کی۔ یہ مقدمہ کلوتنگا دوم کے عہد کے تیسرے سال میں جمبئی میں شکار کے دوران ایک اتفاقیہ قتل ہو جانے کے متعلق تھا[23]۔ راج راجا دوم کے دوسرے سالِ حکومت میں کنان دار کوئل (پڈوکوٹہ) کے ایک دفینے کی حفاظت کا کام اس مقام کی ارائیا مرنے اپنے ذمہ لے لیا تھا[24]۔ راجا دھیراج کے چوتھے سالِ حکومت میں اولکور (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں ہونے والے ایک اتفاقیہ قتل کے لئے پرائشچت یا کفارہ طے کرنے والی اس مقام کی بھمتا پیریا ناڈ اور بٹا نار تھیں[25]۔ یہی کام کچھ برس بعد اسی خطے میں ویلور کے مقام پر صرف دو بٹا نار نے کیا تھا[26]۔ راجہ کلوتنگا سوم کے انیسویں سالِ حکومت میں بارہ ناڈوؤں کی، پیریا ناڈو شیانار نے نیلو کے

ایک مندر کو کچھ اراضی "ترودرڈیانم" کے طور پر دی۔[26] اسی سال "دیوتان تالوڑ" کے نام سے موسوم ایک انجمن نے راجہ کلوتنگا سوم کے سامنے ترُوودرپوُر کے مقام پر ایک درخواست پیش کی جو ایک دیوتان گاؤں کی حالت کے متعلق تھی۔[27] کلوتنگا سوم بیسویں سال حکومت میں رُدرا مہیشورا کے مندر کی ستھانتار نے اور اُن چار گھرانوں نے جو اس مندر کے نگراں کی حیثیت سے کام کرتے تھے، ترُومنّن جیری اُڈیا تائنار کے مندر[28] کے ایک "دیورڈیال" سے ایک عطیہ قبول کیا۔ بارہ برس بعد ترُوکوئلوڑ کے وشنو کے مندر کے کارپردازوں نے ارٹاملی داسن نامی ایک شخص سے دس گائیں وصول کیں جو کئی برس پہلے اُس کے والد کی تحویل میں دی گئی تھیں۔[29] جب کلوتنگا شولا پیری لمبی ناڈو کی "ناڈو" اور نارائیور کی "سبھا" نے ایک مندر کے مویشیوں کے ایک پرانے غبن کی تحقیقات کی اور اُس مقدمے کا فیصلہ کیا تو اُس "سبھا" اور "ناڈو" کے ساتھ "مہیشورا" بھی موجود تھے۔[30] یہ 1219ء کی بات ہے۔ ضلع تنجور میں منیور کے مقام پر مرکزی حکومت کا ایک اعلیٰ افسر جو شہر کے نیائے تیار کے نام سے موسوم تھا۔ "اُور" کی نو افراد پر مشتمل مجلس عاملہ اور مندر کے ٹرسٹیوں نے باہم تعاون کر کے مندر کی دیواروں پر مندر کی "اڑائیلی" اراضیات کے حقوقِ ملکیت کے متعلق دستاویزات کندہ کرائیں کیونکہ اصل دستاویزات کے بوسیدہ ہو کر تلف ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا تھا۔[31] ترُوکلر ضلع تنجور کے "مہیشوروں" نے 1234ء میں فیصلہ کیا کہ کسی وقف کی شرائط کی رُو سے مقرر کردہ فرائض کی ادائیگی کے لئے جو ان کے اسلاف بجا لاتے تھے اولادِ اناثہ کو بھی ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور ایسی اولاد کو بھی اُن رقومات کا سود ادا کرنا چاہئے جو اُن کے خاندان کو سرمایہ کاری کے لئے دی جاتی ہیں۔[32] ان مثالوں سے انواع واقسام کی کارپردازیوں کی اور اُن کی الگ الگ دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے کہ تاہم ابھی تک ہم اس قابل نہیں ہو سکے ہیں۔ کہ ان انجمنوں کے ترکیبی عناصر اور باہمی تعلقات کا تعین ٹھیک کر سکیں۔

جماعتی تعلقات

سماجی زندگی پر ان بے شمار جماعتوں کا گہرا اثر تھا اور ہر فرد کے لئے اظہارِ خیال کے مواقع کی کمی نہ تھی۔ وہ پیدائش، سکونت، یا پیشے کی بنا پر، یا کبھی کبھی اپنی رائے سے ان اشتراکی انجمنوں میں سے کسی نہ کسی کا رکن ضرور ہوتا تھا، جن میں سے ہر ایک کسی مقررہ مقامی مقصد کی تکمیل میں لگی رہتی تھی۔ ان جماعتوں میں باہمی نباہ زیادہ تر رواداری پر منحصر ہوتا تھا۔ انجمنوں کے باہمی تعلقات کو قایم رکھنے میں حکومت یا کسی غیر سرکاری فریق کی جانب سے مداخلت کی زیادہ مثالیں نہیں ملتیں۔

قانون دانوں کی تصانیف میں بھی ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ہندوستان میں اصولی قانون کے اس دلکش پہلو پر بحث مباحثہ زیادہ حد تک بڑھا ہو۔ اگرچہ یہ جماعتیں اپنے حقوق کو انتہا تک پہنچا کر اُن کو سختی سے منوانے کے جذبے سے سرشار ہوتیں تو اُن کے باہمی تعلقات اسقدر پیچیدہ ہو جاتے کہ وہ ایک سوچے سمجھے مشیت قانون کی مدد کے بغیر کبھی سلجھ نہ سکتے۔ یہ انجمنیں ملک بھر میں کئی پشتوں تک قایم رہیں لیکن اُن کے حقوق اور باہمی تعلقات کا صحیح تعین کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ زیادہ تر یہی کوشش رہی کہ باہمی رواداری سے ہی کام چل جائے۔

مجلسوں کی اقسام

بنیادی دیہی مجلسوں کی دو قسمیں ہماری نظر میں آتی ہیں جن میں فرق دو ناموں "اُور" اور "سبھا" سے کیا جا سکتا ہے۔ مقامی مجلسوں کی ایک تیسری قسم "نگرم" تھی جو صرف تجارتی شہروں کے لئے مخصوص تھی۔ یہ سب بنیادی مجلسیں تھیں جنھیں متعلقہ مقامات کے باشندگان ہی بناتے تھے اور اُن کے تمام مشترکہ معاملات کا بندوبست بالعموم یہی مجلس کرتی تھیں۔ مجموعی طور پر اُن کی نگرانی راجہ کی مرکزی حکومت کے افسران کرتے تھے۔ جو گاہے گاہے اُن کے حسابات کی جانچ پڑتال بھی کرتے رہتے تھے۔ ویسے اُن کو آزادانہ طور پر کام کرنے دیا جاتا تھا۔ جب وہ کوئی اہم نوعیت کے فیصلے کرتی تھیں مثلاً اپنے آئینی ضابطۂ عمل میں یا اراضی کے حقوقِ ملکیت میں تبدیلی جس سے گورنمنٹ کی آمدنی میں فرق پڑتا ہو۔ تو مرکزی حکومت کے افسران ان مجلسوں میں شرکت کرتے تھے[33]۔ ان کی موجودگی سے اجلاس کی کارروائی پر کتنا اثر پڑتا تھا۔ یہ آسانی سے نہیں کہا جا سکتا۔ کئی مقامات پر بڑے بڑے مندروں کا انتظام باقاعدہ سرکاری افسران چلاتے تھے۔ اور وہ اسمبلی کے اُن اجلاسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ جن میں مندر کے معاملات زیرِ بحث لائے جاتے تھے[34]۔ بعض اوقات زیادہ اہم معاملات فیصلے کے لئے راجہ کے پاس بھی پہنچائے جاتے تھے۔ کلوتنگا اوّل کے دو کتبوں میں سے جو ترکھودنی سے دستیاب ہوئے ہیں، راجہ کو ایک "کانی" سے استفادہ کرنے کے حقوق کو منضبط کرتے دکھایا گیا ہے۔ اور ترکھودنی میں سپاری کے درخت لگانے کے کام کو فروغ دینے کی ایک نئی سکیم مرتب کرتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے[35]۔

اُور "اُور"، اُن دیہی مجلسوں کی سب سے سادہ قسم تھی۔ اس لفظ کے معنی ہیں گاؤں یا قصبہ اور "اُور"، کی مجلس کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ اُور سے۔ اشائندہ

"اُور دم"، کے جملے سے بھی واضح ہو جاتا ہے، جس کے معنی ہیں "گاؤں کے باشندے جو "اور" کی صورت میں اپنا اجلاس منعقد کرتے تھے"۔ یہ جملہ کئی کتبوں میں آیا ہے۔ نیز کئی جگہ اس امر کا ذکر بھی آیا ہے۔ کہ "سبھا" کی مانند "اور" نے بعض کتبات کے مسودے تیار کرانے اور انہیں کندہ کروانے کے لئے بھی اپنے کارکنوں کو حکم دیا (۵)۔ "اور"، کئی مقامات پر "سبھا" کا شانہ بشانہ کام کرتی تھی (۶)۔ کہیں کہیں آزادانہ اور کہیں کہیں "سبھا" کے اشتراک سے" جیسا بھی زیر غور معاملہ کا تقاضا ہو۔ اس کے برعکس کئی مقامات پر "اور" ہی واحد مجلس ہوتی تھی۔

سبھا

دیہی مجلسوں کی وہ قسم تھی جس کا متصل احوال ہمیں کتبوں میں ملتا ہے۔ یقیناً یہی وہ مجلس ہے جو برہمن گاؤں "چترویدی منگلم" سے وابستہ تھی۔ اس طرح کے کئی "اگرہارا" اور "منگلم"، شاہی اوقات کی بدولت وجود میں آئے تھے۔ اراضی وقف کرنے (بھوودان) سے ثواب ملنے کا اعتقاد بہت عام تھا اور جو لوگ اس کی توفیق رکھتے تھے وہ اکثر ایسا کرتے تھے۔ اس طرح متدین اور فاضل برہمنوں کی نئی بستیاں ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہوگئیں۔ اور ان برہمنوں نے "سبھا" اور اس کی مجلس عاملہ میں شامل ہو کر گاؤں کے مقامی معاملات پر قابو پا لیا۔

دونوں اداروں کے باہمی تعلقات

"سبھا" نیز "اور"، ان جگہوں پر قائم رہیں جہاں کسی "منگلم" کے قیام سے قدیم آبادی پر برہمنوں کی نئی آبادی کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ لگ بھگ ہر مقام پر نو واردوں کی آمد کا بہت سی وجوہات کے پیش نظر خیر مقدم کیا گیا ہوگا۔ اکثر نئی "منگلم" کے عطیہ پانے والوں کو جو اراضی کسی راجہ یا رئیس کی جانب سے دی جاتی تھی۔ وہ ان کے سپرد کرنے سے پہلے ان اشخاص یا جماعتوں سے جو اس کے مالک ہوتے تھے۔ خرید لی جاتی تھی۔ جس کے نتیجے میں اراضی کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ بہرکیف اس سے "اور" کی تحویل میں کافی رقم آجاتی تھی۔ جسے وہ کسی مفید کام میں صرف کر سکتی تھی۔ اگر فروخت ہونے والی اراضی شاملات ہوتی، جیسا کہ اکثر ہوتا تھا۔ تو اس کی فروخت سے حاصل شدہ رقم رفاہِ عام کے منصوبوں پر سرمایہ کاری کے لئے خرچ کی جاتی تھی۔ پھر یہ بھی تھا کہ ایسے افراد کی آمد جو اپنے علم و فضل اور خوبی کردار کے لئے ممتاز ہوتے تھے عوام کیلئے

باعثِ فیض ہوتی تھی۔ کیونکہ اس سے عوام کا اُس زمانے کے بہترین کلچر سے سابقہ ہوتا تھا اور انہیں قدرتی رہبروں کا ایک طبقہ دستیاب ہو جاتا تھا جس سے وہ آڑے وقتوں میں مشورے اور قیادت کے لئے رجوع کر سکتے تھے۔ عوام الناس حسبِ سابق "اور" کی حیثیت سے اپنے اجلاس منعقد کرتے اور اپنا معمولی کاروبار چلاتے رہتے تھے۔ نَو واردوں نے اپنے آپ کو "سبھا" کی شکل میں منظم کیا۔ جو معمولی سبھا کی نوعیت کی تھی۔ اس عہد کے کتبات سے جن واقعات کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اُن کا خاکہ کچھ ایسا ہی ہے۔

بعض اوقات ایسی ہی وجوہات سے ایک گاؤں میں دو "اور" اسمبلیاں منظم کی جاتی تھیں تقریباً 1220ء میں شاتا منگلم نامی گاؤں میں دو اسمبلیاں تھیں۔ ایک میں تو گاؤں کے اس حصے کے باشندگان شامل تھے جو ہندو "دیو دان" تھا۔ اور دوسری میں جین "پلی جندم" کے باشندگان شریک تھے۔ یہ دونوں اسمبلیاں ہی "اور" کہلاتی تھیں۔ اور انہوں نے ایک تالاب اور پھولوں کے باغ کی تعمیر کے لئے کچھ اراضی مخصوص کرنے اور اس کو لگان سے مستثنےٰ کروانے میں تعاون کیا۔ وہ اس طرح کہ اس اراضی کا لگان اور دیگر واجبات ادا کرنے کی ذمہ داری انہوں نے اپنے اوپر لے لی[39] اسی طرح 1295ء کے قریب اُر تُور کوڑم میں دو گاؤں کُمار منگلم اور رامن کنڈی ایسے تھے۔ جہاں دو اسمبلیاں تھیں۔ یہ گاؤں موجودہ ریاست پڈوکو میں پڑتے ہیں[39]

اُور کی ساخت اور طریق کار

"اور" کی صحیح ساخت کے متعلق ہمیں براہِ راست کوئی واقفیت نہیں۔ عام مستعمل اصطلاح "اُور" دم سے ہم یہی اندازہ لگا سکتے کہ "اور" کے بھی باشندگان اس کے اجلاس میں شامل ہوتے تھے اگرچہ مباحثے میں زیادہ حصہ گاؤں کے سرکردہ اشخاص ہی لیتے ہوں گے۔ "اور" کی ایک مجلس عاملہ ہوتی تھی۔ جو "النگم" یعنی حکمران جماعت کہلاتی تھی۔ یہ اصطلاح اکثر اپنی مختصر شکل میں "گنم" بن گئی تھی ہے۔ اور اپنی طویل میں "بہی" یا "النگم بن کر استعمال میں آتی[40] ہے اس مجلس عاملہ کے اراکین کی تعداد اور اس کی تقرری کا طریقہ ہمیں نہیں معلوم۔ ہم ایک اور اصطلاح "اُور آلوار گل" کو بھی زیر استعمال دیکھتے ہیں۔ یہ بھی "النگم" کی مترادف ہے[41]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ "سبھاؤں" کی بھی اسی طرح سادہ قسم کی مجلس عاملہ ہوتی تھی جو تمام معاملات میں اس کے سامنے جواب دِہ ہوتی تھی[42] کیونکہ بعض "گنموں" کے اراکین میں ہم بھٹو (دانشور برہمنوں) کے نام دیکھتے

ہیں۔ اس صورت حال کی ایک اور وضاحت بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ وہ یہ کہ جو بھٹ یا فاضل برہمن "آلنگم" کے ارکان ہوتے تھے وہ دراصل "اُور" کی مجلس عاملہ کے اراکین ہی ہوں گے دوسرے الفاظ میں وہ قدیم گاؤں کے اصل باشندگان میں سے ہی ہوتے ہوں گے۔ اور نئے منگلم آباد ہونے کے بعد بھی اپنے گاؤں کی سبھا کے بدستور ممبر رہے ہوں گے۔

منیور سے ملے ہوئے 922ء کے ایک کتبے میں[93] "اُور" کے دو عہدداروں "تنڈل" اور "نیائیتار" کا ذکر آتا ہے۔ اور ان کے علاوہ نو دیگر افراد کا جن کے ناموں سے پہلے "اور کیچ چمیندپاڈی" کا فقرہ استعمال کیا گیا ہے جس سے یا تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص مواقع پر "اور" کی عوامی مجلس کی نمائندگی کرتے تھے یا عارضی طور پر اس کی مجلسِ عاملہ کا کام دیتے تھے۔

سبھا کی ساخت اور طریق کار

اصولی طور پر سبھا مقامی نظم و نسق کے لئے زیادہ پیچیدہ نظام رکھتی تھی اور بیشتر اپنی کمیٹیوں کے ذریعے سے کام کرتی تھی جو "وارئم" وارئم" غالباً تامل لفظ ہے لیکن اس کے صحیح معنی صاف نہیں ہیں۔ تامل کے لفظ "واری" یعنی آمدنی سے اور کنڑ کے فقرے "سخت مطالبہ" سے اس کا تعلق ہوسکتا ہے۔[94] یہ بھی ممکن ہے کہ "وارئم" اصل میں سنسکرت کے لفظ "واریہ" کی تامل صورت ہو۔ "واریہ" کے معنی سنسکرت میں "منتخب" ہیں دراصل۔

وارِئم

ایک کتبے میں منتخب کرنے کے فعل کے لئے "وارئم شیدل" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور سبھا کی مجلسِ عاملہ کو "درئم" کہا گیا ہے۔[95] اور لفظ "وارئر" کا مطلب ہے وہ افراد جو بعض مخصوص فرایض کی ادائیگی کے لئے "سبھا" نے ملازم رکھے ہوں۔ جب مُول پرَوڈئی، یا سچندرم مقامی مندر کا انتظام کرنے کے ناقابلِ ہوتی تو "سبھا" اس کام کو کرنے کے لئے دو "وارئر" مقرر کردیتی تھی جو سبھا کی جانب سے یہ فرض انجام دیتے تھے۔ مانگور سے دستیاب شدہ پانڈٹں کے ایک کتبے میں، جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے، یہ شرط تحریر کی گئی ہے کہ کسی بھی قسم کی "وارئم" ایسے اشخاص کے سپرد نہیں کی جائیگی جو کچھ مخصوص قابلیتوں سے عاری ہوں "وارئم" کی ابتدائی تاریخ بالکل دھندلی ہے لیکن اس امر کا کافی ثبوت موجود ہے۔ کہ دیہاتی نظم و نسق

میں انتظام کی خاطر مختلف کمیٹیوں کی باضابطہ تقرری ایک خاصے طویل تجربے، آزمائش اور غلطیوں کا ماحصل تھی۔ ابتدائی مرحلوں میں ایسا کام کچھ افراد یا بہت چھوٹی جماعت کرتی رہی ہوگی۔ بشری نواسنو کے ایک کتبے میں ایک ایسے ادارے کا ذکر ہے جو کسی مخصوص عارضی مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اور ایک ہنگامی "وارِیَم" جیسا دکھائی دیتا ہے۔[46] اس کتبے کی بالکل صحیح تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں حکمرانِ وقت راجہ کا ذکر اس کے نام سے نہیں بلکہ اُس کے لقب "راج کیسری" سے کیا گیا ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ قدیم چولا کتبہ ہے: "یہ وارِیَم" علاقائی سبھا نے مقرر نہیں کی تھی بلکہ ہندر منگلم کی "مول پرُوڈئی" نے اس کی تقرری کی تھی جو مقامی مندر کی نگران تھی اور "وارِیَم" کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ مندر کی ملکیتی "دیودان" اور "ارائیلی ارضیات" کی مستند وضاحت اور اس کے رقبے حدود کا صحیح اندراج کرائے۔ اسی طرح کی خاص "وارِیَم" کی اور بھی کئی مثالیں ہونگی جن کا تقرر کچھ مخصوص مقاصد کے لئے کیا گیا ہوگا۔ اب اس بات کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ان آزمائشوں سے جو تجربہ حاصل ہوا اُس نے نظم ونسق میں "وارِیَموں" کے نظام کو توسیع دی یا کمیٹیوں کی جو مشینری اپنے کام کے لئے سبھا نے وضع کی تھی اُس کو دیگر کارپوریشنوں نے اپنا لیا۔ کافی دیر بعد ۹۰۱ء میں ترُوکڈائیور کے ایک "نل وارِیَم" کا ذکر ملتا ہے۔ جو بلاشبہ سبھا کے تحت کام کرنے والا افسر تھا[47] سبھا کی مجلس عاملہ کے ارکان عموماً "واریہ پیرُومکل" کہلاتے تھے[48]

مختلف سبھاؤں میں "وارِیَموں" کی تعداد اور نوعیت اور اُن کی تقرری کا طریقہ مختلف ہوتا تھا ایسی "وارِیَموں" کی تشکیل کی بہترین مثال جو ہمارے علم میں ہے، وہ اُتّر میرورُ کی سبھا ہے۔ یہ گاؤں آج بھی اسی نام سے ضلع چنگلی پٹ میں موجود ہے۔ اور پھل پھول رہا ہے اور اُس کی شان وشوکت کے بیشتر آثار بدستور برقرار ہیں۔

اُتّر میرورُ

اس صاف ستھرے اور منصوبے بند طریقے سے تعمیر کئے گئے گاؤں کے لگ بھگ دو میل مغرب کی جانب واقع آبپاشی کا ایک عظیم تالاب بلاشبہ وہی مشہور ویرمیگھا تٹکا ہے جس کا تذکرہ اُتّرمیرورُ کے پلو اور چولا کتبوں میں موجود ہے۔ یہ وہ تالاب تھا جو اُن دنوں میں سبھا کی بیشتر توجہ کا مرکز تھا اور اُسے ایک مخصوص تالاب کمیٹی کے زیر انتظام رکھا گیا تھا جو "ایری وارِیَم" کہلاتی تھی پرانتکا

اوّل کے بارہویں سالِ حکومت ۹۱۹ یعنی ۹۱۹ء میں سبھا نے ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے اس کی مجلس عاملہ میں تقرری کے لئے طریق کار متعین کیا گیا اور سبھا کی پانچ مجالس عاملہ مقرر کی گئیں۔ یہ قرارداد (دیوستھا) راجہ کی حکومت کے فرمان (شری مکھم) کے ذریعے اجلاس میں شرکت کیلئے بھیجی گئی تھی۔ اِس نئے انتظام کا اصل مقصد یہ تھا کہ مذکورہ کمیٹیوں میں نہ صرف تیئس "کڈمبو وُن" (وارڈز) کی نمائندگی ہو سکے، جن میں پورا گاؤں منقسم تھا۔ بلکہ بارہ شیریوں "(گلیوں) کو بھی حق نمائندگی مل سکے جن میں یہ وارڈ تقسیم کئے گئے تھے۔ انتخاب قرعہ اندازی (کڈو ولئی) کے ذریعے ہوتا تھا۔ لیکن انتخاب اُن چند امیدواروں تک محدود رہتا تھا جن کو "کڈمبو"، خود کچھ اصولوں کے مطابق باقاعدہ نامزد کرتے تھے۔ ان اصولوں کی رو سے ایسی نامزدگی کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط پوری کرنا پڑتی تھیں۔ کمیٹیوں میں "کڈمبو" اور "شیری"، دونوں کی نمائندگی کو یکجا کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور اس کے بعد جو تعطل پیدا ہوا تو دو برس کے بعد کمیٹیوں کے چناؤ کے طریقہ میں اصلاح کی ایک اور کوشش کی گئی "شیری"، گوشۂ گمنامی میں چلی گئی۔ اور کمیٹیوں میں کڈمبوؤں کی براہِ راست نمائندگی ہی واحد مقصد ٹھہری۔ لیکن اس ترمیم کے موقع کو کچھ دیگر سوالوں کی وضاحت کے لئے بھی استعمال کیا گیا۔ جو درمیانی وقفے میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ نیز اس کی بدولت کڈمبوؤں کی جانب سے نامزدگیوں کے لئے زیادہ مفصل اور خصوصی ضابطے بنائے گئے۔ آئین پر نظرِ ثانی بھی راجہ کے ایک افسر کی موجودگی میں کی گئی اور یہ سبھا کی ایک "ویوستھا" (قرارداد) کی صورت میں لکھی گئی۔ اس سے اگلے ہی برس ۹۲۱ء میں جو پرانتکا اوّل کا پندرہواں سالِ حکومت تھا۔ سبھا نے گاؤں کی سبھی باشندگان کی خاطر سونا پرکھنے والی ایک کمیٹی کا تقرر کیا۔ یہ کوئی نئی "وارئم"، نہیں تھی۔ یہ آٹھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تھی جو ٹیکس ادا کرنے والے اُن شہریوں میں سے بذریعہ قرعہ اندازی چُنی گئی تھی۔ جو گاؤں کے مخصوص حصّوں میں رہائش پذیر تھے۔ اور جو سونا پرکھنے کے فن میں مشہور تھے یہ کمیٹی غالباً سبھا کی "پون وارئم"، (سونے سے متعلقہ کمیٹی) کے کام میں مدد کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔

دیگر سبھائیں

ہمیں کسی بھی دوسری سبھا کی ساخت اور طریق کار کے متعلق اس قدر معلومات حاصل نہیں جتنی کہ "اُترمیرور"، کے بارے میں۔ تاہم کتبوں میں جو دیگر مقامات کی سبھاؤں کے حوالے

دیے گئے ہیں، اُن سے ہمیں یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف انتظامی فرائض کی تفصیلات ان کمیٹیوں کے سپرد کرنے کے طریق کار کی تقلید دوسری سبھاؤں نے بھی کی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اتنی تفصیلات میں جانا ایک کمیٹی کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ کام اعزازی نوعیت کا ہوتا تھا اور کسی بھی کتبے یا دستاویز میں کسی رقم کی ادائیگی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اور کسی سے اس سے زیادہ توقع بھی نہیں کی جاتی تھی کہ وہ اپنے وقت اور استعداد کا محض کچھ حصہ ایسے کاموں میں لگائے گا۔ بہت ساری کمیٹیوں کے مابین جن کی تعداد گاہے بگاہے بدلتی رہتی تھی، کام کی تقسیم قدرتی تھی۔ چنانچہ اسی کو اپنایا گیا[52] راج راجا اوّل کے گیارھویں سالِ حکومت سنہ 996ء کے دو کتبات جو تینیری سے ملے ہیں، دیہی نظم و نسق کی ان تدابیر کے ایک مقام سے دوسرے تک بتدریج پھیلنے اور مقبول ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کتبوں میں سے ایک میں اتم شولا چترویدی منگلم کی دیہی سبھا کی ایک قرارداد درج ہے۔ کہ "وارئم" میں خدمت کرنے کا وہی مستحق سمجھا جائے گا جسے "منتر برہمن" کا علم ہوگا اور دیہی مجلس کی قراردادوں کے مسودے بھی بنا سکے گا[53] اور اگر اس کی قرارداد کی خلاف ورزی کوئی شخص کرے گا تو وہ اسی سزا کا مستوجب ہوگا جو راجہ کی حکم عدولی کرنے والوں کو ملتی ہے۔ تردوانئی مرُوتار پدم دنڈم" اس قرارداد کو منظور ہوئے دو مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ اسی سبھا نے ایک اور قرارداد منظور کی جس کا مقصد اُن لوگوں کو "وارئم" کی رکنیت اور اس کی قرار دادوں کے مسوّدے بنانے کے شرف سے محروم کرنا تھا۔ جو کسی برہمن کا مال چوری کرنے یا اُس سے زیادہ کسی سنگین الزام کے مجرم قرار پائیں دمیل پڈو کرم۔ اگر ثبوت کی ضرورت ہو تو ان قرار دادوں کی سادگی اور ان کی تشکیل کی تدریجی نوعیت اور تاریخیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کثیر التعداد سبھاؤں کی اپنے آئین اور انتظامی تدابیر کو ترقی دینے کی رفتار ایک سی نہیں تھی۔ جب اتم شولا چترویدی منگلم کی "دیہی سبھا" میں یہ قراردادیں منظور کی گئیں تو راجہ کی حکومت کا کوئی افسر سبھا کے اجلاسوں میں موجود نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ زیادہ تر ان سبھاؤں کے کام میں مداخلت نہیں کی جاتی تھی اور ہر سبھا اپنے مخصوص حالات کے مطابق ایسے انتظامات کرنے میں آزاد ہوتی تھی جو اس کے حالات کے لئے سازگار ہوں، مثال کے طور پر امنی نارائن چترویدی منگلم کی سبھا نے پارتھی وبندر ورمن کے تیسرے سالِ حکومت میں کم از کم نو "وارئموں" کی تشکیل کی[54] جبکہ سنہ 919ء کے تردپار کڈل کے ایک کتبے میں صرف چار وارئموں کا ذکر ملتا ہے[55]

ستو ملی، تعلقہ، منرگڈی، ضلع تنجور کے ایک کتبے میں جو ککا الف) دھیراجندر کے تیسرے

سالِ حکومت کا ہے، ایک بڑے دلچسپ "گرم دیوستھا" (گاؤں کی ایک آئینی قرارداد) درج ہے جو سبھا نے اپنے مکمل اجلاس میں منظور کی۔ یہ اجلاس پہلے سے اطلاع دے کر بلایا گیا تھا۔ اور ایک شاہی افسر کی موجودگی میں منعقد ہوا تھا۔ اس قرارداد میں یہ کہا گیا ہے کہ سبھا کی مجلس عاملہ (آدر کوتم) نیز وارئموں" (یعنی آدر وارئم) اور ناڈو کی وارئموں (پورن گرامیئ) کے وہی لوگ ممبر منتخب کئے جائیں گے جو شاسن بدھ اور "ساسن بدھ مکل" ہوں گے۔ اگر ان کے علاوہ دوسرون کو ان کمیٹیوں میں کام کرنا ہے تو ان کا انتخاب سبھا کے مکمل اجلاس میں ہونا ضری ہے جو ایک شاہی فرمان (ترڈوانیئ) کے ذریعہ مناسب نوٹس کے بعد طلب کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اگر حکومت براہ راست اُن کا تقرر کردے (اپڈی انٹر کے راج کلنال ورنن جیورا) تو "کوتم" کے لئے فی شیری دس ممبران" "وارئم" کے لئے فی شیری ایک ممبر اور ناڈو وارئم کے لئے فی شیری تین ممبران ہونے ضروری ہیں۔ اور ہر حالت میں صرف وہی افراد چنے جا سکیں گے جو متعلقہ کمیٹی میں پانچ برس کام نہ کر چکے ہوں اِن پانچ برسوں میں انتخاب کا سال بھی شامل ہوگا۔ کتبے کی عبارت یہاں اچانک ختم ہو جاتی ہے اور شاید مکمل نہیں ہے۔ لیکن اس کا جو حصّہ باقی بچا ہے، دو پہلوؤں سے اہم ہے۔ ایک تو اِس میں گاؤں اور ناڈو کی مجلسِ عاملہ کے رُکن کی حیثیت سے تقرّری کے لئے تین متبادل طریقے بتائے گئے ہیں (۱) موروثی حق جس کی ضامن "شامن"، ہوئی (۲) سبھا کا خود انتخاب کرنا (۳) حکومت کی ہوئی تقرّری۔ پھر اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ افراد کا ایک طبقہ اپنے نجی استحاق کی بنا پر سبھی انتظامیہ عہدوں کے لئے اہل تصوّر کیا کیا جاتا تھا۔ اس طبقے کو "شاسن بدھ"، اور شاسن بدھ مکل" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ اصطلاحیں آسان نہیں ہیں اور ان کی وضاحت محض آزمائشی طور پر ہی کی جا سکتی ہے۔ اتم چولا کے عہدِ حکومت کے ایک کتبے سے جو ضلع تنجور میں شیمبئن مہادیوی کے مقام سے ملا ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ اِس گاؤں کے شاسن بدھ جترویدی بھٹ تانپ پیرڈمکل" کو وجود میں لانے والی وہی مہارانی تھی جس کے نام سے یہ "برہم دیہ" گاؤں موسوم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ اصطلاح اُن آدمیوں کے لئے استعمال ہوئی ہے جن کے نام "شاسن"، کے اس اصل دستاویز میں درج ہیں جس کی رو سے یہ "برہم دیہ"، وجود میں آیا، اور جو اپنی قابلیت اور اونچے کردار کی بدولت منتخب کئے گئے ہیں۔ اور ہمارے کتبات "مکل"، کی جو اصطلاح آئی ہے۔ اس کا مفہوم ان افراد کی اولاد ہو سکتا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہوئی تو اس سے ہم مزید یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ "برہم دیہ" اراضیات کے موروثی مالکوں کو مقامی معاملات کے انتظام میں دوسروں کو اپنا شریک بنانے میں کوئی عذر نہیں تھا۔ اور اگر ضروری ہوتا تھا تو وہ اپنی

جاہ طلبی کے دائرے کو محدود رکھنے پر بھی قانع ہو جاتے تھے تاکہ ان کے ساتھیوں کے لئے گنجائش نکل سکے۔ یا غالباً اُن کو بدلتے ہوئے حالات کے دباؤ کی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑتا تھا۔

دوسری جانب ایسی مثالوں کی بھی ہمارے یہاں کمی نہیں جہاں راجہ کی حکومت سبھا کے آئینی ڈھانچے کو منضبط کرنے کی خاطر حکومت کی مداخلت کی مثالیں جو عام طور پر چولا عہد حکومت کے آخری حصّے سے تعلق رکھتی ہیں، نایاب نہیں ہیں۔ اِن مثالوں سے اگرچہ یہ صاف واضح نہیں ہے۔ تاہم قرین قیاس یہی ہے کہ تحریک خود سبھاؤں کی جانب سے ہوتی تھی اور آئینی بندوبست کی تمام شرائط جن کی اطلاع راجہ کو اس کے افسران کی جانب سے دی جاتی تھی اور جنہیں راجہ اپنی منظوری عطا کرتا تھا، کی بنا متعلقہ اسمبلی ہی کی منظور کردہ قرار دادوں پر رکھی جاتی تھی۔ البتہ کتبوں میں صرف اس کے افسروں ہی کی پیش کردہ تجاویز پر راجہ کی جانب سے دی گئی منظوری کا اندراج ملتا ہے۔ تلائی تانئر (ضلع تنجور) کا ایک کتبہ جو کلوتنگا سوم کے ساتویں سال حکومت کے تہتر[73]ویں دن کندہ کیا گیا تھا[65]۔ ایک خط کی شکل میں ہے جو شہنشاہ کی جانب سے کلوتنگا شولن تنی نائک چترویدی منگلم کی سبھا کو اور اسی گاؤں کے تنڈوان (کللٹرم) کو ارسال کیا گیا تھا۔ اس میں اسمبلی کی مجلس عاملہ (کوٹم) کے چناؤ کے قوانین درج ہیں[66]۔ جو راجہ نے اپنے دو سرکاری افسروں برہمیندر اور وانا دھیراج کی سفارش پر منظور کئے تھے۔ یہ قوانین ترومندر اولئی کے تحریر شدہ ہیں۔ اِن کی تصدیق نو دیگر عہدیداروں نے کی تھی جن کے منصب کے آخر میں "رایا"، یا "راجہ"، کا لفظ ضرور ہوتا تھا یہ سب بلاشبہ مرکزی حکومت ہی کے کارندے ہوں گے۔ یہ قواعد حسب ذیل تھے۔ شہنشاہ وقت کے ساتویں سالِ حکومت سے صرف وہ اشخاص "کوٹم"، کے رُکن منتخب ہو سکیں گے جو اس سال سے قبل دس سالوں میں "کوٹم" کے ممبر نہ رہے ہوں جس میں کہ چناؤ کیا جا رہا ہو۔ امیدوار لازماً چالیس سال سے زیادہ عمر کے برہمن ہونے چاہییں جو فاضل، غیر جانبدار اور غیر متعصب ہوں جو افراد شہنشاہ کے ساتویں سال حکومت سے پانچ برس قبل اور پانچ برس کی مدت میں "کوٹم" کے رکن رہ چکے ہونگے ان کے رشتہ دار "کوٹم" کے رکن چنے جانے کے لئے نااہل قرار دئے جائیں گے راجہ کا حکم یہ بھی تھا کہ وہ سب برہمن جو اعمالِ بد (دنئ کیڈر) کے مرتکب ہو، یعنی لگان اراضی (کڈمئ) کی عدم ادائیگی کے خطاوار ہوں اور کمزور برہمنوں پر نیز معزز مزاعین پر ظلم کرتے ہوں، انہیں اُن کے جرائم کے تناسب سے معقول جرمانے کئے جائیں۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ "کوٹم" کے ممبر رہ چکے ہوں یا نہیں اس آخری دفعہ نیز منتخب ہونے والے امیدواروں کے لئے غیر متعصب اور غیر جانبدار ہونے

کی شرط سے ہمارے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کتبے میں جو اصطلاحات درج ہیں اُن کے نفاذ سے کچھ عرصہ قبل تلئی نائر میں مقامی نظم و نسق کو بڑھتی ہوئی باہمی ناچاقی اور تشدد سے نقصان پہنچا تھا۔ اس طرح مقامی آئین کو شاہی منظوری عطا کرنے کی ایک اور مثال ایم پٹی نامی گاؤں میں ملتی ہے[58]۔ یہ واقعہ پانچ برس بعد یعنی ۱۰۹۱ء کا ہے شہنشاہ نے نلمبا درایا کے ایما پر یہ حکم دیا کہ راجہ شولا چترویدی منگلم کی سبھا مجلس عاملہ (واریم) کا انتخاب ان لوگوں میں سے کیا جائے گا جو پہلے اس میں کام نہیں کر چکے ہوں گے۔ اور جن کی عمر چالیس برس سے کم نہ ہوگی۔

اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے کہ گاؤں کی اسمبلیاں چولوں کے عہدِ حکومت کے اواخر میں کسی کام کے آغاز کرنے کا اپنا حق کھو بیٹھی تھیں۔ اور براہ راست مرکزی حکومت کے اختیار میں چلی گئی تھیں۔ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ کام دولی چترویدی منگلم کی "مہا سبھا" نے ۱۱۲۳ء میں یہ قرارداد منظور کی تھی کہ وہ پہلے اپنے کسی فیصلے پر کاربند رہیں گے جس کے مطابق اُن کی مجلس عاملہ (گرام کاریم) ان لوگوں میں سے چنی جا سکتی تھی جو سال بہ سال ٹھیکے کی بنیاد پر اس میں کام کرنے پر رضامند ہوں[59]۔ اور اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ایسے کسی موقعے پر مرکزی حکومت سے مشورہ یا منظوری لی گئی ہو۔ اسی طرح شیمبئن مہا دیوی کی مہاسبھا نے اپنی ہی مرضی سے یہ قرارداد منظور کی تھی کہ وہ مقامی نظم و نسق (گرام کاریم) کے لئے اور سبھا کی آمدنی کے معاملات (کڈمئی کاریم) پر غور و خوض کرنے کے لئے رات کو اپنے اجلاس منعقد نہیں کرے گی۔ کیونکہ رات کے اجلاسوں کے باعث کام میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور چراغوں میں تیل کا فاضل خرچ بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے وہ دن مقرر کر دیا جس سے یہ نیا طریق کار نافذ ہونا تھا۔ انہوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ وہ مجلس عاملہ (گوٹم) میں کسی ایسے شخص کو جو ایک بار اپنی رکنیت کی میعاد پوری کر چکا ہو پانچ برس کے اندر دوبارہ تقرری نہیں کریں گے[60]۔ یہ کتبہ راج راجا سوم کے سترھویں سال حکومت کا تحریر کردہ ہے۔ یہاں "گرم کاریم"، یا مقامی معاملات اور "کڈمئی کاریم"، یعنی مالیاتی شعبے میں جو امتیاز رکھا گیا ہے۔ وہ خصوصی طور پر قابلِ توجہ ہے۔ گو یہ فرق دوسرے کتبات میں کہیں بھی واضح طور پر نہیں ملتا۔ لیکن ہم یہ قیاس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس کو تمام دیہی اسمبلیوں میں یکساں طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان اسمبلیوں کی کچھ واضح ذمہ داریاں اپنے علاقے کے متعلق ہوتی تھیں اور کچھ مرکزی حکومت کے متعلق۔

آخر میں ایک کتبہ راج راجا سوم کے تئیسویں سال حکومت کا ہے[60 الف] جو تبنگنور

(ضلع تنجور) سے دستیاب ہوا ہے۔ اور چولا عہد کے اواخر کے مقامی انتظامیہ اداروں کو سمجھنے کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ گاؤں کی اسمبلی کے آئینی اور دوسرے معاملات کے متعلق ایک دستاویز ہے۔ اس میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ان انتظامات کا حکم جاری کرنے والی وشویشوارا دیوا کے مندر کی "مول پروشئ ہے" دیویشوارا دیور کوئل مول پروشئیار کوٹن گرئی وڑک۔ کوڈی ارند دگرام کارئم دیوستھئ پنناپڈی اس سے صاف ظاہر ہے کہ مندر کی مول پروشئ (مول پریشت) نے وہ اصول بنائے جو گاؤں کے انتظامات چلانے کے بارے میں اس کتبے میں درج ہیں۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ مہاسبھا نے جس کا ذکر آگے چل کر اس کتبے میں آیا ہے۔ خود اپنے معاملات کو طے کرنے کے بجائے اہم مسائل کا فیصلہ "مول پروشئ"، پر کیوں چھوڑ دیا تھا تاہم کتبے کے عام رجحان سے ہم یہ قیاس کرسکتے ہیں کہ مہاسبھا اراکین کے شدید باہمی اختلافات کے باعث تسلّی بخش فیصلے کرنے میں ناکام رہی اور اس نے یہ ضرورت محسوس کی کہ پورے معاملہ کو ثالثی کے لئے کسی بیرونی ادارے کو سپرد کردے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو یہ بات خالی از اہمیت نہیں کہ مہاسبھا نے ایک اور مقامی ادارے سے مدد طلب کی نہ کہ راجہ کی حکومت سے۔ ممکن ہے کہ راج راجا سوم کے عہد کے خاتمے کے قریب مرکزی حکومت اپنی اہلیت کھو بیٹھی ہو اور رعایا کی نظر میں بھی اس کا زیادہ اعتماد نہ رہا ہو۔ اس موقعے پر بنایا گیا کم از کم ایک قانون اس بات کا شاہد ہے کہ اسی عہد میں راجہ کی حکومت کے کارندے (مُدلگل) بھی مقامی انتظامیہ اداروں کے خوش اسلوبی سے چلتے ہوئے کام میں کچھ مخصوص دھڑوں کے ساتھ سازشیں کرکے روڑے اٹکاتے تھے۔

جو قواعد آگے چل کر اس کتبے میں ملتے ہیں۔ وہ ان فیصلوں کی جو کئے گئے تھے، وضاحت کرتے ہیں۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ "مول پروشئ"، کو اپنے فریضے کی غیر معمولی دشوار نوعیت کا پورا احساس تھا۔ اُن کی سب سے پہلی قرار داد گاؤں کی انتظامیہ (کوٹم) کی آئینی تشکیل سے تعلق رکھتی ہے۔ بہت ہی پرانے وقتوں سے یہ رواج چلا آتا ہے (انا دیاگ دیوستھائی) کہ جب گاؤں کی مجلس عاملہ چنی جاتی تھی (نموَر کوٹم اِڈم اِڈتو) تو جو اشخاص ایک مرتبہ اس کے ممبر رہ چکے ہوتے تھے وہ اپنی میعادِ رکنیت کے ختم ہونے کے بعد پانچویں برس میں ہی دوبارہ منتخب ہوسکتے تھے۔ اُن کے بیٹے اپنے باپ کی میعادِ رکنیت کے چوتھے برس میں، اور ان کے بھائی تیسرے برس میں اسکے رکن مقرر ہوسکتے تھے اور اس قدیم دستور کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مزید یہ فیصلہ ہوا کہ وہی لوگ مجلس عاملہ کے لئے چنے جائیں گے جن کی عمر چالیس برس سے کم نہ ہوگی۔ "کوٹم" اُن لوگوں

کی منظوری ہی سے چُنی جائے گی جو"اُور" کی حیثیت سے موقع پر جمع ہوں گے۔ جیساکہ ہمارے بزرگ کرتے تھے"، پُورو پرشاگل شیہ دیڈک کیڈاگ۔ بعض افراد جو دھوکے دھڑی سے دال ودی بھیس بدل کر "مڈیگل" یعنی سرکاری کارندوں کی امداد سے یا ان قوانین کی خلاف ورزی کر کے منتخب ہو جاتے۔ وہ گاؤں کے غدّار قرار دئے جاتے تھے اور اُن کی تمام املاک ضبط کر لی جاتی تھی۔ "کوٹم" ہر مرتبہ صرف ایک برس کے لئے چُنی جاتی تھی (سم وتسرورنم) وہ لوگ بھی جو اس عرصے سے زیادہ اپنے عہدوں سے چمٹے رہتے (میٹریڈی نیٹرار) وہ بھی گاؤں کے غدار تصوّر کئے کئے جاتے تھے اور انہیں بھی مذکورہ بالا سزا دی جاتی تھی۔ اسلاف کی روایات کی پابندی، "اور" کی رضامندی اور منظوری پر زور دینا، "مڈگل" یعنی سرکاری اہلکاروں کے ناجائز اثر و رسوخ کے خلاف احتجاج، اور مجلس عاملہ پر ناجائز طریقوں سے غلبہ حاصل کرنے کی یا مقررہ میعاد سے زیادہ دیر تک اپنے عہدے سے چمٹے رہنے کی کوشش کے لئے کڑی سزا، یہ سب اس قرارداد کی وہ خصوصیات ہیں جو ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ البتہ ہم کو یہ نہیں معلوم کہ مجلس عاملہ کا انتخاب اصل میں کس طرح سے ہوتا تھا۔ نہ اس بات کا کچھ پتہ چلتا ہے کہ "اور" اپنی منظوری کا اظہار کس طرح کرتی تھی ظاہر ہے کہ کتبے سے ہم کو یہ پوری داستان نہیں معلوم ہوتی۔ اس سے ہم کو صرف اُن چند نکات پر فیصلوں کا علم ہوتا ہے۔ جو زیرِ بحث آئے تھے۔ باقی باتوں کا علم اس وقت عام طور سے سب لوگوں کو تھا۔

"دیوستھا" کا باقی حصّہ مالی اور مالیاتی انتظام سے تعلق رکھتا ہے گاؤں کے "کڈمئی" اور کڈی مئی (عام مالیہ) نیز سبھا دنیوگم" یعنی مقامی محصول کرتے ہوئے "کوٹم" کے اراکین کو صرف جائز واجبات (یرابتیم) ہی وصول کرنا چاہئے۔ اور اس سے فاضل کچھ وصول نہیں کرنا چاہئے "سبھا دنیوگم" کو "کڈی مئی" کے خلط ملط نہ کیا جائے بلکہ انہیں الگ الگ وصول نہ کیا جائے۔ اور اُن کو خرچ بھی اُن تحریری احکام کے مطابق کیا جانا چاہئے۔ جو محاسب کو الگ ارسال کئے جاتے ہیں۔ دکن کنکو نیوگم ایلیو دِک کو ڈتو۔

اگر کسی واحد مد پر دو ہزار کاشو سے زاید خرچ کرنا ہو تو اُس کے لئے خرچ کرنے سے پہلے مہا سبھا کی تحریری منظوری حاصل کرنی ہوگی۔ اگر ان قواعد سے انحراف کر کے کوئی خرچ کیا جائے یا ٹیکسوں یا دیگر واجبات کی کوئی فاضل رقم وصول کی جائے۔ تو رقم کا پانچ گنا جرمانہ کیا جائے گا۔ جو لگانِ اراضی کے نادہندگان پر عاید شدہ تعزیری ٹیکس کی رقم کے ساتھ سبھا کے

کے خزانے (سبھا دنیو گم) میں جمع کرنا ہو گا دناد ہندگان کو جن کے ذمے لگان اراضی کے بقایاجات ہوتے تھے۔ واجب الادا ٹیکس سے دگنی رقم ادا کرنی ہوتی تھی) سب سے آخری بات یہ طے کی گئی۔ کہ گاؤں کا محاسب اور "کارنم"، نیز کڈمبو" کے افسران ہر سال بدل دئے جائیں گے۔ اور وہ قانونی طور پر ان کے نام جاری کئے گئے احکام کی تعمیل کریں گے۔" آنڈو مارڈی نیوگ پڈی ترکگ، کڈو ڈاگوم ہمارے پاس یہ ٹھیک طرح سے معلوم کرنے کا کوئی وسیلہ موجود نہیں کہ "وارئم" اور کڈمبو" کا گاؤں کے معاملات میں کیا صحیح صحیح کردار ہوتا تھا۔ ان اداروں کی کارکردگی کے بارے میں بھی دوسرے امور کی طرح ہماری معلومات غیر مکمل ہیں۔

سبھا، مہا سبھا، اور اس کے ہم معنی قابل الفاظ "مثلاً کُرِی "اور "بیرن گُری"، ایک ہی ادارے کے لئے استعمال ہوئے ہیں کبھی اسے بیرن گُری مہاسبھا" بھی کہا گیا ہے۔ اس کے ممبران کو مجموعی طور پر "پیرُن مکل کہا جاتا ہے اور کئی کتبوں میں ان کے لئے زیادہ ذی احترام اصطلاح" تردوڈیا" بھی استعمال کی گئی ہے۔ سبھا بالعموم اپنے اجلاس گاؤں کے مندروں یا منڈپوں میں منعقد کیا کرتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "برہم ستھان"، کی اصطلاح [61] سبھا کے اجلاسوں کے انعقاد کے لئے مقررہ جگہ کے لئے مستعمل تھی۔ بعض اوقات "سبھا" کے اجلاس گاؤں کے باہر کسی تالاب کے کنارے یا کسی درخت کے نیچے منعقد ہوتے تھے لیکن اس کی وجہ اجلاس کے لئے کسی محفوظ جگہ کی قلت یقیناً نہیں تھی اس طرح کے اجلاسوں کی کچھ مثالوں سے ہم اس کی یہ وجہ قیاس کرسکتے ہیں کہ ان اجلاسوں میں بعض اوقات جو کام کاج ہوتا تھا۔ وہ اتنی نامبارک نوعیت کا ہوتا تھا کہ اس کا گاؤں کے رہائشی حصے سے باہر ہی تکمیل پذیر ہونا مناسب تھا [62] عموماً سبھا کا اجلاس ڈھول شاڑی بجا کر بلایا جاتا تھا۔ اجلاس کا اعلان اکثر بگل (کالم) یا دوہرا بگل (ارٹئی کالم) بجا کر بھی کیا جاتا تھا [63] بشرط ضرورت اجلاس راتوں کو بھی منعقد کئے جاتے تھے

نگرم

"نگرم" ایک اور طرح کی مقامی اسمبلی تھی۔ جو اتنی زیادہ عام نہیں تھی جتنی کہ "اُور" اور "سبھا" یہی نگرم" کی اصطلاح بعض اوقات کچھ پیشہ ور جماعتوں کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی۔ مثلاً "سالیہ نگرتوم" [64] لیکن جب بعض مقامات کی "نگرم" کا ذکر ہو مثلاً اُنُّو پوری [65]، ترو پلنم [66] پراکیسری پورم [67]۔ اور تکولم کی نگرم [68]۔ اور کانچی کی نگرم [69] تو ان سے وہ علاقائی اسمبلیاں مراد ہیں جو

اپنے منصب اور فرائض کے اعتبار سے "سبھا" اور "اُور" کی مشترک خصوصیات رکھتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تلئی ستھانم جیسے بعض مقامات پر "نگرم" اور "اُور" ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اپنے فرائض پر انجام کرتی تھیں۔

غالباً "نگرم"، تاجروں کی ایک بنیادی اسمبلی تھی جو اہم تجارتی مراکز میں مقامی اسمبلیوں میں سے ایک ہوتی تھی، اور ان مقامات پر صرف یہی ایک اسمبلی کام کرتی تھی جہاں تجارتی مفادات اور دوسرے مفادات سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔

ناڈو

ناڈو کی نمائندگی کرنے والی علاقائی اسمبلیاں بھی موجود تھیں اور یہ بعض اہم فرائض سرانجام دیتی تھیں۔ بالخصوص لگان اراضی سے تعلق رکھنے والے معاملات۔ "اُور" کی طرح ناڈو کے معنی بھی "علاقے کا ایک حصہ ہیں"۔ اور بطور ایک ناڈو کی متحد اور منظم نوعیت ہمیں کتبات میں دی گئی۔ ناڈا ای ستیندا ناٹوم" جیسی اصطلاحات سے معلوم ہو جاتی ہے یعنی "ناڈو کے باشندگان جن سے "ناڈو کی تشکیل ہوئی"[71] یہ انجمن اپنے نام پر اوقاف جاری کرتی تھیں[72]۔ اور ان کا بندوبست کرتی تھیں[73]۔ ایک پراکسیری راجہ کے عہد میں ایک شخص کنڈن مڑون نے جو چولا شہنشاہ کا جاگیر دار تھا۔ کنراکوڑم کی "ناٹار"، یعنی ناڈو اسمبلی کے نام ایک فرمان جاری کیا[74] جس میں درج تھا کہ اس جاگیر دار نے ایک شخص کو کچھ اراضی کا عطیہ بطور "کانی" دینے کا فیصلہ کیا ہے اس کے لیے شرط یہ ہوگی کہ وہ دائمی طور پر پچیس[75] پون اس کے لیے بطور مالیہ ادا کیا کرے گا اور مستقبل میں جب بھی اراضیات کے لگان میں عام اضافہ کیا جائے، یہ اراضی اس اضافہ سے مستثنیٰ ہوگی۔ اس جاگیر دار نے "ناٹار" سے درخواست کی کہ وہ ان شرائط کو نافذ کرے۔ چنانچہ اس اسمبلی نے یہ اراضی متعلقہ شخص کے حوالے کر دی اور مستقبل میں لگان کے کسی اضافے کے وقت اس اراضی کا لگان نہ بڑھانے کی ذمہ داری لی۔ اراضی کی "قسم زمین" کا تعین باقاعدہ وقفوں کے بعد مالگزاری کی دوبارہ تشخیص، نیز بعض اراضیات دوامی بندوبست جو "ناٹار" کے فرائض کے طور پر اس کتبے میں شائع کیے گئے ہیں۔ وہ اس زمانے کے بندوبست اراضی متعدد قابلِ توجہ خصوصیات ہیں۔ شہنشاہ راج راجا نے "آئنی منگلم" نامی گاؤں ناگ پٹم کے بدھ وہار کو دان کرنے کا جو فرمان جاری کیا وہ بعض دوسرے اداروں اور افسروں کے علاوہ پٹنا کوڑم" کی "ناٹار" کے نام بھی جاری کیا گیا تھا۔ ناڈو کی ان اسمبلیوں کی تشکیل کے آئین، وقواعد کے متعلق کوئی بھی براہِ راست شہادت دستیاب نہیں ہوتی تاہم انہی منظم

کے بطور عطیہ دئے جانے کا جو فرمان لیڈن کے عطیہ نامے میں درج ہے، اُس پر ثبت کئے گئے متعدد دستخط اِس ضمن میں کافی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اِس فرمانِ عطیہ پر سب سے پہلے "پرودری" کے اس افسر نے دستخط کئے ہیں جو اس وقت "ناٹار" کے ہمراہ موجود تھا۔ جب انہوں نے ایک ہاتھی کے ذریعے سے زمین روند کر متعلقہ گاؤں کی حد بندی کی تھی اور پھر اُس آدمی کے ذریعے حدود کی نشان دہی کی گئی جو اُس موقعے پر ہاتھی پر سوار تھا اس کے بعد پٹنا کوزم کے ستائیس[27] دیہاتوں کے محاسبوں نے جن میں خود "انئی منگلم"، کا محاسب بھی شامل تھا اور آخر میں ان فاضل برہمنوں نے نشان دہی کی جن کی نگرانی میں تمام کاروائی مکمل کی گئی تھی۔ محاسبوں نے اپنے اپنے گاؤں کی "سبھا" یا "اور" کی جانب سے اور ان کی ہدایات کے مطابق فرمانِ عطیہ پر دستخط کئے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ ناڈو کی اسمبلی کی تشکیل اس کے تمام دیہاتوں کے نمائندوں سے ہوتی تھی یا نہیں، جن میں محاسب بھی شامل ہوتے تھے۔

کلوتنگا اوّل کے دسویں سالِ حکومت میں[75] پرملئی ناڈو کی "ناٹار"، کو تیرتھ ملئی (ضلع سلیم) کے مندر میں ایک پجاری کی تقرری کرتے دکھایا گیا ہے۔ [49]1111ء میں وڈاپنن گاڈو (ضلع پڈوکوٹہ) کی ناڈو نے یہ فیصلہ کیا کہ نل وائلوریا اس کے گرد و نواح میں اگر "امبناور" (۹) کی جانب سے قابلِ کاشت اراضی یا شاہراہ کو کوئی نقصان پہنچے گا تو اس کی پاداش میں ایک "ما"، کے برابر قابلِ کاشت اراضی بطور جُرمانہ کی جائے گی[76] جو مقامی مندر کے نام کر دی جائے گی۔ کریکال چولا دیو کے عہد کے ایک کتبے مین جمئی سے دستیاب ہوا ہے[77] وان گیاڈی کی ناڈو کا وائیو رنگریوگ وانر کے مندر کے معاملات میں بہت اہم عمل دخل بتایا گیا ہے۔ اس مندر کو دان کرنے والے کے، جو بان خاندان کا ایک سردار تھا؛ بیان کے مطابق اس کے بزرگوں نے رن بھیم منگلم کا گاؤں مندر کو دان دیا تھا۔ بعد ازاں اس سردار نے جاگیر موقوفہ اور اس کے اخراجات کی شرح میں اضافہ کر دیا اور نئی شرح کی نگہداشت وہاں کی ناڈو کے سپرد کر دی۔ یہ بات بھی دلچسپ اور قابلِ توجہ ہے کہ ناڈو کے زیرِ نگہداشت بھی تمام انتظامیہ امور ایک ہی گاؤں کے سپرد ہوتے تھے جس کا ایک سال کے لئے قرعہ اندازی سے انتخاب ہوتا تھا۔ یہ ایک ایسا قاعدہ تھا۔ جو ناڈو کی اسمبلی اور دیہی اسمبلیوں کے مابین اُس باہمی تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو کافی پہلے کے زمانے کے لیڈن کے فرمان عطیہ میں بتایا گیا ہے۔ ایک گاؤں کے گڈریوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ وہ مندر کو سالانہ ایک مخصوص رقم ادا کریں گے اور اس اقرار نامے کی تصدیق سر شٹھ[78] دیہاتوں سے تعلق رکھنے والے اٹھانوے[98] اشخاص نے کی تھی۔ یہ اشخاص خود کو "اور کمائندو" کہتے تھے یعنی وہ لوگ جو بظاہر ولوپاڈی ناڈ کی اسمبلی میں اپنے اپنے گاؤں نمائندگی کرتے تھے

یہ دیہات مذکورہ ناڈو میں شامل تھے[7]۔ الف) یہ اطلاع شری رنگم کے کتبے سے ملی ہے جس پر کلوتنگا سوم کے چھٹے سالِ حکومت ۱۱۸۹ء کی تاریخ درج ہے۔ چولا عہدِ حکومت کے اواخر کے تحریر شدہ کانچی پورم کے ایک[5]۔ کتبے میں تیلگو چوڑا راجہ مدھرانتکا پوتپی چولا کی جانب سے جیئن گونڈ اشولامنڈلم کی "ناڈور" کی ایک قرارداد کا اندراج ملتا ہے جس میں یہ طے پایا ہے کہ مختلف اقسام کی اراضیات پر فی "ویلی" (اراضی کی پیمائش کا ایک پیمانہ) چھ کلم "(وزن کا پیمانہ) دھان کی معافی "کڈمئی" (لگان) میں دی جائے گی۔ اس معافی سے مستفید ہونے والی اراضیات (کی قسمیں) یہ تھیں: تِرِ یَوریا دیودان" "تردو ڈئی یٹم"، "پلی چندم"۔ اگر پڑو۔ مڈ پرٹم جیوت پڑو۔ پڈئی پڑو۔ اور وتا پڑو بلکتی اراضی کے اقسام کی یہ فہرست بظاہر مکمل معلوم ہوتی ہے۔ اور اس میں "ناڈو" کی ہر قسم کی قابلِ کاشت اراضی شامل کر لی گئی ہے۔ لہٰذا ہمارے سامنے جو مثال ہے وہ "ناڈو" کی دی ہوئی مالیہ کی عام معافی کی مثال ہے۔ جسے علاقے کے حکمران نے اپنی منظوری عطا کر دی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ تیرھویں صدی تک بھی ناڈو کی اسمبلی کو اتنا بڑا اختیار حاصل تھا۔ "ناڈور" اکثر دیگر انجمنوں اور انفرادی افسروں کے ساتھ عدلیہ کے کاموں نیز دوسرے معاملات میں تعاون کرتی دکھائی دیتی ہیں[7]۔

تامل کتبوں میں "نگرم"، اور "ناڈو"، خواہ اور کسی اعتبار سے نہ سہی، کم از کم نام کے لحاظ سے ضرور سنسکرت لٹریچر کے "پورا" اور "جن پدا"، کے ہم معنی ہیں۔ تاہم ان سوالات کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے کہ کیا ہندوستانی نظامِ حکومت پر قلم اٹھانے والے مصنفین کو جنوبی ہند کی "اور"، اور "سبھا" کہلانے والی اسمبلیوں کا بھی علم تھا اور "جن پدا"، کے زمرے میں انہوں نے ان اسمبلیوں کو بھی شامل کیا تھا۔

اجلاسوں کی کاروائی

اوپر جن اداروں کا ذکر آیا ہے اُن کے اجلاسوں میں کاروائی کس طرح ہوتی تھی، اس کا ذکر کسی کتبے میں نہیں ملتا۔ ماسوائے اترمیرور کے باقی اسمبلیوں کی مجلس عاملہ کے چناؤ کا طریقہ بھی معلوم نہیں جہاں تک دوسرے دیہاتوں کی اسمبلیوں کی مجالسِ عاملہ کا تعلق ہے ہمیں ان کے ممبروں کی قابلیتوں اور عہدے کی میعاد کے متعلق تو علم ہے لیکن ان کے تقرری کے اصل طریقۂ کار کی بابت کچھ واقفیت نہیں ہمیں لازمی طور پر یہی قیاس کرنا پڑتا ہے کہ عام اسمبلی کی ممبری پر کوئی پابندی تھی اور گاؤں کے سبھی باشندے اس کے رکن ہو سکتے تھے۔ کتبوں میں اکثر یہ ذکر آیا ہے کہ فلاں اجلاس میں حاضری مکمل تھی

اور سب بوڑھے اور جوان اس میں حاضر تھے۔[79] (الف) کورم یعنی فیصلے کرنے کے لئے ممبران کی کم سے کم تعداد کا تصور اُن دنوں میں موجود ہونے کی کوئی گواہی نہیں ملتی۔ تاہم اجلاس طلب کرنے کے کچھ مخصوص طریقے مقرر تھے اور اس کے لئے عام طور پر مستعمل اصطلاح "کوٹ کرائی ورکوڈی اِرندو"[90] (ب) سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اجلاس کے موقع پر مجلسِ عاملہ کے سبھی ممبران کی حاضری کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ قرار دادوں کے لئے ووٹ لئے جاتے تھے۔ تاہم ظاہر ہے کہ جب کوئی سوال زیرِ بحث آتا ہوگا تو اس پر عام بحث ہوتی ہوگی اور اس بحث میں سرکردہ افراد اپنے سماجی مرتبہ کے مطابق حصہ لیتے ہوں گے۔ اور اگر زیرِ بحث معاملہ کسی خاص طبقے یا گروہ سے تعلق رکھنے والا یا اس پر اثر ڈالنے والا ہوتا ہوگا تو یقیناً اس طبقے کے نمائندگان کو اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہوگا۔ آخری اور قطعی فیصلہ اتفاق رائے سے کیا جاتا تھا۔ مانُور اسمبلی کی مانند دوسری اسمبلیوں میں بھی دھڑے بندی اور اجلاسوں کی کاروائی میں اڑچن ڈالنے کے خلاف قاعدے بنائے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے قواعد کا اطلاق رائے عامہ کی حمایت اور مدد پر منحصر ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور سے اجلاسوں کا دستور العمل سادہ ہوتا تھا اور اسمبلیوں کی حیثیت سوائے ان کی مجلسِ عاملہ کے محض ایک بھیڑ کی تھی۔ جو جمع ہو جاتی تھی۔

اسمبلیوں کے مابین باہمی تعاون

مشترکہ مقاصد کی تکمیل کے لئے مقامی اسمبلیاں آپس میں اور دوسری انجمنوں کے ساتھ تعاون کیا کرتی تھیں۔ ترنی مور کی "سبھا"، وہاں کی "نگرم"، اور "دیوکنمس"، مشترکہ طور پر وہاں کے مندر کے انتظامات صحیح طریقے سے چلانے کے لئے ذمہ دار تھیں۔ اور وہ جب اس کے معاملات پر بحث کرتی تھیں تو وہ مندر کے تھیٹر (ناٹک شالا) میں اپنے اجلاس منعقد کرتی تھیں۔[91] تروداماتور کے ایک اور مندر کے ملازمین کی تنخوا ہیں۔ اس گاؤں کی "سبھا"، "اس کی"، "اُور"، اُس کے شو برہمنوں اور "رُدرگنوں" کے ایک مشترکہ اجلاس میں مقرر کی گئی تھیں۔ "رُدرگن"، وہ لوگ تھے۔ جو مندر میں دیوتاؤں کے روبرو مقدس بھجن گایا کرتے تھے۔ اجلاس میں ان ملازمین کی حاضری جن کی تنخواہ مقرر کی جانے والی ہوتی تھی۔ یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان کی خواہشات کا احترام کیا جاتا تھا۔ یہ اس زمانے کے اقتصادی نظام کے لچکدار اور ہمدردانہ مزاج کی ایک روایتی مثال تھی۔ ایک اور مثال ایسی ہے جہاں پونُوندا کے مندر کے پجاریوں اور دوسرے ملازمین کو متعلقہ ضلع کی "ناتور" کے ساتھ[92] ایک چراغ کے لئے

دان کی گئی نقد جاگیر کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ دو پڑوسی گاؤوں کی "سبھاؤں" کے ریکارڈ میں ایک ایسی مثال درج ہے۔ جہاں کے ان دونوں گاؤوں نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ وہ ایک تصور کئے جائیں گے۔[83] یہ واقعہ پرانتکا اوّل کے عہد کا ہے اور ۹۳۵ئہ میں ہوا۔ اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان مقامی اسمبلیوں کو اس زمانے میں کتنی آزادی حاصل تھی دونوں گاؤوں کا اتحاد ان کی اپنی مرضی سے ہوا تھا اور مرکزی حکومت کی براہِ راست منظوری حاصل کئے بغیر عمل میں لایا گیا۔ کوئی "برہم دیہ" یا دیو دان عطا کیا جاتا تو اس کا عمل درآمد کرنے کے لئے بہت سی تنظیموں اور انجمنوں کا تعاون درکار ہوتا تھا۔ پلائیا نور کا عطیہ اس کی مخصوص روایتی مثال ہے جس کی تعمیل پلائیا نور ناڈو کی "ناٹار" نے برہم دیہ، میں شامل دیہاتوں کے بڑے بوڑھوں کے علاوہ جن دوسروں کی مدد سے کیا وہ یہ ہیں[84] (۱) دیو دان (۲) تمام "اوروں" "کے" اور گلیلار" (۳) پلّی چندم" (۴) کنّی مرّوتو" (۵) وٹی ہیرڑو (۶) پرانا اڑچالا بھوگ اور (۷) نگرم[85] ان تعاون کرنے والے اداروں کی یہ تفصیل دو پہلوؤں سے دلچسپ ہے۔ ایک تو اس میں کچھ مخصوص لگان ذاریوں کا ذکر ہے جن کے پٹّے دئے جاتے تھے اور جن پر ہم آگے چل کر اور بحث کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اس سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ ناڈو کی اسمبلی (ناٹار) گاؤں کی اسمبلی "اُور گل" اور شہروں کی اسمبلی "نگر نگل" سے ایک علیحدہ اسمبلی تھی لیڈن کے فرمانِ عطیہ کے برخلاف جو تمام مقامی گروہوں اور اسمبلیوں کو کم و بیش ایک ہی طرح سے مخاطب کرتا ہے اور جس پر ناڈو کے تمام دیہاتوں اور شہروں کے نمائندوں کے دستخط ہیں ترُووالنگاڈو کے اس عطیہ کی تصدیق محکمۂ مال کے افسروں کے علاوہ اُن دیہاتوں نے کی ہے جن کے حقوق اراضی پر اس عطیے کی وجہ سے کوئی اثر پڑتا تھا۔ اس فرق کے علاوہ دونوں عطیہ نامے حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے کی توثیق کرتے ہیں اور ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ناڈو کی اسمبلی کی تشکیل پورے ضلع میں شامل گاؤں اور شہروں کی اسمبلیوں کے نمائندے کرتے تھے[86] ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے جہاں ناڈو کی ایسی متعدد اسمبلیوں نے کسی مشترکہ مقصد کے لئے باہم تعاون کیا ہو[87]

مقامی حکومت

اس طرح مقامی حکومت گاؤوں اور شہروں کی بنیادی اسمبلیوں اور ضلعوں کی نمائندہ اسمبلیوں کے ذریعے چلائی جاتی تھی۔ "سبھا" "اُور" اور "نگرم" کی نوعیت عوام الناس کے ایک

جگھٹ کی سی ہوتی تھی جس میں ہر اُس فرد کو، جس کا اس علاقے میں کچھ دعوے ہوتا تھا، شریک ہونے کا حق تھا۔ یہ بات اجلاس طلب کرنے کے طریقے سے بالکل واضح ہو جاتی ہے کیونکہ عام اعلان کے ذریعے یا ڈھول بجا کر یا اور کسی معقول طریقے سے اجلاس کے انعقاد کے وقت اور مقام کی تشہیر کی جاتی تھی۔ اسی اصول کے پیش نظر ان اجلاسوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اکثر بتایا گیا ہے کہ اجلاس میں حاضری پوری تھی اور اجلاس کا مناسب نوٹس پانے کے بعد سبھی بوڑھے و جوان اُس اجلاس میں موجود تھے، لیکن ووٹ ڈال کر کسی معاملے کا فیصلہ کرنے کی ایک بھی مثال نہیں ملتی اور اس کا امکان بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس زمانے کی سیاسی سپرٹ کچھ اس طرح کی تھی کہ اس کا مقصد مختلف میں مساوات پیدا کرنا نہیں بلکہ ان میں ہم آہنگی اور آشتی قایم کرنا تھا۔ جدید جمہوریت کی نگاہوں میں ایک ایسے صحت مند معاشرے کی کوئی خاص افادیت نہیں ہے جو چھوٹی چھوٹی جائیدادوں کی عام لوگوں میں تقسیم پر منحصر ہو اور جس میں کسی ایک طبقے کو دوسرے طبقے کے اقتصادی استحصال کا موقع نہ ہو۔ سماجی زندگی پر ایسے طبقات کا غلبہ تھا جن کی بنیادیں قدیم رواجات اور معیاری حقوق پر استوار تھیں اور نیم مذہبی جذبات اس میں جابکدستی سے سموئے ہوئے تھے۔ ایسے ماحول میں اگر کسی چیز کی ضرورت تھی تو بس یہی کہ واقعات کی رفتار پر نظر رکھنے کا موقع حاصل رہے اور اس بات کا بھی امکان ہو کہ اگر کوئی زیادتی کی جائے تو اس کے خلاف احتجاج کیا جا سکے یا اگر کسی کے نقطۂ نظر کو نظر انداز کیا جا رہا ہو تو اس پر توجہ دلائی جا سکے۔ یہ موقع اسمبلیوں اور مختلف انجمنوں کے وقفے وقفے پر منعقد ہونے والے اجلاسوں کے ذریعے میسّر ہو جاتا تھا، لیکن ایسے جمگھٹوں میں قیادت انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہتی تھی جو قدرتی طور پر اس کے لئے موزوں ہوتے تھے۔ اس طرح کی قیادت کے لئے اُن کی عمر، تعلیم، دولت اور مالی خاندانی نمایا ترین شرایط تھیں۔ ایک اوسط آدمی کا احترام حاصل کرنے کے لئے اُن کا سرکاری عہدہ اور اُن کے کئے ہوئے رفاہِ عام کے کام مفید ثابت ہوتے تھے۔

مقامی ٹیکسوں کا عائد کرنا

گاؤں "چھوٹی جمہوریتیں" ہوتے تھے جو اپنے معاملات میں وسیع خود مختاری رکھتے تھے۔ یہ اس بات سے واضح ہے کہ مقامی مقاصد کے لئے ٹیکس عاید کرنے اور اس نوعیت کے ٹیکسوں اور واجبات کی ادائیگی سے چھوٹ دینے کے اختیارات ان کی اسمبلیوں کو حاصل تھے۔ جو

الگ انتظامیہ عملہ رکھتی تھیں۔ اور یہ عملہ بلاشبہ صرف چند اہلکاروں پر مشتمل ہوتا تھا جن کو وہ اپنی ملازمت اور کنٹرول میں رکھتی تھیں۔ مقامی مقاصد کے لئے اُن کے ٹیکس لگانے کے اختیارات کی وسعت کا اندازہ ان مثالوں سے کیا جا سکتا ہے۔ جن میں اسمبلیوں نے شہنشاہ کی حکومت سے مشورہ کئے بغیر اپنے خود مختارانہ اختیارات کے ذریعے ہی ٹیکسوں سے معافی دے دی یا لگان اراضی کو بطور جاگیر بخش دیا۔ ایک راج کیسری راجہ کے دوسرے سال حکومت میں نالور کی سبھا[88] نے جو مقامی مندر کی مقروض تھی۔ قرضے کے سُود کے عوض دُکانوں پر لگائے گئے ایک ٹیکس کی آمدنی (انگاڈی کولی) مستقل طور پر مندر کے نام کر دی۔ کمارماتانڈپورم کی "نگرتار[89]" نے اپنی "دارا وئیگل" (اس ٹیکس نوعیت واضح نہیں) کی سالانہ آمدنی ایک جین عبادت گاہ کی مرمّت کے لئے وقف کر دی۔ ترُوویرمبور میں شری کنٹھا چترویدی منگلم کی سبھا نے یہ قرارداد منظور کی کہ تاریخ منظوری سے مقامی مندر کی املاک پر وہ کسی طرح کا کوئی ٹیکس نہیں لگائے گی[90]۔ ایک اور موقع پر اُنہیں کسی شخص سے ایک خطیر رقم یک مشت مل گئی۔ کیونکہ انہیں ایک تالاب کھدوانے کے لئے رقم کی ضرورت تھی۔ اس فیاضی کا احترام کرتے ہوئے سبھا نے ایک گاؤں کے کاشتکاروں سے مقرّرہ شرح پر دھان وصول کرنے کا حق مذکورہ شخص کے نام کر دیا۔ اُلی یور کی "اُور" نے اپنی بستی کے مندر کے لئے دائمی طور پر کئی ٹیکسوں کی ادائیگی سے چھوٹ حاصل کی اور ان رعایتوں کا اعلان اُترمیرور کی سبھا نے کیا جس نے تمام بیرونی طاقتوں کی دخل اندازی سے بستی کو آزاد کر دیا[91]۔ ان مثالوں اور اسی نوع کی دوسری مثالوں جو کلی طور پر اُن کے اختیار میں تھے۔ اور جنہیں وہ اپنے زیرِ انتظام عوام کی ایک محدود تعداد ترقی کے لئے جس طریقہ سے بھی چاہیں استعمال کر سکتے تھے۔ ان معافیوں اور ٹیکسوں جنہیں یہ دیہی اسمبلیاں خود وصول کر سکتی تھیں۔ ایک دوسری نوعیت کے ٹیکسوں اور معافیوں کے ساتھ خلط ملط کرنا غلط ہوگا؛ جن کے اختیارات بھی گاؤں کی اسمبلیوں کو حاصل تھے۔ اس دوسری نوعیت کے ٹیکس کی معافیاں اس طرح کی تھیں کہ جب مقامی اور مرکزی حکومت کی طرف سے کوئی یک مُشت رقم دیہی اسمبلی کو پیشگی دے دی جاتی تھی تو اس کے عوض دیہی اسمبلی اراضی کے کچھ قطعات سے وصول ہونے والے تمام واجبات دائمی طور پر مقامی اور مرکزی حکومت کو دے دینا منظور کر لیتی تھی۔ ان معاملات میں مذکورہ یک مُشت رقم اراضی کے سالانہ واجب الوصول لگان کی نقد مالیت ہوتی تھی اور عام طور پر "اِرائی درویم" یا "ارئی کاول" کہلاتی تھی[92]۔ غالباً اور اصطلاح "پورواچارم[93]" کے بھی یہی معنی ہیں کیونکہ یہ بھی

کئی کتبات میں انہی معنوں میں استعمال ہوئی ہے مستقبل میں وصول ہونے والے ٹیکسوں کی اس طرح یک مُشت پیشگی ادائیگی اسمبلیوں کو دو وجوہات سے کی جاتی تھیں۔ ایک تو اس لئے کہ جو لوگ اراضی اوقاف کے لئے دیتے تھے۔ وہ بیشتر یہ خواہش کرتے تھے کہ وقف میں دی جانے والی اراضی کو تمام ٹیکسوں اور راہداریوں سے مستثنیٰ کیا جائے۔ اور ایسا کرنے کے لئے عام رائج طریقہ یہ تھا کہ اس دیہی پنچایت کو جس کے علاقے میں متعلقہ اراضی واقع ہوتی تھی ٹیکسوں کی نقد مالیات ادا کر دی جاتی تھی اور آئندہ کے لئے دیہی اسمبلی ہی کو ہر ادائیگی کا ذمہ دار بنا دیا جاتا تھا۔ دوسرے اس لئے کہ اسمبلیاں اکثر رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کرنے کے لئے رقم اکٹھی کرتی تھیں جو کسی اور دوسری صورت سے فراہم نہیں ہو سکتی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک "برہم دیہ"، گاؤں شٹرائی چوُر کی سبھا کو ایک شخص کا بہت سا روپیہ ادا کرنا تھا اس شخص کی تمام املاک کچھ نامعلوم وجوہات سے راجہ نے ضبط کر لی تھیں جب سبھا کو حکم دیا گیا کہ وہ اس شخص کو جو رقم ادا کرنی تھی، اُس کو راجہ کے خزانے میں جمع کرے تو اُس کو مطلوبہ رقم گاؤں کے مندر سے قرض لینی پڑی۔ اور اُس کے عوض سبھا نے مندر کی بعض اراضیات کے ٹیکس جو ادا کرنے کی ذمہ داری لی۔[94]

مقامی مجلسِ عاملہ

جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے، مقامی نظم و نسق کی کُل ذمہ داری عام اسمبلی کی مقررہ کردہ چھوٹی مجلس عاملہ کے سپرد ہوتی تھی۔ ان چھوٹی مجلسوں کا کام اعزازی طور سے کیا جاتا تھا۔ ہر گاؤں کی مجلس عاملہ کی امداد کے لئے اور کاغذات دیہی کے رکھنے کے لئے گاؤں میں تھوڑا سا تنخواہ دار عملہ ہوتا تھا۔ یہ دیہی کارندے "مدھ ئیتھ" کہلاتے تھے: "مدھ ئیتھ"، ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے معنی اکثر ثالث کے لئے جاتے ہیں[95] واقعی اس لفظ کے معنی "ثالث"، ہی ہیں۔ لیکن یہ مان لینا دشوار ہے کہ چولا کتبوں میں بھی اس کا مفہوم یہی ہے یا یہ کہ اسمبلیوں کے تعینات کردہ مدھ ئیتھوں کے فرائض میں فریقین مقدمہ کے درمیان سمجھوتہ کروانا بھی شامل تھا۔ شاید گاؤں کے اہلکاروں کو مدھ ئیتھ"، کا نام یہ واضح کرنے کے لئے دیا گیا تھا کہ گاؤں کے سیاسی معاملات میں غیر جانبدار رہیں گے۔ وہ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرتے تھے۔ اور اجلاس کی کارروائی چلانے میں امداد دیتے تھے۔ لیکن بحث مباحثہ میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ اسمبلی اُن کی تنخواہ اور فرائض اپنی مرضی سے مقرر کرتی تھی۔ مثال کے طور پر ۹۲۰ء میں اُئن جیٹم کی سبھا نے یہ فیصلہ کیا کہ مقامی تالاب

دایری) کے حساب کتاب لکھنے پر مامور "مدھیستھوں" کو اُن کی خدمات کے عوض میں اُجرت یومیہ چار
"نالی" (وزن کا ایک پیمانہ) دھان فی کس دی جائے گی اور سالانہ سات کلنجو "سرخ سونا" اور ایک
جوڑا کپڑوں کا فی کس دیا جائے گا۔ نیز ہر ایک مدھیستھ کو ایک برس کی ملازمت مکمل کر لینے پر اپنا
حساب کتاب پیش کرنا ہوگا۔ اور گرم کئے ہوئے سرخ لوہے (ملو) کے امتحان سے گذرنا پڑے گا
اور ان میں سے جو مدھیستھ بے عیب قرار دیئے جائیں گے۔ انہیں تھوڑا سونا بطور انعام (بونس)
دیا جائے گا۔ اور جو اس امتحان میں ناکام رہیں گے وہ دس کلنجو سونا بطور جرمانہ ادا کریں گے اس بھاری
جرمانہ کی وجہ یہ تھی کہ تالاب کی تعمیر کا فنڈ (ایری مدل) ناکافی تھا۔ اور ایسے معاملوں میں سبھا کوئی
جسمانی سزا (شریردنڈم) نہیں دے سکتی تھی [۹۷] عموماً مدھیستھ ہی اجلاس کی کاروائی تحریر کرتا تھا۔
جس کو اجلاس میں شرکت کرنے والے ایک یا زیادہ سرکردہ ارکان لکھواتے جاتے تھے اہلکاروں کی
ایک اور قسم "کرنتار" کہلاتی تھی۔ ان کے ٹھیک ٹھیک فرائض کا۔ کرئی کلوکلک۔ کن کانک لنکو [۹۸] جیسے
جملوں سے پتہ چلتا ہے یعنی حدود (آراضی) کی نگرانی رکھنے والا محاسب سنہ ۲۳ء میں ایک محاسب
کو ایک سبھا نے ملازمت سے برخاست کر دیا۔ اور اس کی اولاد اور اقارب کو اس عہدے پر
دوبارہ تعینات ہونے کے لئے نااہل قرار دیا۔ منارکوئل۔ ضلع ننئے ویلی سے جو کتبہ ملا ہے اور جس
کی تاریخ کا علم نہیں ہے۔ اس میں مدھیستھ لوہار بڑھئی زرگر (سنار) اور گاؤں کے شودروں کا ذکر ان
افراد کے طور پر آیا ہے جن کی مدد سے مرکزی حکومت کے نمائندوں نے وندلور نامی گاؤں کے
حدود کی نشان دہی کی تھی۔ جبکہ یہ گاؤں "تردوڈیایام" [۹۹] کے طور پر دیا گیا تھا۔ پانڈیچری میں واقع
تربھوونی سے دستیاب شدہ ایک عجیب و غریب کتبے میں [۱۰۰] جو کلوتنگا حکومت کے تینتالیسویں [۴۳]
سال حکومت سنہ ۱۱۱۳ء کا ہے۔ ایک شرط کا ذکر کیا گیا ہے جس کے مطابق کاریگروں اور پیشہ
وروں کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے پیشوں کا کام اپنے گاؤں کی حدود کے اندر ہی
کریں گے۔ اور ان میں سے جو بھی دوسرے گاؤں کا کام کرے گا۔ اس کو ایک سنگین اور خلاف
قانون جرم کا مرتکب تصور کیا جائے گا۔ گاؤں کے مفادات کے تحفظ کی ایک دلچسپ مثال ہے
لیکن ایسا یقین کر لینے کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ یہ دستور عام طور سے رائج تھا۔ دوسری طرف
اپنے گاؤں کے باہر کام کرنے کے موقع بھی اکثر میسر نہیں آتے تھے۔ ترومانی کلی
ضلع جنوب ارکاٹ کے ایک کتبے میں ایک "اورپ پڑین" کی جانب سے سنہ ۱۲۲۱ء میں دان
دیئے گئے ایک شندی "ولکو" کا اندراج ملا ہے۔ [۱۰۱]

اسمبلیوں کے فرائض

اسمبلیوں کے فرائض کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اصولی طور پر سب وصرمارتھ ٹرسٹ براہ راست
اُن کے زیرِ نگرانی تھے اگر ان کتبات کی کثیر تعداد اور اُن کے جائے وقوع سے اندازہ لگایا جائے
جن میں ایسے عطیوں کا اندراج ہے تو ہم دیکھیں گے کہ رفاہِ عام کا یہ وسیلہ کہیں بھی ایک بیوقت
چیز نہیں تھا اور کچھ دیہاتوں میں تو یہ بذاتِ خود اسقدر اہم ادارہ تھا جس کے انتظام کے لئے
ایک الگ مجلس ”دھرم وارئم“ کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ اعداد وشمار تو زمانۂ حال کی چیزیں ہیں اور
ماضی بعید کے متعلق ان کو بیان کرنے کا حوصلہ کرنا کوئی سہل کام نہیں لیکن چولا عہد کا طالب علم اس
سوچ میں پڑجاتا ہے کہ کیا اپنے علاقے کی فلاح وبہبود کے لئے دولت مند لوگوں کے عطیات اس
رقم سے زیادہ نہیں تھے جو اس زمانے میں اُن ٹیکسوں سے وصول ہوتی تھی جن کو اسمبلیاں اپنے
علاقوں کے باشندگان پر لگاتی اور اُن سے وصول کرتی تھیں۔ کچھ بھی ہو یہ اسمبلیاں مقامی زندگی
کو سماجی اور ثقافتی سہولیات بہم پہنچانے میں پیچھے نہیں رہتی تھیں۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ ماضی
میں دیئے گئے اوقاف کی دستاویزات کو احتیاط سے رکھتی تھیں اور اس بات کا پورا خیال رکھتی تھیں
کہ اُن کے شرائط کی تعمیل متعلقہ فریقین سے کروائی جائے۔ گو بدلے ہوئے معاشی حالات کے تحت
کئی مرتبہ اصل شرائط پر نظرِ ثانی بھی کی جاتی تھی، تاہم خلوص دل سے یہ کوشش کی جاتی تھی کہ ان
کثیر التعداد مستقل قدیمی کتبوں کی افادیت ختم نہ ہو جائے۔ ان میں سے زیادہ تر عطیات اپنے گاؤں
کے مندر ہی کے متعلق تھے جو ایک غیر واضح مذہبی بنیاد سے شروع ہو کر چولوں کے عہد حکومت
تک ملک بھر میں سماجی زندگی کے سبھی پہلوؤں پر حاوی ہو چکا تھا۔ اپنے گرد ونواح کی دنیاوی
زندگی میں مندر کا کردار بہت اہم تھا۔ اور مندر اور اس کی ضروریات کی دیکھ بھال مقامی اسمبلیوں
کا فریضہ تھا۔ مندروں اور ان کے اندر واقع نجی عبادت گاہوں کی دیکھ بھال اور بندوبست کرنے
والے الگ الگ لوگ ہوتے تھے۔ لیکن یہ کارندے دوہرے کنٹرول کے تحت کام کرتے تھے
ایک تو ان پر مقامی اسمبلی کی عمومی نگرانی ہوتی تھی، دوسرے راجہ کے مقرر کردہ محاسب کا کنٹرول
بھی ہوتا تھا جو ان کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرتا تھا۔ عوامی ثقافت اور تفریح کے متعلق
سبھی تنظیموں کا مرکز گاؤں کا مندر ہوتا تھا۔ ان اداروں کا مفصل حال اس کتاب میں کسی اور
مقام پر دیا گیا ہے۔ یہاں مندر کی مرمت اور نگہداشت میں دیہی اسمبلی کے رول کا جائزہ

لیا جائے گا۔ اسمبلیاں اکثر ان افراد کے گذارے کے لئے کچھ اراضی مخصوص کردیتی تھیں جو مندر کے ایوانوں میں رامائن اور مہابھارت جیسی رزمیہ داستانوں کا بیان اور پرانوں کی وضاحت کرتے تھے اس طرح کی اراضی ''بھارت تپ پنگو'' (بھارت کا حصّہ) کہلاتی تھی[4]! اور عموماً لگان سے مستثنیٰ کردی جاتی تھی۔ گانے، بجانے، ناچنے اور ناٹک کے ذریعے مقبول حصّے کہانیوں اور داستانوں کو پیش کرنا۔ مندر کے عام معمولات میں شامل ہوتا تھا۔ اور تیوہاروں اور خوشی کی تقریبات کے مواقع پر ان کی جانب خاص توجہ دی جاتی تھی اور ان مقاصد کے لئے ''ناٹک شالائیں''، خاص طور پر تعمیر کی جاتی تھیں[5]! مندروں میں روزانہ کی پوجا میں تامل اور سنسکرت کے بھجن گائے جاتے تھے اور ان پوجا کے کاموں کے اخراجات چلانے کے لئے گاؤں کی شاملات اراضی کا کچھ حصّہ مخصوص کردیا جاتا تھا اعلیٰ تعلیم کی درسگاہیں اور شفاخانے بھی مندروں کے ساتھ منسلک ہوتے تھے۔ اسمبلیاں کچھ خاص مضامین کی تعلیم کے لئے جاگیریں بھی خود عطا کرتی یا دوسروں سے وقف کرواتی تھیں۔ مثلاً پربھاکر کے میماسا،[6]! اسکول اور ویدانت[7]!، ویاکرن[8]! بھوشیہ[9]! تیتریہ[10]!، واجسنیہ[11]!، وغیرہ کے لئے، شفاخانے قایم کرنے اور ان میں مقرر کردہ وئیدوں کی گذر اوقات کے لئے اسمبلیاں عطیہ دینے والے اشخاص کو خوشی سے امداد دیتی اور اُن سے تعاون کرتی تھیں[12]! وہ ان لوگوں کی بھی امداد کرتی تھیں۔ جو مسافروں کے لئے سرائے (امبلم) تعمیر کرنا اور ان میں پینے کے پانی کا بندوبست کرنا چاہتے تھے[13]! حقوقِ اراضی آبپاشی کی نگہداشت جن کا ذکر اس کتبات میں کسی اور مقام پر کیا گیا ہے، ایسے اہم امور ہوتے تھے۔ جن میں اسمبلیوں کو گہری دلچسپی ہوتی تھی مرکزی حکومت ان معاملات سے متعلق اپنے پاس جو ریکارڈ رکھتی تھی، اُن کے علاوہ گاؤں کی اسمبلیوں نے اپنے پاس بھی ریکارڈ کی الگ کتابیں کھول رکھی تھیں جن میں ایک اراضیات کا رجسٹر (نلانڈل) اور ایک لگان کا رجسٹر (پونگو) ہوتا تھا[14]! گاؤں کی کسی بھی اراضی کی قسم زمین بدلنے کے لئے سبھا کی منظوری لینا لازمی تھا۔ راجہ مقامی حکومت کے مقررہ کردہ افسر (ادھیکاری) متعلقہ سبھا کو ایک سات چٹھی جاری کرتا تھا[15]! تب وہ آپس میں مل کر احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں اسمبلیوں کے رول کا ہم پہلے ہی جائزہ لے چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے عدلیہ کے افسران (نیائیتار) اپنے عاید کردہ جرمانوں کی آمدنی کو کسی رفاہ عام کے کام میں استعمال کرتے تھے۔ ایک ایسی مثال بھی ہے جب انہوں نے اسی جرمانوں کی آمدنی سے مقامی مندر کے دیوتا کو ایک طلائی تاج بھینٹ کیا[16]!،

سنہ 1236ء میں ترو دیلرائی (ضلع ترچناپلی) کی "مول پریشت" کا اجلاس کچھ دیہاتوں کے پٹے پر دینے کے معاملے پر غور کرنے کے لئے مقامی مندر میں منعقد ہوا۔ یہ دیہات شہنشاہ راج راجا سوم کی نجی ملکیت تھے۔ بظاہر یہ ایک ایسی اسمبلی تھی جس کے زیر انتظام مندر اور اس کے امور کا بندوبست ہوا کرتا تھا۔ اسمبلی نے غالباً چار ممبروں پر مشتمل مجلس عاملہ کو ہٹا کر اس جگہ آٹھ اراکین کی ایک کمیٹی مقرر کر لی۔ اس کمیٹی کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ طے کرے کہ پٹے پر دی گئی اراضیات پر قابض مزارعین سے "کڈمئی" اور "کڈمئی" ٹیکس جو واجب الوصول ہو، کتنا وصول کیا جائے۔ اس کمیٹی کے ممبران کو ان کے کام کا معاوضہ دیا جانا بھی تجویز ہوا اور ان کی ممبری کی مدت ایک سال مقرر کی گئی۔ یہ بھی طے ہوا کہ جو ممبر ایک مرتبہ اس کمیٹی میں کام کر چکا ہوگا۔ وہ پھر چار برس تک اس میں کام نہیں کر سکے گا (111 الف)

ترُو کولکاڈو کے ایک کتبے میں جس کی تاریخ معلوم نہیں، لیکن جو یقیناً چولا عہد حکومت کے ابتدائی دنوں کا ہے، ایک مندر کی کچھ اراضی پر کسی سبھا کے غیر قانونی قبضے کی مثال ملتی ہے۔ مارا یامنگلم کی سبھا نے راجہ اُتّم چولا کے تیسرے سال حکومت سے لے کر راجندر اوّل کے انتیسویں (29) سال حکومت تک پینتیس (35) برس تک یہ ناجائز قبضہ قائم رکھا۔ راجہ کو اس کے خلاف درخواست دی گئی جس کے نتیجے میں شاہی افسر نے معاملے کی تحقیقات کی اور سبھا کے جرمانے کے طور پر 4 کاشو ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ جبکہ اس زمین سے سبھا نے اس وقت تک 2 کاشو ادا کئے تھے۔ سبھا نے ایک سو کاشو کی زمین واپس کر دی اور بقایا کے لئے وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ زمین کے تمام ٹیکس وغیرہ حکومت کو ادا کرتی رہے گی۔ اس طرح 300 کاشو کو "اڑئی کاول" مان لیا گیا۔ (111-ب)

بعض اوقات گاؤں کی اسمبلیاں رفاہِ عام کے لئے اگر کوئی شخص دان پُن کرنا چاہتا تھا تو اُس کی حوصلہ افزائی کرتی تھیں اور دان کرنے والوں کی سخاوت کا کھلے بندوں اعتراف کرتی تھیں۔ سنہ 1129ء کے ایک کتبے میں ترد بیر کی سبھا نے بھٹ نامی ایک شخص کے تئیں اپنا شکریہ کندہ کروا دیا جس کی دعائیں اور خیرات گاؤں کے لئے ایسے وقت میں بہت کارآمد اور بابرکت ثابت ہوئیں جب گاؤں مصیبت میں پڑ گیا تھا اور لوگ اس کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔[117] اُترامیرور کی سبھا نے ایک بسیوا کو کچھ موروثی حقوق عطا کئے کیونکہ اس نے وشنو کے مقامی مندر کی بڑے پیمانے پر مرمت کروائی۔ اور اس میں توسیع و اضافہ کیا۔[119] تردمل وادی کی

"سمھا نتار" اور وہاں کے باشندوں نے اپنے ایک محسن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ایک دلچسپ طریقہ اختیار کیا۔ اُس شخص نے مندر کی درستی کرائی تھی۔ اور کولردن ندی کا رُخ تھوڑا بدل کر گاؤں کو سیلاب میں غرق ہونے کے خطرے سے بچالیا تھا۔ اُس کی اُس خدمات اور دیگر احسانوں کے صلے میں "سمھا نتار" نے مندر کے دیوتا سے ایک تیوہار کے موقع پر درخواست کی کہ گاؤں میں اس کی رہائش کے لئے دائمی طور پر ایک مفت مکان مہیا کرنے کی منظوری دی جائے اور پھر دیوتا کی منظوری کا اظہار کرتے ہوئے بڑی دھوم کے ساتھ مندر کی املاک میں سے ایک مکان اس مقصد کے لئے مخصوص کر دیا[119] یہ 1223ء کا واقعہ ہے۔ اسی طرح کی اور مثالیں بھی کتبات سے مل سکتی ہیں۔

دسویں اور گیارھویں صدی میں مقامی اسمبلیوں اور گروہوں کی جو نوعیت اور تنظیم تھی۔ اور اُن کے جو فرائض تھے وہ اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ ایک عمومی بیان میں اکثر تفصیلات چھوٹ جاتی ہیں۔ جو تصویر کو زیادہ اُجاگر کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ لیکن ان تفصیلات کی گنجائش، ظاہر ہے کہ ان اسمبلیوں کی مفصل تاریخوں ہی میں نکل سکتی ہے۔ یہاں انہیں قلم بند کرنے کی گنجائش نہیں ہے[120]۔ لیکن جو کچھ بھی اوپر بیان کیا گیا وہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایک قابل شاہی افسر اور ایک مستعد مقامی اسمبلی اپنے تعاون سے شہریت کا ایک زندہ احساس پیدا کرتے تھے اور اس سے انتظامی اہلیت کا ایک اعلیٰ معیار قائم ہو جاتا تھا جو ہندو حکومتوں کی تاریخ میں بلند ترین معیار تھا جس تک کبھی بھی رسائی ہوئی ہو۔

چولا سلطنت میں قصبات کی جو حالت تھی اس کی متوازی مثال ہمیں رومن سلطنت کے گال کے شہروں میں ملتی ہے جن کا حال فسٹل ڈی کولنجس نے بیان کیا ہے[121]۔ ہر شہر کی اپنی عوامی جائداد ہوتی تھی جس میں عمارات، اراضی، نقد سرمایہ اور چندے شامل ہوتے تھے۔ شہر کی انتظامیہ عطیات اور متروکہ یا وصیت کی ہوئی جائدادیں قبول کر سکتی تھی۔ ان املاک کا وہ براہِ راست انتظام کرتی تھی۔ اراضی کے حقوق ملکیت کا انتظام اور اپنی رقومات کو سود پر قرض دینا۔ اُس کے فرائض میں شامل تھا۔ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے اسے کئی طرح کی رقوم مثلاً محصول چنگی منڈی ٹیکس، پُلوں اور سڑکوں کا ٹیکس وصول ہوتی تھیں۔

"اپنی عمارات (قلعے)، گلیوں، بازاروں، عدالتوں، مندروں، عوامی غسل خانوں، تھیٹروں سڑکوں اور پلوں پر اُسے اپنے اخراجات پورے کرنے ہوتے تھے۔ یہ اسکول کھولتی تھی مدرسوں

کی تقرری کرتی تھی۔ اور اسی طرح معالجوں کا تقرر کرتی تھی .... المختصر شہر اور اس کا علاقہ ایک حقیقی ریاست کا نمونہ ہوتے تھے۔ یہ کہنے سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ شہر خود مختار ہوتا تھا یہ کہنا بھی کہ مرکزی سلطنت کی نگرانی میں یہ ایک آزاد جمہوریت ہوتی تھی، مبالغہ سے خالی نہیں ہوگا۔ اس کو شہنشاہ کی حکومت کے ہر حکم کی تعمیل کرنی پڑتی تھی۔ شہر کے دروازے صوبہ دار کے لئے، جب وہ شہر میں آنا چاہے، کھول دیئے جاتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی آگے یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ اُس کو کم وبیش اپنے تمام اقدامات کی تجاویز صوبیدار کے پاس بھیج کر اُس کی منظوری لینی پڑتی تھی۔ لیکن پہلی بات جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ شہنشاہ کی حکومت کا کوئی نمائندہ شہر میں ہمیشہ موجود نہیں رہتا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شہر کا اپنا ایک جداگانہ نظام اور مخصوص زندگی ہوتی تھی۔ اس کی اپنی ہی مجلس عاملہ، مجسٹریٹوں کی جماعت، پولیس، خزانہ، منقولہ اور غیر منقولہ، املاک، عوامی فنڈ، اسکول، پجاری اور مہنت ہوتے تھے اُن میں سے کوئی بھی شہر سے باہر کا نہیں ہوتا تھا۔ مجسٹریٹ، پروفیسر، پجاری تمام وہیں کے ہوتے تھے۔ بلاشبہ یہ ایک خود مختار ریاست تو نہیں تھی۔ لیکن ریاست ضرور تھی۔"

اٹھارھواں باب

حاشیے

(1) EI-xxii- صفحات 5 تا 11

(2) 'Studies' صفحات 101، 129 — 1898 کا کتبہ نمبر 67

(3) 1897 کا 71

(4) 1895 کا 33

(5) 1896 کا 82 — 1896 کا 85 — TAS-ii- صفحہ 7- اس تنظیم کا توڑ دیا جانا ہی صحیح مفہوم ہے جو ہمیں 1' 14 سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں پروڈائی کے ارکان کے لیے جو اپنے معاہدے سے گریز کریں، انفرادی طور پر سزا تجویز کی گئی ہے، اجتماعی حیثیت سے نہیں

(6) 1911 کا نمبر 214

(7) 1916 کا 629

(8) 1895 کا نمبر 39 — 1910 کا نمبر 117

(9) 1902 کا نمبر 120

(10) 1900 کا 145 — 1902 کا 339

(11) 1905 کا 640 — 1922 کا 519

(12) کرشنا شاستری کی رائے یہ ہے کہ "شنکر پاڑی" ان مکانات کی بستی کا عام نام ہوتا تھا جن میں شہر کے شیو لوگ رہتے تھے۔ (SII-iii- صفحہ 275، حاشیہ نمبر 1) — تاہم یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ تقریباً سبھی ایسی مثالوں سے جو ہمارے علم میں آئی ہیں، پتہ چلتا ہے کہ "شنکر پاڑیاروں" کا فرضِ منصبی عطیے کے چراغ کو جلائے رکھنے کا انتظام کرنا اور بالخصوص

تیل فراہم کرنا ہوتا تھا۔ 1920 کا 547 - 1897 کا 80 — 1898 کا 78 وغیرہ۔ اس کے علاوہ دو کتبات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ روغن فروشوں کی ایک اپنی جماعت تھی۔ کلوتنگا اول نے اپنے عہد حکومت کے دوسرے سال میں یہ حکم دیا تھا کہ "ستنکر پاڑی"
ترودالنگاڈو (ضلع شمالی ارکاٹ) میں بسا دیا جائے۔ اس نئی بستی کا نام راجندر شولا پاڑی رکھا گیا۔ ان 25 خاندانوں کو 15 چراغوں کے لیے تیل مہیا کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا (S II - iii - 65)۔ اچیوتامنگلم (ضلع تنجور) سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں یہ جملہ لکھا ہے: "شیکواونرکو ستنکر پاڑیار پیرپٹی رنڈو آگ" (1925 کا 395)

(13) مدراس کے عجائب گھر کی تختیاں - S II - iii - صفحہ 269، 11، 3-6
اور 112-13

(14) 1898 کا نمبر 2

(15) 1929 کا 238

(16) S II - iii - صفحہ 177، یہ تلنیش کے خلاف ہے

(17) 1925 کا 198

(18) 1920 کے کتبات نمبر 597، 620

(19) 1888 کا 118

(20) 1897 کا 151

(21) 1914 کا 73

(22) 1906 کا 67۔ 1199ء میں "ایلو بتون بڈو ناٹوم" اتر ناڈو کی "ناڈو" (ضلع امبلی) اور "نگر" (بلدیہ) کے فیصلوں کو پتھر پر کندہ کروانے کے کام کی نگرانی کرتے تھے۔ (1912 کا 521)

(23) 1914 کا 372

(24) 1909 کا 352

(25) 1909 کا 106 — نیز 1900 کا نمبر 77

(26) 1894 کا 197

(27) 1911 کا 368

(28) Pd. - 152

(29) 1921 کا 327: کلوتنگا اول کے عہد کا ہو سکتا ہے۔

(30) 1921 کا 543

(31) 1902 کا 610

(32) SII - iii - 210

(33) 1898 کے نمبر 1، 2 — 1904 کا نمبر 692 — 1917 کا 335 —
1917 کا 348 — 1919 کا 178

(34) 1895 کا 152 اور 154

(35) 1919 کے 201، 206

(36) Pd. 20، 51 — 1903 کا 279 — 1906 کا 285

(37) مثال کے طور پر ترڈ ویرنور (1914 کا 112، 125) — ترائیوڑ (1907 کے نمبر 201، 216) شیولائی (1902 کا نمبر 362)۔

اُترمیرور (1898 کا 89) وغیرہ۔ قیاس یہ ہے کہ "اُور" اور "نگرم" میں "برہمنی ذور کی روایتی "سبھا" کی رکنیت کے لیے درکار سبھی شرائط نافذ تھیں، سوائے اس کے کہ ممبران کے لیے ویدوں کا عالم ہونا ضروری نہیں تھا۔" ARE - 1913 'II - 23 — اس کی تائید میں کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

(38) 1912 کا 466

(39) Pd. — 198

(40) 1898 کے نمبر [illegible] و 58

(41) 1895 کا 400

(42) SII - iii - 1، 1915 کا 337 — 1929 کا 234

(43) 1902 کا 610 — 1947-48 کے کتبات نمبر 66، 72، 73 تا 75
(نشی پنگر پیٹ سے دستیاب شدہ) میں "نیا منتار" اور "نیائے مدلیوں" کا ذکر آیا ہے۔

(44) کنتیل [illegible] واری — 1914 کا 33 (راج کیسری کے پانچویں برس کا ہے)
جملہ آیا ہے "اِدا ناڈو شری کوئل واری سے گنرا بھائی وار ترے"

(45) 1928 کا 113

(46) 1904 کا 596 = "وازِگم دَیئیتو وائیک پٹّا دا گرُم کنکم اِندُو"

(47) 1906 کا نمبر 43

(48) "پیرو مکل" کے لفظی معنی ہیں "بڑے لوگ"

(49) ASI-1905 Studies - ch - vi — 1930 کا 176 -

پرانتکا اوّل کے زمانۂ حکومت کی ایک اور مثال پیش کرتا ہے۔ یہ مثال نرادور کی سبھا کی ہے اور اس میں سبھا کے کاروبار کو چلانے کے لیے "گڈمبو" (حلقہ) کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں یہ قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ہر معاملے پر بحث میں ہر حلقے کے ایسے دو اشخاص کو اس کی نمائندگی کرنی چاہیے جنھوں نے اس سے پہلے بحث میں شرکت نہ کی ہو (پنڈو منراڈی اریادار)۔ معاملاتِ مال سے تعلق رکھنے والے کاغذات کے متعلق دیگر لازمی شرائط "مدھیستھ" کی تنخواہ وغیرہ کے لیے دیکھیے۔ ARE-1930'II'16

(50) تاڑ کے پتّوں کے وہ ٹکڑے جن پر مطلوبہ شرائط پر پورے اترنے والے اشخاص کے نام تحریر کیے جاتے تھے، ان کو ایک تنگ منہ والے برتن میں ڈال کر تمام اسمبلی کی موجودگی میں خوب اچھی طرح ملایا جاتا تھا اور کسی بچے سے یہ کہا جاتا تھا کہ وہ ایک ایک کر کے اس برتن سے ان پتّوں کے ٹکڑوں کی مطلوبہ تعداد نکالے۔ یہ تعداد اتنی ہوتی تھی جتنی کمیٹیوں کی تشکیل کے لیے درکار تھی۔

(51) 1898 کا نمبر 12

(52) ARE-1905'II'7

(53) 1922 کے 24-241 - "سبھا مارن جول وَم" کے معنی محض "سبھا میں بولنا" نہیں ہو سکتے۔ کتبوں میں اکثر یہ درج ملتا ہے کہ وہ کسی شخص کے لکھوانے یا "شولا" کے مطابق تحریر کیے گئے۔ یہ لکھوانے والا شخص عام طور پر "بھٹ" ہوتا تھا اور میرا خیال ہے کہ "سبھا مارن جولو" سبھا میں منظور کیے گئے فیصلوں کو محفوظ رکھنے کی غرض سے انھیں پتھر پر کندہ کروانے کی کاروائی سے تعلق رکھتا ہے۔ 1926 کے کتبہ نمبر 60 میں یہ لفظ اپنی سادہ شکل "مارَم" میں استعمال ہوا ہے۔

(54) SII - iii - '156' —— 11 ' 1 - 3

(55) SII - iii - 99

(55-الف) 1945—46 کا کتبہ نمبر 5

(55-ب) 1925 کا 496—نیز 480

(56) 1927 کا 148 — ARE'1927'II'28

(57) دوسری اسمبلیوں کی "کوئم" (مجلسِ عاملہ) کے لیے دیکھیے۔
1907 کا 58 — 1918 کا 527 — اور 1925 کا 231

(58) 1928 کا کتبہ نمبر 113' اور 120 — معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نمبر ایک ہی کتبے کی نقل ہیں۔

(59) 1914 کا نمبر 92—" منبو پتینا دیوستھائپ - پڈئے - سم وتسرا - دران ماگ آمینزانک - کونڈ ڈگرام - کارِئن جےیک - کڈ ودم - آگ

(60) 1925 کا 500

(60-الف) 1932 کا 89 — ARE-1932

(61) 1894 کا 30 — 1922 کا 241

(62) 1915 کا 260—نیز 1910 کا 332 — ARE'1910'II-21 — 1919 کا 640 — Studies صفحہ 94

(63) 1921 کا 553 — 1896 کا 85 — 1914 کا 72 — 1897 کا 103

(64) 1921 کا 268 - اس میں "دیاپاری نگرتوم" کا بھی ذکر ہے۔

(65) 1894 کا 243

(66) 1928 کا 165

(67) 1895 کا 66

(68) 1897 کا نمبر 6

(69) 1921 کا 76

(70) 1895 کا 40

(71) 38—Pd.

(72) 1926 کا 217 — 1912 کا 411 — 85-Pd.

(73) 36—Pd.

(74) 1924 کا 356

(75) 1905 کا 676

(76) 1914 کا 373 (.Rl - 186)

(77) 1906 کا 109

(77-الف) 1936-37 کا نمبر 61 — ARE 'II '32

(78) 1919 کا 556

(79) گلوتنگادوم کے عہد میں شمبھو ورائیار کے ساتھ تعاون — 1900 کا نمبر 64

(79-الف) 1898 کا 62 —— Studies صفحہ 121

(79-ب) S II - iii - 77

(80) 1907 کا 199 — 1895 کا 154

(81) 1922 کا نمبر 18 — "اُوچر" "نے نواز (بانسری بجانے والے) اور ڈھول بجانے والے ہوتے ہیں جو مندر میں پوجا کے دوران اپنے ساز بجاتے ہیں۔

(82) 1912 کا 594 — "مرکانم" سے دستیاب ایک اور ایسی ہی مثال آپ کو 1919 کے نمبر 28 میں ملے گی۔

(83) EI - iii - صفحات 145، 147 (S II - ii - صفحہ 370)

(84) اصل متن میں "بل ور" لکھا ہے جس کا ترجمہ کرشنا شاستری نے "سربراہ" کیا ہے۔

(85) S II - iii - صفحہ 402 —— 11، 2 تا 5 — مزید دیکھئے EI -

۸۷- اُنبل کی تختیاں ا - 124، —— S II - iii - 142 —— 11، 4 تا 8 ——

لیڈن کا فرمان عطیہ ا - 113

(86) صفحہ 296 ماقبل

(87) 1921 کا 103

(88) 1910 کا 321

(89) 1911 کا 222

(90) 1914 کا 133 — 1914 کا 105

(91) 1898 کا 41

(92) 1892 کا 100

(93) 1898 کا 14

(94) 1925 کا 105

(95) S II — iii — اشاریہ — S.V. — مدھیشو

(96) 1915 کا 226

(97) 1919 کا 30

(98) 1904 کا 583

(99) 1916 کا 400

(100) 1919 کا 205

(101) 1902 کا 167

(102) S II — iii — 6

(103) 1907 کا 199 — 1895 کا 92

(104) 1897 کا 63 — 1923 کے 48، اور 50 — "پنگو" کی بجائے اکثر درم "یا" درتی" بھی استعمال ہوا ہے۔

(105) 1907 کا 199 — 1905 کا 157 — 1921 کا 398 — 1925 کا 152 — 1914 کے نمبر 253 — 54

(106) 1911 کا 233 — 1923 کا 333

(107) 1925 کا 276

(108) 1898 کا 18 — 1912 کا 202

(109) 1898 کا 29 — یہ "پٹران" کا نام نہیں بلکہ ایک "شونتر" کا نام ہے۔
(S II — ii صفحہ 524، 1-118)

(110) 1898 کا 33

(111) 1923 کا 194

(112) 1898 کا 36 — 1925 کا 112-113 — 1915 کا 182 — 1928 کا 97 —

(113) S.77 – I – صفحہ 108 – 64 — 20 of 1910 — 808 of 1908

(114) S.II – iii – 150

(115) 188 of 1919

(116) 22 of 1921

(116-الف) 24 – II – ARE — 204 of 39 – 1938

(116-ب) 37 – II – ARE — 134 of 36 – 1935

(117) 276 of 1901 — مزید دیکھیے 1928 کے کتبات نمبر 211، 205

(118) 172 of 1923

(119) 91 of 1920

(120) دیکھیے Studies – iv – V

(121) (مطبوعہ پیرس سنہ 1914ء) صفحات 244 تا 249 (فرانسیسی زبان کے اصل متن سے ترجمہ۔

انیسواں باب

تشخیص محاصل اور مالیاتی نظام

کن چیزوں پر ٹیکس لگتا تھا

قرون وسطیٰ کی حکومت کی اقتصادیات اور جدید حکومتوں کی اقتصادیات میں یکسانیت کم ملتی ہے۔ ہندوستا‌ن کی حکومتیں بھی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں تھیں۔ ٹیکس لگانے کی بنیاد کچھ تو رواج پر تھی اور کچھ عوام کی رضامندی پر، بالخصوص جہاں نئے ٹیکس عاید کئے جارہے ہوں۔ قومی معاشیات کا دار و مدار زمین پر تھا اور لگانِ اراضی جنس کی شکل میں یا نقد صورت، سرکاری آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ چولا ریاست میں وصولی لگان کی یہ دونوں صورتیں رائج تھیں۔ اشیاء کی درآمد برآمد پر ٹیکس، چنگی، پیشہ وروں پر ٹیکس جو مختلف طریقوں سے عاید کیا جاتا تھا اور زمین کی مختلف قسم کی قدرتی پیداوار جو اس سے حاصل ہوتی تھی مثلاً کانوں کی دھات، جنگل کی لکڑی اور نمک پر ٹیکس یہ آمدنی کے دوسرے ذرائع تھے۔ بیگار بھی کم و بیش باقاعدگی سے لی جاتی تھی۔ جب ان کا مجموعی بوجھ ناقابلِ برداشت ہوجاتا تھا تو لوگ اپنا گھربار چھوڑ کر کسی دوسری جگہ منتقل ہوجاتے تھے۔ اس طرح بستیوں کے اُجڑ جانے کا ڈر ٹیکس وصول کرنے والے کی سخت گیری پر ایک مستقل روک کا کام دیتا تھا۔

قومی اخراجات

قومی آمدنی کس طرح خرچ کی جائے، اس کا دار و مدار اس ادارے پر ہوتا تھا جو ٹیکس یا واجبات جمع کرتا تھا کیوں کہ تنہا راجہ کی مرکزی حکومت ہی ٹیکسوں کی شکل میں مالگزاری وصول نہیں کرتی تھی بلکہ مقامی اسمبلیاں اور دوسرے ادارے بھی مختلف ضروریات کے لیے محصول عاید کرتے تھے۔ راجہ کی آمدنی کا زیادہ حصہ سرکاری اہلکاروں کی تنخواہوں اور بری اور بحری فوج پر خرچ

ہوتا تھا۔ سرکاری ملازمین کے اعلیٰ حلقوں میں تو یہ تنخواہیں جاگیروں اور عطیات کی صورت میں ادا کی جاتی تھیں۔ یعنی الگ الگ علاقوں میں کچھ مخصوص ذرائع مال گزاری، ملازم افسروں کے نام کر دئے جاتے تھے اور اس طرح راجہ کے خزانے (تالم) میں، اس طرح کی تنخواہیں وغیرہ مال گزاری میں سے وضع کرنے کے بعد جو باقی رہتا تھا، وہی جمع کیا جاتا تھا۔ انتظامیہ کے اخراجات ادا کرنے کے بعد جو کچھ بقایا بچ جاتا تھا وہ راجہ کی ملکیت سمجھا جاتا تھا اور مکمل طور پر اس کے استعمال کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ اس کا ایک خاصہ بڑا حصہ بلاشبہ راجہ کے اپنے کنبے پر خرچ ہوتا تھا، جس میں متعدد رانیاں اور اُن کے ملازمین شامل تھے۔ شاہی خاندان کے ان افراد کو جن سے حکمران راجہ کو خصوصی محبت ہوتی تھی مثلاً شہنشاہ انم چولا کے عہد میں مہارانی سیمبینسن مہادیوی اور رراج راجا کے زمانے میں رانی کندروئی، ان کو راجہ زانے سے خطیر رقومات ملتی ہوں گی۔ خزانے کا زیادہ حصہ جواہرات اور قیمتی پتھروں کی شکل میں ہوتا تھا جس سے دوسرا مقصد حاصل ہوتا تھا۔ ایک تو ان سے راجہ کی شان وشوکت بڑھتی تھی، دوسرے ملک کے لیے دولت کا ایک سرمایہ محفوظ رہتا تھا۔ ابو زید نے جو بات عمومی طور پر دسویں صدی کے اوائل کے ہندوستانی حکمرانوں کے بارے میں کہی ہے وہ بلاشبہ چولا دربار کے حالات پر بالکل صادق آتی ہے[1]۔ وہ کہتا ہے کہ "ہندوستان کے راجہ قیمتی پتھروں سے جڑی ہوئی سونے کی بالیاں کانوں میں پہنتے ہیں۔ اپنے گلے میں بیش قیمت مالائیں پہنتے ہیں جو قیمتی جواہرات، سُرخ یاقوت اور سبز زمرّد سے تیار کی جاتی ہیں۔ لیکن موتیوں کی قدر وقیمت سب سے زیادہ ہے اور زیادہ تر وہی استعمال کیے جاتے ہیں اور راجاؤں کے خزانوں کا بہت بڑا سرمایہ اور دولت کا ذخیرہ ہیں[2]۔ بڑے بڑے جرنیل اور اعلیٰ افسر بھی اسی طرح موتیوں کے ہار پہنتے ہیں۔" جاگیردار اور افسر جن کے نام مختلف ٹیکسوں کی بافت کر دی گئی تھی اور جنھیں اپنی اپنی جاگیر سے اچھی خاصی آمدنی تھی، چھوٹے پیمانے پر راجہ کی قائم کردہ مثال کی نقل کرتے تھے۔ وہ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ جمع کر لیتے، کچھ ذاتی اخراجات میں لگ جاتا تھا، اور کچھ خیرات کر دیا جاتا تھا جس کو ہم سماجی اخراجات کہہ سکتے ہیں۔

مالیہ کی اصطلاحات

ٹیکسوں اور دیگر واجبات کا ذکر کرتے وقت کتبوں میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اُس کی تسلی بخش

تشریح فی الحال ممکن نہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم ان دستاویزات کا محض ایک امکانی مفہوم پیش کریں جو مزید ملفوظات کی روشنی میں تصدیق یا ترمیم کا محتاج ہو۔ ٹیکسوں اور محصولوں کے لیے عام اصطلاح جو پڑ ا عہد کے کتبوں میں استعمال کی گئی ہے "[illegible]" یا "ادری" ہے۔ دو اور مروج اصطلاحیں "منرو پاڈو" اور "دنڈم" ہیں۔ ان میں سے اوّل الذکر ایک عدالتی تاوان کی حیثیت رکھتا تھا جو خاص خاص جرائم کی پاداش میں عائد کیا جاتا تھا(3)۔ "دنڈم" بھی اسی طرح کی ایک اصطلاح ہے اور ہمیشہ "منرو پاڈو" کے ہمراہ استعمال کی جاتی ہے۔ ایک جگہ تو اوّل الذکر کو موخر الذکر کی مثال کہا گیا ہے(4)، لیکن "دنڈم" ایک ایسا لفظ ہے جس کا مفہوم کچھ اور بھی لیا گیا ہے، کم از کم ایک جگہ تو لازماً اس کا مفہوم مختلف ہے۔ راجہ پرانتکا اوّل نے اپنے عہد حکومت کے اڑتیسویں سال یعنی ۹۴۵ء میں ترو کڈ موکل کی اسمبلی سے تین ہزار طلائی کلنجو کا دنڈم وصول کیا(5)۔ یہ رقم اسمبلی کو "پانڈپ پڈئی" کو ادا کرنا تھی جو شاید وہ فوج تھی جو پانڈیا ریاست کے خلاف جنگ میں مصروف تھی۔ یہاں "دنڈم" جنگ کے لیے ایک خصوصی چندہ معلوم ہوتا ہے اگرچہ یہ بات صاف طور پر واضح نہیں ہے۔ کتبے میں اس وصولی کا کوئی سبب نہیں بتایا گیا ہے۔ اس مثال میں "دنڈم" کی رقم بہت بھاری تھی۔ اور اسمبلی گندھرآدتیہ کے تیسرے سال حکومت تک اپنی کچھ اراضیات مقامی مندر کے ہاتھ فروخت کر کے یہ رقم ادا کرتی رہی تھی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ شاید کسی خاص وجہ سے سبھا پر یہ رقم بطور سزا عاید کی گئی ہو۔ آلنگڈی کے ایک کتبے میں لکھا ہے کہ دیرلا چندر رنے وینگی کے خلاف اپنی جنگ کے اخراجات کے لیے ایک "ویلی" زمین پر ایک کلنجو سونے کی شرح سے ایک خصوصی ٹیکس عاید کیا تھا۔(6)

ایک اور عام اصطلاح جس کا مفہوم واضح نہیں ہے "اِرُوُو" ہے جو اُن واقعات میں سے جو اب تک ہمارے علم میں ہیں کم از کم ایک واقعے میں(7) ایک ایسے محصول کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے جو جنس کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا اور مقدار میں "پُرُووُ" یعنی لگان اراضی کے ۲۰ فیصدی سے قدرے زاید ہوتا تھا۔ لفظ "اِروُو" ہمیں "کرل" میں لکھے ہوئے ایک مشہور قول کی یاد جس میں اُس راجہ کو ایک رہزن سے تشبیہہ دی گئی ہے جو مالی امداد کے لیے اپنی رعایا کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ خود یہ قول کوٹلیہ کے "پرنیہ" (خیرات) کے متعلق اقوال کی یاد دلاتا ہے۔

ٹیکسوں کے مختلف اقسام

عام استعمال میں آنے والی دوسری اصطلاحات "آیم" (مال گزاری) "گڈمئی" اور گڈمیئی تھیں جن کے لفظی معنی محصول اور لگان اراضی ہیں۔ "آیم" کا استعمال اسی طرح وسیع پیمانے پر ہوتا تھا جیسے "ارئی" کا۔ اور متعدد چھوٹے چھوٹے ٹیکسوں کو ایک زمرے میں رکھ دیا گیا تھا جو "شتائم" یا "شلرائی" کہلاتا تھا۔ کبھی کبھی ان دونوں الفاظ کا استعمال ایک ہی کتبے میں کیا گیا ہے[8]۔ لیکن ان ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی اہم ترین تقسیم جسے ٹیکسوں کے پورے نظام کی کنجی کہا جاسکتا ہے، راج راجا اوّل کے عہد حکومت کے بیسویں سال کے ایک کتبے میں دیے ہوئے ایک جملے میں ملتی ہے[9]۔ "کسی بھی قسم کی گُڈمیئی، جس کی ادائیگی مقدس باب فتح کے سامنے لازمی ہو" وری پاڈو "ٹیکس جو "اور" (گاؤں یا شہر کی اسمبلی) وصول کرتی ہو اور دیگر کسی نوعیت کی گُڈمیئی۔ اس کتبے کی آخری مد کو اس طرح اور واضح کیا گیا ہے۔ "ارئی" اُن پر ہے جن پر "ارئی" واجب ہو اور "ایچوڑو" بھی[10]۔ "مقدس باب فتح" (ترو۔کوڑا واشل) کا مطلب بلاشبہ شہنشاہ کے محل کا صدر دروازہ ہے۔ ٹیکسوں کی پہلی قسم جو فہرست میں درج ہے۔ ان ٹیکسوں کی ہے جو مرکزی حکومت وصول کرتی تھی[11]۔ اُس کے بعد اُن واجبات کا نمبر آتا ہے جو مقامی اسمبلیاں "اُور" اور "سبھا" یا "نگرم" وصول کرتی تھیں اور انہیں اور ریڈو وری پاڈُو کے زمرے میں رکھا گیا تھا، یعنی وہ محصول جنھیں وصول کرنے کا حق قصبے یا گاؤں کو حاصل تھا۔ سب سے آخر میں دیکھنے کی یہ بات ہے کہ گُڈمیئی کی اصطلاح اِن تمام اقسام کے ٹیکسوں کے لیے بلاامتیاز استعمال ہوتی تھی۔ اگر اس طرح اسے سمجھا جائے تو "گُڈمیئی" سے مراد ہوگی "گُڈیوں کے فرائض" یا "شہریت کے بوجھ"۔ اور یہ تشریح "گڈمیئی" کے لغوی معنی کے بھی بالکل قریب آجاتی ہے۔ نیڑکنم کی اسمبلی (اُور) نے ایری پٹّی (تالاب کی زمین) کی نوعیت کے کچھ کھیتوں کے عطیئے کا اندراج کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ وہ اپنا ٹیکس وصول کرنے کا حق اس طریقے سے کبھی استعمال نہیں کرے گی جس سے اس عطیئے کی تنسیخ ہوتی ہو[12]۔ کچھ اراضیات کے متعلق "اُور کیل اڑائیلی" یعنی "اُور کے تحت ٹیکس سے مستثنے" کی جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے، اُس کا مطلب بھی یہی ہے کہ متعلقہ اراضیات کا ٹیکس معاف کردیا گیا تھا کیوں کہ

گاؤں کے تمام باشندگان نے اراضی کے اپنے اپنے رقبہ کے تناسب سے معاف شدہ ٹیکس کی ذمہ داری لے لی تھی[13]۔

مرکزی گرفت

راج راجا اوّل کے ایک عام فرمان سے جو اُس نے اپنے دارالسلطنت تنجاوُور سے جاری کیا تھا اور جس کا اطلاق جولا، تونڈئی اور پانڈیہ ریاستوں پر ہوتا تھا، پتہ چلتا ہے کہ مقامی حکّام کس حد تک مقامی ٹیکسوں کو خود وصول کر سکتے تھے اور مرکزی حکومت بوقت ضرورت اُن کے مطالبات کی وصولی میں کس حد تک اُن کی مدد کے لیے تیار رہتی۔ چند اقسام کے مواضعات میں جو برہمنوں، "دَیکھانسوں" اور شرمنوں" کے گاؤں تھے، وہ لوگ جو اراضی بعوض خدمت (کانی ادیَا) کاشت کرتے تھے، اپنے گاؤں کے حکّام کے لگائے ہوئے ٹیکسوں کی ادائیگی میں تساہل برتتے تھے۔ ایسا کیوں ہوتا تھا، اس کی کوئی وجوہ نہیں بتائی گئی ہیں۔ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ اِن چھوٹے ٹیکسوں کی ادائیگی کے ذمہ دار نہیں ہیں اور وہ مل کر وصولی ٹیکس میں مزاحمت کرتے تھے۔ یہ تنازعہ طول پکڑتا جاتا تھا اور مدتوں تک چلتا رہتا تھا اور سارا معاملہ بالآخر فیصلے کے لیے راجہ کے پاس پہنچتا۔ مذکورہ کتبے میں شہنشاہ کے کیے ہوئے فیصلے کا اندراج ہے[14] جو مزارعین کے خلاف کیا گیا تھا اور دیہات (کی اسمبلیوں) کو اُن سے بھی اُسی طرح ٹیکس وصول کرنے کا اختیار دیا گیا جس طرح وہ دوسرے دیہاتی باشندگان (اَدرگلیار) سے وصول کرتے تھے۔ حکمرانِ وقت کے سولہویں سالِ حکومت سے تیئسویں سالِ حکومت تک کے درمیانی عرصے میں جن اسامیوں کے ذمے دو پورے سالوں اور تیسرے سالِ رواں تک کا لگان واجب الادا تھا، ان کی اراضیات قرق کر لی گئیں اور دیہی اسمبلی کو انھیں فروخت کرنے کا مجاز قرار دیا گیا۔ نیز لگان کی عدم ادائیگی کے مرتکب مزارعان کو اس کارروائی میں کسی قسم کا حصہ لینے کی ممانعت کر دی گئی۔ شہنشاہ نے یہ حکم اپنے عہدِ حکومت کے چوبیسویں سال کے ایک سو چھبیسویں دن صادر کیا تھا۔

ٹیکس کی معافیاں

مختلف ٹیکسوں کے ناموں اور اُن کی نوعیت کا پتہ اُن بیشمار کتبات سے چلتا ہے۔

جن میں مختلف اداروں کو ان ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنے کرنے کے اعلانات کا اندراج کیا گیا ہے۔ ہرچند کہ خود مقامی اسمبلیوں کو اس نوع کے ٹیکس معاف کرنے کے اختیارات حاصل تھے، پھر بھی ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے جہاں راجہ نے کچھ مخصوص معاملوں میں اپنی طرف سے اس قسم کی معافیاں منظور کیں[15]۔ دونوں حالتوں میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ متعلقہ مجاز حاکم یا ادارے نے وہ مخصوص واجبات معاف کئے جو اس معافی کی عدم موجودگی میں واجب الوصول تھے۔ کچھ مثالوں میں یہ صاف واضح کردیا گیا ہے کہ مندروں کی اُن اراضیات پر جو پہلے "اُورکیل۔ اِرائیلی" رہی ہوں، کن حالتوں میں "سبھا وِنیوگم" معاف کردیا جاتا ہے[16]۔

مبادلہ

ٹیکسوں کی معافی اور ٹیکسوں کے مبادلے (   ) میں فرق پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ ہم اور کسی مقام پر بتا چکے ہیں، ٹیکسوں کی تخفیف کے معاملوں میں یہ ہوتا تھا کہ مستقبل میں واجب الادا ٹیکسوں کی رقم کے مساوی ایک ایک مشت رقم پیشگی جمع کردی جاتی تھی۔ اس یک مشت رقم کا تخمینہ نقد سکّے کی شکل میں رائج شرح سود کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا تھا۔ اگرچہ دونوں حالتوں میں معافی کا فارمولا ایک ہی ہوتا تھا، پھر بھی دونوں میں ایک اہم فرق تھا۔ جب ٹیکس معاف کئے جاتے تھے تو کسی کی طرف سے کچھ بھی واجب الادا نہیں رہتا تھا۔ جب ٹیکسوں کا مبادلہ کیا جاتا تھا تو اس کے لئے عام دستور یہ تھا کہ جس گاؤں کی حدود میں مبادلے سے متاثر ہونے والی جائداد یا ادارہ واقع ہو، اس گاؤں کی اسمبلی وہ یک مشت رقم وصول کرلیتی تھی اور اس کے بعد وہ خود کو اس ذمہ داری کا پابند کرلیتی تھی کہ وہ مستقبل میں اس جائداد پر واجب الادا تمام ٹیکسوں کی ادائیگی حکّامِ متعلقہ کو اپنی جانب سے کرے گی اور متعلقہ فریقین کو اپنی اس ذمہ داری کی ایک تحریری اطلاع دے گی[17]۔ اس طرح کی تحریروں اور یک مشت ادا کی گئی رقم دونوں کو اِرَیْ کاوَل (ٹیکس کی ضمانت) کہتے تھے۔

اسمبلیوں کی ذمہ داریاں

گاؤں کی اراضیات پر جو لگان مرکزی حکومت کو واجب الادا ہوتا تھا اس کے لیے دیہی

اسمبلیوں کو ذمہ دار گردانا جاتا تھا۔ یہ طریقہ ہمارے زیر مطالعہ چولا عہد کے اختتام تک جاری رہا۔ کلّپاّل ضلع تنجور سے ملے ہوئے ایک کتبے میں[18] جو ۱۲۷۹ء کا ہے، گاؤں کی دیہی اسمبلی کی مجلس عاملہ کی جانب سے ایک شخص کی ملکیتی اراضی کی فروخت کا حال درج ہے۔ یہ شخص چولا ریاست سے ہجرت کر کے پانڈیہ ریاست میں آباد ہو گیا تھا اور اپنی اراضی کے لگان کے دس برس کے بقایا جات ادا کئے بغیر فوت ہو گیا۔ یہ بات کہ دس برس تک لگان کے بقایا جات اکٹھے ہوتے رہے، ظاہر کرتی ہے کہ آج کے لگان وصول کرنے کے دستور اور اس وقت کے طریقے میں کتنا فرق تھا۔

رواج اور دستورِ سابق

ٹیکس متعین کرنے میں دستور کا رول اُن قدیم اقدار کے حوالوں سے واضح ہوتا ہے جن کا خاص خاص معاملوں میں سالہا سال سے احترام ہوتا چلا آرہا تھا۔ ایک فعال شہری زندگی کے دور میں شعوری تقلید لازمی طور پر مختلف شہروں کے رواجوں میں یکسانیت لانے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ چولا عہدِ حکومت میں اس کی نمایاں ترین مثالوں میں سے ایک مثال ہمارے سامنے نندی پورم شہر کے قدیم معیار اپنائے جانے کی ہے۔ سندر چولا اور راج راجا اوّل کے عہدِ حکومت میں ییل پرودر اور ترو چنگوڈو نامی شہروں میں جب "منڑو پاڈو" لگایا گیا تو نندی پورم کے قدیم میاروں کی تقلید کی گئی[19]۔ نندی پورم جو آئراتلی کے نام سے بھی مشہور ہے[20] ضلع تنجور کا ایک بارونق قصبہ تھا جس کا ذکر کتبات میں اکثر آیا ہے۔ "ویرشولئم" نامی تصنیف پر کئے گئے تبصرے کے ایک شعر میں سندر چولا کو نندی پورم کا راجہ بیان کیا گیا ہے۔

خصوصی محصول

باقاعدگی سے وصول کیے جانے والے ٹیکسوں اور واجبات کے علاوہ مقامی اسمبلیاں اکثر خصوصی مقاصد کے لئے بھی کچھ محصول وصول کرتی تھیں۔ ۹۲۲ء کے ایک کتبے میں جو ایروڈ میں ملا ہے، لکھا ہے کہ ایک پورے ناڈو کے باشندوں نے ایروڈ میں کرشن کے ایک وشنو مندر میں پوجا کے اخراجات کے لئے کچھ نئے ٹیکس

ادا کرنے کی ذمہ داری لی تھی۔ نئے ٹیکس یہ تھے:۔ ہر ایک گھر (کُڈی) پر نصف پنم، شادی
کی تقریبات میں دولہا اور دُلہن کے گھرانوں میں سے ہر ایک سے ½ پنم، اور ہر ایک
شمشان گھاٹ سے ایک "منجاڈی"، اور سونے کی ایک "کنزی"۔ واقعی یہ نرالے قسم
کے ٹیکس (21) تھے۔ کنڑدیو کے بائیسویں سال حکومت یعنی قریب 962ء میں باہورناڈو
کے منرادیوں (گڈریوں) نے یہ فیصلہ کیا کہ جب بھی اُن میں سے کوئی شادی کائی لیرپوم
پوڈو رچائے گا تو باہور شہر کے شری مول تھانم کے پیرومال دیوتا (وشنو) کو ایک
بھیڑ نذر کرے گا۔ یہ قاعدہ ان پر بھی نافذ ہوتا تھا جو باہر سے آکر باہور میں آباد ہوتے
تھے۔ اگر کوئی گڈریا بھیڑ نذر نہ کرتا تو "گن پیرومکل"، (مجلس عام) اور "دیورڈیار"
جس کے لغوی معنی ہیں دیوتاؤں کے خادم، یعنی مندر کے ملازم یا مندر کی رقاصائیں، دونوں
کو یہ اختیار تھا کہ وہ جبراً اُس کی دو بھیڑیں اٹھا لائیں (21الف)۔ پھر ضلع تنجور کے ایک مقامی تلائی
جنگاڈو میں راج راجا اوّل کے عہد میں مقامی مندر کو دینے کے لئے بستی کے مختلف پیشہ ور
اور مذہبی برادریوں سے ایک سو کاشو کی رقم لی گئی (22)۔ 1099ء میں کام رساولی ضلع
ترچناپلی کے باشندوں نے ایک تیوہار منانے اور مندر میں کچھ نذر دینے کی غرض
سے مندرجہ ذیل چندے فراہم کرکے مندر کو بھجوانا لازمی قرار دیا:۔ دھان، باجرہ اور
تل کی پیداوار والے کھیتوں سے فی "ما" ایک کُرونی دھان، ہر سُپاری کے درخت
سے ایک سُپاری، اور ہر کاشتکار (دیلان) کے گھر سے تیل کا ایک الکو (23)۔
گلوتنگا اول کے تینتالیسویں سال حکومت یعنی 1113ء میں تروواے پاڈی ناڈو کے
گڈریوں نے فیصلہ کیا کہ ان میں سے ہر ایک گڈریا اپنے بیٹوں کی شادیوں کے موقع پر،
اپنی بیٹیوں کے الگ گھر بار بسا لینے پر اور اپنے بچوں کی "تلئی منی"، (؟) کے موقعوں پر
کرور میں واقع وشنو کے مندر "جلاشائینم" میں ایک بھیڑ نذر کرے گا۔ 1170ء
کے لگ بھگ ضلع جنوبی ارکاٹ میں تیاگڈی کے مقام پر بھومی دیوی نامی دیوی کی ایک
مورتی نصب کی گئی اور چتیر میلی پیریاناڈو، اور تیشائی آیرتو آئنوٹرو ور، کی مشترکہ اسمبلی نے
نئی دیوی کی پوجا اور نذر و نیاز کے لئے ذیل کے چندے وصول کرنے کا فیصلہ کیا:
ہر ایک ہل (ایر) پر سالانہ ایک "پڈکو"، دھان۔ ہر مزدور (آل) سے ایک "کرونی"
اور ہر بالی (مالئی کٹی پر بیمار دار۔ سے پانچ کاشو۔ ٹیکس لگانے والے دونوں محکموں کے

ہر ملازم سے دو کاشو، اور گاؤں کے گوالوں کے ہر ایک گھر سے گھی کے چار پیمانے۔ جو لوگ اُن گاؤں میں چندے وصول کرنے کے لئے جائیں گے، انھیں ہر گاؤں کی جانب سے سفید چاول (ویٹی اَرشی کا نصف "کلم"، "پُری" قسم کے چاول کا ایک "کلم"، پچاس سپاریاں، دو "پڑو" پان کے پتے، ایک "نالی" نمک، ایک "اڑی" کالی مرچ اور ایک پیمانہ تل کا تیل ادا کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ چندہ جمع کرنے والوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ مکانوں کے اندر جا کر چندہ وصول کرنے کی کارروائی کے دوران میں بشرطِ ضرورت دھات کے برتنوں کو قرق کر سکتے ہیں اور مٹی کے پھار توڑ سکتے ہیں[24]۔ اس میں شبہ ہے کہ کیا ان اختیارات کا استعمال بھی کیا جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ صرف اس لئے تھے کہ لوگوں کو ان چندوں کی اہمیت اور فوری ضرورت کا احساس ہو جائے۔ چار برس کے بعد 1176ء میں تیل کے بیوپاریوں کی انجمن نے جو کانچی پورم کے تیل فروشوں کی بڑی انجمن (مانگرم) کے ماتحت تھی، یہ فیصلہ کیا کہ کسی مندر کی حدود میں واقع ہر کولہو چراغوں کی ایک مقررہ تعداد میں تیل ڈالنے اور مندر میں بھینٹ چڑھاوے کے لئے چندے کی شکل میں مقررہ "گدمی" فراہم کرے گا اور سالانہ ایک پرانا کاشو بھی ادا کرے گا۔ اور اس دستور پر ذات برادری (جاتی دھرم) کے قانون کے طور پر عمل کرے گا[25]۔ تروکنا پورم (ضلع تنجور) کے مندر اور مٹھوں سے وابستہ مہیشوروں نے 1233ء میں مندر کے کمزور مالی وسائل کو تقویت دینے کے لئے کچھ مخصوص علاقوں میں واقع مندروں کے ملازمین سے اور مقدس دھاگا "پونولے کریا گا" پہننے والوں سے چندہ فراہم کرنے کا فیصلہ کیا۔ چندے کی فراہمی کے لئے بڑی جانفشانی سے انتظامات کئے گئے اور چندہ جمع کرنے والوں کے لئے معاوضہ بھی منظور کیا گیا[26]۔ شکیندی (ضلع ترچناپلی) کے "پیری لمائیار" نے مقامی مندر کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کاشتکاروں سے دھان اکٹھا کرنے کا حکم جاری کیا تھا[27]۔ راجندر سوم کے گیارھویں سال حکومت (1257ء) کے دوران کو ولور (ضلع تنجور) کی "نگرتار" نے معمولی کے طور پر وصول کئے جانے والے اپنے بعض ٹیکس اور دیگر واجبات "اوشاتانم اُڈائیار" کے مندر کے حوالے کر دیئے یعنی دھان "جو نگرتار" کو اپنی اراضیات سے بطور "نل کوئی" وصول ہوتا تھا اور شہر میں درآمد ہونے والے

چاولوں پرنی بوری (پوڈی) جو مختلف محصول، "پاڈی کادل"، "کُیُ واشی" اور نقد مالگزاری (کاشوور گم) کی شکل میں ملتے تھے[29]۔ آنگوڈی کے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ 1269ء میں کسی مقصد کے لئے "رتھ کاروں" نے اپنے اوپر خود ایک رضاکارانہ ٹیکس لگایا۔ چوں کہ یہ کتبہ ٹوٹا پھوٹا ہے اس لیے ٹیکس کا مقصد واضح نہیں ہے[29]۔ آخر میں ترُوپنم کے ایک کتبے میں، جس پر تاریخ تحریر نہیں ہے، ناڈو، نگرم اور "پدی نین وشائم" کی ایک قرارداد درج ہے، جس میں کچھ محصولوں کی وصولی کے اختیارات مندر کے نام منتقل کر دئے گئے ہیں۔ معمولاً یہ محصول ہمیشہ یہ اسمبلیاں ہی کسانوں سے وصول کرتی تھیں۔ ان میں کالی مرچ، سُپاری اور کپڑے کی گانٹھوں اور چاول کی بوریوں پر وصول کئے جانے والے محصول بھی شامل تھے[30]۔

ٹیکس کا بوجھ

اِس نوعیت کے مقامی محاصل جن کے ساتھ یہ بیان بھی شامل ہے کہ چوں کہ رعایا مزید ٹیکسوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی اس لئے قرض لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا، ہمیں یہ تاثر دیتے ہیں کہ ایک طرف تو ٹیکسوں کی بھرمار سے لوگ تنگ آجاتے تھے اور دوسری طرف ہنگامی نوعیت کے ٹیکس لگانے کے لئے اداکنندگان کی پیشگی رضامندی بھی حاصل کی جاتی تھی۔

بعض اوقات کچھ مخصوص ٹیکسوں کی آمدنی کسی مقررہ مقصد کے لیے الگ چھوڑ دی جاتی تھی مثلاً کسی مقامی مندر کی جانب سے "سبھا" کو دئے گئے مستقل قرضے پر سود کی ادائیگی[31]۔ دریائے کاویری اور اس کی مختلف شاخوں کے کناروں پر آباد دیہاتوں کو بعض اوقات دریا کے باندھ کی مرمت اور دریا کی طغیانی کی روک تھام کے لئے کچھ خصوصی انتظامات کرنے پڑتے تھے، ان دیہاتوں کو اس مقصد کے لئے کچھ خصوصی محصول اکٹھا کرنا پڑتا تھا۔ کلوتنگا سوم کے زمانے کے ایک کتبے میں جو ترُوپامبرم سے دستیاب ہوا ہے، "کاویرک کارئی وینوگم" نامی ٹیکس[32] کا ذکر موجود ہے۔

اراضیات کی پیمائش

اراضی اور مکانات وہ بنیادی اشیا تھیں جن پر ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ راج راجا اوّل کے عہد حکومت کے وسط میں کسی وقت اراضی کی صحیح صحیح پیمائش کی گئی جس کی بدولت اراضی کے حقوق ملکیت کا با احتیاط ریکارڈ تیار کیا گیا۔ اور اسی وقت سے زمین کی گرد آوری اور پیمائش کے حوالے بیشتر اُس شکل میں دستیاب ہوتے ہیں جس میں وہ ان ریکارڈوں میں درج ہیں[33]۔ ترومنگلم (ضلع تنجور) کا ۱۱۸۴ء کا کتبہ خاص دلچسپی کا حامل ہے[34] اس میں لکھا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ گاؤں کی اراضیات کے حقوق ملکیت کے ریکارڈ اور زمین کی واقعی تقسیم میں کچھ اختلافات ہو گئے تھے۔ ان کی وجوہات یہ تھیں۔ اولاً ریکارڈ کو صحیح اور تا دم تحریر مکمل رکھنے میں تساہل دوسرے حریص کسانوں کی طرف سے عام راستوں اور نہروں کے باندھوں وغیرہ پر غیر قانونی قبضے۔ ان لوگوں نے چپکے چپکے اپنی ملکیتی اراضیات میں توسیع کر لی تھی۔ اور آخری وجہ یہ تھی کہ وکرم چولا پیراڑو (ندی کا نام) نے اپنا راستہ بدل لیا تھا جس سے کچھ کھیتوں کو نقصان پہنچا، اور اس نقصان کے لئے کوئی رعایت دیے بغیر تمام زرعی ٹیکس پہلے کی شرحوں پر ہی وصول کئے جاتے رہے۔ چنانچہ نئی گرد آوری کی گئی اور اس کے مفصل نتائج زیر حوالے کتبے میں درج کئے گئے۔ مذکورہ ریکارڈوں میں گاؤں کے تمام مندروں کے نام، اُن کی حدود اور اُن کی ملکیتی اراضیات کی تفصیلات کا اندراج ہے۔ رجسٹر میں کئے گئے اندراجات میں مندرجہ ذیل قابل توجہ ہیں: "پیڈاری" کی بھینٹ پڑھانے کے لئے بکرے ذبح کرنے کی مخصوص جگہ (کلڈا) گاؤں کے امبٹر اور "نادور" کے گھروں کے لئے کانیاٹی[35] "یعنی کمہار، بڑھئی، لوہار، سنار، دھوبی اور "پلیوں" کے لئے بلا معاوضہ حصے دئے گئے۔ وہ رقبہ جہاں سے باندھ بنانے کے لئے مٹی کھودی گئی اور مردے جلانے کی جگہ کو "نیتھل" (لگان سے مستثنیٰ) قرار دیا گیا۔

قسم اراضی کا تقرر

اِس طویل کتبے میں اگر متعدد خالی جگہیں نہ ہوتیں تو اس سے ریکارڈ مرتب کرنے

کے وقت گاؤں کی تقسیم اراضی کا حال معلوم ہوتا۔ لیکن ان کتبات میں سے کسی کتبے میں بھی کوئی ایسا قطعی بیان نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ پیداوار کا کتنا حصہ معمول کے طور پر حکومت کو بطور لگان دیا جاتا تھا۔ اکثر بتایا گیا ہے کہ ٹیکسوں کے طور پر ایک خاص رقبے سے کس قدر دھان وصول کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر راجا دھیراج اول کے زمانے کے ایک کتبے میں[36] لکھا ہے کہ ایک مندر کو کچھ اراضیات پر 28 کلم دھان فی ویلی رقبہ کی شرح سے بطور "وارئی"، ادا کئے جاتے تھے جبکہ کچھ دوسری زمینوں پر یہ مقدار صرف 19 کلم تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ زمین کی زرخیزی کے تناسب سے لگان میں کمی بیشی کی جاتی تھی۔ اراضی کی مختلف مقرر کردی گئی تھیں۔ اس کی کم از کم بارہ یا اس سے زائد اقسام (ترم) تھیں[37]۔ ایسی اراضی (ترلمی) بھی تھی جس کی قسم نہیں مقرر کی گئی تھی۔ ان باتوں سے بھی ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ لیکن ایک واحد مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ہم زرعی پیداوار اور لگانِ اراضی کا باہمی تناسب معلوم کرنے کے لئے اعداد و شمار حاصل کر سکیں۔ ان حالات میں چولوں کے زیرِ حکومت جو لگانِ اراضی تھا اور جو اِس وقت ہے، ان کا مقابلہ ممکن نہیں ہے[38]۔ اس طرح کے مبہم بیانات کہ راجہ منوؔ کے قوانین کی پَیروی کرتا تھا یا وہ اراضی کی پیداوار کا چھٹا حصہ لگان کے طور پر وصول کرتا تھا، چولوں کے توں ہرگز تسلیم نہیں کئے جا سکتے[39]۔ ایک سو کلم فی "ویلی"، کی معیاری شرح جو راج راجا کے عہد کے تنجور کے کتبوں میں "دیودان"، کی اراضیات کی پیداوار میں مندر کا حصّہ بتائی گئی ہے[40]۔ حساب لگانے پر جملہ پیداوار کے ایک تہائی حصے کے لگ بھگ ہوتی ہے، بشرطیکہ ہم یہ فرض کر لیں کہ اُن دنوں میں زمین کی زرخیزی ویسی ہی تھی جیسی ہمارے زمانے میں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دراصل ان اراضیات سے وصول کیا جانے والا حکومت کا حصہ ہو جو کہ مندر کو دے دیا جاتا تھا۔ اگر یہ نتیجہ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چولوں کے عہد میں اراضی کا لگان دوسرے زمانوں اور ہندوستان کے دیگر حصوں کے مقابلے میں زیادہ نہیں تھا۔ انیسویں صدی کے شروع میں منرو نے حساب لگا کر بتایا تھا کہ انڈیا میں اراضی کی کل پیداوار کا $45\frac{3}{4}$ فیصدی سرکار کا حصہ تھا[41]۔

استمراری بندوبست

کتبات سے اِس امر کی اچھی شہادت ملتی ہے کہ زرعی زمینوں کے مالیہ پر وقتاً فوقتاً

نظر ثانی کی جاتی تھی اور زرخیزی اور اجناس کی کاشت میں تبدیلیوں کو ملحوظ رکھ کر قسم اراضی بھی گا ہے بگا ہے ترمیم کی جاتی تھی[42]۔ ان معاملات میں باقاعدہ دستور کیا تھا، اس کا اندازہ اُن مُستثنیات سے کیا جا سکتا ہے جو خاص طور سے ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں۔ کچھ مثالیں ایسی بھی ہیں جن میں ناٹار (ناڈو کی اسمبلی) یا سبھا (دیہی اسمبلی) نے طے کیا کہ ایسی اراضی کی جو فلاحِ عام کے لئے وقف کی گئی ہو، قسم زمین ادنےٰ سے اعلیٰ درجے میں کبھی تبدیل نہیں کی جائیگی۔ کچھ دوسری مثالیں ایسی ہیں جن میں اراضی کے کچھ مخصوص رقبوں سے قابلِ وصول لگان دوامی طور پر "نلئ اڑئ" مقرر کر دیا گیا تھا۔ ایک پراکیسری راجہ کے پندرھویں سالِ حکومت میں ایک چولا جاگردار کنڈن ماڑوں کے ایما پر کُنرک کوڑم کی "ناٹار" (ضلعی اسمبلی) نے کچھ اراضی ایک سرکاری ملازم کو بطور اس کی جنم بھومی (یا "جیوتا"؟) بخش دی اور یہ حکم دیا کہ وہ اس اراضی پر ایک ناقابل تبدیل ٹیکس (نلئ اڑئ) ادا کرے گا جو سرکاری خزانے کے میعاری سونے کے 25 کلنجو (تال جیّ) کے برابر ہوگا[43]۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں میں درج ہے کہ راجندر اوّل نے پلّائیانولاگاؤں کی "دیودان" اراضی پر مہادیو کے مندر کو دیا جانے والا سالانہ لگان دائمی طور پر ایک بار مقرر کر دیا تھا۔ (۴۴)

ٹیکسوں کے نام

مخصوص نوعیت کے کچھ کتبوں کے مختصر جائزے سے ہمیں مختلف ٹیکسوں، محصولوں اور دوسرے واجبات کی نوعیت اور تعداد کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے۔ اگرچہ اُن کے ناموں کی تعداد کثیر ہے ان میں سے زیادہ تر ٹیکس عام نوعیت کے نہیں تھے بلکہ وقتی اور ہنگامی تھے اور ان کا دائرہ اطلاق محدود تھا۔ اُکل کی سبھا نے ۹۹۶ء میں یہ فیصلہ کیا کہ مجالسِ عاملہ سودتم باکم میں آباد مزارعوں سے "ویٹی" (بیگار)، "ویلائی" اور "والکانم" وغیرہ ٹیکس وصول کرنے سے احتراز کریں[45]۔ سودتم باکم اس علاقے کے وشنو کے مندر کو دی ہوئی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ البتہ مندر کو اُس علاقہ کی کسانوں پر اُن کی خطاؤں اور گناہوں (کُرم دوشم) کی تقصیریں جرمانے (منڑوپاڈو) عاید کرنے اور وصول کرنے کا حق دیا گیا تھا[46]۔ اُتم چولا کی تختیوں میں جو مدراس کے عجائب گھر میں

محفوظ ہیں ، درج ہے کہ کانچی پورم میں واقع شولانیام کے قدیم باشندگان تمام پرانے ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنے قرار دئے گئے تھے ۔ یہ گاؤں مندر کی ملکیت تھا۔ تاہم اس گاؤں کے باشندے جو دوسرے قصبوں اور دیہاتوں سے آکر وہاں آباد ہوئے تھے، ان کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا تھا کہ وہ "اورگم" کے دیوتا کو چوتھائی کنستر تیل اور دو نالی چاول فی گھر ماہانہ ادا کریں ۔ یہ لوگ بھی "نگرم" کی جانب سے وصول کئے جانے والے باقی ٹیکسوں سے مستثنے کر دئے گئے تھے ۔ کانچی پورم کے کول نرنی کولی اور "کال الودکولی" نامی ٹیکس جن کی آمدنی اورگم کے مندر کے نام کر دی گئی تھی، اُن کی وضاحت عجائب گھر میں رکھی ہوئی تختیوں کے سنسکرت میں تحریر شدہ حصے میں اس طرح کی گئی ہے کہ یہ وزن اور حجم کے حساب سے ناپی جانے والی اشیاء پر لئے جانے والے ٹیکس تھے[48]۔ راج راجا اوّل کے زمانے کے تروواماتور کے کتبے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس ٹیکس سے بہت قلیل آمدنی ہوتی تھی کیونکہ کتبے میں اس ٹیکس کی شرح فی کلم نصف نالی دھان لکھی ہوئی ہے[49]۔ اس جگہ یہ "کولی" (ٹیکس) گاؤں کے پلیتوں کو دے دیا جاتا تھا جو ۱۰۱۰ء تک مزارعوں کی طرف سے مندر کو واجب الادا دھان کا وزن کیا کرتے تھے۔ ۱۰۱۵ء میں مندر کے معاملات میں ایک تحقیقات کے نتیجے میں یہ "کولی"، "ادچار" کو اُن کی خدمات کے عوض میں جو وہ مندر میں بجالاتے تھے، منتقل کر دی گئی۔ اِن میں اُن کپڑوں کی قیمت بھی شامل تھی جو اُس "مانی" یعنی برہم چاری کو دئے جاتے تھے جو شری بلی کی رسم کے موقعے پر پجاری کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ راجندر اوّل کے عہد کے چوتھے سال میں ترُوولم کے باشندوں کے عام ٹیکس جو عاید تھے، ان کی مندرجہ ذیل مثالیں بتائی گئی ہیں :- کنوؤں اور تالابوں سے حاصل کئے جانے والے پانی کی قیمت اور خوشی کی تقریب منانے والوں کا سونا۔ موخرالذکر ٹیکس "آگیاریوں" ایک معمولی چندہ تھا جو ہر خانہ دار کو شادی بیاہ جیسی تقریبوں پر دینا پڑتا تھا[50]۔ ترُووالنگاڈو کی تختیوں میں اُن "پربھاروں" کی ایک لمبی چوڑی فہرست درج ہے جو راجندر اوّل کے عہد میں مندر کو دئے گئے تھے۔ یہ فہرست بہت طویل ہے پھر بھی مکمل اور سیر حاصل نہیں ہے[51]۔ یہ سبھی "پربھار" آئندہ کے لئے راجہ کو نہیں بلکہ مندر کو وصول کرنے تھے۔ اس کے چند سال بعد

1021ء میں ویمبڑ ور کی سبھا نے شری کُنڈتی ٹی کے شو کے مندر سے پنیسٹھ کاشو کی رقم حاصل کی[52] اور اِس رقم کے سود کے عوض سبھا نے مندر کی اراضیات پر وصول کئے جانے والے مندرجہ ذیل واجبات سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کیا :- "دستھایہ کا شو"، "پنچوار" کا دھان، چنے اور دال، تیل اور گھی اور دیگر "واری"، جو شہر (ادبی دواری) کی طرف سے وصول کئے جاتے تھے۔ تالاب کی بابت ادائیگی (ایری ایو و) اور بیگار (ویدنئی) جو دریاؤں کے کناروں اور باندھوں۔ (کلی اور کرمیو) کی تعمیر کے لئے کی جاتی تھی اور کچھ دوسرے چھوٹے موٹے محصول (شیلوری)۔ ترو والیشور م سے ملے ہوئے اُڈیار سندر چولا پانڈیا کے ایک کتبے[53] میں درج ہے کہ پانچ "ولی" اراضی جو پہلے "برہم دیہ" تھی، رعیت واڑی اراضی (ویلان وگی) میں تبدیل کردی گئی اور بعد ازاں اس پر لگان اراضی "اڑاٹک کاڑن" کے طور پر 64 "کلی" چیتھ کروتی "پو سکے تیین" نالی"، اور اڑھائی "شیوڈو" دھان وصول کرنے کا حکم دیا گیا جو "نارایم" کی پیمائش کے مطابق پانچ نالی کے برابر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس پر $\frac{1}{4}$ 35- اور $\frac{3}{80}$ کاشو بطور "اُرو وکول نکن کا شو" اور پانچ کاشو بطور "کانچی ایردو کا شو" وصول کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیلور کی بعض اراضیات پر جو ٹیکس نقد رقم کی شکل میں (AYAM) وصول کئے جاتے تھے وہ یہ تھے :- "مرنجاڈی" "پاڈی کاول" وینڈوکول ممناتاک کانچی پیڑو کوڑاتک کا شو۔ کڈاک کا شو اور دیگر محصول۔ جو اراضیات دو طلائی پن سرداروں نے ترو کوئیلور میں واقع مندر کے بعض اخراجات کے لئے الگ وقف کردی تھیں اُن پر (پہلے کی دیودان زمینوں کو مستثنےٰ کرکے) مذکورہ بالا "آیم" کے علاوہ کوئی اور ٹیکس عاید نہیں کیا جاتا تھا۔[54] معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ محاصل میں سے "مرنجاڈی" وہ ٹیکس تھا جو ہر مفید درخت پر ایک طلائی "منجاڈی" کے حساب سے لگایا جاتا تھا۔ "پاڈی کاول" بلاشبہ گاؤں کے چوکیدار کی اجرت کا خرچ پورا کرنے کے لئے لگایا گیا تھا۔ "کڈاک کا شو" ہر نر مویشی پر وصول کیا جانے والا ایک معمولی سا ٹیکس تھا۔ دوسرے واجبات کی نوعیت سمجھ میں نہیں آتی۔ راجا دھیراج اوّل کے زمانے کے ترھبوونی کے ایک کتبے[55] سے یہ بات ہمارے علم میں آئی ہے کہ 72 ویلی اراضی سے زمین دار کو سالانہ بارہ ہزار کلم دھان اپنے حصے کے

ملتے تھے ۔ یہ آمدنی اوسطاً 166½ کلم دھان فی ویلی ہوتی ہے نیز یہ بھی کہ دھان کی یہ مقدار ادا کرکے ان اراضیات کے کاشتکار صرف "ایری آیم" اور "پاڈی کاول کولی" ادا کرنے کے اور "امبنی" یعنی تالاب پر بلا معاوضہ تعمیر کا کام کرنے کے ذمہ دار ہوتے تھے ۔ اور کسی قسم کے روایتی ٹیکس جو گاؤں کے "پڈاگی" طبقے پر عاید ہوتے تھے، انہیں ادا نہیں کرنے پڑتے تھے مثلاً ویلان اِڑئی، الاوڑتی، "آل" اور امنجی۔ ویر راجندر کے دوسرے سالِ حکومت[56] میں تین ناڈوؤں (ضلعوں) سے تعلق رکھنے والے متعدد دیہاتوں سے حاصل ہونے والے مندرجہ ذیل ٹیکسوں کی آمدنی شہنشاہ کی سالگرہ اور تیوہاروں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے تروویناکاڈو کے مندر کے سپرد کر دی گئی : ۔ تمام "کیل اڑاپ پاٹم (معمولی محصول ۔ جن میں "اُورک کلنجو"، "کمارکچانم"، "میں پاٹم"، "آڑپ پاٹم اور نتارپ پاٹم ۔ ترپ پڑوتی دشاوندم ویلک کاشو، شیولک کاشو ۔ ولنگئی نہامتی، تنگل موہم، شترن ہیں ۔ نیز ان دیہاتوں سے وصول کئے جانے والے "پنمئی" اور "پنڈاویٹی" (بلا معاوضہ فراہمی) کی طرح کے محصول بھی جن کی شرح دس کاشو فی کس تھی ۔ اس سے تین سال بعد کے اسی عہدِ حکومت کے ایک کتبے میں اسی سے ملتی جلتی کچھ ٹیکسوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جو جنگلی پٹ ضلع کے کچھ مقامات سے تعلق رکھتی ہے ۔ درجِ فہرست ٹیکسوں کی آمدنی اسی نوع کے کسی مقصد کے لئے اچر پاکم کے مندر کے نام کر دی گئی تھی[57]۔ اس فہرست میں "انترائم" کی اصطلاح بہت سارے ٹیکسوں کے لئے استعمال ہوئی ہے، جنھیں سبھا وصول کرتی تھی ۔ ان میں "اڑئی پاٹک کاشو"، "پنمئی، پنڈویٹی، اُگوئی پون، "کاول شیوگم" وغیرہ ٹیکس شامل تھے ۔ دوسرے ٹیکس "کڈمیی" اور "کڈمتی" کے زمروں میں آجاتے ہیں ۔ ہر چند کہ خود ان ٹیکسوں کے ناموں سے ان کی زمرہ بندی کا کوئی اصول سمجھ میں نہیں آتا ۔

1055ء میں چولاپورم (جنوبی ٹراونکور) میں "دیودان" اراضیات کے کچھ ٹیکس معاف کئے گئے ۔ ان ٹیکسوں میں "ماڈانک کولی" اور "دشاوندم" شامل تھے جو "پٹم" زمرے کے ٹیکس تھے اور جن میں "انترائم" اور "شِل کڈمیی"[58] بھی شامل تھے ۔ تینیری (ضلع جنگلی پٹ) کے 1116ء کے ایک کتبے میں کچھ زمینوں پر لگنے والے

لوگوں کو "واشل نرام" - لادر وازہ ٹیکس) کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور کچھ خاص مواقع پر "منئی پڑی شورو" اور "ویٹی مٹی یال" (خاص مواقع پر بلا معاوضہ خوراک و ربیگار) مہیا کرنے سے بھی معافی دی گئی۔ مہاسبھا نے اس اراضی پر "نیرولیئ انترائم" اور تمام شلڑائی، خود ادا کرنے کا ذمہ لیا[59]۔ اسی طرح تنڈی ونم سے دستیاب شدہ ١١٢٣ء کے ایک کتبے میں مذکور ہے کہ ۲۵ کاشو ملکیت والے ایک قطعہ اراضی کا ٹیکس نقد ادا کرنے کی غرض سے ایک معطی کو ایک سو کاشو کی رقم ادا کرنی پڑی، جس کے سود سے مذکورہ ذیل محصولات وضع کرنے کا وعدہ کیا گیا:۔ "شینیرا منجی ترو ویلوچک کڈمیئ پیرووری شلڑئی ایجورو ویٹی مٹائیال کوئل واشلِ پونڈ گڈمیئ اپیریٹادم (۵۹ الف) اسی کتبے میں مندرجہ ذیل محاصل گاؤں کے رہائشی حصے "نتکولئ" سے واجب الوصول بتائے گئے ہیں:۔ اُپو کاشو، شینیر۔ امنجی ترو ویلوچک کڈمیئ ایچوڑو کوڑوٹیلو اے پیرپٹنا مذمر انتکم کی سبھا نے قصبے کی "گو پرچار بھومی" یعنی شاملات چراگاہ میں سے کچھ زمین فروخت کی اور اس کے عوض میں اس نے فروخت شدہ زمین پر واقع سپاریوں کے پیڑوں پر واجب الوصول "کڈمیئ" کی چھوٹ دے دی۔ یہی نہیں بلکہ اس کے دوسرے سبھی ٹیکس (واری) بھی معاف کر دیئے گئے جن میں "منئی اڑئی" یعنی اُس پر تعمیر شدہ مکانوں کا ٹیکس بھی شامل تھا[60]۔ راج راجا سوم کے کتبوں میں مذکور دیگر ٹیکسوں کے نام یہ ہیں:۔ ماپ پڈکو، کنکانی، ترئی اِڑئی، جوترو مڈئی ولاگم (مندر کے احاطے) میں لگایا جاتا تھا، تگن مئی، جوترکھانوں، لوہاروں اور کمہاروں سے لیا جاتا تھا۔ نی کس ٹیکس جو "وانیار" یعنی تیل کے بیوپاریوں سے اور "کڈمیئ" جو ہر کولہو سے وصول کیا جاتا تھا اور جس کا ذکر منور ضلع جنوبی لدکاٹ سے ملے ہوئے شہنشاہ (راج راجا سوم) کے تیرھویں سال حکومت کے ایک کتبے میں کیا گیا ہے[61]۔ تنیات پیرو، اور کنگانی ما۔ نیلو جن کا ذکر شہنشاہ کے پندرھویں برس کے اس کتبے میں ہے جو وائیلور، یا وائیلور سے دستیاب ہوا[62] ہے۔ کارتگئی اِرشی، کارتگئی پچئی، اور دوسرے نقد محاصل (کاشائم)۔ کڈئی اِڑئی (دکان ٹیکس) اور آجیولک کاسو، جو "آجیوکوں" پر لگایا جاتا تھا اور

جس کا ذکر بائیسویں سال کے ایک کتبے میں ملتا ہے جو ویرچی پورم کے قریب واقع پونیکئی سے دستیاب ہوا ہے(63)۔ کنکا وری، ایڈتو کوٹ۔ اور اری کمئی، یہ تینوں محصول دھان کی شکل میں وصول کئے جاتے تھے، اور ویٹیپ پڈوئی، مدرراٖم، دگائند کا شو، پٹولائنک کا شو، مل دشنم، دیلپ پیاڑو، تاپڈی ارشی، اچاتری، شالگائت تڑی، توشکت تڑی، پڑائت تڑی، معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب نقدی کی شکل میں وصول کئے جانے والے چھوٹے چھوٹے محصول (کاشوکڑمئی) تھے جن کا ذکر اسی مقام سے ملے ہوئے ایک اور کتبے میں آیا ہے(64) جو شہنشاہ کے اٹھائیسویں سال حکومت کا ہے اور جس میں "اور دیگر واجبات جو نقدی اور جنس دونوں صورتوں میں وصول کئے جاتے تھے کا جملہ بھی آخر میں درج ہے۔ اور آخری بات یہ کہ "پٹت تیبنڈم" ماوڈی، اور مرواڈئی، نامی ٹیکسوں کے نام ترو ونامئی سے دستیاب شدہ تیسویں سال حکومت کے ایک کتبے میں درج ہیں(65)۔ ان میں سے بیشتر اصطلاحیں ہنوز مبہم ہیں اور ان کا مفہوم واضح نہیں ہے۔ لیکن ان سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ٹیکسوں کے ڈھانچے میں ٹیکسوں کے متبادل مقامی ناموں اور بہت ہی معمولی قسم کے محاصل کا اندھا دھند اضافہ کس حد تک کیا گیا تھا۔ اس سے یہ بھی تاثر ملتا ہے کہ جوں جوں مرکزی حکومت کا اثر واقتدار کمزور ہوتا گیا۔ ٹیکسوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ خواہ کسی بھی معیار سے جانچا جائے، محاصل کا یہ نظام، بالخصوص چولا عہد کے اواخر میں نہایت پیچیدہ، الجھا ہوا انتہائی حد تک تکلیف دہ تھا۔ غالباً اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

ادھیراجندر کے ایک کتبے(66) میں لکھا ہے کہ ترو ولم کے مندر کی ملکیت میں جو "دیودان" گاؤں تھے اُن سے وصول کئے جانے والے کچھ ٹیکس "کیل رئی پاٹم" اور "انترائم" کے زُمروں میں آتے تھے۔ یہ ٹیکس ایک ہزار "کلم" کیا تھے؟ انھیں کل پیداوار سمجھا جائے یا پیداوار میں سے صرف مندر کا حصہ؟۔ اگر اوّل الذکر مفروضہ صحیح ہو تو یہ ادنےٰ محاصل بھی اراضی پر جو مالی بوجھ تھا، اس میں ایک بھاری اضافہ کرتے ہیں۔ چونکہ اسی کتبے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک کاشو کی مالیت چار کلم دھان کے برابر ہوتی تھی اس لیے ان ادنےٰ ٹیکسوں کی فاضل وصولی کا بوجھ دس

فیصدی ہو جاتا تھا۔ اگر یہ شرح کل پیداوار پر لگائی جاتی ہو اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مذکورہ شرح پر لگان عاید کرنے کا دستور اس زمانے میں بھی جاری اور برقرار تھا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کاشتکاروں کو کسی نہ کسی شکل میں جملہ پیداوار کے چالیس فیصدی سے زائد حصے سے دست بردار ہونا پڑتا ہو گا۔ مگر لگان کی یہ شرح سلطنتِ وجے نگر اور مغل حکمرانوں کے عہد کی شرح مال گزاری سے زیادہ نہیں تھی۔

پاڈی کاول

"پاڈی کاول" کی اصطلاح جس کا ٹیکسوں کی فہرست میں ایک سے زائد مرتبہ ذکر ہے، دوسری مدات کے مقابلہ میں ہماری توجہ کی زیادہ مستحق ہے کیوں کہ یہ چوری سے جائداد کی، بالخصوص رات کے وقت، حفاظت کے عالمگیر دستور کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ یہ دستور تھا جس کے تحت ہر گاؤں اپنا اپنا الگ "کاول کارن" رکھتا تھا جو کچھ باقاعدہ مشاہدے کے عوض گاؤں کی املاک کی سلامتی اور حفاظت کے لئے اس حد تک ذمہ دار تھا کہ تلف شدہ مال کو یا تو ڈھونڈ کر واپس دیتا تھا یا اس کے نقصان کی تلافی کرتا تھا۔ یہ دستور تامل خطے میں کچھ حد تک تو زمانۂ حال تک جاری رہا ہے اور اس کی ابتدا بھی دراصل بہت قدیم معلوم ہوتی ہے۔ یہ کام ایک خصوصی عملے کے سپرد تھا جس کی تنخواہ وغیرہ کے اخراجات ایک خاص ٹیکس کی آمدنی سے پورے کئے جاتے تھے جو اس مقصد کے لئے نامزد کر دی جاتی تھی۔ یہ عملہ جو بعض اوقات "پاڈی کاول کولی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، چولوں کی انتظامیہ کا ایک باضابطہ حصہ تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چولا حکومت کے اواخر میں یہ فرائض ان ماتحت سرداروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے چلے گئے جو ضرورت سے زیادہ طاقت پکڑ چکے تھے اور ان کا یہی عروج چولا سلطنت کے زوال کا باعث ہوا۔ اس کے برعکس جو معمولی حیثیت کے افراد نسبتاً محدود علاقوں کے نگراں تھے وہ خاموشی سے اور مرکزی سرکار کے مفادات کو کم ضرر پہنچاتے ہوئے اپنے کام کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ تلائی چنگاڈو (ضلع تنجور) کے ۱۱۲۱ء کے کتبے میں، ذکر ہے کہ "پاڈی کاپار" ملازمین کو ان کے مشاہرے کے علاوہ

گاؤں میں رہائش کی جگہ بھی مہیا کی جاتی تھی[67]۔ اِس دوسری قسم کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ کسی فرد واحد کو زیادہ رقبے کا نہیں تو پورے ناڈو کے "پاڈی کاول کانی"، (محصول) کا مالک قرار دے دیا گیا ہے اور ایسا شخص مندروں کی متبرک املاک کی طرف سے واجب الوصول محصول کی معافی دے کر اکثر اپنی عظمت اور تقدس کا اظہار کرتا تھا یا مندروں کو یہ ہدایت کرتا تھا کہ وہ اسے ٹیکس ادا کرنے کی بجائے اس کے حسب خواہش مندروں میں مستقل چراغ جلاکر روشنی کا انتظام کریں یا مذہبی تقریبات منعقد کریں۔ وان کوورایا، ملائیمان، متریا، شامبوورایا، اور کاڈورایا، جاگیردار سب اس رواج کی مثالیں ہیں[68]۔ "پیرمباڈی کاول"[69] اور "میرپاڈی کاول"[70] کی اصطلاحیں بھی کہیں کہیں استعمال کی گئی ہیں۔ شاید ان سے متعلقہ افسروں کے وسیع تعزیری و تادیبی اختیارات کا پتہ چلتا ہے۔ یا عام "پاڈی کاولوں" کے مقابلے میں اُن کے امتیازی اور اعلیٰ تر درجے کا اظہار ہوتا ہے۔

اِڑائیلی

چولا عہد حکومت کے کتبوں میں اڑائیلی کی اصطلاح کا کثرت سے استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے "لگان سے مستثنےٰ"۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم ہمیشہ تمام ٹیکسوں اور واجبات کی ادائیگی سے یکسر استثنےٰ نہیں ہوتا۔ جو بھی معافی دی جاتی تھی، اُس کی نوعیت صاف واضح کردی جاتی تھی۔ جب کسی اراضی کے متعلق یہ اصطلاح استعمال کی جاتی تھی تو اس کا مطلب محض یہی ہوتا تھا کہ متعلقہ اراضی پر کسی قسم کی رعایت دی گئی ہے۔ یہ نتیجہ ہم نہ صرف بعض کتبوں میں "اڑائیلی کاشو"، نامی ٹیکس کے ذکر سے اخذ کرتے ہیں، جس کا مفہوم غالباً "اڑائیلی قسم کی اراضیات سے وصول کیا جانے والا ٹیکس ہے، بلکہ راج راجا اول کے عہد کے اس کتبے سے بھی جو ضلع شمالی ارکاٹ میں ترووپان ملئی کے مقام سے ملا ہے[71]۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوڈکم پاڈی نامی گاؤں ترووپان ملئی میں واقع جین مندر کے مصرف (بھوگم) میں تھا۔ اِلاڈا جاگیردار جو راج راجا کے

آٹھویں سالِ حکومت سے قبل یعنی زیر بحث کتبے سے پہلے اس خطے پر حکمران تھے، مذکورہ مندر سے "کرپورولئی"، وصول کرتے تھے، جس کے باعث مندر کے پاس اپنے اخراجات کے لیے کافی رقم نہیں بچتی تھی[72]۔ اِلاڈا سردار ویرشولا کی اہلیہ نے اس امر کی جانب اُس وقت اپنے شوہر کی توجہ مبذول کروائی جب وہ دونوں اکٹھے مندر میں عبادت کے لیے گئے۔ اسی وقت سے ویرشولا نے آئندہ کے لئے مندر سے "کرپورولئی"، اور ایک دوسرے محصول کی وصولی بند کردی جو "اِنیا یا داودنڈاڑئی"، کہلاتا تھا اور جس کی صحیح نوعیت اور تفصیل کا کچھ پتہ نہیں چلتا[73]۔ ترولکڈائیور کا ایک کتبہ جو راج راجا سوم کے عہد کا ہے[74] اس امر کا شاہد ہے کہ اِڑائیلی زمینوں کو بھی اڑائیلی حیثیت کی تجدید کے لئے معمول سے کچھ کم شرح پر بعض واجبات ادا کرنے پڑتے تھے۔ اڑائیلی درشائی یاڈی اِڑئی مُدڑ کا شوتنڈکڈ دان۔ پڈی تویرا۔ اس کتبے میں جن اراضیات کا ذکر کیا گیا ہے وہ "کاشوکولا اورکیل اِڑائیلی"، کے نام سے پکاری گئی ہیں۔

مزید براں جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں "اورکیل اڑائیلی"، کی اصطلاح سے معلوم ہوتا ہے کہ "اُور"، ان اراضیات کے واجب الوصول ٹیکسوں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتی تھی۔ ایک دوسری بات بھی ممکن ہے کہ اس عنوان کے تحت آنے والی اراضیات مقامی ٹیکسوں کی ادائیگی سے تو بری تھیں لیکن مرکزی حکومت کا مالیہ انہیں دوسری اراضیات کی طرح ادا کرنا پڑتا تھا۔

اراضی جس پر محصول نہیں لگتا تھا

راج راجا اوّل کے عہد کے تنجور کے کتبوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر گاؤں میں کچھ زمین ہر طرح کے ٹیکسوں اور محصولوں سے یکسر بری ہوتی تھی۔ ان زمینوں میں "اُورنتم"، ہوتی تھیں یعنی گاؤں کی آبادی۔ مندر، تالاب، گاؤں میں سے گزرنے والی نالیاں، "پڑانچری"، یعنی کمین لوگوں کی بستیاں "کمان چیری"، (کاریگروں کے مکان اور شمشان (شوڈوکاڈو) (75) شامل تھے۔ مال گزاری کی وصولی کے قابل گاؤں کی کل اراضی کے رقبے کا تعین کرنے کے لئے وہ رقبہ جس پر محصول نہیں

لگ سکتا تھا کل رقبے سے منہا کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ مختلف اقسام کی "اڑائیلی" اراضیات تھیں جنھیں الگ الگ طریقوں سے ٹیکسوں سے معافی حاصل تھی۔

ترووورٹور سے دستیاب شدہ چولا عہد کے اواخر کے ایک کتبے میں(76) جو 1223ء کا ہے درج ہے کہ کچھ اراضیات جو "اِڑنگل" تصور کی جاتی تھیں، تحقیقات کے بعد محض "ننگل" ثابت ہوئیں اور اس کے نتیجے میں انھیں مندر کے خزانے میں بہت سے ایسے ٹیکس جمع کرنے پڑے جو اُس وقت تک وصول نہیں کئے گئے تھے۔ یہ صاف واضح ہے کہ "اِڑنگل" کی اصطلاح کا مفہوم ٹیکس سے بری ہونا ہے جبکہ "ننگل" کے معنی صرف یہ ہیں کہ متعلقہ اراضیات پر واجب الوصول ٹیکس سرکاری رجسٹروں سے اس بنا پر حذف کر دئے گئے ہیں کہ وہ کسی اور ادارے کے استعمال کے لئے اُس کے نام منتقل کر دئے گئے تھے۔(77) قابل کاشت آبادی جو "پڑلی" تھی یعنی جس کا کوئی دعویدار نہیں تھا، تلائی چنگاڈو کی سبھا نے 1233ء میں علاقے کے تین شیو مندروں کو بطور "اڑائیلی دیودان" عطا کی۔ اس عطیے میں یہ شرط تھی کہ اگر اس اراضی کا اندراج "اولگو" اور "پوتگم" یعنی دستاویز ملکیت اور لگان کے رجسٹر میں بطور "اڑائیلی" نہ کیا گیا بلکہ محض "ترپو" یعنی اراضی قابلِ محصول کے طور پر کیا گیا تو اُس پر "اڑئی" اس گاؤں کے باشندگان کو ادا کرنی ہوگی۔(78) صاف ظاہر ہے کہ یہ کتبہ جب کندہ کیا گیا تھا تو اس اراضی کی حیثیت کا قطعی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ دیہی اسمبلی نے صرف مرکزی حکومت سے اس اراضی کو "اِڑائیلی" کا درجہ دلانے کے لئے قدم اٹھائے تھے اور یہ بھی طے کر لیا تھا کہ اگر ان کی سعی ناکامیاب ہوئی تو کیا کیا جائے گا۔ اس طرح کے کتبوں سے ہمیں مرکزی حکومت اور مقامی حکام کے باہمی تعلقات کی بھی ایک سرسری جھلک مل جاتی ہے۔

ٹیکسوں کا بوجھ

ٹیکسوں اور دیگر واجبات کے ایک ایسے پیچیدہ نظام کا کیا بوجھ پڑتا تھا اس کا تعین کرنا ہمیشہ ایک کار دشوار رہے گا جس کے تحت مرکزی ٹیکس بھی آتے

تھے اور مقامی محصول بھی ۔ لازمی ٹیکس بھی آتے تھے اور اختیاری بھی ۔ اور جن میں جزوی اور کلی دونوں طرح کی معافیوں کے ذریعے ترمیم بھی ہوتی رہتی تھی اور ہمارے پاس جو شہادت موجود ہے اس کی رُو سے تو یہ قطعاً ناممکن ہے ۔ مختلف علاقوں میں ٹیکسوں کا بوجھ ان مقامی ٹیکسوں کی تعداد اور شرح کو دیکھتے ہوئے مختلف رہا ہوگا ۔ مرکزی ٹیکسوں کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ تمام صوبوں میں کم و بیش یکساں تھے ۔ پھر اس رواج سے جو عام تھا کہ ٹیکسوں کی آمدنی سرکاری افسروں، امراء، جاگیرداروں اور مندروں وغیرہ کے لیے نامزد کردی جاتی تھی، ایک نئی صورت پیدا ہوگئی تھی ۔ یہ تمام ادارے اپنے ٹیکسوں کی وصولی کے لئے ایک جیسے سخت طریقے اختیار نہیں کر سکتے تھے ۔

ٹیکسوں کی وصولی کے طریقے

مقامی زیادتیوں کے خلاف آخری تدارک کے طور پر مرکز کے پاس اپیل کی جاتی جاسکتی تھی یا جہاں اور کوئی چارہ نہ ہو وہاں آخری حربہ یہ تھا کہ اپنے وطن کو خیرآباد کہہ دیا جائے ۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ٹیکس وصول کرنے کے ایسے مختلف النوع ادارں کے ہوتے ہوئے مستعد سرکاری افسران کی لاکھ احتیاط اور خبرداری کے باوجود ٹیکسوں کی وصولی کا کوئی یکساں دستور قایم کرنے میں کامیابی ہوئی ہوگی ۔ ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی وصولی میں ظالمانہ طریقوں کے استعمال کی مثالیں بھی نایاب نہیں ہیں ۔ "برہم دیم" مہندر منگلم کی سبھا نے یہ حقیقت ایک تحریری ریکارڈ کی شکل میں چھوڑی ہے (79) کہ ۱۰۰۱ء میں فوج (پنڈا ایلار) نے اُن کو پانی اور دھوپ میں کھڑا کرکے اسقدر اذیتیں دیں کہ وہ ان کو برداشت نہ کرسکے اور ایک محافظ کو ساتھ لے کر تنجاوُر چلے آئے تاکہ تمام معاملہ راج راجا مہاراجا کے روبرو رکھ سکیں ۔ لیکن راجہ نے معاملہ پھر مقامی حکام کے پاس بھیج دیا ۔ موقعے پر کام کرنے والے اہل کار کی تائید و حمایت کرنا بظاہر نظم و نسق میں کوئی اتنا جدید حربہ نہیں، جتنا کہ ہم سمجھتے ہیں ۔ یہ اُن زمانوں میں بھی زیر استعمال تھا ۔ زیرِ تبصرہ کتبہ اگرچہ ادھورا ہے، لیکن اس سے یہی تاثر ملتا ہے کہ پہلا ہی حکم بغیر کسی ترمیم کے قایم رکھا گیا ۔ راجندر دوم کے تیسرے سال حکومت جمبئی نامی گاؤں میں ایک افسر نے ایک عورت سے کسی ٹیکس کا مطالبہ کیا ۔ (80) جب اس عورت نے اس ٹیکس کی ادائیگی کی ذمہ داری

سے انکار کیا تو افسر نے کوئی ایسی حرکت کی جس[81] کے باعث اس عورت نے مجبور ہو کر زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ افسر مذکور کو 32 کاشو کے خرچ سے ایک چراغ دان کر کے اس جرم کا کفارہ ادا کرنا پڑا۔

اس طرح جہاں چولا شہنشاہوں کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں ٹیکسوں کی وصولی میں سختی اور جبر اور بعض اوقات ظلم تک کیا جاتا تھا، وہاں بعد کی رعایا کو ایک اور خطرے سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ خطرہ انہیں مقامی سرداروں اور جاگیرداروں کی بڑھتی ہوئی خود مختاری سے پیش آیا کیوں کہ ان لوگوں پر ایک قومی مرکزی حکومت کی روک ٹوک نہیں رہی تھی۔ اور اکثر دولت اکٹھی کرنے کے لئے ظالمانہ طریقوں سے کام لیتے تھے۔ 1213ء کے ترو وریور کے ایک کتبے میں[82] ایک دردناک سانحہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو غالباً اس زمانے کے متعدد ایسے واقعات کی ایک مثال ہے جو حلقۂ تحریر میں نہیں لائے جا سکے ایک یادو رایا سردار نے کوئی نیا ٹیکس لگایا یا کسی پرانے لگائے ہوئے ٹیکس میں ترمیم کی۔ اس ٹیکس کا نام "پون واری" تھا اور یہ ٹیکس فی "ویلی" اراضی پر ایک چوتھائی "ماڈئی" کی شرح سے تجویز کیا گیا۔ اس سردار نے اُجڑے ہوئے یا انحطاط پذیر قصبات کے لئے مقرر رعایتیں اس ٹیکس میں نہیں دیں اور ناڈو کی تمام بستیوں سے مطالبہ کیا کہ خواہ ان کی حالت کیسی بھی ہو وہ پوری شرح سے یہ ٹیکس ادا کریں۔ یادو رایا کا تعینات کردہ محصّل اس ٹیکس کی وصولی کے لئے پنئی وائیل میں آیا اور جس قدر ٹیکس وصول کر سکتا تھا اکھٹا کرنے کے بعد اس نے مقامی سبھا کے ممبروں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ اس پر سبھا کے اراکین نے اس ظالمانہ محصول کے بقایا کی ادائیگی کی خاطر گاؤں کی 80 ویلی قابلِ کاشت اراضی معہ کچھ رہائشی رقبہ کے 200 پلنگا شو کے عوض فروخت کرنے کے لئے کارروائی شروع کی۔ جس شخص نے یہ اراضی خریدی اس نے فوراً ہی اسے ترو وریور کے مندر کے نام منتقل کر دیا اور اسے چند مذہبی اور تعلیمی مقاصد کے لئے مخصوص کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے دردناک حالات کے تحت حاصل کی ہوئی جائداد کو اپنے نجی مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے اس شخص کو جذباتی طور پر ناپسندیدگی ہوئی۔ اس لئے اُس نے ایسا کیا۔ فی الواقع اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک فیاض نیک دل انسان نے مظلوم سبھا کی مدد کی اور یہ بھی کوشش کی کہ نئے ٹیکس کے

باعث گاؤں کے زیادہ غریب ہو جانے کے باوجود اُس کا اٹھایا ہوا نقصان اس کے لئے قابلِ برداشت ہو جائے کیونکہ اس سے نواح کی سماجی سہولیات میں یقینی طور پر کچھ اضافہ ہو گیا۔ ہماری نظر سے ضلع تنجور کے عین مرکز میں واقع منارکڈی کے وہ کتبات بھی گزرے ہیں جو 1238ء اور 1239ء کے ہیں (83) اور جن میں ہر با اختیار افسر یا ادارے کی جانب سے رعایا پر لگائے جانے والے جابرانہ اور آزار دہ ٹیکسوں کا غیر مبہم الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی کے نتیجے میں عوام نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اراضی کی کاشت کرنا اس وقت تک بند کر دیں گے جب تک حالات میں اصلاح نہیں ہوتی۔ اس میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ صاف اور واضح ہے اور چولا سلطنت کے دورِ زوال میں ملک کے اندرونی حالات کی شہادت دیتی ہے۔ "پلرم کئی وند پڈی تنڈک کو لگئی یا لے اینگلوکٹ تری پڑو دیالے۔۔۔" "چوں کہ متعدد افراد کے ہم سے جابرانہ ٹیکس وصول کرنے کے باعث ہمارا جینا دشوار ہو گیا ہے" عوام کی ان شکایات کی سنوائی منارکڈی کی سبھا نے کی جس کا اجلاس پانچ نواحی نادوؤں کی اسمبلیوں کے ساتھ مشترکہ طور پر منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس کے فیصلے کے مطابق عوام کو اختیار دیا گیا کہ وہ صرف جائز اور قانونی محاصل ادا کریں اور ان قابلِ ادائیگی ٹیکسوں کو تفصیل سے تحریر میں لایا گیا۔ نیز یہ فیصلہ ہوا کہ اس اجلاس کی شرح سے زاید کسی بھی ٹیکس کے مطالبے کی مزاحمت کریں۔ یہ بات خاص توجہ کی مستحق ہے کہ یہ کتبے جتنی مدت اور جتنے علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں اس کے پیشِ نظر اس قسم کی جابرانہ کارروائیوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ فاضل اور خلافِ معمول ٹیکسوں کے خلاف عوام احتجاج اور مزاحمت کر کے ان کو عوام رنواج کے مطابق بنانے میں اکثر کامیاب بھی ہوئے۔ میسور کے علاقے سے دستیاب شدہ کلوتنگا اول کے تیسرے سالِ حکومت کا کتبہ اس (84) امر کی بہت دلچسپ مثال ہے۔ یہ کتبہ عظیم اسمبلی "بیر یا وشیائم" کی کارروائی کی تحریری دستاویز ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ جب سے چولا حکمرانوں کی نسل وجود میں آئی تمام چولا عمل داری میں، جس میں نگرلی شولا منڈل کے 78 ناڈو، جیئن گونڈا شولا منڈلم کے اڑتالیس ہزار "بومی"، اور راجندر

شولپ پدی میں پومی کا صوبہ جو عظیم فوج کے افسر ویگئی مہاشینائی کو جاگیر میں دیا گیا تھا، شامل تھے، گایوں اور بھینسوں پر بھی ٹیکس نہیں لگایا گیا تھا۔ اس لئے جو نیا ٹیکس ادیگار گل شولاموو دیند ویلار، کی جانب سے گائے بھینسوں پر عاید کیا گیا تھا اس کو ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ جنگلات کے خطوں اور بارانی اراضیات سے پیداوار کا پانچواں حصّہ بطور سرکاری لگان کے وصول کیا جاتا تھا اور کسی تالاب سے سیراب ہونے والی دھان کی فصل والی زمین سے پیداوار کا تیسرا حصّہ لگان کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ پہاڑی قبائل (ویڈار) کی پہاڑی اراضی کی کھیتی پر لگان کی شرح 1500 "کلیوں"، پر ایک کپڑا (پڈوئی) تھی۔ مذکورہ کتبے میں تمام دیگر متفرق محصولوں اور خدمات کی شرحیں بھی درج ہیں اور سب سے آخر میں اراضی کی پیمائش میں کام آنے والے ڈنڈے یا پیمانے کی لمبائی بھی درج ہے۔ سرکار کو ادا کئے جانے والے ٹیکسوں کی شرحیں مقرر کر دینے کی عوامی کوششوں کی اس طرح کی دستاویزی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اور ایسی کوششیں خود سر اور مطلق العنان راجاؤں اور جاگیرداروں کو اپنی من مانی کارروائی سے روکنے میں ہمیشہ کامیاب بھی نہیں ہوئی ہوں گی۔ لیکن اس طرح کی کوششیں کی گئیں اور عوام کے شعور و احساس میں حکومت کے ٹیکس لگانے کے اختیار کی ایک واضح حد موجود تھی۔ یہ بہت اہم حقیقتیں ہیں اور چولوں کے نظام حکومت کے کسی بھی تذکرے میں ان پر توجہ دینا ضروری ہوگا۔

تاہم ٹیکسوں کی وصولی کے طریقوں میں اراضیات کی قرقی اور نیلام بھی شامل تھے، ایسے نیلام عام ہوا کرتے تھے اور ان کا نام اس راجہ کے نام پر رکھا جاتا تھا جس کے زمانے میں وہ عمل میں لائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر راجندر پرو ولئی، میں ارنجگائی چترویدی منگلم کی اسمبلی کے ہاتھ کچھ اراضی لگ گئی کیوں کہ ناراین کرم وِتن، کے تین بیٹے کسی اور مقام کو ہجرت کر گئے تھے اور انھوں نے قریب پندرہ سال کا لگان ادا نہیں کیا تھا۔ چولا، پانڈیا اور تونڈئی کی ریاستوں میں دیہاتوں کے کچھ خاص زمروں کے "کانی ادئیاروں" (خدمتی کاشتکاران) کے خلاف جاری کیا گیا راج راجا کا فرمان جس پر ہم اوپر بحث کر چکے ہیں، زمینوں کے ضبط کرنے اور "اور ادو۔ وری پاڈو" کے بقایاجات، ان کو نیلام کر کے وصول کرنے کے لئے

جاری کیا گیا۔

ترو کا پور (ضلع چنگل پٹ) کی "اُور" پر فصل تباہ ہونے کے باعث جب مصیبت آپڑی اور ٹیکس ادا کرنا ان کے لئے دشوار ہو گیا تو انھوں نے مجبور ہو کر پڑوس کے ایک مالدار شخص سے قرض لیا، لیکن قرض ادا نہیں کر سکے۔ شاید وہ اس کو ادا کر بھی نہیں سکتے تھے۔ "اور" نے اس شخص کو یہ اجازت دے دی کہ وہ گاؤں کی کچھ بنجر زمین کو زیر کاشت کر لے اور تب انھوں نے قرضے کی رقم کے سود کے عوض نو توڑ اراضی کے سب ٹیکس ادا کرنے کا ذمہ لے لیا۔[86] پانی کی قلت کے باعث فصل کی بربادی کی اسی طرح کی ایک اور مثال ضلع تنجور کے ایک گاؤں میں ملتی ہے جہاں صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے آبپاش اراضی کے رقبے میں تخفیف کر دی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ مقامی مندر کی کچھ اراضی میں پان کی کاشت کی جائے تاکہ گاؤں کے آبپاشی کے وسائل پر بوجھ کم ہو جائے۔[87] مندر نے کچھ رقم سبھا کو قرض بھی دی۔ اور متعلقہ اراضی کو "کاشو کولا اِڑائیلی" (ٹیکسوں سے مستثنیٰ) قرار دلوایا۔

چولا عہد کے اواخر میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں کہ اراضی کا لگان عدم وصولی کی صورت میں آخری حربے کے طور پر نادہندگان کی زمین فروخت کر کے وصول کیا گیا۔ "وان ونما دیوی چترویدی منگلم" (تریچورائی)، ضلع تنجور کے کچھ برہمن مزارعان ٹیکسوں کی ادائیگی نہ کر سکے اور اپنی زمینیں چھوڑ کر گاؤں سے کہیں اور ہجرت کر گئے۔ اور ان کی یہ اراضیات ۱۱۱۲ء میں پڑوس کے ایک مندر کو بیچ دی گئیں۔[88] یہ بات واضح نہیں ہے کہ اراضیات کو چھوڑ جانے والے کیوں ٹیکس ادا نہ کر سکے۔ کیا ٹیکسوں کا بوجھ بھاری ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا یا ٹیکسوں کی وصولی میں بے قاعدگی کی وجہ سے ٹیکسوں کا بقایا بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اور گاؤں کی سبھا نے مذکورہ زمینوں کو فروخت کیا۔ اس سے موخر الذکر مفروضہ کا امکان زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس واقعہ کے دو برس بعد بالکل اسی طرح کاکونیری راجاپورم میں زمینیں چھوڑ بھاگنے اور متروکہ اراضیات کی فروخت کا واقعہ کتبوں میں تحریر ملتا ہے۔[89] یہ مقام بھی ضلع تنجور میں واقع ہے۔ لیکن اس واقعے میں یہ صاف واضح ہے کہ مزارعان ہی نے دیدہ و دانستہ ٹیکس ادا

نہیں کئے ۔ اس معاملے میں ٹیکسوں کا بقایا بھی زیادہ نہیں ہوا تھا کیونکہ متنازعہ رقم حکمرانِ وقت کے صرف اُنچاسویں سالِ حکومت سے متعلق تھی جس کے متعلق یہ کتبہ لکھا گیا تھا اور شہنشاہ کے محکمہ مال کے افسران نے ایک خط کے ذریعے گاؤں کی سبھا سے مطالبہ کیا کہ وہ متعلقہ زمین کو فروخت کر کے ٹیکس کے واجبات وصول کریں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسوں کو زیادہ باقاعدگی سے وصول کرنے کا بندوبست کرنے کی بھی سعی کی گئی ۔

وکرم شولا کے پانچویں سال حکومت میں کریکال چولا چتر ویدی منگلم کی مہا سبھا نے لگان اراضی ادا کرنے کی توفیق نہ رکھنے والے اور کسی دوسرے مقام کو ہجرت کر جانے والے اشخاص کی جانب سے واجب الادا ٹیکسوں کے متعلق اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا فیصلہ کیا ۔ لہٰذا ان لوگوں کی زمینوں کو "سبھائی ولئی" میں یعنی سبھا کے حکم سے کھلے نیلام میں بیچنے یا ان کو "اڑائیکی دیودان" کے زُمرے میں لانے کا فیصلہ کیا گیا جس سے کم از کم ٹیکسوں کے مساوی رقم مندر کے خزانے سے حاصل کی جا سکے ۔ (۹۵)

اُودھیتور ، ضلع ترچناپلی سے دستیاب شدہ وکرم چولا کے عہد کا ایک کتبہ کئی پہلوؤں سے دلچسپ ہے[91] ۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک شخص جو ایک "کانی" (بہت بڑی آراضی) کا مالک تھا ، اپنی "کانی" پر عائد شدہ ٹیکس ادا نہ کر سکا ۔ یہ اراضی اس کی زرخرید تھی اور شری کنٹھا چتر دیدی منگلم میں واقع تھی ۔ وہاں کی سبھا نے اس معاملے پر غور کیا ۔ دریں اثناء وہ شخص مندر میں کوئی معمولی سا جُرم کرنے کا خطاوار پایا گیا اور اس پر ۲۰ پیسٹس کا شو جرمانہ کیا گیا ۔ اُس کی اراضیات فروخت کر دی گئیں اور اُس سے جو رقم ملی اس سے عام محصولات اور جرمانہ وصول کر لئے گئے ۔ اسی مقام سے ملے ہوئے ۱۱۹۹ء کے ایک اور کتبے میں کئی برس بعد ان واقعات کا دوبارہ ذکر ہے[92] ۔ کتبے میں بتایا گیا ہے کہ یہ اراضی ایک برہمن کی اصل ملکیت تھی جو مندر کی دیوی کے جواہرات چراتا ہوا پکڑا گیا ۔ لہٰذا اُسے حکم دیا گیا کہ وہ مذکورہ زمین ، اپنا مکان اور اپنے غلام بطور "دیودان" "ناٹم" (ضلعی اسمبلی) کے حوالے کر دے ۔

بعض مرتبہ مندر کو بھی اپنی جائداد کا مالیہ چکانے کے لئے اپنی اراضیات کو بیچنا پڑتا

تھا۔ اس کی ایک مثال ۱۲۱۵ء کے لگ بھگ ہمیں شالُوں کو بم میں ملتی ہے جو مالاپورم کے قریب واقع ہے(93)۔ دوسری جانب مندر اپنے مزارعین سے واجب الوصول ٹیکس حاصل کرنے کے لئے اکثر ان کی اور املاک بھی قرق کروا لیتے تھے او اگر ضرورت پڑے تو شہنشاہ سے منظوری لے کر اس کو فروخت کر ڈالتے تھے(94)۔

مجلسی اخراجات

چولا نظامِ حکومت کے مالی پہلو کا کوئی بھی تذکرہ اس وقت تک مکمل نہیں سمجھا جا سکتا جب تک یہ واضح نہ کر دیا جائے کہ اس نظام کی زیادتیاں کہاں تک خود اپنے بُرے اثرات کو زائل کر دیتی تھیں۔ کیونکہ ٹیکسوں سے حاصل کی گئی آمدنی بہت سے سماجی بھلائی کے کاموں میں صرف کی جاتی تھی۔ زر اندوزی یا روپیہ دبا کر رکھنا، خاص طور پر راجاؤں اور مندروں کی جانب سے ناپید نہیں تھا لیکن یہ لوگ خرچ بھی کافی کرتے تھے اور قرونِ وسطیٰ کی زندگی کے حالات میں سماج دشمن نوعیت کے فضول اور گھر لٹانے والے اخراجات کے مواقع بھی زمانۂ حال کی نسبت کم میسّر تھے۔ امیر اور زردار رئیس اور اس کے نادار پڑوسیوں کی نجی عادتوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہوتا تھا۔ دولت مند لوگوں کو امتیاز اور شہرت حاصل کرنے کے لئے دیوتاؤں اور غریبوں کی خدمت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی پڑتی تھی۔ اس طرح کے کام سماجی شہرت اور عوامی تحسین و منزلت حاصل کرنے کے عام مروّج راستے تھے، مثلاً مندر تعمیر کرنا، کوئی مٹھ بنا دینا، مندر یا مٹھ کے ساتھ کوئی مدرسہ یا شفاخانہ منسلک کر دینا، کسی بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنانا۔ وہ مندر جنھوں نے اپنے جمع شدہ خزانوں کے باعث بعد کے زمانوں میں غیر ملکی حملہ آوروں کی حرص و آز کو اپنی جانب راغب کیا، اس عہد میں عوام کا سب سے بڑا سہارا تھے، اور مالی مصیبت کے اوقات میں ان کی سب سے بڑی پناہ گاہ بھی تھے۔ وہ ایک طرح کا ریزرو بنک تھے جس کی شاخیں ہر گاؤں میں تھیں اور جو پرسکون زمانے میں عوام کی فاضل دولت سمیٹتا اور اُسے محفوظ رکھتا تھا۔ اور مالی قلت اور تنگی کے دور میں اسے عوام کے استعمال کے لئے باہر نکالتا تھا اور ہمیشہ سنگین مصائب سے بچ

نکلنے میں سماج کی مدد کرتا تھا۔ کوئی تباہ کن سیلاب ہو یا طویل المدّت قحط، علاقے کے معاشی نظام کو اِن مصائب سے زیادہ مستقبل اور دیرپا نقصان پہنچتا، اگر عوام کو مندروں کے ان وسائل کی دستگیری حاصل نہ ہوتی جو ان کے اسلاف نے پشتہا پشت سے اپنی راستبازی اور محنت سے جمع کئے تھے۔ راجا رئوسا اور مندر کئی طرح سے عام لوگوں کی محنت ومشقّت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ لیکن اس طرح حاصل کردہ دولت کا ایک بڑا حصہ کچھ اس طرح سے عوام کو واپس مل جاتا تھا جس سے کہ اُن کی مشترکہ فلاح کو فروغ ملتا۔ یہ ایک خیرت انگیز مجلسی ہم آہنگی تھی جس کی اساس افراد یا طبقات کی برابری پر تو نہیں تھی لیکن ایسے باہمی لین دین اور خیرسگالی کے جذبات پر مبنی تھی جن کی جڑیں سماج کی زندگی کے سنگِ بنیاد تک گہری تھیں۔

انیسواں باب

حاشیے

(1) فیرانٹڈ، کی تصنیف ۔ صفحہ 138

(2) ترووالنگاڈو کی تحقیقوں میں درج پایا گیا ہے کہ راجندر اوّل نے جنوبی ہند پر اپنی فوج کشی میں پانڈیا راجہ کے موتی چھین لئے ۔

(3) اِس معنی میں ”منرا“ کے بطور فعل استعمال پر غور کیجئے (SII iii-27-91)

(4) SII-iii-93- ”دنڈم - الٹو - اپیرپٹا منرو یاڈم“ (II، 28 تا 30) اس سے پہلے کے ارکانِ تہجی ”آنوائے“، ”دنڈم“ کو کرشنا شاستری نے ”دنڈم“ کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے اور ”آنوائے دنڈم“ کے جملے میں اُس نے ایک نیا ٹیکس سمجھا ہے ۔ میرے خیال میں ”آنوائے“ کے معنی ہیں حسب موقعہ ۔ پھر کرشنا شاستری ”منرو یاڈو“ کو وہ محصول بتاتا ہے جو اسمبلی عاید کرتی تھی ۔ اگر اس ٹیکس کو عاید کرنے اور وصول کرنے میں اسمبلی کا ہاتھ تھا تو اس کے پاس ایسے مواقع کے لئے تعزیری اختیارات بھی رہے ہوں گے ۔

(5) 1911 کا 255

(6) 1920 کا 521 — ARE-1921، II، 25

(7) SII-iii-142

(8) 1923 کا 194

(9) 1925 کا 121 - ایسے ہی جملوں کے لئے 1913 کے 388 سے اور 1926 کے 140 کے ساتھ مقابلہ کیجئے ۔ 1925 کے 147 میں یہ عبارت ملتی ہے ”پرو - وری - شل ۔ وری ترو ۔ واشیلل پونڈا گڈِ مائی اپیرپیڈم“ نیز 1926

کا ۱۴۹ بھی دیکھئے۔

(۱۵) یہ مشکل ترین اصطلاحوں میں سے ایک ہے۔ آخر اِس کے معنی کیا "اپچورو" ہیں یعنی "کسی بھی قسم کا کھانا"، یا "کسی بھی حساب میں کھانا"۔ یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ کچھ لوگوں کا مفت کھانا حاصل کرنے کا استحقاق اکثر حالات میں تسلیم کیا جا چکا تھا۔

(۱۱) بعض کتبوں میں ہم اِس قسم کے لئے صرف "واشِلِل۔ پوندکُڈ مائی"۔ ہی دیکھتے ہیں جیسے کہ 1913 کے 388 میں۔ موازنہ کیجئے "راج دواراً" جو 1913 کے ۱۹۷ میں درج ہے۔

(12) SII – iii – ۹۳ – اِس میں جو جملہ استعمال ہوا ہے وہ "کڈِ مائی شے یل" ہے، اگر (ہم) "کڈِ مائی"، لگائیں۔ کرشنا شاستری اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے۔ "اگر ہم اپنے مالکانہ حقوق کا دعویٰ کریں"۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقرار اراضی پر ناجائز قبضے سے احتراز کرنے کا نہیں تھا بلکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کے ناجائز تصرف سے ہاتھ روکنے کے لئے تھا کیونکہ یہ تالاب کی مرمت اور دیکھ بھال کے لئے وقف کر دی گئی تھی۔

(13) معلوم ہوتا ہے کہ "ادر۔ کیل۔ ارائیلی"، کے مفہوم کی وضاحت ۱۹۱۱ کے کتبہ نمبر ۱۰۹ کی مندرجہ ذیل عبارت میں کی گئی ہے۔ اِنی لنگ لکوّ اور وِلکاڈُو پڈّی پوِ پیرّی وتد نلم اینگل پیر گلِلے ایری۔ اِرگک۔ کڈّ ووَم آگوَم ــ اینگل پکلّ وِرُ دکو نڈّارُم ستری۔ دھنم پیرارُم مرّم پیر واڈُ ٹیارُم اِپڈّی اِرگک کا ڈّور گل۔ آگ دُم"۔ سنہ ۱۱۶۹ء کے کتبے۔ 1917 کے نمبر ۲۲۴ میں جو کولوکائی (ضلع تنجور) سے ملا ہے ایک ایسی سبھا کی مثال دی گئی ہے جس نے مندر کے خزانے سے ۱۶۰ کاشو کی رقم (اُدھار) لی اور نصف "نلم"، پر تمام واجب الادا محصولات ادا کرنے کا اقرار کیا۔ لیکن یہ اراضی کئی برسوں تک غیر آباد پڑی رہی۔ اس کے بعد اُسے اس لئے زیر کاشت لایا گیا کہ اس کی آمدنی سے ہر رات مندر کے لئے پھولوں کا ایک گجرا مہیّا کیا جا سکے۔ سبھا نے حقوق ملکیت میں کسی طرح کی تبدیلی کئے بغیر ٹیکس ادا کرتے رہنے کا اقرار کیا۔

(14) SII - iii - 9

(15) 1920 کا 604

(16) 1918 کا 526

(17) 1929 کا 168

(18) 1925 کا 336

(19) 1924 کے 365 — SII، iii، 212

(20) 1928 کا 145

(21) 1910 کا 167 : یہ کتبہ اصل کتبے کی ایک بعد کی نقل ہے۔

(21 الف) 1902 کا 77 (SII - vii - نمبر 804)

(22) 1925 کا 198

(23) 1914 کا 73

(23 الف) 1936-37 کا 165؛ ARE - II - 28

(24) 1903 کا 21

(25) 1909 کا 261

(26) 1922 کا 537

(27) 1928 کا 337

(28) 1908 کا 204

(29) 1899 کا 4

(30) 1928 کا 187

(31) TAS - vi صفحات 11-12

(32) 1911 کا 96، موازنہ کیجئے "سبھا دنیوگم" کی اصطلاح کے ساتھ۔

(33) 1927 کا 199 — 1913 کا 59 — 1902 کا 413 وغیرہ

(34) 1927 کا 113

(35) اب دونوں الفاظ کے معنی ہیں "حجّام"۔ ممکن ہے کہ ماضی میں ان دونوں طبقات کے درمیان باہم کچھ فرق رہا ہو۔

(36) 1912 کا 103

(37) 1917 کا 343، اا، اا ـــــ 1903 کا 386 مورخہ 1076ء میں مہادان پورم میں چودہویں درجے کا ذکر ہے۔

(38) IA - جلد 40 (مطبوعہ 1911ء) صفحات 165 تا 168 میں اِس جانب ایک محض نمائشی کوشش ملتی ہے۔

(39) SII - iii نمبر 28، 71

(40) SII - ii نمبر 4 - 5 وغیرہ

(41) گورنر کے پرائیویٹ سیکریٹری کے نام خط مؤرخہ 20 جون 1806ء، جو امنت پور سے لکھا گیا۔ میں اس خط کے لئے ڈاکٹر کے این۔ وی۔ شاستری کا احسان مند ہوں۔ مزید دیکھئے مورلینڈ، کی تصنیف "India at the death of Akbar" صفحہ 98۔

(42) 1899 کا نمبر 3، ایک بہت دلچسپ کتبہ ہے اگرچہ یہ ٹکڑوں میں ہے جس میں اس زمانے کے دوبارہ بندوبست مال کے طریقے اور لگان اراضی کے رجسٹروں کی صحت کے متعلق ایک بہت ہی واضح بیان ملتا ہے۔

(43) 1924 کا کتبہ نمبر 356

(44) "نیتری رائیائے" اا، 76

(45) جن کمیٹیوں کے نام دئے گئے ہیں وہ "سم وتسرا"، "ایری" اور "توٹم" ہیں۔

(46) SII - iii - 12

(47) اا، 89 تا 94 ـــ "پورو - مرجا دی - اِرئی" کا جملہ ہمیں اترمیرور کے کتبے میں مذکور "پورواچارم" کی یاد دلاتا ہے۔

(48) اا، 4، 15 تا 16

(49) 1922 کا 16

(50) SII، iii - 54 ـــ متن کی عبارت یوں ہے: "مے۔ نیرم کنازم۔ نیرہ رکیئہ دِلیمُ اگیا تر پونم"۔ ہلٹش نے اس کا ترجمہ کیا ہے، "اونچی سطح والا پانی۔"

کنوئیں ۔ پانی کے لئے ادا کی گئی قیمت ۔ اگیارؔ کا سونا "کنرُو (کنوئیں) کے برعکس "مے نیر" کے معنی وہ جگہ ہے جہاں اوپر سے آنے والا پانی جمع ہوتا ہے، یعنی تالاب ۔ لہٰذا پہلا جملہ پورے کا پورا ایسا ہی سمجھنا چاہیئے ۔

(51) SII-iii — صفحات 410 - 411، 11، 436 تا 442 ۔ کرشنا شاستری نے اپنے ترجمے میں ان میں سے بعض کے عارضی ترجمے دئے ہیں (صفحات 436 - 437)

(52) 1908 کا 292

(53) 1916 کا 327

(54) 1902 کا 262

(55) 1919 کا 176

(56) 1896 کا 113

(57) 1901 کا 253

(58) 1896 کا 31

(59) 1922 کا 224 ۔ "ترمم" (درحم) لفظ پر دھان دیجئے

(59 الف) 1902 کا 205

(60) 1896 کا 128

(61) 1919 کا 57

(62) 1922 کا 421

(63) SII-i-59 — "آشوو گل ۔ پیرار ۔ کا شو" کا جملہ 1912 کے کتبہ نمبر 199 میں آیا ہے ۔ یہ بڑا دلچسپ کتبہ ہے ۔

(64) SII-i-64

(65) 1902 کا 495

(66) SII-iii-57، 11 - 8، صفحات مابعد

(67) 1925 کا 207، مُرکا ولوڈیا پاڈی کا پار

(68) 1929 کا 243 ۔ 1906 کا 177 ۔ 1903 کا 16 ۔ 1901 کا 244 ۔ وغیرہ

(69) 1902 کا 157

(70) 1904 کا 502 — "شرو۔ پاڈی۔ کادل" کی اصطلاح 1912 کے 1904 میں اور 1922 کے 421 میں ملتی ہے۔

(70 الف) اُترمیرور سے دستیاب شدہ 1923 کے 168 میں لکھا ہے کہ سالِ رواں کے لئے بعض اراضیات پر "اِرائیلک کاشو" وصول نہیں کیا جائے گا اور بعد کے برسوں میں اس مد میں پانچ کاشو سالانہ کی شرح سے وصول کیا جائیگا۔

(71) 1890 کا 19 — IV.EE صفحات 137 تا 140۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وینکییا کو اِس بات کا ذکر کرنا یاد نہیں رہا کہ مندر پہلے تو اپنی "ارائیلی" اراضیات پر کچھ محصولات ادا کیا کرتا تھا اور بعد میں اسے اس طریقے سے ان ٹیکسوں کی ادائیگی سے مستثنےٰ کر دیا گیا جو کتبے میں درج تھا۔

(72) متن کی عبارت ہے: "اِترمم کیٹو پودوو"

(73) وینکییا اس کے دو مفہوم بتا تا ہے: ناجائز کھڈیوں پر یا ایسے خاندانوں پر محصول (ایضاً)

(74) 1925 کا 245 — اسے ARE - 1925، ضمیمہ ب میں "ارائی کادل" کی ادائیگی سے چھوٹ تصور کیا گیا ہے۔

(75) SII - ii - 4، پیراگراف ا۔ ترو وینکاڈو میں بعض اراضیات کی سرحدوں میں ہمیں ایسے راستوں کا بھی ذکر ملتا ہے "جن سے لاشوں کو لے جایا جاتا تھا"

(76) 1912 کا 199 — اس کتبے میں کپڑا رنگنے والوں (شوپوتوپار) پر لگائے جانے والے ایک ٹیکس (اُڈمئ) کا ذکر آیا ہے۔ اس میں بہت سارے ٹیکسوں اور واجبات کے نام درج کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ یہ فصل کی اقسام کے مطابق بدلتے رہتے تھے۔ اس میں نمک سازی کے تالابوں (کنالوں) پر وصول کئے جانے والے "اَرشی کاشو" کا بھی ذکر ہے۔

(77) سی ویل کی تصنیف HISI صفحہ 136 - حاشیہ 2

78) 1925 کا 201

79) 1895 کا 159 - اِس معاملے میں معلوم ہوتا ہے کہ سبھا کو اپنے ایک منیم کی غفلت کے باعث نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ گاؤں میں اس مُنیم کی ایک "دکانی" زمین تھی -

80) 1906 کا 80

(81) جب اس خاتون نے ٹیکس ادا کرنے کی ذمّہ دار ہونے سے انکار کر دیا، افسر نے جو کارروائی کی وہ "اولائی کوچیئی وِک" کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے - ARE - 1907، II، 42 میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے اُس افسر نے اُسے سخت اذیت دی - "کوچیئی" کے معنی ہیں "اِبوُو" یعنی بے حرمتی - یا اس سے بہتر لفظ ہے "کوچیہ دل" یعنی مجبور کرنا، جیسا کہ SII - viii، نمبر 529 — 1، 3 - الف میں درج ہے۔ یہ خیال مجھے دلشیکا وِ ناکم پتّے سے ملا ہے -

(82) 1912 کا 202

(83) 1897 کے کتبات نمبر 96، 98، و 104

(84) 1911 کا 464 — = EC - X - M1، 49 (الف) - دیکھیے viii x - الفاً

(85) 1914 کا 189

(86) 1909 کا 274

(87) 1925 کا 191

(88) 1909 کا 620

(89) 1909 کا 647

(90) 1914 کا 4

(91) 1912 کا 512

(92) 1912 کا 940 - لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ پہلے والے کتبے میں مذکورہ جملے "شیر وا پرادم" اور بعد کے کتبے میں مذکورہ "جواہرات کی چوری" کے واقعے میں بہت تفاوت ہے - یہ تعجب کی بات ہے کہ اس جُرم کو معمولی

جرم کہا جائے ۔ پھر پہلے والے کتبے میں مندرجہ کئے گئے جُرم کے لئے صرف بیس۲ کا شو کا جرمانہ درج ہے اور مکان اور ملازمین کی ضبطی کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص جب دوبارہ جُرم کا مرتکب ہوا ہو تو اس کے نتیجے میں اپنا گھر اور ملازمین بھی گنوا بیٹھا ہو کیونکہ پہلے جُرم کے موقعے پر اس کی اراضیات نیلام کردی گئی تھیں اور اب یہی اس کے پاس باقی رہ گیا ہو ۔

57 کا 1890 (93)

264 کا 1911 (94)

بیسواں باب

آبادی: طبقہ بندی اور معیار زندگی

سماج کی عام کیفیت

ذات پات سماجی تنظیم کا سنگِ بنیاد تھی۔ اور ہم اپنے سماجی اور اقتصادی مطالعہ کے دوران میں ذات پات کی متعدد تنظیموں کا سرسری جائزہ لے چکے ہیں۔ ہر ایک ذات کم وبیش ایک موروثی پیشہ اختیار کرنے والوں کا گروہ ہوتی تھی جو اپنے معاشی اور سماجی مفادات کی حفاظت کی غرض سے خود کو منظم کر لیتے تھے۔ اُن دنوں کے ہندوستانی سماج کا صحیح ترین تصور یہی ہے کہ یہ کچھ ایسے منظم گروہوں کی ایک وفاقی جماعت تھی جس کے پیچھے سماجی حقوق وفرائض کا ایک مشترک پس منظر تھا جو اُن کے درمیان باہمی رواداری اور مروت و آشتی کو قائم رکھے ہوئے تھا، اس میں خاص بات یہ تھی کہ ایسے بھونڈے سماجی تنازعات اور باہمی رقابت کی اس میں کوئی مثال نہیں ملتی جو دائیں بازو اور بائیں بازو کی ذاتوں کے مابین یا زمانۂ حال کے برہمنوں اور غیر برہمنوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ یہاں ہمیں ایک سماجی ہم آہنگی ملتی ہے جس میں نہ تو اتنی قناعت تھی کہ بلند ہمتی ختم ہو جائے اور نہ طبقاتی مفادات کا آنکھ بند کر کے تعاقب تھا۔

سماجی آزادی

اُن دنوں میں دیہات میں آج کی نسبت عموماً زیادہ سماجی آزادی تھی بالخصوص

اعلےٰ طبقوں اور ذاتوں میں ۔ اور پیدائش کسی آدمی کے اپنا پیشہ اور اس کے ساتھ اپنا جماعتی رشتہ تبدیل کر لینے میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی ۔ یہ حقیقت اِس امر سے واضح ہے کہ جن برہمنوں نے اینائرم میں تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا اُن کا شمار اینائرم کے جنوبی بازار کے ولینجیا تاجروں کی ذات برادری میں ہونے لگا تھا۔[1] مگر ان مثالوں کی حیثیت صرف مستثنات کی تھی ، ورنہ ایک ذات یا طبقے کے طور پر برہمن اپنے قدیم روحانی کلچر اور سادہ بود و باش کے نصب العین پر قائم تھے اور دوسرے طبقات اُن کو عزّت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ جیسا کہ ان اَن گنت عطیوں سے ظاہر ہے جو انہیں بلا امتیاز ملک کے ہر حصّے میں اور ہر طبقے کی جانب سے دئے گئے تھے ۔

آبادی

ان دنوں چولا سلطنت کی آبادی کتنی تھی ، اس کے متعلق صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لئے ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں ۔ اس موضوع پر کوئی قابلِ اعتماد اندازہ نہ تو ہمارے کسی ہندوستانی تاریخی ریکارڈ میں ملتا ہے اور نہ کسی غیر ملکی تاریخی یادداشت میں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی حکومت کو جو مال گزاری کی وصولی کی غرض سے اراضی کے ریکارڈ پوری صحت و تفصیل سے رکھنے پر سختی سے کاربند تھی ، اس کو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ اپنے زیرِ حکومت رہنے والی آبادی کی باقاعدہ وقفوں پر مردم شماری کرائے ۔ کیونکہ یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ اگر اس قسم کا دستور ملک میں رائج ہوتا تو اس کا ان ہزاروں کتبوں میں کوئی ذکر نہ ہوتا جن سے اُن دنوں کی حکومت کے طریقِ کار کے متعلق ہمیں واقفیت حاصل ہوتی ہے ۔ اس لئے ہمیں مجبوراً اُس دَور کی تاریخی دستاویزوں سے جو مبہم تاثرات ملتے ہیں انہیں پر انحصار کرنا پڑتا ہے ۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ آج کے زمانے میں بیشتر گاؤں اور قصبے جو ہمارے علم میں ہیں ، کتبوں میں کم و بیش اپنے قدیم ناموں سے موسوم ہیں ۔ ان میں سے کچھ شہر جیسے ضلع چنگل پٹ میں اُترمیرور ، ضلع تنجور میں شینڈلئی اور تِروودُڈی مرُودُور ، ضلع ترچنا پلی میں ترُوویرمبور اور لال گڈی وغیرہ[2] اور کچھ دیگر قصبے جو ضلع مدورا اور رتنے ویلی میں ہیں ،

واضح طور پر انہی ناموں والے موجودہ شہروں کے مقابلہ میں زیادہ گنجان آباد اور بارونق تھے۔ دوسری جانب اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مدراس اور شاید مدورائی اور ترچناپلی کو چھوڑ کر ان دنوں کے بڑے بڑے شہر اتنے گنجان آباد اور بڑے نہیں تھے جتنا کہ آج کے اوسط درجے کے شہر ہیں۔ انتظامیہ کے مقاصد کے لئے مرکزی حکومت کے ایک افسر کی نگرانی میں جو اوسط رقبہ ہوتا تھا وہ اپنے طول و عرض میں آج کل کے ایک تعلقے کے برابر تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ خود تعلقے کا رقبہ سلف کے انتظامیہ دستور کا نتیجہ ہو۔ ان دنوں کی زراعت، صنعت و تجارت اور بری اور بحری فوج کے حالات کے متعلق اور فائدہ مند نیز زیب و آرائش کے لئے بنائی گئی عوامی عمارت پر جو محنت لگتی تھی، ان کے متعلق جو شہادتیں ہمیں ملتی ہیں، اُن سے بھی ہمارے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ چولا ملک کی آبادی کثیر تھی جو اپنے کام کاج میں لگی رہتی تھی اور ملک میں امن و امان اچھی طرح قایم تھا۔ نیز شادی بیاہ اور معیارِ زندگی کے متعلق لوگوں کے نظریات میں اس وقت کے مقابلے میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں ہو سکتا کہ وجیالہ نسل کے چولا راجاؤں کے تحت جنوبی ہند میں دُور دُور تک گنجان آبادی تھی اور سنگم کے زمانے کے مقابلہ میں یہاں کی سماجی زندگی بھی زیادہ ترقی یافتہ ہو چکی تھی۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ آبادی کہیں بھی اتنی نہیں رہی ہو گی جتنی کہ آج برطانوی حکومت کے ڈیڑھ سو سال کے پُرامن وقفے کے بعد ہے۔ اس وقت کی صورتِ حال غالباً ایسی تھی جیسی کہ برطانوی حکومت کے قیام سے فوراً پہلے اٹھارہویں صدی کے خاتمے پر تھی۔

مختلف طبقات میں باہمی تعاون

ذات پات اور الگ الگ طبقاتی گروہوں کی تقسیم مشترکہ مقاصد کے لئے باہمی تعاون میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالتی تھی۔ تلئی چنگاڈو کے باشندوں کے الگ الگ طبقوں اور گروہوں نے جس طریقے سے "مول پروڈئی"، یعنی مندر کے ایما پر مندر کی خدمات کا بوجھ مشترکہ طور پر سنبھالے رکھا اور جس طرح وہ روزانہ باقاعدگی سے دس برہمنوں کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری نبا ہتے رہے[3] وہ عوامی مفاد کے

احساس اور مشترکہ مقاصد کی تکمیل کے لئے آمادگی کی ایک روایتی مثال ہے۔ علیحدگی پسندگی اور طبقاتی رقابت کی علامات بالکل مفقود نہیں تھیں، تاہم ایسے رجحانات اچھی طرح سے قابو میں تھے۔ برہمن ضرور اس کے خواہش مند تھے کہ وہ الگ دیہی آبادیاں قائم کریں جہاں ان کی خود اپنی "سبھائیں" ہوں، جہاں تک ممکن تھا وہ اپنے گاؤں کی اراضی میں دوسری ذاتوں کے حقوق کا دخل پسند نہیں کرتے تھے اور انھیں اپنے گاؤں سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے ان دونوں رجحانات کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حکومت اور عوام کی منظوری حاصل تھی (۹)

خصوصی مراعات

دوسری ذاتیں بھی اپنے لئے کچھ خصوصی مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ راج راجا اوّل کے عہد حکومت میں کنڑادتن کوٹم کے "ویلالوں" نے کچھ مقامی ٹیکسوں سے معافی حاصل کر لی (ی) کانچی میں واقع ادیکل کے کاری گروں کو بظاہر یہ شرف حاصل تھا کہ راجندر کے عہدِ حکومت میں تانبے کی تختیوں پر راجہ کے فرامین وہی کندہ کرتے (۵) تھے، بالکل اُسی طرح جیسے اُتم چولا کے زمانے میں شاہی ملبوسات کانچی کے بافندگان تیار کیا کرتے تھے۔ (7)

پابندیاں

اس کے برعکس آبادی کے کچھ طبقوں کی سرگرمیوں پر بعض پابندیاں بھی عاید تھیں۔ پلائیاں نور کے "دیودان" میں "اِلووں" کو ناریل اور کھجور کے پیڑوں سے تاڑی اتارنا منع تھا (8) اس طرح کی امتیازی مراعات اور ممانعتوں سے قطع نظر جو خصوصی معاہدوں کے ذریعے منضبط کی جاتی تھیں، سماج کے ہر طبقے کے فرائض اور ان کا مقام قدیم دستور پر منحصر تھے۔ ان میں بھی بلاشبہ نئے حالات کے تقاضوں کے تحت ایک آہستہ اور غیر محسوس تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔ کتبوں میں جو کچھ درج ہے، اُس سے ان معاشی رابطوں کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے جنھوں نے ہر پیشے اور ذات کے افراد کو اتحاد و یگانگت کے دھاگے میں پرو رکھا تھا۔ اجتماعی ذمہ داری کے

صول پر عام طور سے عمل کیا جاتا تھا۔ مختلف طبقات اپنے ممبران کے چال چلن کے ضامن بھی ہوتے تھے (۹)

مخلوط ذاتیں

کتبوں میں مخلوط ذاتوں اور ان کے فرایض کا ذکر ملتا ہے ۔ اُن سے پتہ چلتا ہے کہ مخلوط ذاتوں "انولوما" اور "پرتی لوما" کے متعلق مفروضات محض ہمارے قانون سازوں کے تخیل کا کارنامہ نہیں تھے جیساکہ ہم اکثر سمجھتے ہیں، بلکہ مجلسی زندگی میں واقعی ان کا ایک مقام تھا۔ اس سے زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ آبادی کے کچھ خاص طبقے کچھ ایسی باتوں پر یقین کرنے لگے تھے جنھیں ہم ایک اساطیری نظام سے وابستہ کہہ سکتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مان لینا مشکل ہے کہ چار ابتدائی ورنوں کا نظام جنوبی ہند کی سماجی زندگی کے حقایق سے کبھی کوئی مطابقت رکھتا تھا۔ اس سے بھی کم قابلِ یقین یہ بات ہے کہ کچھ ذاتیں مخلوط شادیوں سے ظہور میں آئی ہیں۔ راجا کلوتنگا اوّل کے عہد کے آخری دنوں میں راجا شریا چترویدی منگلم کے بھٹوں نے شاستروں کی مدد سے "رتھ کاروں" کی "انولوما" ذات کے اختیار کرنے کے لیے پیشے مقرر کر دئے، مثلاً راج گیری، بگھیاں اور رتھ بنانا، "گوپوروں" کی تعمیر کرنا اور ان کے اوپر مورتیاں بنانا اور منڈپ تعمیر کرنا۔ "بلیدان" کے لئے اوزار بنانا وغیرہ وغیرہ (۱۰)۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ یہاں جو فیصلہ ضبط تحریر میں لایا گیا ہے وہ وجنانیشور کے نظریات کے عین مطابق ہے جو "متاکشرا" نامی کتاب کا مصنف اور اس عہد کا ایک ماہر قانون تھا۔ متاکشرا نامی کتاب "یاجناولکیہ سمرتی" کی مشہور تفسیر ہے۔ ۱۱۶۹ء کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ہے کہ "رتھ کاروں" کی برادری میں لوہار، سُنار، پتھروں کا کام کرنے والے راج اور بڑھئی شامل تھے (۱۱)۔ وکرم چولا کے عہد کے دو کتبوں میں اُنگرشٹا آیوگووں، یا پٹینونوں - کے طبقے کے جو حالات دئے گئے ہیں وہ اُن قانونی تصانیف سے جو موجود ہیں، خاص طور سے "متاکشرا" سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ یہ دونوں کتبے اِس طبقے کی ابتدا کے متعلق نہ صرف آپس میں بلکہ یاجناولکیہ بھی متفق نہیں ہیں۔ "سمرتی" میں ان لوگوں کو ویش عورت سے شودر مرد

کی اولاد بتایا گیا ہے۔ ایک کہتے ہیں انہیں "برہم ویشیہ" کی اولاد قرار دیا گیا ہے یعنی شاید ان برہمنوں کی جو ویشنوؤں کا پیشہ کرتے تھے[12]۔ جبکہ دوسرے کہتے ہیں ایک سنسکرت شلوک کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ "آیوگوا" کھشتریہ عورت سے ویش مرد کی اولاد ہے[13]! مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو "پرتی لوما" ذات کا مان لیا گیا تھا۔ ان کا پیشہ کپڑا بننا تھا اور اُپ نین اور دیگر گھریلو رسومات کے لئے نیا کپڑا مہیا کرنا، تیوہاروں کے دوران مندروں کے "دھوج پتا کاؤں" کے لئے کپڑا فراہم کرنا اور دیوتاؤں، برہمنوں اور راجاؤں کے لئے عام طور پر مطلوب سوت کی بنی ہوئی سبھی چیزیں تیار کرنا ان ہی کا کام تھا۔ 1127ء میں اس ذات کے کچھ کتبوں نے ترجھوونی میں کچھ "اڑائیلی" اراضی قبول کر لی اور اس کے عوض چند خاص خاص موقعوں پر کپڑے کی ایک مقررہ مقدار مقامی مندر کے لئے فراہم کرنے کا ذمہ لیا۔ انھوں نے مندر کے "شری ویشنوؤں" کو یہ اختیار دے دیا کہ اگر وہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کریں تو اُن کے گھروں کی ناکہ بندی کر سکتے ہیں، انہیں قید کر سکتے ہیں۔ اور معاہدے کی تعمیل کے لئے انھیں پابند کرنے کی خاطر تمام ضروری اقدامات کر سکتے ہیں[14]۔ اگلے ہی برس 1128ء میں اس برادری کے 20 خاندان پانچ مختلف موضوعات سے ہجرت کر کے ترو کنا پورم میں جا بسے اور وہاں کے "برہم دیہ" گاؤں اور اس کے مندر میں ملازمت اختیار کر لی۔ ان کی وہاں آبادکاری کی شرائط کے تحفظ کا ذمہ دار "مہاسبھائی ایلائمبدنار" کو "مہاسبھا۔ 35" کو اور اٹھارہ ناڈوؤں کے "شری ویشنوؤں" کو بنایا گیا۔ (15)

کرودور اور پیرور سے دستیاب ہونے والے کتبوں میں وینگل ناڈ و اور تینگونگو کے "کنمالروں" (پتھر کی چنائی کرنے والے معماروں) اور دوسرے مقامات پر رہنے والے کاریگروں کو دی گئی مراعات کا اندراج ملتا ہے[16]۔ یہ مراعات ایک چولا شہنشاہ نے عطا کی تھیں جس کے نام کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ اس کا ذکر محض کونیرن مائیکونڈان کے لقب سے کیا گیا ہے۔ مذکورہ مراعات یہ تھیں: گھروں میں خوشی یا غمی کے مواقع پر دوہرا سنکھ بجانا، ڈھول بجانا، گھر سے باہر جاتے ہوئے کھڑاؤں پہن لینا، اپنے گھروں کی دیواروں پر چونے کا پلاسٹر کرنا۔ ان

مراعات میں دو منزلہ مکانات بنانا، اُن کے دوہرے دروازے رکھنا اور اپنے گھروں کے سامنے کے حصے کو کنول کے پھولوں سے آراستہ کرنا بھی شامل تھے۔[17]

دائیں بازو اور بائیں بازو کی ذاتیں

جنوبی ہند کی سماجی تقسیم کی کوئی بھی تصویر اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک اُس میں ملک کی صنعتی آبادی کی اس موٹی تقسیم کا ذکر نہیں کیا جائے گا، جو دو حصوں پر مشتمل تھی، دایاں بازو اور بایاں بازو، یعنی "ولنگئی" طبقہ اور "اڈنگئی" طبقہ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں انہی دونوں طبقوں کے تنازعات سے مدراس میں خون خرابے کا خطرہ رہا کرتا تھا۔ اس تقسیم کی ابتدا کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں[18]۔ قصے کہانیوں میں اس کا بانی راجا کریکال چولا کو کہا جاتا ہے۔ زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ اس تقسیم کا ذمہ دار ایک خاص واقعہ ہے۔ جب یہ دونوں طبقے اپنے تنازعات ایک چولا شہنشاہ کے سامنے لائے، ایک فریق راجہ کے دائیں طرف کھڑا ہوا اور دوسرا بائیں طرف[19]۔ فوج کی بہت سی پلٹنیں راج راجا اول کے عہد میں ولنگئی زمرے میں شمار کی جاتی تھیں[20] اور اس طبقے کا ذکر راجندر اول کے تیسرے سال حکومت کے اُس کتبے میں بھی موجود ہے جو ترووشلور سے ملا ہے[21]۔ مہاراجہ کلوتنگا اول کے عہد میں دائیں اور بائیں بازو کی ذاتوں کے مابین ایک تصادم کے نتیجے میں راج مہندر چترویدی منگلم نامی ایک گاؤں کو آگ لگا دی گئی جو ضلع تنجور کے پاپ ناشم تعلقہ میں واقع ہے۔ اس گاؤں کی تمام متبرک عمارات کو مسمار کر دیا گیا اور ڈاکوؤں نے مندر کا خزانا بھی لوٹ لیا۔ جو املاک بچ گئی وہ بھی مندر میں محفوظ نہ تھیں۔ اس گاؤں کی ازسرِنو آبادکاری کے لیے مقامی سبھا نے پچاس "کلنجو" کا قرضہ لیا جس میں خالص ہونے کی مقدار "راجندر شولن ماڈئی" کی نسبت نصف "ماتو" کم تھی۔ یہ رقم ایک برس کا سود شامل کر کے 75 کلنجو ہو جاتی تھی۔ اس رقم میں سے پانچ کلنجو اس عہدِ حکومت کے تیسرے برس میں مندر کی تجدید اور تعمیرِ نو پر خرچ کیے گئے اور باقی ماندہ رقم مندر کے لیے کچھ اراضیات خریدنے اور انھیں لگان سے مستثنےٰ کرانے پر خرچ

کی گئی ۔ وہ کتبہ جس میں ان اراضیات کا ٹیکس معاف کرنے کا فیصلہ درج ہے کلوتنگا
اول کے گیارھویں سال حکومت کا ہے ۔ یہ کتبہ کچھ نامعلوم وجوہ کی بنا پر شری رنگم میں
نصب کیا گیا ۔ (21 الف) کلوتنگا سوم کے عہد حکومت کا ایک عجیب سا کتبہ ہمارے
علم میں آیا ہے جس میں "اِڈنگئی" ذاتوں کی اصل کے متعلق اب تک جو کچھ معلوم ہوا
ہے اس کا سب سے پرانا تذکرہ درج ہے۔[22] ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی پیدایش
کشیپ رشی کے یگیہ کی حفاظت کے لئے اگنی کنڈ سے ہوئی ہے اور یہ کہ وہ شہنشاہ
اِرندما کے عہد میں چولا ریاست میں آن کر بسے تھے۔ اِس شہنشاہ نے مقدس برہمنوں
کی ایک بڑی تعداد انتر ویدی سے اپنی ریاست میں بلا کر آباد کروائی ۔ ان برہمنوں کے
ساتھ "اِڈنگئی" ذات کے لوگ ان کے پاپوش برداروں اور چھتری اٹھا کر چلنے والوں
کی حیثیت سے آئے۔ انہیں پانچ دیہاتوں میں کچھ زمین مل گئی ۔ یہ سب گاؤں اب ضلع
ترچناپلی میں ہیں ۔ یہ لوگ طویل عرصے سے اپنی اصل کو بھول چکے تھے لیکن 1128ء
میں یکایک انہیں اس کی یاد آ گئی ۔ تب انھوں نے ایک باہمی سمجھوتہ کیا کہ وہ آئندہ
اپنے کو ایک ہی باپ کی اولاد سمجھیں گے اور اگر "اِڈنگئی" برادری کے خلاف
کوئی تحقیر آمیز برتاؤ کیا جائے گا تو وہ متحد ہو کر اپنے حقوق منوانے کی کوشش
کریں گے حتیٰ کہ وہ انہیں حاصل کرلیں ۔ یہ بھی طے ہوا کہ صرف وہی اشخاص جو
فرقہ وارانہ جھگڑوں کے فیصلے کے لئے منعقد ہونے والی پنچایتوں میں سینگ سنکھ اور
چھتر کے نشانات (برد) کی نمائش کریں گے، ان کی ذات کے افراد سمجھے جائیں گے۔
آئندہ ان کی شناخت ان کے ان امتیازی نشانوں سے کی جائیگی :۔ سارس کے
پر اور کھلے ہوئے بال ۔ نرسنگھا اور سنکھ بھی ان کے سامنے اسی طرح سے بجانا لازم
ہوگا جس طرح سے "اڈنگئی" لوگ بجاتے ہیں ۔ جو افراد ان قواعد کی خلاف ورزی
کریں گے، ان کے ساتھ ذات کے دشمنوں کا سا سلوک کیا جائے گا ۔ جو افراد "اِڈنگئی"
کے لئے وضع کردہ قوانین سے انحراف کریں گے، انہیں برادری سے خارج کر دیا
جائے گا اور انہیں "شرتی مان" تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ دشمن ذاتوں کے
غلام تصور کئے جائیں گے ۔ یہ کتبہ اڈتور اور ترو پنلی میں اس علاقے کے "شرتی مانوں"
نے کندہ کروایا تھا ۔ آڈتورئی سے ملے ہوئے ایک بعد کے کتبے میں "اِڈنگئی" ذات

کی اٹھانوے گوتیں مذکور ہیں[23]۔ اس کتبے میں وہ مشکلات بھی درج ہیں جو ان گوتوں کو ونئیا مزارعوں اور برہمن اور ویلال زمینداروں کے ہاتھوں پیش آئیں، جن کی پشت پناہی سرکاری اہل کار کر رہے تھے۔ 1227ء میں بلاڈو جو 79 ناڈوؤں پر مشتمل تھا، کے گیارہ ناڈوؤں کی "ناٹور" نے ورنجرم میں واقع "ترووِلنجرم اُڈئیار" کے مندر میں اپنا اجلاس منعقد کیا۔ ورنجرم ضلع جنوبی ارکاٹ کے تعلقہ کال کرچی میں واقع ہے۔ یہ اجلاس اس غرض سے بلایا گیا تھا کہ "اِڈنگئی" کے زمرے میں "ملایامکل" اور "نتامکل" نامی دو ذاتوں کو داخل کرلیا جائے اور ہمیشہ کے لئے اس فیصلے کا احترام کرنے کی قسم کھائی جائے۔ علاقے کے دوسرے "اِڈنگئی" لوگوں کو بھی یہ قسم کھانا تھی۔ یہ علاقہ اِڈنگئی تنتم کے نام سے موسوم تھا۔ آبادی کے دو طبقوں کے مابین ایک پوشیدہ لیکن گہری عداوت کا، جس کے باعث ان دونوں میں بعد کے وقتوں میں اکثر کھلم کھلا جھگڑے ہو جاتے تھے، یہی آغاز تھا۔ کانچی پورم میں "ولنگئی" اور اِڈنگئی دونوں ذاتوں کے لوگ نہ تو ایک مندر میں عبادت کرتے تھے اور نہ مذہبی مقاصد کے لئے ایک ہی عمارت کو استعمال کرتے تھے[24]۔ اس تفرقے کا اثر قحباؤں اور رقاصاؤں پر بھی پڑتا تھا۔ (25)

ذاتی نام

افراد کے ناموں سے اکثر اُن کے سماجی مرتبے کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا مثلاً ارنجما دیوا ڈگل خود مہارانی نہیں تھی جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ محض مہارانی کی کنیز (پینڈاٹ) تھی اور اس کی بیٹی جوار ومولی دیون نامی کسی شخص کے ساتھ بطور داشتہ رہتی تھی، بھٹن گندھرادتی کے نام سے موسوم تھی[26]۔ ایسا لگتا ہے کہ تعداد وشمار سے تعلق رکھنے والے ہندسوں والے نام مثلاً منوڑون، ایرائی رون وغیرہ ہر طبقے کے لوگ رکھ سکتے تھے۔

عورتیں

سماجی زندگی اور اس کی سرگرمیوں میں عورتوں پر کوئی پابندی عاید نہیں تھی،

اگرچہ شرم و حیا خواتین کے اوصاف میں اعلیٰ ترین وصف سمجھا جاتا تھا۔ کتبات میں اعلیٰ طبقوں کی ایسی خواتین کی متعدد مثالیں موجود ہیں جو جائداد اور املاک کی خود مالک تھیں اور وہ ان کو حسبِ مرضی منتقل کر سکتی تھیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ شاہی خاندان کی بعض شہزادیوں کا حکمران راجاؤں کی حکومت کی پالیسی پر بے حد اثر تھا۔ اگرچہ راجہ اور امرا ایک سے زیادہ بیویاں کیا کرتے تھے، تاہم عام رواج ایک ہی شادی کا تھا۔ ایسے دھندوں میں جہاں کم ہُنرمند مزدوروں سے کام چل سکتا تھا' عورتوں کا مزدوری کرنا ایسے ہی رائج تھا جیسے کہ آجکل ہے۔

ستی کا رواج کم تھا

اکثر کتبوں میں عورتوں کے اپنے شوہر کی چتا پر ستی ہونے کا ذکر آیا ہے۔ لیکن ایسے حوالے کم ہیں۔ لہٰذا اس کو چولوں کے زیرِ حکومت تامل خطے کا عام رواج تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بتایا گیا ہے کہ ویرشولا النگو ویلار کی بیوی گنگما دیویار نے اپنے شوہر کی چتا میں بیٹھنے سے پہلے ایک چراغ کا عطیہ دیا تھا۔(27) یہ واقعہ شاید راجا پرانتکا اول کے عہد کے ابتدائی دنوں کا ہے۔ ترووالنگاڈو کی تختیوں(28) میں وانوَن مہادیوی کی مثال ملتی ہے۔ جو شہنشاہ سندر چولا کی مہارانی تھی۔ اس سے قبل کے ایک تامل کتبے میں جو اس مہارانی کے نامور بیٹے راج راجا اول عہد کا ہے، ستی کا یہ واقعہ زیادہ مفصّل طور پر درج ہے۔(29) ان کتبوں کی عبارت اور اس بات سے بھی کہ کسی اور چولا رانی کے ستی ہونے کی مثال نہیں ملتی، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وانَوَن مہادیوی کے اقدام کی تعریف تو کی گئی لیکن کسی نے اس کی نقل نہیں کی۔ امرا اور عوام النّاس کے طبقوں سے تعلق رکھنے والی تین عورتوں کے ستی ہونے کی مثالیں ریاست میسور سے بھی ملی ہیں۔ 1057ء میں ایک شخص نے کشتیوں کے ایک مقابلے میں راجہ کے ایک رشتے دار کو جان سے مار دیا۔ لہٰذا اُسے سزائے موت دی گئی۔ اس کی بیوی دیکبے جو نُنگ ناڈ کے ایک جاگیردار کی بیٹی تھی، اپنے والدین کی شدید مخالفت کے باوجود اپنے شوہر کے ساتھ ستی ہو گئی۔ یہ تمام روداد "کاویہ" کے طرز پر لکھی ہوئی ایک دردناک کنڑ نظم میں بیان کی گئی ہے۔ (30)

باقی دو مثالیں 1067ء اور 1068ء کی ہیں۔ ان میں سے ایک تو حقیقی واقعہ کے طور پر درج ہے[31] لیکن دوسری کا ذکر مرنے والوں کے بیٹے کی جانب سے اُن کی روح کی شانتی کے لئے دئے گئے ایک عطئے کا ذکر کرتے ہوئے ضمناً کیا گیا ہے۔[32] ریاست میسور سے 1055ء کی ایک مثال ملی ہے جس میں ایک شخص نے اپنے بیٹے اور اس کے ساتھ ستی ہو جانے والی اپنی بہو کی موت کا سوگ منایا ہے۔[33] جنوبی ارکاٹ سے ویر راجندر کے عہد کا ایک کتبہ ملا ہے جس سے ان متضاد جذبات کا پتہ چلتا ہے جو ایک طرف تو جل مرنے کی جسمانی اذیت اور دوسری طرف فرض کی ادائگی کے ایک غیر انسانی معیار پر پورا اترنے کی شدید آرزو سے عورت کے دل میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ اقرار کرتی ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد زندہ رہی تو وہ اس کی دوسری بیویوں کی خادمہ بن کر رہ جائیگی۔ وہ اُن لوگوں کو کوستی ہے جو اس جل مرنے سے احتراز کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، بلکہ وہ ان لوگوں کو بھی بُرا بھلا کہتی ہے جو آگے بڑھ کر اُسے باندھ کر چتا کی آگ میں نہیں پھینکتے۔ یہ لعن طعن اتنا دردناک ہے کہ یہاں اسے نقل نہیں کیا جا سکتا۔[34] ایسے کتبے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں عام طور پر ماحول ستی کی رسم کے حق میں نہیں تھا۔

بیسوائیں

بیسواؤں کے طبقے کا ہندوستانی سماج میں ہمیشہ سے اہم مقام رہا ہے۔ عہدِ عتیق ہی سے رقاصہ سماج میں ایک باعثِ کشش ہستی رہی ہے۔ اس کا عوام کے سامنے آنا بالعموم مذہبی تیوہاروں کے موقعوں پر ہوتا تھا۔ وہ مردوں سے ملنے میں آزاد تھی اور سماج کے ان ضوابط کی پابند نہیں تھی جو گھریلو عورتوں کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ اس کی نجی صحبت صرف منتخب احباب ہی کو حاصل ہوتی تھی جن کے انتخاب میں جتنا جذباتی لگاؤ کارفرما ہوتا تھا اتنا ہی کسب زر کی ہوس کو بھی اس میں دخل ہوتا تھا۔ اگر ہم لٹریچر اور کتبوں کی روشنی میں دیکھیں تو جس تعصب سے اس ادارے کو ہمارا سماجی ریفارمر دیکھتا رہا ہے اس کا ہمیں کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ دراصل ہمارے ریفارمروں کے نظریات مجبور و لاچار عورتوں اور لڑکیوں کی اس بے رحمانہ تجارت کو دیکھ کر قایم

ہوئے ہیں جیسے آج کل کے بڑے بڑے شہروں میں کافی فروغ ملا ہے۔ قسمت ور بیسوائیں ان دنوں میں ایک آرام اور انبساط کی زندگی بسر کرتی تھیں اور اپنی یونانی بہن "ہیٹیرا" کی مانند ان افراد کی تفریح کا باعث ہوتی تھیں جو اس کی قیمت ادا کر سکتے تھے۔ اگر وہ اتنی خوش قسمت نہیں تھیں تو وہ مندر کی داسیوں میں شمار ہوتی تھیں جو کسی بھی اجنبی راہ گیر کو جنسی آسودگی دیتے ہوئے یہی سمجھتی تھی کہ وہ عبادت کا کام کر رہی ہے۔ مسلمان مصنّفوں کی تحریریں متفقہ طور پر اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ ان بیسواؤں کی آمدنی مندروں میں پوجا کے مصارف چلانے کے لئے پجاریوں اور مندر کے دیگر منتظمین کے حوالے کر دی جاتی تھی[35]۔ لیکن چونکہ ان مُسلم مصنّفین میں اپنے پیشرووں کے بیانات کو بغیر تنقید دوہرانے کا رجحان پایا جاتا تھا، ہمیں ان کی گواہی پر فوری یقین نہیں کر لینا چاہیئے، کیونکہ ان کی شہادتوں کی تصدیق وطنی ذرائع سے نہیں ہوتی۔

بے شمار کتبات میں عوامی فلاح کے متعدد کاموں کے لئے جو عطیات ان بیسواؤں نے دیئے تھے، ان کا ذکر آیا ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قدیم چولا سلطنت میں بیسواؤں کو ایک بلند سماجی مقام حاصل تھا اور ان کے عوامی فلاح کے جذبات کا مقامی اختیار لوگوں کی جانب سے جو اعتراف ہوتا رہا، اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ تروووریور کے 1049ء کے ایک کتبے میں چترال چتری نامی ایک "دیورڈیال" (بیسوا) کو ناگن۔۔۔ گاڑن کی زوجہ (اہموداییال) بھی بتایا گیا ہے[36]۔ ایک اور رقاصہ کی شادی کا ذکر کلوتنگا سوم کے عہد کے ایک کتبے میں آیا ہے[37]۔ یہ رقاصہ ضلع تنجور کے ایک مندر سے منسلک تھی۔

غلامی

چولا عہد کے لٹریچر سے یہ صاف واضح ہے کہ آبادی کا ایک خاصہ بڑا حصہ بالخصوص کھیت مزدوروں کا ایسی حالت میں بسر اوقات کرتا تھا جو غلامی سے بہتر نہ تھی۔ متعدد کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نجی املاک کی سب سے گھناؤنی قسم یعنی انسانوں کی صورت میں جائداد بھی غیر موجود نہیں تھی، جنھیں کھلے بندوں دوسرے لوگ اُن کی اپنی خواہش کے خلاف خریدتے اور بیچتے تھے۔ آزاد مرد اور عورتیں مختلف وجوہ سے غلامی میں پھنس

جاتے تھے۔ ان غلاموں کے بھی مختلف درجے تھے۔ کتبوں میں انسانی فروخت کی بیشتر مثالیں مندروں کے ہاتھ بیچے گئے افراد کی ہیں۔ بعض مرتبہ تو یہ فروخت رضا کارانہ ہوتی تھی۔ دو عورتوں نے اپنے آپ کو مع اپنے متوسلین اور اقارب کے ضلع تنجور کے ایک مندر کے پاس فروخت کر دیا تھا۔ (38) ایسی مثالوں میں دینی جذبہ اقتصادی مقصد سے زیادہ غالب ہوتا ہوگا۔ لیکن جب کوئی شخص چھ افراد کو ایک ہی سال کے دوران ایک ہی مندر کے ہاتھ تیرہ کاشو کی رقم کے عوض فروخت کر دے، تو ایسے سودے میں نہ تو مذہبی نوعیت کی جھلک ملے گی اور نہ ہی رضا کارانہ جذبے کی۔ (39) اس سے کچھ سال قبل کی ایک اور مثال کتبوں میں درج ملتی ہے جب اُسی مقام پر آٹھ افراد اور فروخت کئے گئے اگرچہ ان کی قیمت فروخت نہیں بتائی گئی۔ (40) ان سب کتبوں پر ایک غیر معروف چولا راجہ کے عہد حکومت کی تاریخ درج ہے۔ سنہ 948ء کے لگ بھگ نندی ورمن منگلم نامی گاؤں کے ایک "مدھیستھ" نے وائلور، ضلع ترچنا پلی کے ایک مندر کو "ترو پر یَم" گانے کے لئے اور بھگوان پر میشور کی "کوریپتا"، چنوری بردار کے طور پر خدمت بجا لانے کے لئے تین عورتیں نذر کیں۔ ان سے چھ برس پہلے یہ عورتیں بطور "کلال"، (40 الف) حاصل کی تھیں۔ ایک اور کتبے میں جو راج راجا اول کے سترھویں سال حکومت یعنی 1002ء کا ہے اور ترو وڈنڈئی (ضلع چنگل پٹ) سے ملا ہے، بتایا گیا ہے کہ مچھیروں کے بارہ کنبوں نے خود کو شری وراہ دیو کے مندر کے حوالے کر دیا۔ ایسا انھوں نے اپنے علاقہ میں تعنیات دو افسروں کے ایماء پر کیا تھا جو "ناڈو کنکا نچی"، اور "ناڈو وگئی"، کے عہدوں پر کام کر رہے تھے۔ جن بارہ اشخاص کے نام اس کتبے میں دئے گئے ہیں، ان کے کنبوں نے اپنی ماہی گیری اور پارچہ بافی کی آمدنی میں سے پون (3/4) کلنجو سونا مندر کو ادا کرنے اور مندر کے دو سالانہ تیوہاروں کے منانے میں مدد دینے کا ذمہ لیا۔ ان میں سے ایک تیوہار تو ہفتہ بھر جاری رہتا تھا اور اس کا اختتام "آونی"، مہینے کے "شدائیم"، کے دن ہوتا تھا جو راجہ کا یوم ولادت تھا۔ ترو وڈنڈئی کی "سبھا"، اور "اُور"، نے ذمہ لیا کہ وہ مذکورہ بارہ خاندانوں اور ان کی اولاد کو اپنی ان ذمہ داریوں کو نباہنے کا سختی سے پابند کریں گے۔ (41) اس خود سپردگی کی شرائط مجموعی طور پر نرم تھیں

اور انھیں غلامی نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان شرائط میں سپرد شدہ خاندانوں کے لئے کچھ خصوصی مراعات بھی شامل تھیں جیسے کہ تیوہار کے دنوں میں "پرسادم" (یعنی نذر شدہ خوراک) حاصل کرنا۔ لیکن اس خود سپردگی کی موروثی نوعیت، پھر اس میں دوسرکاری افسروں کا کردار، اور "سبھا"، اور "اُور" کی جانب سے یہ ذمہ داری کہ وہ طے شدہ شرائط کی سختی سے پابندی کروائیں گی، اس بات کا ثبوت ہیں کہ "پٹّنادر" (ماہی گیروں) کے ان ایک درجن کنبوں نے ان انتظامات کو برضا و رغبت منظور نہیں کیا ہوگا۔ سنہ 1029ء میں شہنشاہ کلوتنگا اوّل نے حکم دیا کہ کال ہستی کے مندر کے چند "دیورادیاروں" کو جنھیں غلطی سے محل کی ملازمت میں دے دیا گیا تھا، مندر کی ملازمت میں واپس کر دیا جائے۔ ان لوگوں کو شہنشاہ کی مہر سے داغا گیا تھا۔ اب شاہی مہر کو مٹا کر ان کے جسموں پر ترشول کی مہر داغی گئی جو مندر کی ملازمت کی علامت تھی۔(42)

سنہ 1119ء میں ترودلم میں بانوپورم کے "ویلکل" (تیراندازوں) میں سے ایک نے اپنے کنبے کی کچھ مستورات کو "ترشول" کے نشان سے داغ کر "دیورادیار" (دیوداسیوں) کے طور پر دان دے دیا تھا۔(43) راجا دھیراج دوم کے عہد حکومت کے دوران سنہ 1175ء میں چار عورتوں کی فروخت کا ذکر درج ملتا ہے۔ یہ عورتیں تروالنگاڈو کے مندر کو سات سو کاشو کے عوض فروخت کی گئی تھیں۔(44) چونکہ کاشو لفظ مختلف مالیت کے سکّوں کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے، لہٰذا اس قیمت فروخت کا ان قیمتوں سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے جو متذکرہ بالا کتبوں میں سے کچھ میں درج پائی گئی ہیں۔ تروالنگاڈو (ضلع تنجور) سے دستیاب شدہ ایک کتبے میں(45) جس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی کچھ ایسے حقایق کا ذکر ملتا ہے، جس سے غلامی کی عام موجودگی اور غلاموں سے کئے جانے والے سلوک کی نشاندہی ہوتی ہے۔ واٹرادرایار نامی ایک شخص کے بہت سے غلام تھے۔ ان میں سے کچھ غلام تو اس کے اپنے تھے اور کچھ اس کی بیویوں کے ساتھ جہیز میں آئے تھے۔ اپنی بیویوں کی رضامندی سے اس نے کچھ غلاموں کو مقامی مندر کے ہاتھ بیچ دیا جس نے ان کو اپنے مٹھ (مٹاڈی مائیگل) میں بطور غلام کام کرنے کے لئے خرید لیا۔ ایک بیعنامہ کی شرائط اور شاہی فرمان (دراج سادنا) کے مطابق مندر کے "مہیشوروں" اور مختاروں نے اس سودے کو ایک

حجرے کتبے پرکندہ کیا۔ غلاموں کے جسموں پر ترشول کا نشان داغا اور کچھ مخصوص فرائض ان کے سپرد کرنے کا، نیز فرض کی تعمیل میں کوتاہی کی صورت میں انہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ آگے چل کر کتبے میں لکھا ہے کہ کچھ عرصہ بعد بعض غلاموں نے مندر کے "ستھانتار" کی حکم عدولی کی اور شرپسندانہ طور طریقے اختیار کئے۔ تب سارا معاملہ مندر اور مٹھوں کی عظیم مجلس کے روبرو رکھا گیا۔ کتبے کی عبارت کے درمیان کچھ جگہیں خالی ہونے کے باعث مجلس کے فیصلے کا صاف پتہ نہیں چلتا۔ دراصل یہ غلام اگر اپنی زبوں حالی پر صابر رہتے تو ان کا شمار انسانوں سے کسی اونچی صف میں ہوتا۔ نیز چونکہ غلامی کا دستور صرف مندروں تک محدود نہیں تھا اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام غلام اپنی زندگی کو خدائی خدمت سمجھ کر دل کو تسلی دے لیتے تھے۔ ہمارے سامنے کچھ ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں غلامی مفلسی کے باعث اختیار کی گئی تھی۔ قحط کے دنوں میں بے یار و مددگار لوگ موت سے اسی وقت بچ سکتے تھے جب وہ خود کو بیچ دیں اور بعض مرتبہ وہ مستقبل میں پیدا ہونے والی اولاد کا بھی سَودا اپنی زندگی بچانے کے لئے کر لیتے تھے۔ صرف مندروں نے اپنے غلاموں کی جماعت میں لوگوں کے برضا و رغبت داخل ہونے کا ریکارڈ چھوڑا ہے۔ لیکن ہم یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ دولت مند اور طاقت ور افراد اپنے مقابلتاً کم خوش قسمت بھائیوں کی ضرورت مندی کا فائدہ نہیں اٹھاتے ہونگے(47)

اجرتیں اور قیمتیں

اجرتوں اور قیمتوں کے متعلق کتبوں میں دیئے ہوئے اعداد وشمار سے ہمیں محنت کشوں کے مختلف زمروں کی اقتصادی حالت کا کچھ اندازہ ہوجاتا ہے۔(48) لوگوں کے معیار زندگی کے متعلق کوئی عام بیان نہیں دیا جاسکتا۔ اور نہ ہم لوگوں کے معیاروں اور پسند میں بتدریج رونما ہونے والی تبدیلیوں کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ ہماری معلومات کے وسائل اتنے وسیع اور صحیح نہیں کہ ہم اس طرح کی کوشش میں کامیاب ہوسکیں۔ ذیل میں کی جانے والی بحث میں ہم گاؤں کے مستقل ملازمین اور ان دوسرے لوگوں کو شامل نہیں کر رہے ہیں جو خدمتی معافی دار یا موروثی کاشتکار تھے۔ اسی طرح کمین رعیت اور غلام بھی اس بحث سے خارج ہیں۔

عام مزدوروں کی اُجرتوں کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے کیا جاسکتا ہے۔
مدراس کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی اتم چولا کے عہد کی تختیوں میں ایک چوکیدار کی اُجرت ایک "کُرونی" یومیہ اور اس کے لباس کے لئے معاوضہ دو کلنجو سالانہ بتایا گیا ہے اور مالی کی مزدوری چھ "نالی"، یومیہ اور اس کے علاوہ سالانہ بھتہ نصف کلنجو درج ہے۔ 950ء کے لگ بھگ لال گڈی (ضلع ترچنا پلی) میں کھدائی کی شرح فی کاشو پچاس "کُلی" تھی۔ ایک "کُلی" کا حجم اندازاً 10×10×2½ مکعب فٹ ہوتا تھا[49] ضلع جنوبی ارکاٹ کے کلیا نور گاؤں میں سبھا کا اجلاس بلانے کے لئے بگل بجانے والے کو 1001ء سے گاؤں کے خرچ پر دی جانے والی اجرت (نوندم) صرف دو وقتوں کا کھانا کردی گئی تھی اور اس کے علاوہ اُسے اپنے ذاتی استعمال کی وہ اشیاء بھی فراہم کردی جاتی تھیں جو گاؤں ہی میں فروخت ہوتی تھیں[50]۔ 1018ء میں نتم (ضلع چنگل پٹ) میں ایک لکڑہارے کی یومیہ مزدوری چار "نالی"، دھان[51] تھی۔ ایک برہمن رسوئیے کی یومیہ اجرت بھی یہی تھی[52]۔ شہنشاہ راجندر اوّل کے زمانے میں ترونکوڈل میں ایک پالکی بردار کی مزدوری چار "نالی" دھان ہوا کرتی تھی[53]۔ ظاہر ہے کہ یہ پورے دن کی اجرت نہیں تھی۔ کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی مقام پر اور اسی زمانے میں باغوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو دس "نالی" دھان کی یومیہ اُجرت ملتی تھی[54]۔ اُجرت کا یہی نرخ شہنشاہ راجا دھیراج اوّل کے ایک کتبے میں دیا گیا ہے[55] مگر یہاں یہ ایک کنبے کی اجرت کے طور پر دکھایا گیا ہے۔
پانی اٹھاکر باغوں اور کھیتوں کی آبپاشی کرنے والوں، پھول جمع کرنے والوں اور اسی طرح کے دیگر کاموں کے لئے 1030ء میں تروواماتور (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں مرد آٹھ نالی (دھان) فی کس پاتے تھے۔ عورتیں جنھیں پھولوں کے ہار پرونے کے کام پر لگایا جاتا تھا، اس کا نصف پاتی تھیں[56]۔ راجا دھیراج اوّل کے عہد میں ترووینکاڈو میں ایک رسوئی گھر میں تعینات کچھ عورتوں کی اجرت دو نالی (دھان) یومیہ[57] تھی۔ ترووورپور میں 1072ء میں ایک عوامی سبیل پر پانی پلانے والے ایک آدمی کو دو کاشو سالانہ کے علاوہ ایک "کرونی"، یومیہ اجرت دی جاتی تھی[58]۔ 1213ء میں کڈومیاملئی میں ایک کمہار اور ایندھن مہیا کرنے والے کی یومیہ اجرت دو نالی بتائی گئی ہے جو مقابلتاً بہت کم

ہے۔ لیکن یہ شرح بلاشبہ جزوی کام کی مزدوری کی ہے[59]۔ دن کے باقی حصے میں آدمی کہیں اور کام کرکے مزید اجرت کمانے کے لئے آزاد ہوتا تھا۔

ایسے کام دھندوں کی اجرت مقابلتاً زیادہ ہوتی تھی جس میں کسی پیشہ ورانہ تربیت یا مہارت اور خاص قسم کے اوزاروں اور آلات کی ضرورت ہوتی تھی۔ تروویل اڑیچا کئی نامی ایک شخص کو ایک کوتو کے لئے جو ایک طرح کا ناچ تھا، دو "کلم" دھان کی شرح سے معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔ اور راجہ آدتیہ دوم کے زمانے میں اسے ایک ہی مندر میں سال بھر میں اس طرح کے سات ناچ دکھانے کا موقع تھا[60]۔ غالباً اسے دوسرے مقامات پر بھی مزید کام کرنے کی آزادی تھی۔ اس کے ساتھ ہم اس معاوضے کا مقابلہ کرسکتے ہیں جو شہنشاہ راج راجا اول نے تنجور کے عظیم مندر کے اردگرد ناچنے والی چار سو رقاصاؤں کے لئے ایک سو کلم سالانہ فی کس کے حساب سے مقرر کیا تھا۔ مزید براں ایک مکان بھی مستقل طور پر ہر رقاصہ کے نام کردیا گیا تھا[61]۔ اسی مندر میں "ترو پدیم" گانے کے لئے پچاس موسیقاروں کی جو جماعت اس راجہ نے تعینات کی تھی، ان کی اجرت فی کس تین "کرونی" یومیہ تھی[62]۔ تنجور کے ایک اور کتبے میں اسی راجہ کی مقرر کردہ ایک اور اُجرت کی شرح بھی قابلِ توجہ ہے۔ راجہ کے مقرر کردہ نرخ کے مطابق[63] مندر میں سیوا کرنے والے ہر ایک مانی (برہم چاری) کو ایک "پدکو"، (۱۶ نالی) دھان یومیہ دیا جاتا تھا اور اس کے علاوہ چار کاشو (دو کلنجو) سونا سالانہ اور بھی ملتا تھا[64]۔ ان برہم چاریوں میں سے دس کو جنھوں نے دائمی طور پر مندروں کی ملازمت میں رہنے کا اقرار کیا تھا، دھان کی ایک کرونی (۸ نالی) یومیہ مزید اجرت دی جاتی تھی۔ بیس دوسرے "مانی"، (برہم چاری) جو بظاہر پھولوں کے گجرے پروتے تھے، ایک "پدکو"، روزانہ اجرت پاتے تھے اور اس کے علاوہ پانچ کاشو سالانہ بھی۔ مندر کے ایک محاسب کو ۲۰۰ کلم دھان سالانہ ملتا تھا اور اس کے نائب کو پچھتر کلم جو بالترتیب $6\frac{2}{3}$ کرونی دھان یومیہ پڑتا ہے۔ ایک اور منیم جو پیریا کوڈوکئی ضلع تنجور کے غالباً چھوٹے مندر سے وابستہ تھا، راج راجا سوم کے زمانے میں ڈیڑھ "کرونی" دھان روزانہ اجرت پاتا تھا[65]، تردووریور کے ۱۰۳۸ء کے ایک کتبے میں لکھا ہے[66] کہ مندر میں دو پھولوں کے گجرے بنانے والے دس "نالی"، دھان فی کس یومیہ پر رکھے

گئے تھے۔ تیز کپڑوں کے لئے ان کو سالانہ ڈیڑھ کلنجو سونا فی کس دیا جاتا تھا۔ ستو تروں اور ویدوں کے پاٹھ کے لئے چار برہمن فی کس بارہ نالی (یعنی ایک کرونی ۴ نالی دھان) یومیہ اور کپڑوں کے لئے فی کس ½۱ کلنجو سونا سالانہ پر ملازم رکھے گئے تھے۔ لگ بھگ انھیں دنوں میں اینائرم میں[67] جو لوگ مندر میں "ترو وائیمولی" کا پاٹھ کرتے تھے انھیں اسی شرح پر اجرت دی جاتی تھی جس پر تنجور کے مندر میں "ترو پدیم" گانے والوں کو۔ یعنی تین کرُونی یومیہ جو ترو وور یور کے برہمنوں کی تنخواہ سے دُگنی ہوتی ہے۔ ۱۰۴۶ء میں ترِبھوونی میں بھی "ترو وائیمرلی" گانے والوں کی اُجرت کی یہی شرح تھی[68] یعنی تین کرُونی یومیہ، جبکہ قائم مقام پجاری کو صرف ایک "پدکو" یومیہ اُجرت ملتی تھی۔ ۱۰۵۴ء میں ترِونا گیشورم کے مندر میں شِو دھرم کی تفسیر بیان کرنے کے لئے تعینات کردہ ایک برہمن کو بھی 75 کلم دھان سالانہ اُجرت دی جاتی تھی،[69] جو کہ تنجور مندر کے ادنیٰ محاسب کی اجرت کے برابر تھی۔ ترومنن جیری، ضلع تنجور میں مندر کے "نمبی" (قائم مقام پجاری) کو دو کرونی دھان یومیہ اجرت ملتی تھی اور اس کے علاوہ مزید سولہ کلم دھان سالانہ دو کاشو سونے کی بجائے دیا جاتا تھا۔[70]

تبادلۂ اشیاء

غلّے کے بدلے میں اشیاء کے تبادلے کی قدیم عادت چھوٹے سکّوں کی ترویج سے قطعی طور پر ختم نہیں ہوئی۔ تامل کی قدیم ترین نظم میں بتایا گیا ہے کہ دھان سے نمک اور ہرن کے گوشت کا تبادلہ کیا جاتا تھا۔ آج تک بھی جنوبی ہند کے دیہاتوں میں گرہست عورتیں اپنے بکھاروں سے غلّہ ان گوالنوں اور خونچے والوں کی ٹوکریوں میں ڈالتی دکھائی دیتی ہیں جو انہیں اس کے عوض ترکاری، گھی یا دہی وغیرہ مہیا کرتی ہیں۔ چولوں کے تحت ملک کی اقتصادی زندگی کی تصویر اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جائیگی جب تک دھان کی شرحِ تبادلہ دوسری اشیاء اور روپیہ کے مقابلے میں معلوم نہ ہو۔ گھی اور سونے کی باہمی شرحِ تبادلہ ۹ کرُونی گھی فی کلنجو سونا تھی، یعنی 15 کلم گھی کی مالیت بیس کلنجو سونے کے برابر

تھی۔ اگر ۱۰۱۲ء میں جب متعلقہ کتبہ تحریر کیا گیا تھا؛ کال ہستی میں رائج قیمتوں میں مذکورہ بالا شرحِ تبادلہ رہی ہو[71] تو اُن دنوں میں گھی کی قیمت اس کی موجودہ قیمت کا چھٹا یا ساتواں حصہ رہی ہوگی۔ ڈیڑھ نالی دہی ایک نالی دھان کے عوض میں ملتا تھا[72]۔ دھان کا نرخ فی "پون کلنجو" سات کلم تھا۔ یہ نرخ ۱۹۳۷ء کے نرخ سے تھوڑا مہنگا ہے۔ تاہم ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ سونے کے تبادلے میں دھان کا نرخ وقت اور مقام کے اعتبار سے بدلتا رہتا تھا۔ نتم (ضلع چنگل پٹ) میں ۱۰۱۸ء میں تین نالی دھان کے عوض 48 پان کے پتے اور بارہ دانے سپاری کے مل جاتے تھے[73]۔ اسی سال ضلع ترچناپلی کے مقام تروپنگلی میں ایک نالی عمدہ دال کی مالیت پانچ نالی دھان کے برابر تھی۔ کچی شکر کے ایک "پلم" کی قیمت دو نالی دھان کے برابر تھی۔ مندر میں ایک کڑھی کے چڑھاوے کے لئے ایک نالی دھان درکار ہوتے تھے[74]۔ ضلع چنگل پٹ کے مقام ترومکوڈل میں ۱۰۱۶ء میں چار نالی دھان کے عوض ایک نالی تیل خریدا جا سکتا تھا۔ ایک نالی گھی $\frac{1}{3}$ کلم دھان کے عوض ملتا تھا اور دہی کا ایک پیمانہ دھان کے دو پیمانوں کے برابر تھا۔ دودھ بھی اسی شرح سے ملتا تھا اور ایک کرونی دھان کے عوض ایک نالی ہلدی خریدی جا سکتی تھی[76]۔

خوراک

خیراتی لنگر جاری کرنے کے لئے قایم شدہ اوقاف کا اندراج جن کتبوں میں ملتا ہے، ان میں اخراجات کے کچھ گوشوارے بھی دئے گئے ہیں، جن کتبوں لنگروں میں مہیا کی جانے والی خوراک کے معیار اور اجناسِ خوردنی کے نرخوں کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ ترودنڈی کے ۱۰۰۹ء کے ایک کتبے میں بتایا گیا ہے کہ بارہ برہمنوں کو ایک وقت کھلانے کے لئے $\frac{5}{6}$ کلم دھان صرف ہوتے تھے۔ اس میں اخراجات کی مدیں یہ تھیں۔ $1\frac{3}{4}$ نالی فی کس کے حساب سے 21 نالی چاول (جو $52\frac{1}{2}$ نالی دھان سے حاصل ہوتے تھے)۔ ایک الکو اور $2\frac{1}{2}$ شیوڈو گھی کے لئے 6 نالی دھان۔ 5 نالی دھان ترکاری کے لئے۔ 5 نالی

دھان دہی کے لئے ۔ ½ نالی دھان نمک کے لئے ۔ 2 نالی دھان اس شخص کے لئے جو ایندھن مہیا کرتا تھا ۔ ۴ نالی دھان برہمن باورچی کے لئے ، تین نالی دھان اس کمہار کے لئے جو مٹی کے برتن مہیا کرتا تھا اور 2 نالی دھان پان کے پتوں اور سپاریوں کے لئے ؛ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ ⅚ کرونی دھان ایک بالغ کے پیٹ بھر کھانے کے لئے بالکل کافی ہے ، اینائرم کے کالج کے کم سن طلباء کے لئے فی کس ¾ کرونی اور بڑے طلباء کے لئے 1¼ کرونی دھان کی منظوری شدہ مقدار ان کی ضروریات کے لئے بالکل کافی سمجھنی چاہیئے ۔ اور اسی طرح تربھووتی کی درسگاہ کے چھوٹے اور بڑے طلباء کے لئے بھی بالترتیب ¾ کرونی اور ایک کرونی دھان کے الاؤنس کو کافی سمجھنا چاہیئے ۔ کلوتنگا اوّل کے عہد کا ۱۱۱۵ء کا ایک کتبہ شاہد ہے[79] کہ ایک وشنو مٹھ میں چاند کی پہلی تاریخ کو پچاس برہمنوں کو کھانا کھلانے کے لئے قایم شدہ ایک وقف میں ایک کرونی دھان فی کس دیا گیا تھا ۔ اس میں چاول ، سالن ، نمک ، کالی مرچ ، گھی ، دہی ، مٹی کے برتن ، ایندھن ، سپاری اور پان ، ان سب کے اخراجات شامل تھے ۔

دھان کے نرخ

دھان کی قیمتوں میں کافی فرق ملتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ عام طور پر اس کا نرخ مختلف علاقوں کی زرخیزی کے اعتبار سے ہوتا تھا ۔ اکثر یہ نرخ عارضی نہیں ہوتے تھے جو کتبے کی تحریر کے وقت رائج رہے ہوں بلکہ یہ معیاری اور اوسط نرخ ہوتے تھے جن کا نفاذ مستقبل میں بھی کیا جاتا تھا ۔ ترو ولم ضلع شمالی ارکاٹ میں ۹۹۲ء میں دھان کا بھاؤ ایک کلنجو کے ۴۰ '' کاڈی یا 13½ کلم تھا ۔[79] اور یہی بھاؤ اس ضلع کے ایک اور کتبے میں دوہرایا گیا ہے جو ۱۰۱۵ء کا ہے ۔[80] اس کے علاوہ بھی کال ہستی کے ۱۰۱۲ء کے ایک کتبے میں ایک '' پون '' کی مالیت سات کلم دھان بتائی گئی ہے ۔ اور '' پون '' اور '' کلنجو '' ایک ہی سکّے کے نام تھے ۔[81] اکثر پیمانوں میں فرق کی وجہ سے نرخوں کا موازنہ دشوار ہو جاتا ہے ۔

ترو کوڈل (ضلع چنگل پٹ) سے ملے ہوئے ویر راجندر کے ایک کتبے میں بتایا گیا کہ راج کیسری وزن کے پیمانے کے مطابق 16 کلم دھان کی مالیت ایک کلنجو سونے کے برابر[82] ہوتی تھی۔ ترولیکور ضلع تنجور میں ۱۰۰۶ء میں دھان کا نرخ آٹھ کلم فی کاشو تھا یعنی ایک کلنجو کے سولہ کلم[83]۔ چدمبرم میں راج کیسری راجندر کے عہد کے ایک مصنوعی کتبے میں ایک کاشو کے 8½ کلم دھان کا نرخ[84] ہے یعنی ایک کلنجو کے سترہ کلم۔ ایک اور راج کیسری کتبے میں پنڈارواڈی (ضلع تنجور) میں دھان کا مروج نرخ 15 کلم فی کلنجو دیا گیا[85] ہے۔ ۱۰۴۸ء میں تربھوونی میں رائج بھاؤ ایک کلنجو کے دس کلم دھان کا بتایا گیا ہے جو کافی مہنگا بھاؤ ہے اگرچہ جو قدیم چولا عہد کے کتباتِ اوقات میں مندرج سب سے مہنگا بھاؤ نہیں[86] ہے جو خیرات کے مستقل عطیات کے تخمینے کی بنیاد بنا ہو۔ ۱۰۱۹ء میں نتم (ضلع چنگل پٹ) میں ایک کلنجو کے بارہ کلم دھان بکتے تھے[87]۔ کلوتنگا اول کے عہد کے اوائل میں جب کاشو ہنوز نصف "ماڈا" کی مالیت کا ہوتا تھا، کولار میں دھان ایک کاشو کے 2¾ کلم ملتے تھے اور ترووورلور میں ایک کاشو کے ۴ کلم[88]۔ یہ مہنگائی بدنظمی اور بلوؤں سے پیدا ہونے والی قلت کے باعث ہوئی ہوگی۔ یہی بلوے ادھیراجندر کے قتل کا باعث اور چالوکیہ راجا وکرمادتیہ ششم اور کلوتنگا کے درمیان جنگ کا پیش خیمہ تھے۔ کلوتنگا کے عہد حکومت کے خاتمے پر تنجور کے علاقے میں ایک کاشو کے 13 کلم دھان خریدے جا سکتے تھے[89]۔ لیکن ۱۱۳۶ء میں ایمپیرو (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں ایک "ماڈا" کے عوض ہی آٹھ کلم دھان مل جاتے تھے[90]۔

نقد قیمتیں

نقدی کی شکل میں اشیاء کی قیمتوں کا کتبوں سے بہت کم پتہ چلتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ صرف زیادہ قیمتی اشیاء کی خرید و فروخت سکّے کے عوض ہوتی تھی۔ یہ وہ اشیاء تھیں جن کی تجارت دور دراز ملکوں کے ساتھ ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر تنجور کے کتبوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ راجہ راجا اول کے عہد حکومت کے اواخر میں ایک کاشو (نصف کلنجو) کے عوض 1½ کرونی الائچی دانہ آجاتا تھا۔ دو کرونی چمپا کی کلیاں آجاتی تھیں۔ خشخاش کی جڑوں کے 605 "پلم" آجاتے تھے، ڈھائی تین کلنجو کافور آجاتا تھا[91] اور

2 پلم شکر خریدی جا سکتی تھی جس کا ان دنوں عیاشی میں شمار ہوتا تھا۔[92] ۹۳۱ء میں میل پلوور ضلع ترچنا پلی میں ایک کاشو کے عوض نو بھیڑیں خریدی جا سکتی تھیں۔[93] ۱۰۱۴ء میں سینگزم ضلع شمالی ارکاٹ میں بھی ایک کاشو کے بدلے ۹ بھیڑیں ملتی تھیں[94] لیکن تنجور کے ایک کتبے میں ایک کاشو کے عوض صرف تین بھیڑوں کی شرح بتائی گئی ہے۔[95] ۱۱۳۶ء میں تنا گڈی ضلع جنوبی ارکاٹ میں ایک پشور گائے) کی قیمت پندرہ کاشو بتائی گئی ہے۔[96] نلور ضلع تنجور میں ۱۲۶۱ء میں ناریل کے ایک ثمردار درخت (کا تینگو) کی قیمت ایک سو پچاس کاشو ہوتی تھی اور اگر یہ پھل دینے والا نہ ہوتو ستر کاشو۔[97] لیکن شہنشاہ راج راجا سوم کے زمانے میں کاشو سکے کی قیمت میں کافی تخفیف ہو چکی تھی۔

دھاتوں کی قیمتوں کے بارے میں ہمیں سرسری طور پر پتہ چلتا ہے کہ کانسی ایک کاشو (نصف طلائی کلنجو) کے عوض 35 پلم کے حساب سے بکتی تھی۔ تانبا ایک کاشو کا تیس پلم آتا تھا۔ ٹین $26\frac{2}{3}$ پلم اور "ترا" (نقلی دھاتوں کا مرکب یا کھوٹ) ستر پلم ملتا تھا۔ یہ نرخ ۱۰۹۹ء کے ایک کتبے میں درج ہیں جو تروپنن دال سے ملا ہے۔[98]

قحط

کتبات میں ضمناً قلت اور قحط کے کچھ واقعات کا بھی ذکر آیا ہے۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔ ۱۱۱۳ء میں، جو وکرم چولا کا تیرہواں سالِ حکومت تھا، ضلع جنوبی ارکاٹ کے پہاڑی علاقوں میں قحط پڑ جانے کے باعث لوگوں نے اپنی اراضیات فروخت کر کے ارکنڈ نلور (تروکوئیلور تعلقہ) سے ہجرت کرنا شروع کر دیا۔ اس گاؤں کی سبھا نے اپنا اجلاس منعقد کر کے گاؤں کی اراضی میں چوبیس حصے نئے لوگوں میں تقسیم کر دیئے اور یہ شرط عاید کر دی کہ کسی بھی باہر کے آدمی کو یہ اراضی فروخت نہیں کی جا سکے گی اور نہ تبادلے میں دی جا سکے گی اور اس شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں زمین ضبط کر لی جائیگی اور اس کے علاوہ ۶۴ کلنجو کا جرمانہ بھی وصول کیا جائے گا۔ اکثر لوگوں پر مصیبت پڑ جاتی تھی تو جیسا ہم پہلے واضح کر چکے ہیں، ان کو اپنی آزادی کو بیچ کر اپنا پیٹ پالنا پڑتا تھا۔ اس کی نمایاں ترین مثال اس وسیع پیمانے پر نازل ہونے والی آفت کی ہے جس کی تفصیل اور جس کا مقابلہ کرنے کے اقدامات کا ذکر آلن گڈی (ضلع تنجور) کے ایک کتبے

میں ملتا ہے، جو 1152ء کا ہے[99] اس کتبے میں بتایا گیا ہے کہ راجہ وجے راجندر دیو کے عہد کے تیسرے سال میں کچھ "کال دوشم" یا برا وقت آن پڑا تھا۔ یہ راجہ کلیان پورم اور کولاپورم کو تسخیر کرنے کے بعد ایک ہاتھی کی پیٹھ پر سواری کی حالت ہی میں مر گیا جس راجہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی اس کی وفات کے تقریباً ایک صدی بعد وہ یقیناً راجا دھیراج اول ہوگا یا اس کا چھوٹا بھائی اور وارثِ تخت راجندر دوم[100] جس قلت کے باعث آلنگاڈو کے لوگ مصیبت کا شکار ہوئے اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی[101] لیکن کتبے ہمیں بتاتے ہیں کہ لوگوں نے مقامی مندر کے خزانے سے وہ تمام طلائی زیورات اور چاندی کی بنی ہوئی اشیاء ادھار لے لیں، جن کے بغیر مندر کا گزارہ چل سکتا تھا۔ اور ١٠١١ کلنجو سونا اور 64 ½ پلم چاندی مندر سے ادھار بھی لئے تاکہ وہ اپنا گزارہ کر سکیں اور بیج اور کھاد وغیرہ خرید کر از سر نو زمین کاشت کر سکیں۔ اس قرضے کی ادائیگی کی شرائط کے متعلق مندر کے ساتھ نیا معاہدہ کرتے وقت مذکورہ بالا سودے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بیسواں باب

حاشیے

(1) 1917 کا 343

(2) 1219ء کے ایک کتبے میں جو ترائیور (ضلع ترچناپلی) سے ملا ہے، "اُور پڈل" (شہر کی فصیل) اور "پلکڈائی مڈل" (پچھواڑے کی دیواروں) کا ذکر ملتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ شہروں اور مکانوں کو بعض مرتبہ حفاظت اور سلامتی کی غرض سے حفاظتی فصلیں تعمیر کر کے محفوظ کر دیا جاتا تھا (1909 کا 701

(3) 1925 کا 198

(4) 1897 کا 22 — 1911 کا 311

(5) 1911 کا 375

(6) ترووالنگاڈو کی تختیاں ۱۱، 517 تا 524 — انبل کی تختیاں صرف ایک اکیلے صنعت کار ویرچولا تکشن نے کندہ کی تھیں۔ لیڈن کا فرمان عطیہ ۱۱، ۱۰۷ وصفحات مابعد

(7) عجائب گھر کی تختیاں ۱، ۱۰

(8) ترووالنگاڈو کی تختیاں ۱، 456

(9) 1923 کا 197 — SII - ii صفحہ 251 — TAS - ۷ صفحات 29 : 3

(10) 8-19 کا 479 — ARE، 1909، II، 45 - نیز یاجناولکیہ پرمتاکشرا کی تفسیر I، 95 -

(11) 1925 کا 189

(12) 1919 کا 208 - موازنہ کیجیے شمالی ہند کے کتبوں میں مذکور برہم کشتری۔

ARE کا یہ بیان کہ یہ لوگ برہمن مردوں اور ویشیہ عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد تھے، صحیح نہیں معلوم ہوتا

(13) 1922 کا 508

(14) 1919 کا 208

(15) 1922 کا 508

(16) 1890 کا 22 (25-iii-SII) — 1893 کا 582 — ARE-1905، II، 43۔

(17) 1905 کا 136

(18) ایم سری نواسا آئینگر کی TAMIL SHIDIES صفحہ 100، وصفحاتِ مابعد

(19) ARE-1921، II، 47

(20) SII-ii-تمہید۔ صفحہ 10

(21) 1907 کا 341

(21-الف) 1936-37 کا کتبہ نمبر 31 — ARE، II، 27

(22) 1912 کا 489 — ARE، 1913، II، 39

(23) 1913 کا 34

(23-الف) 1940-41 کا 184 — ARE، 1939-40، 1942-43، II، 42

(24) ARE-1921، II، 47

(25) سماج کی دائیں اور بائیں بازو کے طبقات میں تقسیم جس زمانے کی ہم سمجھتے ہیں اس سے بہت پہلے کی ہے، بلکہ کلوتنگا سوم کے عہد کے "مشرقی مان" بھی اسے جس دور کی پیداوار خیال کرتے ہیں، یہ اس سے بہت پہلے کی ہے۔ تیسری صدی کا ایک چینی مصنف، جس کے اقوال کا حوالہ دسویں صدی کے ایک اور قلم کار نے دیا ہے فو۔نان کے بارے میں کہتا ہے:-

پی۔ ہیلیئٹ۔ "لی فونان" BEFEO-iii صفحہ 282۔ نیز چمپا میں اسی خصوصیت کے لئے vii، صفحات 316-17 دیکھئے۔

(26) 1926 کا 235

(27) 1903 کا 376

(28) VV، 65-66

(29) 1902 کا 236

(30) 1898 کا 141 — EC-iv، 49-18 — EI-iv صفحات 213 تا 219

(31) 1911 کا 174 — EC-ix، DV، 14

(32) 1911 کا 188 — EC-x-CT-161

(33) 1911 کا 499 — EC-iv-H-100

(34) 1906 کا 156 — ARE-1907، II، 41

(35) فیرآنڈ کی کتاب VOYAGE، صفحہ 124 میں ابوزید کے اقوال کا حوالہ

(36) 1912 کا 147

(37) 1925 کا 411

(38) 1925 کا 218 (تیس کاشو کے لئے سات آدمی) — 1925 کا کتبہ نمبر 219 (اتنی ہی رقم کے لئے پندرہ آدمی)۔ ARE-1925، II، 18

(39) 1925 کا 217

(40) 1925 کا 216

(40-الف) 1936-37 کا 149 — ARE، II، 21

(41) 1910 کا 274

(42) 1922 کا 141

(43) 1921 کا 23۔ جسم پر گودنا گودنے (الچنائی) کے لئے کیا جاتا تھا یہ واضح نہیں ہے۔ "الو" یا "شاتی" کے الفاظ کا مفہوم ضروری طور پر داغنا ہے جیسا کہ اکثر کتبوں سے متعلق رپورٹوں میں ان الفاظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

(44) 1913 کا 8

(45) 1926 کا 94

(46) 19/II/925.ARE

(47) دوسری کچھ مشہور مثالیں مختصراً یہاں بیان کی جاتی ہیں: 1099ء میں ترودکرائی (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں ہیں "ویلالوں" نے دو عورتوں اور اُن کی اولاد کو "دیورڈیار" کے طور پر بیچ دیا (1904 کا کتبہ نمبر 183)۔ 1105ء میں ضلع تنے ویلی کے ایک مہاراجا نے ایک "اوُچ اڈمائی" بطور دھرم دان دیا (1928 کا کتبہ نمبر 280)۔ دراکشارا میں 1113ء میں ایک مٹھ میں خدمت کرنے کے لئے دو غلام بطور دان دیے گئے۔ (1893 کا کتبہ 354)۔ کیلیئوُر (ضلع تنجور) کے ایک مندر اور مٹھ کے زیرِ ملکیت "اڈمائیوں" کی فہرست مورخہ 1198ء (1295 کے کتبات نمبر 74، 76)۔ ترووالنگاڈو میں ایک رئیس نے 1198ء اور 1208ء میں (حوالہ 1926 کے کتبات نمبر 90 - 91) کثیر تعداد میں "ٹد-اڈمائی" خریدے اور مقامی مٹھ کو دان کر دئے۔ ایک ویلال اور اس کی دو بیٹیوں کی مثال بھی ہے جنھوں نے خود کو تروپامبرم کے مندر کے ہاتھوں 1201ء میں اس لئے فروخت کر دیا کہ فاقہ کشی سے بچ سکیں۔ (حوالہ 1911 کا کتبہ نمبر 86)۔ ایک مندر کے دو مینموں نے بہت سی عورتوں کو جو غلام تھیں اور ان کی موروثی جائداد کا ایک جزو تھیں، فروخت کر دیا — "اینگلگوُکر ناگت مائے ورو گنیرا اڈیار" — (1911 کا کتبہ نمبر 296) ان کے علاوہ اور بھی کئی مثالیں 1904 کے کتبہ نمبر 499 میں (جو ویدارنائم سے ملا ہے اور 1219ء کا ہے) اور 1925 کے 409 میں ملتی ہیں۔ موخرالذکر میں پتھر کا کام کرنے والا ایک مستری، اس کی بیوی اور چار بیٹے فروخت ہوئے (راجیوتامنگلم میں) ہوا یہ واقعہ 1219ء کا ہے۔ (1917 کے نمبر 223 کے مطابق) ایک مندر کے غلاموں کا گروہ (فروخت ہوا) جن کی تعداد 100 سے بھی زاید تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ (کورکائی۔ 1235ء)۔ 893 کے کتبہ نمبر 110 میں بھی ویسی مثال ہے جیسی ترُوووریور کے 1235ء کے کتبے (1912 کا نمبر 122) میں ہے۔ نیز میل پیر مُمبل-N.0 کے کتبات، 1925 کے نمبر 216، اور 217 تا 219 میں بھی اسی طرح کی

مثالیں ملتی ہیں۔

(48) مزید دیکھئے SII - ii - تمہید۔ صفحات ۱۷ - ۱۸ جن میں تنجور کے کتبوں سے حاصل کردہ اعداد و شمار پر بحث کی گئی ہے۔

(49) ۱۹۲۹ کا کتبہ نمبر ۱۰۹ - میرا قیاس ہے کہ ایک "پڈی" چار ناپنوں کے برابر ہوتی ہے۔

(50) 1919 کا 156

(51) 1912 کا 263

(52) ۱۹۱۰ کا 267 (تروڈندائی)۔ 1115ء میں بھی وہی مزدوری تھی (۱۹۱۰ کا 281)

(53) 1915 کا 175 : مندر کے "ترویلی چوی کاٹک۔ کا ولر غالباً وشنو برہمن تھے۔

(54) 1915 کا 172

(55) 1925 کا 45 - ترو وارور کے مندر میں جو "تپیسیار" ترومنجم کے لئے پانی مہیا کرتا تھا اس کی اجرت بھی یہی تھی۔ ۱۹۱۹ کا ۶۷۱ (۱۰۹۹ء)

(56) 1922 کا 18

(57) 1918 کا 450

(58) 1912 کا 154

(59) 1906 کا 364

(60) SII - iii - 202

(61) SII - ii - 65

(62) SII - ii - 65

(63) SII - ii - ۲۹ - کتبے میں بعض خالی جگہوں کے باعث یہ فہرست بدقسمتی سے نامکمل رہ گئی ہے۔

(64) نتم (ضلع چنگل پٹ) کے 1018ء کے ایک کتبے میں (1912 کا نمبر 263) پارچہ جات کی قیمت دو کاشو سالانہ لکھی ہے جو ہر سالی ہر ایک "مانی" کو دئے جاتے تھے۔

(65) 1926 کا 368 (1243ء کا)

(66) 1912 کا 146

(67) 1917 کا 333

(68) 1919 کا 176

(69) 1911 کا 214

(70) 1914 کا کتبہ نمبر 10 (بلا تاریخ)۔ اُتم چولا کی تختیوں، 11، 42 تا 44 سے جو عجائب گھر میں محفوظ ہیں، پتہ چلتا ہے کہ پجاری کا معاوضہ ایک "پڈکو" یومیہ تھا اور کپڑوں کے لئے پانچ کلنجو سالانہ بھتّہ ملتا تھا۔

(71) 1904 کا 299۔ سنہ 1038ء کے ایک اور کتبے میں تروورپور میں پچاس نالی فی کلنجو کا نرخ بتایا گیا ہے (1912 کا 146)

(72) ایضاً

(73) 1912 کا 263۔ لیکن سنہ 1104ء میں اسی ضلع کے مقام نرسنگ پورم میں ایک "نالی" کے عوض 8 سیاریاں اور 32 پان کے پتے مل جاتے تھے۔

1910 کا 249

(74) 1892 کا 91

(75) تبادلۂ اشیا کا یہ نرخ مقرر کردہ معلوم ہوتا ہے، 1920 کے کتبہ نمبر 506 میں (جو آلنگڈی سے دستیاب ہوا ہے اور سنہ 1094ء کا ہے) اور 1920 کے نمبر 518، اور 512 میں بھی یہی نرخ درج ہے۔ یہ سب کتبے بھی اسی مقام سے ملے ہیں اور بالترتیب سنہ 1116ء، سنہ 1117ء اور سنہ 1125ء کے ہیں۔

(76) 1915 کا 175

(77) 1990 کا 273 — 21، II، 1911 - ARE

(78) 1910 کا 281

(79) 1921 کا 218

(80) 1915 کا 176

(81) 1904 کا 299

(82) 1915 کا 182

(83) 1928 کا 68

(84) 1888 کا 118

(85) 1923 کا 232

(86) 1919 کا 176

(87) 1912 کا 263

(88) 1892 کا 131 — 1892 کا 109

(89) 1891 کا 44

(90) 1921 کا 533

(91) 1912 کے کتبہ نمبر 146 (تاریخ 1038ء) میں جو تروورپور سے ملا ہے، تین کلنجو کا نرخ ہے۔

(92) SII - ii - تمہید 18 - جدول الف

(93) 1924 کا 378

(94) 1921 کا 149

(95) SII - ii - 63 - 64 میں یہ شرحِ تبادلہ درج ہے: چھ بھیڑیں = 3 گائیں = ایک بھینس 1901 کے کتبہ نمبر 302 میں ایک گائے = 4 بھیڑیں کی شرح تبادلہ بتائی گئی ہے۔ یہ راج راجا سوم کے سولہویں سال کا کتبہ ہے۔

(96) 1903 کا نمبر 15

(97) 1911 کا 58

(98) 1914 کا 46 — ARE - 1915، II، 23

(98الف) 1934-35 کا 151 — ARE، II، 14

(99) 1899 کا 5

(100) ARE - 1899، پیراگراف 53 — SII - iii صفحہ 191 - لیکن صفحہ 258 ماقبل اور حاشیہ نمبر 86 (صفحہ 279) دیکھئے

(101) وینکیا کی رائے میں برسات کا نہ ہونا اس قحط کا باعث ہوا، اور یہ کہ راجندر دوم رعایا کے بچاؤ کے لئے کوئی امدادی کاروائی نہ کر سکا کیونکہ اسے اپنے جنگجو اور فضول خرچ بھائی راجا دھیراج اوّل سے وراثت میں ایک خالی خزانہ ملا تھا۔ ARE - ایضاً

اکیسواں باب

زراعت اور زمین کے حقوق

خود کاشت کرنے والے مالک اراضی

رعایا کی کثیر تعداد دیہاتوں میں دہقانی زندگی بسر کرتی تھی اور زراعت اُس کا اصل پیشہ تھا۔ زمین کی ملکیت سے جو وقار حاصل ہوتا تھا اس کی ایک سماجی قدر و قیمت تھی، اور آج کی طرح اُن دنوں بھی آزاد طور پر اراضی کا مالک کسان معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا تھا۔ ہر شخص کا نصب العین چاہے وہ کوئی بھی کام کرتا ہو یہی ہوتا تھا کہ چھوٹا سا قطعۂ اراضی ضرور ایسا ہو جو اس کی ملکیت ہو اور جسے وہ اپنا کہہ سکے۔ درحقیقت گاؤں بنیادی طور پر کسانوں ہی کی بستی تھی اور دیہی اسمبلی ان ہی کی انجمن۔

گاؤں کی شاملات

گاؤں کے نواح میں واقع اراضی کا کچھ حصّہ شاملات دیہہ ہوتا تھا۔ اور باقی اراضی تھوڑا عرصہ پہلے تک بھی گاہے بگاہے دوبارہ تقسیم کردی جاتی تھی[1]۔ ضلع تنجور کے بعض دیہاتوں میں آج بھی یہ دستور رائج ہے۔ چولا عہد میں مشترکہ ملکیت کی شہادت دینے والی کچھ اصطلاحات ہمارے سامنے موجود ہیں مثلاً سبھا منجِکم[2]۔ اُور منجِکم[3] اَور اُور پوڈو[4] وغیرہ۔ یعنی گاؤں کی ضبط شدہ زمین جس کے ذمّے واجب الوصول "اِرٹی" باقی رہ گئی ہو[5]۔ نیز گاؤں کی جانب سے بنجر زمین کی اس غرض سے فروخت کہ اس کو آباد کرکے کسی خاص مقصد کے لئے زمین کو استعمال میں لایا جائے[6]۔ سندر چولا کے عہد کے ایک کتبے میں جو مدھرانتکم سے ملا ہے۔ سبھا کی جانب سے کچھ اراضی کے نیلام عام (سبھا ولئی) کا ذکر آیا ہے۔ اس اراضی کو واضح طور پر مشترکہ زمین کا ایک حصّہ بنایا گیا ہے جو اس وقت تک کسی مصرف میں نہیں لائی گئی تھی

نجی املاک زمین کی نجی ملکیت بھی واضح طور پر تسلیم کی جاتی تھی اور کتبوں میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں اکثر افراد نے اپنی اراضی کے حقوقِ ملکیت فروخت یا ہبہ کر کے دوسروں کے نام منتقل کیئے اور وراثت کی رُو سے باپ کی جائداد کے حقوقِ مالکانہ رواج کے مطابق بیٹے کے نام منتقل ہوئے۔ قانون کی کتابوں کے نظریات بھی اس موضوع پر بالکل واضح ہیں۔

کھیت مزدور اراضی کے بڑے اور چھوٹے مالکان کے علاوہ کچھ ایسے لوگ اور بھی تھے جن کی زندگی کا انحصار زراعت پر تھا۔ بے زمین مزدوروں کا ایک خاصا بڑا طبقہ جن میں سے کچھ کی حیثیت نیچ ذات کی سی تھی، کھیتی کے کام میں مدد دیتا تھا اور پیداوار کا کچھ حصّہ پاجاتا تھا۔ قریب قریب تمام دیہاتوں میں دو طبقات کا باہمی امتیاز نمایاں طور پر قایم ہو چکا تھا۔ ایک وہ جو اراضی کا لگان (اڑنی کڈگل) ادا کرتا تھا اور دوسرا وہ جو لگان نہیں دیتا تھا۔ اوّل الذکر طبقے کو حکومت کے کاموں پر بہت عمل دخل تھا۔ ہر گاؤں میں ادنیٰ ترین سماجی طبقے کے کچھ لوگ ہوتے تھے جو گاؤں کے چھوٹے موٹے کام دھندے کرتے تھے۔ اُن کو اِن خدمات کیلئے گاؤں کی شاملات زمین میں سے حصّہ دیا جاتا تھا گاؤں کی اراضیات میں کاریگروں کے حصّے بھی ہوتے تھے یہ حصّے انھیں اس لیے دیے جاتے تھے کہ وہ گاؤں میں رہیں اور جب بھی انھیں کام ملے اسے کرنے کے لیے آمادہ رہیں۔ البتہ ہر کام کے لیے انھیں الگ معاوضہ ملتا تھا، جس کو فریقین آپس میں طے کر لیتے تھے۔

غریبوں کی زندگی دیہات کے زیادہ غریب طبقوں کی جو سماج کے ادنیٰ ترین درجوں میں شمار کیئے جاتے تھے، زندگی کا کچھ اندازہ شہر آدنور کی تصویر سے کیا جاسکتا ہے۔ جس سے شاعر شیکی لار نے نیچ دریا، سنت نندن کی زندگی کا احوال شروع کیا ہے۔ گو اس تصویر کشی میں اَدبی الفاظی کا کافی حصّہ ہے لیکن اس سے اُن دنوں کی دیہاتی زندگی کے متعلق مصنّف کی گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اُس نے لکھا ہے: "آدنور کا شہر میبر کا ناڈو کا ایک متموّل اور قدیم شہرت والا شہر تھا۔ یہاں دریائے کولڈم یا کولرون کا پانی اپنی لہروں سے دونوں کناروں پر زرخیزی کے جواہرات بکھیرتا نظر آتا تھا۔ اور یہاں کی دھرتی اپنے پھولوں بھرے ہاتھوں سے خوشحالی کی اس سوغات کو قبول کرتی دکھائی دیتی تھی۔ .... آدنور شہر کی خوشحالی اِس کے زرخیز کھیتوں اور باغوں کی دین تھی اس شہر میں کثیر تعداد میں بلند عمارتیں تھیں اور اس کی آبادی گنجان تھی۔ اس شہر کے مضافات میں "پُلئیاؤں" کی ایک چھوٹی سی بستی تھی جس میں جگہ جگہ پھوس کی چھت کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے تھے ان جھونپڑوں پر "شرئی" کی بیلیں پھیلی

ہوئی نظر آتی تھیں اور ان میں چھوٹے موٹے کام دھندے کرنے والے کھیت مزدور بسے ہوئے تھے۔ جھونپڑوں کی دہلیزوں پر جن پر چمڑے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے چوزے ٹولیوں میں گھومتے تھے۔ سیاہ لوہے کے کڑے پہنے ہوئے سیاہ فام بچے کتوں کے ننھے ننھے پلّے اٹھائے ادھر ادھر اُچھلتے کودتے تھے اور اُن کی کمر کے گرد بندھی گھنٹیوں کے شور میں پلّوں کے بھونکنے کی آوازیں گم ہو جاتی تھیں "مرُودو" کے درختوں کی چھاؤں میں ایک مزدور عورت (اُلتی) نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر اپنے ننھے بچے کو سلا دیا تھا۔ وہاں آم کے درختوں کی ٹہنیوں میں ڈھول لٹک رہے تھے۔ اور ناریل کے درختوں کے تلے زمین پر چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں ننھے سروں والی کتیائیں اپنے پلّے جن کر خاموش پڑی تھیں۔ سُرخ کلغی والے مرغ صبح صادق سے پہلے بانگ دیکر گٹھیلے بدن والے "پلئیاروں" کو اپنے دن کے کام پر جانے کا بلاوہ دیتے تھے۔ اور دن میں کانجی کے درخت۔ کے لمبے سائے میں لہراتے ہوئے بالوں والی "پلئیا" عورتوں کی آواز بکھر جاتی تھی جو دھان کوٹتے ہوئے گایا کرتی تھیں۔ چہچہاتے ہوئے طیور سے بھرے ہوئے تالاب کے کنارے ان عورتوں کی ے نوشی کے ساتھ ساتھ کئی طرح کے ساز بجتے۔ اِن "پلئیا عورتوں نے اپنے بالوں میں خوشبودار پھول اور دھان کی بالیاں باندھ رکھی تھیں۔ جوں جوں شراب کا نشہ بڑھتا جاتا، رقص کرتے کرتے ان کے قدم لڑکھڑانے لگتے تھے۔ سب سے نیچ ذات (کنڈائنرز) کے لوگوں کی اس بستی میں ایسے لوگوں کا جنم ہوا جس کے دل میں شو کے ساتھ سچّی عقیدت تھی۔ وہ بے مثال نندنار تھا جسے پڑوس کے قصبے (اُور پُلمانی) کے لوگوں کی خدمت کرنے کا کام اپنے باپ دادا کی وارثت کے طور پر ملا تھا۔ اپنا پیٹ پالنے کیلئے اُس کا گاؤں کی اس زمین پر انحصار تھا جو قصبے کی جانب سے نیچ ذاتوں کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی جو گاؤں والوں کی ملازمت میں تعینات تھے۔ اس حیثیت سے وہ اپنے پیدائشی پیشے کو اختیار کر کے ترشول دھاری بھگوان شو کے مندروں کو ز، قہرہ، چمڑا اور چمڑے کی پٹیاں مہیّا کرتا تھا۔ جو دیوتاؤں کی پوجا کے لیے ڈھول بنانے کے کام میں آتے تھے۔ اس طبقے کے لوگ سچ مچ غلاموں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُنہیں نقل و حرکت کی بھی آزادی میسّر نہیں تھی"۔

یومیہ اُجرت پر کام کرنے والے مزدور کتبوں میں دیئے گئے سرسری حوالوں سے ہمیں یومیہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے جو کھیتی میں دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ اس کے عوض میں انہیں یومیہ اجرت ملتی تھی۔ جو عموماً غلّے کی شکل میں ہوتی تھی[9]

بے زمین کھیت مزدوروں اور خالی اوقات میں اُجرت پر کام کرنے والے معمولی کسانوں کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ مندروں کے باغوں میں کام کرنے کے لئے باغباں مزدور ایک مر کّال اور دو نالی دھان یومیہ کی عام شرح پر رکھے جاتے تھے۔ یہ شرح ۱۰۱۹ء اور ۱۰۵۳ء کے دو کتبات میں مذکور ہے۔[1] ایک جگہ سات "پاڈگم" رقبے کے ایک باغ کیلئے آٹھ مزدور سال بھر کیلئے رکھے گئے تھے اور دوسری جگہ دو "ما" رقبے کیلئے دو مزدور۔ کئی ایسی مثالیں بھی سامنے آتی ہیں جن میں کسی عوامی مقصد کے لئے کسی مندر یا مٹھ کو دی گئی اراضی کا تھوڑا سا رقبہ اُن مزدوروں کے کنبوں کی رہائش کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا جو وہاں کاشت کے لئے تعینات کئے جاتے تھے۔ ایسے مزدور مالکانہ حقوق رکھنے والے کسان نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کی حیثیت اُجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کی سی تھی انہیں کام کی جگہ سے نزدیک ہی رہائش کی جگہ دی جاتی تھی۔ اُن کی مزدوری پیشگی طے کر دی جاتی تھی اور ان کی زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا تھا اُس کا تنہا حقدار زمین کا مالک ہوتا تھا۔ لگان پر کاشتکاری کا رواج بھی تھا۔ کاشتکار عموماً زمین کے مالک کو پیشگی طے شدہ "عیل وارم" ادا کر کے باقی ماندہ پیداوار اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ کاشتکاری کے اخراجات اور اراضی پر لگائے گئے چھوٹے موٹے ٹیکسوں کو کاشتکار ہی ادا کرتا تھا۔ خدمت کے عوض جو اراضی دی جاتی تھی اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مالک اور کاشتکار دونوں کی عارضی شراکت ہوتی تھی۔

ایک انتباہ کتبوں سے ہم کو جو کچھ پتہ چلا ہے وہ اس قدر نامکمل اور ایک طرفہ ہے کہ اس سے اس عہد کے زرعی نظام کا کوئی جامع تذکرہ مرتّب نہیں کیا جا سکتا لگ بھگ سبھی کتبوں میں اراضی کے متعلق کارروائیاں درج ہیں۔ وہ مذہبی اور خیراتی نوعیت کی ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ ان میں جو حالات بتائے گئے ہیں۔ وہ کس حد تک نجی کاشتکاری کے نظام کے اجتماعی پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس بات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ زراعت بھی دیگر صنعتوں کی مانند بنیادی طور پر مقامی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے عمل میں لائی جاتی تھی اور اسلئے بھی کہ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کاشتکاری نے کبھی سرمایہ دارانہ قالب اختیار کر لیا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ نجی اراضیات اور سرکاری یا خیراتی اداروں کی زیر ملکیت اراضیات کی کاشت کرنے والوں میں بہت معمولی بلکہ شاید کوئی بھی فرق نہیں تھا۔ اگر اس مفروضہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ذیل میں اراضی کی ملکیت، آبپاشی، اراضی کی قیمتوں وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے، اُس کے بیشتر حصّے کو پورے زرعی نظام کی خصوصیات کا نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے

حقوقِ اراضی کی قسمیں ہم گاؤں کی زمین پر گاؤں والوں کی مشترکہ ملکیت کی طرف پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں۔ باقی ماندہ غیر ملکیتی اراضی پر سرکار کا حق بغیر کسی بحث کے تسلیم کر دیا گیا ہوگا۔ سرکاری زمین کو چھوڑ کر تمام قابل کاشت اراضی پر حقوق کی تین موٹی موٹی قسمیں تھیں اور انہی میں سے کسی ایک قسم کے تحت ہی اراضی آجاتی تھی۔ ان اقسام کو اس طرح الگ الگ بیان کیا جا سکتا ہے:[1] کسانوں کی خود کاشت ملکیتی اراضی جسے کتبوں میں "دیلان وگئی" کا نام دیا گیا ہے۔[2] خدمتی حقوق کاشت جس میں جیوتا۔ بھوگ۔ کانی۔ وڑتی وغیرہ ناموں کے تحت آنے والی سبھی اراضیات شامل تھیں اور خیراتی حقوقِ قبضہ جس میں برہم دیہ۔ دیو دان۔ اور شالا بھوگ زمروں کی اراضیات آجاتی تھیں اور کسی خیراتی عطیے کے نتیجے میں اور خصوصی شرائط کے تحت دی گئی ہوتی تھیں۔ یہ شرائط خاص اصطلاحی زبان میں تانبے یا پتھر کی تختیوں پر یا دونوں طرح کی تختیوں پر کندہ کروا دی جاتی تھیں۔ خدمات کے لئے انعام کے طور پر دی گئی اراضی کے متعلق اندراجات بھی پتھر کی تختیوں پر کندہ کروا دئے جاتے تھے لیکن یہ اندراجات مقابلتاً سادہ ہوتے تھے اور ان میں محض انعام میں دی گئی زمین کا رقبہ اس کے پانے والے کا نام اور اس مخصوص خدمت کی تفصیل درج ہوتی تھی جس کے معاوضہ میں یہ اراضی عطا کی گئی تھی۔ متعلقہ فریقین کے حقوق کی تفصیلات کا تعین مقامی رواج پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اب ہم حقوقِ اراضی کی ان تین مختلف اقسام پر، جن کا فرق اوپر بتا دیا گیا ہے۔ قدرے تفصیل سے بحث کریںگے۔

مالکوں کی خود کاشت اراضی "ولان وگئی" کی اصطلاح دو الفاظ پر مشتمل ہے جن میں سے پہلے لفظ کے معنی واضح طور پر کاشت کے ہیں۔ دوسرے لفظ "وگئی" کے جو معنی اس جگہ برمحل معلوم ہوتے ہیں، وہ ہیں "طبقہ" یا "طریقہ"، کتبوں میں "وگئی" کا لفظ قبضے یا حقوق کے لحاظ سے اراضی کی قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اگر ہم "ناڈو وگئی شیرا" کی اصطلاح کو یاد کریں جو محکمۂ مال کے ان اہلکاروں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ جو لگانِ اراضی کے بندوبست میں لگے رہتے تھے۔ تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اِس "وگئی شیدل" میں اقسام اراضی اور حقوق کاشت کا اندراج ہوتا تھا۔ جس میں عام کاشتکاروں (دیلان) کے حقوق بھی شامل ہوتے تھے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی کر دینا چاہیے کہ زرخیزی کے لحاظ سے اراضی کی قسم زمین متعین کرنے کو "ترم اڈودل" کہا جاتا تھا۔ یعنی درجہ بندی۔ کتبوں میں "ویلان وگئی" کا مطلب دوسری اقسام کی اراضی سے واضح طور پر مختلف ہے۔ کرد پوران بہت سے دیہاتوں میں سے ایک تھا جن کو راج راجا نے تنجور کے مندر کو اناج

کی کچھ مخصوص مقدار مہیا کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ اُس غلّے کی مقدار متعین کرنے کیلئے صرف "ویلان وگئی" کے زمرے میں آنے والی اراضیات کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ "دیودان" اور "شالابھاگ" قسم کی اراضی اس میں شامل نہیں کی گئی تھی"۔ اس کے بعد ترودالنکاڈو کی تختیوں میں بھی سرسری طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ معمول کے طور پر ٹیکس ادا کرنے والا گاؤں "ویلان وگئی" ہی ہوتا ہے۔ پلائیانور نامی گاؤں جو "برہم دیہ" تھا اور شنگلانتکا چترویدی منگلم کی سبھا کے قبضے میں تھا، بعد میں "ویلان گئی" قرار دے دیا گیا۔ اور سبھا کو اس کے بدلے تلائی مارڈو میں دوسری زمین دیدی گئی۔ اس تبدیلی کے بعد پلائیانور کو ترو والنکاڈو کے مندر کی "دیودان" قرار دیا گیا۔ اس گاؤں اور "ویلان وگئی" کے زمرے کے دیگر دیہاتوں کے مابین جو فرق تھا وہ ذیل کے الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے[2]۔ "یہ اور "ویلان وگئی کے زمرے میں آنے والے دوسرے دیہاتوں کی "مانند اڑئی" کی ادائیگی سے مستثنےٰ ہے۔ چھٹے سال کے بعد آئندہ ہر سال یہ" اور "مندرجہ ذیل مستقل سالانہ شرح پر اڑئی" (نتر یرائی) ادا کیا کرے گی۔ تین ہزار دو سو اٹھاسی کلم، سات کرونی اور پانچ نالی دھان، ایک سو ترانوے کلنجو (ایک منجادی) اور ایک "ما" سونا جیسا کہ ادا کیا جاتا تھا۔ اور جس میں "پڈی"، "اور پلی"، بھی شامل تھے[3]۔ اس تشخیص کو درج کا غذات کیا جائے"۔ راجہ کے فرمان کے یہ الفاظ چولوں کے زیر حکومت رائج بندوبست اراضی کے اہم پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے لئے ایک دریچے کا کام دیتے ہیں — آجکل ہم جس معمولی گاؤں کو رعیت واڑی کہتے ہیں۔ وہی "ویلان وگئی"، ہوتا تھا جسکا سرکار سے براہِ راست تعلق ہوتا تھا اور جو لگان گاؤں سے ملتا تھا اس میں کبھی کبھی ترمیم بھی ہو سکتی تھی یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں کہ یہ بندوبست انفرادی طور پر کاشتکار کے ساتھ ہوتا تھا جیسا کہ آجکل ہوتا ہے۔ یا جیسا کہ قرین امکان ہے پورے گاؤں کے ساتھ۔ کیونکہ اُن دنوں کی دیہات کی زندگی اور گاؤں کی برادری کی طاقت ور تنظیم سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ بیان کہ جب پلائیانور سبھا کے تحت ایک "برہم دیہ" گاؤں تھا جو مقابلتاً زیادہ "اڑئی" ادا کرتا تھا، اس بات کا ثبوت ہے کہ "برہم دیہ" کچھ محصولات مرکزی سرکار کو یک مشت سونے کی شکل میں ادا کرنیکا ذمہ دار ہوتا تھا[1]۔ "برہم دیہ اراضی" بازیاب بھی ہو سکتی تھی یعنی اصل مالکوں کو واپس بھی مل سکتی تھی۔ اس صورت میں اراضی سے مستفید ہونے والے افراد کو بدلے میں کوئی دوسری اراضی دینی پڑتی تھی۔ اور واپس لی گئی "برہم دیہ" اراضی کو کسی دوسرے مقصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا تھا جیسا کہ اس گاؤں میں اس کو دیوان میں بدل دیا گیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ پلائیانور گاؤں جب مندر کو دیا گیا تھا تو "معمولی دیودان" کے طور پر نہیں بلکہ "ویلان وگئی"

کے طور پر دیا گیا تھا اور اُس کا بندوبست مالگزاری بھی دائمی طور پر کر دیا گیا تھا۔ یہ مالگزاری سرکار کی بجائے مندر کو ادا کی جاتی تھی۔ اِس اُلٹے سیدھے انتظام کی کیا وجہ تھی یہ نہیں بتایا گیا ہے، لیکن ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کا مدعا یہی تھا کہ اصل کاشتکاروں کی حیثیت بدستور رہے۔ جب گاؤں کی زمین "برہم دیہ" تھی تو گاؤں کے کاشتکار، زمیندار کو 8 ع 32 کلم۔ 7 کرونی اور 5 نالی دمان اور 192 کلنجو، ایک منجادی اور ایک "ما" سونا دیتے تھے اور اب بھی انہیں اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہی ادائیگی اپنے سابقہ زمینداروں کی بجائے مندر کو کرتے رہیں[5]۔ اگرچہ اس وقت کے حالات کے پیش نظر گاؤں کی جانب سے، مندر کو واجب الادا لگان کے دائمی بندوبست کا حکم دیا گیا تھا لیکن اُس کا مدعا صرف یہ تھا کہ یہ تشخیص اسی طرح بار بار نہیں بدلی جائیگی جس طرح کہ "ویلان وگئی" مواضعات میں ہوتا ہے۔ کیونکہ یوں تو ہر فرمان یا قرارداد اپنے اجرا کے وقت دائمی نوعیت کی بتائی جاتی تھی لیکن تازہ حالات کے تقاضوں کے تحت بعد میں اُس پر دوبارہ غور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا۔ اور اس حکم کے الفاظ سے جو عام "ویلان وگئی" گاؤں کے لگان اور ریلائیانور کے مقررہ سالانہ لگان کے مابین فرق کو نمایاں کرتی ہے۔ یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ "ویلان وگئی" اراضی میں حکومت کا حصہ اُس کی سالانہ پیداوار پر منحصر ہوتا تھا لیکن اُس کے متعلق ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ "برہم دیہ" اراضی کو "ویلان وگئی دیودان" میں بدل دینے کی ایک ایسی ہی مثال چولا یانڈیا نائب السلطنت سندرا کے سولہویں[ع] سالِ حکومت کے ایک کتبے میں مذکور ہے جس میں پانچ "ویلی" اراضی جو اصل میں "برہم دیہ" تھی تروواالشیورم کے مندر کو ویلان وگئی کے طور پر دی گئی اور اُس کا سالانہ لگان 2 ع 6 کلم۔ 6 کرونی۔ 3 اُلکو اور ½ شیوڈو سالانہ مقرر کیا گیا۔ "نارائم" کے پیمانہ سے شیوڈو پانچ نالی کا ہوتا ہے۔ نیز سالانہ لگان میں نقد 4 کلنجو اور تین کانی سونا اس کے ساتھ واجب الادا تھا جس میں سے پانچ کاشوتو کاٹی ایٹر ددکا شو کے تھے اور باقی اُرودو کول نین کا شو کے[5]۔ ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ راجندراؤں کے زمانے میں "ویلان وگئی" قسم کی زمینیں بھی کم از کم دو زمروں میں بٹی ہوئی تھیں ایک وہ جس کا سالانہ لگان حکومت کے پاس براہِ راست جمع ہوتا تھا اور قابل ترمیم تھا۔ دوسرا وہ جس کا کم وبیش مستقل سالانہ مالیہ ان عوامی اداروں مثلاً مندروں وغیرہ کو ادا کرتا تھا جن کی ملکیت میں متعلقہ اراضی ہوتی تھی۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کے کوئی وسائل موجود نہیں ہیں کہ ان دونوں اقسام میں سے کاشتکاروں کے لیے کونسی زیادہ سودمند تھی۔

"برہم دیہ" اراضی کو "ویلان وگئی" کے زمرے میں منتقل کرنے کی ایک اور نمایاں مثال کلوتنگا اوّل کے گیارھویں سال حکومت (سنہ 1081ء) کے کتبے میں ملتی ہے[6] (الف) اس کتبے اور تروواالنگاڈو کی

تختیوں کی طرز تحریر میں بڑی مشابہت ہے اور ان تختیوں کی مانند اس کتبے میں محکمہ مال اور انتظامیہ کے متعلق کئی دفتری اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جو ابھی مطالعہ کی متقاضی ہیں۔ دوسرے کے نام حقوقِ کاشتکاری کے انتقال کے لئے ضروری دفتری کاروائی میں برسوں لگ جاتے تھے۔ مندرجہ بالا منتقلی کی کاروائی راجندر دوم کے عہدِ حکومت میں شروع ہو کر کلوتنگا کے زمانے میں ختم ہوئی۔ ویرراجندر نے ضروری حکم ناٹار، برہم دیہ کلوَر، دیو دان، پلّی چند اور شالا بھوگ اراضیات کے اور اسی نوع کے دوسرے خیراتی مواضعات کے اُور گلیار کو، نیز "نگرا نگالِلار" کے نام جاری کیا۔ جو اراضیات اس طرح دوسرے زمرے میں منتقل کی گئیں۔ اُن سے ایک نئے گاؤں کی تشکیل کی گئی۔ اور اُسکا نام راجندر تلوُر رکھا گیا۔ اور اس گاؤں کو سالانہ دو ہزار کلم دھان بطور مقررہ لگان (نیز رائی) ترُوٹا نگائی الشیورم کے مندر کو ادا کرنیکا پابند کیا گیا۔ اس مندر کو نکّن ترنی یا ینن دال نے تعمیر کروایا تھا نیا بندوبست شہنشاہ کلوتنگا اوّل کے گیارہویں سال حکومت سے عمل میں آیا کلوتنگا دوم کے تیسرے سالِ حکومت میں ضلع جنوبی ارکاٹ کے ایک گاؤں ادیالوُر کو "نالوُ برہم دیہ" سے بدل کر ٹیکس سے ۱۶۔ب۔ مستثنےٰ اراضی ترونامتوکانی کے زمرے میں کر دیا گیا۔

نڈوُر ضلع تنجور کے ایک سنہ ۱۲۳۲ء کے کتبے میں درج ہے[7]۔ کہ کوپیرن جنگا کی ظالمانہ حکومت سے آزاد ہونے کے بعد اس گاؤں کے کسان اپنی اقتصادی بدحالی کی شکایت لیکر سبھا کے پاس پہنچے۔ سبھا نے نیا بندوبست کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ لگان کے یہ واجبات جنس یا نقدی کی شکل میں اصل کاشتکاروں کی طرف سے زمینداروں (پیرن گڈیگل) کے پاس جمع کروائے جائیں زمینداروں کو لگان کی وصولی میں تشدّد سے منع کیا گیا۔ "کڈمئی" کی شرح ایک فصل کے لئے تی مندر گائی (جو ایک ویلی اراضی $\frac{1}{32}$ حصّہ ہوتا ہے) بائیس ۲۲ کاشو مقرر کی گئی۔ ویٹک کاشو اور وتیوگم یہ دونوں ٹیکس بالترتیب ۵ کاشو اور ایک کاشو مقرر کئے گئے۔ ہر ایک "کانی" اراضی پر ایک مزدور بلامعاوضہ دینا ضروری تھا۔ اور باقی مزدوروں کو معمولی شرح پر اجرت ملتی تھی۔ اراضی پر اگر کوئی مزید ٹیکس لگتا تو اس کی ادائیگی کے لئے پیرن گڈیگل (زمیندار) ذمّہ دار تھا۔

اراضی خدمتی خدمات کے عوض جو اراضی دی جاتی تھی، اُس کی کئی قسمیں تھیں۔ سرکاری ملازمین کو اپنے سرکاری کام کے معاوضے میں حکومت کی طرف سے جو اراضی دی جاتی تھی اُس پر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں۔ یہ پٹّے محض اراضی سے بعض ٹیکسوں اور محصولوں کی وصولی کے حقوق کے لئے ہوتے تھے اس لئے انہیں مخصوص خدمات کے عِوض ملنے والی اراضی سے

مختلف سمجھنا چاہیے۔ مثلاً 894ء میں مانم باڑی (ضلع تنجور) کے "نگرتار" اور مندر کے حکام نے کچھ زمین کو "ٹانگ کانی" کے طور پر دی۔ یہ ویرنارائنا پورم کے مہادیو مندر میں چترائی کے مہینے میں ایک تیوہار کے دن پانچ نامل کو تودُس یعنی ناچ ناچنے کے عوض دی گئی۔[16] ایف

فوجی جاگیریں

چولا عہدِ حکومت میں اراضی کا مالیہ یا خود اراضی فوجی خدمات کے عوض میسر دینے کا ایک عام دستور تھا۔ 1117ء اور 1121ء کے دو کتبوں میں جو ترُوواڈُ ترائی سے ملے ہیں، یہ ذکر آیا ہے کہ قابلِ کاشت اراضی کا خاصا بڑا رقبہ کلوتنگا شولا نلورؔ کے نئے نام سے میرکاناڈو کے کائیکولا افسروں کو "ویر بھوگ" کے طور پر دے دیا گیا تھا۔ یہ کائیکولا افسران "شرُودانم" کا منصب رکھتے تھے اور گنگائی کونڈا شولا پورم کے محل میں ملازم تھے۔[18] شیو پوری (ضلع رام ناڈ) کا 1225ء کا ایک کتبہ مظہر ہے[19] کہ شہنشاہ کے ایک اطاعت گزار شنڈن گنگائی کونڈان نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے فوجیوں کے جو جنگ میں مارے گئے تھے، وارثوں کو پانچ "ما" اچھی اراضی اور تین "ما" خراب اراضی بطور "ادِرپ پٹی" کرے گا۔ اس نے یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر ان فوجیوں کے ملازمین میں سے کوئی بھی لڑائی میں یا بیماری کے باعث فوت ہو جائے تو وہ اسکے اقارب سے کوئی ٹیکس، جس کے دینے کے وہ ذمہ دار ہوں، بغیر اُن کی رضامندی کے وصول نہیں کرے گا۔ ضلع تنجور میں مقام کوون کاڈو سے دستیاب شدہ 1256ء کے ایک کتبے میں نڈئی منڈلم کے شولا گنگن والیۂ پائیور کے ایک اقرار کا ذکر آیا ہے جس کی رو سے اُس نے اعلان کیا تھا کہ وہ اپنی اُس تمام اراضی کے کاشتکاروں سے جو بطور "پڈئی پرو" اُس کی ملکیت تھی فی ما چھ شو کا شو نقد اور دو کلم دھان سے زاید کوئی محصول وصول نہیں کرے گا۔[20] یہ ایک واضح مثال ہے جس میں ایک جاگیردار کو اپنی حاصل کردہ جاگیر کی اراضی کے لگان اور دیگر محصولوں کو اپنی نجی آمدنی کے طور پر وصول کرنے کے حقوق دے دیئے گئے تھے۔ یہ حقوق اُسے بوقتِ ضرورت شہنشاہ کی خدمت کے لئے ایک مقررہ تعداد میں فوج تیار کرنے کے عوض دیئے گئے تھے۔

مندروں اور دیہاتوں سے خدمت کے عوض اراضی دیئے جانے کی بہت اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ مندر اور دیہات اپنے ملازمین کو اس طریقہ سے معاوضہ ادا کرتے تھے۔ مندروں کی انتظامیہ اکثر مندروں کے اراضیات کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے اُنکو "جیوتا بھوگ" یا کانی کے طور پر عطا کر دیتی تھی۔ یہ تمام اصطلاحات اُن لوگوں کی بابت بڑی لاپروائی سے

استعمال کی گئی ہیں جو مندر کے دیوتاؤں کے اشنان کے لئے پانی بھر کر لاتے تھے[21] مندر کی عمارت کی نگرانی کرتے تھے، سنکھ (شنگو) بجاتے تھے[23]، ارچنا کرتے تھے، "شری بلی" کے موقع پر مدد کرتے تھے[24]، مندر میں بھجن گاتے تھے، گانے والوں کو تربیت دیتے تھے[25] وغیرہ۔ راجندر اول کے نویں سالِ حکومت کے دوران جن ناتھ چترویدی منگلم کی سبھا کا اجلاس اس غرض سے منعقد کیا گیا کہ مہاشاستا کے مقامی مندر کی اراضیات پر مندر کے ملازمین کے قبضے کو باضابطہ کیا جا سکے اور ان اراضیات کے تابضوں کے فرائض کی نوعیت اور دائرے کو متعین کیا جا سکے مثلاً پوجا کروانا، چراغوں کے لئے تیل مہیا کرنا اور مندر کی نگرانی کرنا[26]۔ انفرادی طور پر صاحب خیر افراد مندر کو دی ہوئی اراضی کو کچھ خاص خدمات کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ اگرچہ اس رواج کی ابتدا قدرے مختلف تھی لیکن یہ متذکرہ دوسرے طریقے سے کسی طرح مختلف نہیں تھا مندروں کی اراضیات میں سے ملازمت کے عوض جو اراضی دی جاتی تھی، اس کی دو مثالیں حسب ذیل ہیں۔ (۱) ترو واڈ توری کے سالانہ تہواروں میں "آرائیک گوتو" (ناچ) پیش کرنے کے عوض راج راجا اول کے نویں سالِ حکومت (۹۹۴ء) سے ایک "نرتیہ بھوگ" (شاکئی کانی) جاگیر منظور کی گئی[27] (۲) ایک "دو تتار کانی" یعنی سنار کی جاگیر مہارانی دنتی شکتی وِٹنکی نے عطا کی جو مہاراجہ راجندر کے چوتھے سالِ حکومت سے ترو وارور کے مندر کے ساتھ منسلک کر دی گئی[28]۔ گاؤں والوں کے جو چھوٹے بڑے کام کئے جاتے تھے اُن کا معاوضہ بھی اسی ترکیب سے دیا جاتا تھا۔ یہ بھی دو طرح سے کیا جاتا تھا۔ کبھی تو دیہی اسمبلی ہی پہل کرتی اور شاملاتِ دیہہ کا کچھ حصہ بعض خدمات کے معاوضے کے لئے بطور "بھوگ" الگ رکھ لیتی تھی اور کبھی مالدار اور فیاض افراد بعض ضروری نوعیت کی مقامی حاجتوں کو اپنی جیب سے پورا کرنے کے لئے کمربستہ رہتے تھے اور ضرورت پڑنے پر دھرم ارتھ کے لئے گاؤں والوں سے زمین خرید کر مقامی حکام کے زیر انتظام چھوڑ دیتے تھے۔ پہلے طریقے کی متعدد مثالیں پھٹ ورتی کی شکل میں سامنے آتی ہیں جنہیں دیہی اسمبلیاں اسکولوں کے استادوں کے لئے قایم کرتی تھیں یا اُن افراد کے لئے جو پرانوں کی کتھا سنا کر یا مندروں میں فلسفے کی تشریح کر کے کلچر کا پرچار کرتے تھے۔ یہ اسمبلیاں دستکاروں مثلاً زرگروں کے لئے[29]، گاؤں کے طبیب کے لئے[30] اور رقاص کے لئے کانیاں "قایم کرتی تھیں[31] نجی سخاوت کی ایک عام شکل یہ تھی کہ سخی لوگ جعام کشتیوں (کیچڑ نکالنے والی کشتیوں) کے اخراجات اور اُن ملازمین کے اخراجات کے لئے جو تالابوں کی مرمت اور دیکھ بھال کرتے ان میں سے ریت کیچڑ نکالتے، اُن کے بندھوں کی مرمت کرتے اور کئی دوسرے مخصوص طریقوں سے

انہیں صحیح حالت میں رکھتے تھے، اراضی بطور عطیہ دیتے تھے[32]۔ اس طرح کی عطیہ شدہ اراضی کو "ایری
پٹی" کہتے تھے۔ ایسی کچھ اراضیات "امبلاپورم" کہلاتی تھیں۔ جو سرائے اور سبیلوں کے اخراجات
چلانے کے لئے بخشی جاتی تھیں[33]۔ فی کس تین "ما" اراضی کا عطیہ دیکھکر سوم ناتھ چترویدی منگلم کے
تین بڑھئی مناسب معاوضے کے عوض گاؤں کی کئی چھوٹی چھوٹی نواحی بستیوں کا کام کرنے پر رضامند
ہو گئے[34]۔ دراصل مختلف اقسام کی خدمات کے بدلے میں اراضی دینے کا دستور ہمہ گیر تھا اور پوری
سلطنت میں موجود تھا۔ اس کا ثبوت تاریخی کتبوں سے ملتا ہے۔ ٹیکسوں کے نظام میں ان خدمتی
اراضیات ہونے سے بہت سے تنازعات پیدا ہو گئے تھے جنکا تصفیہ راج راجا کے ایک عام
فرمان کے ذریعہ سے کردیا گیا۔ یہ فرمان شہنشاہ نے اپنے عہد کے چوبیسویں برس میں جاری کیا تھا[35]۔
اس فرمان سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خدمتی اراضیات پر معمول کے وہ سبھی مرکزی اور مقامی ٹیکس
واجب الوصول تھے جو دوسری اراضیات پر وصول کئے جاتے تھے۔ جب تک کہ ان ٹیکسوں سے
مستثنےٰ کئے جانے کا کوئی الگ حکم جاری نہ کیا گیا ہو۔ مندروں پر چراغ جلائے رکھنے کے اخراجات
کے لئے جو زمینیں دی جاتی تھیں وہ خدمتی اراضی کی بہترین مثالیں تصوّر کی جاتی ہیں۔

خیراتی زمینیں

خیراتی اراضیات کی تین خاص اقسام "برہم دیہ" "دیوودان" اور "شالا بھوگ" تھیں۔ اوّل الذکر دو اقسام اکثر ایک ہی گاؤں میں اکٹھی ہو جاتی تھیں
اور ایسا گاؤں "برہم دیہ دیوودان" گاؤں کہلاتا تھا[36]۔ "دیوودان" اور "ترو وِڈیاٹم"[37] نیز "ترونا
مُتنگ کانی" میں فرق ہے۔ موخرالذکر دو اصطلاحات اُن اراضیات کے لئے استعمال ہوئی ہیں
جو کُلی طور پر مندروں کی ملکیت تھیں جس طرح کے اور زمینداروں کی[38]۔ ایسے حقوق قبضہ عموماً
اس طرح وجود میں آتے تھے کہ کچھ اراضی اصل مالکوں یا اس پر قبضہ رکھنے والوں سے خریدلی جاتی
تھی۔ پھر ایک رسمی کارروائی کے بعد اُس کو عطیے میں دیدیا جاتا تھا عطیہ کی تحریر میں عطیہ کے متعلق
جُملہ حقوق و مراعات اور ذمہ داریاں بھی واضح طور پر بتادی جاتی تھیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ
ایسے عطیات خصوصاً راجہ اور دیہی اسمبلیوں کی طرف سے اُن زمینوں کے متعلق ہوتے تھے جو ابھی
تک کسی کو دی ہوئی نہ ہوں۔ جب کوئی ایسی اراضی خرید کر بطور عطیہ دی جاتی تھی جسکا کوئی اور مالک
رہا ہو تو یہ سوال سامنے آتا تھا کہ اصل کاشتکار (کُڈی) کے حقوق کا کیا کیا جائے۔ بالکل ایسا ہی
سوال "کارانمئی" اور "می کاچی" یا "میاچی" حقوق کے متعلق بھی اٹھتا تھا۔ ان اصطلاحات کے معنیٰ
بالترتیب کاشتکار کے حقوق اور مالکِ اراضی کے حقوق ہیں۔ کیونکہ زمین کا مالک خود ہی اُس کو

کاشت بھی کرتا تھا۔ اِس لئے جن قابضان کو صرف کاشتکاری کے حقوق حاصل ہوتے تھے اُن کو کبھی کبھی "کیل کارانمئی اُڈائیا گُدنگل" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا یعنی تحتی کاشتکاری کے حامل[9]۔ کئی کتبات ہیں جن میں ان عطیات کا اندراج ملتا ہے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان سوالات کو کسطرح حل کیا جاتا تھا کہ کوئی ملکیت "کُڈی نیکک کارانمئی مٹہ کاچی ہے"[4] یا کُڈی نینگاک کارانمئی ہے[4]۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ حقوقِ قبضہ کے اس نظریہ کا نفاذ کبھی کبھی منقولہ املاک پر بھی ہوتا تھا بقلہ، کا تروائیا رُدو کا ایک کتبہ مظہر ہے کہ بھیڑوں کا ایک ریوڑ ایک شخص کے سپرد کیا گیا جس نے اس شرط کے ساتھ مندر میں دو چراغ روشن رکھنے کی ذمہ داری لی کہ مذکورہ بھیڑیں، "گُڈی نیکا۔ چاوا۔ مُووا۔[2] پیرا ڈو" سمجھی جائیں۔ یعنی بالغ عمر کی بھیڑیں جو نہ مرتی ہیں اور نہ بوڑھی ہوتی ہیں اور جن پر قبضہ کا شمار مستقل کاشتکاری کے طور پر ہوگا۔ برہمنوں، مندروں اور لنگروں وغیرہ کو اراضی کے عطیات دیتے وقت ایک اور موضوع جس پر خاص توجہ دی جاتی تھی یہ تھا کہ اراضی کے عطیے میں دیدئے جانے کے بعد اس پر واجب الادا ٹیکسوں اور دیگر واجبات کی ادائیگی کون کرے گا اور کیسے؟ اکثر ان اراضیات کو ٹیکس لگانے والے حکام، مرکزی اور مقامی سبھی، یا تو جملہ ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیکر "اراثیلی" بنا دیتے تھے یا اُن پر "اڑائی" کی رقم یک مُشت پیشگی وصول کرلی جاتی تھی جسے "اڑائی کا دل" کہا جاتا تھا۔ جب تک کسی اراضی کے لئے مذکورہ بالا کسی مد کے تحت ٹیکس کی معافی کا واضح حکم نہیں دیا جاتا تھا اُس پر معمول کے ٹیکس ہی عاید کئے جاتے تھے۔

ایک بھوگ اراضیات سندر چولا کے زمانے کی انبل کی تختیوں میں اراضی کے ایک عطیے کا اندراج ملتا ہے۔ راجہ نے دس "ویلی"، رقبہ کا یہ قطعہ اراضی "ایک بھوگ برہم دیہ" کے طور پر عطا کیا۔ "ایک بھوگ" کے اسم صفت کا مفہوم "برہم دیہ" سے بالکل مختلف ہے جس میں متعدد افراد عطیہ شدہ اراضی کے ساجھے دار ہوتے تھے۔ "ایک بھوگ برہم دیہ" صرف ایک واحد شخص کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ مذکورہ مثال میں یہ انی رُدھ برہما دھیر اجا نامی ایک شخص کو ایک عوامی تقریب منعقد کرکے دیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر ادا کی گئی اراضی کی حدود کی نشاندہی ایک ہتھنی سے کروائی گئی۔ تامل زبان میں لکھے ہوئے فرمان عطیہ میں اس کے ذریعے دئے گئے تمام حقوق و مراعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ البتّہ سنسکرت والے حصّے میں یہ اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں لکھے گئے ہیں: "ہم نے مذکورہ اراضی کی نشاندہی اس کی سرحدوں پر مٹی کے تودے (کُروم) کھڑے کرکے اور تھوہڑ کے درخت لگا کر کر دی ہے۔ اِس

اراضی میں جو دوسری مشمولات تھیں مثلاً ثمر دار پودے، پانی، زمین، باغ، تمام پھلتے پھولتے درخت اور گہرے کنویں، خالی جگہیں[4] غیر آباد اراضی جس میں بیل بچھڑے چرتے تھے، گاؤں کی آبادی کی جگہ بامیاں (چیونٹیوں کے بنائے ہوئے ٹیلے) چبوترے (جو درختوں کے ارد گرد بنائے گئے تھے) نہریں[4] غار، ندیاں، اور اُن کے کچھار، تالاب، کھلیان، (کوٹاگارم) مچھلیوں کے جوہڑ، شہد کی مکھیوں کے چھتوں سے آباد دررزیں، گہرے تالاب (کوٹکم) یہ سب شامل کر کے اور مزید ہر وہ چیز جس پر چھپکلی دوڑتی ہے اور کچھوا رینگتا ہے، اور اس کے ہمراہ اُس علاقے کے جملہ محصولات جیسے کہ عدالتوں (منو پاڈوم) سے حاصل ہونے والی آمدنی، پان کے پتوں اور گرگھوں کے کپڑے پر عاید شدہ ٹیکس کولم گاڑیوں پر لگائے گئے (سونے کے) کانم، دو کانوں پر لگنے والے، "پاٹم" ٹیکس کی آمدنی بشمولیت کارائی"، اور میاپٹی"، اور پرانے مزارعوں کو بے دخل کر دینے کے حقوق، گویا ہر وہ چیز جو وہاں راجہ کے اختیار اور استعمال میں ہو سکتی تھی۔ مذکورہ شخص کو عطا کر دی گئی۔ اُسے پوری آزادی ہوگی کہ وہاں ایوان بنوائے اور پختہ اینٹوں سے اُن کی بالائی منزلیں تعمیر کروائے۔ چھوٹے یا بڑے کنویں کھودے۔ وہاں خوشبودار پھول اور خس کے پودے لگائے اور آبپاشی کی ضروریات کے مطابق نہریں کھدوائے، "شینیر"، کو ضائع نہ کرے[4]۔ بلکہ ایسے پانی کو باندھ لگا کر آبپاشی کے لیے اکٹھا کرلے مگر ایسے پانی کو اٹھانے کے لئے کوئی بھی چھوٹی ٹوکریاں استعمال نہیں کرے گا[4]۔ اس طریقے سے پرانا نظام بدل دیا گیا۔ پرانے نام اور ٹیکس ختم کر دئے گئے۔ اور کرونا کرمنگلم کے نئے نام سے ایک نئی "ایک بھوگ برہم دیہ" کی تشکیل ہوئی۔

اسی طرح کے مراعات کی ایک سند معمولی سے ردوبدل کے ساتھ "برہم دیہ"، کے عطیوں اور دیو دانوں" میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر تِرووالنگاڈو کی تختیاں بھی اِن مراعات کو اسی طرح کے الفاظ میں بیان کرتی ہیں[4]۔ نیز اِن میں کچھ اور مراعات کا اضافہ بھی کرتی ہیں مثلاً، ناریل اور تاڑ کے درختوں سے تاڑی نکالنے کے لئے "ایلووں" کو ان پر چڑھنے کی ممانعت کی گئی نیز گاؤں کے تالاب کو جتنا ممکن ہو بلند کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اس میں پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار جمع کی جا سکے۔ کئی بار عطیے کی شرائط کی رو سے عطیہ پانے والوں اور اُن کے وارثوں پر اُن کے فروخت یا رہن کے حقوق پر پابندیاں لگا دی جاتی تھیں[4]۔

علیحدگی پسندی

معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا اور راجندر اوّل کے عہدِ حکومت میں "برہم دیہ" دیہاتوں کی امتیازی نوعیت کو برقرار رکھنے کے لئے ان میں دوسری

ذاتوں کے لوگوں کو زمین کا مالک بننے سے روک دیا گیا تھا۔ تاریخ کا جدید طالب علم تو فوری طور پر یہی سمجھے گا کہ یہ پالیسی برہمنوں کے ذات پات کے احساس برتری اور سماجی علیحدگی پسندگی کے باعث اختیار کی گئی۔ لیکن حقیقت میں اس سے زیادہ ایک اور بات اس کی محرک ہوئی اور وہ یہ تھی کہ اس طرح کے کسی گاؤں کو ایسے آئینی نظام میں شامل کرنے میں جس میں بھٹوں "اور کرم وتوں" اور گاؤں کے دوسرے لوگوں کے مقاصد، ضروریات اور اہلیت میں فرق ہوتا تھا مشکلات پیش آتی تھیں کسی اور جگہ یہ بتایا گیا ہے۔ کہ بڑے بڑے دیہاتوں میں جہاں اس طرح کی یکسانیت قائم نہ رہ سکی وہاں پہلو بہ پہلو دو طرح کی سبھائیں قایم کی گئیں۔٩ ایک 'دیہی سبھا'، اور دوسری 'اُور'۔ لیکن ایسے مقامات پر جہاں برہمنوں کی اکثریت تھی۔ اور دوسری ذاتوں کے پٹے دار اتنے کم تھے کہ اُن کی الگ "اور" قایم نہیں کی جا سکتی تھی، وہاں ایسے پٹے داروں کو ایک ایسی "سبھا" کے ارکان کی حیثیت سے قبول کرنا پڑتا تھا جن میں شرکت اور ملازمت کے لئے اعلیٰ تعلیمی قابلیت ضروری تھی۔ ایسی تعلیمی قابلیت عام لوگوں کو آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ یا پھر اُن دنوں میں زمین کی ملکیت سے متعلق جو مراعات حاصل تھیں اُن کے بغیر رہنا پڑتا تھا۔ انہیں نہ تو اظہارِ خیال کا مناسب موقع مل سکتا تھا اور نہ اپنی ضروریات کی طرف سبھا کو متوجہ کرنے کا۔ ان کے لئے صرف یہی راستہ رہ جاتا تھا کہ وہ اپنے لئے کوئی الگ سازگار ماحول تلاش کریں۔ ممکن ہے کہ اس نوعیت کی دشواریوں کا شروع شروع میں پہلے سے اندازہ نہیں کیا جا سکا تھا اور "برہم دیہ" دیہاتوں میں اراضی پر دیگر ذاتوں کے لوگوں کی ملکیت پر کوئی پابندیاں نہیں لگائی گئی تھیں لیکن جب اس پالیسی پر عمل کیا گیا اور موقع پر کئی جگہ بہت دشواری پیش آئی جو کہ ان حالات میں ایک بالکل فطری بات تھی اور اس کا کوئی تسلی بخش حل نہیں نکل سکا تو اس کی جانب راجہ کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ شہنشاہ راج راجا نے اپنے سترہویں سالِ حکومت یعنی ۱۰۰۲ء میں ایک عام فرمان جاری کیا کہ برہمنوں کے دیہاتوں میں برہمنوں کے علاوہ اور سب کی زمینیں (کانی) بیچ دی جائیں۔ لیکن ان ملازمین کو اس حکم سے مستثنےٰ رکھا گیا جنہیں اراضیات کے خدمتی پٹے ملے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ برہمنوں سے توقع تھی کہ وہ نقد رقم ادا کر کے یہ زمینیں خرید لیں گے۔ ایک خاص افسر راج کیسری چتر ویدی منگلم میں تعینات کیا گیا تاکہ وہ سبھا سے اس حکم کی تعمیل اور جلد ادائیگی کروائے۔ اس موقع پر فروخت کی گئی کچھ اراضی راجہ کی بہن کندوئی نے خریدی اور مقامی مندر کو دان کر دی۔ شہنشاہ راجندر اوّل کا بھی ایک ایسا ہی فرمان اُس کے عہدِ حکومت کے چھٹے سال کے ایک کتبے میں درج ہے۔ یہ کتبہ ویلی چیری سے ملا ہے۔ جو پلیئور کوٹم میں ایک برہم دیہ گاؤں تھا۔

کلوتنگا سوم کے بیسویں سال حکومت میں کولیڈم ندی (دریائے کولرون) کے کٹاؤ کے باعث شری نگم کے مندر اور ترووانئی کاول کے مندر کی ملکیتی اراضی کی حدود میں فرق آگیا ا۵۔ الف۔ یہ اراضی شری رنگم کے ٹاپو پر واقع تھی۔ "پُرو دُ وارِک کوڑو شیواز" اور "پُروَدُوری نائکم شیواز" کے عہدے رکھنے والے شاہی افسروں نے دونوں مندروں اور سبھا کے نمائندوں، دونوں دیہاتوں کی اراضیات متعلقہ کے محاسیوں اور دونوں مندروں کے مہتموں کے مشورے سے نئی سرحدیں طے کیں۔ انہوں نے اِس امر کو ملحوظ رکھا کہ شہنشاہ کے انسٹھویں سالِ حکومت سے قبل (یعنی دریا کے کٹاؤ سے پہلے) دونوں مندروں کی اراضیات کتنی تھیں۔ اور جہاں جہاں ضروری سمجھا، اراضیات کا مناسب تبادلہ کر لینے کی تجویز بھی پیش کی۔ اس تصفیے پر دونوں فریقین راضی ہو گئے۔ اور چکر (وشنو) اور ترشول (شو) کے نشان والے نئے سرحدی پتھر نصب کر دئے گئے۔ چلتے چلتے یہاں ہم جین مت والوں کے نصب کئے گئے۔ سرحدوں پتھروں کے لئے "کُنڈی گائیکل" اور "مُکو" ڈائیکل کی اصطلاحات دیکھ سکتے ہیں۔ ا۵۔ ب۔

راج راجا سوم کے عہدِ حکومت سے ہمیں ایک ایسی مثال بھی ملی ہے۔ کہ جب ایک "برہم دیہ" گاؤں تلائچنگا ڈو کی اراضیات کے ریکارڈ کا اصل رجسٹر ایک شورش میں گم ہو گیا تو گاؤں کے حکام نے مرکزی حکومت کی منظوری سے قبضۂ قدیم کی بنیاد پر حقوق کے ایک نئے رجسٹر کی تیاری کے اقدامات کئے۔ سبھا نے ایک کتبے میں اس تمام معاملے میں دلچسپی لینے والے اصل محرک کا شکریہ ادا کیا جس نے اراضیات کے حقوق کا دوبارہ اندراج کروایا اور گڑبڑ اور افراتفری کے دور کے بعد امن وامان بحال کیا[52]۔ یہ کتبہ ۱۲۳۵ء کا ہے۔

دیلودان دیلودان اراضیات کی حدود کی نشان دہی، جیسا کہ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں، ایسے سرحدی پتھروں کے ذریعے کی جاتی تھی جن پر اُس دیوتا کا خصوصی نشان لگا ہوتا تھا جس کی یہ اراضیات ملکیت ہوتی تھیں[53]۔ "دیلودان" میں گنوائے گئے حقوق اور معافیاں "برہم دیہ" حقوق اور رعایات ایسی مشابہت رکھتے تھے جیسے کہ وہ ایک خاندان کے ارکان ہوں۔ مندر کے کارکن دوہری نگرانی میں "دیلودان" اراضیات کا انتظام چلاتے تھے۔ ایک طرف ان پر دیہی اسمبلی کی نگرانی ہوتی تھی اور دوسری طرف مرکزی حکومت کی۔ مندر کے کارکنان کو جو مقامی اسمبلی کے مشورے سے کام کرتے تھے۔ یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ مندر کے ملازمین کو اُن کی خدمات کے معاوضے میں، یا مندر کے استعمال کے لئے مطلوبہ اشیاء کی فراہمی کے لئے "جیوِتا" اور کانی "عطا کر دیں۔ اس طرح

کے عطیئے بعض اوقات اسمبلی خود اپنی جانب سے بلا مشورہ بھی دے دیتی تھی۔ مثال کے طور پر شہنشاہ اتم چولا کی طرف سے کچھ سیراب اراضی اور ایک مکان نیر کپئی کی "اور" کو ملا۔ "یہ تر وُمنڈ وکنم اڈیار کے لیے بطور دیووان دیا گیا تھا۔" اُور، نے راج راجا اول کے تیسرے سالِ حکومت میں یہ املاک بطور کانی "ایک شخص کو دے دیں جس کو آئن سنکرانتی" کے دنوں میں نصف پلم چندن کا لیپ پاو پلم گوگل اور اس کے علاوہ اشنان کا سامان مندر کو فراہم[54] کرنا تھا۔ مندر کو اکثر کم زرخیز اراضی یا بنجر زمین بھی اس وقت دیہی مجلسوں سے مل جاتی تھی جب ان اسمبلیوں کو کسی عوامی مقصد کے لئے روپے کی اشد ضرورت ہوتی تھی۔ ایسی گھٹیا اراضی کو زرخیز بنانے کے مواقع مندروں کو زیادہ حاصل تھے۔ کیونکہ کچھ لوگ عقیدتاً اس کام کا بیڑہ اٹھانے کو تیار ہو جاتے تھے جب ایسی اراضی اس طریقہ سے بہتر ہو جاتی تو بالعموم اس سے مندر کو پہلے کی نسبت زیادہ آمدنی ہوتی[55] شہنشاہ راج راجا اوّل کے زمانے میں ایک "دیووان" گاؤں کی اراضیات جو بچندرم کے مندر کی ملکیت میں تھیں؛ دو زمروں میں بانٹ دی گئیں۔ ایک زمرے کی زمینوں کا تو مزارعوں کی طرف سے واجب الوصول لگان (کانک کڈن)، تین کلم فی "ما" اراضی سے بڑھا کر تین کلم اور ایک "تونی"، کر دیا گیا جب کہ دوسرے زمرے کی اراضی جو اتنا لگان ادا نہیں کر سکتی تھی۔ براہ راست مندر کے کارکنوں (دیوکن مگل) کے زیرِ انتظام کر دی گئی[56] مندر کی اراضیات پر قابض کچھ ایسے مزارعین بھی تھے جنہیں زمینیں زیادہ اچھی شرائط پر ملی ہوتی تھیں۔ اور کچھ نہیں تو انہیں بوقت ضرورت اپنے پٹے کی شرائط میں ترمیم کروانے کے بہتر مواقع حاصل تھے۔ اس طرح مانا بھرن چترویدی منگلم نامی گاؤں کی جانب سے منار کوئل کے وشنو مندر کو جس کا نام شہنشاہ راجندر چولا کے نام پر رکھا گیا تھا، جو کانک کڈن" واجب الادا تھا، وہ 4+38 کلم دھان کے لگ بھگ مقرر کیا گیا تھا۔ بعد میں جب یہ لگان بہت زیادہ معلوم ہوا تو چیرا حکمران راج راجا دیو نے اصل رقبے میں دس ویلی" اراضی کا اضافہ کر دیا اور اضافہ شدہ رقبے سمیت پورے گاؤں پر 600 کلم لگان مقرر کر دیا[57] اس طرح کی مثالوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مندروں کی اراضیات کے انتظام میں اقتصادی وجوہات کے علاوہ بہت سے خارجی تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا تھا۔ یہ تقاضے کیا تھے؟ ایک تو عطیہ دینے والے کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کے عطیئے سے مندر کو یا اُس کے مزارعین کو زیادہ سے زیادہ مفاد حاصل ہو۔ دوسرے مزار عین بھی اس مقصد کی تکمیل کے لئے محنت کرنے پر رضامند رہتے تھے یا کم از کم ان کی یہ کوشش ضرور ہوتی تھی کہ وہ ایک عوامی ادارے سے حلال کی روزی حاصل کریں بشرطیکہ ایسا کرنے میں

کوئی بدنامی نہ ہو۔ یہ کچھ ایسے اسباب تھے جن کا پٹے کی شرائط پر واقعی اثر ہوتا تھا مندروں کی اراضیات کے مزارعین کے معاشی حالات سے اس مساوات کی کوئی جھلک نہیں ملتی جو دوسری طرح کے کاشت کاروں میں رواج یا فصل اگانے یا اس کو بانٹنے کے طریقوں سے وجود میں آئی تھی۔ آدِتیہ دوم کے زمانے کے ایک عجیب کتبے سے وقفے وقفے سے ہونے والی مندروں سے حساب کتاب کی جانچ مرکزی حکومت کے افسر کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا کتبہ ہے جس میں ایک سوچی سمجھی دھوکا دینے کی سازش پکڑے جانے کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ اس دھوکا دہی کے باعث ترُودوِڈّی مرُودل کے مندر سے مزارعین سالانہ ۹۶ کلم دھان کی چوری کر رہے تھے۔ یہ لوگ ہر سال ۱۰۵ کلم دھان بطور "پنچوارم" جمع کرواتے تھے جبکہ اقرارنامے کے تحت ۲۰۰ کلم واجب الادا تھے۔ تحقیقات کے دوران میں جو صفائی پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ متعلقہ اراضی "گڈنیکا دیو دانم" زمرے کی تھی یعنی اس میں مستقل قبضہ کے حقوق تھے۔ لیکن جب اصل دستاویز دیکھی گئی جس میں اس "دیودان" کا ذکر تھا۔ تو یہ دعویٰ غلط نکلا۔ اس پر مزارعوں کو حکم دیا گیا کہ وہ "پنچوارم" پوری اونچی شرح سے ادا کریں۔[58]

ترُوالم ضلع تنجور کے ایک کتبے میں[59] جو ۱۱۱۲ء کا ہے، درج ہے کہ شہنشاہ کلوتنگا اوّل نے اس گاؤں کے مقامی مندر کی اراضیات کے کچھ مزارعوں کو بے دخل کر کے وہ اراضیات دوسرے مزارعین کو پٹّے پر دینے کی تجویز کی منظوری دے دی کیونکہ ان کی طرف سے واجب الادا "میلوارم" کے بقایاجات چڑھ گئے تھے، نیز وہ ایسے وسائل فراہم نہیں کر پا رہے تھے جن سے نئی فصل اگا سکیں۔ اس کام کے لئے شہنشاہ کی پیشگی منظوری لینا پڑی کیونکہ "دیودان" اراضیوں کے مزارعے ایسی منظوری کے بغیر نہیں بدلے جا سکتے تھے۔ یا غالباً اس لئے ایسا کیا گیا کہ بے دخل شدہ مزارعوں کی جانب سے ہونے والی مقدمہ بازی کے خطرے کا پہلے ہی سے سدّباب کر دیا جائے۔

نارتاملائی، ضلع پڈوکوٹہ کا ۱۲۱۵ء کا ایک کتبہ[60] ایک "کڈی نینگا دیوردانم" سے متعلق ہے "جو نگرم" نے منظور کی تھی، جس نے کچھ اراضی دو تاجروں کے ہاتھ فروخت کی۔ اس فروخت کی شرائط سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حقوقِ اراضی سے متعلقہ شرائط کتنی پیچیدہ۔ لیکن از رُوئے انصاف کتنی جائز تھیں۔ اس اراضی پر جتنے بھی محصول وغیرہ راجا کو ادا کئے جانے لازمی تھے اُن کی ادائیگی اس زمین کی فروخت کے بعد بھی نگرم نے اپنے ذمے رکھی۔ ان دونوں اشخاص کو جتنے

ہاتھ دو برابر حصّوں میں یہ اراضی فروخت کی گئی تھی، معمول کی فصل ہونے کی صورت میں سالانہ[3]
کلم دھان مندر کو ادا کرنے تھے۔ خراب فصل والے سالوں میں انہیں صرف رقبہ زیر جنس پر ۲ ۱ کلم
فی "ما" کے حساب سے لگان ادا کرنے کا پابند کیا گیا تھا۔ اراضی کو ادنےٰ ترین درجے کی اراضی (ترم)
قرار دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے اس کا تقرر لگان بھی اسی درجے کے حساب سے کرنے کا حکم دیا گیا
یہ بات واضح ہے کہ اس مثال میں مندر کے حقوق صرف پہلے سے مقرر کردہ شرح پر "میلوارم" کی وصولی
تک ہی محدود تھے۔ باقی ماندہ پیداوار مزارعہ اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ اُسے مرکزی حکومت کو واجب
الادا ٹیکس بھی نہیں ادا کرنے پڑتے تھے، کیونکہ یہ ٹیکس "نگرم" ادا کرتی تھی۔

آبپاشی

کسی بھی زراعتی ملک کی خوشحالی بہت حد تک آبپاشی کی سہولیات پر منحصر ہوتی ہے۔ جنوبی ہند میں کافی مقدار میں پانی کی فراہمی کی اہمیت بہت قدیم زمانے سے محسوس کی جاتی تھی۔ قدرتی ندیاں اور اُن سے نکالی گئی قابلِ اعتماد نہریں پانی کی فراہمی کا اوّلین ذریعہ تھیں، لیکن ترُوواڈلوراتی سے دستیاب شدہ پراکسیری راجہ کاریکال چولا کے، جس نے دریائے کاویری کے کناروں کو اونچا کروایا تھا، ایک کتبے میں[4] اور دوسرے کتبوں میں بھی قدرتی ندیوں کو آبپاشی کے مصرف میں لانے کے لئے اختیار کردہ طریقوں کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس بات کے ثبوت میں بہت سی ادبی تصانیف کے حوالے دیئے جا سکتے ہیں کہ خاص چولا ریاست کی خوشحالی دریائے کاویری کی مرہون منّت تھی۔ اور اس عظیم دریا کے ڈیلٹے میں اس کی مختلف شاخوں کے جتنے بھی نام آج ہمارے علم میں ہیں، اُن کا ذکر چولا کتبوں میں مل سکتا ہے۔ جہاں قدرتی ندیاں نہیں ہوتی تھیں، وہاں تالابوں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اور آبپاشی کے متعلق اس زمانے کے کتبوں سے جتنی بھی ہمیں شہادتیں ملتی ہیں، اُن میں سے بیشتر تالابوں کی مرمّت اور انہیں سالم حالت میں رکھنے سے متعلق ہیں۔ آبپاشی کی غرض سے تعمیر کئے گئے کثیر التعداد تالابوں میں سے مندرجہ ذیل تالاب صرف کچھ سرکردہ مثالیں ہیں جن کا ذکر کتبوں میں آیا ہے۔ شولنگور کا چولا واردھی تالاب مدورائی میں آنئی ملئی کے نزدیک واقع کلیانیری، شولاپورم کا "کلی ننگئی کلم" پلووں کے زمانے کا "وائر میگھا تٹکا"، تالاب جو اُترمیرور میں واقع تھا، باہور کا عظیم تالاب اور ینگانورم کا راجندر شولپیریا ایری نامی تالاب، دیہی اسمبلیوں کا سب سے بڑا کام اپنے زیرِ انتظام تالابوں سے

ہر سال برسات شروع ہونے سے پہلے ریت اور کیچڑ وغیرہ نکلوانا تھا۔ یہ کام انہیں وقت پر کرنا پڑتا تھا۔ تاکہ اگلے سال کے لئے پانی کی پوری مقدار کا ذخیرہ کرنے کے لئے تالاب ضروری حد تک گہرے کر دئے جائیں بیشتر اوقات ہر تالاب کے لئے خاص دھرمارتھ جاگیریں اس مقصد کی خاطر دی جاتی تھیں۔ تاکہ گاؤں کے حکام کی غفلت یا ناداری سے اس اہم کام میں خرابی نہ ہو، یہاں تک کہ ایسے مقامات پر جہاں باہور یا ترُبھُوونی کی طرح[66] مخصوص دھرمارتھوں کے ذریعے سالانہ مرمّت کا خرچ فراہم نہیں کیا گیا ہوتا وہاں گاؤں کے مزارعین سے اس مقصد کے لئے ایک خاص محصول "ایری آئم" وصول کیا جاتا تھا۔ جس کی شرح زیر کاشت رقبے کے ایک "ما" اراضی پر ایک "پُدکو" اناج بتلائی گئی ہے۔ ہر قطعہ اراضی آبپاشی کے حقوق اس وقت طے کر لئے جاتے تھے جب بیع یا عطیے کے ذریعہ یہ قطعہ ایک مالک سے دوسرے مالک کے نام منتقل ہوتا تھا جہاں کہیں قدرتی سطح پانی کے بہاؤ کے لئے موافق نہ ہوتی وہاں سے پانی کو اٹھانا پڑتا تھا اور اس مقصد کے لئے عموماً ٹوکریاں استعمال کی جاتی تھیں۔ بیلوں سے کام کرنے والا پانی کا رسٹ بھی رائج ہوگا لیکن اس کا ذکر کتبوں میں کہیں نہیں ملتا۔ ۱۰۰۰ء کے قریب ضلع جنوبی ارکاٹ میں واقع نیلی کی سبھا نے ایک مقامی تالاب کی دیکھ بھال اور مرمّت کے لئے اپنی کچھ آمدنی "ایری آئم" کے طور پر الگ مخصوص کر دی تھی۔ اس گاؤں کو اُن دنوں چلکی گل کال چتر ویدی منگلم کہتے تھے۔ ان میں سے ایک ذریعۂ آمدنی ایک بڑا معمولی سا محصول تھا جو چوتھائی "پون" ہر برہمن مرد اور عورت پر موت کے وقت لگایا جاتا تھا (الف 67) ایک کتبے کے مطابق ۱۱۱۰ء میں ترُوکاچی کے تالاب میں ایک طوفان کے باعث شگاف پڑ گیا اور ایک مقامی "ارائین" نے اس کی مرمّت کروائی۔ اِس مرمّت میں تالاب کی دیواروں میں پتھروں کی چنائی[68] بھی شامل تھی۔ ترُوکاچور کے نزدیک واقع ایک تالاب کی توسیع کی گئی۔ اور مندر کے اخراجات پر پانی کے نکاس کے لئے ایک نئی موری بنائی گئی۔ تاکہ مندر کی اراضیات کی آبپاشی صحیح طور پر ہو سکے۔ اصل میں یہ تالاب شینگزم کے لوگوں کی ملکیت تھا اور تالاب کی توسیع کرنے سے پیشتر اُن کی رضا مندی حاصل کر لی گئی تھی۔ تالاب کا پانی اس گاؤں کے لوگوں اور مندر کے مابین اپنی اپنی ملکیت اراضی کے تناسب سے تقسیم کیا جاتا تھا[69] وکرم چولا کے بارہویں سالِ حکومت میں آبپاشی کی ایک نہر میں کیچڑ جمع ہو جانے کے باعث نیرکزم کی اسمبلی کو ایک نواحی گاؤں کے چشمے سے پانی موڑ کر اپنے گاؤں کو دینا پڑا اور نواحی گاؤں کو اس کا معاوضہ ادا کیا گیا[69 الف]۔ اس کے بعد

راج راجا دوم کے پندرھویں سالِ حکومت میں ترُودائیپاڈی (ضلع تنجور) کی "مول پرِشیت" نے گاؤں کی کچھ قابلِ کاشت آراضی کی آبپاشی کی خاطر ایک بندھ باندھنے اور ایک نہر کھودنے کے لئے گاؤں کی کچھ غیر مزروعہ شاملات اراضی فروخت کر دی 64۔ ب۔ ایسی بہت سی اور مثالیں بھی جو موجود ہیں، اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ لوگ آبپاشی کی اہمیت کو سمجھتے تھے اور آبپاشی کے مسائل کو صحیح طریقے سے حل کرنے اور اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔

زمین کو کاشتکاری کے قابل بنانا

زراعت کا ایک اور پہلو جو خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہے، اور بنجر اور جنگل کی زمینوں کو بتدریج زیر کاشت لانا تھا۔ عام روایت کے مطابق جنوبی ہند میں اراضی کے وسیع رقبوں سے جنگل کٹوانے اور انہیں زراعت اور انسانی آبادی کے قابل بنانے کا سہرا پلّو راجاؤں (کاڈو وٹیوں) یا قدیم چولا شہنشاہ کریکال کے سر ہے۔ ان روایتوں کی تاریخی اہمیت خواہ کچھ بھی ہو، کتبات سے ان دانستہ سرکاری مساعی کا نا قابلِ تردید ثبوت ملتا ہے جو رفتہ رفتہ زراعت کی توسیع کے لئے کی جا رہی تھیں۔ نیز اس طرح کی کوششوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اور طرح کی ترغیبیں بھی دی جاتی تھیں مثلاً ٹیکسوں میں رعایتیں، پٹے کے ابتدائی برسوں میں زیادہ آسان شرائط۔ یہاں ان تفصیلات کا ذکر بے کار ہوگا جو کتبوں سے باآسانی معلوم کی جاسکتی ہیں 65۔

آراضی کی پیداوار

زمین کی پیداوار اور اراضی کی قیمتوں کے بارے میں ملنے والی شہادتیں نہ تو واضح ہیں اور نہ کافی تعداد میں ملتی ہیں۔ دھان کی اراضی پر سال میں دو یا زیادہ سے زیادہ تین فصلیں اگائی جاتی تھیں 66۔ کتبوں میں یہ کہیں بھی نہیں بتایا گیا ہے۔ کہ زمین کی پیداوار کیا تھی۔ ان میں زمیندار کا حصہ مختلف طریقوں سے دیا گیا ہے۔ اسے کہیں "میلوارم"، کہیں "بھوگم"، اور کہیں کہیں "اڑٹی" کہا گیا ہے۔ اُن چند مثالوں میں جہاں کُل پیداوار بتائی گئی ہے۔ ایک راج کیسری راجندر کے چدمبرم کے کتبے کی ہے 67 جس سے معلوم ہوتا ہے کہ 99 ویلی آراضی میں کُل 5000 کلم دھان کی پیداوار ہوتی تھی اور اس پر "میلوارم"، کل پیداوار کا

۵۰ فیصد ہوتا تھا۔ راجا دھیراج کے زمانے کے میسور کے ایک کتبے میں "میلوارم" کی شرح زیر آبپاشی اراضی کے لئے پیداوار کا ⅖ حصہ اور جس میں آبپاشی میسر نہ ہو، ⅓ حصہ تھی[68] ترُودُور پوُر کے کتبوں میں صاف درج ہے کہ ایسی بنجر زمین کی جو پہلی بار ہل کے نیچے لائی جاتی تھی، اتنی پیداوار نہیں تھی کہ ایک جگہ اس پر ۳ کلم فی ویلی، جیسا قلیل "میلوارم" بھی جائز سمجھا گیا ہو اور دوسری جگہ دو مختلف قسموں کی اراضی پر بالترتیب 28 کلم اور ۱۹ کلم[69] راجندر اوّل کے چھٹے سال کا بنتم ضلع چنگل پٹ کا ایک کتبہ بتاتا ہے کہ ایک "کُلی" زیر کاشت رقبے میں زمیندار کا حصہ ایک کردنی اور پانچ نالی اناج ہوتا تھا[70] ۱۱۹۹ء میں وردھا چلم میں کچھ اراضی (۹۰ ویلی) بطور دیودان اور بطور مٹھ پر ارائیلی دی گئی۔ اس پر جو ارٹی "مقرر کی گئی وہ راج کیسری پیمانے (مرکال) کے مطابق چالیس کلم دھان فی ویلی تھی[71] ایرومور ضلع جنوبی ارکاٹ کے ۱۲۴۲ء کے ایک کتبے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دیودان اراضی پر جو بہت اعلیٰ درجے کی تھی لگان 26¼ کلم فی "ما" مقرر کیا گیا جو 22 کلم فی ویلی یا "تلم" ہوتا تھا۔ اس میں "کدمتی" "پادی کاول" "شلوری" اور اسی طرح کے سبھی واجب الوصول محصولات شامل تھے[71] سب سے آخری میں پیریا کورُوکی (ضلع ترچنا پلی) کے راج راجا سوم کے عہد کے ایک کتبے میں پتہ چلتا ہے کہ اس دیہات میں بعض "دیودان" اراضیات پر سب ملا کر ۱۲ کلم دھان بطور لگان زیر آبپاشی رقبے (نشیہ) پر اور ۱۰ کلم دھان غیر آبپاشی رقبے (پنجی) پر ادا کیا جاتا تھا[72]۔

اراضی کی قیمت

زمین کی قیمت سے متعلق اعداد و شمار سے بھی حالات میں بہت زیادہ فرق ملتا ہے۔ مختلف مقامات پر اور مختلف سودوں میں قیمتوں کا باہمی فرق اس قدر زیادہ ملا ہے کہ ایسے فرق کی تفصیل سے وضاحت کرنا ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ متعلقہ اراضی کی نوعیت کا پتہ نہ چلے اور نہ اراضی کی موجودہ قیمتوں سے اُس وقت کی قیمتوں کا مقابلہ کرنا آسان ہے۔ البتہ کچھ متفرق مثالوں سے ہم ایک سرسری اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اِس اندازے سے نہ صرف قیمتوں کے باہمی فرق واضح ہو جائیں گے بلکہ اُن شرحوں کے بڑے اختلافات کا بھی اندازہ ہو جائے گا جس کی بنیاد پر "ارٹی کاول" جسے "ٹیکس فنڈ" بھی کہا جا سکتا ہے، کی ایک مُشت پیش گی ادائیگی کا حساب لگایا جاتا تھا۔ ترُوائیاڑو (ضلع تنجور) میں ۱۰۰۰ء میں ایک ویلی زمین ایک سو طلائی کلنجو کے عوض بکتی تھی[73] ضلع تنے ویلی میں کنّالم کے علاقے میں آٹھ "ما" اراضی کی ملکیت مع اُس کے ٹیکسوں کے 43 کاشو ہوتی تھی[74]

یہ راجندر اوّل کے زمانے کی بات ہے۔ اس کے دو برس بعد ضلع تنجور میں دو ویلی اور آٹھ "ما" سیراب اراضی اور اتنی ہی غیر سیراب اراضی مع ایک تالاب کے صرف دس کاشو کی قلیل رقم کے عوض بکی اگرچہ اس پر "اڑئی کاول" ۱۹۰ کاشو تھا۔[6] اس سودے میں قیمت فروخت کم ہونے کا سبب غالباً یہ تھا کہ اس میں شاملات زمین بیچی گئی تھی۔ اور وہ بھی مندر کے ہاتھ۔ اسی سال اُسی مقام پر ایک اور بیعنامے میں قیمت فروخت چالیس کاشو فی ویلی اور "اڑئی کاول" نوّے کاشو فی ویلی بتائی گئی ہے جو زیادہ صحیح اور معقول ہے۔[7] شہنشاہ راجندر اوّل کے تیسویں سالِ حکومت میں ترُو دور یُور میں ایک مدھر انتکن مادھی (دیکھے کا نام) کے عوض ۲۵۰ کلی آراضی یعنی ½ ویلی رقبہ خریدا جا سکتا ہے۔ ساڑھے تین ویلی اور ۲/۵ "ما" رقبہ راجندر دوم کے آٹھویں سال حکومت میں ترُو وارورُ میں ۲۰ کاشو کے عوض فروخت ہوا۔ اور اتنی ہی رقم اُسے قابلِ کاشت بنانے کے لئے دی گئی[78] ۱۰۷۳ء میں کانچی پورم میں ایک 'ویلی' ۲۰ کاشو کے عوض فروخت ہوئی اور ترُو دور یُور میں اس سے کچھ کم قیمت پر[79] ترُو دو تور (ضلع شمالی ارکاٹ) میں ۱۱۲۶ء میں 425۰ کلی غیر سیراب زمین بیّس کاشو کے عوض فروخت ہوئی[80] اوڈا تور ضلع ترچنا پلی میں ۱۱۳۳ء میں چار ویلی اراضی ۹۰ کاشو میں فروخت ہوئی۔ جبکہ ایک کاشو اس وقت ½ طلائی کلنجو کے برابر تھا[81] شہنشاہ کلوتنگا دوم کے دسویں سال حکومت ۱۱۴۳ء میں ترُو واریُور (ضلع تنجور) میں فی ویلی ۱۲۰ کلم "میلوارم" کی آمدنی دلانے والی آراضی کی قیمت ۹۰ کاشو اور 95 کاشو حاصل ہوئی تھی[81]۔ الف

راج راجا دوم نے اپنے چوتھے سالِ حکومت کے دوران ضلع تنجور کے متعدد دیہاتوں کیلئے ایک فرمان جاری کیا جو "سمو دائے ترُو مکم"، کہلایا۔ اس فرمان کے ذریعے تمام وردُراج بھنیکر اولناڈو میں اراضی کی قیمت کو باضابطہ کر دیا گیا۔ اس حکم کے ماتحت جو نیا بندوبست ہوا اُس سے اُس کے پیشرو کے پندرھویں سالِ حکومت تک کاشتکاری سے متعلق جو قوانین رائج تھے وہ ختم ہو گئے۔ نئے قوانین کا جو بہت سے اعلےٰ افسروں نے باہم مشورے سے مرتب کئے تھے۔ مختلف قسم کے پٹوں پر اطلاق ہوتا تھا جیسے کہ "دیو دان"، برہم دیہ پلی چندم"، راج کل درکانی پڑو" وغیرہ[81]۔ ب۔

جیسا کہ ہم ایک اور جگہ بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ کاشو کی قیمت میں بہت تیزی سے کمی آتی گئی یا شاید بعد کے کتباب میں کاشو کی اصطلاح کا استعمال کسی بہت کم قیمت کے سکّے کے لئے ہونے لگا تھا۔ اراضی کی قیمت جو اس نئے سکّے کے حساب سے بتائی گئی ہے۔ اُس سے اوپر لکھی گئی قیمتوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے مطابق ترُو دلنم میں ۱۲۱۹ء میں ایک "ما" آراضی کی قیمت دو ہزار کاشو تھی جو فی ویلی چالیس ہزار کاشو ہو جاتی تھی[82]۔ اور ۱۲۳۲ء میں کمبا کونم میں فی ویلی 25797 کاشو[83] ہوتی تھی۔ انہی دنوں میں ترُو

وینکاڈو میں ایسی اراضی جس کو ابھی قابلِ زراعت بنانا تھا، کی قیمت 1339 کاشو فی ما تھی۔ اور اس کو قابلِ زراعت بنانے میں تخمیناً ۵۰۰ کاشو کا خرچ تھا[91] پھر 1221ء میں کمبا کونم میں دو ویلی اور ۱۹ ''ما'' رقبہ اراضی چار لاکھ پچاس ہزار کاشو[95] اور ترِو والنگاڈو (ضلع تنجور) میں 16 کاشو فی کلی تھی[96] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا سوم کے عہدِ حکومت کے اختتام کے بعد کاشو سکّے کی قیمت بڑھ گئی تھی۔ راجندر سوم کے کتبوں میں زمینی املاک کی جو قیمتیں درج ہیں اُن سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ گُتالم (ضلع تنجور) میں 1261ء میں مکان کی تعمیر کے لئے بارہ ''منائک کول'' رقبہ ۷۰۰ کاشو کے عوض فروخت ہوا[97] اُس کے پانچ برس بعد ترِوکنا پورم میں ایک ویلی اور سولہ ''ما'' زرعی اراضی ۵۳۵۰ کاشو کے عوض میں دیدی گئی جو اُن دنوں تیرہ کلنجو سونے کے برابر تھی[98] آخر میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ 1267ء میں ترِوویلی ملّلائی میں ۱۹ ''ما'' آراضی ایک ہزار کاشو میں فروخت ہوئی اور دس کلی رقبہ ایک مکان کے لئے ۳۰۰ کاشو میں بکا[99] راجندر سوم نے چولا سلطنت میں جان ڈالنے کی کوشش کی اور سکّے کی اصلاح بھی ضرور اسی کے منصوبے سے ہوئی ہوگی۔ یہ بات بھی مستحقِ توجہ ہے کہ چولا عہد کے دوسرے نصف کے بیشتر کتبے ضلع تنجور ہی میں پائے گئے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سرحدی صوبوں میں مرکزی حکومت کا براہ راست اقتدار بہت کم ہوتا جا رہا تھا بلکہ قریب قریب معدوم ہو گیا تھا۔

متذکرہ بالا اعداد شمار کا باہم موازنہ کرتے وقت اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا ہوگا کہ نہ تو ناپ کا پیمانہ اور نہ سکّوں کا پیمانہ ہمیشہ ایک رہا۔ اِس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جریب کی لمبائی اور ایک ''ما'' میں جتنے کلی ہوتے ہیں، اُن کی تعداد میں مقامی اختلافات کی وجہ سے، نیز مختلف قسم کے نئے اور پرانے سکّوں کے اوزان اور اُن میں خالص سونے چاندی کی مقدار کے گھٹنے بڑھنے کے باعث ان اعداد و شمار کا مفصّل موازنہ کرنے کی ہر کوشش قطعاً رائیگاں ثابت ہوگی۔

مویشی

زراعت کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والا پیشہ مویشی پالنا اور دودھ مکھن فروخت کرنا تھا۔ یہ ایسا کاروبار تھا جسے منڑاڈی یا گڈریے چلاتے تھے۔ یہاں بھی ہمیں اپنی معلومات کے لئے مندروں کے دستاویزات پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ایسا لگتا ہے منڑاڈیوں نے اپنے پیشے کی بنا پر اپنی الگ ذات ''کلنائی'' بنا لی تھی۔ اور بالعموم انہوں نے مندروں کو چراغ جلائے رکھنے کی خاطر مجوزہ شرائط پر دے گئے مویشیوں کو اپنے انتظام میں لے لیا تھا۔ اگرچہ پشو (یعنی گائے)

اور آڈو (یعنی بھیڑ) اکثر گنتی ہی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں، پھر بھی بیشتر مثالوں میں یہ بلاشبہ زندہ مویشیوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ سانڈ اور مینڈھے بھی عطیات میں شامل ہوئے تھے مویشی پالنے کے دھندے کی اہمیت بعض محصولوں کے ناموں سے بھی ثابت ہوتی ہے جن کی اصل نوعیت ٹھیک طرح سے معلوم نہیں ہو سکی اور جن کے نام ہیں، نلاّ، نلّے رُدُو وغیرہ۔

اکیسواں باب

حاشیے

(۱) دیکھئے SII-i-40 ــ کلوتنگا اوّل کے عہد کا ایک کتبہ جولا لگڈی سے ملا ہے۔ (1929 کا 142) اس حقیقت کا مظہر ہے کہ دیہی اراضی کی ہر سال از سر نو تقسیم ہوتی تھی۔ (نمونڈرک۔کرائنک۔کانی۔یانڈوتورم کُرتو وُرنگئی یالے) اور اس کارروائی سے زراعت کو بہت نقصان پہنچتا تھا۔ نیز دیکھیے 1912 کا 441 ــــ نیرو پنتوُرائی کے نگرتار (شہر کی اسمبلی کے صدر) شاآلیا کے زیر قبضہ اراضیات۔

(2) SII-iii-156، 181 ــ کیا SII-iii-7 میں مذکور لفظ "سبھا مہیم" وہی لفظ ہے؟

(3) 1890 کا 4 ــــ 1901 کا 266

(4) 1903 کا 42

(5) SII-iii-162

(6) 1901 کا 220

(7) 1922 کا 396 ـــ نیز دیکھیے 1922 کا 157

(8) مورلینڈ کے اس موضوع پر شبہات قطعاً بے بنیاد ہیں (The Agrarian Systems of Moslem India۔ صفحہ 4)

(۹) ایم پٹیائی کے کتبے ـــ 1928 کے نمبر 114 میں درج ہے کہ تیرھویں صدی کے آغاز میں اجرت کے مزدوروں کی غیر معمولی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ مختلف وجوہات سے "دیلالوں" کی تعداد کم ہو چکی تھی اور ایسے مزدوروں کی یومیہ اجرت، دھان کی شرح تبادلہ پر بڑھتی جا رہی تھی۔

(10) 1915 کا 172 ـــ 1925 کا 45

(11) SII - ii - 5 - پیراگراف 2 - اس سے بعد میں آنے والے اگلے پیراگراف میں یہی جملہ پھر سے آتا ہے اور کچھ ایسے دوسرے جملوں کے درمیان آتا ہے جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔ تاہم متن کے محتاط اور بغور مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کیسی بھی تاویل کی جائے ۔ "ویلان وگائی" کی اصطلاح کا مفہوم مزارعوں کے مالکانہ حقوق ہی سمجھنا پڑے گا۔ اس کا ترجمہ "مزارع کا حصہ" (جو ہلتش نے کیا ہے) اس کے مفہوم کے تکنیکی کردار کو صاف طور پر سامنے نہیں لاتا جس کا اس سے واسطہ ہے۔

(12) SII - ii - 205، حصہ سوم، تامل، ||۔ 19 تا 25

(13) "اِڈ ورُمن اِرتا پڈِ تُم پلیّم اُٹ پڈا" ان الفاظ کا ترجمہ کرشنا شاستری نے کیا ہے "جس طرح گاؤں پہلے معہ پلی ادا کیا کرتا تھا" دوسرے الفاظ میں وہ "اِرتا پڈِ تُم" کا مفہوم لیتا ہے "جس طرح ادائیگی کی جاتی تھی"۔ اس رائے کی تائید میں ا، 71 کے ان الفاظ کا حوالہ دیا جا سکتا ہے "اِدُ ورپلی اُٹ پڈا اِرئی کاٹنا نیلوُ" لیکن اس میں پڈِتُم (یا پڈِتُم) کی "ام" مشکل پیدا کر دیتی ہے۔ میں نے یہ بہتر سمجھا ہے کہ "پڈی" کو "پلی" کی طرح کوئی ٹیکس یا محصول تصور کیا جائے جس کی نوعیت واضح نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر کہ ا۔ 71 میں اسے حذف کر دیا گیا ہے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ یا تو یہ بہت ہی معمولی محصول ہوتا تھا یا "پلی" کا تقریباً ہم معنی تھا۔

(14) شنگلا نتنکا چتم پر کل 598 کلنجو اور ایک "کنزی" لگان تجویز کیا گیا تھا۔ اس میں سے پلائیا نور کی جانب سے کتنا واجب الادا تھا، یہ پوری طرح معلوم نہیں۔ شاید یہ رقم 193 کلنجو سے کچھ زاید تھی جس کا بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس رقم کے مساوی جتنا دھان لکھا گیا ہے وہ عطیہ پانے والے ان برہمنوں کا حصہ تھا جن کے پلائیا نور کی اراضی میں مالکانہ حقوق تھے۔ "نگرم" (شہری اسمبلی) بعض مرتبہ اپنے ٹیکس سونے کی شکل میں ادا کرتی تھی (SII - iii - صفحہ 390 - حاشیہ نمبر 1)

(16) 1916 کا 327

(16 - الف) 1931 - 32 کا نمبر 74 — ARE — II — 14 کا متن دیکھیے

(16 - ب) 1939 - 40 کا 260

(17) 1921 کا 538 — ARE، 1922 - II - 25 میں غلطی سے 1/32 لکھا گیا ہے۔

(17-الف) 1931-32 کا نمبر ۹۰ — اسی مجموعے کے کتبات نمبر 93، 94 میں بھی اسی مندر کو دیئے گئے اسی نوع کے عطیات کا اندراج ملتا ہے جو اسی تہوار میں دوسری پوجا اور روائیوں کے لیے تھے۔ اِن میں "کُوتُو" بھی شامل تھی۔

(18) 1926 کا 72 — 1926 کا 69

(19) 1929 کا 47

(20) 1926 کا 94 — "پڑائپ پرّدُو" کے ساتھ ہی 1919 کے 556 میں "جیوتلپرّدُو" بر "وَنی یپ - پرّدُو" کا ذکر بھی ہے۔

(21) 1923 کا 276

(22) 1914 کا 112

(23) 1895 کا 58

(24) 1913 کا 384

(25) 1895 کا 141

(26) 1922 کا 386

(27) 1925 کا 120

(28) 1894 کا 216

(29) 1919 کا 210

(30) 1898 کا 36

(31) 1924 کا 361

(32) 1893 کا 27 — 1921 کا 252

(33) 1894 کا 170

(34) 1935 کا 405 — نیز 1919 کا 205

(35) 9-iii-SII

(36) 1925 کا 127 — 1913 کا 388

(37) 1896 کا 126 — گاؤں میں مروّج "ارائیلی پرّدُو" کی مندرجہ ذیل اقسام اڈتاتُورُ کے کتبے (1912 کے نمبر 525) میں درج ہیں:-

دیلودان - ترُودڈئیاٹم - پلیؔ چندم - ائیتن پنیؔ - منڈپورم - اُگراپترڈ - بھٹ ورتی -

(38) سنہ 1222ء میں تلائی چنگاڈو میں جب "دیوان" اراضی پر قابض ایک مزارع کے ذمہ سالانہ "گُڈمائی" کے بقایا جات کی بھاری رقم واجب الادا ہوگئی تو وہ اس بات پر رضامند ہوگیا کہ اس کی زیر کاشت زمین "ترُونامتوکانی" قرار دے دی جائے اور اس کا بقایا صاف کرنے کے لیے نئے مزارعوں کو پٹے پر دے دی جائے "۔ این پیراں انجاودِن ایدراماندُکار - ورئی شنگئیان کاشم دیلائپ - پوُری نیلم کرائی وائیکول نرائی یم اینال پوکُرکپ - پوگادیزم نِلم ویلیئم پشان مدل دِتّو دِڈُو - تِتّومتندُاِنی تنکُومُبوکوئل پُرتِپتّامول شاداتنگلم ترِدکِرین بروُنان دیپتن جیہ" (1925 کا 209)

(39) 1896 کا کتبہ نمبر 75 — EJ-V صفحہ 45

(40) SII - ii - 1'1'92

(41) 1905 کا 111 — نیز ARE - 1929 'II' 16

(42) 1894 کا 218

(43) "منرُو" جس کا ترجمہ گوپی ناتھ راؤ نے "ایوان" کیا ہے

(44) اوڈئیتم اُڈئی یُم" کا ترجمہ گوپی ناتھ راؤ نے "جوہڑ اور ندیوں کے شگاف" کیا ہے

(45) بارشں کا پانی ؟

(46) میں نے اس میں سے "گُڈئی - نیر" اخذ کرلیا ہے۔ دیکھیے EI - XV - صفحہ 72، حاشیہ نمبر 3 - ترُووالنگاڈو کی تختیوں (II، 445 - 446) میں اس پابندی کو ان اشخاص تک محدود بتایا گیا ہے جو "انسپار" یعنی عطیہ یا بندہ نہیں ہیں۔

(47) II - 426 تا 458 میں انبل کی تختیوں سے کہیں زیادہ باریک تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ نیز 1921 کے نمبر 103، اور دوسروں میں بھی۔

(48) 1902 کا 118

(49) Studies - صفحہ 78، نیز صفحہ 492 ماقبل و صفحات مابعد

(50) 1897 کا 46

(51) 1911 کا 311

(51-الف) 1938-39 کا 113 — ARE - II - 23

(51-ب) ARE، 1939-40، 1942-43، II، 36 (اختتام)

(52) 1925 کا 213

(53) SII-i-59، ii، 6، 61 — 1909 کا نمبر 5 - ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن میں کچھ نقد محصولات اور ان کے وصول کرنے کے حقوق کو "دیودان اِرائیلی" قرار دیا گیا۔ 1899 کے مجموعے کا 363 -

(54) 1918 کا 57 - دوسری مثالوں کے لیے دیکھیے "Service Tenure" "خدمتی حقوق" وماقبل

(55) 1918 کے مجموعے کا 495

(56) TAS-iv- صفحہ 129- "کڈن پڑاوڈیلم" (21، I) کے معنی محصولات سے مستثنیٰ اراضیات نہیں جیساکہ اس کتبے کے مؤلف نے سمجھا ہے۔

(57) 1905 کا 111

(58) SII-iii-203 — اِس حقیقت سے کہ 160 "کلم" اناج "پنچوارم" تھا اور 800 کلم اناج زمین کی کل پیداوار میں سے مزارعے کا حصّہ، یہ تاثر ملتا ہے کہ "دیودان" اراضی کے مزارعے کو جو اپنا حصّہ زمین کی پیداوار میں سے ملتا تھا، "پنچوارم" دراصل اس کا ½ حصہ ہوتا تھا، جو مزارعے کو رضاکارانہ چھوڑنا پڑتا تھا۔ لیکن ہم یہ بات یقینی طور سے نہیں کہہ سکتے کیونکہ کتبے میں دیے ہوئے اعداد و شمار میں سے کسی کے ساتھ بھی 256 کلم کی شرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن کتبے میں کئی اہم خلا ہیں۔ اصل متن میں جہاں جہاں "کڈی" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے وہاں میں نے "قابض" اور "حقوقِ قبضہ" کے الفاظ برتے ہیں کیونکہ یہاں ان کا مفہوم اراضی کا اصل کاشت کرنے والا ثابت ہوتا ہے نہ کہ محض اس کا پٹے دار — البتہ کرشنا شاستری نے مزارِعہ (Tenant) اور مزارعانہ حقوق (Tenancy) کے الفاظ ایک ہی ضمن میں استعمال کئے ہیں۔ مثلاً جیسے صفحات 577 - 78 پر حوالے کے طور پر دی ہوئی عبارت میں۔

(59) 1910 کا نمبر 93

(60) Pd. — 170

(61) 1925 کا 110

(62) 1902 کا 178 — 1909 کا 192

(62-الف) 43-1942 کے مجموعے کا 156

(63) 1919 کے مجموعے کا 215

(64) 1909 کا 295

(64-الف) 35-1934 کا 152

(65) 1924 کے مجموعے کا 357 — 1911 کا 287 — 1903 کا 385 —
1902 کا 485 — 1902 کا 506 وغیرہ

(66) 1915 کا 271

(67) 1888 کا 118 — ہر چند کہ یہ کتبہ کئی اعتبار سے غلط ہے پھر بھی اس کا یہ حصہ بالکل اصلی ہے۔

(68) 1911 کا 505

(69) 1912 کا 103 — ARE-1912 'II' 22 — نیز 1912 کا 228

(69-الف) 1912 کا 263

(70) 1918 کا 63

(71) 1913 کا 397

(72) 1926 کا 266 — ARE-1926 'II' 29 — 1891 کے کتبہ نمبر 31 میں جمبو کیشورم میں "پنجائی" قسم کی اراضیات پر لگان کی شرح پانچ کلم بتائی گئی ہے۔

(73) 1894 کا 219

(74) 1926 کا 104

(75) 1925 کا 102

(76) 1925 کا 109

(77) 1912 کا 156

(78) 1919 کا 677

(79) 1919 کا 522 — 1912 کا 133

(80) 1900 کا 88

(81) 1912 کا 509

(81-الف) 1904 کا 553

(81-ب) 1931-32 کا 103-ARE-II '16

(82) 1928 کے کتبہ نمبر 180 کا موازنہ کیجئے بتر دُوداڈ تُورائی کے 1238ء کے کتبے کے ساتھ جو 1925 کے مجموعے کا نمبر 156 ہے اور جس میں 6 "ما" اراضی کی قیمت تیرہ ہزار کاشو بتائی گئی ہے۔

(83) 1927 کا 298

(84) 1918 کا 504

(85) 1927 کے نمبر 929 کی — "نالو نُورائر تُوائمبدی نائرم" — عبارت کا موازنہ کیجئے 1920 کے کتبہ نمبر 666 کی اس عبارت کے ساتھ — "مُنو رُو آئر تارُپدی نائرم" — صاف ظاہر ہے کہ ان دنوں لوگ لاکھ کے ہندسے سے آشنا نہ تھے۔

(86) 1911 کا 58 — 1926 کا 96

(87) 1907 کا 495

(88) 1922 کا 522

(89) 1908 کا 399

بائیسواں باب

صنعت و تجارت

مال کی تیاری اور تجارت کی حالت زیادہ تر صنعتوں میں مقامی فروخت کے لئے مال تیار کیا جاتا تھا۔ ملک کے اندر بعض اشیاء کی سرگرم تجارت اس سے ثابت ہوتی ہے کہ بیوپاری برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے تھے اور ملک کے مختلف حصّوں میں تجارتی ادارے بہت اعلیٰ طریقہ سے منظم تھے۔ کہیں ہمیں ملائی ناڈو (مالابار) کا کوئی تاجر تِرووڈنڈئی (ضلع جنگلی پٹ) میں بیوپار کرتا دکھائی دیتا ہے[1]، کہیں مٹیلاپور کا بیوپاری تنجور میں تجارت کرتا نظر آتا ہے[2] اور کہیں لنکا کا کوئی شخص سچندرم (جنوبی ٹراونکور) کے مندر میں چراغ نذر کرتا ہوا پایا جاتا ہے[3]۔ یہ محض اکا دُکا مثالیں نہیں بلکہ اس قسم کی کثیر مثالوں میں سے کچھ نمائندہ مثالیں ہیں جو کتبوں میں درج ہیں اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت کے مختلف حصّوں کے مابین تجارتی تعلقات عام تھے۔ چولا حکومت کی توسیع کے بعد ایک واحد سیاسی طاقت کے تحت ایک مضبوط مرکزی انتظامیہ کی بنیاد پڑی۔ ماسوائے چند مقامی بغاوتوں کے جن کو سرکوبی کی خاطر فوجی مہمات بھیجنی پڑیں۔ ایک وسیع خطے میں عام طور پر امن وامان پشتوں تک قائم رہا جو اس سے پہلے متعدد ایسی خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جو باہم برسرِ پیکار رہتی تھیں نئے دور کے زیادہ پُرامن حالات میں صنعتی فنون کو بہت زیادہ فروغ ملا اور تجارت کے مواقع بڑھ گئے۔

دھات کی صنعت دھات کی صنعتیں اور زیورات بنانے کا فن اوجِ کمال تک پہنچ

چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دھات کے بنے ہوئے گھریلو برتن صرف امراء ہی کے استعمال میں آتے تھے۔ مٹی کے برتنوں کا ذکر زیادہ تر صرف "شالاؤں" (لنگر خانوں) میں کھانے پکانے کے سلسلے میں آتا ہے۔ کتبات میں تنجور کے مندر کی مورتیوں اور برتنوں کا جو مفصّل تذکرہ درج ہے اور اس زمانے کی کانسی کی بنی ہوئی جو اشیا اب تک باقی بچی ہیں، اُن سے مختلف دھاتوں کے مرکبات کو حسین پیکروں میں ڈھالنے کے فن میں اس عہد کے ٹھٹھیروں کی مہارت کی شہادت ملتی ہے۔ سونے اور چاندی کے علاوہ تانبا، کانسی اور پیتل اس کام میں استعمال کئے جاتے تھے

زیورات جواہرات، ہیرے، سونے اور بیش قیمت پتھروں کے زیورات، نیز ان میں جو قیمتی پتھر لگائے گئے ہیں اور جن کی تفصیل بہت احتیاط سے قلم بند کی گئی ہے، ان کا ذکر پڑھ کر کوئی بھی جدید جوہری ان کی نقل تیار کر سکتا ہے بشرطیکہ اُن کی عام ساخت کا اسے علم ہو جائے۔ مذکورہ زیورات میں سے بہتوں کا تو اب مدّتوں سے رواج نہیں ہے اور فوجی حملوں اور جنگوں کی دستبرد سے تو کوئی بھی واقعی پُرانا زیور محفوظ نہیں رہ گیا ہے۔ تاہم تنجور کے کتبے سے ہم یہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ چولوں کے زیر حکومت جوہریوں کا فن اپنے اوج کمال تک پہنچ چکا تھا اور تنجور کے جوہری قیمتی پتھروں اور موتیوں کو اس خوبصورتی سے جڑتے تھے کہ ان کے رنگوں میں بہترین امتزاج پیدا ہو جاتا تھا۔ اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ مندر سجے ہوئے محل تھے، دیوتاؤں کو وہ تمام اعزاز حاصل تھے جو راجاؤں کو دئے جاتے تھے (راجو پچار) راجہ کی تقلید رعایا کرتی تھی اور تنجور کا مندر سینکڑوں دیگر مندروں سے اس پہلو سے ممتاز تھا کہ اس کی جسامت بہت بڑی تھی اور اب تک جو کتبے اس کے محفوظ ہیں، وہ بالکل مکمل ہیں، تو ہم دیکھیں گے کہ ہیرے جواہرات کی شکل میں مندروں میں جمع کی گئی دولت اور زرگری کے پیشہ کی اہمیت کے بیان میں مبالغہ ممکن نہیں ہے۔ نہ تو حملہ آواروں کے لشکروں کی غارتگری لوگوں کو دولت جمع کرنے اور چھپا کر رکھنے کی عادت سے روک سکی اور نہ وہ تحفظ جو رعایا کو مستحکم حکومتوں سے حاصل تھا۔ برطانیہ کا امن وامان بھی اس میں اتنا ہی ناکام رہا جتنا کہ ملک کافور اور حیدر علی کے زمانے کے حالات۔

نمک سازی کتبات میں عوام کے روزمرّہ کے کام دھندوں اور ہنروں کے متعلق صرف چند ہی حوالے اور اشارے ملتے ہیں اور یہ تھوڑی بہت معلومات

بھی ہم کو لٹریچر اور فن سنگتراشی کے نمونوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ سمندری نمک بنانے کی صنعت حکومت کے زیر نگرانی تھی اور اس پر نقد اور جنس کی شکل میں کئی طرح کے مقامی اور مرکزی ٹیکس لگائے جاتے تھے۔ مرکانم کنیا کماری۔ ویدیور اور آئتوری نمک بنانے کے گڈھے یا نمک سازی کے اہم مراکز تھے۔ یہ صنعت ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ دور تک پھیلی ہوئی تھی[4] ۱۱۲۵ء میں باپتلا کے نمک کے گڈھے سمندر کے اندر آجانے کے باعث تباہ ہوگئے تھے[5]

دربار اور مندر کے ساتھ صنعت کا تعلق

کانچی پورم کے کپڑا بننے والوں کی نمایاں مثال یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ کچھ صنعتوں کو دربار میں اور بڑے مندروں میں خصوصی مقام حاصل تھا۔ کانچی پورم شہر کے چار وارڈ (پاڑی) ایسے تھے جن میں کپڑا بننے والوں کا طبقہ بسا ہوا تھا جو پٹسالین کہلاتا تھا۔ انہیں شاہی ملبوسات کے تیار کرنے والوں کی حیثیت سے اعزاز حاصل تھا اور شہنشاہ اتم چولا نے انہیں کانچی پورم میں "اورگم" کے مندر کے مالی معاملات کا انتظام بھی سونپ رکھا تھا۔ شولانیام کے غریب باشندوں کو اس لیے تمام سرکاری ٹیکسوں سے مستثنےٰ کر دیا گیا تھا کہ انھوں نے مندر کے حساب کتاب ٹھیک طرح سے رکھنے اور انہیں ماہواری جانچ پڑتال کے لئے پیش کرنے کا ذمہ لے رکھا تھا۔ یہ جانچ وہ کپڑا بننے والے کرتے تھے جن کے ہاتھوں میں مندر کا انتظام تھا۔ کانچی پورم کی نگرم نے بھی اس انتظام کی توثیق کر دی تھی[6]

رسل و رسائل

اندرونی ملک تجارت کے لئے ہونے والے رسل و رسائل کا مفصل حال بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ جنوبی ہند میں تجارتی مال کو ملک کے اندرونی علاقوں تک لے جانے کے لئے قدرتی دریاؤں کے استعمال کی بہت ہی کم گنجائش تھی اور اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ زرعی زمینوں کی آبپاشی کے علاوہ بھی کسی مقصد سے نہریں تعمیر کی گئی ہوں۔ ملک کے ہر حصے میں پائے جانے والے کتبوں میں جہاں کھیس اراضیات اور دیہاتوں کی حدود بیان کی گئی ہیں، سڑکوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ ان چھوٹی بڑی سڑکوں کو صحیح حالت میں رکھنا مقامی حکام کے کے فرائض میں شامل تھا اور دیہات کے لوگوں سے اکثر یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ اس کے لئے مزدور بلا کسی معاوضہ کے (ویٹی) فراہم کریں۔ سڑکیں دو مختلف اقسام کی ہوتی تھیں۔ ایک "وودی" تھیں جو پگڈنڈیوں سے کچھ ہی بہتر ہوتی تھیں اور ظاہر ہے کہ وہ پہئے دار گاڑیوں کی نقل و حرکت کے لئے موزوں نہیں تھیں

ان میں ایک ایسی ہی تنگ سڑک یا "ودی" سیلاب میں بہہ گئی تھی اور یہ راستہ انسان تو کیا مویشیوں کے استعمال کے بھی قابل نہیں رہا تھا۔ اس راستہ کو دوبارہ تعمیر کرتے وقت سبھا نے اسے چوڑا کر دینے کا فیصلہ کیا اور اس غرض سے اُس نے متصل زمینیں متعلقہ کاشتکاروں سے خرید لیں[8]۔ اس سے بہتر قسم کی سڑکیں "پیرُوَولی" یعنی بڑی سڑکیں کہلاتی تھیں اور کتاب میں انہیں اسی نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ شاہراہیں ہوتی تھیں جو ملک کے ایک بڑے حصے کو دوسرے سے ملاتی تھیں۔ جیسا کہ اُن کے ناموں سے ظاہر ہے مثلاً آندھرا کی شاہراہ، وڈوگا پیرُوَولی یا آندھراپتھ[9]۔ کونگو کو جانے والی عظیم شاہراہ (کونگا پیرو ولی)[9]۔ بیناڈم کو جانے والی شاہراہ[10] تنجادورپ پیرُوولی جسکا ذکر آڈُوتورّئی کے کتبے میں آیا ہے[11]۔ ان سب میں اہم ترین کلیان پورم کو جانے والی شاہراہ تھی جو ضلع تنجور کے ایک کتبے میں مذکور ہے[12]۔ ان میں سے ایک شاہراہ کا عرض دو کول (۲ بانس) یعنی تقریباً چوبیس فٹ بتایا گیا ہے[13]!

تاجروں کی انجمنیں

تاجر قومی تجارتی انجمنوں اور کارپوریشنوں کی شکل میں منظم ہو کر تجارت کرتے تھے۔ کوڈمبالور کی "منی گرامم" جس نے سلیم میں ایک خیراتی ٹرسٹ[14] قایم کیا اور تیروپورمبئم کی "ونسیجیرّ[15]" اس طرح کی انجمنوں کی مثالیں ہیں۔ بیزواڈہ کی "تیلکی" بھی ایک اس طرح کی کارپوریشن تھی جس کا ذکر راج راجادم کے کتبوں میں آیا ہے[16]۔ "مُستیہ واچکا" (یعنی سچ بولنے والے) دودھنم وانئیار" یعنی منصف مزاج سوداگران" بھی کہلاتے تھے، اپنے نام پر ایک مٹھ چلا رہے تھے اور تیرودونا ملئی مندر کے تین سالانہ تیوہاروں پر "رِرُگ کوڈی" یعنی مقدس جھنڈا چڑھاتے تھے۔ تینی لنگئی کی سوچکر گرونا کر ویرریا ولنجیئار نامی انجمن جو ۱۱۵۹ء سے تِروکنّا پورم کے وشنو مٹھ کے اخراجات چلانے کے لئے چندہ دیتی تھی[19]! اسی طرح تننے ویلی کی ولنجیئار تھی جسے مقامی مندر کی ارضیات کی "کارانمئی" اس شرط پر ملتی تھی کہ وہ مندر میں پوجا کے لئے کچھ مخصوص ضروریات کی چیزیں مہیا کرے[19]۔ ۱۲۵۷ء میں نیلور۔ نارائن پورم۔ آرکاڈو۔ مائیلا پور۔ ترودوور پور پونڈاملئی۔ نیڈم پڑئی۔ دمنک چیری۔ پیرن گلور۔ اور تِرونیرُو کے بیوپاری طبقوں نے باہمی تعاون سے ایک پورا گاؤں خرید لیا اور اسے بطور "دیودان" ترو پاشور کے مندر کے سپرد کردیا تا کہ مندر کی چار دیواری (مدل) تعمیر کی جا سکے۔ ان تاجروں نے یہ گاؤں تموّسدگ

کے زیر انتظام چھوڑ دیا تھا۔ پھر 1235ء کے اُن پِل کے ایک کتبے میں بہت سی انجمنوں کے ایک اجلاس کا ذکر کیا گیا ہے جن میں یہ انجمنیں شامل تھیں: "چتر میلی پیریا ناٹا" "تشئی آئرتو آئینو مُردر بہت سی منڈلوں میں ناڈوؤں کے شیٹی" "دونچ چیٹی"۔ جیہ پال منئی ویر کو ڈیار اعلیٰ ترین شلپی اور مدو پڈئی کا انائیار۔ اس اجتماع کا نام "راج راجب پیرو نیرا دلوم بتایا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اس اجتماع کی غرض وغایت کا پتہ نہیں چل سکا کیونکہ یہ کتبہ مسخ شدہ حالت میں ملا ہے[1]۔ سب سے آخری مثال "ولنجیار" اور "تانا دلیشئت تشئی آئرتائنوڑ ور" کی ہے جس نے ترولا کنڈی کے مندر کا ایک حصہ بنوایا تھا۔

نانادیشی

ان تجارتی انجمنوں میں سے مشہور ترین انجمن نانا دیشا تشائیا یُرتو آئنوڑوُوَر تھی اس طویل نام کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: تمام ملکوں میں ایک ہزار اطراف سے پانچ سو۔ یا۔ تمام ملکوں اور اطراف سے ایک ہزار پانچسو۔ لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ اس انجمن کو بعض مرتبہ "نانا دیشی" یا "آئنوڑ ور" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے پہلا مطلب زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس انجمن کی کامیابی کا ایک طویل اور شاندار ریکارڈ تھا۔ اس کی اہمیت وجیالنسل کے چولا شہنشاہوں کے عروج سے پہلے سے مانی گئی ہے کیونکہ ریاست پڈوکوٹ میں منی شندائی کے مقام سے جانے والے دو مختصر کتبوں سے جو غالباً شہنشاہ وجیالہ اور پرانتکا اوّل کے زمانے کے ہیں۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کارپوریشن پہلے ہی مستحکم بنیادوں پر قائم تھی۔ منی شندائی کے تالاب کا نام اسی کارپوریشن کے نام پر رکھا گیا تھا۔ ان کتبوں میں تالاب کی گاہے گاہے مرمّت کی کی خاطر دیئے گئے عطیئے کا اندراج موجود ہے۔ اس کارپوریشن کے ممبران نے کچھ مکانات بھی حاصل کئے تھے۔ یہ مکانات انہیں 1015ء میں نگرلی شولاچترویدی منگلم کی سبھانے رہائش گاہوں کے اور گوداموں کے طور پر استعمال کرنے کے لئے دیئے تھے۔ 1033ء میں اسی انجمن کے روحانی فیض (شرنوُم) کیلئے امبا سمدرم کے ایک شومندر کی پوجا کی خاطر دیئے ہوئے ایک عطئیے کا اندراج بھی ملتا ہے[2]۔

لوبو تو ئیوا سے جو ملک سماترہ میں واقع ہے تامل زبان کا جو ٹوٹا ہوا کتبہ ملا ہے اس میں تاجروں کی اس جماعت کا ذکر آیا ہے۔ اس کتبہ پر شاکا سمت 1010ء (مطابق 1088ء) کی تاریخ درج ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس زمانے کی بین الاقوامی بحری وسیع تجارت میں اس انجمن کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اس انجمن کی ابتدا اور تنظیم کے متعلق جو خیالی

داستان مشہور ہیں اُن کی کچھ دلچسپ تفصیل میسور کے خطّے میں ملنے والے چند کتبوں میں ہمیں ملتی ہے۔ اس کے اراکین کن تجارتی اشیاء کا بیوپار کرتے تھے، کن ملکوں سے کرتے تھے اور اس کے لئے وہ کونسے ذرائع رسل و رسائل کام میں لاتے تھے، ان باتوں کا بھی پتہ ان کتبوں سے چلتا ہے۔ کیونکہ وہ اسُودیو، کندلی اور مول بھدرا کی نسل سے تھے، اُن پر دیوی بھگوتی کی خاص نوازش تھی آگے چل کر اُن کی بہت سی شاخیں بن گئیں جو ان لوگوں سے پیدا ہوئیں جو مختلف ممالک میں آتے جاتے رہتے تھے۔ انھوں نے چیرا ریاست، چولا، پانڈیا، حلیما مگدھ، کوشل، سوراشٹر، دھانشٹرا، کرمیا، کام بھوج، لالہ، برُووَرا، نیپال، ایک پدالمبکرنا ستری راجیہ، گھول مکھا، اور دیگر بہت سے ملکوں کا سفر کیا اور بری اور بحری راستوں سے چھ کے چھ براعظموں کے اندرونی حصّوں تک رسائی حاصل کی۔ وہ اعلیٰ قسم کے ہاتھیوں اچھی نسل کے گھوڑوں، ہر قسم کے قیمتی پتھروں، گرم مسالوں، خوشبویات اور ادویہ کی تجارت کرتے تھے۔ وہ انہیں تھوک کے بھاؤ فروخت کرتے یا اپنے کندھوں پر اٹھا کر پھیری لگا کر بیچتے تھے۔ وہ اکثر اپنا مال گدھوں یا بھینسوں پر لاد کر بیچنے کیلئے جاتے جنہیں وہ سُرخ رنگ کے ساز پہناتے تھے۔ وہ اپنے پانچ سو ”ویر شاسنوں“ کے لئے مشہور تھے۔ ایک ایسے ”ویر شاسن“ کا ذکر راجا دھیراج اوّل کے بتیسویں سال حکومت یعنی ۱۰۵۰ء کے ایک کتبے میں ملتا ہے[26]۔ نانا دیشئوں اور ان کے پیروؤں نے اپنی تجارتی انجمن کی ایک قرارداد کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا کہ شیراولی گاؤں کو ”نانا دیشیہ دشماڈی ایرٹی ویر پٹنا“ میں بدل دیا جائے اور اس کے باشندوں کو کچھ مراعات عطا کی جائیں۔ کتبے میں اس تجارتی انجمن کو سمیٹ بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ پیادہ سپاہیوں اور شمشیر زنوں کی پلٹنیں اس ادارے کی ملازمت میں تھیں (سمتو تر و دڈ کپ ہی شیم) مٹیلا پور میں تاجروں کی اسی جماعت کا ایک اور اجلاس منعقد ہوا، جس نے یہ فیصلہ کیا کہ لُور جو اصل میں پہلے ایک ”ایرپل“ تھا۔ ویر پٹنا میں بدل دیا جائے۔ یہ مرتبہ ملک کی تجارت میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا[27]۔ پھر ۱۱۹۹ء میں اوتھورر (ضلع ترچناپلی) کی ”ناڈو“ اور ”نگرم“ کے ایک اجلاس نے وین منب پاڈی کا گاؤں انہیں بخش دیا اور اس کا رتبہ بدل کر اسے تجارتی شہر بنا دیا جو تائلونل پورم کہلایا[28]۔

”نانا دیشی“ اُن دنوں تاجروں کی ایک با اقتدار خود مختار کارپوریشن تھی۔ بظاہر اسکی

سرگرمیاں سیاسی حدود کی پابند نہیں تھیں۔ اپنی تجارتی کاروائیوں کے سلسلے میں یہ تاجر تمام ملکوں کا سفر کرتے تھے اور ہر جگہ انہیں معزز اور ممتاز حیثیت حاصل ہوتی تھی چولا ریاست میں انہیں مرکزی حکومت اور مقامی حکومت مثلاً دیہی سبھائیں برابر تسلیم کرتی تھیں۔ انکی اپنی تنخواہ دار فوج تھی، جو بلاشبہ گوداموں میں رکھے ہوئے ان کے تجارتی مال کی حفاظت کیلئے نیز نقل وحمل کے لئے دوران اسکی سلامتی کیلئے تعینات کی جاتی تھی۔ یہ تاجر جن مقامات پر آباد تھے وہاں کی مقامی انتظامیہ کے معاملات میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ ملور پٹن میں انہوں نے ونڈور کی سبھا کے ممبران سے مندر سے لئے گئے ایک دائمی قرضے کا سود باقاعدگی سے وصول کرنے میں مندر کے شری ولیشنوؤں سے تعاون کیا ونڈور اُن دنوں شولاما دیوی چترویدی منگلم بھی کہلاتا تھا۔ یہ راجندر اول کے زمانے ابتدائی دنوں کی بات ہے[29] انکی کامیابی اور خوشحالی کچھ حد تک ان ریاستوں کی باہمی جنگ اور امن کے نشیب و فراز سے بے نیاز تھی تیرھویں صدی میں ناناد یشئوں نے برما میں پگن کے مقام پر ایک ولیشنو مندر تعمیر کروایا اور ساحل مالابار کے ایک بندرگاہ کے رہنے والے ایک تاجر نے اس مندر کو کچھ تحائف نذر کیے[30]

تجارتی انجمنوں اور حکومت کے باہمی تعلقات ایک جدید مصنّف نے ابھی حال ہی میں یورپ اور مشرقی ممالک کی تجارتی تنظیموں کے درمیان فرق بیان کیا ہے[31] چین کے ساتھ یورپ کی تجارت کا ذکر کرتے ہوئے اُس نے چین کے بیوپاری طبقے کی بنیادی کمزوری کا مقابلہ یوروپین تاجروں کی حالت سے یوں کیا ہے: "یورپ کی مستند اور منظور شدہ تجارتی کمپنیوں کو تجارتی اجارہ داری اور اپنی حکومتوں کی حمایت حاصل تھی وہ بھی کھلی تجارت کے نام پر چینی تجارتی انجمنوں سے کم گنہگار نہیں تھے۔ لیکن سوداگر طبقے کی خود مختاری کے حامی تھے، محض سرکاری افسروں کی سخت گیری اور طمع پرستی کے نہیں۔ چین میں بیوپاری افسر شاہی کے مقابلے میں لاچار اور بے بس تھا سیاسی طور پر اُس کی وقعت نہیں تھی۔ شہری ریاست کا تجارتی نظام موجود نہ تھا جس سے وہ اپنی طاقت کا اندازہ کر سکتا۔ یورپ میں بورژوا طبقہ بتدریج حکومت پر غلبہ حاصل کر رہا تھا جبکہ چین میں وہ "منڈارنوں" کا خدمت گذار ایجنٹ تھا۔" جنوبی ہند میں بیوپاریوں کو یقیناً زیادہ آزادی اور کسی تحریک کے مواقع حاصل تھے اور چین کے

مقابلے میں یہاں رضاکارانہ تنظیم قایم کرنے کی زیادہ اہلیت تھی یہاں کے تاجر بہت کم افسر شاہی کے رحم و کرم پر ہوتے تھے اور اپنے معاملات کو باضابطہ کرنے میں کافی حد تک خود مختار تھے۔ حکومت ان کے لین دین میں دخل دینے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی اور جب تک ایسا کرنے کیلئے اس سے درخواست نہ کی جائے وہ کوئی دخل نہ دیتی تھی۔ دوسری جانب حکومت غیر ملکی تجارت میں مصروف تاجروں کی حمایت اور سرپرستی نہ تو کرتی تھی۔ نہ کر سکتی تھی جتنی کہ یوروپین حکومت اپنی تاجر کمپنیوں کی کرتی تھی جنوبی ہند کے نہ تو تاجروں کو اور نہ ہی حکومت کو اس بات کا احساس تھا کہ اقتصادی سامراج بھی قایم ہو سکتا ہے۔ ان کی نظر میں تجارت خود ایک مقصد تھا۔ اگر حالت سازگار ہوں تو وہ تجارت جاری رکھنے پر تیار رہتے انہیں یہ بات کبھی نہیں سوجھی کہ سنگین کی نوک پر بھی غیر ممالک کو خریدنے اور بیچنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

نگرم تاجروں کی کچھ مقامی تنظیمیں بھی تھیں جو بڑے بڑے تجارتی مراکز جیسے کانچی پورم اور رماملا پورم میں "نگرم" کہلاتی تھیں[32] تاجروں کی ان مقامی تنظیموں کا عمومی نوعیت کے بڑے تجارتی اداروں جیسے "منی گرامم" اور "نانا دیشی" وغیرہ کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ یہ ٹھیک ٹھیک نہیں بتایا جا سکتا۔ یہ بات کہ برہمن بھی کبھی کبھی تجارت میں حصہ لیتے تھے، بالکل واضح ہے کیونکہ ہم براہِ راست برہمنوں کا ذکر پڑھتے ہیں۔ جو انیائرم کے جنوبی بازار میں "ولنجیار" کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے[33] اینائرم جنوبی ارکات میں وشنو اور تعلیم کا عظیم مرکز تھا۔ وہاں کی "نگرم" بعض مخصوص مقاصد کیلئے اپنے ممبران سے رضاکارانہ چندے اکٹھے کیا کرتی تھی۔ اس کی صرف ایک مثال لیجئے ۱۰۳۷ء میں شہر والیسئور کی "نگرم" نے فیصلہ کیا[34] کہ آئندہ اس کی جانب سے مقامی مندر میں چراغ جلانے کا خرچ نیز مندر سے ادھار لی ہوئی رقومات کا سود "نگرم" ایک باقاعدہ ٹیکس کی آمدنی سے ادا کیا کرے گی اور یہ ٹیکس ایک مقررہ گوشوارے کے مطابق تمام تجارتی سودوں پر لگایا جائے گا۔ خریدار اور بائع دونوں غلے کی خرید و فروخت پر فی قلم ایک "نالی" کی شرح سے "کال الوڈ ٹیٹم" ادا کریں گے، فی "نرائی" ایک "ہنم" کی شرح سے "کول کولی" یعنی وزن کرنے کا محصول ادا کریں گے اور ہر ایک ہزار سپاری کے سودے پر دس سپاری کے حساب سے ٹیکس دیں گے کتبوں میں تجارتی برادریوں کے خود مختارانہ حقوق کے

اس طرح کتبوں میں کیا گیا ہے ان کو بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کم از کم چار قسم کے منتقلی طریقے مُرَوَّج تھے (۱) اَجنا کارَم (۲) پیرُو وِلئی (عظیم بکری) جو راجہ کرتا تھا (۳) چندیشور کی پیرُو وِلئی۔ اور (۴) اسبھائی وِلئی یا اُور ولئی پہلی قسم میں جو "اَجنا" یا شاہی فرمان کے ذریعے کی جاتی، اُن لوگوں کی جائداد فروخت ہوتی تھی جو راجہ یا اُس کے خاندان کے خلاف بغاوت کے مجرم قرار پاتے تھے۔ اس کی سرکردہ مثال وہ نیلام ہے جو اڑئیار گُدُّی کے کتبے میں مذکور ہے[52] اور ان لوگوں کی جائداد کے متعلق ہے جو آدتیہ دوم کے قتل میں ملوث پائے گئے تھے۔ راجاؤں کی "پیرُو ولئی" کاشتکاروں کی اراضی کی وہ فروخت تھی جو اس وقت عمل میں لائی جاتی تھی جب کاشتکار سے لگان کی وصولی کے دوسرے ذرائع ناکام ہو جاتے تھے۔ "چندیشورا پیرُو ولئی" وہ بکری تھی جو شو مندروں کے ذریعے کی جاتی تھی اور جس میں چندیشور "شوجی کے آدی داس" (اوّلین معتقد) حیثیت سے اُن کی نمائندگی کرتا تھا۔ وشنو کے مندروں کی جانب سے عمل میں لائی جانے والی جائدادوں کے فروخت کے لئے اِس سے ملتی جلتی اصطلاح "سیناپتی ولئی" تھی۔ "سبھائی ولائی" یا "اور ولئی" جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے، گاؤں کی مقامی اسمبلی کے ذریعے شاملاتِ دیہہ میں سے کسی زمین کی فروخت کو کہتے تھے۔ ان مختلف اقسام کی فروخت میں جن قیمتوں کا ذکر آیا ہے اُس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قیمتوں پر اقتصادی اسباب کے علاوہ کئی اور وجوہات اثر انداز ہوتی تھیں۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ ہر سودے میں فروخت کی نوعیت خصوصی طور سے الگ بتا دی جاتی تھی۔ فروخت کی جو قیمتیں درج ملی ہیں، اُن کا تعلق بظاہر نواحی علاقے میں اراضی کے بازار بھاؤ سے بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اغلب ہے کہ "پیرُو ولئی (عظیم فروخت) میں نیلام عام جیسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہو، یعنی پہلے سے مقرّرہ وقت اور جگہ پر سب سے کم قیمت کی بولی بلند آواز سے لگائی جاتی ہو۔ اور جو لوگ وہاں موجود ہوں اُن کی جوابی بولی کا انتظار کیا جاتا ہو۔ یہ بھی مشکوک ہے کہ کیا یہ واقعی نیلام ایسا ہوتا ہوگا جس میں خریداروں کو ایک دوسرے کی بولی پر بڑھا کر بولی دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ کتبوں میں دیئے گئے فارمولے سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ صرف مقررہ قیمت کا مع دیگر شرائطِ فروخت کے اعلان کر دیا جاتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ خریدار کی رضامندی کا بھی[56]

اراضی کے بیعناموں میں جو فارمولا استعمال کیا جاتا تھا اُس کی خاص خاص خصوصیات مختصراً یہ ہیں۔ ہر معاملے میں جس احتیاط کے ساتھ متعلقہ جائداد کی حدود بیان کی جاتی تھیں، وہ تانبے کی تختیوں سے ظاہر ہوتی ہے، مثلاً انبل، آنئی منگلم، ترُووالنگاڈو، اور کرن دئی (ضلع تنجور) کی تختیاں یہی خصوصیت پتھر کے کتبوں میں بھی نمایاں ہے۔ البتہ ان میں جو حال بیان کیا جاتا تھا

استعمال کی اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

شنگم اس عہد میں محصول جنگی اور درآمد ٹیکس کے متعلق براہ راست شہادتیں بہت کم ملتی ہیں۔ ہم عصر تصانیف اور کتبات ہیں کلوتنگا اوّل کی اس بات کے لئے تعریف کی گئی ہے کہ اس نے "شنگم" ختم کر دیا تھا۔ ہمارے پاس سلطنت کے اس اہم واقعے کا مفصّل بیان موجود نہیں ہے اور یہ جاننے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ یہ کام کیسے ممکن ہو سکا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس ٹیکس کی معافی سے حکومت کی آمدنی میں جو کمی ہوئی اُس کو پورا کرنے کے لئے کیا ضروری اقدامات کیے گئے۔ شنگم کی اصطلاح میں وہ ٹیکس شامل تھے جو جہازوں اور بیل گاڑیوں کے ذریعہ درآمد ہونے والے تجارتی مال پر لگائے جاتے تھے چاہے وہ مال سمندر سے آیا ہو یا خشکی کے راستہ سے کہیں اندرون ملک سے[35]

پرونوٹ قرض لینے کی غرض سے یا تمسک کا عام رواج تھا رام راج راجا کے عہد کے ترُوواڈُ تورئی کے ایک کتبے میں اس کا کچھ ذکر آیا ہے[36]۔ اس مقام کی سبھا کو کچھ رقم کنیکولا نامی ایک شخص کو ادا کرنی تھی جو سبھا نے تمسک دیکھیے لتّو لنئی لکھ کر اس سے قرض لی تھی۔ کچھ ایسے اسباب سے جو بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ کنیکوکن کی تمام جائیداد "راجسوم" قرار دے دی گئی یعنی شہنشاہ نے ضبط کر لی اور قدرتی بات ہے کہ شہنشاہ نے سبھا سے قرضہ کی رقم وصول کرنے کی کوشش کی سبھا نے رقم کی ادائیگی کیلئے مندر سے قرض لیا اور اس کے بدلے میں گاؤں کی کچھ اراضیات مندر کے نام کر دیں۔ اس اقدام کی وضاحت کرتے ہوئے یہ واقعات کتبے میں تحریر کیے گئے ہیں۔ اسی طرح پرونوٹ لکھ کر قرض لینے کی ایک اور مثال راجندر اوّل عہد کے ایک کتبے میں ملتی ہے[37]۔ جس میں تلئی چنگاڈو کی "مول پرودئی پنجیٔ" کے مندر سے سَوا شو کا قرضہ لیا تھا۔

قرضوں پر سود کی شرح سود کی شرح میں کافی فرق تھا اور اسی طرح سود کا حساب لگانے اور اس کے اظہار کے طریقے مختلف تھے۔ مذہبی اداروں کی جانب سے دیئے قرضوں پر 12½ فیصدی سالانہ اور ایک کلنجور سونے پر ⅛ کلنجور بہت مدت تک مستند شرح سود رہی[38] 15 فیصدی یا تین منجاڈی، فی کلنجور شرح سود بھی اکثر ہوتی تھی[39]۔ کم سے کم شرح سود جو ہماری نظر سے گذری ہے۔

وہ 5 فیصدی یا ایک منجاڈی فی کلنجو ہے، اگرچہ اس شرح کا رواج راجہ وجے کمپا ورمن کے زمانے میں تھا نہ کہ کسی چولا راجہ کے عہد میں۔ زیادہ مہنگی شرحیں بھی کہیں کہیں دیکھنے میں آتی ہیں اگرچہ یہ اتنی کثیر تعداد میں نہیں جتنی کہ 12½ اور 15 فیصدی کی شرحیں۔ ہم 12½ فیصدی ششماہی ڈیوڑھ شرح سود بھی کہیں کہیں دیکھتے ہیں جو 25 فیصدی سالانہ ہوتی ہے[41]۔ چار سو کلنجو پر کبھی ایک سو بچاس کلنجو سالانہ سود بھی ملا ہے۔ اکثر 37½ فیصدی[42] یا 50 فیصدی تک بھی سود وصول کیا گیا ہے جو نصف کا شو فی کاشو سالانہ کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے[43]۔ سردست ان شرحوں کی وضاحت آسانی سے نہیں کی جا سکتی۔ تاہم یہ امر یقینی ہے کہ سود کی شرحوں میں فرق نہ تو قرضہ لینے کے مختلف مقاصد کی وجہ سے تھا اور نہ سیاسی حالات کے بدلنے کا نتیجہ تھا جن کا اثر سماجی تحفظ پر پڑتا تھا۔ راشٹر کوٹوں کے حملے سے شرح سود میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا جیسا کہ ان کتبوں سے ظاہر ہے جن پر راجہ کرشن کے سنہ جلوس درج ہیں[44]۔ راجندر اوّل کے عہدِ حکومت میں اونچی اور نیچی دونوں طرح کی شرحیں مروّج تھیں۔ ان دنوں ملک کی اندرونی سلامتی کو کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ اکثر اوقات شرحِ سود اشیاء کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ بلکہ سود پر دی ہوئی رقم بھی اکثر جنس کی ایک خاص مقدار کی شکل میں دکھائی گئی ہے۔ عموماً اناج کی مقدار میں دی ہوئی اشیائی شرحوں میں بھی اتنا ہی اونچ نیچ پایا جاتا ہے جتنا کہ نقد شرحوں میں۔ ایک کلنجو سونے پر کم سے کم شرح سود کلم دھان[45] سالانہ تھی اور زیادہ سے زیادہ تین[46] بلکہ اکثر چار کلم بھی[47]۔ عام رائج شرح ایک کلم یا 1⅓ کلم سالانہ فی کلنجو کی قریب تھی۔ ایک ہی علاقے میں اور ایک ہی وقت میں دو دیہی اسمبلیوں کو ایک ہی قرض خواہ یعنی ایک ہی مندر سے سود کی دو مختلف شرحوں پر قرض لیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یعنی سالانہ ⅔ کلم فی کلنجو اور سالانہ ایک کلم فی کلنجو[48] عام طور پر جہاں اصل رقم غلّے کی شکل میں بتائی گئی ہے وہاں سود کی شرح کافی اونچی ہے[49]۔ اور شاذ ہی 25 فیصدی سالانہ سے کم ہے۔ ایک جگہ تو سود کی شرح ناممکن حد تک اونچی دکھائی گئی ہے یعنی 75 فیصدی سالانہ۔ سود کی مختلف شرحوں کو دکھانے کا ایک طریقہ بھی تھا کہ ایک ہی قسم کی خدمت کیلئے عطیے کی مختلف رقوم لگا دی جاتی تھیں اسطرح چوتھائی ڈبہ تیل یومیہ مہیا کرنے کے لئے نقدی کی شکل میں ایک جگہہ سونے ۔۔۔ کے 18 کلنجو 3 منجاڈی۔ اور ایک کنری لگائے گئے۔ اور دوسری جگہ صرف کلنجو ایک

یہ بات ہم یقینی سمجھتے ہیں کہ بیوپاریوں اور سوداگروں کے مابین اپنے معمولی کاروبار میں اُدھار پر کافی خرید و فروخت ہوتی ہوگی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لین دین کا کوئی ریکارڈ باقی

نہیں رہ گیا ہے۔ کتبوں میں جتنے بھی اندراجات ملتے ہیں وہ لگ بھگ سبھی خیراتی فنڈوں کے متعلق ہیں جو بالعموم خاص خاص مقاصد کیلئے وقف تھے اور بعض مرتبہ تو اس طرح کی سرمایہ کاریاں ان خصوصی مقاصد کو ایک پائیداری عطا کر دیتی تھیں اور ان کی شرائط و ضوابط کو بھی ناقابل تنسیخ بنا دی جاتی تھیں۔ اس طرح ملئی ناڈو کے ایک سوداگر نے "ایک واڈاکڈن" یعنی مستقبل قرضے میں 16½ اطلائی کلنجو کا سرمایہ لگایا جس کے سود سے تِرووڈنڈئی، (ضلع چنگل پٹ) کے وارہ دیو کے مندر میں ہر سال ایک مہینے (کمبھ) کے لئے برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا[52]۔ اسی طرح کانچی پورم کے ایک مندر سے کونیری کی "اور" نے پانچ کلنجو کا ایک قرضہ ان شرائط پر لینا قبول کیا کہ "اور" 1⅔ کلم فی کلنجو سالانہ کی شرح سے سود ادا کرے گی اور کبھی اس قرضے کی اصل رقم واپس کرنے کی پیشکش نہیں کرے گی[53]۔ ملور پٹن (بنگلور) کے ایک کتبے میں جو راجہ راجندر اوّل کے عہد کا ہے ایک اور مثال درج ہے جو اسلئے خاص طور سے دلچسپ ہے کہ اس میں قرضے کی شرائط کی تعمیل کروانے کے لئے تعزیری شرائط بھی تحریر ہیں[54]۔ اس مستقبل قرضے میں سود پر چڑھائی گئی غلّے کی اصل مقدار (نیلومدل): 320 کلم بھی تھی اور اس پر شرحِ سود 3⅓ کروٹی فی کلم سالانہ تھی، جس سے 100 کلم سالانہ سود کی آمدنی ہوتی تھی؛ یہ دو قسطوں میں مندر کو واجب الادا تھی یعنی 50 کلم ایک فصل پر اور 50 کلم دوسری فصل پر۔ قرض لینے والے ونڈ ور کی سبھا کے ممبران تھے جنھوں نے سود وصول کرنے کی خاطر آنے والے کارندوں کو دو وقت کا کھانا دینا بھی مان لیا تھا۔ بشرطِ ضرورت یہ کارندے قرقی کی کاروائی کا سہارا بھی لے سکتے تھے۔ جیسے پانی اور آگ کی فراہمی کے وسائل بند کر دینا، تالہ بندی کر دینا اور مویشیوں کو کانجی ہاؤس میں دیدینا۔ ان حد درجہ سنگین تادیبی اختیارات کے جواز میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان اختیارات کو کبھی استعمال بھی کیا گیا تھا یا نہیں۔ جدید اقتصادیات کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ عوامی قرضوں کا سود ادا کرنے کے لئے فنڈ قائم کیا جائے لیکن جنوبی ہند کے مندروں کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ کس طرح اپنے سرمائے پر سود کی ایک مقرّرہ اور مستقل آمدنی حاصل کی جائے۔

منتقلی جائداد عام طور پر منقولہ جائداد کے مقابلہ میں غیر منقولہ جائداد کی منتقلی میں زیادہ کاغذی کاروائی عمل میں لانی ضروری تھی۔ ہمارے پیش نظر کتبات میں جائداد کے وہ سودے جو عام افراد کے مابین طے پاتے تھے، شاذ ہی درج ملتے ہیں صرف وہ سودے جن کو عوام سے واسطہ تھا کتبوں میں مذکور ہیں اور اراضی کے جن سودوں کا اندراج

وہ تانبے کی تختیوں کے مقابلہ میں مختصر ہوتا تھا۔ پھر ہر بیان میں "مِگُودِک کرُمَی الدُّنگا" کا جملہ لازماً شامل رہتا تھا، جس کے معنی ہیں "کمی بیشی شامل کر کے" یعنی دی ہوئی پیمائش کی بجائے جو حدود یہاں بتائی گئی ہیں وہی فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر کہیں کہیں ایسے جملہ آ گئے ہیں۔ جو دوسری جائداد کو مستثنےٰ کرتے تھے، مثلاً قدیم دیوداں، نہریں، سڑکیں وغیرہ جن کو منتقل منظور نہیں ہوتی تھی۔ عطیوں کی دستاویزوں کی مانند بعینا موں میں بھی متعلقہ جائداد میں جو حقوق قدرتاً شامل تھے۔ ان کی تفصیل درج کر دی جاتی تھی۔ ان میں زیر زمین دفینوں، درختوں، پہاڑیوں، کنوؤں وغیرہ کی ملکیت، آبپاشی اور آرام و آسائش کے حقوق وغیرہ کا شمار ہوتا تھا۔ عموماً دستاویز کے آخر میں یہ اعلان درج کیا جاتا تھا کہ طے شدہ قیمت پوری پوری ادا کر دی گئی ہے اور زیر فروخت اراضی باقاعدہ بنا دی گئی ہے۔ اور تحریر شدہ دستاویز زرِثمن کی ادائیگی کی سند کے طور پر کام آئے گی۔ نیز مستقبل میں کوئی مزید رسید طلب نہیں کی جائے گی۔ سنہ 1232ء کے ایک بعینامہ میں جو اُرپاکم سے ملا ہے[58] مندرجہ ذیل شرائط درج ہیں۔ اس میں پہلے تو یہ اقرار کیا گیا ہے کہ فروخت شدہ اراضی پر کوئی بار نہیں ہے اور اگر مستقبل میں اس پر کوئی بار ثابت ہو تو بائع ہی اراضی کو اُس بار سے چھڑائے گا۔ زرِثمن کی ادائیگی کا اقرار بھی اس میں شامل تھا۔ پھر یہ اقرار کہ خریدار نے اراضی کے جُملہ حقوق حاصل کر لئے ہیں جس میں بیع، رہن یا عطیہ میں دینے کے حقوق بھی شامل ہیں، نیز یہ کہ بائع بعد میں کسی بھی مرحلے پر اس طرح کا کوئی اعتراض نہیں اٹھائے گا اور یہ دلیل نہیں پیش کرے گا کہ بعینامہ تحریر کے ناممکن ہونے یا ایسے ہی دوسرے اسباب کی بنا پر کالعدم ہے۔ ترِوُونا ملئی کے سنہ 1207ء کے ایک کتبے میں[59] میشوروں کی ایک قرارداد درج ہے کہ ترِومڈئی ولاگم "(مندر کی زمین)" پر تعمیر شدہ مکانات جب فروخت ہوں گے تو ان کی قیمت مندر کے خزانے کا مہتمم مقرر کریگا، جسے "کنکانی" کہتے تھے۔ اور نصف زرِثمن مندر کو دیا جائے گا اور مکان کا مالک صرف باقی نصف کا حقدار ہوگا۔ اکثر اراضی کی قیمت کے علاوہ بھی ایک مزید رقم بائع کو ادا کی جاتی تھی تاکہ اُس سے اراضی کے آئندہ کے ٹیکسوں اور دیگر واجبات کو ادا کیا جا سکے اور اراضی مشتری کے پاس بلا کسی ٹیکس کے رہے۔ ایسے سودوں میں یہ مزید رقم بھی دستاویزوں میں خرچ کر دی جاتی تھی اور واجب الادا ٹیکسوں کی تفصیل بھی خصوصی طور پر دے دی جاتی تھی۔ بعض مرتبہ "اڑئی کاول" ایک علیحدہ دستاویز کی صورت میں ہوتی تھی یہ اس وقت لکھی جاتی تھی جب زمین کی خرید کے کچھ عرصہ بعد متعلقہ اراضی کے کچھ ٹیکس معاف یا کم کر دیئے جاتے تھے۔

بہت ہی قدیم زمانے سے جنوبی ہند کی فروغ پذیر تجارت جزیرہ نما کے دونوں اطراف

(یعنی مشرق و مغرب) میں واقع سمندر پار کے ممالک اور اقوام کے ساتھ ہوتی رہی تھی۔ چوتھی صدی عیسوی یا اس کے فوراً بعد سے عربوں سے کہیں بڑھ کر ایرانی بحرِ ہند کے زیادہ جرات مند اور باحوصلہ جہاز ران رہے تھے۔ پانچویں اور چھٹی صدیوں نیز ساتویں صدی کے ابتدائی سالوں کے چینی تاریخی ریکارڈوں میں لنکا اور ہندوستان کی سبھی مصنوعات کو عرب اور افریقہ کی دیگر اجناس و اشیاء کے ہمراہ" ایران کی مصنوعات میں شمار کیا جاتا تھا۔ تاہم بتایا جاتا ہے کہ چین اور ہندوستان کے درمیان براہِ راست بحری راستہ ساتویں صدی کے اواخر میں عام طور سے استعمال میں آیا اور ابتینگ نے تو اپنے زمانے میں ہی کم از کم سینتیس زائرین ایسے گنوائے ہیں جو ہندوستان اسی راستہ سے آئے تھے۔ ہندوستانی سوداگروں نے تو جزیرہ نمائے ملایا، مجمع الجزائر مشرق الہند، یہاں تک کہ ہند چینی اور چین کے ساحلوں پر بھی اپنی آمد و رفت کبھی ترک نہیں کی۔ مہابلی پورم، کاویری پٹنم، شالیئور، اور کورکئی بھارت کے مشرق ساحل پر اور قیلان مغربی ساحل پر عظیم تجارتی مرکز تھے جہاں غیر ملکی تاجروں کی آمد و رفت مسلسل جاری رہتی تھی۔ لمبے بحری سفر پر جانے والے جہازوں کیلئے ہند کے مشرق میں لنکا اور نکوبار کے جزائر اور مغرب میں لکادیپ اور مالدیپ کے جزائر اچھے پڑاؤ کا کام دیتے تھے۔

خلیج فارس نویں صدی تک جنوبی ایشیا کے ممالک میں وسیع بحری اور تجارتی سرگرمی دکھائی دینے لگی تھی اور یہ ممالک اسقدر خوشحال ہو چکے تھے کہ اُن کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ چین کی تنگ سلطنت، شیلندر راجاؤں کے تحت شری وجیا کی طاقت ور ریاست اور بغداد کی عباسیہ خلافت، یہ ہندوستان کے باہر وہ سرکردہ سلطنتیں تھیں جو اس تجارت سے مستفید ہو رہی تھیں۔ نویں صدی کے آخری حصے میں چین کے سیاسی انتشار کے باعث پرانے تجارتی تعلقات میں کچھ عرصے کیلئے رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ چین اب غیر ملکی تاجروں کے لیے محفوظ مقام نہیں رہا تھا۔ انہوں نے پیچھے ہٹ کر جزیرہ نمائے ملایا اور سماترہ کو اپنا مرکز بنا لیا جہاں چینی جہازوں کو غیر ملکی اشیاء خریدنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ کھلے سمندروں میں چینی جہاز رانی کی یہ شروعات تھی۔ بارھویں صدی عیسوی میں کانٹن کی سمندری کشتیاں مغرب میں مالابار کے ساحل پر قیلان تک پہونچ گئیں۔ ان دنوں میں خلیج فارس کے مشرقی ساحل پر سیراف کی بندرگاہ مغرب کی سرکردہ منڈی تھی۔ ایک ہمعصر عرب مصنف ابن حوقل کا

کہتا ہے کہ "یہاں زمین پر کسی طرح کی زراعت نہیں ہوتی اور لوگ پانی بھی دور سے لاتے ہیں۔ سراف کے مضافات میں درخت بھی مطلقاً نہیں ہیں۔ اور یہاں کے باشندے اپنا تمام وقت تجارت اور مال کے لین دین میں صرف کرتے ہیں"۔ سراف میں تجارت کو اسقدر زیادہ اہمیت حاصل تھی کہ اس کے محلِ وقوع اور آب و ہوا کی خرابیوں کے باوجود اس میں عظیم الشان عمارتیں شامل تھی اور آبادی گنجان تھی۔ تمام بحرِ ہند کے خطے کے جہازران اور سوداگر، چین، جاوہ، ملایا، اور ہندستان سے تعلق رکھنے والے سبھی اپنی مصنوعات کے تبادلے کیلئے سراف میں آتے تھے۔ اُن دنوں سراف ایک بین الاقوامی شہر تھا اور یہاں کے سرکردہ بیوپاری جب غیر ملکیوں کا بطور مہمان خیر مقدم کرتے تو بڑی عقلمندی سے اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ مہمانوں کے طور طریقوں کے مطابق اُن کے ساتھ پیش آئیں۔ ابوزید ہند میں ایک ایسی ذات کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے جس کے افراد کسی کے ساتھ ایک ہی تھالی میں اکٹھے نہیں کھاتے تھے اور نہ ایک ہی دستر خوان پر کسی دوسرے کے ساتھ کھاتے تھے۔ اس ذکر کے بعد وہ لکھتا ہے کہ "جب اس ذات کے علیحدگی پسند تاجر سراف میں وارد ہوتے ہیں تو یہاں کے سرکردہ سوداگروں میں سے کوئی ایک انہیں اپنے گھر پر کھانے کیلئے مدعو کرتا ہے جہاں تقریباً ایک سو افراد کھانا کھلانے میں مدد کرتے ہیں میزبان ان علیحدگی پسند مہمانوں میں سے ہر ایک کے آگے الگ الگ تھالی رکھواتا ہے جس میں صرف ایک شخص کھاتا ہے اور تھالی اُسی کے لئے مخصوص ہوتی ہے"۔ لیکن جیسا ابُوزید کا خیال ہے کھانا کھانے کیلئے الگ تھالی کا استعمال کیسی ایک ذات یا فرقے تک محدود نہیں تھا بلکہ ہندوستان میں یہ ایک عام اور ملک گیر رواج تھا۔ تاہم یہ بیان اِس لحاظ سے اہم اور کارآمد ہے کہ یہ نویں اور دسویں صدی عیسوی کے دوران باقی دنیا کے ساتھ ہندوستانیوں کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات کی شہادت مہیا کرتا ہے۔

چین دسویں صدی کے اختتام تک چین کے سیاسی حالات اعتدال پر آگئے اور سونگ خاندان کی حکومت نے اپنے ملک کی بیرونی تجارت میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس تجارت کو سرکار نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کو ترقی دینے کیلئے جی توڑ کوششیں کی گئیں۔ "شہنشاہ چین نے ایک سفارتی وفد باقاعدہ سفارتی سندات کے ساتھ جن پر شہنشاہ کی مُہر ثبت تھی غیر ملکوں کو بھیجا اور سونے کی مصنوعات اور دیگر تجارتی سامان کے کچھ نمونے بھی اُس کے ساتھ بھجوائے تاکہ ان کے ذریعے جنوبی سمندروں کے غیر ملکی تاجروں کو اور ان لوگوں کو جو سمندر پار کے ملکوں میں

بیوپار کرنے جاتے تھے، چین آنے کے لئے ترغیب دی جا سکے"۔ اُن کے ساتھ سامان درآمد کرنے کی خاطر خصوصی لائسنس دینے کے وعدے کئے گئے۔ اس طرح تجارت کے جن نئے مواقع کی پیشکش ہوئی ان سے فایدہ اٹھانے کیلئے چولا راجگان کسقدر مشتاق اور بے تاب تھے اسکا اظہار شہنشاہ راج راجا اور راجندر دونوں کے اس اقدام سے ہوتا ہے کہ انہوں نے سفارتی وفد چین کو بھیجے۔ چولا ریاست اور چین کے درمیان فاصلہ بہت طویل تھا اور دونوں ملکوں کے درمیان قایم شدہ راہِ راست رابطہ ابھی نیا نیا تھا۔ ان وجوہ سے چین کی مغرور حکومت نے چولوں کے حاصل کردہ مقام اور اہمیت کو ٹھیک طریقے سے تسلیم کرنے میں پس وپیش کیا۔ چولا راجاؤں کے سفارتی نمائندے اپنے ہمراہ بہت سے بیش قیمت تحائف لے گئے لیکن انہیں مشرقی تُرکستان کی ایک ماتحت ریاست کے ساتھ جگہ دی گئی۔ چولوں کا سفارتی وفد جو تین برس سفر میں گذار کر ۱۰۱۵ء میں چین پہنچا، راج راجا کے عہد کے اختتام کے دنوں میں چولا ریاست سے روانہ ہوا ہوگا۔ چینی تاریخی تذکروں میں راج راجا کو "لو۔ سا۔ لو۔ سا" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس سفارتی وفد کے متعلق چاؤ۔ جو۔ کوا لکھتا ہے: "پہلے زمانے میں وہ ہمارے دربار کو خراج نہیں بھیجتے تھے لیکن "تا۔ چنگ اور سیانگ فو" کے زمانوں کے آٹھویں برس میں (۱۰۱۵ء میں) اس کے (چو۔ لین یعنی چولا ریاست) کے حکمران نے موتی اور اسی طرح دوسری اشیا بطور خراج اپنے سفارتی وفد کے ذریعے بھجوائیں۔ ان سفارتی نمائندوں نے جو کچھ (دربار میں) کہا، اُس کے مترجموں نے ان کے بیان کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ چینی دربار کے تئیں دور دراز ملک کی جانب سے اظہار احترام کرنا چاہتے ہیں۔" انہیں شاہی فرمان کے ذریعے حکم دیا گیا کہ وہ شاہی محل کے بازو والے دروازے پر حاضر ہوں اور دربار کے مورخوں کو حکم دیا گیا کہ اُن مہمانوں کی تواضع کریں۔ شہنشاہ کی نوازش سے انہیں کوتزی کے سفارتی نمائندوں کے ساتھ مقام دیا گیا۔ اس روز بادشاہ کی سالگرہ تھی اور سفارتی نمائندوں کو اس روز مقدس احاطے میں جشن تہنیت دیکھنے کا عمدہ موقع مل گیا۔ دوسرے سفارتی مشن کی بہت ہی کم تفصیلات محفوظ ہیں۔ یہ مشن شی (لوم)۔ لو۔ چا۔ ین۔ تو۔ لو۔ چو۔ لو (شری راجا اندر چولا یعنی چولا) کی جانب سے بھیجا گیا تھا اور ۱۰۳۳ء میں چین پہنچا تھا۔ اس طرح چین کے ساتھ جس تجارت کا آغاز ہوا معلوم ہوتا ہے وہ گیارھویں صدی میں بغیر روک ٹوک چلتی رہی اور آسمانی دربار (چین کے شاہی دربار) کے مورخوں کے الفاظ میں چولا راجگان چین کے دربار کو خراج ارسال کرتے رہے۔ شہنشاہ راجندر نے شری وجینا کے خلاف جو بحری مہم بھیجی اور اس مہم کو جو کامیابی حاصل

ہوئی اس کے باعث" جنوبی سمندروں" اور سلطنت چین کے ذرائع رسل ورسائل پہلے کی نسبت بدرجہا آسان اور باقاعدہ ہو گئے۔ کڈارم کے سیاسی معاملات کے تصفیے میں ویر راجندر سے مدد کی اپیل کی گئی تھی۔ اس سے ہماری اس رائے کی توثیق ہوتی ہے کہ چولا راجاؤں اور مشرقی ممالک کے درمیان تعلقات پہلے سے موجود تھے۔ ایک اور سفارتی مشن کا بھی ذکر موجود ہے جو ۱۰۷۷ء میں چین بھیجا گیا تھا۔ اس اہم عصر چولا راجہ کلوتنگا اول کا نام (جس نے یہ وفد بھیجا تھا) سُنگ خاندان کی تاریخی تصانیف میں بگڑی ہوئی شکل میں موجود ہے"۔

اشیائے تجارت تجارتی مال کی وہ خاص خاص اشیاء جو اس دور دراز تجارت میں شامل تھیں، لازمی طور پر وہی اشیاء تھیں جن کی قیمت زیادہ اور جسامت کم تھی۔ سراف کے متعلق مصنف اصطخری دسویں صدی کا مصنف تھا یوں رقم طراز ہے "یہاں جو اشیاء درآمد کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔ مصیّر کی لکڑی (جلانے کے لئے) عنبر۔ کافور۔ قیمتی جواہر بانس۔ ہاتھی دانت۔ آبنوس۔ کاغذ۔ صندل کی لکڑی۔ اور ہر قسم کی ہندوستانی خوشبویات ادویات اور گرم مسالے۔ خود اس شہر میں نہایت عمدہ رومال اور کتان بنتے ہیں اور یہ موتیوں کی عظیم منڈی ہے"۔ گیارھویں صدی کے وسط سے سراف کی اہمیت گھٹنے لگی۔ اور ہندوستانی تجارت کی منڈی کی حیثیت سے اُس کی جگہ قیس یا کِش کے جزیرے نے لے لی۔ اسپین کے ایک یہودی سیّاح بنجمن آف ٹڈیلا کے بیان کے مطابق بارھویں صدی کے وسط کے لگ بھگ کش کا جزیرہ فارس اور مغربی ممالک کے ساتھ بیوپار کرنے والے ہندوستانی سوداگروں کی حدِ فاصل تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ "کش خاصی بڑی منڈی ہے۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں ہندوستان کے اور جزائر شرق الہند کے سوداگر اپنی اشیاء لاتے ہیں اور جہاں میسوپوٹیمیا یمن اور فارس کے بیوپاری ہر قسم کا ریشم اور ارغوانی رنگ کے کپڑے، روئی، سن، پٹ سن ماش، گیہوں، جو، جوار، باجرہ، رائی اور دیگر ہر طرح کی اشیاء خوردنی اور دالیں درآمد کرتے ہیں اور ایسی دوسری اشیاء جنکا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ وہاں ہندوستان کے سوداگر بڑی مقدار میں مسالے درآمد کرتے۔ اور جزیرہ کش دونوں فریقین کے مابین دلالی کرکے جو کچھ کماتے ہیں۔ اسی سے اپنا گزارا کرتے ہیں۔ اِس جزیرے کوئی پانچ سو یہودی آباد ہیں۔

گھوڑوں کی تجارت عرب تاجروں کی گھوڑوں کی تجارت کو بھی اہمیت اُنہی دنوں میں ملی جب جنوبی ہند میں چولا سامراج کی زبردست توسیع ترقی

ہو رہی تھی۔ عربوں کی یہ گھوڑوں کی تجارت اعلیٰ پیمانے پر کئی صدیوں تک فروغ پذیر رہی۔ چولا افواج اور اُن کی مخالف طاقتوں کی فوجوں میں گھوڑ سوار دستوں کی اہمیت کتبوں سے بالکل واضح ہے کتبوں میں "کدیرایٔ چیٹی"[73] یعنی گھوڑوں کے بیوپاریوں کے متعلق بھی اکثر حوالے آئے ہیں جو بلاشبہ دوسرے ملکوں سے گھوڑے درآمد کرتے تھے، بالخصوص عرب سے اور غالباً پیگو سے بھی اور پھر یہ گھوڑے وہ راجاؤں اور ملک کے بڑے بڑے امراء اور جاگیرداروں کو مہیا کرتے تھے۔ چونکہ بتایا جاتا ہے کہ یہ "چیٹی" ملئی ناڈو سے آئے تھے"[74] یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ جنوبی ہندوستان میں درآمد کئے جانے والے گھوڑوں کی ایک بہت بڑی تعداد ملک عرب سے آتی تھی۔ مارکو پولو اور وصاف نے[75] چودھویں صدی کے آغاز میں گھوڑوں کی جس وسیع تجارت کا ذکر کیا ہے اُس کو دفعتاً ہی فروغ نہیں ہو گیا ہوگا بلکہ اُس کا آغاز پہلے نہیں تو چولا عہد میں ہوا ہوگا۔

چینی درآمدات

راک ہل کے مطابق[76] اس تجارت میں چینی درآمدات میں دو ممتاز زمروں کی اشیاء شامل تھیں۔ ایک تو بُنا ہوا تیار کپڑا زیادہ تر سوتی، گرم مسالے اور ادویات اور دوسرے جو اشیاء کہ حقیقتاً قیمتی تھیں مثلاً جواہرات، نیم قیمتی جیسے اشیاء ہاتھی دانت، گینڈے کے سینگ، آبنوس، عنبر، مونگا اور ایسی نوع کی دوسری اشیاء نیز خوشبو کے مسالے یا عطر جو یا تو دھونی دینے کیلئے اشیاء تیار کرنے میں کام آتی ہیں یا جسم میں خوشبو کے طور پر لگائی جاتی ہیں"۔ دوسرے زمرے کی اشیاء کی مہنگی قیمت اور ان کی بڑھتی ہوئی مانگ کے باعث چینی حکومت نے ان اشیاء کی بکری کو حکومت کی اجارہ داری بنا لیا۔ ان چیزوں کی تجارت کی اجازت صرف لائسنس دکانداروں کو ہوتی تھی۔ جو اپنا مال سرکاری گوداموں سے حکومت کی مقررہ مقدار میں اور مقررہ قیمت پر خریدتے تھے۔ سوتی کپڑے، مسالوں اور ادویات کی فروخت پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان اشیاء پر محض ایک درآمدی ٹیکس لگتا تھا جو جنس کی شکل میں چکایا جاتا تھا اور اس کی شرح درآمد شدہ مال کے $\frac{1}{10}$ سے $\frac{2}{10}$ تک ہوتی تھی۔ اس درآمدی ٹیکس کے علاوہ جو مال کے چینی بندرگاہ میں داخل ہونے کے وقت وصول کیا جاتا تھا اس مال پر جہاز میں وزن کے حساب سے بھی محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ مجموعی طور پر اس تجارت کو چین کیلئے سودمند سمجھا جاتا تھا اور اس سے حکومت کو کوئی تشویش نہیں تھی۔ تاہم کچھ وقت گذرنے پر سامانِ آسائش کی تجارت میں کچھ بدعنوانیاں شروع ہو گئیں اور تجارت سے سکوں اور قیمتی دھاتوں کا غیر ممالک کو تیزی سے نکاس حکومت کیلئے گہری تشویش کا باعث بن گیا۔

بارہویں صدی میں ان خرابیوں کا پتہ چلا اور چینی حکومت کو اس کے لئے ایک قانون بنانا پڑا جس کے تحت قیمتی دھاتوں اور سکوں کی صورت میں رقومات کی برآمد کی ممانعت کردی گئی اور مابار (مالابار) اور گلم (ساحل کارومنڈل اور قیلان) کے ساتھ تجارت کی مقدار محدود کردی گئی۔

چینی حکومت کی جانب سے حوصلہ شکنی کے باوجود بھی ایسا لگتا ہے کہ چین اور جنوبی ہند کے مابین تجارتی تعلقات کم و بیش باقاعدگی سے تیرھویں صدی کے آخر تک قائم رہے۔ تامل بھاشا میں لکھا ہوا شاکا سمت ۱۰۱۰ (۱۰۸۸ء عیسوی) کا لابوتیوا (سماٹرا) کا کتبہ جس میں "تشئ آئرتائی نوردور کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس بات کا مظہر ہے کہ جنوبی ہند کے تاجروں کی بستیاں ہندوستان کے باہر موجود تھیں اور یہ عین ممکن ہے کہ ان تاجروں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں خلیج فارس اور بحیرۂ چین کی سبھی اہم منڈیوں میں رہی ہوں۔ چین کے ایک بندرگاہ کے شہر چوان چو کے ایک چینی مندر میں ہندو فن سنگتراشی کے کچھ نمونے ملے ہیں جو یقیناً جنوبی ہند کی طرز کے ہیں۔ یہ شہر فارموسا کے بالمقابل واقع ہے سنگتراشی کے ان نمونوں میں پرانوں کی کچھ کتھاؤں کے موضوعات پیش کئے گئے ہیں مثلاً گجیندر موکش، درختوں کے بیچ میں ایک اوکھلی کے ساتھ کرشن جی کو باندھ کر رکھنے وغیرہ کے واقعات۔ یہ مورتیاں بارہویں یا تیرھویں صدی عیسوی کی معلوم ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ چوان چو بندرگاہ کے شہر میں جنوبی ہند کے تاجروں کی ایک بستی آباد ہو چکی ہو جسے قرون وسطیٰ کے سیّاح زیٹن کہتے تھے۔

چاؤ۔ جو کوآ نے ہندوستانی مصنوعات کی جو فہرست دی ہے اُس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جنوبی ہند سے چین جو چیزیں درآمد کرتا تھا اُن میں تیرھویں صدی کے آغاز میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کوآ کہتا ہے کہ[76] دیسی (جنوبی ہند کی) تجارتی اشیا میں موتی، ہاتھی دانت، شفاف شیشہ، سپاری، الائچی، غیر شفاف شیشہ، رنگین ریشمی تاگوں یا جھالروں والا سوتی کپڑا اور سوت کی دوسری اشیاء شامل ہیں"۔ ایسی مصنّف کی تحریر کے مطابق چولا ریاست کے ٹیکس اور راہداریاں بے شمار تھیں اور بھاری بھی۔ اِس لئے تاجر شاذونادر ہی وہاں جاتے تھے۔ یہ تنقید دراصل چین کے درآمدی ٹیکسوں کے ساتھ اجتماعی موازنے پر مبنی ہے اور اس کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ کیونکہ جنوبی ہند کی ترقی پذیر غیر ملکی تجارت اور یہاں کی بندرگاہوں میں بدیشی بیوپاریوں کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کی موجودگی کے متعلق ہمارے پاس بہت سی دوسری شہادتیں موجود ہیں۔ ایسے تذکرے بھی موجود ہیں جن میں جنوبی ہند کے راجاؤں اور

منگول شہنشاہ قبلائی خاں کے درمیان سفارتی اور تجارتی وفود کے متعدد باہمی تبادلوں کا ذکر آیا ہے
تمام وفود سمندری راستوں سے آتے جاتے تھے۔ اور ان کی نوعیت نیم تجارتی اور نیم سفارتی تھی۔
لیکن چونکہ یہ وفود کلی طور پر پانڈیا عروج کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور چولا سلطنت سے ان کا
کوئی براہِ راست واسطہ نہیں تھا، اس لئے یہاں اُن کی تفصیل درج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں
ہے۔ اسی وجہ سے مارکو پولو کا تحریر کردہ مابار (مالابار) کا تذکرہ جو بذاتِ خود بہت دلچسپ اور
اہم ہے، چولا تاریخ کے مطالعہ میں محض سرسری توجہ کا مستحق ہے۔

ڈ ویلا کے بنجمن کا کہنا ہے کہ مچلم جزیرہ کش سے سترہ دنوں کا سفر تھا۔ لہٰذا مچلم یا توقیلان گا
یا ہندوستان کے مغربی ساحل پر قدرے شمالی کی طرف واقع کوئی دوسری بندرگاہ جو غالباً
چولا حکومت کے خلاف ہوگی۔ اس مقام کے باشندوں اُن کی حکومت اور ملک کے بارے میں
بنجمن لکھتا ہے؟؟ " یہ لوگ خُش کی نسل سے ہیں۔ جیوتش میں زیادہ یقین رکھتے ہیں اور بالکل سیاہ
فام ہیں۔ تجارت کے معاملات میں یہ قوم قابل اعتماد ہے اور جب بھی غیر ملکی سوداگران لوگوں کی
بندرگاہ میں داخل ہوتے ہیں، راجا کے تین سیکریٹری فوراً آنے والے جہاز پر آکر اُس کی مرمت
کرواتے ہیں۔ اُن کے نام نوٹ کرتے ہیں۔ اور اُس کی خبر راجہ کو کرتے ہیں۔ اُس پر راجہ اُن کی املاک کی
سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اور وہ اپنے مال کو بغیر کسی پہرے اور نگرانی کے کھلے کھیتوں میں بھی چھوڑ
کر جاسکتے ہیں۔ راجہ کے افسران میں سے ایک منڈی میں بیٹھتا ہے اور اس مال کو اپنی تحویل
میں لے لیتا ہے جو کہیں بھی ملا ہو۔ یہ مال ان درخواست کنندگان کو واپس کر دیتا ہے جو اُس کی
تفصیل اچھی طرح بتا سکیں" کاروبار کے اوقات کے متعلق بھی بنجمن کا کہنا ہے کہ "ایسٹر سے لیکر
نوروز کے آغاز تک (یعنی اپریل سے اکتوبر تک) تمام موسم گرما کے دوران میں شدّت کی گرمی
پڑتی ہے۔ دن کے تیسرے گھنٹے (یعنی صبح کے نو بجے) شام تک لوگ خود کو گھروں میں بند رکھتے ہیں
شام کے وقت ہی ہر شخص باہر آتا ہے۔ سڑکوں اور بازاروں میں روشنی کر دی جاتی ہے اور یہاں کے
باشندے رات بھر اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں۔ شدت کی گرمی کے باعث انہیں دن میں
کام کرنے کی ممانعت ہے۔

اپنی قومی زندگی کے اس اہم ترین پہلو، یعنی چولا سلطنت کی غیر ملکی تجارت کے متعلق اپنی
واقفیت اور معلومات کیلئے ہمیں کُلی طور پر عرب اور چینی ماخذ کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس
سے بہتر ہمارے ہندوستانی ماخذ کے نامکمل ہونے کا کوئی اور ثبوت نہیں ہے۔

بائیسواں باب

حاشیے

(1) 1910 کا 263

(2) 1895 کا 147

(3) 1896 کا 71

(4) 1919 کا 23-24 —— TAS-i صفحات 162 تا 164، 247 —— 248 نیز 1925 کے مجموعے کا 239

(5) 1897 کا نمبر 207

(6) عجائب گھر میں رکھی ہوئی اتّم چولا کی تختیاں

(7) 1898 کا نمبر 9

(8) 64-iii-SII

(9) 1911 کا 281

(10) 1915 کا 233

(11) 1907 کا 363

(12) 1908 کا 203

(13) 15-iii-SII، اے 2

(14) 1888 کا 47

(15) 1897 کا 71

(16) 1897 کا 189، اور 192

(17) 1902 کا 547 —— 1902 کا 550

(18) 1922 کا 505

(19) 1927 کا 28

(20) 1930 کا 120

(21) 1902 کا 601

(22) 1926 کا 131

(22-الف) -

مطبوعہ 1934 صفحات 614 تا 618

(23) 1916 کا 651

(24) 1907 کا 82

(25) EC-iv' Hg-17' SK. vii-118

(26) 1912 کا 342 — ایک اور "ایری-دیر-پٹنا" تھا، مُتگرا جو اسی نواح میں واقع تھا (1912 کا 321)

(27) 1912 کا 256 — کتبے کے جس حصّے میں ان مراعات کا اندراج کیا گیا ہے اس کی عبارت بہت ناقابلِ فہم ہے۔

(28) 1912 کا 521

(29) 1911 کا 512

(30) EI-vii صفحات 197-98

(31) ہڈسن کی تصنیف، صفحہ 265-

(32) SII-iii- عجائب گھر میں محفوظ اتم چولا کی تختیاں اور 1894 کے مجموعۂ کتبات میں سے کتبہ نمبر 171

(33) 1917 کے مجموعۂ کتبات میں سے کتبہ نمبر 343

(34) 1906 کا 82

(35) پریپے للگر کا "کرل" پر تبصرہ۔ صفحہ 756

(36) 1925 کا 105

(37) 1925 کا 187

(38) SII–ii– تمہید- صفحہ 17 —— 1921 کا کتبہ نمبر 255 — 1897 کا نمبر 8،
جس میں اناج کا نرخ درج ہے۔ 1906 کے کتبہ نمبر 147 میں یہ نرخ 1/8 کا شو (وزن) فی کاشو (سکہ)
بتایا گیا ہے۔ 1893 کے کتبہ نمبر 1 میں 1/8 انزیم فی کاشو ماہانہ کا نرخ دیا گیا ہے۔

(39) 1893 کا 75 — 1912 کا کتبہ نمبر 164، 169، 172، 179 — 1915 کا کتبہ
نمبر 176 — 1921 کا نمبر 216 — 1907 کے کتبہ نمبر 19 میں نرخ کے لیے تامل میں مروج
اصطلاح "دھرمپ پوشائی" درج ہے۔

(40) SII-iii-128-11، 36-37

(41) 1899 کا 16 — 1928 کے کتبہ نمبر 57 میں 40 کے بجائے دس 1/10 کا شو کا نرخ
دیا گیا ہے۔ نیز 1920 کے مجموعۂ کتبات میں سے نمبر 518 میں بھی۔

(42) 1925 کا کتبہ نمبر 203

(43) 1925 کا کتبہ نمبر 193 — 1910 کے کتبہ نمبر 281 میں بھی پچاس فیصدی کا نرخ
دیا گیا ہے۔

(44) 1912 کا 179

(45) 1903 کا 316

(46) 1897 کا 58

(47) 1928 کا 90

(48) عجائب گھر کی تختیاں ل-11، 28 تا 34

(49) 1920 کے کتبہ نمبر 506 میں 30 کلم فی سینکڑہ کی شرح کو "دھرمپ- پولشائی" مانا
گیا ہے۔

(50) 1923 کا 232

(51) SII–I–84، اور 1895 کا نمبر 67

(52) 1910 کا نمبر 273

(53) 1893 کا نمبر 54

(54) 1911 کا 512 (829-CP.، ix، EC)

(55) 1920 کا 577 — نیز 1922 کا 379

(55-الف) S II — iv نمبر 504 — v - نمبر 885 — vi - نمبر 59، 63 وغیرہ

(یہ حوالے دیشیکا دنائکم پلے نے مہیا کئے ہیں۔)

(56) 1905 کا 458

(57) 1894 کا 219 — 1911 کا 305 — 1922 کا 522 وغیرہ

(58) 1923 کا 137

(59) 1902 کا 486

(60) چاؤ - فو - کوآ Chou-Fu-Kua صفحات 7-8

(61) ایضاً - صفحہ 9 — حاشیہ نمبر 1

(62) فیرانڈ (Ferrand) کی تصنیف Voyage - صفحات 14-15

(63) چاؤ - فوکوا صفحہ 18

(64) جدید تہری (Tahiri) 27°38 درجے شمالی طول البلد۔

52°20 (52′ اعشاریہ 20) درجے مشرقی عرض البلد

(65) ولسن کی تصنیف The Persian Gulf - صفحہ 94

(66) فیرانڈ کی Voyage — صفحہ 138

(67) چاؤ - فو - کوا صفحہ 19

(68) چاؤ - فو - کوا صفحہ 101، حاشیہ 11

(69) صفحہ 96

(70) چاؤ - فو - کوا - صفحہ 100

(71) ولسن کی "دی پرشین گلف" - صفحہ 94

(72) آر - ایچ - میجر کی تصنیف India in the fifteenth Century

تمہید - صفحات xiv — I - نیز ولین کا حوالہ سابقہ - صفحات 98-99

(73) 1904 کا 556 - جنگی گھوڑوں کی غیر ممالک سے درآمد پہلے ہی کدمبا راجاؤں اور پلو حکمرانوں کے عہد میں شروع ہو چکی ہو گی۔ اس ضمن میں ہم آپ کو اس حوالے کی یاد دلادیں جو کاستھا ورمن کے تالگنڈ کے کتبے کے بارے میں "پلو آشو سمستھینا کلہن" میں آیا ہے

(EI - viii، صفحہ 32 سے 4'1) - نیز اس سلسلے میں کچھ قدیم مورتیوں کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ نیز دیکھیے "پٹنا پالائی" — 185'1-

(74) 1928 کا 196

(75) تونگ پاؤ (T'ung Pao) - XV - صفحہ 419

(75-الف) Ostasiatische Zeitschrift (مطبوعہ 1933)

صفحات 5 تا 11

(76) صفحہ 96

(77) آر ایچ مینجر - ایضاً

تیئسواں باب:

سکّے اور ناپ تول کے پیمانے

جنوبی ہندوستان کے فنِ سکہ سازی کی تاریخ میں نمایاں سنگ میل کی عدم موجودگی اور منقوش سکّوں کی بہت تھوڑی تعداد جو اب تک دریافت ہوئی ہے، جنوب کے فن سکّہ سازی کے سائینسی مطالعہ میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دستیاب شدہ کتبات کی افراط نے جنوبی ہند کی تاریخ کے مطالعے کو سکّہ شناسی کے دشوار اور غیر معتبر نتایج کا دست نگر نہیں ہونے دیا۔

اوزان کے دو مستند معیار

جنوبی ہند کے قدیم سکّوں سے اوزان کے دو نظام دریافت ہو سکے ہیں۔ "دکن کے طلائی سکّے "گدیانا" کا اوسط وزن 58 گرین ہے۔ ان میں بھاری سے بھاری گدیانا 1ء60 گرین تک وزنی ملا ہے"۔ تامل دیش میں یہ مستند یا معیاری اکائی تھی جو "گدیانا" یا "کلنجو" کہلاتی تھی[1] اگر راجہ اُتم چولا کے گم شدہ طلائی سکّے کا، جس کی تصویر ایلیٹ نے دی ہے[2]، وزن 50 سے 60 گرین تک صحیح درج ہے تو اس سکّے میں "گدیانا" کے معیار کو برقرار رکھا گیا ہوگا۔ یہ سکّہ دسویں صدی کے اواخر میں رائج رہا ہوگا۔ ایک معمولی سے محصول "کمار کچانم"[3] کا بہت بعد کے وقتوں تک برقرار رہنا اس بات کا ثبوت مانا جا سکتا ہے۔ لیکن چولا عہد میں زیادہ مروّج اسٹینڈرڈ کلنجو تھا جو 20 "منجاڈی" کا ہوتا تھا اور قواعد کے مطابق 72 گرین

وزن کے برابر تھا، لیکن بعض مرتبہ یہ 80 گرین تک بھی چلا جاتا تھا[4] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ سونے کے وزن کی اکائی تھی جس کا ذکر پرانتکا اوّل کے تیسویں سال حکومت کے ایک کتبے میں آیا ہے۔ اس کتبے میں کلنجو کو سنسکرت کے "نشک" کے مساوی بتایا گیا ہے[5]۔ چولوں کے سکے کب اس وزن کے معیار پر لایے گیے، اس کا صحیح صحیح تعین کرنا ممکن نہیں ہے۔

پون۔ماڈئی

ان متعدد کتبات کے پہلو بہ پہلو جن میں وزن کے حساب سے کی جانے والی ادائیگیوں کے لیے "کلنجو" کے استعمال کا ذکر ہے، بعض کتبے بھی ایسے ہیں جن میں "پون" کے استعمال کا ذکر کیا گیا ہے اور اسے کلنجو کا ہم قیمت بتایا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ "پون" پورے کلنجو کے وزن کا سکّے کی شکل میں ڈھلا ہوا سونا تھا[6]۔ یہ سکّہ "مدھرانتکا دیون ماڈئی" بھی کہلاتا تھا جو سونے کو پرکھنے کی غرض سے معیار کا[7] کام دیتا تھا اور اس پر اتنا ہی سود ملتا تھا جتنا کہ ایک طلائی کلنجو پر۔ اس سکّے کا ذکر راج راجا دیو کے اکتیسویں سال حکومت میں آیا ہے[8]۔ اور اگر یہ حکمراں راج راجا اوّل تھا، جیسا کہ قرین قیاس ہے تو اس سکّے کا اجراء اس کے پیش رو مدھرانتکا اتم چولا کے عہد حکومت کے دوران ہوا ہوگا۔

کاشو

ماڈئی سے ٹھیک نصف قیمت والا سکّہ "راج راجن کاشو"[9] تھا جو ایسا لگتا ہے کہ راج راجا اوّل نے جاری کیا تھا۔ لیکن اس وزن اور سونے کی خالص مقدار والا "کاشو" یقیناً راج راجا اوّل کے عہد سے بہت پہلے بھی رائج تھا۔ آدیتہ دوم کے چوتھے سال حکومت کے ایک کتبے میں[10] مذکور ہے کہ 20 کاشو 10 کلنجو کے برابر ہوتے تھے۔ یہ سکّہ راج راجا کے بعد بھی رائج رہا کیوں کہ بعد کے کچھ کتبوں میں بھی کاشو اور کلنجو کا وہی سابقہ رشتہ پھر سے نظر آجاتا ہے[11]۔ دراصل "گاڈی" اور "کاشو" جو چولا سلطنت کے مستند طلائی سکّے تھے، 1010ء سے قبل کے

عہد کے دونوں چولا راجاؤں نے جاری کئے تھے۔ کتبوں میں ان سکوّں کے مختلف اجرا میں امتیاز اس طرح کیا گیا ہے کہ متعلقہ سکّے کے نام سے پہلے حکمران کا نام جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح ہم کتبوں میں ایسے جملے دیکھتے ہیں جیسے راج راجا کا " ماڈئی "[12] راجندر شولن کا " ماڈئی "[13] یہ ایک ایسا جملہ ہے جس سے زیادہ اغلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ " مدھرانتکا دیون ماڈئی " راج راجا کے پیش رو نے جاری کیا تھا۔ نیز ایسے جملے ملتے ہیں جیسے " انٹراڈو ۔ نار کارشو " جس کے معنی ہیں " اچھا رایج کا شو " اور " پلن گا سو " (پرانا کا شو)[14] اور کئی مرتبہ " اترا ڈو (نر) پلن گا شو " جس کا مفہوم ہے رایج الوقت اچھا (پرانا) کا شو۔ جو بعد کے کتبوں میں مذکور ہے[15]

" مدھرانتکن ماڈئی " کلوتنگا اوّل کے زمانے میں ہنوز رایج تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس وقت یہ $9\frac{1}{2}$ " ماڑی " خالص سونے والے کلنجو یا $\frac{2}{3}$ کا شو کے برابر تھا[17]۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ سکّے کی اصل قیمت اور وزن کا یہ اعلیٰ معیار سبھی وقتوں میں ایک جیسا نہیں تھا۔ مختلف جگہوں میں، مختلف پر اس میں کس حد تک تبدیلی ہوئی، کتبات اس کے متعلق بہت کار آمد معلومات مہیا کرتے ہیں۔

1946ء میں ضلع مشرقی گوداوری کے گاؤں دھولیشورم میں اتفاقیہ سکوّں کا ایک عمدہ ذخیرہ برآمد ہوا جس میں 127 طلائی سکّے ہاتھ لگے۔ یہ قدیم طلائی سکوّں کا ایک اصلی مجموعہ ہے جو اور مقامات پر سنار کی کٹھالی کی نذر ہو کر معدوم ہو چکے ہیں۔ یہ سب سکّے خالص سونے کے ہیں۔ ان کی تپلی اور گول توے دار سطح کے بیچ میں " لانچن " منقوش ہے اور گول حاشئے کے ساتھ حروف کندہ ہیں۔ یہ سبھی چیزیں توے دار سکّے کے چہرے پر کندہ ہیں اور پشت خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ اس ذخیرے میں 49 سکّے راج راجا اوّل کے ہیں جو مشرقی چالوکیہ نسل کا راجا تھا (دیکھئے تختی پر 5ء اور 6ء) جس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان پر سال حکومت 33 ۔ 34 ۔ اور 35 درج ہے جو عیسوی سن 57-1055 کے مطابق ہے کیونکہ راج راجا کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنا جشن تاج پوشی 1022ء میں چولا راجہ راجندر اوّل کی مدد سے منایا تھا۔ باقی

ماندہ سکے دو مجموعوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں جن میں مختلف عبارتیں تامل گرنتھ رسم الخط میں منقوش ہیں۔ لیکن سکے کے ایک طرف کے پھیلاؤ کے عین وسط میں وہی "لانچن" ہے جو واضح طور پر چولوں کا نشان ہے ایک مجموعہ (ع1، ع2) پر کندہ عبارت یوں پڑھی جا سکتی ہے :۔

کم۔ گئی۔ کو۔ نڈا۔ چو۔ لن

ان پر سالہائے حکومت 28 سے 33 تک درج ہیں۔ یہ واضح ہے کہ سکے راجندر اوّل کے جاری کردہ ہیں اور ان پر کندہ سالہائے حکومت 1040ء سے 1045ء تک ہوتے ہیں۔ جہاں سال حکومت کندہ کیا گیا ہے۔ اس کے اوپر کچھ اور ہندسے بھی منقوش ہیں مثلاً 4000 اور 11 جن کی اہمیت کا کچھ پتہ نہیں۔ اسی طرح بیچ میں بھی "لانچن" کے بالکل نزدیک کچھ حروف کندہ ہیں جو ابھی تک تشنۂ تشریح ہیں۔ 46 سکوں پر مشتمل دوسرے مجموعہ پر یہ عبارت ملتی ہے۔

ما۔ لا (ئی) نا۔ ڈو۔ کو۔ نڈا۔ چو۔ لن

ان پر حکمران وقت کا سن حکومت 34 سے 36 تک درج ہے۔ ان سکوں کو بہ آسانی راج کیسری راجا دھیراج اوّل سے منسوب کیا جا سکتا ہے جسے اس کے والد شہنشاہ راجندر اوّل نے 1018ء میں ولی عہد سلطنت تسلیم کر لیا تھا۔ اور جو اپنے والد کے شریک کار کے طور پر 1044ء تک مشترکہ حکومت چلاتا رہا اور پھر مزید دس سال تک اس نے بطور خود مختار حکمران اس وقت تک فرمانروائی کی جب تک وہ کوپم کے میدان جنگ میں لڑتا ہوا مارا نہیں گیا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ راج راجا اوّل چالوکیہ کا عہد حکومت ایک پر مصائب دور تھا اور اس کو بہت موقعوں پر مغربی چالوکیوں اور وجے آدیتیہ ہفتم کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے چولا امداد کے لیے درخواست کرنا پڑی۔ راجا دھیراج نے کیرالا میں اپنے والد کی طرف سے جو جنگیں لڑیں انہیں کے فیض سے اس نے "ملئی ناڈو کونڈا" کا لقب کیا ہوگا۔ اور یہ لقب اسی غرض سے چنا گیا ہوگا کہ اس کے سکوں پر نقش کیا جائے تاکہ اس کے جاری کردہ سکے شہنشاہ راجندر کے جاری کردہ سکوں سے الگ پہچانے جا سکیں۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ سکے جو اپنی ساخت میں مشرقی چالوکیہ سکوں

سے بہت قریبی مشابہت رکھتے ہیں، صرف ریاست وینگی ہی میں رائج کرنے کی غرض سے ڈھالے گئے تھے یا ان کا استعمال اور زیادہ عام تھا۔

سکوں کا مقامی اجراء

کلوتنگا اوّل کے عہد حکومت سے لے کر بہت سی دوسری اقسام کے سکوں کا بھی ذکر کتبات میں نظر آنے لگتا ہے۔ اور یہ بلاشبہ ان مقامی حکمرانوں کے جاری کردہ تھے جو چولا سلطنت کے ماتحت جاگیردار تھے۔ ایسے کچھ جاری کردہ سکوں کی مثالیں یہ ہیں: "جیۂ ماڈا" جس کا ذکر شاکا سمت 998 کے چیبرولو کے کتبے میں ہے[18] "اتم گونڈ ماڈا" جو باپتلا کے[19] کتبے میں مذکور ہے۔ "چامر ماڈا" اور "بروا ماڈا" جو اسی مقام سے کچھ عرصہ بعد کے دستیاب شدہ کتبوں میں مذکور ہے[20]۔ "نکی ماڈا" جس کا ذکر کانچی پورم کے اس کتبے میں آیا ہے جو راجادھراج دوم کے چودہویں سال حکومت کا ہے[21]۔ اور جس میں گنگا منڈلم کے ایک جاگیردار کا عطیہ درج ہے۔ اس جاگیردار کا لقب بھج مل ورمن تھا۔ پھر "بھج مل ماڈئی" جس کا ذکر سب سے پہلے شاید کلوتنگا سوم کے تیسرے سال حکومت کے ایک کتبے میں آیا ہے جو نندلور سے ملا ہے[22] اسی سکے کا ذکر بعد کے کانچی پورم اور ترو پالئی ونم کے کتبوں میں بھی آیا ہے[23] "پلم پلّی ماڈئی" جو 1232ء کے ترو ملئی وائل کے کتبے میں مذکور ہے[24] اور "گنڈ گوپالن ماڈئی" جو معلوم ہوتا ہے کہ نیلور کے تیلگو چوڑا حکمرانوں نے جاری کیا تھا جو راج راجا سوم اور راجندر سوم کے ہم عصر تھے[25]

ایک ہی وقت اور ایک ہی مقام کے دو کتبوں کو چابکدستی سے استعمال کر کے ماڈئی "میں خالص سونے کی مقدار اندازاً $8\frac{3}{8}$ "ماتو" تھی[26] لیکن اس سے کلوتنگا کے عہد کے کتبے کے اس واضح بیان کی تردید ہوتی ہے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ البتہ یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ دونوں کتبوں میں دو الگ الگ "کاشوؤں" کا ذکر آیا ہو، ہر چند کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور خالص سونے کی مستند اور معیاری مقدار دونوں تذکروں میں ایک ہی سی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک کتبے میں مذکور "شیمبن" سکے میں خالص سونے کی اتنی ہی مقدار تھی جتنی کہ $9\frac{1}{2}$

"ماتو" وزن والے "مدھرانتکن ماڈلی" میں ہوتی تھی۔ کاڈرنگٹن مزید لکھتا ہے کہ "اب چولا سکّوں میں سے کوئی بھی اس معیار تک نہیں پہنچتا اور ایسا ممکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ "ماڈلی" حساب لگانے کی ایک ایسی اکائی تھی جس کی مالیت مذکورہ معیار کے سونے کے ایک "کلنجو" کے برابر تھی اور جس کا اس سکّے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا جس میں خالص سونے کی اصل مقدار بتدریج گھٹتی جارہی تھی۔ یہ نتیجہ درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ خالص سونے کی مقدار والا "کاشو" دراصل شاہی ٹکسال سے جاری ہی نہیں کیا گیا۔ اگر اس امر کو مدنظر رکھا جائے کہ معیاری اور مستند کاشو راجا دھیراج اوّل کے تینتیسویں سال حکومت 1053ء میں بھی ہنوز جاری[27] تھا اور کئی بار تو کتبوں میں اس سے گراں وزن کے کاشو کا بھی ذکر آیا ہے جو $\frac{3}{4}$ کلنجو اور تین منجاڈی وزن رکھتا تھا[28] جب کہ اس کے بمقابلہ ایک کم وزن والا یعنی سات منجاڈی کا کاشو بھی رائج رہا ہے[29] تو ہمیں سکّوں کی مختلف مالیت کی اکائیوں کی موجودگی کا صحیح سبب کہیں اور ڈھونڈنا ہوگا، جیسا کہ کاڈرنگٹن نے خود ہی کیا ہے۔ "ایسا ممکن نظر آتا ہے کہ سلطنت کے ہر صوبے نے اپنا الگ مقامی سکّہ برقرار رکھا تھا۔" اور مستند سکّے سے اس کا تناسب ہر موقع پر الگ حساب لگا کر متعیّن کیا جاتا تھا۔ "ماڈلی" کے اعلےٰ معیار کے خالص سونے والے بہت کم سکّے ہم تک پہنچے ہیں اور اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ کسی بھی قدیم سکّے کے جو سنار کی کٹھالی (پگھلانے) کے قابل تھا، بچ رہنے کی صدیوں تک کوئی گنجائش نہ تھی۔ اغلب ہے کہ دَھولیشورم کے سکّوں کے ذخیرے کا بھی خاصا بڑا حصّہ اسی طریقہ سے تلف ہوا ہو۔

مستند کاشو دراصل لنکا سے اخذ کیا گیا تھا جہاں سکّے ڈھالنے کا نظام چولا سلطنت کے مقابلہ میں کہیں قدیم تر اور باقاعدہ تھا۔ چولا سلطنت میں تو سکّے ڈالنے کی ابتدا نویں دسویں صدیوں میں ہوئی۔ "ایلک کاشو" ایلم یعنی لنکا کا کاشو تھا اور اس میں بھی خالص سونے کی مقدار "ماڈلی" کی مقدار کا نصف حصّہ یعنی نصف کلنجو ہوتی تھی[30]۔ اور یہ جزیرۂ لنکا میں کافی پہلے ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں رائج تھا[31]۔ پرانتکا کے مدورا کو تسخیر کرنے سے صدیوں پہلے لنکا اور مدورا کی

ریاست میں باہمی قریبی تعلقات موجود تھے اور اس سکے" کا چولوں کی کرنسی میں داخل ہونا یقیناً مدورا اور جزیرہ لنکا پر پرانتکا کے حملے کا ہی نتیجہ ہوگا۔[32] سکوں کے جو اصل نمونے ہمارے علم میں ہیں ان میں سے لنکا مارکہ اور روایتی چولا طرز کا سکہ" دونوں شروع ہی سے ساتھ ساتھ رائج تھے۔ لنکا مارکہ سکے" پر سیدھے رخ پر ایک اجڈ انسانی شبیہہ کھڑی حالت میں منقوش ہے اور الٹے رخ اسی انسانی شبیہہ کو بیٹھی ہوئی حالت میں دکھایا گیا ہے۔ روایتی چولا طرز کے سکے" پر شیر، مچھلی اور کمان کے شاہی نشان دیکھے جا سکتے ہیں۔ لنکا مارکہ سکہ" پانڈیا ریاست میں رائج کرنے کے لیے بہت موزوں تھا جہاں اس کا رواج بہت پہلے سے تھا۔ جو بھی صورت رہی ہو، اصل بات یہ تھی کہ لنکا کے مستند معیار کو اپنانا تھا اور یہ اقدام معلوم ہوتا ہے کہ راج راجا کے عہد حکومت سے بہت پہلے ہو گیا تھا۔[33]

کرن گاشو

" ماڈئی" " کاشو" اور مقامی اور غیر معتبر معیار کے دیگر کچھ سکوں کے علاوہ کتبوں میں "کرن گاشو" یا "ایل کرن گاشو" یعنی لنکا کے "سیاہ کاشو" کا بھی ذکر آتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس سکے" کی اصل و ابتدا بھی لنکا کی ہے جہاں "گریانا" کے ایک ہم وزن چاندی کے سکہ" "نیل کہاپنا" کا بہت پرانے وقتوں سے چلن تھا۔ چولوں کے وقت کے کچھ کھوٹے چاندی کے سکے"، خواہ وہ پورے وزن کے تھے یا نصف وزن کے اسی سلسلے سے منسوب کیے جا سکتے ہیں۔[36] چولوں کے جاری کردہ تانبے کے سکوں کی جو کلنجو کی بجائے "گدیانا" کے معیار کے مطابق تھے، شبیہیں ایلیٹ اور دوسرے مصنفین نے اپنے تذکروں میں پیش کی ہیں۔ ضلع مدورا سے دستیاب شدہ پرانتکا اوّل کے تینتیسویں سال حکومت کے برابر ہوتا تھا۔ یہی بات راجہ آدیتہ دوم کے ایک کتبے میں دوہرائی گئی ہے۔[38] لیکن دوسری اکائی کے ساتھ اس کا رشتہ نہیں بتایا گیا۔ تاہم راج راجا کے دنوں میں "اکم" یقینی طور پر کاشو کا $\frac{1}{12}$ حصہ مانا جاتا تھا۔[39] لہٰذا یہ کلنجو کا $\frac{1}{14}$ حصہ تھا۔ یہ واضح ہے کہ پرانتکا اور راج راجا کے مدورا اور تنجور کے کتبوں میں

"اکم" کی اصطلاح باہم مختلف قیمت کے سکّوں کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ کیونکہ کتبوں سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ پرانتکا کے عہد کا "ایلک کاشو" اور راج راجا کے عہد کا "کاشو" ہم مالیت سکّے تھے اور ان میں خالص سونے کی مقدار اور ان کی قیمت برابر تھی۔[40]

چولا سکّوں کا پھیلاؤ

راج راجا اوّل کی فتوحات کے نتیجے میں چولا سلطنت کی توسیع ہوئی تو چولوں کا سکّے کا نظام بھی پوری سلطنت میں پھیلا دیا گیا اور اس کے باجگزار صوبوں میں بھی۔ جیسے نیا سکّہ وینگی کی ریاست نے 1000ء میں اپنایا۔[41] "راج راجا کے سکّے" کا وزن اس کی سلطنت کے باہر بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مغربی چالوکیہ جگدیک ملاّ کے اور گوآ کے کادمبا خاندان کے راجاؤں کے جاری کردہ سونے کے سکّوں میں[42] "گدیانا" کے بجائے "آڈوُلم گڈیانا" جو گیارہویں صدی میں کونگالوا راجاؤں[43] کا سکّہ تھا؛ غالباً چولوں کے اصلاح شدہ طلائی سکّے کا نام تھا۔[44] دوسری جانب بعض مرتبہ دوسرے علاقوں کے انواع واقسام کے مقامی سکّے چولا سلطنت کے اندرونی علاقے تک پھیلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ 1049ء کے لگ بھگ ایک مشرقی چالوکیہ راجا نے ترووئیارو کے مندر کو 300 "راج راجا ماڈا" کی رقم بھینٹ چڑھائی جو "گڈی نائیکل" کے مطابق $337\frac{1}{2}$ کلنجو کے برابر ہوتی ہے۔[45]

سونے اور چاندی کا باہمی تناسب

ضلع چنگلی پٹ میں واقع کلوتنگا اوّل کے دسویں سال حکومت کے ایک کتبے میں مستند کاشو اور خالص چاندی کا باہمی تناسب بتاتے ہوئے 433 کلنجو چاندی کو ایک سو طلائی کاشو کا ہم قیمت ٹھہرایا گیا ہے۔ جس کے حساب سے مستند خالص سونے کی $9\frac{1}{2}$ "ماتو" مقدار والا ایک کلنجو 8.66 کلنجو چاندی کے برابر ہوتا ہے۔[46] سونے کے کاشو کی ایسی مختلف قسموں کا ہم ذکر کر چکے ہیں جن میں سونے کی

مقدار قدرے بیش وکم بھی ہوتی رہی ہے۔ کاشو میں خالص سونے کی جتنی مقدار ہوتی تھی وہ بعض کتبوں میں صاف طور پر بیان کر دی گئی ہے اور یہ ممکن ہے کہ ان بیانات میں ہونے کے کھرے پن کا معیار "ماڈی" والا معیار ٹھہرایا گیا ہو۔ تاہم یہ کچھ مثالوں میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لگ بھگ 1063ء کے ضلع شمالی ارکاٹ کے کتبوں میں کاشو کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں جن میں کھرے سونے کی مقدار بالترتیب 356، 8 "منجاڈی" اور 7 "منجاڈی" ہوتی تھی۔[47] 1077ء کے تر وور ڈیور کے کتبے میں 6 منجاڈی سے کچھ زیادہ وزن کے کاشو کا ذکر کیا گیا ہے۔[48] تر وواڈ توڑائی کے 1111ء کے کتبے میں 813، 6 منجاڈی وزن کے کاشو کا ذکر کیا گیا ہے[49] اور 1122ء کے تروداور کے کتبے میں پورے ½6 منجاڈی وزن کے کاشو کا۔[50] ضلع تنجور کا ایک اور کتبہ جو 1133ء کا ہے، کلنجو کے ¾ وزن والے کاشو کا ذکر کرتا ہے۔[51] گویا یہ وہ سکہ تھا جس میں "گدیانا" کے معیار والے پرانے "ماڈی" کا وزن برقرار رکھا گیا تھا۔ بہت دنوں بعد یعنی 1152ء کے آننگڈی کے ایک کتبے میں کلنجو کے ایک تہائی وزن کے سونے کے کاشو کا ذکر ملتا ہے۔[51الف]

کھوٹ

مذکورہ بالا سکے جن میں خالص سونے کی مقدار اچھی خاصی تھی، جاری شدہ سکوں میں سے بچی ہوئی چند محدود امتیازی مثالیں ہیں کیوں کہ چولوں کی کرنسی کی تاریخ سونے کے بتدریج گھٹتے ہوئے معیار و مقدار کی مظہر ہے۔ راج راجا اوّل کے جاری کردہ سکے لنکا کے نمونے پر کھرے سونے کے ہیں لیکن بعد کے راجاؤں کے سکوں کے نمونے خصوصاً راجا دھیراج اوّل کے عہد سے لے کر آگے تک بہت کھوٹے سونے کے سکے ہیں بلکہ یہ صرف چاندی کے ہیں اور ان پر سونے کا ملمّع کر دیا گیا ہے۔[52]

نیا کاشو

کلوتنگا سوم کے زمانے سے کاشو کی اصطلاح کا استعمال کم قیمت کے ایک تانبے کے سکے کے لیے ہونے لگتا ہے۔ اس میں دھات کی مقدار بھی مختلف مقامات

پر مختلف رہی ہوگی۔ یا یہ بھی بہت ممکن ہے کہ اس سکّے کے ہر نئے اجرا میں یہ مقدار بدلتی رہی ہو۔ اس عہد میں دو سے تین "پلنگا شو" کی رقم ایک چراغ کا عطیہ دینے کے لیے بہت کافی ہوتی تھی۔[53] مندر میں پوجا کے دوران ایک چراغ جلائے رکھنے کا خرچہ گیارہ سَو کا شو رائج الوقت ہوتا تھا۔ اور مستقل چراغ کے لیے 9000 نو ہزار کاشو ایک اور مثال میں دو سو نئے کاشو ایک چراغ کے اخراجات کے لیے کافی ثابت ہوئے۔ راجندر سوم کے بیسویں سال کا ایک کتبہ مظہر ہے کہ اس وقت سونے کا ایک کلنجو $411\frac{7}{13}$ کاشو (تانبے کے) کے برابر ہوتا تھا۔[56] ضلع سلیم کے ایک مقام آرگا لور میں واقع تیرہویں صدی کے ایک پانڈیا کتبے میں درج ہے کہ ایک سَو "شولیا کاشو" کا ایک "فنم" ہوتا تھا۔ جنوبی ہند کے شہروں کے بازاروں میں اب بھی تانبے کے ایسے سکّے مل جاتے ہیں جن پر راج راجا کا لفظ کندہ ملتا ہے اور بلاشبہ یہ وہی بعد کے زمانے کے چولا کتبات میں مذکور تانبے کے کاشو ہیں۔ کاڈرنگٹن آخری چولا شہنشاہوں کے سکّوں کے متعلق یہ کہتا ہے۔[58] کہ ان کی ساخت راج راجا اوّل کے سکّوں کی ایسی ہے لیکن ان پر دی ہوئی انسانی شبیہہ زیادہ گھٹیا ہے اور ان پر عبارت بھی بڑے بے ہنگم طریقے سے نقش کی گئی ہے۔ کہیں کہیں "راج راجا" کا "جا" الٹا کھدا ہے۔ سانچے کے بتدریج گھسنے یا بگڑنے کے مختلف مراحل صاف دکھائی دیتے ہیں اور غالباً بعد کے متعدد راجاؤں نے انہی پرانے سانچوں سے سکّے ڈھلوائے۔ یہاں تک کہ پرانے سانچے میں حکمران کا نام تک نہیں بدلا گیا۔ زیادہ اچھے ڈھلے ہوئے اور ہمارے خیال میں پرانے نمونے کے سکّے کا ایک رخ خالی، چپٹا اور ہموار تھا اور خالی رخ کی چوڑائی اعشاریہ 76 انچ تھی۔ اس کا وزن 63 گرین تھا۔ یہ شاید نیا کاشو تھا یا اس کا جوڑ۔

ترمم:

کتبوں میں اکثر بے گانہ "ترمم" کا بھی ذکر آیا تھا یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ کوئی سکّہ تھا یا محض حساب لگانے کی چھوٹی اکائی۔ کانچی پورم میں 2076 میں "چھ ترمم" سے ایک کاشو بنتا تھا جب۔ اس سے کوئی 40 برس سے بھی زیادہ

عرصہ بعد ضلع رام نڈ میں ایک کاشو سات ترمم کے برابر تھا۔[60]

وزن کے متعدد نظام

ہرچند کہ ملک کے مستند طلائی "سکے" کا وزن اور اس میں کھرے سونے کی مقدار بڑی حد تک معین تھے، وزن کرنے اور کسوٹی پر جانچنے پرکھنے کے کئی طریق کار موجود تھے۔ ہم ان کی طویل اور سیر حاصل تفصیل بیان کرنے کے لیے یہاں رکے بغیر صرف ایسی چند مثالیں دینے پر اکتفا کریں گے جن سے اس ضمن میں اس وقت کے عام حالات پر روشنی ڈالی جا سکے۔ آدیتہ اوّل کے ایک کتبے میں "وڑگوکل" کا ذکر آیا ہے۔ یہ طریقہ ترچناپلی کے علاقے میں کمار وائلور میں سونا تولنے کے لیے استعمال کیا[60 الف] جاتا تھا اور کتبے میں اس کے ذکر سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ حکمران خاندانوں کے بدل جانے کے باوجود ناپ تول کے سابقہ پیمانے عام طور پر رائج رہتے تھے۔ راج راجا کے تنجور کے کتبے میں وزن کرنے کی دو مختلف اکائیوں کا استعمال مذکور رہے۔ ایک اکائی "آڈولان" تھی جو سونے کا وزن کرنے میں استعمال ہوتی تھی۔ دوسری "دکشنامیرو وٹنکن" تھی جو جواہرات تولنے میں کام آتی تھی۔ تنجور کے باہر "وہ پتھر اب بھی دیکھا جا سکتا ہے جو ترووارور میں "راج راجن کا شو" کا وزن کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا[61] اور ترومل واڈی میں "وائیگتار کل"[62] اور تروچیند ورائی[63] اور ریلوور[64] میں "وڑیل وڑگا کل" اور تاڈی ملنگی میں "کیمپونا گرشونٹری" کے طریقے رائج تھے۔[65] یا ترووریمبور کے شری کنٹھا چتر ویدی منگلم گاؤں میں صرف جو پتھر استعمال کیا جاتا[66] تھا۔ ان مختلف اکائیوں کے ٹھیک ٹھیک وزن کا تعین آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان سبھی اکائیوں میں کلنجو کا استعمال ہوتا تھا اور یہ کلنجو حسب دستور 20 منجاڈی کا ہوتا تھا اور ایک منجاڈی دو "کنٹری" کے برابر ہوتا تھا۔

سونے کے کھرے ہونے کا معیار

اسی طرح سونے کے کھرے ہونے کا بیان بھی مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے۔ "ماڈی" اور شیمبن (لال سونا) کے کھرے ہونے کا معیار پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔ ان میں لال سونے

کی اصطلاح اس سونے کے لیے مستعمل ہوتی تھی جو کچھ مقررہ ترکیبوں سے صاف کیا جاتا تھا۔[67] غالباً اسی کو "تلئی پون" یا "تلئی نڑئی پون" کہتے تھے۔ بعض مرتبہ سونے کے کھرے ہونے کی وضاحت لمس کے حساب سے کی جاتی تھی مثلاً "کاشونڑئی کل"[68] کے حساب سے ۹ "ماتو" سونے کے خالص ہونے کا بیان چولا عہد کے پہلے کتبات میں کچھ اور الفاظ میں بھی کیا جاتا تھا مثلاً "پلنگا شو" کے معیار کا سونا یا شاہی خزانے (نال چپائی) کے مقرر کردہ معیار کا حاصل سونا وغیرہ۔[69] اس طرح مختلف مقامات اور علاقوں میں رائج سونے کے سکّے کی اصل اکائیوں میں کوئی یکسانیت نہیں تھی اور نہ مختلف علاقوں میں مقامی لین دین کو ضابطہ بند کرنے کے لیے ان کے مستند وزن اور کھرے ہونے کے معیار میں کوئی باہمی مطابقت تھی۔ لہٰذا اس صورتحال میں ان "سوناکیٹیوں" کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے جو سونے کی جانچ پرکھ کے لیے مختلف دیہات کی اسمبلیوں نے قایم کر رکھی تھیں۔

دوسری ترکیبیں

مختلف علاقوں میں زمین، سیال اشیا، اور اناج کے ناپ تول کے نظام میں بھی ایسی ہی گوناگونی دکھائی دیتی ہے۔ زمین ناپنے کی اکائی "نلم" یا "ویلی" تھی جسے انبل کی تختیوں میں واڈِلکا کہا گیا ہے[70] جسے نصف، چوتھائی، $\frac{1}{8}$ $\frac{1}{20}$ $\frac{1}{80}$ اور $\frac{1}{320}$ حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ایک دوسرا سلسلہ (پہلی کیل) اس بنیادی سلسلے کے $\frac{1}{320}$ کا ہوتا تھا۔[71] اور پھر اس کا $\frac{1}{320}$ (دوسری کیل) تیسرا سلسلہ بناتا تھا۔ ایک تیسری کیل کا سلسلہ ($\frac{1}{320}$) بھی کبھی کبھی استعمال ہوتا تھا۔[72]

اتنی باریکی اور صحت کے ساتھ اراضی کی پیمائش کیسے کر لی جاتی تھی، اس کا علم ہم کو نہیں ہو سکا لیکن "ویلی" کے ذریعے زمین ناپنے کا طریقہ جو چولا ریاست کا قدیمی طریقہ تھا، چولا سامراج کی توسیع کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند کے دوسرے صوبوں میں بھی پھیل گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقتدار کے ختم ہوتے ہی یہ معدوم ہو گیا۔ مثال کے طور پر پانڈیا ریاست میں موجود چولا کتبوں میں اس نظام

کے استعمال کا ذکر ہے، حالانکہ یہ نظام وہاں نہ تو چولوں سے پہلے پایا جاتا تھا اور نہ ان کے بعد برقرار رہا۔ باوجود اس کے کہ تنجور اور دوسرے مقامات کے کتبوں میں "ویلی" کے چھوٹے سے چھوٹے حصے بنانے میں بڑی احتیاط اور باریک بینی سے کام لیا گیا ہے خود "ویلی" کا صحیح رقبہ غیر معین رہا ہے۔ زمین ناپنے والے ڈنڈے (کول) کی لمبائی کا اندازہ تو کتبات میں مذکور کچھ ایسے جملوں سے لگایا جاسکتا ہے جیسے کہ 16 بالشت کا "کول"[73] گنڈیگائی کلتو کول[74] "شری پادکول"[75] مالگئی کول"[76] وغیرہ۔ "کلی" کا رقبہ پیمائشی ڈنڈے کی لمبائی کے ساتھ نہ صرف بدل جاتا تھا بلکہ ایک "ما" یا ایک "شیرو" کتنے "کلی" سے بنے گا، اس کی تعداد بھی جگہ جگہ مختلف تھی[77]۔ "ما" یا "شیرو" ایک ویلی" کا بیسواں حصہ ہوتا تھا۔ جنوبی ارکاٹ کے مقام کیلور میں ایک "ما" 256 کلی کا ہوتا تھا جب کہ پیمائشی ڈنڈا راجندر اوّل کے چھٹے سال حکومت میں 16 بالشت[78] کا تھا۔ اسی سال ضلع تنجور کے تروواڈتورئی میں "مالگئی کول" کے پیمائشی دستور سے ایک "ما" ایک سو "کلی" کا ہوتا تھا[79]۔ لگ بھگ بارہ سال بعد تروواماتور میں جو کیلور سے زیادہ دور نہیں 16 بالشتوں والے پیمائشی ڈنڈے سے ایک "ما" دو سو "کلی" کا شمار کیا[80] جاتا تھا۔ لہٰذا سکے کی طرح اراضی کی پیمائش میں بھی مرکزی حکومت کی طرف سے ایک مستند معیار قایم کرنے کا رجحان مقامی اکائیوں کے استعمال سے چمٹے رہنے کی کوشش کے پہلو بہ پہلو موجود تھا۔ " مالگئی کول" (راج محل کا پیمائشی ڈنڈا) ایک سو کلی والا "ما" جیسی اصطلاحات اور "ویلی" نامی اکائی کا خاص چولا ریاست کے باہر بھی استعمال میں لایا جاتا، اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ مختلف صوبوں پر ایک یکساں نظام پیمائش نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تھی ضلع تنجور میں تروو النگاڈ کے مندر میں اراضی کے مستند کول یا پیمائشی ڈنڈے کی لمبائی ایک پتھر کی دیوار اور گوپدم " دونوں پر منقوش ہے اور یہ اس "کول" کے مطابق ہے۔ جو تنجور کے مندر کی دیوار پر کندہ ہے[81]۔

لیکن مستند ناپ کے پیمانے رائج کرنے کی کوششوں میں کتنی کم کامیابی ہوئی یہ ان پیمانوں کے انتشار سے ظاہر ہوتا ہے جو مستند معیار کے متعلق بعد کے

چولا کتبوں میں درج ہیں۔ 1072ء میں تردورلور میں "ویلی" 16 بالشت والے پیمائشی ڈنڈے کے حساب سے دو ہزار کلیوں پر مشتمل تھی[82] جب کہ 1204ء میں اترمیرور میں ایک "ویلی" $6\frac{1}{2}$ "پاڈگم" کے برابر مانی جاتی تھی[83] تروکڈا ئیور میں 1097ء، 138 کلی کا ایک "ما" 128 "کلی" کے برابر[85] تھا۔ اور اس سے اگلے ہی سال اسی سبھا نے ایک اور پیمانہ استعمال کیا جس کے حساب سے "ما" ایک سو کلی کے برابر مانا گیا۔[86] پھر 1138ء میں ضلع جنوبی ارکاٹ میں 512 کلی کا "ما" شمار کیا گیا اور اس کا حساب لگانے میں پیمائشی ڈنڈے کی لمبائی 14 بالشت مانی گئی۔[87] اور "ما" کے اتنے ہی "کلی" منیور ضلع تنجور کے 1220ء کے ایک کتبے میں مذکور ہیں اگرچہ یہاں پیمائشی ڈنڈے کی لمبائی معین نہیں کی گئی۔[88] راج راجا دوم کے عہد میں اسی ضلع کے ایک اور مقام ولنور میں 513 کلی کا "ما" دیکھنے میں آتا ہے۔[89] یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ ایک اکائی کو دوسری اکائی میں بدلنے کے لیے شاید ہی کہیں اس طرح کا حساب ملتا ہے جیسے کہ تروواڈ توری کی سبھا کے بعض کتبات میں درج پایا گیا ہے۔ اس میں سبھا کے پیمانے کے مطابق ناپے ہوئے $4\frac{1}{2}$ "ما" کو سرکاری سروے کے 6 "ما" کے برابر بتایا گیا ہے اور سبھا کے پیمائش کردہ 6 "ما" اور ایک "کانی" رقبے کو سرکاری عام بندوبست کے 8 "ما" کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ اسی بندوبست میں 100 "ما" کو "کلی" کے برابر تسلیم کیا گیا ہے۔[90]

سیال اشیا، اور غلے کے ناپ تول کے لیے جو پیمانے مختلف مقامات پر زیر استعمال تھے ان میں بھی عدم یکسانی عام تھی اور کتبوں میں طرح طرح کے "نالیوں" اور "مرکال" کا ذکر ملتا ہے۔ تنجور کے کتبوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ راج راجا اوّل کے عہد میں راجدھانی ہی میں نہیں بلکہ شاید پوری سلطنت میں حساب کتاب کے لیے "آڈولان" مستند پیمانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہ "راج کیسری" کے برابر تھا۔ ممکن ہے کہ اسی پیمانے کا ذکر شہنشاہ راجندر اور راجا دھیراج کے زمانے میں "ارمولی دیلون" کے نام سے آیا ہو۔[91] اگرچہ اس کا نام "راج کیسری" بھی مسلسل زیر استعمال رہا۔[92] مستند پیمانے "راج کیسری" اور "دیدی دڈنگن" نامی ایک اور پیمانے کے مابین فرق کو راج راجا اوّل کے چھبیسویں برس کے ایک کتبے میں نمایاں

کیا گیا ہے۔ جو تر دو اما لتو ر میں ملا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ راج کیسری کی بجائے جب "دیدی وڈنگن" کے پیمانے سے دھان کو تولا جائے تو کچھ فاضل بچ رہتا تھا۔[93] "کو ولم" یعنی "کوو لانگ" اور "کچی پیڈ ونشراِن" کچھ دوسرے پیمانے تھے جو چنگل پٹ میں استعمال ہوتے تھے۔[94] ایسا لگتا ہے کہ سیال چیزوں اور غلے کے ناپ تول کے یکساں اور مستند پیمانوں کو رائج کرنے کی سعی میں دوسرے پیمانوں کے مقابلہ میں زیادہ کامیابی ہوئی۔ کچھ بھی ہو راج راجا اوّل کے عہد کے بعد کے کتبوں میں اراضی کے ناپ تول سونے کے تول کے پیمانوں کے مقابلے میں ان پیمانوں کی بہت کم قسمیں درج ملتی ہیں۔

آڈو

یہ ایک انوکھی بات ہے کہ قیمت واضح کرنے کے لیے "آڈو" (جس کے لفظی معنی بھیڑ ہیں۔) ایک مستند اکائی تھا جو اتنی رقم کے برابر تھا جس پر سالانہ ایک کنستر گھی بطور سود حاصل ہو سکے۔ مہاراجہ راجندر اول کے سولہویں سال حکومت میں 25 کاشو مالیت میں ایسے $22\frac{1}{2}$ "آڈو" کے برابر ہوتے تھے[95] جن سے سال بھر میں اتنے ہی کنستر گھی حاصل ہو سکتا تھا۔ کسری آڈو جو کتبوں میں مذکور ہے[96] تبھی سمجھ میں آسکتا ہے جب اسے کسی رقم کا ٹکڑا مانا جائے نہ کہ جاندار مویشی کا۔

سال

سال عام طور پر 360 دنوں کا شمار ہوتا تھا، لیکن ایسی مثالیں بھی سامنے آتی ہیں جن میں 365 دنوں کے حساب سے سال کا شمار کیا جاتا تھا۔[97] یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہندوؤں کی علم سیّار گان کی تصانیف "سوریہ سدّھانت" اور "سدّھانت شرومنی" میں دوسری باتوں کے علاوہ سال کا حساب جوڑنے کے مذکورہ دونوں طریقے درج ہیں اور دونوں طرح سے حساب جوڑنے کے مخصوص مقاصد بھی بیان کیے گئے ہیں تاہم چولا کتبات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی مقاصد کے لیے دونوں طریقوں سے حساب لگایا گیا ہے، مثال کے طور پر چراغوں کا خرچ چلانے کی غرض سے گھی کی مقدار

دونوں طریقوں سے متعیّن کی گئی ہے۔

کتبوں میں دیئے گئے ناپ تول کے بنیادی پیمانے

(1) سیاّل اشیاء اور غلّے کے پیمانے

2 شیوڑو	=	1 پڑی
5 شیوڑو	=	1 آلاکو
2 آلاکو	=	1 الکوّ
2 الکو	=	1 اری
2 اری	=	1 نالی
8 نالی	=	1 کڑونی
2 کڑونی	=	1 پدکوّ
2 پدکوّ	=	1 تونی
3 تونی	=	1 کلم

(2) سونے کے اَوزان

1 منجاڈی = 2 کنڑی = 10 "ما" = 40 کانی = 20 منجاڈی

1 کلنجو (تقریباً 68 تا 72 گرین سونا)

نوٹ:

"ما" اور "کانی" کے پیمانوں کا جب اراضی کی پیمائش کے ضمن میں ذکر کیا جائے تو یہ بالترتیب $\frac{1}{20}$ اور $\frac{1}{80}$ ویلی اراضی کی اکائیوں کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہلتش نے یہ اندازہ لگایا ہے (دیکھئے سیریز 2 - ii۔ صفحہ 65 کا ذیلی حاشیہ) کہ شروع میں "ما" اور "کانی" یہاں بھی وہی جزوی قیمت رکھتے تھے اور یہ 2 منجاڈی یا $\frac{1}{10}$ کلنجو کی اکائی کے حصّے ہوتے تھے جو سکّے "فنم" کہلاتے تھے

وہ عموماً وزن میں مستند کلنجو کا دسواں حصہ ہوتے تھے اور "پن توکم" ہمیشہ کلنجو کا دسواں حصہ ہی رہا ہے۔ 1927ء کے 273 (وک۔ 5۔ شیوپورم) میں "ما" کا شو کے $\frac{1}{20}$ کے برابر بتایا گیا ہے۔

(3) طول و عرض ناپنے کے پیمانے جو بُت تراشی میں استعمال ہوتے تھے

8 توری (یعنی دھان کی بالی)	=	1	درل (انگلی)
12 درل	=	1	شان (بالشت)
2 شان	=	1	ملم (ایک ہاتھ)

حاشیے

(1) کاڈرنگٹن کی تصنیف ۔ صفحات 6 ۔ 7

(2) CSI ۔ نمبر 151

(3) TAS - i = صفحہ 165 — 1915 کا 182

(4) کاڈرنگٹن ۔ صفحات 3 ، 7

(5) S II - iii - 104 ۔ نیز 1912 کا 181

(6) 1888 کا 49 — 1893 کا 54 وغیرہ ۔ اس کے خلاف دیکھیے کاڈرنگٹن جس نے کہا ہے کہ "قرون وسطیٰ کا ابتدائی "پون" دراصل سونے کا کلنجو ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کا کوئی "سکہ" ہونا ضروری نہیں" (ص ۔ 52)

(7) 1912 کا 140 — 22 ، II ، 1913-ARE

(8) 1915 کا 252

(9) 1912 کا 141 ۔ جس کا ذکر 1925 کے نمبر 484 میں بھی آتا ہے ۔
بابت 1054ء

(10) 1923 کا 241

(11) 1925 کا 203 — 1923 کا 228

(12) 1925 کا 104 — 1919 کے نمبر 671 میں یہ "ماڈی" سونے کے کھرے پن کے معیار کو جانچنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے ۔

(13) 1925 کا 203

(14) 1916 کا 629 ۔ اور 1925 کا 484

(15) 1926 کا 71 ۔ 1901 کا 217 — 1929 کا 329

(16) 1893 کا 17 ۔ 1911 کا 180 — 27 ، II ، 37-1936-ARE

(17) 1928 کا 90

(18) 1897 کا 151

(19) 1897 کا 236

(20) 1897 کا 210 ___ 1897 کا 176

(21) 1893 کا 48

(22) 1907 کا 586

(23) 1919 کا 360 ___ 1929 کا 311 ___ ARE. 1929'II'28

(24) 1904 کا 674

(25) 1921 کا 266، نیز دیگر متعدد کتبے

(26) حوالۂ سابقہ صفحہ 86

(27) 1923 کا 228

(28) 1925 کا نمبر 105 - نیز قدرے کم قیمت والے کاشو کے لیے۔
1904 کا نمبر 571 - یہ دونوں راج راجا اوّل کے زمانے کے تھے۔

(29) 1890 کا 5

(30) 1895 کے نمبر 25، 156 ___ اور 1915 کا 252 - تامل میں لفظ "ایلم" سونے کے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا اور "دو اکرم" میں بھی انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے لیکن میں نے اس سے قبل کہیں اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی اس حقیقت سے اخذ کیے گیے ہوں کہ "ایلک کاشو" ایک سونے کا سکہ" تھا؟

(31) 1904 کا 435

(32) کاڈرنگٹن - صفحہ 73

(33) اس کے برعکس دیکھیے کاڈرنگٹن صفحہ 84 - یہ بات غالباً نوٹ کرنے کی ہے کہ راج راجا کے عہد کا نام نہاد لنکیشور مارکہ سکہ" دراصل چولا سکہ" نہیں ہے (دیسکا چاری کی تصنیف - صفحہ 183) لیکن غالباً لنکا کی کہا دلو سیریز سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کے اوپر کندہ شدہ عبارت اب اس طرح پڑھی جا سکتی ہے "سری لنکا وبھو"۔ کاڈرنگٹن حوالۂ سابقہ، صفحہ 54۔ بدقسمتی سے دیسکا چاری نے اس قسم کے سکے" کا نمونہ اور وزن نہیں دیا۔ تانبے کے "کودنڈراما" سکے" (دیسکا چاری۔

صفحہ 66) بھی واضح طور پر پانڈیا عہد کے ہیں نہ کہ چولا عہد کے

(34) SII - iii - 120، - 1907 کا نمبر 242 - 1923 کے نمبر 238 اور 266

(35) کاڈرنگٹن۔ صفحات 13، 14

(36) ایلیٹ کا سکہ نمبر 152 پورے وزن کا ہے۔ اسی طرح ہلتش کا نمبر 26، نمبر 27 جس کا ذکر اس نے IA - 1896 میں صفحہ 221 پر کیا ہے، اپنے نام "چول نارائن" کی وجہ سے اب راج راجا سے منسوب کیا جاسکتا ہے کیوں کہ میسور کے کتبوں میں راج راجا کو بھی چول نارائن کا نام دیا گیا ہے۔ صفحہ 317 - IA - 1896 پر مذکور ایک سکہ نصف وزن کا ہے، یعنی 30 گرام کا۔ اسی جگہ ایک اور سکہ کا ذکر ہے جو $51\frac{1}{2}$ گرام کا ہے اور جو ایلیٹ کے نمبر 153 کے قریب ہے جس کا وزن $52\frac{1}{2}$ گرام ہے۔

(37) SII - iii - 102 — اس کاشو کا ذکر 1904 کے 435 (تیسویں سال) میں بھی ملتا ہے۔

(38) 1923 کا نمبر 275 — "اکا" لنکا مارکہ "کہا ونووا" کے ایک ٹکڑے کے برابر تھا اور کاشو کی مانند وہیں سے ملا ہوگا۔ کاڈرنگٹن صفحہ 58

(39) SII - ii - 7

(40) صفحات 71 تا 74 پر کاڈرنگٹن نے اس بحث کا اختتام کرتے ہوئے یہ بات ثابت کی ہے کہ چولوں نے اپنا سکے کا معیار لنکا سے مستعار لیا تھا جہاں چولوں کی تسخیر سے قبل اس کی ایک طویل اور مسلسل تاریخ رہی تھی۔ یہ پرانا نظریہ کہ "اس کا استعمال لنکا میں اس لیے مستقل طور پر رائج ہوا کہ اس جزیرے پر چولوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔" (ریپسن)، حقیقت کے عین برعکس ہے۔ مزید دیکھئے سمتھ کی IMC - I، صفحات 327 - 28

تاہم کتبات کی شہادتوں کے محتاط مطالعے سے کاڈرنگٹن کے اس نظریے کی تائید نہیں ہوتی کہ راج راجا اوّل نے سکوں میں ا۔ اا ح کی (23 صفحہ 7) اس نظریہ کی بنیاد جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، دو حقائق پر ہے: (ا) 1916 کے نمبر 629 میں جو راجہ کے ستائیسویں سال کا ہے، "پلنگا شو" کا ذکر (ب) گم شدہ سونے کے سکے کا وزن (ایلیٹ نمبر 151) جس پر "اتم شولن" لکھا ہوا ہے۔ (صفحہ 7

اور 74) ان حقایق کی دوسری تشریحات بھی ہوسکتی ہیں۔ چو!! کاشو = ایلک کاشو = ½ کلنجو کی باہمی شرح تبادلہ کا مستقل رشتہ راج راجا کے عہد سے پہلے کا ہے جیسا 1895 کے نمبر 25 سے ظاہر ہے جو پرانتکا اوّل کے چوبیسویں سال کا ہے اور 1895 کے نمبر 156 نیز 1923 کے نمبر 241 سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ سکے بالترتیب پرانتکا دوم (سندر چولا) اور آدتیہ دوم کے زمانے کے ہیں۔

چولا سکوں پر ناگری بھاشا کی عبارت سب سے پہلے راج راجا اول کے عہد حکومت میں دکھائی دیتی ہے جو قدیم زمانے کی "گرنتھا" کی عبارتوں کی جگہ لے لیتی ہے۔ مقابلہ کیجئے CSI میں اتم چولا کے طلائی سکے کا نقش۔ یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے کہ یہ چولا سکہ سازی پر لنکا والوں کے بڑھتے ہوئے اثر کا ایک اگلا قدم ہے یا ایک دوسری بات کا اثر ہے جو اگر پہلی وجہ سے بڑی نہیں تو برابر مزور ہے یعنی شمالی ہند کے شیومت کا اثر چولا دربار پر قایم ہونا شروع ہو چکا تھا۔ اس دوسری وجہ سے ناگری رسم الخط کا پہلے برصغیر ہند میں استعمال شروع ہوا ہوگا اور اس کے بعد یہ لنکا میں بھی پھیل گیا ہوگا۔

(41) IA . XXV ۔ صفحہ 321

(42) IMC ۔ I صفحات 313 ۔ 14

(43) EC ۔ i ۔ 49

(44) کاڈرنگٹن ۔ صفحہ 8

(45) 1894 کا نمبر 221 ۔ چولا "ماڈا" اس "کل" کے حساب سے محض ایک کلنجو سونے کا سکہ ہوتا تھا۔

(46) 1922 کا 211

(47) 1916 کا 157 ۔ 1890 کا 5

(48) 1896 کا 401

(49) 1925 کا 150

(50) 1904 کا 563

(51) 1912 کا 509 ۔ کاڈرنگٹن حوالہ سابقہ صفحہ 85

(51 الف) 1920 کا 521

(52) کاڈرنگٹن۔ حوالہ سابقہ صفحہ 73

(53) 1900 کا 40 ــ 1902 کا 449

(54) 1913 کا 264 ۔ 1892 کا نمبر 63

(55) 1902 کا 449

(56) 1922 کا 522

(57) 1913 کا 439

(58) حوالہ سابقہ صفحہ 85

(59) 1893 کا نمبر

(60) 1923 کا 284

(60 الف) 1936-37 کا 141

(61) 1919 کا 680

(62) 1920 کا نمبر 1

(63) 1903 کا 316

(64) 1918 کا 353

(65) 1911 کا 491

(66) 1892 کا 100

(67) SII - iii ۔ صفحہ 229، حاشیہ نمبر 5

(68) TAS - iv ۔ صفحات 139 تا 141

(69) 1925 کا 50 1924 کا 356

(70) آج کل تنجور کا "ویلی" چھ سات ایکڑ کے برابر ہوتا ہے۔ ممکن ہے "ویلی" کی پرانی اکائی بھی اس سے مختلف نہ رہی ہو۔

(71) SII - ii صفحہ 64 پیراگراف 15

(72) SII - ii ۔ صفحہ 64، پیراگراف 15

(73) 1902 کا 261 ۔ 1912 کا نمبر 344 1922 کا نمبر 18 - SII-iii

64 ـ 1910 کے نمبر 229 میں 14 بالشت ـ 1922 کے کتبہ نمبر 413 میں 20 بالشت ـ 1928 کے نمبر 102 میں 12 بالشت۔

(74) 1921 کے نمبر 160 اور 172

(75) 1900 کا نمبر 87

(76) 1914 کا 99 ـ 1925 کا 102

(77) 1902 کا 250

(78) 1902 کا 261

(79) 1925 کا 102

(80) 1922 کا 18

(81) 1926 کا 93-97

(82) 5 II - iii - 64

(83) 1898 کا 76

(84) 1925 کا 243

(85) 1925 کا 155 ۔ اس کتبے میں لکھا ہے کہ اس وزن کی اکائی کے مطابق $4\frac{1}{2}$ "ما" عام مروّج پیمانے کے چھ "ما" کے برابر ہوتے تھے۔ کیا یہ صرف اندازاً تخمینہ ہے؟

(86) 1925 کا 150

(87) 1918 کا 179 - 81

(88) 1902 کا 207

(89) 1912 کا 428

(90) 1925 کے 155، 144

(91) 1921 کا 401 - 1921 کا 262

(92) 1912 کا 140

(93) 1922 کا 21

(94) ARE - 1911، II، 21

(95) 1895 کا 78

(96) 1888 کا 40

(97) 1904 کا 556 - 1909 کا 731 - 1918 کا 504

(98) 1921 کا 219 (راج راجا اوّل - 22 واں سال)

چوبیسواں باب :

تعلیم و علمیت

قدیم نصب العین

ہمہ گیر تعلیم ایک جدید نصب العین ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز جدید ہندوستان نے اسے مکمل طور پر قبول نہیں کیا ہے۔ ہندوستان میں تعلیم کا قدیم نصب العین یہ تھا کہ ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق تعلیم دی جائے اور یہ صلاحیت استاد متعیّن کرتا تھا۔ اس صلاحیت کا تعیّن نہ صرف شاگرد کے ذاتی رجحانات بلکہ اس کی پیدائش اور زندگی میں اس کے مرتبہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا جاتا تھا۔ آج کل جسے صنعتی اور تکنیکی تعلیم کہا جاتا ہے وہ زیادہ تر ہنرمندوں اور کاریگروں کے گھروں میں ذات پات کے قاعدوں اور رسم و رواج کے تحت دی جاتی تھی۔

خواندگی

خواندگی کی مقبولیت اور اس کی قدر و قیمت کے متعلق راست نوعیت کی شہادت بہت کم ملتی ہے، لیکن ہم اتنا ضرور قیاس کر سکتے ہیں کہ خواندگی کا تناسب آج کل کے اس قلیل تناسب سے ضرور زیادہ تھا جس کا پتہ ہندوستان کی حالیہ مردم شماریوں سے چلتا ہے۔[1] وہ دختوں کے سائے میں یا مندروں اور مٹھوں کے

برآمدوں میں لگنے والا دیہاتی اسکول ایک عام ادارہ تھا اور اس کا معلم[2] دواتی ملازمین کے اس عملے میں شامل ہوتا تھا جنہیں ان کی خدمات کا معاوضہ گاؤں کی شاملاتِ اراضی میں سے دیا جاتا تھا پہایا ورم (ضلع جنوبی ارکاٹ) کا مفت تعلیم دینے والا اسکول[3] جس کا ذکر ایک بغیر تاریخ کے کتبے میں کیا گیا ہے۔ غالباً اسی قسم کا اسکول تھا۔ پتھر اور تانبے کا کام کرنے والے ہر جگہ عام طور سے ملتے تھے جو پتھر اور تانبے کے کتبے کندہ کرتے تھے۔ یہ کام اکثر نہایت درجہ صنعت اور فن کاری کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ بعض کتبوں میں جو کہیں کہیں غیر شائستہ اور روزمرّہ بول چال کے الفاظ اور جملے استعمال ہوئے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام عموماً ایسے کاریگروں کے سپرد کیا جاتا تھا جو صرف خواندہ ہوتے تھے نہ کہ عالم و فاضل۔ مرکزی اور مقامی حکومتوں کے پیچیدہ ریکارڈوں کو تیار کرنے کے لیے افسروں اور منشیوں کے خاصے کثیر عملے کی بھرتی کی ضرورت پڑی ہوگی اور ضرورت کا یہ تقاضہ لوگوں کے اعلےٰ علمیت حاصل کرنے کے لیے محرّک بنا ہوگا۔ کیوں کہ ایسی علمیت ہی سرکاری نوکریاں پانے کا راستہ تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ بڑھتی ہوئی چولا سلطنت نے جس محنت سے ایک منظم افسر شاہی کی داغ بیل ڈالی تھی اُس سے ایسے پڑھے لکھے افراد کی خدمت کی مانگ میں قابلِ فہم حد تک اضافہ ہوا۔

تعلیم عامہ

تعلیم عامہ وسیع معنوں میں قومی رزمیہ داستانوں مثلاً "رامائن" اور "مہابھارت" اور پرانوں کی کتھا اور تشریح کے ذریعے مندروں اور عوامی اجتماع کے دوسرے مقامات پر دی جاتی تھی۔ بعض مرتبہ روحانیت اور فلسفے کے عناصر کسی خاص مذہب یا فرقے کے مخصوص نقطۂ نظر سے اسی طرح سمجھائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر شودھرم،[4] سوم سدھانت۔ اور راماجُ بھاشیہ کے زاویۂ نگاہ سے۔

اعلیٰ تعلیم

اعلیٰ تعلیم عموماً مذہبی نوعیت کی ہوتی تھی اور مٹھوں اور مندروں کے ساتھ ملحق درسگاہوں میں دی جاتی تھی۔ مٹھ، پلّی اور وہار تعلیم کے ایسے مرکز تھے جن کے اپنے بہت بڑے بڑے کتب خانے تھے اور جن سے نقلیں تیار کرا کے مختلف موضوعات پر کثیر تعداد میں قلمی لٹریچر سے تعلیم کی اشاعت ہوتی تھی۔ اِن کتابوں کی تعداد اور اُن کی گوناگوں نوعیت پشت در پشت بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ بعض علوم کی خصوصی شاخوں کے لیے بے شمار چھوٹی چھوٹی جاگیریں عطا کی جاتی تھیں مثلاً پربھاکر کی "میماسا" کے لیے اور گرامر (ویاکرن)[6] کے لیے جن کا مطالعہ کسی ایک معلّم کی رہنمائی میں کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ اعلیٰ عمومی تعلیم کے لیے کالج ہوتے تھے جو علوم کی مختلف شاخوں کا درس دیتے تھے۔ ان کالجوں میں کثیر تعداد میں اساتذہ اور طلبا رہتے تھے اور انہیں باہم ذہنی اختلاط کی وہ تمام سہولتیں حاصل تھیں جو ایک جگہ رہ کر تعلیم حاصل کرنے کے باعث مل سکتی ہیں خواہ وہ ایک ہی چھت کے نیچے نہ رہتے ہوں۔ یہ عظیم تعلیمی ادارے بھی اوقاف کی امداد پر چلتے تھے اور ان میں تمام جگہیں بغیر کسی معاوضہ کے حد درجہ مستحق شاگردوں سے بھری جاتی تھیں جو علوم کی الگ الگ شاخوں کے لیے مقابلہ کے امتحان کے بعد داخل کیے جاتے تھے۔ افسوس کہ قرونِ وسطیٰ کے جنوبی ہند کے ان کالجوں کو یہ شرف حاصل نہ ہو سکا کہ I تسنگ جیسے کسی غیر ملکی شاہد کے قلم سے ان کا احوال بیان کیا جاتا۔ نہ انہیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ صدیوں تک زیرِ زمین دفن رہنے کے بعد آثارِ قدیمہ کی کھدائی کرنے والے کوئی کدال دفعتاً انہیں ہم سے روشناس کرتی۔ لیکن ہم عصر کتبات اُس عظیم کام کی پرزور گواہی دیتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم کے ان ہندو مراکز نے اپنے زمانے میں انجام دیا تھا اور جس کی تحسین بھی ایک بڑی حد تک انہوں نے سمجھدار عوام سے حاصل کی۔ "چندو گاکڈی پورم" نامی ایک ویدک مدرسے کی موجودگی کی تصدیق پرانتکا اوّل اور سندر چولا دونوں شہنشاہوں کے عہد کے کتبوں سے[5الف] ہوتی ہے۔ اِس ویدک مدرسے کے لیے کام پلوّر (یاکاپلور) ضلع شمالی ارکاٹ کی دیہی سبھا کی مجلسِ عامہ کے ایک رکن نے جاگیر دی تھی۔ اندازاً 999ء میں آہنیوّر

(حال آنورم) ضلع چنگلی پٹ کی مہاسبھا نے ویدوں کی تعلیم، نیز گرامر (اشٹ ادھیائے) اور دیگر مضامین کے درس کے لیے "بھٹ ورتی" (وظیفے کی رقم) مہیّا کی۔ یہ توقع کی جاتی تھی کہ ایک "بھٹ" کو ویدوں پر پوری دسترس حاصل ہو گی۔ وہ پانینی کی ویاکرن (گرامر) اور "النکاروں" کی تعلیم دینے کے قابل ہوگا اور "میماسا" کے بیس کے بیس باب پڑھا سکے گا۔ اُسے نہ صرف اپنے شاگردوں کو پڑھانا ہوتا تھا بلکہ اُن کے طعام کا بندوبست بھی کرنا پڑتا تھا۔ "میماسا" کے بیس الواب کا ذکر قابل توجّہ ہے۔ اب "میماسا" کے صرف 16 باب ملتے ہیں اور یہ مانا جاتا ہے کہ باقی ماندہ چار تلف ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ راج راجا اوّل کے زمانے میں موجود اور زیرِ مطالعہ تھے۔[6ب]

اینائرم

شہنشاہ راجندر اوّل کے زمانے میں راج راجا چتر ویدی منگلم (اینائرم، ضلع جنوبی ارکاٹ) کی سبھا نے راجا کی حکومت کے ایک افسر کی موجودگی میں یہ قرارداد منظور کی کہ وہ خود راجہ کے جاری کردہ ایک فرمان کے مطابق ایک کالج کے طلباء کے طعام اور اساتذہ کے معاوضے کا انتظام کریں گے۔[7] کتبے کے الفاظ سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کالج کی بنیاد اسی موقع پر رکھی گئی تھی یا جب راجندر نے کالج کی اِتنی بڑی مدد کے لیے پیش قدمی کی تھی تو کالج اس سے کچھ مدّت پہلے سے موجود تھا۔ بات جو بھی ہو ہمیں کالج کے طلباء کی تعداد مختلف نصابوں کی مقبولیت، مختلف مضامین کے اساتذہ کی ایک دوسرے کے مقابلہ میں کیا اہمیت تھی (جہاں تک ان کی تنخواہوں سے اندازہ ہوتا ہے۔) اور مختلف درجوں کے طلباء کے اخراجات پر اوسطاً کتنا خرچ آتا تھا، ان سب باتوں کا پتہ کتبے میں مندرج تفصیلات سے چل جاتا ہے۔ اس کتبے میں جو خرچ درج ہے، وہ 270۔ ادنیٰ درجوں کے متعلمین، 70۔ اعلیٰ جماعتوں کے طلباء اور 14، افراد پر مشتمل اساتذہ کے عملے کے متعلق ہے۔ ادنیٰ درجوں کے طلباء، جو برہمچاری کہلاتے تھے، میں سے چالیس "رُدپاوتارا" کے قواعد کے مطابق گرامر کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور باقی ویدوں کو زبانی یاد کرتے تھے۔ 75 طلباء، رگ وید کا درس لے رہے تھے اور 75 یجروید کا بیس بیس طالب علم "واجسینہ" "چندوگا"، اور "تل دکارسانا"

کا، دس "اتھروید" اور باقیماندہ دس بودھایَنا گرہ، "کلپ" اور "گن" کا درس لے رہے تھے۔ ان ادنیٰ درجوں کے طلبا میں سے ہر ایک کے لیے 6 "نالی" دھان یومیہ راشن منظور کیا گیا تھا۔ اعلیٰ درجوں کے 70 متعلمین (چھاتروں) کے لیے 10 "نالی" یومیہ مقرر تھا۔ یہ متعلمین تین اونچے درجے کے مضامین کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ویاکرن کے 25، پربھاکر میماسا کے 35 اور ویدانت کے 10 ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تعلیمی نصابوں میں، جہاں چاروں ویدوں کو نمائندگی حاصل تھی وہاں رگ وید کا صرف ایک سُوتر شامل تھا۔ شہنشاہ راجیندر کے زمانے میں سنسکرت صرف ونحو کی تعلیم کے لیے "روپاوتارا" نامی تصنیف کا استعمال[8] پربھاکر رشی کی "میماسا" کی اس حد تک مقبولیت کہ بھٹ مکتبۂ خیال کو تقریباً ترک ہی کر دیا گیا تھا، پھر اگر یہ سارا کالج ایک وشنو ادارہ تھا جیسا کہ غالباً یہ تھا ہی، تو وشِشٹا دوئت مکتبۂ خیال کے ویدانت کا مطالعہ کے ایک مضمون کے طور پر ذکر آتا اور وہ بھی رامانج کے عظیم "بھاشیہ" کے وجود میں آنے سے قبل۔ یہ سب باتیں اس پہلو سے قابلِ توجہ ہیں کہ یہ جنوبی ہند میں سنسکرت کی تعلیم وتدریس کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اساتذہ میں سب سے زیادہ یعنی $1\frac{1}{3}$ کلم غلّہ یومیہ ویدانت کے پروفیسر کو ملتا تھا۔ ان سے دوسرے درجے پر وہ بھی آتے تھے جو میماسا اور ویاکرن پڑھاتے تھے۔ انہیں فی کس ایک کلم غلّہ یومیہ ملتا تھا۔ باقی ماندہ سب معلّم ایک ہی سطح پر رکھے گئے تھے اور ان کو صرف تین "کرونی" یا چوتھائی کلم یومیہ غلّہ دیا جاتا تھا۔ غلّے کے علاوہ تمام اساتذہ اور چھاتروں (اونچے درجوں کے طلبا) کو، ماسوائے ویدانت کے پروفیسر کے دیگر الاؤنس سونے کی شکل میں ملتے تھے۔ ویاکرن اور میماسا کے اساتذہ کو ایک ادھیائے پڑھانے کے عوض ایک کلنجو کی شرح سے نقد الاؤنس دیا جاتا تھا۔ اس طرح ان دونوں مضامین کے استاد سارے نصاب کے لیے بالترتیب 8 کلنجو اور 12 کلنجو کے حقدار بن جاتے تھے۔ باقی سب کو نصف کلنجو فی کس سالانہ نقد الاؤنس ملتا تھا۔ ویدانت پڑھانے کے عوض روپیہ لینا قانوناً اور رواجاً منع تھا، اور ایسا لگتا ہے کہ اسی وجہ سے ویدانت کے معلّم کو سونے کی شکل میں کوئی رقم پیش نہیں کی جاتی تھی۔

ترِبھُووَنی

اینائرم کے کالج سے مِلتا جُلتا ایک اَور کالج پانڈیچری کے نزدیک ترِبھُووَنی کے مقام پر چل رہا تھا۔ اس میں 260 طالبِ علم اَور 12 اساتذہ تھے۔ درس کے مضامین عموماً وہی تھے جو اینائرم میں مقرر کئے گئے تھے۔ اگرچہ "پربھاکرم" کا اِن میں ذکر نہیں، پھر بھی دوسرے نئے مضامین ان میں شامل تھے جیسے "ستیہ سادھ سوتر" "منوشاستر" اور "ویکھانساشاستر" اور ان کے علاوہ مہابھارت، رامائن۔ یہ آخری دونو گرنتھ عوام کو کتھا کی صورت میں سنائے جاتے تھے۔ اسکولوں میں بطور مضامین نہیں پڑھائے جاتے تھے۔ یہاں طلباء اور اساتذہ دونوں کو یومیہ ادائیگی جنس کی شکل میں کی جاتی تھی۔ صغیر بیس متعلموں کو چھ پیمانے فی کس یومیہ اور بڑے درجوں کے طلباء کو آٹھ پیمانے فی کس یومیہ استادوں میں سے ویدانت کے استاد کو $1\frac{1}{6}$ کلم یومیہ الاؤنس ملتا تھا جب کہ دوسروں کو مختلف مقداروں میں ایک کلم سے لے کر $\frac{1}{4}$ کلم تک دیا جاتا تھا۔ راجادھیراج کے 1048ء کے کتبے میں اِن باتوں کا اندراج ملتا ہے، کالج کے اساتذہ اور طلباء کو دیہی اسمبلی کی مختلف کمیٹیوں کی خدمت سے سبھا کی ایک قرارداد کے مطابق مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔

ترِومُکوڈل

آگے چل کر دیرراجندر کا 1067ء کا وہ مشہور کتبہ ہمارے زیرِ مطالعہ آتا ہے جو ترِومُکوڈل میں مِلا ہے[10]۔ اس کتبے میں مہاوشنو کے مقامی مندر کی جملہ آمدنی اور خرچ کا مفصّل حساب درج ہے۔ ان اخراجات میں ایک کالج اَور ایک ہسپتال کے اخراجات بھی شامل ہیں۔ یہ کالج مقابلتاً ایک چھوٹا ادارہ تھا۔ اور اس میں صرف دو وید (رگ وید اور یجروید)، تیز دیاکرن اور "رُدپاوتارا" پڑھائے جاتے تھے۔ دونوں ویدوں میں سے ہر ایک کی تعلیم کے لیے دس دس طلباء، اور ایک ایک معلّم کی اَور دیاکرن کے لیے ایک استاد اَور بیس طلباء کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ وید پڑھانے والے معلّموں کو معاوضہ ایک "پدکو" دھان یومیہ اَور نقد دس کاشو سالانہ

تھا جب کہ ویاکرن کے استاد کا معاوضہ ایک "تونی" (یعنی پد کو کا دُگنا) یومیہ اور نقد دس کاشو سالانہ تھا۔ یہ صاف واضح ہے کہ وید پڑھانے کا مدرسہ محض وہ ادارہ تھا جسے ہم اب "ادھین پاٹھشالہ" کہہ کر پکارتے ہیں، یعنی ایسی درسگاہ جہاں ویدوں کے نسخے زبانی رٹا دیئے جاتے تھے۔ طلبا کو نہ صرف 1½ نالی چاول یومیہ اور ترکاری طعام کے لیے ملتی تھی بلکہ سونے کے لیے چٹائیاں اور سر پر لگانے کے لیے ہر سنیچر کو تیل بھی دیا جاتا تھا (سال میں 51 سنیچر شمار کئے جاتے تھے) نیز رات کی روشنی کے اخراجات بھی دیے جاتے تھے۔ دو خادمائیں بھی مدرسے اور طلبا کے چھوٹے موٹے کام دھندوں کے لیے تعینات تھیں۔

ترووادُتوری کا طبّی تعلیم کا اسکول

ترووادُتوری میں واقع وکرم چولا کے تیسرے سالِ حکومت یعنی 1121ء کے ایک کتبے میں مذکور ہے[11] کہ ایک مقامی مٹھ میں جن لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا ان میں علم الادویہ اور گرامر (ویاکرن) کے طلبا، واگ بھٹ کی "اشٹ نگر ہردیا" کے پڑھنے والے اور "چرک سمہتا" نیز "روپاوتارا" کے طلبا شامل تھے شہنشاہ کلوتنگا دوم کے تیرہویں سال حکومت میں پیرُودیلور (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں ویدوں اور شاستروں پر دسترس رکھنے والے دس[15] بھٹوں، ایک شبو آچاریہ اور ایک وئیدیہ کے لیے 12 ویلی اراضی الگ مخصوص کر دی گئی تھی۔ ان سب کو مندر کے شمال اور مغرب میں رہائشی مکانات مہیا کیے گئے تھے۔ یہ جاگیر راجیندر شولا شمبھوورائن نے عطا کی تھی۔ جس نے ان بھٹوں کے "ویلاال" مزارعین کے لیے بھی اراضیات دی تھیں، نیز "دیلودان" اور "اگرم" زمرے کی اراضیات پر "پاڈی کاول" (کا ٹیکس[11الف]) معاف کر دیا تھا۔

ترووورپور کا دیاکرن کا مدرسہ

ترووورپور کے 1213ء کے ایک اور کتبے میں شوجی کی جانب سے پانینی رشی پر دیاکرن (گرامر) کے چودہ[14] سوتروں کا الہام ہونے کی قدیم روایت کو دہرایا گیا ہے اور

بتایا گیا ہے کہ یہ واقعہ ترِوّوَرلیُور مندر کے "دیا کرن دان منڈپ" پر وقوع پذیر ہوا تھا نیز اِس کتبے میں مذکورہ منڈپ کے اندر دیا کرن کا ایک مدرسہ چلانے اور خود منڈپ کی مرمت اور دیکھ بھال کے لیے 65 ویلی اراضی کی جاگیر کا اندراج بھی موجود ہے[11-ب] ترُوّوڈِ ایکلی ضلع تنجور کے 1229ء کے کتبے میں بھی مقامی مٹھ میں مالابار کے علاقے سے آئے ہوئے ان برہمن طلباء کے لیے جو ویدانت کے طالب علم تھے، مفت کھانے کے انتظام کا ذکر موجود ہے[12] ایک کتبے میں جس پر تاریخِ تحریر درج نہیں لیکن جسے تیرہویں صدی کے آخری نصف حصے سے منسوب کیا جا سکتا ہے، شری رنگم کے مندر میں ایک کتب خانے کی بنیاد رکھے جانے کا ذکر ہے۔ اِس کتب خانے کا نام "سرسوتی بھنڈارام" تھا اور اُس کی بنیاد مذکورہ کتبے کے مطابق پال پلّی نیل کنٹھ نائیکر نے رکھی تھی جس نے کتب خانے والے منڈپ میں ہایہ گریوا سرسوتی اور وید ویاس کی مورتیاں بھی نصب کی تھیں اور اُن کی روزانہ پُوجا کا بندوبست بھی کیا تھا[12-الف] اس کے علاوہ ان مذہبی علوم کی تحصیل میں امتیاز حاصل کرنے والوں کو انعامات دینے کے لیے متعدد جاگیریں موجود تھیں جس طرح کہ کامرسا دلی کا 998ء کا عطیہ جو ان طلباء کے لیے دیا گیا تھا جو "تالو کارا سام" کے کچھ حصص زبانی سناتے تھے۔ تعلیمی نوعیت کے کچھ دوسرے ادارے بھی تھے جن کے صرف نام ہی ہم تک پہنچے ہیں مثلاً دیمبر دُر کا ادارہ "گھٹکا"۔

تامِل مطالعات

اِس طرح جہاں سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم کی نوعیت اور تنظیم کے متعلق ہمیں بکثرت شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں وہاں یہ بات بہت مایوس کُن ہے کہ تامل کی تعلیم کے متعلق کوئی ایسی شہادت نہیں ہے جس سے ہم کو اس کی بابت کوئی علم ہو سکے۔ پھر بھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ لاتعداد مٹھ، جن کے نام ملک بھر میں بکھرے ہوئے کتبوں میں مذکور ہیں، تامِل زبان میں بھی مذہبی اور غیر مذہبی دونوں طرح کی تعلیم کو فروغ دینے کے کم و بیش اہم مراکز کا کام دیتے تھے۔ ہم یہ بھی یقین کر سکتے ہیں کہ مندروں میں "ترِ وپدیگم" گانے کی غرض سے گانے والوں کو تربیت دینا بھی ان مٹھوں کے اوّلین فرائض میں شامل تھا۔

حاشیے

(1) مقابلہ کیجئے الفنسٹن کی تاریخ ہند
- صفحہ 205

(2) 1920 کا 17

(3) 1917 کا 323

(4) 1917 کا 321 - 1896 کا 403 - 1919 کا 493

(5) 1911 کا 233 - 1923 کا 333

(6) 1898 کا 18 — 1912 کا 202

(6.الف) 1938 - 39 کے 268، 270 : ARE - II - 12

(6.ب) 1932 - 33 کا 76 : ARE - II - 22 i این ایل راؤ نے پراجنا پاٹھشالا - منڈل گرنتھ مالا کے میمانسا درشن ایڈیشن کا مجھے حوالہ دیا ہے۔ اس میں لگ بھگ بیس ابواب ہیں۔

(7) 1917 کا 333 — ARE - 1918

(8) "روپ اوتار" کے مصنف دھرم کیرتی کا زمانۂ حیات بارہویں صدی سے بہت پہلے کا ہوگا۔ اگرچہ ایم رنگاچاریہ نے "روپ اوتار" کے اپنے تالیف کردہ ایڈیشن میں اسی (بارہویں) صدی کی) تاریخ کو اس کا زمانۂ حیات بتایا ہے۔

(8.الف) یہ "ویشنو وششٹ ادوئیت" اور "پربھاکر میمانسا" کے گیان شاستر اس مشترک نقطۂ نظر کی رو سے ہوگا جو کہتا ہے کہ تمام گیان جائز ہے۔

(9) 1919 کا 176

(10) 1915 کا 182 - EI 'xxi صفحہ 220 وصفحات مابعد

(11) 1925 کا 159

(11-الف) 1937 - 38 کا 512 : ARE - II - 38

(11-ب) 1912 کا 202

(12) 1925 کا 276

(12۔الف) 1938 - 39 کا 139 : ARE - II - 70

(13) 1914 کا 76 - اینا رم سے دستیاب شدہ کتبے 1917 کے نمبر 343 میں تمام ویدوں کے پڑھنے والوں کے لیے تحائف کی منظوری کا اندراج ہے ۔

(14) 1908 کا 293

پچیسواں باب

مذہب

مندر اور مٹھ

مندر اور مٹھ جنوبی ہند کو قرونِ وسطیٰ کے ہندو دھرم کے عظیم انعامات تھے۔ چولوں کے زیرِ حکومت ہی ان اداروں نے بتدریج توسیع اور مقبولیت کے میداں میں قدم رکھا، عوام کو اپنی طرف راغب کیا اور امراء کی فیاضی کے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح وہ بدھ "وہار" اور جینیوں کے "پلی"، پر سبقت لے کر اقتدار کے ایک محفوظ مقام پر پہنچ گئے اور انھوں نے اپنے اس مقام کو زمانہ حال تک بغیر کسی تغیّر کے قائم رکھا۔ اپنے بدعتی حریفوں کے جو ویدوں کے تقدس کے منکر تھے اور خدا کے وجود کو چیلنج کرتے تھے، خلاف کش مکش کے دباؤ کی وجہ سے خود ہندو مت میں اپنی صفوں کو باہم قریب تر لانے اور اختلافات کو بھلا کر خدا کو ماننے والے تمام فرقوں کے مذہبی اتحاد کو نشوونما دینے کا اندرونی رجحان پیدا ہوگیا۔ اس نئے اتحاد اور یکرنگی کی اساس "ترِمُورتی" کے عقیدے پر تھی جس کے معنی ایک ہی خدائی طاقت کی سہ رنگی جلوہ گری کے ہیں۔

پس منظر

آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند نے ہندو دھرم کے دو عظیم علم بردار پیدا کئے، کمارِل بھٹ اور شنکر آچاریہ، جنھوں نے بدعقیدگی کے خلاف قدیم برہمن دھرم کی لڑائی لڑی۔ لیکن اس میں زیادہ جبر و ظلم، جن معنوں میں ہم جبر و ظلم کو آج کل سمجھتے ہیں نہیں

ہوا[1] جبر وتشدد کی کہانیاں بعد کے گھڑے ہوئے خیالی قصے ہیں جن کو "پیریا پرانم" کے مصنف کی خوش اعتقادی نے سریلے اشعار کی شکل دے دی۔ شنکر آچاریہ کی قیادت میں ہندو دھرم نے جدید بدھ دھرم کے تخیلی نظام اور عملی تنظیم کی نمایاں خصوصیات اپنے میں جذب کرلیں۔ یہی خاص وجہ تھی جس سے ایک طرف تو بدھ دھرم بعد کے زمانے میں جنوبی ہند سے بالکل جلا وطن ہوگیا اور دوسری طرف شنکر آچاریہ کے عقیدے کے مخالفوں کے لئے اسے بدھ دھرم کا خفیہ پیرو کہہ کر بدنام کرنا آسان ہوگیا۔

تاہم بدعقیدگی کے خلاف جہاد میں شنکر آچاریہ کے عہد سے بہت پہلے عظیم شیو نائنار (NAYANARS) اور وشنو آلوار (ALVARS) شامل ہو چکے تھے۔ عوامی گیتوں کے ان اساتذہ فن کی "جذباتی خدا پرستی"، جو وشنومت اور شیومت کے دو متوازی دھاروں میں پھوٹ نکلی تھی، تاملوں کے مذہبی تجربے کا نمایاں ترین ماحصل تھی۔ ان مقدس ہستیوں کے، جو تمام تامل سرزمین میں کئی بار گاتے، اپدیش دیتے اور تنظیم کرتے ہوئے گھومے، عظیم کام کو ان کے بعد آنے والی شکرگذار نسل نے خوبصورت قصے کہانیوں کی شکل میں محفوظ کر دیا ہے جو اپنی سہو زبانی کے باوجود بھی کمال درجہ اہمیت رکھتی تھیں۔

ایک دلچسپ حکایت

ایک اسی طرح کا قصہ نانا سمبندر اور ترومنگئی آلوار کی دوستانہ ملاقات کا ہے۔ اس واقعے کا قدیم ترین تذکرہ جو ہم کو معلوم ہوا ہے "دویہ سوری چرِتا (DIVYA SURICARITA) ہے[2]۔ بتایا جاتا ہے کہ جین مت کا مخالف نانا سمبندر (NANASAMBANDAR) بدھ دھرم کے عظیم حریف وشنو سنت سے ملنے کے اشتیاق میں شیالی سے اس کے پاس گیا تاکہ اسے وہ شیالی آنے کی دعوت دے سکے ترومنگئی ایسے کسی شہر میں قدم رکھنے کے لیے تیار نہ تھا جس میں کوئی وشنو مندر موجود نہ ہو۔ سمبندر نے اس کے اعتراض کو یہ انکشاف کرکے دور کردیا کہ شیالی میں وشنو کی ایک پرانی مورتی موجود ہے جو کبھی ایک مندر میں نصب تھی جو اب برباد ہو چکا ہے، اور یہ کہ اب بھی ایک "ارچک" (پرستار) باقاعدگی سے اس مورتی کی پوجا اپنے نجی مکان میں کرتا ہے۔ تب سمبندر اور ترومنگئی دونوں اکٹھے شیالی میں داخل ہوئے۔ وہاں ترومنگئی نے کچھ بھجن کہے، جنہیں سمبندر نے بہت سراہا اور اپنے شہر آلی نگر روانہ ہونے سے پہلے اس نے کچھ

دولت مند افراد کو جو ایک شو مندر کی آرائش میں مصروف تھے اس بات کی ترغیب دی کہ وہ وشنو کے مذکورہ ویران مندر کی تجدید کا کام بھی ہاتھوں میں لیں اور اپنی دینی بہن سے عداوت ترک کر دیں۔ تاریخ کی حیثیت سے تو یہ کہانی ناممکن ہے[3] لیکن اس میں گیارہویں اور بارہویں صدی کے وشنوں کا یہ عقیدہ پنہاں ہے کہ شیو دھرم اور وشنومت کا مقصد ایک تھا۔ ویدوں کے خلاف بدعقیدگی کے شدید طوفان کو روکنے میں آلواروں اور نائناروں نے ماضی میں مل کر کام کیا تھا اور ان کے جانشینوں کے لیے اس سے زیادہ سازگار بات کیا ہو سکتی تھی کہ وہ جین دھرم کے ایک عظیم مخالف شیو سنت اور بدھ مت کے ایک اتنے ہی عظیم حریف وشنو سنت کو ایک دوسرے کے قریب لائیں۔ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ گیارہویں صدی میں اور بارہویں صدی کے آغاز میں ایسی کسی کہانی کا مشہور ہونا اس امر کا مظہر ہے کہ شیو مت اور وشنومت کے مابین اس وقت تک ایسا فرقہ وارانہ تعصب نہیں برتا جاتا تھا جو بعد کے زمانے میں ان کے تعلقات کا معمول بن گیا تھا۔ تاہم سنت رامانج پر چولا راجاؤں کے مظالم کی کہانی کو ہندو دھرم کی برادری میں متعصبانہ غیر رواداری کی ابتدا کہا جا سکتا ہے اور سمبندر اور ترومنگئی کی ملاقات کی حکایت غالباً ارمانوں بھری خوش آئند یاد کا اظہار تھی۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وجیالہ نسل کے چولا حکمرانوں کے عہد میں جنوبی ہند کے شیو مت اور وشنومت کے دورِ سیمیں کا آغاز ہوا۔ اگرچہ دستیاب شہادتوں کی موجودہ صورت میں اس کی صحیح صحیح تاریخ متعین کرنا دشوار ہے پھر بھی ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ نائناروں اور آلواروں کے متبرک بھجنوں کو ان کی مذہبی شکل میں گیارہویں صدی کے دوران کسی وقت مرتب کیا گیا تھا۔

شیو گرنتھ

مصنف نمبی آنڈار نمبی (Nambi AndarNambi) جس نے شیوؤں کے مذہبی قوانین کو بڑی حد تک ان کی موجودہ شکل میں مرتب کیا، غالباً راج راجا اوّل اور راجندر اوّل کا ہم عصر تھا۔ اس کی سوانح حیات اور کارکردگی کا تذکرہ ایک مختصر پران میں ملتا ہے جس کی تصنیف چودہویں صدی کے اوائل کے اماپتی شو آچاریہ (Umapati Siv Acarya)

سے منسوب کی جاتی ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس تذکرے میں خود نمبی اور اس کے جانشینوں کے ہاتھوں شیو دھرم کے گرنتھوں کے ارتقا کا خاصا صحیح حال محفوظ ہے، اگرچہ اس میں کافی قصے کہانیوں کی بھی آمیزش ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ دھرم گرنتھ میں خود نمبی کی اپنی کہی ہوئی نظموں اور کروؤور دیور (Karuvur Dever) جیسے کچھ دوسرے اہلِ قلم کی منظومات کی شمولیت، جو صاف ظاہر ہے کہ راج راجا کے عہد کے بعد ہوئے، نیز نمبی کے ہم عصر چولا راجہ کو اُماپتی کی جانب سے دیئے گیے "ابھیہ" اور "کُل شیکھر" جیسے خطابات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس گرنتھ کو بعد کی کسی تاریخ میں مرتب کیا گیا تھا۔[4] نمبی کے زمانے میں بھجنوں کے مجموعے کی تکمیل میں دشواری پیش آئی، جیسا کہ ترووڈئی وائل پر نانا سمبندر کے بھجن سے معلوم ہوتا ہے جو مذکورہ گرنتھ میں شامل نہیں ہے بلکہ ایک کتبے میں محفوظ ہے[5] یا جیسا کہ اس کہانی سے ظاہر ہوتا ہے جس کے مطابق تاڑ کے ان پتّوں کے کافی بڑے ڈھیر کو دیمک نے کھالیا تھا جن پر بھجن تحریر کیئے گیے تھے۔

ترُوپدئم

مندروں میں ان بھجنوں کے گائے جانے کا رواج راج راجا کے عہد سے بہت پہلے عام ہو چکا تھا۔ ضلع ترچناپلی میں لال گڈی اور الور کے مقامات پر پرانتکا اول کے عہد کے کچھ کتبات پائے گیے ہیں جن میں مندروں میں روزانہ پوجا کے وقت "ترو پدئم" گانے والے برہمنوں کے اخراجات کے لیے عطیوں کا اندراج ہے۔[6] پرانتکا کے عہد سے پہلے پلو وجیا نندی وکرم ورمن (Pallava Vijaya Nandi Vikrama Varman) کے زمانہ حکومت میں ترُوولّم کے مندر کے خادموں کی فہرست میں "ترو پدئم" گانے والوں کا بھی شمار کیا گیا ہے۔[7] اس سے صاف ظاہر ہے کہ نمبی آنڈار نمبی کے ان بھجنوں کو یکجا کر کے ان کی موجودہ مستند شکل میں جس میں کہ یہ ہم تک پہنچے ہیں، تالیف و تدوین کرنے سے بہت عرصہ قبل یہ بھجن الہامی لٹریچر کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔ پرانتکا اول کے عہد سے چولا اور تونڈئی ریاستوں میں کتبوں کی شکل میں ہمیں ایسے فرامین عطیہ کا ایک پورا سلسلہ ملتا ہے[8] جن کے ذریعہ موسیقی کے مختلف سازوں کے ساتھ مندروں میں ان مقدس بھجنوں کو گانے کے لیے جاگیریں دی گئی تھیں۔ راجندرا اول کے عہد میں ایک "دیوار نائکم" (Devara nayakam) یعنی

" دیوارم " کے نگراں کا ذکر اس امر کا شاہد ہے کہ اس کام کی نگرانی کے لیے اور اسے صحیح طریقہ سے انجام دینے کے لیے ایک باقاعدہ سرکاری محکمہ موجود تھا۔ البتہ یہ بات واضح نہیں ہے کہ اس محکمہ کی کارکردگی صرف تنجور ہی تک محدود تھی یا دوسرے مقامات پر بھی اس کا عمل تھا۔[8-الف] نلّور ضلع جنوبی ارکاٹ میں کلوتنگا سوم کے زمانے میں نل نائینار کے مندر میں خاص خاص مواقع پر مانک واشگر (Manikka vasagar) کے " تروچالل " (Tiruccalal) اور " تروویمباوئی " (Tiruvembavai) کے، نیز " شاکئی کوتو " (Sakkai kutta) گانے کے لیے اخراجات منظور کیے گیے تھے۔ " تروویمباوئی " سنگیت تین حصوں میں منقسم تھا، مُدل، ارنڈام پاڈو اور کڈئی کاپو۔ ان میں سے ہر حصّے کو گانے کے حقوق الگ الگ " دیوراڈیار (Devaradiyar) کو فروخت کیے جاتے تھے۔[8-ب] ایک اور مندر الگن تور ضلع جنوبی ارکاٹ کے الگن ناتھ مندر میں گانے اور ناچنے کا کام تیوہار کے مختلف دنوں کے لیے مختلف رقّاصاوں کو سونپا گیا تھا اور اس امر کا ذکر ایک دوسرے کتبے میں درج ہے۔[8-ج]

ویشنو گرنتھ

مذکورہ عہد میں ویشنو بھجن مالا کی تاریخ بھی شیووں کے بھجنوں کی تاریخ سے ملتی جلتی تھی۔ قدیم روایات کے مطابق ویشنو بھجنوں کے لیے ناتھ مُنی (Natha muni) کو ویسا ہی کام کرنے کا شرف حاصل ہے جیسا شیو بھجنوں کے لیے نمبی آنڈار نمبی کو۔ اگر ہم شری ناتھ کو، جس کا ذکر انبل کی تختیوں میں آیا ہے، ویشنو سنت ناتھ منی سمجھیں تو اس کا زمانہ حیات نویں صدی عیسوی کے اواخر اور دسویں صدی کے آغاز کے قریب ہوگا اور یہ مفروضہ اس موضوع پر ہماری دوسری، گو قلیل، شہادتوں کے مطابق ہے۔ واقعہ جو بھی ہو انبل کی تختیوں میں مندرج واقعات۔ یعنی پرانتکا دوم کے وزیر انی رُدھ (Aniruddha) کے خاندان کا ویشنو دھرم میں کٹر اعتقاد، اس کی والدہ اور اس کے دادا کی رنگ ناتھ دیوتا کے ساتھ عقیدت، غریبوں اور ناداروں کو اس کے پردادا اننت کی جانب سے دی جانے والی فراخدلانہ امداد۔ یہ سب باتیں اس زمانے کی معاشی اور مذہبی زندگی میں وشنو دھرم کے کردار کا ایک واضح تصور ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ ناتھ منی کی وزارت کا زمانہ بھی اس سے زیادہ دور نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ان آچاریوں کی نسل میں سے

اوّلین آچاریہ تھا جنھوں نے قدیم وقت کے آلواروں کے کام کو آگے بڑھا کر پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔[11] کہانی اس طرح ہے کہ ناتھ منی نے ایک بار اپنے گاؤں میں کرُوگور سے آئے ہوئے کچھ لوگوں کو دس شعروں پر مشتمل ایک بھجن گاتے ہوئے سنا۔ یہ بھجن "ترُ وُ وائیمولی" (Tiruvaymoli) میں سے تھا جو شاتھ کوپا (Sathaa kopa) کے کہے ہوئے ایک ہزار بھجنوں کا مجموعہ تھا اور جو نمّا لوار (Nammalvar) کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس بھجن کی موسیقی سے مسحور ہوکر اور اس کے آخری بھجن سے یہ اندازہ کرکے کہ نمّا لوار کے کہے ہوئے ایک ہزار بھجنوں میں سے یہ صرف دس بھجن تھے، ناتھ منی نے کروگور کا سفر اختیار کیا جہاں نمّا لوار پیدا ہوا تھا۔ وہ یہ امید لے کر گیا تھا کہ وہاں اسے ان بھجنوں کا پورا مجموعہ مل جائے گا۔ کرُوگور پہنچ کر ناتھ منی وشنو کی پوجا کرکے اس امید میں املی کے مقدس پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا کہ وہاں آلوار سے اس کی ملاقات ہو جائے گی۔ اس کے غم و یاس کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کی یوگ شکتی اس کے سامنے شاتھ کوپا کا پیکر لا کھڑا کرنے میں ناکام ہوگئی۔ تب اس نے یہ ترکیب سوچی کہ مدھرکوی (Madhura kavi) نے اپنے گورو شتھ کوپا سے متعلق جو بھجن کہا تھا وہ اسے بارہ ہزار مرتبہ گائے گا۔ اس عمل سے خوش ہوکر شتھ کوپا اور مدھرکوی دونوں ناتھ منی کے سامنے آگئے اور انھوں نے اسے چاروں "پربندھوں" (Prabandhas) کا علم مع ان کے مطالب کے عطا کیا۔ اس کے بعد ناتھ منی نے کروگور ہی میں رک کر "پربندھوں" پر غور و فکر کیا۔ حتیٰ کہ اسے اس کی جائے پیدائش کے مقامی دیوتا ویرنارائن کرشن نے بلا بھیجا اور وہ ویرنارائن پورم کو واپس چلا گیا جہاں اس نے کچھ چیلوں کی ایک منڈلی اپنے گرد جمع کر لی جس نے یہ بھجن ملکوتی سروں میں گائے۔[12]

یہ بڑا ظلم ہوگا اگر ایسے خیالی قصے کہانیوں کو تاریخی تنقید کی روشنی میں دیکھا جائے۔ جہاں تک اس کی سچائی کا تعلق ہے یہ کہانی عظیم ہستیوں اور ان کے کارناموں کی یاد تازہ رکھنے کا ایک روایتی ہندستانی طریقہ ہے۔ یہ اس قیاس کو حق بجانب قرار دیتی ہے کہ وشنو دھرم گرنتھوں کی ترتیب اور اس کی موسیقی کی طرزوں کا تعین جنوبی ہند کی وشنو دھرم کی تاریخ کے دوسرے عظیم حصے کے اولین عظیم آچاریہ نے کیا۔ تاریخ کا یہ دوسرا حصہ بھجنوں کے زمانے اور ان بڑے مبصروں کے عہد کی، جو رامانج کے کافی عرصہ بعد

ہوئے، درمیانی کر دی تھا۔[13] اکل کے راج راجا کے عہد کے ایک کتبے میں ترو وائیمولی دیور (Tiruvaymolidevar) کا ذکر اور وشنو مندروں میں ترو پدیم کے گائے جانے کا تذکرہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اس سلسلے میں شیو دھرم اور وشنو دھرم عملی طور پر متوازی خطوط پر گامزن تھے۔ اتر میرور کے راجندر اول کے عہد کے دو کتبوں میں اس امر کی منظوری کا اندراج ہے کہ جو بھوجن دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے وہ ان "شری وشنوؤں" میں تقسیم کیا جائے گا جو پوجا کے دوران "ترو پدیم" گاتے تھے۔[14] اور ان تین افراد کے گذارے کے لیے اراضی وقف کی جائے گی جو مندر میں باقاعدگی سے "ترو وائیمولی" گانے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔[15] شری رنگم کے مندر میں "ترو پلی ییلوچی" کے دوران میں "ترو وائیمولی" گانے کے انتظام کی منظوری ۱۰۸۵ء کے ایک کتبے میں بھی درج ہے۔[16] ۱۰۸۸ء کے ایک کتبے میں تحریر ہے کہ شری رنگم مندر میں ایک تیوہار کے دوران تین راتوں تک دیوتا کے حضور میں کل شیکھر آلوار کا وہ بھجن گایا گیا تھا جو "تیلارندرل" (Tellarundiral) سے شروع ہوتا ہے۔[17] ترو کوئیلور میں اریشی (اکتوبر نومبر) اور وائیگاشی (مئی جون) کے مہینوں میں منعقد ہونے والے تیوہار کے دوران "ترو وائیمولی" گانے کے اخراجات کی منظوری راجادھیراج دوم کے آٹھویں سال حکومت ۱۱۷۱ء کے ایک کتبے میں درج ہے۔[18] ۱۲۴۲ء کے ایک کتبے میں ۵۸ برہمنوں پر مشتمل ایک بھجن منڈلی کا ذکر آیا ہے جو کانچی میں "ترو مولی"[19] گانے کے لیے تعینات تھی ایک کتبے میں جو ترو کوئیلور میں ملا ہے لیکن جس کی تاریخ مشتبہ ہے مقامی وشنو مندر میں "ترو نیڈن دانڈگم" گانے کے انتظام کے لیے ایک وقف کا اندراج ہے۔[20] سب سے آخر میں ایک کتبے میں جو غالباً کلوتنگا سوم کا ہے کانچی پورم میں کسی ایسے شخص سے جو اس کا اہل ہو روزانہ باقاعدگی کے ساتھ "رامانج بھاشیہ" کی تشریح کروانے کے لیے ایک "بھاشیہ ورتی" (مفسر کا وظیفہ) منظور کیے جانے کا ذکر کیا گیا ہے[21] اور یہ مثالیں بھی کسی طرح جامع نہیں کہی جا سکتیں۔

۹۹۵ء کے ایک کتبے میں "ترو پدیم" کی ایک ہم عصر تحریر کی ایک انوکھی مثال درج کی ہے۔ یہ "ترو پدیم" "کولنار کلل" (Kolanar Kulal) سے شروع ہوتی ہے اور ترو ہالی پورم کے وشنو دیوتا کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔[22] لیکن دھرم گرنتھوں کے بھجنوں کی ایسی نقلیں بہت کم دستیاب ہوئی ہیں اور بعد کے زمانے کی شیو دھرم کی نظموں کے

برعکس انہیں مذہبی لٹریچر میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

ویدوں کا پاٹھ

یہ بات قابل توجہ ہے کہ مندروں میں تامل زبان کے بھجنوں کے گائے جانے سے ان کی وہ اہمیت واضح ہو جاتی ہے جو ان کو سنسکرت زبان کے ویدوں کے مقابلہ میں حاصل تھی اور جو ان کو شیومت اور وشنو دھرم دونوں نے دے رکھی تھی۔ یہ بات نہ صرف بڑے بڑے مندروں میں رائج آج کل کے طریقۂ کار سے معلوم ہوتی ہے بلکہ چولا عہد کے کثیر التعداد ہم عصر کتبوں سے بھی عیاں ہے کہ اس زمانے میں مندروں میں پوجا کے وقت وید روزانہ گائے جاتے تھے۔[23] ایسا وہ برہمن کرتے تھے جنہیں خاص طور پر اس مقصد کے لیے مندروں میں تعینات کیا جاتا تھا۔ مذکورہ کتبوں میں سے دو ایک خاص دلچسپی کے حامل ہیں۔ راج کیسری کے چودہویں سال حکومت میں[24] پنڈارا واڈی میں ایک عطیہ اس غرض سے دیا گیا تھا کہ اس سے "آردرا" کے تیوہار کی رات کو منعقد کیے جانے والے پاٹھ کے سالانہ مقابلے میں جیتنے والے کو انعام دیا جا سکے۔ مقابلہ میں شریک ہونے والے کو جیمنی کے سام وید کا کوئی مخصوص حصہ گانے کے لیے کہا جاتا تھا۔ تیوہاروں کے موقع پر دیوتا کے سامنے ویدوں کا پاٹھ کرنے کے لیے معمول سے زیادہ آدمی لگائے جاتے تھے اور کئی بار ایسی عارضی خدمات کے لیے بھی عطیے منظور کیے جاتے تھے۔[25]

دیگر گرنتھوں کے پاٹھ

کتبوں میں کچھ اور پاٹھوں کی مثالیں بھی ملتی ہیں جو زیادہ مقبول نوعیت کے تھے اور جن کا مقصد معتقدین کی تعلیم و تربیت ہوتا تھا۔ یہ مثالیں آلو دائیا نمبی (Aludaiyanambi) کے "شری پران" (Sri Puranam) اور "شیو دھرم"[26] نیز "سوم سدھانت" جیسے گرنتھوں کے پاٹھ کی تھیں۔ ابھی تک ان تصانیف کی نوعیت واضح نہیں ہو سکی اگرچہ آخری تصنیف کے متعلق "پربودھ چندرودیہ" (Prabodhacandradaya) میں جو حوالہ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیو دھرم کے "کاپالکا" مکتبۂ خیال کے عقیدے کا پرچار کرتی تھی۔[27]

مندر

متبرک لٹریچر کی فراہمی اور حفاظت کے علاوہ مذہب کی نئی زندگی پتھر کے چھوٹے بڑے مندروں کی تعمیر کی صورت میں نمودار ہوئی جو ان سبھی پاکیزہ مقامات پر بنائے گئے جو عہد قدیم کے آلواروں اور نائناروں کی زندگیوں کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے مقدس مانے جاتے تھے۔ مذہبی ادارے کی حیثیت سے جنوبی ہند کے مندر کا واسطہ بہت ہی قدیم زمانے سے تھا اور سنگم لٹریچر سے بھی برہمنی، بودھی اور جینی دیوتاؤں کے مندروں کی موجودگی کی تصدیق ہوتی ہے۔ قدیم وقتوں کے مندر اینٹوں اور گارے سے بنی ہوئی تعمیرات تھے یا پلو حکمرانوں کے تحت یہ سنگلاخ پتھر کی چٹانوں کو کاٹ کر بنائے جاتے تھے۔[28] چٹانوں کو کاٹ کر مندر تعمیر کرنے کا فن بھی انجانا نہیں تھا اور کانچی پورم کا کیلاش ناتھ مندر اور مہابلی پورم کا ساحلِ سمندر پر واقع مندر اس بات کے شاہد ہیں کہ مہندر ورمن کے بعد دو صدیوں میں فن تعمیر میں کس قدر ترقی ہوئی۔ یہ وہ مہندر ورمن تھا جو "وچتر چت" (Vicitra - citta) تھا۔ اور جو بغیر کسی دھات، لکڑی یا اینٹوں کے ایک مندر کو معرض وجود میں لاکر خود ہی اپنے کارنامے پر حیران رہ گیا تھا۔[29] تاہم اس بات کی تصدیق ہمعصر کتبات سے بخوبی ہوجاتی ہے کہ پتھر سے بنے ہوئے مندر نویں اور دسویں صدی کے دوران چولا ریاست میں کمیاب تھے اور وجیالہ نسل کے راجاؤں نے ان کی تعداد بڑھانے میں پہل کی۔ انبل کی تختیاں بتاتی ہیں کہ آدتیہ اوّل کے عہد حکومت کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے دریائے کاویری کی پوری گذرگاہ کے دونوں کناروں کو پہاڑ سے لیکر سمندر تک بے شمار بلند اور نہایت مستحکم مندروں سے ڈھک دیا تھا جو پتھر سے تعمیر کئے گیے تھے اور شو کے نام سے منسوب کر دیئے گیے تھے۔ پرانتکا اوّل کے عہد کے کتبات بتاتے ہیں کہ آدتیہ کے کام کو اس کے جانشین نے جاری رکھا۔ اس جانشین نے چدمبرم کے مندر کی چھت کو سونے سے مڑھوانے کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔ اس دور دور تک پھیلی ہوئی تحریک کی قیادت کرنے والوں میں راجاؤں کے علاوہ ان کے بعض اقربا اور افسر بھی پیش پیش دکھائی دیتے ہیں۔ ترو کرلی پچن (Tirukkarrali Piccan) جس کا ابھی تک ایک بت ترو واڈتورئی میں موجود ہے[30]۔ ان افراد میں سے ایک تھا اور وہ راجا پرانتکا اوّل کی ملازمت میں تھا۔ راشٹر کوٹا

حملہ آور راجہ کرشن سوم نے بھی اپنی نو مفتوحہ ریاست میں متعدد مندر تعمیر کیے۔ ان میں سے ایک کاویری پاکم کا کال پریہ (Kala priya) مندر ہے[31]۔ راجا گندھرم آدتیہ کی مہارانی اور راجہ اُتم چولا کی ماں شیمبئن مہادیوی اپنے عنفوان شباب ہی میں بیوہ ہو گئی تھی اور اس واقعہ کے بعد کافی برسوں تک زندہ رہی۔ اس کی زندگی مذہبی زہد و عقیدت کی زندگی تھی اور عین ممکن ہے کہ جس جرم کو کر کے اس کے بیٹے نے تخت تک پہنچنے کے لیے اپنا راستہ ہموار کیا تھا، اس جرم نے مہارانی کے زہد و عقیدت کو شدت عطا کر دی تھی۔ کچھ بھی ہو! اس نے اپنے بیٹے کے پورے عہد حکومت کے دوران، یہاں تک کہ اس کے جانشین راج راجا اوّل کے عہد میں بھی عرصہ تک غیر معمولی طور پر کثیر التعداد مندروں کی تعمیر اور ان کے لیے فراخدلی سے عطیے دلانے کی غرض سے اپنے وسیع رسوخ اور زبردست وسائل کا پورا پورا استعمال کیا[32]۔ شیمبئن مہادیوی نام کا گاؤں کلی طور پر اس کا بسایا ہوا تھا اور ترودوکرئی ضلع جنوبی ارکاٹ میں "چندر مولیشورا" (Candra maulisvara) دیوتا کے نام سے منسوب مندر جو ۱۰۰۱ء کے لگ بھگ تعمیر ہوا تھا اس کی زندگی کی آخری تعمیرات میں سے ایک تھا۔ پرانے مندروں کی تجدید کے نام پر نئے مندروں کی بنیاد رکھنے کے نام پر، یا شاذ و نادر کسی مرنے والے کی یادگار قائم کرنے کی غرض سے، غرضیکہ کسی نہ کسی حیلے سے پتھر کے مندروں کی تعمیر پورے چولا عہد میں جاری رہی اور حقیقت میں تو یہ ہمارے اپنے زمانے تک بھی جاری چلی آئی ہے۔ گیارہویں صدی کے ابتدائی حصے کی سب سے نمایاں تاریخی یادگاریں اور کچھ پہلوؤں سے تمام جنوبی ہند کے مندروں میں خوبصورت ترین مندر تنجور اور گنگائی کونڈا چولا پورم کے مندر تھے۔

شیومت کی حالت

راج راجا کے عہد کے تنجور کے کتبے اس زمانے میں شیو دھرم کی حالت کا غیر معمولی طور پر مکمل نقشہ پیش کرتے ہیں۔ سنتوں کی وہ سوانح حیات جنہیں قلم بند کرنے کے لیے ایک صدی سے زیادہ عرصہ بعد شیکلار جیسا کلاسیکی شاعر ملا، پہلے ہی بہت مقبول ہو چکی تھیں اور ان میں سے کچھ کو اس زمانے کے بت تراشی کے نمونوں میں بھی پیش کیا جا چکا تھا گو ان کی بعد کی شکلیں تفصیلات میں پہلے سے مختلف تھیں[33]۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند کے شیو دھرم کا باقی ہندوستان کے شیو دھرم کے ساتھ جیتا جاگتا تعلق تھا جیسا کہ اس واقعے سے

ظاہر ہے کہ راجندر اوّل نے غلّے کی کثیر مقدار بطور "آچاریہ بھوگ" سالانہ "اڈیار شروشوپڈت" کے لیے مہیا کرنے کا خرچ منظور کیا تھا جو تنجور کے مندر میں پوجا کیا کرتا تھا، نیز اس کے چیلوں کو، اور پھر ان کے چیلوں کو بھی خواہ وہ آریا دیش میں رہتے تھے یا مدھیہ دیش میں یا گوڑ دیش میں[34]۔ کلوتنگا سوم کے عہد کے کتبے شاہد ہیں کہ شمالی ہند اور جنوب کے درمیان یہ تعلق بعد کے چولا عہد میں بھی قائم رہا۔ اومکار دیو اراولر نامی ایک شخص نے ۱۲۱۴ئ میں تروپاشور (ضلع چنگلی پٹ) کے دیوتا کو تروپوترم نذر کرنے کے لیے کچھ رقم دی۔ اس عطیہ دینے والے کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ وارانسی (بنارس) کے کولا مٹھ (Kolla Matha) کے لکشادھیایا اراولر (LaksaDhyaya Iravalar) کی سنتان میں سے ایک مقدس شخص جنان شواراولر (Jnana-siva Iravalar) کا چیلا تھا[35]۔ اس کے تین سال بعد کے پانڈنلور (ضلع تنجور) کے ایک کتبے میں وارانسی کے بھکشا مٹھ کے ایک اور اراولن کا ذکر کیا گیا ہے[36]۔ چند متفرق اشعار میں ایک روایت محفوظ ہے جس کا حوالہ انرت شمبھو نے ترلوچن شیو کی "سدھانت سارادلی" پر اپنی تفسیر میں دیا ہے[37] اور جو اس طرح ہے کہ راجندر اوّل نے دریائے گنگا کے کناروں سے کچھ شیووں کو بلوایا اور انھیں چولا ریاست میں مختلف مقامات پر بسا دیا۔ یہ روایت بھی اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ ہند کے مختلف حصوں میں واقع شیو اداروں کا آپس میں جیتا جاگتا تعلق موجود تھا۔

مذہبی رواداری ایک اصول کے طور پر

عام طور سے چولا عہد کا مذہبی مزاج، خصوصاً اس کے پہلے نصف حصّے میں ہرگز تنگ دلانہ اور متعصبانہ نہیں تھا۔ راجگان نہ صرف اپنے دھرم کے علاوہ دیگر مذاہب سے رواداری برتتے تھے بلکہ وہ تمام مذاہب کی یکساں سرپرستی کرتے تھے۔ راج راجا جیسے روشن خیال شہنشاہ نے تو مذہب کے تئیں اپنے اس عام رویے کا واضح اظہار اس خصوصی اقدام کے ذریعے سے کر دیا کہ تنجور کے عظیم شیو مندر کی آرائش میں وشنو دھرم اور بدھ دھرم تک کے موضوعات شامل کر دیئے۔ اس کی بہن کندوئی نے ایک مندر وشنو کا، ایک شیو کا اور ایک جین (جینیندر مہاویر) کا ایک ہی مقام راج راجا پورم میں تعمیر کروائے

جو آجکل دادا پورم کہلاتا ہے۔ اور ان سب عبادت گاہوں کے لیے اس نے جو عطیے دیئے ان کا اندراج ایک ہی کتبے میں مل جاتا ہے۔[38] عطیے میں دیئے ہوئے جواہرات کی فہرست میں کئی سونے کے بنے ہوئے نامم (Namam) شامل ہیں۔ "نامم" وشنو فرقے کا نشان تھا۔ متعدد مندر ایسے تھے جن کے اندر وشنو اور شیو دونوں کی عبادت گاہیں تھیں۔ ایسے مندروں کی ممتاز ترین مثال چدمبرم مندر تھا۔ اس مندر میں نٹ راج اور گووندراج دونوں کی مورتیوں کی نشست ترو کوویار (Tiru KKovaiyar) کے ایک شلوک میں صحت کے ساتھ یوں بیان کی گئی ہے کہ وشنو، نٹ راج کے مقابل لیٹے ہوئے ہیں اور نٹ راج کے رقص کے لیے اوپر اٹھے ہوئے ایک پاؤں کے دھیان میں مگن ہیں۔ اور دوسرے پاؤں کے بھی درشن کروانے کے لیے ان سے التجا کر رہے ہیں۔[39] ترووکرئی میں واقع شیمبئن مہادیوی کے از سر نو تعمیر کردہ چندرمولیشورا کے مندر کی حدود کے اندر "وردراجا پیرومال" کی ایک عبادت گاہ تھی جسے پہلے کوچولا (Koccola) نے اینٹوں سے تعمیر کروایا تھا اور ادھیراجندر کے مختصر سے عہد حکومت کے دوران جس کو از سر نو پتھر سے بنوایا گیا۔[40] اگر یہ حوالہ شیننگنان کے متعلق مانا جائے، جو قدیم قصے کہانیوں کا مشہور راجہ ہے جسے ترومنگئی اس نام سے پکارتا تھا،[41] تو اس دستاویزی حوالے سے اہم کوئی شہادت اس بات کی نہیں ہو سکتی کہ اس نے ترومنگئی کے پہلو ہی میں وشنو کی عبادت گاہ تعمیر کروائی اور آٹھ بازوؤں والے "ایش" کے ستر[72] خوبصورت محل بنوانے کی وجہ سے شہرت پائی۔ ہندو دھرم اس وقت تک مجموعی طور پر زندگی کے متعلق ایک رویہ تھا اور اس نے اپنے آپ کو ابھی متعصبانہ عداوتوں کے بے آب وگیاہ ریگستان میں گم نہیں کیا تھا

مستثنات

اس بات پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ اکثر ایسے موقعے بھی آئے جب کسی ایک فرقے کی ناروا داری اور تعصب کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ جہاں مختلف فرقے باہم خیر سگالی کی فضا میں رہتے بستے تھے اور انھیں راجاؤں اور ملک کے امراء اور جاگیرداروں سے یکساں سرپرستی حاصل تھی وہاں ہر ایک فرقہ اپنی الگ اور جداگانہ زندگی بھی بسر کرتا تھا اور ہندوستانی سماج کی تاریخ میں اس سے بڑی حیرت کی اور کوئی بات نہیں ہے کہ اس میں دانشورانہ رواداری اور سماجی علیحدگی پسندی دونوں کو یکجا کرنے کی مہلک گنجائش

ہے۔ لیکن سماجی علیحدگی پسندی یقینی طور پر کبھی نہ کبھی اپنا فطری نتیجہ بھی سامنے لاتی ہے اور یہ نتیجہ ہوتا ہے اپنے فرقے یا جماعت کے مقابلے میں دوسرے فرقوں کی بھلائی سے بے نیازی۔ اور جب عقائد کے اختلافات شدید ہو جاتے ہیں تو یہ بے نیازی سرگرم دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چولا عہد میں مذہبی ناروا داری کی سرکردہ مثال یہ ہے کہ رامانج اور اس کے مریدوں پر چولا راجہ نے، جس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون تھا، مظالم ڈھائے۔ ہمارے سامنے یہ باور کرنے کے معقول اسباب موجود ہیں کہ ان مظالم کا ردعمل ایک عوامی بغاوت کی شکل میں نمودار ہوا جس میں وبیالہ نسل کا آخری مرد حکمراں ادھیر آجندر اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اگر واقعات سے متعلق یہ رائے صحیح ہو تو ہم اس سے دو نتیجے نکال سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ویشنو مت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا کبھی بھی چولا شہنشاہیت کی پالیسی کا حصہ نہیں تھا اور رامانج پر ظلم اصل میں محض ایک واحد حکمران کا انفرادی جنون تھا۔ دوسرا یہ کہ عام ماحول تنگدلانہ مذہبی پالیسی کے لیے اس قدر ناسازگار تھا کہ جس راجا نے اسے اختیار کرنے کی جرأت کی وہ عوامی بغاوت میں مارا گیا اور تب سے ساری دنیا نے اسے "کرمی کنٹھ" (متعفن گردن والا) قرار دے کر ملامت اور نفرت کا ہدف بنایا۔ کوئی بھی ظلم بالآخر مظلوم فرقے کے لیے فائدہ مند ثابت ہونے میں ناکام نہیں رہا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رامانج کے مت نے جو پہلے ہی اس ریاست میں "آواروں" اور "آچاریوں" کے ایک طویل سلسلے کی مذہبی قیادت کے طفیل مستحکم ہو چکا تھا، اس احمقانہ اور عارضی کوشش کی وجہ سے، جو اسے کچل کر صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی غرض سے کی گئی تھی، تازہ قوت حاصل کر لی۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ ہے کہ اس وقت سے جنوبی ہند کے شیو اور ویشنو اس دوستانہ جذبہ سے محروم ہو گئے جو پہلے وقتوں میں ان کے درمیان قائم تھا جب انھوں نے بدھ اور جین دھرم کے خلاف مشترکہ لڑائی لڑی تھی۔

ویشنو مت کے خلاف مذہبی منافرت کے ایک اور طوفان کی تصدیق رامانج پر کیے گئے مظالم کے مقابلہ میں بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے۔ رامانج کے خلاف ظلم و ستم کی داستان تو خیالی قصے کہانیوں سے اس قدر بھری ہوئی ہے کہ اصل واقعات کا اس میں دریافت کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہم کلوتنگا دوم کی طرف سے چدمبرم مندر میں کی جانے والی کارروائیوں کی مثال لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ان کی تصدیق ہم عصر لٹریچر سے بھی واضح طور پر کی جا سکتی

ہے۔ اس بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ کلوتنگا دوم ایک متعصب شیو تھا اور وہ جنوبی ہند کے شیومت کے متبرک ترین مرکز میں واقع عظیم مندر میں شو اور وشنو کی مورتیوں کی نشست کو جس کا مدتوں سے احترام کیا جاتا تھا' بدل دینا چاہتا تھا۔ کلوتنگا نے اس طرح دونوں دھرموں کا جو توازن بگاڑ دیا تھا اسے بعد کے زمانے میں وجیا نگر کے حکمرانوں نے ٹھیک کیا لیکن ایک بار پھر پرانی یک جہتی جاتی رہی اور عقیدت مندوں کے دونوں گروہوں کا رویہ' جنہیں مندر کی حدود میں شانہ بشانہ چلنا ہوتا ہے' کبھی بھی اتنا دوستانہ نہیں ہو سکتا تھا جتنا کہ ان دیوتاؤں کی باہمی قربت کا تقاضا تھا جن کی یہ دونوں گروہ پرستش کرتے تھے۔

۱۲۶۰ء میں ترودکڈائیور کی مہاسبھا نے جو سرسری فیصلہ کیا اس میں مختلف فرقوں میں بڑھتی ہوئی علیحدگی پسندی کی جھلک دکھائی دیتی ہے[42]۔ سبھا نے یہ قرارداد منظور کی کہ مہیشور جو شو مندر کے نگراں کی حیثیت سے قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ویشنوؤں کے ساتھ کھلم کھلا میل جول رکھے گا اس کی جائیداد مندر کے حق میں ضبط کر لی جائے گی۔ یہ اس نوعیت کی واحد مثال ہے جو تحریری شکل میں موجود ہے' پھر بھی اس کی اہمیت میں کوئی شک نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ اس بتدریج بگڑتے ہوئے مذہبی ماحول کی جو سامنے آرہا تھا' ایک مثال تھی۔

کانچی

کانچی پورم کی جو چولا سلطنت کی راجدھانیوں میں سے ایک شہر تھا' لاثانی حیثیت ان باہم مخالف مذہبی فرقوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں بڑی سبق آموز ہے جو سرکاری سرپرستی اور عوامی مقبولیت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس شہر میں تین سرکردہ حصے تھے اور ہر حصہ ایک الگ دھرم اور اس دھرم کی تبلیغ کرنے والے اداروں کا معتقد تھا۔ ان میں سب سے بڑا حصہ شو کا معتقد تھا۔ اس کے بعد شہر کا وہ حصہ آتا تھا جو اکثر چھوٹا کانچی پورم کہلاتا تھا اور جو ہستی گری آلوار کا یا ارولاں پیرومال کے روپ میں وشنو کا متبرک مقام ہے۔ سب سے آخر میں شہر کا "جن کانچی" نامی حصہ تھا جو عام طور پر "ترو پرتی کنرو" کہلاتا تھا۔ یہ حصہ بلاشبہ باقیوں سے بڑا اور زیادہ خوشحال حصہ تھا اور چولا سلطنت کے دنوں میں کانچی پورم خاص کے ساتھ اس کا تعلق زمانۂ حال کی نسبت زیادہ بہتر تھا

ہم یہاں یہ بھی یاد دلادیں کہ کانچی پورم میں ایک ایسی بستی کے بھی بہت سے کھنڈر ملے ہیں
جو کبھی بوڑھوں کی ایک کثیر آبادی کی بستی رہی ہوگی۔ اس عظیم اور قدیم شہر کے مختلف حصوں
کے نقشے سے اور ان کے باہمی تعلقات کے مطالعے سے ایسی بہت سی باتوں کا پتہ چلتا
ہے جن سے جنوبی ہند کے اس وقت کے مذہبی عقائد اور رسوم کی جب وہ اپنی بہترین
صورت میں تھے، تاریخ معلوم ہوتی ہے۔

عوام کے دیوتا

رواداری، اور تمام مذاہب کی خوبیاں اپنا لینے کا جو تاثر اس زمانے کے مذہبی
نظریہ میں ملتا ہے وہ اور بھی مستحکم ہوجاتا ہے جب ہم ان مختلف قسم کے دیوتاؤں پر جن
کی ملک بھر میں پرستش ہوتی تھی، نظر ڈالتے ہیں۔ شو اور ان کے مختلف اوتاروں[43]
مثلاً "کراتا رجنیہ" بھکشاتن، کلیان سندرا، پنچ دیہار لنگ پران دیو، اُما سہتا، نٹراج
دکشنا مورتی، شری کنٹھا وغیرہ کی مورتیوں کے علاوہ تنجور کے عظیم مندر کو اپنے شاہی
سرپرستوں کی طرف سے نذر کی جانے والی مورتیوں میں گنپتی۔ سبرامنیا۔ مہا وشنو اور
سوریہ کی مورتیاں[44] شامل تھیں۔ شیو سنتوں کی مورتیاں بھی تھیں جن میں سے کچھ کی
باقاعدگی سے پوجا ہوتی تھی جیسے چنڈیشورا۔ "دیوارم" کے تینوں مصنف میہ پورل نائنار
شرد تونددر اور شیر آلر[45] اور چند دوسرے۔ دیویوں میں کال پڈاری۔ درگا پرمیشوری اور ایملتو
درگا یار اور مکار سندری[46] کا ذکر آتا ہے۔ تنجور کے کتبات میں بعض نواحی دیہاتوں میں
پوجے جانے والے کچھ دیگر چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کے نام بھی مذکور ہیں۔ یہ گاؤں کے
دیوتا پڈاری۔ شیٹیار یعنی جیشٹھا[47] کے مختلف سروپوں اور دیگر دیوتاؤں پر مشتمل تھے جن
کی عبادت گاہیں شری کوئیل کہلاتی ہیں۔ کچھ دیگر کتبوں میں سات ماتاؤں[48] اور کرشن[49]
رام۔ سیتا۔ لکشمن[50] اور ہنومان[51] کا ذکر آتا ہے۔ ترووریور شہر تمام کے تمام تریسٹھ شیو سنتوں
کی پوجا کرتا تھا[52] اور کال ہتی شہر نے ایک باغ کے نام سے جو کنپر کے نام سے منسوب تھا
ایک مقامی قدیم داستان کی یاد کو زندہ رکھا۔[53] اینائرم وشنو مت کا ایک بڑا مضبوط مرکز
تھا۔ یہاں شری مول استھانم اُڈئیار۔ سرسوتی۔ شری بھتارکی۔ مہاموڈی۔ سوریہ دیو سپت
ماتر گل۔ مہاشاستا۔ درگا۔ جیشٹھا اور شیرس کے دیوتاؤں کے مندروں کو گاؤں کی

ارضیات میں سے حصے دیئے گیے تھے[54]۔ عملی طور پر جو مذہب عوام میں مقبول تھے ان کی تصویر مکمل کرنے کے لیے ہم یہ بھی بتا دیں کہ خصوصی متبرک مقامات کی زیارت بھی ان دنوں کی جاتی تھی اور کچھ لوگوں کی سخاوت اس طرح بروئے کار آتی تھی کہ وہ یاتریوں کو تروملئی (تروپتی) پہنچنے اور وہاں سے واپس ہونے کے لیے سہولیات بہم پہنچاتے تھے[55]۔ راجندر اوّل کے زمانے کے میسور کے ایک کتبے میں یہ بھی مذکور ہے کہ ناڈو کی کُروا عورتیں ہر منگل کو منڈ یشوری دیوی کو ایک بکرا بلیدان چڑھاتی تھیں[56]۔

۱۔ ارباب ہندومت

اس طرح مقبولِ عام ہندو دھرم کا کوئی بھی ایسا عنصر ہمارے علم میں نہیں ہے جسے دسویں اور گیارہویں صدی کے مذہبی رسوم و عقائد میں نمائندگی نہ ملی ہو۔ ہندوستان کی مذہبی تاریخ کے غیر ملکی طلبا کو یہ دیکھ کر اکثر حیرت ہوتی ہے اور کبھی کبھی کوفت بھی کہ ہندو مت نے اندھا دھند طریقہ سے نکمے سے نکمے توہمات اور بھوت پریتوں کی پوجا تک کو اپنے اندر سمیٹ لیا اور ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ ترین قسم کی بھگتی اور دھیان کو بھی اپنا لیا[57]۔ لیکن یہاں دوسرے معاملات کی طرح مذہب میں بھی جو نصب العین سامنے تھا وہ مساوات نہیں بلکہ ہم آہنگی تھا، یعنی ایک ایسے مذہبی نظام کی تشکیل جس میں ہر شخص اور ہر طبقے کو ایک موزوں مقام اور ایک سہارا مل جائے جہاں سے اگلا قدم آگے رکھا جا سکے۔ کرم اور تناسخ کے اصول قوم کے زندہ مذہب کا حصہ تھے۔ اور عوامی مذہب میں مذہبی محرکات کے ابتدائی مظاہر کی شمولیت محض ایسے فلسفے کا نتیجہ تھی جو ادنیٰ ترین انسان بلکہ دراصل ہر جاندار میں خدائی الوہیت کی ایک چنگاری دیکھتا ہے، جو اپنے ماضی کے اعمال میں قید ہے اور اپنی اصل پاکیزگی کی طرف واپس جانے کی سعی کر رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دھرم میں بہت سے نائناروں اور آلواروں کو جو احترام اس بات کے باوجود بھی حاصل تھا کہ وہ پجاریوں کی ذات میں پیدا نہیں ہوئے تھے اور نیچ ذات کے سنت نندن کی کہانی یہ ثابت کرتی ہے کہ ہندومت میں غیر ترقی یافتہ مذاہب کے داخلے سے روحانی اقدار کا معیار ہرگز پست نہیں ہوا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مذہبی محرکات کو پاک اور بلند کیا جائے۔ اگرچہ اس بات کا بھی امکان تھا کہ ادنیٰ معتقدات کو بلندی عطا کرنے کی سعی

میں اعلیٰ بھی ضرر سے بالکل محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔

ریاضت اور نفس کشی

ایک تارک الدنیا شخص کی زندگی لوگوں کے تخیل کے لیے زبردست کشش رکھتی تھی اور مذہبی سخاوت کے عام طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ مندروں اور مٹھوں کے تپسّویوں کو باقاعدگی سے یا گاہے بگاہے کھانا کھلایا جائے۔ ویشنو دھرم کے مجموعی طور پر تپسوی آدرش سے عقیدت مندی معتدل اور متوازن تھی اور شیو دھرم کی طرح اس میں بھونڈی اور مضحکہ خیز باتوں کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ ویشنوؤں کے عطیات عموماً شری ویشنوؤں اور "تادر" (داسوں)[58] کو یا ان برہمنوں کو کھانا کھلانے کے لیے منظور کیے جاتے تھے جنہیں ویدوں پر پورا ملکہ حاصل ہوتا تھا اور رادھا پنتھ[59] کے پست عقیدے کا ویشنومت ابھی جنوب میں رائج نہیں ہوا تھا بلکہ شاید یہ جنوبی ہند میں کبھی مقبول نہیں ہوا۔ کتبوں سے ویشنو مٹھوں کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ مثلاً اتر میرور کا کندوئی مٹھ[60]۔ شیو دھرم اس زمانے میں شنکر آچاریہ کے ادویت طریقے سے جسے سمارت ہندو مت کہا جاسکتا ہے، شدید تضاد رکھتا تھا اور اس میں مختلف فرقے شامل ہو گئے تھے جن میں شائستہ شیو یوگیوں سے لے کر انتہائی متعصب اور مکروہ فرقے مثلاً پشوپت، کاپالکا، اور کالا مکھ وغیرہ شامل تھے۔ شیو یوگی جیسا کہ اس کے نام سے پتہ چلتا ہے، اپنی زندگی شیو کے دھیان میں گزارتا تھا اور اس دھیان کے ذریعے مادّی زندگی کے بندھنوں سے نجات حاصل کرنے کا بندوبست کرتا تھا، بتایا جاتا ہے کہ موت آنے کے وقت وہ اپنے جسم پر بھبھوت مل لیتا تھا، چند شیو منتروں کا جاپ کرتا تھا اور اپنی چھاتی پر شیو لنگ کی پوجا کرتا تھا۔ مندروں اور مٹھوں میں شیو یوگیوں کو کھانا دینے کے لیے کثیر عطیات دیئے گیے تھے جن کا ذکر کتبوں میں ملتا ہے[61]۔ کالا مکھ جو مہاورتی بھی کہلاتے تھے، ان میں غالباً سب سے زیادہ انتہا پسند فرقہ تھا اور یہ کاپالکوں سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ کالا مکھوں کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا اور اگلی دنیا کی تمام خواہشات کی تکمیل کے ذرائع مندرجہ ذیل ہیں؛

(۱) کھوپڑی میں کھانا کھانا (۲) جلی ہوئی لاش کی راکھ بدن پر ملنا (۳) راکھ کو کھانا (۴) ڈنڈا ہاتھوں میں لیے رکھنا (۵) شراب کا برتن رکھنا (۶) اور اس میں بٹھا کر دیوتا کی پرستش

کرنا[62] ان عادتوں کی وجہ سے وہ "مہاورتی" کہلاتے تھے یعنی عظیم عہد والے لوگ۔ ان کی
ان عادات سے نرم دل ریفارمر رآمانج کے دل میں شدید بیزاری پیدا ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے
کہ وہ انسانی قربانی بھی کرتے تھے[63] نویں، دسویں اور گیارہویں صدی میں "کالامکھ" تمام
جنوبی ہند میں دُور دُور تک پھیل گیے تھے۔ راجاؤں اور عوام سے انھیں سرپرستی یا امداد کی کمی نہیں
تھی۔ شہنشاہ پرانتکا ادم کے ہم عصر کوڈمبلور کے سردار وکرم کیسری نے تین مندر (ومان ترئم) تعمیر
کروائے جو "موور کوول" کہلاتے ہیں۔ تب اس نے "آتریہ گوتر" کے مشہور اور نامور مقدس
ہستی ملکا ارجن کو ایک بڑا مٹھ (برہمن مٹھ) نذر کیا۔ ملکا ارجن مدورا کا رہنے والا ایک شخص
تھا جو ویدوں پر عبور رکھتا تھا اور ودیا راشی اور تپوراشی کا ششیہ (شاگرد) تھا۔ اس یادووکرم
کیسری نے بھی اپنے گورو اور کالامکھا دان کے سب سے بڑے تپسوی کو گیارہ گاؤں بھی دیے
تاکہ ان کی آمدنی سے پچاس "است وکتر" تپسویوں کو روزانہ باقاعدگی سے کھانا دیا جاسکے[64]۔
پڈوکوٹہ کے اس کتبے سے پہلے کے ایک کتبے میں جو ضلع شمالی ارکاٹ کے ایک مقام
ویڈال سے ملا ہے "ہاریت گوتر" کے کالامکھ دش پورتین اور آپستمب سوتر[65] کا ذکر آیا ہے۔ ریاست
کے اسی علاقے میں میل پاڈی کے مقام پر کالامکھوں کا ایک مٹھ تھا جس کے سربراہ
کو "لکولیشورا پنڈت[66]" کہتے تھے۔ ترووڈیور میں ان کا ایک اور مٹھ تھا جس کا سربراہ
"چترانن پنڈت[67]" کہلاتا تھا۔ راجا ویر راجیندر کے عہد کے جمبئی ضلع جنوبی ارکاٹ
کے ایک کتبے میں مقامی مندر کے حکام کی فہرست میں "مہاورتی لکولیشورا پنڈت" کا
بھی ذکر موجود ہے۔ گومڈتو اروالا بھٹن نامی ایک کالامکھ نے ۱۱۲۳ء میں کوئل تیورائن
پیٹئی (ضلع تنجور) کے مندر کے پاس کچھ اراضی فروخت کی تھی[68]۔ ۱۱۲۷ء، ۱۲۰۵ء اور ۱۲۳۱ء
میں ترووانئی کوئل (ضلع چنگل پٹ) کے مندر میں اسی پنتھ کے شیل راشی اور جنان راشی
نامی کالامکھوں کا ذکر چراغوں کا عطیہ دینے یا مندر میں چراغوں کے عطیے کے انتظام کے
سلسلے[69] میں کیا گیا ہے۔ یہ تمام مثالیں چولوں کے عہد حکومت میں جنوبی ہند کے شیومت
پر "کالامکھوں" کے اثر و رسوخ کی وسعت اور تسلسل کی نشان دہی کرتی ہیں۔ تاہم اس بات
میں شبہ ہے کہ ان فرقوں کے ارکان جو مندروں سے وابستہ تھے اور شاید وہاں پوجا
وغیرہ بھی کرواتے تھے ان لازمی مذہبی اصولوں اور قواعد کی پابندی بھی کرتے تھے
یا نہیں جو ان سے منسوب کیے جاتے تھے اس کا تسلی بخش جواب دینے کے لیے ہمارے

پاس ہم عصر کتابوں کی کوئی شہادت نہیں ہے۔

ایک چترانن پنڈت

ترووریور کے مٹھ کے ایک "چترانن پنڈت" کی زندگی اور سرگرمیاں[70] کنر دیو کے زمانے کے ایک کتبے میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ایک مفصل مطالعے کی مستحق ہیں کیونکہ ان سے ان محرکات کی کچھ دلچسپ اور معتبر مثالیں مل جاتی ہیں جو لوگوں کو ایک تارک الدنیا شخص کی زندگی اختیار کرنے کے لیے راغب کرتے تھے۔ ولبھ کی پیدائش کیرالا کے ایک مقامی سردار کے خاندان میں ہوئی تھی۔ وہ گوہ سے ملتا جلتا تھا اور بہت سے نیک اوصاف کا حامل تھا۔ لڑکپن میں اس نے سبھی علوم و فنون پر عبور حاصل کیا تھا اور عین عنفوانِ شباب میں دنیا کی خدمت کا ولولہ دل میں لے کر چولا ریاست میں پہنچا اور ایک سامنت اور عزیز دوست کی حیثیت سے راجا راج آدتیہ کے قریبی مصاحبوں میں شامل[71] ہوگیا۔ چونکہ دوسری مصروفیات کے باعث اسے اپنے دوست راجا آدتیہ کے ہمراہ جنگ میں لڑنے اور اس کے ساتھ مرجانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، اس لیے اسے اس کا شدید احساس ہونے لگا کہ اس کی زندگی اس کی پیدائش اور اعلیٰ تعلقات کے شایاں نہیں۔ چنانچہ وہ دنیا سے بے نیاز اور لاتعلق ہوگیا۔ تب اس نے گنگا میں اشنان کیا اور ترووٹیور میں سنیاسی بن گیا۔ اس نے نرنجن گورا سے "ورت" لیے اور اس طرح "مہاورتی" بن گیا۔ اس نام چترانن پڑگیا اور وہ مقامی مٹھ کا سربراہ بن گیا۔ جس کتبے میں یہ احوال دیا ہوا ہے اس پر کنر دیو کے بیسویں سالِ حکومت کی تاریخ درج ہے۔ کنر دیو نے ۹۶۰ء کے قریب کانچی اور تنجور کو تسخیر کیا تھا۔ اس وقت وہ اپنی لشکر کشی کے نتیجے میں چولا ریاست کے شمالی اضلاع پر مکمل قبضہ کرچکا تھا۔

تپسویوں کی اپنی کوئی جائداد نہیں ہوتی تھی لیکن ان تنظیموں یعنی مٹھوں کی ملکیت میں وسیع جائدادیں ہوتی تھیں جن کی آمدنی ان کی نگہداشت اور علم و فن کی حوصلہ افزائی پر خرچ ہوتی تھی۔ آبادی کا کتنا حصہ اس طرح کی پاکیزہ مفلسی کی گو وہ تکلیف دہ نہ سہی، بسر کرتا تھا، اور آیا وہ آج کے مقابلے میں زیادہ تھا، یہ طے کرنا واقعی مشکل ہے۔ تارک الدنیا تپسوی کے آدرش کے لیے زمانہ ان دنوں بے شک سازگار تھا اور ملک میں رائج تمام مذہبی

نظام اسے سراہتے تھے۔ تپسیا میں دوہری برکت تھی۔ وہ شخص جو تپسوی بن جاتا تھا اور وہ شخص جو تپسوی نہیں بنتا تھا بلکہ گرہست ہی رہتا تھا، دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ دونوں مذہبی ثواب کماتے تھے کیونکہ گرہست کو اپنے دیئے ہوئے دان کی بدولت عاقبت میں اچھی جگہ ملنے کا اتنا ہی یقین تھا جتنا کہ سنیاسی کو اپنے ترک دنیا اور نفس کشی کی بدولت۔ بلاشبہ بعض ایسی مثالیں بھی سامنے آتی تھیں کہ تپسوی میں لباس میں لوگ ریاکاری کے مرتکب ہوتے تھے لیکن ایسے لوگ عوام کے مذاق کا ہدف بن جاتے تھے کیونکہ عوام اتنی سمجھ رکھتے تھے کہ ایسے ریاکاروں کو فوراً پہچان لیتے تھے۔ لیکن آج کل کا جدید نظریہ جو معاشی ترقی کے نام پر سادھو یا فقیر کو نکما اور بیکار قرار دیتا ہے۔ اس وقت بالکل مفقود تھا اور اپنے شدائد اور گمراہیوں کے باوجود تپسوی زندگی کے آدرش نے اعلیٰ روحانی اقدار پر زور دے کر اور انسانوں کو زندگی کی سنگین حقیقتوں کا سامنا کرنے کے قابل بنانے کے لیے ایک بنا بنایا فلسفہ عطا کر کے عوام کا بہت بھلا کیا ہے۔ یہ آدرش شہر کے لوگوں کو نہ سہی لیکن گاؤں کے لوگوں کو اب تک عزیز ہے۔

مٹھ اور گھائی

یہاں ہم چولا عہد کے مٹھوں اور گھائیوں کی تاریخ[72] کا مفصل جائزہ نہیں لے سکتے ان کی ابتدا راج راجا اوّل کے عہد سے بہت پہلے کی ہے[73] اور جنوبی ہند میں چولا عہد کے دوران اِن کی تعداد اور اثر و رسوخ میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اِن مٹھوں کے اہم مراکز سے شروع ہو کر جہاں پہلے پہل ایک یا زیادہ مٹھ قائم ہوئے، یہ تحریک تمام ملک میں پھیل گئی حتیٰ کہ ہر ایک مندر کے ساتھ اس کے نواح میں ایک یا ایک سے زیادہ مٹھ منسلک ہو کر کام کرنے لگے۔ شروع ہی سے ان مٹھوں نے چند اہم مراکز کے گرد اپنا حلقہ بنایا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ "سنتانوں کی ایک محدود تعداد کچھ زیادہ مشہور اور ممتاز ہو گئی۔ یہ "سنتان" وہ روحانی گروہ تھے جو گوروؤں کی خاص خاص گدیوں سے منسلک تھے۔ ایسے "سنتانوں" کی کچھ مثالیں یہ ہیں:۔ لکشادھیائے سنتان جو پیرُ بڑاپلیّار (چدمبرم) کے مقام میلا پچرمی میں واقع پتنجلی دیور کے مٹھ سے وابستہ تھا۔ یہ مٹھ کیلی کنّور (کیلاتیور، تعلقہ نیرگاپٹم۔ ضلع تنجور) کے "آچاریہ ستھان" وارانسی کے کولا مٹھ اور ترووانی

کاوَل میں واقع نَڈوول[73الف] مٹھ کی نگرانی کرتا تھا۔ اسی طرح تروچتی مرّم میں مدلئیاروں[74] کا سنتان اور ترووڈئی مرُودل کا ماٹکئی مَڈ تومدلئیار سنتانَم[75] تھے۔ ان میں سے زیادہ تر گروہوں کی سرگرمیاں کا دائرہ صرف تامل ریاست تک ہی محدود تھا۔ یہ خاص تامل شیومت تھے۔ کچھ دوسرے مٹھوں کے تعلقات و روابط زیادہ وسیع تھے اور وہ آریہ دیشم، بنارس اور کشمیر تک کے ساتھ اپنے تعلقات اور رابطوں پر فخر کرتے تھے۔ گولکی مٹھ کے بھی جنوبی ہند میں خاصی تعداد میں معتقدین تھے اور وہاں اس کو مقبولیت حاصل تھی۔ کتبات اور پرانی روایتیں دونوں شمالی ہند سے جنوبی ہند کے اہم مذہبی مراکز کی طرف بالخصوص شری رنگم کی جانب کثیر تعداد میں بھٹوں کی ہجرت کی گواہی دیتی ہیں۔ شری رنگم میں کشمیر دیشم سے ہجرت کر کے آئے ہوئے بھٹوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے اور ان کے علاوہ چنگلی پٹ اور رام نڈ کے اضلاع میں بھی۔[75الف] عموماً وہ مٹھ جو ایسے بیرونی روابط رکھتے تھے، "پشوتپا" اور "کاپالکا" وغیرہ کے مدرسہ فکر سے متعلق تھے۔ شیو برہمنوں اور وشنوؤں کی طرف سے چلائے جانے والے کچھ دوسری طرح کے مذہبی ادارے بھی ہوں گے، اگرچہ ہمیں کتبوں سے ان کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

ایک مٹھ کی مثال یہاں خصوصی ذکر کی مستحق ہے جو تیرتھ یاتریوں کے لیے سہولیات فراہم کرتا تھا۔ گووندپتور کے ۱۲۴۸ء کے ایک کتبے میں درج ہے کہ چدمبرم (دیاگھرپوری) کے سبرہمنیا شیو نے جو ایک نامور شخص کندھا بھرن کا پوتا تھا، کئی اشخاص سے زمین خریدی اور ترو تونڈ توگئیان ترووڈم کے مٹھ نے جن خصوصی خدمات کا ذمہ لیا تھا ان کے لیے وقف کر دی۔ مذکورہ مٹھ گووندپتور میں ترووشئیا منگئی کے مندر میں واقع تھا۔ اس اراضی کی آمدنی سے جو خدمات سرانجام دی جاتی تھیں ان میں تیرتھ یاتریوں کو نمک اور ارنڈی کا تیل مہیا کرنا اور ان معتقدین کو جو بیمار پڑ جاتے اور جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوتا، طبّی امداد فراہم کرنا بھی شامل تھا۔ یہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ سبرہمنیا شیو نے جو بظاہر خود مٹھ کا سربراہ بھی تھا یہ شرط عائد کر دی تھی کہ اس کے جانشین جنہیں وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مٹھ کے انتظامات چلانے کے لیے خود مقرر کرے گا اس خاص انتظام کو چلاتے رہیں گے اور اگر وہ اپنا جانشین منتخب کیے بغیر فوت ہو جائے تو جانشین ایک اور مٹھ یعنی چدمبرم مٹھ کا سربراہ منتخب کرے گا اور جو بھی منتخب ہوگا وہ عطیہ کے خاص مقصد کو قائم رکھے گا۔ چدمبرم مٹھ کو "ترو تونڈ توگئیان

ترومڈم" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ اور مقامات پر بھی کھانا کھلانے اور درس و تدریس کے علاوہ ان متفرق خدمات کے لیے بھی جو ان مذہبی اداروں کی طرف سے سرانجام دی جاتی تھیں، اسی نوع کے اوقاف موجود رہے ہوں۔ لیکن ہمیں ان کے متعلق قطعی طور پر کوئی علم نہیں ہے۔ بتایا گیا ہے کہ بعض مرتبہ تو اس طرح کے اداروں میں جانوروں تک کی بھی دیکھ بھال کی جاتی تھی اور اس سلسلے میں ٹراونکور ریاست کی ایک مثال کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔[77]

ایک کلھم

مٹھوں پر بحث کا اختتام کرنے سے پہلے ایک بلوے کی طرف توجہ دلانی ضروری ہے جو راج راجا سوم کے دوسرے سال حکومت کے ایک کتبے میں "گہائی اڈی کلھم" کے نام سے مذکور ہے۔[78] یہ ایک بغاوت تھی جس میں مٹھ مسمار کر دیئے گئے تھے۔ یہ فسادیا بغاوت شہنشاہ کلوتنگا سوم کے بائیسویں ۲۲ سال حکومت یعنی ۱۲۰۰ء میں ہوئی۔ اور اس میں ترتورائی پونڈی میں واقع ایک "گہائی" کی جائداد کو بہت نقصان پہنچا۔ اس مظاہرے کے اسباب نہیں بتائے گئے اور ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ مظاہرہ اسی خاص "گہائی" کے خلاف تھا یا اجتماعی طور پر تمام "گہائیوں" کے خلاف۔ اگر ہم موخر الذکر صورت کو مانیں تو یہ عجیب بات دکھائی دیتی ہے کہ اس سے متعلق بجز اس سرسری حوالے کے کوئی اور بات نہیں معلوم ہوتی۔

مندر کا کردار

چولا حکومت کے طویل زمانے میں ہندو مندر کا ملک کی سماجی زندگی پر اثر اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ اب یہ اینٹ گارے کا وہ چھوٹا سا ڈھانچہ نہیں رہا تھا جو محض پوجا کا مرکز ہوتا تھا جس میں گاؤں والے شریک ہوتے تھے۔ پتھر کے مندر کے نئے تصوّر نے ہنرمندی کے اظہار کے اور مواقع فراہم کیے جو اس کی تعمیر اور آرائش کے لیے درکار تھے۔ مندر کے عروج کے ساتھ ساتھ ہر مندر میں ایک پیچیدہ رسمی معمول ظہور میں آگیا۔ جو اراضی اور سونے کی اس فراہمی سے پائیدار اور مستحکم ہوتا گیا جو لوگوں کے پاک عطیوں کا نتیجہ تھی۔ یہ عطیے

فراخدلی سے دیئے جاتے تھے اور مکمل احتیاط اور دیانت سے ان کا انتظام کیا جاتا تھا۔ ایسی دیانت اور احتیاط اب مدتوں سے معدوم و مفقود ہے۔ ہر نئی نسل جو کچھ اس کو اپنے اسلاف سے ملتا تھا احتیاط سے استعمال کرتی تھی اور اس میں تازہ اضافے کرکے اپنے اخلاف کے لیے اس سے زیادہ میراث چھوڑ کر جانے میں کامیاب ہوتی تھی۔ مندروں کی بے شمار اور بڑھتی ہوئی دولت سے اپنے گرد و نواح کے ساتھ ان کے بہت زیادہ قریبی کاروباری تعلقات پیدا ہو گئے اور تنجور میں شہنشاہ راج راجا کے انتظام میں ایک حیرت انگیز عظیم مندر کچھ اس طرح ابھرا۔ جیسے وہ کسی جادوگر کا کام ہو۔ یہ مندر کئی پشتوں کی سعی و کوشش سے حاصل کی ہوئی کامیابیوں کو بھی پیچھے چھوڑ گیا۔ نہ صرف اس کے پُر شوکت نقشے نے اُسے جنوبی ہند کے مندروں کے فن تعمیر کے عظیم شاہکار کی حیثیت سے ایک دیرپا مقام دلوایا بلکہ اس مندر کے معاملات کے انتظام کے لیے بہت محنت اور غور و خوض سے اعلیٰ ترین بندوبست بھی کیا گیا، جس کو مندر کی دیواروں پر باحتیاط کتبوں کی شکل میں لکھوا دیا گیا۔ اس طرح مندروں سے متعلق وقت کے بہترین راجوں کا مختصر حال جو مستقبل کے لیے ایک قابلِ تقلید مثال قرار پایا، درج ہو گیا۔ ان انتظامات میں ہر مد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مندر کا عوام کی زندگی کے متعدد پہلوؤں سے ایک قریبی رابطہ قائم کروانے کی دانستہ کوشش صاف نظر آتی ہے۔ چونکہ یہ عظیم مندر تمام سلطنت کے دارالخلافے کی شان تھا اور جنوبی ہند کے عظیم ترین شہنشاہ نے اس کی بنیاد رکھی تھی، اس کے تعلقات و روابط کا دائرہ قدرتی طور پر عام مندروں سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ تاہم جنوبی ہند کا ہر مندر خواہ وہ اپنی جسامت میں کتنا ہی چھوٹا ہو اور اس کا اثر و رسوخ کتنا ہی محدود ہو، تنجور کے عظیم مندر ہی کا ایک چھوٹا روپ تھا، اور اپنے خد و خال اور خصوصیات کے اعتبار سے اس عظیم مندر ہی کی نظیر تھا۔

عظیم مندر

تنجور کے عظیم مندر کو آسانی سے اس زمانے کا متمول ترین مندر کہا جا سکتا ہے۔ خود راجا اپنے عہدِ حکومت کے انتیسویں سال تک سونے کی ایک کثیر مقدار اور زیورات، جواہرات اور برتنوں کی شکل میں کثیر خزانہ اس کی نذر کر چکا تھا۔ ان میں بیشتر حصہ اس مالِ غنیمت کا تھا جو جنگوں کے نتیجے میں اس کے ہاتھ لگا تھا۔ اس میں سونے کی مقدار جس کا پورا حساب محفوظ رکھا

گیا ہے ۱۴۵۰۰ کلنجو تھی۔ یا اگر کلنجو کا ۰، گرام وزن لگایا جائے تو اس کا وزن پانچ سو پونڈ ٹرائے سے زیادہ ہو گا۔ جواہرات جو نذر کیے گیے تھے ان کی قیمت ۱۰۲۰۰ کاشو تھی یعنی طلائی کلنجو کی شکل میں اس کی نصف تعداد[80]۔ شہنشاہ نے جو چاندی نذر کی تھی وہ ۵۰۶۵۰ کلنجو یعنی ۶۰۰ پونڈ ٹرائے سے زائد وزن کی تھی۔ اس نے اپنی تمام عملداری میں جس میں لنکا کا جزیرہ بھی شامل تھا، بہت سے گاؤں کی اراضیات سے مندر کے نام کر دیں۔ ان اراضیات سے مندر کو ایک لاکھ سولہ ہزار کلم دھان کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی جو اس وقت کی قیمتوں کے مطابق نقد کی شکل میں اٹھاون ہزار کاشو کے برابر تھی[81]۔ اس کے علاوہ گیارہ سو کاشو کی نقد آمدنی بھی مندر کے نام کی گئی تھی۔ مندر کی پوجا کے لیے چار سو رقاصائیں جو ریاست کے دوسرے مندروں کی رقاصاؤں میں سے چن کر منگوائی گئی تھیں، تعینات تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ "پنگو" یعنی حصہ عطا کیا گیا تھا جو ایک رہائشی مکان اور ایک ویلی اراضی پر مشتمل تھا، جس سے سالانہ ایک سو کلم دھان خالص لگان کی آمدنی ہوتی تھی۔ اسی طرح کے تقریباً ۱۸۰ مزید حصے ۲۱۲ مرد خادموں کے گزارے کے لیے الگ مخصوص کر دیئے گیے تھے۔ ان افراد میں رقص سکھانے والے اُستاد موسیقار، ڈھولچی، درزی، سنار، محاسب وغیرہ شامل تھے۔ ان میں سے تین آدمی "آریَم" گاتے تھے اور چار دوسرے شخص تامل گاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فن موسیقی کی وہ قسمیں تھیں جو دوسری جگہوں میں بالترتیب "اہمارگم" اور "دیشی" کہلاتی تھیں[82]۔ پچاس اشخاص کا ایک طائفہ بھی تھا جو مختلف آلات موسیقی کے ساتھ "ترویدیَم" گاتا تھا۔ اس طائفہ میں سے اگر کسی کی موت ہو جاتی یا کوئی دوسری جگہ چلا جاتا اور اپنے بجائے اپنا کوئی عزیز جو اس کام کے لیے مناسب ہو نہ چھوڑ جاتا تو اس کی خالی جگہ کو پُر کرنے کے لیے طائفہ باہمی صلاح مشورے سے دوسرے کسی موسیقار کو نامزد کرنے کا مجاز تھا۔ طائفہ کے ارکان کی یومیہ اُجرت تین کرونی دھان فی کس مقرر تھی[83]۔ راج راجا کی بڑی بہن کُندوئی نے مندر کو قریب قریب دس ہزار کلنجو سونا اور اٹھارہ ہزار کاشو کی مالیت کے برتن نذر کیے۔ دیگر لوگوں یعنی مہارانیوں، اعلیٰ افسروں اور سپاہیوں کی پلٹنوں نے اور عطیات دیے جن کا اندراج بہت ہی احتیاط اور صحت کے ساتھ مندر کی دیواروں اور ستونوں پر کر دیا گیا۔ نقد کی صورت میں موصول ہونے والے سب عطیات جو کئی ہزار کاشو کی مالیت کے تھے، لاتعداد دیہی اسمبلیوں کو مقررہ شرحِ سود پر قرض دے دیئے جاتے تھے اور ان کا سود نقد یا جنس

کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا جو عموماً بارہ فیصدی سالانہ ہوتا تھا۔ اس طرح کافور، الائچی دانہ، چمپک کی کلیاں اور خس کی جڑیں نقد تحائف سے مہیا کی جاتی تھیں۔[83 الف]

حقیقت میں دارالخلافے کی اور پوری سلطنت کی معاشیات میں عظیم مندر کی اہمیت کچھ معمولی نہ تھی۔ اس کی تعمیر میں کئی برس صرف ہوئے ہوں گے اور ملک کے بہترین معماروں اور سنگتراشوں کو اس کام سے روزگار ملا ہوگا۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں عام مزدوروں کو بھی روزی ملی ہوگی۔ کثیر التعداد دھات کی مورتیوں کے صحیح اور مفصل احوال سے جو اکثر گروہوں میں ڈھالی گئی ہیں، اور ان کی شکلوں کے ذریعہ سے جو جذبات کی عکاسی کرتی ہیں، پرانے قصے کہانیوں کے مقبول عام موضوعات کو پیش کیا گیا ہے اور ان سے اس بات کا تاثر ملتا ہے کہ دھاتوں کی ڈھلائی کے فن میں کمال درجے کی مہارت حاصل کی جا چکی تھی اور اس کام میں تربیت یافتہ اور ماہر کاریگر کے لیے کم و بیش مستقل اور سودمند روزگار ملنے کے مواقع حاصل تھے۔ زیورات اور جواہرات کا جن سے ان مورتیوں کو آراستہ کیا گیا تھا، اتنا ہی مفصّل بیان فنِ زرگری میں حاصل کردہ اعلیٰ ترین کمال کی گواہی دیتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دولت مند مندر نے اس فن کو فروغ دینے میں کس حد تک حصہ لیا واقعہ یہ ہے کہ ہر چھوٹا یا بڑا مندر اپنے گرد و نواح کے علاقے کے ساتھ وہی تعلق رکھتا ہے جو کہ تنجور کا عظیم مندر دارالخلافے کے ساتھ رکھتا تھا۔ اس میں فرق صرف درجے کا تھا۔ زمیندار، روزگار دینے والا، مال اور خدمات کا صارف، بنک، مدرسہ، عجائب گھر، شفاخانہ اور تھیٹر، غرض ان تمام حیثیتوں سے یا مختصر الفاظ میں ایک محور کی حیثیت سے جو ان تمام باتوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا ہے جو ایک مہذب زندگی کے بہترین عناصر ہیں اور جو دھرم کے جذبے سے پیدا ہونے والی نیک دلی کے ساتھ ان سب کو منضبط کرتا ہے۔ قرون وسطیٰ کے ہندوستانی مندر کی نظیر انسانیت کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ مندروں کے انتظام اور دیگر معاملات میں مرکزی حکومت کے اعلیٰ ترین افسروں کی بلکہ بعض اوقات خود راجا کی جانب سے جانچ پڑتال، جس کا ذکر کتبوں میں موجود ہے، اس امر کی مظہر ہے کہ چولا حکومت مندر کے کردار کی بڑھتی ہوئی سماجی اہمیت کو سمجھتی تھی اور اس کے کاروباری معاملات کی سختی سے نگرانی کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتی تھی۔[84]

جین مت

شیومت اور ویشنومت نیز ہندومت کی ان مختلف صورتوں کے ساتھ جن کی طرف پہلے توجہ دلائی جا چکی ہے، جین دھرم بھی اپنے معتقدین کی ایک کثیر تعداد رکھتا تھا اور اسے راجاؤں اور عام لوگوں کی سرپرستی حاصل تھی، ہرچند کہ یہ اتنی نہیں تھی جتنی کہ قدامت پرست دھرموں کو حاصل تھی۔ اس زمانے کے محکمہ مال کے کاغذات میں "پلچ چندم" یعنی پلی یا جین مندر کی اراضی، وہ تسلیم شدہ زمرہ تھا جو ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھا۔ جین مصنّفین کی تصنیفات نے تامل لٹریچر کو بہت مالامال کیا اور پرانی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بارہویں صدی کے وسط میں شیکیلار کو شہنشاہ کلوتنگا دوم نے "پیریا پرانم"، یعنی "سنتوں کی سوانح عمریاں" جیسی پرشوکت کتاب لکھنے کے لیے مجبور کیا کیونکہ وہ اس جین مصنّف کی ایک تامل تصنیف "شیوک شندامنی" کی نظموں سے، جو کہ ایک غیر مذہبی "کاویہ" (شعری مجموعہ) تھا، لطف اٹھا چکا تھا۔ جین دھرم کی کچھ یادگاروں کا پتہ ریاست ٹراونکور میں چلا ہے جن پر اگرچہ کوئی تاریخ درج نہیں ہے لیکن وہ ضرور دسویں سے تیرہویں صدی تک کے درمیانی عرصے کی ہیں۔[85] چولا کتبوں میں تامل اضلاع میں واقع جین مراکز کے کافی قابلِ توجہ حوالے موجود ہیں۔ ہستی ملّا کی ادائندرم کی تختیوں میں درج ہے کہ دگمبر جینیوں کی ایک قدیم "پلی چندم"، دو "پٹی" اراضی پر مشتمل کنڈئی کوٹور نامی گاؤں میں واقع تھی اور پرانتکا اوّل کے عہدِ حکومت میں اس گاؤں کو عطیے میں دیتے وقت اس "پلی چندم" کو خاص طور پر اس میں سے خارج کر دیا گیا۔[86] ویڈال ضلع شمالی ارکاٹ میں جینیوں کی ایک بڑی خانقاہ تھی جس میں دو فریقوں کے درمیان ایک تنازعہ کھڑا ہو گیا تھا۔ اس میں ایک راہبہ اور اس کے پانچ سو چیلے ایک طرف تھے اور چار سو راہبائیں دوسری طرف۔ اس جھگڑے کا خاتمہ اس مقام کے کچھ گرہست جینیوں نے کروا دیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے تنازعے کے ایک فریق کو اپنی حفاظت[87] میں لے لیا۔ یہ تقریباً ۸۸۵ء کی بات ہے۔ شیرامور ضلع جنوبی ارکاٹ میں ایک راج کیسری راجہ کے سترہویں سالِ حکومت کا ایک کتبہ ہے جس میں پارشوناتھ کے مندر کے اس منڈپ میں ایک چراغ جلائے رکھنے کے لیے عطیہ کا اندراج ہے جس میں شاستر کی کتھا ہوتی تھی۔[88] راجندر پورم کے رہنے والے گنگا شور

پیرم بلی نامی ایک شخص کا ذکر ترِکوِن (ضلع شمالی ارکاٹ) کے ایک کتبے میں[89] ملتا ہے اور لنک سینا بھٹارا نامی شخص کا جو "پلی" رکھتا تھا، شینڈلئی کے کتبے میں ذکر ہے۔ موخر الذکر کتبہ ایک پراکیسری راجہ کے بارہویں سالِ حکومت کا ہے[90]۔ ضلع چنگلی پٹ کے مقام آنند منگلم میں ایک چٹان پر، جہاں تین گروہوں کی جین مورتیاں ایک ہی سیدھ میں تراشی گئی ہیں، ایک کتبہ بھی کندہ ہے جس میں جن گرپ پلی ایک "اڈیگل" کو روزانہ کھانا کے اخراجات کی منظوری درج ہے[91]۔ اس کتبے پر پرانتکا اول کے عہد کی تاریخ ۹۴۵ء درج ہے۔ اسی برس جینیوں کی عظیم بستی ترِوپان ملئی کے گورو ارشٹ نیمی بھٹارا کے ایک شاگرد نے جس کا نام پٹنگ کرتی اڈیگل تھا، ولاپاکم میں ایک کنواں کھدوایا اور کنواں اور ایک مکان اس مقام کے "چوبیس" کی نگرانی میں راہباؤں کی رہائش کے لیے دے دیا[92] راج راجا کے سترہویں سالِ حکومت میں ترونٹر نگونڈئی میں جو ضلع جنوبی ارکاٹ میں ایک "پلچ چندرم" تھا، ایک اراضی کے عطیے کے ذریعے سے دو چراغ بڑی خانقاہ کو دئیے گیے[93]۔ اس زمانے کے دو اور عظیم جین مراکز ضلع شمالی ارکاٹ میں پولور کے نزدیک ترو ملئی اور ضلع ترچنا پلی میں ترومل واڈی تھے۔ موخر الذکر مقام پر کندوئی نے ایک جین مندر تعمیر کروایا تھا[94]۔ کانچی پورم کے مضافات میں تروپرُئی کرم کے مقام پر ایک مشہور جین مندر آج تک موجود ہے۔ یہ مقام اکثر جن کانچی کہلاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہاں کے "رشی سموداے" یعنی راہبوں کی جماعت نے ۱۱۱۶ء کے قریب کچھ اراضی خرید کی[95]۔ اسی "سموداے" کا ذکر راجہ وکرم چولا کے عہد کے ایک بعد کے کتبے میں بھی آیا ہے[96]۔ کلوتنگا اول کے ایک بلا تاریخ کے کتبے میں اراضی کے ایک عطیے کا ذکر ہے جو پیرم پلی کو دی گئی تھی۔ یہ مندر کھور ضلع تنجور میں تھا اور اس کا نام راجا کے نام پر رکھا گیا تھا[96]۔ ۱۱۹۴ء کے مرتو وکڈی ضلع تنجور کے ایک کتبے میں دو مزید پلیوں کا ذکر ملتا ہے[97]۔ جن کانچی کی جین بستی کا ذکر پھر ایک ۱۱۹۹ء میں آیا ہے جب کہا جاتا ہے کہ کروکل چندر کیرتی اور کچھ دیگر اشخاص نے اس اہم عبادت گاہ کے لیے "پلچ چندا رائیلی" کے طور پر ایک عطیہ منظور کروانے کی کوشش کی تھی[98الف]۔

ان واقعات سے ہم کو جین مت اور بدھ مت پر مظالم توڑے جانے اور ان کی بیخ کنی کی داستانوں کو جو ہندو فرقوں نے اپنے سنتوں کے متعلق بیان کر رکھی ہیں تسلیم کرنے سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

بُدھ مت

چولا عہد کے کتبوں میں بدھ دھرم کا اتنا ذکر نہیں ملتا جتنا کہ جین مت کا۔ دراصل لیڈن کے مشہور فرمان عطیہ میں نیگاپٹم کے چوڑامنی ورما دیو کے بدھ وہار کو دیئے گیے ایک پورے گاؤں کے عطیہ کا ذکر آیا ہے اور شہنشاہ کلوتنگا کے عہد میں جب اس غرض کے لیے کڈارم کے راجہ نے اپنے سفیروں کے ذریعے التماس کی تو ایک نیا عطیہ دیکر اس جاگیر میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ وشنو دھرم کی پرانی روایتوں میں ترومنگئی آوار کی ایک عجیب سی کہانی محفوظ ہے جس کے مطابق اس نے شری رنگم میں رنگ ناتھ کے عظیم مندر کی تعمیر کے لیے مطلوبہ رقم حاصل کرنے کی غرض سے نیگاپٹم کے بدھ وہار سے بدھ کی ایک سونے کی ٹھوس مورتی جبراً اٹھوالی۔ شاید اس قصے کا مطلب یہ ہے کہ جب بارہویں صدی میں آواروں کے حالاتِ زندگی اکٹھا کیے گیے، اس وقت تک نیگاپٹم بدھ مت کا ایک مضبوط مرکز تھا جس کی دولت اور اثر ورسوخ عوام کے لیے باعثِ کشش تھے۔ کانچی پورم میں بھی بدھ دھرم کی کچھ یادگاریں دریافت ہوئی ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ کانچی پورم میں جو ہندو دھرم کے عظیم مراکز میں سے ایک تھا، ان دنوں بودھوں کی کوئی بستی رہی ہو۔ مالا بار میں ایک مقام شری مول واسم جو اسی عرض البلد پر واقع تھا، جس پر نیگاپٹم واقع تھا لیکن جو نیگاپٹم کے مقابل کے ساحل پر آباد تھا، بدھ مت کا ایک اور اہم مرکز تھا جس کا اثر ورسوخ بہت پرانے وقت میں گندھار تک کے دور دراز مقامات تک محسوس کیا جاتا تھا۔ اب تک جنوبی ہند میں بودھوں کے آثارِ قدیمہ کی جو تلاش کی گئی ہے اگر اس سے کبھی بہتر تحقیق کی گئی تو اس مذہب کے کچھ اور مراکز کا بھی پتہ چل جائے گا جو ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئے ہیں۔ بودھ مصنفین نے بھی تامل لٹریچر کے فروغ میں حصہ لیا گو اس حد تک نہیں جس حد تک جینیوں نے۔ اس کے باوجود کتبوں اور لٹریچر دونوں سے یکساں طور پر یہی تاثر ملتا ہے کہ عیسوی سن کی دسویں اور گیارہویں صدیوں کے دوران بدھ دھرم تامل سلطنت میں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز نہیں تھا جتنا کہ جین دھرم اور غالباً اس زمانے سے پہلے کے عہد کے مذہبی تنازعات میں بدھ دھرم کو زیادہ نقصان پہنچا اور یہ اس ملک کے عوام پر اپنا اثر جین دھرم کے مقابلہ میں زیادہ مکمل طور پر کھو بیٹھا۔

عام ایک جہتی

یوں اس ملک کی مذہبی زندگی کی تصویر بڑی پیچیدہ ہے۔ مختلف دھرموں میں ہمیشہ اختلاف ہوتا رہتا تھا۔ یہ ایک دوسرے پر اثر ڈالتے تھے اور اثر قبول بھی کرتے تھے۔ انجذاب کے اس طویل عمل میں بودھ "وہار"، جین "بستی" اور ہندو مندر اپنے طریقِ عبادت، تنظیم اور تیوہاروں میں ایک دوسرے سے بہت مشابہ معلوم ہوتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ مختلف بھی۔ ریاضت، نفس کشی اور ترکِ خواہشات کے آدرش ان سبھی دھرموں کو یکساں طور پر اپنی طرف مائل کرتے تھے۔ مجموعی طور پر اس زمانے کے مذہبی اختلافات، جیسے بھی وہ تھے، سماجی نزاع پیدا کرنے کا باعث نہیں تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہمی احترام نہ سہی لیکن باہمی رواداری کا رویہ برابر قائم رہا۔

حاشیے

(1) صفحہ اہ

(2) نظم کا باب XIV ، 88-89

(3) اسے تاریخ قرار دینے کی ایک ناکام کوشش کے لیے دیکھئے ایس کے آئینگر کی کتاب صفحات 413-14 دوسری جانب ایم راگھو آئینگر کا کہنا ہے کہ یہ کہانی آلوڈیانامبی یعنی سندر موورتی (جو ترومنگائی کا ہمعصر تھا) اور آلوڈیا پلے (سمبندر) دونوں اشخاص کے خلط ملط ہوجانے کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ "آلوار گل کالنلائی" کا صفحہ 137۔ یہ صرف ایک ذہانت بھرا انداز ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ حال ہی میں اسی مصنف نے ایک جگہ ڈاکٹر ایس کے آئینگر کے دلائل کو دہرایا ہے اور دونوں بھجن لکھنے والوں کو ایک دوسرے کا ہمعصر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کی نئی دلیل اس غیر ثابت شدہ اور غیر ممکن قیاس پر مبنی ہے کہ نندی ورمن پلوملا نے ویرمیگھا کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ صفحہ 210

(4) دیکھئے کے ایس سری نواس پلے کی "تامل ور لارو" حصۂ دوم۔ صفحہ 179 وصفحات مابعد اس کے برعکس دیکھیے: ARE - 1918 - II - 34 جس میں تعجب کی بات ہے کہ شیکی لار کو ترومرئی کی دریافت سے متعلقہ "پرانم" کا مصنف بتایا گیا ہے۔

(5) 1918 ص 8

(6) 1903 کا 373 - نیز 1929 کا نمبر 99

(7) SII - iii - صفحہ 93 ، II ، 32-33

(8) 1914 کا 129 - 1918 کا نمبر 349 - 1903 کا 358 - 1915 کا نمبر 199 وغیرہ، 1905 کے نمبر 12 میں "تروویمباوئی" کا، 1906 کے نمبر 165 میں "تروچالل" کا، اور 1912 کے نمبر 421 میں "ترووبماوئی" نیز "ترووادوورالی نائنار" کا ذکر قابل توجہ ہے۔

(8 الف) 1932 کا نمبر 97 - لیکن دیکھیے تامل فرہنگ مولفہ ایس وی دیلوزن۔

(8-ب) 1940-41 کے نمبر 143-44 ' 149 ' نیز 160-161 : ARE-1939
40 ' 1942/43 ' II ' 41

(8-ج) 1940-41 کا 176

(9) V-46 نیز EI-XV صفحہ 54

(10) ناتھ منی کی جائے پیدائش ویرنارائن پورم کہلاتی ہے۔ یہ ہمیں پرانتکا کے ایک خاندانی نام کی یاد دلاتا ہے۔

(11) شتھکوپا کی تصانیف سے مراد ہے۔

(12) "دویہ سوری چرترا" xvi ' 13 تا 21 "گورو پرمپراؤں" میں یہی کہانی کچھ قدرتی مبالغے کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ بعد کے تذکروں میں جو خاص خاص فرق پائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں : (ا) ویرنارائن پورم میں آنے والے زائرین جن سے ناتھ منی کو بھجنوں کی موجودگی کا پتہ چلا، مغربی ریاست سے آئے تھے نہ کہ کردگور سے (ب) کردگور میں ناتھ منی کو بلاشبہ مدھرکوی کا ایک شاگرد پران کش داسا یہ بتاتا ہے کہ "ترو وائیمولی" اور دوسرا مقدس لٹریچر بہت عرصہ پہلے تلف ہو چکا تھا۔ (ج) ناتھ منی کو شتھکوپا کے پورے کے پورے چار ہزار بھجنوں کا عرفاں ہو جاتا ہے نہ کہ محض ایک ہزار سے کچھ زائد بھجنوں کا۔

(13) آر جی بھنڈارکر نے کل شیکھر آلوار کے لیے جو بارہویں صدی کی تاریخ منسوب کی ہے (صفحات 49-50) وہ صاف طور پر غلط ہے۔ 1088ء کے ایک کتبے (SII - ii صفحہ 148) میں کل شیکھر کے ایک بھجن کا خصوصی طور پر اس کے ابتدائی لفظ "ٹیٹ رندرل" کا حوالہ دے کر ذکر کیا گیا ہے۔

(14) 1928 کا 181

(15) 1923 کا 176

(16) 1892 کا 61

(17) 1892 کا 62

(18) 1921 کا 343

(19) 1919 کا 557

(20) 1900 کا 126 ۔ یہ شولا کیرلؔ دیو کا ایک کتبہ ہے

(21) 1919 کا 493

(22) 1906 کا 333

(23) 1926 کا 103 ۔ 1928 کا 52

(24) 1923 کا 266

(25) SII ۔ ii ۔ 25 میں میری رائے میں ایک اسی طرح کے وقف کا اندراج کیا گیا ہے۔ اس میں جو جملہ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ "ترپ۔ پرئی۔ ارائیاوم" ہے۔ ہلتش نے اس کے معنی "مقدّس ڈھول کی آواز کے ساتھ" لکھے ہیں۔ اس حقیقت سے کہ یہ کام "گھنٹا" کی "اپوردیوں" کے ساتھ کرنا لازمی ہوتا تھا (دیکھئے SII ۔ iii ۔ صفحہ 233 حاشیہ نمبر2) اس سے ایک بہتر تاویل ہماری سمجھ میں آتی ہے: "پرئی" کا مطلب "لفظ" بھی ہوتا ہے۔ اور "ارائی" کے معنی ہوتے ہیں "سنانا" میرے خیال میں یہاں ویدوں یعنی مقدّس لفظ کا سنانا ہی مطلب ہوسکتا ہے۔

(26) 1896 کا 403 ۔ 1911 کا 214 ۔ اور 1917 کا 321

(27) ARE ۔ 1912 ' II ' 29 ۔ نیز دیکھئے JPASB ۔ XXVi (1930) ' صفحات 130 ۔ 32 پر 'تجیّ' کا قول۔

(28) آنئی ملائی (مدورا) کا گپھا مندر جو نرسمہا کی یادگار میں بنا تھا، ان معدودے چند پانڈیا مندروں میں سے ایک ہے جو ہمارے علم میں ہیں۔ EI ۔ viii صفحہ 317 و صفحاتِ مابعد

(29) EI ۔ XVii ۔ صفحہ 14

(30) 1925 کا نمبر 132

(31) EI ۔ iv صفحہ 281 : اور 1905 کا نمبر 382

(32) ARE ۔ 1926 ۔ II ۔ 22

(33) SII ۔ ii ۔ تمہید صفحات 39 ۔ 40

(34) SII ۔ ii ۔ 20 : دیکھئے گوپی ناتھ راؤ کی تصنیف

(35) 1930 کا 111

(36) 1931 کا 72

(37) JOR Vii صفحہ 200

(38) 1919 کا 8 ۔ جی ۔ جو ڈبلیو ۔ ڈبریل کا کہنا ہے کہ پندرہویں صدی سے قبل " نامم " دیکھنے میں نہیں آتا (ii ۔ صفحہ 62) اس کتبے سے صاف پتہ چلتا ہے یہ چار صدیاں پہلے سے زیرِ استعمال رہا ہوگا۔

(39) اشلوک نمبر 86

(40) 1904 کا 205

(41) پریا۔ ترو، مولی VI ، 6 ، 4

(42) 1925 کا 257

(43) SII ۔ ii ۔ تمہید۔ صفحات 29 تا 41

(44) ایضاً 1902 کا 606 ۔ 1907 کا 177 ۔ اور 1914 کا 118

(45) نیز 1913 کے نمبر 56 ، اور 57

(46) 1919 کا 207

(47) 1898 کا 10

(48) 1909 کا نمبر 705 ۔ 1892 کا 131 (SII ۔ iii ۔ 66)

(49) 1925 کا 93 ۔ 1897 کا 289

(50) 1910 کا 244

(51) 1906 کا 335

(52) 1912 کا 187

(53) 1922 کا 125

(54) 1917 کا 335 : سوریہ، سات دیولیوں اور شاستا کا ذکر 1892 کے 131 میں ایک ساتھ کیا گیا ہے۔

(55) 1905 کا 430 ۔ 1915 کا نمبر 255

(56) 1911 کا نمبر 484

(57) اس خصوصیت کی انوکھی لیکن خلافِ عقل تشریح کے لیے دیکھیے ترویکس...

کی تصنیف صفحہ 57

(58) 1917 کا 333

(59) "ویدم الگداگ ولاّبرہنار"۔ 1917 کا 343

(60) 1923 کا 184

(61) 1908 کا 467 ـ 1920 کا 577 ـ 1911 کا 227 ـ 1914 کا 101 ـ 1894 کا نمبر 241 وغیرہ

(62) بھنڈارکر حوالۂ سابقہ صفحہ 127

(63) گوپی ناتھ راؤ۔ حوالۂ سابقہ

(64) PD نمبر 14 : مزید دیکھئے PK صفحات 116، اور 117

(65) 1908 کا 85

(66) 1889 کا 85

(67) 1912 کا 177، اور 181 وغیرہ

(68) 1923 کا 247

(69) 1911 کے 360 ـ 357 ـ 352

(70) لکلیشورا اور چیترانن جیسے نام اصل میں شخصی نام نہیں بلکہ القاب ہیں۔ اس حقیقت کو اچھی طرح نہ سمجھ سکنے کے باعث کچھ غلط باتیں لکھ دی گئی ہیں مثلاً فلیٹ کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اس نے میلپاڈی کے کتبے میں مذکور لکلیش ہی کو "پشوپتا" کا بانی تصوّر کرلیا (VEI ـ صفحہ 288 ـ اس کے خلاف دیکھئے گوپی ناتھ راؤ۔ حوالۂ سابقہ صفحہ 17، وہ صفحات مابعد) جسے پھر اس کے جمبائی کے ہم نام سے مخلوط کرکے وہی شخص تصور کرلیا گیا (ARE ـ 1907 ـ II ، 39) دوسری شناخت پہلی شناخت کی طرح تاریخی ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ لیکن یہ بات ناممکن ضرور ہے کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں میلپاڈی اور جمبائی دونوں مقامات پر اہم مذہبی فرائض کا نگران تھا۔ تروودورلیور کے کتبات سے اس بات میں ذرّہ برابر شک کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ "چیترانن" مقامی مٹھ کے سربراہ کا لقب تھا، جس کو یکے بعد دیگرے کئی اشخاص نے جو اس عہدے پر فائز رہے، اختیار کئے رکھا۔

(71) 1912 کا 181 — ARE '1913 ، II - 17 - EI-ii XXV'
صفحہ 293 ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا یہ شخص شہنشاہ راج آدیتہ کا دہی کیرلا جرنیل ویلنگو مرن تھا جس نے گرامم میں شیو کا مندر تعمیر کروایا تھا۔ (1905 کا 735) اور جوراجا دتیہ کی ملازمت میں کام کرنے والے بے شمار کیرل کے باشندوں میں سب سے ممتاز اور نامور تھا۔

(72) تامل زبان کی قدیم فرہنگ " پنگلم " کے مطابق " گہائی " کے معنی وہ مقام ہے جہاں سنیاسی بستے ہیں (منی ورار و پڈم) یعنی، خانقاہ۔ دیکھیے تامل فرہنگ : S.V گہائی۔

(73) اس کے خلاف دیکھیے ARE - 1909 ' II ' 53 : ترو واڈ تورائی (1925 کا 111) اور ترووور لیور (1912 کا 181) ان قدیم ترین جگہوں میں سے ہیں جہاں " مٹھ " تعمیر ہوئے۔ مزید دیکھیے ARE - 1911 - II - 31 ' اگر چند مٹھوں کا مختصر جائزہ لینا منظور ہو۔

(73 - الف) 1946 - 47 کا 88

(74) 1908 کا 322

(75) 1911 کا 49

(75 - الف) 1936 - 37 کا 14 : ARE - II - 28

(76) 1929 کا 192

(77) ARE - 1929 - II - 39 : TAR - 1920 - 21 صفحہ 14

(78) 1912 کا 471

(79) اس کے خلاف دیکھیے ARE - 1913 ' II ' 42

(80) SII - ii - 38 ' پیراگراف 48

(81) SII - ii - صفحہ 68

(82) 1907 کا 360 - 1912 کا 211

(83) SII - ii - 65

(83 - الف) 1129 ؛ میں تروکنا پورم میں شوری پیرومال کے مندر میں گھی اور

کافور کا ایک چراغ فروزاں رکھنے کے لیے 20 کلنجو طلائی کے وقف کی ضرورت ہوتی تھی (1922 کا نمبر 509)

(84) میں نے اپنے مقالے "چولا عہد میں جنوبی ہند کے ایک مندر کی اقتصادیات" میں جو میں شائع ہوا تھا، ایسی مثالوں کی تفصیلات دی ہیں۔

(85) TAS_ii - صفحہ 125، وصفحاتِ مابعد

(86) SII - ii _76، VV، 27 _ 28

(87) SII - iii _ 92

(88) 1909 کا 201

(89) 1916 کا 277

(90) 1899 کا 7

(91) 1922 کا 430

(92) 1900 کا 53 - غالباً 24، اراکین پر مشتمل ایک مقامی جین اسمبلی ہوتی تھی۔ ممبران کی یہ تعداد اس لیے مقرر کی گئی ہوگی کہ جینیوں کے 24 تیرتھنکر ہوئے ہیں۔

(93) 1902 کا 385

(94) SII - i _ 67 - 68 : کندوئی نے داداپورم میں ایک اور جین مندر تعمیر کروایا تھا (دیکھئے صفحہ 643 ماقبل)

(95) 1929 کا 382

(96) 1929 کا 381

(97) 1917 کا 288

(98) 1907 کا 392

(98-الف) 1890 کا 43

(99) IA _ 44 صفحہ 127

(100) TAS_ii - صفحہ 117

چھبیسواں باب

چولوں کے عہد میں لٹریچر

تمہید

دوسرے میدانوں کی طرح لٹریچر میں بھی چولا شہنشاہوں کا زمانہ جنوبی ہند کی تاریخ کا ایک بہت بڑا تخلیقی زمانہ تھا۔ عہد سنگم کی شاندار کامیابیوں کے بعد، جن میں چولا نسل کے راجاؤں کا شعرا کے سرپرستوں کی حیثیت سے اور کبھی کبھی خود مصنفوں کی حیثیت سے خاصہ حصہ تھا، چار یا پانچ صدیوں کے عرصے کے لیے لٹریچر اور فن پلّو اور پانڈیا راجاؤں کے زیر سرپرستی آگیے۔ اس مدت میں تامل اور سنسکرت لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تخلیق ہوتی۔ پالی زبان میں بھی تصنیف کا کچھ کام زیادہ تر اس عہد کے بدھ سنتوں نے کیا۔ "دیورام" اور "ترو واشگم چار ہزار مقدس بھجن" نامی تصنیف کا زیادہ تر حصہ اور اس کے علاوہ "پانڈی کو وئی"، شو لا منی، نندی کلبکم، اور پیرن دیونار کی تصنیف "بھارت وینبا" بلاشبہ اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ سنسکرت کے میدان میں کمارل اور شنکر کے روشن نام بھی اسی عہد سے متعلق ہیں۔

چولا اقتدار کی توسیع کے اثرات

چولا طاقت کے عروج کے ساتھ لٹریچر کے دھارے بھی وسیع ہونے لگے اور ادبی کاوشوں کے سرچشمے لبریز نظر آنے لگے۔ یہ اس تازہ توانائی کا اظہار تھا جو جنوبی ہند میں پہلی مرتبہ ایک سامراجی سلطنت کے قیام سے پیدا ہوئی تھی۔ چولا سلطنت کے عروج، جو ایک نئی سیاسی حقیقت تھا اور نئے لٹریچر کی تخلیق کے درمیان جو براہِ راست باہمی رابطہ

تھا وہ صاف سامنے آجاتا ہے جب ہم چولا کتبوں کی مرصع اور شاعرانہ پرشستیوں کا مقابلہ اس سے قبل کے زمانے کے کتبات کی قلیل اور خشک نثر سے کرتے ہیں۔

کتبوں کا لٹریچر

تامل میں جو عوام کی زبان تھی یہ فرق سنسکرت کے مقابلہ میں جو علمی زبان تھی، زیادہ صاف نظر آتا ہے۔ راج راجا اول کے عہد سے لے کر چولا راجاؤں کی پرشستیاں صرف چند کو چھوڑ کر اس زمانہ کے لٹریچر کے بہترین نمونوں میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ ان کی شاہانہ زبان، اشعار کی سلاست اور روانی اور تاریخی واقعات کا زوردار بیان انہیں تامل لٹریچر کے ادب عالیہ کے طور پر نمایاں کرتے ہیں۔ شاہی پرشستیوں کے علاوہ کتبوں میں لٹریچر کی دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔ جو مثالیں آسانی سے سامنے آتی ہیں وہ چدمبرم اور ترووودی کے کتبوں کی ہیں جن میں نرلوک ویرا کی زندگی اور کارناموں کا حال درج ہے۔ نرلوک ویرا ایک افسر تھا جس نے شہنشاہ کلوتنگا اول اور وکرم چولا کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں ان کے علاوہ اتی، وائیلور، اور وردھاچلم کے کتبوں کا جو کاڈوار راجاؤں کی پرشستیاں ملی ہیں وہ بھی اسی نوع کی ہیں۔ ان شعری تخلیقات کی بحریں بڑی فنکاری سے استعمال کی گئی ہیں تامل عروض کے قدرے پیچیدہ قواعد بڑی عمدگی کے ساتھ نباہے گئے ہیں جس سے شاعر کا کلام مبہم الفاظ کے استعمال اور تصنع سے بچ گیا ہے۔ بیانیہ شاعری کی حیثیت سے ان کتبوں کی اور شاہی پرشستیوں کی کچھ بہترین خصوصیات مشترک ہیں۔ لہٰذا اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ نظمیں اعلیٰ پایہ کے درباری شعرا کی کہی ہوئی تھیں جن کی خدمات کی مسلسل مانگ سے اس دور کے غیر مذہبی لٹریچر کی نشوونما کو بہت فروغ ہوا۔

گم شدہ نظمیں

کتبوں میں اتفاقیہ طور پر کچھ تصنیفات کے نام محفوظ رہ گیے ہیں لیکن اس کے علاوہ ان کے متعلق اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ کسی وقت ان کتابوں کو عوامی قدر و منزلت حاصل تھی، لیکن چونکہ خود ان تک ہماری رسائی نہیں ہے، اس لیے ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کا احترام ان کی اعلیٰ ادبی خصوصیات کی وجہ سے تھا یا دیگر مقامی یا نجی اسباب کا نتیجہ۔ اس کا جواب جو بھی

ہو ان تصانیف کے نام اور کتبوں میں ان کے ذکر کے وجوہ سے ہم کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ادبی تصانیف میں عوام کی دلچسپی کس حد تک تھی اور کس قسم کے لٹریچر کو قبول عام حاصل تھا۔
راج راجا اول جو اس خاندان کا شاید سب سے عظیم شہنشاہ تھا دو تصانیف کا موضوع ہے جن میں سے ایک ڈرامہ ہے اور ایک کاویہ (شعری داستان) یعنی "راج راجیشورا ناٹکم" اور "راج راجا وجئیم"[1]۔ اول الذکر جو ڈرامہ تھا وہ تیوہاروں کے دوران تنجور کے عظیم مندر میں کھیلا جاتا تھا اور موخرالذکر ترو پونڈرتی کے مندر میں پڑھ کر سنائے جانے کے لیے تھا۔ اور ان دونوں کاموں کے اخراجات کے لیے اوقاف عطا کی گئی تھیں۔ یہ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ یہ تصانیف تامل میں تھیں یا سنسکرت میں۔ غالباً "ناٹکم" راج راجا کی سوانح حیات پر مبنی ڈرامہ نہیں تھا بلکہ اس میں تنجور کے عظیم مندر کی تعمیر کی کہانی ڈرامے کی شکل میں پیش کی گئی تھی بشرطیکہ یہ محض کسی شیو روایت کو مقبول عام بنانے کا بہانہ نہ رہا ہو۔ "راج راجا وجئیم" راج راجا کے عہد حکومت کے حالات سے متعلق ایک نیم تاریخی نظم رہی ہوگی۔ بہرصورت دونوں تصانیف میں اگر راج راجا کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات کا صحیح صحیح بیان نہ بھی ہوگا تو بھی ان کے متعلق متعدد اشارے ضرور ہوں گے اور تصنیفات کا تلف ہو جانا فی الواقعی افسوسناک ہے۔ شہنشاہ کلوتنگا اول ایک اور کتاب کا موضوع تھا۔ یہ ترو نارائن بھٹ کی تصنیف "کلوتنگا چولا چرتانی" ہے۔ یہ مصنف "کوی کمد چندر را" بھی کہلاتا تھا اور تربھونی کے ایک گاؤں مان کلاشنی چیری کا ایک پنڈت تھا۔ اس گاؤں کی سبھا نے اس کو نصف "نلم" اور دو "ما" اراضی بطور انعام (سرکارم) دے رکھی تھی اور اس اراضی پر ہمیشہ اسی شرح پر لگان عائد ہو سکتا تھا جو بارھویں درجے کی اراضی کے لیے منظور شدہ تھا۔ سبھا نے یہ انعام شہنشاہ کے ایک فرمان کے مطابق عطا کیا جس میں راجہ نے سبھا کو حکم دیا تھا کہ "وہ کاویہ" (شعری تصنیف) کو پرکھ کر اس کے مصنف کو معقول انعام دے[2]۔
چڈلور ضلع جنوبی ارکاٹ کے ۱۱۱۱ء اور ۱۱۱۹ء کے دو کتبوں میں ایک "ستھل پران" اور ایک ناٹک کی قدردانی کے طور پر جو مقامی داستانوں پر مبنی تھے، لگان سے مستثنیٰ اراضی بطور عطیہ دیے جانے کا اندراج ہے۔ یہ کتابیں کملالیہ بھٹ نامی ایک شخص کی لکھی ہوئی تھیں اور "کنی ون پرانم" اور "پوم پلیور ناڈگم" کے ناموں سے موسوم ہوئیں۔ ان ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تامل زبان کی عوامی مقبولیت رکھنے والی کتابیں تھیں[3]۔ ترو والنگاڈو ضلع شمالی ارکاٹ میں ۱۲۱۱ء میں ایک چراغ کا عطیہ دیتے ہوئے اربماکم کے ایک باشندے اڑنلائی وشاکھن نرے لوکیہ بالن

وتس راجن نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے "بھارت" نامی گرنتھ کا ترجمہ خوبصورت تامل میں کیا ہے اور شو سے ملنے کی راہ[4] دریافت کی ہے۔ ۱۱۴۶ء میں مرودتّور اڈئیان نامی ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ اس نے نانگوپٹّی کے مندر کو کچھ اراضی دی جو اسے پیٹّور کے سردار ویدونموڈیان سے ملی تھی کیونکہ اس نے موخرالذکر کو اپنی شاعری کے ذریعے سے شہرت بخشی تھی[5]۔ دو اور مثالیں ایسے کتبات میں ملتی ہیں جو اگرچہ بلاشبہ چولا عہد ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جن راجاؤں کے عہد میں یہ کتبے کندہ کیے گئے تھے ان کے نام ان پر درج نہیں ہیں۔ جب شہنشاہ تروواروُر کے مندر کے ایک ایوان میں پونگوئل ناٹکت۔ نلائی کولی کا رقص دیکھ رہا تھا تو اس نے پونگوئل نمبی کو وایارڈر کے "برہم دیہ" گاؤں میں کچھ اڑائیلی اراضی کا عطیہ دینے کے لیے حکم دیا۔ اس شخص نے شہنشاہ نمکل کے باجگزار ویرشولا انوکر کی تعریف اپنی "ویرانگ وحیئم"[6] نامی نظم میں کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نمبی اور نلائیکولی ایک ہی مندر میں کام کرتے تھے۔ ایک آخری مثال یہ ہے کہ تروولم کے مندر کے خزانے کے افسروں نے مندر کی زمین میں سے ..."اکلی" اراضی کرٹّی کے وردیپ پلور کو بخش دی جس نے "ولئی اندادی" نامی نظم مقامی دیوتا کی تعریف میں لکھی تھی[6-الف]۔ بھولی بسری نظموں کی یہ مثالیں جو کتبوں کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتیں خاصی دور دور تک پھیلی ہوئی عوامی نوعیت کی ادبی سرگرمیوں کی موجودگی کی تصدیق کرتی ہیں۔ اگر ہم ان نظموں اور تصانیف کی فہرست کا اضافہ کریں جن کے کچھ ٹکڑے پرانی کتابوں کی تفسیروں اور حاشیوں میں محفوظ ہیں، تو ہم پورے اعتماد سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ بہت سا اعلیٰ قسم کا کام کچھ اس طرح تلف ہوا ہے کہ اب اس کی بازیابی ممکن نہیں ہے۔ یہ بات کسی حد تک ہر ملک کے قدیم لٹریچر کے بارے میں صحیح ہو سکتی ہے لیکن جہاں تک جنوبی ہند کا تعلق ہے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ بہت بڑا نقصان تھا کہ چند امتیازی مثالوں کو چھوڑ کر، جو کچھ لٹریچر بچا ہے وہ زیادہ حد تک کسی کی ذاتی پسند یا اتفاقیہ حادثے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس لیے کہ اس کی ادبی خوبیوں کی وجہ سے دانستہ انتخاب کر کے اس کو محفوظ کیا گیا ہے۔

پیرن گدئی

برہت کتھا یا پیرن گدئی یا ادیانن کدئی کی تاریخ تصنیف پلّو دورِ حکومت کے اختتام کے آس پاس متعین کی جا سکتی ہے جس شاعر نے اسے تصنیف کیا وہ کونگو ویلر کے نام سے موصوف

ہے یعنی کونگو کا سردار۔ اس کی سوانح حیات کے متعلق بہت کم معلوم ہے۔ ایک حالیہ تصنیف "کونگو منڈلا شتکم" میں بتایا گیا ہے کہ منگائی کا باشندہ تھا جسے آجکل کا ویجے منگلم شناخت کیا گیا ہے اور جو ضلع کوئمبٹور کے ایروڈ تعلقے میں واقع ہے۔ "شلپدی کارم" کے معروف تفسیر نگار کا کہنا ہے کہ "ادیا ئمن کدئی" سنگم کے عہد ثانی کی متعدد کتابوں کے مطالعے پر مبنی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اس کتاب کی تاریخ تصنیف تیسری صدی عیسوی یا اس سے بھی قبل کی ہوسکتی ہے[7]۔ تاہم یہ بھی کوئی بالکل یقینی بات نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ بارہویں کے دوران اڈیار کونلار کے وقت میں "آدائمن کدئی" کے متعلق یہی سمجھا جاتا تھا[8]۔ دوسری طرف سوامی ناتھ آیر کی یہ رائے ہے کہ اس کتاب کا مواد اس کے سنسکرت روپ سے مستعار لیا گیا ہے جو چھٹی صدی عیسوی کے گنگا حکمران درو ینیتا کا مرتب کردہ بتایا جاتا ہے۔ سوامی ناتھ آیر وہ عظیم عالم ہیں جن کی وجہ سے مذکورہ کتاب کے بچے کھچے مواد کا ایک عالمانہ ایڈیشن ہمارے ہاتھوں تک پہنچا ہے[9]۔ اُدائمن کی کہانی سب کو بخوبی معلوم ہے اور یہاں اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بیٹے نرواہن کے کارناموں کے متعلق گناڈھیا کی اصلی تصنیف "پیرن گدئی" کے جو حصے موجود ہیں ان میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔ یہ مختلف لمبائی کے ایک سو حصوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کا سب سے مختصر حصہ پچاس مصرعوں پر اور سب سے طویل دو سو سے کچھ زائد مصرعوں پر مشتمل ہے۔ اس میں "اہوَل" بحر استعمال کی گئی ہے۔ یہ بہت لچکدار بحر ہے اور انگریزی کی غیر مقفٰے شاعری کی طرح ہے، اور بیانیہ شاعری کے لئے حد درجہ موزوں ہے۔ مصنف کا انداز بیان نہایت پاکیزہ ہے اور اس نظم کو تامل دنیا کے کلاسیکی ادب میں ایک نہایت بلند مقام دیا جاسکتا ہے

شندامنی

جین شاعر تروتکادیو کی تصنیف "شیوکا شندامنی" کو تامل لٹریچر میں بہترین "مہا کاویہ" تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس میں وادیبھ سمہا کی تصنیف "کشتر چوڈامنی" کی تقلید کی گئی ہے اور یہ خود گن بھدر کی ۸۹۸ء کی تصنیف "اتر پران" پر مبنی ہے[10]۔ اس لیے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ "شندامنی" دسویں صدی عیسوی میں کسی وقت لکھی گئی ہوگی[11]۔ نچی نار کینار کا کہنا ہے کہ اس کا مصنف چولوں کے خاندان میں پیدا ہوا تھا[12]۔ تامل جینیوں کی بعد کے زمانہ کی ایک مقبول روایت اس سلسلے میں مزید بتاتی ہے کہ تامل اور سنسکرت کی تعلیم کا نصاب

مکمل طور پر پڑھ کر وہ بہت چھوٹی عمر میں سنیاسی بن گیا اور مدورائی چلا گیا اور وہاں تامل سنگم کے عظیم شعرا کی رفاقت میں کچھ عرصہ بسر کیا۔ سنگم کے ان شعرا نے جہاں مذہبی اور متبرک لٹریچر کے میدان میں جین مصنفین کے امتیازی کمال کو تسلیم کیا، وہاں وہ ان کی عام صلاحیتوں کے قائل نہیں ہوئے بالخصوص عشق و محبت کے لٹریچر میں انھوں نے تروتکا دیوار کی صلاحیتوں سے انکار کیا۔ تپسوی شاعر نے اس چیلنج کو قبول کر لیا اور اپنے گورو کو مطمئن کرنے کے بعد اگر اسے ایک شہوانی نظم لکھنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ اپنا روحانی توازن نہیں کھوئے گا' اس نے جیوکن کی زندگی پر ایک طویل نظم لکھی۔ یہ موضوع اس کے گورو نے تجویز کیا تھا۔ اس نظم سے گورو بہت مسرور ہوا لیکن اس سے سنگم کے ناقدین خاموش نہیں ہوئے۔ وہ لوگ نظم کے محاسن سے تو انکار نہیں کر سکے لیکن اب انھوں نے اس کے مصنّف کے چال چلن کے متعلق یہ کہہ کر شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ ایسا شخص جسے جنسی زندگی کا کوئی تجربہ نہ ہو ایسی نظم نہیں کہہ سکتا۔ تب تروتکّا دیوار نے نفس کشی کے آدرش کا نیک نیتی سے پابند ہونے کا مظاہرہ ایک آزمائش سے گزر کر کیا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ایسی کہانیوں کو تاریخ سمجھ کر یاد کر لیں، خاص طور سے اس لیے کہ تروتکّا دیوار کی نظم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کا جواب اس مفروضے کی مدد سے نہ دیا جا سکے کہ یہ جینی شاعر تامل زبان میں حد درجہ رومان انگیز اور روح پرور داستانوں کو منتقل کرنا چاہتا تھا جو جینیوں کے پُرانوں میں محفوظ تھیں۔

جیوکا کی سوانح حیات ایک مثالی ہیرو کی سوانح عمری ہے جو جنگ اور امن دونوں کے فنون میں یکساں طاق ہے۔ وہ ایک مکمل درویش بھی ہے اور ایک عشق پیشہ انسان بھی۔ کارناموں سے بھری ہوئی نوجوانی گزارنے کے بعد جب اس کی زندگی اپنے شباب پر تھی، جیوکا نے خود کو ایک پرشوکت ریاست کا شہنشاہ دیکھا۔ کچھ برسوں تک وہ اپنی ان آٹھ حسین و جمیل بیویوں کی رفاقت میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہا جن سے اس نے اپنی زندگی کے دوران مختلف اوقات پر شادیاں کی تھیں۔ "شِند امنی" ایک اور نام "من۔ نول" سے بھی موسوم ہے یعنی "شادیوں کی کتاب" کیونکہ جیوکا کی زندگی کا ہر کارنامہ ایک پرمسرت شادی پر ختم ہوتا تھا۔ اچانک ایک واقعہ جیوکا کی عیش و آرام کی زندگی کو ہلا دیتا ہے۔ یہ واقعہ اگرچہ بہت معمولی تھا لیکن جیوکا کے لیے بہت اہم ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک مختصر سے لمحے میں انسانی زندگی کھوکھلے پن اور اس کے بندھنوں سے چھٹکارا پانے کی دانائی کو بھانپ لیتا ہے اور تخت پر اپنے بیٹے کو بٹھا کر خود جنگل

میں جاکر شانتی کی تلاش کرتا ہے اور بالآخر نجات حاصل کر لیتا ہے۔

اپنی موجودہ شکل میں یہ نظم ۳۱۴۵ بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند چار مصرعوں کا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ شاعر نے دراصل ۲۷۰۰ بند موزوں کیے تھے۔ باقی ۴۴۵ کا اضافہ بعد میں اس کے گورو نے جس کی اجازت لے کر اس نے نظم لکھی تھی، اور ایک دوسرے شخص نے کیا۔[۱] حاشیہ نگار نے دو اشعار کے متعلق بتایا ہے کہ یہ گورو کے اشعار ہیں لیکن جس دوسرے لکھنے والے کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس کے کیے ہوئے اضافوں کو شناخت کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ ترونکّا دیوار کا فن عظیم شاعری کے جملہ محاسن کا حامل ہے اور جیسا کہ بخوبی معلوم ہے اس نے کمبن کے ایسے ہوشیار آدمی کے لیے بھی ایک قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔ ہم بعد میں بتائیں گے کہ بالواسطہ سہی مگر یہ "پیریاپرانم" کی تصنیف کا بھی محرک بنا۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "ولیاپتی" اور "کنڈل کیشی" نامی دو اور مہاکاویہ بھی کم و بیش اسی زمانے میں لکھے گیے جب "شِنتامنی" تصنیف ہوئی۔ ان مہاکاویوں کے صرف کچھ ٹکڑے دوسری تصانیف میں ملتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ "منی میکھلائی" کے علاوہ "کنڈل کیشی" بودھوں کی ان تمام تصانیف میں سے ہے جو کہ ہمارے علم میں ہیں۔

کلاڈم

"کلاڈم" ایک نظم ہے جو کلاڈنار نے لکھی ہے۔ نظم اور اس کے لکھنے والے دونوں کا نام ایک مقام کے نام پر[۱] رکھا گیا ہے جو غالباً لکھنے والے کی جائے پیدائش تھی۔ یہ شاعر سنگم عہد کے اپنے اس ہم نام شاعر سے مختلف ہوگا جس کے کچھ گیت "پورنانورو"[۱] میں اور دوسرے کچھ "اہنانورو" اور "کرندوگئی" نامی دو تصانیف میں شامل ہیں۔ ایک پرانی روایت یہ ہے کہ "کلاڈم" کے مصنف نے "تروجیر مبلک کووئی" میں سے ایک سو اشعار منتخب کر کے انہیں اپنی تصنیف کی بنیاد بنایا اور یہ بات ممکن بھی ہو سکتی ہے۔ یہ کتاب ایک مخصوص طرز میں لکھی گئی ہے اور سنگم عہد کی شاعری کی اصناف اور طرز تحریر کو از سر نو زندہ کرنے کی ایک دانستہ کوشش ہے۔ اس طرح پوری کی پوری نظم اپنی فضیلت مآبی دکھانے کی ایک کوشش بن کر رہ گئی ہے۔ اس کے ایک سو ٹکڑے ہیں جن میں سے ہر ٹکڑے میں محبت کی ایک الگ جذباتی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ محبت کی صرف رسمی اور روح عکاسی "جو کووئی" کے طرز میں کی گئی ہے، ایک جدید ذہن

کی نظر میں حقیقی لٹریچر کے امکانات کو تباہ کرنے کے لیے کافی دکھائی دیتی ہے۔ ہمارے مصنف نے "ترو کووئی" سے انتخاب کیے ہوئے اشعار کے ساتھ خود کو باندھ کر نیز ایسی زبان اور محاورے لکھنے کی دانستہ کوشش کر کے جو اس کے عہد کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے تھے، اپنے اوپر مزید پابندیاں عائد کر لی ہیں۔ ایسا تاثر دینے والی بھی کوئی شہادت نہیں ہے کہ مصنف اس نظم کو مزاحیہ شاعری کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ یہ اتنی سنجیدہ نظم ہے کہ طنز و مزاح کے زمرے میں آ بھی نہیں سکتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ "ترو کووئی" کی فضیلت سنگم عہد کی نظر میں محض کلاڈنار کی اسی کوشش کے طفیل تسلیم کی گئی۔ ذوقِ سلیم کے زوال اور ادبی تنقید کے کسی مناسب معیار تک پہنچنے اور معیار کو برقرار رکھنے میں ناکامی کا بہترین ثبوت اسی سے مل جاتا ہے کہ بیساکھیوں کے سہارے چلنے والی اس شاعری کی تعریف زمانہ حال کے علما اور شعرا کی کئی نسلوں نے دل کھول کر کی ہے[16]۔

کلاڈنار شیبو کے متعلق ان قدیم روایات سے پوری طرح واقف تھا[16الف] جن کا مرکز مدورائی تھا۔ وہ ان معجزوں کے اکثر حوالے دیتا ہے جو شیبوجی نے مانک واشگر درمی، اڈئی کاڈرا اور دوسروں کی وجہ سے دکھائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شیبو گرنتھ کے گیارھویں حصے میں جو "ترو کنپ دیور ترومرم" شامل ہے وہ بھی اسی شاعر کی تخلیق ہو۔ "کلاڈم" کے زمانہ تحریر کے متعلق کوئی قطعی شہادت نہیں ملتی۔ یہ پہلے لکھی گئی ہو تو دسویں صدی کی تصنیف ہو سکتی ہے یا اس سے بہت بعد کی۔ لیکن یہ کہنا صحیح ہو گا کہ یہ چولا شہنشاہوں کے زمانے ہی کی تصنیف ہے۔

کلنگتو پرنی

ملک الشعرا جیَین گونڈار کی تصنیف "کلنگتو پرنی" جسے اس نے کلوتنگا اول کے عہد کے اختتام کے قریب لکھا، ہمارے ہاتھوں تک پہنچنے والی "پرنیوں" میں سے قدیم ترین اور بہترین ہے یہ ایک نہایت ہی نفیس چھوٹا سا شاہکار ہے۔ پوری نظم میں تاریخی واقعات اور فرضی افسانوں کو الگ کرنے والی حد فاصل صاف دکھائی دیتی ہے۔ بہترین زبان اور محاورات کے انتخاب میں شاعر کی مہارت نیز استعمال کی ہوئی بحروں اور بیان کردہ واقعات کے مابین مسلسل مطابقت اور ہم آہنگی تامل لٹریچر کی پوری صف میں لاثانی ہے۔ "یہ پرنی" ایک بہترین رزمیہ نظم ہے اور اس میں نہ صرف جنگ کی سج دھج اور حالات کو بیان کیا گیا ہے بلکہ میدان کارزار کی تمام اذیت ناک تفصیلات بھی بتائی گئی ہیں۔ چلتے چلتے ہم یہ بھی نوٹ کر لیں کہ کلوتنگا کی چھیڑی ہوئی کالنگا کی جنگ بہت سی

ادبی کاوشوں کا موضوع بنی۔ اگر ہم اس موضوع پر لکھے ہوئے ادھر ادھر کے کچھ متفرق اشعار سے اندازہ لگائیں جو "ویرشولئیم" اور "دنڈیہ لنگارم" کی تفسیروں میں کہیں کہیں محفوظ ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ ان کاوشوں کا ایک خاصہ بڑا حصہ تلف ہو چکا ہے اور اس کی بازیابی ناممکن ہے۔ خود "کلنگتو پرنی" کا سالم کی سالم بچ جانا شاید اس کے اعلیٰ ترین اوصاف کے باعث ممکن ہو سکا کیونکہ ہندوستانی لٹریچر کی تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں مل جاتی ہیں کہ اچھی کتاب نے بہت سی پست درجہ کی کتابوں کا ملیامیٹ کر دیا۔ جیین گونڈار کی نقل کرنے والے بہت تھے لیکن بعد کے زمانے کے شعرا میں اس کا کوئی مدمقابل نہیں اٹھ سکا۔

کوتن

کوتن یا اوٹا کوتن "شینگندر" طبقے کا آدمی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقے کے لوگ فوج میں نجی سپاہیوں یا ان کے افسروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے، نیز کپڑا بننے کا دھندا کرتے تھے[17]۔ چولا ریاست کے ایک غیر معروف گاؤں ملری میں اس مصنف کا جنم ہوا[18]۔ اس نے پدوئی کے سردار شنکرن کے ہاں ملازمت کر لی جو شاڈئین کا والد تھا۔ شاڈئین خود نامور اہل قلم کمبن کا مربی اور سرپرست رہا تھا۔ گانگےین نامی ایک شخص نے جلد ہی بھانپ لیا کہ کوتن کو قدرت نے کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ شنکرن کی گھریلو ملازمت کے لیے۔ اور کوتن نے اپنے مربی گانگییا کے تئیں اپنی احسانمندی کے اظہار کے لئے اس پر ایک نظم "نالائرا کوئی" کے نام سے لکھی۔ کوتن کا ایک اور سرپرست پوتائی یعنی تربھوونی کا، جو پانڈیچری کے قریب ہے، رہنے والا ایک شخص سومن تھا۔ جب کوتن کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو یکے بعد دیگرے تین چولا راجاؤں نے جن میں اولین وکرم چولا تھا، کوتن کو اپنے دربار میں بلا کر اس کی خاطر و مدارات کی۔ اس نے ان تینوں راجاؤں میں سے ہر ایک پر ایک ایک "اُلا" لکھی۔ اس کے علاوہ وکرم چولا کی کالنگا کی جنگ کو شہرت بخشنے والی ایک "پرنی" اور کلوتنگا دوم پر ایک پلّئی تمل بھی لکھی۔ موخر الذکر نظم واقعی اپنے شوکت الفاظ، سریلے اشعار اور لطیف تخیل کے باعث اس شاعر کی مشہور نظموں میں سے بہترین نظم ہے۔ "اِٹی بیلو پدوُ"، ایلو پیلو پدو اور "تکیاگ پرانی" لکھنے کے لیے کوتن کو جن حالات سے تحریک ملی ان کی کہانیاں تاریخ سے زیادہ انسانیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب اس شاعر کی شہرت عروج پر پہنچی تو "شینگندر" ذات کے لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کوتن اپنی ذات کی عظمت کا جشن مناتے۔

لیکن جب شاعر نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ وہ اس سے اس بات کی توقع نہ کریں کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو اپنی ذات برادری کی تعریف کے لیے استعمال کرے، تو غضب ناک ہو کر شینگندروں نے یہ تہیہ کر لیا کہ وہ ایسے شخص کو جان سے مار ڈالیں گے جو ذات پات کے شعور سے اس قدر بیگانہ ہے۔ شاعر کے دوستوں نے بے وقوف شینگندروں کے ساتھ ایک عیاری کی جس کے طفیل شاعر جان بچا کر بھاگ نکلا لیکن اس کے بعد اس نے "اِٹی" (بھالے) کی مدح لکھنا منظور کر لیا جو کہ جنگ میں شینگندر کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ لیکن شرط یہ رکھی کہ شینگندر لوگ گھروں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے 1008 جوان بیٹوں کے سر کندھوں سے کاٹ کر دیوی کے لئے لائیں تا کہ وہ اس کام کے لیے اس کو ترغیب دے۔ کچھ دلیل و حجت کے بعد اس شرط کو تسلیم کر لیا گیا اور کوتن نے "اِٹی ّ ییلو پدو" گایا یعنی برچھے کی توصیف میں ستّر اشعار اور پھر "ایدو ییلو پدو" گایا یعنی ستّر اشعار جن کا مقصد ان 1008 نوجوانوں کو پھر سے زندہ کرنا تھا جن کی زندگیاں قربان کی جا چکی تھیں۔ دوسری نظم کے تو محض چند ٹکڑے ہی باقی بچے ہیں اور یہ کسی طرح بھی تامل شاعری میں بلند مقام کی مستحق نہیں ہے۔ "اِٹی ّ ییلو پدو" بھی کمزور شاعری کا ایک نمونہ ہے اور اس میں تلمیحات یعنی ان تاریخی واقعات کی طرف اشاروں کی بھرمار ہے جن میں شینگندر سپاہیوں اور سرداروں نے حصہ لیا تھا، لیکن ان تلمیحات کی وضاحت کا کوئی بھی ذریعہ ابھی تک نہیں ملا اور حاشیہ نگار چونکہ اس سلسلے میں اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں اس لئے نئے نئے قصّے تراشتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ کوتن اس وقت سے اوٹّا کوتن کہلانے لگا جب سے اس نے شینگندر جوانوں کے کیے ہوئے سروں کو پھر اپنے دھڑوں سے جوڑ دیا۔ اس نام کی ایک اور کم افسانوی اور زیادہ قابلِ فہم وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ چولا شہنشاہ کی درخواست پر شاعر نے ایک "الا" کی کنّی کو اپنے ایک اور شعر میں جو اس نے فی البدیہہ کہا تھا، جوڑ دیا۔ "تکیاگ پرنی" جو بظاہر اپنی بحروں اور زبان میں "کلنگتو پرنی" کی نقل معلوم ہوتی ہے پران کی ایک کہانی کو بڑے زوردار انداز میں بیان کرتی ہے اور اسے لٹریچر میں اعلیٰ مقام عطا کیا جانا چاہئے۔ ہر چند کہ یہ اپنے معیاری نمونے سے قدرے پست ہے۔ دوسری منظومات جو کوتن کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں ان میں ایک "سرسوتی ییندادی" ہے جو اس کی سب سے پہلی تخلیق بتائی جاتی ہے۔ یہ اس نے علم و فن کی دیوی سرسوتی کی تعریف میں لکھی تھی جس کی نوازش سے وہ شاعر بنا۔ اس کے علاوہ ایک اور نظم "اربییت تولاترم" ہے۔ کوتنور نامی گاؤں میں جو ضلع تنجور میں دریائے اری شِل کے کنارے اب بھی موجود ہے، اس شاعر کی اور چولا حکمرانوں کی جانب سے اس کے فن کی

قدردانی اور سرپرستی کی یاد کو تازہ رکھے ہوئے ہے۔ ان حکمرانوں نے یہ گاؤں اسے بطور جاگیر عطا کیا تھا۔ اس گاؤں میں سرسوتی کا ایک مندر اور اس میں بارھویں صدی کے تامل میں کندہ ایک ستون کی کرسی اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جن کہانیوں میں کوتن کی سرسوتی کے ساتھ خصوصی نسبت بتائی جاتی ہے وہ قطعاً بے بنیاد نہیں ہے۔[19] اس ستون کی کرسی پر یہ عبارت تامل میں کندہ ہے:
"ملری کے کوئی چکرورتی کے پوتے کوی پیرومال عرف اوواد کوتر نے یہاں سرسوتی کی ایک مورتی نصب[20] کی تھی جواب موجود نہیں ہے۔"

کمبن

اوٹا کوتن سے ایک زیادہ عظیم شاعر "راماینم" کا مصنف کمبن تھا۔ یہ نظم تامل لٹریچر میں عظیم ترین رزمیہ داستان ہے اور اگرچہ مصنف کا کہنا ہے کہ اس نے والمیک کی تقلید کی ہے لیکن اس کی تصنیف محض ایک ترجمہ نہیں ہے اور نہ اسے اصل سنسکرت نسخے کی کچھ بدلی ہوئی شکل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس داستان کے واقعات کے بیان اور اس کے سرکردہ کرداروں کی عکاسی میں کمبن کہیں کہیں اصل متن سے دور نکل گیا ہے اور اس نے موضوع کو ایسی چابکدستی، جدت پسندی اور شاعرانہ تجربہ کی گہرائی کے ساتھ پیش کیا ہے جس کی نظیر تامل لٹریچر میں کہیں نہیں ملتی۔ ان بڑے شعرا کی طرح جنہوں نے رام کی داستان اپنی تصنیفات میں لکھ کر ہندوستان اور مشرقی ممالک کی مختلف زبانوں کے لٹریچر کو مالا مال کیا ہے، کمبن نے بھی اپنے بیان میں اپنے زمان و مکاں کے مطابق رنگ آمیزی کی ہے۔ اس طرح کوشل کی ریاست کے متعلق اس کا بیان دراصل ایک تصوری چولا ریاست کی منظر کشی معلوم ہوتا ہے اور جب وہ چاندنی کی شوکت بیان کرتا ہے تو وہ اسے اپنے قاری کو یہ کہہ کر ذہن نشین کرواتا ہے کہ چاندنی چاردانگ عالم میں اس طرح پھیلی ہوئی تھی جیسے اس کے سرپرست شاڈیین حاکم وینائی کی شہرت کل دنیا میں۔[21] رام خود بھی تامل محاورے پر اتنا ہی عبور رکھتے تھے جتنا کہ سنسکرت محاورے پر۔[22] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمبن کہیں کہیں تامل فنِ شاعری کے قدرے سخت قواعد سے بری طرح مجبور ہو گیا ہے۔ جیسے کہ اس وقت جب وہ متھلا پوری میں رام کے داخلے کے بعد رام اور سیتا کی اتفاقیہ ملاقات کے وقت دونوں کے جذبات کا تفصیلی تجزیہ کرتا ہے اور کئی جگہ مثلاً جب ہنومان رام کی انگوٹھی سیتا کے حوالے کرتے ہیں تو وہاں سیتا کے ردعمل کو بیان کرتے ہوئے کمبن سیتا کے جذبات کی عکاسی میں والمیک کے دیئے ہوئے

ایک مختصر اشارے کو زیادہ وسعت دے کر بیان کرتا ہے۔ والمیک نے اس ضمن میں لکھا تھا کہ سیتا اس قدر شاد و مسرور ہوئی جیسے وہ اپنے شوہر سے پھر مل گئی ہو لیکن کئی دوسرے مواقع پر وہ والمیکی کے بیانات کو نہایت مختصر کر دیتا ہے۔

اس شاعر کے نام کے گرد گھومنے والی کثیر التعداد کہانیوں میں چند باتیں بہت نمایاں ہیں۔ اس کا باپ تروولنڈور ناڈو میں واقع موولور گاؤں کا رہنے والا آدتیہ نامی ایک شخص تھا۔ یہ گاؤں ضلع تنجور کے تعلقہ مایاورم میں پڑتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ذات "اچن" تھا[23]۔ اوائل ہی میں وہ پڈوئی کے نرگرتا سردار شڈیا پولّ عرف شرر امن کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ نرگرتا راجہ کا ذکر و کرم شولن الامیں بھی آیا ہے[24] اور موولور اور ترولکوڈی کا ول سے ملے ہوئے کچھ بلا تاریخ کے کتبوں میں بھی جن میں اس کا ذکر گنگا نسل کے چھیدی رایا کے نام سے آیا ہے[25]۔ ہم عہد چولا شہنشاہ نے بھی کمبن کی سرپرستی کی اور اسے کمبناڈو کی جاگیر اور "کوی چکرورتی" کے خطاب سے نوازا۔ اسے "رامائن" کے موضوع سے بے حد دلبستگی تھی، اس لیے اس نے راماتن کو نظم کرنے کا بیڑہ اٹھایا، بلکہ "راماوتار" کو کیونکہ وہ اسے "رام اوتار" ہی کے نام سے پکارتا تھا۔ اس نے کہانی کو صرف رام کے بن باس کے بعد ایودھیا لوٹ آنے اور بطور راجہ ان کے جشن تاج پوشی منعقد ہونے تک لا کر چھوڑ دیا۔ "اتر کانڈم" کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ یا تو اوٹاکوتن کی تصنیف ہے یا اس سے کم معروف ایک شاعر وانی داسم یا وانتن نادن کی۔

ایسی تفصیلات جو کم معتبر ہیں وہ غالباً نجی نوعیت کی تفصیلات ہیں۔ اسے ولّی نامی ایک رقاصہ سے عشق ہو گیا جس سے اس کی ملاقات تروو ڈیور کے شیو مٹھ میں ہوئی تھی۔ اس مٹھ کا سربراہ چترا تن پنڈت تھا۔ "تامل ناولر چریتائی" میں ایسے اشعار محفوظ ہیں جن سے رقاصہ ولّی سے کمبن کی شدید محبت اور جذبات۔ مدح و تحسین کا اظہار ہوتا ہے، اور ایک دوسری لڑکی سے جو اس کی محبت کی طلبگار تھی، بے اطمینانی اور بیزاری کا۔ کہانی یوں بتائی جاتی ہے کہ کمبن کے ہم عصر تمام حکمران راجگان اس کا احترام کرتے تھے جن میں پانڈیا اور کاکیتیا ردار ابھی شامل تھے۔ چولا شہنشاہ یہ دیکھ کر حسد کی آگ میں جل اٹھا اور اپنے اس ضرورت سے زیادہ طاقتور ماتحت سے چھٹکارا پانے کے لیے اس نے اس کے قتل کی سازش کی اور خود اپنے ہاتھوں اس سازش کو عملی جامہ پہنایا۔ ابھی تک ہم کو یہ فیصلہ کرنے کے لیے کوئی معتبر ذریعہ دستیاب نہیں ہوا کہ کیا شاعر کے انجام کی اس طفلانہ روداد کی کوئی بنیاد بھی ہے یا نہیں[26]۔

اُس کا زمانہ

کمبن کے زمانہ حیات کے متعلق کافی متضاد دعوے پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اب اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ وہ اوٹا کوتن اور شیکی لر کا ایک کم رتبہ ہم عصر تھا یا اس کا زمانہ ان کے فوراً بعد کا ہے۔ شاڈیّن جس کا ذکر اوپر آیا ہے، کے کتبے اور کمبن کا یہ بیان کہ چولا سلطنت کا مالک "تیاگ ماونودن" تھا (یہ کلوتنگا سوم کا لقب ہے[27]) دونوں اس معاملے میں خاصے فیصلہ کن ہیں۔ کمبن کی عظیم تصنیف میں "شیوک شندامنی" کی واضح صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس تصنیف کی جو تاریخ دی گئی ہے اس کی روشنی میں کمبن کے لیے ہماری تجویز کردہ تاریخ کی توثیق ہوتی ہے[27الف]۔

"رامائنم" کے علاوہ کمبن کو "ایریلو پدو" اور شٹڈ گوپر ندادی کا بھی مصنف بنایا جاتا ہے اور "ممّنک کووئی" کا بھی (جواب دستیاب نہیں ہوتی) جس کی وجہ سے کمبن کی شاعری پر وائن تادن نے معاندانہ تبصروں کا طوفان کھڑا کر دیا۔ "ایریلو پدو" اور اس کے ساتھ "تروکئی ولکم" بھی زراعت کی اور کاشتکار طبقے یعنی "ویلالوں" کی مدح میں لکھی گئی ہیں۔ ایک مجمع میں جب یہ نظم پڑھ کر سنائی جا رہی تھی تو شاڈیّن کے بیٹے چیدی رائن کو سانپ نے کاٹ لیا اور وہ مر گیا۔ شاعر نے دو وینبا موقع پر موزوں کر کے اسے پھر سے زندہ کر دیا۔ یہ "وینبا" شاعر نے خاص اسی مقصد کے لیے نظم کیے تھے۔ "اندادی" کمبن کو اس لیے لکھنی پڑی کہ وہ اس نظم کے ذریعے شری رنگم کے دیوتا کو خوش کرنا چاہتا تھا جس سے اس نے "رامائنم" لکھنے کی منظوری طلب کی تھی اور جس نے اس کے لیے یہ شرط عاید کر دی تھی کہ کمبن اپنے اشلوکوں میں ایک سو اشعار اس کے محبوب بھگت شٹھ کوپا کی تعریف میں نظم کرے گا۔ ہندوستانی لٹریچر میں رائج ایک عام رجحان یہ ہے کہ معمولی ادبی کاوشوں کو جن کے لکھنے والے کا پتہ نہیں ہوتا، کسی مشہور لکھنے والے سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ اس رجحان کے پیش نظر اور اس لیے بھی کہ مذکورہ دونوں نظمیں معمولی درجے کی ہیں، ہم ان کے اصل مصنف اور اس موقع کے متعلق جس پر یہ لکھی گئیں، عام طور سے رائج قصوں کو آسانی سے تسلیم نہیں کر سکتے۔

پگلیندی

ایک روایت کے مطابق جو برابر چلی آ رہی ہے، پگلیندی، اوٹا کوتن کا ایک ہم عصر تھا۔ تونڈئی

ناڈ میں کلندائی اس کا وطن تھا۔ اس نے پانڈیا کے دربار میں اپنی ملازمت شروع کی۔ بعد میں جب چولا شہنشاہ نے پانڈیا خاندان کی ایک شہزادی سے شادی کر لی تو وہ چولا دربار میں منتقل ہو گیا وہاں کوتن کو اس سے حسد پیدا ہو گیا اور ایک دوسرے کے خلاف ان کی ریشہ دوانیوں سے شاہی خاندان میں تنازعات پیدا ہو گئے۔ بالآخر راجہ کی نجی مداخلت سے دونوں میں صلح ہو گئی اور وہ امن و آشتی سے رہنے لگے۔ تاہم اس خوبصورت کہانی پر ہمیں یقین نہیں ہے۔ پھر تونڈئی منڈل شتکم" میں لکھا ہے کہ پگلیندی نے ایک "کلمبکم" تحریر کی۔ یہ جینجی (دیشنجیترلون) کے سردار کو زندگی پر لکھی گئی تھی اور مختلف بحروں میں تھی۔ اگر ہم اس کہانی کو باور کر لیں کہ اوٹا کوتن اور پگلیندی ہم عصر تھے تو جینجی کا یہ سردار اس شخص کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جس کا ذکر "وکرم شولن الا" میں آیا ہے[28]۔ لیکن یہ بات مشکوک ہے اور جدید ناقدین اس کا زمانہ کوتن کے عہد سے سو سال[129الف] بعد بتاتے ہیں۔ پگلیندی اپنی نظم "نل وینبا" کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے جس میں کوئی چار سو بندوں میں نل کی کہانی بیان کی گئی ہے اور یہ وینبا بحر میں لکھی ہے۔ "وینبا" بحر کا تامل میں وہی مقام ہے جو سنسکرت میں "انوشتھپ" کا۔ یہ بحر ایک سادہ اور لچکدار ذریعہ اظہار ہے جو کسی بڑے شاعر کے ہاتھوں میں عظیم نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ پگلیندی کے "وینبے" واقعی بہت اعلیٰ پائے کے ہیں اور چونکہ جس موضوع پر اس نے قلم اٹھایا ہے وہ بہت ہر دلعزیز تھا۔ اس لیے وہ عام طور سے رائج ہو گیے۔ کچھ دوسری تخلیقات بھی جو کسی ادبی وقعت کی مستحق نہیں اکثر پگلیندی سے منسوب کر دی گئی ہیں۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ "نل وینبا" کا طرز بیان بہت سادہ ہے جس نے پگلیندی کو ہر دلعزیز بنا دیا۔ لیکن "نل وینبا" کی بلند پایہ شاعری اور ان پست درجہ کی تک بندیوں کے مابین جو عوام میں رائج جہالت بھری کہانیوں نے اس کے نام منسوب کر دی ہیں، کوئی بھی بات مشترک نہیں ہے۔ پگلیندی کا زمانہ حیات کسی قابل وثوق شہادت کی مدد سے متعین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ملوا ناڈو میں واقع مرنائی نگر کے ایک شخص چندرن سورکی کے متعلق اس نے جو حوالے دیئے ہیں ان کا ابھی تک کتبوں کے ساتھ کوئی رابطہ قائم نہیں کیا جا سکا ہے۔ پگلیندی کی نظم میں کمبن کے افکار یہاں تک کہ جملوں کی بازگشت ایسی واضح ہے کہ پگلیندی کا عظیم شاعر کمبن کا پیش رو نہ ہونے کا نظریہ عین معقول معلوم ہوتا ہے۔

دو کووائیاں

"کلونگن کووائی" اور "تنجا یونن کووائی" چولا عہد کے آخری حصے سے تعلق رکھنے والی بہترین غیر مذہبی

تصنیفات میں شمار کی جانے کی مستحق ہیں۔ پہلی تصنیف، جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں، کمار کلوتنگا پر کہی ہوئی ایک "کووائی" ہے جسے ہم فی الحال کلوتنگا سوم فرض کر لیتے ہیں۔ اس کے مصنف کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے نظم میں کوئی نمایاں خوبی بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ ایک عظیم چولا حکمراں کے گرد گھومتی ہے اور سرسری طور پر اس کے چند جنگی کارناموں کے حوالے فراہم کرتی ہے۔ "کووائی" بھی "الا" کی مانند ایک صلح و آشتی کی نظم ہے۔ اس کا مقصد عاشق اور معشوق کی محبت کے ارتقائی مراحل کی، جب سے ان دونوں کی ایک بار اتفاقاً کہیں ملاقات ہو جاتی ہے، تصویر کشی کرنا ہوتا ہے۔ ہر موقع کی عکاسی کرتے ہوئے، شاعر کہانی کے ہیرو کی پیدائش اور اس کے کارناموں کی تفصیلات بھی بیان کر دیتا ہے۔ "تنجائی وانن کووئی" چولوں کے زمانہ اقتدار کے تقریباً باہر پڑتی ہے۔ مانک واشگر کی "ترک کوویار" کے بعد یہ اس قسم کی نظموں میں سب سے زیادہ مقبول نظم ہے۔ اس کا مصنف پویا مولی پلور یقیناً ونجی کا باشندہ رہا ہوگا جیساکہ اس کے نام ونجی پویا مولی سے ظاہر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ عرصے تک تروچن گاٹن گڈی، تڑا ئیور اور مدورا میں مقیم رہا اور بالآخر تونڈئی منڈلم چلا گیا۔ لیکن ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ شاعر اپنے سرپرست شینگن والیئے ارائیشور کی چتا پر زندہ جل مرا۔[30] اس کووائی" کے ہیرو اور تنجائی کے باشندے وانن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پانڈیا راجہ کا وزیر اور تنجاکور کا جاگیردار تھا۔ یہ مقام مدورا کے نزدیک مارناڈو میں واقع تھا۔ "کووائی" میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے[31]۔ "اس پانڈیا حکمران کی آنکھ جس نے ملئی ناڈو کو تسخیر کیا"۔ یہ حوالہ یقیناً مارورمن کل شیکھرا اول کے متعلق معلوم ہوتا ہے جس کا عہد 1268ء سے 1308ء تک تھا اس خیال کو ایک اور بات سے تقویت ملتی ہے۔ اس کووائی میں "نمبی اہپورل" کے قواعد کو باضابطہ بیان کیا گیا ہے اور اس کتاب میں کل شیکھرا کو اس عہد کا راجہ بتایا گیا ہے جس میں یہ کتاب لکھی اور شائع کی گئی۔[31]

شیکی لار

یکی لار کی "پیریا پرانم" اور پیرم بڑپ پلیور نمبی کی "ترو ولیئادل پرانم" بلند پایہ ادبی کتابیں جن میں شیووں کے سنتوں کی قدیم روایات درج ہیں اور اس سے پہلے کہ ہم چولا عہد کے خالص بھگتی لٹریچر کا جائزہ لیں ہم دونوں کتابوں پر مختصر بحث کریں گے۔ "تروتونڈر پرانم" یا "پیریا پرانم" کی تخلیق کا مفصل حال جو اماپتی شو آچاریہ نے قریب 1313ء کے لکھا تھا، ہمارے علم میں ہے۔ شیکی لار

نانتار پرانم میں شیکی لار کی سوانح حیات بیان کی گئی ہے۔ یہ تصنیف ایک پران ہونے کے باوجود اپنی تاریخی اور سوانحی دلچسپی کے لئے لاثانی ہے۔ اماپتی نے وہ زمانہ پایا جب عظیم چولا شہنشاہوں اور ان کے کارناموں کی یاد ابھی تازہ تھی۔ لہٰذا اسے بہت سی معتبر معلومات تک رسائی حاصل ہوئی ہوگی اور اسی کے غیر معمولی تاریخی شعور کی دین شیکی لار کی یہ سوانح عمری ہے۔ ایک اور تصنیف بھی اوماپتی ہی کی بتائی جاتی ہے اگرچہ اس میں دی ہوئی بہت پہلے کے زمانہ کی تفصیلات زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ یہ تصنیف "ترومٹرئی کنڈ پرانم" ہے جو نمبی آندر نمبی کی کتاب کے متعلق لکھی گئی ہے، جس کا کچھ حال ہم پہلے دے چکے ہیں۔

شیکی لار کی پیدائش کنڑائیول ناڈو میں واقع ایک مقام کنڑاتور میں ہوئی۔ یہ ناڈو تونڈئی منڈلم میں پلئورک کوٹم کا ایک حصہ تھا۔ وہ شیوئی کا ولر اور گنگئی کل تلک کے نام سے بھی موسوم تھا۔ وہ ذات کا ویلال تھا۔ اس نے چولا حکومت کے تحت سرکاری نوکری کی اور اعلیٰ مناصب تک پہنچا اور "اتم شولا پلون" کا خطاب حاصل کیا۔ وہ ترونا گیشورم کے دیوتا کا عقیدتمند تھا اور اس نے اس عقیدت کا اظہار اپنے آبائی شہر کنڑاتور و میں ایک شو مندر تعمیر کر کے کیا جو ہو بہو ترونا گیشورم کے نقشے پر بنایا گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ایک ملحد جین کی گمراہ کن تصنیف "شیوک شند امنی" چولا شہنشاہ کے دربار میں شوق سے پڑھی جا رہی ہے اور اس کی تعریف ہو رہی ہے تو چونکہ وہ ایک گہرے مذہبی مزاج کا آدمی تھا، اس نے اس صورت حال کے خلاف احتجاج کیا۔ اس کی رائے میں ایسی کتاب کے مطالعے پر وقت ضائع کرنا اپنی موجودہ زندگی اور آئندہ زندگی دونوں کے مواقع برباد کرنے کے مترادف تھا۔ اس نے چولا تاجدار کو تلقین کی کہ اس کی بجائے وہ شیو سنتوں کی ان سوانح عمریوں کی طرف توجہ دے جو سندرمورتی نے اپنی کتاب "تروتونڈ توگئی" میں لکھی ہیں اور جن کی وضاحت نمبی آندار نمبی نے کی ہے۔ تب راجہ نے شیکی لار کو حکم دیا کہ وہ ان سنتوں کی سوانح عمریاں اسے سنائے اور ان کے موضوع کی طرف حد درجہ مائل ہو کر اس نے شیکی لار سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ان سوانح عمریوں کو پوری تفصیلات کے ساتھ ایک بڑی نظم کی شکل میں تحریر کرے اور اسے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کثیر رقم دی۔ تب شیکی لار نے چدمبرم جا کر تنہائی اختیار کی اور فضل الٰہی سے اپنے ذہن کو بھر کر۔ جب ایک آواز نے اسے "الگیلام" کے الفاظ سے کام شروع کرنے کا حکم دیا۔ اس نے مندر کی چار دیواری کے اندر ایک ہزار ستونوں والے منڈپ میں "تروتونڈر پرانم" کو نظم کرنا شروع کیا۔ گاہے گاہے ایلچی چولا شہنشاہ کے پاس

جاکر کام کی ترقی کی رفتار کی خبر دیتے رہے حتیٰ کہ یہ کل 4253 بندوں میں مکمل ہوگیا۔ تب شہنشاہ خود چدمبرم آیا۔ ایک بار پھر پازیب کی جھنکار کے ساتھ ایک آواز نے شہنشاہ کو حکم دیا کہ وہ شیکی لار کی عظیم تخلیق کو توجہ سے سنے۔ اور اس طرح اس نظم کا اجرا ہوا۔ اور ایک سال تک شیکی لار اسے پڑھ کر سناتا رہا۔ اس تخلیق کو تامل زبان کا حقیقی پانچواں وید کہہ کر ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اسے شیووں کے دھرم گرنتھوں میں فی الفور بارھواں مقام مل گیا۔ مصنف کو "تونڈرشیر پر و وار" کے خطاب سے نوازا گیا جس کے معنی ہیں "سنتوں کی عظمت سرائی کرنے والا"۔ اور اسے "گیان مکٹ" (تاج علم) سے مزین کیا گیا۔ چولا دربار میں حاضر ہر شخص نے مع شہنشاہ کے اس کو سلام کیا۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ جنوبی ہند کے شیو دھرم کی تاریخ میں اس عہد آفریں واقعے کا ذکر اماپتی نے کس جوش سے کیا ہے تو اس مصنف کی اصل نظمیں پڑھنی ضروری ہیں۔

"پریا پرانم" نے تاملوں کی شیو آبادی کی زندگیوں اور خیالات کو اپنی تخلیق کے وقت ہی سے متاثر کیا ہے۔ عوامی احترام کے لحاظ سے اس نے خالص لٹریچر کی دوسری بہت سی کتابوں کو جو ناصحانہ اور مذہبی مقاصد سے، جن سے "پرانم" بھری ہوئی ہے، خالی تھیں، پس پشت ڈال دیا اور آج کے دن تک ہزاروں تامل لوگ ایسے ہیں جو شیکی لار کی خوش آہنگ شاعری میں پیش کی ہوئی قدیم کہانیوں کو حرف بحرف تاریخی اعتبار سے بالکل درست سمجھتے ہیں۔ ہمارے لیے اس کتاب کی اہمیت اس مقام کی وجہ سے ہے جو اسے تامل لٹریچر کے شاہکاروں میں حاصل ہے اور اس تصویر کے باعث جس میں تامل شیو مت کے سورماؤں کا زمانہ دکھایا گیا ہے، جس میں اسے تامل سرزمین کے انتہائی مذہب پرست رشیوں میں سے ایک نے دیکھا۔ ہر اعتبار سے یہ ایک ایسی ادبی تخلیق ہے جو ایسے انداز میں جو اس کی شان کے شایاں ہے، چولا شہنشاہوں کے عظیم عہد اور شیو دھرم سے ان کی عقیدت کی یاد تازہ کرتی ہے۔

شیکی لار خود ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس نے یہ کتاب چولا شہنشاہ انپایا کے، جس نے پیر مبلم کو سونے سے ڈھک دیا تھا، دربار کو خوش کرنے کی غرض سے لکھی تھی[32]۔ اور ہم جانتے ہیں کہ یہ بیان کلوتنگا دوم پر صادق آتا ہے۔ یہ بات قابل بھی توجہ ہے کہ شیکی لار نام کلوتنگا اول کے عہد میں 1093ء میں محکمۂ مال کے ایک افسر کی حیثیت سے آیا ہے[33]۔ اگر یہ افسر اس بڑے شاعر ہی کے خاندان سے تھا تو ہمیں شاعر کے متعلق یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ ایسے خاندان کا فرد تھا جو کئی نسلوں سے حکومت کی ملازمت میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکا تھا۔ اماپتی شیو آچار

بتاتا ہے کہ شیکی لار کا ایک چھوٹا بھائی پالڑاوائر تھا اور اغلب ہے کہ کلوتنگا دوم کے ابتدائی عہد کے ایک کتبے میں اسی کا ذکر شیکی لار پالڑاوائر کلپا لرائن ساکن کنٹر تور کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ ذکر کردینا بھی مناسب ہے کہ شیکی لار ایک خاندانی نام تھا۔ اس حقیقت سے ہماری مجوزہ بالا شناخت کی تائید ہوئی ہے۔ کنٹر تور رچیکلا ترومر پوشیر ند دونرے داماپتی) اسی خاندان کے ایک اور فرد شیکی لان امتی پپن پرانشکا دیون عرف کریکال شولا پلّور رائن" نے 1182ء میں تروکڈائیور (ضلع تنجور) میں ایک عطیہ دیا تھا۔[35]

نمبی کی ترو ولیادل

پرم برّپ پلنّور نمبی کی کتاب ترو ولائیاڈل" ہمارے ہاں تامل میں ان قدیم قصے، کہانیوں کی سب سے پہلی پیش کش ہے جو مدورا کے اردگرد گھومتی ہیں اور جن میں شِو کی جونسٹھ معجزہ صفت لیلائیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کا مصنف ایک برہمن تھا جو شیلی نگر میں پیدا ہوا تھا۔ یہ مقام ضلع تنّے ویلی میں کری ولم وند نلّور کے نزدیک واقع ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کو ہم عصر پانڈیہ حکمران کی درخواست پر لکھا تھا اور اس کی اس ادبی کاوش کے لیے اسے کثیر انعام واکرام ملا تھا۔ اس کا روحانی گورو چدمبرم میں واقع ایک مقام مالگئی مڈم کا رہنے والا ونائک تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چدمبرم (پیرم برّپ پلنّور) اپنے نام سے پہلے غالباً یہ ظاہر کرنے کے لیے جوڑتا تھا کہ اس نے اپنی تعلیم وہاں شروع کی تھی یا عام وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ نٹ راج سے اپنی ارادت کے اظہار کے لیے یہ نام جوڑتا تھا جو اس مقام کا صدر دیوتا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ 1227ء میں ہمارے اس مصنف کے خاندان کے ایک فرد آنند تانڈو نمبی نے یا اس کی بیوی نے مدورا میں ایک گوپورا تعمیر کیا۔ اس سے ہمارے مصنف کے زمانہ حیات کی بھی اندازاً نشان دہی ہوجاتی ہے۔ لیکن اس کے اور آنند تانڈو نمبی کے درمیان صحیح صحیح تاریخی رشتہ ابھی متعین نہیں کیا جاسکا۔[36]

مقدس لیلاؤں کی بہت بعد کی ایک تالیف نے جو پرن جوتی نے کی تھی، قبول عام حاصل کرلیا اور نمبی کی پہلے کی تالیف اس وقت تک کے لئے کھو گئی جب تک کہ جدید تامل دانشوروں کے سرخیل سوامی ناتھا آئر نے بہت سی دوسری کلاسیکی تصانیف کی طرح اسے پھر سے دریافت نہ کرلیا۔ نمبی کی کتاب بہت سی اہم باتوں میں پرن جوتی کی کتاب سے مختلف ہے۔ بالخصوص

ان پانڈیا راجاؤں کے نام کے متعلق جن کے عہد میں کچھ خاص معجزے رونما ہونے کے متعلق یقین کیا جاتا ہے۔ "پرن جیوتی" اور "ہالاسیا ماہاتمیہ" میں جو ایک جعلی فہرست ان راجاؤں کی دی گئی ہے جن کو چونسٹھ پشتوں تک تخت شاہی ورثے میں ملا تھا یعنی باپ کے بعد بیٹے کو اور علیٰ ہذالقیاس وہ نمبی کے ہاں نہیں ملتی۔ نمبی نے دس سے بھی کم راجاؤں کے نام گنوائے ہیں۔ ترتیب جس سے لیلائیں بیان کی گئی ہیں، بھی مختلف ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے معمولی اختلافات ہیں جو نمبی پرانم" کے فاضل مرتب نے باحتیاط نوٹ کیے ہیں۔ جو مصنفین قدیم خیالی قصّوں سے تاریخ اخذ کرنے میں جلد بازی کرتے ہیں ان کے لیے بہتر ہوگا کہ اس تنبیہہ پر توجہ دیں جو ان دونوں تالیفات کے مطالعے سے ملتی ہے۔

مذہبی لٹریچر

اب ہم اس عہد کے خالص مذہبی لٹریچر کی جانب متوجہ ہوں گے۔ تامل شوگرنتھوں کی موجودہ ترتیب نمبی آندار نمبی کی مرہون منّت ہے جسے اگر دسویں صدی کے آخری حصّے سے نہیں تو یقیناً گیارہویں صدی کے آغاز سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ہی بتایا جاچکا ہے اماپتی شوآچاریہ ایک مختصر سی کتاب "ترومرطائی کنڈپرانم" میں تسلیم کرتا ہے کہ نمبی آندار نمبی نے شیوگرنتھوں کو از سرِ نو ترتیب دے کر نئے سانچے میں ڈھالا۔

ترومڑئی

اماپتی کا کہنا ہے کہ نمبی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دھرم گرنتھوں کو دس جلدوں میں ترتیب دیا۔ ان میں سے پہلی تین جلدیں ترونا ناسمبندر کے 4 ، 3 "پدی گوں" پر مشتمل تھیں۔ جلد چہارم تا ششم میں ترونا وکرشو کے 307 "پدیگم" شامل تھے۔ ساتویں جلد میں سندرا کے ایک سو "پدیگم" تھے۔ آٹھویں جلد میں مانک واشگر کا "تروواشکم" شامل کیا گیا اور نو مختلف مصنفوں کے متعدد "تروشائیپا" اور "ترومولر" کا "ترومندرم" آخری دو جلدوں کا حصّہ بنے۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ بعد میں شہنشاہ نے نمبی سے درخواست کی کہ وہ باقی ماندہ "پدیگموں" سے ایک اور کتاب مرتب کرے۔ اور اس میں شو کے خود کہے ہوئے "پاشرم" کو بھی شامل کرے جو انھوں نے سدھی حاصل کرنے کی غرض سے بتایا تھا چنانچہ نمبی نے دھرم گرنتھوں کی گیارہویں جلد بھی مرتب

کرڈالی۔ یہ جلد جس میں نمبی کی خود اپنی نظمیں بھی شامل ہیں، بارہ مختلف اہل قلم کی تخلیقات پر مشتمل ہے جن میں سے دو شیو دھرم کے ترسیٹھ[37] سنتوں میں سے تھے۔ "پریا پرانم" اس سلسلے کی بارہویں جلد شمار کی جاتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان جلدوں کی ترتیب تاریخ وار نہیں ہے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال یہ ہے کہ "ترومولر" اصل میں سندرا مورتی سے پہلے کی ہے اور اس کا ذکر "تروتونڈ توگئی" میں موجود ہے، لیکن "ترومندرم" صرف دسویں جلد ہے جب کہ سندر مورتی کے بھجن ساتویں جلد میں شامل ہیں۔

دھرم گرنتھوں کی نویں جلد کے مصنفین میں گندھر آدتیہ کی شناخت صحیح طور پر کی جا سکتی ہے۔ وہ یقیناً پرانتکا اول کا بیٹا گندھر آدتیہ[38] تھا۔ شنید نار کو ترومالی گیتیور سمجھنے کی کوشش کو صرف راج راجا اول کے عہد کے "ترودیلی ملئی" کے ایک کتبے کی شہادت کی بنا پر صحیح نہیں سمجھا[39] جا سکتا۔ جس کتبے کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس شناخت کا قطعی ثبوت فراہم نہیں کرتا۔ اور یہ بھی غیر ممکن سی بات لگتی ہے کہ قدیم روایتوں نے اس حد تک غلطی کی ہو کہ ایک مصنف کے دو مصنفین بنائے ہوں، کیونکہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دھرم گرنتھ اباپتی کے زمانے سے قبل ہی اپنی موجودہ صورت میں آچکے تھے۔ کرووور دیور کے تین بھجن چولا مندروں پر لکھی ہوئی اس نویں جلد میں شامل ہیں۔ یہ مندر کلندئی کا آدتیشورا مندر، تنجور کا راج راجیشورا مندر گنگائی کونڈ چولا پورم کا گنگائی کونڈا چولیشورا مندر تھے۔ جیسا اس شاعر کے نام سے ظاہر ہے یہ کرووور کا باشندہ تھا اور اس کے نام کے گرد گھومنے والی کہانیاں "کرووور پرانم"[40] میں ملتی ہیں اس کا زمانہ حیات گیارہویں صدی کے پہلے نصف حصے میں متعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ نمبی کاڈ نمبی جس نے دو بھجن ایک ترووارور پر اور دوسرا کوئل (چدمبرم) پر گائے ہیں، دراصل آتریہ نمبی کاڈ نمبی تھا جس کا ذکر ایک "ارچک (پجاری) کی حیثیت سے ترووائیارو کے 1050ء کے ایک کتبے میں آیا ہے۔[41]

دینیات

مذہبی عقائد کی کتابوں میں "شونانا بودم" تامل شیو دھرم کے عقائد کو ضابطہ بند طریقے سے بیان کرنے کی پہلی کوشش تھی۔ یہ کتاب تیرہویں صدی کے اول نصف حصے سے کنڈار نے لکھی[42]۔ یہ ایک، درجن مقولوں (سوتروں) کا، جو معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کے اصل نسخے سے ترجمہ

کیے گیے ہیں[43]، ایک مختصر رسالہ ہے۔ مصنف نے اس میں اپنی "وارتکاؤں" کا بھی اضافہ کیا ہے جن میں ہر ایک سوتر کی دلیل دی گئی ہے اور اس کا مفہوم سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ "شونانابودم نام کی یوں وضاحت کی گئی ہے: "شوم" ایک ذات واحد ہے۔ "نانم" اس کی حقیقی فطرت کا علم ہے بودم (بودھ) ایسے علم کے حصول کا نام ہے[44]۔" بارہ سوتروں کی ترتیب بالکل سادی ہے۔ پہلے تین سوترو ں میں تین حقیقتوں کی موجودگی کا دعویٰ کیا گیا ہے، پرماتما (پتی) بندھن (پاش) اور روح (پشو) اگلے تین سوتروں میں ان کی تعریف کی گئی ہے اور ان کی فطرت اور باہمی رشتے کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد کے تین سوتر بندھن سے نجات پانے کے وسائل (سادھنوں) سے متعلق ہیں اور آخری حصّہ نجات کی نوعیت پر بحث کی نذر کیا گیا ہے۔ تامل شیودھرم میں میکنڈار کی تصنیف کے سرکردہ مقام کو ایک اشلوک میں واضح کر دیا گیا ہے جو یوں ہے: "وید گائے ہے۔ اس کا دودھ سچا آگم ہے۔ چاروں (ویدوں) میں گائی گئی تامل دودھ سے نکالا ہوا گھی ہے اور شہرۂ آفاق شہر وینائی کے رہنے والے میکنڈان کی تصنیف گھی کا عمدہ ذائقہ ہے[45]۔"

"بودم" سے پہلے دو مختصر کتابیں شائع ہوئیں جن میں سے ایک کو متن اور دوسری کو اس کی تفسیر کہا جا سکتا ہے[46]۔ یہ کتابیں "ترووندیار" اور "تروکلّی رپّادیار" ہیں جنھیں دو الگ الگ مصنفین نے لکھا ہے، ایک استاد نے اور دوسری اس کے شاگرد نے۔ روایات میں یہی بتایا گیا ہے۔ دونوں مصنفوں کا نام بلکہ لقب "اپّا۔ وند۔ دیور" مشہور تھا۔ یہ دونوں کتابیں شیو عقائد اور عمل کی اہم باتوں کو سلیس انداز میں پیش کرنے کی غرض سے لکھی گئی تھیں۔

"شونانابودم" کے بعد عقائد پر اگلی اہم کتاب "شونانا شتّیار" ہے جو ارونندی نے لکھی ہے جس کے متعلق روایات میں مشہور ہے کہ پہلے وہ میکنڈار کے والد کا گورو تھا اور بعد میں وہ خود میکنڈار کا چیلا بنا۔ اگرچہ یہ کتاب نظم میں ہے، یہ سچے عقائد (سِدّھ۔ سوپکش) کا ایک جامع بیان ہے جس کی تمہید میں باہم مخالف مذاہب (پرا۔ پکّم) پر ناقدانہ بحث کی گئی ہے۔ اس میں چودہ[14] مذاہب زیر بحث لائے گیے ہیں جن میں بدھ مت کے چار اور جین دھرم کے دو مکاتیب فکر شامل ہیں۔ اس عظیم تصنیف کی جو دراصل تامل شیودھرم پر ایک کلاسیکی مقالہ ہے، بہت سی تفسیریں لکھی گئی ہیں اور آج تک یہ کتاب شیودھرم کے صحیفہ کی حیثیت سے تاملوں میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے کیونکہ میکنڈار کی کتاب بہت زیادہ پر اسرار ہے اور دوسرے دھرموں کے مقابلے میں شیودھرم کے مقام کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اسی لکھنے والے کی

ارپا۔ ورپا ہدو" کا یہ نام اس لیے ہے کہ اس کی بیس نظموں میں دو بحریں استعمال ہوئی ہیں جن میں مذہبی عقائد کو گورو اور چیلے کے درمیان مکالمے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ کتاب ارنندی نے اس مقصد کے لیے لکھی تھی کہ وہ اس کے ہر شعر میں اپنے گورو کی یاد کو محفوظ رکھ سکے۔ چنانچہ کتاب اس مقصد کو پورا کرتی ہے۔

سوال و جواب کی شکل میں لکھی ہوئی ایک اور کتاب جو شیودھرم پر جتنے مقالے لکھے گیے ہیں، ان سب میں سلیس ترین ہے "انمائی ولکم" جو ترووڈی (ضلع جنوبی ارکاٹ) کے باشندے منواشگن گوڈندار نے لکھی اور جس کا دعویٰ ہے کہ آگموں (ویدوں) کے نچوڑ سے ذرہ برابر فرق اس کی کتاب میں نہیں ملے گا۔ اماپتی شیوآچاریہ جو تیرھویں صدی کے خاتمے اور چودھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں موجود تھا[47]، مذہبی عقائد پر آٹھ کتابوں کا مصنف تھا جو تامل میں شیوسدھانت شاستر کی تکمیل کرتی ہیں۔

یہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شوپرکاشم : بہت بلند پایہ مقالہ جس کی اہمیت صرف "شوناناشتیار" سے کم تھی۔ اس میں ایک سو اشلوک تھے۔

۲۔ ترو۔ ورٹ۔ پاین: مشہور زمانہ "تروکرل" کے نمونے پر لکھی گئی تھی اور دس دس "کرلوں" والے دس حصوں پر مشتمل تھی۔

۳۔ وناوینبا : تیرہ وینبوں پر مشتمل مکالمے کی شکل میں لکھی ہوئی ایک کتاب۔

۴۔ پوٹری پاہروڈئی: ایک مختصر صرف سو مصرعوں پر مشتمل ایک کتابچہ۔

۵۔ کوڈی کوئی : صرف چار اشلوکوں میں بیان کی ہوئی ایک تخلیق۔

۶۔ نینچوڈوتوتو : جو "سندیش" کی شکل میں لکھی گئی ہے جس کی نقل تامل اہل قلم پہلے ہی کر رہے تھے۔

۷۔ انمائی نیری ولکم: جس میں حصول نجات کی راہ پر اور دس "کاریوں" پر بحث کی گئی ہے[49]۔

۸۔ سنکرپ۔ نراکارنم: یہ کتاب "شتیار" کی "پرپکش" کی طرح دوسرے مذاہب پر تنقید کے لیے وقف کی گئی تھی۔ اس میں پہلے کی کتاب کے برعکس خود شیودھرم اندر باریک اندرونی اختلافات پر مدلل بحث کی گئی ہے۔

تامل میں وشنودھرم کی کتابوں کی قلت

یہ عجیب بات ہے کہ چولا عہد میں تامل سلطنت کے وشنوؤں نے بہت کم مذہبی

لٹریچر لکھا۔ پہلے بھی اس امر کی جانب اشارہ کیا جاچکا ہے کہ وشنو اور شیو دھرم گرنتھوں کی ترتیب و تدوین دسویں اور گیارھویں صدیوں کے دوران ساتھ ساتھ ہوئی۔ بہت سی شہادتوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یکے بعد دیگرے آنے والے عظیم ویشنوں آچاریوں نے اس عہد میں سنسکرت زبان میں بھگتی کی بے شمار نظمیں اور فلسفے کی کتابیں لکھیں۔ یامناچاریہ یادو پرکاش اور خود رامانج ایسے مصنفین کی طویل صف میں سے محض چند برگزیدہ مثالیں ہیں جو بجا طور پر اپنی علمیت، بھگتی اور ادبی کارگزاریوں کے لیے مشہور ہیں۔ تاہم یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ ویشنو دھرم جو مذہبی اصلاح اور احیاء کے لیے ایک عوامی تحریک کے طور پر شروع ہوا تھا، چولا عہد میں ایک متکبرانہ رجحان کا شکار ہوگیا اور اس نے عوامی بول چال کے استعمال کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ دراصل اس مدرسۂ فکر کے مصنفوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک جانا پہچانا اسلوب تحریر اختیار کرلیا جو اپنی ساخت میں تامل سے زیادہ سنسکرت سے ملتا جلتا تھا اور جس کا بہترین نمونہ ہمیں پیریا واچان پلّے اور نمبی لائی کے تبصروں میں ملتا ہے۔ اس اسلوب میں لکھی ہوئی کتابوں میں سے ایک قدیم ترین کتاب "آرائر پڈی" ہے جو نمّالوار کی تصنیف "تروو ائے مولی" پر ایک مختصر تبصرہ ہے۔ یہ تفسیر کروگئی پران پلاّن نے لکھی جو رامانج کا ایک رشتے دار اور شاگرد تھا۔

رامانج نوٹرندادی

تاہم ایک نظم ایسی ضرور ہے جو اس لیے قابل ذکر ہے کہ یہ اس زمانے کے ویشنو اہل قلم کے اپنائے ہوئے عام اصول سے مستثنیٰ ہے۔ یہ نظم "رامانج نوٹرندادی" ہے جو "کلتوٹرتی" بحر میں رامانج کی تعریف میں کہے ہوئے ایک سو اشلوکوں پر مشتمل ہے۔ یہ اشلوک رامانج کے چیلے تروورنگتو امدنار نے کہے تھے۔ نظم جو بھگتی کے سادہ اسلوب میں لکھی گئی ہے، بہت قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے اور لوگ اسے "پرپن کا تتری" تک کا درجہ دیتے ہیں، کیونکہ یہ اکثر روزانہ کے پاٹھ کے طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ گورو کی نگاہِ کرم کے بغیر نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مصنف یقین سے کہتا ہے کہ اسے "تپ" میں کوئی اعتقاد نہیں ہے[49] اور سوائے رامانج کے دھرم کے باقی سب متوں کو غلط قرار دیتا ہے[50]۔ نظم میں رامانج کی گہری اور دائمی بھگتی اور "شوراد کا دل پیر نجلی" نیز "رامائن" سے اس گہری وابستگی پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے[51][52]۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ہمارا یہ مصنف دراصل مونگری کڈنی کا تروورنگت

مدنار ہو جس کا ذکر کلوتنگا دوم کے تیسرے سال حکومت کے ایک کتبے میں کیا گیا ہے جو ترو کوئیلور سے دستیاب ہوا ہے[53]

گرامر وغیرہ

گرامر، فن خطابت اور فرہنگ نویسی تحریری لٹریچر کے آغاز ہی سے مصنفین کی توجہ کا مرکز رہے ہیں اور چولا عہد میں ان شعبوں میں بڑے بڑے اضافے کیے گئے ہیں۔

امتاساگر

ایک جین تپسوی امتاساگر کی دو کتابیں "یاپرنگلم" اور "یاپرنگلی کارگئی" دسویں صدی کے آخر میں کسی وقت تصنیف کی گئی تھیں۔ مصنف کے نام کی صحیح شکل امتاساگر ہے (یعنی بحر بے پایاں۔ الپرنگڈل) نہ کہ "امرت ساگر" جیسا کہ اکثر غلطی سے لکھا جاتا ہے۔ مصنف خود کو گن ساگر نامی گورو کا چیلا بتاتا ہے "شولامنی" کے حوالے دیتا ہے، اور "ویرشوئیم" کا مفسر پیرن دیونر خود مصنف کا حوالہ دیتا ہے۔ "ویرشوئیم" کا متن اور اس کی تفسیر دونوں ہی ویر راجندر کے زمانے کی ہیں۔ "شولامنی" کا زمانۂ تحریر متنازعہ ہے۔ اسے عموماً نویں صدی کے دوسرے نصف سے منسوب کیا گیا ہے[54] لیکن اس کا کچھ صدی پہلے کی تخلیق ہونا بھی بعید از امکان نہیں۔ امتاساگر کی تصنیف "کارگئی" کو جلد ہی حد درجہ شہرت حاصل ہو گئی اور جس مقام پر یہ کتاب تصنیف کی گئی تھی وہ کارگئی کلتور کہلانے لگا جیسا کہ کلوتنگا اول کے دو کتبوں سے ظاہر ہے جو نڈور میں ملے ہیں۔[55] ان کتبوں میں لکھا ہے کہ کلتور کے ایک شخص کنڈن مادھون کے کسی بزرگ نے امتاساگر کو صلاح دی کہ وہ جینگونڈ شولا منڈلم میں واقع شٹروکنر اتاناڈو میں آ کر سکونت اختیار کرے۔ اگر امتاساگر کے زمانے میں یہ نام رائج تھا تو "یاپو" پر دونوں کتابیں راج راجا اول کے آخری سالوں کے بعد لکھی گئی ہوں گی۔ کیونکہ راج راجا نے "جینگونڈ شولا" کا لقب اپنے عہد حکومت کے آخر میں اختیار کیا تھا۔

"یاپرنگلم" علم عروض پر ایک مقالہ ہے جس کے خلاصہ کے طور پر "کارگئی" لکھی گئی ہے۔ اس کا حلقہ وسعت میں لاثانی ہے اور تامل شاعری میں رائج مختلف النوع بحروں پر اس میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ اس تفسیر کے باعث اور بھی قیمتی ہو گئی ہے جو اس پر لکھی گئی ہے

کیونکہ اس تفسیر میں متعدد ایسے ادبی نمونے بھی محفوظ کر دیئے گئے ہیں جو بصورت دیگر ہماری نظروں سے اوجھل رہتے۔ یہی رائے اس شرح پر بھی صادق آتی ہے جو گن ساگر سے کارگئی پر لکھی ہے۔ گن ساگر کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ امتا ساگر کا شاگرد تھا اور اس شاگرد نے اپنا نام اپنے گورو کے نام پر رکھ لیا تھا۔

بدھ متر

اس کے بعد بدھ متر کی تصنیف "ویرشولیم" اور اس پر اس کے شاگرد پیرن دیونار کی شرح ہماری توجہ کی طالب ہوتی ہیں۔ چولا شہنشاہ ویرراجندر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ ایک عظیم تامل عالم تھا۔[56] یہ حقیقت اور اس کتاب کا نام اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے کہ یہ کتاب ویرراجندر کے دور حکومت کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کی شرح میں راجندر اول کی "ترومنّی ولرا" والی تمہید کا حوالہ دیا گیا ہے[57]۔ اور کوٹم[58] اور کوڈل شنگم[59] کی جنگوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے "پائرم" یعنی دیباچے میں بدھ متر اکو "پونیٹری کا راجہ" بتایا گیا ہے۔ پونیٹری غالباً تنجور میں واقع پون پیتی ہوگا۔[60] اور بدھ متر اکے خطاب کا بھی یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اسے پون پیتی کے مالیہ سے چولا شہنشاہ کی جانب سے جاگیر عطا ہوئی تھی ۔
"ویرشولیم" "کولتورائی" بحر میں نظم کیا گیا ہے اور اس کی بندش تامل اور سنسکرت کی گرامر اور خطابت دونوں کے امتزاج کی حامل ہے۔ اس میں معمول کے مطابق پانچ حصّے ہیں۔ سندھی (ایلتّو)، شول۔ پورل۔ یاپو۔ اور النکار (انی)۔ ہم پہلے اور آخری حصے کے ناموں سے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مصنف سنسکرت عنوانات کو ترجیح دیتا ہے۔ مختلف حصوں کے ناموں اور ترتیب سے سنسکرت قواعد کے حق میں مصنف کی جانب داری کا اور زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ تامل زبان کے نحوی نظریے کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے طالب علم کے لیے یہ کتاب دلچسپی سے خالی نہیں۔

دنڈیالنگارم

"دنڈیالنگارم" وہ واحد کتاب ہے جو کلی طور پر "النکاروں" یا "انی" پر بحث کرنے کے لیے وقف کی گئی ہے۔ کتاب کے اس نام کا جواز یہ ہے کہ اس کو دنڈی کی تصنیف "کاویہ آدرش"

کے نمونے کی عین تقلید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے بلکہ دراصل یہ اسی کتاب کا تامل میں کم و بیش ترجمہ ہے۔ مصنف کا نام اور اس کی زندگی اور زمانہ حیات کی تفصیلات دفعتاً غائب ہو گئی ہیں۔ ایک انجانے زمانہ کا ایک شعر ہماری نظر میں ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مصنف امبکاپتی کا بیٹا تھا اور خود دنڈی کہلاتا تھا۔ اس نے سنسکرت اور تامل کی تعلیم میں امتیاز حاصل کیا اور سنسکرت کے ماہرین لسانیات کے وضع کردہ خطوط پر تامل میں النکاروں کی تشریح کی۔ عظیم شاعر کمبن کے متعلق بھی مشہور ہے کہ اس کا بھی امبکاپتی نامی ایک بیٹا تھا۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ ہمارا زیر بحث مصنف کمبن کا پوتا تھا۔ "دنڈیا لنگارم" کے متعلق دیے ہوئے سب سے پرانے حوالوں میں ایک حوالہ اڈیارکنلار کا ہے۔ جو اس نے "شلپدی کارم" کی اپنی مشہور شرح میں دیا ہے۔ اس کتاب کو مختلف ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا، مثلاً "انی یئل[61]"، "انی یلکّم" اور "انیادی گارم کاویادرش" کی طرح یہ "سوتروں" کے طرز پر نظم کی گئی ہے۔ اس میں شاعری اور کاویہ کی نوعیت اور کلمے کے اقسام کو دو شعبوں یعنی "ارتھ النکار" ("پورلنی") اور شبد النکار (شولنی) میں تقسیم کر کے ان پر بحث کی گئی ہے۔ اٹھارھویں صدی کی ایک تصنیف "پریوگ وویکم" کے مصنف کا کہنا ہے کہ "دنڈیا لنگارم" کے مصنف نے سوتروں کی شرح بھی خود لکھی تھی اور خود ہی ان کی وضاحت مثالوں سے کی۔ یہ ممکن دکھائی دیتا ہے اور پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کچھ وضاحتی بند اپنایا چولا کی تعریف میں ہیں[62]۔

نیمی نادم

گن ویر پنڈت کی تصنیف "نیمی نادم" ایک مختصر صحیفہ ہے جو وینبا بحر میں نظم کیے ہوئے ایک سو سے کم اشعار پر مشتمل ہے اور جس میں تامل زبان کے علم ہجّہ اور ترکیب نحوی پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا نام تمنا ئیلا پوری میں واقع جنوبی مائیلا پور کے تیرتھنکر نیمی ناتھا[63] کے نام پر پڑا ہے۔ مصنف ایک اجنبی تھا اور کلندئی کے وچناندی یا وجرنندی کا شاگرد تھا۔ کلندئی غالباً وہی جگہ ہے جسے پگلیندی بھی کہتے ہیں۔ عروض پر لکھی ہوئی گن ویر کی ایک اور کتاب کا نام "وینبا پاٹئل" یہ مصنف کے گورو کے نام پر "وچناندی مالائی" کے نام سے بھی موسوم ہے یعنی "وچناندی کی مالا"۔ "وچناندی مالائی" کے پیش لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کی ادبی کاوشیں تربھون دیو کے عہد حکومت میں معرض وجود میں آئیں جو بلاشبہ وہی حکمران تھا جس کا ذکر کتبوں میں تربھون ویر دیوا

کے نام سے آیا ہے، یعنی کلوتنگا سوم۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو وہ نیمی ناتھ جو حال ہی میں شائع ہونے والی ایک نایاب تامل ناول چرتائی میں مندرج ایک قدیم روایت کے مطابق اوٹا کوتن کا ہم عصر بتایا گیا ہے، ہمارا زیر بحث مصنف نہیں ہو سکتا۔

ننّول

پونندی کی تصنیف ننول (معنی اچھی کتاب) کلوتنگا سوم کے زمانے میں تحریر ہوئی۔ پونندی بھی ایک جین تھا۔ اپنی سلاست اور عبارت کی شستگی کے باعث یہ تامل گرامر کے مبتدی طلبا کے لیے اتنا اچھا کتابچہ ثابت ہوئی کہ اس نے اس زمرے کی دوسری کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اس مصنف کو شہنشاہ کلوتنگا سوم کے ایک جاگیردار امرابھرنن شیاگنگن کی سرپرستی حاصل تھی۔ "ننّول" میں صرف ایلتو اور شول کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ واضح نہیں ہے کہ مصنف نے اسی بحث پر اکتفا کی یا اس کی تصنیف کا باقیماندہ حصہ کہیں تلف ہو گیا۔

نمبی کی اہپوّرل

ناڑکویراج نمبی کی "نمبیا ہپورل" آخری کتاب ہے جس کا یہاں جائزہ لینا باقی ہے۔ تامل لٹریچر کا مواد دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے "ایک پرم" اور دوسرا "اہم" ان کے لغوی معنی بیرونی اور اندرونی ہیں جو فلسفے کی دو اقسام، خارجی اور داخلی کے ساتھ تقریباً مطابقت رکھتے ہیں۔ اہپوّرل میں بالعموم شہوانی مواقع پیش آنے کے جوابی عمل کے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے، گو یہ کتاب اس موضوع پر حرف آخر نہیں ہے۔ یہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ کتاب ماڑورمن گل شیکھر اول کے عہد کی تصنیف ہے۔ اور "تنجائی وانن کووئی" میں اس کی باضابطہ وضاحت کی گئی ہے

فرہنگ نویسی

"پنگلندئی" اور "چوڑامنی" دو لغات ہیں جو غالباً چولا عہد حکومت میں لکھی گئی تھیں۔ "چوڑامنی" یا نگنڈو چوڑامنی جیسا کہ شاید مصنف منڈل پرش نے خود اس کا نام رکھا ہے، میں یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ یہ لفظ کن مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے، امتا ساگر کی تصنیف "کارگئی" کا خاص طور پر ذکر ہے۔ لہٰذا "چوڑامنی" یقیناً "یاپرنگل کارگئی" کے بعد ہی تصنیف ہوئی ہوگی۔ لیکن یہ طے کرنا

آسان نہیں ہے کہ موخر الذکر سے کتنا عرصہ بعد اس کی تصنیف ہوئی[64]۔ ان دونوں لغات سے تامل زبان میں فرہنگ نویسی کی بتدریج ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ اگر "پنگلندئی" کے مصنف کو جیسا کہ اس کے پائرم (دیباچے) سے ظاہر ہوتا ہے، تامل کی سب سے اولین نگنڈو کے مصنف شیندن دِواکرم کا بیٹا مان لیا جائے اور ان لوگوں کو حق بجانب سمجھا جائے۔ جو دِواکرم کو بہت قدیم زمانے سے منسوب کرتے ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ "پنگلندئی" وجیالنسل کے چولا راجاؤں کی حکومت کے آغاز سے بہت پہلے کی چولا تصنیف ہوگی[65]۔

شرحیں

چولا حکومت کی صدیوں کے دوران کچھ عظیم مفسر بھی پیدا ہوئے ہونگے لیکن ان کے زمانۂ حیات کے متعلق صحیح اور قطعی طور سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ دوسری جانب یہ تعین کرنے کے لیے کہ ان مصنفین میں سے کون کس وقت ہوا کوئی باضابطہ کوشش بھی نہیں کی گئی۔ ان قدیم ترین مفسرین میں بلاشبہ الم پورنر بھی تھا جس کا ذکر سنیاسی ہونے کے باعث اکثر "اڈگل" کے نام سے کیا جاتا ہے وہ دواکرم کے حوالے دیتا ہے اور "تولکاپیّم" پر لکھی ہوئی اس کی شرح ایک بہت مشکل متن کی نہایت سلیس، شستہ اور ناقدانہ تشریح کا نمونہ ہے۔ شیناورائیار، پیراشریار اور نچی نار کنیار نے اس کی تقلید کی اور وہ اکثر اس کی آرا کا حوالہ دیتے ہیں خواہ ہمیشہ اس کا نام نہ لیں شیناورائیار کے بارے میں فی الحال ہم اس کے نام اور اتنی بات کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے کہ اس نے "تولکاپیّم" کے "شولادگارم" نامی حصے کی شرح لکھی تھی۔ اس کا نام تک مشکوک ہے کیونکہ بتایا جاتا ہے کہ شیناورائیار ایک ذات کا نام ہے۔ یہ بات "ننّول" کی شرح میں مفسر بیئی لئی ناتھار نے لکھی ہے۔ پیراشریار کی جو شرح ہم تک پہونچی ہے وہ پورل ادگارم کے کچھ حصوں کی ہے۔ یہ کتاب کبھی اس کی تصنیف سمجھی جاتی تھی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ایک شخص دیہ وچّی لائیار نے لکھی ہے۔ پیراشریار نے ترو چرمبلکو وائیار پر بھی تفسیر لکھی ہے[65الف]۔ "یاپرنگلم" کے مفسر نے بہت احترام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس بنا پر اسے "کلویال" کا پراسرار مصنف ار ائینّار قرار دینا[66] صحیح نہیں ہوگا۔ اڈیار کنلّار جو "شلپدی کارم" پر لکھی ہوئی تفسیر میں جین گونڈار اور کوتن جیسے اس زمانے کے بڑے بڑے شعرا کے حوالے کثرت سے دیتا ہے اور پریمیلالگر جس پر نچّی نار کنیار نے اعتراضات کئے ہیں[67]، یہ دونوں بھی چولا عہد سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ پریمیلالگر نے ترو کرل اور پری پاڈل پر

بہت اعلیٰ تفسیریں لکھی ہیں۔

سنسکرت لٹریچر

اگر تامل زبان کی سلسلہ وار ادبی تاریخ بہت سے ناقابل حل مسائل سے پر ہے تو سنسکرت لٹریچر کی صورت حال اس سے بھی بدتر ہے۔ اس بات کی شہادتیں ہمیں ہر طرف سے اور کافی تعداد میں ملی ہیں کہ سنسکرت کی تعلیم اور اس کے مختلف شعبوں میں ادبی سرگرمیوں کی کافی ہمت افزائی ہوئی اور ہمارے زیر مطالعہ عہد میں ان کو ایک اونچی سطح پر حاصل رہی۔ اور مقامات پر اس امر کی جانب توجہ دلائی جا چکی ہے کہ ان کالجوں کے لیے جہاں ویدوں اور فلسفے کے مختلف شعبوں کی تعلیم دی جاتی تھی، وقف قائم کیے گئے تھے۔ "پربھاکر میمانسا" اور "روپاوتارا" دونوں کتابوں کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی طرف بھی ہم توجہ دلا چکے ہیں جس کی تصدیق اس دور کے کتبوں سے بھی ہوتی ہے پھر بھی اس عہد کے سنسکرت لٹریچر کا کوئی مفصل تذکرہ مرتب نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کے لیے وہ ابتدائی تحقیق ہونی ابھی باقی ہے جس کے بغیر دو یا تین صدیوں پر پھیلے ہوئے اس دور کی ادبی سرگرمیوں کا عام جائزہ لینا آسان نہیں ہے۔ لیکن ایک یا دو اہم حقائق کی طرف ہم توجہ مبذول کروائیں گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس یہ ثابت کرنے کے لیے شہادتیں موجود ہیں کہ چولا تاجدار سنسکرت کی ترقی اور اشاعت میں ذاتی دلچسپی لیتے تھے سنسکرت کی ایک فرہنگ "نانارتھارنوسمکشیپ" کے تمہیدی اشلوکوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کلوتنگا اول نے چولا ریاست میں شیو برہمنوں کی ایک بستی بسائی جو سنسکرت کے علم میں ماہر تھے۔ اس گاؤں میں وتس گوتر کا کیشو سوامی (سوامن) نامی ایک برہمن جو پٹینی گرامر جاننے والوں کے ایک خاندان سے تعلق رکھتا تھا، راج راجا دوم کی ملازمت میں تھا شہنشاہ نے اسے کم سن طلبا کے استعمال کے لیے ایک سنسکرت لغت لکھنے پر تعینات کیا۔ اس لغت میں الفاظ کی ترتیب حروف ابجد کے حساب سے دی گئی ہے۔ اور ان کے مختلف معنی ان کے آگے لکھے گئے ہیں۔ یہ سب کام خود شہنشاہ کی ہدایت کے مطابق سرانجام دیا گیا تھا[67 الف] سنسکرت کی تعلیم کی شاہی سرپرستی کی اس سے زیادہ اہم مثال اس سے بہت پہلے کی ہے، وہ یہ ہے:

وینکٹا مادھو کی رگ وید بھاشیہ

وینکٹاریہ اور سندری کا بیٹا مادھو دریائے کاویری کے کنارے پر آباد ایک گاؤں میں

رہتا تھا۔ اس نے رگ وید پر ایک طویل "بھاشیہ" لکھا۔ وہ کہتا ہے کہ جن دنوں اس نے اپنی عظیم کتاب تصنیف کی وہ دنیا کے مشہور ترین سورما کی ریاست میں بڑے آرام اور چین کے ساتھ رہتا تھا۔ "جگتم ایک وبریہ وشیہ نواشن سکھم"۔[68] اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شاہی سرپرستی میں خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے سرپرست شہنشاہ کا نام نہیں لیتا، پھر بھی ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ اشارہ شہنشاہ پرانتکا اول کی طرف ہے جس کے متعلق ویرراجندر کے کنیا کماری کے کتبے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے ناقابل تسخیر کرشن راجہ کو زیر کر کے "ویرچوڑا" کا لقب اختیار کیا تھا۔[69] بعد کے زمانے میں وجے نگر کے راجاؤں کی زیر سرپرستی جو عظیم "وید بھاشیہ" لکھا گیا اس میں وجیالہ نسل کے چولا حکمرانوں کے پہلے عظیم شہنشاہ کے عہد میں جو نمونہ قائم کیا گیا تھا، اسی کی تقلید کی گئی۔

سوتروں کے لٹریچر کا ایک نامور مفسّر ہردتّا نویں یا دسویں صدی عیسوی میں ہوا ہے بھارت سوامی ہوئسالہ راجہ رام ناتھ کے عہد میں سام وید کی شرح لکھنے کے لیے مشہور ہے۔ شڈگوروششیہ کا زمانہ حیات بھی لگ بھگ وہی ہوگا۔ شڈگوروششیہ کا مطلب ہے چھ استادوں کا شاگرد۔ اس کا اصل نام اب کسی کو نہیں معلوم۔ اس شخص نے "آتریہ برہمن" اور "ارنیک" گرنتھ کی، کاتیاینا کی کتاب "سروانوکرمنی" کی، اور "اشولائن شروتا سوتر" کی، ان سب کی تفسیر لکھی ہے۔

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پرانوں میں سے "بھاگوت پران" جو "بھگتی" اور "ادویت ویدانت" کا امتزاج پیش کرتا ہے، جنوبی ہند میں دسویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں لکھا گیا تھا۔ وشنوچتّ نے تیرھویں صدی کے ابتدا میں "وشنو پران" کی تفسیر لکھی۔ اڈالی کی "وویک تلک" نامی تفسیر جو اس نے رامائن پر لکھی بارھویں صدی عیسوی سے منسوب کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس مفسّر کا حوالہ "اڈو" (تیرھویں صدی) میں دیا گیا ہے۔

آلوار کل شیکھرا (نویں صدی عیسوی) نے ایک بھگتی گیت "مکند مالا" تصنیف کیا جس کی ہر دلعزیزی آج تک برقرار ہے۔ اس کے تھوڑی ہی مدت بعد شنکر کے نامور چیلے شکتی بھدر کا زمانہ آیا۔ اس کتاب "آشچریہ چوڑامنی" رام کی داستان شجاعت میں سے ایک چھوٹے سے واقعے کا بیان ہے جسے جنوبی ہند میں لکھا جانے والا پہلا مکمل ڈرامہ (ناٹک) تصور کیا جاتا ہے۔ اسی مصنف کی ایک اور کتاب "انمادواسوادتّا" اب دستیاب نہیں ہے۔ کیرالا کے کل شیکھر ثانی

نے (جس کا زمانہ حیات 935ء تا 955ء تھا) مہابھارت کے کچھ واقعات کو ڈرامے کی شکل میں ترتیب دے کر اسے اسٹیج پر پیش کرنے کے قابل بنا دیا۔ اور اپنی ان تصنیفات کا نام "بیتی سم ورن" اور "سبھدرا دھننجیہ" رکھا۔ اس مصنف راجہ نے "نلو دیۓ" کے مصنف واسودیو کی بھی سرپرستی کی۔ "نلودیۓ" کو غلطی سے کالی داس کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ نیز اس نے بلوامنگل سوامی عرف لیلا شکا کی بھی سرپرستی کی جس کی تصنیف "کرشن کرنامرت" بھگتی کی ایک بے نظیر نظم ہے جو تین "آشواسوں" میں لکھی گئی ہے۔

تیرھویں صدی میں ضلع چنگل پٹ کے ایک پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ شاردا تنیہ نے فن خطابت پر "بھاو پرکاشا" نامی ایک کتاب لکھی اور موسیقی پر بھی ایک مقالہ "شاردیہ" کے نام سے لکھا۔ وینکٹ ناتھا یا ویدانت دیشکا کی پیدائش اگرچہ 1268ء میں ہوئی لیکن اس کی تصانیف زیادہ تر ہمارے زیر مطالعہ عہد سے بعد پڑتی ہیں جیسے کہ کمارل اور شنکر کی کتابیں اس عہد کے آغاز سے پہلے کی مانی جاتی ہیں۔

فلسفے میں بارھویں صدی کا مصنف وردراجا ہماری توجہ کا مستحق ہے وہ "تارکک رکشا" کا مصنف تھا اور اداینا کی تصنیف "کسمانجلی" پر اس نے ایک تفسیر (بودھنی) قلم بند کی۔ یہ غالباً وہی شخص تھا جس نے علم قانون پر ایک مقالہ "وتیوہار نرنئے" کے عنوان سے لکھا تھا۔ اس مصنف نے نیائے وویک دیپکا نامی ایک اور کتاب بھی لکھی تھی جو پربھاکر کے مکتبہ خیال کی "میمانسا" کی شرح تھی۔ شنکر اور کمارل کے چیلوں اور پھر ان کے شاگردوں نے "ادوئت ویدانت" اور "میمانسا" کے نصائح کی تصنیف کو جاری رکھا۔ لیکن اس عام تاریخ میں ان کے کام کا کوئی مفصل جائزہ نہیں لیا جا سکتا۔ "وششٹ دوئت" سے متعلق لٹریچر پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔

سنسکرت میں شیو فلسفے کی نمائندگی ہردتا چاریہ (سال وفات 1119ء) نے کی ہے جو "شرتی سوکتی مالا" کا مصنف تھا۔ یہ کتاب "چترویدتا تپریا سنگرہ" کے نام سے بھی موسوم ہوئی ہے۔ "ہری ہرتارتمیہ" بھی اسی مصنف نے لکھی ہے۔ یہ ایک فرقہ وارانہ مناظرہ ہے۔ اس کے بعد فلسفے کے موضوع پر لکھنے والا شری کنٹھ تھا جس کی کتاب "برہم میمانسا بھاشیہ" شیو دھرم کے نقطۂ نظر سے بادرائن کے سوتروں کی تشریح کرتی ہے جو بالکل شیو سدھانت کے مطابق تو نہیں ہے لیکن اسے "شیو دوئت" کہا جا سکتا ہے۔ اگھور شو آچاریہ (تقریباً 1158ء) اور اماپتی شو آچاریہ نے بھی جسے ہم پہلے ہی تامل مصنفین کے زمرے میں زیر بحث لا چکے ہیں، شیو فلسفے

پر سنسکرت میں قابل قدر کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ سوریہ نارکوئل کے جنان شو آچاریہ نے "رَورو آگم" کے ایک حصے "شوجنان بودھ" کی تفسیر لکھی ہے۔ اس کی تفسیر اِس لئے بھی توجہ کی مستحق ہے کہ اس میں بعض ایسی کتابوں سے حوالے دیئے گئے ہیں جو اب تلف ہو چکی ہیں۔ اس نے شیوپری بھاشا اور کچھ دوسری کتابیں بھی لکھی ہیں۔

فرہنگ نویسی میں یادو پرکاش، جو راما نج کی ابتدائی زندگی کا گورو تھا، کی تصنیف "ویجینتی" اور گرامر میں ہردتّا (نویں صدی عیسوی کا مصنف) کا کام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ ہردتّا کی تفسیر "پدمنجری" جو اس نے وامن اور جیہ دتّیہ کی کتاب "کاشِکا" پر لکھی ہے، ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ تیرھویں صدی میں کرشن لیلا شکا نے دیو کی تصنیف "دیوا" کی ایک شرح لکھی جس کا نام "پرشَ آکار" تھا۔ یہ خاص طور سے موزوں 200 اشعار کا ایک مقالہ ہے جو قافیہ اور ردیف کی قید میں رہ کر نظم کیا گیا ہے۔ اس تفسیر میں اس کے ایک "وارتِک" ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور اسے گرامر کی کتابوں میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔

حـــاشیے

(1) S II - ii - صفحہ 306 - 1931 کا 120 - ARE - 12' II' 1931

(2) 1919 کا 198

(3) 1902 کے 128 ' 129

(4) "پاردن دناّئ ارندملپا ڈیح - چونیری کنڈ" 1905 کا 482

(5) 1914 کا 335 ' PD - 129 - نان کوئی پاڈی پاڈنا کوکوّ اینکوّ پر شل تندتن کا نیا ناگڈی کاڈو -

(6) 1904 کا 548 ٹراونکور کے کتبات (دیسکاونا ٹیکم) میں مذکور کنجو کوٹم (فوجی دستوں - پٹاّلم) کا مکمّل سے موازنہ کیجئے -

(6-الف) 1921 کا 233

(7) JRAS - 1906 صفحات 689 تا 692

(8) دی سوامی ناتھ آئر کی تصنیف "پیرن گدی" صفحہ xxviii کا لاکوٹ کی "گنادھیا اور برہت کتھا" (کا ترجمہ 1923) صفحہ 148 سے مقابلہ کیجیے -

(9) حوالۂ سابقہ صفحہ viii - حاشیہ -

(10) ٹی ایس کپو سوامی شاستری کی مؤلفہ "کشیتر چوڑامنی" مطبوعہ 1903 ، تمہید کا صفحہ 3 -

(11) "شیوک ِشندامنی" صفحہ 11 - حاشیہ - v صفحہ 98 و صفحات مابعد

(12) v - 3143 -

(13) v - 3143 - پرنچھی نارکنیار، اور صفحہ 914 پر سوامی ناتھ آئر کا حاشیہ۔

(14) "کلاّ ڈتاک - کلند ِندرلی ترو واشکم (کیرتی 1 ' 11)

(15) ان میں سے ایک (385) ارووندائی کی تعریف میں ہے جو ضلع تنجور میں واقع امبر کا سردار تھا۔ یہ سردار شنیدن دواکرم کے مصنف کا سرپرست ہوگا۔ آر راگھوا ئینگر (v - صفحہ 114 ' و صفحات مابعد) نے یہ دلیل دی ہے کہ "دواکرم" آج سے 1800

برسوں سے بھی کچھ زیادہ پہلے لکھی گئی تھی۔ دوسری جانب ایس وائیاپوری پلے ("نام دیپ نگھنٹو صفحہ 17) کی رائے ہے کہ "دواکرم" میں مذکور اروونڈائی' اس اروونڈائی کی اولاد میں سے ہوگا۔ جس کا ذکر "پورنانورو" میں آیا ہے اور یہ کہ "دواکرم" کی تصنیف آٹھویں صدی کے پہلے نصف حصے میں ہوئی تھی۔

(16) کہاوت یہ ہے۔ "کلاڈم کرّوَنی ڈتوشولاڈادے"۔ شاید بات کسی اور معنی میں صحیح ہو۔ یہ خیال میں رکھنا چاہیئے کہ کسی بھی بڑے تبصرہ نگار نے اس تصنیف کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

(16۔ الف) کڈرپدی درو ماڈرپرٹیون۔ ایٹے ٹیارئیاکٹمرشڈٹیون۔ 95

(17) "دواکرم" کا متن یوں ہے: شینگندپ، پڈایئرشینائت تلی ورتنتو وائر کارگر کاٹیکولر"۔ گو اسکے لیے کوئی اچھی سند نہیں ہے۔

(18) مختلف تذکروں میں کوتن کا مقام پیدائش مختلف بتایا گیا ہے۔ کچھ کتابوں میں ملری کی بجائے منوائی کو اس کا مقام پیدائش بتایا گیا ہے جب کہ بعض دیگر تصانیف نے شیالی کو کوتن کا مقام پیدائش ہونے کا شرف بخشا ہے۔ لیکن ملری کی تصدیق کتبوں سے بھی ہوتی ہے۔ 1928 کا کتبہ نمبر 109 دیکھیے۔

(19) 1928 کا نمبر 109 ـ ARE ـ 1928 ـ I ـ 3 '، ـ 1932 ، II ، 47

(20) کوتن سے متعلق معلومات کے لیے دیکھیے پنڈت وی سوامی ناتھ آئر کی لکھی ہوئی "تکیاگ پرنی" کی تمہید۔ آر۔ راگھو آئینگر کی تصنیف شین تامل۔ iii۔ صفحہ 164 و صفحات مابعد نیز ناگ لنگا منی ور کی تصنیف شینگندر پر بندتر لوٹ (مطبوعہ 1926ء)

(21) میتلائی کا تچی۔ V ـ 74

(22) نگرنینگو۔ پڈلم، V ـ 140

(23) کالی اور اسی طرح کے دیگر دیوتاؤں کے مندر کا "ارچک" (پجاری)

(24) گزشتہ صفحہ 347 دیکھیے۔

(25) 1925' کے کتبات 29 تا 34 ـ 1931 کے 57، 58 ARE: ـ 1925،
II، 43 ـ سبھی "ویلالوں" کو روایتی طور پر گنگائی کل کا بتایا گیا ہے

(26) آر راگھو آئینگر نے "شین تامل" کی جلد سوم میں کمبن کی حیات اور اس

کام پر بڑی قابلیت سے بحث کی ہے۔
(27) "مرتوملاپ پڈلم" 58 ۔ کمبن کی تاریخ کے متعلق دو روایتی اشلوک ہیں۔ ایک میں تو واضح طور پر شا کا سمت 807 درج ہے اور دوسرے میں شا کا سمت 1100۔ اول الذکر تو ایک مبہم قصّے کے مطابق ہے کہ "رامائنم" کی اشاعت ناتھ منی کی سربراہی میں شری رنگم کے مندر میں کی گئی تھی (شین تامل ۔ XXV ۔ صفحات 308 ۔ 9) لیکن اس واقعے کا ذکر "دویہ سوری چیرت" یا "گورو پر میرا" (دونوں کتابوں میں) کہیں نہیں ملتا۔ آر۔ راگھو آئینگر نے یہ کہا ہے کہ جو تاریخ عام طور پر سمت 807 سمجھی جاتی ہے وہ دراصل 107 ہے اور اس میں ہزار کا ہندسہ سہواً چھوٹ گیا ہے، یعنی دراصل یہ سمت 1107 ہے۔ (شین تامل ۔ iii ۔ صفحہ 179) اور اس طرح دونوں منظومات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایس وآئیاپوری نے بھی اسی نظریے کو تسلیم کیا ہے۔ (دیکھیے تملچ ۔ چوڈر منی گل صفحہ 130 ۔ وائیاپوری کا کہنا ہے کہ مذکورہ نظم 1185ء میں کلوتنگا سوم کے زمانے میں شائع ہوئی تھی ۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ "تیایا سمدر" "تیاگا" اور "تیاگ ولودا" بالترتیب و کرم چولا، کلوتنگا دوم اور کلوتنگا سوم کے بھی القاب تھے (ایضاً صفحہ 126، اور اگلے صفحات)

(27 ۔ الف) V ۔ EC ۔ حسن 77 ۔ 1377ء میں کمبن کے ایک موروثی خاندان کا حوالہ دیا گیا ہے۔
(28) گزشتہ صفحہ 347 ۔ اور شین تامل ۔ ii ۔ صفحہ 393 و صفحات مابعد دیکھیے۔
(29) کہانی یوں بیان کی جاتی ہے کہ شاعر کو ایک بار اپنے سرپرست کے بستر پر نیند آگئی اور شینگنی کی دائی کو اس کا پتہ نہ تھا اور وہ بھی کچھ دیر کے لیے اسی بستر پر سو گئی کچھ دیر بعد شینگنی خود دہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ اس طرح شاعر کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی، حالانکہ اس کے سرپرست کو اس سے ذرا بھی غلط فہمی نہیں ہوئی۔
(30) اشلوک 18
(31) جس تبصرے میں یہ واقعہ دیا گیا ہے وہ اپنے متن کا ہم عصر ہے اور متن کے مصنف ہی کا لکھا ہوا ہے۔ شین تامل ۔ V ۔ صفحہ 544 ۔
(32) میپا دوّرائی کونڈوُ و میومان، جیپا دن رِرُپ ۔ پیرمسلن ۔ جیپاّ، تُویا پونہنی شُولنی، ولپیا۔ رایا تیرہ انپائن ارشوائی ۔ پائرم ۔ 8 ۔

(33) 1894 کا 180

(34) 1912 کا 445

(35) 1906 کا 39

(36) مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے اس کتاب کے وی. سوامی ناتھ آئر کے تالیف کردہ ایڈیشن کی تمہید۔ لیکن یہ لحاظ رہے کہ 1908 کے کتبہ 133 (1304) میں یا ہمارے مصنف کا ذکر ہے یا اس کے کسی ہم نام کا۔

(37) ان میں تنجور کے مندر پر اور اس مندر کے ہم شکل گنگائی کونڈ چولاپورم کے مندر پر لکھے گئے بھجن شامل ہیں۔ ان سے ہمیں نمبی آندار نمبی کی تاریخ کی نشان دہی مل جاتی ہے بشرطیکہ ہم یقین کرلیں کہ بھجنوں کی یہ نویں کتاب ویسی ہی ہے جیسی نمبی نے اسے چھوڑا تھا۔

(38) گزشتہ صفحہ 152 دیکھیے۔

(39) 1908 کا 449 : شین تامل۔ iii۔ صفحات 358 تا 362

(40) باب 39، VV، 62 تا 80 : شین تامل۔ iv۔ صفحات 141 تا 145

(41) 1494 کا 221

(42) شین تامل۔ iii۔ صفحات 189-90

(43) رمنا شاستری کا کہنا ہے کہ اس کا اصل متن "رَورَو آگم" کا ایک جزو ہے (ترومندرم تمہید، صفحہ 7) اکثر اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ تامل کتاب اصل تصنیف ہے اور سنسکرت کتاب اس کا ترجمہ ہے۔ دیکھئے۔ ٹی آئی تمبیاہ کی تصنیف صفحہ xix۔ اس رائے کی تائید میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ سنسکرت کی تصنیف تمام دوسرے "آگموں" کی طرح الوشتھپ بحر میں لکھی گئی ہے اور یہ تامل سوتروں کے ہم آہنگ ہے اور اس میں کوئی بھی خصوصیت تامل کے "وارتکوں" کی سی نہیں ہے۔ "پوشکرا بھاشیہ" کے مصنف اماپتی شو اور شیواگر یوگی دونوں کی یہی رائے تھی کہ اصل تصنیف سنسکرت ہی کی ہے۔ اس کا موازنہ وی پی۔ کانتی متی ناتھ پلے کی تصنیف "تامل چور (شو) نانا بودھچ۔ چرتو" (مطبوعہ 1926) صفحات 54، 59 سے کیجیے۔ بتایا جاتا ہے کہ ودیارنیا نے سنسکرت تصنیف کی ایک شرح توحید

کے عقیدے پر مبنی لکھی۔ ایضاً صفحات 30 ، و 47 شو نے گرو کی حیثیت سے مانک واشگر کو بتایا کہ انہوں نے "شو - نانا - بودم" کو اپنے ہاتھوں میں سکھایا تھا۔ دراصل یہ میکینڈار کی تصنیف تو پہلے کی ثابت کرنے کی اتنی جرات مندانہ کوشش نہیں ہے جتنی کہ پوپ نے سمجھ لی ہے۔ ترووانکم ازہ بلکہ یہ اسی نام کی سنسکرت تصنیف کی قدامت میں اپنے یقین کا اظہار ہے۔

(44) " شوم اوترو : ادنانت ۔ ترودل نانم تیرنادر نانت ۔ تیلدل بودم"۔ کڈول ۔ ما ۔ منی ور : V 36 ' ۔ ترو پیرندو راپخ ۔ چیرکم ۔ ترو واد وور ۔ اڈیگل پرانم ۔

(45) ویدم پشو ، ادن پال میبہ آگم نال ور ، اوڈم تمل ادنن الورم نیبہ لوڈمکو ، نے ین ارشو و نیام نیل و نیائی میبہ کنڈان ، شیبہ داتمل لونن ترم ۔

(46) انورتا ونا لکم پلے کی تصنیف " شیوسیتانت ورلارو " (مطبوعہ مدراس 1908) ۔

(47) اس کی کتاب " سنکرپنراکرنم " کا پائرم 26 جس میں شاکا سمت 1235 کی تاریخ دی گئی ہے۔

(48) یہ ہیں : تتوروپم ، تتو درشنم اور تتو شدھی ، آتم روپم ، آتم درشنم اور آتم شدھی ، شیو درشنم ، شیو یوگم اور شیو بھوگم ۔ حال ہی میں اس کتاب کو تصنیف کرنے کا شرف شیاں کے تتونا تھر سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور شیر مبلا ناڈگل کی تصنیف "تکر و لودم" کو اس کے مسودات کے تازہ مطالعہ کی بنا پر چودہ شاستروں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ دیکھیے "شیو سدھانت شاترم" ، مطبوعہ 1934 ، صفحات 980 - 82 ' اور 1124۔

(49) V - 14

(50) V - 99

(51) V - 15

(52) V - 37

(53) 1921 کا 315 - اس کے خلاف دیکھیے ARE - 1922 - II - 23 جس میں مذکورہ کتبے کو کلوتنگا سوم سے منسوب کیا گیا ہے۔

(54) " شیین تامل - V - صفحات 99 تا 102

(55) 1921 کے 534، 535 نمبر کے کتبے: کے وی ایس آئر نے جس نے ان کتبوں کو تالیف کیا ہے (EI - XViii - نمبر 8) کئی جگہ غلطی کی ہے اور ان غلطیوں کی تصیح ایم۔ راگھو آئینگر نے JIH میں کی ہے۔ میں یہاں مزید یہ عرض کردوں کہ میں امت ساگر کے گروگن ساگر کی اس شناخت کو درست تسلیم نہیں کر سکتا جس میں اسے کلوتنگلائی کے کتبات میں مذکور گن ساگر مانا گیا ہے، اور اس کا ثبوت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے کہ ان دونوں اشخاص کا نام ایک سا ہے۔ حالانکہ یہ نام جین تپسویوں میں بہت عام ہے۔

(56) میو ٹیاوین کڈ اینچ۔ جیمبٹن ویرراجندرن۔ رن ناوٹل شیند مٹ۔ چولن ہولی (شندی کا بند نمبر 7)

(57) یپّو۔ 19

(58) یپّو۔ 54

(59) "النکارم"۔ 39

(60) ARE - 1899 پیراگراف 50

(61) "دنڈیا لنکارم" کے مروجّہ ایڈیشنوں میں آڈیار کنلاّر کے وہ سبھی اقوال نہیں مل سکے جو اس کتاب میں شامل ہیں۔

(62) "دنڈیا النکارم" کے 1920ء کے مطبوعہ، اور ارُومگم شیروانی کے تالیف کردہ ایڈیشن کی تمہید دیکھیئے۔

(63) "ننوّل ماٹا لنا دُروری" صفحہ XVii

(64) اگر اس کتاب کے نویں حصّے کے بند نمبر 10 میں مذکور دکرشن رائے وجے نگر ہی کے حکمراں کا نام تھا تو یہ تصنیف اس دور میں شمار نہیں کی جا سکتی جس کا ہم اس باب میں مطالعہ کر رہے ہیں کیونکہ یہ اس دور سے باہر کی کتاب ہے۔

(65) مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے ایس وائیا پوری پلّے کی تامل فرہنگ کی تمہید صفحہ XXVi

(65۔ الف) کچھ عالموں کا خیال ہے کہ اس نام کے دو مصنّف ہوئے ہیں۔

(66) یا پرنگلم مؤلفہ بھو نندم پلے۔ صفحات iv - v

(67) "پری پاڈل" کی تمہید۔ صفحہ xxi

(67۔الف) نانارتھارلو سمکشیپ TRIV ۔ سسکرت سیریز، نمبر 23، 29 اور 31 :

VV' ا تا 20 ، شروع کا حصہ۔

(68) پانچویں کل ہند اورینٹل کانفرنس کی کارروائی۔ صفحہ 263، اور اگلے صفحات

(69) گزشتہ صفحہ 126 دیکھیے۔

ستائیسواں باب:

چولا آرٹ

چولوں سے قبل کا زمانہ

تامل دیش میں آرٹ کی تاریخ عملی مقاصد کے لیئے ساتویں صدی عیسوی میں سمہا وشنو نسل کے پلّو راجاؤں کے عروج کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ منڈگپٹّو (تعلقہ وِلاپورم۔ ضلع جنوبی ارکاٹ) میں اپنے عہدِ حکومت کا پہلا چٹان میں سے تراشا ہوا مندر تعمیر کروانے کے بعد مہندرورمن نے اپنے اِس کارنامے کو طفلانہ شادمانی کے ساتھ ایک کتبے میں درج کروایا، جس میں دعویٰ کیا گیا کہ اُس نے برہما، اِیشورا اور وِشنو کا ایک مندر، اینٹ، لکڑی، دھات اور گارے کے استعمال کے بغیر تعمیر کروایا۔

۱۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس کے عہدِ حکومت سے قبل مندر لکڑی سے بنائے جاتے تھے اور اس میں دھات، کیلوں یا آہنی پتی سے بھی مدد لی جاتی تھی اور یہ اینٹوں اور گارے سے بنائی ہوئی کرسی پر اٹھائے جاتے تھے۔ یا یہ محض اینٹ اور پتھر سے تعمیر کئے جاتے تھے جن میں لکڑی اور دھات بھی استعمال کی جاتی تھی۔ ان قدیم یادگاروں میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچی ہے۔ لیکن یقیناً ان کے نقشے اور خاکے پلّو دور کی تعمیرات، ان کے ستونوں، ستونوں کے بالائی حصوں اور ان کے آرائشی نقش و نگار کی بنیاد بنے ہوں گے۔ ہمارے پاس محلوں، مندروں، شہروں کے بڑے بڑے ایوانوں، اور بازاروں کے متعلق حوالے، نیز کچھ مفصّل لیکن بظاہر مبالغہ آمیز تذکرے موجود ہیں جن کی تصدیق کے وسائل اب دستیاب نہیں ہیں۔ پلّووں کے زیرِ حکومت، جو نویں صدی تک حکمراں رہے، فنِ تعمیر اور سنگ تراشی میں بہت پیش رفت ہوئی۔ مامّلاپورم کا ساحل سمندر کا مندر، اور کانچی پورم کے کیلاش ناتھ

اور وئیکنٹھ پیرومال کے مندر پلّو آرٹ کے عروج کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے بعد چھوٹی چھوٹی عمارات دیکھنے میں آتی ہیں جو پلّو عہدِ حکومت کے اختتام کے قریب اس سلطنت کے گھٹتے ہوئے وسائل کی غمازی کرتی ہیں۔ جنوبی ہند میں کانسی کے کسی بھی ایسے بت کی نشان دہی نہیں ہوئی ہے جس کو پلّو عہدِ حکومت کا قرار دیا جا سکے۔ لیکن دھاتوں کی ڈھلائی کے فن میں چولا عہد کے اوائل ہی میں جو ترقی اور کامیابی ہوئی تھی، اس کو دیکھ کر ہم بجا طور پر یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ دھاتوں کی ڈھلائی کے ہنر کی شروعات بھی یقیناً پلّووں ہی کے زمانے سے منسوب کی جانی چاہیئے۔

چولا آرٹ

چولوں نے جو پلّووں اور پانڈیوں کے جانشین تھے، ان کے عہد کی آرٹ کی روایات کو برقرار رکھا اور آگے بڑھایا۔ ان دونوں خاندانوں کے زیرِ اقتدار سبھی فنون ـــــ فنِ تعمیر، سنگتراشی اور مصوّری کے نمونے بیشتر عوامی استعمال کی تعمیرات خاص طور سے مندروں میں ملیں گے۔ محل، مکانات اور دوسری طرح کی غیر فوجی تعمیرات مسمار ہو چکی ہیں، گو ایک محتاط مطالعہ سے شہروں کے نقشے اہم شہروں کی بڑی بڑی سڑکوں اور گلیوں کے نام، جیسے کہ اُترامیرُور میں [2] اب بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ آخری پلّو راجاؤں کے عہد میں قدرتی چٹانوں کو کاٹ کر مندر اور رشہ نشین بنانے کا رواج ختم ہو چکا تھا اور پتھر کی چُنائی سے مندروں کی تعمیر کا کم و بیش عام طریقہ ہو گیا تھا۔ چولوں کا ایک خاص کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اس کو پوری تامل سلطنت میں رائج کر دیا۔ چولوں کے ابتدائی زمانے کے مندر بہت سادہ تھے اور ان میں اور آخری پلّو تاجداروں کے دورِ زوال کے تعمیر شدہ مندروں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ مندر کی جسامت سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی حتیٰ کہ تنجور اور گنگائی کونڈ چولاپورم کے دیو قامت مندر تاملوں کی سب سے بڑی سلطنت کی طاقت اور شوکت کا ساری دنیا میں اعلان کرنے لگے۔ دڈوا اور مندروں نے جو دراشرم اور تربھوونم (نزد کمبا کونم) میں تعمیر ہوئے چولا عہد کی عظیم تاریخی یادگاروں کی داستان مکمل کر دی۔ سنگتراشی، مصوّری اور کانسے کی ڈھلائی کے فنون میں بھی نسبتاً خاصی ترقی ہوئی۔

جی جُوویو۔ ڈبرئیل نے جو جنوبی ہند کے فنِ تعمیر کے سائنسی مطالعے کا بانی تھا، یوں اظہارِ رائے کیا ہے: "پلّو سنگتراشی میں سبقت لے گئے تھے۔ چولا فنِ عمارت سازی میں ماہر تھے۔ ان کا طرزِ تعمیر اپنی سادگی اور شوکت و عظمت کے باعث ممتاز ہے۔" تاہم آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ چولا سنگتراش بھی

بھی چولا معماروں سے کسی طرح کم نہیں تھے اور نہ پلو صنم تراشوں سے ان کا درجہ کسی طرح نیچا تھا ان کے کمالات کا جواب نہیں ملتا۔ بڑی مقدار میں دھات پگھلا کر ان سے چیزیں تیار کرنے میں ان کو خاص تکنیکی مہارت حاصل تھی۔

مندروں کی اصل و ابتدا

جنوبی ہند کا مندر متعدد طریقوں میں سے کسی ایک سے شروع ہوا۔ کچھ مندر ایسی جگہوں پر تعمیر ہوئے جہاں آریوں سے قبل کے زمانے سے درختوں کو دیوتا کا گھر مانا جاتا تھا اور ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ ان جگہوں کے گرد کثیر التعداد انڈو آریائی مافوق الفطرت خیالی داستانیں جمع ہو جانے کے بعد بھی یہ درخت "ستھل ورکش" قرار دیئے گئے۔ اس طرح کی مثالوں میں کانچی پورم کا آم (ایکامر) کا درخت، شری رنگم کے سبز برے بیں، جمبوکیشورم کا "جمبو" کا درخت، اور چدمبرم کا "تلئی" کا جنگل شامل ہیں۔ دوسرے مندر ان مقامات پر تعمیر ہوئے جہاں عام اعتقادات کے مطابق "پرانوں" کے کچھ واقعات اور کہانیاں وقوع پذیر ہوئی تھیں۔ ان دونوں طرح کی عبادت گاہوں کا ذکر "دیوارم" کے بھجنوں میں اور "دویہ پربندم" میں نمایاں طور پر کیا گیا ہے "نائینماروں" اور "آلواروں" کے گیتوں اور بھجنوں کے ذریعے جب ان مندروں کی شہرت پھیلی تو ان کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی اور قدرتی طور پر فیاض مندر تعمیر کرنے والے افراد کی توجہ ان کی جانب مائل ہوئی۔ ان کے بعد سمادھیوں کا نمبر آتا ہے جو "پلی پڈئی" کہلاتی تھیں اور سنتوں، سورماؤں اور راجاؤں کے پھول (استھیوں۔ ہڈیوں) پر تعمیر کی جاتی تھیں۔ ایسے مندر جتنا ہمارا خیال ہے اس سے کہیں زیادہ تعداد میں تھے۔ گو ان میں سے کچھ ہی بڑی جسامت کے تھے یا جن کو شہرت نصیب ہوئی۔ ایسے چند مندروں کا ہم سیاسی تاریخ کے ابواب میں حوالہ دے چکے ہیں۔ آخری قسم کے مندر وہ تھے جو طاقتور شہنشاہوں کے حکم پر ان کے منتخب کردہ مقامات پر تعمیر کئے گئے۔ تنجور کے دو برہا دیشورا مندر، اور گنگائی کونڈ چولا پورم کا مندر جو راج راجا اول اور اس کے بیٹے راجندر اول نے تعمیر کیا۔ ایسے مندروں کی نمایاں ترین مثالیں ہیں۔ غالباً کانچی اور ایلورا کے دونوں کیلاش ناتھ مندر اسی زمرے میں شامل کئے جانے کے مستحق ہیں۔

پتھر کے مندر

چولوں کا دورِ حکومت اندازاً چار صدیوں تک (850ء تا 1200ء)

عیسوی رہا اس طویل مدت میں نہ صرف پورے تامل خطے میں جگہ جگہ مختلف جسامت کے پتھر کے مندر "کرّالی" تعمیر ہوئے یعنی ایسے مندر جو بنیاد سے کلس تک (اُپا نادی، ستوپی پر نیتم) پتھر کے بنے ہوئے ہوتے تھے اور جن کا ذکر بطورِ امتیاز کے ہونے لگا تھا، بلکہ چولا فنِ تعمیر کے اصولوں اور قواعد پر تامل خطے سے باہر بھی عمل کیا جانے لگا تھا مثلاً لنکا، میسور، دراکشارا، اور آندھرا جیسے دیگر مقامات پر بھی یہاں ان تمام عمارتوں کا جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی توجہ خاص تامل خطے اور ان چند خصوصی نمائندہ عمارتوں تک جو فنِ تعمیر کے ارتقا کے الگ الگ مراحل کی خصوصیات کی حامل ہیں، محدود رکھنا پڑے گا۔

مندروں کی تاریخ تعمیر

ایسے مندروں کی تعداد زیادہ نہیں ہے جن کی صحیح تاریخِ تعمیر ہمیں معلوم ہو۔ البتہ اگر انکے نقشوں کو بغور دیکھا جائے تو ان سے تعمیر کے ارتقا کے ہر مرحلے کی نمائندہ خصوصیات کا پتہ چلتا ہے مثال کے طور پر ضلع تنجےویلی میں کوڑ کائی کا شیو مندر (تختی 3، شکل 5) ایک بہت قدیم چولا مندر کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس کی دیواروں پر کلوتنگا اوّل کے زمانے سے پہلے کی کوئی عبارت کندہ نہیں ہے۔ تاہم اگر یہ دیکھا جائے کہ بعد کے کتبات صرف "مہامنڈپ" ہی میں ملتے ہیں اور "گربھ گرہ" اور "اردھ منڈپ" کی بیرونی اور اندرونی وسعت تقریباً اتنی ہی ہے جتنی کہ قدیم چولا وقتوں کے پڈوکوٹہ کے مندروں کی گلگر کے نیچے "ہنس" کی شکل کی زیبائشی پٹی بنی ہوئی ہے۔ اور مندر گربھ کی بیرونی دیواروں میں طاقچے نہیں ہیں تو اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ اصل مندر یقیناً راج راجا کے عہد سے پہلے کا بنا ہوا ہے اور "مہامنڈپ" اس میں بعد کا اضافہ ہے دوسری طرف بعض اوقات ابتدائی چولا عہد کے اور کہیں کہیں تو چولوں سے قبل کے طرزِ تعمیر کے کچھ آثار ان مندروں میں دکھائی دیتے ہیں جن کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ وہ چولا دورِ حکومت کے آخر میں تعمیر ہوئے جیسے مایاورم ضلع تنجور کا منور ناتھ مندر اور ضلع جنوبی ارکاٹ کے برہم دیشم میں واقع برہمیشور کا مندر۔ پرانے مندروں میں بعد کے زمانوں میں جو اضافے کئے گئے ان سے اور بھی ایک دقت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ اضافے بیشتر "ستون دار منڈپ" اور غلام گردش کی شکل میں ہیں جن کے باعث قدیم آرٹ کی خاص خوبیاں چھپ جاتی ہیں۔ بعد کی ایجاد شدہ عمارتیں، چار دیواریاں اور ان پر بنے ہوئے "گوپورے" مندر کی ایک طرح کی الجھی ہوئی شکل پیش کرتے ہیں۔

جس کے ارتقا کے مختلف مدارج کا پتہ چلانا آسان کام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ضلع ترچناپلی میں آیا
کونڈان ترومَلئی کا مندر پہلے ایک پہاڑی پر واقع کھلا ہوا قدیم چولا مندر تھا۔ راجندر اوّل کے تحت
اس کے ارد گرد منڈپ بنا دیئے گئے جو اصل مندر سے کچھ فاصلے پر تعمیر کئے گئے تاکہ اصل مندر کے
خدو خال دھندلے نہ پڑ جائیں۔ لیکن بعد میں جو اضافے ہوئے وہ اس شعور کے زیر اثر نہیں کئے گئے
اور ان کی وجہ سے اس مندر کی اصل خوبصورتی اور محلِ وقوع کا اندازہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

ابتدائی چولا دور کے مندر

اینٹ کی بجائے پتھر کے استعمال میں چولوں کے تحت مسلسل اور بتدریج اضافہ ہوتا گیا جس کا ذکر
کتبوں میں آیا ہے۔ اس کی سب سے پہلی مثال غالباً ضلع چنگل پٹ کے ترُوکلک کُرم کے مندر کی
ہے۔ اس مندر کے تمام قدیمی کتبے ایک محراب نما پتھر کی عمارت میں یکجا ہیں جس کی چھت مسطح ہے
اب یہ قیمتی اشیاء کے محفوظ رکھنے کے کمرے کا کام دیتی ہے۔ اس کی طرزِ تعمیر کی خصوصیات یا تو پلوؤں
کے دورِ آخر کی یا چولا عہد کے اوائل کی سی ہیں۔ راج کیسری کے ستائیسویں سال کے ایک کتبے میں
۹ یہ کہا گیا ہے کہ اگر بہت پرانے وقت سے نہیں تو کم از کم سکندِ شیشہ کے عہدِ حکومت سے لے کر
آدیتیہ اوّل کے زمانے تک یہ مندر اینٹوں کی عمارت کی شکل میں رہا ہوگا۔ آدیتیہ اوّل کے عہد میں اسے
پتھر سے بنایا گیا اور اس کے لیے جو اوقات سکندِ شِشیہ کے وقت سے کئے ہوئے تھے ان کی تجدید
کر دی گئی۔ بعد کے زمانے میں پھر کسی وقت اس پتھر کی عمارت کو بھی ترک کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک
بہت بڑا حجری مندر تعمیر کیا گیا۔ سہیادری سے لے کر سمندر تک شیو کے پتھر کے بہت سے مندر
تعمیر کرنے کے لیے آدیتیہ اوّل کی تعریف کی گئی ہے۔ تاہم اس کے عہد میں کچھ اینٹوں کے مندر
بھی تعمیر ہوئے۔ ایک پلوّ ویٹر یا سردار کندن ماٹرون نے ترُوتورم اُدئیا مہادیو کا اینٹوں کا ایک
مندر تعمیر کیا جو کئی برس کے بعد کلوتنگا اوّل کے عہد میں پتھر سے از سرِ نو تعمیر کیا گیا۔[۵] اس کے ساتھ
ہی ساتھ اسی وقت اگستیشورا کا ایک اور پتھر کا بہت عمدہ مندر (دیکھیے تختی ۹، شکل ۸)
اسی مقام پر آدیتیہ کے عہد میں بنایا گیا۔ اس مندر میں جو آج تک بہت صحیح حالت میں ہے۔
پلوّ طرزِ تعمیر سے لے کر چولا طرزِ تعمیر اپنائے جانے تک جو تبدیلیاں ہوئیں ان کی تمام قابل ذکر
خصوصیات محفوظ ہیں جیسے کہ وہ ستون جن کا نصف زیریں حصہ اُکڑوں بیٹھے ہوئے شیروں کا
بنا ہوا ہے اور جن کی چوٹیوں پر بڑے بڑے اور موٹے "پلگائی" ہیں (دیکھیے تختی ۵، شکل ۹)

تروکوڈی کاول (ضلع تنجور) میں مہارانی شمبئین مہادیوی نے اپنے بیٹے راجا اُتم چولا کے ساتویں سالِ حکومت میں اینٹوں کے ایک پرانے مندر کو پھر سے پتھر سے تعمیر کروایا۔ راج راجا نے اپنے اٹھائیسویں سالِ حکومت میں ترومل واڈی کے مندر کو از سرِ نو پتھر سے تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس کام کو اس کے بیٹے نے مکمل کیا جیسا کہ ایک کتبے میں درج ہے۔ 6 اس قسم کی دوسری مثالوں کے یہاں گنوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اینٹ اور پتھر دونوں کی چنائی کے طرزِ تعمیر کو ساتھ ساتھ فروغ ملا۔ آج بھی ہمارے سامنے ناگور ضلع تنجور کا وہ مندر ہے جو تمام کا تمام اینٹوں سے بنا ہوا ہے اور جس میں اس کے بنیادی چبوترے کی ساخت اور چولا طرزِ تعمیر کے دیگر خصوصی خدوخال صاف نظر آتے ہیں۔

جُووِیوڈُبریل کا کہنا ہے کہ "باہور کے پیگوڈا میں پلّو عہد کے اس طرزِ تعمیر کی جھلک ملتی ہے جو نویں صدی عیسوی کے آغاز میں رائج تھا اور تنجور کے مندر کی طرزِ تعمیر گیارہویں صدی کے اوائل کی ہے۔ بیچ کی دو صدیوں کے وقفے میں ایک درمیانی طرز کی تاریخی عمارات تعمیر ہوئیں"۔ فاضل مصنف نے آگے چل کر شری نواسنلور (تعلقہ مشیری ضلع ترچناپلی) کے مندر کے مفصل مشاہدے کی مدد سے اس طرز کی وضاحت کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔

طرزِ تعمیر کے دو دور

لیکن اس درمیانی طرزِ تعمیر کے زمانے کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا وہ دور جس میں پلّو طرزِ تعمیر بتدریج چولا طرزِ تعمیر میں تبدیل ہوا۔ اس مدت میں چھوٹے اور درمیانہ دونوں جسامت کے کثیر التعداد مندر وجود میں آئے جن میں پلّو اور چولا طرزِ تعمیر دونوں کے خدوخال مختلف تناسب میں دیکھے جا سکتے ہیں اور جو دیکھنے میں پلّوؤں کے دور کے چنائی کے مندر معلوم ہوتے ہیں دوسرا وہ دور ہے جس میں چولا طرزِ تعمیر زیادہ واضح ہے۔ پہلا دور وجیالیہ اور آدتیہ اوّل کے عہد پر مشتمل تھا، جبکہ دوسرے دور میں پرانتکا اوّل کا زمانۂ حکومت اور اس کے اور راج راجا اوّل کے زمانوں کا درمیانی وقفہ شامل تھا۔

تبدیلی

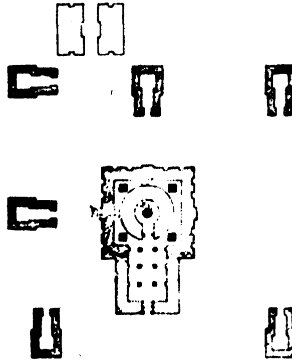
چھوٹی جسامت کے قدیم چولا مندر دیکھنے میں کانچی کے مکتیشور اور متنگیشور مندروں سے اور اسی طرح ترتنی اور باہور کے مندروں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے جو کہ سب پلّو عہد کے آخری

تعمیر تھے۔ ان کی بنیاد کے اوپر کے حصے اُپ پیٹھ کی گڑھائی مندر کے ڈھانچے پر طاقچوں اور مربع ستونوں کی ترتیب اور ایک مربع تہ خانے (گربھ گرہ) پر اوپر کو اٹھتا ہوا "ومان" جس کا گھیرا اوپر کی جانب بتدریج تنگ ہوتا جاتا تھا۔ یہ سب خصوصیات کم و بیش ایک جیسی تھیں "ومان" کے سب سے اوپر کے حصے یعنی "گریوا" "شکھر" اور "ستوپی" دراصل "گربھ گرہ" کے نقشے کے مطابق بنائے جاتے تھے۔ "گربھ گرہ" عموماً مربع شکل کا ہوتا تھا۔ لیکن کبھی اس کا کچھ حصہ گول ہوتا تھا جیسے نارتا ملئی کے وجیالیہ چولیشورا مندر میں جو کانچی کے تریپرانتکیشورا و مکتیشورا اور متنگیشورا مندروں کے مشابہ ہے۔ ان قدیم چولا مندروں میں سے کچھ مندروں کے اردگرد کچھ چھوٹے مندر بھی ہیں جن کی تعمیر کو سمجھنے کے لیے ہمیں پھر پلّو مندروں کا سہارا لینا ہوگا۔ کانچی کے کیلاش ناتھ (راج سمہیشورا) کا "گربھ گرہ" ایک مخلوط طرز تعمیر کی عمارت ہے۔ اس میں ایک مرکزی حجرہ ہے جس کا رخ مشرق کی جانب ہے۔ اس کے ساتھ متصل چھوٹے چھوٹے مندر ہیں جو اس کی تین کھلی اطراف کی دیواروں کے ساتھ اور چاروں کونوں میں بنے ہوئے ہیں۔ ان تمام چھوٹے مندروں میں شیو کی مورتیاں رکھی ہیں۔ پن ملئی میں چھوٹے مندر ان تین کھلی اطراف کے بیچ میں واقع ہیں۔ جب کہ ایروکوئل کے مندر میں جو کوڈمبالور میں واقع ہے، وہ اصل مندر کے چاروں کونوں میں بنائے گئے ہیں۔ کیلاش ناتھ کی تکمیل میں دونوں طریقوں سے کام لیا گیا ہے۔ قدیم چولا مندروں میں چھوٹے مندر "گربھ گرہ" سے الگ ہیں اور وہ اس کے اردگرد صحن میں تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان کا رخ بڑے مندر کی طرف ہے اور ان میں سے ہر مندر ایک الگ دیوتا (پریوار دیوتا) کے لیے نامزد ہے۔ ستونوں سے گھیرے ہوئے یہ چھوٹے مندر جن میں سے ہر ایک مرکزی گربھ گرہ کا ایک چھوٹا نمونہ ہے، عموماً باہر کی چار دیواری سے ملے ہوئے ہیں جس کے مقابل عام طور پر ایک گوپورہ بنا ہوا ہے۔ گوپورہ البتہ ایک بہت چھوٹی عمارت ہوتی ہے جو ہرگز اس مقصد سے نہیں بنائی جاتی کہ وہ "ومان" کی غالب حیثیت میں کمی کرے۔ بعد کے زمانوں میں مندروں کی جسامت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان چھوٹے مندروں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔

آغازِ نو

چولا عہد کے آغاز کے ان مندروں کے متعلق پرسی براؤن لکھتا ہے کہ: "یہ تمام چھوٹی چھوٹی عمارتیں اپنی شکل و صورت میں بالکل مکمل ہیں اور پلّووں کے طرز تعمیر کے آخری نمونوں کے برعکس ان میں تروتازگی اور امنگ کی جھلک ملتی ہے۔ یہاں تک کہ یا تو ان سے ایک نئی طرز تعمیر کی آمد آمد کی خبر ملتی ہے یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جاندار ذریعہ ان کا محرک ہوا ہے۔ موخر الذکر مفروضہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

کیونکہ اس زمرے کے تمام مندروں کی بناوٹ چالوکیہ طرزِ تعمیر سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے نہ کہ ان کے فوری پیش رو پلوّوں کے احیا شدہ طرزِ تعمیر سے [9]۔ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ بادامی کے چالوکیوں نے اپنے پٹادکل میں تعمیر کروائے ہوئے مندروں کو بنواتے وقت پلوؤں کے تجربے سے استفادہ کیا تھا اور آٹھویں صدی کے تقریباً وسط میں ان کی جگہ راشٹرکوٹا حکمرانوں نے لی جنہوں نے چنائی سے تعمیر کیے جانے والے اور چٹانوں سے تراش کر بنائے جانے والے مندروں کی ساخت میں پلوّ چالوکیہ روایات کو برقرار رکھا۔ چالوکیہ اقتدام دسویں صدی کے اختتام تک بحال نہ ہوسکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ براؤن کا پہلا قیاس یعنی ایک نئے طرزِ تعمیر کی آمد آمد کے امکان کا اظہار چولا عہد کے اوائل کی تاریخی عمارات کی تازگی کی صحیح توجیہہ ہے۔



نقشہ ۱۔ وجیالیہ چولیشورا مندر

وجیالیہ چولیشورا

نارتاملئی کا وجیالیہ چولیشورم مندر (ملاحظہ تختی ۱۔ اشکال ۱ و 2) ان تاریخی عمارات میں سے اولین عمارت ہے جو توجہ کی مستحق ہے۔ اس کا نام ایک بعد کے پانڈیا کتبے میں مذکور ہے لیکن اس کی تعمیر کی تاریخ کی ہمارے حسب منشا صاف طور پر تصدیق نہیں ہوسکی 9۔ البتہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اس مندر کی صحیح شناخت یا اس کے زمانۂ تعمیر پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ دکھائی نہیں

دیتی۔ مندر ایک پہاڑی پر ہے اور اس کا رخ مغرب کی طرف ہے۔ اس کے اردگرد سات چھوٹے مندر ہیں جو اب کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے ہیں (اوپر دیا ہوا نقشہ ملاحظہ ہو)۔ ان کے مقابل میں نندی بیل (کی مورتی ہے) جس کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ ان مندروں کا احاطہ کیے ہوئے جو چہار دیواری تھی اب وہ کلی طور پر معدوم ہو چکی ہے۔ صدر مندر اچھے گڑھے ہوئے پٹی تا شم کے ٹکڑوں سے بنایا گیا ہے جو بڑی مہارت اور چابکدستی سے جوڑے گئے ہیں۔ مندر کا رقبہ 1240 مربع فٹ ہے گربھ گرہ گول شکل میں بنی ہوئی ہے اور پانچ فٹ موٹی دیوار اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کا اندرونی قطر 8 فٹ 6 انچ ہے اور بلندی 8 فٹ ہے۔ گول دیوار کو ایک مربع عمارت نے گھیر رکھا ہے جس کی ہر دیوار کی لمبائی 29 فیٹ ہے۔ مندر ہی کے چبوترے پر سامنے کی "انترال" یعنی ڈیوڑھی چھ ستونوں اور اتنے ہی چوکور مربع کھمبوں پر اٹھائی گئی ہے۔ اس کی چپٹی ہموار چھت ہے جو ایک موٹے کارنس کی شکل میں آگے تک نکلی ہوئی ہے جس میں جگہ چھوڑ چھوڑ کر محرابیں بنی ہوئی ہیں اور کوڈوؤں سے اسے آراستہ کیا گیا ہے۔ کوڈوؤں کے اندر تین تین پتیوں کے پھولوں کے گچھوں کے نیچے انسانی سروں اور جانوروں کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ پورے چھت کے کنارے کنارے ایک سینے تک اونچی دیوار بنی ہوئی ہے۔ جس کے اوپر نقش ونگار کی شکل میں "پنجروں" کا سلسلہ ہے۔ یہ پنجرے گوشوں میں مکعب کی شکل کے ہیں۔ اور ان کی چھتیں چاروں طرف سے خمیدہ ہیں۔ درمیانی حصے کے "پنجرے" مستطیل شکل کے ہیں اور ان کی چھتیں ریل کے ڈبے جیسی ہیں۔ "پنجروں" پر طاقچے بنے ہوئے ہیں جن میں خوبصورت رقص کرتی ہوئی عورتوں کی مورتیاں بنی ہوئی ہیں۔ گول "گربھ گرہ" کے اوپر ایک "ومان" خاص طرز تعمیر کا تین درجوں میں۔ جو بتدریج تنگ ہوتے جاتے ہیں بلند ہوتا ہے۔ ہر درجے کے الگ الگ کارنس اور "کوڈو" ہیں۔ نیچے کے دو درجے مربع شکل کے ہیں اور سب سے اوپر کا درجہ گول ہے۔ اور چوٹی پر جو گریوا "شکھر" اور "ستوپی" ہیں، ان کے لیے کرسی کا کام دیتا ہے۔ گول درجے کے چار کونوں پر جو اس کے نیچے کے مربع شکل کے درجہ کے چاروں کونوں کے محاذ میں ہیں، چار نندی بیل رکھے گئے ہیں، جن کا رخ باہر کی جانب ہے۔ گول درجے کے چاروں کونوں پر مورتیاں رکھنے کے لئے طاق بھی بنے ہوئے ہیں۔ "شکھر" ایک ہموار گول گنبد ہے جو پلوطرز کے ہشت پہلو گنبد سے مختلف ہے۔ اس کے بھی باہر کو نکلے ہوئے "کوڈو" ہیں جن کی چوٹیوں پر شیروں کے چہرے (سمہالاٹ) بنے ہوئے ہیں جو نچلے حصے کی گریوا (گردن) کے طاقوں کے اوپر لگے ہوئے ہیں۔ "ستوپی" بھی جو اب باقی رہی۔ گول شکل کی رہی ہوگی۔ "ومان" اندر سے کھوکھلا ہے اور جیسے جیسے اوپر اٹھتا ہے جسامت میں گھٹتا جاتا ہے۔ اندر کی "انترال" (ڈیوڑھی) کے اندر کے ستون (بیرونی دیوار وں) کے پیل

پایوں کی بناوٹ کے برعکس جو کہ چولا طرز تعمیر کے ہیں) اب بھی پلو نمونے کے ہیں۔ یعنی ان کی کٹائی مربع شکل کی ہے لیکن درمیان میں اسے ہشت پہل بنا دیا گیا ہے۔ اس کے کھانچوں پر "ترنگے" بنے ہوئے ہیں جن کے بیچ میں ایک پٹی ہے لیکن اس پر کنول کے نقش نہیں ہیں۔ مندر کے صدر دروازے کی بالائی چوکھٹ خوشنما پھولوں کے نقش و نگار سے مزین ہے اور بغل کے طاقوں میں دو بازوؤں والے پر وقار "دوار پال" کھڑے ہیں۔ ان "دوار پالوں" (دربانوں) کی پتھر کی مورتیاں 5 فٹ اونچی ہیں اور ان کا رخ سامنے کی طرف ہے۔ لیکن ان کے جسم دروازے کی جانب جھکے ہوئے ہیں۔ ایک ٹانگ دوسری ٹانگ کے اوپر رکھی ہے (دیکھئے شکل 98) سات چھوٹے مندروں میں سے چھ بالکل درست حالت میں موجود ہیں اور ساتواں مسمار ہو چکا ہے۔ یہ سب صدر مندر کے چھوٹے نمونے ہیں اور پتھر کاٹ کر بنائے گئے ہیں

دوسری مثالیں

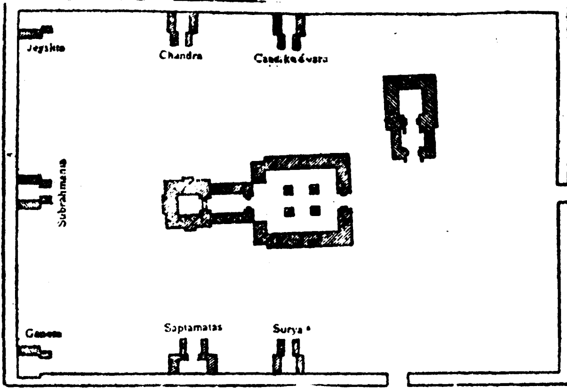
اسی زمرے کے دوسرے مندر جو اگرچہ جسامت میں چھوٹے ہیں، پڈوکوٹہ کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ ورالور میں شیو کا چھوٹا سا مندر ہے جس کا "ومان" گول شکل کا ہے جس میں مربع شکل کی کرسیں حذف کر دیا گیا ہے اور گنبد بالکل چھت پر بنا ہوا ہے۔ چھوٹے مندروں کے کھنڈر یہاں بھی ہیں کنا نور کا بالا سبرامنیا مندر جس کے ستونوں کے بالائی حصے کی جھالر بڑی، پورے "پالی" تنہ کہ صرف ان کے نصف دھڑ، جیسے کہ دوسری مثالوں میں ملتے ہیں بنائے گئے ہیں۔ آدتیہ اول کے عہد کا بنا ہوا ہے جبکہ وشلور، ترپورا اور کالیاپٹی کے چھوٹی جسامت والے شیو کا مندر سب دیکھنے میں وجیالیہ کے عہد حکومت کی تعمیرات معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سب رواجی مربع شکل کی چھوٹی چھوٹی لیکن جامع عمارات ہیں جن کے "گربھ گرہ" کی بیرونی وسعت آٹھ فٹ مربع ہے اور اندرونی طول و عرض 5 فٹ مربع ہے۔ اس کے آگے ایک چھوٹا سا اردھ منڈپ ہے جو دونوں بغلوں سے بند ہے اور اس کا پست دروازہ مشرق کی جانب کھلتا ہے۔ ان مندروں کا "ومان" جو سکشن میں مربع ہے بالکل چھت کے اوپر بنا ہوا ہے "شکھر" (چاروں طرف سے خمیدہ) ہے جس پر بڑے بڑے "کوڈو" ہیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ نیچے کی "گریوا" (گردن) بنی ہے ہوئے طاقچوں کے اوپر "سمہا مکھ" (شیروں کے منہ) بنائے گئے ہیں۔ طاقچوں میں بالعموم مشرق کی جانب اندر، جنوب کی طرف دکشنا مورتی، مغرب میں وشنو اور شمال میں برہما کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ زیادہ بڑے مندروں میں بھی "گربھ گرہ" کی دیواروں پر نشست کی یہی ترتیب دہرائی گئی ہے لیکن اس فرق

کے ساتھ کہ بعض اوقات مشرق کی جانب اندر کی مورتی نہیں بنائی گئی ہے اور مغرب میں وشنو کی مورتی کے بجائے لنگو دبھاو بنادیا گیا ہے۔ ان چھوٹے مندروں کا موازنہ مالاپورم کے اس مندر کیساتھ کیا جاسکتا ہے جو چٹان سے کاٹ کر بنایا گیا ہے اور جس میں بھاگیرتھ (یا ارجن ؟) کی تپسیا کی منظرکشی کی گئی ہے۔ پٹن گڈی کا اگستیبشورا مندر (دیکھیے تختی 2 شکل 3) بھی اسی زمرے کا ہے لیکن اس میں زیادہ دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ اس کے گربھ گرہ کی دیواروں میں طاقچے بنے ہوئے ہیں تاریخی مقامات کی کھدائی سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے اردگرد سات اور چھوٹے مندر تھے جیسے کہ اور مندروں کے اردگرد سات جن کا ذکر اب تک کیا گیا ہے۔

ترو کٹلائی

عبوری دور کی سب سے زیادہ نمائندہ مثال تروکٹلائی (نقشہ دیکھیے) کا مندر ہے جو بہت اچھی حالت میں موجود ہے اور آج کل سندر ریشورا مندر کہلاتا ہے۔ اس کی تعمیر آدتیہ اول کے تیسرے سال حکومت میں ہوئی تھی ۱۰۔ اس مقام کا جدید نام مندر کے قدیم نام "کرٹرکرمچی" "ترو کرٹی" سے اخذ کیا گیا ہے جو قدیم ترین کتبوں میں مذکور ہے اس میں مرکزی مندر کی "گربھ گرہ" مربع ہے (باہر ۱۲ فٹ اور اندر ۶½ فٹ) اس میں ایک "اردھ منڈپ" اور ایک "مکھ منڈپ" شامل ہیں۔ موخرالذکر بعد کا اضافہ معلوم ہوتا ہے جو راجا کلوتنگا اول کے عہد میں ہوا۔ اس کا "ومان" قریب قریب مربع شکل کا ہے اور اس کا پتھر کا کلس اسی طرح کا ہے "ستوپی" کے نیچے ہر اہم رخ پر سمہا للاٹ (شیروں کے چہرے) ہیں۔ اس سے اور نیچے "ومان" کے درجوں پر ایک دوسرے کے اوپر بنے ہوئے طاقچوں کی دو قطاروں میں جنوب کی جانب "دکشنا مورتی" اور بھکشاٹنا مورتی کے بت بیٹھی ہوئی حالت میں ملتے ہیں۔ مغرب میں وراہ مورتی اور وشنو کی مورتیاں ہیں اور شمال میں دو برہما بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ اور گربھ گرہ کی اصل دیوار پر کھڑی ہوئی حالت میں ونادھرا دکشنا مورتی جنوب کی جانب (دیکھیے شکل 37) ایک لنگو دبھو مغرب کی جانب اور برہما کی مورتی شمال کی جانب موجود ہیں۔ دیوار کے بیل پائے خاص چولا انداز کے بنے ہوئے ہیں لیکن اسکے توڑے اگرچہ نوکیلی شکل کے ہیں، ان پر پلوطرز کے لہریئے دار نقش ونگار بنے ہیں جن کی ڈھلائی اندر سے کھوکھلی ہے (اس کے زیریں کونے پر کوئی لہریئے دار نقش نہیں ہے) اور اس سے آگے اوپر کی جانب کارنس سے اوپر گھنٹی "یالیوں" کی ایک جھالر ہے جس کے کونوں پر مگرمچھوں کے سر باہر کی طرف

نکلے ہوئے ہیں۔ کارنس کے نیچے "گنوں" کی ایک جھالر ہے۔



نقشہ ۲ تروکٹلائی میں واقع سندریشورا مندر کی زیریں منزل:۔

سات چھوٹے مندر، جو بڑے مندر کی ہو بہو نقل ہیں چار دیواری کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے ہیں اور ان میں سوریہ کی مورتی ہے اور سپت ماترکاؤں (سات ماتاؤں) کی مورتیاں ایک ہی قطار میں ہیں۔ ان کے ایک سرے پر گنیش اور دوسرے سرے پر ویربھدرا کی مورتی ہے۔ اس مندر کی چھت ریل کے ڈبے کی سی ہے جس پر کلسوں کی ایک قطار بنی ہوئی ہے اور پھر پردکشنا کی ترتیب سے گنیش، سبرہمنیا، چندرا اور چنڈیکیشورا کی مورتیاں ہیں۔ اس قدیم مکمل چولا مندر کے جو آج بھی موجود ہے، دروازے کے اوپر ایک چھوٹا سا "گوپورہ" ہے۔

ناگیشورا

کمبا کونم میں واقع ناگیشورا کے مندر (ملاحظہ ہو تختی 3 شکل 6) اور تروکٹلائی کے مندر میں بہت سی بنیادی خصوصیات مشترک ہیں۔ اوّل الذکر کا تنقیدی جائزہ لینا اس لئے مشکل ہے کہ بعد کے زمانے میں بہت سے مندر اس کے بہت قریب بنتے چلے گئے ہیں۔ یہاں گنوانے کے قابل جو مشترکہ خصوصیات ہیں ان میں "گربھ گرہ" کی پشت پر بنی ہوئی "اردھ ناری" کی مورتی ہے۔ دوسرے "اردھ منڈپ" کے گوشوں اور طاقوں میں بنی ہوئی شبیہیں ہیں۔ نیز اسی منڈپ کے پیل پایوں کے زیریں حصے پر بنے ہوئے رامائن کے مناظر ہیں جن پر "فن سنگتراشی" کے زیر عنوان

آگے چل کر مزید بحث کی ضرورت پڑے گی۔ اس "وِمان" کے تیسرے درجے سے اوپر کے حصے جو اصل میں پہلے پتھر سے بنائے جاتے ہوں گے اینٹ سے ان کی تکمیل کی گئی ہے۔ بعد کے چھوٹے مندروں میں شیروں کی مورتی والے چار ستونوں کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان کی تعمیر پلّو عہدِ حکومت میں ہوئی ہوگی۔ جنوب مغربی کونے میں گنیش کا مندر، مہامنڈپ کے شمال میں ویدیہ ناتھ کا مندر، شمال مشرقی گوشے میں سوریہ کا مندر اور سنگتراشی سے ابھاری ہوئی جیشٹھا کی مدھم سی مورتی، اصل "پریوار مندر" کی بس یہی بچی کھچی نشانیاں ہیں۔ چند وجوہ سے اس مندر کو اپنی "کا"ترو کڈرن ری کیل کوٹم" مندر بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ چولا طرزِ تعمیر کے ابتدائی دور کے کچھ دیگر اہم مندروں کی مثالیں، ترو چیند ورائی (ضلع ترچناپلی) کا مہادیو مندر جسے چولا راجہ اری کل کیسری کی مہارانی بھوتی آدتیہ بھٹار کا نے راجا آدتیہ اول کے عہدِ حکومت میں تعمیر کروایا تھا اور میل پلو وور کا اگستیشورم مندر (ملاحظہ ہو تختی ۹۸، شکل ۲) جس کا گول "وِمان" مربع "گربھ گرہ" کے اوپر بنا ہوا ہے، اس مندر کا گربھ گرہ" شہنشاہِ وجیالیہ یا آدتیہ کے زمانے کا تھا۔

چولا طرزِ تعمیر کے خدوخال

اس سے پہلے کہ ہم اگلے عہد کے مندروں کا جائزہ لیں جو پرانتکا اول سے راج راجا اول کے عہد تک پھیلا ہوا ہے جس کے دوران میں خالص چولا طرزِ تعمیر وجود میں آیا، ہم عبوری دور کی واضح خصوصیات اور چولا طرزِ تعمیر کے مثالی خدوخال پر غور کریں گے۔ سب سے زیادہ قابلِ توجہ خصوصیت مرکزی مندر کی اہمیت ہے۔ مرکزی مندر اپنے مقامِ وقوع اور طرزِ تعمیر کی بدولت تمام چھوٹے مندروں پر جو اس کے گرد ہیں حاوی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صدر مندر "گربھ گرہ" کا بیرونی حصہ دوسرے حصوں کے مقابلہ میں بہت سادہ ہے۔ بہت سی غیر ضروری اور پریشان کن تفصیلات کو خارج کر دیا گیا ہے اور پلّو عمارتوں کی نسبت ان چولا تعمیرات میں سادہ اور ہموار جگہوں کی اہمیت کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اور بعد کے چالوکیہ اور ہوئسالہ عہد کے عمارتوں کے مقابلے میں تو چولا طرز میں خالی جگہوں کی قدر و قیمت کا بہت زیادہ احساس پایا جاتا ہے۔ "انترال" یعنی "گربھ گرہ" کے مقابل کی ڈیوڑھی مرکزی مندر کا ایک لازمی حصہ ہوتی ہے۔ پلّو مندروں میں تو "وِمان" کی سب سے زیریں گولائی ان دونوں (یعنی مرکزی مندر اور ڈیوڑھی) کو ڈھک لیتی ہے۔ یہ خصوصیت جو قدیم چولا مندروں میں بھی برقرار رکھی گئی ہے، مثلاً وجیالیہ چولیشورم

میں، جلد ہی معدوم ہو جاتی ہے۔ انترال جیسا اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، گربھ گرہ اور اس کے مقابل کے مہامنڈپ کے درمیان آمدورفت کا راستہ بن جاتی ہے۔ نئے مندروں میں 'وماں' صرف مقدس حجرے کے اوپر ہی اٹھتا ہے۔ 'انترال' یہاں اردھ منڈپ بھی کہلاتی ہے۔ نچلی منزل (اُپ پیٹھ) میں کمدم کا آغاز ایک ہشت پہل شکل میں ہوتا ہے لیکن بعد میں یہ گول ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کپوتم بھی آغاز میں بالکل سیدھا ہوتا ہے یعنی چوکو ٹکڑوں کو ملا کر جو باہر کو نکلے ہوئے ہیں بنتا ہے۔ لیکن بعد میں یہ ایک خمدار کارنس کی شکل اختیار کر لیتا ہے ستونوں اور دوسری جگہوں میں پلّوطرزِ تعمیر میں شیروں کے جو چہرے عام طور سے بنے ہوئے تھے وہ بتدریج بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور ستون اور پیل پائے ڈھلائی کی خیالی شکلیں اور اسی طرح کی دوسری شبیہوں کے پیکر اوڑھ لیتے ہیں۔" (براؤن) ستونوں کی چوٹی چولا طرز میں دو باتوں میں پلّو طرز سے مختلف ہے۔ ستون اور اس کی چوٹی کے درمیان ایک گردن پدم بندھ کا چولا طرز میں اضافہ کیا گیا ہے جس سے چوٹی کے حصوں میں ایک حصہ اور بڑھ جاتا ہے۔ یہ اضافہ چوٹی کے نچلے سرے پر ایک برتن کی شکل میں ہے۔ چوٹی کے اوپر کی ہموار تختی (پلگائی) بہت زیادہ چوڑی ہو جاتی ہے۔ یہ مربع شکل کا ایک موٹا پتھر کا ٹکڑا ہے جس کی پشت پر پتیوں کے نقش و نگار (ادل) بنے ہوئے ہیں اور جو چوٹی کا سب سے نمایاں حصہ ہے بعد کی تعمیرات میں 'پلگائی' پتلا پڑتا گیا ہے اور 'ادل' میں بھی کئی دلچسپ ترمیمیں کردی گئی ہیں

آگے چلئے تو چولا طرزِ تعمیر میں 'تورا' زاوئے کی شکل اختیار کر لیا ہے، جبکہ بعد کے پلّو طرزِ تعمیر میں یہ گولائی میں مڑا ہوا ہوتا ہے) توڑے کے ارتقاء کی اپنی طویل اور دلچسپ کہانی ہے جو اپنے عروج پر پہنچ کر جدید زمانے کی پومنسی کی شکل میں وجود میں آتا ہے (دیکھئے اس باب کے آخر میں خاکہ ۵) لہرے دار زیبائشی ڈھلائی کا طریقہ جس میں ایک درمیانی پٹی بھی ہوتی تھی یا تو ترک کر دیا گیا یا کبھی کبھی اس کے موڑ کو پیچ دار بنا کر کچھ ترمیم کی جانے لگی۔" توڑے" کی دونوں ہی اقسام یعنی سادہ اور لہرے دار اکثر ایک ہی جگہ ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں جیسے چتور (پڈوکوٹہ) کے اگنیشورا مندر میں۔ پرانے طرزِ تعمیر کی بچی کھچی نشانیاں بھی کہیں کہیں مل جاتی ہیں مثلاً ڈیٹار گڈی کے شیو مندر کی بھاری چوٹی جس کے اوپر ایک "کوڈو" بنا ہوا ہے۔ اسی طرح کوڈمبالور کے موورکوول مندر اور رنچائی کے شیو مندر کی چوٹیاں ۔۔ ان سب پر آگے چل کر ہم ایک بار پھر مفصل بحث کریں گے۔ ان مندروں کے بیرونی حصے کی تراش خراش تو خالص فنِ تعمیر کے

مظاہرے کے لیے کی گئی ہے لیکن اس کے علاوہ پہلے سے تیار کیۓ ہوۓ طاقچوں میں سنگتراشی موتیوں
پران کی کتھاؤں کے کرداروں یا انسانی شبیہات کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ کرسی کے
ذرا اوپر یالیوں کی جھالریں اور اس کے نیچے بھوت گنوں کی مختلف مضحکہ خیز حالتوں میں منقوش
مورتیوں کی قطاریں اور بالائی کارنسوں سے اوپر پھر "یالیوں" کی قطاریں جن کے درمیان تھوڑی
تھوڑی جگہ چھوڑ کر "کڈو" اور لہرئے دار زیبائشی نقش ونگار بنے ہوئے ہیں جو کوڈی کرکو کہلاتے
ہیں نئے طرز کی کچھ اور مثالیں ہیں "کوڈو" اپنی شکل بدل چکے ہیں۔ ان کے بیلچے کی شکل کے اوپری
حصے کی جگہ سہ گوشہ تپیوں کے نقش ونگار یا شیر کے چہروں نے لے لی ہے اور محرابوں کی جگہ وسط
میں بنے ہوئے دائرے ہیں جن میں پلو طرز کے کوڈوؤں کے برعکس پتھر کی کوئی شبیہہ نہیں
بنائی گئی ہے۔

ستونوں سے گھرے ہوئے چھوٹے مندر جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں گروہ میں بنے ہوئے
چولا طرزِ تعمیر کے مندروں کا ایک لازمی (12) جزو ہیں۔ ایرمبور (ضلع جنوبی ارکاٹ) کے شیو کے مندر
کے اندر کندہ ایک کتبے میں آٹھ چھوٹے مندر گنوائے گئے ہیں جن میں مرکزی مندر کے مقابل
میں نندی کا مندر بھی شامل ہے۔ ان مندروں میں جو دیوتا رکھے ہوئے ہیں اور مرکزی مندر
کے تعلق سے ان کو جو درجہ حاصل ہے، وہ مختلف مندروں میں مختلف کتبوں میں اکثر ہر ایک
مندر کے متعلق دی گئی مکمل تفصیل میں درج ہے۔ یہاں اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے
کیونکہ اس کے متعلق کچھ نہ کچھ اطلاع پہلے بھی الگ الگ مندروں کے تذکروں میں دی جا چکی ہے۔

کورنگ ناتھ

پرانتکا اول کے عہد کے فنِ تعمیر کا قدیم ترین نمونہ وہ مندر ہے جو عام طور سے کورنگ ناتھ
مندر کہلاتا ہے۔ یہ ضلع ترچناپلی کے تعلقہ مشیری میں شری نواسنلور کے مقام پر واقع ہے اور
قدیم ترین کتبوں میں اس مندر کے دیوتا کا نام "ترو کرکتورائی پیرومانڈگل" دیا ہوا ہے[13]۔ یہ ایک
درمیانہ جسامت کا مندر ہے (دیکھیئے شکل نمبر 10) جس کی کل لمبائی 50 فٹ ہے۔ اس کا مربع
شکل کا "گربھ گرہ" 25 فٹ طول وعرض رکھتا ہے۔ اور اس کے مقابل کا منڈپ 25×20 فٹ
کا ہے "شکھر" کی چوٹی سطح زمین سے 50 فٹ اونچی ہے اور منڈپ اور گربھ گرہ کا کارنس سطح
زمین سے 16 فٹ کی بلندی پر ہے۔ "گربھ گرہ" جو دیکھنے میں اس لئے دو منزلہ نظر آتا ہے کہ اس

کی بلندی کے وسط میں ایک کارنس آجاتا ہے، اندر سے بارہ فٹ مربع ہے اور اس میں داخلے کے لیے چار ستونوں پر استادہ "انترال" (ڈیوڑھی) میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔ "گربھ گرہ" کی تینوں کھلی طرف وسط میں ابھرا ہوا ایک ایک طاقچہ اور طاقچے کے دونوں طرف کی خالی جگہوں میں نصف قدِ آدم مورتیاں یا پتھر میں سنگتراشی سے ابھاری ہوئی شبیہیں جو اتنی اونچی اٹھی ہوئی ہیں کہ قریب قریب گول معلوم ہوتی ہیں موجود ہیں۔ "انترال" کی شمالی اور جنوبی دیواروں میں بھی اسی طرح کے طاق ہیں جن میں کبھی درگا اور گنپتی کی مورتیاں رکھی رہی ہوں گی۔ دوار پالوں کے لیے مخصوص طاق بھی خالی ہیں۔ طاقچوں کے اوپر کی محرابوں کی سجاوٹ کانچی کے کیلاش ناتھ مندر اور تنجور مندر کے ملتے جلتے طرز کی معلوم ہوتی ہیں۔ بنیادی چبوترے میں کوئی کپوتا نہیں ہے اور اس کی جگہ "سمہا" (شیروں) والی جھالر نے لے رکھی ہے جو اتنی ہی نمایاں ہے جتنی کہ اس سے بعد کے عہد کے تنجور مندر میں۔ "گربھ گرہ" کی کارنس سے نیچے "گنوں" کی جھالر نہیں بنائی گئی ہے اس کے بجائے ہم شہتیر کے اوپر ٹکی ہوئی اندر کی کڑیوں کے باہر نکلے ہوئے سرے دیکھتے ہیں جو کسی اینٹ اور پتھر کے مندر کی چوبی کڑیوں کی نقل ہیں۔

دیگر مندر

کلیانور (ضلع جنوبی ارکاٹ) کا اگستیشورا مندر بھی پرانتکا اول ہی کے زمانے کا ہے۔[19] یہاں مربع شکل کے بنیادی چبوترے کی چنائی کی سب سے نچلی "اُپان" یا جگتپ پڈی ایسے پتھروں کی ہے جنہیں اوپر سے کنول کی پتیوں کی شکل میں تراشا گیا ہے۔ جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے کا پورا "اُدمان" "کمد" سے لے کر اوپر تک ایک کھلتے ہوئے کنول کے پھول میں استادہ ہے اور جس سے ایک "پدم کوش" (کنول کے اندر گربھ کیسر) کی شکل بن گئی ہے۔ "کمد" کی ڈھلائی سری نواسنلور مندر کی طرح نصف دائرے کی شکل میں ہے۔ تنڈی ونم (جنوبی ارکاٹ) کا ترو تنڈیشورا مندر ۹۶۱ء سے قبل کا بنا ہوا ہے۔[15] تروویرمبور (ضلع ترچناپلی) کا پپلیکیشورا مندر بھی لگ بھگ انہی دنوں میں شیمبین ویدی ولان نے تعمیر کروایا تھا[16] جو سندر چولا کا ایک باجگزار جاگیردار تھا۔ یہ مندر اپنی سنگتراشی کے لیے مشہور رہے۔ اس میں کمبا کونم کے ناگیشور مندر کی طرح باہر کی طرف کے پیل پایوں کے زیریں حصے پر پرانوں کی کتھاؤں کے مناظر الگ الگ چوکھٹوں میں سنگتراشوں نے پیش کیے ہیں۔ یہ دونوں مندر بھی اسی زمرے میں آتے ہیں، جس میں

اگستیشورا کا مندر۔ برہم دیشم مندر (ضلع تنے و یلی) کے نزدیک ترو والیشورم کا مندر اپنی عمدہ کاریگری اور مورتیوں کے بہترین نمونوں کے لیے مشہور ہے۔ یہ مورتیاں اس کے "و مان" کے بالائی درجوں کے اوپر بنائی گئی ہیں۔ یہ مندر راج راجا کی تخت نشینی سے کچھ عرصہ پہلے کا ہے جس کے کتبے، موجودہ عمارت کی دیواروں پر جو کتبے ملے ہیں، ان میں سب سے پرانے ہیں۔ اس عمارت میں بعد میں جن حصوں کا اضافہ کیا گیا ہے، ان میں وہ مہامنڈپ ہے جو چولا پانڈیا والسرایوں کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔ تیرہویں صدی کا تعمیر شدہ ایک امّن کا مندر بھی ہے۔ پرانتکا اول کے عہدِ حکومت کے ابتدائی دنوں کا پلمنگائی ضلع تنجور کا مندر بہت سی باتوں میں کمبا کونم کے ناگیشور مندر سے ملتا جلتا ہے[17] اور اپنے زیبائشی نقش و نگار والی دیوارگیروں کے لیے مشہور ہے جو کہ اس عہد میں دستیاب ہونے والی دیوارگیروں کی قدیم ترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ نیز یہ اپنے نفیس طاقچوں اور ان میں رکھے ہوئے سنگتراشی کے نمونوں کے لیے بھی مشہور ہے جن پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

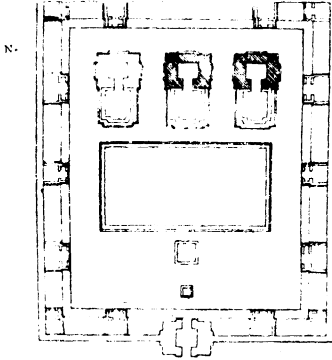
ترووڈائی مرودور ضلع تنجور کا مہالنگا سوامی مندر یقیناً ۹۱۰ء میں پتھر سے بنایا گیا ہوگا۔ اس مندر میں کندہ پرانتکا اوّل کے چوتھے سالِ حکومت کے ایک کتبے میں لکھا[18] ہے کہ مندر کے تھیٹر میں منعقدہ ایک اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ پرانے کتبات کو نقل کروا کر گربھ گرہ اور "ومان" میں از سرِ نو کندہ کروا دیا جائے۔ پرانے فرامین عطیہ میں سے جو درج کیے گئے ہیں ایک کا ڈویٹی گل نندی پوتر یّار یعنی نندی ورمن دوم یا سوم سے متعلق ہے۔ مندر کے بنیادی چبوترے کا ہشت پہلو ڈھلا ہوا کمد ہے اور اس کا چھوٹا سا کنٹھ متعدد بیل پایوں پر اٹھایا گیا ہے جو ایک سبد نما "کپوتے" کو سہارا دیتے ہیں۔ اس کے اوپر نیچے والے "کنٹھ" سے مشابہہ ایک ڈیڈو یا حاشیہ ہے جس میں پتھر کی مورتیوں کے چوکھٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس کے اوپر ایک موٹی کارنس باہر کو نکلی ہوئی ہے جس کے نیچے کی سطح پر کنول کی پتیاں تراش کر بنائی گئی ہیں۔ چولا آرٹ پر اس عام بحث میں ہم طرزِ تعمیر کی اس رنگا رنگی کا جس سے فن کی مہارت اور اختراع کی آزادی کی تصدیق ہوتی ہے تفصیل سے جائزہ نہیں لے سکتے۔ اس مندر کے ابتدائی کتبوں میں پران گنپتی کے ایک مندر کا ذکر ملتا ہے جس سے یہی مطلب لیا جاسکتا ہے کہ مرکزی مندر کے ارد گرد کسی وقت چھوٹے مندر موجود تھے ایک "منڈپ" بھی اس مندر میں تھا جس کا بیوپاریوں کی ایک نامور انجمن تشائی آیرتو ائینوٹر و ور کے نام پر رکھا گیا تھا۔

اسی زمانے کے دوسرے ایسے مندروں میں جن کی تاریخِ تعمیر صحیح معلوم ہے اور جن کا مفصل جائزہ یہاں نہیں لیا جا سکتا، کوڈمبالور کے مچھ کنڈیشورا (۹۱۲ء کے قریب) کا نام لیا جا سکتا ہے۔ میل پڈوور (ضلع ترچناپلی) کے چولیشورا زمرے کے دونوں[19] مندر ترونامنلور (جنوبی ارکاٹ) کا بھکت جنیشورا مندر،[20] انڈنلور (ضلع ترچناپلی) کا وٹ تیرتھ ناتھ مندر[21] اور ایرمبور (جنوبی ارکاٹ) کا کاڈمبونیشورا مندر[22] ۹۳۵ء میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں گربھ گرہ کے مغرب کی جانب کے طاقچے میں ہمیں وشنو اردھ ناری یا لنگو دبھاوے کی مورتی کی بجائے شو کے ارونا چلیشورا روپ کی مورتی دکھائی دیتی ہے۔ آتیہ دوم کے زمانے کے پنجائی میں واقع نلتونی ایشورم مندر کا ذکر بھی یہاں کیا جا سکتا ہے۔[23]

مُووَر کووِل

اسی زمرے میں بہت سے مندر ہیں۔ ان کو نظرانداز کر کے ہم پڈوکوٹہ کے مندروں، چتور میں واقع اگنیشورم اور کوڈمبالور کے مووَر کُوول کا ذکر کریں گے۔ پہلے مندر میں راج کیسری گندھرآدتیہ کے عہد کے چوتھے برس کا ایک کتبہ موجود[24] ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لگ بھگ ۹۵۰ء میں تعمیر ہوا ہو گا۔ یہاں توڑے کی ساخت گوشے دار ہے اور اس کے کونے کے خم کے قریب لہرے دار ڈیزائن اور درمیانی پٹی بنا کر اس کی گردن کو سنوارا گیا ہے۔ دوسری قسم کا توڑا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اور مندر کے دیگر اطراف میں بھی پیل پائے سی کر اسی طرح تعمیر کئے گئے ہیں۔ کوڈمبالور ان تین مندروں میں سے جو سندر چولا کے عہد میں بھوتی وکرم کیسری نے ایک جگہ تعمیر کئے تھے۔ صرف دو ابھی تک باقی ہیں (ملاحظہ ہو تختی ۲، شکل ۷) کھدائی سے پتہ چلتا ہے کہ "ومان ترائم" کی بنیاد معہ اس کے نواحی مندروں کے ایک احاطے کے اندر رکھی گئی تھی جس کے مغرب میں داخلے کا صدر دروازہ تھا (دیکھئے متعلقہ نقشہ) تینوں مرکزی مندروں میں سے ہر ایک کا رقبہ ۲۱ فٹ مربع ہے۔ یہ مندر شمالاً جنوباً ایک سیدھی قطار میں ایک دوسرے سے لگ بھگ دس دس فٹ کے فاصلے پر ہیں۔ ان کا رخ مغرب کی جانب ہے۔ وسط اور جنوب کی جانب کے مندروں کے "ومان" صحیح حالت میں محفوظ ہیں لیکن شمالی مندر کا صرف بنیادی چبوترہ باقی رہ گیا ہے ان میں سے ہر ایک مندر کا اردھ منڈپ 8۱ فٹ مربع تھا لیکن ان اردھ منڈپوں کے بنیادی چبوتروں کے علاوہ اب کچھ باقی نہیں بچا ہے۔ اس سے آٹھ فیٹ کے

فاصلے پر عین مرکز میں نندی بیل کا ایک چھوٹا سا مندر سوا گیارہ فٹ مربع رقبے کا بنا ہوا تھا۔ نندی کے مندر اور صدر دروازے کے بیچ میں مرکزی محور پر "بلی پیٹھ" یا دھوج ستمبھ تھا جس کا رقبہ لگ بھگ 5 فیٹ ۹ انچ مربع تھا۔ ان سب کی صرف بنیادیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔



(نقشہ ۔۔۔ لوڈمبا پور میں واقع مودر یزیں مندر)

ان مرکزی مندروں کے ارد گرد احاطے کے ساتھ ساتھ پندرہ نواحی چھوٹے مندروں کا ایک چھتہ تھا۔ ان مندروں میں سے ۱۴ کی بنیادیں محفوظ ہیں لیکن جنوب مشرقی کونے کا مندر سرے سے غائب ہو گیا ہے۔ احاطے کی دیوار بہت چوڑی ہے یہ پتھر کی 3 فٹ ۴ انچ چوڑی دیوار ہے۔ مغربی صدر دروازہ ۹ فٹ ۶ انچ چوڑا ہے اور اس کے پہلو میں فٹ چوڑا ایک راستہ شمال مشرقی گوشے میں بنا ہوا ہے جو ایک زینے سے اتر کر پتھر کے ایک گول کنویں تک گیا ہے جس کا قطر دس فٹ ہے۔ اصل مندر "پدم کوش" کہلاتے ہیں اور ان کی کرسی کی گڑھائی یا اور جو کچھ بھی ان کا باقی بچا ہے، اعلیٰ فن کاری کا نمونہ ہے ومانوں کے بھاری محرابی کارنس کے نیچے "بھوتوں" اور "گنوں" کی جھالریں کچھ عجیب بے تکی اور مضحکہ خیز شکلوں کا منظر پیش کرتی ہیں۔ "وماں" پر شیو کے مختلف کی بہت سی نفیس مورتیاں اور "پریوار دیوتاؤں" کی ادھر ادھر پڑی ہوئی یا کھدائی سے نکلی ہوئی مورتیاں مستحق توجہ ہیں۔

ان میں اردھ ناری۔ ونادھرا دکشنا مورتی۔ گجاری۔ انتکاسر سمہار، کرات گنگادھرا، ہری ہر، اما پرساد، سپت ماترکا، موہنی، اور دوسری مورتیاں شامل ہیں۔

جاوا پر اثر

موور کوول کے تین مرکزی مندروں کو جو یکساں طور پر خوبصورت اور اہم ہیں اور ان کی کثیر نواحی عبادت گاہوں کو دیکھ کر جاوا میں واقع پرمبنم کے مشہور برہمنی مندروں کے جھرمٹ کی یاد آجاتی ہے۔ یہ دونوں مندر جو ایک دوسرے سے نصف صدی کے فرق سے بنے اور جو ایسے زمانے میں بنے جب ہندوستان اور انڈونیشیا میں باہم میل ملاپ کے بہت سے مواقع موجود تھے، ایک ہی خیال کو عملی جامہ پہنانے میں ایکدوسرے سے مختلف ہیں۔ ملک جاوا کا مندر چولوں سے قبل کے اس ہندوستانی نظریئے کی نمائندگی کرتا ہے کہ ایک ہی دیوتا مختلف روپوں میں صدر مندر اور اسکے نواحی مندروں میں دکھائے جائیں۔ یہاں کا مندر ان روپوں کی تعداد کو ایک غیر معین حد تک بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پرمبنم کے مندروں کے جھرمٹ میں 156 چھوٹی عبادت گاہیں ہیں۔ چولا سلطنت کے معمار ادنیٰ مندروں کی کثیر تعداد کے ذریعے اپنے دیوتا کے پیکروں کے اظہار کے خلاف ہیں۔ وہ محض اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ ایک صدر دیوتا دکھایا جائے اور اس کے ماتحت دوسرے دیوتاؤں کا صرف روایتی گروہ سامنے لایا جائے۔ دوسری جانب جہاں پرمبنم کے مرکزی مندروں میں شیو، وشنو اور برہما یعنی ہندو دھرم کی "ترموری" کی مورتیاں رکھی گئی ہیں وہاں کوڈمبالور میں صرف شیو ہی تینوں مرکزی مندروں کے متبرک حجروں میں براجمان ہیں۔

وسطی چولا عہد

اب ہم وسطی چولا عہد (985ء تا 1070ء) کی عمارات کا جائزہ لیں گے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب چولا آرٹ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا بلکہ اس سے آگے نکل گیا تھا۔ اس دور میں جو مندر تعمیر ہوئے ان کی تعداد حسب دستور بہت بڑی تھی اور ان کی تعمیر چولا سلطنت کے گوشے گوشے میں دور دور تک ہوئی۔ لیکن، اس عمومی تذکرے میں ہم بعض واقعی دلچسپ عمارتوں کو جن کی تاریخِ تعمیر بھی معلوم ہے نظرانداز کرکے[26] اپنی توجہ صرف تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے دو مندروں ہی پر مرکوز کریں گے جو ہندوستانی

فنِ تعمیر کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تنجور

اسی عہد کے چھوٹے مندروں کے مقابلہ میں یہ دونوں مندر پرسی براؤن کے الفاظ میں "ویسے ہیں جیسے گاؤں کے گرجے کے مقابلے میں کوئی بہت بڑا کلیسا"[27] مندر کے اندر کندہ کتبات کے مطابق تنجور کے مندر کی تعمیر تقریباً ۱۰۰۳ء میں شروع ہوئی۔ اس مندر (راج راجیشورا جواب برہدیشورا کہلاتا ہے) کی تعمیر کا کام ۱۰۱۰ء تک کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ یہاں تک کہ جب شہنشاہ راج راجا اپنے چالوکیہ حریف ستیہ آشریا کے خلاف جنگ سے واپس آیا تو اس نے مرکزی مندر میں پوجا کی اور سونے کے پھول نذر کئے۔

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اپنے پچیسویں سالِ حکومت ۱۰۰۹ء کے دو سو چھترویں دن اس نے باضابطہ طریقہ سے تانبے کا برتن (کلس) اس مندر میں چڑھایا جو مندروں کے ومان کی چوٹی پر "ستوپی" (کلس) کا کام دینے کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔[28] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تامل فنِ تعمیر کا ایک بلند مقصد منصوبہ تھا جو چولا سلطنت کی وسیع طاقت اور اس کے بڑھتے ہوئے حدودِ سلطنت اور وسائل کے عین شایانِ شان تھا (ملاحظہ ہو تختی ۶ شکل ۱۱) اس کی صدر عمارت ۱۸۰ فٹ لمبی ہے اور اس کا عظیم مخروطی "ومان" حجرۂ مقدس کے اوپر ۱۹۰ فٹ کی بلندی تک اٹھتا چلا گیا تھا اور اس طرح یہ اونچائی میں بھونیشور کے ۱۶۰ فٹ اونچے لنگ راج پر بھی سبقت لے گیا ہے جو ان دنوں ابھی تازہ تازہ تعمیر ہوا تھا۔ نندی منڈپ۔ کرو وور دیور کے مندر، امن کے مندر اور سبرہمنیا کے مندر کو چھوڑ کر جو کہ بعد کے اہم اضافے ہیں، اس عظیم الشان مندر کے بیشتر حصے ایک ہی عہد میں تعمیر ہوئے ہیں اور ایک واحد منصوبہ کی حیثیت سے اس کی شوکت اور سادگی کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے مرکزی عمارتیں۔ ومان۔ اردھ منڈپ۔ مہا منڈپ اور گرانڈیل نندی بیل مشرق کی جانب ایک متناسب طول و عرض کے احاطے میں بنائے گئے ہیں۔ ان کے مقابل میں ایک اور "گوپورہ" بنا ہوا ہے اندرونی مڈل سے متصل کھمبوں والا ایک لمبا منڈپ ہے جو ۲۵ چھوٹے منڈپوں کو باہم ملاتا ہے یہ مندر خاص خاص مقامات پر اور چاروں طرف تھوڑی تھوڑی جگہ چھوڑ کر بنے ہوتے ہیں مقابل میں ایک اور "گوپورہ" ہے جو ایک دوسرے بیرونی احاطے کے صدر دروازے کا کام دیتا ہے۔

مرکزی "ومان" اتم (اعلیٰ) قسم کا ہے۔ یہ تامل میں "ماڈکوول" بھی کہلاتا ہے اور جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، دکشن میرو۔ کورنگ ناتھ اس قسم کے "ومان" کی پہلی مثال ہے۔ یہ ایک

ٹھوس مربع بنیاد پر استادہ ہے جو 99 فیٹ لمبی ہے، جس کا افق سے متوازی حصہ پانچ جگہ باہر کو نکلا ہوا ہے اور اس طرح یہ پانچ حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ وسط میں باہر نکلا ہوا حصہ سب سے بڑا ہے۔ ان نکلے ہوئے حصوں کے دونوں جانب خلا ہے اور یہ سب بنیادی چبوترے سے لے کر مخروطی ومان کی سب سے بالائی منزل تک چلے گئے ہیں جہاں سے "شکھر" شروع ہوتا ہے۔ بنیادی چبوترے (پیٹھ) کو پیل پایوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ پیل پایوں کے ادھر ادھر طاقچے ہیں اور ان سب کے اوپر ایک "کپوتا" (کارنس) ہے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "پایوں" کی جھالر کے بوجھ سے نیچے کو دبایا ہوا ہے۔ اس "پیٹھ" کے اوپر مقابلتاً کم رقبے یعنی 63 فٹ مربع کا ایک اپ پیٹھ تعمیر کیا گیا ہے جس کا کتبوں سے ڈھکا ہوا "پان" ایک "پدم دل" بناتا ہے جو نصف دائرے کی شکل کے وزنی "کمد" کے رکھنے کی جگہ کا کام دیتا ہے کمد مشرقی سرے پر ہشت پہل ہے۔ "کنٹھ" اور "کپوتا" قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہیں کمد کے عین اوپر "ویمانم" دکھائی دیتا ہے جس پر شیر کی مورتیوں کی ایک پوری لڑی بنی ہوئی ہے۔ شیروں کی پیٹھ پر ان کے سوار ہیں۔ کونوں پر شیروں کی جگہ مگرمچھوں کے سروں نے لے لی ہے اور ان کے کھلے جبڑوں کے درمیان سپاہیوں گھوڑوں اور شہسواروں کی مورتیاں ہیں۔ "گربھ گرہ" کی عمودی دیواریں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے مثلث حصے کی ساخت کے مطابق ہیں اور پچاس فٹ بلند ہیں۔ ایک بھاری اور خمدار کارنس ان دیواروں کو دو منزلوں میں تقسیم کرتی ہے۔ کارنس پر کوڈو ہیں جن پر ہلکے نقوش میں بت ابھارے گئے ہیں۔ دوسری منزل بھی ایک نکلے ہوئے کارنس پر جا کر ختم ہو جاتی ہے جس کے اوپر "پایوں" کی پٹی بنی ہوئی ہے۔ ساری عمارت کے طاقچے اور خالی جگہیں خوبصورت مورتیوں سے پر ہیں جو روایتی چولا تعمیر طرز کے زیبائشی نمونوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض اس طرز تعمیر کی اس قدر صحیح عکاسی کرتی ہیں کہ وہ خصوصی ذکر کی مستحق ہیں۔ جیسا ہم پہلے بتا چکے ہیں یہ طاقچے (دیوگوشٹھا) پلو عہد کے طاقچوں کے مانند محض اوچھے خانے نہیں ہیں جنہیں سنگتراشی کے ہلکے ہلکے نقوش سے آراستہ کیا گیا ہو بلکہ گہرے خول ہیں جن میں بڑی بڑی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ مورتیاں دراصل شیو کے مختلف روپ ہیں۔ طاقچوں کے دونوں جانب پیل پائے ہیں جن کا اوپر کا حصہ بھاری ہے۔ اور جو دوسرے پیل پایوں سے اس اعتبار سے مختلف ہیں کہ ان کی بناوٹ

مربع ہونے کے بجائے کثیرالاضلاع ہے۔ پھر طاقچوں کی محرابوں کے نقش ونگار کے نیچے ہمیں ایک "ترو واچی" نظر آتی ہے جس کی شکل "کوڈو" سے ملتی جلتی ہے۔ بعد کے زمانے میں یہ تبدیلی مکمل ہو جاتی ہے۔ کوڈو کی طرح اس "ترو واچی" کا بیچ کا حصہ گول ہے لیکن دونوں کناروں پر بنے ہوئے مگرمچھوں کی دُمیں پلّو طرزِ تعمیر کی عمارتوں کی طرح لٹکی ہوئی ہیں۔

لیکن یہ خصوصیت بعد میں غائب ہو جاتی ہے۔ چولا عہد کی ایک اور روایتی خصوصیت پلّو یادگاروں میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہ خصوصیت طاقچوں کے درمیان میں جو خالی جگہیں ہیں ان میں درخت یا ستون کا ہونا ہے جو ایک برتن (کمبھ) میں سے نکلتا ہے۔ ستون کے اوپر پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوئے گھوڑے ہیں جو ایک ایسی چیز کو سہارا دیے ہوئے ہیں جس کی شکل "ترو واچی" سے ملتی ہے۔ "ترو واچی" کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ یہ چیز پھول کی شکل کی ہے جس میں چنگاریاں سی نکلتی دکھائی دیتی ہیں یا جس پر طغرا دی شکل کی گلکاری ہوتی ہے۔ چودھویں صدی میں چوکور زیبائشی ستونوں کا یہ نمونہ "کمبھ پنجر" کی صورت اختیار کر گیا جس میں سب سے اوپر کا حصہ "پنجر" سا دکھائی دیتا ہے۔

ومان کی بالائی منزلوں کی طرح "گربھ گرہ" کی دیواروں اور طاقچوں کے عمود کا احساس مندر کے ان بھاری حصوں کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے جو افق کے متوازی بنے ہوئے ہیں جیسے عمارت کے مثلث حصے کے بھاری "کمد" کی ڈھلائی اور دونوں منزلوں کی آگے کو نکلی ہوئی بڑی کارنسیں۔ یہ عمودی دیواریں مندر کے ایک حجرے کو جو 45 فٹ مربع ہے گھیرے ہوئے ہیں۔ حجرے کے اردگرد 9 فٹ چوڑی ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے۔ "گربھ گرہ" کی اندرونی دیواریں بھی بیرونی دیوار کے خدوخال کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اس میں پیچھے کو نکلے ہوئے مرکزی طاقچے ہیں جن میں مورتیاں رکھی ہوئی ہیں اور جن میں باہر کی دیوار کے مستطیل دریچوں سے روشنی آتی ہے۔ ان دریچوں کو بعد میں غالباً "نائک" عہد میں بند کر دیا گیا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے اینٹ پتھر کی یہ دیواریں اب ہٹا دی گئی ہیں۔ اسی غلام گردش میں جو کہ "ومان" کے نیچے اور "گربھ گرہ" کے گرد ہے آبی رنگوں میں چولا تصاویر 1930ء کے قریب دریافت ہوئی ہیں جو آج کل مشہور ہیں۔ "گربھ گرہ" کے اندر ایک بہت بڑا شیو لنگ رکھا ہوا ہے جو اپنی کرسی کو شامل کر کے گربھ گرہ کی دونوں منزلوں کی بلندی تک چلا گیا ہے۔

گربھ گرہ یا متبرک حجرے کے اوپر کا مخروطی ''ومان'' 13 گھیروں میں اوپر اٹھتا ہے جو بتدریج چھوٹے ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ چوٹی پر گھیرے کی چوڑائی اس کی بنیاد کی چوڑائی کا تیسرا حصہ رہ جاتی ہے۔ براؤن کے الفاظ میں ''اس طرح بنے ہوئے مربع چبوترے پر گنبد استادہ ہے۔ اس کی گردن کا خم جو اندر کی جانب ہے، عمارت کے بے لوچ بیرونی خطوط میں ایک حسن پیدا کر دیتا ہے جب کہ پیاز کی شکل کا گنبد جو ایک ہلکا لیکن مضبوط کرہ ہے ایسے شاہکار کی بلند پردازی کی تکمیل کرتا ہے'' مخروطی ''ومان'' کا تاثر اس کی بناوٹ کے بخوبی سوچے سمجھے طریق کار سے اور بھی بڑھ جاتا ہے جس میں ''پنجرا'' کے عمودی خطوط کو بتدریج تنگ ہوتے ہوئے گنبد کے گھیروں کے افق سے متوازی خطوط اس طرح کاٹتے ہیں کہ ان سے فنِ تعمیر کا ایک بہت خوبصورت شاہکار سامنے آجاتا ہے۔ پرسی براؤن کے الفاظ میں ''آخر میں چوٹی پر گول گنبد جس کے چاروں طرف طاقچے بنے ہوئے ہیں، عمارت کی سنگینی کو جہاں اس کی ضرورت ہے دور کرتا ہے۔ ومان کو مخروطی عمارت کے فنی اصولوں پر تعمیر کرنے میں اس کے معماروں کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا کیوں کہ ایسی ساخت نہ صرف طاقت اور استحکام کا تاثر دیتی ہے بلکہ فی الواقعی یہ سب سے پائیدار اور مستقل طرزِ تعمیر ہے جو اب تک دریافت ہو سکی ہے ...... بلا شبہ تنجور کے مندر کا ''ومان'' دراوڑ معماروں کا اعلیٰ ترین واحد شاہکار ہی نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر ہندوستانی فنِ تعمیر کی پرکھ کی کسوٹی بھی ہے''۔

چنڈیکیشورا کا مندر تنجور کے صدر مندر کے بہت ہی قریب اس کے شمال کی سمت واقع ہے اور صدر مندر کی ہو بہو نقل معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی گربھ گرہ کی دوہری منزل بھی صدر مندر کی نقل ہے۔ کھمبوں والا چھتہ پینتیس مندروں کی لڑی کو باہم جوڑتا ہے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ ان میں سے چار مندر اس کے چاروں کونوں پر ہیں۔ چھ درمیان میں اور مشرقی ''گوپورے'' کے ہر دو جانب، سات مغرب کی جانب ہیں اور باقی دونوں اطراف میں نو نو۔ ان سے سے بہت سے مندر اب دیواروں سے بند کر دیے گیے ہیں اور دوسرے مصرف میں لائے جا رہے ہیں۔ چاروں مندر جو کونوں پر ہیں، صحیح حالت میں محفوظ ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہمیں ابتدائی چولا عہد کے چھوٹے مندروں کی یاد آجاتی ہے جن پر ہم اوپر بحث کر چکے ہیں۔ ان چھوٹے مندروں میں اور ''موور کوول''

میں رکھے ہوئے "پُر یوار دیوتاؤں" کی مکمل تفصیلات تو شاید ہمیں کبھی معلوم نہ ہوسکیں گی۔
احاطے کی دیواروں کو اگر باہر سے دیکھا جائے تو وہ برابر کی اونچائی والی دو منزلیں دکھائی
دیتی ہیں اور ان دونوں منزلوں پر اپنا الگ الگ جسیم اور بھاری خمدار کارنس ہے ان
کے چہار پہلو ستون جن کی چوٹی پیاز کے شکل کی ہے دیکھنے میں بہت دلنشیں ہیں اور دیواروں
پر برابر برابر وقفے سے نندی بیل نصب ہیں۔

گنگائی کونڈ چولا پورم

تنجور کے عظیم مندر کی تکمیل کے بیس برس کے اندر ہی گنگائی کونڈ چولا پورم مندر
تعمیر ہوا (تختی 6 شکل 12) اس میں تنجور کے لگ بھگ سبھی نمایاں خدوخال کو دہرایا
گیا ہے لیکن دونوں میں ایک بڑا فرق ہے۔ پرسی براؤن نے اسے "تنجور کا نسوانی نصفِ
ثانی" کہا ہے[29] جس میں اپنے پیش رو کی مردانہ خصوصیات کا فقدان ہے لیکن جس میں
خود ایک الگ قسم کی عشرت خیز خوبصورتی ہے۔ تاثر کا یہ فرق اس آرائش وزیبائش
کا نتیجہ ہے جو اس کے "ومان" کی بناوٹ میں سیدھی لکیروں کے بجائے خمدار خطوط کے
استعمال سے پیدا ہوئی ہے۔ جدید انجینئری کی دست برد سے اس عظیم مندر کو بہت
نقصان اٹھانا پڑا ہے[3]۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ جتنا مندر تھا اتنا ہی قلعہ بھی
تھا۔ اس کے جنوب مغربی گوشے میں ایک برج ہے اور مغرب کی طرف بھی ایک چھوٹا
برج بنا ہوا ہے۔ خود مندر مستطیل شکل میں ہے۔ اس کا طول 345 فٹ اور عرض ۱۰۰
فٹ ہے۔ اس کا منڈپ 175 فٹ × 95 فٹ ہے اور "گربھ گرہ" مربع شکل کا ہے۔
جس کا ایک ضلع ۱۰۰ فٹ ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں ڈیوڑھی ہے۔ جس کے دونوں
سروں پر تنجور مندر کی طرح شمال اور جنوب میں دروازے ہیں۔ دونوں دروازے
بہت خوبصورت ہیں جن پر بارعب "دوار پالک" کھڑے ہیں اور ان دروازوں تک
ایک زینے کے ذریعہ پہنچا جاسکتا ہے۔ (دیکھئے تختی نمبر 7 شکل نمبر 13)
منڈپ کے مشرقی سرے کا صدر دروازہ، ایسا لگتا ہے کہ سوچ سمجھ کر زیادہ بڑا
اور شاندار بنایا گیا ہے۔ یہاں تعمیر اور بت تراشی بہت بڑے پیمانے پر کی گئی ہے۔
منڈپ ۱۴۰ کھمبوں پر مشتمل ایک لمبا ہال ہے۔ کھمبے اس منڈپ کی چوڑائی میں آٹھ

قطاروں میں بنے ہیں اور 9 فٹ اونچے ایک چبوترے پر تعمیر کیے گئے ہیں جس کے بیچوں بیچ ایک چوڑا راستہ جو اس کی سطحِ زمین کے برابر ہے بنا ہوا ہے۔ یہ راستہ آگے چل کر اس پورے ہال کے اندر چکر کرتا ہے اور قدرے تنگ ہو جاتا ہے۔ یہ اندرونی چکر ایک ہموار چپٹی چھت سے ڈھکا ہوا ہے۔ جو سطحِ زمین سے بیچ میں 18 فٹ اور کناروں پر 16 فٹ بلند ہے۔ اس اسکیم میں ڈیوڑھی جو دور کے کنارے پر بنی ہوئی ہے، بہت اہم ہے اس کا بیرونی حصہ منڈپ کی چھت سے بھی زیادہ بلندی تک اٹھایا گیا ہے اور منڈپ اور مخروطی "ومان" ایک دو منزلہ عمارت بن گیا ہے۔ ڈیوڑھی کے اندر بڑے بڑے چوکور ستونوں کی دو قطاریں ہیں۔ ہر قطار میں چار ستون ہیں۔ اس طرح ایک ستونوں سے بھرا ہوا حصہ بن جاتا ہے جس کے دوسری طرف حجرۂ مقدس ہے۔

"ومان" 160 فٹ کی بلندی تک اٹھا ہوا ہے۔ اس طرح یہ اتنا اونچا نہیں ہے جتنا کہ تنجور مندر ہیں۔ لیکن یہاں بھی یہ پورے مندر پر چھایا ہوا ہے۔ جیسا کہ حالیہ کھدائی سے پتہ چلا ہے اس مندر میں کئی چھوٹے معبد تھے جو ابھی تفصیلی مطالعے اور تحقیق کے محتاج ہیں[31] "ومان" کی عمودی بنیاد یعنی گربھ گرہ کی دیواریں 35 فیٹ بلند ہیں اور تنجور مندر کی طرح ایک بہت بڑی کارنس اسے دو منزلوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ البتہ مشرق کے سوائے اور کسی جانب اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ مخروطی ومان کی صرف آٹھ منزلیں ہیں نہ کہ تیرہ۔ عمارت کے اسی حصے میں وہ حسین پیچ و خم پائے جاتے ہیں، جن سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ طرزِ تعمیر اب درمیانی اسٹیج کی تنگ حدود سے گزر چکا ہے۔ یہ دو باتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک تو ومان کے کناروں کا پیالہ نما خطوط اور دوسرے اس کے پہلوؤں کے جھکے ہوئے خدوخال سے۔ یہ دونوں نفاستیں اس رومان انگیز دلکشی کے لئے ذمہ دار ہیں جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ آرائش و زیبائش کی یہ فراوانی گنبد کی چوٹی تک لے جائی گئی ہے جہاں چار زیبائشی "چینتیہ" (کوڈو) پنکھوں کی مانند کلس کے گنبد سے باہر کو نکلے ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر اس مندر میں اس قدر زیادہ آرائش ہے کہ دیکھنے سے جی اوب جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود فنِ تعمیر کے اس چولا شاہکار میں ایک عروج پر پہنچی ہوئی خوبصورتی نمایاں ہے"[32] (پرسی براؤن)

چنڈیشورا مندر کے علاوہ جس کا مرکزی مندر سے وہی رشتہ ہے جیسا کہ تنجور کے

مندر میں، ہمیں دیوی کے الگ مندر پر بھی نظر ڈالنی ہے جو اپنے مرکزی مندر کے مقابلہ میں تنجور کی زیادہ قریبی نقل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مندر اپنے مرکزی مندر ہی کا ہمعصر ہو گا۔

دیوی کا مندر

اس سے پیشتر کہ ہم چولا آرٹ کے آخری دور کا جائزہ لینا شروع کریں، ہمیں ان نئی اجتماعی تبدیلیوں کا مطالعہ کرنا ہے جن کی طرف ہماری توجہ "امن" کے مندر کے ذکر کی وجہ سے مبذول ہو جاتی ہے۔ دیوی کے جسے تامل زبان میں "امن" کہتے ہیں، ہر مقامی مندر میں الگ الگ نام ہیں اور اس کی پوجا اسے مرکزی مندر کی دھرم پتنی سمجھ کر کی جاتی ہے۔ اس کی مورتی کی الگ مندر میں تنصیب راجندر اوّل کے زمانے سے خال خال دیکھنے میں آتی ہے لیکن اس کے بعد ایسے مندر قدرے باقاعدگی سے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان مندروں کو "ترو کام کوٹم" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ گنگائی کونڈ چولا پورم میں اس طرح کا دیوی کا مندر صدر مندر کے ساتھ ہی یا اس کے بہت جلد بعد تعمیر ہو گیا تھا۔ تنجور میں اس کا متوازی مندر یعنی برہنائکی کا مندر تیرہویں صدی میں کہیں جا کر تعمیر ہوا۔[33] راجندر اول کے زمانے کے ایک اور امن کے مندر کا ذکر اس کے عہد کے ایک کتبے میں پایا جاتا ہے۔ یہ کتبہ کنڈیور (ضلع تنجور) کے شیو مندر کے اندر "منگلا مبکا" کے مندر کی ایک دیوار پر کندہ ہے۔ لیکن اس کتبے کی عبارت کے درمیان کچھ خالی جگہ ہے جس سے بہت حد تک اس کا مفہوم مبہم ہو جاتا ہے۔[39] یہ ممکن ہے لیکن یقینی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ راجندر اول کے چھبیسویں سالِ حکومت کے ایینائرم (ضلع جنوبی ارکاٹ) کے کتبے میں مندروں کی جو فہرست درج ہے اس میں درگا کے علاوہ شری بھٹار کیّار مندر کا جو ذکر آیا ہے وہ بھی دراصل دیوی ہی کے علیحدہ مندر کا نام ہو۔[35] دیوی کے ایسے مندروں کی موجودگی اور از سرِ نو تعمیر کا زیادہ واضح ثبوت چولا عہد کے اواخر میں چولا سلطنت کے مختلف حصّوں سے ملتا ہے۔[36] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کلوتنگا سوم اور اس کے جانشینوں کے عہد میں نیز راج راجا سوم اور راجندر سوم کی حکومت کے دوران پہلے سے موجود مندروں میں "ترو کام کوٹم" مندروں کا اضافہ اور نئے مندروں کی تعمیرات میں ان کی شمولیت ایک عام رواج بن گیا تھا۔ ان مندروں کے لئے نہایت فیاضی سے وقف

بھی کئے جاتے تھے۔ ان سب باتوں کی تصدیق اس عہد کے کتبوں سے ہوتی ہے۔[37] کلوتنگا سوم نے تروبھوونم کے مشہور سنسکرت کتبے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے خود چدمبرم کے نٹ راج مندر کے اندر واقع شیلوکام سندری دیوی کے مندر کی سجاوٹ میں اضافہ کیا کیوں کہ اس میں اس نے ایک گوپورہ اور سنہری "پرا کارہرمیہ" تعمیر کیے۔[38] اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ چولا حکومت کے دورِ آخر میں بہت سی تعمیرات ہوئیں اور جاگیریں دی گئیں جن سے دیوتا کے ساتھ ساتھ دیوی کی عظمت و اہمیت پر بھی زیادہ زور دیے جانے کا پتہ چلتا ہے اور یہ رواج بعد میں بھی قائم رہا۔ دیوی کا مندر عموماً مہامنڈپ کے شمال کی جانب تعمیر کیا جاتا تھا اور اس کے داخلے کا دروازہ مہامنڈپ ہی میں کھلتا تھا یا اس مقابل کے صحن میں جس کا رخ جنوب کی جانب منڈپ کے سامنے ہوتا تھا۔ کبھی کبھی یہ مندر بڑے مندر کی حدود میں کچھ دوسرے حصوں میں بھی تعمیر کر دیا جاتا تھا، جیسے ولوودر (ضلع تنجور) کے مندر میں یہ شمالی صحن کے شمال مغربی گوشے میں بنا ہوا ہے۔

گوپورے اور منڈپ

دیگر نئی تبدیلیاں جو اس زمرے میں شامل کی جا سکتی ہیں وہ گوپوروں اور منڈپوں کی تعمیر ہیں۔ ان کی اہمیت بھی چولا عہد کے اواخر میں بڑھ گئی اور بعد کے زمانوں میں بھی برقرار رہی۔ ایک واحد سادہ سا گوپورہ تو پلوؤں کے عہد ہی سے ہر ایک مندر کے نقشے میں شامل ہوتا تھا اور ہم اس کی مثالیں طرزِ تعمیر کے تبدیلی کے عبوری دور اور قدیم چولا عہد کے مندروں میں دیکھ چکے ہیں جیسے تروکٹلائی، "موور کوول" اور رابر مور کے مندر۔ پھر ہمیں اُتم چولا کے بارہویں سال حکومت کا ایک کتبہ وردھاچلم (ضلع جنوبی ارکاٹ)[39] سے ملتا ہے جس میں درج ہے کہ اس کی والدہ شیمبئین مہادیوی نے ایک مندر تعمیر کروایا تھا، جس میں شری کوئیل "سنپن منڈپم" گوپورہ اور دیگر چھوٹے مندر شامل تھے۔ تنجور کے مندر کا اندرونی گوپورہ راج راجن تروواشل" اور بیرونی گوپورہ کیرلانتکن ترووداشل دونوں پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور صدر مندر کے ہم عصر ہیں۔ دوسرا صرف پتھر کا بنا ہوا گوپورہ تندی گم (ضلع شمالی ارکاٹ) کے نیل کنٹھیشور مندر کا چھوٹا سا خوبصورت گوپورہ ہے جو راجندر اوّل کے زمانے کی تعمیر ہے (دیکھئے تختی ۲۔ شکل ۱۹) کلوتنگا سوم

چولا شہنشاہوں میں سے آخری عظیم معمار تھا اور اس کے تربھوونم کے عظیم مندر کا گوپورا جس حال ہم ابھی بیان کریں گے) گوپوروں کے چولا طرزِ تعمیر کا آخری نمونہ ہے۔ یہ ایک پست قد اور مضبوط مستطیل عمارت ہے جس کی پانچ منزلیں ہیں جو بتدریج تنگ ہوتی جاتی ہیں۔ اس کی "گریوا" (گردن) بھی مستطیل شکل کی ہے جس کے اوپر ریل کے ڈبے کی شکل کا شکھر ہے شکھر کے دونوں طرف "کوڈوؤں" کے سرے اور چوٹی پر بہت سے کلس ہیں۔ تاہم ان گوپوروں میں سے کسی کی بھی عمارت ایسی نہیں ہے جس سے مندر کے وہاں کی غالب حیثیت میں کوئی مداخلت ہوتی ہو۔ مگر آخری پانڈیا راجاؤں اور ان کے جانشینوں کے عہد میں، جو ریاست وجے نگر کے حکمران تھے۔ یہ حالات تقریباً بالکل برعکس ہو گئے۔ پانڈیا راج کچھ حد تک ان دنوں میں بھی شروع ہو گیا تھا جب ابھی گوپوروں کے چولا طرزِ تعمیر نے میدان خالی نہیں کیا تھا۔ جو ویوڈبریل نے چدمبرم، تروونا ملئی اور جمبوکیشورم کے ۱۱۰۰ سنہ ء سے ۱۳۵۰ سنہ ء تک کے درمیانی عرصے کے تعمیر شدہ جو گوپورے پانڈیا عہد کے طرزِ تعمیر کی وضاحت کے لئے چنے ہیں، ان میں آخری چولا عہد کی بھی کچھ رنگ آمیزی ہے اس طرح "منڈپ" بھی مندر کے نقشے کا ایک لازمی حصہ ہے۔ چولوں کے عہد میں اس کو خوب ترقی ہوئی۔ اور ان کے جانشینوں کے دور میں اس کی اہمیت پر اور زیادہ زور دیا گیا۔ بالخصوص وجے نگر کے تاجداروں اور ان کے جاگیرداروں کے تحت۔ یہاں تک کہ یہ ایک بے معنی اور فضول نمائش کا طریقہ بن گیا۔ اگر ہم ستونوں سے بھری ہوئی عمارتوں کو نظر انداز بھی کر دیں جو "تروچرالائی" کہلاتی تھیں اور کسی زمانے میں دو منزلہ اور سہ منزلہ بنائی جاتی تھیں، تو بھی تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم اور ان سے پہلے کے یعنی "مورکوول" مندر کے منڈپوں کو ان کے بعد کے بڑے منڈپوں کا پیش رو قرار دیا جا سکتا ہے۔ راجندر اول کے عہدِ حکومت کے چوتھے برس میں میلپاڈی کے مندر کے شمال کی جانب ایک منڈپ تعمیر کیا گیا جس کا نام "آرمولی دیون" رکھا گیا۔ "گوسنپن مندر" کی عمارت زیادہ بڑی نہیں ہوتی ہوگی۔ لیکن مندروں میں "نرت منڈپ" کی عمارت جس کا ذکر کتبوں میں ملتا ہے ضرور خاصی بڑی رہتی ہوگی۔ ان میں سے کچھ منڈپ تو اتنے بڑے تھے کہ وہ راجاؤں کے کیمپ یا کبھی کبھی تحقیقاتی عدالت کا کام بھی دیتے تھے، جب بھی شاہی افسروں کو کسی اہم معاملے کی تفتیش در پیش ہوتی تھی۔ شیکیلار کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس نے اپنی "پریا پرانم" نامی تصنیف

سب سے پہلے چدمبرم کے مندر کے ایک ہزار ستونوں والے منڈپ میں پڑھ کر سنائی گئی
اس کے یہ معنی ہوئے کہ جب "شیکی لار کی" پر انم" جس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے، لکھی گئی اس
وقت یہ منڈپ تعمیر ہو چکا تھا۔ لیکن اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بہت کچھ کہا جا چکا ہے
کہ غالباً ایک کافی بڑا منڈپ اس وقت شیکیلار کے استعمال کی غرض سے موجود تھا۔

آخری چولا عہد کا فنِ تعمیر

چولا عہد کے آخری حصے (۱۰۷۰ء سے ۱۲۵۰ء تک) میں بھی مندروں کی تعمیر اتنی
ہی سرگرمی سے جاری تھی جس طرح پہلے ہو تی رہی تھی۔ ہمیں چھوٹے مندروں کو نظر انداز کرنا
پڑے گا کیوں کہ وہ نہ صرف لاتعداد ہیں اور ایک دوسرے سے حد درجہ مشابہ ہیں بلکہ
بعض بعض مندروں میں تو امتدادِ زمانہ کے باعث اس قدر تبدیلیاں ہو گئی ہیں کہ دو
مختلف ادوار کے فنِ تعمیر کے مخلوط نمونے معلوم ہوتے ہیں جن میں تمیز کرنا آسان نہیں
ہے۔ ہم صرف ان دو بڑے مندروں کا اختصار سے جائزہ لیں گے، جو چولا طرزِ تعمیر کے
ارتقا کی صدر شاہراہ میں پڑتے ہیں اور اس میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دارشرم

سب سے پہلے ہم دارا شرم (ضلع تنجور) دیکھئے تختی ۷ شکل ۵۲ الف) کو لیں گے۔ یہ
مندر اپنے کتبات میں "راج راجیشورا" کے نام سے موسوم ہے کیوں کہ یہ راج راجا دوم
سے منسوب ہے جس کے عہدِ حکومت میں یہ تعمیر ہوا تھا۔ اگرچہ کلوتنگا سوم نے بھی اس میں
کچھ اضافے کئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اس مندر کے اندر کئی احاطے (پرکارم)
تھے جن میں سے ہر ایک میں "گوپورا" کا دروازہ کھلتا تھا۔ ان میں سے صرف ایک ابتک
محفوظ ہے۔ اس کے محور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صدر مندر کا نقشہ اور اس کے حصے
ویسے ہی ہیں جیسے کہ تنجور کے مندر کے۔ البتہ صرف اس کے مقابل کے "مہا منڈپ" کے
سامنے ایک کھمبوں والے "اگر منڈپ" کا اضافہ کیا گیا ہے جس کے جنوب میں ایک ڈیوڑھی ہے
یہ منڈپ جو "راج گمبیرن تر و منڈپم" کہلاتا ہے" اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس پر ہاتھیوں
سے کھینچے جانے والے پہیئے دار رتھ کا دھوکا ہوتا ہے۔ تنجور کے مندر کی طرح یہ مندر بھی

"میرو" زمرے کا مندر ہے اور ایک "پدم کوش" تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں اس مندر اور اس کے
پیش رو تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندروں کی عام مشابہت میں کسی شبہ کی گنجائش
نہیں ہے۔ وہاں اس مندر کے ہر ایک حصے میں صورتی اور زیبائشی سنگ تراشی میں
بہت اضافہ کیا گیا ہے۔ سنگتراشی کے ان نمونوں کا دلچسپ ترین مجموعہ وہ سلسلہ ہے
جس میں "پریا پرانم" کے مناظر کی عکاسی کی گئی ہے۔ یہ نقش ونگار دیواری ستونوں پر چھوٹی
چھوٹی پٹیوں اور ان کی درمیانی جگہوں میں ستون کے اس حصہ میں ہیں جو "یالی" کی پٹی
کے اوپر گربھ گرہ کی دیوار کی کرسی پر ہے۔ سندر کی زندگی کے مناظر جو یہاں پیش کیے گئے
ہیں ان میں اور تنجور کے مندر کی دیواروں پر کی گئی مصوری میں حیرت انگیز مشابہت ہے
ان منقوش مناظر سے شیکیلار کی بیان کی ہوئی سنتوں کی سوانح عمریوں کے زبردست اخلاقی
اثر کی تصدیق ہوتی ہے۔[42] طرزِ تعمیر کی امتیازی خصوصیت میں ایک نئی تبدیلی جو خاص
توجہ کی مستحق ہے وہ یہ ہے کہ "پلگائی" کے نیچے جو آرائشی حاشیہ انگریزی حرف S کی شکل
کا ہوتا تھا وہ پورے کھلے ہوئے کنول کے پھول کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جس کی پھیلتی ہوئی
پتیاں ایک حلقہ بنا لیتی ہیں اور جو اصطلاح میں "اڈل" کہلاتا ہے۔ بعد کے نمونوں میں یہ
بہت سے پھولوں کا مجموعہ بن گیا ہے جس میں پھول کی پتیوں کے دو یا اس سے زیادہ
حلقے ہوتے ہیں۔ "توڑے" بھی رفتہ رفتہ بعد کی پشپ بودگائی کی صورت اختیار کر گئے
ہیں، خاص طور پر مرکزی چول کے دونوں جانب کے تراشے ہوئے حصوں کی وجہ سے
جنہوں نے پھول کی شکل اختیار کرنا شروع کر دیا ہے جو "مڈلائی" کہلاتے ہیں۔ "کمبھ پنجرا"
نے بھی جس کی شروعات تنجور مندر کی دیوار کے طاقچوں سے ہوئی تھی، نیچے کے کمبھ اور
چوٹی کے پنجرے، دونوں طرف تبدیل ہونا شروع کر دیا ہے۔

"وِمان" کی بالائی عمارت میں پانچ بتدریج چھوٹی ہوتی ہوئی منزلیں ہیں۔ ان میں
سے دو نچلی منزلوں میں "اردھ منڈپ" بھی شامل ہے۔ پہلی منزل (تل) چھوٹے مکمل مندروں
کی ایک لڑی ہے جو چھت کی ہموار سطح کے کنارے کنارے بنے ہیں اور ایک نیچی دیوار کے
ذریعے باہم جڑے ہوئے ہیں۔ "پنجرے" اپنی نشست میں نیچے کی دیواروں سے باہر نکلے
ہوئے دریچوں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور نیچے دیوار معہ اپنے کارنس کے، طاقوں
سے ہم آہنگ ہے۔ دوسرے تل (منزل) میں بھی پہلی منزل ہی کی "پنجروں" کی ترتیب

کو دہرایا گیا ہے۔ لیکن اس کا اردھ منڈپ والا حصہ محض ایک دیواروں والا احاطہ ہے جس کی دیواروں کی چوٹی پر کنارے کنارے نندی بیلوں کی قطار بنی ہوئی ہے۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں منزل میں بھی "پنجروں" کی یہی ترتیب رکھی گئی ہے اور یہ تینوں منزلیں مرکزی مندر ہی میں ہیں۔ پانچویں منزل کے اوپر گول گریوا (گردن) ہے، جس میں خاص خاص مقامات پر طاقچے بنے ہوئے ہیں اور کونوں پر نندی بیل ہیں جن کا رخ باہر کی طرف ہے۔ "گریوا" کے اوپر گول گنبد (شکھر) ہے جو بیچ میں باہر کی جانب نکلا ہوا ہے اور جس کے نیچے کے حصہ کا ابھار بھی قدرے باہر کی جانب ہے۔ دھات کی "ستوپی" (کلس) اب غائب ہو چکی ہے اور صرف اس کی مرکزی سلاخ اپنی اصل جگہ پر قائم ہے۔ چوٹی کا بیشتر حصہ استرکاری سے دھندلا پڑ گیا ہے۔ غالباً یہی وہ حصہ تھا جس پر کلوتنگا سوم نے سونے کی اینٹیں لگوائی تھیں۔

"اگر منڈپ" کے شمال کی جانب (دیکھیے تختی ۹، شکل ۱۶) پاروتی کا ایک مندر ہے جس کا رخ ڈیوڑھی کی طرف ہے۔ اس منڈپ اور ڈیوڑھی کے ستونوں کے دونوں طرف ان کے ساتھ جڑے ہوئے بیل پائے ہیں۔ جن کی کرسی "یالیوں" اور ہاتھیوں پر ہے۔ یہ ستون مخلوط طرز تعمیر کی قدیم ترین مثالیں ہیں۔ اس طرح کے ستونوں کا رواج بعد کے زمانے میں بہت عام ہو گیا تھا۔ مہامنڈپ کی جنوبی دیوار کے سہارے شیو کا مندر ہے جس میں ان کے "شربھا روپ" ۹۳ کی مورتی ہے۔ یہ مندر بھی دوہرے بنیادی چبوترے پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یعنی ایک "پیٹھ" اور ایک "اپ پیٹھ" پر۔ اور اس کے مقابل میں کھمبوں والی ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی ہے جس تک رسائی مشرق کی جانب سے ایک زینے سے ہوتی ہے۔ اس زینے کے دونوں جانب یالیوں کے خمدار جنگلے بنے ہوئے ہیں۔

ایک دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ "مہامنڈپ" اور "اگر منڈپ" کے اوپر چبوترے کے کنارے کنارے تین طرف "یالی" کی پٹی کے اوپر تین قسم کے "پنجرا" بنے ہوئے ہیں جو شکل میں چوکور، مستطیل اور محرابی ہیں اور جو ایک کے بعد ایک کر کے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ بات وجیالیہ چولیشورا مندر کے مقابل کے منڈپ اور چالوکیوں کے مندروں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ البتہ ایراونیشورا مندر کی ڈیوڑھی کے کناروں پر پنجرے نہیں دکھائی دیتے بلکہ وہاں نندی بیل بنائے گئے ہیں۔

"اگرمنڈپ" کے مقابل ایک چھوٹا سانندی کا مندر اور ایک "بلی پیٹھ" ہیں جن میں تنجور کے طرزِ تعمیر کی ابتدائی خصوصیات صاف دکھائی دیتی ہیں، یعنی چوکور ہیل پائے اور کھانچے دار "توڑے" لیکن اس کے زینے کی سیڑھیاں اور ان کے جنگلے یقیناً بعد کے زمانے کے ہیں۔ صحن میں مہامنڈپ کے شمال کی جانب چنڈیشورا کا مندر ہے۔ اس کے خدوخال، ان مندروں سے مشابہ ہیں جو تنجور اور گنگائی کونڈشولا پورم کے مندروں میں پائے جاتے ہیں۔ صحن کے اردگرد ستونوں سے گھرا ہوا ایک چھتہ ہے جو مرکزی مندر کے ساتھ ہی تعمیر شدہ ہے۔ اس میں صرف چھ چھوٹے مندروں کی موجودگی کا اس وقت پتہ چلتا ہے جو اس کی لمبائی کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے ہیں۔

محوری مندروں سے الگ ایک اور مندر پاروتی کا ہے جو مقامی طور پر دیونائکی کے مندر کے نام سے پکارا جاتا ہے (ملاحظہ ہو تختی۔ شکل۔) یہ متعدد پہلوؤں سے بالکل مرکزی مندر کے مشابہ کی مورتیاں رکھی ہیں اور اس میں ایسی خصوصیات ہیں جنکی بنا پر اسے قدرے بعد کے زمانے کے "تروکام کوٹوں" میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ یہ غالباً کلوتنگا سوم نے تعمیر کیا تھا۔ باہر کا گوپورہ ان دنوں کھنڈر بن چکا ہے۔ اس کے خالی طاقچوں میں کچھ عبارتیں کندہ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی ان میں 63 دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں رکھی جاتی تھیں جن کے نام وہاں درج ہیں۔[۹۹] اندرونی گوپورہ ابھی تک موجود ہے اور اس کی "دوتل" (منزلیں) ہیں۔

طرزِ تعمیر کے لحاظ سے یہ مندر کئی باتوں میں اس عبوری دور کی نشاندہی کرتا ہے جب چولا طرزِ تعمیر نے جس کا اظہار تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندروں میں ہوتا ہے آگے بڑھ کر ان عظیم مندروں کے جھرمٹ کی شکل اختیار کی جو چولا عہد کے بعد تعمیر ہوئے۔

تربھوونم

کمپہریشورا کا مندر جو اپنے کتبات میں تربھوون ویریشورا کے نام سے مذکور ہے واضح طور پر شہنشاہ کلوتنگا سوم کی تعمیر ہے جس کی تصدیق اس بغیر تاریخ کے دوہرے سنسکرت کے کتبے سے ہوتی ہے جو اس کے "گربھ گرہ" اور "گوپورے" کی دیواروں پر کندہ ہے (ملاحظہ ہو تختی ۱۹ شکل ۱۵) اس کا روایتی نام اس اعتقاد کی وجہ سے ہے کہ دیوتا

نے ایک چولا راجہ کی کپکپی (کمپ) کا مرض ختم کر دیا تھا جو ایک برہمن کے قتل کے گناہ کا مرتکب ہوا تھا۔ اس مندر اور داراشرم کے مندر میں بہت سی باتیں ایک جیسی ہیں مثلاً "اگر منڈپ" اور داخلے کی ڈیوڑھی۔ بنیادی چبوترے کے پیل پایوں پر پیچواں نقش کاری (کوڈی کرکو) کی گئی ہے۔ جبکہ خالی طاقوں کو رقاصاؤں کی شکلوں سے آراستہ کیا گیا ہے جس میں "بھارت ناٹیہ" کے مناظر معہ ڈھولچیوں اور دوسرے موسیقاروں کے دکھائے گئے ہیں جو سب مل کر "میلہ" کہلاتے ہیں۔ دوسری جگہوں کی طرح یہاں بھی "پالیوں" شیروں اور ہاتھیوں پر لوگ سوار دکھائے گئے ہیں۔ مندر کے ستونوں کی چوٹی پر مربع شکل کی تختی (پلگائی) داراشرم کے مندر اور آخری چولا عہد کے دیگر مندروں کے "پلگائیوں" کی طرح بہت پتلی ہے جب کہ اس کے برعکس پلو عہد اور ابتدائی چولا عہد کے مندروں میں، جن میں تنجور کا مندر بھی شامل ہے، "پلگائی" بہت موٹی اور وزنی ہوتی تھی۔ اس مندر کا "توڑا" بھی بشپ بودگائی کے پرانے طرز کا ہے۔ پہلے والا خمدار وسطی کھانچا اس مندر میں الٹی گھنٹی کی شکل والے "پاستر" میں بدل گیا ہے۔ دونوں طرف کے گنیا سے گرتے ہوئے زاویے یہاں خمدار اور پھول کی شکل کے "مڈلائیوں" میں تبدیل ہو گئے ہیں یہ ایراوت شیورا مندر کے "توڑے" کے مقابلے میں ایک حد تک ترقی کی علامت ہے "کپوتا" اور چھت کے دیگر ملحقہ حصوں کی ساخت میں لکڑی کے کام کی تفصیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ "گربھ گرہ" کی بیرونی دیواروں کے مرکزی طاقوں کی دونوں جانب خالی جگہوں میں مستطیل کھڑکیاں (جارکا) ہیں جو پہلو کے پیل پایوں اور اوپر کی "تورن" سے مل کر بنے ہیں۔

"ومان" چھ تلوں" (منزلوں) کا اوپر کی طرف کو تنگ ہوتا ہوا مخروطی شکل کا ہے جس کی سب سے نچلی دو منزلوں نے "اردھ منڈپ" کو ڈھک رکھا ہے جیسا کہ داراشرم اور تنجور کے مندروں میں ہے۔ ایک خاص خصوصیت پہلی منزل کے مرکزی "پنجرے" کے طاقچے کے دونوں جانب دو گول پیل پایوں کی موجودگی ہے۔ ان پیل پایوں کی چوٹی پر ایک ایک "کوڈو" ہے۔ یہ بنیادی نقشہ پلوؤں کے زمانے سے چلا آتا ہے اور چولوں کے ابتدائی دور کے کچھ مندروں میں مثلاً اڈیار گڈی کے اگنیشور اکوڈمبالور کے "موورکوول" اور پنجائی کے نلتونائی ایشورا میں دیکھنے میں آتا ہے۔ ان باہر کو نکلے ہوئے پنجروں کی درمیانی جگہوں میں چھوٹے چھوٹے مندر سنگتراشی سے ابھارے گئے ہیں

گول گربوا" اور گنبد نما شیکھر" بظاہر اینٹوں اور مسالے سے بنے ہوئے ہیں جب کہ باقی کی تعمیر تراشے ہوئے پتھر کی ہے۔

مہامنڈپ اور اگرمنڈپ کے بڑے پیل پایوں کی چوکور کرسیاں ہیں جن کے اوپر کے چاروں کونوں پر "ناگ پدم" ہیں۔ "ناگ پدم" میں سے ہشت پہل ستون اوپر کو اٹھتے ہیں یہ ستون اوپر جاکر ایسی چوٹی پر ختم ہوتے ہیں جس کی تراش بھی نیچے کی طرح ہشت پہل ہے دیواروں کی ابھری ہوئی سطح کے طاقچوں کے نیچے مقابلتاً چھوٹے پیل پائے ہیں۔ ان کی کرسی بھی اسی طرح مربع شکل کی ہے اور چوٹی پر "ناگ پدم" بنا ہوا ہے۔ لیکن ان کے کھمبے اور چوٹیاں سولہ پہلو کی ہیں۔ اوپر کی لوح مربع شکل کی ہے۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ "توڑے" پرانے طرز کے ہیں جن میں سادہ وسطی کھانچا ہے، نیز بغلی کھانچوں پر مدھم سے لہرئے دار نقش و نگار (ترنگیے) سے زیبائش کی گئی ہے۔ طاقچوں کے اوپر باہر کو نکلی ہوئی کارنس پر "پنجرے" ہیں اور بڑے بڑے کوڈو بھی بنے ہوئے ہیں جن کے اندر مندروں کے بہت مختصر نمونے ہیں۔ اندر کی طرف کی دیواروں کے طاقچوں کے ساتھ چھوٹے پیل پائے اور ان پر کلغیاں ہیں۔ ان میں توڑے نہیں ہیں اور ان کے اوپر باہر کو نکلے ہوئے حصے میں "تورن" محرابیں بنی ہوئی ہیں۔

"اگرمنڈپ کے جنوب کی ڈیوڑھی اسی نمونے کی ہے جیسی ایراوتیشورا مندر کی، لیکن شیر اور ہاتھیوں پر رکھے ہوئے ستونوں کی بجائے ہم سادہ نقش و نگار کی ستون دیکھتے ہیں۔ ڈیوڑھی خود ایک کیثیر پہیوں کی رتھ ہے جسے دو ہاتھی کھینچ رہے ہیں جو مشرقی سیڑھیوں اور جنگلے کے مقابل بنے ہوئے ہیں۔ رتھ کے باہر کو نکلے ہوئے دھروں کو تنند شیروں نے سہارا دے رکھا ہے۔ اس کے پہیے جو الگ بھی کیے جا سکتے ہیں اپنی جگہ سے غائب ہیں۔ ڈیوڑھی کے مغرب میں سوماسکندکا پرانے وقتوں کا ایک مندر ہے جس کے مربع شکل کے پیل پائے ہیں" ادل" پتھر کی پھول پتیوں سے بنا ہوا ہے اور گنبا سے گڑھے ہوئے کھانچے دار توڑے ہیں۔ اس عمارت کے اس حصے میں جو مہامنڈپ کی جنوبی دیوار کے سہارے بنا ہوا ہے اور ایراوتیشورا مندر کے "شربھا مندر" کی جگہ پر ہے ایک سردار کی مورتی استر کاری سے بنائی گئی ہے۔

مقابل میں شمال کی جانب دیوی کا مندر اور "ومان" کے شمال کی طرف چنڈیشورا

مندر کچھ زیادہ ترقی یافتہ وسیات کا حامل ہے۔ آدھی تشٹھان کا بیادن چبوترہ "پدم دل" کی شکل کا ہے اور اس کا کمد "نصف دائرے میں ڈھالا گیا ہے۔ توڑے پرانے طرز کے "پشپ بودھکا" نمونے کے ہیں۔ "پلگائی" اپنی مربع شکل میں نہیں رہ گیا ہے بلکہ ستون اور اس کی چوٹی کی طرح ہشت پہل ہے۔

مندر مجموعی طور پر سنگتراشی اور بت سازی کے طرح طرح کے نمونوں کی ایک نمائش گاہ ہے۔ اس کے دونوں گوپوروں میں سے اندرونی "گوپورا" کی چوٹی کا حصہ خراب و خستہ حالت میں ہے لیکن باہر کا گوپورہ صحیح و سالم ہے۔ مغرب میں اس مندر کی پشت پر ایک اور اجڑا ہوا گوپورہ ہے۔ یہ سب تنجور کے گوپورے کی طرح پستہ قد اور مضبوط مستطیل شکل کی عمارتیں ہیں لیکن ان کا اور پانڈیوں کی سلطنت کے دوسرے دور میں کلوتنگا سوم کے عہد کے بعد جو بڑی اور شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں، ان کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ چولا طرزِ تعمیر میں "ومان" کی غالب حیثیت کو قائم رکھنے والے مندروں میں یہ آخری مندر ہے۔

چولا آرٹ کا بیرونی ممالک بالخصوص ہند چینی اور مشرقِ بعید کے ممالک پر کیا اثر پڑا؟ یہ ایک ایسا دلچسپ سوال ہے جس کا ہم یہاں محض ایک مختصر جائزہ لے سکتے ہیں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ چولا سلطنت کا چین اور ہند چینی کی ہندو ریاستوں کے ساتھ تجارتی اور دوسرے ذرائع سے سرگرم رابطہ قائم تھا۔ یہ ممکن ہے کہ انگ کور کے عظیم مندر اور تنجور اور گنگائی کونڈ چولاپورم کے مندر اپنے تعمیری تخیل اور اس تخیل کو مادی لباس پہنانے میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے ہوں اور مذہبی فنِ تعمیر کے ایک ہی ارتقائی دھاگے میں بندھے ہوں۔ چولا فنِ تعمیر اور سنگتراشی کے نمونوں کی ایک زیادہ قریبی اور حد درجہ حیران کن متوازی مثال بلکہ ان کی ہوبہو نقل جس کی جانب اے۔ کے۔ کمار سوامی نے ہماری توجہ دلائی ہے،[95] قدیم زے ٹن میں ملی ہے جو جزیرۂ فارموسا کے مقابل جدید چوان چو میں واقع ہے۔ جہاں لگ بھگ تیرہویں صدی کے یا اس سے بعد کے ایک پرانے مندر میں کمار سوامی نے ایک بنیادی چبوترہ دریافت کیا ہے جس کی بناوٹ "چولا اپ پیٹھ" کی طرح ہے۔ نیز یہاں ستونوں پر ایسے چوکھٹے بھی ملے ہیں جن میں سنگ تراشی سے شیو اور کرشن کی لیلائیں دکھائی گئی ہیں (دیکھیے تختہ ۱۱ اشکال الف۔ ب۔ ج)

اس سے ہمیں جنوبی ہند کے آرٹ کے ایک ایسے باب کی جھلک ملتی ہے جس کے متعلق ابھی بہت کم معلومات ہیں۔

سنگ تراشی

اس کا پلوّ حکمرانوں سے تعلق

پتھر کو تراش کر اس کے اوپر نقش ابھارنے کے فن میں پلوّ سنگتراشوں کو سبقت حاصل تھی۔ تخیل کی بنیادی سادگی اور تصویر کے ہر جزو کو اس کا صحیح مقام دینا وہاں نظر آتا ہے جہاں کرشن کو گووردھن کی حیثیت سے یادگار کو مہیشا سر سے نبرد آزمائی کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ گنگا کے اترنے (یا ارجن کی ریاضت) کا منظر جو پتھر پر نقش ہے۔ اس سے بھی انہیں خوبیوں کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ تمام مناظر مامّلا پورم میں دستیاب ہوتے ہیں یہ ایسے شاہکار ہیں جو دنیا کے آرٹ کی کسی بھی تاریخ میں مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ راجاسمہا وشنو اور مہندر ورمن اوّل اور ان کی مہارانیوں کی تصاویر جو آدی وراہا کے غار میں جو مامّلاپورم میں ہے، بنی ہوئی ہیں، اپنی غیر معمولی خوبیوں کے پیش نظر حد درجہ تحسین و توصیف کی مستحق ہیں۔ پلو عہد کے فنکاروں کی طرح چولا سنگتراشوں نے پتھر پر بڑے بڑے قدو قامت کی تصاویر بنانے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے پتھر پر اونچے نقوش ابھارنے پر زیادہ کام کیا۔ نیز انہوں نے اپنی توجہ زیادہ تر بت تراشی پر مرکوز کی جس نے "نائینا روں" اور "آلواروں" کی تصنیف کردہ مقدس ہستیوں کی سوانح عمریوں کی مقبولیت کے ساتھ ساتھ ترقی پائی، کیوں کہ ان مذہبی قائدوں کے مقبول عام بھجنوں کی وجہ سے پرانوں کی کہانیاں پورے تامل ملک میں رائج اور ہر دلعزیز ہو گئی تھیں جب انہوں نے پران کی کتھاؤں کو پتھر پر تصویریں نقش کر کے بیان کرنا چاہا تو اس مقصد کے لئے چھوٹے چھوٹے چوکھٹوں کو استعمال کیا۔ یہ چوکھٹے بعض مرتبہ چھ انچ × چار انچ کے ہوتے تھے جن کے نمونے کمبا کونم کے ناگیشور مندر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی یہ چوکھٹے ۲ فٹ × ۱ فٹ سے بڑے ہوتے تھے جو اندازاً رامائن کے مناظر کے ان

چوکھٹوں کا رقبہ ہے جو تر بھو ونم میں کمپہر کیشورا کے مندر میں ہیں۔ شخصی تصاویر بنانے میں وہ پلو سنگتراشوں پر بھی سبقت لے گئے۔ جب انہوں نے سری نو اسنلورا اور کمب اکونم (ناگیشور مندر) میں اس کام کو ہاتھوں میں لیا۔ لیکن کچھ اسباب کے پیشِ نظر جن کا واضح طور پر پتہ لگانا ممکن نہیں ہے، انہوں نے اس میدان میں کام سے ہاتھ روک لیا۔ البتہ انھوں نے کافی بڑے قد و قامت کی دھات کی مورتیاں بنانے میں بے مثال مہارت حاصل کر لی۔

سنگتراشی کے اقسام

سنگتراشی سوائے ان حالتوں کے جہاں وہ بات استعمال میں لائی جاتی تھی۔ عموماً فنِ تعمیر کے تابع تھی لیکن اس وجہ سے اس کو ٹکنیکی طور پر کندہ کاری اور مورتیوں کے ڈھالنے کے فنون سے باہر نہیں کہا جا سکتا۔ اس فن کا استعمال مندروں کی دیواروں، ستونوں، بنیادی کرسیوں، چھتوں اور دوسری خالی جگہوں کی زیبائش کے لئے کیا جاتا تھا۔ لیکن چولا سنگتراش کو دیواروں پر خالی جگہوں کی اہمیت کا احساس تھا۔ اس لئے وہ ان جگہوں کو تصویروں سے بھر نہیں دیتا تھا۔ نہ ہی وہ ہاتھی دانت پر نقاشی کرنے والے کاری گر یا زرگر کی طرح اپنے زیبائشی کام میں باریکی اور نفاست کو راہ دیتا تھا۔ وہ عموماً سنگلاخ چٹان پر کام کرتا تھا اور اپنے ہاتھ کی بے باکانہ جنبش اور کھلتے ہوئے خطوط پر نتائج کے لئے انحصار کرتا تھا۔ اس عہد کے دھات کی مورتیاں بھی انہیں خصوصیات کی حامل ہیں۔ البتہ دھات کی مورتیاں بنانے میں تفصیلات و جزئیات پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ چولا سنگتراشی کی تین خاص اقسام ہیں، صورت گری۔ بت تراشی اور سنگتراشی سے زیبائشی نقش و نگار ابھارنا۔ تصاویر یا شبیہیں بہت کم ملتی ہیں اور وہ بھی ابتدائی زمانوں کی ہیں۔ لوگ ان سے جلد ہی واسطہ ختم کر دیتے ہیں۔ اکثر ان تصاویر اور مورتیوں میں کوئی حدِ فاصل نہیں ملتی، خصوصاً درویشوں اور دیگر مذہبی شخصیات کے معاملے میں۔ بہت سے سنگتراشی کے نمونے جو غالباً شخصی شبیہات ہیں اب ناقابلِ شناخت ہیں کیوں کہ ہم کو ان کا کوئی حال معلوم نہیں ہے۔ مورتیوں میں جو چولا آرٹ کا سب سے اہم سرمایہ ہیں شیو دھرم سے متعلق مورتیاں کثیر تعداد میں ملتی ہیں کیونکہ چولا راجگان کٹر قسم کے شیو تھے۔

اگرچہ وشنوا ور جین مورتیوں کے بہت اعلیٰ نمونے بھی ناپید نہیں ہیں۔ اقسام سازی کے فن کے کوئی خاص قواعد وضوابط نہیں ہیں[96] اور یہ فن ابھی تک کتابی قواعد کے اثر سے آزاد ہے۔ چولا بت گری میں مکانکیت اور تعصب کا عنصر آخر تک بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ زیبائشی نقاشی کی متعدد شکلیں ہیں۔ تعمیر کے بنیادی تصورات، پھول پتیوں اور بیل بوٹوں کے نمونے، جانوروں، پرندوں اور رقص کرتے ہوئے لوگوں اور ان کے سازندوں کی پٹیاں اور پرانوں کے نیز دیگر قدیم قصے کہانیوں کے مناظر کے مرقعے۔ یہاں لاتعداد مندروں سے جو کثیر مقدار میں مواد دستیاب ہوا ہے اس پر تبصرہ کرنا غیر ممکن ہوگا۔ اس لئے ہم ہر ایک قسم میں سے نمائندہ مثالیں ہی پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔ یہ بات بھی مستحق توجہ ہے کہ تنجور مندر کی کانسے کی بیشتر اعلیٰ مورتیاں جن کا ذکر اس مندر کے راج راجا اوّل کے عہد کے کندہ شدہ کثیر التعداد کتبوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ آیا ہے اب دستیاب نہیں ہیں۔

شخصی تصاویر

چولا فن سنگتراشی کی مصدقہ اور مستند شخصی تصاویر کی خاص طور سے کمی ہے جسطرح کہ کسی حد تک تمام ہندوستانی فنِ سنگتراشی میں ہے۔ اس کی وجہ شکر نیتی سار کے ایک بیان سے معلوم ہوگی[97]۔ گو یہ ایک بعد کے زمانے کی تصنیف ہے لیکن اس میں ایک معتبر پرانی روایت درج ہے۔ "ایک دیوتا کی تصویر خواہ بدصورت ہو پھر بھی وہ انسان کا بھلا کرتی ہے۔ لیکن ایک انسان کی تصویر خواہ کتنی ہی بہتر ہو، ان کا قطعاً کچھ بھلا نہیں کرتی"۔ پھر یہ بھی ہے کہ کسی زندہ مثال کی ہوبہو نقل کرنے کی فطری خواہش میں فرد کو ایک مخصوص زمرے میں مدغم کرنے کا رجحان اپنے قابو میں کیے رہتا تھا۔ ابتدائی چولا آرٹ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جو اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ تصاویر جو ہوبہو صحیح ہیں کن کی ہیں۔ تین ایسی تصاویر شہری نوا سنلور میں کورنگ ناتھ کے مندر کی دیواروں پر ملتی ہیں۔ دو عورتوں کی اور ایک مرد کی۔ لیکن بدقسمتی سے یہ بری طرح مسخ ہو چکی ہیں (ملاحظہ ہو تختی 12، اشکال 21-23)۔ ان کے علاوہ کمبا کونم کے ناگیشورا مندر میں کئی اور مردوں اور خواتین کی تقریباً قدِ آدم

تصویریں (اشکال 29-29) ملی ہیں جو بہت اچھی حالت میں ہیں۔ رکمبا کونم کی سنگتراشی کے متعلق
اجیت گھوش لکھتے ہیں:-[98] یہاں پہلی بار چولا سنگتراشی کا کام اپنے پلوّ پیش رووں اور ان
کے شدید طور پر تصوری اور مثالی نظریے کے خلاف ملتا ہے۔ ظاہری طور پر دیکھنے میں
ایک پلوّ راجہ اور کسی دیوتا کی شکل میں کوئی فرق نہیں نظر آتا۔ اور اسی طرح ایک پلوّ رانی
اور کسی دیوی میں بھی کوئی فرق نہیں نظر آتا لیکن اس چولا سنگتراش کو زندگی اور حسن کا
ایک نیا اور ایک دلکش تصور ملا تھا۔ تصاویر کی یہ چولا خواتین خوبصورت انسانی شبیہیں
ہیں جو نسوانی حسن اور زندگی کی شادمانی سے مالا مال ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مندر
کے طاقچوں میں رکھا ہوا ہر ایک مجسمہ ان اوصاف کا حامل ہے۔ یہ آرٹ جو اتنا غیر روایتی
ہے اس طرح اپنے تصور اور جذبے میں نیا ہے۔ یہ انسان دوستی جنوبی ہند کے فن کو
چولوں کی سب سے بڑی دین ہے۔" غیر رسمی وضع قطع میں اپنی شکل وصورت اور قد وقامت
کے اختلاف میں جو ہر شکل کو ایک واضح انفرادیت عطا کرتا ہے، اور اپنے چہروں خاص طور
سے آنکھوں اور منہ کے تاثرات کی حقیقت نگارانہ عکاسی ہیں، ان مورتیوں کا چولا آرٹ
کے کسی دور تو کیا، جنوبی ہند کے پورے آرٹ کے کسی بھی زمانے میں کوئی جواب نہیں
ہے۔ اگرچہ پتھر کے ان ٹکڑوں سے جن سے انہیں تراشا گیا ہے، الگ نہ ہونے کے باعث
ان مورتیوں کا پورا بدن نہیں بنایا گیا ہے۔ پھر بھی تکنیکی مہارت اور استعداد کے کمال
کی وجہ سے ان کی شکلیں بالکل واضح اور نمایاں ہیں۔ شکلیں عام طور پر ایک رخ سے بنائی
گئی ہیں اور یہاں جو استثنیٰ ہے (جیسا کہ شری نواسنلور میں بھی ہے) کہ سامنے کے رخ
کی تصویر بنانے کے روایتی طریقہ پر عمل کیا گیا ہے اس سے ایک رخ کی صورت گری کی
فوقیت ظاہر ہوتی ہے۔ عورتوں کے ملبوسات، ان کی کنگھی چوٹی، اور مردوں اور عورتوں
دونوں کے گہنوں کی تصاویر سے اعلیٰ سماجی طبقے کی زندگی کا کافی حد تک پتہ چلتا ہے،
ہمیں افسوس ہے کہ ہم صرف اندازہ ہی لگا سکتے ہیں کہ یہ تصاویر غالباً شاہی فیاض افراد
یا شاہی گھرانے کے افراد کی ہوں گی۔ زیادہ قریبی مشاہدے سے ایک زنانہ تصویر میں
عورت کی انگلیوں کی بناوٹ میں اور ایک اور مورتی کے اوپر کے دھڑ اور تمام مورتیوں
کے پاؤں کی بناوٹ میں کچھ کوتاہیاں بھی نظر آتی ہیں لیکن ان مجسموں کی عام برتری اتنی
واضح ہے کہ اس سے اس عام نظریے پر نظر ثانی کرنی پڑتی ہے کہ چولا سنگتراشی راج راجا اوّل

اور راجندر کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ شری نواسنلور اور رکمبا کونم کی یہ مورتیاں راج راجا کی تخت نشینی سے ایک صدی قبل کی ہیں لیکن ان کا ایسا کوئی اور شاہکار ہمارے پاس نہ ان سے پہلے کا ہے اور نہ بعد کا۔

چولا عہد کی قدیم ترین شخصی مورتی جس کی صحیح اور قطعی تاریخ تخلیق بھی معلوم ترو کرتی پچن (شکل ۳۰) کی ہے بتایا جاتا ہے کہ اس شخص نے ۹۳۲ء میں ترو واد توری کا پتھر کا مندر تعمیر کیا تھا۔[49] اس کی شکل پتھر کے اوپر تراش کر ابھاری گئی ہے۔ اس مورتی کا قد تقریباً ایک فٹ ہے اور یہ مندر کی مرکزی عبادت گاہ کی جنوبی دیوار پر بنائی گئی ہے۔ اس کے پہلو ہی میں ایک الگ چوکھٹے میں جو ایک تنگ سی عمودی پٹی کے ذریعے اس مورتی سے جدا کیا گیا ہے الیا ترو ناوکرائین کی شخصی تصویر ہے جو اس پتھر کے مندر[50] کے دیوتا کا بھگت تھا۔ اگرچہ امتدادِ زمانہ سے یہ تصویریں خستہ ہو چکی ہیں، پھر بھی ان دونوں افراد کے خدوخال اور وضع قطع اس امر کا ثبوت دیتے ہیں کہ دسویں صدی کے فنکار چہرے کے حقیقی نقوش کی نقل پتھر پر اتار سکتے تھے۔ پچن نے اپنے بائیں بازو پر مقدس راکھ (بھبھوتی) کا ایک تھیلا لٹکا رکھا ہے جب کہ دوسرے ارادت مند نے اسے نزدیک ایک اونچی جگہ پر رکھ دیا ہے۔[51]

ایک عورت کا "جس کا حسن بیتاب کن ہے" (دیکھئے تختی ۱۵ شکل ۳۱) کانسے کا خوبصورت مجسمہ واشنگٹن DC کی فریئر آرٹ گیلری میں محفوظ ہے۔ اس کی تصویر اے۔ کے۔ کمار سوامی نے شائع کی ہے جن کا خیال ہے کہ یہ لکشمی یا پاروتی کا مجسمہ ہو سکتا ہے یا شاید یہ کسی مہارانی مثلاً سیمبئن مہادیوی کی تصویر ہو۔[52] اس کے دل خوش کن متناسب اعضا اور فنکارانہ چابک دستی دیکھ کر اسے یقیناً ابتدائی چولا دور کا کانسے کا بت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہم کچھ اور ایسی مثالوں کا بھی جائزہ لیں گے جن کی حیثیت شخصی تصویر اور مورتی کے درمیان کی ہے۔

راجندر اوّل کے عہد کی صرف ایک شخصی تصویر ہمارے علم میں ہے۔ یہ کال ہستی کے مندر کی ایک شاندار کانسے کی مورتی ہے جو راج راجا اول کی ملکہ مہارانی چولا مہادیوی کی شبیہہ ہے (دیکھئے تختی ۱۵ شکل ۳۲) اس مورتی کے زمانۂ تخلیق اور [illegible] شناخت دونوں کی تسلی بخش تصدیق ہو چکی ہے۔ اس تصدیق کا اس مجسمے کے پا[illegible] شدہ

عبارت سے پتہ چلتا ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ مجسمہ راجندر چولا دیو کے حکم کی تعمیل میں نچیپا لگن نے ڈھالا۔[53] ظاہر ہے کہ موخر الذکر نام بت تراش کا ہوگا۔ جنوبی ہند کے آرٹ میں یہ دھات کی سب سے پہلی مورتی ہے جس کی تاریخ یقینی طور سے معلوم ہے۔ یہ ایک بہت اعلیٰ اور نفیس شخصی تصویر اور اس زمانے کے آرٹ کا ایک عمدہ شاہکار ہے۔

ایک لڑکے کا دھات کا مجسمہ جس پر کچھ عبارت کندہ ہے جس کے دائیں ہاتھ میں خنجر ہے اور دوسرا ہاتھ کتھک ناچ کی وضع میں سینے تک اٹھا ہوا ہے، دراصل راجہ کلوتنگا سوم کی مورتی ہے۔ (ملاحظہ ہو شکل 33) اس کو اڈیّا نمبی نے کال ہستی میں کالتی اڈیار" کے مندر کو تحفے کے طور پر دیا تھا۔[59] یہ مجسمہ تقریباً کلوتنگا سوم کی تخت نشینی کے وقت بنایا گیا ہوگا۔ مجسمہ بہت سے زیورات پہنے ہوئے ہے اور اس کے چہرے سے جوانی کی طاقت اور ولولے کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ مجسمہ اس لئے بھی بہت اہم ہے کہ یہ غالباً کسی چولا شہنشاہ کی پہلی ہم عصر مستند شبیہہ ہے جو اب تک ہمارے علم میں آئی ہے۔ یہ سنہ 1180ء کے قریب بنایا گیا ہے۔

تین اور مورتیاں، ایک پتھر کی جو شری نواسنلور میں ملی ہے اور دو دھات کی جو جنوبی ارکاٹ اور تنجور کے اضلاع سے ملی ہیں، اس نسوانی تصویر کی طرح جس کا جائزہ ہم اوپر لے چکے ہیں شخصی تصاویر اور بت تراشی کے درمیان کی چیزیں ہیں۔ شری نواسنلور والا مجسمہ (شکل 35) کورنگ ناتھ مندر کی شمالی دیوار کے ایک طاقچے میں رکھا ہوا ہے۔ یہاں کے دوسرے طاقچوں میں اور مورتیوں کی موجودگی سے ایسا لگتا ہے کہ یہ مجسمہ بھی دوسروں کے مقابلے میں زیادہ صحیح حالت میں برقرار ہے۔ لیکن اس کی نشست اور اس بات سے کہ مجسمہ "انجلی" میں گجرا تھامے ہوئے ہے۔ ہمیں آدی چنڈیشا کا خیال آجاتا ہے۔ ترونام نلور ضلع جنوبی ارکاٹ سے دستیاب شدہ ایک دھات کا مجسمہ جو ملاڈ سردار نرسنگھ منیادرایار کا مجسمہ (شکل 36) سمجھا جاتا ہے جو سندر مورتی کا سرپرست مشہور نغما نیز کوڈکری ضلع تنجور سے ملا ہوا ایک اور مجسمہ جو شیو آچاریوں کے ایک مشہور بانی گولک مہرشی (شکل 39) کی شبیہہ مانا جاتا ہے، دونوں شاہی سرپرستی والے زمرے والی مورتیاں ہیں ذکہ شخصی تصویریں۔

اصنام

اب ہم پہلے پتھر کے اور پھر دھات کے مجسموں کا جائزہ لیں گے۔ یہاں ہم جن مثالوں

کو لیں گے ان میں شیو مورتیوں کی تعداد زیادہ ہے جیسا کہ چولا عہد کی مورتیوں میں عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ وشنو مورتیوں پر ہم علیحدہ بحث نہیں کریں گے بلکہ جہاں تک ممکن ہوگا ہم ان کا تاریخ وار ترتیب سے شیو مورتیوں کے ساتھ ہی جائزہ لیں گے۔ ان کی تفصیلات جاننے کے لیے ان کی نقلوں اور ان پر لکھے گئے خصوصی تحقیقی مقالوں کا مطالعہ کرنا ہوگا کیونکہ ایک عام تذکرے میں مکمل تفصیلات نہیں دی جاسکتیں۔ ان مورتیوں سے متعلق قصے بھی انہی مقالوں سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔

ہم پڈوکوٹہ کے تروکٹلائی (شکل ۳۷) اور کوڈمبالور (شکل ۳۷) مندروں کے طاقچوں میں رکھی ہوئی دو مورتیوں سے اپنا جائزہ شروع کریں گے۔ یہ دونوں مورتیاں ویناد ھرا دکشنا مورتی کی ہیں۔ ان دونوں مورتیوں کی "ویناؤں" میں جو فرق ہے اس کا خیال رکھنا ہوگا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ تروکٹلائی مندر والی مورتی ترپرانتکا کی ہو، جیسا کہ کوڈمبالور کے مندر سے ملی ہوئی ایک اور مورتی کے ساتھ مقابلہ سے پتہ چلتا ہے جو ترپرسندری کی مورتی کے ہمراہ کوڈمبالور مندر سے ملی ہے (ملاحظہ ہوں اشکال ۳۹، ۹۰) کوڈمبالور ہی سے ہمیں ایک اور مورتی اردھ ناریشورا کی ملی ہے (دیکھیے شکل ۹۱) اگرچہ یہ مورتی کسی قدر ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ تاہم اس میں بت تراشی کی نفاست اور دائیں طرف کے نصف مردانہ جسم اور بائیں طرف کے نصف زنانہ جسم کی چابکدستانہ تراش صاف ظاہر ہے مردانہ نصف جسم میں عموماً دو بازو دکھائے جاتے ہیں۔ ایک بازو بیل پر رکھا ہوا اور دوسرا کسی خاص نشان مثلاً ترشول کو تھامے ہوئے۔ اس طرح پوری مورتی کے تین بازو دکھائے دیتے ہیں لیکن یہاں ہم صرف دو بازو دیکھتے ہیں۔ کرشنا ساستری نے ترووید ی (ضلع تنجور) سے ملی ہوئی ایک غیر معمولی مورتی کا قلمی خاکہ نقل کیا ہے جس میں دائیں طرف کا نصف بدن زنانہ دکھایا گیا ہے اور بایاں نصف مردانہ، اس میں صرف ایک بازو ہے جو کولہے پر دھرا ہوا ہے اور کہنی بیل کے سر پر رکھی ہے۔[56] شری نواسنلور کے کورنگ ناتھ مندر سے ہمیں دو بری طرح سے مجروح لیکن نہایت نفیس مورتیاں ملی ہیں۔ ایک کھڑی ہوئی حالت میں شیو کی شبیہ ہے (شکل ۹۹) غالباً ان کا دایاں پاؤں ایک "گن" کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ دوسری مورتی بیٹھے ہوئے دکشنا مورتی کی ہے (شکل ۹۵) اس میں دکشنا مورتی ایک درخت کے نیچے ایک بڑے خوبصورت "تورن" کے ایوان میں براجمان ہیں اور انہیں

ان کے شاگردوں، ان کے خاص جانوروں اور نیم دیوتاؤں وغیرہ نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

ترووالیشورم کی مورتیاں

تروو الیشورم (ضلع تنّے ویلی) کا شیومندر راج راجا اول کے عہد سے قبل کی چولا بت گری کا ایک سچ مچ عجائب گھر سا ہے۔ اس کے "ومان" کے پنجروں کے طاقچوں اور انکے درمیان کی خالی جگہوں میں، شیو کے متعدد اوتاروں کی شاندار مورتیاں ہیں۔ مثال کے طور پر جنوب کی طرف وسط میں نٹ راج کی مورتی ہے (دیکھیے شکل ۹۸) اس کے ٹھیک بائیں جانب ورشبھاروڑھ اور گنگا دھر دکھائے گئے ہیں (ملاحظہ ہو شکل ۹۷) اور دائیں جانب ویر بھدرا اور دیوی ہیں۔ مغرب کی جانب لنگو دبھاو اور مرکز میں اس کے ایک طرف وشنو اور دوسری طرف برہما کی مورتی ہے۔ اس کے خاص بائیں جانب کال ہر مورتی اور کرات مورتی کے بت ہیں اور خاص دائیں طرف یوگ دکشنا مورتی اور اما سہنا کے بت دیکھیے شکل ۴۹)۔ شمال کی طرف وسط میں گجاری مورتی (شکل ۵۰) چنڈیشا لوگرہ اور سکھاسنا مورتی اس کے خاص دائیں جانب (شکل ۵۱) اور سوما سکند اور ایک گمنام مورتی اس کے ٹھیک بائیں جانب ہے۔ ایک اور مقام پر ہمیں ایک اردھ ناری کی مورتی ملی ہے جو معمول کے مطابق تین بازوؤں والی ہے۔ ساتھ ہی اس میں "سوماسکندوں" کا ایک گروہ (؟) نندی بیل کے ہمراہ کھڑا دکھایا گیا ہے اور پاس ہی ایک "گن" بیٹھا ہوا ہے۔ کاوبری پاکم سے دکشنا مورتی کا ایک اور مجسمہ (دیکھیے شکل ۵۲) ملا ہے جو بیٹھی ہوئی حالت میں ہے۔ بائیں بازو کے اگلے حصے میں ایک کتاب دکھائی گئی ہے اور دائیں بازو کا اگلا حصہ (جو غالباً جنان مدرا میں تھا) ٹوٹا ہوا ہے۔ اس مجسمے کا تروو الیشورم کے یوگ دکشنا مورتی سے اور پڈو کوٹہ سے ملے ہوئے ویناادھرا سے موازنہ بہت سبق آموز ہے۔

پتھر کے دیگر مجسمے

ابتدائی چولا عہد کے دیگر دلچسپ سنگتراشی کے نمونوں میں آٹھ بازوؤں والی درگا کی ایک مورتی ہے جو پتھر کے اوپر نقوش ابھار کر بنائی گئی ہے۔ یہ ویرٹانیشور سے ملی ہے اور پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے پر مبنی ہے۔ اس میں دو بھگتوں کو دونوں جانب گھٹنے

ٹیک کر جھکے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بائیں طرف والا بھگت تو اس انداز سے جھکا ہوا ہے جیسے اپنا سر دیوی کو نذر کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح اولگا پورم ضلع جنوبی ارکاٹ کے وشنو کے مندر کے کھنڈرات سے وشنو اور ان کی دو دھرم پتنیوں کی یکجا ایک مورتی دستیاب ہوئی ہے تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے دونوں برہدیشورا مندروں کی دیواروں پر بہت سی مورتیاں ہیں۔ جن کی جسامت بہت بڑی اور تراش خراش غضب کی ہے۔ ان میں سے صرف چند کا حال یہاں بیان کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے ہم سرسوتی (للتا) کی مورتی کو لیتے ہیں جو تنجور مندر میں ملی ہے (تختی 23، شکل 54) پھر گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندر کے گربھ گرہ کے جنوب میں ایک پُرشوکت نٹ راج کا مجسمہ ہے (تختی 22، شکل 55) یہ شیو کا آفاقی رقص کی حالت میں ایک تصور ہے۔ اس رقص کے متعلق مزید تفصیل آگے چلکر بیان کی جائے گی جب ہم نٹ راج کے دھات کے مجسموں پر بحث کریں گے۔ اسی جانب پہلے ہری ہر کی نفیس مورتی ہے (شکل 56) شمال کی جانب چنڈیشا نوگرہ مورتی کا مجسمہ ہے (شکل 57) یہ کافی مشہور ہے کیوں کہ اس کی نقلیں بھی شائع ہو چکی ہیں اور متعدد مصنفین نے اس کی تعریف کی ہے لیکن اس وجہ سے ہم اسے یہاں نظر انداز نہیں کریں گے۔ اس کا مقابلہ ہم اسی موضوع کے ایک چھوٹے چوکھٹے سے کر سکتے ہیں جو نرو والیشورم میں موجود ہے (شکل 51) جہاں بیل پاروتی کے پاؤں رکھنے کے لیے تپائی کا کام دیتا ہے۔ بعد کی مورتیاں زیادہ شاندار اور اپنی تکنیک کے اعتبار سے زیادہ مکمل ہیں۔ شمالی دیوار پر کاماننتکا کا چوکھٹا (تصویر 58) ایک بہت عمدہ شاہکار ہے جس کی صحیح شناخت کیطرف اشارہ پاروتی کی تپسیا کے منظر سے ہوتا ہے۔ اس میں دائیں طرف کے بالائی کونے میں پاروتی کو ایک پیر پر کھڑے ہو کر تپسیا کرتے دکھلایا گیا ہے منمتھا اور رتی شیو کی مرکزی مورتی کے، جو بیٹھی ہوئی حالت میں ہے، ٹھیک دائیں جانب بھاگتے ہوئے دکھائے گئے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اندر کے اس حکم کی تعمیل میں بھاگ رہے ہیں کہ جاکر شیو کے مراقبہ میں خلل ڈالیں اس طرح یہ مورتی جزوی طور پر مجسمہ ہے اور جزوی طور پر بیانیہ۔ یہاں ہماری توجہ کا مستحق وشنو کا ایک مجسمہ بھی ہے جس میں ان کی دو بیویاں دونوں پہلوؤں میں ان کی طرف رخ کیے دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ایک روایتی قسم کے طاقچے میں چوکھٹے کے اندر محفوظ ہے۔ (شکل 59) سوریہ کا ایک عجیب و غریب پتھر کا مجسمہ بھی مکمل ینتر کی شکل میں ملتا ہے

جیسے سات گھوڑے کھینچ رہے ہیں۔ یہ گنگائی کونڈا چولا پورم کے مندر کے مہامنڈپ کے مغربی رخ پر بنی ہوئی مورتی ہے (تصویر ۵۹) اس میں سوریہ کا سب ساز و سامان موجود ہے لیکن خود اس کی شکل کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی چوٹی جو کنول پھول کی شکل کی ہے وہی سوریہ کے روپ کی نمائندگی کر رہی ہے۔ ہم چولا عہد کی پتھر کی بت تراشی کا عجلت سے لیا ہوا یہ جائزہ کنکال مورتی (شکل ۶۱) کے ایک مجسمے اور گجاہا مورتی کے ایک شوخ نقش (شکل ۶۲) پر ختم کریں گے۔ موخر الذکر مجسمے میں گجاہا مورتی کے پہلو میں اُما ایک سکند سراسیمہ حالت میں دکھائے گئے ہیں۔ یہ دونوں مورتیاں داراشرم کے مندر کی ہیں۔

دھات کے مجسمے

جس مرکب سے دھات کی مورتیاں ڈھالی جاتی تھیں اس میں خواہ کتنی ہی دھاتیں ملائی گئی ہوں اور کسی بھی تناسب سے، لیکن دھات کے مجسموں کے لیے عام مستعمل آسان اور روایتی اصطلاح "برونزز" ہی ہے۔ بیش تر چولا مورتیاں "چیرے پیردو" عمل سے بنائی جاتی تھیں اور اس کی کچھ تکنیکی تفصیلات کی طرف اشارے تنجور کے کتبات میں ملتے ہیں ان کتبوں میں ایسے بتوں کا ذکر ملتا ہے جو ٹھوس، کھوکھلے یا آدھے کھوکھلے بنائے جاتے تھے۔ موخر الذکر کی باہر کی سطح دبیز ہوتی تھی۔ ان کتبوں میں بہت سی ایسی مورتیوں کا ذکر ہے جن سے شیو سنتوں کی زندگیوں کا حال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی مورتی باقی نہیں بچی ہے۔ البتہ اس وقت بھی جنوبی ہند کے مختلف حصوں سے دستیاب شدہ جتنے بھی چولا برانزز (کانسے کے مجسمے) ہمارے پاس ہیں وہ تعداد اور خوبی دونوں اعتبار سے اس عظیم کمال کی ناقابلِ تردید تصدیق کرنے کے لیے کافی ہیں جو اس زمانے میں دھاتوں کی ڈھلائی کے فن نے حاصل کر لی تھی۔ چولا کانسے کے مجسموں میں نٹ راج کے مجسمے اپنے مختلف روپوں میں قدرتی طور پر سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان روپوں کے پتھر کے کچھ عمدہ بتوں کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ نٹ راج کے کانسے کے بہترین مجسمے نہ صرف دنیا بھر کے عجائب گھروں میں پھیلے ہوئے ہیں، بلکہ اب تک جنوبی ہند کے آباد مندروں میں ان کی پرستش کی جا رہی ہے، مثال کے طور پر ناگیشورا کے مندر کی نٹ راج کی مورتی جس کا کبھی کوئی فوٹو تک نہیں لیا گیا ہے بڑی اور بہترین مورتیوں میں سے ایک ہے۔ ہم نے کلاسیکی قسم

کی ایک مورتی کی نقل یہاں چھاپی ہے (شکل ۔63م) اور اسی طرح آٹھ بازوؤں والی کالکا تانڈو (شکل ۔65م) کی جونلور کے مندر سے ملی ہے اور چیتر تانڈو کی جوپڈوکوٹہ میں ترو ورنگلم کے مندر میں موجود ہے تصویریں بھی شائع کی ہیں۔ اس کتاب میں ہم نے مدراس کے عجائب خانے کی دو مورتیوں کی تصویر بھی چھاپی ہیں۔ یہ مورتیاں ترو والنگاڈو (چتور تصویر ۔68م) سے اور ویلان گنی (ضلع تنجور۔ تصویر ۔69م) سے حاصل کی گئی تھیں۔ خدائی رقاص کا تصور اور اس کی آفاقی اہمیت اور اس کو مورتی کی شکل میں پیش کرنے میں چولا بت تراش کی فنکاری اکثر فن شناس نقادوں سے، جن میں روڈن جیسے سنگتراش بھی شامل ہیں زبردست خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے۔ گراؤسٹ اس کے متعلق یوں رقمطراز ہے۔

نٹ راج

"اس کے ارد گرد تروواچی کی آتشی ہالہ (پربھا منڈل) چاہے ہو یا نہ ہو ——— وہ ہالہ وہ دنیا کا چکر جسے وہ بھرتا ہے اور پھر تجاوز بھی کر جاتا ہے ——— رقص کا راجہ سراپا موزونیت اور غائب انبساط ہے۔ اپنے دائیں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ سے جو دف ("ڈمرو") وہ بجاتا ہے وہ تمام جانداروں کو ایک موزوں حرکت میں لاتا ہے اور وہ اس کی رفاقت میں ناچتے ہیں۔ اس کے لہراتے ہوئے بالوں کی لٹیں اور اڑتا ہوا ہوا شانہ پوش اس آفاقی حرکت کی رفتار کا پتہ دیتے ہیں جو مادے کو منجمد کر دیتی ہے اور پھر اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ اس کے بائیں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ میں وہ آگ ہے جو اس آفاقی گردش میں رواں دواں تمام جہانوں کو زندگی بخشتی ہے اور پھر ختم کر دیتی ہے۔ قادرِ مطلق کا ایک پاؤں ایک دیو پیکر فرد کو کچلتا ہوا دکھایا جاتا ہے، کیوں کہ "یہ رقص لاشوں پر ناچا جاتا ہے" تاہم دائیں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ نئی یقین دہانی کا اشارہ (ابھے مدرا) کرتا ہے۔ آفاقی نقطۂ نگاہ اور ابدیت کے نظریے سے دیکھا جائے تو اس عالمگیر جبر کی بے رحمی بھی دراصل ایک طرح کی عنایت ہے کیوں کہ اس سے مستقبل کی تخلیق کا سامان ہوتا ہے۔ اور اصل میں ہمارے کائنے کے ایک سے زیادہ مجسموں میں رقص کے راجہ (نٹ راج) کے چہرے پر ایک وسیع تبسم نظر آتا ہے، وہ موت اور زندگی، درد و کرب اور سرور و نشاط سب پر یکساں مسکراتا ہے اور اگر ہمیں ایسا کہنے کی اجازت دی جائے تو اس کا تبسم موت بھی ہے اور زندگی بھی۔ دکھ بھی ہے

اور سکھ بھی .... حقیقت یہ ہے کہ اس بلند نظریے سے تمام چیزیں اپنے صحیح مقام پر آجاتی ہیں اور اپنے وجود کے جواز کے منطقی جبر کو پالیتی ہیں۔ یہاں آرٹ فلسفیانہ تصور کا ایک سچا ترجمان ہے۔ شبیہوں کے ذریعہ سے موزونیت کی خوبصورتی جو پیش کی گئی ہے وہ حقیقت میں مثالی موزونیت کے اظہار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نٹ راج کے بازوؤں کی کثرت جو پہلی نظر میں حیران کن معلوم ہوتی ہے، اپنے مقام پر ایک داخلی قاعدے کی کی پابند ہے۔ بازوؤں کا ہر جوڑا بذاتِ خود حسن کا ایک نمونہ ہے۔ نٹ راج کا پورا وجود اپنی حد درجہ شادمانی میں ہم آہنگی سے بے تاب ہو جاتا ہے جیسے وہ اس بات پر زور دے رہا ہو کہ اس کا رقص سچ مچ ایک کھیل (لیلا) ہے زندگی اور موت کا کھیل ــــ تخلیق اور تخریب کا کھیل ــــ جو ایک ہی وقت میں لامتناہی بھی ہے اور بے مقصد بھی ــــ نٹ راج کے بائیں ہاتھوں میں سے سب سے پہلا ہاتھ ڈھیلے ڈھالے انداز سے بازو کے ساتھ گج ہستا (ہاتھی کی سونڈ) کی وضع میں لٹکتا ہے ــــ اور آخر میں جب ہم مجسمے کی پشت کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو قدرتاً یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس کے کندھوں کی مضبوطی جو پوری کائنات کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، اس کے برعکس جیسے دھڑ کی شان، مادّے کے استحکام اور عدمِ تغیّر کی علامت نہیں ہے جب کہ اس کی ٹانگوں کی حیران کن تیز گردش میں مظاہر قدرت کے گرداب کی علامت نظر آتی ہے۔

شیو کے دوسرے پیکر

حال ہی میں تروینکاڈو سے ہمیں ابتدائی چولا دور کی شیو کی ایک دو بازوؤں والی مورتی ملی ہے جس میں ان کی رفیقۂ حیات بھی ہمراہ ہے (تصویر 68) گنگائی کونڈ چولاپورم سے کھڑی ہوئی حالت میں چار بازوؤں والے شیو کی ایک مورتی جو اغلباً ورشبھاروڑھ ہے۔ ہر چند کہ اس میں سے بیل غائب ہے (ملاحظہ ہو تصویر 69) اور پڈکوٹہ کے عجائب گھر میں بیٹھے ہوئے (سکھ آسن) شیو کی ایک مورتی (شکل 70) دونوں قابل توجہ ہیں۔ پہلی اس عظیم دیوتا کی ابتدائی چولا عہد کی مورتی ہے جس کے دھرم کو چولا راجاؤں نے حد درجہ فروغ دیا۔ دوسری شاید آخری چولا زمانے کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہابھارت کی وہ کتھا جو بھاروی کی عظیم نظم "کرات ارجنیہ" کے ذریعے بہت مشہور ہوئی ان دنوں میں

مقبولِ عام تھی۔ اس کتھا کے واقعات متعدد مقامات پر پتھر پر منقوش ملتے ہیں اور ان مقامات
میں شاید باسلا پورم بھی شامل ہے اور شیو کے کرات موری "اوتار کی دھات کی مورتیاں
جنوبی ہند کی کانسے کی مورتیوں میں بہترین مورتیاں ہیں۔ یہاں شیو کو کھڑے ہوئے دکھایا
گیا ہے۔ ان کے دو بازو ہیں۔ ایک ہاتھ میں کمان ہے اور دوسرے میں تیر۔ یہ ایک فی الواقعی
قدیم مورتی ہے، جس کے گرد بیضوی نورانی ہالہ (بربھامنڈل) ہے اور بایاں ہاتھ اس ہالے
تک اس وضع میں اٹھا ہوا ہے کہ کمان کو پکڑ سکے۔ یہ مورتی چدمبرم کے قریب تروویٹکلم سے
ملی ہے (شکل نمبر 71) جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ جگہ ان مقامات میں سے ایک ہے۔
جہاں "کرات کتھا" کے واقعات پیش آئے تھے۔

اگرچہ اس کانسے کی مورتی کو پلّو عہد کی مورتی سمجھا جاتا ہے لیکن ایسا کوئی فیصلہ کن سبب
نہیں ہے جس کے پیش نظر اسے ابتدائی چولا عہد سے پہلے کی تخلیق قرار دیا جائے، یعنی اس
زمانے کی جسے ہم نے تغیر کے عبوری دور کا نام دیا ہے ایک اور مجسمہ جو قدرے بعد کے زمانے
کا ہے اور کانسے کی صناعی کا ایک بہترین نمونہ ہے رادھا نرسمہا پورم (ضلع تنجور) سے ملا ہے۔
(تصویر نمبر 72) کانسے کے اس عمدہ مجسمے کے ہم نے یہاں دو رخ پیش کئے ہیں جس میں جٹامکٹ"
اور گردن کے زیورات کی تفصیلات اور چہرے کے پرمعنیٰ خدوخال نظر آتے ہیں۔ تروواد
تورائی (ضلع تنجور) سے "النگن" مورتی" کا ایک مجسمہ ملا ہے جس کے ارد گرد "پربھامنڈل" (نور کا
ہالہ) ہے۔ یہ قدیم چولا آرٹ کا ایک اعلیٰ شاہکار ہے (تصویر نمبر 73) اس میں شیو اور پاروتی
کی مورتیوں کا تناسب اور وضع بہت دلکش ہے اور ان کے سر کے بال کے سنوارنے کا
انداز، زیورات اور ملبوسات مطالعے کے مستحق ہیں۔ شیو کے متعلق ایک اور روایت یہ ہے
کہ یہ دیوتا ایک برہنہ فقیر (بھکشاٹن) کے روپ میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے
یہ روپ انہوں نے "برہم ہتیا" کے پاپ کا پرائسچت کرنے کے لیے اختیار کیا تھا کیونکہ انہوں
نے برہما کے سروں میں سے ایک سر کاٹ کر برہم ہتیا کا گناہ کیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ دارو کون
کے سبھی رشیوں منیوں کی بیویاں سوائے مہرشی وششٹ کی بیوی ارندھتی کے اس برہنہ دیوتا
کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئیں۔ اس قصے نے "بھکشاٹن مورتی" کے پتھر اور دھات کے
بہت سے مجسموں کو جنم دیا ہے اور اس سے بہت زیادہ مشابہت رکھنے والی کنکال مورتی"
کے مجسمے کو بھی جو دار اشرم میں بھی ملی ہے اور جس کی تصویر ہم نے اس کتاب میں شامل کی ہے۔

ترونامنلور کے شیو مندر میں "بھکشاٹن مورتی" کا دھات کا ایک بہت خوبصورت مجسمہ ملا ہے جو واقعی بہت قدیم ہے (شکل ۷۹) اور جو اپنی بے باکی اور سادگی کی وجہ سے بعد کے ایک مجسمے سے مختلف جو تروچنگوڈو (ضلع سیلم) سے ملا ہے (شکل ۷۵) اور جس میں دیوتا کے دائیں طرف ایک ہرن ہے اور بائیں جانب ایک "گن" جس کے سر پر خیرات لینے کے لیے پیالہ رکھا ہوا ہے۔ اس طرح یہ مورتی زیادہ مکمل اور پہلی مورتی کی طرح دل کش ہے۔ تروچنگوڈو کی مورتی بھکشاٹن مورتی ہے۔ پہلے والی مورتی کے بازوؤں میں وہ امتیازی نشان نہیں ہیں جو کہ دوسرے بعد کے مجسمے میں پائے جاتے ہیں سوائے برہما کی کھوپڑی کے جو اس کے بالائی بائیں ہاتھ سے چپکی ہوئی ہے۔ سکند یا سبرہمنیا جو شیو اور پاروتی کا چھوٹا بیٹا ہے، بہت ہر دلعزیز دیوتا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے میں وہ اصلی تامل دیوتا ہے جس کا تامل نام "مروگا" تھا اگرچہ دیومالا کے اور بہت سے دیوتاؤں کی طرح جدید تنقید نے یہاں بھی اس دیوتا کی صفات اور کارناموں میں آرین اور قبل از آرین عناصر کے باہمی اختلاط کا عمل تسلیم کیا ہے۔ اس دیوتا کا ابتدائی چولا عہد کا بنا ہوا کانسے کا ایک مجسمہ جس کے گرد بیضوی ہالہ ہے، ترووڈانکلی (ضلع تنجور) میں ملا ہے (شکل ۷۶) اس کے بہت مدت بعد کا ایک اور مجسمہ جس کی تصویر یہاں شامل نہیں کی گئی ہے۔ تروورنگلم (پڈوکوٹہ) سے ملا ہے۔ اس میں گول نورانی ہالہ ہے، مور کی سواری ہے، اور دیوتا کے دونوں پہلوؤں میں اس کی دو بیویاں کھڑی ہوئی ہیں جن کو ایک ہی تصور کے دو مختلف روپ کہا جاسکتا ہے۔ پہلے والی مورتی جس میں دیوتا کا صرف ایک سر اور چار بازو دکھائے گئے ہیں، جن میں سے دو میں دیوتا کے امتیازی نشان ہیں، آرٹ کے ایک شاہکار کی حیثیت سے کہیں زیادہ دلکش اور دل خوش کن ہے۔ گو شیو دھرم کے عقیدت مند اکثر وجوہ سے بعد کی بنی ہوئی مورتی اور اسی طرح کی اور مورتیوں کو ترجیح دیں گے۔

مذکورہ بالا مجسموں کے بعد جو مجسمے ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کرتے ہیں وہ چار وشنو مورتیاں ہیں جو شیر مادیوی (ضلع تنے ویلی) کے ایک مسمار شدہ مندر سے ملی ہیں۔ یہ چاروں چولوں کے ابتدائی دور کی ہیں۔ ان میں سے دو مورتیاں وشنو کی ہیں (تصویر ۷۷ و ۷۸ اجیت گھوش کی رائے کے مطابق ان میں ایک رکمنی کی ہے (شکل ۷۹) اور آخری لکشمی کی (شکل ۸۰) وشنو کے دونوں مجسمے سمبھنگ وضع میں ہیں۔ ان میں دیوتا کا جسم بالکل سیدھا اور متوازن ہے اور دونوں میں وشنو پدم آسن پر کھڑے ہیں۔

جس کو نیچے بھدر آسن کا سہارا ملا ہوا ہے۔ دونوں مورتیوں میں ہاتھیوں میں تھامے ہوئے نشان اور ہاتھوں کے اشارے ایک جیسے ہیں۔ ان میں سے بڑی جسامت والی مورتی زیادہ سادہ اور صاف ہے اور وہ راجندر اوّل کے زمانے کی ہوگی۔ یہ مورتی تین فٹ دو انچ اونچی ہے اور جنوبی ہند میں وشنو کی کانسے کی مورتیوں میں سب سے بڑی مورتی ہے۔ رُکمنی کی مورتی (شاید یہ بھی لکشمی ہے ؟) اپنی حد درجہ سادگی کے لیے بہت نمایاں ہے اور تنجور مندر کی سرسوتی سے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے" یا لکشمی کے اس کانسے کے مجسمے سے جواب ہمارے علم میں آیا ہے" پہلے کی ہوگی۔ رکمنی اور لکشمی دونوں ان مورتیوں میں" تربھنگ" وضع میں کھڑی ہیں اور ان مورتیوں کے بہت پہلے ہونے کی وجہ سے ان میں سینہ بند (کچا بندھ) نہیں ہے۔ پہلی مورتی کی بائیں ٹانگ قدرے جھکی ہوئی ہے اور دوسری مورتی کی دائیں ٹانگ میں خم ہے۔ اور ان کے کھڑے ہونے کی وضع میں اس فرق کے باعث باقی جسم میں بھی ضروری فرق ہے۔ ان مورتیوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ "لکشمی ایک چھریرے بدن والی جوان دیوی ہے۔ رکمنی پختہ سن کی عورت ہے۔ دونوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے لیکن مبالغے کی حد تک نہیں"۔ جہاں تک ان چاروں کانسے کے مجسموں کی تاریخ کا تعلق ہے یہی مصنف کہتا ہے" رکمنی کی مورتی سب سے پرانی ہے۔ اس کے بعد کی مورتی مسکراتے ہوئے وشنو کی ہے۔ اور اس کے بعد لکشمی کا نمبر آتا ہے۔ جب کہ بڑی جسامت والی وشنو کی مورتی ان سب کے بعد کی بنی ہوئی ہے۔ یہ سب مجسمے سنہ 875ء اور سنہ 1032ء کے درمیان کے ہیں"۔ لیکن ان کی تاریخوں کی تقدیم و تاخیر کا صحیح ہونا کچھ اتنا یقینی نہیں ہے۔ تین کانسے کی مورتیاں ترو کڈایور (ضلع تنجور) سے ملی ہیں جو رام لکشمن اور سیتا کی ہیں۔ ہنومان اس میں ان کی پوجا کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ (تصویر 81) یہ مورتی چولا عہد کے کانسے کی ڈھلائی کے بہترین دور کی عمدہ ترین تخلیقات میں سے ایک ہے یعنی راج راجا اوّل اور راجندر کے عہد کی۔ اور اسی طرح کی دوسری کثیر التعداد مورتیوں کے گروہ کی نمائندہ ہے جن میں سے خوش قسمتی سے بہت سی ابھی تک مندروں اور عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ ترووینکاڈو سے ایک بے مثال مورتی حال ہی میں ایک گروہ کی ملی ہے جس میں شیوجی اور پاروتی کی شادی کا منظر دکھایا گیا ہے (شکل 82)۔

چولوں کے دھات کی ڈھلائی کے فن کا ہمارا مختصر مطالعہ نفاست سے بنائی گئی مہروں کا جائزہ لے کر مکمل ہوگا جو ان تانبے کے بڑے چھلوں پر ہیں جن سے چولوں کی تانبے کی تختیاں

جن پر فرامینِ عطیہ درج ہیں باندھی گئی ہیں۔ ان میں سے جو مہر بہت اچھی حالت میں ہے اس کا علم ہم کو ابھی حال میں ہوا ہے۔ یہ مہر (شکل 83) کرن دئی کی تختیوں پر ثبت ہوئی دو مہروں میں سے ایک 59 ہے۔ کرن دئی ضلع تنجور میں ہے (شکل 83)

سنگتراشی کی آخری قسم جس پر ابھی غور کرنا باقی ہے وہ امتیازی نشان کی ساخت ہے جو زیبائشی مقاصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک طرف شخصی تصویروں اور مورتیوں اور دوسری جانب خالص زیبائشی نمونوں کے درمیان کی تخلیق "دوار پالکوں" کی وہ مورتیاں ہیں جو مندروں کے صدر دروازوں کے دونوں طرف پائی جاتی ہیں۔ شاید یہ پرانے زمانے کا دستور تھا کہ مفتوحہ راجاؤں کے پتلے راج محلوں اور مندروں کے صدر دروازوں پر دوار پالکوں کی حیثیت سے لگائے جاتے تھے۔ اس طرح کے کئی حوالے پرانے کتبوں میں ملتے ہیں۔ لیکن جلد ہی اس کے بجائے کچھ روایتی نیم خدائی پیکروں کو "دوار پالک" کے طور پر دکھایا جانے لگا۔ یہ پیکر پہلے دو بازوؤں کے ہوتے تھے۔ پھر ان کے چار بازو ہو گئے۔

دوار پالکوں کے ہاتھوں میں جو نشان ہوتے تھے وہ مندر یا عبادت گاہ کے دھرم کے مطابق مختلف ہوتے تھے۔ بعد میں دوار پالکاؤں (دربان عورتوں) کا رواج بھی چل پڑا بالخصوص دیویوں کے مندروں میں اور کبھی کبھی عام مندروں میں بھی۔ وجیالیہ چولیشورن سے دستیاب شدہ ایک دوار پال (شکل 84) اور تربھونم کے کمپہریشورا مندر کی ایک دربان عورت (دوار پالکا) تصویر 85) کے دیکھنے سے زیر مطالعہ دور کے آغاز اور اختتام کے وقت ایسے پیکروں کی خصوصیات ظاہر ہوں گی۔ دوار پالکوں اور مورتیوں کے علاوہ جو مندروں کی دیواروں کی بیرونی طرف کے طاقچوں کو مزین کیے ہوتی تھیں، عمارتوں کی زیبائش کے اسباب میں کچھ اور عوامل بھی تھے۔ بڑے بڑے مندروں میں بہت وزنی اور دلکش آرائشی حاشیئے تھے جن پر جانوروں اور پرندوں کے نقوش کی جھالریں بنی ہوئی تھیں۔

نارتاملئی کے مندر کے ایک ایسے ہی حاشیئے کی مثال ہم نے تصویر 86) میں دکھائی ہے جس پر ہاتھی، شیر اور یالی باری باری سے بنے ہوئے ہیں۔ کارنسوں کے اوپر اور نیچے یالیوں، گنوں اور پرندوں پر مشتمل دیگر بہت سے حاشیوں کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں جہاں ہم نے الگ الگ مندروں کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اکثر بنیادی کرسی میں بھی مختلف لمبائی چوڑائی کی جگہیں (دیوکوشٹھام) دی جاتی تھیں تاکہ ایک جیسے ڈھلے ہوئے پتھروں کی بڑی

لمبائی میں تنوع پیدا ہو سکے۔ ان کی تین مثالوں کی جو چولا عہد کے تربھوونم کے آخری عظیم مندر کی ہیں۔ تصاویر یہاں پیش کی جا رہی ہیں (تختی 35 اشکال 89-91) ان میں سے ایک تصویر میں شیر کے منہ والے ستون کی عدم موجودگی اور دوسری میں اس کی موجودگی اور تیسری میں شیر کے منہ والے ستون کے علاوہ طاقچے کے دونوں جانب پچھلے پیروں پر کھڑے ہوئے بڑے بڑے شیروں کی موجودگی قابل غور ہیں۔ تیسری تصویر وجیانگر کی سلطنت میں ہونے والی نئی ترقیوں کا پیش خیمہ تھی۔ دوسرے قابل توجہ آرائشی خدوخال زینے اور ان کے کناروں کے کٹہرے تھے۔ ان میں زینوں کے دو کٹہرے خاصے روایتی ہیں۔ ایک داراشرم کے مندر کے زینے کا (تصویر 87) جس میں کھلے میدان میں ایک ہاتھی پر شیر کے حملے کا منظر ابھارا گیا ہے۔ دوسرا تربھوونم مندر کا جس میں "یالی" کی سونڈ کا نمونہ بنایا گیا ہے جس کے خم سے محرابی کٹہرے کے اوپر کا آخری حصہ خود بخود بن جاتا ہے۔ نیچے سنگتراشی سے کچھ مناظر پیش کیے گئے ہیں جو خاصے رواجی ہیں (تصویر 88) تنجور کے مندر کے جنوبی دروازے کی طرف لے جانے والے زینے کے کٹہرے پر بدھ کے نروان کے منظر زیبائش کے لیے بنائے گئے ہیں جو کئی اعتبار سے بہت دلچسپ ہیں۔ آخر میں پرانوں کی کتھاؤں کے مناظر والے چوکھٹے ہیں جو زیبائش کے لیے عمارت کی کرسیوں پر مناسب مقامات پر تراشے گئے ہیں۔ بالخصوص اس کشادہ اور ہموار حصے پر جو بڑے مندروں میں فٹ بھر یا ڈیڑھ فٹ کے قریب اونچا ہوتا ہے۔ اس سے عقیدت مندوں کو مندر کی کھلی ہوئی "پرکرما" میں کتھاؤں کے مناظر اطمینان سے بغور دیکھنے اور ان سے سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ رامائن، مہابھارت، شیو کے کھیل، بزرگ شخصیتوں کی سوانح عمریاں اور ایسے ہی دوسرے سبق آموز مضامین اس سنگتراشی کے موضوعات ہیں۔ یہ بیانیہ چوکھٹے — جن کا مقام آرٹ کے شاہکاروں میں بہت بلند ہے، بذاتِ خود بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ تربھوونم کے مندر میں رامائن کے منظر کے ایک چوکھٹے میں (تصویر 97) کئی ہاتھوں اور سروں والے راون کو سیتا کو اغوا کر کے رتھ میں ڈال کر لے جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے، جٹایو نام کا پرندہ جو راون سے مقابلہ کرتا ہے لڑائی میں مہلک طور پر زخمی ہو جاتا ہے اور بعد میں اس کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے۔ بہت چھوٹے چھوٹے چوکھٹے جو مندروں میں ایسے مقامات پر بنائے گئے ہیں جہاں دیکھنے والے ارادت مند کی نظر کی ان تک رسائی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ

خاص طور پر انہیں تلاش نہ کرے اور جو 6 ۔ انچ × 9 ۔ انچ تک چھوٹے ہیں اکثر گربھ گرہ کے بیرونی پیل پایوں کے نچلے کناروں پر بنائے گئے ہیں۔ جیسے ناگیشورا۔ پلمنگائی اور پنجائی کے مندروں میں۔ ناگیشورا مندر کے رامائن کے چوکھٹوں میں سے ہم نے مندرجہ ذیل مناظر والی مورتیوں کی عکسی تصاویر اس کتاب کے آخر میں شامل کی ہیں:۔

1 ۔ اگنی راجہ دشرتھ کو "پائیسا" پیش کرر ہے ہیں (تصویر 92) 2 ۔ راجہ دشرتھ اپنی مہارانیوں کو "پائیسا" تقسیم کرر ہے ہیں (تصویر 93) 3 ۔ رام کی پیدائش (تصویر 94) 4 ۔ رام کی تاڑکا سے لڑائی (شکل 95) اور 5 ۔ ہنومان کی راون سے دربار میں ملاقات (تصویر 96) پنجائی کے مندر ہمیں ورآہ اوتار کی کہانی کا چوکھٹا ملا ہے تصویر 98 نیز ایک وہ چوکھٹا جس میں کرشن کو دائی پوتنا کی چھاتی سے دودھ پیتے اور اس کے ساتھ اس کی جان نکالتے ہوئے دکھایا گیا ہے (تصویر 99) "پیریاپرانم" کی کتھاؤں کے مناظر والی مورتیاں جو داراشرم کے مندر میں ملی ہیں بہت مشہور ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر بہت سے دلچسپ نمونے پھول پتیوں کے نقش ونگار کے اور بعض جگہ مسلم آرٹ کی طرح ہندسی خاکوں کے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں تفصیل سے ان کا جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ اصل میں چولا فنِ تعمیر اور فنِ بت تراشی ایسے میدان ہیں جو اب تک عدمِ توجہی کا شکار رہے اور موجودہ مندروں میں جو بہترین ہیں ان پر مقالے تیار کرنے پر فوراً توجہ دینی چاہیے۔

مصوّری

چولا آرٹ کی دوسری اصناف کی مانند چولا مصوری بھی اس میدان میں پلو پانڈیا کارکردگی کے تسلسل اور فروغ ہی کی شکل تھی۔ قدیم تامل دیواری تصاویر کی عمدگی اور ان کی وسعت کے دائرے کے متعلق ہم عصر تصانیف کی شہادتیں معتبر بھی ہیں اور کثیر بھی۔ لیکن یہ تصاویر اب باقی نہیں ہیں۔ اور ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم اس وقت کے آرٹ کی نوعیت کے متعلق کوئی صحیح اندازہ لگا سکیں۔ دراصل تصویر آرٹ کی ایک بہت نازک تخلیق ہے اور امتدادِ وقت اور موسم کے شدائد کے ہاتھوں سب سے پہلے اسی کو ضرر پہنچتا ہے۔ چٹانوں اور مصوری میں استعمال کیے

جانے والے رنگوں میں جو کیمیاوی تغیرات ہوتے ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔ بعض مرتبہ قدیم زمانے کی عمدہ تصاویر کے اوپر بعد میں گھٹیا معیار کی تصویریں بنا دی گئی ہیں، جیسے تنجور کے مندر میں۔ البتہ ان بہت سے شبہات کے باوجود بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ تامل دیش میں مصوری کی روایات کا سلسلہ برقرار رہا۔

کچھ پلو تصویروں کے ٹکڑے جو ابھی تک ترومائم اور رما مندر کے پہاڑی مندروں اور پنا ملائی، کانچی اور ماملا پورم کے چنائی سے تعمیر شدہ مندروں میں ملتے ہیں، نیز ماملا پورم کے رتھوں میں بھی ـــ وہ ساتویں اور آٹھویں صدی کی تخلیقات ہیں جب کہ شتن واشل کی تصویروں کی اوپر کی پرت، جسے اکثر غلطی سے پلو عہد کا سمجھا جاتا ہے، نیز ترو ملئی پورم (ضلع تنے ویلی) کے گپھا مندر کی تصاویر دونوں پانڈیوں کے عہد کی ہیں اور نویں صدی عیسوی کی تخلیق ہیں۔ چولا تصویروں میں سے اہم ترین تصویریں وہ ہیں جو تنجور کے مندر کی پردکشنا (یعنی غلام گردش) میں "گربھ گرہ" کے چاروں طرف بنی ہوئی ہیں اور غالباً مندر کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ہی بنائی گئی تھیں۔ یہ راج راجا اوّل اور راجندر اوّل کے عہد حکومت کی ہیں۔

جنوبی ہند کی تصاویر اجنتا، سگریا، باغ، بادامی اور ایلورا کی مقابلتاً زیادہ مشہور تصویروں سے بالکل جداگانہ طرز کی ہیں۔ ان کے نیچے کا پلستر گھٹیا چونے کا بنا ہوا ہے اور اس کے اوپر چونے کی ہلکی لپائی کی گئی ہے جس کے اوپر "چونے کی ترکیب" والی تکنیک کے مطابق رنگ کیا گیا ہے۔ رنگ لگانے میں کسی چپکنے والی چیز مثلاً گوند یا سریش کا استعمال نہیں کیا گیا ہے یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے جو ان تصاویر کو دکن اور لنکائی تصاویر سے ممتاز کرتی ہے جن میں نیچے کا پلستر چکنی یا دریائی مٹی اور ریت سے بنایا جاتا ہے جس میں تھوڑا سا چونا ملا ہوا ہوتا ہے اور مضبوطی عطا کرنے کے لیے کچھ دوسری چیزیں مثلاً گوبر، بھوسا یا سبزیوں کے ریشے ـــ اس پلستر پر چونا پھیرا جاتا ہے جس کی موٹائی محض انڈے کے اوپری چھلکے کے برابر ہوتی ہے۔ تب اس پر قدرتی رنگوں سے جن میں چپکنے کی غرض سے سریش یا گوند ملا ہوتا ہے، چونا خشک ہو جانے کے بعد تصویر کشی کی جاتی ہے۔ یہ تکنیک ٹمپرا کہلاتی ہے۔ دوسری طرف شتن واشل کی تصاویر میں نیچے کا پلستر چونے اور ریت کا ہوتا ہے جو کھردری زمین بناتا ہے اور جس کے اوپر چونے کا ہلکا پلستر کیا گیا ہے، پھر اس کے اوپر قدرتی رنگوں سے مصوری کی گئی ہے۔ لیکن ان میں چپکنے والی کوئی چیز نہیں ملائی گئی ہے۔ چونکہ تحقیق سے

یہ ثابت ہوا ہے کہ رنگوں میں چونے کا پانی ملایا گیا ہے اور ان کو خشک کی ہوئی زمین پر لگایا گیا ہے۔ اس لیے یہ خالص "فریسکو سیکو" تکنیک ہے جو اصل "فریسکو" تکنیک سے مختلف ہے جس میں رنگ چونے کی اس پرت پر لگایا جاتا ہے جو ابھی تک گیلی ہوتی ہے اور جس کی ایک بہت عمدہ مثال ہمیں تنجور کی چولا تصاویر میں ملتی ہے۔

کانچی

جنوبی ہند کی مصوری کے تمام دوسرے شاہکار جو ممندر، تنرومایم، کانچی، نارتاملئی، سوم پالائم، لیپاکشی، ترووگوکرنم، ملیاڈی پٹی، تراونکور، کوچین اور دوسرے مقامات کے مندروں سے ملے ہیں "فریسکو سیکو" تکنیک سے تعلق رکھتے ہیں[61]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنجور کی تصاویر میں دوسرے مقامات کی طرح ہلکے چونے کا پلستر اس وقت کیا جاتا تھا جب نیچے کی زمین کا کھردرا پلستر ابھی گیلا ہوتا تھا۔ اصل فریسکو تکنیک میں بھی رنگ اس وقت لگایا جاتا تھا جب سطح ابھی گیلی ہوتی تھی۔ اس ترکیب سے رنگ سطح کے اندر جذب ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جلد ہی جب پانی کا جز و بخارات بن کر اٹھتا ہے تو گیلے چونے میں جو کیلشیم آکسائڈ ہے اس کا ہوا میں موجود کاربن ڈائی آکسائڈ پر ردِ عمل ہوتا ہے اور سطح پر ایک پتلی حفاظتی شفاف جھلی سی بن جاتی ہے۔ اگر خشک چونے کی سطح پر رنگ لگایا جائے تو اس کا بھی یہی ردِ عمل ہوتا ہے اور رنگ اگرچہ اس میں جذب نہیں ہوتا لیکن شفاف حفاظتی جھلی اس پر ضرور نمودار ہو جاتی ہے۔ فریسکو تکنیک کا یہی فائدہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تنجور میں بہت اچھی طرح ٹھنڈا کیا ہوا چونا جو لکڑیوں کی آگ پر تیار کیا گیا ہوگا۔ اس چونے میں سنگِ مرمر کی خاک نہیں پائی گئی ہے۔ ان تصاویر کے رنگ صرف کالے رنگ کو چھوڑ کر باقی قدرتی دھاتوں سے حاصل کیے ہوئے رنگ ہوتے تھے خاص خاص رنگ جو استعمال ہوتے تھے وہ سیاہ، زرد، بادامی، سرخ، نیلا، سبز، زردی مائل سبز اور ہلکا نیلا تھے۔ ان رنگوں کے لیے جو چیزیں استعمال کی جاتی تھیں وہ تھیں، سفید رنگ کے لیے چونا، سیاہ رنگ کے لیے لکڑی کا کوئلہ یا چراغ کا کاجل۔ نیلے رنگ کے لیے لاجوردی، ہلکا نیلا بنانے کے لیے اس میں چونے یا باریک ریت کی آمیزش کی جاتی تھی۔ زرد، بادامی اور سرخ رنگ کے لیے "اوکر" (ایک قسم کی مٹی جس میں لوہا ملا ہوا ہوتا ہے) سبز رنگ کیلئے

ٹیری ورٹے زردی مائل سبز رنگ کے لیے لاجورد اور پیلا۔ اور لاجوردی سبز رنگ کے لئے لاجورد اور کا مرکب۔ رنگوں کے بنانے میں وہی چیزیں استعمال کی جاتی تھیں جن کا ردعمل چونے کے ساتھ آمیزش کیے جانے کے بعد ناگوار نہ ہو۔ یہ فریسکو تکنیک کی کمزوری ہے چونکہ فریسکو تکنیک میں تمام رنگ خشک ہو جانے پر ہلکے پڑ جاتے ہیں اس لئے مصور کو اس امر کا بخوبی اندازہ ہونا چاہیے کہ خشک ہو جانے کے بعد رنگ کتنے گہرے باقی رہ جائیں گے۔ تنجور کے آرٹسٹوں نے اس کو اتنی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ انھوں نے رنگوں میں ایک ہم آہنگی حاصل کرلی تھی۔ کہیں کہیں رنگ ایسی اچھی طرح جڑ نہیں پکڑتے جیسا کہ عام طور پر ہونا چاہیے یہاں ایسا پایا گیا ہے کہ رنگ "چونے والی ترکیب" کے ذریعے لگائے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان تصویروں کو "فریسکو" کی تکنیک سے شروع کیا جاتا تھا اور چونے والی تکنیک سے مکمل کیا جاتا تھا۔ اصل "فریسکو" کے کام میں چونے والی ترکیب کے مقابلے میں زیادہ صحت اور پھرتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کام کی تکمیل چوکھٹے وار کی جاتی تھی اور بہت احتیاط کے ساتھ ان چوکھٹوں کو آپس میں ملایا جاتا تھا تاکہ ان رنگوں میں مطابقت قائم رہے تنجور میں چولا عہد کے "فریسکو" تکنیک کے چوکھٹوں کے جوڑ اس خوبصورتی سے چھپائے گئے ہیں کہ یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے کہ مصوری کس رفتار سے کی جاتی تھی اور دن بھر میں ایک مصور کتنے رقبے میں کام پورا کرلیتا تھا۔ پلستر اتنا ہلکا کیا ہوا ہے کہ وہ نمی کو اپنے اندر بہت تھوڑی دیر تک جذب رکھ سکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصور دن بھر میں ایک دیوار مکمل کر لیتے تھے یا اتنی دیر تک جب تک اس میں نمی باقی رہتی تھی۔ اس طرح کوئی بھی جوڑ دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ اتنا کام کرنا غیر ممکن بھی نہیں تھا۔ کیونکہ ایک دیوار رنگوں کے ذریعے سے آسانی سے افق کے متوازی کئی چوکھٹوں میں تقسیم ہو سکتی ہے اور ہر چوکھٹے کو ایک یا ایک سے زیادہ مصور مکمل کرتے ہوں گے۔ حقیقت میں موضوعات کئی چھوٹے چھوٹے مناظر سے مل کر بنتے ہیں جو الگ الگ چوکھٹوں میں دکھائے جا سکتے ہیں۔ ہر منظر کی تصویر کشی ایک مصور کرتا ہوگا اور بہت سے مصور بیک وقت ساتھ ساتھ کام کرتے ہوں گے۔ ان چوکھٹوں کا رقبہ ۲۹ مربع فیٹ سے لے کر ۶ مربع فیٹ تک ہے۔ افق کے متوازی رنگ کی دھاریوں کے ذریعے سے جوڑوں کو چھپانا غیر ممکن نہیں ہے۔ وقت کی قلت کے باوجود جو "فرسکو" طریقے میں لابدی تھی، ملبوسات اور زیورات کو اتنی تفصیل

سے دکھانا اور اتنی عام یہاں تک کہ انسانی شبیہوں میں بھی زیبائشی فضا پیدا کرنا مصوّروں کی کامل مہارت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

تنجور کے مندر کے "ومان" کے نیچے پردکشنا کی دیواروں اور اندرونی چھتوں پر بنی ہوئی تصاویر پر روشنی کے لئے "گربھ گرہ" کی جنوب مغرب اور شمال کی جانب کی بیرونی دیواروں کے بیچ میں تین دروازے شروع میں بنائے گئے تھے۔ ان دروازوں کو وجیہ راگھو نائک نے 1653ء اور 1653ء کے درمیان ٹوٹے پھوٹے اینٹ پتھروں کی دیواروں سے بند کروادیا تھا۔ ان دیواروں کو اب محکمۂ آثارِ قدیمہ نے مسمار کروادیا ہے۔ یہ دروازے اندرونی دیواروں کے دونوں اطراف کے مرکزی دریچوں میں بنے ہوئے طاقچوں کی سیدھ میں ہیں۔ جو "دیوگوشٹھا" کہلاتے ہیں اور جن میں ان کے سائز کے مطابق بڑی بڑی مورتیاں رکھی ہوتی تھیں۔ بیرونی دیوار کے طاقچوں کی ترتیب کے مطابق عمودی پیل پائے بنے ہوئے ہیں جو پردکشنا کے راستے کو پندرہ حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان میں سے دو حصے مشرق کے صدر دروازے کے دونوں جانب ہیں، پانچ پانچ شمال اور جنوب میں ہیں اور تین عقب میں مغرب کی جانب ہیں۔ "پردکشنا" کی ترتیب کے مطابق صدر دروازے کے جنوب سے شروع کریں تو پہلے تین حصوں کی دیواریں اور اندرونی چھتیں سولہویں اور سترہویں صدی کی نائک سیریز کی تصاویر سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ یہ تصاویر کسی چولا تصاویر کے اوپر بنی ہوئی نہیں معلوم ہوتیں۔ چوتھے آٹھویں اور بارہویں حصوں میں جن کی بیرونی دیواروں میں راستے بنے ہوئے ہیں، اندرونی دیواروں پر بڑی بڑی مورتیاں کثرت سے بنی ہوئی ہیں۔ اور آخری تین حصوں (13ء تا 15ء) میں پھر وہی نائک سیریز کی تصاویر ہیں جن کے نیچے کوئی چولا تصویر نہیں ہے۔ باقی چھ حصوں میں بہت ہی اعلیٰ چولا تصاویر ہیں۔ جہاں جہاں ان کے اوپر سے نائک سیریز کی تصویریں چھل کر اتر گئی ہیں وہاں وہاں یہ چولا تصویریں صاف نظر آتی ہیں۔ آثارِ قدیمہ کے ماہر کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ درپیش ہے کہ دوسری جگہوں سے نائک سیریز کی تصاویر کی پرت اتارنے کا کامیاب طریقہ کیا ہو سکتا ہے جس سے نیچے والی چولا تصاویر کو ضرر نہ پہنچے۔

تنجور کی چولا تصاویر کے موضوعات مذہبی ہیں اور یہ بیشتر مقدس ہستیوں کی سوانح عمریوں سے اخذ کیے گئے ہیں جو بعد میں "پیریاپرانم" کی شکل میں مرتب کر دی گئی تھیں، سندر

موررتی کی زندگی کے واقعات بعض بہترین تصاویر کا موضوع ہیں۔ مغربی دیوار (ساتواں حصہ) کے ایک چوکھٹے کے اوپر کے حصے میں کیلاش پربت کا منظر دکھایا گیا ہے۔ شیوجی شیر کی کھال پر "یوگاسن" میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ نندی بیل سامنے بیٹھا ہے۔ دوسری طرف رشیوں کی ایک ٹولی اور دو رقص کرتی ہوئی "اپسرائیں" ہیں۔ شیو کی تصویر سرخ رنگ سے بنائی گئی ہے اور ایک رشی کی نیلے رنگ سے۔ اس کے بالکل نیچے سندر مورتی اور اس کے ایک دوست چیرمان پیرومال کی تصویر ہے جو ایک دوسرا نائینار ہے۔ اس منظر میں شیو کی دعوت پر ان دونوں دوستوں کی کیلاش پربت کی یاترا دکھائی گئی ہے۔ نوجوان سندر مورتی اس تیز رفتار ہاتھی پر بیٹھا ہے جو اسے لانے کے لیے شیو کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔ اور چیرمان اپنے گھوڑے پر سوار ہے۔ اس گھوڑے کے کانوں میں چیرمان نے "پنچاکھشر" (شیو منتر) پھونک دیا ہے جسے سنتے ہی گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا ہے اور اڑتا ہوا آسمان میں پہنچ گیا ہے جس دیوتاؤں کے ہاتھی پر سندر سوار تھا اس کو گھوڑے نے پیچھے سے جا لیا ہے۔ سندر کا سفید ہاتھی تصویر کے وسط میں ہے اور دائیں طرف اس کے سامنے اچھلتا کودتا گھوڑا ہے اور اس کا سوار پیچھے دیکھتا ہوا سندر کو اشارہ کر رہا ہے۔ راجا کی لمبی مونچھیں ہیں گھنی ہوئی داڑھی ہے اور سر کے پیچھے بالوں کی موٹی سی لٹ ہے۔ اس کی صرف کمر پر دھوتی بندھی ہے اور باقی بدن ننگا ہے۔ اس کے گلے کے گرد ایک تنگ مالا اور ایک جھولتی ہوئی ڈوری ہے۔ جس میں ایک رُدراکش کا منکا پرویا ہوا ہے۔ سفید ہاتھی کے بدن پر ساز اور آرائشی لوازمات بہت صاف اور واضح دکھائے گئے ہیں۔ اوپر کے دائیں اور بائیں چوٹی کے کونوں میں بادلوں میں نیم پوشیدہ کچھ آسمانی مخلوق نظر آتی ہے دائیں طرف کی ٹولی میں "اپسرا" دوشیزائیں اور گندھرو، کنول کی پتیاں برسا رہے ہیں۔ ناچ رہے ہیں اور مختلف آلاتِ موسیقی بجا رہے ہیں۔ بائیں طرف کی ٹولی میں کچھ رشی شامل دکھائی دیتے ہیں۔ دائیں طرف چیرمان کے گھوڑے کے آگے سب سے حسین اپسرا دکھائی دیتی ہے۔ اس کا بدن سُرتال کے اوپر بل کھا رہا ہے۔ اس کا دایاں ہاتھ آگے کی طرف دراز ہے اور بایاں ہاتھ "ابھیہ مدرا" میں جھکا ہوا ہے۔ چہرہ پیچھے کو مڑا ہوا ہے۔ اسکے صاف شفاف کپڑے اور کنگھی چوٹی ، بجتی ہوئی پازیبیں اور کلائیوں کی پہنچیاں اسکے خوبصورت جسم کی دلکشی میں اضافہ کر رہی ہیں۔

اس چوکھٹے کے نیچے سندر اور شیو کے درمیان سندر کی شادی کے موقع پر جو جھگڑا ہوا تھا اس کا منظر ہے (صفحہ 979 ملاحظہ ہو) ایک طرف ہمیں شیو داڑھی والے ایک بوڑھے کے روپ میں نظر آرہے ہیں اور سندر کے سامنے بیٹھے ہیں ان کے ہاتھ میں تاڑ کے پتے پر لکھا ہوا دستاویز ہے اور وہ اپنا چہرہ اور بازو اوپر اٹھائے ہوئے سبھا کے سامنے بول رہے ہیں۔ پھر دوسری طرف وہی ضعیف آدمی سندر کے دادا کی تاڑ کے پتے پر تحریر کی ہوئی دستاویز پیش کر رہا ہے۔ سراسیمہ اور گھبرایا ہوا سندر سامنے کھڑا ہوا فیصلے کا بیتابی سے انتظار کر رہا ہے۔ سبھا کے اراکین کے چہروں پر جذباتی کشمکش کی گوناں گوں کیفیات ہیں۔ تصویر کے دائیں جانب میں کہانی کے خاتمہ کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اس منظر میں کہانی کے تمام کردار ایک مندر میں داخل ہو رہے ہیں۔ زیریں تصویر میں کچھ عورتیں کھانا پکانے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سندر کی شادی کے لیے تیاری کا منظر ہو۔

ایک اور جگہ مغربی دیوار پر (نویں حصے میں) ہمیں ایک بڑے سائز کی نٹ راج اور اس کے بھگتوں کی تصویر دکھائی دیتی ہے اور اس کا موضوع بھی واضح ہے۔ گو اصل تصویر کا بہت سا حصہ ابھی تک اس کے اوپر بنی ہوئی تصویر کے نیچے دبا ہوا ہے۔ اونچے درجے کی بہت سی عورتیں اس منظر میں شامل ہیں۔

لیکن اس سارے سلسلے میں سب سے شاندار تخلیق "ترپرانتکا" والا چوکھٹا ہے جو شمالی دیوار پر (گیارہویں حصے میں) ہے۔ یہ لڑائی کا ایک منظر ہے۔ شیو رتھ کے تختے پر "آلیڑھ" وضع میں کھڑے ہیں۔ ان کا بایاں گھٹنا خمیدہ ہے اور ان کے بدن کا پورا بوجھ دائیں ٹانگ پر ہے جو کہ سامنے کی طرف ہے۔ ان کے آٹھ بازوؤں میں مختلف ہتھیار ہیں۔ ان میں سے ایک میں جو سامنے ہے ایک لمبی کمان ہے۔ ان کا مرتعش جسم اور دلیر نگاہ بتاتی ہے کہ وہ کوئی سخت اقدام کرنے والے ہیں۔ رتھ بان کی نشست پر چار سروں والے برہما بائیں اور چابک پکڑے بیٹھے ہیں۔ یہ منظر کا وسطی حصہ ہے۔ سامنے اسُروں (راکشسوں) کے گھوڑے ہیں جو شیو اور ان کے "گنوں" کا سامنا کر رہے ہیں۔ سامنے کے سارے میدان میں دونوں فریقوں کے درمیان مختلف ہتھیاروں سے لڑائی جاری ہے۔ چوٹی پر درگا نظر آرہی ہیں جو اپنے شیر پر سوار ہیں اور اپنا نیزہ ایک اسُر کے جسم میں بھونک رہی ہیں۔ ان کے شیر نے ایک اور اسُر کو گردن سے پکڑ رکھا ہے۔

مندر کی مغربی دیوار پر اور ایک چو کھٹے میں جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے، اندراج کو کنکا سبھا میں دکھایا گیا ہے۔ ایک بھگت راجہ مع اپنی بہت سی رانیوں اور درباریوں کے ان کی پوجا کر رہا ہے۔ اس شاہی شخصیت کو راج راجا اوّل شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ یعنی راج راجا جو اس مندر کا بانی تھا جس نے اپنا لقب شیو پاد شیکھر اختیار کیا تھا اور پیمائش کی ہر اکائی کا نام آڈولان رکھا تھا۔ اس سے وہ رقص کے دیوتا نٹ راج سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خاص مہارانیوں اور بیویوں کی بڑی بڑی تصویریں عقب میں کھڑی ہوئی وضع میں بنائی گئی ہیں جب کہ دوسری رانیوں اور درباریوں کی تصویریں مقابلتاً چھوٹی ہیں۔

جس پردکشنا (غلام گردش) میں چولا تصاویر دریافت ہوئی ہیں اس کے اوپر ایک اور غلام گردش بھی ہے۔ اس غلام گردش کی اندرونی دیواروں پر چولوں کے وقت کے پرانے پلستر اور مصوری کے آثار اب تک ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نیچے والی غلام گردش کی طرح اس میں بھی مصوری کی گئی تھی۔ اندرونی دیوار کے ساتھ ساتھ بالکل ہماری آنکھوں جتنی اونچائی پر سنگتراشی سے پتھر پر ابھاری ہوئی مورتیاں ہیں جن میں شیو کے تانڈو ناچ کے مختلف انداز دکھائے گئے ہیں۔ اگرچہ اس غلام گردش کی دیواروں پر سنگتراشی کے 108 چوکھٹوں کی گنجائش موجود ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان میں سے صرف 82 چوکھٹے مکمل کئے جا سکے اور باقی خالی رہ گئے۔ ان قدرے بھونڈی مورتیوں پر غالباً رنگین استرکاری تھی اور یہ تانڈو رقص کی ان مختلف مدراؤں کی وضاحت کرتی ہیں جو بھرت نے بیان کی ہیں۔

ان تصویروں کے خطوط ہلکے سرخ رنگ یا بھورے رنگ سے کھینچے گئے ہیں اور ان کو سیاہ رنگ اور سرخی مائل بھورے رنگ سے گہرا کیا گیا ہے۔ جسم کے گوشت اور ملبوسات کو نمایاں کرنے کے لیے دوسرے رنگ برش سے استعمال کیے گئے ہیں۔ یہاں مختلف انداز میں تصویر کشی کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ ان مختلف انداز کی تصویروں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے لیکن یہ بالکل روایتی انداز کی بھی نہیں ہے۔ آسمانی مخلوقات، اپسراؤں اور گندھروں کے جسموں میں کچھ ایسے پیچ و خم دکھائے گئے ہیں جیسے کسی نہ دکھائی دینے والے سمندر کی لہروں پر تیرتے ہوئے وہ اس شکل میں ڈھل گئے ہوں۔ بیٹھی ہوئی وضع میں

عورتوں کی تصاویر کے خطوط میں کھڑی ہوئی عورتوں کی تصویروں کے مقابلے میں زیادہ حسن و نفاست ہے۔ رقص کرتی ہوئی شکلیں تاثرات اور عمل کی مظہر ہیں۔ چہرے سامنے سے نیم چوتھائی بنائے گئے ہیں۔ پہلو کے رخ کا خاکہ مربع ہے اور تھوڑی بہت نمایاں ہے۔ بالوں کی کنگھی چوٹی مختلف خوبصورت طریقوں سے کی گئی ہے اور ان کو چھوٹے چھوٹے پھلوں میں سامنے چہرے پر پڑے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان کی آرائش پھولوں کلیوں اور ہلال اور ستاروں کی شکل کے زیورات سے کی گئی ہے۔ آنکھوں کی بھویں انسانی پیکروں میں نیچے اور آسمانی مخلوقات کے پیکروں میں اوپر بنائی گئی ہیں۔ آنکھیں سیدھی اور مچھلی کی شکل کی ہیں آنکھوں کے پپوٹے بہت واضح نہیں ہیں، پھر بھی جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ناک عموماً لمبی، سیدھی اور تیکھی ہے اور شاذ ہی کہیں خمیدہ دکھائی گئی ہے۔ نتھنے چوڑے اور پھڑکتے ہوئے ہیں۔ عورتوں نے جو زیورات پہن رکھے ہیں وہ خود ایک اچھا خاصا مطالعہ ہیں۔ ان پیکروں کے ملبوسات میں شفاف ململ کی ساڑیاں ہیں جو کمرے کے ارد گرد باندھی جاتی ہیں۔ ان سے ٹخنے تک ڈھک جاتے ہیں۔ ان میں نفیس اور پر وقار بل پڑے ہوتے ہیں۔ یہ ساڑیاں پھولدار ڈیزائنوں اور افق کے متوازی دھاریوں سے مزین ہوتی ہیں اور انہیں مختلف رنگوں کے پٹکوں سے کمر پر باندھا جاتا ہے۔ ان کمربندوں کے سرے دوہرے لٹکتے رہتے ہیں۔ سینہ عموماً برہنہ ہوتا ہے، صرف بائیں کندھے پر کپڑے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دکھایا گیا ہے جو کشادہ چھاتیوں کے بیچ میں گزرتا ہوا دائیں بازو کے نیچے تک چلا جاتا ہے۔ ان تصاویر میں مرد گٹھیلے بدن والے، داڑھی مونچھیں رکھے ہوئے اور سر پر بالوں کی گانٹھیں باندھے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ چولا عہد کی جن تصاویر کی پرتیں اب تک ظاہر ہوئی ہیں، ان میں کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ الگ الگ اصناف کی ہیں، سوائے "تریپرانتکا" یا سندر موری والے چوکھٹوں کے۔ اور جب تک چولا تصاویر کی پوری کی پوری پرت عریاں ہو کر سامنے نہیں آجاتی، کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے اصناف کی شکلوں میں آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔

وجیالیہ چولیشورم میں جو تصاویر کے ٹکڑے ملتے ہیں، ان کا رنگ بالکل اتر چکا ہے۔ ان میں سے دو بڑی تصاویر "اردھ منڈپ" کی شمالی دیوار پر بنی ہوئی ہیں۔ یہ دونوں تصاویر بھیرو اور نٹراج کی ہیں۔ ان کی سنگین وضع سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافی بعد کے زمانے کی ہیں، جب دیوار پر مصوری کا فن زوال پذیر تھا۔ لیکن جنوبی دیوار پر پلستر کے کچھ ٹکڑے جن

پرچند خوبصورت آسمانی مخلوق کے چہرے نظر آتے ہیں وہ یقیناً تنجور کے مدرسۂ فن کی یادگار ہیں اور ہم ان کو عارضی طور پر آخری چولا عہد سے منسوب کر سکتے ہیں۔ یعنی بارہویں صدی کے اواخر یا تیرہویں صدی کے اوائل کے زمانے سے ۔

حاشیے

(1) EI-XVii صفحات 14 تا 17

(2) STUDIES

(3) i - صفحہ 116

(4) 1894 کا 167 - JMU - xiv، صفحہ 28

(5) 1924 کے 392 تا 94

(6) 1931 کا 36 - 1895 کے کتبات 91، 92

(7) اس باب کے آخر میں دی ہوئی اشکال کو دیکھیے جو جے ڈبریل کی کتاب سے لی گئی ہیں ۔ ان سے جنوبی ہند کے فن تعمیر سے متعلق تکنیکی اصطلاحات کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

(8) صفحہ 98

(9) پڈوکوٹائی کے کتبات (PSI) میں سے کتبہ نمبر 282 میں یہ نام ملا ہے۔ یہ کتبہ ماڑورمن سندر پانڈیا اول کے گیارہویں سال یعنی 1227، کا ہے۔ اصل عمارت کی تعمیر شاتن پودی عرف النگوڈی ارئیار نے کی تھی اور جب مندر (کرلی) کو آندھی اور بارش سے نقصان پہنچا تو اس کی مرمت ملن وڈومن عرف تینون تملادی ارائین نے کرائی ۔ ان دونوں اشخاص کا ذکر حال ہی کے دریافت شدہ ایک کتبے میں پایا گیا ہے جو مرکزی عبادت گاہ کے چبوترے پر کندہ ہے یہ کتبہ دروازے کے شمال کی جانب "دوار پالک" کے نیچے ہے۔ JOR - viii - صفحات 208 - 209، نیز دیکھیے JISOA یعنی - V - (کمارسوامی کی جلد) صفحہ 85

(10) پڈوکوٹہ کے جن مندروں کے متعلق یہاں بحث کی گئی ہے ان کے عام جائزے کے لیے دیکھیے کے آر وینکٹارمن کی تصنیف

صوبائی عجائب گھر کی رپورٹیں برائے 1349 - 51، ملی - JOR - iii - xii، اور JISOA (مؤلفہ کمارسوامی) نیز وینکٹرا رنگا راجو اور ایس آر۔ بالا سبراہمنیئن کے مقالے بھی دیکھیے۔

(11) 310-11 : نیز 1903 کے مجموعہ کتبات میں سے نمبر 316، 319 - 320

(12) JISOA - vii صفحات 113 تا 115

(13) 1904 کے کتبات 586، 589، 605

(14) 1919 کے مجموعے میں سے کتبات 148، 155 تا 158

(15) 1904 کا 141 (SII - vii - 154) جوراج کیسری (سندر چولا) کے پانچویں برس کا ہے۔

(16) 1914 کا 104، EI - XIX صفحہ 86

(17) 1921 کا 558

(18) 1907 کا 199 - SII، iii - نمبر 124

(19) 1924 کے کتبات 364، اور 378 تا 380

(20) 1902 کا 335 - EI - vii صفحہ 133

(21) 1903 کے مجموعے کے کتبات 348، 359

(22) JISOA - vii، صفحات 113 - 115

(23) 1925 کا 192

(24) PSI - 24 - ترجمہ (TRN) صفحات 24، 30، اور اگلے صفحات

(25) PSI - 14

(26) اس طرح کی مثالیں دوسروں کے علاوہ یہ بھی ہیں : تروودی (ضلع تنجور) کے پنچ ندیشور مندر میں اتر "کیلاش" جوراج راجہ کی مہارانی ونتی شکتی نے تعمیر کروایا تھا۔ (1894 کے مجموعے کا 219)، تروملواڈی (ضلع ترچناپلی) کا ویدیہ ناتھ مندر، جسے راج راجہ اوّل کے آخری برسوں میں از سرِ نو تعمیر کروایا گیا اور جس کی تعمیر اس کے بیٹے راجندر اوّل کے عہد میں مکمل ہوئی (1805 کے مجموعۂ کتبات میں سے نمبر 91 - 92) دادا پورم (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں واقع شو اور وشنو کے جڑواں مندر جنہیں راج راجہ کی بہن کندوئی نے لگ بھگ 1016، میں تعمیر کروایا (1899 کے مجموعے کا نمبر 8) ارنجگائی ایشور کا مندر جواب میل پاڈی (ضلع چتور) کا چولیشورا مندر کہلاتا ہے، اسے راج راجہ اوّل نے ارنجیا کی یاد میں "پلی پڈائی" کے طور پر بنوایا تھا۔ ارنجیا، آرور کے مقام پر

جنگ میں کام آیا تھا (دیکھئے گزشتہ صفحہ 187) لنکا میں پولونروا کے مقام پر شیودیوالیہ نمبر 2 (ASC۔ رپورٹ مطبوعہ 1906۔ صفحات 17 تا 22) ارنگویشور جواب لڈی گم (ضلع شمالی ارکاٹ) کا نیل کنٹھیشور کہلاتا ہے جس میں راج راجہ کے نویں سال حکومت کا ایک کتبہ بھی ہے (1906 کے مجموعے کا نمبر 551) پھر پڈوکوٹہ کی ریاست میں ترو ورنگلم میں واقع ہر تیر تھیشور کا مندر جو 1034ء سے پیشتر تعمیر ہوچکا تھا (1902 کے مجموعۂ کتبات میں 414) اور کوُوم (ضلع چنگل پٹ) میں تر پرا نتکیشور کا مندر جس کی تعمیر 1050ء کے لگ بھگ ہوئی (1909 کے مجموعے کا نمبر 328)

(27) JISOA ۔ ii ۔ صفحہ 4

(28) گزشتہ صفحہ 184 دیکھیے

(29) JISOA ۔ ii ۔ صفحہ 4

(30) گزشتہ صفحہ 235 دیکھیے

(31) اسی وجہ سے اس مندر کی زیریں منزل کا نقشہ جو پرسی براؤن نے دیا ہے، اب بالکل صحیح اور مکمل نہیں سمجھا جا سکتا۔ تنجور کے مندر کی زمینی سطح یا اس کے کسی سیکشن کا کوئی نقشہ اس وقت موجود نہیں ہے اور یہ ایسی صورت حال ہے جو محکمہ آثار قدیمہ کی فوری توجہ کی متقاضی ہے۔

(32) JISOA ۔ ii ۔ صفحہ 5

(33) SII ۔ ii ۔ نمبر 61 : تمہید صفحہ 13

(34) 1895 کے مجموعے کا نمبر 22 (SII ۔ V ۔ نمبر 578)

(35) 1917 کا 335

(36) کرور سے دستیاب شدہ (راجندر دوم کا) کتبہ جو 1890 کے مجموعے کا نمبر 65 ہے (SII ۔ iii ۔ نمبر 22) دھرم پوری سے دستیاب ہونے والے (کلوتنگا اوّل کے) کتبے جو 1901ء کے مجموعۂ کتبات میں نمبر 357 ۔ 58 ہیں۔ راج راجہ دوم کا شری وانجم کا کتبہ (1911 کے مجموعے کا نمبر 70) علیٰ ہذالقیاس۔

(37) دیکھیے 1912 کے مجموعے کا نمبر 429 (ولورو ضلع تنجور)۔ 1905 کا نمبر 577 (وجدیا منگلم ضلع کوئمبٹور)۔ 1912 کا 504 (اوٹتور ضلع ترچنا پلی) وغیرہ۔

(38) آچاریہ پشپانجلی صفحہ 6

(39) 1918 کا 47

(40) 1921 کا 227

(41) ان مندروں کا حال جو آگے بیان کیا گیا ہے، کے آر سری لواس نے کے مقالے سے لیا گیا ہے۔ JISOA - xvi (1948)، صفحات 11 تا 33

(42) ARE - 1920 صفحات 102 تا 107 اور تختیاں 1 تا VI نیز 1908، II، 66-67

(43) ٹی۔ اے۔ جی راؤ کی تصنیف ii صفحات 171 تا 174

(44) ARE - 1908 صفحہ 81، پیراگراف 68

(45) OZ (N.F 29) 1933 صفحہ 5

(46) ایچ کے شاستری نے اپنی کتاب میں ایک ہی دیوتا کی مختلف مورتیوں کی ڈھلائی کے فرق اور تبدیلیوں کی جانب توجہ دلائی ہے۔

(47) IV، II، 157-58

(48) OZ - 1933 صفحہ 165

(49) 1925 کے نمبر 132، اور 136 - ARE، II، 10

(50) 1925 کا 131

(51) "ترو کرّلی پچن" (پتھر کے مندر کا دیوانہ) دراصل نام نہیں بلکہ لقب ہے۔ بعد کے زمانے میں یہ لقب پرانتکن شریادیلار کے نام کے ساتھ بھی شامل ہوا جو راجہ پرانتکا دوم کا سپہ سالار تھا (1908 کا 291)، نیز ترومنن جیری کے آرورن کلبن نے بھی اس لقب کو اختیار کیا (1914 کے مجموعے کا نمبر 9 - 991)۔ ترو واڈتورائی میں جو دیگر تصاویر پچن سے ملتی جلتی موجود ہیں، وہ امبلون ترووشلورن ترو ناوکرآئن کی ہیں۔ (1925 کا 133) کچھ اور تصاویر ایسی ہیں جن کی تاریخ کم معتبر ہے (1925 کے مجموعے میں نمبر 106، اور 141)۔ SII - iii تختی نمبر xi دیکھیے، جس میں گندھرآدیتہ کی تصویر کو نیری راج پورم (ضلع تنجور) کے ترونلموڈالیار مندر کے دیوتا کی پرستش کرتے ہوئے دکھائی گئی ہے۔ (یہ تصویر اب فنّی اعتبار سے زیادہ اہم نہیں ہے) یہ مندر اس کی

مہارانی شیمبئن مہادیوی نے بنوایا تھا (SII - iii - نمبر 146، 147 = 1908 کا 450،
اور 1909 کا 626) راجہ کے سر کی پوشش سادہ اور خوشنما ہے اور موتیوں کی لڑیوں سے
آراستہ ہے اور تصویر میں اس نے بازوؤں، گردن اور سینے پر جو زیورات پہن رکھے ہیں
وہ ایک طرح سے نندی کے بھوگ نندیشور مندر کی اس مورتی کی یاد دلاتے ہیں جو "چولا
پرتیما" کے نام سے مشہور ہے (MAR - 1914، 1915)، یہ بہترین تصویر بنانے کی،
جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، ایک اچھی مثال ہے ۔

کانسے کی مورتیوں کے چند حوالے کتبوں میں بھی پائے جاتے ہیں، جوان اشخاص کی
شبیہات کے متعلق ہیں (1) شیمبئن مہادیوی کا (1020، کا) کانسے کا مجسمہ شیمبئن
مہادیوی نامی گاؤں میں ملا ہے ۔ ARE - 1926، II 24 (2) پرانتکا دوم اور
اس کی مہارانی والون مہادیوی کے جو راج راجہ کی والدہ تھی اور خود راج راجہ اول اور اس
کی مہارانی لوک مہادیوی کے مجسمے سب کے سب ٹھوس کانسے کے تنجور کے مندر سے ملے ہیں۔
راج راجہ اول کی منقوش شبیہہ جو اب بھی اس مندر میں زیر استعمال ہے، اصل تصویر
کے بجائے بہت بعد میں بنا کر وہاں رکھی گئی ۔ ARE - 1925 - II - 12، گزشتہ صفحہ
168 دیکھیے نیز صفحہ 189 - حاشیہ نمبر 3 ۔

پتھر پر بنی ہوئی کچھ تصویریں بھی ملی ہیں جو زیادہ محفوظ حالت میں نہیں تھیں
یعنی (1) ترووشلور (ضلع تنجور) کے شو مندر میں شو لنگ کی پرستش کرتے ہوئے ایک
راجہ اور رانی کی تصویر جس کے نیچے ایک کتبے میں " تلابھار" اور " ہرنیہ گربھ" کی رسومات
کی ادائیگی کا بطور یادگار اندراج کیا گیا ہے ۔ یہ رسومات راج راجہ اور اس کی مہارانی لوک
مہادیوی نے ادا کی تھیں (1907 کے مجموعے کا نمبر 42 : EI - Xii صفحہ 121 - حاشیہ
نمبر 2 : (2) اس شبیہہ میں ایک راجہ یا جاگیردار کو فرش پر آلتی پالتی مارے اولگاپورم
(جنوبی ارکاٹ) کے ویران شو مندر میں لنگ کی پوجا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ 919
کا نمبر 129 - (3) اس تصویر میں اننت شیو ایک منڈپ میں " لنگ " کی پرستش
کر رہا ہے ۔ یہ منڈپ خود اس نے ترووشلور کے مندر میں تعمیر کروایا تھا (ای جی اروامودن
کی تصنیف شکل نمبر 10) اور (4) پتھر پر ابھاری ہوئی اس تصویر میں رانی کنڈوئی
کو داداپورم (ضلع جنوبی ارکاٹ) میں اپنے ہی تعمیر کردہ مندر میں شو کے سامنے رقص

کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ 1919 کا نمبر 17۔

ٹی.جی ارواموتن (حوالہ سابقہ صفحات 38۔39، وشکل نمبر 13) نے کال ہستی کے مندر سے دستیاب شدہ کانسے کی دو چھوٹی مورتیوں میں ایک چولا جرنیل کیتن آدتن اور اس کی بہن اور اس کی بہن کلیاوتی کی شبیہیں شناخت کی ہیں (ان لوگوں کا ذکر 1922 کے مجموعے کے نمبر 168۔ الف میں آیا ہے) شری مشنم (جنوبی ارکاٹ) شیو مندر میں تمبران تولن مائکن جارن کی ایک تصویر موجود ہے۔ یہ شخص اس مندر میں "ترو پدئم" سنایا کرتا تھا (1916 کے مجموعے کا نمبر 255) انبل میں لوگوں نے (تقریباً 1250ء میں) پریم پوراشیور کے مندر میں کسی شخص پلو دیاتڈان کی تصویر بنائی تھی جس نے اپنی جان پر کھیل کر گاؤں والوں سے لگان کے جو ناجائز اور غیر منصفانہ مطالبات کئے گئے تھے، ان کے خلاف احتجاج کیا تھا (1902 کا 596)

مقبول عام مقامی قصے کہانیوں کی بنیاد پر شری رنگم کے مندر میں ایک بہت بڑی پتھر کی شبیہہ کو کمبن نامی شاعر کی تصویر قرار دیا گیا ہے۔ تیرلندور میں ملی ہوئی پتھر کی دو شکستہ شکلوں کو کمبن اور اس کی بیوی کی بتایا جاتا ہے اور کانچی پورم کے ایکامرناتھ کے مندر میں رکھی ہوئی پتھر کی ایک بہت بڑی تصویر کو جو الگ کھلی جگہ پر رکھی ہے کریکال چولا کی شبیہہ سمجھا جاتا ہے۔

(52) "ردیم" 1930، نمبر 40۔ صفحہ 1

(53) 1922 کا 168 (ب)

(54) 1922 کا 168 (الف)

(55) ایچ کے شاستری کی تصنیف صفحہ 162

(56) ایضاً۔ صفحہ 125۔ اور شکل نمبر 80

(57) جلد سوم صفحہ 43

(58) OZ - (N.F _ 10) 1934۔ صفحات 176 تا 186

(59) جیسا کہ ہم پہلے نوٹ کر چکے ہیں (گزشتہ صفحہ 15، حاشیہ 1) یہ تختیاں ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، اور مہر سرکاری کتبہ شناس جناب این لکشمی نارائن راؤ کی اجازت سے یہاں نقل کی جارہی ہے۔ اس مہر کی تفصیلات ہم کسی اور مقام پر بیان

کر چکے ہیں۔

(60) انڈین ہسٹری کانفرنس کی کارروائی۔ vii (مطبوعہ 1944) صفحات 168 تا 176۔

(61) ڈاکٹر ایس پرماشون نے جو محکمہ آثار قدیمہ کے کیمیائی ماہر ہیں، ہندستانی تصاویر کے تیار کرنے کے طریقے کا مطالعہ کیا ہے۔ مطلوبہ تفصیلات ان کے قابلِ قدر مقالوں سے اکٹھی کی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(1) ہندستان کی دیواری تصاویر JMU - xii (مطبوعہ 1940) صفحات 96 تا 128، اور xiii (مطبوعہ 1941) صفحات 1 تا 15۔

(2) حیدرآباد کے محکمہ آثار قدیمہ کی سالانہ رپورٹیں۔ بابت 1936-37، صفحات 25 تا 38 جن میں اجنتا اور ایلورا پر بحث کی گئی ہے۔

(3) مصنفہ ہارورڈ جلد چہارم مطبوعہ 1937، صفحات 222 تا 239 تنجور سے متعلق۔ viii، 2 (1939) شتن واشل کے متعلق بحث صفحات 83 تا 89۔

(4) انڈین اکیڈمی آف سائنسز کے اجلاس کی کارروائی۔

vii، 4 (1938) صفحات 282 تا 290 وجیہ چولیشورم کے متعلق۔

x، 2 (1939) صفحات 77 تا 84۔ کانچی پورم مندر کے متعلق۔

x، 9 (1939) صفحات 85 تا 95 جن میں باغ پر بحث کی گئی ہے۔

(62) ان تصاویر کا موضوع ایس کے گوونداسوامی نے سب سے پہلے 1933ء کے مطبوعہ اناملائی یونیورسٹی جرنل۔ ii۔ (1933) اور JISOA - i - (1933) صفحات 73 تا 80 میں بیان کیا۔ لیکن اس کو ان کی تصویر کشی کی تکنیک کے بارے غلطی ہوئی۔ نیز دیکھیے سی۔ شیورامامورتی کے نظریات اس کی تصنیف تروسنی - vi - مطبوعہ 1933ء کے صفحات 227 تا 234 میں۔ او سی گنگولی کے خیالات IAL (NS - ix) مطبوعہ 1935ء، صفحہ 86۔ اور ڈاکٹر پرماشون کے افکار JOR - ix (1935) صفحہ 363۔

از : پی۔ آر۔ سری نواسن (ایم اے)

تختیوں میں دی ہوئی اشکال کی وضاحت

سَرورق کی تصویر (الف)

یہ ایک چوکھٹا ہے جس میں چند آسمانی موسیقاروں کا گروہ دکھایا گیا ہے۔ کچھ گندھرب ہیں اور کچھ اپسرایئں۔ دایئں جانب والی اپسرا مجیرا بجا رہی ہے۔ باقی تینوں نے "وسمیہ" کی "مدرا" میں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ ہوا میں اڑنے کی حالت میں نظر آتے ہیں۔ وہ کمر سے نیچے بادل کے زیبائشی پردے میں چھپے ہوئے ہیں۔ اسی سے ان کے اڑنے کی طرف ذہن جاتا ہے۔ بادل کے پردے کو "چینی" بتایا گیا ہے۔ اس چوکھٹے کا مقام وقوع کچھ اس طرح ہے کہ اس کے اوپر ایک اور چوکھٹا لگایا ہے جس میں بنی ہوئی تصویر میں کیلاش پر شِو دکھلائے گئے ہیں۔ بیچ میں زیر بحث تصویر ہے اور اس کے نیچے ایک اور چوکھٹا ہے جس کے اندر کی تصویر میں سندر مورتی نائینار، ایراوت (نامی ہاتھی) پر سوار اور چیرامان پیرومال گھوڑے پر سوار کیلاش پربت کی جانب جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دو خطوں اور مقامات کو الگ الگ کرکے دکھانے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس تصویر میں "بھنگ"۔ سروں کی پوشش، زیورات اور رنگوں کا امتزاج حیرت انگیز ہے۔ پر اعتماد اور متوازن "ریکھاؤں" سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ تنجور کے فنکار "خطوط" کے ماہر تھے۔

(ب) رقص میں اپسرایئں ــــ یہ بھی اسی مذکورہ بالا منظر کا حصہ ہے۔ یہاں اپسرا رقص کی ایک مشکل وضع کی نمائش کر رہی ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بل کھا رہی ہے۔

آسمانی مخلوق ہونے کے باعث وہ زمین کی کشش کی پابند نہیں ہے۔ یہاں مصوّر کا کمال
بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے، خصوصی طور پر توانا اور رَواں دواں خطوط سے، خوبصورت زیبائشی
جزئیات سے اور دلکش "بھنگوں" سے۔ اس حسینہ کے ارد گرد بادل کا پردہ آسمانی خطّے
کا پورا تاثر دیتا ہے۔

شکل نمبر (1)

وجیالیہ چولیشورا مندر واقع میل ملئی۔ نارتا ملئی، ریاست تیرّ کا نویں صدی عیسوی۔
اس مندر کا مرکزی حجرہ (اگر بھ گرہ) اندر سے گول ہے لیکن باہر سے مربّع۔ "ومان"
کی تیسری منزل بھی گول ہے۔ گنبد کے اوپر چاروں طرف "کُدو" کا ڈیزائن بنا ہوا ہے دیواروں
کی ڈھلائی اور ستون سادہ ہیں۔ پوری عمارت کے اوپر چاروں طرف وزنی موٹا کارنس ہے۔ اس
کے اوپر جڑے ہوئے "کوشٹھوں" اور "شالاؤں" نے ایک سینہ پناہ کی شکل اختیار کر رکھی
ہے۔ صدر دروازے کے دونوں جانب کے طاقچوں میں دو دو ہاتھوں والے چھریرے اور
خوبصورت جسم کے "دوار پالک" استادہ ہیں۔ مسمار شدہ "پرا کار" کا ایک الگ "گوپورا"
شاید شمال مشرقی دروازے کی جانب تھا۔ "پرا کار" کے اندر چھ یک منزلہ عبادت گاہیں
(ایک تل پرشادا) دکھائی دیتی ہیں اور مزید ایک عبادت گاہ کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔
ان میں سے ہر ایک کا مرکزی حجرہ (اگر بھ گرہ) مربعّ شکل کا ہے جس پر ایک بڑا "شِکھر"
ہے۔ ہر ایک مرکزی حجرے کے مقابل مستطیل شکل کا منڈپ بنا ہوا ہے۔ ترو کٹلائی کے مندر
کی طرح شاید اس مندر کی عبادت گاہیں بھی سوریہ، سپت ماترکاؤں، چندر، سبرہمنیا،
جشیٹھا اور چنڈی کیشورا کے لیے وقف تھیں۔ بلکہ تروکٹلائی کے مندر میں تو ایک اور عبادت گاہ
بھی ملتی ہے اور بعد کے تعمیر شدہ امنّ کا ایک معبد بھی۔

شکل نمبر (2)

اس تختی میں میل ملائی میں واقع وجیہ چولیشورا کا اصل مندر (اوپر کی شکل 1) دکھایا گیا ہے۔

شکل نمبر (3)

یہ اگستیشور مندر کا شمالی مغربی رخ ہے۔ یہ مندر پنن گڈی، ریاست پڈوکوٹہ میں

واقع ہے اور اس کے متعدد سادہ اور خوبصورت یک منزلہ (ایک تل پرشادا) معبدوں میں سے ایک ہے۔ حجرۂ مقدّس کے بالمقابل جو آڑے رخ والا چبوترہ ہے وہ غالباً ستونوں والا ایک منڈپ ہوا کرتا تھا۔ اس کی ڈھلائی، چوکور کھمبے، لوڑے اور کھانچے دار گوشے سادہ وضع کے ہیں۔ غالباً اس میں ایک "پراکار" بھی تھا۔ اس کے کونوں پر نفیس وخوش نما نندی بیل اکڑوں بیٹھے ہوئے گئے ہیں۔

شکل نمبر (4)

اینادی، ریاست پڈوکوٹہ کا شومندر۔ یہ مندر اوپر کے پیراگراف میں مذکورہ مندر کی نسبت زیادہ سادہ، زیادہ دلکش اور غالباً زیادہ قدیم ہے۔ اس کا حجرۂ مقدس مکعب ہے اور اوپر کا "شکھر" مربع شکل کا۔ اس کے چوکور ستون سادہ اور اوپر سے کھانچے دار توڑوں والے ہیں۔ "شِکھر" کے ہر ایک رخ پر "کیرتی مکھ" والا ایک ایک نفیس "کوڈو" بنا ہوا ہے۔ مکھ منڈپ کو دو بھاری اور چھوٹے ستونوں پر اٹھایا گیا ہے۔ کھلی چھت کا ایک سرا مقدس حجرے کے کارنس کے سہارے پر ہے۔ حجرے کی دیواروں پر کوئی طاقچہ نہیں ہے لیکن شکھر کے نیچے کی دیواروں پر ایک طاقچے کا خاکہ بنا ہوا ہے جسے دیکھ کر مہابلی پورم کے "درو پدی رتھ" کی یاد آجاتی ہے۔

شکل نمبر (5)

شِومندر شمال مشرق سے۔ یہ مندر کورکائی، ضلع ترونیل ویلی میں ہے۔ اس کا حجرۂ مقدس شکل نمبر 4 والے مندر کے حجرے سے مشابہہ ہے۔ تاہم یہاں بنیاد کا چبوترہ بلند ہے۔ پورے کارنس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر سی سینہ پناہ ہے جس پر جانوروں کی خوب ابھری ہوئی شکلوں کی ایک جھالر بنی ہوئی ہے۔ اور طاقچوں کی غالب خصوصیت بہت نمایاں ہے۔ یہاں ستونوں والی پیش گاہ کی جگہ دیواروں والی "انترال" نے لے لی ہے۔

شکل نمبر (6)

یہ تصویر کمبا کونم ضلع تنجور میں واقع ناگیشور مندر کے مرکزی حصّے کی ہے۔ یہ منزلہ مندر

(دولی تل پرشادا) کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ ہر طرف کے وسط میں اور کونوں میں باہر کی جانب ابھار، عمارت میں روشنی اور سائے کا تاثر دیتے ہیں۔ سینہ پناہ پر پتھر پر ابھارے ہوئے جانوروں کی شکلوں والی جھالر ہے اور اس کے کونوں پر "کرن کوشٹھے" اور وسط میں "شالائیں" بنی ہوئی ہیں۔ اوپر یہ جھالر دوبارہ دکھائی دیتی ہے سب سے نچلی منزل کے لیے ابھی تک غالب خصوصیت (موتف) استعمال نہیں کی گئی جیساکہ اس سے بعد کے کچھ مندروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا "شکھر" مربّع شکل کا ہے اور اس کے کونوں پر "کوڈو" بنے ہوئے ہیں طاقچوں اور کوڈوؤں کے نیچے کئی طرح کی مورتیاں اور نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ ڈھلائی اور چوکور کھمبے سادہ ہیں۔ توڑے گولائی میں تراشے گئے ہیں جو ایک پرانی خصوصیت کی باقیات ہے۔

شکل نمبر (7)

موورکوول۔ نمبرایک۔ جنوبی رخ کا منظر۔ یہ مندر ریاست پڈوکوٹہ کے تروچراپلّی ضلع میں کوڈمبالور کے مقام پر واقع ہے۔ اصل میں یہاں تین معبدوں کا ایک جھرمٹ تھا۔ ان میں سے جو دو معبد اب تک باقی ہیں، یہ ان میں سے ایک ہے۔ یہ تینوں مندر ایک "پراکار" میں استادہ تھے۔ اس کی بنیادوں کی ڈھلائی پیچواں ہے۔ اس کے اوپر "یالیوں" کی قطار پہلی بار دکھائی گئی ہے۔ "گربھ گرہ" کے تین اطراف کے وسط میں باہر کو نکلے ہوئے طاقچے ہیں، جن میں مورتیاں رکھی ہیں۔ کارنس بہت دبیز اور بھاری ہے جس پر "یالی واری" بنی ہوئی ہے۔ "کرن کوشٹھے" مربّع شکل کے ہیں۔ مرکزی "شالا" کی چوٹی دوسری منزل تک اٹھتی چلی گئی ہے۔ کونوں پر نندی سیل بنے ہیں۔ مربع "شکھر" کے چاروں طرف "کوڈو" ہیں۔ یہ شکل نمبر 6 والے ناگیشور مندر کے مقابلہ میں زیادہ بلند اور سادہ ہے۔

شکل نمبر (8)

میل پلودور ضلع ترچراپلّی کا اگستیشو مندر۔ اس کی بنیاد کی پیچواں ڈھلائی ہے اور اس کے چاروں طرف "یالی واری" بنی ہوئی ہے۔ کارنس کے اوپر "کوشٹھوں" اور شالا کی ترتیب انہی عناصر کی مظہر ہے جو موورکوول کے مندر نمبر ایک میں اور ناگیشور میں موجود ہیں۔ اس مندر کا طرۂ امتیاز اس کا بہت دبیز اور گرانڈیل "شکھر" ہے اور

نمایاں کوڈو۔ " لوڈو " میں چاروں طرف دلکش مورتیاں ہیں۔ اسے دیکھ کر وجیالیا چولیشورم کی یاد آجاتی ہے۔

شکل نمبر (9)

یہ مذکورہ بالا مندر کے ان ستونوں کی تصویر ہے جن پر شیر کندہ ہیں۔ یہ ستون کانچی پورم کے ویکنٹھ پیروماں مندر کے ستونوں سے مشابہ ہیں، لیکن شیروں کی ایال جو خاص طور سے سنواری گئی ہے، "کمد" کے حصے پر پھول پتیوں کے نقش ونگار، " پلگائی " جو بہت واضح نہیں رہے اور " پلگائی " کے اوپر والے توڑے، ان سب سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ بعد کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ ستون کی بنیاد کے طور پر" یالی" کے استعمال کا آغاز بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ بعد کے بنے ہوئے ہیں۔

شکل نمبر (10)

شری نواسنلور، ضلع ترچراپلی کے کورنگ ناتھ مندر کا جنوب مغربی رُخ۔ اوپر ہم جن مندروں کا جائزہ لے چکے ہیں یہ ان سب سے بڑا ہے لیکن اس میں ان سب مندروں کی خصوصیات کا امتزاج موجود ہے۔ اس کی پہلی منزل نیچے کی منزل کی طرح ہے۔ پھر اس کے اوپر "کوشٹھے" " شالائیں" اور " پنجرے" ہیں، جو یہاں پہلی مرتبہ نظر آتے ہیں چوٹی پر مربّع " شکھر" ہے جس کے سب طرف محراب دار طاقچے بنے ہوئے ہیں۔ دونوں منزلوں کے طاقچوں کو خوشنما مورتیوں سے سجایا گیا ہے۔ یہ ایک طرح کی منزلیں آنے والے دور کے تنجور اور گنگائی کونڈ چولا پورم کے شہرۂ آفاق مندروں میں اس خصوصیت کے رواج پانے کا پیش خیمہ ہیں۔ مقابل میں ایک " مہا منڈپ " ہے۔ ناگیشور مندر کے مہا منڈپ کی طرح یہ بھی زمین سے نیچے کی سطح سے اٹھایا گیا ہے۔

شکل نمبر (11)

تنجور کا برہدیشورا مندر۔ یہ جنوبی ہند کے مندروں کے فنِ تعمیر کی ایک شاندار مثال ہے جسے عظیم راج راجہ نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی بلندی، سنگتراشی کے نمونوں اور گیلے پلستر

پر لی لی مصوّری نے عالمگیر خراج تحسین وصول کیا ہے۔ مقابل کے احاطے میں استادہ منڈپ کے اندر بہت بڑا نندی بیل ہے جو اپنے قدوقامت میں ہندستان میں دوسرے نمبر پر ہے۔ اس مندر میں ایک ہی "پراکار" ہے جس کے اندرونی حصے کو ایک بند برآمدے نے گھیر رکھا ہے۔ مقابلتاً چھوٹے معبد برآمدے میں ایک دوسرے سے تھوڑی تھوڑی دور پر بنے ہوئے ہیں۔ اس کے داخلے کے دروازے دو ہیں جن کے اندر پست قد "گوپورے" ہیں جو تصویر میں نظر نہیں آتے۔

شکل نمبر (12)

یہ تصویر گنگائی کونڈ چولاپورم، ضلع ترچراپلی کے برہدیشور مندر کی ہے۔ یہ ایک اور خوبصورت مندر ہے جس کو راجندر چولا اوّل نے تعمیر کیا تھا۔ یہاں ایک جیسی دو منزلیں صاف نظر آرہی ہیں۔ کوشٹھے، پنجرے اور شالائیں بخوبی واضح ہیں۔ طاقچوں میں خوبصورت مورتیاں رکھی ہیں۔ تنجور کے مندر کے برعکس یہاں "ویمان" سامنے سے مخروطی شکل کا ہے اور اس کی باہر کی سطح قدرے ناہموار ہے۔

شکل نمبر (13)

مذکورہ بالا مندر (شکل نمبر 12) کا شمالی صدر دروازہ۔ شرل قسم کا جنگلہ بعد کے زمانے کے جنگلوں کے برعکس، جو کہ دارا شرم اور دیگر مقامات پر دیکھنے میں آتے ہیں، بہت سادہ ہے۔ پیچواں ڈھلائی بہت نفیس ہے۔ چوکور کھمبے سکشن میں کافی ترقی یافتہ ہیں۔ "دوار پال" اس عہد کے چولا مندروں کے رواج کے مطابق اپنی سخت گیرانہ وضع اور اپنے ہاتھوں کی "ترجنی" اور "وسمیہ" مدرا کے باعث بہت تند خو اور قوی نظر آتے ہیں۔

شکل نمبر (14)

اس تصویر میں لدّی گم کے "گوپورے" کا دروازہ دکھایا گیا ہے۔ یہ بہت سادہ اور خوبصورت گوپورہ ہے جو اپنی قسم کی قدیم ترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ یہ یک منزلہ (ایک تل) عمارت ہے۔ اس گوپورے کی سجاوٹ صرف "کیرتی مکھ" کے نمونے ہیں۔ ایسا

ایک ایک نمونہ گنبد کے دونوں سروں پر بنا ہوا ہے اور یہ نمونہ واضح طور پر بعد کے زمانے کے گوپوروں کی "یالی" والی چوٹیوں کا پیش رو ہے۔

شکل نمبر (15)

اس تصویر میں ایراوتیشورا مندر کا عام منظر جنوب مشرق کی جانب سے دکھایا گیا ہے۔ یہ مندر داراشرم، ضلع تنجور میں واقع ہے۔ یہ اس طرز تعمیر کی ایک اور مثال ہے جس کے مطابق تنجور اور گنگائی کونڈچولاپورم کے مندر بنائے گئے تھے۔ لیکن یہ ان مندروں کے بعد تعمیر ہوا تھا۔ اس کے جزئیات کا ارتقا ستونوں، ڈھلائی، طاقچوں اور کٹہروں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ نیا اضافہ "مہامنڈپ" کے مقابل ستونوں والے ایک کھلے منڈپ کا ہے۔ پرانے مندروں کی تعمیر "مہامنڈپ" پر ختم ہو جاتی تھی۔ زیادہ شاندار اور دلچسپ وہ گھوڑے ہیں جو منڈپ میں جتے ہوئے ہیں۔ جس سے منڈپ کی شکل رتھ کی سی ہو گئی ہے۔ یہ ایک بالکل نیا خیال تھا جسے عملی شکل دے دی گئی ہے۔ (چدمبرم اور کمبا کونم کے مندروں میں اس طرح کی مثالوں سے اس کا موازنہ کیجیے) یہاں شرل والے سادہ جنگلے بھی ہیں اور ان کے پہلو بہ پہلو اکیلے ہاتھیوں کی شکل والے جنگلے بھی، نیز وہ جنگلے بھی جن میں ہاتھیوں پر شیروں کے حملہ آور ہونے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ یہی وہ مندر ہے جس میں پتھر پر ابھاری ہوئی تصاویر کا ایک ایسا سلسلہ پیش کیا گیا ہے جس میں شیکیلا کی تصنیف "پیریا پُرانم" کے مطابق مشہور شیو سنتوں کے سوانح حیات دکھائے گئے ہیں۔ کچھ سنتوں کی سوانح عمری پتھر پر تو کندہ نہیں کی گئی البتہ جن تصاویر کو کندہ کرنا تھا ان کا سرخ گیرو سے بنایا ہوا خاکہ اب تک اصلی حالت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ گوپورہ حسب معمول پست قد ہے لیکن بنا سنوارا ہوا ہے، لیکن "ومان" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جسامت بتدریج گھٹ رہی ہے۔

شکل نمبر (16)

مذکورہ بالا مندر کا شمال مشرقی رخ۔ اس کے کارنس کے ساتھ ساتھ مسالے سے بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی شالائیں، ملتے جلتے ڈیزائن کے بڑے بڑے اور بھاری ستون، باہر کو

نکلا ہوا کارنس (کوڈ نگائی)، گہرے طاقچے جن میں مورتیاں رکھی ہیں، اور "اُپ پیٹھوں" پر تیکھی نوکوں والی کنول کی پتیوں کے نقش و نگار یہاں نئے اضافے ہیں۔

شکل نمبر (17)

مذکورہ بالا مندر کے "النکار منڈپ" کا جنوب مغربی رخ۔ منڈپ کے ستونوں سے کلیدی موضوع (موٹف) کے ارتقا کی دلچسپ جھلک ملتی ہے۔ توڑے پہلے جیسے سادے نہیں بلکہ اب ان پر پھول پتیاں بنی ہوئی ہیں۔ "پلگائی" پتلا اور بہت چوڑا ہے۔ زیریں حصوں پر بنے ہوئے "یالی" اور شیر مختلف وضعوں میں دکھائے گئے ہیں۔ بنیاد کے چبوترے میں "پنجرا" ڈیزائن استعمال کیا گیا ہے۔ پہیئے اور گھوڑے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ "منڈپ" ایک رتھ ہے جنگلے پر بنا ہوا ہاتھیوں کا آرائشی نمونہ بڑی صنعت گری سے کندہ کیا گیا ہے۔

شکل نمبر (18)

مذکورہ بالا مندر میں دیوناکی امّن کے معبد کا جنوب مغربی رخ۔ صدر دیوتا کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے امّن کے نام سے وابستہ الگ عبادت گاہ کی یہ سب سے پرانی مثال ہے۔ قریب 1100ء سے قبل کسی مندر کے صحن میں امّن کا الگ معبد تعمیر کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اس معبد میں جو نئی اور دلچسپ خصوصیات دیکھنے میں آتی ہیں وہ یہ ہیں: "آدی ستھان" کے باہر کو نکلے ہوئے "کوڈو"۔ ابھرے ہوئے شیروں کی بنیاد والے چوکور کھمبے۔ نمایاں کوڈوؤں کے جوڑوں سے مزیّن کارنس (کوڈ نگائی) سہ منزلہ "دمان" جس کا کچھ حصّہ سامنے کی جانب نمایاں طور پر آگے کو نکلا ہوا ہے۔ لمبا اور چھت سے ڈھکا ہوا "اردھ منڈپ"۔ یہ سب بڑی چابکدستی سے کیا ہوا ہے جس سے یہ معبد بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

شکل نمبر (19)

تربھوونم ضلع تنجور کے کمپہریشور مندر کا شمال مغربی رخ۔ یہ چولا عہد کے آخری عظیم مندروں میں سے ایک اور مندر ہے۔ اس کا نقشہ اور عمارت کی شکل تنجور کے مندر کے

سے ہیں، البتہ یہاں نچلی منزل کی شکل کی کوئی اور منزل نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے معبدوں کی ڈھلائی، ستون، ترتیب اور زیبائش سے فن تعمیر کی مزید ترقی کی جھلک ملتی ہے۔

شکل نمبر (20) الف

زیریں منزل کی جھالر "تاسینگ پاؤ" ایوان کے مثل ہے جو چین میں زیٹن (چوان چو) کے مقام پر ہے۔ نچلی منزل "پدم پیٹھ" اور "ویال واڑی" کے نمونوں پر ہے۔ یہ دونوں چولا عہد کے جنوبی ہند کے مندروں کی خصوصیات ہیں۔ جنوبی ہند کے مندروں میں مُروّج "یالیوں" کی جھالر کے بجائے یہاں الگ الگ چوکھٹے میں "یالی" یا "سمہا" کی شکل بنی ہے یا کوئی ملی جلی شکل۔

شکل نمبر (20) ب

اسی مقام پر ہاتھی کو "شولنگ" کی پوجا کرتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ "شولنگ" ایک درخت کے نیچے بیلوں کے گھیرے میں نظر آرہا ہے۔ جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ "شولنگ" جنگل میں بیلوں کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ ہاتھی کی نظر اچانک "لنگ" پر پڑ گئی اور اس نے اس کی پرستش شروع کر دی۔ یہاں ہاتھی "لنگ" کی چوٹی پر ایک کنول کا پھول رکھ رہا ہے۔ اگرچہ اس تصویر کے عام خدوخال جنوبی ہند کے طرز مصوّری ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس کی تفصیلات مثلاً ہاتھی، بیل اور درخت وغیرہ بلاشبہ مقامی اثرات ہیں۔

شکل نمبر (20) ج

اس تصویر میں اسی مقام پر ایک گائے "شولنگ" کی پوجا کر رہی ہے۔ گائے کی تصویر کشی اور درخت کی صناعی سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ان کا بت تراش کوئی مقامی شخص تھا، لیکن اس نے جنوبی ہند کے آرٹ کی روایات کا کافی اثر قبول کیا تھا۔

شکل نمبر (21)

اس تصویر میں شری نواسنلور، ضلع ترچراپلّی کے مندر کے ایک طاقچے میں ایک

بھگت دکھایا گیا ہے۔ وہ دوہرے کنول پھول کے تخت پر "سم بھنگ" وضع میں کھڑا ہے۔ اس نے ہاتھ سینے پر تعظیم اور انکسار کی وضع میں باندھ رکھے ہیں اور اس کے جسم پر "کرنڈ مکٹ" اور دیگر زیورات ہیں۔ اس مورتی کی دائیں ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ پیکر تراشی بہت نفیس ہے۔ مورتی کے اعضا کا تناسب بہترین ہے۔ زیبائش بہت تھوڑی کی گئی ہے اور موضوع کی عکاسی مجموعی طور پر حقیقت نگارانہ اور جمالیاتی اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجے کی ہے۔ یہ جنوبی ہند کے نویں اور دسویں صدی عیسوی کے فن بت تراشی کی نمائندہ خصوصیات ہیں جن کی مثال کمباکونم، کوڈمبالور، شری نواسنلور اور دیگر مقامات پر پیش کی گئی ہے۔ عام طور سے یہ مورتیاں چھریرے بدن کی اور خوبصورت ہیں اور حجرۂ مقدس کے دیواری طاقچوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ طاقچوں کے دونوں طرف دو چوکور ستون ہیں۔

شکل نمبر (22)

یہ شبیہ جو مذکورہ بالا مندر ہی میں رکھی ہیں کسی شہزادی کی ہے یا اپسرا کی؟ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ صنف نازک کی بت گری کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔ اس مورتی کی بائیں ٹانگ اور بازو نیز دایاں ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس کا کام شکل نمبر 21 کے مشابہ ہے۔ وہ "پدم آسن" میں کھڑی ہے۔ اس نے جو "کرنڈ مکٹ" ہار اور جسم کے نچلے حصّے پر جو پارچہ جات زیب تن کر رکھے ہیں وہ بہت خوشنما ہیں۔ اس کی بھری چھاتیاں، پتلی کمر اور چوڑے کولہے بڑی مشاقی سے تراشے گئے ہیں اور ان کی تراش و خراش میں نسوانی حسن کے ان معیاروں کو پیش نظر رکھا گیا ہے جو شاستروں میں درج ہیں۔ چوکور ستون کے بالائی کناروں پر تکیئے کھانچوں والے توڑے قابل توجہ ہیں۔

شکل نمبر (23)

یہ ایک اور طاقچے میں رکھی ہوئی کسی شاہزادی کی مورتی ہے یا کسی اپسرا کی؟ یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کا بایاں ہاتھ اور دائیں ٹانگ ٹوٹے ہوئے ہیں۔ 21 سے لے کر 23 نمبر تک کی مورتیاں شری نواسنلور کے مدرسۂ فن کی ممتاز مثالیں ہیں۔

اور یہ کمبا کونم اور دیگر مقامات کی مورتیوں کی مثالوں سے مختلف ہیں۔

شکل نمبر (24)

یہ کمبا کونم کے ناگیشور مندر کے ایک طاقچے میں رکھی ہوئی ایک نسوانی مورتی کی تصویر ہے۔ یہ مورتی یہاں ایک سادہ چوکی پر کھڑی ہے۔ اسے سر پر "دھملا" پہنے دکھایا گیا ہے جو پھولوں سے مزیّن ہے۔ گلے میں ہار آویزاں ہیں اور اس نے جسم کے زیریں حصّے پر چست لباس پہن رکھا ہے جس میں سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ اس نے "ولایا" اور "نوپور" بھی پہن رکھے ہیں۔ اس کے بازوؤں کے نچلے حصّے پر نمایاں "داجی بندھ" اور پیٹ پر تین سلوٹیں (ترولی) ہیں۔ اس مورتی کا لمبوترہ چہرہ، چھریرا جسم اور زیبائشی تفصیلات اور چہرے کے خدوخال سے نمایاں خوشی کے جذبات، اس مدرسۂ فن کی جملہ تخلیقات کی نمائندہ خصوصیات ہیں۔

شکل نمبر (25)

اس مندر میں ایک طاقچے میں رکھی ہوئی ایک اور عورت کی مورتی جو مذکورہ بالا مورتیوں سے مشابہہ ہے لیکن بعض معمولی باتوں میں ان سے مختلف بھی ہے مثلاً زیورات اور ہاتھوں کے دھرنے کی وضع اور کیفیت میں۔ اس نے بھی سر پر دھملا پہن رکھا ہے۔ جس پر معمول کے مطابق پھول بنے ہوئے ہیں۔ جواہرات سے جڑے ہوئے کنڈل بازو بند اور کنٹھے زیب تن ہیں۔ بدن کے نچلے حصے پر چست لباس ہے جس کے کنارے بہت خوبصورتی سے لپٹے ہوئے ہیں۔ ان سے جزئیات کی مشاقانہ عکاسی اور کلاسیکی ضبط وتوازن کا اظہار ہوتا ہے۔ اس مورتی کا "بھنگ" اور ایک طرف کی تین چوتھائی شکل اسے بے نظیر دلکشی عطا کر رہے ہیں۔

شکل نمبر (26)

اسی مندر کے ایک اور طاقچے میں ایک اور عورت کی مورتی ہے۔ یہ بھی مذکورہ بالا مورتی سے مشابہہ ہے۔ اس میں کنڈل اور ہاتھ میں تھاما ہوا خوشنما کنول پھول

قابلِ توجّہ ہیں ۔

شکل نمبر (27)

ایک اور عورت کی مورتی ۔ یہاں ایسی مورتیوں کی ذاتی دلکشی اور حسن کو اجاگر کیا گیا ہے ۔ آرائش کی تفصیلات، سر پر لگائے ہوئے سوریہ اور چندر "پربھا"، شانوں پر گرتی ہوئی پروقار گھونگھریالی لٹیں، نیز کنڈل اور کنٹھے سب ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے بنانے میں نفاست برتی گئی ہے ۔ ان پر بہترین پیکر تراشی سونے پر سہاگہ ہے جو بھری چھاتیوں، چھریرے بازوؤں، پتلی کمر اور چوڑے کولھوں کی تراشش سے نمایاں ہے ۔

شکل نمبر (28)

یہ اسی مندر کے دوسرے طاقچے میں استادہ ایک مرد کی مورتی ہے ۔ اس کی صناعی اوپر کی مورتی جیسی ہے ۔ ہاتھوں کی نشست، ہلکا سا "بھنگ" اور دیگر خدوخال خوبصورت ہیں اور حقیقت کی عکاسّی کرتے ہیں ۔ پیکر تراشی نفیس اور عمدہ ہے ۔ یہ مورتی غالباً کسی سادھو کی ہے ۔

شکل نمبر (29)

اسی مندر کے ایک اور طاقچے میں استادہ ایک مردانہ مورتی ہے جو غالباً کسی شہزادے کی ہے ۔ اس کے سر پر کیش بند ہے جس کے نیچے جواہرات سے جڑا ہوا موباف ہے ۔ وہ ہاتھ میں کنول کا پھول تھامے ہوئے ہے ۔ اس مورتی کی آنکھیں، ناک، بھرے ہوئے ہونٹ، گول چہرے کی تراشش، ٹانگوں کی وضع و نشست جسم کے تین چوتھائی حصے کی یک رخی پیکر تراشی اور تکمیل کی عام خوبی اسے یہاں کی دوسری مورتیوں سے ممتاز کر دیتے ہیں اور یہ تاثر پیدا کرتے ہیں کہ یہ مورتی کسی ایسے سنگ تراش کی بنائی ہے جس کی تربیت کسی مختلف مدرسۂ فن میں ہوئی تھی جو غالباً شری نواسنلور کا مدرسۂ فن تھا ۔

شکل نمبر (30)

یہ تصویر دو بھگتوں کی مورتیوں کی ہے جو تردواڑتورائی ضلع تنجور کے شیو مندر میں موجود ہیں۔ بائیں جانب کی مورتی "انجلی" کی وضع میں ہے۔ اس کے بائیں بازو میں ایک تھیلا آویزاں ہے۔ اس نے ایک بہت سادہ لنگوٹی پہن رکھی ہے۔ دائیں طرف کے دوسرے بھگت نے اپنے دونوں ہاتھوں کو "انجلی" کی حالت میں اپنے سر کے اوپر تک اٹھا رکھا ہے۔ گردن کے گرد منکوں کی مالا ہے۔ اس کا تھیلا اس کے عقب میں ایک چوکی پر رکھا ہے۔ یہ شبیہات جو پتھر پر نقوش ابھار کر بنائی گئی ہیں، بہت خوبصورتی سے تراشی گئی ہیں۔ ان کے چہروں سے جو کیفیات جھلکتی ہیں، وہ سکون اور عقیدت کی مظہر ہیں جو اس طبقے کے افراد کی امتیازی خصوصیت ہیں (دیکھیے صفحہ 725) تامل کردار چولوں کے شروع کے زمانہ کے ہیں۔

شکل نمبر (31)

یہ تصویر جو کانسے کی ہے کسی دیوی کی ہے یا مہارانی کی — ؟ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ اس کا مقام نہیں معلوم ہے۔ یہ مورتی "پدم آسن" پر "تربھنگ" وضع میں استادہ ہے۔ اس نے "کرنڈ مکٹ" پہن رکھا ہے۔ ایک چوڑا سا گلوبند، بازوؤں پر "ناگوالیہ" "واجی بندھ" "ولیا" اور "یجنوپویت" پہن رکھا ہے۔ جسم کے زیریں حصے کی پوشاک اور "نوپور" بہتر طریقے سے زیب تن ہیں۔ دایاں ہاتھ کتھک رقص کی وضع میں اور بایاں ہاتھ "لولا" وضع میں ہے۔ چہرے سے سکون اور استغراق کی کیفیت نمایاں ہے۔ پیکر تراشی اور زیبائش سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ عجائب خانہ مدراس میں وڈکپنا یورسے دستیاب شدہ جو سیتا کی مورتی رکھی ہے، اس کے مقابلہ میں یہ مورتی زیادہ پرانی ہے۔ لیکن اس کے غیر معمولی طور پر دبلے پتلے اعضا، خمیدہ کندھے اور کنول کی چوکی کی ساخت لنکا کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

شکل نمبر (32)

یہ کال ہستی، ضلع چتورؔ سے ملی ہوئی کانسے کی مورتی چولما دیوی کی ہے جو "تربھنگ" وضع میں "پدماسن" میں کھڑی ہے۔ اس نے بڑے باریک کام کے زیورات اور ملبوسات پہن رکھے ہیں۔ سر پر "دھملاؔ" ہے۔ ہاتھ میں کنول کی کلی ہے جو بالکل اصلی کلی معلوم ہوتی ہے۔ جھالردار "کے یور" اور "واجی بندھ" بہت دلچسپ ہیں۔ یہ گیارہویں صدی کی ایک عظیم چولا مہارانی کا پیکر ہے۔

شکل نمبر (33)

کال ہستی، ضلع چتورؔ سے دستیاب شدہ شہنشاہ کلوتنگا سوم کی کانسے کی مورتی۔ یہ دو "پیٹھوں" پر بالکل سیدھی کھڑی ہے۔ گھونگھروالے بال ہیں۔ زیورات اور لباس بڑے باریک کام کے ہیں۔ دائیں ہاتھ میں خنجر ہے۔ چہرے پہ تبسّم ہے۔ چولا عہد کے آخری دنوں کی یہ ایک بہترین تصویر ہے اور ایک عمدہ مثال ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آرٹ نے ایک طویل عرصے تک اپنا اعلیٰ معیار برقرار رکھا تھا۔

شکل نمبر (34)

کوڈکرائی۔ ضلع تنجور سے دستیاب شدہ گوتک مہرشی کی کانسے کی مورتی۔ چونکہ اس میں بالکل برہنہ بدن کی پیکر تراشی کی گئی ہے، اس سے تصویر کشی اور خدوخال کی حقیقت نگارانہ عکاسی صاف عیاں ہے۔ ایک خاص شکل کا جٹا بھار (جوڑا)، منکوں کا ایک موٹا سا سر بند اور کھڑے ہونے کا انداز خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ یہ ان شکلوں میں سے ایک ہے۔ جو بعد میں ایسی مورتیوں کے لیے نمونہ بنیں۔

شکل نمبر (35)

شری نواسنلوؔ، ضلع ترچراپلیؔ کے کورنگت ناتھ مندر میں چنڈکیشور کی مورتی۔ اس کی کاریگری اس مندر سے دستیاب شدہ اسی قسم کی ان دوسری مورتیوں جیسی ہے جن پر

ہم اوپر تبصرہ کر چکے ہیں۔ "جٹا مکٹ" اور ہاتھوں کی "انجلی" کی وضع سے جس کے بیچ میں پھول ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ یہ چنڈ کیش کی مورتی ہے۔ اگرچہ بعض نقادوں کی رائے میں یہ کسی شہزادے کی شبیہہ ہے۔ کنول کا آسن اور عمدہ چوکور ستون اس مورتی کے حسن میں اضافہ کر رہے ہیں۔ یہ مذکورہ عہد کے فن سنگتراشی کی ایک اور حسین مثال ہے۔

شکل نمبر (36)

یہ مورتی عموماً نرسنگھ منا یا دریار کی بتائی جاتی ہے لیکن یہ غالباً رام کی مورتی ہے۔ یہ کانسے کی مورتی ترونامنلور ضلع تنجور کے مندر میں موجود ہے۔ یہ "تر بھنگ" وضع میں استادہ ہے۔ ہاتھ تیر اور کمان پکڑنے کی وضع میں ہیں۔ معمول کے زیورات زیب تن ہیں۔ بلند "کیریٹ" یعنی مکٹ، چوڑا لنٹھا اور لنگوٹی بہت خوبصورتی سے تراشے گئے ہیں۔ چہرے کی لطیف کیفیت جس سے الوہی نور ٹپکتا ہے، جسم کی خوبصورت وضع اور خدوخال کی حیرت انگیز تشکیل جو چولا کانسے کی مورتیوں کی خصوصیات ہیں، سب یہاں پائی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ان مورتیوں میں جزئیات جس باریکی سے دکھائی گئی ہیں، اس سے یہ صاف واضح ہے کہ یہ مورتی عجائب خانہ مدراس میں رکھے ہوئے "وڈکو" پنایور" زمرے کے رام اور اوپر شکل 31 کے تحت مذکور گولک پہرٹی کی مورتیوں سے بعد کی بنی ہوئی ہے۔

شکل نمبر (37)

تروکٹلائی (ریاست پڈوکوٹہ) کے مندر کے مرکزی حجرے کی جنوبی دیوار کے ایک طاقچے میں شو کی یہ مورتی ایک سادہ سی چوکی پر کھڑی ہے۔ یہ چھریرے بدن اور متناسب اعضا کی مورتی ہے جس کے سر پر جٹا مکٹ ہے، گلے میں چوڑا لنٹھا ہے۔ پیٹ پر "ادر بند" اور کمر کے گرد خوب صورت پیٹی ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک دھنش اور دائیں ہاتھ میں تیر (؟) ہے۔ اس مورتی کے دو زائد ہاتھ صاف طور پر دکھائی نہیں دیتے۔ چہرے پر جس کی نظر نیچے ہے، "دھیمیہ" کی کیفیت ہے۔ "پڈوکوٹہ" رسالے میں اس کا نام "پنادو" کشنا مورتی بتایا گیا ہے۔ لیکن اوپر جو خدوخال بیان کیے گیے ہیں وہ اسے

زرپرانتکا موری شناخت کرنے کے متقاضی ہیں (ذیل میں شکل نمبر 39 میں دیے گئے اس کے بالکل مشابہہ خدوخال سے اس کا موازنہ کیجیے) ۔

شکل نمبر (38)

یہ کوڈمبالور، ریاست پڈوکوٹہ کے موورکوول مندر نمبر 1 کے طاقچے میں استادہ ویناد ھردکشنا موری ہے ۔ یہ مجسموں کی ایک اعلیٰ مثال ہے ۔ چہرہ جو استغراق کا آئینہ دار ہے ، اوپر کو اٹھا ہوا ہے ۔ سر پر اونچا جٹا مکٹ ہے ۔ زیورات اور کمر بند صاف نظر آ رہے ہیں ۔ آگے کے دونوں ہاتھوں میں وینا تھام رکھی ہے ۔ پیچھے کے دونوں ہاتھ یہاں صاف دکھائی نہیں دیتے ۔ اس شبیہہ کا " بھنگ " اور نموئی بناوٹ اس کی شوکت میں اضافہ کرتے ہیں ۔

شکل نمبر (39)

اس مندر سے دستیاب شدہ ترپرانتکا موری ہے ۔ یہ مجسمہ اب مدراس کے سرکاری عجائب گھر میں محفوظ ہے ۔ یہ " تربھنگ " وضع میں بڑے پروقار انداز میں استادہ ہے ۔ پیچھے کے ہاتھ " پتا کا ہست " میں ہیں ۔ ان سے آگے ترکش ہیں ۔ آگے کا دایاں ہاتھ " دیا کھیان " کی وضع میں ہے ، جبکہ بائیں ہاتھ میں لمبی کمان ہے ۔ جٹا مکٹ " چنن ویر " " ہار " اور دوبل میں خوبصورت پھندوں سے بندھے ہوئے بالائی جسم کے کپڑے ۔ نیز " یگنور پویت " بڑی نفاست سے تراشے گئے ہیں ۔ تروکٹلائی کی مثال کی طرح ، اس موری کے چہرے سے بھی " وسمئے " کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ کیفیت مالکِ کائنات کے ترپراسر کو مار ڈالنے کے باعث پیدا ہوئی ہے ۔ اس موری کی موزونیت ، حیرت انگیز پیکر تراشی اور مختلف اعضا کی حقیقت نگارانہ خاکہ کشی اس کو آرٹ کے ایک اعلیٰ شاہکار کا درجہ عطا کرتے ہیں ۔

شکل نمبر (40)

مذکورہ بالا مندر میں سے ملی ہوئی " ترپراسندری " کی موری ۔ جو اب مدراس کے سرکاری عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے ، اصل میں شکل نمبر 39 کے جوڑ کی موری ہے ۔

یہاں جو "سم بھنگ" (بالکل سیدھی) وضع دکھائی گئی ہے وہ دیویوں کی شبیہات کے لیے غیر معمولی ہے۔ اس مورتی کے دایئں ہاتھ میں ایک پھول ہے اور بایاں ہاتھ ران پر رکھا ہوا ہے اور یہ "کرنڈمکٹ" "کنڈلوں" اور گلوبند سے آراستہ ہے۔ "یجنوپویت" بہت نمایاں ہے۔ جسم کے زیریں حصےّ کے کپڑے بڑی خوبصورتی سے تراشے گئے ہیں۔ اور ان کے بل، پھندنے، جھالریں وغیرہ بالکل قدرتی نظر آتے ہیں۔ اپنے شوہر کے برعکس وہ سامنے دیکھ رہی ہے اور اس کے چہرے پر نور برستا ہے۔ پہلی مورتی کی تقریباً ہم شکل ہے اور دونوں ایک ہی کامل الفن کی شاہکار ہیں۔

شکل نمبر(41)

یہ مورتی کوڈمبالور، ریاست پڈوکوٹہ کے موورکوول مندر 2 سے دستیاب ہوئی ہے۔ یہ "اردھ ناریشور" کا مجسمہ ہے جو "تربھنگ" وضع میں استادہ ہے۔ دائیں جانب صرف ایک جو دیوتا کا ہے۔ پاروتی والے حصے میں ایک ہاتھ ہے جس میں آئینہ ہے۔ ایک عظیم تصور کو ایک حیرت انگیز شکل عطا کردی گئی ہے۔ یہاں "پرکرتی" اور "پرشں" باہم مل کر کائنات کی اساس بن گئے ہیں۔ اس مورتی نے ناممکن کو ممکن بنادیا ہے۔ اس میں اعلیٰ جمالیاتی معیار سمو دیئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ ہی بت گری کے قواعد کی کڑی پابندی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اس میں اور مہابلی پورم سے ملے ہوئے "اردھ ناری" کے ایک مجسمے میں دور کی ایک مشابہت ہے۔ دونوں جانب سے مجسمے کو گھیرے ہوئے چوکور کھمبوں کے ڈیزائن اس کو ایک دلکشی عطا کرتے ہیں۔

شکل نمبر(42)

کمبا کونم میں ناگیشور مندر کے ایک طاقچے میں رکھی ہوئی "اردھ ناریشور" کی مورتی۔ یہ شکل کوڈمبالور والے مجسمے سے مشابہہ ہے۔ لیکن یہاں اس کی تراش حیرت انگیز اور بے مثال ہے۔ غالباً نویں اور دسویں صدی کے جنوبی ہندوستان نے آرٹ کو اپنے عروج کی انتہائی بلندیوں پر پہنچتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ یہ اس مندر کی تمام مورتیوں میں سے نفیس ترین مورتی ہے۔ اس کے ایک عضو میں چولا عہد کے فن سنگتراشی کا حد درجہ کمال آشکارا

ہے۔ اس کی صناعی کا انداز واضح طور مقامی ہے اور ان طرزوں سے بالکل الگ ہے جو اس وقت کوڈمبالور یا دوسرے مقامات پر رائج تھے۔ یہاں کے چوکور ستون البتہ دلچسپ نہیں ہیں۔

شکل نمبر (43)

اسی مندر میں برہما کی مورتی، نوجوان جسم جس کے تین چہرے ہیں جن سے الوہی دانش و حکمت نمایاں ہے۔ یہ "سم بھنگ" وضع میں "پدم پیٹھ" پر کھڑی ہے۔ اس مورتی کے اوپر کے ہاتھوں میں منکوں کی مالا اور "کنڈ کا" ہیں جو اس کی شناخت کی علامتیں ہیں۔ اس کی صناعی بھی اوپر کی مورتی جیسی ہے۔

شکل نمبر (44)

یہ مورتی شری نواسنلور، ضلع ترچراپلی کے کورنگ ناتھ مندر میں ایک طاقچے کی زینت ہے۔ یہ شو کی مورتی اس طرح استادہ ہے کہ اس کا دایاں رخ ہی آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ دائیں ٹانگ شکستہ ہے لیکن یہ یقیناً بونے "اپسمار" کے سر پر دھری ہوگی "جٹا مکٹ" اور دیگر زیورات حسب معمول نہایت خوبصورتی سے تراشے گئے ہیں۔

شکل نمبر (45)

یہ مذکورہ بالا مندر کے جنوب کی طرف کے ایک طاقچے میں رکھی ہوئی دکشنا مورتی ہے۔ یہ نہایت شاندار مجسمہ ہے لیکن بری طرح مسخ ہو چکا ہے۔ اس کے سر کا بہت گھنا "جٹا بھار" اس کے زیورات کی باریک نقاشی اور اس کی اعلیٰ پیکر تراشی اسے ایک عظیم شاہکار کا مقام عطا کرتے ہیں۔ اوپر جو درخت کی ٹہنیاں دکھائی دے رہی ہیں وہ ایک موثر پس منظر پیش کرتی ہیں۔ ہرن اور شیر جیسے جانوروں، نیز "ودیادھروں" "رشیوں اور "اپسماروں" کی شبیہات سے مورتی کے حسن میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ ان کی صناعی بھی بظاہر ایسی ہی ہے جیسی کہ اصل مورتی کی۔ فن تعمیر کے اعلیٰ محاسن جو یہاں پیش کیے گئے ہیں، منظر کو اور بھی دلکش بناتے ہیں، مثلاً اس کی پیچواں ڈھلائی "بالی واری"، پرشوکت ستون،

نفیس "تورن" اور خاص قسم کی کھانچے دار چوٹی۔

شکل نمبر (46) تختی نمبر (20)

یہ والیشور مندر کے "ومان" پر بنی ہوئی شو کے دو روپوں کی مورتی ہے یعنی "اردھ ناریشور" اور "انوگرہ مورتی" کی۔ یہ ضلع ترونیل ویلی میں ترووالیشورم مندر میں ملی ہے۔ یہ مندر غالباً دسویں صدی کے ابتدائی برسوں کا بنا ہوا ہے۔ اس کی تعمیری تفصیلات اگرچہ خاصی ترقی یافتہ ہیں لیکن یہ پن فلائی اور کانچی پورم کے پلّو طرز تعمیر سے مشابہت رکھتی ہیں۔ "اردھ ناریشور" اس مورتی میں "تربھنگ" وضع میں ایک "کرن کوشٹھے" کے سامنے ایک بیل کے پہلو میں کھڑے دکھائے گئے ہیں یہ بیل حیرت انگیز نفاست تراشا گیا ہے۔ یہ تصویر کشی بڑی پر اثر ہے لیکن اس کے خدو خال قدرے ناہموار ہیں (اوپر شکل نمبر 41 - اور 42 کے تحت دی ہوئی "اردھ ناریشور" کی حسین مورتیوں سے اس کا موازنہ کیجئے) شو کی دوسری مورتی اس انداز میں تراشی گئی ہے جیسے اپنے سامنے حاضر افراد میں سے کسی کو صبر کی تلقین کر رہے ہیں۔ "کوڈوؤں" پر خوبصورت بیلیں بنی ہوئی ہیں۔ "یالی" پتھر پر اونچے ابھارے گئے ہیں جیسے نارتا ملائی ہیں۔ یہ فن سنگ تراشی کی قدیم خصوصیت تھی۔

شکل نمبر (47) تختی نمبر (20)

اسی مندر میں بنی ہوئی شو کی "ورشبھانتکا مورتی" اور گنگادھر کے روپ میں تصاویر۔ "ورشبھانتکا" روپ میں شو معہ پاروتی کے، نفاست کے ساتھ تراشے ہوئے بیل کے برابر کھڑے ہیں۔ شو اور پاروتی دونوں کو پروقار "تربھنگ" آسن میں دکھایا گیا ہے۔ دونوں کے چہروں کی کیفیات سے انتہائی سکون کا اظہار ہوتا ہے۔ اس فنی تخلیق کی اعلیٰ تصویر کشی، اس کے خوبصورت زیر و بم اور کھڑے ہونے کا پر کشش انداز اس کے محاسن میں اضافہ کر رہے ہیں۔
گنگادھر کا روپ بھی بڑی خوبصورتی سے تراشا گیا ہے۔ شو بیک وقت گنگا کو اپنی جٹاؤں میں سنبھال رہے ہیں اور پاروتی کا غصہ بھی فرو کر رہے ہیں، جس نے ان کے اس اقدام پر کچھ اعتراض کیا تھا۔ یہ مجسمہ سبھی زبانوں میں شیو مت والوں کا محبوب مجسمہ رہا ہے۔ اسی موضوع کی شاندار اور بے مثال عکاسی مہندر ورمن کے گپھا مندر واقع ترچراپلی میں ملتی ہے۔

شکل نمبر (48) تختی نمبر (19)

اسی مندر کے "ومان" پر بنی ہوئی نٹ راج کی مورتی ہے۔ یہ جنوبی ہند کی ان قدیم ترین مورتیوں میں سے ایک ہے جن میں شو کو رقص کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس کی وضع "بھجنگ تراست" کی ہے لیکن زیادہ تر یہ "آنند تانڈو" کے نام سے معروف ہے، کیونکہ یہ تمام دیوتاؤں، رشیوں، انسانوں اور حیوانوں کو انتہائی مسرت بخشتی ہے۔ اس کیفیت کے کچھ اور نام بھی ہیں مثلاً "سندھیا تانڈو" اور "گوری تانڈو"۔ شو کے رقص نے ہر زمانے کے مصوروں کو اپنی مہارت دکھانے کے عظیم مواقع فراہم کیے ہیں۔ جب اس مہارت میں دیوتا کے ساتھ نہ ڈگمگانے والی عقیدت و ارادت بھی شامل ہو تو ایسی تخلیق سب ہی کو مسرت عطا کرتی ہے اور خود ہمیشہ کے لئے ایک حیرت انگیز شے بن جاتی ہے۔ چولا راجگان بڑے پکے شیو تھے اور آڈولان یا نٹ راج ان کا سرپرست دیوتا تھا۔ لہٰذا چولا عہد کی طرز کی مورتیاں آرٹ کے نادر عجوبوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ زیر بحث مجسمے میں وہ تمام خصوصیات ملتی ہیں جو عموماً بعد کے وقتوں کی اسی قسم کی اور مورتیوں میں دکھائی دیتی ہیں، سوائے چکر کھاتی ہوئی جٹاؤں کے۔ اس کی جنبش میں موزونیت اور وقار ہے۔ بدقسمتی سے اس مورتی کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا ہے۔ نیچے کی جھالر میں جو جانوروں کی تصاویر ہیں ان میں ہاتھی ایک شاندار فنی کاوش ہے۔

شکل نمبر (49) تختی نمبر (21)

یہ اسی مندر کے ومان کے مغربی رخ کی تصویر ہے۔ اوپر بالکل چوٹی کے طاقچے میں چار ہاتھوں والا ایک خوبصورت یوگ نرسمہا" کنول کی چوکی پر بیٹھا دکھائی دیتا ہے۔ کونوں میں آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے نندی بیلوں کی گردنوں میں گھنٹیوں کے ہار ہیں۔ نیچے جانوروں کی شبیہات کی ایک جھالر نظر آرہی ہے۔ شیروں کے بیٹھنے کا انداز ایسا ہے جیسے اوپر نرسمہا کے بیٹھنے کی وضع کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ مہابلی پورم میں ارجن کی تپسیا کی جو مورتی ہے اس میں بلّی کی تپسیا بھی دکھائی گئی ہے۔

زیریں منزل میں بائیں سے دائیں کی جانب (چلیں تو) مندرجہ ذیل مجسمے دیکھنے میں آتے ہیں۔ راکنکال مورتی، پاروتی اور ایک گن کی رفاقت میں۔ پاروتی مورتی بہت دلکش

انداز سے تراشی گئی ہے (2) دکشنا مورتی ایک پہاڑی پر بیٹھے ہوئے۔ (3) پدم آسن پر لنگود بھاو" خلاف معمول شو کی مورتی کے قامت ہی کی ایک مورتی وشنو کی بائیں جانب استادہ ہے جب کہ اسی قامت کے برہما دیوتا کا مجسمہ دائیں جانب ہے۔ یہ دونوں یعنی وشنو اور برہما "انجلی" کی وضع میں ہیں جو ان کی شکست پر دلالت کرتی ہے۔ اس طرح کے مجسموں میں جو بعد کے وقتوں کے ہیں، وشنو کی شبیہہ ایک سور کی بنائی گئی ہے، یا شکل آدمی کی ہے اور سر سور کا ہے جو شو کے پاؤں دیکھنے کے لیے زمین کے اندر جا رہا ہے۔ برہما کی شکل ہنس کی بنائی گئی ہے یا اسے ہنس پر سوار ہو شو کے سر کے درشنوں کے لیے جاتے دکھایا گیا ہے۔ (4) کالاری مورتی جس کے بہت سے ہاتھ ہیں۔ اس دیوتا کا بایاں پاؤں "اُوردھو جانو" وضع میں اوپر کو اٹھا ہوا ہے اور اس کے اگلے ہاتھ "کال" کا خاتمہ کرنے کی وضع میں ہیں۔ (کال یہاں صاف طور پر دکھائی نہیں دیتا)۔ تنجور اور کوڈمبالور میں اس طرح کی مورتیوں میں اس موضوع کو زیادہ سادگی اور اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کوڈمبالور سے جو مورتی دستیاب ہوتی ہے وہ بہت عمدہ ہے۔ (5) دائیں کنارے کے آخر میں ترپرانتکا کی مورتی ہے۔ یہ ایک شاندار عکاسی ہے۔ اس کی وضع کو دیکھ کر تنجور مندر کی رام کی مورتی اور رابورم کی ترپرانتکا کی مورتی کی جانب خیال جاتا ہے۔ جیسا اوپر بھی ذکر آچکا ہے، یہ مورتی چولا راجاؤں کی محبوب مورتی تھی۔ عظیم راج راجا اس سے خاص طور پر بہت متاثر تھا۔ اسی لیے اس نے نہ صرف تنجور کے مندر کے حجرۂ مقدس کی بیرونی دیواروں کے بہت سے طاقچوں کو ترپرانتکا کی مورتیوں سے پر کر دیا بلکہ اس مندر کی غلام گردش میں ایک کمرے کی پوری دیوار اس مقصد کے لیے وقف کر دی تاکہ اس پر شو کی ترپرا سروں سے زبردست لڑائی کے پورے منظر کی مصوری کر دی جائے۔

جانوروں کی شبیہوں والی جھالر، پتھر پر تصویروں کا اونچا ابھار، پتھر کا کام اور سادہ شالائیں، یہ قدیم طرز تعمیر کی خصوصیات ہیں۔

شکل نمبر (50) تختی نمبر (19)

یہ اسی مندر میں رکھی ہوئی گجانتکا مورتی ہے۔ اس میں شو کے آٹھ ہاتھ ہیں ان کی بائیں مانگ ہاتھی کے سر پر رکھی ہے اس کی کھال شو کے عقب میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ نقشہ ہیبت انگیز ہے۔ زیبائشی کام حسب معمول بہت عمدہ ہے۔ پاروتی کو دائیں طرف اس انداز

میں دکھایا گیا ہے جیسے وہ اس خونریز منظر کو دیکھ کر ایک طرف بھاگ رہی ہوں۔

شکل نمبر (51) تختی نمبر (19)

اسی مندر میں شو اور ان کے ایک بھگت کی مورتی ہے اور ایک ان کی چنڈیشا نو گرہ مورتی ہے۔ پہلے مجسمے میں شوجی "سکھاسن" وضع میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے خصوصی نشان "پرشو" اور "مرگ" اپنے اوپر کے ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہیں۔ دائیں طرف کا نچلا بازو ان کے دائیں جانب کھڑے بھگت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ "ابسمار" صاف دکھائی نہیں دیتا۔ بھگت نے جو "اتی بھنگ" وضع میں کھڑا ہے اپنے ہاتھوں میں ایک برتن تھام رکھا ہے۔ اس نے "کرنڈ مکٹ" اور دوسرے زیورات پہن رکھے ہیں۔

دوسری مورتی میں شو کو بڑے آرام کی وضع میں دکھایا گیا ہے جو عام طور پر دکشنا مورتی کے مجسموں میں دیکھی جاتی ہے۔ یہاں انھیں چنڈیش کے سر کو ایک ہار سے آراستہ کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ چنڈیش ان کے آگے جھک رہا ہے اور اس کے ہاتھ انجلی کی وضع میں ہیں۔ پاروتی سر پر "کرنڈ مکٹ" پہنے دیگر زیورات زیب بدن کیے (جن میں "یگ ویر" بھی شامل ہے) اور خوبصورت کپڑوں میں ملبوس، اپنے ہاتھ میں ایک پھول تھامے ایک چوکی پر "اتکٹکا آسن" کی وضع میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کا بایاں پاؤں ایک بیٹھے ہوئے تونی جن کے سر پر رکھا ہے۔ یہ پوری صناعی ایسی ہے کہ اس طرح کی مورتی کی کوئی بھی مثال اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دیکھیے شکل نمبر 57 کے تحت دی ہوئی گنگائی کونڈ چولا پورم کی مورتی سے اس کا موازنہ کیجیے جو کچھ کم مؤثر لیکن زیادہ آراستہ اور قد و قامت میں بڑی ہے۔

شکل نمبر (52)

ضلع شمالی ارکاٹ میں کاویری پاکم کے اگالمن مندر میں رکھا ہوا دکشنا مورتی کا مجسمہ۔ شو ایک چوکی پر "اتکٹکا آسن" میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس چوکی پر ہرنوں کے ایک جوڑے اور سانپ کی شبیہیں منقوش ہیں۔ اس مورتی میں خاص دلچسپی کی چیزیں یہ ہیں: بہت بڑا "جٹا بھار" جس میں گھونگھریا گرہیں پڑی ہوئی ہیں۔ وستر، یجنوپویت نیز کائناتی دانش و حکمت کی کتاب (وید) کے اوراق جو شو کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس شبیہ کی مجموعی ساخت روایتی صورت گری کی

نمائندگی کرتی ہے۔ کاویری پاکم میں پلوّا اور چولا عہد کی بہت سی نادر اور قدیم چیزیں دستیاب ہوئی ہیں۔

شکل نمبر (53) تختی نمبر (19)

یہاں کمبا کونم کے ناگیشور مندر میں شو کے بھکشاٹن روپ کی مورتی دکھائی گئی ہے۔ شو نے یہاں "جٹا مکٹ" اور دیگر گہنے پہن رکھے ہیں۔ ایک سانپ ان کے کمربند کا کام دے رہا ہے۔ تین ہاتھوں میں، ایک ڈمرو، ایک میں کپال (کھوپڑی) اور ایک میں ڈنڈا ہے۔ چوتھا ہاتھ ہرن کو تھپکی دے رہا ہے۔ یہ مورتی ایک نادر شاہکار ہے اور ایک حسین وجمیل شخص کے تمام خدو خال اس میں موجود ہیں جو قدیم دھارمک کتابوں میں بھکشاٹن کے اس روپ کے عین مطابق ہیں جس میں وہ داروکاون میں رشیوں کی بیویوں کے سامنے ظاہر ہوا تھا۔

شکل نمبر (54) تختی نمبر (23)

یہ تنجور کے برہدیشور مندر کی غلام گردش کے شمالی حصے میں ایک طاقچے میں رکھی ہوئی سرسوتی ؟ کی مورتی ہے۔ دیوی یہاں "اردھ پریا لکاسن" میں بیٹھی ہوئی ہے۔ دایاں ہاتھ شکستہ ہے اور بائیں ہاتھ میں اس نے ہمہ گیر علم و دانش کی کتاب تھام رکھی ہے۔ "جٹا مکٹ" "کچ بندھ" اور دیگر گہنے زیب تن ہیں۔ اوپر خوبصورت چھتر ہے اور کسی درخت کی شاخیں ہیں۔ اس کے دونوں جانب ایک ایک "چامر دھرنی" (چنور ہلانے والی) کھڑی دکھائی دیتی ہے اور اوپر ایک گندھرو منڈلا رہا ہے۔ چہرے کی کیفیت روحانی کیفیات کی آئینہ دار ہے۔ اس مجسمے میں مورتی کے سبھی کلاسیکل محاسن نمایاں ہیں لیکن چونکہ اس نے "کچ بندھ" پہن رکھا ہے اور ایک ایسے مندر میں رکھی ہوئی ہے جو شو کی لیلاؤں کے بیان کے لیے وقف کیا گیا تھا اور "للتا سہسر نام" میں شامل ایک اشلوک میں دی گئی ہر تفصیل اس پہ صادق آتی ہے، اس لیے یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ یہ سرسوتی کی بجائے اُما کی مورتی ہے۔

شکل نمبر (55) تختی نمبر (22)

گنگائی کونڈ چولا پورم کے مندر کے ایک بیرونی طاقچے میں رکھی ہوئی یہ نٹ راج کی مورتی

ہے۔ یہ مورتی رقاص کے روپ میں شو کی اس وضع کی حسین ترین مورتیوں میں سے ایک ہے۔ جس میں چولا سنگ تراش اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے (اس کا موازنہ شکل نمبر 48 کے تحت دی ہوئی اس سے پہلے کے زمانے کی نٹ راج کی مورتی سے کیا جا سکتا ہے جو ترووالیشورم ضلع ترونیل ویلی کے والیشور مندر میں رکھی ہے)۔ زیر بحث مورتی میں نٹ راج کی شبیہہ زیادہ مکمل اور معیاری ہے۔ مندرجہ ذیل ماتحت شبیہات جو پتھر پر نقوش ابھار کر تراشی گئی ہیں، نہ صرف خوبصورت ہیں بلکہ دلچسپ بھی ہیں کیونکہ وہ پورے منظر کی تکمیل کرتی ہیں۔ نٹ راج کے عقب میں کالی دیوی ہے جو رقص کی "چتر" وضع میں ہے۔ دائیں جانب کے طاقچے سے آگے پاروتی ہے جو ایک بہت ہی نفاست سے تراشے ہوئے بیل کا سہارا لے کر کھڑی ہے۔ بائیں جانب گنیش اور سبر ہمنیا کی حسین مورتیاں نظر آتی ہیں یہاں وشنو ڈھول بجا رہے ہیں۔ ان کے بالائی ہاتھ "وسمے" کی وضع میں ہیں جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وشنو شو کے آفاقی رقص کے ثنا گو ہیں۔ "اپسمار" بہت بڑا ہے۔ اس کے نیچے چوکی پر ایک "گن" (تانڈو ؟) ڈھول بجاتا ہوا دکھایا گیا ہے، نیز ایک خاتون سنت کارئی کال امیار جھانجھ بجاتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ اس کے دونوں جانب ایک ایک چوکھٹا ایسا ہے جس میں گن رقص کی مختلف وضعوں میں دکھائے گئے ہیں۔

شکل نمبر (56) ایضاً

اسی مندر کے ایک طاقچے میں ہری ہر کی مورتی ہے۔ یہ مورتی "سیمبھنگ" وضع میں استادہ ہے۔ شو کا پرشو (کلہاڑا) اور "جٹا مکٹ" اس شبیہہ میں دائیں جانب دکھائی دیتے ہیں۔ وشنو کا شنکھ اور "کیریٹ مکٹ" اس کے بائیں جانب ہیں۔ اس مورتی کی بناوٹ میں لوچ نہیں ہے جو اس عہد کے مجسموں میں قدرے خلاف معمول ہے۔ اس کے برعکس پتھر پر کم ابھرے ہوئے نقوش اور مجسمے جو بنیادی چبوترے پر بنائے گئے ہیں، زیادہ عمدہ اور نفیس ہیں۔

اس طاقچے اور شکل نمبر 53 کے تحت دیئے ہوئے نٹ راج کے طاقچے کی تعمیر کے متعلق تفصیلات کا اگر باہم موازنہ کیا جائے تو ایک ہی عمارت کے طرز تعمیر میں بہت سے دلچسپ اختلافات نظر آئیں گے۔

شکل نمبر (57) ایضاً

مذکورہ بالا مندر میں شو کی مورتی چنڈیش انوگرہ مورتی کے روپ میں ہے۔ اس میں چنڈیش "انجلی" کی وضع میں شو کے روبرو دوزانو ہے۔ اوپر شو "سکھ آسن" وضع میں بیٹھے چنڈیش کے سر پر گجرا باندھ رہے ہیں۔ پاروتی بھی "اتکٹکا آسن" میں پاس ہی بیٹھی ہیں اور ان کا ہاتھ "آہو یوردا" وضع میں رکھا ہے۔ یہ مورتیاں اپنی دل کش صورت گری، نفیس پیکر تراشی اور دلچسپ زیبائشی جزئیات کی وجہ سے مشہور ہیں (اس کا موازنہ شکل نمبر 51 کے تحت دی ہوئی زیادہ حسین مورتی سے کیجئے جو ترووالیشورم سے ملی ہے)۔ بائیں جانب پتھر کے اوپر نقوش ابھار کر جو خوبصورت شکلیں بنائی گئی ہیں، ان میں ایک خوش آہنگی دیکھنے میں آتی ہے۔ واضح طور پر اس میں وہ منظر نقوش میں ابھارا گیا ہے جس میں چنڈیش اپنے والد کی ٹانگیں اس لئے کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ اس کو اپنے طریقے سے شو کی پرستش کرنے سے منع کرتا تھا۔ یہ مورتیاں اس لئے دلچسپ ہیں کہ یہ چنڈیش کے قصے کی تائید کرتی ہیں۔ پتھر میں اس داستان کی ڈھلائی حد درجہ مؤثر ہے۔

شکل نمبر (58) تختی نمبر (24)

مذکورہ بالا مندر میں شو کے کاماشکا روپ کا مجسمہ۔ یہ سنگ تراشی کا ایک نادر نمونہ ہے۔ شو "سکھاسن" وضع میں "پدم پیٹھ" پر بیٹھے ہیں: "جٹا مکٹ" "مکٹ" "یجنوپویت" وغیرہ پہن رکھے ہیں۔ اپنے بالائی ہاتھوں میں اپنے جو نشان انھوں نے تھام رکھے ہیں وہ صاف دکھائی نہیں دیتے۔ نچلا دایاں ہاتھ "سوچی ہست" وضع میں نیچے کے ایک منظر کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ بایاں ہاتھ گود میں ہے۔ چہرے پر ہیبت انگیز جذبات ہیں۔ صورت گری کا یہ اعلیٰ نمونہ ہے۔ طاقچے کے اردگرد بھی پتھر پر کئی مورتیاں ابھاری گئی ہیں۔ بائیں جانب منمتھ یا کام دیو اپنی رفیقہ حیات رتی کے ہمراہ، طاقچے میں شو کی جانب اڑتا چلا آرہا ہے۔ اس طرف ایک اور منظر میں یہ دونوں "انجلی" وضع میں ہاتھ باندھے کھڑے دکھائی دیتے ہیں جس سے شو کے ہاتھوں ان کی شکست ثابت ہوتی ہے۔ دوسری شکلیں جو یہاں دکھائی دیتی ہیں، ان میں ایک پاروتی کی ریاضت کا منظر ہے جس کا تعلق بھی اسی قصے سے ہے۔ یہ سبھی واقعات بڑے مؤثر اور زوردار

انداز سے دکھائے گئے ہیں اور پتھر کے اوپر نقوش ابھارنے کے فن کی بہت عمدہ مثالوں میں شامل ہیں۔ پتھر پر نقوش ابھارنے کی یہ تکنیک اگرچہ بہت عرصے سے متروک ہو چکی تھی تاہم اب تک اس کا کچھ رواج کہیں کہیں جاری تھا اور کبھی کبھی جیسے کہ زیر بحث مثالوں میں اس کا استعمال بڑی کامیابی سے کیا جاتا تھا۔

شکل نمبر (59) تختی نمبر (23)

اسی مندر میں وشنو کی مورتی۔ اس میں جو شبیہہ پیش کی گئی ہے وہ شری نواس دیوتا کی ہے۔ اور یہ "پدماسن" کی وضع میں بالکل سیدھی کھڑی ہے۔ اس کے ایک طرف شری دیوی کھڑی ہے اور دوسری طرف بھودیوی۔ ان مورتیوں میں روایت پرستی کے آثار نظر آتے ہیں۔

شکل نمبر (60)

یہ اسی مہا منڈپ میں رکھا ہوا "نوگرہ" پتھر ہے۔ یہ سیاروں کی صورت گری کی ایک یکتا مثال ہے۔ یہاں تخیل اور اس کو پیکر میں ڈھالنے کا انداز دونوں ہی معرکے کے ہیں۔ کھلے کنول کے پھول کے گرد سیاروں کی ترتیب بہت دلچسپ ہے۔ کھلا کنول نہ صرف سورج کی علامت ہے بلکہ پوری کائنات کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہاں بھی حسب معمول پورے چوکھٹے میں سورج کی غالب حیثیت ہونی چاہئے تھی لیکن اسے صرف سیاروں میں سے ایک دکھایا گیا ہے۔ تاہم اس کی شوکت و عظمت اس کے رتھ وغیرہ سے نمایاں ہے۔

شکل نمبر (61) تختی نمبر (24)

ایراوتیشور کے مندر میں کنکال مورتی کا مجسمہ۔ یہ مندر داراشرم ضلع تنجور میں ہے مجسمہ اب تنجور کی آرٹ گیلری میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس میں شو کھڑاؤں پہنے "تربھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ اگلے ہاتھ ڈمرو بجانے میں لگے ہوئے ہیں۔ پیچھے کا ہاتھ ہرن کو تھپتھپانے میں مصروف ہے۔ بالائی بایاں ہاتھ کندھے پہ ہڈیوں کا ایک گٹھا رکھے ہوئے ہے۔ شو نے بلند جٹا مکٹ اور دیگر زیورات پہن رکھے ہیں۔ زیورات بڑی باریکی اور چابکدستی سے بنائے گئے ہیں۔ ان سے اور اس

شبیہہ کی عقابی ناک سے فن سنگ تراشی میں ایک رسمی طرز کے آغاز کا پتہ چلتا ہے۔ شوجی کے بائیں جانب ایک "گن" نظر آرہا ہے۔ صورت گری کمال درجے کی ہے۔ یہ تمام محاسن مجموعی طور پر اس فن پارے کو بہت اثرانگیز بنا دیتے ہیں اور اسے بارہویں صدی کے فن سنگ تراشی کے نفیس ترین نمونوں میں سے ایک شاہکار کا مقام عطا کرتے ہیں۔

شکل نمبر (62)

اسی مقام سے ملی ہوئی گجانتکا کی مورتی۔ اب یہ مورتی تنجور کی آرٹ گیلری میں منتقل کر دی گئی ہے۔ یہ ایک اور عظیم موضوع کی حیرت انگیز عکاسی ہے۔ اگرچہ یہ پتھر پر اونچے نقوش میں ابھاری گئی ہے پھر بھی اعضا کی تراش خراش اور اس کی "اتی بھنگ" وضع ایسی ہے جس سے یہ گولائی میں نظر آتی ہے۔ اس مورتی کی منضبط اٹھان کو دیکھ کر بے اختیار مہابلی پورم کی مہیش مردنی کی مورتی یاد آجاتی ہے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ اس مورتی کے چہرے کی کیفیت سے داخلی خود شناسی کی جھلک ملتی ہے جبکہ مہیش مردنی کی مورتی کا چہرہ خدائی نور اور ناقابل شکست طمانیت سے جگمگا رہا ہے۔ پاروتی کو شو کے بائیں پہلو میں ایک مکمل نرم و نازک پیکر میں دکھایا گیا ہے لیکن ان کا چہرہ دہشت اور "وسمئے" کے ملے جلے جذبات کا مظہر ہے۔ یہ تصویر کشی شکل نمبر 5 کے تحت دی ہوئی تر و والیشورم کی مورتی سے مختلف ہے جس کا ہم اوپر مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہ اختلاف فن کاروں کی آزادی کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ اپنی فہم و ذہانت کے مطابق کسی موضوع کو بھی جس طریقے سے چاہتے تھے تصاویر میں پیش کرتے تھے لیکن شاستری کے قوانین کے اندر رہ کر۔ ہاتھی کا سر، ٹانگیں اور پدما سن اعلیٰ پائے کی حقیقت پسندانہ صورت گری ہے۔

شکل نمبر (63)

تنجور کے برہدیشور مندر میں نٹ راج کا کانسے کا مجسمہ۔ یہ مندر کی سبھا میں نصب ہے اور آج تک اس کی پوجا کی جاتی ہے جیسا کہ مندر کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے۔ یہ مجسمہ آڈولان کہلاتا ہے۔ اب تک ہمارے علم میں نٹ راج کی جتنی مورتیاں آئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ پرشوکت اور شاندار ہے۔ "اپسمار" پر شو کا رقص بڑی نفاست اور متوازن طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ چہرے سے انتہائی روحانی مسرت اور شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

اعضا میں ایک اعلیٰ درجے کا آہنگ اور موسیقیت ہے اور ان کے توازن کی عکاسی بالوں کی چکر کھاتی ہوئی لٹوں اور "ادر بندھ" کے لہراتے ہوئے سروں سے ہوتی ہے۔ ایک ہالے نے اس موتی کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے جس پر "مکر" (مچھلی) کے سر بڑی خوبصورتی سے بنائے گئے ہیں، جن سے مجسمے کے حسن میں اور اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح کا مچھلی کا نقش ایسی مورتیوں میں شاذ ہی ملتا ہے۔

شکل نمبر (64)

ویلانگنی، ضلع تنجور کے مندر میں نٹ راج کی کانسے کی مورتی۔ اب یہ مورتی مدراس کے سرکاری عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ یہ ایک اور مکمل اور حسین شاہکار ہے۔ عظیم فرانسیسی فنکار اے۔ روڈن کی تحریروں نے اسے شہرۂ آفاق بنا دیا ہے۔ یہ تنجور کے اس مجسمے کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے جس کا ہم اوپر مشاہدہ کر چکے ہیں۔ لیکن اس مورتی کی جزئیات مثلاً "پربھا"، "پدماسن"، "اپسمار پرش" اور زیورات تنجور کے نٹ راج کے مقابلے میں قدرے سادہ ہیں۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ مجسمہ تنجور کے نٹ راج کے مجسمے سے چند دہے پہلے کا بنا ہوا ہے۔

شکل نمبر (65)

یہ تروو النگاڈو ضلع چتور سے ملی ہوئی نٹ راج کی کانسے کی مورتی ہے جو اب مدراس کے سرکاری عجائب خانے میں رکھی ہے۔ یہ نٹ راج کے "آنند تانڈو" رقص کی بہترین مورتی ہے جو اب تک ہمارے علم میں آئی ہے۔ اس میں "پربھا" (ہالہ) نہیں ہے۔ یہ کانسے کی مورتی بنانے کے فن کا ایک حیرت انگیز نمونہ مانا جاتا ہے۔ سنگ تراش جس مقصد کو حاصل نہیں کر سکا اس تک دھات کے مجسمہ ساز نے رسائی حاصل کر لی ہے۔ اعضا کی جنبش بڑی پر آہنگ اور خوبصورت ہیں اور وضع و نشست پر وقار۔ بعض اعضا کی جسامت میں معمولی سا اضافہ بظاہر اس مورتی کو ایک شاعرانہ خصوصیت بخش دیتا ہے اور اس طرح اسے شاندار شاہکار بنا دیتا ہے۔ اعضا کی گولائیاں اور دیگر تفصیلات جیسے سر کا لباس جو پتھر پر اونچا ابھارا گیا ہے اور لمبا کنٹھا چاہے اس شاہکار کی تخلیق کو بعد کے زمانے کی ثابت نہ کریں لیکن یہ مجسمہ ساز

کے علم کی گہرائی اور جزئیات کو صفائی وصحت کے ساتھ اور مؤثر طریقے سے دکھانے کی مہارت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

شکل نمبر (66)

نلور ضلع تنجور سے ملی ہوئی نٹ راج کی کانسے کی مورتی۔ اس مورتی کے آٹھ ہاتھ ہیں وریہ "چتر" وضع میں ہے۔ یہ ایک اور نادر مجسمہ ہے۔ اس مورتی کے سامنے اور عقبی رخ دونوں کے خدوخال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کافی پرانے وقتوں کی ہے۔ پربھا۔ اپسمار اور کرسی کی بناوٹ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

شکل نمبر (67)

ترو ورنگلم' ریاست پڈوکوٹہ' ضلع ترچراپلی کے مندر سے دستیاب شدہ نٹ راج کی کانسے کی مورتی ہے۔ اس میں شو پر وقار "چتر تانڈو" رقص کرتے دکھائے گئے ہیں۔ یہ نہ صرف اپنی نرالی وضع کے باعث بلکہ اپنے کلاسیکی محاسن کے پیش نظر بھی ایک نادر مجسمہ ہے مثلاً چہرے پر مسکراہٹ اور گہنوں کے ذریعہ محدود و منضبط آرائش۔ ان گہنوں میں روایتی "واجی بندھ" اور بڑی نفاست سے سنوارا ہوا جٹا مکٹ بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اس مورتی کے کچھ دیگر محاسن بھی ہیں۔ مثلاً "اپسمار" کی نفیس شبیہہ اور بڑے سلیقے اور صفائی سے بنائی ہوئی کرسی۔ یہ کانسے کے عظیم فن پاروں میں سے ایک ہے۔

شکل نمبر (68)

ورشبھانتکا مورتی مع ان کی رفیقۂ حیات۔ یہ کانسے کا مجسمہ ہے اور ترو وینکاڈو ضلع تنجور سے دستیاب ہوا ہے۔ اب یہ تنجور کی آرٹ گیلری میں رکھا ہے۔ یہ مورتی کلیان سندرا کی مورتی (شکل نمبر 82) اور دو دیگر مجسموں کے ہمراہ ایک گاؤں کے کھیت میں ہل چلاتے ہوئے نکلی تھی۔ یہ تمام مورتیاں ایک ہی کامل فن استھاپتی کی بنائی ہوئی ہیں اور چولا عہد حکومت کے ابتدائی دنوں کی ہیں۔ حسب معمول مورتیوں کے اس گروہ میں بھی دو ہاتھوں والے شو ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھے ہوئے ایسی وضع میں کھڑے ہیں جیسے وہ بیل کا سہارا لئے ہوئے

ہوں لیکن نندی بیل یہاں سے غائب ہے۔ ان کا بایاں ہاتھ "کٹیہ ولمبتا" وضع میں ہے۔ اس مورتی میں "جٹابھار" سادہ ہے لیکن اس قدر خوبصورت کہ اس کا ثانی ہنوز کسی بھی دوسری کانسے کی مورتی میں نہیں ملتا۔ صورت گری نہایت اعلیٰ ہے اور اس کے حسن میں اس کی نفاست بھری تکمیل اور نازک جزویات سے حد درجہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ پاروتی کی مورتی بھی اتنی ہی حسین ہے۔ وہ جیتی جاگتی معلوم ہوتی ہے اور سرتاپا نسوانی حسن و جمال کا پیکر ہے۔ "کرنڈ مکٹ"، گلوبند، یجنوپویت۔ کنگن اور بولاہتا۔ واجی بندھ، چوڑے کولہے اور زیریں جسم کا خوشنما لباس اس مورتی کی دلکشی کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں۔

شکل نمبر (69)

ورشبھانتکا کی کانسے کی مورتی جو گنگائی کونڈ چولاپورم کے مندر میں رکھی ہے۔ اس مورتی کے چار ہاتھ ہیں اور یہ بائیں جانب قدرے خمیدہ ہو کر کھڑی ہے۔ اس کے دائیں کان میں ایک "مکرکنڈل" آویزاں ہے۔ اوپر کی مثال کے مقابلے میں اس مورتی کے کنٹھے، گلوبند اور دیگر گہنے زیادہ سادہ ہیں۔ یہ شبیہہ بھی بڑے خوبصورت انداز میں ڈھالی گئی ہے جو چولا عہد کے فن کی نمائندہ طرز ہے۔ لیکن اگر ہم اس کا اوپر والی مورتی سے مقابلہ کریں تو ان کی کاریگری میں فرق صاف نظر آجاتا ہے کیونکہ یہ دونوں مختلف مقامات کی ہیں۔

شکل نمبر (70)

شو کے سکھاسن مورتی کا مجسمہ جو پڈوکوٹہ کے عجائب گھر میں رکھا ہے۔ اس میں شو "سکھ آسن" میں "پدم پیٹھ" پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بالائی ہاتھوں میں پرشو (کلہاڑا) اور ہرن رکھا ہے۔ زیریں دایاں ہاتھ "ابھے" وضع میں ہے اور بایاں "آہویوردا" وضع میں۔ پوری مورتی کی مجموعی پیکر تراشی بعد کے زمانوں کی مورتیوں کی روایتی خصوصیات کی حامل ہے۔

شکل نمبر (71)

کانسے کی بنی ہوئی "کیرات مورتی" جو ترو ویٹ کلم (موجودہ اتاملائی نگر) کے پشو پتیشورا مندر میں ملی ہے۔ یہ مقام ضلع جنوبی ارکاٹ میں چدمبرم کے نزدیک واقع ہے۔ شو ایک

بہت بڑے بھدراسن" پر رکھے ہوے "پدماسن" پر "تر بھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ ان کے دو ہاتھ ہیں جو تیر و کمان پکڑنے کی وضع میں دکھائے گئے ہیں۔ ایک نورانی بیضوی "پربھا ولی" (ہالہ) مورتی کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس مجسمے کی نفیس ڈھلائی، باریک زیبائشی لوازمات ، خوش ادا وضع اور پر اسرار طریقہ سے یہ تاثر دینے کا انداز کہ یہ مورتی سرچشمۂ قوت اور مخزن توانائی ہے، یہ سب اوصاف وہی ہیں جو ۹۰۰ء سے قبل کے مجسموں میں پائے جاتے ہیں

شکل نمبر (72)

کانسے کی بنی ہوئی "کیرات ارجن" مورتی جو رادھا نرسمہاپورم، ضلع تنجور میں ملا ہے۔ اس مجسمے کے دو رخ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اسی واقعے سے متعلق ایک اور مثال ہے۔ لیکن سابقہ مورتی کے اس مورتی کی ڈھلائی زیادہ بھاری ہے اور زیورات و دیگر خد و خال بہت نمایاں ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سابقہ مورتی کی بہ نسبت یہ مورتی بعد کی بنی ہوئی ہے۔ یہ مجسمہ غالباً گیارہویں یا رہویں صدی کا ہوگا۔

شکل نمبر (73)

شو کے "پردوش مورتی" روپ کا کانسے کا مجسمہ جو ترو واڈ توڑئی ضلع تنجور سے ملا ہے۔ شو خوبصورت "تر بھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ انھوں نے اپنے بائیں جانب پاروتی کو اپنی بانہہ میں لے رکھا ہے۔ پاروتی بھی اسی "تر بھنگ" وضع میں ہیں۔ دونوں ایک ہی "پد ماسن" پر جو ایک "بھدر آسن" کے اوپر ہے، کھڑے ہیں۔ بھدر آسن کے ساتھ ایک بہت خوشنما شکل کی "پربھاولی" جڑی ہوئی ہے۔ ہر چند کہ اس مورتی کی صورت گری اور "پربھا" جٹا مکٹ اور دیگر زیورات کی صناعی سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ یہ مورتی کافی بعد کی ہے لیکن قدیمی نمونوں کے معیاری اصولوں کے تتبع کی کوشش میں یہ مجسمہ ساز حیرت انگیز طور پر کامیاب ہوا ہے۔

شکل نمبر (74)

کانسے کا بنا ہوا "بھکشاٹن مورتی" یہ مجسمہ ترونا منلور کے شو مندر میں ملا ہے۔ حسب معمول شو نے پاؤں میں کھڑاویں پہن رکھی ہیں اور خود برہنہ ہیں۔ جٹاؤں کی ترتیب بہت

خوبصورت ہے۔ بالوں کے گچھوں کی نوکیں اوپر کو نکلی ہوئی ہیں جس کے باعث ان کے سر کے پیچھے ایک ہالہ بن گیا ہے۔ سر کے اوپر ایک کھوپڑی اور سانپ دکھائی دیتے ہیں۔ اوپر کے دائیں ہاتھ نے ڈمرو تھام رکھا ہے۔ نچلا ہاتھ "سمہہ کرن" وضع میں ہے۔ بائیں طرف کا بالائی ہاتھ "کٹکا" وضع میں ہے۔ اس ہاتھ میں جو ترشول ہونا چاہئے تھا وہ یہاں غائب ہے۔ نچلے ہاتھ میں "کپال" ہے۔ ایک سادہ اور چوڑی کنٹھی (گلوبند)، نمایاں یجنوپویت اور ناگ کی پٹی جسم پر سجے ہوئے ہیں۔ اس عریاں جسم کے دیکھنے سے ڈھلائی کا کمال صاف نظر آتا ہے۔ حقیقت پسندانہ خدوخال احساسات کی خوبصورت عکاسی اور محتاط لیکن عمدہ طریقہ سے منعکس کی گئی جزئیات نے مجسمے کی شان کو دوبالا کر دیا ہے۔ ان تمام اوصاف نے اس مورتی کو کانسے کے شاہکاروں کے ایک عمدہ اور نفیس نمونے کی حیثیت عطا کر دی ہے۔

شکل نمبر (75)

تروچنگوڈو، ضلع سلیم میں دستیاب ہوا بھکشاٹن مورتی کا کانسے کا مجسمہ۔ اس میں تمام خدو خال روایتی طرز کے ہیں۔ "پدماسن" پر استادہ ایک ہرن اور ایک "گن" کی اضافی مورتیاں بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ یہ بعد کے وقتوں کے فن کا ایک نمونہ ہے۔

شکل نمبر (76)

یہ کانسے کا مجسمہ ترووڈائیکلی، ضلع تنجور میں ملا ہے۔ یہ سبرہنیا کا "دیوسیناپتی" روپ ہے۔ وہ ایک "بھدر آسن" کے اوپر بچھے "پدماسن" پر "تربھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ ایک خوبصورت "پربھاولی" انھیں گھیرے ہوئے ہے۔ "پربھا" کے کناروں سے "مکر" یعنی مگرمچھ کے نشان کے رواج کے آغاز کا پتہ چلتا ہے۔ یہی نشان آگے چل کر تنجور کے مندر میں نٹ راج کی مورتی (دیکھئے شکل نمبر 76) کے ہالے کی جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، ایک خاص زیبائش بن جاتا ہے۔ چار ہاتھوں میں سے اگلے دو ہاتھ تیر اور کمان سنبھالنے کی وضع دکھائی دیتے ہیں جس سے ان کے "دیوسیناپتی" ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ اپنے خصوصی نشان "شکتی" اور "وجر" انھوں نے بالترتیب اپنے دائیں اور بائیں بالائی ہاتھوں میں تھام رکھے ہیں۔ ان کا "کرنڈمکٹ" "چن ویر" اور دیگر زیورات سادہ اور خوبصورت ہیں۔ یہ چولوں کے عہد حکومت میں آرٹ

کے زمانۂ عروج کی ایک بہت اعلیٰ مثال ہے۔ اس کا طرز بلاشبہ ترووٹیکلم سے ملے ہوئے کیرات مورتی کے مجسمے طرز سے تعلق رکھتا ہے، جیساکہ ہم اوپر شکل نمبر ۱۷ کے تحت دیکھ چکے ہیں۔ گو مؤخرالذکر مورتی اس سے پہلے کی بنی ہوئی ہے۔

شکل نمبر (77)

سربادیوی، ضلع تنّ ویلی سے دستیاب ہوئی وشنو کی کانسے کی مورتی۔ وشنو ایک "بھدر آسن" کے اوپر بچھے ہوئے "پدماسن" پر "سم بھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ انھوں نے اپنے بالائی ہاتھوں میں چکر اور شنکھ تھام رکھے ہیں۔ نچلا دایاں ہاتھ "ابھے" وضع میں ہے اور بایاں ہاتھ "کٹیہ ولمبتا" وضع میں۔ سر پر بلند مکٹ ہے۔ کمر سے نیچے کے خوبصورت لباس کے دونوں جانب ناقوس کی شکل کے خم پڑے ہوئے ہیں۔ لباس نیچے ٹخنوں تک پہنچ گیا ہے۔ مورتی کی بناوٹ اور زیبائشی تفصیلات سے یہ چولا صناعی معلوم ہوتی ہے۔

شکل نمبر (78)

مذکورہ بالا مقام ہی سے ملا ہوا یہ وشنو کا کانسے کا مجسمہ ہے۔ جو اوپر والے مجسمے ہی کا ایسا لیکن بعد کے زمانے کا ہے۔

شکل نمبر (79)

اس مقام سے دستیاب شدہ شری دیوی کی کانسے کی مورتی ہے۔ دیوی معمول کے آسن پر کھڑی ہے۔ کرنڈ مکٹ، چن ویر وغیرہ پہن رکھے ہیں لیکن چھاتی پر "کچ بندھ" نہیں ہے۔ بائیں ہاتھ میں کنول کا پھول ہے۔ اس کی ڈھلائی کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کے چولا عہد کی تخلیق ہے۔

شکل نمبر (80)

مذکورہ بالا مقام پر کانسے کی شری دیوی کی مورتی جو اوپر والی مورتی کے مشابہ ہے لیکن اس کی صناعی میں کچھ فرق ہے، مثلاً کنول کا پائدان مقابلتاً معمولی اور کم نمایاں ہے۔

شکل نمبر (81)

یہ رام، سیتا اور لکشمن کی کانسے کی مورتیاں ہیں، ہنومان کی مورتی بھی ساتھ ہے ۔ یہ مورتیاں ضلع تنجور میں واقع تروکڈائیور کے وشنو مندر میں رکھی ہیں۔ رام "تربھنگ" وضع میں "پدماسن" پر کھڑے ہیں۔ انھوں نے اونچا "کیرٹ مکٹ" مکر کنڈل اور متعدد کنٹھے وغیرہ زیب تن کر رکھے ہیں۔ بائیں ہاتھ میں کمان اور دائیں ہاتھ میں تیر ہے۔ اس شبیہہ کی تکمیل کمال کی ہے اور جزویات اگرچہ بہت باریکی سے نقش کی گئی ہیں لیکن بے حد مسرت بخش اور مؤثر ہیں۔ اعضا کا لوچ خصوصاً بہت نفیس ہے۔ لکشمن کی مورتی رام سے بالکل مشابہ ہے، لیکن یہاں سر کا لباس "جٹا مکٹ" دکھایا گیا ہے اور شبیہہ رام سے چھوٹی بنائی گئی ہے۔ سیتا بھی "تربھنگ" کی خوبصورت وضع میں "پدماسن" پر کھڑی ہیں۔ ان کا "جٹا مکٹ" پترکنڈل۔ چن ویر اور زیریں بدن کا لباس بڑی نفاست سے ڈھالے گئے ہیں۔ ہنومان بہت ہی چھوٹے بنائے گئے ہیں لیکن اتنی چھوٹی سی مورتی میں بھی تمام جزویات بڑے خوبصورت انداز سے سمودی گئی ہیں۔ یہ مورتیوں کا جھرمٹ اندازاً بارہویں صدی کا شاہکار ہے۔

شکل نمبر (82)

شو کلیان سندر کے روپ میں۔ وشنو اور لکشمی، شو کو پاروتی کا کنیادان کر رہے ہیں ۔ یہ مورتی ضلع تنجور میں تروویکاڈو کے مندر میں ملی تھی۔ اب تنجور کی آرٹ گیلری میں رکھی ہے مورتیوں کا یہ ایک نادر گروہ ہے اور حال ہی میں شکل نمبر 68 ماقبل کی مورتیوں کے ہمراہ برآمد ہوا تھا۔

شو جن کا پیکر اس گروہ میں سب سے نمایاں ہے، اپنے دائیں پہلو میں پاروتی کو لئے اس کے دائیں ہاتھ کو تھامے ہوئے ہیں۔ یہاں جس قسم کی شادی رچائی جارہی ہے وہ "پانی گرہن" کہلاتی ہے۔ یہ شادی کی مختلف اقسام میں سب سے زیادہ قابل تعریف قسم ہے۔ پاروتی کی حیا و حجاب بڑی چابکدستی سے ان کی اس ادا سے نمایاں کئے گئے ہیں کہ وہ شرم سے آنکھیں جھکا کر قدرے نیچے دیکھ رہی ہیں۔ ان کی کم سِنی کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ ان کی مورتی کی ساخت میں لوچ اور نرمی کی جھلک ملتی ہے جس پر وقار حسین وضع میں وہ کھڑی ہیں اس سے بھی اس تاثر کی تائید ہوتی ہے۔

وشنو "ابھنگ" وضع میں کھڑے ہیں۔ وہ اپنے اگلے ہاتھ پاروتی کا کنیادان کرنے کی اہم وضع میں اٹھاتے ہوئے ہیں۔ دوسرے ہاں میں چکر اور شنکھ تھام رکھا ہے۔ انھوں نے سر پر اپنا معمول کا "کیریٹ" پہن رکھا ہے اور کانوں میں "مکر کنڈل"۔ لکشمی یا شری جو ان کی رفیقۂ حیات ہیں ان کے بائیں جانب کھڑی دکھائی گئی ہیں۔ وہ ایسی وضع میں ہیں جیسے وہ شرمیلی پاروتی کو شو تک پہنچنے میں مدد دے رہی ہیں۔

ان سب مورتیوں کی کاریگری بہت کمال کی اور لاثانی ہے۔ ان کا ایک شاندار گروہ ہے اور دھات کی مجسمہ سازی میں اپنی نوعیت کا واحد گروہ ہے جو اب تک دیکھنے میں آیا ہے۔

شکل نمبر (83)

یہ راجندر چولا اول کے کرن دئی کی تانبے کی تختی پر کندہ ایک عطیہ نامے پر ثبت مہر کی عکسی تصویر ہے۔ اس میں چولا راجاؤں کا شاہی نشان شیر اپنا منہ کھولے اپنے کولہوں کے بل بیٹھا ہے۔ اس نے اپنی دم آگے کی طرف پھیلا رکھی ہے۔ اس کا رخ دائیں جانب کو ہے۔ مچھلیوں کا جوڑا جو پانڈیا راجاؤں کا شاہی نشان تھا شیر کے سامنے ہے۔ دائیں جانب بالکل ایک سرے پر ایک چراغ دان' ایک جھنڈا اور ایک تپائی ہے۔ سامنے کنارے پر' شیر کے عقب میں ایک چراغ دان' ایک پیمانہ' نیام میں ایک خنجر' اور ایک آنکس دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب ایک چوڑی اور سیدھی لکیر کے اوپر دکھائے گئے ہیں۔ شیر کے نیچے ایک سور جس نے سر کو نیچے جھکا رکھا ہے اور ایک سواستک کا نشان دکھائے گئے ہیں۔ سور کے سامنے ایک پست سی کرسی ہے جو شاید سنگھاسن کی علامت ہے۔ اس سے پرے ایک ڈھول ہے۔ سور کے علاوہ باقی نشان خوش بختی اور سعادت کے ہیں۔ سور کو جو شیر کے عین نیچے دکھایا گیا ہے، جب اوپر والے آنکس کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یہ چالوکیوں کی اطاعت گذاری کا مظہر بن جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں چالوکیوں کے شاہی نشان تھے۔ تصویر میں سب سے نیچے پانچ پتیوں کا ایک کنول کا پھول دکھایا گیا ہے۔ شیر اور مچھلیوں کے اوپر مرچھلوں کا ایک جوڑا ہے۔ مرچھلوں کے درمیان ایک چھتر بنایا گیا ہے جو بادشاہت کا نشان ہے۔ اسے مہر کے بالائی حصہ میں ایک کھلتے ہوئے کنول کی شکل میں ڈھالا گیا ہے۔ ایک دائرہ ان سب شکلوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ مہر کے گھیرے کے قریب گرنتھا حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

راجہ۔ راجنیہ۔ مکٹ۔ شری بینی رتنیشوث اسنم
ایتد۔ راجندر چولسیہ پبہ اکیسری ورنتماہ

شکل نمبر (84)

یہ شبیہہ "دبے" چولیشورا" مندر کی مرکزی عبادت گاہ کے داخلے کے دروازے کے دائیں کنارے پر بنی ہوئی ایک دوار پالک کی مورتی ہے۔ یہ مندر ریاست پڈوکوٹاہ میں نارتّا ملائی کے مقام پر واقع ہے۔ یہ دوار پال معمول کی "اتی بھنگ" وضع میں کھڑا ہے۔ اس کے صرف دو ہاتھ ہیں۔ یہ خصوصیت قدیم زمانے کے دوار پالوں کی مورتیوں میں پائی جاتی تھی۔ اس کے سر کے بال یوں سنوارے ہوئے ہیں کہ اس کے سر کے پیچھے ایک ہالہ بن گیا ہے۔ اس کا پھندنے دار مکٹ، یجنوپویت، اور دوسرے زیورات بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ اس کے چہرے سے ٹپکنے والا رعب اس نوع کے مجسموں کی عام خصوصیت ہے۔ اس کی صناعی عمدہ ہے اور اس میں آخری پلّو اور ابتدائی چولا عہد کے آرٹ کی روایات کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

شکل نمبر (85)

یہ ترکھونم ضلع تنجور کے کمبھر لشورا مندر کے دروازے پر بنی "شال بھنجکا" (زنانہ دربان) کی مورتی ہے۔ اس کا نمونہ بہت پرانے وقتوں کا ہے لیکن اس نمونے کو جنوبی ہند کے مندروں کے صدر دروازوں کے اوپر بنے ہوئے عظیم بیناروں کو سہارا دینے والے واحد پتھر کے ستونوں کی زیبائش کے لئے بڑی چابکدستی سے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ عورت اپنے عقب کے ایک درخت پر اپنا دایاں پاؤں اور پیٹھ ٹکائے بڑے پروقار انداز سے کھڑی ہے۔ اس درخت کی ایک ٹہنی اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھی ہے۔ اس کی مورتی اس عہد کے آرٹ کا ایک شاندار نمونہ ہے اور یہ بات "کونڈئی" کے زیورات اور ملبوس کی باسلیقہ صنّاعی سے خاص طور پر آشکار ہوتی ہے۔ اگرچہ زیورات کی افراط اور جزئیات پر ضرورت سے زیادہ زور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک خاص طرز کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اس مورتی کے حسن میں اس کی وجہ سے اضافہ ہو گیا تھا۔

شکل نمبر (86)

یہ ایک چبوترہ ہے جس پر جانوروں کی شکلوں کی جھالر بنی ہوئی ہے۔ یہ چبوترہ ریاست پڈوکوٹہ کے مقام نارتا ملائی کے مندر میں "سمن کڈگا" کے سامنے بنا ہوا ہے۔ یہاں اس جھالر کا جو حصہ دکھایا گیا ہے اس میں تین چھوٹے خوبصورت ہاتھی بڑی دلچسپ وضعوں میں دکھائے گئے ہیں۔ دو شیر ہیں جن کے چہرے یالیوں جیسے ہیں۔ ایک "یالی" بھی سامنے ہے جس کو ہاتھی کی سونڈ لگا دی گئی ہے۔ چکر دار دم والے شیر کا نمونہ وشنوکنڈین راجاؤں اور پلّور اجاؤں کے سکوں پر اور اول الذکر خاندان کی تانبے کی تختیوں پر کندہ فرامین عطیہ کی مہروں پر بھی ملتا ہے۔ اس نشان کا یہاں اس جھالر میں پایا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ چبوترہ بہت قدیم زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ اس کے پتھر پر ابھارے گئے اونچے نقش و نگار اور خوبصورت نقش گری سے بھی اس کے قدیم تعمیر ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

شکل نمبر (87)

ایراوتیشور مندر کے منڈپ کے کٹہرے پر بنی ہوئی مورتی جس میں ایک شیر کو ہاتھی پر حملہ کرتے دکھایا گیا ہے۔ یہ مندر ضلع تنجور میں دار آسرم کے مقام پر واقع ہے۔ یہ ایک اور عام مروج نمونہ ہے جو ہندوستانی آرٹ میں مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہاں یہ عیب نمایاں ہو گیا ہے کہ شیر کو ہاتھی کے مقابلے میں دراز قامت دکھایا گیا ہے تاہم اس نمونے کی پیکر تراشی بہت اعلیٰ طریقے سے کی گئی ہے۔ قوت اور حرکت عمل کے اظہار کے لئے یہ ایک بڑا شاہکار ہے۔

شکل نمبر (88)

تربھوونم ضلع تنجور کے مندر کے جنگلے پر بنا ہوا "شرل یالی"۔ یہ دو جانوروں کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ اس کا جسم شیر کا ہے اور سر ہاتھی کا، جس کی سونڈ سے لہریئے دار جنگلہ بنایا گیا ہے دونوں جانوروں کو ایک کر کے بنانا اس امر کا مظہر ہے کہ اس بنیادی خصوصیت میں عہد بہ عہد ترقی ہوتی رہی۔ اوپر کی شکل میں قوی شیر کو جو یادشاہت کا نشان تھا، ہاتھی پر حملہ کرتے

ہوئے دکھایا گیا ہے اور ہاتھی کی سونڈ سے جنگلے کا کام لیا گیا ہے۔ یہاں سنگ تراش نے ہاتھی کا جسم تراشنے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ صرف اس کی سونڈ ہی باقی رکھی ہے جس میں اس نے شیر کے بدن کا اضافہ کیا ہے اور جو داراشرم کی مورتی میں بھی غالب عنصر ہے۔ یہ ترکیب سنگ تراشوں کی اس خواہش کی نشاندہی کرتی ہے کہ محنت اور وقت دونوں کی بچت ہو جائے اس زمانے کے راجاؤں نے بھی ان کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ دونوں جانوروں کے ملا دینے سے ایک عجیب الخلقت جانور بن جانا اور شیر کا سیدھا پن اس حقیقت کے ثبوت ہیں کہ شاہی اقتدار بتدریج کمزور ہو رہا تھا اور اس کے نتیجے میں فن اور ثقافت بھی زوال پذیر ہوتے جا رہے تھے۔

شکل نمبر (89) تختی نمبر (35)

مذکورہ بالا "ومان" کی شمالی طرف کی نچلی سطح پر بنا ہوا زیبائشی طاقچہ۔ یہ ایک ایک منزلہ بہت چھوٹے گوپورہ کا نمونہ ہے۔ اس میں قابل توجہ خصوصیات اس کی بنیاد کے پدم کا نمونہ، سادہ ستون اور پھولوں کے زیبائشی نقش و نگار کی عدم موجودگی ہیں۔

شکل نمبر (90) تختی نمبر ایضاً

اسی مندر کے مہامنڈپ کے بنیادی چبوترے کی جنوبی دیوار پر بنا ہوا ایک زیبائشی طاقچہ۔ یہ اوپر والے طاقچے سے مشابہ ہے لیکن اس کی جزویات اس سے مختلف ہیں۔ یہاں بنیاد میں پیچواں ڈھلائی دکھائی دیتی ہے۔ ستونوں پر بپھرے ہوئے شیر بنے ہوئے ہیں۔ "شالہ" اور کلس پر "کوڈو" کندہ ہیں جو اس سے پہلے کی مثال میں نہیں ہیں۔

شکل نمبر (91) تختی نمبر ایضاً

اسی مندر میں ایک اور زیبائشی طاقچہ۔ یہ "کوشٹھ پنجرا" کہلاتا ہے جو "کمبھ پنجرا" سے بالکل مختلف چیز ہے۔ سابقہ مثال کی تمام جزویات اس میں دکھائی دیتی ہیں [illegible] سوائے "شالا" کی جس کی جگہ یہاں ایک واحد "کوڈو" [illegible] ہے۔ چوٹی کے کوڈو [illegible] اور کثیر التعداد چیتنا کھڑکیاں جو [illegible] دونوں جانب [illegible] دلچسپ ہیں۔

شکل نمبر (92) تختی نمبر (34)

یہ تصویر کمیا کونم کے ناگیشور مندر میں بنی ہوئی ہے۔ اس میں اگنی دشرتھ کو "پائسا" پیش کر رہے ہیں۔ یہ تصویر جو پتھر کے اوپر نقوش ابھار کر بنائی گئی ہے، اسی تکنیک سے تخلیق شدہ بہت ہی قدیم زمانہ کی تصاویر میں سے بچی ہوئی ایک یادگار تصویر ہے، پھر بھی اس میں فن کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس منظر میں بائیں طرف دشرتھ کو اپنی مہارانی کے ہمراہ دکھایا گیا ہے۔ دائیں جانب رشی منی اور دوسرے لوگ ہیں۔ اگنی کنڈ میں سے "دویہ پرش" نمودار ہوتا ہے جو "پائسا" کے حامل برتن کو دشرتھ کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ تصویر جیتی جاگتی لگتی ہے اور ہر شبیہہ کی ساخت بہت خوبصورت ہے جس نے پوری تخلیق کو ایک عمدہ شاہکار بنا دیا ہے۔

شکل نمبر (93)

اس تصویر میں دشرتھ اپنی مہارانیوں میں "پائسا" بانٹ رہے ہیں۔ یہ تصویر بھی اسی مندر میں ہے۔ دشرتھ آسودگی اور آرام کی خوبصورت وضع میں بیٹھے ہیں اور "پائسا" کو ایک برتن سے دوسرے برتن میں ڈھال رہے ہیں۔ انھوں نے "جٹا مکٹ" "کنڈل" دیگر زیورات اور ایک موٹا کمر بند زیب تن کر رکھے ہیں۔ ان کی دو رانیاں ان کے مقابل بیٹھی ہیں، اور تیسری ان کے پیچھے بیٹھی ہے۔ ان کے بیٹھنے کی وضع اور "کنڈئی" دلچسپ ہیں۔ پس منظر میں وزیر دکھائی دے رہا ہے۔ اس تصویر سے نیز ایسی دیگر مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جنوبی ہند میں پتھر پر خوبصورتی اور نفاست سے ابھری ہوئی تصاویر تراشنے کی روایت چولا عہد میں بھی باقی تھی۔

شکل نمبر (94)

رام کے جنم کا منظر۔ یہ تصویر بھی اسی مندر میں ہے۔ کوشلیا ایک پلنگ پر آرام کر رہی ہے۔ دو دوسری رانیاں ان کے عقب میں ہیں۔ دونوں جانب ایک ایک خادمہ دکھائی دے رہی ہے۔ نوزائیدہ رام ان کے پہلو میں لیٹا ہے۔ کوشلیا کی وضع اہم ہے اور یہ امراوتی اور دیگر مقامات سے ملنے والی مایا دیوی کی مورتیوں سے مشابہت رکھتی ہے۔

یہ فنی تخلیق اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ آرٹ کی روایات کا تسلسل بدستور قائم تھا۔

شکل نمبر (95) تختی نمبر (36)

تاڑ کا راکھشسنی کے ساتھ رام کی لڑائی کا منظر: یہ بھی اسی مندر میں ایک تصویر ہے۔ دائیں جانب راکھشسنی تاڑ کا دونوں بھائیوں رام اور لکشمن کی جانب لپکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس نے ہاتھ میں ترشول اٹھا رکھا ہے۔ ان کے درمیان مہرشی وشوامتر نظر آرہے ہیں۔ یہ تصویر ایک پرجوش عمل کا منظر پیش کرتی ہے۔ تاڑ کا کی لہراتی ہوئی جٹاؤ اور شہزادوں کی جٹا مکٹوں کا باہمی فرق قابل توجہ ہے۔

شکل نمبر (96)

ہنومان اور راون کی باہم گفتگو۔ صرف ایک ہی سروالا راون ایک وسیع تخت شاہی پر "سکھاسن" وضع میں بیٹھا ہے۔ اس کا بایاں ہاتھ "سوچی سہت" وضع میں ہنومان کی جانب اشارہ کررہا ہے۔ راون کا شاہانہ تزک احتشام اس کی خوبصورت مورت، اس کے انداز نشست اور اس کے تخت کی صناعی سے ظاہر ہے۔ ہنومان اپنی دم کے پیچوں کے اوپر بیٹھے ہیں۔ ان کے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک اور مورتی کمان تھامے ہوئے کسی شخص کی ہے۔ غالباً یہ وبھیشن ہوگا۔

شکل نمبر (97)

راون اور جٹایوں کی لڑائی۔ یہ لڑائی اس وقت ہوئی جب راون سیتا کو اغوا کرکے لئے جارہا تھا۔ یہ تصویر ترکھبوونم، ضلع تنجور کے مندر میں ہے۔ راون اپنے سب سروں کے ساتھ اور تمام ہتھیاروں سے مسلح اپنے خدائی رتھ میں کھڑا ہے۔ جیسا کہ گھٹنوں سے نیچے اس کی ٹانگیں چھپی ہونے سے ظاہر ہے۔ وہ لڑنے پر آمادہ ہے۔ سیتا اس کے سامنے اپنی حالت پر سوگوار بیٹھی ہیں۔ پرندوں کا راجہ جٹایو اپنے گرانڈیل جسم اور طرحدار لیکن خوبصورت چونچ کے ساتھ دائیں جانب دکھایا گیا ہے۔ پتھر پر ابھاری ہوئی یہ تصویر کمبا کونم مندر والی تصویر کے بعد کی بنی ہوئی ہے پھر بھی سنگ تراشی کا یہ نمونہ اپنی بناوٹ اور منظر کی جاندار

عکاسی کے لئے قابل توجہ ہے۔

شکل نمبر (98)

یہ تصویر وشنو کے وراہ اوتار کی، ضلع تنجور واقع پنجائی کے مندر میں ہے۔ یہ اس موضوع پر بہترین تصاویر میں سے ایک ہے۔ یہ حرکت و حیات سے پر ہے۔ سور کے سر والے بھگوان وشنو سمندر کی جانب سے دوڑتے ہوئے آ رہے ہیں۔ بھودیوی ان کی گود میں ہے۔ کہانی کی منظر کشی کا یہ نادر انداز ہے۔ ناگ راجہ اپنے ہاتھ میں کمان لئے تیزی سے وراہ کا تعاقب کر رہا ہے لیکن اس کی رانی اسے روک لیتی ہے (اس کا موازنہ مہابلی پورم اور دوسرے مقامات سے ملی ہوئی مورتیوں سے کیا جا سکتا ہے جن میں اسی واقعے کی جامد منظر کشی کی گئی ہے)

شکل نمبر (99) تختی نمبر (35)

اسی مندر میں کرشن اور پوتنا دائی کی تصویر۔ ننھے کرشن کو جان سے مار ڈالنے کے لئے کنس نے نے پوتنا راکشسنی کو بھیجا۔ وہ دائی بن کر کرشن کے پاس آئی اور اپنی زہر آلود چھاتی کرشن کو دی لیکن ملکوتی کرشن نے اس کی چھاتی سے دودھ پیتے پیتے اس کی جان نکال لی۔ یہاں اس تصویر میں بچہ بہت خوبصورت دکھایا گیا ہے اور اس کے برعکس پوتنا کو بدصورت، جس کی ذلیل حالت صاف عیاں ہے۔ کرشن کے سر کا لباس بہت دلچسپ ہے۔

تختی نمبر (37) سکے

شکل نمبر (1)

یہ خالص سونے کے پتر کی ایک گول ٹکیہ ہے۔ اس کا قطر لگ بھگ 2،3 سنٹی میٹر ہے۔ موٹائی تقریباً 9،2 ملی میٹر ہے اور وزن اندازاً 4،35 گرام یا 2،67 گرین ہے۔

چہرے والا رُخ

گولائی کے ساتھ ساتھ سات سوراخوں کے گول نشان ہیں۔ ہر ایک میں گیارہویں صدی کے گرنتھا رسم الخط میں تامل عبارت لکھی ہوئی ہے۔ چھ نشانوں میں لکھی ہوئی عبارت یوں ہے: "کن گئی کونڈ چولن"۔ ساتویں نشان میں تامل حروف میں 3 2/4ooo تحریر ہے۔ نیچے کا ہندسہ سن جلوس ظاہر کرتا ہے۔ سب سے بڑا مرکزی نشان چولوں کے شاہی نشان کا حامل ہے۔ منہ کھولے ہوئے ایک شیر، جس کے سر کے اوپر ایک چھتر ہے، دم اٹھائے کولہوں کے بل بیٹھا ہے۔ اس کے مقابل عین دائیں جانب مچھلیوں کا جوڑا ہے۔ جو پانڈیوں کا نشان ہے۔ ان صورتوں کے دونوں جانب چراغ دان ہیں اور مچھلیوں کے اوپر تامل حرف "ج" لکھا ہوا ہے۔

الٹا رخ

محدّب (یعنی اوپر کو ابھرا ہوا) اور خالی ہے۔

شکل نمبر (2)

یہ بالکل اوپر کی شکل کا ہے لیکن اس میں اہم فرق یہ ہے کہ مچھلیوں کے جوڑے کے اوپر "راجا" درج ہے جبکہ پہلی مثال میں ان کے اوپر صرف ایک ہی حرف درج تھا۔

شکل نمبر (3)

اس سکے کی شبیہہ اور ناپ وغیرہ اوپر کی مثالوں سے مطابقت رکھتے ہیں لیکن ان پر تحریر شدہ عبارت اور ان کی ساخت میں فرق ہے۔

سیدھا رخ

اس پر آٹھ گول سوراخوں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے سات کے بیچ میں تامل عبارت تامل اور گرنتھا دونوں رسم الخط میں کندہ ہے۔ آٹھویں نشان کے اندر $\frac{4000}{34}$ لکھا ہے۔ 34 کا ہندسہ سن جلوس بتاتا ہے۔ مرکزی نشان میں شیر اپنی دم اوپر کو اٹھائے کولہوں کے بل

بیٹھا ہے۔ اس کے مقابل ٹھیک دائیں جانب مچھلیوں کا جوڑا ہے۔ دونوں اطراف میں ایک ایک چراغ دان ہے۔ شیر کے اوپر ایک چھتر ہے جو خود مختاری کا نشان ہے۔ مچھلیوں کے اوپر حرف "اِ" کندہ ہے۔

الٹا رخ

بالکل خالی ہے۔

شکل نمبر (4)

اوپر ہی کی شکل ہے لیکن اس سکے پر سن جلوس پینتیسُواں لکھا ہے۔ اور وسطی نشان میں مچھلی کے اوپر غالباً "ج" کا حرف کھدا ہوا ہے۔ مرکز کا نشان صاف نہیں ہے۔

شکل نمبر (5)

شکل اور ناپ اوپر والے سکے کے مطابق ہے۔ یہ سکہ اور درج ذیل سکے مشرقی چالوکیہ خاندان کے سکے ہیں۔

سیدھا رخ

اس پر چھ نشان ہیں، جن میں سے پانچ میں عبارتیں درج ہیں جو قدیم تیلگو زبان کے رسم الخط میں ہیں۔ یہ عبارت "شری راج راجا" ہے۔ چھٹے نشان میں لکھا ہے "س - 33" یعنی سمت 33 یہ ہندسہ سن جلوس ظاہر کرتا ہے۔ وسطی نشان میں ایک سور کھڑا دکھایا گیا ہے، جس کا رخ بائیں جانب کو ہے۔ اس کے اوپر ایک آنکس بنا ہوا ہے۔ یہ دونوں مشرقی چالوکیہ راجاؤں کے شاہی نشانات تھے۔ اوپر چھتر نظر آرہا ہے

شکل نمبر (6)

اوپر والے سکے کا ہم شکل ہے۔ یہاں صرف چار نشان دکھائی دیتے ہیں جو گولائی میں کنارے کنارے بنتے ہوتے ہیں۔ ان میں لکھی ہوئی عبارت "شری راجا۔ س۔ 33" (سمت 33) ہے۔

وسطی نشان کی کیفیت وہی ہے جو مندرجہ بالا سکے کی ہے، البتہ اس میں چھاپ زیادہ صاف اور نمایاں ہے۔ اس عبارت والے سکوں کے انبار کے چار سکوں میں سے یہ ایک سکہ ہے۔

استفاضہ

اوپر بیان کردہ تصاویر کے ماخذ درج ذیل ہیں اور ان کے حقوق اشاعت نامزد فریقین کی ملکیت ہیں:۔

نمبر 25 ۔ 28 ۔ 29 ۔ 53 اور 70 شمری کے آر سری نواسن سپرنٹنڈنٹ محکمہ آثار قدیمہ، جنوبی حلقہ (سرکل) مدراس کے نجی مجموعے میں سے ہے۔

نمبر 39 ۔ 40 ۔ 64 ۔ 65 نیز سکوں کی تصاویر نمبر 1 تا 6 مدراس گورنمنٹ میوزیم کی ملکیت ہیں۔

نمبر 20 Ostasiatische Zeitschrift ۔ مطبوعہ 1933ء ۔ 9-N-F میں سے لی گئی ہے۔ نمبر 54 ۔ 59 اور 77 تا 80 بھی اسی رسالے کے 1934ء کے شمارے N.F ء 10 سے اخذ کی گئی ہیں اور نمبر 31 "روپم" مطبوعہ 1930ء میں سے لی گئی ہے۔

سرورق کی تصویر اور تصاویر نمبر 84 ۔ 86 ۔ 88 ۔ 89 ۔ 90 ۔ 91 ۔ 97 ۔ خود مصنف کے نجی مجموعے سے لے کر شامل کی گئی ہیں۔

باقی تمام تصاویر محکمہ آثار قدیمہ، حکومت ہند کی ملکیت ہیں۔

اشکال کی فہرست

دیباچہ

تختی نمبر ۵

شکل نمبر ۹ اگیتشور مندر۔ شیر کندہ ستون۔ واقع میل پلوودور۔ ضلع تروچراپلی۔

شکل نمبر ۱۰ گورنگ ناتھ مندر۔ جنوب مغربی رُخ۔ واقع شری نواسنلور ضلع ترُوچراپلی۔

تختی نمبر ۶

شکل نمبر ۱۱ برہدیشور مندر۔ عام منظر۔ شمال مغربی رُخ۔ واقع تنجور۔ ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۱۲ برہدیشور مندر — "دمان" شمال مغربی رُخ۔ واقع گنگائی کونڈ چولاپورم۔ ضلع ترچراپلی۔

تختی نمبر ۷

شکل نمبر ۱۳ برہدیشور مندر۔ اصل مندر کے شمالی صدر دروازہ پر "دوار پالک" واقع گنگائی کونڈ چولاپورم۔ ضلع ترُوچراپلی۔

شکل نمبر ۱۴ لدّی گم، گوپورُے کا دروازہ۔

تختی نمبر ۸

شکل نمبر ۱۵ ایراوتیشور مندر۔ عام منظر۔ جنوب مشرقی رُخ۔ واقع داراشرم ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۹

شکل نمبر ۱۶ ایراوتیشور مندر کا شمال مشرقی مندر۔ واقع داراشُرم۔ ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۱۷ ایراوتیشور مندر میں "النکار منڈپ" کا جنوب مغربی رُخ۔ واقع داراشُرم۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۱۰

شکل نمبر ۱۸ دیوناٹکی اتن مندر کا جنوب مشرقی منظر۔ واقع داراشُرم۔ ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۱۹ سوامی مندر کا شمال مغربی منظر۔ واقع ترِبھُووَنم۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۱۱

شکل نمبر ۲۰ (الف) زیریں منزل کی جھالر "تاسینگ پاؤ" ایوان کے مثل ہے جو چین میں زیہٹین (چوان چُو) کے مقام پر واقع ہے۔

شکل نمبر ۲۰ (ب) "شِولنگ" کی پوجا کرتا ہوا ہاتھی۔

شکل نمبر ۲۰ (ج) "شِولنگ" کی پوجا کرتی ہوئی گائے۔

تختی نمبر

شکل نمبر ۲۱ کورنگ ناتھ مندر۔ جنوب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی ایک مرد کی تصویر واقع شرنواسنلوُر۔ ضلع ترچراپلی۔

شکل نمبر ۲۲ کورنگ ناتھ مندر۔ مغرب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی ایک عورت کی تصویر۔

شکل نمبر ۲۳ کورنگ ناتھ مندر۔ مغرب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی ایک عورت کی تصویر۔

تختی نمبر ۱۳

شکل نمبر ۲۴ ناگیشور سوامی مندر۔ ایک نسوانی مورتی۔ واقع کمبا کونم۔ ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۲۵ ایک اور عورت کی مورتی۔ ایضاً۔

شکل نمبر ۲۶ ناگیشور سوامی مندر۔ ایک نسوانی مورتی۔ واقع کمبا کونم۔ ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۲۷ ناگیشور سوامی مندر۔ ایک نسوانی مورتی۔ واقع کمبا کونم۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۱۴

شکل نمبر ۲۸ ناگیشور۔ واقع کمبا کونم۔

شکل نمبر ۲۹ ناگیشور۔ واقع کمبا کونم۔

شکل نمبر ۳۰ شِوچندر۔ سکون میں دو بھگتوں کی مورتیاں۔

واقع ترُواڑ تورائی۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۱۵

شکل نمبر ۳۱ لکشمی (؟)

شکل نمبر ۳۲ چولما دیوی۔ کال ہستی (؟)

شکل نمبر ۳۳ کلوتنگا سوم (؟)۔ کال ہستی

تختی نمبر ۱۶

شکل نمبر ۳۴ گولک مہرشی۔ واقع کوڈکرائی۔ ضلع تنجور

شکل نمبر ۳۵ کورنگ ناتھ مندر۔ شمال کی طرف طاقچہ میں، ابھرتی ہوئی ایک مرد کی مورتی۔ واقع شری نواسنلوُر۔ ضلع ترچُراپلی۔

شکل نمبر ۳۶ شِومندر واقع ترِونامنلوّر میں نرسنگھ مُنایَا دریار کی مُورتی۔

تختی نمبر ۱۷

شکل نمبر ۳۷ ترُومینی ناتھ سوامی مندر ـــــ دکشنامُورتی کی تصویر (؟) مرکزی مندر کی جنوبی دیوار کے طاقچہ میں۔ ~~واقع ترُوکٹلائی~~ (ریاست پڈوکوٹہ)

شکل نمبر ۳۸ وینادھر دکشِنامورتی۔ واقع مُوورکووِل۔ کوڈمبالوُر (پڈوکوٹہ) ضلع ترچناپلی۔

شکل نمبر ۳۹ ترپُرانتکا مورتی۔ واقع کوڈمبالوُر۔ پڈوکوٹہ۔

شکل نمبر ۴۰ ترپُراسُندری مُورتی۔ واقع کوڈمبالوُر۔ پڈوکوٹہ۔

تختی نمبر ۱۸

شکل نمبر ۴۱ کوڈمبالوُر مندر۔ نمبر ۲۔ اردھ ناری کی مورتی (ریاست پڈوکوٹہ۔ ضلع ترچناپلی)

شکل نمبر ۴۲ اردھ ناری کی مورتی۔ واقع ناگیشور۔ کمباکونم۔

شکل نمبر ۴۳ برہما کی مورتی۔ واقع ناگیشور۔ کمباکونم۔

شکل نمبر ۴۴ کورنگ ناتھ مندر۔ جنوب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی شِوا کی مُورتی۔ واقع شری نواسنلوُر۔ ضلع ترِچناپلی۔

تختی نمبر ۱۹

شکل نمبر ۴۵ کورنگ ناتھ مندر۔ جنوب کی طرف طاقچہ میں ابھری ہوئی دکشنا مورتی۔ واقع شری نواسنلور ضلع ترچناپلی۔

شکل نمبر ۴۸ والیشور مندر کے "ومان" کے جنوب کی طرف نٹ راج کی مورتی۔ واقع ترو والیشورم ضلع ترونیل ویلی۔

شکل نمبر ۵۰ والیشور مندر میں گجا مورتی۔ واقع ترو والیشورم۔ ضلع ترونیل ویلی۔

شکل نمبر ۵۳ بھکشا ٹن کی مورتی۔ واقع ناگیشور۔ کمبا کونم۔

تختی نمبر ۲۰

شکل نمبر ۴۶ اردھ ناری کی مورتی۔ والیشور مندر۔ واقع ترو والیشورم ضلع ترونیل ویلی۔

شکل نمبر ۴۷ گنگا دھر اور ورشبھا تینکا کی مورتی۔ والیشور مندر۔ واقع ترو والیشورم۔ ضلع ترونیل پلی۔

تختی نمبر ۲۱

شکل نمبر ۴۹ 'ومان'، کے مغرب کی طرف مورتی۔ والیشور مندر۔ ضلع ترونیل ویلی۔

شکل نمبر ۵۱ چندیشا نوگرہ اور شو کی مورتی۔ والیشور مندر۔ واقع ترووالیشورم ضلع ترونیل ویلی۔

تختی نمبر ۲۲

شکل نمبر ۵۲ انگالمنی مندر میں دکشنا مورتی کا مجسمہ۔ واقع کا دیری پاکم۔ ضلع شمالی ارکاٹ۔

شکل نمبر ۵۵ مندر کے مینار کے جنوب کی طرف نٹ راج کی مورتی۔ واقع گنگائی کونڈ چولا پورم۔ ضلع ترو چراپلی۔

شکل نمبر ۵۶ برہدیشور مندر۔ 'ومان'، کے جنوب کی طرف طاقچہ میں ہری ہر کی مورتی۔

واقع گنگائی کونڈچولاپورم۔ ضلع ترُوچراپلی۔

شکل نمبر ۵۷ شِومندر میں شمال کی طرف چندیشانوگرہ مورتی۔ واقع گنگائی کونڈچولاپُورم ضلع ترُوچراپلی۔

تختی نمبر ۲۳

شکل نمبر ۵۴ سرسوتی کی مورتی (؟)، تنجور میں برہدیشور مندر۔

شکل نمبر ۵۹ گنگائی کونڈچولاپُورم میں وشنو کی مورتی۔

شکل نمبر ۶۰ سُوریہ (سورج)، پتھر، بائیں طرف۔ برہدیشور مندر کا مہامنڈپ۔ واقع گنگائی کونڈچولاپُورم۔

تختی نمبر ۲۴

شکل نمبر ۵۸ برہدیشور مندر — اصل مندر کی شمالی دیوار کے طاقچہ میں کا مانسکا کی مورتی۔ واقع گنگائی کونڈچولاپورم۔

شکل نمبر ۶۱ ایراوتیشور مندر میں کنکال مورتی کا مُجسّمہ۔ واقع دارا شرُم ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۶۲ ایراوتیشور مندر میں شمال کی طرف گجا مورتی کا مُجسّمہ۔ واقع دارشرُم ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۲۵

شکل نمبر ۶۳ برہدیشور مندر۔ تنجور میں نٹ راج کا کانسے کا مُجسّمہ۔

شکل نمبر ۶۴ نٹ راج۔ ویلانگنی۔ (تنجور)۔

شکل نمبر ۶۵ نٹ راج۔ ترُوالنگاڈُو (چتوڑ)۔

تختی نمبر ۲۶

شکل نمبر ۶۶ نٹ راج کے آٹھ ہاتھوں والا مُجسّمہ، سامنے اور پیچھے کا منظر۔ واقع نلُور ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۶۷ شِومندر۔ نٹ راج کا کانسے کا مُجسّمہ (سندھیا تنڈو مورتی۔ واقع ترُووارنگالم۔ (ریاست پُڈوکوٹہ)۔

تختی نمبر ۲۷

شکل نمبر ۶۸ شِو کا درش بھانِتکا کے روپ میں اوما کے ساتھ کانسی کا مجسمہ۔
ترُووین کاڈُو (شیالی تک)، ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۶۹ گنگائی کوڈ چولاپرم۔ گنگائی کونڈ چولیشور مندر۔ شِو (درش بھانتکا) کا کانسی کا مجسّمہ۔

تختی نمبر ۲۸

شکل نمبر ۷۰ سُکھاسن مورتی (شِو)۔ پڈُوکوٹہ عجائب گھر۔

شکل نمبر ۷۱ کیرات مورتی کا کانسی کا مجسّمہ۔ ترُوویٹ کلم نزدیک چدم برم

شکل نمبر ۷۲ کیرات ارض مورتی کا کانسی کا مجسّمہ۔ رادھانرسمہاپورم۔ ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۷۳ النگانامورتی کا کانسی کا مجسّمہ۔ واقع ترُوواڈتورر ائے۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۲۹

شکل نمبر ۷۴ کانسی کا بنا ہوا بھکشاٹن مورتی کا مجسّمہ۔ ترُونامنلُور کے شِورمندر میں۔

شکل نمبر ۷۵ کیلاش ناتھ سوامی مندر کاشی کا بھکشائن مورتی کا مجسّمہ۔ (بعدکا) ترُوچنگوڈ۔ ضلع سیلم۔

شکل نمبر ۷۶ سُبرہمنیا مندر۔ چار بازوؤں والا سکند کا کانسی کا مجسّمہ۔ واقع ترُووڈائیکالی۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۳۰

شکل نمبر ۷۷ وشنُو۔

شکل نمبر ۷۸ وشنُو۔

شکل نمبر ۷۹ لکشمی (؟)

شکل نمبر ۸۰ لکشمی۔

تختی نمبر ۳۱

شکل نمبر ۸۱ وشنو مندر۔ رام، لکشمن اور سیتا کی کانسی کی مورتیاں۔
واقع ترُوکڈائیور۔ ضلع تنجور۔

شکل نمبر ۸۲ مکیان سندرا کے روپ میں شو کی کانسی کی مورتی۔ لکشمی
اور وشنو کی طرف سے شو کو پاروتی کا کنیادان کرتے ہوئے۔
واقع ترُوِین کاڈُو دشیالی تالک، ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۳۲

شکل نمبر ۸۳ کرن ڈائی تختیوں پر مُہر۔

تختی نمبر ۳۳

شکل نمبر ۸۴ دوارپالک۔ واقع وجے چولیشورا۔ نارٹا ملائی۔
شکل نمبر ۸۶ نارٹا ملائی۔ سمن کڈاگو کے سامنے چبوترہ۔
شکل نمبر ۸۷ کھلے میدان میں ہاتھی اور شیر کو لڑتے ہوئے مورتی۔ تفصیل
سے۔ ایراوتیشورا مندر۔ واقع داراشرم۔ ضلع تنجور۔
شکل نمبر ۸۵ زنانہ دربان۔ کچھریشورا مندر۔ واقع ترِبھونم۔ ضلع تنجور۔

تختی نمبر ۳۴

شکل نمبر ۸۸ بال اُتراڈے۔ ترِبھُونوم۔
شکل نمبر ۹۲ ناگیشورا۔ اگنی دشرتھ کو 'پائسا' پیش کرتے ہوئے۔
شکل نمبر ۹۳ ناگیشورا۔ دشرتھ مہارانیوں میں 'پائسا' بانٹتے ہوئے۔
شکل نمبر ۹۴ ناگیشورا۔ رام کا جنم۔

تختی نمبر ۳۵

شکل نمبر ۸۹ ترِبھونم — 'وِمان' کی شمالی طرف کی نچلی سطح پر بنا ہوا
زیبائشی طاقچہ۔
شکل نمبر ۹۰ ترِبھُونم۔ مہامنڈپ کے بُنیادی چبوترے کی جنوبی دیوار
پر ایک زیبائشی طاقچہ۔
شکل نمبر ۹۱ ترِبھونم۔ ایک اور زیبائشی طاقچہ۔

شکل نمبر ۹۹ پنجابی۔ کرشنا۔ پٹانا۔

تختی نمبر ۳۶

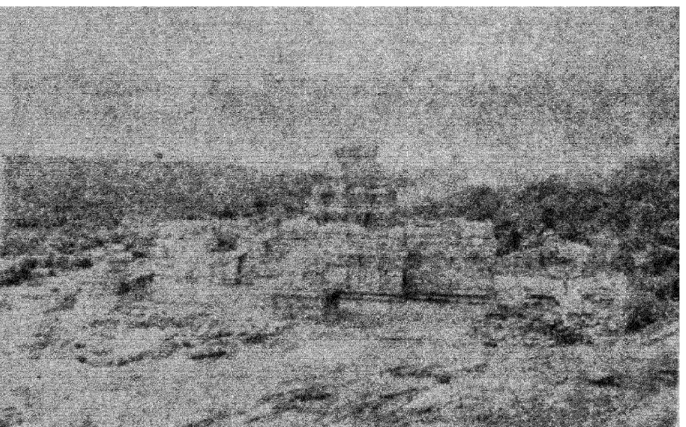
شکل نمبر ۹۵ ناگیشورا۔ تاڑکا راکھشسنی کے ساتھ رام کی لڑائی۔

شکل نمبر ۹۶ ناگیشورا۔ راون کے سامنے ہنومان۔

شکل نمبر ۹۷ تربھونم۔ راون۔ سیتا۔ جٹایو۔

شکل نمبر ۹۸ پنجابی۔ وراہ اوتار کی (موریتی)

تختی نمبر ۳۷ سکے



General view of · · Śiva temple, Vijayālayacōḷēśvara on ·alai, from north- · , Nārttāmalai (Pudukkottah State), Tiruchirapalli Dist.



Fig. 2. The main temple, Vijayālayacōḷēśvara on Mēlamalai, from north-west.

PLATE II



Fig. 3. Agastyēśvara temple (Śiva, early Cōḷa) from north-west, Panangudi, (Pudukkottah State) Tiruchirapalli Dist.

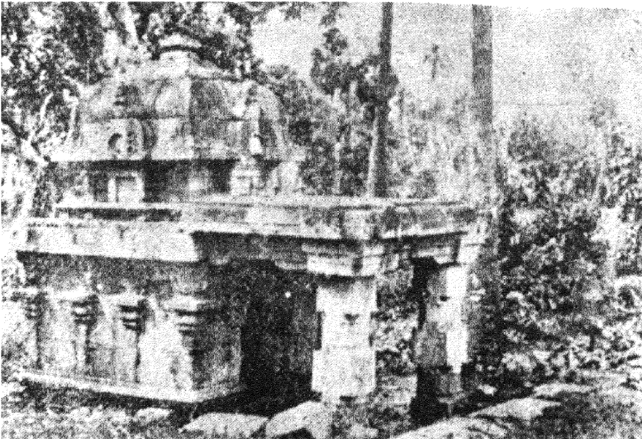


Fig. 4. Siva temple, early Cōḷa style, Ēnādi (Pudukkottah State), Tiruchirapalli Dist.

PLATE III

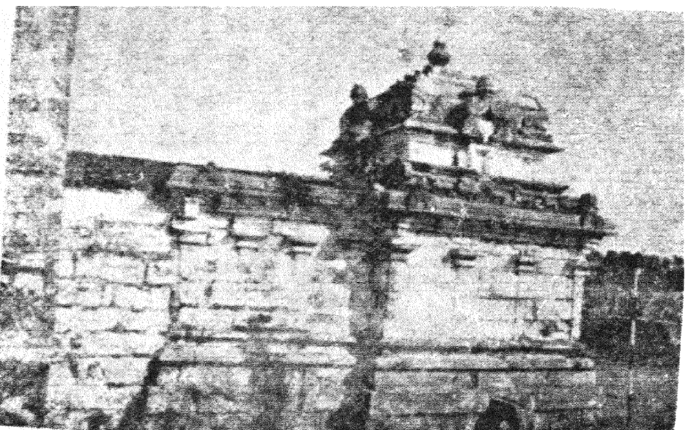
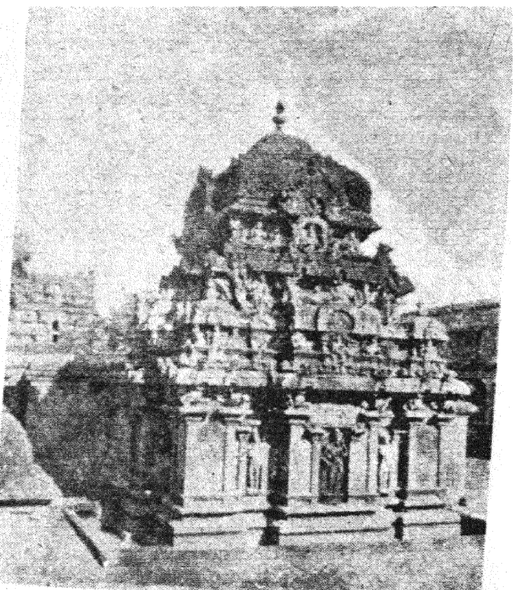


Fig. 5. Siva temple — Vimāna (early Cōḷa) from north-eas Koṟkai, Tirunelveli Dist.



Nāgēśvara temple, Kumbakonam.

PLATE IV

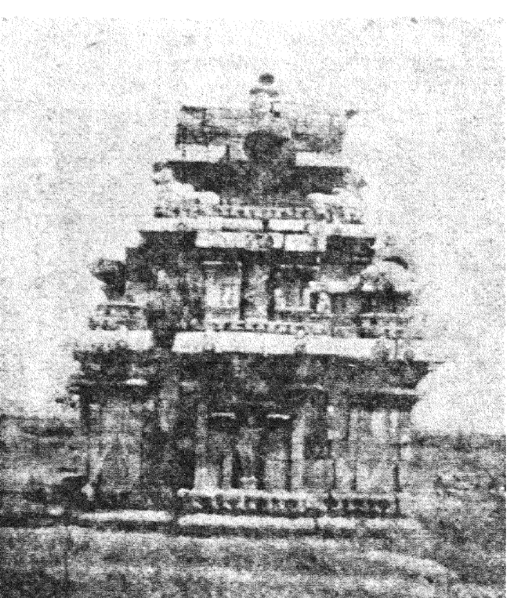


Fig. 7 Mūvarkōvil, No. 1, south view, in Koḍumbāḷū (Pudukkottah State), Tiruchirapalli Dist.



Fig. 8. View of the Agastyēśvara shrine at Mēlappaḷuvūr, Tiruchirapalli Dist.

PLATE V

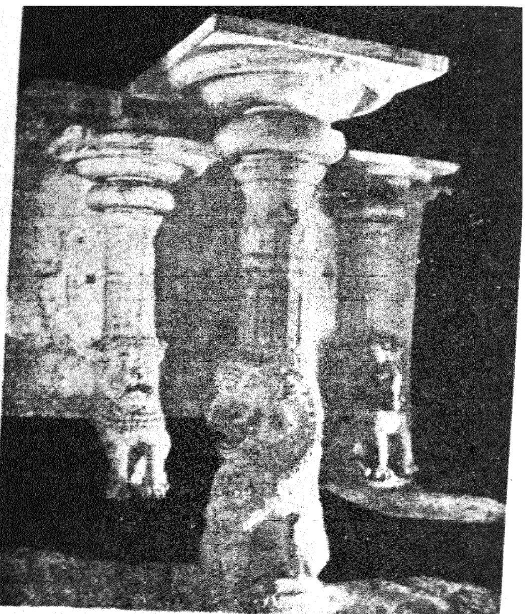


Fig. 9. Agastyeśvara temple—Lion Pillars, at Mēlappaḻuvūr, Tiruchirapalli Dist.

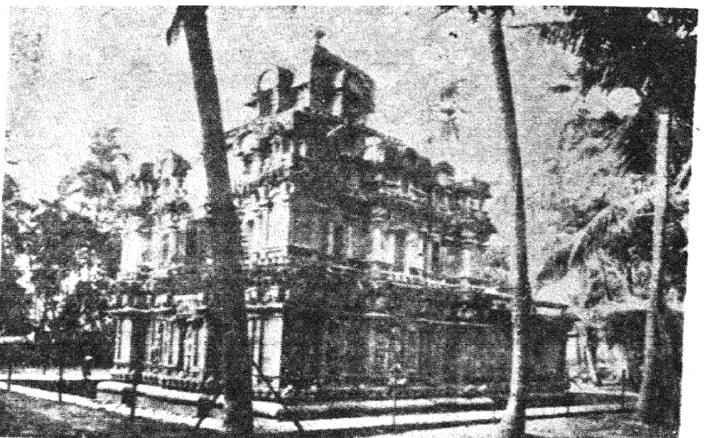


Fig. 10. Koranganātha temple, from south-west, Śrīnivāsanallur, Tiruchirapalli Dist.

PLATE VIII

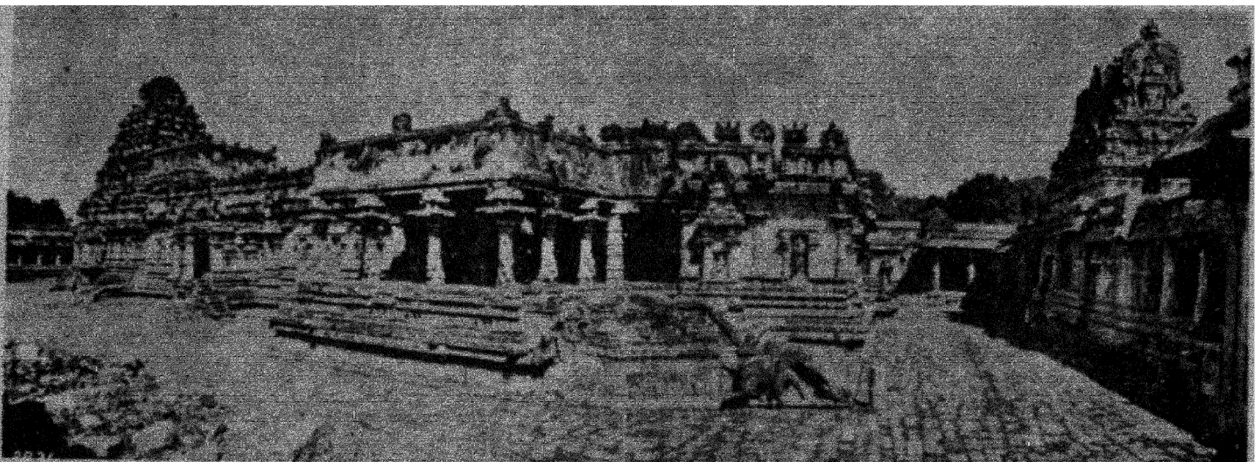


Fig. 15. Airāvatēśvara temple, general view, from south-east, Dārāśuram, Tanjore Dist.

PLATE VII

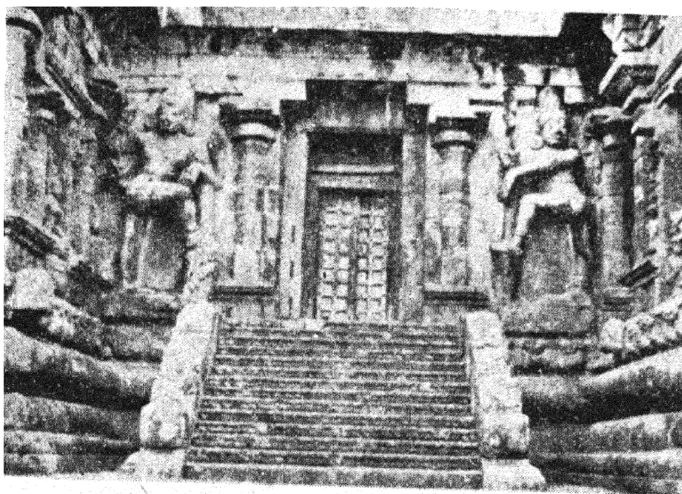


Fig. 13. Bṛhadīśvara temple. north doorway with Dvārapālakas on the main shrine, Gangaikoṇḍa-cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.



Fig. 14. Laddigam, entrance *gōpura*.

PLATE VIII

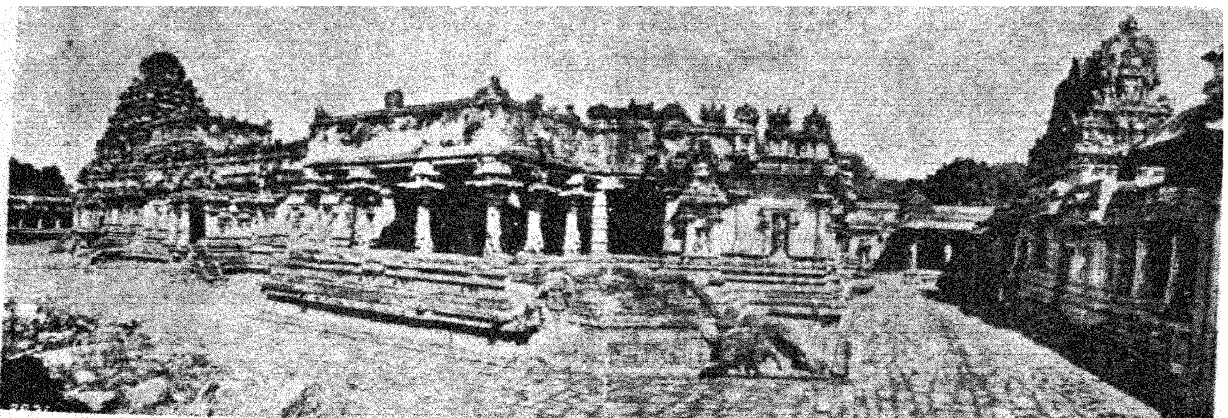


Fig. 15. Airāvatēśvara temple, general view, from south-east, Dārāśuram, Tanjore Dist.

PLATE IX

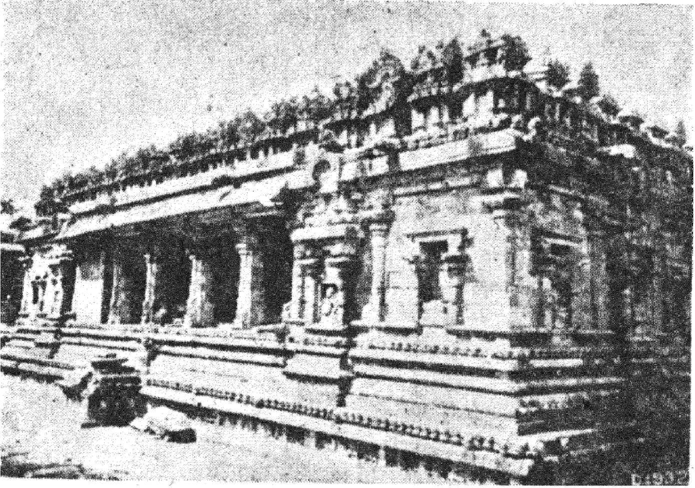


Fig. 16. North-east view of Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.

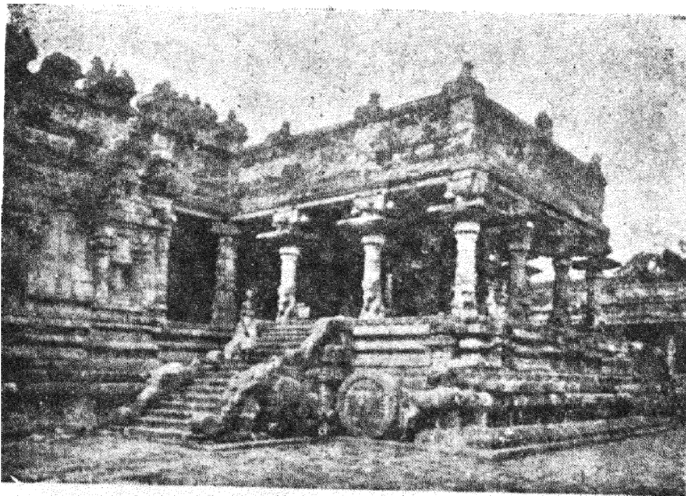


Fig. 17. South-west view of Alankāra maṇḍapa in Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.

PLATE X

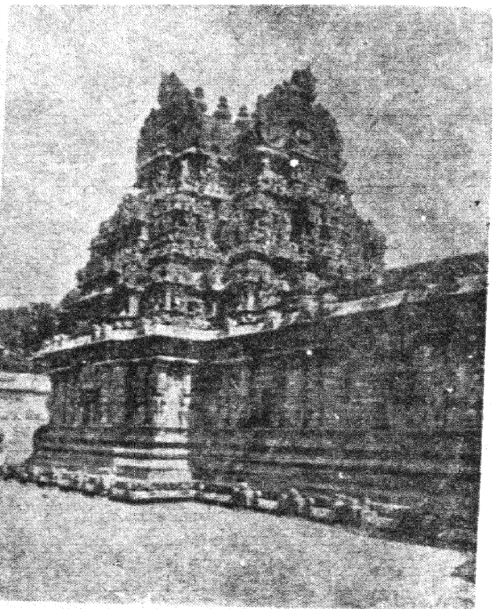


Fig. 18. South-east view of Devanāyaki Amman shrine, Dārāśuram, Tanjore Dist.



Fig. 19. North-west view of the Svāmi shrine, Tribhuvanam, Tanjore Dist.

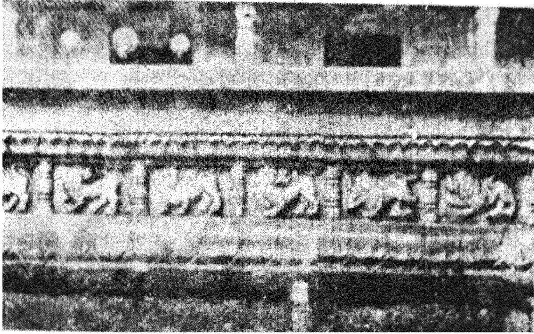


Fig. 20. (A) Basement frieze of the Ta-hsiung-pao tieu hall, Chuan Chow (Zayton).



Fig. 20. (B) Elephant worshipping a Śiva-liṅga.



Fig. 20. (C) Cow worshipping a Śiva-liṅga

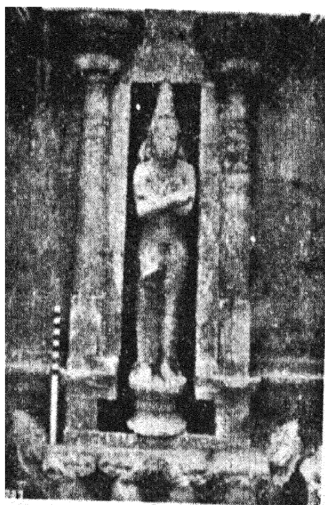


Fig. 21. Koranganātha temple — A panel of male figure in the niche on the south, Śrīnivāsanallur, Tiruchirapalli Dist.

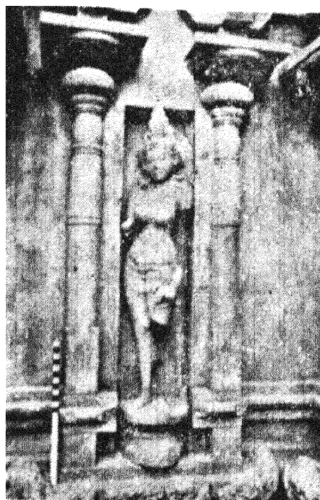


Fig. 22. Koranganātha temple — A panel of female figure in the niche on the west side.

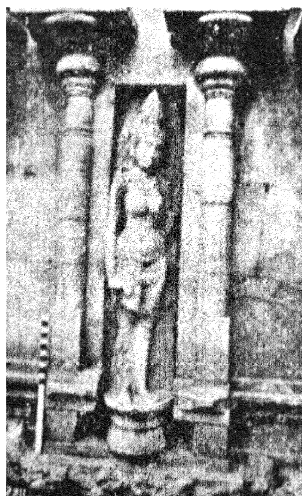
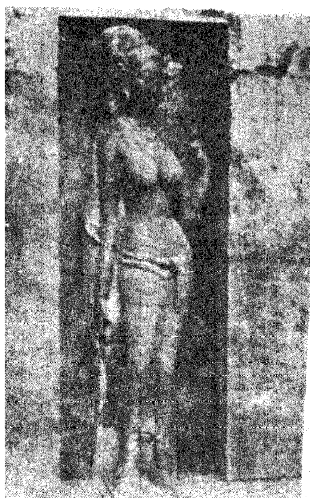


Fig. 23. Koranganātha temple — A panel of female figure in the niche on the western side.



Fig, 24. Nāgēśvarasvāmi temple, sculpture of a woman, Kumbakonam, Tanjore Dist.



Fig. 25. Another woman, *ibid.*



Fig. 2(sculpture of a woman, Kumba-konam, Tanjore Dist.



Fig. 27. Nāgeśvarasvāmi temple, sculpture of a woman, Kumba-konam, Tanjore Dist.



Fig. 28. Nāgēśvara — Kumbakonam.

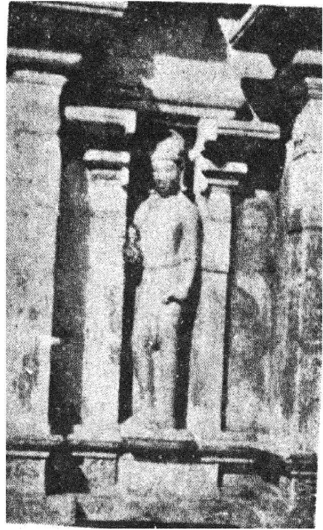


Fig. 29. Nāgēśvara — Kumbakonam.



Fig. 30. Siva temple — Sculptured in relief of 2 devotees — at Tiruvāḍuturai, Tanjore Dist.

PLATE XV



Fig. 31. Lakṣmī (?)



Fig. 32. Cōḷamādēvī, Kāḷahasti.



Fig. 33. Kulōttunga II Kāḷahasti.



Fig. 34. Gōlakamaharṣi, Kōḍikkarai, Tanjore.

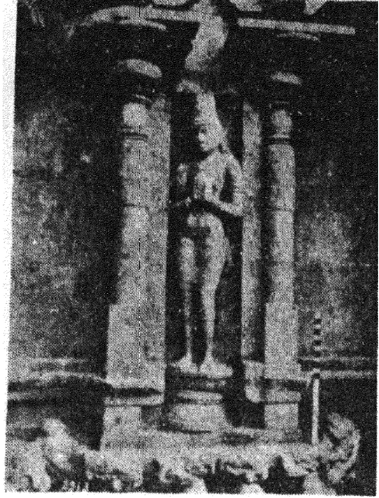


Fig. 35. Koranganātha temple — A panel of a male figure in the niche on the northern side, Śrīnivāsanallūr, Tiruchirapalli Dist.



Fig. 36. Metallic figure of Narasinga-munaiyadarayar, Śiva temple at Tirunāmanallūr.

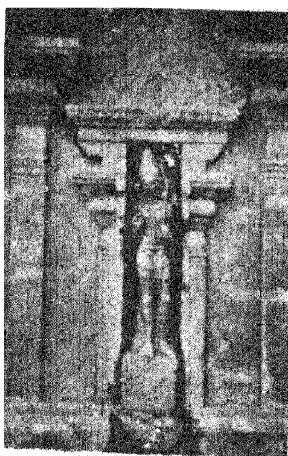


Fig. 37. Pudukkottah State, Tirukkaṭṭaḷai, Tirumēnināthasvāmin temple — Image of Dakṣiṇāmūrti (?) (standing) in a niche on the south wall of the central shrine.

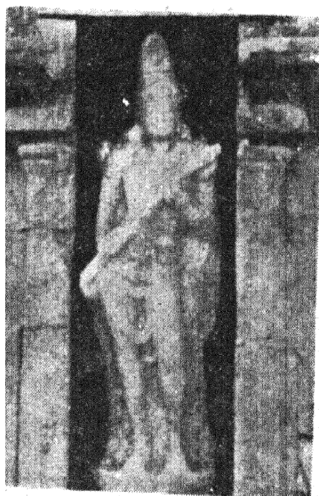


Fig. 38. Viṇādhara Dakṣiṇāmurti, Mūvarkōvil, Koḍumbāḷūr, (Pudukkottah), Tiruchirapalli Dist.



ig. 39. Tripurāntaka, Koḍumbāḷūr, Pudukkottah.



Fig. 40. Tripurasundarī, Koḍumbāḷūr. Pudukkottah.



Fig. 41. Koḍumbāḷūr temple, No. 2—Image of Ardhanārī. (Pudukkottah State, Tiruchirapalli Dist.)

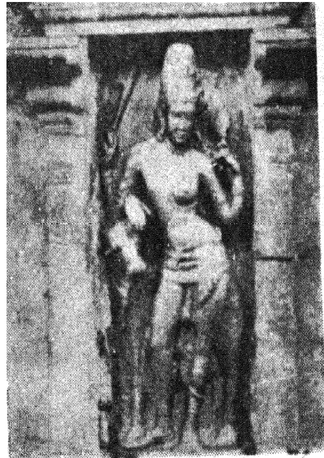


Fig. 42. Ardhanārī, Nāgēśvara, Kumbakonam.

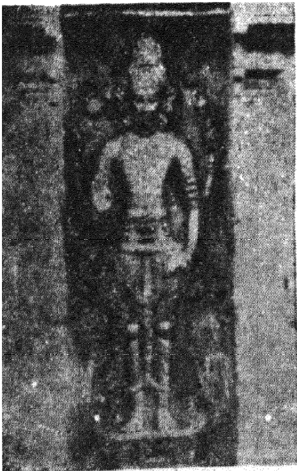


Fig. 43. Brahmā, Nāgēśvara, Kumbakonam.



Fig. 44. Koranganātha temple—A panel of Śiva in the niche on the south, Śrīnivāsanallūr, Tiruchirapalli Dist.

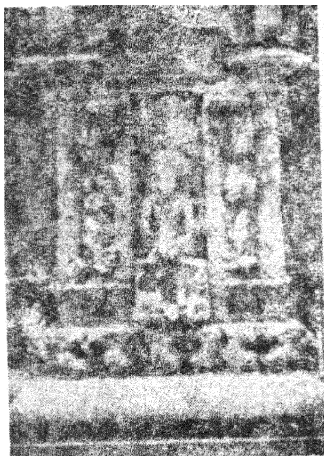


Fig. 45. Koranganātha temple—A panel of Dakṣiṇāmūrti in the niche on the south, Śrīnivāsanallūr, Tiruchirapalli Dist.



Fig. 50. Sculpture of Gajahāmūrti, Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.



Fig. 48. Sculpture of Naṭarāja on the South side of Vimāna, Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.



Fig. 53. Bhikṣāṭana, Nāgēśvara (Kumbakonam).

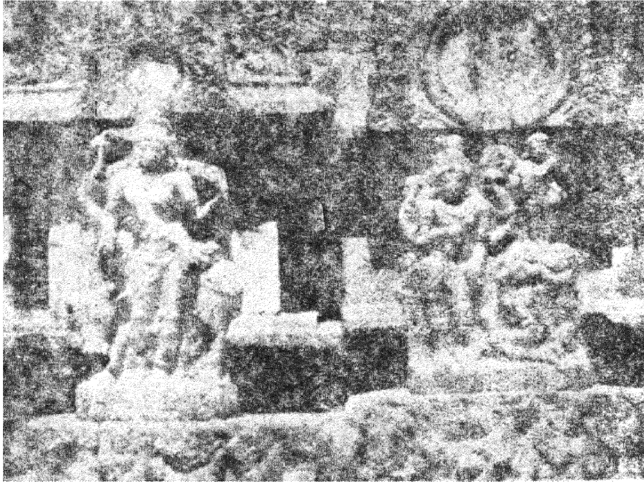


Fig. 46. Sculpture of Ardha[illegible] Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.

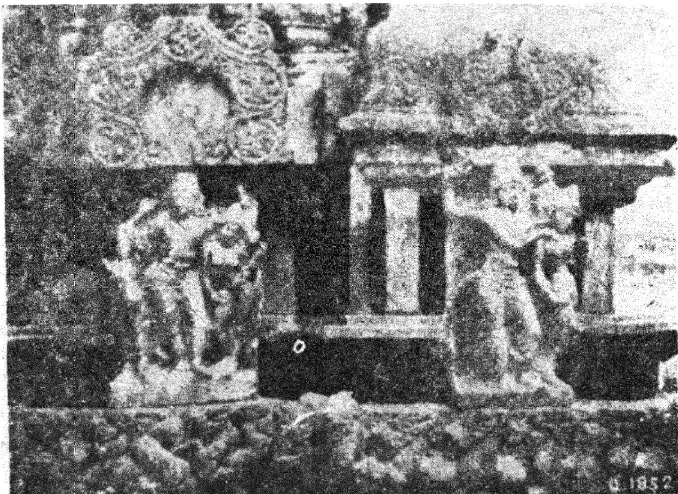


Fig. 47. Sculpture of Gaṅgādhara and Vṛṣabhāntika, Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.

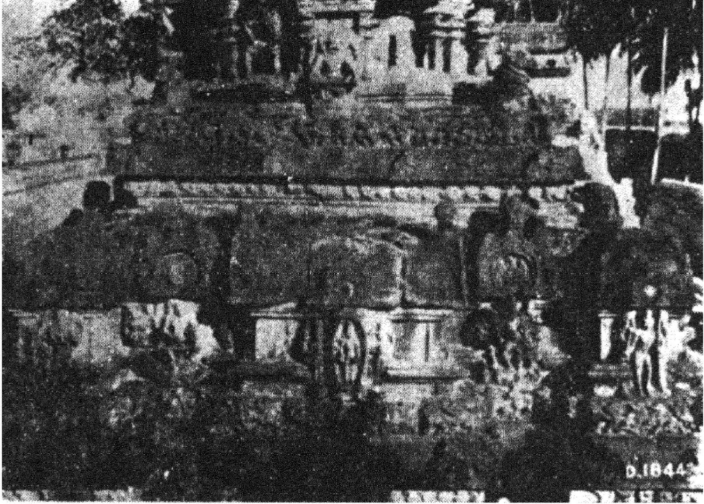


Fig. 49. Sculpture on the west side of Vimāna, Vālīśvara temple. Tirunelveli Dist.

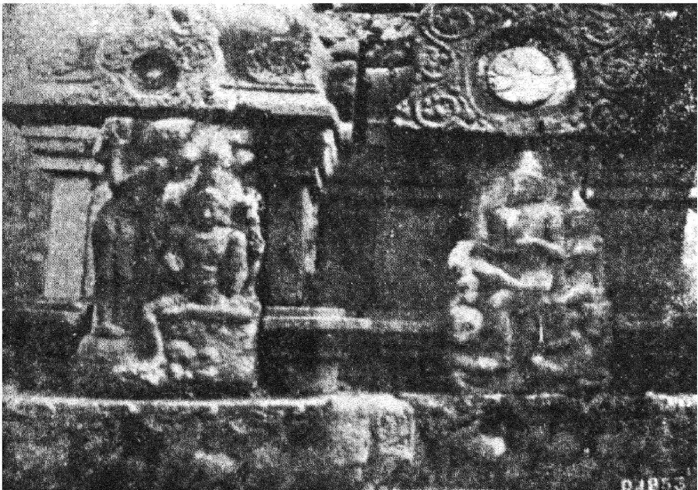


Fig. 51. Sculpture of Caṇḍeśānugrahamūrti and Śiva, Vālīśvara temple, Tiruvālīśvaram, Tirunelveli Dist.

PLATE XXII



Fig. 52. Image of Dakṣiṇāmūrti in Angāḷamman temple. Kāvēripākkam, North Arcot Dist.



Fig. 55. Naṭarāja—Image on south side of sanctum tower, Gangaikoṇḍa cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.

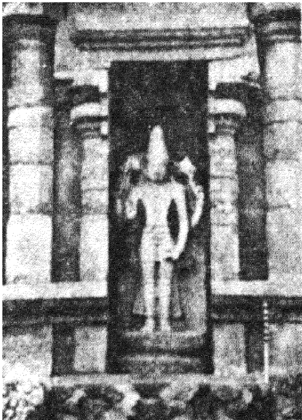


Fig. 56. Bṛhadīśvara temple—A panel of Harihara in the niche on the south side of Vimāna, Gangaikoṇḍa-cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.



Fig. 57. Caṇḍēśānugrahamūrti on the north side of sanctum of Śiva temple, Gangaikoṇḍā-cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.



Fig. 54. Sarasvati (?), the Bṛhadīśvara temple at Tanjore.



Fig. 59. Viṣṇu, the Gangaikoṇḍa-cōḷapuram temple.

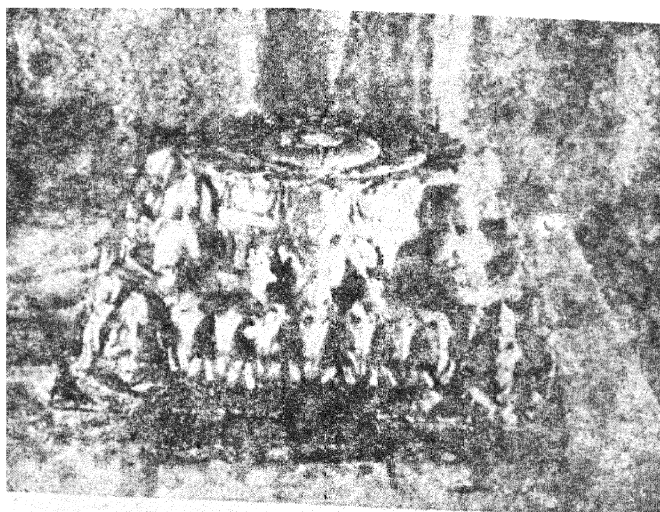


Fig. 60. Sūrya stone (in Kamala Yantra form), west face, the Mahāmaṇḍapa of Bṛhadīśvara temple, Gangaikoṇḍa-cōḷapuram, Tiruchirapalli Dist.

PLATE XXIV

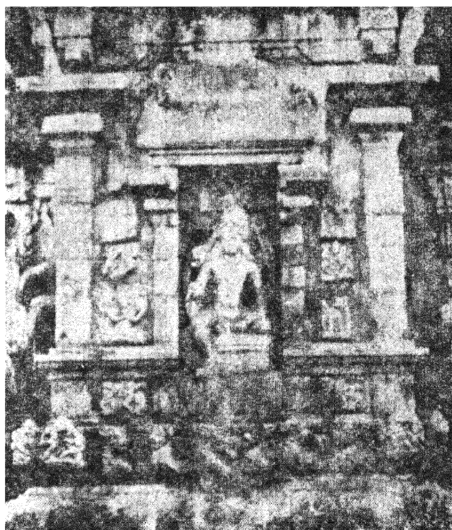


Fig. 58. Bṛhadīśvara temple—Kāmāntaka in a niche on north wall of main shrine, Gangaikoṇḍa-cōḷapuram.



61. Sculpture of Kankālamūrti in Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.



Fig. 62. Sculpture of Gajahāmūrti on the north side of sanctum in Airāvatēśvara temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.

PLATE XXV



Fig. 63. Bṛhadīśvara temple, metallic image of Naṭarāja at Tanjore.



Fig. 64. Naṭarāja, Velāngaṇṇi (Tanjore).



Fig. 65. **Naṭarāja, Tiruvālangāḍu (Chittoor).**

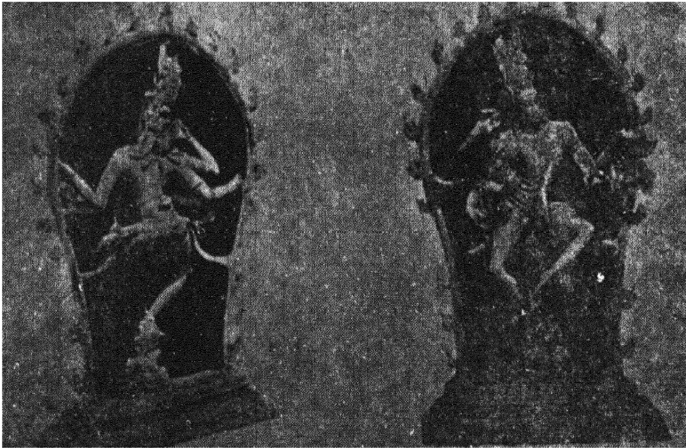


Fig. 66. Image of Naṭarāja with eight hands, front and back view, Nallūr, Tanjore Dist



Fig. 67. Śiva temple — Metallic image of Naṭarāja (Sandhyā-Tāṇḍavamūrti), Tiruvarangulam, Pudukkottah State.

PLATE XXVII



Fig. 68. Bronze—Image of Śiva as Vṛṣabhāntika with Umā, front view, (Treasure trove) Tiruveṇkāḍu, (Sıuyali Taluq), Tanjore Dist.

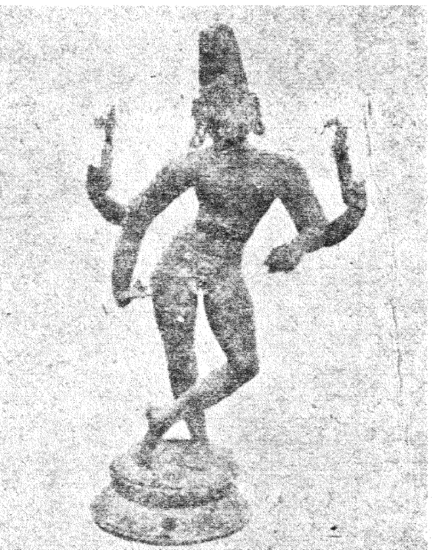


Fig. 69. Gangaikoṇḍa-cōḷapuram, Gangaikoṇḍa cōḷēṣvara temple—Metallic image of Śiva (Vṛṣabhāntika).



Fig. 70. Sukhāsanamūrti (late), Pudukkottah museum.



Fig. 71. Bronze statue of Kirāta mūrti—Tiruvōṭkaḷam near Cidambaram.



Fig. 72. Metallic image of Kirātārjunamūrti, Radhanarasimhapuram, Tanjore Dist.

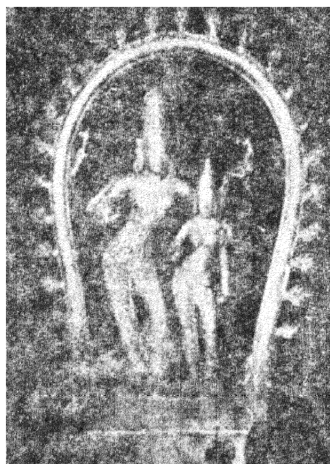


Fig. 73. Metallic image of Ālinganamūrti at Tiruvāḍuturai, Tanjore Dist.



Fig. 74. Metallic image of Bhikṣāṭanamūrti (Pichchāṇḍār) in the Śiva temple at Tirunāmanallūr.

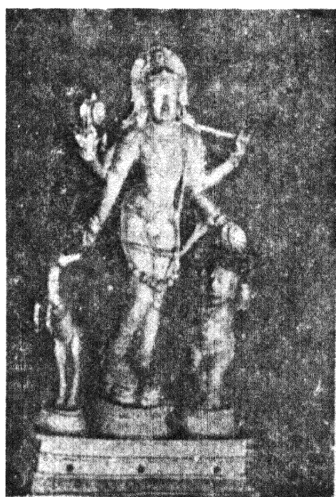


Fig. 75. Kailāsanāthasvāmin temple—Metallic image of Bhikṣāṭanamūrti, (late), Tirucceṅgōd, Salem Dist.

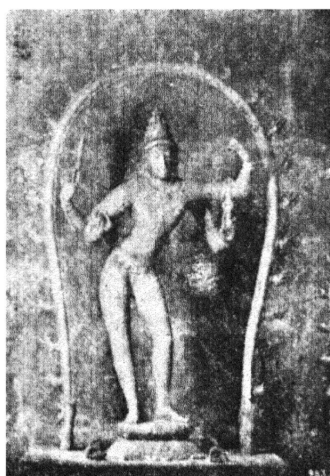


Fig. 76. Subrahmaṇya temple—Metallic image of Skanda with four arms, (Tiruviḍaikali), Tanjore Dist.

PLATE XXX

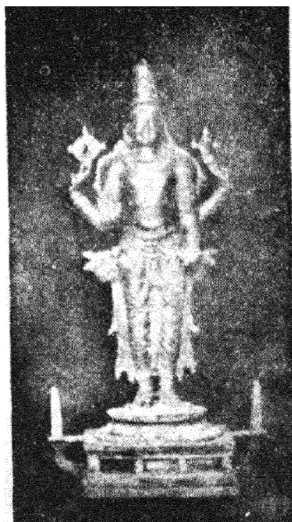


Fig. 77. Viṣṇu.



Fig. 78. Viṣṇu.



Fig. 79. Lakṣmi (?)



Fig. 80. Lakṣmi.

PLATE XXXI.

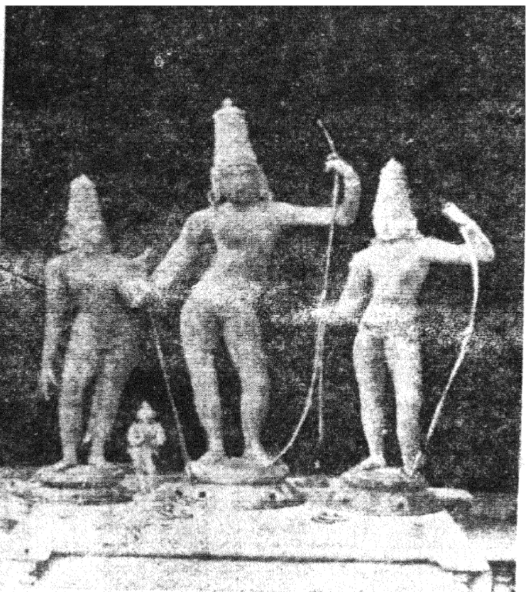


Fig. 81. Viṣṇu temple, metallic images of Rāma Lakṣmaṇa and Sītā, Tirukkaḍaiyūr, Tanjore Dist.

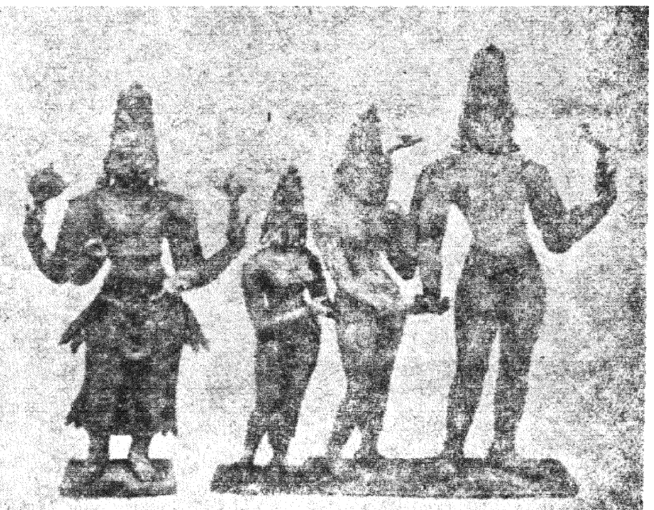


Fig. 82. Bronze image of Śiva as Kalyāṇasundara—Pārvatī being presented to Śiva in wedlock by Lakṣmī and Viṣṇu, (Treasure trove) Tiruveṇkāḍu, (Shiyali Taluq), Tanjore Dist.



Fig. 83. Seal on Karandai plates.

PLATE XXXIII



Fig. 84. Dvārapālaka, Vijayālaya-cōḷēśvara, Nārttāmalai.

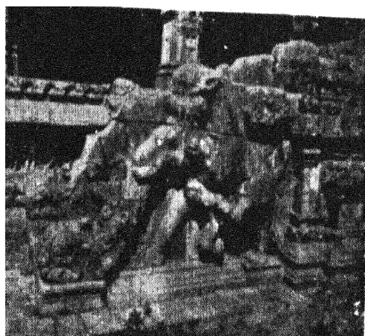


Fig. 87. Detail of sculptured elephant and lion fighting in the open court, Airāvatēśvaṛa temple, Dārāśuram, Tanjore Dist.

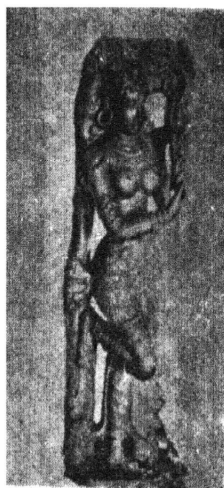
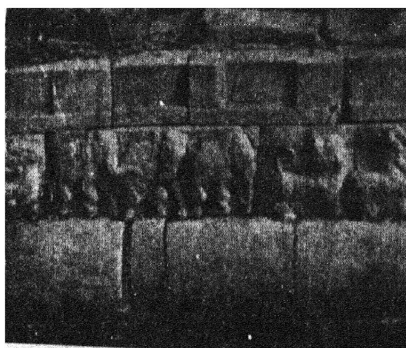


Fig. 85. Female door-keeper Kampaharēśvara temple, Tribhuvanam, Tanjore Dist.



Fig, 86. Nāṛttāmalai—platform before Samaṇakuḍagu.

PLATE XXXIV

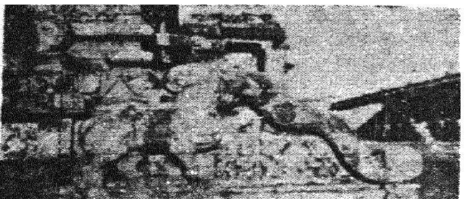


Fig. 88. Balustrade, Tribhuvanam.



Fig. 92. Nāgēśvara, Agni presenting *pāyasa* to Daśaratha.



Fig. 93. Nāgēśvara, Daśaratha distributing *pāyasa* among queens.



Fig. 94. Nāgēśvara, Birth of Rāma.



Fig. 89. Tribhuvanam—Ornamental niche, north basement of Vimāna.

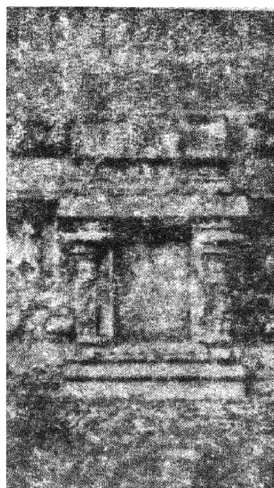


Fig. 90. Tribhuvanam—Ornamental niche, south wall mahāmaṇḍapa basement.

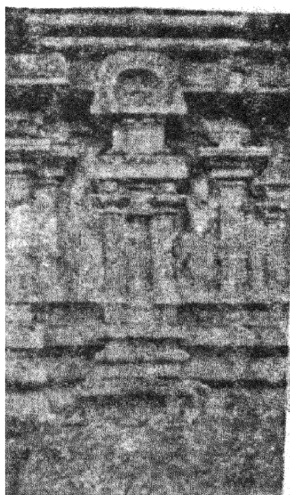


Fig. 91. Tribhuvanam—Another ornamental niche.



Fig. 92. Puñjai, Kṛṣṇa and Pūtanā.

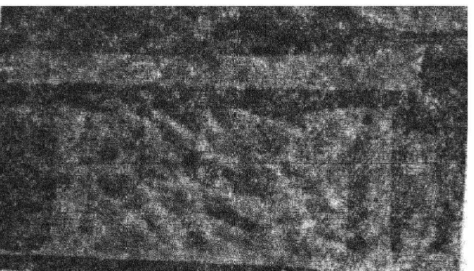


Fig. 95. Nāgēśvara, Rāma's fight with Tāṭakā.



Fig. 96. Nāgēśvara, Hanumān before Rāvaṇa.



Fig. 97. Tribhuvanam, Rāvaṇa, Sita. Jaṭāyu.

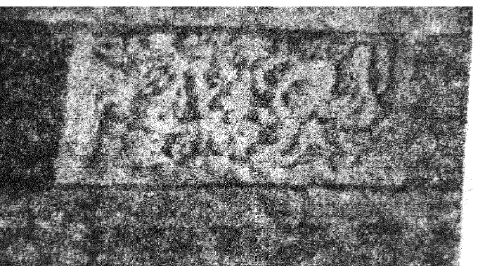
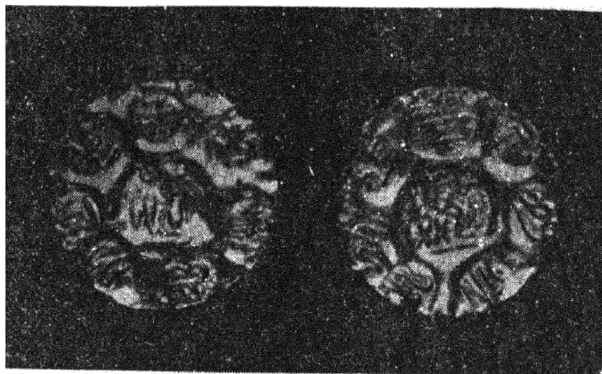


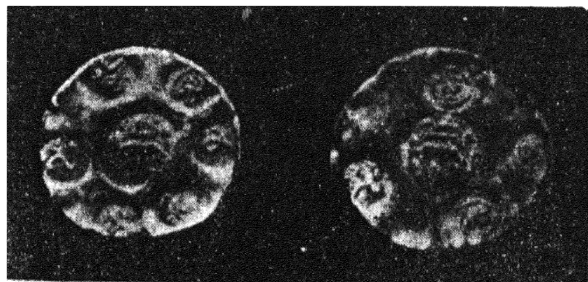
Fig. 98. Puñjai, Varāha panel.



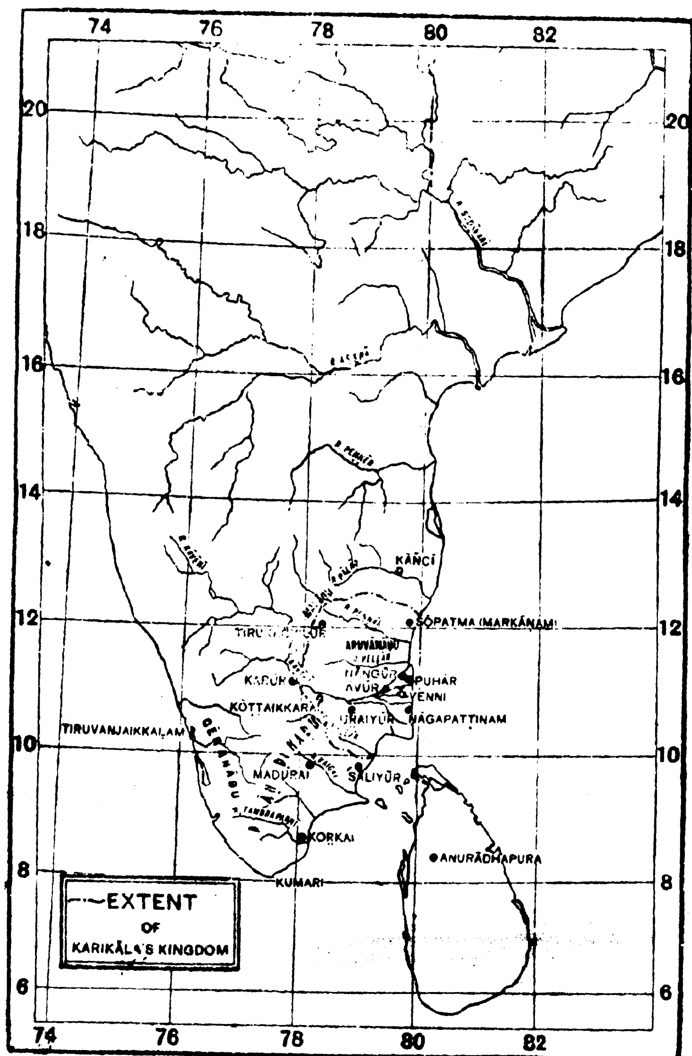
1 2

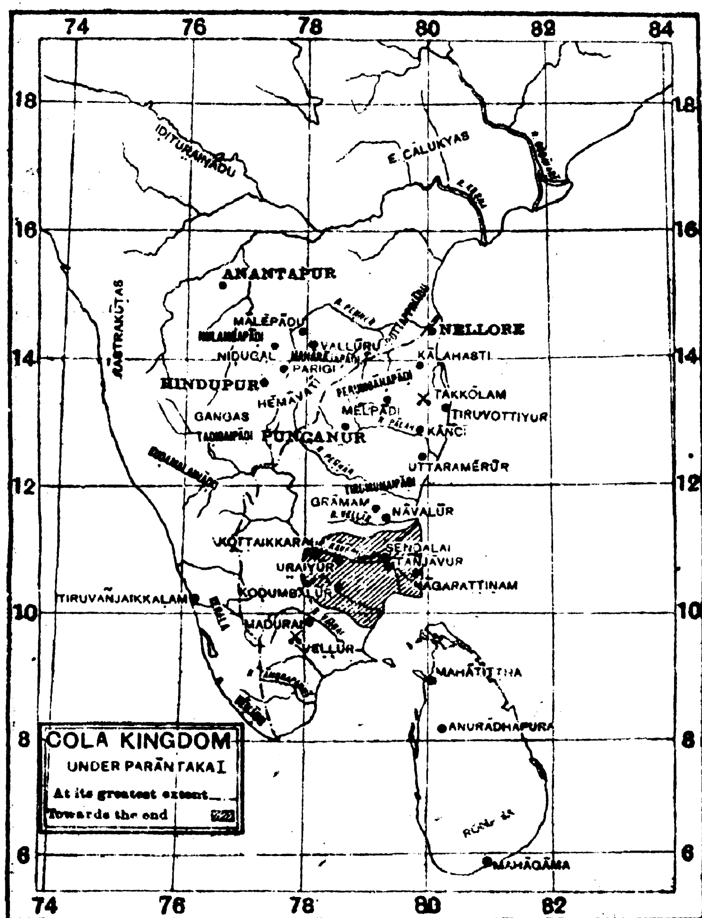


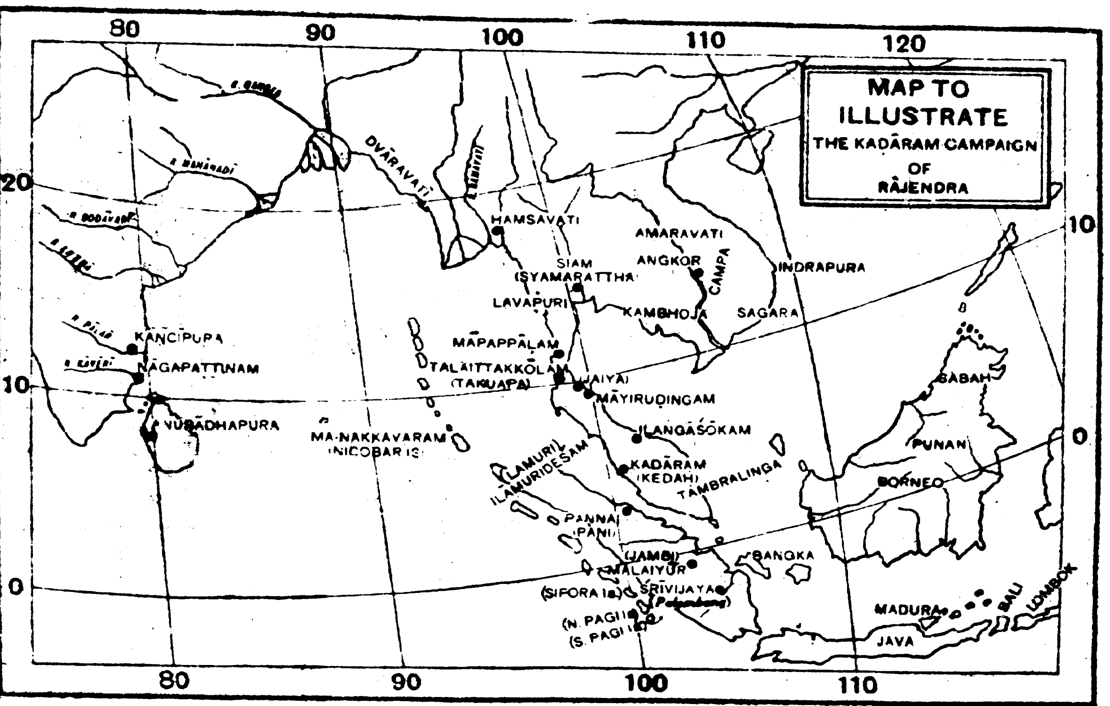
3 4

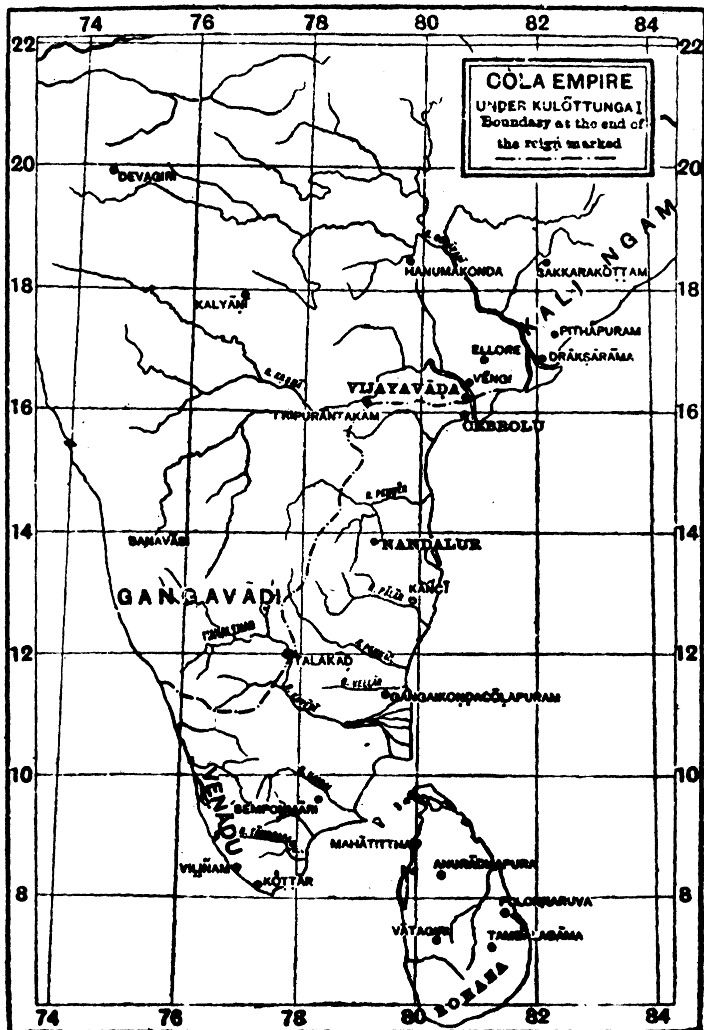


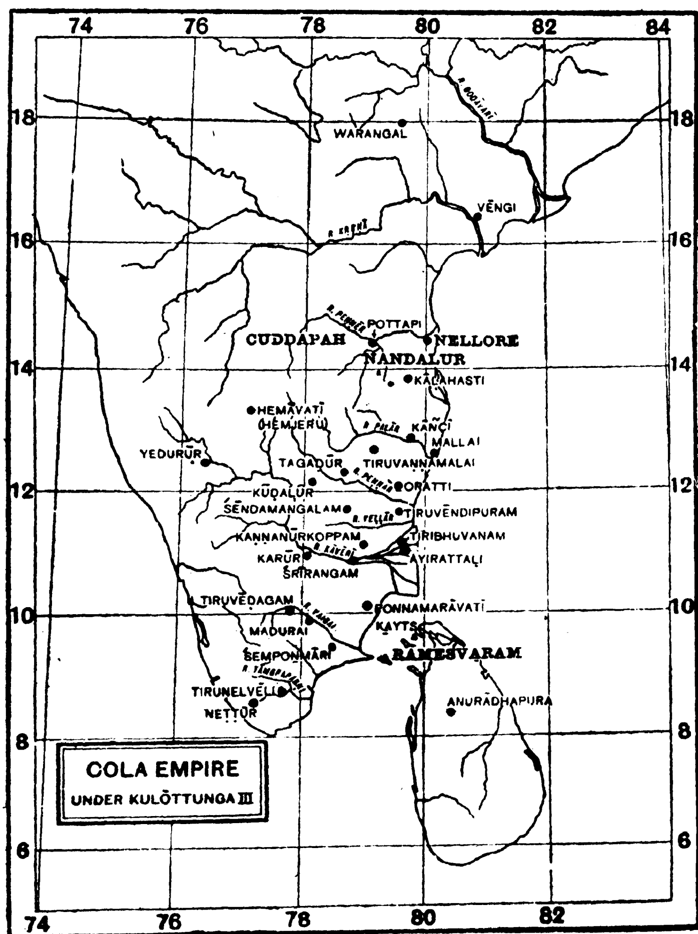
5 6

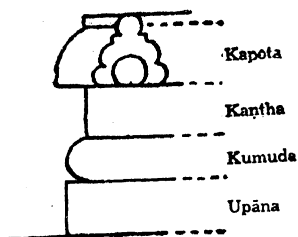

74
76
78
80
82
20
18
16
14
12
10
8
6
KĀÑCI
SŌPATMA (MARKĀNAM)
KARUR
AVUR
PUHAR
VENNI
KŌTTAIKKARA
NĀGAPATTINAM
TIRUVANJAIKKALAM
MADURAI
SALIYŪR
KORKAI
ANURĀDHAPURA
KUMARI
EXTENT
OF
KARIKĀLA'S KINGDOM


COLA KINGDOM
UNDER PARĀNTAKA I
At its greatest extent
Towards the end
ANANTAPUR
NELLORE
HINDUPUR
PUNGANUR
E. CALUKYAS
RASTRAKUTAS
GANGAS
MALEPADU
NIDUGAL
PARIGI
VALLURU
KALAHASTI
TAKKOLAM
TIRUVOTTIYUR
KANCI
MELPADI
HEMAVATI
UTTARAMERUR
GRAMAM
NAVALUR
KOTTAIKKARAI
SENDALAI
TANJAVUR
URAIYUR
KODUMBALUR
NAGARATTINAM
TIRUVANJAIKKALAM
MADURAI
VELLUR
MAHATITTHA
ANURADHAPURA
MAHAGAMA
74
76
78
80
82
84
18
16
14
12
10
8
6

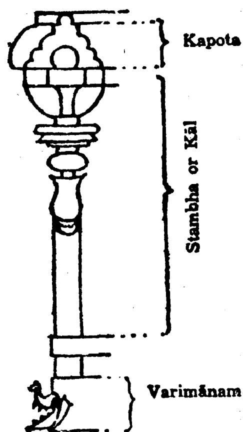

MAP TO
ILLUSTRATE
THE KADĀRAM CAMPAIGN
OF
RĀJENDRA
80
90
100
110
120
20
10
0
DVĀRAVATĪ
HAMSAVATI
AMARAVATI
ANGKOR
CAMPA
INDRAPURA
SIAM
(SYAMARATTHA)
LAVAPURI
KAMBHOJA
SAGARA
KANCIPURA
NĀGAPATTINAM
MAPAPPALAM
TALAITTAKKOLAM
(TAKUAPA)
(JAIYA)
MĀYIRUDINGAM
NURĀDHAPURA
MA-NAKKAVARAM
(NICOBAR IS)
ILANGĀSOKAM
KADĀRAM
(KEDAH)
TAMBRALINGA
(LAMURI)
ILAMURIDESAM
PANNAI
(PANI)
(JAMBI)
MALAIYUR
SRIVIJAYA
(Palembang)
(SIFORA Is)
(N. PAGI Is)
(S. PAGI Is)
BANGKA
SABAH
PUNAN
BORNEO
MADURA
BALI
LOMBOK
JAVA


CŌLA EMPIRE
UNDER KULŌTTUNGA I
Boundary at the end of the reign marked
DEVAGIRI
HANUMAKONDA
SAKKARAKOTTAM
KALYĀṆI
KALINGAM
PITHĀPURAM
ELLORE
DRĀKṢĀRĀMA
VĒNGI
VIJAYAVĀḌA
TRIPURĀNTAKAM
CHEBROLU
BANAVĀSI
NANDALUR
KĀÑCI
GANGAVĀḌI
TALAKAḌ
GANGAIKONḌACŌḶAPURAM
VENĀḌU
SEMPOṆMĀRI
MAHĀTITTHA
ANURĀDHAPURA
VIḶIÑAM
KOTTĀR
POLONNARUVA
VĀTAGIRI
ROHAṆA
74
76
78
80
82
84
22
20
18
16
14
12
10
8

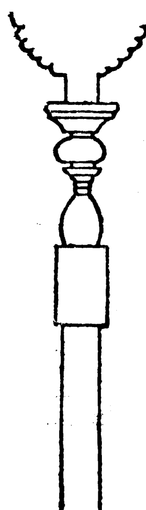

COLA EMPIRE
UNDER KULŌTTUNGA III
WARANGAL
VENGI
R. KRISHNA
POTTAPI
CUDDAPAH
NELLORE
NANDALUR
KALAHASTI
HEMAVATI
(HEMJERU)
KAÑCI
MALLAI
YEDURŪR
TAGADŪR
TIRUVANNAMALAI
KŪDALŪR
ORATTI
SENDAMANGALAM
TIRUVENDIPURAM
KANNANURKOPPAM
TIRIBHUVANAM
KARŪR
AYIRATTALI
SRIRANGAM
TIRUVEDAGAM
PONNAMARAVATI
MADURAI
KAYTS
SEMPONMĀRI
RAMESVARAM
TIRUNELVELI
NETTŪR
ANURĀDHAPURA

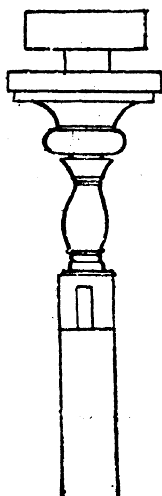


(1) Parts of the plinth (*upapīṭha*).



(2) Parts of the Pillar.

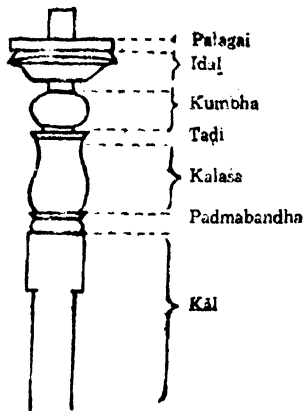




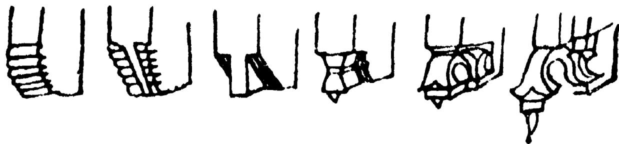
7th cent. Pallava style

11th cent. Cōḷa style

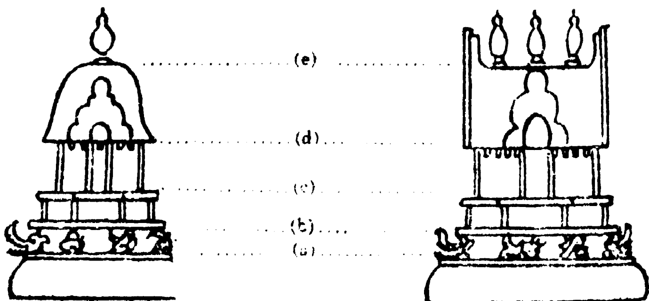
(3) Evolution of Palagai.



(4) Parts of the Capital.



(5) Evolution of the Corbel.



(6) Two forms of the Pañjara
(a) varimānam (b) balustrade (c) window (d) śikhara (e) stūpa

Drawings according to Jouveau-Dubreuil, *Archéologie du sud de l'Inde*